اليواقيت والجواهر
في بيان عقائد الأكابر
اکابر صوفیاء کرام اور مشائخ عظام کے
عقائد و نظریات اور علوم و معارف کا بہترین مجموعہ
تصنیف لطیف:
قطب ربانی، ہیکل صمدانی، عارف باللہ تعالیٰ
سیدی عبد الوہاب الشعرانی قدس سرہ النورانی
مترجم
صاحبزادہ پیر سید محمد محفوظ الحق
نوریہ رضویہ پبلی کیشنز

اکابر صوفیاء کرام اور مشائخ عظام کے عقائد و نظریات اور علوم و معارف کا بہترین مجموعہ

تصنیف لطیف:

قطب ربانی [illegible] عارف باللہ تعالیٰ

سیدی عبدالوہاب الشعرانی قدس سرہ النورانی

مترجم:

رئیس المتکلمین عالم باعمل، پیر طریقت حضرت علامہ مولانا الحاج

صاحبزادہ پیر سید محمد محفوظ الحق شاہ صاحب چشتی صابری قادری

نوریہ رضویہ پبلی کیشنز

۱۱۔ گنج بخش روڈ لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مولای صل وسلم دائما ابدا
علی حبیبک خیر الخلق کلھم

محمد سید الکونین والثقلین
والفریقین من عرب ومن عجم

نوریہ رضویہ پبلی کیشنز

فہرست

عنوانات	صفحہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تذکرۂ نورانی

العارف باللہ تعالیٰ سیدی عبدالوہاب الشعرانی

قطب ربانی۔ ہیکل صمدانی۔ العارف باللہ تعالیٰ سیدی عبدالوہاب الشعرانی قدس سرہ النورانی الشعرانی ایک نسبت ہے جس سے بہت سے لوگ مشہور ہیں۔ عام طور پر اسے شعر سے مشتق بتاتے ہیں۔ جس کے معنی ''بال'' ہیں۔ اور اس کا اطلاق ایسے شخص پر ہوتا ہے جس کے بال بہت گھنے یا بہت لمبے ہوں بعض معروف اشخاص ایک مقام سے تعلق کی وجہ سے شعرانی کے علاوہ شعراوی بھی کہلاتے تھے۔

آپ کی کنیت ابوالمواہب ہے۔ ایک مثالی کنیت ہے۔ جب کہ آپ اپنے بیٹے کی نسبت سے ابوعبدالرحمٰن کہلاتے تھے لطائف المنن والاخلاق کے باب اول میں آپ نے اپنا نسب یوں بیان فرمایا ہے عبدالوہاب بن احمد بن علی بن احمد بن علی بن محمد بن زوفا ابن الشیخ موسیٰ جنہیں بہنسا کے شہروں میں ابوعمران کی کنیت سے یاد کیا جاتا ہے۔ آپ میرے چھٹے دادا ہیں۔ بن سلطان احمد ابن سلطان سعید ابن سلطان قاشین ابن سلطان محیا بن سلطان زوفا ابن سلطان ریان بن سلطان محمد بن موسیٰ ابن السید محمد بن الحنفیہ ابن الامام علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔ اور فرماتے ہیں کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے احسان فرمایا کہ مجھے شرافت نسبی حاصل ہے۔

شرافت نسبی کی برکت

فرماتے ہیں کہ اگرچہ غالب طور پر تقوی کے بغیر نسبی شرافت نفع نہیں دیتی لیکن کبھی کچھ فائدہ حاصل ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا اشارہ اپنے اس ارشاد میں فرمایا ہے وکان ابوھما صالحا (جن دو یتیم بچوں کی دیوار حضرت خضر اور موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام نے کھڑی کردی) ان دونوں کا باپ نیک تھا۔ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ ان کا باپ صالح تھا تو وہ اس انعام میں داخل نہ ہوتے اور اس کی صفت صلاح کی تصریح فرمانے کا چنداں فائدہ نہ ہوتا۔ پس میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں کہ اس نے مجھے نادرنی بادشاہوں کی اولاد میں سے کیا۔

اور اپنے نسب کے بابرکت ہونے کے متعلق ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ میری ساتویں پشت کے دادا سلطان احمد تلمسان کے بادشاہ تھے اور یہ شیخ ابومدین المغربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ تھا۔ اور جب میرے دادا موسیٰ کو شیخ سے شرف ملاقات حاصل ہوا تو آپ نے یعنی شیخ ابومدین نے پوچھا کہ آپ کی نسبت کس کے ساتھ ہے؟ انہوں نے کہا میرے والد سلطان احمد ہیں آپ نے

فرمایا کہ میں نے شرافت کے حوالے سے تمہارا نسب مراد لیا ہے تو انہوں نے عرض کی میرا نسب سیدی محمد بن الحنفیہ کے ساتھ ملتا ہے۔ آپ نے فرمایا بادشاہی، شرافت اور فقر باہم اکٹھے نہیں ہوتے تو انہوں نے عرض کی: یا سیدی! فقر کے ماسوا کو میں ترک کرتا ہوں۔ چنانچہ آپ نے ان کی تربیت فرمائی۔ جب طریقت میں تکمیل ہوگئی تو آپ کو صعید مصر کی طرف سفر کرنے کا امر فرمایا۔ اور انہیں حکم دیا کہ ہوفان کی طرف سکونت اختیار کرنا وہیں تمہاری قبر ہوگی چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

امام شعرانی ۸۹۷ میں پیدا ہوئے۔ اور ایک قول کے مطابق ۹۷۳ میں وفات پائی۔

مضافات مصر کے علاقے ریف میں ابتدائی ایام میں اقامت پذیر رہے۔ نوازشات الٰہیہ کا ذکر فرماتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ریف کے علاقے میں ۸ سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کیا آپ بچپنے سے ہی پابند صوم وصلوٰۃ تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ جب سے ہی میں پابندی وقت کے ساتھ پانچ وقت کی نماز ادا کرتا اور مجھے یاد نہیں کہ میں نے آج تک نماز کا وقت ضائع کیا ہو سوائے ایک دفعہ کے کہ سفر حجاز کے دوران راستے میں نماز ظہر پڑھنا بھول گیا اور تاخیر کی نیت کے بغیر عصر کا وقت داخل ہو گیا۔ کئی دفعہ میں ایک ہی رکعت میں پورا قرآن کریم ختم کر لیتا حالانکہ ابھی بالغ نہیں تھا۔

۹۱۱ھ کے آغاز میں ریف سے آپ مصر منتقل ہوگئے اس وقت آپ کی عمر ۱۲ سال کی تھی اور اس نقل مکانی کی توفیق کو آپ رب العزت کے احسان و انعام سے تعبیر فرماتے ہیں چنانچہ آپ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے مجھ پر انعام فرمایا کہ میں ریف کا صحرائی علاقہ چھوڑ کر مصر آ گیا اور یوں اللہ تعالیٰ نے مجھے جفاء وجہالت کی سرزمین سے لطف اور علم کے شہر کی طرف منتقل فرمایا اور اس کی طرف سیدنا یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اشارہ فرمایا کہ آپ فرماتے ہیں وقد احسن بی اذا اخرجنی من السجن وجاء بکم من البدو یعنی اس نے مجھ پر بڑا اکرم فرمایا جب اس نے مجھے قید خانہ سے نکالا اور تمہیں صحرا سے لے آیا اور اس کے بعد کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان ناچاقی ڈال دی تھی۔ پس آپ نے اپنے بھائیوں کے صحرا سے آنے کو اپنے اوپر اور بالتبع بھائیوں پر اللہ تعالیٰ کے احسان کے طور پر ذکر فرمایا۔ گویا حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کے ساتھ اور اپنے ساتھ ظاہر کی گئی حکمت عملی پر اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کی اور حدیث شریف میں مرفوعاً بیان کیا گیا ہے کہ جس نے صحرا میں سکونت اختیار کی اس نے جفا کی جو شکار کے پیچھے چلا غافل ہوا اور جو ارباب اقتدار کے دروازوں پر آیا فتنہ میں مبتلا ہوا۔

زمانہ نابالغی میں کفایت خداوندی

چند سطور پہلے آپ نے مصر کی سرزمین لطیف وعلم میں پہنچنے کا تذکرہ فرمایا اس ضمن میں فرماتے ہیں کہ جب میں ۱۲ سال کی عمر میں مصر آیا تو سیدی ابوالعباس الغمری کی جامع میں اقامت پذیر ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے شیخ الجامع اور ان کی اولاد کو مجھ پر بغایت مہربان کر دیا چنانچہ میں ان کے درمیان ایسے تھا جیسے کہ انہیں میں سے ایک ہوں۔ میں وہی کھاتا جو وہ کھاتے اور وہی پہنتا جو وہ خود پہنتے۔ انہیں میری طرف سے اللہ تعالیٰ ہی جزائے خیر عطا فرمائے گا ان کے پاس وہاں رہتے ہوئے میں نے کتب شرعیہ کے متون اور ان کی اصلاحات یاد کیں اور انہیں شیوخ پر پیش کر کے عقدہ کشائی کا شرف حاصل کیا۔ میرے ظاہر کو اللہ تعالیٰ نے گناہوں میں ملوث

ہونے سے محفوظ رکھا عقیدت کی بناء پر لوگ مجھے بہت کچھ سونا چاندی اور کپڑے پیش کرتے اور ظاہر کے ساتھ ساتھ باطنی آلودگیوں سے بھی محفوظ ہونے کی بناء پر میں کبھی تو سب کچھ لوٹا دیتا اور کبھی صحن جامع میں ڈال دیتا تا کہ مجاور اسے اٹھالیں۔ اور لوگوں سے سوال کرنے سے بچتے ہوئے اور ان کی نگاہوں میں رسوا ہونے کے خوف سے کئی کئی دن بھوکا رہتا حالانکہ میں نابالغ تھا۔

اسی زمانہ میں اپنے بارے میں حفاظت وعنایت الٰہیہ کے دو ایک واقعات بیان فرماتے ہیں کہ دریائے نیل کناروں تک بہہ رہا تھا میں اس میں تیرتے ہوئے بہت تھک گیا۔ قریب تھا کہ وسط دریا میں ڈوب جاؤں کہ اللہ تعالیٰ نے میرے لئے مگرمچھ بھیج دیا جو کہ میرے پاؤں کے نیچے آ ٹھہرا حتیٰ کہ مجھے راحت ملی۔ میں سمجھا کہ کوئی چٹان ہے دیکھتا ہوں کہ وہ پانی کی سطح پر آ کر تیرنے لگا۔ پھر میرے اردگرد تیرتے ہوئے مجھے سہارا دیتا رہا حتیٰ کہ میں ساحل تک پہنچ گیا پھر وہ غوطہ لگا گیا اور یہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کا احسان ہے حالانکہ اس وقت میں چھوٹا تھا اور مجھے اس کے حضور حسن معاملہ کے طریقہ کی پہچان نہ تھی۔ پس اس نے اپنے لطف وکرم سے مجھے ہلاکت سے بچانے کے لئے ہلاک کرنے والے کے ذریعے میری حمایت فرمائی اور اس وحشی جانور کو میرے پاؤں کے نیچے رام کر دیا حتیٰ کہ مجھے اس پریشانی سے نجات ملی۔

اسی طرح ایک فاسق وفاجر نے میرے ساتھ فحش کلامی کی۔ اسے اللہ تعالیٰ نے سات دن کے بعد جذام میں مبتلا کر دیا یہاں تک کہ لوگ اس سے نفرت کرنے لگے اور وہ اسی ذلت میں مر گیا۔ اسی طرح ایک شخص مجھ سے بدسلوکی سے پیش آیا۔ اس نے روم کی طرف سفر کیا جہاں فرنگیوں نے اسے قید کر لیا اور وہاں عیسائی ہو گیا اور میرے ساتھ پیش آنے والے اس قسم کے بے شمار واقعات ہیں باوجودیکہ میں والدین کی طرف سے یتیم تھا لیکن اللہ تعالیٰ ہی میرا مددگار تھا اور اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے دوستی اور امداد کے لئے۔

مجمع شریعت وطریقت بحوالہ وسعت مطالعہ

اگرچہ آپ کی علمی مصروفیات زیادہ تر تصوف میں ہیں لیکن علوم شرعیہ از قبیل علوم قرآن وسنت' عقائد' فقہ اور دیگر معاون علوم میں آپ کی دلچسپی اور مشغولیت ناقابل تردید حقیقت ہے۔ چنانچہ مختلف علوم وفنون کی کتب کا مطالعہ اس قدر وسیع ہے کہ انسان حیران رہ جاتا۔ آپ فرماتے ہیں کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کے انعامات میں سے ایک انعام یہ ہے کہ میں نے کتب شریعت اور اس کے معاون علوم کا خود کثرت سے مطالعہ کیا ہے۔ پھر میں نے ان سے استفادہ میں اپنے فہم پر ہی اعتماد نہیں بلکہ مشکل مقامات کے حل کے لئے علماء کرام کی طرف رجوع کیا کیونکہ میرے فہم میں خطاء کا احتمال ہو سکتا ہے۔ پھر آپ نے مصنفین کے اسماء گرامی کے ساتھ ساتھ ان کی تصنیفات کا تفصیلی ذکر فرمایا جن کا آپ نے مطالعہ فرمایا اور یہ بھی بتایا کہ کس کتاب کا کتنی دفعہ مطالعہ فرمایا۔ ان میں کتب تفسیر' کتب شروح الاحادیث علی الخصوص شروح صحیح بخاری فتح الباری ایک مرتبہ۔ شرح کرمانی دو مرتبہ شرح برماوی پانچ مرتبہ۔ عینی دو مرتبہ اور شرح قسطلانی ایک سے کچھ زائد مرتبہ۔ قاضی عیاض کی شرح مسلم ایک مرتبہ نووی کی شرح مسلم پندرہ مرتبہ۔ شیخ محی الدین ابن عربی کی مختصر جو کہ تیس ضخیم جلدوں میں سے ہے ایک مرتبہ۔ ماوردی کی کتاب الحاوی جو کہ تیس جلدوں میں ہے ایک مرتبہ۔ امام شافعی کی کتاب الام تین مرتبہ۔ شیخ ابو محمد الجوینی کی کتاب محیط جس میں آپ نے کسی ایک مسلک کی پابندی نہیں کی۔ اور انہیں کی کتاب الفروق۔ امام غزالی کی کتاب الوسیط' امام واحدی کی تفسیر البسیط والوجیز ایک مرتبہ علاوہ ازیں بے شمار مطولات۔

کتب تفسیر

نیز تفسیر قرآن کی مشہور کتب کا مطالعہ فرمایا تفسیر بغوی ایک مرتبہ۔ تفسیر خازن تین مرتبہ۔ تفسیر ابن عادل سات مرتبہ۔ تفسیر کواشی دس مرتبہ۔ تفسیر ابن زہرہ ایک مرتبہ۔ تفسیر قرطبی دو مرتبہ۔ تفسیر ابن کثیر ایک مرتبہ۔ تفسیر بیضاوی پانچ مرتبہ۔ تفسیر ابن النقیب المقدسی ایک مرتبہ جو کہ ایک سو ضخیم جلدوں پر ہے اور اس سے زیادہ وسیع تفسیر کا میں نے مطالعہ نہیں کیا۔ امام واحدی کی تفسیر البسیط والوجیز۔ شیخ عبدالعزیز الدیرینی کی کبیر وصغیر تفسیر تین مرتبہ۔ تفسیر جلالین تیس مرتبہ امام جلال الدین السیوطی کی بڑی تفسیر یعنی الدرالمنثور تین مرتبہ۔ علاوہ ازیں بے شمار کتب تفسیر کا ذکر فرمایا۔

کتب حدیث

اور میں نے حدیث شریف اور دلائل مذاہب کی اتنی کتابوں کا مطالعہ کیا کہ ان کا شمار نہیں ہوسکتا۔ بعض یہ ہیں۔ صحاح ستہ۔ صحیح ابن خزیمہ۔ صحیح ابن حبان۔ مسند امام احمد۔ مؤطا امام مالک۔ طبرانی کی تینوں معاجیم ابن امیر کی جامع الاصول۔ امام سیوطی کی جامع کبیر۔ جامع صغیر۔ زیادات اور یہ دس ہزار احادیث کا مجموعہ ہے اور حدیث پاک کی ان کتابوں میں سے شریعت پاک کا کوئی نادر مسئلہ ہی باہر ہوگا اور سنن بیہقی کے بعد ادلہ مذاہب میں یہ سب سے جامع کتاب ہے۔ اس طرح میں نے بیہقی کی سنن کبریٰ کا مطالعہ کیا پھر میں نے اسے سند اور تکرار حذف کر کے مختصر کیا البتہ احکام باقی رکھے۔ اسی طرح میں نے شیخ مجدالدین کی کتاب المنتقی من الاحکام کا مطالعہ کیا اور یہ میری کتاب کشف الغمہ عن جمیع الامہ کے مسودہ کی اصل ہے۔ اسی طرح میں نے ابن قیم کی کتاب الہدیٰ النبوی کا مطالعہ کیا۔ پھر اسے مختصر کیا۔ دلائل النبوۃ بیہقی امام سیوطی کی کتاب المعجزات والخصائص کا مطالعہ کیا پھر اسے مختصر کیا علاوہ ازیں میں نے اتنے اجزاء اور مسانید کا مطالعہ کیا کہ شمار نہیں کرسکتا۔ اور فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے شیخ شمس الدین المظفری کو میرے تابع فرمان کردیا جو کہ خزائن مصر سے ہر وہ کتاب لے آتے تھے جو میں طلب کرتا۔

کتب لغت

نیز میں نے لغت میں جوہری کی صحاح۔ قاموس۔ نہایہ ابن اثیر۔ نووی کی تہذیب الاسماء اللغات کا مطالعہ کیا۔ مؤخر الذکر کا پندرہ مرتبہ مطالعہ کیا۔

کتب اصول وکلام

ان میں سے بعض یہ ہیں۔ شرح العضد۔ شرح منہاج البیضاوی۔ غزالی کی کتاب المستصفی۔ امام الحرمین کی کتاب الامالی۔ شرح المقاصد۔ کتاب شرح الطوالع والمطالع۔ قزوینی کی سراج العقول۔ تفتازانی کی شرح عقائد اور حاشیہ ابن ابی شریف وغیرہ۔

کتب فتاویٰ

اور پیش آنے والے حالات وواقعات کے بارے میں علمائے متقدمین اور متاخرین کے فتاویٰ کی بے شمار کتابوں کا مطالعہ کیا ہے جیسے فتاویٰ اور ابن ابی زید المروزی۔ فتاویٰ القفال۔ فتاویٰ القاضی الحسین۔ فتاویٰ الماوردی۔ امام غزالی اور ان کے امام کے

فتاوی۔ فتاویٰ ابن ابی صباغ۔ فتاویٰ ابن الصلاح۔ فتاویٰ ابن السلام۔ فتاویٰ النووی۔ فتاویٰ السبکی۔ فتاویٰ البلقینی۔ فتاویٰ الشیخ زکریا۔ فتاویٰ الشیخ شہاب الدین الرملی وغیرہ۔

کتب قواعد

اور قواعد کی کتابوں میں سے ان کتب کا مطالعہ کیا۔ قواعد الشیخ عزالدین الکبری والصغریٰ۔ قواعد العلائی۔ قواعد السبکی۔ قواعد الزرکشی۔

کتب سیرت

اور سیرت کی کتابوں میں سے سیرۃ ابن ہشام۔ سیرۃ ابن اسحاق۔ سیرت الکلبی۔ سیرۃ ابی الحسن البکری۔ سیرۃ الطبری۔ سیرۃ الکلاعی۔ سیرۃ ابن سید الناس اور سیرۃ الشیخ محمد الشامی جسے آپ نے سیرت کی ایک ہزار کتب سے جمع فرمایا اور میرے گمان کے مطابق سیر میں سب سے جامع کتاب ہے۔

کتب تصوف

اور میں نے تصوف اور لطائف کی اتنی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے کہ شمار نہیں ہوسکتا ان میں سے ابوطالب مکی کی کتاب القوت حارث محاسبی کی کتاب الرعایۃ۔ ابونعیم کی کتاب الحلیہ۔ رسالہ قیصریہ۔ سہروردی کی کتاب عوارف المعارف۔ غزالی کی کتاب الاحیاء۔ یافعی کی سب کتابیں۔ شیخ اکبر کی کتاب الفتوحات۔ پھر میں نے اس میں سے وہ مقامات حذف کر کے جو شیخ کے نام پر اس میں غلط طور پر درج کیے گئے تھے اسے مختصر کر دیا۔

علاوہ ازیں میں نے شیخ احمد زاہد کا رسالہ نور پڑھا جس کی دو جلدیں ہیں اور آپ کے مرید سیدی محمد الغمری کی کتاب منح المنۃ کا مطالعہ کیا جس کی چھ جلدیں ہیں۔ ہروی کی منازل السائرین۔ قاشانی کی شرح الفصوص اور قیصری کی شعب الایمان وغیرہ کا مطالعہ کیا۔ امام شعرانی فرماتے ہیں یہ ان چند کتابوں کا ذکر ہے جن کا مطالعہ کرنا مجھے یاد ہے اور الحمد للہ میرے خیال میں بڑے زمانے میں شاید کوئی ہو جسے ان کا علم ہو۔

دعوت غور و فکر

یاد رہے کہ بے شمار کتابوں کا ذکر شیخ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے طوالت کی وجہ سے چھوڑ دیا نیز اس حوالے سے کہ فی الحال آپ کی یادداشت میں یہی کتابیں ہیں جب کہ اسی طوالت کے خوف سے اس فقیر نے حضرت مؤلف قدس سرہ کی مذکورہ فہرست سے بھی کئی کتابوں کا ذکر نہیں کیا اس کے باوجود ایک بھاری بھرکم فہرست پھر بھی درج کر دی ہے کہ قارئین کو حضرت مؤلف کے متعلق تعارف ہو کہ آپ فی الحقیقت بحر العلوم والحقائق اور شریعت وطریقت کا مجمع البحرین ہیں۔ اور اس کتاب الطبقات الکبری میں جو کچھ آپ نے تحریر فرمایا ہے اس کی اہمیت واضح ہو اور طبقات کبریٰ کے مطالعہ کے دوران اس حقیقت پر نظر رہے کہ توحید وہ ہے جو کہ ان نفوس قدسیہ کی تعلیمات اور معمولات سے مترشح ہوتی ہے۔ اور فیوض و برکات توحید اور معرفت الٰہیہ سے مشرف ہو کر یہ حضرات

جن کمالات اور درجات سے نوازے گئے اور قرب خداوندی کے جن مدارج علیا پر فائز ہوئے وہ شرک نہیں ہیں بلکہ ایمان کامل کے نتائج اور ثمرات ہیں اور ان محرومان توفیق کے لئے لمحہ فکریہ جنہیں ان نفوس قدسیہ کے خداداد کمالات اور تصرفات کو دیکھ کر یا سن کر (معاذ اللہ) عقیدۂ توحید کے مجروح ہونے کا غم مضمحل کر دیتا ہے اور بات بات پر شرک شرک کی گردان کرنے لگتے ہیں توحید و رسالت کے حقائق کو جس طرح ان نفوس کاملہ نے سمجھا اور پایا وہی آبروئے اسلام ہے یہ وہی حضرات ہیں جن کی راہ پر چلنے کی توفیق **اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم** کے ساتھ ہر رکعت میں بارگاہ الوہیت سے طلب کی جاتی ہے اگر ان کے عقائد و اعمال اور تعلیمات توحید سے متصادم اور اس کے خلاف ہیں تو پھر ایمان کہاں سے ملے گا؟ **فھل من مدکر**

میزان اعتدال

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے امام شعرانی قدس سرہ پر یہ انعام بھی فرمایا کہ باوجودیکہ آپ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد ہیں لیکن باقی ائمۃ مجتہدین اور ان کی تحقیقات کے متعلق اسی قدر عقیدت و محبت رکھتے ہیں جس قدر کہ ان کے مقلدین کو اپنے اپنے امام محترم کے ساتھ ہوتی ہے چنانچہ خود فرماتے ہیں کہ میں اپنے مذہب کی کتابوں کی بہ نسبت باقی تین مذاہب کے ائمہ یعنی امام ابوحنیفہ۔ امام مالک اور امام احمد بن حنبل رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی کتابوں کا مطالعہ زیادہ کرتا ہوں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب میں نے امام شافعی رضی اللہ عنہ کے مذہب میں تبحر حاصل کر لیا تو مجھے ایسے مسائل کی معرفت کی ضرورت محسوس ہوئی جن پر چاروں ائمہ کرام کا اجماع ہو یا پھر تین ائمہ جن پر متفق ہوں تاکہ میں ان کے ممنوعات پر عمل سے پرہیز کر سکوں اور جس کا انہوں نے حکم دیا ہے اس پر عمل کر سکوں چنانچہ حنفیہ جن کی کتابوں کا آپ نے مطالعہ کیا ان کا تذکرہ بھی فرمایا مثلاً شرح الکنز۔ شرح مجمع البحرین۔ الحدادی۔ فتاویٰ قاضی خان۔ شرح القدوری۔ فتاویٰ بزازیہ۔ خلاصہ۔ شرح الھدایۃ اور حافظ زیلعی کی نصب الرایہ جس میں آپ نے شرح الھدایۃ کی احادیث کی تخریج فرمائی ہے اور ان کے مشکل مقامات کے بارے میں معاصر علمائے حنفیہ کی طرف رجوع کیا۔ اسی طرح کتب مالکیہ کی مدونات کا مطالعہ بھی کیا اور فرماتے ہیں کتب مدونہ کا مطالعہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ پر کیا اسی طرح امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کے مذہب کی کتابوں کا بھی مطالعہ کیا اور میں نے اقوال ائمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں مطابقت کے لئے ایک میزان مقرر کی اور اسے میزان کبریٰ کے نام سے جانا جاتا ہے اور اس کی وجہ سے پتہ چلتا ہے کہ ائمہ مجتہدین کے مذاہب اور ان کے مقلدین کے اقوال شریعت مطہرہ ہی کی طرف لوٹتے ہیں۔

ائمہ مجتہدین شریعت وحقیقت کے جامع اور ارباب حضوری تھے

آپ اپنے شیخ طریقت علی الخواص رضی اللہ تعالیٰ کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ کہ میں نے انہیں یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ائمۂ مذاہب نے اپنے مذاہب کی تائید شریعت کے ساتھ ساتھ حقیقت کے قواعد پر چل کر کی ہے اور ان حضرات نے اپنے پیروکاروں کو جتلایا ہے کہ وہ شریعت اور حقیقت دونوں کے عالم تھے۔ نیز شیخ نے فرمایا کہ تمام اہل کشف کے نزدیک ائمہ مجتہدین میں سے کسی کا کوئی قول شریعت سے خارج نہیں اور ان کا شریعت سے خارج ہونا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے جب کہ ان حضرات کو اپنے اقوال کے کتاب وسنت اور اقوال صحابہ کرام سے مستفاد ہونے پر اطلاع ہے کشف صحیح سے مشرف ہیں اور ان میں سے ہر ایک کی روح حضور

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پاک کے حضور حاضر ہوتی ہے اور انہیں دلائل میں سے جس چیز کے متعلق کچھ تردد ہوتا ہے اس کے بارے میں بارگاہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ! کیا یہ آپ کا ارشاد ہے یا نہیں؟ اور انہیں استفادہ کا یہ شرف بیداری میں اور سرکار علیہ السلام کے روبرو ہو کر حاصل ہوتا ہے اور اہل کشف کے درمیان شروط معتبرہ کے ساتھ یہ حاضری ہوتی ہے۔ اسی طرح یہ حضرات اپنی کتابوں میں ہر مسئلہ کی تدوین اور اس کے ساتھ طاعت الٰہیہ کا شرف پانے سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لیا کرتے تھے کہ یا رسول اللہ! ہمیں فلاں آیت سے یہ مسئلہ سمجھ آیا ہے اور فلاں حدیث پاک میں آپ کے اس ارشاد مبارک سے ہمیں یہ مسئلہ معلوم ہوا آپ اسے پسند فرماتے ہیں یا نہیں؟ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد یا اشارہ کے مطابق عمل کرتے۔

امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ ہم نے ائمہ مجتہدین کے کشف اور بارگاہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں روحانی طور پر ان کے حاضر ہونے کا جو تذکرہ کیا ہے اگر اس کے بارے میں کسی کو الجھن ہو تو ہم اسے کہتے ہیں کہ یقیناً یہ اولیاء اللہ کی کرامات میں سے ہے اور اگر ائمہ مجتہدین اولیاء نہیں ہیں تو پھر روئے زمین پر کبھی کوئی ولی ہے ہی نہیں۔ جب کہ بے شمار اولیاء اللہ کے متعلق مشہور ہے حالانکہ وہ مرتبہ میں یقیناً ائمہ مجتہدین سے فروتر ہیں کہ انہیں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حضوری کا اکثر شرف حاصل ہوتا تھا اور اس بات کی ان کے معاصرین تصدیق کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض کے اسماء گرامی یہ ہیں شیخ عبدالرحیم القصناوی۔ سیدی شیخ ابومدین المغربی۔ سیدی ابوالسعود بن ابی العشائر۔ سیدی شیخ ابراہیم الدسوقی۔ سیدی الشیخ ابوالحسن الشاذلی۔ سیدی الشیخ ابوالعباس المرسی۔ سیدی الشیخ ابراہیم المتبولی۔ سیدی الشیخ جلال الدین السیوطی۔ سیدی الشیخ احمد الزواوی البحیری اور وہ مقدس جماعت جن کا ذکر ہم نے اپنی کتاب طبقات الاولیاء میں (یعنی یہی کتاب طبقات کبری جو آپ کے ہاتھوں میں ہے) کیا ہے۔

اور ان اکابر میں سے ایک حضور محبوب سبحانی غوث صمدانی حضرت الشیخ السید ابومحمد عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جن کا ذکر اپنی اس تصنیف لطیف میں امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فرمایا ہے اور صاحب بہجۃ الاسرار شیخ نورالدین ابوالحسن علی بن یوسف بن جریر اللخمی الشافعی الشطنوفی قدس سرہ نے اپنی اس تصنیف منیف میں فرمایا شیخ عبدالرحیم القصناوی۔ شیخ ابومدین المغربی رضی اللہ تعالیٰ ان اکابرین میں سے ہیں کہ جب امر الٰہی کی تعمیل میں غوث جیلانی محبوب سبحانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا **قدمی ھذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ** تو ان حضرات نے اپنی گردنیں جھکا کر تعظیم کی اور والی بغداد حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر حضور نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو نگاہ کرم تھی وہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے۔

شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی کثرت حضوری

پھر امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں ایک شخص شیخ عبدالقادر شاذلی کے پاس آپ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک رقعہ دیکھا جو آپ نے اس آدمی کے لئے بھیجا جس نے آپ سے سلطان قایتبای کے پاس سفارش کی درخواست کی تھی۔ فرمایا: اے میرے بھائی! تجھے معلوم ہوا کہ اب تک میں بیداری کی حالت میں

بالمشافہ ۷۵ مرتبہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہو چکا ہوں اگر حکام کے پاس جانے کی وجہ سے مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام مجھے اس شرف سے محروم فرما دیں گے تو میں قلعہ میں جا کر سلطان کے پاس تیری سفارش ضرور کرتا۔ جب کہ میں آپ کی احادیث شریفہ کے خادموں میں سے ہوں اور مجھے ان احادیث کی صحت کے بارے میں جنہیں محدثین نے اپنے طریق کے مطابق ضعیف قرار دیا ہے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے استفادہ کرنا ہوتا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ فائدہ تیرے ایک شخص کے فائدے سے کہیں زیادہ ضروری ہے۔

پھر امام سیوطی رضی اللہ عنہ کے اس فرمان کی تائید میں شیخ شعرانی ایک اور واقعہ نقل فرماتے ہیں کہ سیدی محمد بن زین جو کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مدحت سرائی فرمایا کرتے تھے انہیں بیداری میں بالمشافہ زیارت پاک کا شرف حاصل ہوا۔ جب حج پر گئے تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مزار پر انوار میں سے انہیں شرف کلام بخشا اور سعادت کا یہ عظیم منصب انہیں حاصل رہا حتیٰ کہ ایک دفعہ ایک شخص نے ان سے حاکم شہر کے پاس سفارش کے لئے چلنے کو کہا۔ یہ گئے۔ حاکم نے انہیں احترام کے ساتھ اپنے پاس بٹھایا۔ بعد ازاں زیارت کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ آپ عرصہ تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیارت کی درخواست کرتے رہے۔ شعروں میں التجائیں کیں۔ ایک دفعہ کچھ فاصلے سے شرف بخشا اور فرمایا کہ تو ظالموں کے دربار میں بیٹھ کر میری زیارت کا طلب گار ہے؟ ایسا نہیں ہو سکتا بعد ازاں ان کی وفات تک ہمیں کوئی روایت نہیں پہنچی کہ انہیں زیارت ہوئی ہو۔

شیخ ابوالحسن شاذلی اور ابوالعباس المرسی کا دائمی شرف حضوری

اور ہمیں یہ روایت پہنچی ہے کہ شیخ ابوالحسن شاذلی اور ان کے مرید شیخ ابوالعباس وغیرہما فرمایا کرتے کہ اگر ہم سے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت پلک جھپکنے کی قدر پس پردہ ہو جائے تو ہم اپنے آپ کو اہل اسلام میں سے شمار نہیں کریں گے۔

مذکورۃ الصدر تصریحات کے بعد امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب عام اولیاء اللہ کا یہ قول ہے تو پھر ائمہ مجتہدین کے مرتبہ و مقام سے انکار کیوں کر ہو سکتا ہے؟

ائمہ مجتہدین اور اکابر صوفیاء کے اقوال کی توجیہات

نفسیاتی کمزوری کی وجہ سے اکثر ایک انسان اپنے مرکز عقیدت کے ساتھ وابستگی کی بناء پر اس سے اختلاف کرنے والوں کو برداشت نہیں کرتا اور اسے اپنی وابستگی کا تقاضا قرار دیتا ہے یہ بات اگر دلائل کی حد تک ہو اور طرز بیان تعمیری ہو تو حرج نہیں بشرطیکہ یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ دوسری طرف بھی وہی سچائی ہے جو تمہارے ہاں ہے صرف فروع اور ان کی تعبیر کا فرق ہے۔ اپنے مذہب و مشرب کی خوبیاں بیان کرو۔ دوسروں پر جارحانہ تنقید نہ کرو۔ لیکن اس کوتاہی میں مختلف امتیں اپنے اپنے دور میں گرفتار رہیں۔ اور ایک دوسرے کی تغلیط و تردید کرتی رہیں جیسے یہود و نصاریٰ۔ لیکن قرآن کریم نے ہمیں اس راہ راست پر چلایا کہ تمام انبیاء و رسل علیٰ نبینا وعلیہم السلام کی عظمت کو دل سے تسلیم کرو اور اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خداداد عظمت و جلالت اور برتری کا یوں اعتراف و اعلان کرو کہ کسی نبی علیہ السلام کی بے ادبی نہ ہونے پائے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کے ایمان کی وضاحت یوں فرمائی آمن الرسول بما انزل الیہ من ربہ والمؤمنون کل آمن باللہ وملائکۃ و کتبہ و رسلہ

لانفرق بین احد من رسلہ کہ رسول علیہ السلام اس کتاب پر مکمل ایمان رکھتے ہیں جو ان کی طرف ان کے پروردگار کی طرف سے اتاری گئی اور اسی طرح ایمان والے یہ سب اللہ تعالیٰ کو اس کے فرشتوں' کتابوں اور اس کے رسولوں کو دل سے مانتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہم اس کے رسولوں سے کسی میں فرق نہیں کرتے۔ توحید و رسالت کے بنیادی مسائل ایک سے ہیں البتہ جزئیات و فروعات یعنی شریعت ہر رسول علیہ السلام کی جدا ہے۔ اور ان کے متبع میں یہی توازن شریعت وطریقت کے ائمہ مجتہدین اور عارفین کاملین کی تحقیقات اور احوال میں جاری رہا۔ چاروں ائمہ مجتہدین جو کہ مذکور الصدر وضاحت کے مطابق عارفین کاملین بلکہ اعرف و اکمل ہیں ان کے مقلدین کے لئے یہی میزان لازم ہے کہ تقلید ایک امام کی کریں لیکن عقیدت ومحبت سب سے ہو۔ جارحانہ تنقید جو بغض وعناد اور نفرت کا موجب ہرگز جائز نہیں۔

امام شعرانی نے اس صراط مستقیم کو کامیاب کوشش کے ساتھ ظاہر فرمایا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کا ایک انعام یہ بھی ہے کہ جب میں نے ائمہ مجتہدین کے مذاہب کے علوم میں تبحر حاصل کیا تو میں ان کے مذاہب کی توجیہات کثرت سے بیان کرتا ہوں اور جب کسی بھی امام مجتہد کا مذہب بیان کرتا ہوں تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ میں انہیں میں سے ایک ہوں۔ اور اسی دوران جو شخص میرے پاس آتا ہے وہ گمان کرتا ہے کہ میں حنفی یا حنبلی یا مالکی ہوں حالانکہ میں امام شافعی رضی اللہ عنہ کا مقلد ہوں اور یہ اس لئے ہے کہ میں نے اقوال ائمہ کے مصادر کا احاطہ کیا ہے اور مجھے ان کے دلائل پر آگاہی ہے۔

اور بعض بے جا جرأت کرنے والے تو کبھی میری مذمت اور تنقیص کے لئے یہاں تک کہہ گزرتے ہیں کہ یہ کسی مذہب فقہ کا پابند نہیں حالانکہ میں اپنی آگہی کی وسعت کی بناء پر مذاہب ائمہ بیان کرتا ہوں دین میں بے جا جرأت یا رخصتوں کے تتبع کے لئے نہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ جب میں نے مذاہب کے دلائل کی کتابیں تصنیف کیں تو مجھے پتہ چلا کہ تمام مجتہدین کسی چیز میں بھی سنت سے باہر نہیں نکلتے۔ بات صرف اتنی ہے کہ بعض سختی کرتے ہیں جب کہ بعض تخفیف کے قائل ہیں ان میں سے کوئی حدیث یا قرآن پاک کے صریح لفظوں سے دلیل لیتا ہے تو کوئی ان کے مفہوم سے استدلال کرتا ہے۔ بعض اس سے سند لیتے ہیں جس سے مفہوم اخذ کیا گیا تو کوئی اصل صحیح کے مطابق قیاس صحیح سے نتیجہ اخذ کرتے ہیں تو ان سب کے مذاہب شریعت مطہرہ سے ہی تیار کئے گئے ہیں۔ ان کا تانا بانا شریعت پاک ہی ہے۔

میزان کبریٰ کا وزن

اور میں نے تمام ائمہ کے اقوال کے مابین مطابقت میں ایک میزان رکھی جس کے مطابق مجتہدین کے تمام مذاہب اور ان کے مقلدین کے اقوال شریعت مطہرہ کی طرف ہی لوٹتے ہیں۔ میرے ہم عصروں میں مجھے اس کا ذوق رکھنے والا کوئی نہیں ملا۔ یہ کتاب شیخ شہاب الدین الشبلی الحنفی نے مستعار لے کر چند دن اپنے پاس رکھی پھر اسے لوٹا دیا اور کہا کہ یہ تیری ہی خصوصیت ہے میں تو اپنے مذہب کے کلام کے دائرے سے باہر نہیں نکل سکتا۔ میں نے کہا: تو پھر کیا یہ باطل ہے؟ کہنے لگے اس کے کلام کا دبدبہ باطل پرست کے کلام جیسا نہیں۔ میں نے اسے سیدنا ومولانا حضرت ابوالعباس خضر علیہ السلام کے سامنے پیش کیا تو آپ نے اس کی اجازت عطا فرمائی اور مجھے فرمانے لگے کہ اس امر کا احاطہ صرف وہی کرسکتا ہے جس نے شریعت کو کمال کی آنکھ سے دیکھا ہو اور

اسے اس سرچشمہ پر آگاہی ہو جہاں ہر مذہب نکلتا ہے اور اولیاء اللہ میں سے قلیل حضرات ہی کو اس کا ادراک ہے۔

اسی بناء پر امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کسی امام مذہب کے خلاف کسی کو کہنے یا لکھنے کی اجازت نہیں دیتے تھے اور اپنا ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رد میں ایک جزو لکھا اور مجھے دکھانے کو لایا میں نے اسے دھتکار دیا اور اس کی بات پر کان نہ دھرا۔ پس اس نے میرے پاس آنا چھوڑ دیا۔ ایک دن اپنے گھر کی سیڑھی سے گر پڑا۔ اس کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ گئی اور کولہے کا جوڑ اپنی جگہ سے نکل گیا۔ وہ ابھی تک ٹوٹا پڑا ہے اور اپنے اوپر ہی بول و براز کرتا ہے۔ اس نے کئی دفعہ مجھے عیادت کے لئے بلایا لیکن میں نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ادب کی وجہ سے اس کی عیادت نہ کی کہ اس طرح آپ کے گستاخ سے تعلق رکھوں۔

چند فقہی اقوال کی توجیہہ اور مستعمل پانی کا حکم

احناف کے نزدیک مستعمل پانی سے وضو اور غسل جائز نہیں۔ اس کی توجیہہ میں امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جن سفروں میں پانی قلیل ہوتا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم مستعمل پانی وضو کے لئے دوبارہ استعمال کرنے کی خاطر جمع نہیں کرتے تھے بلکہ اسکی بجائے تیمم کر لیتے کیونکہ حدیث کی نص کے مطابق اس مستعمل پانی میں گناہ شامل ہو گئے اور جس میں گناہ مل جائیں وہ پانی شرعاً آلودہ ہو گیا۔ پس مسلمان کو نہیں چاہیے کہ اسے طہارت کے لئے استعمال کرے کیونکہ مقام طہارت کی شان یہ ہے کہ وہ جسم کی طہارت اور پاکیزگی زیادہ کرتی ہے جب کہ گناہوں سے آلودہ پانی جسم کی آلودگی بڑھاتا ہے پس اگر بندے سے حجاب کھول دیا جائے تو وضو خانے کا مستعمل پانی اسے یوں دکھائی دے جیسے اس میں مردار پڑ گئے ہوں اور یہ گناہوں کے معیار کے مطابق ہوتا ہے۔ جیسے زنا۔ لواطت۔ شراب نوشی۔ غیبت۔ چغلی وغیرہ کبیرہ گناہوں اور صغیرہ گناہوں اور مکروہات کے اعتبار سے۔ پس حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو کہ آپ کے تین اقوال کبائر۔ صغائر اور مکروہات کو عموماً شامل ہوئے۔ اس لئے کہ آپ کے ایک قول کے مطابق مستعمل پانی نجاست غلیظہ کے حکم میں ہے دوسرے قول کے مطابق درمیانی نجاست کے حکم میں ہے جب کہ ایک قول کے مطابق پاک ہے مگر پاک کرنے والا نہیں۔ نجاست غلیظہ کے حکم میں احتیاط کا پہلو اختیار فرمایا کہ بعض مرتبہ وضو کرنے والا کسی کبیرہ گناہ کا مرتکب ہوتا ہے اور درمیانے درجہ کی نجاست کے قول کی وجہ یہ ہے کہ لوگ غالباً صغائر کا ارتکاب کرتے ہیں اور یہ حرام اور مکروہ کی درمیانی حالت ہے۔ جب کہ تیسرے قول کے مطابق پاک ہے پاک کرنے والا نہیں ہے اس قول کی وجہ یہ ہے کہ اصل تو کبائر اور صغائر کا ارتکاب نہ کرنا ہے تو باقی صرف مکروہ کا ارتکاب رہ گیا۔

مستعمل پانی میں گناہ کی آمیزش اور اس کی تقسیم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد عالی سے معلوم ہوتی ہے کہ ایک خاتون نے دوسری کے متعلق بات کی جس میں غیبت کا مفہوم پایا جاتا تھا تو آپ نے فرمایا لَقَدْ قُلْتِ كَلِمَةً لَوْمَزَجَتْ بِمَاءِ الْبَحْرِ لَمَزَجَتْهُ یعنی تو نے ایسی بات کہی ہے کہ اگر سمندر میں مل جائے تو اسے متغیر اور بدبودار کر دے تو جب اتنی سی بات بحر اعظم کے پانی کو متغیر کر سکتی ہے تو کبیرہ گناہوں سے آلودہ پانی اگر چھوٹے سے حوض میں گر جائے تو اس کا کیا حال ہوگا تو اللہ تعالیٰ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگردوں پر رحمت فرمائے جنہوں نے مسجدوں کے مستعمل پانی والے حوضوں سے وضو منع فرمایا کیونکہ وہ بحر محیط

کے مقابلہ میں ایک چھوٹا سا قطرہ ہیں تو وہ تو زیادہ متغیر اور بدبودار ہوں گے۔

اور جن حضرات نے مستعمل پانی سے طہارت کے جواز کا قول کیا ہے تو وہ اس لئے کہ معنوی گناہوں کے ساتھ پانی کی آلودگی کا مشاہدہ کسی کو نہیں ہو سکتا سوائے اہل کشف کے اور انسان کو اس پانی کے ساتھ طہارت حاصل کرنے سے روکا جائے گا جس کی آلودگی کا وہ مشاہدہ کرے۔

آخری تشہد میں درود شریف کے وجوب کا مسئلہ

امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آخری تشہد میں جس نے درود شریف پڑھنا واجب قرار نہیں دیا تو وہ اس لئے کہ نماز کی حاضری اصل میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لئے خاص ہے کئی مرتبہ نمازی کے قلب پر ہیبت الٰہیہ کا غلبہ ہوتا ہے تو اسے حضرت الٰہیہ کے اکابر میں سے کسی کی طرف توجہ نہیں رہتی تو بعض علماء کرام نے ایسوں کے حق میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنا واجب نہیں بلکہ مستحب قرار دیا ہے۔ بخلاف ان اکابر کے جو کہ اللہ تعالیٰ کی تجلیات کا مشاہدہ اس کی مخلوق کے ساتھ کرتے ہیں۔ انہیں شہود ذات الٰہیہ اس کی خلق کے شہود سے مشغول نہیں کرتا اور نہ ہی اس کا عکس تو ان پر دربار خداوندی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنا واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں آپ ان کا واسطہ اور وسیلہ ہیں۔ ان میں سے کسی کے لئے کسی عبادت میں بھی دربار الٰہیہ کا قرب ممکن نہیں مگر جب کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اس میں ان کے امام ہیں۔ چنانچہ جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ مردوں میں سے وہ شخص کامل ہے جسے شہود الٰہی اس کی مخلوق کے شہود سے حجاب نہ ہو اور نہ ہی اس کا عکس بلکہ ہر صاحب حق کو اس کا حق دے پس معلوم ہوا کہ جس نے درود شریف کے واجب نہ ہونے کا قول کیا ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ کی اہانت کے طور پر ہرگز نہیں بلکہ اس تجلی ہیبت کی عظمت کے لئے ہے جو کہ نمازی کے قلب پر وارد ہوئی۔

خروج بصنعہٖ یعنی نماز سے باہر آنے کی نیت کے وجوب کا مسئلہ

جس نے نماز سے ارادۃً باہر آنے کو واجب کہا وہ اس لئے ہے کہ نمازی اللہ تعالیٰ کے دربار خاص میں ہوتا ہے اور ہم میں سے ادب والوں کو معلوم ہے کہ ان میں سے جب کوئی کسی بڑے کی مجلس میں بیٹھا ہو تو ادب کا تقاضا ہے کہ وہاں سے اٹھنے سے پہلے تعظیماً اس سے اجازت لے تو اللہ سبحانہ تعالیٰ کا اس بارے میں زیادہ حق ہے اور اے بھائی! ذرا غور کر کہ تیرا ہم مجلس اگر تجھ سے اذن مانگے بغیر اٹھ جائے تو' تو اس سے کس قدر وحشت محسوس کرے گا اس انس ومحبت کے برعکس جو اذن مانگنے پر تجھے حاصل ہوگی اور مخلوق کے اکابر کے ساتھ جو معاملہ ادب کہلاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا زیادہ مستحق ہے اور جس نے ارادۃً باہر نکلنے کو واجب قرار نہیں دیا تو اس نے اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت اور ایسے معاملات میں بندوں سے عفو ودرگزر کو پیش نظر رکھا۔ یہ چند ایک مثالیں طہارت اور نماز کے حوالے سے فقہی اور مسلکی اختلاف کی توجیہہ کے سلسلے میں ذکر کر دی ہیں ورنہ امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب میزان کبریٰ میں بڑی تفصیلات ہیں کہ اس کتاب کا موضوع ہی یہی ہے۔

اکابر صوفیاء کے بعض اقوال کی توجیہات

یہ ایک نازک مسئلہ ہے کہ بعض اکابر کے اقوال بظاہر خلاف شریعت معلوم ہوتے ہیں جس کی بناء پر عموماً اہل علم بھی ان پر شدید

انکار کرتے ہیں اور انہیں مورد طعن قرار دیتے ہیں۔ امام شعرانی فرماتے ہیں صوفیاء کے جس کلام پر انکار واعتراض کیا جاتا ہے تو وہ خلاف شریعت بات جو انہوں نے کہی ہی نہیں ہوتی بعض مخالفین نے ان کی کتابوں میں اپنی طرف سے بہتان طرازی کرتے ہوئے شامل کر دی جیسا کہ شیخ محی الدین بن العربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فتوحات مکیہ۔ فصوص الحکم میں بعض باتیں ظاہر شرع کے خلاف شامل کر دی گئیں جیسا کہ بدرالدین بن جماعۃ نے فرمایا ہے۔ کبھی انکار کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ انکار کرنے والا قوم صوفیاء کی اصلاحات سے واقف نہیں اور ان کے مقامات کا ذوق نہیں رکھتا جیسا کہ عمر بن الفارض رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصیدۂ تائیہ میں ان کی گفتگو ہے۔

پس عاقل وہ ہے جو کہ انکار نہیں کرتا بلکہ جو بات سمجھ میں نہ آئے اسے ان باتوں میں سے قرار دے جو اس کی سمجھ سے بالاتر ہیں۔ خصوصاً اس لئے کہ ہمیں اولیاء اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے کسی ایک کے متعلق بھی یہ بات نہیں پہنچی کہ انہوں نے لوگوں کو وضو یا نماز یا روزہ وغیرہ کو ترک کرنے کا خلاف شرع حکم دیا ہے۔ بلکہ ان کے تمام رسائل کتاب وسنت کی پابندی۔ اپنے اخلاق و اعمال کے علاج۔ انہیں آلودگیوں اور اخلاص کو مجروح کرنے والی علتوں سے پاک کرنے۔ تکلیف برداشت کرنے۔ کسی کو نہ ستانے۔ زہد۔ پرہیزگاری اور خوف خدا کو اپنانے کے حکم کے ساتھ معمور ہیں۔ بلکہ کئی مرتبہ ان کا انکار کرنے والا خود ان عام صفات کی ضد سے آلودہ ہوتا ہے۔

چنانچہ کبھی عارف ربانی اپنی نظم وغیرہ میں حق تبارک وتعالیٰ کی زبان پر یعنی اس کی ترجمانی میں کلام کرتا ہے۔ کبھی لسان رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بولتا ہے کبھی قطب کی زبان پر گفتگو کرتا ہے تو ان میں سے بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ اپنی زبان پر کہہ رہا ہے تو وہ انکار میں جلدی کرتا ہے۔ بعض اوقات ایک عالم دین بعض صوفیہ پر عوام اور حجاب والوں پر رحم کرتے ہوئے اس خوف کی وجہ سے انکار کرتا ہے کہ یہ لوگ اپنی جہالت کی وجہ سے اسے پریشان کریں اور یوں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال لیں۔ یہ انکار اس صوفی پر من کل الوجوہ رد کے لئے نہیں ہوتا جیسا کہ شیخ برہان الدین البقاعی نے سیدی عمر بن الفارض رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں اس حکمت عملی کو اپنایا اور بعض دوسرے حضرات نے شیخ محی الدین بن العربی رضی اللہ تعالیٰ کے کلام میں گفتگو فرمائی۔

اسی لئے حضرت سیدی علی الخواص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ کوئی کامل اسی وقت مرتبہ کمال کو پہنچتا ہے جب کہ اس کا کلام ظاہر شریعت کو داغدار نہ کرے۔ کیونکہ حضرت شارع صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنی شریعت پر امین بنایا ہے۔

اقوال اکابر کے متعلق مسلک احتیاط

اور سیدی علی بن وفا رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ قوم صوفیاء کے حضور سر تسلیم خم کرنا ہی زیادہ سلامتی کا راستہ ہے اور ان پر اعتقاد رکھنا ہی زیادہ غنیمت کا باعث ہے۔ جب کہ ان پر انکار واعتراض دین کو برباد کرنے کے لئے سم قاتل ہے۔ اور کئی دفعہ بعض منکرین مرتد ہوگئے اور اسی میں مرے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگتے ہیں۔

توجیہات

مذکورہ بالا وضاحتوں کے بعد ہم ان توجیہات میں سے چند ایک پیش کرتے ہیں جو کہ اس باب میں امام شعرانی قدس سرہ

العزیز نے بیان فرمائی ہیں۔

قولِ بایزید بسطامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اس کی توجیہہ

آپ کا قول ہے طاعتك لی یا رب اعظم من طاعتی لك ۔اے میرے پروردگار! تیرا میری طاعت کرنا میرے تیری طاعت کرنے سے زیادہ عظیم ہے۔ اس کی توجیہہ یہ ہے کہ اے میرے پروردگار! میری دعا کو تیرا قبول فرمالینا یعنی میں گزارش کرتا ہوں کہ میری مغفرت فرما۔ مجھ پر رحم فرما۔ مجھے معافی عطا فرما۔ اور میرا مواخذہ نہ فرما۔ تیرا اسے قبول فرمالینا اس سے کہیں زیادہ عظیم ہے کہ میں تیرے حکم کی تعمیل کروں اور تیری نہی سے رک جاؤں۔ کیونکہ تو عظیم ہے اور میں حقیر۔ تو آقا ہے اور میں بندہ اسی لئے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ادب والوں نے اس قسم کے الفاظ کو چھپا کر اسے دعا کا نام دیا ہے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ بایزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مراد یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کا مطیع ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شان اس سے بلند و بالا ہے۔ یعنی دعا کو قبول فرمانا مراد ہے۔

دوسرا قول اور اس کی توجیہہ

آپ نے ایک قاری کو سنا کہ پڑھ رہا تھا ان بطش ربك لشدید یعنی تیرے پروردگار کی پکڑ البتہ سخت ہے آپ نے سن کر ایسی چیخ ماری کہ ناک سے خون بہنے لگا اور کہا بطشی اشد من بطشہ بی۔ یعنی میرا پکڑنا اس کے مجھے پکڑنے سے زیادہ سخت ہے۔ آپ کی مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مجھے پکڑنا تو رحمت کے ساتھ ہی مخلوط ہوگا کیونکہ اپنے بندے پر اس کی رحمت اس پر اس کے غضب پر غالب ہے۔ کیونکہ حدیث قدسی میں اس کا ارشاد ہے سبقت رحمتی غضبی کہ میری رحمت میرے غضب سے آگے ہے۔ پس وہ اپنے بندے پر اس کی والدہ مشفقہ سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔ جب کہ بایزید کی پکڑ ایسی نہیں وہ تو محض انتقام ہے جس میں رحمت کی آمیزش نہیں کیونکہ تنگی کی وجہ سے اس کا غضب اس کی رحمت پر غالب ہے۔ تو گویا اس کا اپنے بھائی کو پکڑنا اللہ تعالیٰ کے اسے پکڑنے سے زیادہ سخت ہے خصوصاً اپنے دشمن کو جب کہ اس پر قابو پالے تو قریب نہیں کہ اس پر دنیا و آخرت میں رحم فرمائے۔ شیخ محی الدین وغیرہ نے اس کی اس طرح تاویل کی ہے۔

شیخ شبلی کے قول کی توجیہہ

آپ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: کہ میری ذلت نے یہود کی ذلت معطل کر دی۔ اس میں آپ کی مراد یہ ہوسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور میری عاجزی اس کے دربار میں یہود کی ذلت سے زیادہ بڑی ہے کیونکہ عاجزی والا اللہ تعالیٰ کی عظمت کے متعلق اپنی معرفت کے معیار پر ہی عاجزی کرتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ شبلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہود کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کی عظمت کا عرفان زیادہ رکھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے حضور آپ کی عاجزی یہود کی ذلت سے زیادہ ہوگی۔

دوسرا قول اور اس کی توجیہہ

آپ سے یہ قول بھی منقول ہے ما فی الجبة الا اللہ یا ما فی الجثة الا اللہ۔ جثہ بمعنی بدن۔ یعنی جبہ یا جثہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ نہیں۔ اس سے آپ کی مراد ہوسکتی ہے کہ میرے جسم میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے سوا کوئی فاعل نہیں۔ جیسا کہ بعض نے کہا:

ما فی الکونین الا اللہ تعالیٰ تو اس سے اس کی مراد کونین کی نفی ہرگز نہیں۔ اور نہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی خلق میں حلول فرمایا۔ کیونکہ اس نے جیسے کہ تو دیکھتا ہے کونین کا اثبات فرمایا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کو ان کا اور ان کے افعال کا خالق ٹھہرایا۔

قول شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی توجیہہ

آپ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا مجھے میرے قلب نے میرے کی طرف سے یہ بات بیان کی یا مجھے میرے رب نے میرے قلب کی طرف سے یہ بات بیان کی۔ یا مجھے میرے رب نے مجھے اپنی طرف سے یہ بات بیان فرمائی۔ درمیان سے واسطے اٹھا دیئے۔ آپ کی مراد یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے ایسے کلام فرمائی جس طرح کہ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام سے فرمائی۔ اس سے صرف یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ الہام کے فرشتے کے ذریعے آپ کو بعض احوال کے بیان میں الہام فرماتا ہے۔ تو یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی فہرست میں آتا ہے کہ اگر میری امت میں محدث (دال مشدد کی زبر کے ساتھ) ہو تو عمر ہے۔

اور اس کی وضاحت یہ ہے اولیاء اللہ کو جو وحی الہام ہوتی ہے اس میں اور اس وحی میں جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اپنے لئے یا اپنی امتوں کے لئے شریعت مقرر کرنے کے لئے ہوتی ہے فرق یہ ہے کہ نبی فرشتے کا مشاہدہ کرتا ہے اور اس کی کلام سنتا ہے۔ پس فرشتے کے مشاہدہ اور سماع کلام دونوں کا جامع ہوتا ہے جب کہ ولی اس طرح نہیں کیونکہ وہ فرشتے کی کلام سنتا ہے اسکا جسم نہیں دیکھتا اور اگر اس کا جسم دیکھے تو کلام نہیں سنتا اور اس میں راز یہ ہے کہ نبی شریعت جاری فرماتا ہے جب کہ ولی اس کی پیروی میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی دعوت دیتا ہے جو کہ اس ولی کے نزدیک حتما ثابت ہوتی ہے پس اسے کسی امر کے مزید انکشاف کی ضرورت نہیں ہوتی۔ جب کہ نبی علیہ السلام شرع جدید جاری فرماتا ہے اور دوسری شرع منسوخ کرتا ہے تو اسے مزید انکشاف و تاکید کی ضرورت ہوتی ہے۔ پس اے بھائی وحی الہام اور وحی کلام میں فرق کرتا کہ تو سر برآوردہ علماء میں سے ہو جائے شیخ ابوالمواہب الشاذلی رضی اللہ عنہ نے اسی طرح تقریر فرمائی ہے۔

قلب عارف لوح محفوظ ہے

اور صوفیاء سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا لوح محفوظ وہ قلب عارف ہے۔ ان کی مراد لوح محفوظ کی نفی نہیں۔ بلکہ ان کی مراد صرف یہ ہے کہ جب قلب عارف روشن ہوتا ہے تو لوح محفوظ کے مندرجات اس میں نقش ہو جاتے ہیں جس طرح شیشے کے سامنے لکھی ہوئی تختی کر دیں تو اسکے تمام نقوش شیشے میں مرتسم ہو جاتے ہیں۔ سچ فرمایا عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ نے ۔

لوح محفوظ است پیش اولیاء آں چہ محفوظ است محفوظ از خطاء

اس سلسلہ توجیہات کی چند ایک مثالیں پیش کی ہیں ورنہ آپ نے دیگر شرعی اور روحانی موضوعات کے ساتھ ساتھ اس موضوع پر بہت کچھ لکھا ہے اور ائمہ مجتہدین اور اکابر صوفیاء کا خوب دفاع کیا ہے اور ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کے خصوصی انعام کے طور پر فرماتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں کہ میرے معاصرین میں سے کسی نے ائمہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ان کے مقلدین کی طرف سے مجھ سے زیادہ جوابات دیئے ہوں۔ اگر تعصب سے پاک شخص میرے پاس بیٹھے اور مجھ پر تمام مذاہب کے وہ اقوال پیش کرے جو کہ دوسروں کے نزدیک متضاد ہیں تو میں تکلف کے بغیر انہیں جمع کر دوں گا۔

اور فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے جوانی میں خواب میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت کی جب کہ امام مالک ان کی بائیں جانب بیٹھے ہیں اور میں ان دونوں کے سامنے کھڑا ہوں امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ اس نوجوان کی طرح ہماری طرف سے کسی نے جوابات نہیں دیئے۔ پس مجھے بہت خوشی حاصل ہوئی۔

یہ ایک ایسا اہم اور مفید موضوع ہے کہ اس کی بدولت بے شمار لوگوں کے ایمان محفوظ رہے۔ ورنہ اعتراض کی بدولت جانے کس قدر لوگ اپنی عاقبت خراب کرتے۔ کیونکہ اہل اللہ پر اعتراض کی بدولت انجام خراب ہوتا ہے چنانچہ مشہور قول ہے کہ لحوم الاولیاء مسمومۃ کہ اولیاء اللہ کے گوشت زہر آلود ہیں یعنی ان پر اعتراض کرنے والے کا ایمان نہیں بچتا۔ صورتحال کی نزاکت کے پیش نظر دیگر اکابر نے بھی توجیہات فرمائی ہیں چنانچہ طبقات میں الشیخ الامام احمد ابوالعباس المرشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ترجمہ میں امام شعرانی فرماتے ہیں کہ آپ نے حضرت بایزید بسطامی رضی اللہ کے خضت .بحرا دف الانبیاء بساحلہ میں اس سمندر میں داخل ہوں جس کے ساحل پہ انبیاء علیہم السلام کھڑے ہیں کے متعلق فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ بایزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ انبیاء علیہم السلام تک پہنچنے سے اپنی کمزوری اور عاجزی کا اعتراف کر رہے ہیں کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بحر توحید میں داخل ہوئے اور دوسری سمت میں ساحل پر کھڑے ہو کر مخلوق کو اس میں داخل ہونے کی دعوت دے رہے ہیں اگر میں کامل ہوتا تو میں بھی وہاں کھڑا ہوتا جہاں یہ نفوس قدسیہ کھڑے ہیں۔ ابن عطاء اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ شیخ نے بایزید رضی اللہ عنہ کے کلام کی جو تفسیر کی ہے یہی حضرت بسطامی کے مقام کے شایاں ہے چونکہ یہ مسئلہ اہمیت و نزاکت کے اعتبار سے ضروری توجہ کا مستحق ہے اس لئے اسے چند ایک مثالوں کے ساتھ ذکر کر دیا کیونکہ بعض غیر ذمہ دار بلکہ بے ادب لوگ اہل اللہ پر ان کے اسی قسم کے اقوال کے حوالے سے اعتراض کر کے اپنا اور دوسروں کا ایمان برباد کرتے ہیں۔ اہل سعادت وہی لوگ ہیں جو اس جرم قبیح سے بچیں۔

مشائخ امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ

آپ نے بے شمار مشائخ سے کسب فیض کیا۔ مشائخ صوفیاء میں سے سب سے اہم حضرت شیخ علی الخواص رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جن کا ذکر آپ کی اکثر تصانیف میں ملتا ہے خصوصاً مسائل تصوف کی وضاحت یا تائید میں آپ اکثر شیخ کا ذکر فرماتے ہیں نیز آپ نے شیخ علی الخواص کے پیرومرشد الشیخ ابراہیم المتبولی قدس سرہ سے بھی استفادہ فرمایا:'' علاوہ ازیں اپنے پیر بھائی الشیخ الصالح افضل الدین احمدی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ارشادات بھی نقل فرماتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے تصریح فرمائی ہے کہ میں نے اپنی کتاب لطائف المنن والا اخلاق کو انہیں تین شیوخ کے اخلاق سے مضبوط کیا ہے۔ اور اسکی وجہ خود بیان فرماتے ہیں کہ میں نے اس کتاب لطائف المنن میں مذکورہ انعامات و اخلاق کی تائید میں ان تین مشائخ کے اخلاق ہی بیان کئے ہیں کیونکہ مجھے ان کے مریدین سے یہ بات تواتر کے ساتھ پہنچی ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ ہمارے مشائخ نے قوم صوفیاء کے نزدیک معروف شرطوں کے مطابق حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے عالم بیداری میں مشافہۃً اپنے طریق کا فیض حاصل کیا ہے۔ پس حضرت شیخ ابراہیم المتبولی کے طریق پر میرے اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان دو حضرات کا واسطہ ہے جب کہ آپ کے علاوہ دوسروں کے طریق میں صرف ایک شخصیت کا واسطہ ہے۔

شیخ الاسلام زکریا الانصاری الخزرجی رحمۃ اللہ علیہم جن کی خدمت میں بیس سال تک رہے۔
شیخ علی نور الدین لرصفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
الشیخ القدوۃ الی اللہ عارف باللہ تعالیٰ سیدی محمد الشناوی رحمۃ اللہ علیہ
الشیخ احمد السطحیۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔۲۰ سال تک ان کی خدمت میں رہے۔
شیخ عبدالقادر الاشطوطی رحمۃ اللہ علیہ جن کی صحبت میں بیس سال رہے۔
سیدی شیخ عارف باللہ تعالیٰ ابوالعباس الحریشی رضی اللہ عنہ جن کے ساتھ تیس سال صحبت رہی۔
الشیخ القدوہ نور الدین الشونی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
شیخ ناصر الدین النحاس رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ۱۵ سال تک ان سے مصاحبت رہی۔

علاوہ ازیں بے شمار اہل اللہ سے استفادہ فرمایا۔ باوجودیکہ آپ سلوک کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے جیسا کہ لطائف المنن کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے لیکن آپ نے کئی ایک مجاذیب سے رابطہ رکھا اور ان سے فیوض و برکات حاصل کئے۔ ان کا ذکر طبقات کے اواخر میں آئے گا۔

تصنیفات امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ

اپنی خودنوشت داستان میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ انعام فرمایا کہ میں نے شریعت میں بے شمار کتابیں تالیف کیں۔ اکثر اپنے موضوع کے اعتبار سے نئی ہیں۔ مجھ سے پہلے کسی کی ایسی کاوش نہیں ملتی۔ چنانچہ چند ایک کے نام یہ ہیں۔

البحر المورود فی المواثیق والعہود
کشف الغمہ عن جمیع الامۃ جس میں آپ نے حفاظ کی طرف تخریج منسوب کئے بغیر مذاہب اربعہ کے دلائل جمع کئے ہیں۔
المنہاج المبین فی بیان ادلۃ المجتہدین جس میں کشف الغمہ کی احادیث کی تخریج فرمائی۔
البدر المنیر فی غریب احادیث البشیر والنذیر
مشارق الانوار القدسیہ فی بیان العہود المحمدیہ
لواقح الانوار القدسیہ فی مختصر الفتوحات المکیۃ
قواعد الصوفیہ
مختصر قواعد الزرکشی
منہاج الوصول الی علم الاصول
الیواقیت والجواہر فی بیان عقائد الاکابر
الجواہر المصون فی علوم کتاب اللہ المکنون
طبقات الصوفیہ یعنی طبقات کبریٰ

مفحم الاکباد فی بیان مواد الاجتهاد

موائح الخذلان علی کل من لم یعمل بالقرآن

حد الحسام علیٰ من او جب العمل بالالهام

الستبع والفحص علی حکم الهام اذا خلف النص

البروق الخواطف لبصر من عمل بالھواتف

رسالة الانوار فی آداب العبودیة

کشف الحجاب والران عن وجہ اسئلہ الجان جس میں آپ نے جنات کے علماء کے کچھ اوپر ستر سوالوں کے جوابات تحریر فرمائے جوانہوں نے توحید کے بارے میں آپ سے پوچھے۔

فرائد القلائد فی علم العقائد۔

الجواھر والدار' اس میں آپ نے وہ علوم واسرار جمع فرمائے جو شیخ علی الخواص سے سنے۔ ان کے متعلق امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب طبقات میں فرمایا ہے کہ امی تھے لیکن قرآن عظیم اور سنت پاک کے معانی میں ایسی گفتگو فرماتے کہ علماء حیران رہ جاتے۔

الکبریت الاحمر فی بیان علوم الکشف الاکبر

الاقتباس فی علم القیاس

تنبیھہ المغترین فی القرن العاشر علیٰ ما خالفوا فیه سلفھم الطاھر وغیرھا

نوازشات ربانی برامام شعرانی

آخر میں حضرت شیخ کے خودنوشت معمولات میں سے چند ایک کا ذکر کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں جنہیں آپ نے لطائف المنن میں نوازشات انعامات اور احسانات الٰہیہ کے حوالے سے سپرد قلم فرمایا۔ جہاں یہ ایک عارف کامل کی حیات طیبہ کا مختصر تعارف ہوگا وہاں ان کے پاکیزہ اعمال اور ان کے عقیدہ توحید پر روشنی پڑے گی جس کی بدولت رب کریم نے انہیں ان کی کمالات سے نوازا اور یہ حقیقت نکھر کر سامنے آجائے گی کہ مقربین بارگاہ صمدیت' عارفین کاملین اور سالکین واصلین کے خداداد کمالات عقیدۂ توحید سے متصادم نہیں ہیں بلکہ اس کی برکات اور ثمرات ہیں جب کہ اس عظیم دستور تصوف یعنی طبقات کبریٰ کے ترجمہ ''برکات روحانی'' کے مطالعہ سے آپ کو پوری کتاب میں انہیں برکات وثمرات کا جہان نور کمالات اولیاء کی صورت میں نظر آئے گا چونکہ لطائف المنن کے مندرجات حضرت امام شعرانی قدس سرہ العزیز نے اپنی طرف سے بصیغہ متکلم بیان فرمائے اس لئے یہاں بھی آپ کی طرف سے ہی یہ حالات وکمالات اسی صیغے کے ساتھ بیان ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کا مجھ پر احسان ہے کہ بچپنے سے ہی قول۔ فعل اور اعتقاد کے حوالے سے مجھے سنت محمدیہ علی صاحبہا الصلوات والتسلیمات کی پیروی کے لئے انشراح صدر حاصل ہے یعنی سنت پاک پر عمل کے لئے سینے میں فراخی محسوس کرتا ہوں جب کہ خلاف

سنت سے مجھے تنگی کا احساس ہوتا ہے۔ کئی دفعہ اس فعل کو اپناتے ہوئے رک جاتا ہوں جسے بعض علماء کرام نے اچھا سمجھا حتیٰ کہ میرے لئے اس فعل کے کتاب وسنت یا قیاس یا عرف کے موافق ہونے کی وجہ ظاہر ہو جائے۔

ضرورتِ شیخ

مجھے اہل طریقت کی خدمت میں حاضر ہونے اور ان کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کا ذوق دل میں ڈالا گیا۔ چنانچہ بحمدہ تعالیٰ میں نے بے شمار اہل طریقت کی خدمت میں حاضری دی۔ بالخصوص ان تین مشائخ سے خصوصی فیض پایا سیدی علی المرصفی۔ سیدی محمد شناوی اور سیدی علی الخواص رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ اور مجھے ان تینوں مشائخ کے حضور باریابی پر ہی ضرورت شیخ کی تحقیق ہوئی ورنہ اس سے پہلے میں دوسرے لوگوں کی طرح یہی کہتا رہا کہ کیا (ارباب طریقت کی اصطلاح سے جدا) اس شریعت کے بغیر بھی دربار خداوندی تک رسائی کا کوئی راستہ ہے جو کہ ہمارے پاس موجود ہے؟ حتیٰ کہ میں نے معاملہ اس کے خلاف پایا۔

اور اہل طریقت کی فضیلت کے لئے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حضرت خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ کہنا ہی کافی ہے هل اتبعك علي ان تعلمني مما علمت رشدًا ۔ (الکہف آیت ٦٦) کیا آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں بشرطیکہ آپ مجھے رشد و ہدایت کا وہ خصوصی علم سکھائیں جو آپ کو سکھایا گیا۔ نیز حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ابوحمزہ البغدادی کی فضیلت کا اعتراف کرنا۔ امام احمد بن سریج رحمۃ اللہ علیہ کا ابوالقاسم الجنید کی عظمت کا اعتراف کرنا۔ حجۃ الاسلام ہونے کے باوجود امام غزالی کا اپنے لئے کوئی شیخ طلب کرنا جو کہ آپ کو طریقت کی رہنمائی کرے اسی طرح شیخ عزالدین بن عبدالسلام کا اپنے لئے شیخ طلب کرنا حالانکہ آپ کو سلطان العلماء کا لقب دیا گیا۔ چنانچہ امام غزالی کے شیخ حضرت شیخ محمد الباذغانی اور شیخ عزالدین کے شیخ حضرت شیخ ابوالحسن الشاذلی ہیں۔

چنانچہ امام غزالی جب اپنے شیخ مذکور کی خدمت میں حاضر ہوتے تو کہا کرتے کہ ہم نے اپنی عمر بے مقصد ضائع کی۔ آپ یہ بات اس ذوق کی نسبت سے فرماتے جو کہ آپ نے اہل طریقت کے احوال سے حاصل کیا اور شیخ عزالدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے کہ مجھے کامل اسلام کا عرفان شیخ ابوالحسن الشاذلی کی خدمت میں حاضری کے بعد ہی حاصل ہوا۔

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم واسطہ عظمیٰ ہیں

اور مجھ پر اللہ تعالیٰ کا یہ بھی انعام ہے کہ جو حاجت بھی طلب کرتا ہوں اس میں اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو واسطہ بناتا ہوں۔ کیونکہ آپ دربار الٰہیہ کے منتظم اعلیٰ ہیں۔ پس ہمارا اپنے پروردگار جل وعلا سے واسطہ کے بغیر مانگنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی ہے۔ نیز یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ چونکہ ہم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا احاطہ نہیں کر سکتے بنا بریں ہمیں اس کی بارگاہ کے ادب کا عرفان نہیں جب کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ عرفان حاصل ہے اور سیدی عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کلام میں ہے کہ اس سے پرہیز کر کہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ حذف کر کے اللہ عزوجل سے بلا واسطہ کلام کرے کیونکہ اس وقت تو بدعتی ہوگا حضور علیہ السلام متبع نہیں ہوگا اور بندۂ کامل اس جگہ قدم نہیں رکھتا جہاں اسے اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا قدم نظر نہیں آتا۔

اجازت طلب کرنا دستور یا اللہ دستور یا رسول اللہ دستور یا سیدی عبدالقادر جیلانی۔

جب میں قرآن کریم کی تلاوت۔ یا حدیث پاک یا علم دین کی کتاب پڑھ رہا ہوں اور کسی سے بات کرنے کی ضرورت پڑے تو اپنے دل کے ساتھ اپنے رب کریم جل وعلا سے یا رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے یا ائمہ مجتہدین میں سے کسی ایک سے یا دیگر اولیاء سے اجازت طلب کرتا ہوں اور اپنے دل وزبان کے ساتھ عرض کرتا ہوں اے رب کریم! اجازت ہو کہ میں تیرے بندے کے ساتھ فلاں ضرورت کی بات کرلوں تو کہتا ہوں دستور یا رسول اللہ یا دستور یا محمد حنفی یا ابن ادریس۔ اور یہ اللہ تعالیٰ۔ اس کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور علماء ربانیین کے حضور ادب کی وجہ سے کرتا ہوں۔

یہیں ذرا آگے چل کر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا مجھ پر یہ بھی انعام ہے کہ رات یا دن میں کسی وقت پاؤں پھیلانا چاہتا ہوں تو اجازت لیتا ہوں دستور یا اللہ۔ یا کسی سمت میں پاؤں پھیلاتا ہوں تو پہلے یوں اجازت لیتا ہوں دستور یا سید المرسلین یا دستور یا سیدی عبدالقادر جیلانی۔ یا سیدی احمد یا ابن الرفاعی۔ یا سیدی احمد البدری یا سیدی ابراہیم الدسوقی۔ جو اولیاء حیات ظاہری میں ہیں یا واصل بحق ہو چکے۔ اور یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ میرا مشاہدہ ہے کہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور حاضر ہوں یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے یا اس کے دین کے اماموں کے سامنے حاضر ہوں اور یہ کیفیت دائمی ہے۔

وراثت روحانی - تنام عینی ولا ینام قلبی

اللہ تعالیٰ نے مجھ پر احسان فرمایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت کی بدولت میری آنکھیں سوتی ہیں قلب نہیں سوتا۔ لیکن ایسا صرف اتوار کی رات کو ہوتا ہے اور مجھ سے پہلے یہ شرف شیخ ابوالربیع المالقی رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل ہوا۔ اور آپ کا یہ مقام صرف پیر اور جمعرات کی رات کو ہوتا۔ جب کہ شیخ محی الدین بن العربی رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ انہیں یہ مرتبہ پورے ہفتہ بھر رہتا ہے۔ امام شعرانی فرماتے ہیں کہ اکثر میں سوتے ہوئے قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہوں۔ اور میں اس تلاوت کا شمار رکھتا ہوں پھر بیداری میں اسی پر بناء کر کے آگے تلاوت کرتا ہوں البتہ نماز کی قرأت کی بنیاد اس پر نہیں رکھتا۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں شدت قرب

مجھ پر اللہ تعالیٰ کا ایک انعام یہ بھی ہے کہ مجھے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے شدت قرب حاصل ہے اور اکثر اوقات میں میرے اور آپ کے مزار پر انوار کے درمیان فاصلے سمٹے رہتے ہیں یہاں تک کہ کئی دفعہ میں مصر میں بیٹھا ہوتا ہوں اور اپنا ہاتھ آپ کے حجرہ مبارک پر رکھ دیتا ہوں۔ اور میں آپ کے ساتھ یوں گفتگو کرتا ہوں جیسے کہ کوئی اپنے پاس بیٹھے ہوئے شخص کے ساتھ کرتا ہے۔ اور اس امر کا ادراک صرف ذوق کے ساتھ ہی ہوسکتا ہے۔ اور جسے یہ شہود نہیں وہ کئی مرتبہ اس کا انکار کر دیتا ہے حالانکہ انسان اپنے قلب کے تابع ہے نہ یہ کہ قلب جسم کے تابع ہے۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلام میں ہے کہ انسان کا قلب وہاں ہوتا ہے جہاں اس کا حال ہو پس اپنے اموال آسمان میں رکھ دو تمہارے قلوب بھی آسمان میں ہوں گے۔ یعنی اموال کی خیرات کرو آسمان کی طرف بلند ہوں گے اور تم اس کا ثواب وہاں دیکھو گے۔

اور سیدی شیخ ابوالعباس المرسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے کہ اگر جنۃ الفردوس یا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پلک جھپکنے کی قدر مجھ سے اوجھل ہو جائیں یا کسی سال مجھ سے وقوف عرفات رہ جائے تو اپنے آپ کو مردان راہ میں سے شمار نہیں کروں گا۔ امام شعرانی فرماتے ہیں فقراء اس قسم کا جو دعویٰ کریں اسے تسلیم کرو اور انکار نہ کرو۔ سوائے اس کے جسے شریعت نے صراحتاً غلط قرار دیا ہو۔ کیونکہ صوفیاء کا اس امر پر اجماع ہے کہ جس نے ان کی کرامات میں کسی شے کا انکار کیا رسائی سے محروم رہا۔

حل مشکلات

اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ تمام مشکلات میں اللہ تبارک وتعالیٰ پھر اس کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی اعتماد کرتا ہوں اور مدد مانگتا ہوں کیونکہ اسی کے دست قدرت میں ہر چیز کی بادشاہی ہے اور ہمارے لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑا کوئی وسیلہ نہیں۔ جب کہ انسان اپنے دل کے ساتھ ہے کبھی اپنے آپ کو حضرت الٰہیہ اور دربار رسالت علی صاحبہا الصلوات والتحیات کے قریب دیکھتا ہے تو اسے کہیں اور جگہ جانے کی ضرورت نہیں پڑتی اور کبھی محسوس کرتا ہے کہ بعید ہے تو حاجتیں پوری کرنے کے لئے اولیاء اللہ کا محتاج ہوتا ہے تو پھر ان کے ساتھ رابطہ کرتا ہے۔

اور میں نے اپنا ورد بناء رکھا ہے کہ ہر شب ہزار مرتبہ یہ وظیفہ پڑھتا ہوں اللھم حبیب نبیك محمداً فی یا اللہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے ساتھ محبت فرمائیں۔ اور یہ اس لئے کہ میں جانتا ہوں کہ جب آپ نے میرے ساتھ محبت فرمائی تو اللہ تعالیٰ کی مدد کے ساتھ دنیا و آخرت کی پریشانیوں کے لئے مجھے کافی ہوں گے۔

مظلوم کی فریاد رسی

مجھے کھانا کھلانے۔ پانی پلانے اور مظلوم کی فریاد رسی کے ساتھ محبت ہے۔ اور یہ اس لئے کہ بعض مشائخ کو حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات کا شرف حاصل ہوا تو عرض کی کہ مجھے نماز اور روزے پر مستزاد کوئی عمل ارشاد فرمائیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ تک رسائی حاصل ہو سکے تو آپ نے فرمایا کہ مذکورہ بالا تین خصلتوں کو اپناؤ۔

بحمد اللہ تعالیٰ جو شخص بھی میرے پاس آتا' اسے کھانا اور مشروب پیش کرتا ہوں اور جو بھی مجھ سے استغاثہ کرتا ہے میں شرعی طریق کار کے مطابق اس کی دادرسی کرتا ہوں۔

نیند کی نحوست اور بیداری کی برکت

اور مجھ پر اللہ تعالیٰ کا یہ بھی احسان ہے کہ اپنے کسب کی حیثیت سے رات اور دن میں جب بھی سوتا ہوں ندامت محسوس کرتا ہوں کیونکہ ساری خیر تو بیداری میں ہے۔ تو جس نے نیند پیاری کی اس نے نقصان کیا۔ مردوں کے ساتھ لاحق ہونے اور اچھے اعمال سے غافل ہونے کو پیارا کیا اور اس کی دنیا و آخرت کی مصلحتیں فوت ہو گئیں۔ کیونکہ نیند موت کی بہن ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ پر کبھی بھی نیند جائز نہیں کیونکہ وہ نقص ہے۔ اسی طرح چونکہ ملائکہ دربار خداوندی سے قرب رکھتے ہیں ان سے نیند کی نفی کر دی گئی۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام کی آنکھیں آرام کرتی ہیں دل نہیں سوتے۔ اسی طرح چونکہ اہل جنت ارفع و اعلیٰ مکانوں اور مصیبتوں سے پاک اور باعظمت مقامات میں ہوں گے اس لئے ان سے بھی نیند کی نفی فرمائی گئی کہ یہ نقص ہے پس تمام خیر بیداری میں اور

تمام شر نیند میں ہے۔ اسی لئے عارفوں نے بیداری کی ولایت کے ارکان میں سے ایک رکن قرار دیا ہے۔

سیدی علی الشاذلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہم نے تجربہ کیا ہے کہ لقمہ حلال اور ترک حرام وشبہات کی طرح کوئی چیز نیند دور نہیں کرتی۔ تو جس نے حرام اور شبہات کھائے اسے نیند زیادہ آتی ہے۔ اور یہ بھی (یعنی ایسوں کو نیند زیادہ آنا) اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ایک اندازہ ہے اس لئے کہ لقمہ حرام سے اعضاء کو گناہوں کی تحریک ہوتی ہے پس اس سے ہر عضو گناہ کا مطالبہ کرتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نیند وارد کر کے اس پر فضل فرماتا ہے تا کہ اسے گناہوں سے بچالے۔ جس طرح کہ حلال کھانے والے پر بیداری کے ساتھ فضل فرماتا ہے تا کہ اسے رات دن اپنی بارگاہ میں حاضری کا شرف بخشے۔

مزارات اولیاء کا عرفان

اللہ تعالیٰ کا مجھ پر احسان ہے کہ ولی کے مزار کی زیارت کے وقت میں پہچان لیتا ہوں کہ صاحب مزار موجود ہے یا نہیں۔ کیونکہ اکثر اولیاء اللہ کو اپنی قبروں میں سیر وسیاحت کی اجازت ہے پس وہ جاتے آتے رہتے ہیں۔ اور سیدی علی الخواص رضی اللہ تعالیٰ کو یہ مقام حاصل تھا۔ جب دیکھتے کہ کوئی شخص کسی ولی کے مزار کی زیارت کا عزم کئے ہوئے ہے تو اسے فرماتے کہ جلدی چلا جا کیونکہ وہ فلاں جگہ جانے کے لئے تیار ہیں اور بعض اوقات فرماتے کہ ابھی نہ جاؤ کہ وہ آج کے دن وہاں نہیں ہیں۔

امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں عمر بن الغارض رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت کو حاضر ہوا تو آپ کو مزار میں نہ پایا۔ کچھ دیر بعد تشریف لائے اور فرمایا: معذرت خواہ ہوں مجھے کچھ کام تھا۔ اور سیدی علی البدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے کہ شیخ ابوالعباس المرسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت حضرت بروز ہفتہ سورج طلوع ہونے سے پہلے کیا کرو کہ اس وقت آپ حاضر ہوتے ہیں اور سیدی ابراہیم الاعرج رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت صرف جمعہ کی رات مغرب کے بعد کیا کرو۔ جب کہ حضرت یاقوت العرشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت صرف منگل کے دن بعد ظہر کیا کرو۔ اور جب میں فوت ہو جاؤں تو میری زیارت بروز ہفتہ صبح کے بعد کیا کرنا۔

امام شعرانی فرماتے ہیں کہ یہ ایک ایسا امر ہے کہ اسے صرف وہی پہچان سکتا ہے جس کی بصیرت کو اللہ تعالیٰ نے روشنی بخشی ہو۔ علاوہ ازیں جو زیارت کرتا ہے وہ نیت سے کرتا ہے اگر اسے صاحب مزار اپنی قبر میں نہ بھی ملے تو بھی اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر اس کا اجر ہے۔

حقیقتِ زہد

اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ بھی احسان فرمایا ہے کہ میں اپنے جی میں یہ خیال نہیں کرتا کہ میرے پاس جو نقدی۔ کپڑے کھانے پینے کی چیزوں اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے اس میں اپنے مسلمان بھائیوں میں سے کسی سے زیادہ میرا حق ہے مگر جب کہ مجھے اس چیز کی اس مسلمان بھائی سے زیادہ ضرورت ہو تو اس وقت میں اپنے آپ کو اس حدیث پاک پر عمل کرتے ہوئے مقدم رکھتا ہوں کہ **ابدء بنفسك ثم بمن تعول** یعنی پہلے اپنی ضرورت پوری کرو پھر اپنے عیال کی۔ نیز اس حدیث پاک پر عمل کرتا ہوں **الاقربون اولی بالمعروف** کہ زیادہ قریبی نیکی کے زیادہ مستحق ہیں اور انسان کے نفس سے زیادہ اس سے قریب کوئی نہیں۔ پس وہ اس کا سب سے

قریبی پڑوسی ہے بلکہ وہ اس کی حقیقت ہے اور اس خلق کے ساتھ بہرہ ور ہونا اسی وقت درست قرار پاتا ہے جب کہ دنیا میں اس کا زہد مستحکم ہو۔ اور اسے اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق پر رحم کرنے کی عادت ہو۔

اور مقام زہد میں اس کے پختہ ہونے میں سچا ہونے کی کسوٹی یہ ہے کہ جب اس کے پاس اس کی ضرورت سے زیادہ دینا داخل ہوتو اس کا دل تنگی محسوس کرنے لگے اور جب اس کا ہاتھ تنگ ہو اور رات کا کھانا تک میسر نہ ہوتو خوشی محسوس کرنے لگے اور اس کیفیت کو پہنچ جائے کہ اگر کوئی شخص اس کی سونے کی ڈبیہ چرالے جو کہ ضروریات کے لئے تیار کر رکھی تھی تو اس کا ایک بال تک بھی متغیر نہ ہو اور اگر کوئی شخص اس کے سامنے اس کا صندوقچہ کھولے اور یہ چپ رہے اور وہ سامان وغیرہ نکال لے تو اسے یہ نہ کہے کہ اسے چھوڑ دو یا کچھ میرے لئے رہنے دو...... اگر اس کے احساسات مندرجہ بالا کوائف کے خلاف ہوں تو اس نے زہد کی مہک تک نہیں پائی۔

حضرت مؤلف امام شعرانی قدس سرہ العزیز کا نہایت مختصر تعارف سپرد قلم کیا ہے جو دراصل آپ کی اپنی داستان اپنی ہی زبان میں ہے۔ یعنی داستان خود بزبان خود جسے فقیر حقیر نے آپ کی عظیم تالیف لطائف المنن والاخلاق کے چند ایک مقامات سے لیا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے محبوب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ جلیلہ سے حضرت مؤلف رحمۃ اللہ علیہ در طبقات کبریٰ میں مذکور تمام اکابر اسلام کے نقوش سیرت اور ان کے زریں عقائد جو کہ دین اسلام کی صحیح اور کامل تعبیر وتصویر ہیں سے استفادہ کی توفیق بخشے۔

اہل محبت وعقیدت سے جو کہ اس ترجمہ سے استفادہ کریں نہایت ادب واحترام سے درخواست ہے کہ اس فقیر حقیر محمد محفوظ الحق کے لئے استقامت علی الحق۔ نیز نجات ومغفرت کی دعا فرمائیں اور میرے والدین کے لئے سعادت دارین اور میری اولاد کی اصلاح وفلاح اور صراط مستقیم پر ہر دوام وثبات کے لئے بحضور رب العزت التجا کریں۔ غوث الوریٰ حضور والی بغداد وسیدی غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روحانیت سے بالخصوص نگاہ کرم کی درخواست ہے کیونکہ عتبہ عالیہ غوثیت کی طرف منسوب ہونے والے گداؤں کے لئے اسی جناب سے قبولیت کا وعدہ ہے خدا کرے حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس عبد ذلیل وحقیر کو قبولیت کا شرف بخشیں۔ **قال اللہ سبحانہ و تعالیٰ انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین آمنوا الذین یقیمون الصلوٰۃ ویوتون الزکوۃ وھم راکعون۔**

خاک پائے غوث اعظم زیر سایہ ہر ولی

محمد محفوظ الحق غفرلہٗ

جامع مسجد غلہ منڈی بورے والہ

۵ جمادی الاوّل ۱۴۲۷ھ/۲ جون ۲۰۰۶ء بروز جمعۃ المبارک

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مولای صل و سلم دائما ابدا   علی حبیبك خیر الخلق کلهم
الله رب محمد صلی علیه و سلما   نحن عباد محمد صلی علیه و سلما

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ رب العالمین کے لئے اور میں درود و سلام بھیجتا ہوں اپنے آقا حضرت محمد پر اور آپ کی آل پر اور تمام انبیاء و مرسلین پر اور ان کی سب آل و اصحاب پر۔

مقصد تالیف

امابعد: اللہ تعالیٰ کے عفو و بخشش کا محتاج بندہ عبدالوہاب بن احمد بن علی الشعرانی اللہ تعالیٰ اسے معاف فرمائے کہتا ہے کہ میں نے یہ کتاب علم العقائد میں تالیف کی اور اس کا نام الیواقیت والجواہر فی بیان عقائد الاکابر رکھا۔ میں نے اپنی بساط کے مطابق اس میں اہل کشف اور اہل فکر کے عقائد میں مطابقت کا حیلہ کیا ہے۔ اور یہ اس لئے کہ عقائد کا دار و مدار انہیں دونوں گروہوں پر ہے۔ کیونکہ مخلوق سب کی سب دو قسموں پر ہے۔ اہل نظر و استدلال۔ یا اہل کشف و معاینہ اور دونوں گروہوں کے حضرات نے اپنے دائرہ والوں کے لئے کتابیں تالیف کی ہیں۔ تو جسے شریعت کی گہرائی تک رسائی نہیں کئی دفعہ وہ گمان کرتا ہے کہ اس دائرے والوں کا کلام دوسرے کے خلاف ہے۔ تو میں نے اپنی کتاب میں قصد کیا کہ دونوں کے درمیان مطابقت کی وجہ بیان کروں، تاکہ ہر دائرے والوں کے کلام کی دوسرے دائرہ والوں سے تائید حاصل ہو۔ اور یہ ایک ایسا کام ہے کہ مجھ سے پہلے میرے خیال میں کسی نے نہیں کیا۔ تو اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے جس نے مجھے مذکورہ بالا حیلہ اور التزام کو پورا کرنے میں عاجز پایا۔ کیونکہ کلام کے مآخذ بہت ہی رقیق ہیں۔ چنانچہ امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابواسحاق المزنی سے فرمایا کہ علم فقہ کو لازم کرو اور اپنے آپ کو علم کلام سے بچاؤ کہ تجھے کہا جائے کہ تو نے غلطی کی یہ اس سے کہیں بہتر ہے کہ تجھے کہا جائے کہ تو نے کفر کیا۔

اور میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ علماء کرام میں سے جو بھی اس کتاب کو دیکھے اسے اس میں جو غلطی اور تحریف نظر آئے اہل اسلام کی خیر خواہی کے لئے اس کی اصلاح کر دے۔ یا اگر اسے جواب ذہن میں نہ آئے تو صرف نظر کرے۔

امام شعرانی کی قابل توجہ وصیت

اور جان لو کہ میں کسی کے لئے اس امر کی اجازت نہیں دیتا کہ اس کے لئے اس کتاب کا کوئی نسخہ لکھا جائے مگر اس وقت کہ حسد سے پاک علماء اسلام اسے دیکھ لیں۔ اس کی اجازت عطا فرمائیں اور اس پر اپنے دستخط فرما دیں۔ کیونکہ میری عمر اب کمال تحریر سے تنگ ہے۔ اور میں ہر اس شخص کو وصیت کرتا ہوں جو کہ اہل کشف کے کلام کی سمجھ تک رسائی سے عاجز ہو کہ متکلمین کے کلام کے ظاہر پر توقف کرے اور اس سے آگے نہ بڑھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَاِنْ لَّمْ یُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ (البقرۃ آیت ۲۶۵) اگر اسے بارش نہ پہنچے تو شبنم ہی

کافی ہے۔اور یہ اس لئے کہ اہل کشف کے عقائد ایسے امور پر مبنی ہیں جو مشاہدہ میں آتے ہیں جبکہ ان کے علاوہ دوسروں کے عقائد ایسے امور پر مبنی ہیں جن پر وہ ایمان رکھتے ہیں۔ان کا یہ میزان ان تمام امور کے بارے میں ہے جن میں یقینی نص وارد نہیں ہوئی۔اور نفس اس پر اعتقاد رکھنے میں قوت پاتا ہے جس پر جمہور کاربند ہوں نہ کہ اس پر جس پر اہل کشف قائم ہوں کیونکہ ان کے طریقے کے سالک قلیل ہیں۔

حضرت شیخ محی الدین بن عربی رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ کی وجہ

پھر اے بھائی تجھے معلوم ہو کہ میں نے اہل کشف کی کلام پر مبنی رسائل کا اتنا مطالعہ کیا ہے کہ گنتی نہیں ہو سکتی۔اور میں نے ان کی عبارات میں وہ وسعت نہیں دیکھی جو کہ شیخ کامل، المحقق۔مربی العارفین الشیخ محی الدین بن عربی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت میں ہے۔اسی لئے میں نے اس کتاب کو آپ کی کلام فتوحات مکیہ وغیرہا سے مضبوط کیا نہ کہ دوسرے صوفیاء کی کلام سے۔

فتوحات کے بعض مقامات

لیکن میں نے فتوحات کے بعض مقامات ایسے بھی دیکھے جو مجھے سمجھ نہیں آئے۔اس کے باوجود میں نے ان کا ذکر کر دیا تا کہ علماء اسلام ان میں غور وفکر کریں اور حق کو حق ثابت کریں اور اگر پالیں تو باطل کو باطل قرار دیں۔تو اے عزیز! یہ گمان نہ کرنا کہ میں نے ان کا ذکر اس لئے کیا ہے کہ میں ان کے صحیح ہونے کا عقیدہ رکھتا ہوں اور اپنے عقیدے میں انہیں پسند کرتا ہوں جیسا کہ لوگوں کی عزت میں بے جا جرأت کرنے والے اس میں گرتے ہیں۔پس کہتے ہیں کہ اگر اس نے اس کلام کو پسند نہ کیا ہوتا اور مذکورہ مسئلہ کی صحت کا عقیدہ نہ ہوتا تو اپنی تالیف میں اس کا ذکر نہ کرتا۔اللہ تعالیٰ کی پناہ کہ میں جمہور متکلمین کی مخالفت کروں اور بعض غیر معصوم اہل کشف نے جو ان کی مخالفت کی ہے اس کی کلام کے صحیح ہونے کا عقیدہ رکھوں کیونکہ حدیث پاک میں ہے کہ اللہ تعالیٰ (کی حمایت) کا ہاتھ جماعت پر ہے اسی لئے میں اہل کشف کی کلام کے بعد اکثر کہتا ہوں انتھی فلیتامل ویحرر یعنی کلام ختم ہوئی اس پر غور وفکر کر لیا جائے اور اصلاح کر لی جائے اور اہل کلام کی اصطلاح کے مطابق اس طرح کے اشارے کرتا ہوں تا کہ اس کے فہم کے متعلق توقف کا اظہار ہو۔

کلام ائمہ کے متعلق تفصیل

اور ہمارے شیخ شیخ الاسلام زکریا الانصاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ائمہ کا کلام تین احوال سے خالی نہیں۔کیونکہ یا تو صریح کتاب وسنت کے موافق ہوگا تو اس کا اعتقاد یقیناً واجب ہے۔یا صریح کتاب وسنت کے مخالف ہوگا تو اس کا اعتقاد یقیناً حرام ہے یا ہمارے لئے اس کی موافقت یا مخالفت ظاہر نہ ہو تو اس کا بہترین حال یہ ہے کہ توقف کیا جائے۔(انتھی)

کتب شیخ محی الدین بن عربی میں ملاوٹ

اور مجھے عارف باللہ تعالیٰ شیخ ابوطاہر المزنی الشاذلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خبر دی ہے کہ شیخ محی الدین کی کتابوں میں ظاہر شریعت کے خلاف جو کچھ بھی ہے آپ کے حوالے سے مکر وفریب کے ساتھ ملاوٹ کی گئی۔کیونکہ آپ اجماع محققین کے مطابق مرد کامل ہیں اور کامل کے حق میں درست نہیں کہ وہ ظاہر کتاب وسنت کے خلاف بات کرے کیونکہ شارع علیہ السلام نے اسے اپنی شریعت پر امین بنایا ہے۔(انتھی)

اسی لئے میں نے ان مسائل کا تجسس کیا ہے جنہیں حاسدوں نے ان کی طرف سے شائع کیا اور میں نے ان کے جوابات دیئے ہیں

کیونکہ آپ کی وہ کتابیں جو کہ سند صحیح کے ساتھ ہمارے لئے روایت کی گئی ہیں ان میں ایسی باتیں نہیں ہیں۔ اور میں نے دوسرے علماء کی طرح ان کے جوابات صرف اپنے فہم اور یاد کے ساتھ نہیں دیئے۔ تو جسے اس قول میں شک ہو جسے میں نے اس کی طرف نسبت دی ہے اور وہ اس کے فہم اور تاویل سے عاجز ہو تو وہ اسے اس اصل کے اس مقام سے دیکھ لے جس کی طرف میں نے اسے منسوب کیا ہے۔ تو کبھی وہ میری طرف سے تحریف ہو گی۔

اہل سنت سے مراد کون ہیں؟

اے بھائی! جان لے کہ آج لوگوں کے عرف میں اہل سنت و جماعت سے مراد شیخ ابوالحسن الاشعری اور آپ سے پہلے زمانے کے حضرات ہیں۔ جیسے شیخ ابو منصور ماتریدی وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ اور بلا شبہ شیخ ماتریدی، حضرت شیخ ابوالحسن الاشعری کی طرح سنت میں عظیم امام تھے۔ لیکن چونکہ شیخ ابوالحسن الاشعری کے اصحاب شیخ ماتریدی کے اصحاب پر غالب اکثریت رکھتے تھے اس لئے ماتریدی کی شہرت کم رہی۔ کیونکہ ماتریدی کے پیروکار صرف نہر جیحون کے ماوراء تک ہیں۔ البتہ شیخ ابوالحسن الاشعری کے پیروکار اکثر بلاد اسلام میں پھیلے ہوئے ہیں۔ جیسے خراسان، شام، مصر وغیرہ۔ اسی لئے لوگ کہنے لگے کہ فلاں کا عقیدہ صحیح اشعری ہے اور ان کی مراد غیر اشعری کے عقیدہ کی صحت کے بارے میں مطلق نہیں۔ جیسا کہ شرح المقاصد میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اور اشعری اور ماتریدی محققین کے درمیان کوئی تحقیقی اختلاف نہیں کہ ان میں سے ایک دوسرے کو بدعت اور گمراہی کی طرف منسوب کرے۔ اختلاف صرف بعض مسائل میں ہے جیسے اللہ تعالیٰ پر ایمان کا مسئلہ کہ ایک انسان کہے کہ میں ان شاء اللہ تعالیٰ مومن ہوں۔ اور اسی طرح دوسرے مسائل۔

اور سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ اہل سنت و جماعت وہ ہیں جو کہ حق پر ہوں گرچہ ایک فرد ہو۔ اور اسی طرح جب آپ سے سواد اعظم کی بابت پوچھا جاتا کہ کون ہیں؟ تو یہی فرماتے۔ اور امام بیہقی بھی اسی طرح فرماتے۔

پھر اے بھائی! جان لے کہ جو اہل سنت و جماعت کا پیروکار ہو تو واجب ہے کہ اس کا قلب ان کے پیروکاروں کے متعلق انس و محبت سے معمور ہو۔ اور ان کے مخالفین کے متعلق اس کے برعکس اس کا قلب غم اور تنگی سے بھرپور ہو۔ **والحمد للہ رب العالمین۔**

اور مجھے پسند ہے کہ اس کتاب سے پہلے ایک نفیس مقدمہ لکھوں جو کہ اس کتاب کے مطالعہ کا ارادہ کرنے والے پر متعین ہو۔ جو کہ شیخ محی الدین کے عقیدہ صغریٰ کے بیان پر مشتمل ہو جو کہ فتوحات مکیہ میں صادر ہوا تا کہ اس کی طرف ہر وہ شخص رجوع کرے جو کہ عقائد کتاب میں سے کسی شئی کے بارے میں حیران و سرگرداں ہو۔ کیونکہ کتاب ساری کی ساری اسی عقیدے کی شرح کی مانند ہے۔ اور یہ بھی چار فصلوں پر مشتمل ہے۔

مقدمہ...... فصل اوّل

شیخ محی الدین بن عربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چند احوال کے ذکر میں اور اس امر کے بیان میں ہے کہ آپ کی کتابوں میں جو کچھ علماء اسلام کے ظاہر کلام کے خلاف پایا جاتا ہے وہ آپ پر جھوٹ کی آمیزش کی گئی ہے یا اس کی تاویل کی گئی ہے۔ اور ان علماء کے بیان میں ہے جنہوں نے آپ کی تعریف کی ہے اور آپ کی فضیلت کا اعتراف کیا ہے اور یہ اس لئے کہ اس کتاب کا غالب حصہ آپ کی عبارت کی طرف لوٹتا ہے۔

دوسری فصل: ان بعض کلمات کی تاویل میں ہے جو کہ شیخ کی طرف منسوب ہیں اس تقدیر پر کہ آپ سے ثابت ہوں۔ جن کے معنوں سے اکثر لوگ ناواقف ہیں۔ اور کچھ ان آزمائشوں کا ذکر ہے۔ جن میں اہل اللہ ہر دور میں من جانب اللہ امتحان کے لئے۔ ان کی فرو گذاشتوں کو دور کرنے کے لئے یا پھر لوگوں کی طرف مائل ہونے سے انہیں نفرت دلانے کے لئے مبتلا کئے جاتے رہے۔ اور یہ اس لئے کہ اللہ کسی بندے کا کبھی انتخاب نہیں فرماتا جبکہ وہ اس کی اجازت کے بغیر ماسوا کی طرف مائل ہو۔

تیسری فصل: اہل طریقت کے لئے اس بارے میں عذر قائم کرنے کے بیان میں کہ وہ ایسی عبارات کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں جو کہ اس شخص پر مشکل ہوتی ہیں جو ان میں سے نہیں۔ اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ سب کچھ اس ڈر کی وجہ سے ہے کہ کہیں اولیاء اللہ کو جھوٹ اور بہتان کی تہمت لگائی جائے۔ پس انہوں نے ان کے لئے ایسی رمزیں مقرر کی ہیں جنہیں وہ اپنے درمیان پہچانتے ہیں اور جو ان کے درمیان داخل ہو وہ ان کے واقف کئے بغیر نہیں پہچان سکتا۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے اسرار پر غیرت کی وجہ سے ہے کہ کہیں محجوبین کے درمیان فاش ہو جائیں۔ جیسا کہ قشیری نے اپنے رسالے میں اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

چوتھی فصل: کچھ قواعد و ضوابط کے بیان میں ہے جن کی ہر اس شخص کو ضرورت ہوتی ہے جو کہ علم کلام کی تحقیق کا ارادہ کرتا ہے۔

شیخ محی الدین العربی قدس سرہ کے عقیدہ کا مختصر بیان جو کہ انہیں سوء اعتقاد سے بَری کرنے والا ہے

اور اعلان عقیدہ کی ضرورت

اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم کرے تو اس حقیقت کو سمجھ لے کہ ہر مومن کو چاہئے کہ اپنے عقیدے کو صراحت کے ساتھ بیان کرے اور اس کا محضر عام میں اعلان کرے۔ اگر صحیح ہوگا تو اللہ تعالیٰ کے دربار میں یہ حضرات اس کے حق میں گواہی دیں گے۔ اور اگر صحیح نہیں ہوگا تو اس کے لئے اس کی خرابی بیان کریں گے تاکہ اس سے توبہ کرے۔ دیکھو حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کو ان کے مشرک ہونے کے باوجود اپنے متعلق شرک سے بیزاری اور وحدانیت کے اقرار پر گواہ بنایا۔ (چنانچہ فرمایا **انی اشهد الله اشهدوا انی بریء مما تشركون من دونه فكيدوني جميعا ثم لا تنظرون انی توكلت علی الله ربی و ربكم** (ھود آیت ۵۴ تا ۵۶) ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی گواہ رہنا کہ میں ان بتوں سے بیزار ہوں جنہیں تم اس کے سوا شریک ٹھہراتے ہو پس تم سب مل کر میرے خلاف سازش کر لو پھر مجھے مہلت نہ دو۔ بلاشبہ میں نے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا جو میرا رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے) کیونکہ آپ جانتے ہیں کہ سارے جہان کو اللہ تعالیٰ اپنے حضور کھڑا کرے گا اور اس پُر آشوب موقف میں سوال فرمائے گا۔ یہاں تک کہ ہر گواہ اپنی گواہی اور ہر امین اپنی امانت ادا کرے گا۔ اور مؤذن کے حق میں جنہوں نے اذان سنی گواہی دیں گے حتیٰ کہ کفار بھی۔

اسی لئے شیطان جب اذان سنتا ہے تو ہوا خارج کرتا ہوا پیچھے کو بھاگتا ہے تاکہ وہ مؤذن کی اذان نہ سنے ورنہ اسے اس کے حق میں گواہی دینا پڑے گی۔ اور یوں وہ مؤذن کی سعادت مندی میں کوشش کرنے والوں میں سے ہو جائے گا۔ حالانکہ وہ ملعون نرا دشمن ہے۔ اس سے ہماری طرف کوئی خیر صادر نہیں ہوتی۔ اور جب دشمن کی تیرے بارے میں گواہی لازم ہے جس کا تو نے اسے گواہ بنایا کیونکہ گواہی کے سچے مقام سے یہی حقیقت ملتی ہے پس تیرے دوست، محب اور ہر اس شخص کو جو تیرے دین پر ہے زیادہ لائق ہے کہ تیرے حق میں گواہی دے۔ اور خود تیرے زیادہ شایان ہے کہ تو اس دنیا میں اپنے اوپر وحدانیت اور ایمان کی گواہی دے۔

بیان عقیدہ

تو اے میرے بھائیو! اور اے میرے احباب! اللہ تعالیٰ ہم سے اور آپ سے راضی ہو میں آپ کو گواہ بناتا ہوں۔ میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتا ہوں۔ اس کے فرشتوں، اس کے انبیاء علیہم السلام کو اور جو روحانی حاضر ہیں یا سن رہے ہیں گواہ بناتا ہوں اور اپنے دل کی گہرائی سے کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ایک ہی معبود ہے جس کا دوسرا نہیں۔ وہ بیوی اور اولاد سے منزہ ہے۔ مالک ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ بادشاہ ہے جس کا کوئی وزیر نہیں۔ صانع ہے اس کے ساتھ کوئی تدبیر کرنے والا نہیں۔ اپنی ذات کے ساتھ موجود ہے جو کہ کسی موجد کا محتاج نہیں جو اسے ایجاد کرے۔ بلکہ ہر موجود اپنے وجود میں اس کا محتاج ہے۔ پس عالم سب کا سب اسی کے ساتھ موجود ہے جبکہ اللہ تعالیٰ خود بخود موجود ہے۔ اس کے وجود کا افتتاح ہے نہ اس کی بقاء کی حد۔ بلکہ اس کا موجود مطلق، خود قائم ہے جوہر نہیں کہ اس کے لئے مکان مقدر کیا جائے۔ نہ ہی عرض ہے کہ اس پر بقاء محال ہو۔ جسم نہیں کہ اس کے لئے جہت اور سمت ہو۔ قلوب اور آنکھوں کے ساتھ دیکھا جا سکتا ہے۔ اس نے عرش پر استواء فرمایا جیسا کہ اس نے ارشاد فرمایا اور اس معنی پر جس کا اس نے ارادہ کیا۔ جیسا کہ عرش اور اس کے مشمولات اسی کے ساتھ قائم، اسی کے لئے دنیا و آخرت ہے۔ اس کی مثل نہیں جو سمجھ میں آسکے اور نہ ہی اس پر عقلیں دلالت کر سکتی ہیں۔ کوئی زمانہ اسے گھیر سکتا ہے نہ ہی کوئی مکان اس پر حاوی۔ بلکہ وہ تھا جبکہ کوئی مکان نہ تھا۔ اور وہ اب بھی اسی طرح ہے۔ کیونکہ اس نے متمکن اور مکان کو تخلیق فرمایا۔ زمانے کو پیدا فرمایا۔ اور فرمایا: کہ میں ایک ہوں۔ حی ہوں جسے مخلوقات کی حفاظت تھکا نہیں سکتی۔ اور اس کی مصنوعات کی صفت میں سے کوئی صفت جو اس کے شایان نہیں اس کی طرف نہیں لوٹتی۔

اللہ تعالیٰ اس سے بلند ہے کہ وہ محل حوادث ہو یا وہ حوادث میں سمائے یا اس سے پہلے کوئی حادث ہو یا وہ حادث کے بعد ہو۔ بلکہ کہا جائے گا کہ وہ تھا اور اس کے ساتھ کچھ نہ تھا۔ کیونکہ قبل اور بعد زمانے کے صیغوں سے ہیں جسے اس نے پیدا فرمایا۔ پس وہ قیوم ہے جو سوتا نہیں۔ قہار ہے کہ اس کے متعلق قصد نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی مثل کچھ نہیں اور وہ سمیع ہے بصیر ہے۔ اس نے عرش کو پیدا فرمایا اور اسے استواء کی حد قرار دیا۔ کرسی کو پیدا کیا اور اسے زمین و آسمان سے وسیع فرمایا۔ اس نے لوح اور قلم اعلیٰ کو پیدا فرمایا اور اسے فیصلے کے دن تک اپنی مخلوق میں اپنے علم کے ساتھ جیسے چاہا جاری فرمایا۔ جہان کو کسی سابقہ مثال کے بغیر بنایا۔ مخلوق کو عدم سے نکالا اور جسے پیدا فرمایا اسے بوسیدہ کیا ارواح کو اجسام میں بطور امانت اتارا۔ اور ان اجسام کو جن کی طرف ارواح اتاریں زمین میں خلیفے بنایا۔ اور اپنی طرف سے آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے ان کے کاموں میں لگا دیا۔ تو کوئی ذرہ حرکت نہیں کرتا مگر اس کے ساتھ اور اسی سے۔

اس نے سب کچھ بنایا جس کی اسے حاجت نہیں۔ نہ ہی کوئی موجب جس نے اس پر اسے واجب کیا ہو۔ لیکن اس کا علم سابق ہے تو جسے عدم سے نکالنا لازم تھا اسے نکالا۔ پس وہ اول ہے۔ آخر ہے۔ ظاہر ہے۔ باطن ہے اور ہر چاہی ہوئی چیز پر قادر ہے۔ اس نے ہر چیز کا علم سے احاطہ فرمایا اور ہر چیز کی گنتی کر رکھی ہے۔ سر و اخفی کو جانتا ہے۔ آنکھوں کی خیانت، اور سینوں کی مخفیات کو جانتا ہے۔ اور وہ اس شئے کو کیونکر نہ جانے جسے اس نے پیدا فرمایا۔ کیا اسے نہیں جانتا جسے اس نے پیدا فرمایا اور باریک میں باخبر ہے۔ (القرآن)

علم الٰہی

اشیاء کو ان کے وجود سے پہلے جانتا ہے پھر انہیں اپنے علم کے حوالے سے ایجاد فرمایا۔ پس وہ ہمیشہ سے اشیاء کا عالم رہا۔ خلق اشیاء

کے تجدد کے وقت اس کا علم جدید نہیں ہوتا۔ اپنے علم کے ساتھ اشیاء کو پختہ اور انہیں محکم کیا۔ اور اسی کے ساتھ جسے چاہا ان اشیاء پر حاکم کیا۔ اہل نظر و اتفاق کے اجماع کے مطابق جس طرح جزئیات کا علم رکھتا ہے اسی طرح علی الاطلاق کلیات کا علم رکھتا ہے۔ پس غیب وشہادت کا جاننے والا ہے۔ پس وہ ان کے شرک سے بلند ہے۔ جو ارادہ فرمائے کرتا ہے۔ پس زمین و آسمان کے جہان میں کائنات کی تدبیر فرمانے والا ہے۔ اس کی قدرت کا کسی چیز کی ایجاد کے ساتھ تعلق نہیں ہوتا یہاں تک کہ اس کا ارادہ فرمائے۔ جس طرح کہ وہ اس کا ارادہ نہیں فرماتا یہاں تک کہ اس کے علم میں ہو۔ کیونکہ یہ بات عقلاً محال ہے کہ اس چیز کا ارادہ فرمائے جو اس کے علم میں نہیں۔ یا کسی فعل کو ترک کرنے کا اختیار رکھنے والا صاحب اقتدار وہ کام کرے جس کا ارادہ نہیں فرماتا جیسا کہ یہ محال ہے کہ ان حقائق کی ایجاد ذات حی کے بغیر ہو۔ جیسا کہ یہ محال ہے کہ یہ صفات اس ذات کے بغیر قائم ہوں جو ان کے ساتھ موصوف ہو۔

پس وجود میں کوئی طاعت ہے نہ معصیت۔ نفع ہے نہ خسارہ۔ کوئی غلام ہے نہ آزاد۔ سردی ہے نہ گرمی۔ زندگی ہے نہ موت۔ حصول ہے نہ محرومی۔ دن ہے نہ رات۔ اعتدال ہے نہ زیادتی۔ خشکی ہے نہ تری۔ جفت ہے نہ طاق۔ جوہر ہے نہ عرض۔ صحت ہے نہ مرض۔ خوشی ہے نہ غم۔ روح ہے نہ جسم۔ تاریکی ہے نہ روشنی۔ زمین ہے نہ آسمان۔ ترکیب ہے نہ تحلیل۔ کثیر ہے نہ قلیل۔ صبح ہے نہ شام۔ سفیدی ہے نہ سیاہی۔ بیداری ہے نہ نیند۔ ظاہر ہے نہ باطن۔ متحرک ہے نہ ساکن۔ خشک ہے نہ تر۔ چھلکا ہے نہ مغز۔ اور متضاد، مختلف اور ایک دوسرے کی مثل چیزوں میں سے کوئی چیز نہیں مگر وہ حق تعالیٰ کی مراد ہے اور وہ اس کی مراد کیونکر نہ ہو حالانکہ اس نے اسے ایجاد فرمایا۔ تو صاحب اختیار ایسی چیز کی ایجاد کیسے کر سکتا ہے جس کا ارادہ ہی نہیں کیا۔

ارادہ ذات

اس کے امر کو کوئی لوٹانے والا ہے نہ اس کے حکم کو رد و بدل کرنے والا۔ جسے چاہے بادشاہی عطا فرماتا ہے اور جس سے چاہے چھین لیتا ہے۔ جسے چاہے عزت عطا فرماتا ہے اور جسے چاہے ذلیل فرماتا ہے۔ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے اور جسے چاہے گمراہ کرتا ہے۔ اس نے جو چاہا ہوا اور جسے نہیں چاہا نہیں ہوا۔ اگر ساری مخلوق کسی ایسی چیز کا ارادہ کرنے پر جمع ہو جائیں جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ارادہ نہیں فرمایا کہ وہ اس کا ارادہ کریں۔ تو اس کا ارادہ نہیں کر سکتے۔ یا ایسی چیز کے فعل کا اتفاق کریں جس کی ایجاد کا اللہ تعالیٰ نے ارادہ نہیں فرمایا اور وہ ارادہ کر لیں تو اسے نہیں کریں گے اور ان میں اس کی استطاعت نہیں ہوگی۔ نہ ہی وہ انہیں اس کی قدرت عطا کرے گا۔

پس کفر و ایمان۔ طاعت و عصیان اس کی مشیت اور اس کے حکم اور ارادے سے ہے۔ پس وہ ازل سے اس ارادے کے ساتھ موصوف ہے۔

اور عالم معدوم ہے۔ پھر اس نے عالم کی ایجاد فرمائی اس غور و فکر کے بغیر جو کہ ناواقفیت کی بنا پر ہوتا ہے۔ کہ اسے غور و فکر اس چیز کا علم عطا کرے جس سے وہ واقف نہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سے بلند و بالا ہے بلکہ اس نے عالم کو علم سابق سے ایجاد فرمایا۔ اور ارادے کی تعیین سے جو کہ ازلی مرتبہ ہے جو کہ عالم پر زمان، مکان، اکوان اور الوان کے حوالے سے فیصلہ کرتا ہے۔ پس حقیقتاً وجود میں اس کے سوا کوئی ارادہ کرنے والا نہیں۔ کیونکہ وہی یہ فرمانے والا ہے کہ تم نہیں چاہتے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے اور بیشک اللہ تعالیٰ کے علم میں جس طرح تھا پس اس نے محکم فرمایا اور ارادہ فرمایا پس خاص کیا۔ اور مقدر فرمایا پس ایجاد فرمایا۔ اسی طرح اس نے عالم، اسفل و اعلیٰ میں جس نے حرکت کی یا

جو ساکن ہوا یا مخلوق میں کوئی بولا اس نے اسے سنا اور دیکھا۔ بُعد اس کی سماعت کو روکتا نہیں پس وہ قریب ہے۔ نہ ہی اس کی بصر کو قرب محجوب کرتا ہے پس وہ بعید ہے، نفس کی نفس میں کلام اور مس کرنے کے وقت مخفی آواز کو سنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اندھیری رات میں تاریکی اور پانی میں پانی دیکھتا ہے۔ اسے ان کا باہم ملنا محجوب نہیں کرتا۔ نہ ہی تاریکیاں اور نور اور وہ سمیع وبصیر ہے۔

سماعت

اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا جس سے پہلے خاموشی اور متوہم سکون نہیں۔ کلامِ قدیم ازلی کے ساتھ جیسا کہ اس کی تمام صفات ہیں جیسے اس کا علم۔ ارادہ اور قدرت۔ اس نے اس کے ساتھ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کلام فرمایا۔ اس کا نام تنزیل۔ زبور۔ تورات۔ انجیل اور فرقان رکھا جو کہ تشبیہ وکیفیت سے پاک ہے۔ پس اس کا کلام تالو اور زبان کے بغیر ہے۔ جس طرح کہ اس کا سننا سوراخ اور کان کے بغیر ہے۔ جیسا کہ اس کا دیکھنا ڈھیلے اور پلکوں کے بغیر ہے۔ اس کا ارادہ قلب وجنان کے بغیر۔ اس کا علم اضطرار اور دلیل میں نظر کے بغیر۔ اس کی حیات قلب کی تحریف کے بخار کے بغیر جو کہ ارکان کی آمیزش سے پیدا ہوتا ہے۔ اور جیسا کہ اس کی ذات کمی بیشی کو قبول نہیں کرتی۔

پاس وہ پاک ہے۔ وہ بعید وقریب سے پاک ہے۔ عظیم السلطان۔ عمیم الاحسان اور بے پناہ انعام والا ہے۔ جو کچھ اس کے سوا ہے اسی کی جود سے جاری۔ اور اس کے فضل۔ جود اور عدل سے ہے جو کہ اسے پھیلانے والا اور سمیٹنے والا ہے۔ اس نے صنعت عالم کو اس کی ایجاد واختراع کے وقت کامل اور بے مثل کیا۔ اس کی ملک میں اس کا کوئی شریک نہیں اور اس میں اس کے ساتھ کوئی تدبیر کرنے والا نہیں۔ اگر نعمتوں کا انعام فرمائے تو یہ اس کا فضل ہے۔ اور اگر مبتلا فرما کر عذاب دے تو یہ اس کا عدل ہے۔ اپنے غیر کی ملک میں تصرف نہیں فرماتا کہ اسے ظلم اور حق تلفی کی طرف منسوب کیا جائے۔

اور اس پر اس کے ماسوی کا حکم متوجہ نہیں ہوتا کہ اس کی وجہ سے اسے گھبراہٹ اور خوف لاحق ہو۔ اس کے سوا جو کچھ ہے وہ اس کے قہر کے سلطان کے تحت ہے۔ اور وہ اپنے ارادے اور حکم سے تصرف فرمانے والا ہے۔ پس وہ شرعی ذمہ داروں کے نفوس کو تقوی اور فجور کا الہام فرمانے والا ہے۔ اور وہ یہاں اور قیامت کے دن جس کی خطاؤں سے چاہے درگزر فرمانے والا ہے۔ اس کا عدل اس کے فضل میں اور نہ ہی اس کا فضل اس کے عدل میں حکم دیتا ہے۔ اس نے جہان کو دو قبضوں میں نکالا اور ان کے لئے دو مرتبے ایجاد فرمائے۔ پس فرمایا یہ لوگ جنت کے لئے ہیں اور مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ اور یہ جہنم کے لئے ہیں اور مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ اور کسی معترض نے اس پر وہاں کوئی اعتراض نہ کیا کہ وہاں اس کے سوا کوئی موجود نہ تھا۔ پس سب کے سب اس کے اسماء کے تصرف میں ہیں۔ پس ایک قبضہ اس کی ابتلاء کے اسماء کے تحت جبکہ دوسرا قبضہ اس کی نعمتوں کے اسماء کے تحت ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا کہ سارا جہان سعادت مند ہو یا بدبخت تو ایسا ہی ہوتا کہ اس میں بھی اس کی کوئی شان ہوتی۔ لیکن اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ارادہ نہ فرمایا پس اسی طرح ہوا جیسا کہ اس نے ارادہ کیا۔ تو ان میں سے کوئی بدبخت ہے اور کوئی نیک بخت ہے۔ یہاں اور قیامت کے دن۔ پس اس کے حکم میں تبدیلی کی کوئی راہ نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ **مایبدل القول لدی وما ان بظلام للعبید** (ق آیت ۲۹) میرے ہاں حکم بدلا نہیں جاتا اور نہ ہی میں بندوں پر ظلم فرماتا ہوں۔ کہ ملک میں تصرف کرتا ہوں اور اپنی ملک میں اپنی مشیت کو نافذ کرتا ہوں۔ اور یہ ایک حقیقت کی وجہ سے ہے جس سے بصیرتیں نابینا ہیں۔ اور اس پر افکار اور ضمائر عطاء الٰہی اور جود رحمانی کے بغیر اطلاع نہیں پاتے اور یہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے ان کے لئے

ہوتی ہے جن پر وہ توجہ فرمائے اور دربار شہود میں ان کے لئے یہ فیصلہ پہلے گزر چکا ہو۔ تو جب جتلایا گیا تو اسے پتہ چلا کہ الوہیت نے یہ تقسیم عطا فرمائی ہے۔ اور یہ قدیمی دقائق سے ہے۔

پس وہ پاک ہے جس کے سوا فاعل نہیں۔ اور ذاتاً اس کے سوا کوئی موجود نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں پیدا فرمایا اور وہ عمل جو تم کرتے ہو۔ وہ جو کچھ کرے اس سے سوال نہیں کیا جا سکتا جبکہ لوگوں سے سوال ہوگا۔ پس اللہ تعالیٰ کے لئے غالب حجت ہے اور اگر چاہتا تو تم سب کو ہدایت عطا فرماتا۔

رسالت

اور جیسے میں نے اللہ تعالیٰ۔ اس کے فرشتوں۔ اس کی ساری مخلوق کو اور تمہیں اپنے اوپر اس کی توحید کے متعلق گواہ بنایا۔ اسی طرح میں اللہ تعالیٰ۔ اس کے فرشتوں۔ اس کی ساری مخلوق کو اور تمہیں اپنے اوپر اس ذات پر ایمان کے لئے گواہ بناتا ہوں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے مصطفیٰ۔ مختار اور مجتبیٰ قرار دیا۔ اور وہ ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جنہیں تمام کائنات انسانیت کی طرف بشیر و نذیر۔ اپنے حکم سے داعی الی اللہ اور سراج منیر بنا کر بھیجا۔ پس آپ نے وہ سب کچھ پہنچا دیا جو آپ کی طرف آپ کے رب نے نازل فرمایا۔ امانت کو ادا فرمایا۔ اور آپ نے اپنی امت کی خیر خواہی فرمائی۔ اور آپ نے حجۃ الوداع میں اپنے حاضر پیروکاروں پر ... پس خطبہ ... نصیحت فرمائی۔ ڈرایا۔ نافرمانی سے پرحذر رہنے کی تلقین فرمائی۔ جنت کا وعدہ دیا اور نافرمانی کی بنا پر سزا کا ذکر ... اور رحمت کی بشارتیں اور سزا کی خبریں سنائیں۔ اور اس وعظ و نصیحت میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق کسی ایک کو دوسرے سے خاص نہ فرمایا۔ پھر فرمایا: کیا میں نے تبلیغ کر دی؟ سب نے عرض کی: یارسول اللہ! آپ نے تبلیغ فرما دی۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: ''اے میرے اللہ! تو گواہ رہ۔''

اور میں ہر اس چیز پر ایمان رکھتا ہوں جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لے کر تشریف لائے جس کا مجھے علم ہے اور جو مجھے معلوم نہیں۔ تو آپ جو لائے اور اس کی پختگی بیان فرمائی۔ موت ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں وقت مقرر پر ہے۔ جب آ جائے تو موخر نہیں ہوتی۔ تو اس پر پختہ ایمان رکھتا ہوں جس میں شک کی گنجائش نہیں۔ جس طرح کہ میں ایمان لایا اور میں نے اقرار کیا کہ قبر کے نکیرین کا سوال برحق ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور پیشی برحق ہے۔ حوض برحق ہے۔ عذاب قبر حق ہے۔ میزان عمل کا قائم کرنا برحق ہے۔ اعمال نامہ کا بکھیرنا برحق ہے۔ پل صراط اور جنت برحق ہے۔ جہنم برحق ہے۔ اور ایک گروہ جنت میں اور دوسرا جہنم میں اور ایک گروہ کے بارے میں اس دن کی بے قراری برحق ہے۔ جبکہ دوسرے فریق کو قیامت کی بڑی گھبراہٹ کا غمگین نہ کرنا برحق ہے۔ اور فرشتوں۔ انبیاء علیہم السلام اور ایمان والوں کی شفاعت اور ارحم الراحمین کی شفاعت برحق ہے۔ اور ایمان والوں میں سے اہل کبائر میں سے ایک جماعت جہنم میں داخل ہو گی پھر ان کا شفاعت کے ساتھ اس سے نکالا جانا برحق ہے۔ ہمیشہ کی نعمتوں میں ایمان والوں کے لئے ہمیشگی اور دردناک عذاب میں کافروں اور منافقوں کی ہمیشگی برحق ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتابوں اور رسل علیہم السلام کے ذریعے جو کچھ آیا معلوم ہو سکا یا نہیں سب برحق ہے۔

پس میری اپنے متعلق یہ گواہی ہر اس شخص کے پاس امانت ہے جس کے پاس یہ پہنچی وہ جہاں بھی ہو۔ اسے جب اس کے متعلق سوال

ہوتو ادا کرے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو اس ایمان سے نفع بخشے اور آخرت کی طرف منتقل ہونے کے وقت ہمیں اس پر ثابت قدم رکھے۔ اور ہمیں کرامت ورضوان کے گھر میں اتارے۔ اور ہمارے اور اس گھر کے درمیان حائل ہو جس میں رہنے والوں کا لباس تارکول کا ہوگا۔ اور ہمیں اس جماعت میں کرے جن کے اعمال نامے ان کے دائیں ہاتھوں میں ہوں گے۔ اور ان میں سے کرے کہ جب حوض کوثر سے لوٹیں تو سیراب ہوں۔ اور ان کی نیکیوں کی ترازو وزنی ہو۔ اور اس کی وجہ سے پل صراط پر ثابت قدم ہوں۔ بیشک وہ انعام فرمانے والا نہایت احسان فرمانے والا ہے۔ آمین ثم آمین۔

عقیدہ کا بیان ختم ہوا۔ اب ہم چار فصلوں کا بیان شروع کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہی توفیق ہے۔

(اقول و باللہ التوفیق حضرت مؤلف علام۔ امام الاعلام امام عبدالوہاب الشعرانی قدس سرہ العزیز نے جس وضاحت کے ساتھ اپنا عقیدہ بیان فرمایا اور گواہی دی اور اس پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو گواہ بنایا اور اس کے فرشتوں۔ اس کے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اور جو روحانی حاضر ہیں یا سن رہے ہیں کو گواہ بنایا من وعن یہ فقیر حقیر محمد محفوظ الحق بن سیّد علی محمد شاہ ان وضاحتوں کے ساتھ عقیدہ بناتے ہوئے اور سبحانہ و تعالیٰ اور تمام عظماء کو گواہ بناتا ہے کہ اس عقیدہ کی مجھ حقیر کے لئے بھی بارگاہ خداوندی میں گواہی دیں۔ بر کریماں کارہا دشوار نیست۔ محمد محفوظ الحق غفر لہ ولوالدیہ)

پہلی فصل

شیخ محی الدین رضی اللہ عنہ کے کچھ احوال کے بیان میں

آپ پہلے پہل مغرب کے کسی بادشاہ کے ہاں ملازم تھے۔ پھر اللہ عزوجل کی طرف سے آپ کے پاس آنے والا آیا یعنی کوئی روحانی اشارہ ہوا تو آپ جنگلوں کی طرف نکل گئے حتیٰ کہ ایک قبر میں اتر گئے اور ایک مدت تک اس میں رہے۔ پھر قبر سے نکل آئے اور آپ ان علوم میں گفتگو فرما رہے تھے جو آپ سے منقول ہیں۔ اور زمین میں سیاحت کرتے رہے ہر شہر میں حسب الحکم ٹھہرتے پھر وہاں سے رخت سفر باندھ لیتے۔ اور وہاں جو کتابیں تالیف کرتے پیچھے چھوڑ جاتے۔ آخری اقامت شام میں تھی اور وہیں ۶۳۸ھ میں وفات پائی۔

آپ کتاب و سنت کے پابند تھے۔ اور فرماتے کہ جس نے لحہ بھر کے لئے شریعت کی ترازو اپنے ہاتھ سے گرا دی ہلاک ہو گیا۔ اور آپ کا یہ قول آگے آئے گا۔ کہ جو تیرے دل میں کھٹکا اللہ تعالیٰ اس سے وراء ہے۔ اور قیامت تک یہ جماعت صوفیاء کا عقیدہ ہے۔ اور آپ کا جو کلام لوگوں کی سمجھ میں نہیں آسکا وہ آپ کے مراتب کی بلندی کی وجہ سے ہے۔ اور آپ کے کلام میں جو کچھ شریعت کے ظاہر کے خلاف ہے وہ لوگوں نے اپنی طرف سے آپ کی طرف غلط منسوب کیا۔ جیسا کہ مجھے سیدی شیخ ابوالطاہر المغربی نے جو کہ مکہ معظمہ میں فروکش تھے خبر دی۔ پھر شیخ نے فتوحات کا وہ نسخہ مجھے دکھایا جس کا آپ نے اس نسخہ کے ساتھ مقابلہ کیا تھا جو شیخ اکبر رحمۃ اللہ نے شہر قونیہ میں اپنے قلم سے لکھا تھا۔ تو میں نے اس میں کوئی چیز نہ پائی جس کے متعلق مجھے توقف تھا اور میں نے اسے فتوحات کے اختصار کے وقت حذف کر دیا تھا۔

شیخ اکبر سے پہلے امام احمد بن حنبل اور اکابر اسلام کے متعلق دسیسہ کاری

اور زندیقوں نے تو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے مرض الوصال میں آپ کے سرہانے کے نیچے گمراہی پر مبنی عقائد رکھ دیے اور اگر آپ کے شاگردوں کو آپ کے اعتقادات کی صحت کا علم نہ ہوتا تو آپ کے تکیہ کے نیچے پائے جانے والے مسودہ کی وجہ سے فتنہ میں مبتلا ہو جاتے۔ اسی طرح صاحب قاموس شیخ الاسلام مجد الدین فیروز آبادی کے متعلق ایک کتاب بہتان کے طور پر منسوب کی گئی جو کہ حضرت امام ابوحنیفہ کے رد اور ان کی تکفیر میں تھی۔ اور یہ کتاب ابوبکر الخیاط الیمنی البغوی کے سپرد کی گئی۔ تو انہوں نے اس کی بنا پر شیخ مجد الدین کی طرف ملامت کا پیغام بھیجا۔ تو شیخ مجد الدین نے ان کی طرف لکھا کہ اگر یہ کتاب آپ کے ہاتھ لگ جائے تو اسے جلا دیں کیونکہ یہ دشمنوں کی طرف سے بہتان ہے۔ میں تو امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے بہت بڑے معتقدین میں سے ہوں اور میں نے ایک جلد میں آپ کے مناقب ذکر کیے ہیں۔

اسی طرح کتاب الاحیاء میں چند ایک مسائل امام غزالی رحمۃ الہ علیہ پر افتراء کرتے ہوئے منسوب کیے گئے۔ قاضی عیاض رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں ایک نسخہ لگ گیا آپ نے اسے جلانے کا حکم دیا۔

اس طرح خود مجھ پر بہتان لگاتے ہوئے میری کتاب البحر المورود میں غلط عقائد درج کر دیے گئے اور انہیں مصر اور مکہ میں تین سال تک شائع کیا گیا۔ حالانکہ میں ان سے بری ہوں جیسا کہ میں نے اسے اس وقت خطبہ کتاب میں واضح کر دیا تھا جب میں نے انہیں بدلا حالانکہ علماء کرام نے اس کتاب پر تقاریظ لکھیں اور اسے درست قرار دیا تھا۔ اور یہ فتنہ اس وقت فرو ہوا جب میں نے انہیں وہ نسخہ بھیجا جس

پر ان کے اپنے دستخط تھے۔ اور میری مدد کے لئے آگے آنے والوں میں شیخ امام ناصر الدین لقانی مالکی رضی اللہ عنہ ہیں۔

پھر بعض حاسدین نے مصر اور مکہ میں مشہور کر دیا کہ علماء مصر نے فلاں کی سب تالیفات پر اپنی تقریظوں سے رجوع کر لیا ہے۔ تو بعض لوگوں کو اس بارے میں شک گزرا۔ پس میں نے تیسری مرتبہ وہ نسخہ علماء کی خدمت میں بھیجا۔ تو انہوں نے اپنی تقاریظ کے نیچے لکھا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم اس شخص نے جھوٹ بولا ہے جو ہماری طرف منسوب کرتا ہے کہ ہم نے اس کتاب پر اور فلاں (یعنی امام شعرانی) کی دوسری تالیفات پر اپنی تقاریظ سے رجوع کر لیا ہے۔

امام شعرانی کی تائید میں شیخ ناصر الدین مالکی کا بیان

اور سیدنا و مولانا شیخ ناصر الدین مالکی (اللہ تعالیٰ ان کی عمر میں وسعت فرمائے) کی تائیدی عبارت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد کے بعد فرماتے ہیں اس بندے کی طرف اس تقریظ سے جو کہ میں نے اپنے قلم سے اس کتاب پر اور فلاں کی دوسری تالیفات پر لکھی جو رجوع منسوب کیا گیا ہے باطل ہے باطل ہے باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم میں نے اس سے رجوع نہیں کیا اور نہ ہی اس کا ارادہ کیا۔ نہ ہی اس کی تالیفات میں میرے عقیدے کے مطابق باطل نام کی کوئی چیز ہے۔ میں اس کے مقالہ کی صحت کا عقیدہ رکھتا ہوں۔ اس پر قائم ہوں۔ اور اس کے کلام اور ولایت کی صحت کے اعتقاد کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہوں۔ پس کسی کو نہیں چاہئے کہ اس امر کی تصدیق کرے جو خوف خدا سے عاری لوگوں کی زبانوں پر مجھ سے منسوب کیا جاتا ہے۔ یہ آپ کے وہ لفظ ہیں جو کہ عہود کے آخر میں اور اپنی اس اجازت کے بعد تحریر کئے ہیں۔ جو آپ نے پہلے لکھی۔ اور اسی قسم کی تحریر امام محقق الشیخ شہاب الدین الرملی رحمتہ اللہ علیہ کی ہے۔

جب تجھے یہ پتہ چل گیا تو احتمال ہے کہ حاسدین نے شیخ پر ان کی کتابوں میں دھوکے سے یہ چیزیں شامل کر دی ہوں جس طرح کہ میری اپنی کتابوں میں ایسا کیا گیا۔ کیونکہ یہ ایسا امر ہے جس کا میں نے اپنے معاصرین سے اپنے متعلق مشاہدہ کیا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ ہماری اور ان کی مغفرت فرمائے۔ آمین۔

شیخ محی الدین بن عربی کے متعلق اکابرین کے تعریفی کلمات

اور علماء کرام میں سے جنہوں نے شیخ اور ان کی تالیفات کی تعریف فرمائی تو شیخ مجد الدین فیروز آبادی، لغت کی کتاب 'القاموس' والے فرماتے ہیں کہ قوم صوفیاء میں کسی کے متعلق ہمیں یہ بات نہیں پہنچی کہ وہ کبھی علم شریعت و حقیقت میں اس مقام تک پہنچا ہو جہاں تک شیخ محی الدین پہنچے ہیں۔ اور آپ حضرت شیخ کے بغایت معتقد تھے۔ اور آپ پر اعتراض کرنے والوں کا شدید رد فرماتے تھے۔ اور فرماتے کہ ہمیشہ سے لوگ شیخ محی الدین کی عقیدت میں اور آپ کی تالیفات کی آپ زر کے ساتھ کتابت میں آپ کے حین حیات اور بعد وفات تک راسخ رہے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا جو فرمایا کہ یمن سے ایک شخص جمال الدین ابن الخیاط نامی کھڑا ہوا اور اس نے چند مسائل کتاب میں لکھے اور اسے بلاد اسلامیہ میں علماء کی طرف بھیجا اور کہا کہ یہ شیخ محی الدین بن عربی کے عقائد ہیں۔ اور اس میں گمراہی پر مبنی عقائد اور علماء اسلام کے اجماع کے خلاف مسائل درج کر دیئے۔ پس اس پر علماء نے سوال کے مطابق تحقیق کئے بغیر جواب لکھے اور ایسے عقائد رکھنے والے کو برا بھلا کہا۔ جبکہ شیخ اس سے بالکل علیحدہ تھے۔

شیخ مجد الدین فیروز آبادی کے شیخ کے متعلق تاثرات

فیروز الدین فرماتے ہیں کہ نہیں معلوم کہ ابن الخیاط نے کسی ایسی کتاب میں یہ مسائل پائے جو بہتان کے طور پر آپ کی طرف منسوب کی گئی یا اس نے یہ مسائل شیخ محی الدین بن عربی کے کلام سے آپ کی مراد کے خلاف سمجھے۔ فرمایا جو کچھ میں کہتا ہوں اور جو میری تحقیق ہے اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طاعت کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ شیخ محی الدین حال اور طریقت کے طور پر شیخ طریقت اور حقیقت ورسم کے اعتبار سے امام تحقیق اور فعل واسم کے طور پر عارفین کے علوم کو زندہ فرماتے تھے۔ جب کسی شخص کا غور وفکر اس کی بزرگی کی سمت میں شدت اختیار کرے تو اس میں اس کی سوچیں غرق ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ وہ ایسا سمندر ہے جسے ڈول مکدر نہیں کرتے۔ اور ایسا بادل ہے جس سے ستارے دور نہیں ہوتے۔ اس کی دعائیں ساتوں طبق چیر دیتی ہیں اور اس کی برکات آفاق کو معمور کر دیتی ہیں اور یقیناً شیخ اس سے فائق ہیں جو کچھ میں نے بیان کیا ہے۔ اور آپ وہی کچھ بیان کرتے ہیں جو میں نے لکھا ہے اور میرا غالب گمان ہے کہ میں اس بیان میں آپ کے ساتھ انصاف نہیں کر سکا۔

اور مجھ پر کوئی الزام نہیں جب میں نے اپنا عقیدہ بیان کیا ہے۔ جاہل کو چھوڑ دو وہ زیادتی کرتے ہوئے جہالت کا گمان کرتا ہے۔ اللہ کی قسم، اللہ کی قسم اور اللہ العظیم کی قسم اور اس کی جس نے انہیں برہان کے طور پر دین کے لئے حجت قرار دیا۔ جو کچھ میں نے کہا وہ ان کے بعض مناقب ہیں۔ میں نے زیادہ نہیں کیا مگر شاید میں نے نقصان زیادہ کیا ہے۔

اور فرمایا کہ رہیں شیخ کی کتابیں تو وہ متلاطم سمندر ہیں۔ کتابیں لکھنے والوں نے ایسی کتابیں نہیں لکھیں۔ اور ان کی خصوصیتوں میں سے ایک یہ ہے کہ جو بھی ان کے مطالعہ کی پابندی کرتا ہے وہ دین کی مشکلات اور الجھے ہوئے مسائل حل کرنے لگتا ہے۔ اور یہ شان آپ کے سوا دوسروں کی کتابوں میں نہیں پائی گئی۔

نیز فرمایا کہ رہا بعض منکرین کا یہ قول کہ شیخ کی کتابیں پڑھنا پڑھانا حلال نہیں تو یہ کفر ہے۔ فرمایا کہ میرے پاس ایک سوال بھیجا گیا جس کی صورت یہ تھی کہ آپ شیخ محی الدین بن عربی کی طرف منسوب کتابوں فصوص اور فتوحات کے بارے میں کیا کہتے ہیں کیا ان کی قرأت اور ان کا پڑھانا جائز ہے؟ اور کیا یہ ان کتابوں میں سے ہیں جو شیخ کو سنائی گئیں اور آپ کے پاس ان کی قرأت کی گئی؟ تو میں نے جواب لکھا کہ ہاں یہ ان کتابوں میں سے ہیں جو شیخ کو سنائی گئیں۔ اور آپ کی خدمت میں پڑھی گئیں۔ اور حافظ برزلی وغیرہ نے آپ کے پاس ان کی قرأت کی۔ اور میں نے شہر قونیہ میں فتوحات کے حواشی پر شیخ کے اپنے قلم سے اس کی اجازت لکھی ہوئی دیکھی۔ اور علماء و محدثین کے طبقات نے باری باری انہیں لکھا۔ پس شیخ کی کتابوں کا مطالعہ اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ ہے۔ اور جو اس کے خلاف کہتا ہے وہ جاہل اور راہ حق سے بھٹکا ہوا ہے۔ قسم بخدا شیخ اپنے زمانے میں ہمارے عقیدہ اور دین کے مطابق ولایت عظمیٰ اور صدیقیت کبریٰ کے مرتبہ پر فائز تھے۔ اس کے برخلاف جو کہ اس گروہ کا عقیدہ ہے جن پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہوا پس وہ آپ کے فوائد سے محروم رہے اور وہ بہتان اور جھوٹ کے ساتھ شیخ کی عزت کے در پے ہوئے۔ وہ جناب کریم اس سے کہیں مبرا ہے کہ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام کے خلاف کہے جنہوں نے انہیں اپنی شریعت پر امین قرار دیا۔ اور جس نے آپ پر انکار کیا وہ نہایت خطرناک امور میں گرا۔ شعر۔ قوافی کو ان کے مصادر سے کریدنا مجھ پر رہا۔ لیکن جب بیل کو سمجھ نہ آئے تو اس کی مجھ پر کوئی ذمہ داری نہیں۔ یہاں شیخ مجد الدین رحمۃ اللہ علیہ کی گفتگو پوری ہوئی۔

شیخ سراج الدین المخزومی کے تاثرات

اور شیخ سراج الدین مخزومی جو کہ شام میں شیخ الاسلام تھے فرماتے ہیں کہ شیخ محی الدین کے کلام میں سے کسی چیز پر بھی انکار سے بچو۔ کیونکہ اولیاء کے گوشت زہر آلود ہیں۔ اور ان سے بغض رکھنے والوں کے دینوں کی بربادی معلوم ہے۔ جس نے ان کے ساتھ بغض کیا نصرانی ہوا اور اسی پر مرا۔ اور جس نے ان کی بُرائی میں زبان کھولی اللہ تعالیٰ نے اسے دل کی موت میں مبتلا فرمایا۔ اور حضرت ابوعبداللہ القرشی نے فرمایا کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے ولی کی توہین کی اس کے دل میں زہر آلود تیر پیوست کر دیا جاتا ہے اور وہ نہیں مرتا حتیٰ کہ اس کا عقیدہ فساد کی نذر ہو جاتا ہے اور اس پر بُرے خاتمے کا خوف ہوتا ہے۔ اور ابوتراب النخشی فرماتے ہیں کہ جب دل اللہ تعالیٰ سے بے رخی کا خوگر ہو جائے تو اسے اولیاء اللہ کی شان میں بدگوئی لاحق ہو جاتی ہے۔ شیخ مجدالدین فیروز آبادی فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ اکبر قدس سرہ کے اپنے قلم سے وہ اجازت نامہ دیکھا جو آپ نے حلب کے بادشاہ ملک ظاہر بیبرس کے لئے لکھا۔ اور اس کے آخر میں فرمایا کہ میں اسے یہ اجازت بھی دیتا ہوں کہ مجھ سے میری تمام تالیفات کی روایت کرے۔ اور ان میں سے یہ کتاب ہے یہ کتاب ہے حتیٰ کہ آپ نے کچھ اوپر چار سو کتابوں کی گنتی کی ہے۔ جن میں سے آپ کی بڑی تفسیر ہے جس کی پچانوے جلدیں ہیں جس میں آپ سورۃ الکہف کی آیت **وعلمناه من لدنا علما** تک پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی بارگاہ کی حاضری کے لئے چن لیا۔ اور ان میں سے آپ کی چھوٹی تفسیر ہے جو کہ مفسرین میں سے محققین کے طریقے پر لکھی ہے جو کہ ۸ جلدوں میں ہے اور ان میں سے الریاض الفردوسیہ فی بیان الاحادیث القدسیہ ہے۔ تو کیا کسی مسلمان کو جائز ہے کہ کہے کہ شیخ محی الدین کی کتابوں کا مطلقاً مطالعہ جائز نہیں یہ تو نرا کفر تعصب اور عناد ہے۔

شیخ کمال الدین الزملکانی رحمۃ اللہ علیہ کے تاثرات

اور آپ کی تعریف کرنے والوں میں شیخ کمال الدین زملکانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو کہ شام کے جلیل القدر علماء میں سے ہیں۔ اسی طرح شیخ قطب الدین الحمومی ہیں اور جب وہ شام سے اپنے وطن واپس آئے تو ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے شیخ محی الدین کو کیسا پایا؟ تو آپ نے فرمایا کہ میں نے انہیں علم، زہد اور معارف میں بحر بے کراں پایا۔ نیز فرمایا کہ شیخ نے اپنے دیگر ابیات میں سے یہ بیت اپنے لفظوں میں سنایا (جس کا ترجمہ یہ ہے) کہ ہم نے اپنے پیچھے بھرے دریا چھوڑے ہیں لوگوں کو کہاں سے پتہ چلے کہ ہم کدھر چلے۔

شیخ صلاح الدین الصفدی کے تاثرات

اور آپ کی تعریف کرنے والوں میں شیخ صلاح الدین الصفدی ہیں جنہوں نے تاریخ علماء مصر میں فرمایا کہ جو علوم لدنیہ والوں کا کلام دیکھنا چاہے وہ شیخ محی الدین بن عربی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں کی زیارت کرے۔ اور حافظ ابوعبداللہ الذھبی سے شیخ کی کتاب فصوص الحکم میں درج ان کے اس قول کے بارے میں کہ میں نے یہ کتاب دربار نبوت علی صاحبہ الصلوات والتسلیمات کی اجازت سے ہی لکھی ہے۔ پوچھا گیا تو حافظ ذہبی نے کہا کہ میں گمان بھی نہیں کرتا کہ اس شیخ محی الدین جیسا کبھی جھوٹ بولے۔ باوجودیکہ حافظ ذہبی اور ابن تیمیہ دونوں شیخ پر اور طائفہ صوفیہ پر شدید انکار کرنے والوں میں سے ہیں۔

شیخ قطب الدین الشیرازی کے تاثرات

اور آپ کی تعریف کرنے والوں میں شیخ قطب الدین شیرازی بھی ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ بیشک شیخ محی الدین علوم شرعیہ اور حقیقیہ میں کامل تھے۔ آپ پر صرف وہی تنقید کرتا ہے جسے آپ کے کلام کی سمجھ نہیں آئی۔ اور اس نے آپ کی بات نہیں مانی۔ جس طرح کہ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے کمال میں ان پر ایمان نہ لانے والوں کا انہیں جنون اور سحر کی طرف منسوب کرنا کوئی نقص پیدا نہیں کر سکتا۔

شیخ کے بارے میں دیگر اکابر کے تاثرات

اور شیخ موید الدین الجندی فرماتے ہیں کہ ہم نے اہل طریقت میں سے کسی کے بارے میں نہیں سنا کہ اسے ان حقائق پر اطلاع ہوئی ہو جن پر شیخ محی الدین مطلع ہوئے۔ اور شیخ شہاب الدین السہر وردی اور شیخ کمال الدین الکاشی نے اسی طرح فرمایا ہے۔ اور کاشی نے آپ کے بارے میں فرمایا کہ وہ کامل محقق، صاحب الکمالات والکرامات ہیں۔ باوجود یکہ یہ مشائخ ظاہر شریعت کی خلاف ورزی کرنے والوں پر نہایت شدید انکار کرنے والوں میں سے تھے۔

اور آپ کی تعریف کرنے والوں میں سے شیخ فخر الدین الرازی بھی ہیں۔ اور آپ نے فرمایا کہ شیخ محی الدین عظیم ولی تھے۔

اور امام محی الدین النووی سے شیخ محی الدین بن عربی کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ ایک گروہ ہے جو گزر چکا لیکن جو کچھ ہمارے پاس ہے وہ یہ ہے کہ ہر عقل مند پر حرام ہے کہ اولیاء اللہ عزوجل میں سے کسی کے بارے میں بدگمانی کرے۔ اور اس پر واجب ہے کہ ان کے اقوال و افعال کی اس وقت تک تاویل کرے جب تک کہ ان کے درجہ تک نہ پہنچے اور اس سے قلیل التوفیق ہی عاجز رہتا ہے۔

شرح المہذب میں فرمایا: پھر جب تاویل کرے تو ان کی کلام کی ستر وجوہ تک تاویلیں کرے۔ اور اس سے تاویل واحد قبول نہیں کریں گے۔ وہ تو صرف ایذاء رسانی اور عیب جوئی کرنے والی بات ہے۔ نووی کا کلام ختم ہوا۔

اور آپ کی تعریف کرنے والوں میں امام ابن الاسعد الیافعی بھی ہیں۔ اور آپ نے شیخ کی ولایت عظمیٰ کی تصریح کی ہے جیسا کہ آپ نے یہ بات شیخ الاسلام زکریا سے اپنی شرح روض میں نقل فرمائی۔ اور یافعی شیخ محی الدین کی کتابوں کی روایت کی اجازت دیتے تھے۔ اور آپ نے فرمایا کہ اہل طریقت پر ان جاہلوں کے انکار کا حکم اس مچھر کا سا ہے جو کہ پہاڑ پر پھونک مارتا ہے کہ اپنی جگہ سے اڑ جائے۔ اور جس نے اولیاء اللہ سے عداوت کی گویا اس نے اللہ تعالیٰ سے عداوت کی۔ گرچہ وہ تکفیر کی حد تک نہیں پہنچتا جو کہ خلود فی النار کا موجب ہے۔ (اقول و باللہ التوفیق یہ اس وقت ہے کہ کسی بھی ولی کے قول سے محض تحقیق کے حوالے سے اختلاف کرے۔ لیکن کسی بھی ولی ربانی کی جناب میں اگر گستاخی اور بے ادبی کرنے تو بلاشبہ یہ خلاف ایمان ہے اور خلود فی النار کا موجب۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ)

اور آپ کی تعریف کرنے والوں میں ہمارے مشائخ میں سے محمد المغربی الشاذلی ہیں جو کہ جلال الدین السیوطی کے شیخ ہیں۔ اور آپ نے ان کا تعارف یوں لکھا کہ وہ عارفوں کے مربی ہیں جس طرح کہ حضرت جنید مریدین کے مربی ہیں۔ اور فرمایا کہ شیخ محی الدین تنزلات وامدادکی روح۔ الف وجود، عین شہود اور ہائے مشہود، اور نبی عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راستہ پر چلنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے سر کو پاک اور وجود میں ان کا ذکر بلند فرمائے۔ انتہی۔

(اور شعرانی فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ شیخ سراج الدین المخزومی نے شیخ محی الدین کی طرف سے جواب میں ایک کتاب تصنیف فرمائی ہے جس میں فرمایا کہ ہم جیسوں میں سے کسی کے لئے کیونکر جائز ہے کہ فتوحات وغیرہ میں آپ کے کلام کا جو کہ سمجھ میں نہیں آتا انکار کرے۔ جبکہ ہزار کے لگ بھگ علماء نے ان کے مشمولات پر اطلاع پائی اور انہیں قبول فرمایا۔ نیز فرمایا کہ آپ کی کتاب فصوص الحکم کی شافعیہ وغیرہم کے سربرآوردہ علماء کرام نے شرحیں لکھیں جن میں شیخ بدرالدین بن جماعۃ شامل ہیں۔ آپ کی کتابیں شہروں میں پھیلیں۔ اکثر شہروں میں متن اور شرح کے طور پر انہیں پڑھا گیا۔ اور ہم نے جامع اموی وغیرہ میں انہیں قرأت ظاہر کے ساتھ اسناد کے ساتھ روایت کیا۔ اور نئے پرانے سب لوگوں نے مہنگے داموں انہیں حاصل کیا۔ انہیں لکھا اور ان کے ساتھ اور ان کے مؤلف کے ساتھ برکات حاصل کیں کہ آپ زہد، علم اور محاسن اخلاق کے مرتبہ پر فائز تھے۔ اور شام اور مکہ شریف کے علماء جو کہ آپ کے ہمعصر ائمہ ہیں سب کے سب آپ کے معتقد اور آپ سے فیض لیتے تھے۔ اور اپنے آپ کو شیخ کے بحر علم کے مقابلے میں لاشیٔ سمجھتے تھے۔ شیخ پر انکار صرف جاہل یا معاند ہی کرتا ہے۔

فیروز آبادی کا بیان

اور فیروز آبادی رحمۃ الہ علیہ نے شیخ محی الدین کے مناقب ذکر کرنے کے بعد فرمایا: پھر شیخ محی الدین کا مسکن شام تھا۔ اور آپ نے یہ علوم شام میں ظاہر فرمائے۔ اور وہاں کے علماء میں کسی نے آپ پر انکار نہ کیا۔ نیز فرمایا کہ قاضی القضاۃ شیخ شمس الدین الخونجی الشافعی غلام کی طرح آپ کی خدمت کرتے تھے۔ رہے قاضی القضاۃ مالکی تو اس پر شیخ کی ایک نظر پڑی۔ اس نے اپنی بیٹی آپ کی زوجیت میں دے دی۔ منصب قضاء چھوڑ دیا۔ اور شیخ کے طریقہ کی پیروی اختیار کی اور فیروز آبادی نے مناقب شیخ کا طویل تذکرہ کیا۔ پھر فرمایا کہ قصہ مختصر کہ شیخ پر بعض خالی خولی فقہاء کے سوا کسی نے انکار نہ کیا کہ جنہیں محققین کے ذوق میں کوئی حظ نہیں۔ رہے جمہور علماء اور صوفیہ تو انہوں نے تو برملا اقرار کیا کہ وہ اہل تحقیق وتوحید کے امام ہیں اور بیشک وہ علوم ظاہرہ میں منفرد اور یکتا ہیں۔

اور شیخ عزالدین بن عبدالسلام فرماتے تھے کہ بعض حضرات کی طرف سے شیخ پر انکار صرف کمزور فقہاء کی اعانت کرتے ہوئے واقع ہوا جنہیں احوال فقراء سے پورا حصہ حاصل نہیں اور یہ اس امر سے خوف کرتے ہوئے کہ کہیں شیخ کے کلام سے کوئی خلاف شریعت اور سمجھ لیں پس گمراہ ہو جائیں۔ اور اگر انہوں نے فقراء کی صحبت کا شرف پایا ہوتا تو انہیں ان کی اصطلاح کی پہچان ہوتی اور شریعت کی مخالفت سے امن میں رہتے۔

اور شیخ الاسلام مخزومی نے فرمایا کہ شیخ محی الدین سرزمین شام میں تھے اور وہاں کے تمام علماء کی آپ کے پاس آمدورفت تھی۔ آپ کی جلالت مرتبہ کا اعتراف کرتے تھے اور کسی انکار کے بغیر آپ کو استاذ المحققین مانتے تھے۔ جبکہ آپ ان کے درمیان لگ بھگ تیس برس رہے۔ وہ حضرات شیخ کی تالیفات لکھتے اور اپنے درمیان ہاتھوں ہاتھ لیتے تھے۔ انتہی

فیروز آبادی کا جلالت شیخ اور تالیف فتوحات مکیہ کے متعلق بیان

اور فیروز آبادی فرماتے ہیں کہ شیخ بحر ناپیدا کنار تھے۔ جب آپ مکہ معظمہ میں مجاور تھے تو اس وقت شہر میں علماء محدثین کا مجمع تھا۔ یہ حضرات جس علم میں گفتگو کرتے اشارہ شیخ کی ہی طرف ہوتا۔ سب کے سب آپ کی محفل میں جلد پہنچتے۔ آپ کی خدمت میں حاضری سے برکات حاصل کرتے اور آپ پر آپ کی تصانیف کی تلاوت کرتے۔ نیز فرمایا کہ آپ کی تصنیفات خزائن مکہ میں آج تک ہماری

گفتگو برحق وصداقت پرمبنی گواہ ہیں۔ اور مکہ معظمہ میں آپ کی زیادہ مصروفیت حدیث پاک سننا اور سنانا تھی۔ وہیں آپ نے ایک سوال کے جواب میں جو آپ سے آپ کے مرید بدر الحبشی نے پوچھا تھا صرف یادداشت کے ساتھ فتوحات مکیہ تصنیف فرمائی۔ اور جب اس سے فارغ ہوئے تو اسے کعبۂ معظمہ کی چھت پر رکھ دیا۔ جہاں ایک سال تک رکھی رہی۔ پھر اسے اتارا تو بالکل اسی طرح پایا جیسے رکھی تھی۔ ایک ورق تک بھی بوسیدہ نہیں ہوا نہ ہی ہواؤں نے اسے بکھیرا حالانکہ مکہ معظمہ میں بارشیں اور ہوائیں بکثرت تھیں۔ اور اس کے بعد ہی آپ نے لوگوں کو اس کی کتاب وقرأت کی اجازت عطا فرمائی۔

نیز فرمایا کہ بعض منکرین نے شیخ عز الدین بن عبدالسلام اور ہمارے شیخ سراج الدین بلقینی کے متعلق جو یہ مشہور کر دیا کہ ان دونوں حضرات نے شیخ محی الدین کی کتابوں کو جلانے کا حکم دیا تو یہ نرا جھوٹ اور بہتان ہے۔ اور اگر وہ جلا دی جاتیں تو آج مصر اور شام میں ان کا ایک نسخہ بھی نہ ملتا۔ اور نہ ہی ان دونوں شیوخ کی اس گفتگو کے بعد کوئی ایک بھی انہیں لکھتا۔ اور وہ دونوں بزرگ اس سے قطعاً بری ہیں۔ اور اگر ایسا کوئی واقعہ ہوتا تو چھپا نہ رہتا کیونکہ یہ ایسے بڑے حوادث میں سے ہوتا جسے قافلوں والے دور دراز ممالک پہنچا دیتے ہیں۔ اور مورخین اس کے بیان کے درپے ہوتے۔

شیخ سراج الدین مخزومی کا معلوماتی بیان

اور شیخ سراج الدین مخزومی فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ، شیخ الاسلام سراج الدین البلقینی اور اسی طرح شیخ تقی الدین السبکی پہلے پہل دونوں ہی شیخ پر انکار فرمایا کرتے تھے۔ پھر دونوں نے شیخ کے کلام کی اور ان کی مراد کی تاویل کی تحقیق کی تو ابتداء میں شیخ کے متعلق صادر ہونے والی اپنی کوتاہی پر نادم ہوئے آخر کار شیخ کے اس حال کو تسلیم کر لیا جو کہ ان پر مشتبہ تھا۔

امام سبکی کا شیخ کے متعلق تعارفی بیان

اور امام سبکی نے جو آپ کا ترجمہ لکھا اس میں سے یہ ہے کہ شیخ اللہ تعالیٰ کی آیات میں سے ایک آیت تھے اور آپ کے دور میں فضیلت نے اپنی کنجیاں آپ کی طرف ڈال دیں اور کہا کہ مجھے تو صرف انہیں کی پہچان ہے۔

سراج الدین البلقینی کا تعارفی بیان

اور جب شیخ سراج الدین بلقینی سے آپ کے بارے میں پوچھا گیا تو دیگر تاثرات کے علاوہ فرمایا کہ شیخ محی الدین کے کلام میں سے کسی شے پر بھی انکار سے پرہیز کرو کیونکہ جب آپ بحار معرفت اور تحقیق حقائق میں غوطہ زن ہوئے تو آپ نے اپنی عمر کے آخری حصہ میں خصوص۔ فتوحات۔ تنزلات موصلہ وغیرہا میں وہ عبارات تحریر فرمائیں جو کہ آپ کے ہم مرتبہ اہل اشارات پر مخفی نہیں ہیں۔ پھر آپ کے بعد وہ لوگ آئے جنہیں آپ کی طریقت کی بصیرت نہیں تھی اس لئے انہوں نے اس بارے میں آپ کو غلط کہا۔ بلکہ ان عبارات کی وجہ سے آپ کی تکفیر کی۔ جبکہ انہیں آپ کی اصطلاح کی معرفت ہی نہ تھی۔ اور نہ ہی انہوں نے کسی ایسے سے پوچھا جو انہیں اس کی وضاحت کی طرف لے چلتا۔ اور یہ اسلئے کہ کلام شیخ کے نیچے رموز۔ روابط۔ اشارات ضوابط اور حذف مضافات ہیں جو کہ آپ اور آپ جیسوں کے علم میں تو ہیں جبکہ ان کے علاوہ جاہلوں کو معلوم نہیں ہیں۔

اور یہ لوگ آپ کے کلمات کیطرف ان کے دلائل اور تطبیقات کے ساتھ نظر ڈالتے اور ان کے نتائج و مقدمات کو پہچان لیتے تو ان ثمرات کو پالیتے جو کہ شیخ کی مراد ہیں اور ان کا عقیدہ، شیخ کے عقیدے سے جدا نہ ہوتا۔

شیخ کے متعلق نظریہ حلول واتحاد کا رد

پھر فرمایا واللہ اس شخص نے جھوٹ بولا اور بہتان باندھا جس نے آپ کو حلول و اتحاد کے قول کی طرف منسوب کیا۔ اور میں عقائد وغیرہ میں آپ کے کلام کا تجسس کرتا رہا اور آپ کے اسرار کلام پر گہری نظر کرتا رہا یہاں تک کہ میرے لئے آپ کے عقائد کی حقانیت ثابت ہوگئی۔ اور میں نے خلق خدا میں سے اس جم غفیر کے ساتھ موافقت اختیار کی جو کہ آپ کے معتقد ہیں۔ اور میں اللہ عزوجل کی حمد کرتا ہوں کہ میں شیخ کے مقام سے غافلوں اور آپ کی کرامات واحوال کے منکروں کے دفتر میں نہیں لکھا گیا کہ شیخ بلقینی کی گفتگو ختم ہوئی۔

شیخ بلقینی کے مرید شیخ مخزومی کا بیان

آپ کے مرید شیخ الاسلام المخزومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب میں ۸۰۴ھ میں قاہرہ آیا جو کہ ہمارے شیخ، شیخ سراج الدین البلقینی کا سال وفات ہے تو میں نے آپ سے عقیدہ معہو[illegible] کا ذکر کیا جس کے متعلق میں نے بعض اہل شام کو شیخ محی الدین کے بارے میں کہتے ہوئے سنا تھا کہ وہ اس کے قائل ہیں۔ تو شیخ بلقینی نے فرمایا: خدا کی پناہ۔ وہ اس سے بالکل پاک ہیں آپ تو عظیم المرتبت ائمہ میں سے اور ان حضرات میں سے ہیں جنہوں نے علوم کتاب وسنت میں شناوری فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کے دربار میں اور اہل اللہ کے ہاں آپ کا بہت بلند مقام ہے اور اس کے حضور آپ کے لئے سچائی کا قدم ہے۔

مخزومی فرماتے ہیں اس گفتگو کی بدولت میرا حوصلہ قوی ہوا۔ اور اس وقت سے شیخ کے بارے میں میرا اعتقاد پختہ ہوگیا اور مجھے پتہ چل گیا کہ آپ اہل سنت و جماعت کے سرتاج ہیں۔ نیز مخزومی فرماتے ہیں کہ ہمیں یہ بات پہنچی کہ شیخ تقی الدین السبکی نے اپنی شرح منہاج میں شیخ محی الدین کے بارے میں ایک بات کہی تھی۔ پھر اس کے بعد معافی مانگ لی۔ اور اسے کاٹ دیا تو جو شخص کسی نسخے میں اسے پائے تو اسے کاٹ دے جیسا کہ مؤلف کے نسخے میں ہے۔ نیز فرمایا کہ باوجود یہ سبکی نے ایک کتاب مجسمہ اور رافضہ کے رد میں تصنیف فرمائی ہے اور ابن تیمیہ کے رد میں علمی جوابات لکھے ہیں لیکن شیخ محی الدین کے رد میں کبھی کچھ نہیں کہا۔ باوجودیکہ سرزمین شام میں آپ کی کلام کی شہرت تھی۔ اور جامع اموی وغیرہ میں آپ کی کتابوں کی قرأت ہوتی تھی۔ بلکہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ صوفیہ کا رد میرا مذہب نہیں کہ ان کا مرتبہ بلند ہے۔ اور اسی طرح شیخ تاج الدین الفرکاح فرمایا کرتے تھے۔ مخزومی نے شیخ محی الدین کی تعریف میں طویل گفتار فرمائی ہے۔ پھر فرمایا کہ جس نے شیخ تقی الدین السبکی یا شیخ سراج الدین البلقینی سے نقل کیا کہ وہ دونوں حین وفات تک شیخ محی الدین پر انکار کے عقیدے پر قائم رہے وہ خطا کار ہے۔ شیخ مخزومی کا کلام پورا ہوا۔

شیخ بلقینی کی شیخ بدرالدین السبکی کو فہمائش

نیز فرمایا کہ جب ہمارے شیخ السراج البلقینی کو یہ خبر پہنچی، کہ شیخ بدرالدین السبکی نے جو کہ شام میں شیخ الاسلام تھے فصوص کے دو مقامات پر شیخ کا رد کیا ہے تو آپ نے انہیں خط بھیجا جس میں لکھا اے قاضی القضاۃ: اولیاء اللہ پر انکار سے ڈر۔ پھر ڈر۔ اور اگر تجھے ضرور رد ہی کرنا ہے تو اس کی بات کا رد کر جس نے شیخ کا رد کیا ورنہ یہ کام چھوڑ دے۔

عماد ابن کثیر کا فیصلہ

اور عماد بن کثیر سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو شیخ محی الدین کو خطا کار کہتا ہے تو کہا کہ انہیں خطا کار کہنے والے کے متعلق مجھے خوف ہے کہ وہ خود خطا کار ہے کیونکہ ایک قوم نے شیخ پر انکار کیا تو ہلاکتوں میں گر گئے۔

اور اسی طرح شیخ بدر الدین بن جماعۃ سے شیخ محی الدین کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمانے لگے کہ تمہیں اور اس شخصیت کے متعلق کیا پڑی جن کی بزرگی پر لوگوں کا اجماع ہے۔

شیخ الاسلام مخزومی فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں نے جو شیخ عز الدین بن عبد السلام سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ ابن عربی زندیق ہے نرا جھوٹ اور بہتان ہے۔ کیونکہ ہمیں شیخ صلاح الدین القلانسی صاحب الفوائد سے، ان کے مشائخ کی ایک جماعت سے، شیخ عز الدین بن عبد السلام کے خادم سے روایت پہنچی۔ اس نے کہا کہ ہم ارتداد کے متعلق شیخ عز الدین کے درس میں حاضر تھے۔ تو قاری نے لفظ زندیق ذکر کیا۔ بعض نے کہا یہ لفظ عربی ہے یا عجمی ہے۔ بعض علماء نے فرمایا کہ فارسی لفظ ہے جسے عربی میں لایا گیا ہے۔ اس کا اصل زن دن ہے اور وہ ایسا شخص ہے جو اندرون ضمیر کافر ہے اور ایمان ظاہر کرتا ہے۔ پس طلبہ میں سے ایک شخص کہنے لگا: مثلاً کون؟ تو شیخ عز الدین عبد السلام کے پہلو میں بیٹھے ہوئے ایک شخص نے کہا: جیسے محی الدین ابن عربی۔ اور شیخ عز الدین کچھ نہیں بولے۔ خادم کہتا ہے کہ جب میں نے آپ کی خدمت میں شام کا کھانا پیش کیا کیونکہ آپ روزے سے تھے تو میں نے آپ سے قطب کے متعلق پوچھا کہ کون ہے؟ تو فرمایا: میں اپنے اس زمانے میں سوائے شیخ محی الدین بن عربی کے کسی کو نہیں سمجھتا۔ اور آپ تبسم فرما رہے تھے۔ میں نے حیرت زدہ ہو کر سر جھکا لیا۔ تو فرمایا: تجھے کیا ہے؟ وہ فقہاء کی مجلس تھی۔ سوائے خاموشی کے مجھے کوئی گنجائش نہ تھی۔ مخزومی فرماتے ہیں کہ یہ ہے وہ روایت جو کہ شیخ عز الدین سے ہمیں سند صحیح کے ساتھ پہنچی۔ شیخ مخزومی نے یہ سب کچھ اپنی کتاب میں ذکر کیا جس کا نام کشف الغطاء عن اسرار کلام الشیخ محی الدین ہے۔

امام شعرانی فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ جلال الدین السیوطی نے شیخ محی الدین کی طرف سے رد کے لئے ایک کتاب لکھی جس کا نام تنبیہ الغبی فی تبرئۃ ابن عربی رکھا۔ اور ایک اور کتاب ہے جس کا نام قمع العارض فی نصرۃ ابن الفارض رکھا جو کہ شیخ برہان الدین البقاعی کے فتنہ کے وقت لکھی گئی جو کہ مصر میں برپا ہوا۔ دونوں کی طرف رجوع کر۔

دوسری فصل

شیخ محی الدین کی طرف منسوب کیئے گئے کلمات کی تاویل میں

اور اس جماعت کے ذکر میں جن پر انکار کی آزمائشیں آئیں تاکہ شیخ کے لئے ان میں نمونہ ہو۔

جان لو۔ اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے کہ قوم صوفیاء پر انکار و اعتراض جائز نہیں مگر ان کے الفاظ میں ان کی اصطلاحات کی معرفت کے بعد۔ پھر اس کے بعد جب ہم ان کی کلام کو خلاف شریعت پائیں گے تو اسے پھینک دیں گے۔

اور شیخ مجد الدین فیروز آبادی صاحب کتاب القاموس جو کہ لغت میں ہے فرماتے ہیں کہ کسی کو جائز نہیں کہ قوم صوفیاء پر ابتدائی رائے

سے ہی انکار کر دے۔ کیونکہ فہم وکشف میں ان کا مقام بلند ہے۔ اور فرمایا کہ ان میں سے کسی کے متعلق نہیں یہ بات نہیں پہنچی کہ اس نے ایسی شے کا حکم دیا ہو جو دین کو گرا دے اور نہ ہی کسی کو وضو سے، نماز وغیرہ فرائض اسلام اور مستحبات سے منع کیا ہو۔ وہ تو صرف ایسی گفتگو کرتے ہیں جو افہام پر دقیق ہوتی ہے۔

اور آپ نے فرمایا کہ کبھی صوفیاء، مقامات اور درجات علوم میں غیر متعارف مقامات اور علوم تک پہنچ جاتے ہیں۔ جن کی کتاب وسنت میں صراحت نہیں ہوتی۔ لیکن اکابر علماء عاملین اپنے حسن استنباط اور صلحاء کے متعلق حسن ظن کی وجہ سے دقیق طریقے سے کبھی انہیں کتاب وسنت کی طرف لوٹا لیتے ہیں۔ لیکن ہر کوئی جب ایسی کلام سنتا ہے جو سمجھ نہیں آتی تو انتظار نہیں کرتا بلکہ صاحب کلام پر انکار کرنے میں جلدی کرتا ہے۔ اور انسان جلد باز پیدا کیا گیا ہے۔ اور علم وفہم میں ابو العباس بن سریج کی شخصیت قابل اعتماد ہے۔ ایک دفعہ اجنبی بن کر حضرت ابو القاسم الجنید کی محفل میں حاضر ہوئے تاکہ ان سے صوفیاء سے جو کلام مشہور ہے اس میں سے کچھ سنیں۔ جب واپس ہوئے تو ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے کیا پایا؟ کہا: مجھے ان کی کلام سے کچھ سمجھ نہیں آتی البتہ کلام کا رعب کسی باطل پرست کا رعب نہیں۔

شیخ الاسلام مجد الدین فیروز آبادی فرماتے ہیں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اولیاء اللہ کو کرامات عطا فرمائیں جو کہ معجزات کی فروع ہیں کوئی عجب نہیں کہ انہیں ایسی عبارات عطا فرمائے جن کو سمجھنے سے سر برآوردہ علماء عاجز آ جائیں۔

صوفیاء پر انکار کا حق کسے ہے؟

اور شیخ الاسلام المخزومی فرماتے ہیں کہ علماء میں سے کسی کو صوفیاء پر انکار جائز نہیں ہے مگر یہ کہ ان کے طریقے پر چلے۔ اور ان کے افعال واقوال کتاب وسنت کے خلاف دیکھے۔ یا پھر ان کی طرف سے اس کی اشاعت ہو پس ان پر انکار اور انہیں کوسنا جائز نہیں۔ اور اس سلسلے میں طویل گفتگو کی۔ پھر فرمایا: قصہ مختصر، انکار کرنے والے پر کم از کم جو حق بنتا ہے جس کی وجہ سے اس کے لئے انکار کا قصد جائز ہو۔ ستر ۷۰ امور کی پہچان ہے۔ پھر اس کے بعد اسے انکار کی گنجائش ہے۔

جواز انکار کے لئے ستر ۷۰ امور میں سے بعض کا بیان

ان میں سے ایک یہ ہے کہ رسل علیہم السلام کے مختلف طبقات کے معجزات اور مختلف طبقات اولیاء کی کرامات کی معرفت میں غواصی کرے۔ ان پر ایمان لائے اور عقیدہ رکھے کہ اولیاء اللہ، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے تمام معجزات میں ان کے وارث ہیں مگر جہاں استثناء کی گئی ہو۔

ان میں سے اس کا کتب تفسیر و تاویل پر اور اس کی شرائط پر مطلع ہونا ہے۔ اور لغات عرب کے مجازات واستعارات کی معرفت میں متبحر ہو یہاں تک کہ انتہاء کو پہنچا ہوا ہو۔

اور ان میں سے آیات صفات اور ان کی اخبار کے معنوں میں سلف وخلف کے مقامات پر اطلاع کی کثرت ہے۔ کس نے ظاہر کو لیا اور کس نے تاویل کی۔ کس کی دلیل دوسری سے زیادہ ترجیح والی ہے۔

اور ان میں سے اصولیین کے علم اور ائمہ کلام کے مقامات اختلاف کی پہچان ہے۔

اور ان میں سے جو کہ سب سے اہم ہے قوم صوفیاء کی اصطلاحات ہیں جو وہ تعبیرات میں استعمال کرتے ہیں جیسے تجلی ذاتی اور

صوری۔ ماہوالذات، ذات الذات، حضرات اسماء وصفات کی معرفت، حضرات کے درمیان اور احدیت وحدانیت اور واحدیت کے درمیان فرق۔ ظہور وبطون، ازل وابد، عالم الغیب والکون والشہادت اور شیون کی معرفت۔ علم ماہیت وہویت اور سکر ومحبت۔ سکر میں سچا کون ہے کہ اس سے درگزر کی جائے اور جھوٹا کون ہے حتیٰ کہ اس کا مواخذہ کیا جائے۔ وغیر ذالک۔ تو جو شخص ان کی مراد پہنچانتا نہیں ان کا کلام کیسے حل کرے گا یا ان پر اس امر کا انکار کیونکر کرتا ہے جو ان کی مراد ہی نہیں۔ انتہی۔

حافظ ابن حجر کو سیدی مدین کی تنبیہہ

اور حافظ ابن حجر نے ابن الفارض رضی اللہ عنہ کے قصیدۂ تائیہ کے بعض اشعار کی شرح لکھی اور اسے سیدی الشیخ مدین کی خدمت میں بھیجا کہ اس پر اجازت لکھ دیں۔ آپ نے اس کے پہلے صفحہ پر یہ الفاظ لکھے: بعض نے کیا ہی اچھی بات کہی ہے کہ وہ مشرق کو چلی اور میں مغرب کو چلا، مشرق ومغرب میں کس قدر فاصلہ ہے۔ پھر اسے حافظ کی طرف بھیج دیا۔ پس وہ اس امر پر متنبہہ ہوئے جس سے غافل تھے۔ پھر آپ اہل طریقت کے معتقد ہو گئے۔ اور تادم واپسیں سیدی مدین کی صحبت میں رہے۔

اہل طریقت کے احترام شریعت کی دلیل

اور شیخ عزالدین بن عبدالسلام فرماتے ہیں کہ جو چیز تجھے اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ اہل طریقت نے دوسروں کے مقابلہ میں قواعد شریعت سے تجاوز نہیں کیا ان کے ہاتھوں کرامات اور خوارق کا واقع ہونا ہے۔ اور یہ کسی کے ہاتھوں واقع نہیں ہوتیں اگرچہ علم میں کہاں تک پہنچ جائے مگر جب ان کے طریقے پر چلے۔ انتہی۔

اہل فکر ونظر کے لئے اہل عطایا پر اعتراض درست نہیں

اور شیخ مجد الدین فیروزآبادی فرماتے ہیں کہ اہل فکر ونظر میں سے کسی کو اہل عطایا پر اعتراض نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ ان حضرات کے علوم اہل نظر کے علوم کی فرع ہیں جبکہ شیخ محی الدین اہل عطایا کے اکابرین سے ہیں جن کے لئے حق نے اپنے جمال باقی سے پردے ہٹا دیئے۔ پس قیامت تک اس کے انوار وتجلیات چمکتے رہیں گے۔ تو جو ایسوں کو خطا کار کہنے یا ان کی تکفیر کرنے کے درپے ہوا تو وہ صرف اپنی جہالت اور کم فہمی کی وجہ سے یا پھر اپنی بے سمجھی۔ ایمانی کمزوری اور اپنی زبان کی بے اعتدالیوں سے لاپرواہی کی وجہ سے اس کا مرتکب ہوا۔ (انتہی)۔

اور امام غزالی نے الاحیاء کی کتاب العلم کے آٹھویں باب میں عارفین میں سے بعض سے یہ بات نقل فرمائی کہ آپ نے فرمایا کہ جسے قوم صوفیہ کے علم سے کوئی حصہ نہیں ملا اس پر برے خاتمے کا خوف ہے اور اس سے ادنیٰ حصہ یہ ہے کہ اس علم والوں کی تصدیق اور ان کے فیصلوں کو تسلیم کرے۔ جس طرح کہ جس نے علم شریعت میں پختگی حاصل نہیں کی اس پر پھسلنے کا ڈر ہے۔

اور جب تجھے یہ معلوم ہو گیا تو میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کہتا ہوں۔

شیخ محی الدین پر اعتراضات اور ان کے جوابات

متعصبوں نے اشاعت کے مطابق شیخ پر جو انکار کیا وہ ان کا یہ قول ہے کہ شیخ محی الدین قول: لا الہ الا اللہ کے فساد کے قائل ہیں اور یہ کفر ہے۔

اس تقدیر پر کہ شیخ نے یہ بات کہی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ حق تعالیٰ اثبات مثبت سے پہلے اپنی الوہیت میں ثابت ہے۔ اور جو ثابت ہو وہ تیرے اثبات کا محتاج نہیں۔ کیونکہ وہاں خلق میں سے کوئی ہے ہی نہیں جس کی الوہیت ثابت ہوحتیٰ کہ اس کی نفی کی جائے۔ وہ تو بندۂ مومن اس کے ساتھ تلاوت کے طریقے سے عبادت کرتا ہے تا کہ اللہ تعالیٰ اس پر اسے اجر عطا فرمائے۔ اور حضرت شیخ اس سے بالکل پاک ہیں کہ قول لا الہ الا اللّٰہ کے فساد کے قائل ہوں۔ کوئی عقل مند یہ بات نہیں کہتا کیونکہ یہ تو قرآن عظیم میں سے ہے۔ اسے سمجھ لو۔

لا الہ الا اللّٰہ کا مفہوم

اور ان میں سے منکر کا یہ دعویٰ ہے کہ شیخ نے اپنی کتابوں مین کئی بار کہا ہے کہ لاموجود الا اللہ۔ تو شیخ کی طرف اس قول کی نسبت درست ہونے کی تقدیر پر جواب یہ ہے کہ کوئی موجود خود بخود قائم نہیں مگر اللہ تعالیٰ اور اس کا ماسوٰی قائم بغیرہ ہے جب کہ اس کی طرف اس حدیث کا اشارہ ہے۔ ''الا کل شئی ماخلا اللّٰہ باطل۔ یعنی خبردار ہر شے اللہ تعالیٰ کے سوا باطل ہے۔ اور جس کی حقیقت ایسی ہو تو وہ عدم کی طرف زیادہ قریب ہے۔ کیونکہ وہ ایسا وجود ہے جس سے پہلے عدم ہے۔ اور اپنے وجود کی حالت میں وجود وعدم کے درمیان مستر دد ہے۔ کیونکہ وہ ایسا وجود ہے جس سے پہلے عدم ہے۔ اور اپنے وجود کی حالت میں وجود وعدم کے درمیان متر دد ہے۔ دونوں طرفوں میں سے خالص ایک کا نہیں۔ تو اگر یہ صحیح ہے کہ شیخ نے لاموجود الا اللہ کہا تو یہ تو آپ نے اس وقت کہا جب اپنے قلب کے ساتھ حق تعالیٰ کے مشاہدہ کے وقت کائنات آپ کے نزدیک لاشی ہوگئی۔ جیسا کہ ابوالقاسم جنید نے فرمایا: کہ جس نے حق کا مشاہدہ کیا وہ خلق نہیں دیکھتا۔ (انتہی)

''حق اور خلق دونوں ایک'' کا جواب

اور ان میں سے منکر کا یہ دعوٰی ہے کہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے حق اور خلق کو ایک کر دیا جبکہ آپ نے اپنی ایک نظم میں یہ کہا وہ میری حمد کرتا ہے اور میں اس کی حمد کرتا ہوں اور وہ میری عبادت کرتا ہے اور میں اس کی عبادت کرتا ہوں۔ اگر اس کی نسبت شیخ کی طرف صحیح ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یحمد نی کا معنی یہ ہے کہ جب میں اس کی طاعت کرتا ہوں تو وہ میری قدر شناسی فرماتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے۔ فاذکرونی اذکرکم یعنی تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔ رہا فیعبد نی واعبدہ کا مفہوم تو وہ ہے میری دعا قبول فرما کر میری طاعت فرماتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لاتعبدوا الشیطان یعنی لاتطیعوہ اس کی اطاعت نہ کرو۔ ورنہ کوئی بھی شیطان کی عبادت نہیں کرتا جس طرح کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے۔

اور شیخ نے فتوحات مکیہ کے ۵۵۷ ویں باب میں طویل کلام کی بعد یوں ذکر کیا'' یہ تجھے اس امر پر صراحتاً دلالت کرتا ہے کہ عالم وہ حق تعالیٰ کا عین نہیں کیونکہ حق تعالیٰ کا عین ہوتا تو حق تعالیٰ کا بدیع ہونا صحیح نہ ہوتا۔ انتہی۔

فرعون کے ایمان کی قبولیت کا مسئلہ

اور ان میں سے منکر کا یہ دعوٰی ہے کہ شیخ ایمان فرعون کی قبولیت کے قائل ہیں۔ اور یہ نرا جھوٹ اور شیخ پر بہتان ہے کیونکہ شیخ نے فتوحات کے ۶۲ ویں باب میں تصریح کی ہے کہ فرعون ان جہنمیوں میں سے ہے جو ابدالآباد تک کبھی بھی جہنم سے نہیں نکلیں گے۔ اور

فتوحات آپ کی آخری تالیفات میں سے ہے۔ کیونکہ آپ اس سے اپنی وفات سے تقریباً تین سال پہلے فارغ ہوئے۔
شیخ الاسلام الخالدی فرماتے ہیں ۔اس تقدیر پر کہ آپ سے یہ مسئلہ صادر ہوا۔ شیخ محی الدین اس میں اکیلے نہیں ہیں بلکہ سلف کی کثیر جماعت اس کے ایمان کی قبولیت کی طرف گئی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف سے حکایت فرمائی: **قال آمنت انه لا اله الا الذی آمنت به بنو اسرائیل و انامن المسلمین۔** (یونس۔آیت ۹۰)
اس نے کہا کہ میں ایمان لایا کہ کوئی معبود نہیں مگر وہی جس پر بنو اسرائیل ایمان لائے اور میں مسلمانوں میں سے ہوں۔ اور یہ دنیا میں اس کا آخری عہد تھا۔ اور ابوبکر الباقلانی نے کہا کہ اس کے ایمان کی قبولیت ہی استدلالی حیثیت سے زیادہ قوی ہے۔ اور ہمارے لئے اس کی کفر پر موت کے بارے میں نص صریح وارد نہیں ہوئی۔ انتہی۔
اور جمہور سلف وخلف کی اس کے کفر پر دلیل یہ ہے کہ وہ ناامیدی کے وقت ایمان لایا اور ناامیدی والوں کا ایمان قبول نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم۔
اور ان میں سے منکر کا یہ دعویٰ کہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ جنبی کے مسجد میں ٹھہرنے کی رباحت کے جواز کے قائل ہیں۔ تو اگر اس کی نسبت شیخ سے درست ہے تو وہ اس میں ہمارے سردار عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور امام احمد بن حنبل کے موافق ہیں اور یہی امام مزنی اور تابعین و فقہاء کی ایک جماعت کا مذہب ہے۔ پس منکر کا یہ کہنا مردود ہے کہ شیخ محی الدین نے اس مسئلہ میں شریعت اور اقوال ائمہ کی مخالفت کی ہے۔

رسول اور ولی کی باہم فضیلت کا مسئلہ

اور ان میں سے منکر کا یہ دعویٰ ہے کہ شیخ نے کہا ہے کہ رسول سے ولی افضل ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ شیخ نے ایسا ہرگز نہیں کہا۔ آپ نے تو صرف فرمایا ہے کہ لوگوں نے نبی کی رسالت اور اس کی ولایت میں اختلاف کیا ہے کہ ان دونوں میں سے کون افضل ہے؟ اور میں جس امر کا قائل ہوں وہ یہ ہے کہ متعلق کی بزرگی اور دنیا وآخرت میں اس کے باقی رہنے کی وجہ سے اس کی ولایت افضل ہے۔ بخلاف رسالت کے کیونکہ وہ خلق کے ساتھ متعلق ہے اور تکلیف (یعنی عملی ذمہ داری) کے پورا ہونے پر ختم ہو جاتی ہے۔ اور اس امر پر شیخ عز الدین بن عبدالسلام نے آپ سے موافقت کی ہے۔ پس گفتگو تو نبی کی رسالت میں اس کی ولایت کے ساتھ ہے۔ نہ کہ اس کی رسالت و نبوت میں اس کے غیر کی ولایت کے ساتھ۔ اسے سمجھو۔
اور بے شمار مسائل باقی ہیں جو کہ شیخ کی طرف منسوب کئے گئے۔ اور مختلف مقامات پر انشاء اللہ تعالیٰ اپنی مباحث میں یہ بیان آئے گا کہ وہ شیخ پر جھوٹ اور بہتان ہے۔ اور لوگوں میں جاری مثال میں ہے کہ نرمی کرنے والا مخالف کے راستے میں تھک جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔
اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے **وجعلنا بعضکم لبعض فتنه اتصبرون** (الفرقان آیت ۲۰) اور ہم نے تمہیں ایک دوسرے کے لئے آزمائش بنایا۔ کیا صبر کرو گے؟

مسئلہ آزمائش احادیث۔ آثار اور واقعات کی روشنی میں

اور امام جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب التحدث بالنعمۃ میں یوں نقل فرمایا کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کے انعامات میں سے یہ ہے کہ اس نے میرا ایک دشمن کھڑا کر دیا جو کہ مجھے ستاتا اور عزت وحرمت کے خلاف باتیں کرتا ہے۔ تاکہ مجھے انبیاء واولیاء کی اقتداء کا شرف حاصل ہو۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ سخت آزمائش والے انبیاء ہیں۔ پھر علماء، پھر

صالحین۔اسے حاکم نے اپنی مستدرک میں روایت کیا۔

اور اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ نبی اپنی عزت صرف اپنے شہر میں گم پاتا ہے۔اور بیہقی نے روایت کی کہ کعب احبار نے ابوموسیٰ خولانی سے فرمایا کہ تو نے اپنی قوم کو اپنے لئے کیسا پایا ہے؟ کہا: عزت و طاعت کرنے والے۔فرمایا: جب تو تورات نے میرے لئے درست بات نہیں کی۔اللہ کی قسم کوئی بردبار شخص اپنی قوم میں کبھی نہیں ہوا مگر انہوں نے اس پر بغاوت کی اور اس سے حسد کیا۔

اور ابن عساکر نے مرفوعاً روایت کی کہ انبیاء کے بارے میں زیادہ بے رغبت اور ان پر زیادہ سختی کرنے والے ان کے قریبی ہوتے ہیں۔اور یہ مسئلہ اللہ تعالیٰ کی نازل فرمودہ کتاب میں ہے و انذر عشیرتک الاقربین (الشعراء آیت ۲۱۴) اور آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیں۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اہل علم میں سب سے زیادہ بے رغبت اس کے گھر والے اور اس کے پڑوسی ہیں۔اگر اس کے خاندان میں کوئی چیز ہوگی تو اسے عار دلاتے ہیں اور اگر اس نے زندگی میں کوئی گناہ کیا ہوگا تو عار دلاتے ہیں۔

اکابر کے مقابلے میں اراذل

جلال الدین السیوطی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس زمانے میں بھی کوئی بڑا پایا گیا کمینوں سے اس کا دشمن ضرور سامنے آیا کیونکہ اشراف ہمیشہ آزمائے جاتے رہے۔حضرت آدم علیہ السلام کے لئے ابلیس۔حضرت نوح علیہ السلام کے لئے حام وغیرہ۔حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے جالوت۔اور اس جیسے دوسرے لوگ۔حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے صخر۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے پہلی زندگی میں بخت نصر اور دوسری میں دجال۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے نمرود اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے فرعون تھا۔اور اسی طرح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ابوجہل۔

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ایک دشمن تھا جب بھی پاس سے گزرتا نداق اڑاتا۔

اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو نماز کے بارے میں ریاء اور نفاق کی طرف منسوب کیا گیا۔چنانچہ لوگوں نے آپ کے سر پر گرم کھولتا ہوا پانی ڈال دیا۔آپ کا چہرہ اور سر جھلس گیا۔جبکہ اپ کو پتہ تک نہ چلا۔جب نماز سے سلام پھیرا تو فرمایا: میرا کیا حال ہے؟ لوگوں نے واقعہ بیان کیا تو کہنے لگے حسبنا اللہ و نعم الوکیل۔اور ایک عرصہ تک سر اور چہرے کی تکلیف میں بتلا رہے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے لئے نافع بن الازرق تھا۔آپکو انتہائی شدید ایذاء دیتا۔اور کہتا کہ یہ علم کے بغیر قرآن کی تفسیر کرتا ہے۔

اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو کوفہ کے جاہلوں میں بعض جاہل ستایا کرتے تھے باوجودیکہ آپ کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنت کی گواہی دی۔اور انہوں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے آپ کی شکایت کی کہ یہ اچھی طرح نماز نہیں پڑھتے۔

ائمہ مجتہدین کی آزمائشیں

اور رہے ائمہ مجتہدین تو حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو خلفاء سے جن شدتوں کا سامنا کرنا پڑا اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو جو سختیاں

جھیلنا پڑیں کہ ۲۵ سال تک چھپے رہے جمعہ اور جماعت کے لئے باہر نہیں آتے تھے اور اسی طرح اہل عراق اور اہل مصر کی طرف سے امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کو جن حالات کا سامنا کرنا پڑا کسی پر مخفی نہیں۔

اسی طرح امام احمد بن حنبل کو جو سزا اور قید بھگتنا پڑی۔ اور امام بخاری پر جو گزری جب آپ کو بخارا سے خرتنگ کی طرف نکالا گیا بھی ڈھکی چھپی بات نہیں۔

کئی عمائدین کو جلاوطن کیا گیا جن میں سے شیخ ابو عبدالرحمٰن السلمی۔ احمد بن خلکان اور شیخ عبدالغفار القوصی وغیرہم ہیں۔

انہوں نے بسطام کے علماء کی ایک جماعت کے واسطے سے ابویزید البسطامی کو بسطام سے سات مرتبہ جلاوطن کیا۔ ذوالنون مصری کو مصر سے بغداد تک بیڑیاں اور طوق ڈالا کر گھمایا گیا۔ اور اہل مصر نے آپ کے خلاف بے دین ہونے کی گواہی کے لئے آپ کے ساتھ سفر کیا۔

سمنون المحب کو جو کہ قشیری کے رجال میں سے ایک ہیں بڑے بڑے جرموں کی تہمت لگائی گئی۔ اور انہوں نے بازاری عورتوں میں سے ایک عورت کو رشوت دی جس نے آپ کے متعلق دعوٰی کیا کہ یہ اور ان کے ساتھی اس کے پاس آتے ہیں۔ اس بنا پر آپ ایک سال تک روپوش رہے۔

اور سہل بن عبداللہ التستری کو ان کے شہر سے بصرہ کی طرف نکالا گیا اور آپ کی امامت اور بزرگی کے باوجود آپ کو بُری حرکات کی طرف منسوب کیا گیا اور کافر تک کہا گیا اور آپ حین وفات تک بصرہ میں ہی رہے۔

اور ابوسعید الخراز پر بڑے بڑے جرمون کی تہمت رکھی گئی۔ علماء نے ان الفاظ کی وجہ سے جو کہ اپ کی کتابوں میں پائے گئے آپ کے کفر کا فتوٰی دیا۔ اور حضرت جنید پر کئی بار کفر کی گواہی دی گئی جبکہ آپ مجمع عام میں علم توحید میں گفتگو فرماتے تھے۔ پس آپ اپنے گھر کے اندر تقریر فرمانے لگے حتیٰ کہ وفات پائی۔ اور آپ پر۔ اور ردیم۔ سمنون۔ علی ابن عطاء اور مشائخ عراق پر شدید انکار کرنے والوں میں ابن دانیال ہے۔ ان کے متعلق سخت بدگوئی کرتا اور جب کسی کو ان کا ذکر کرتے ہوئے سن پاتا تو غضبناک ہو جاتا اور اس کا رنگ بدل جاتا۔

اور محمد بن الفضل البلخی کو بلخ سے نکال دیا گیا کیونکہ ان کا مذہب محدثین والا تھا کہ صفات کی آیات و اخبار کو تاویل کے بغیر ان کے ظاہر پر محمول کرتے تھے اور ان کے بارے میں علم الٰہی کے مطابق ان پر ایمان رکھتے تھے۔ اور جب لوگوں نے انہیں نکالنا چاہا تو آپ نے کہا کہ میں نہیں نکلوں گا مگر اس وقت کہ تم میری گردن میں رسی ڈالو اور مجھے شہر کے بازاروں میں گھماؤ اور کہو کہ یہ بدعتی ہے ہم اسے اپنے شہر سے نکالنا چاہتے ہیں۔ پس انہوں نے ایسا ہی کیا اور آپ کو نکال دیا۔ نکلتے وقت آپ نے ان کی طرف رخ کیا اور فرمایا: بلخ والو! اللہ تعالیٰ تمہارے قلوب سے اپنی معرفت کھینچ لے۔ مشائخ فرماتے ہیں کہ ان پر آپ کی اس بدعا کے بعد بلخ سے کوئی صوفی ظاہر نہیں ہوا باوجودیکہ وہ صوفیہ کے حوالے سے بہت بڑا شہر تھا۔

اور امام یوسف بن الحسین الرازی کو نکالا گیا اور ری کے زاہدوں اور صوفیوں نے ان کے خلاف مہم چلائی اور ابوعثمان المغربی کو ان کے مجاہدہ کی کثرت اور ان کے علم و حال کے کمال کے باوجود مکہ معظمہ سے نکالا گیا۔ شدید زدوکوب کیا گیا اور اونٹ پر بٹھا کر گھمایا گیا۔ پس آپ بغداد میں قیام پذیر ہوئے یہاں تک کہ وہیں وفات پائی۔

اور کمال علم اور کثرت مجاہدات کے باوجود شبلی پر کئی بار کفر کی گواہی دی گئی۔ آپ کے مریدوں نے آپ کو طویل مدت تک کے لئے ہسپتال میں داخل کر دیا تاکہ لوگ آپ سے لوٹ جائیں۔

اورامام ابوبکر النابلسی کو ان کی فضیلت، کثرت علم، اور اپنے طریقے پر استقامت کے باوجود غرب سے مصر کی طرف جلاوطن کیا گیا اور لوگوں نے سلطان مصر کے پاس آپ کے زندقہ کی گواہی دی، تو اس نے الٹا کر کے آپ کی کھال کھینچنے کا حکم دیا۔ پس آپ تدبر اور خشوع کے ساتھ قرآن پاک کی تلاوت کرنے لگے اور آپ کی کھال کھینچ رہے تھے حتیٰ کہ لوگوں کے دل کٹ گئے اور قریب تھا کہ آپ کی وجہ سے فتنہ میں مبتلا ہو جائیں۔

اسی طرح حلب میں نسیمی کی کھال ادھیڑی گئی۔ اور انہوں نے آپ کے لئے ایک حیلہ کیا جبکہ آپ انہیں دلائل کے ساتھ لاجواب کر دیتے تھے۔ وہ حیلہ یہ تھا کہ انہوں نے سورۃ اخلاص لکھی اور جوتے سینے والے کو رشوت دی کہ یہ محبت اور قبولیت کا کاغذ ہے اُسے ہمارے لئے جوتے کی تہہ کے درمیان سی دو۔ پھر انہوں نے وہ جوتا لیا اور دور کی راہ سے وہ بطور ہدیہ شیخ کو پیش کر دیا۔ اپ نے پہن لیا۔ جبکہ صورت حال کا پتہ نہ تھا۔ پھر حلب کے حاکم کے پاس پہنچے اور اسے کہا کہ ہمیں باوثوق ذرائع سے یہ بات پہنچی ہے کہ نسیمی نے قل ھو اللہ احد لکھ کر اپنے جوتے کی تہہ میں رکھی ہے۔ اور اگر آپ ہماری تصدیق نہیں کرتے تو اسے بلا بھیجیں اور ملاحظہ کرلیں۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ کاغذ نکل آیا۔ پس شیخ نے اللہ تعالیٰ کے لئے سر تسلیم خم کر دیا۔ اور اپنی صفائی پیش نہ کی۔ اور جان لیا کہ اس صورت میں قتل ناگزیر ہے۔

اور مجھے آپ کے مریدوں کے بعض مریدوں نے خبر دی کہ آپ نے توحید کے بارے قصیدے پڑھنے شروع کر دیئے جبکہ لوگ کھال کھینچ رہے ہیں یہاں تک کہ آپ نے پانصد بیت موزوں کئے۔ اور جو کھال اتار رہا تھا اسے دیکھ رہے تھے اور مسکرا رہے تھے۔

اور شیخ ابومدین کو زندقہ کی تہمت لگائی گئی اور انہیں بجایہ سے تلمسان کی طرف جلاوطن کیا گیا۔ اور وہیں آپ کی وفات ہوئی۔

اسی طرح شیخ ابوالحسن الشاذلی کو غرب سے مصر کی طرف جلاوطن کیا گیا۔ اور آپ کے خلاف زندقہ کی گواہی دی گئی۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے مکر سے بچالیا۔

شیخ عزالدین بن عبدالسلام پر کفر کی تہمت لگائی گئی۔ اور آپ کے متعلق آپ کے ایک قول کے بارے میں مینگ بلائی گئی جو آپ نے اپنے عقیدے کے متعلق کہا تھا اور آپ کے خلاف بادشاہ کو بھڑکایا گیا پھر آپ کو لطف حاصل ہو گیا۔ اسے ابن ایمن نے اپنے رسالہ میں ذکر کیا ہے۔

اور شیخ تاج الدین السبکی پر کفر کی تہمت رکھی گئی اور ان کے خلاف گواہی دی گئی کہ شراب اور لواطت کے جواز کے قائل ہیں۔ رات میں زنار پہنتے ہیں اور آپ کو طوق اور بیڑیاں ڈال کر شام سے مصر لایا گیا۔ اور شیخ جمال الدین الاستوی باہر آئے اور راستے میں ملے اور ان کے خون کی حفاظت کا حکم دیا۔

اور سیدی ابراہیم الجعبری اور سیدی حسین الجا کی پر انکار کیا گیا اور دونوں کو کرسی وعظ پر بیٹھنے سے روک دیا گیا۔ علاوہ ازیں وہ واقعات ہیں جو ہم نے کتاب الطبقات کے مقدمہ میں بیان کئے ہیں

اور اے عزیز! ہم نے تیرے لئے اس امت کے متقدمین اور متاخرین کی تکالیف تجھے مانوس کرنے کے لئے ذکر کی ہیں تاکہ تو صوفیہ خصوصاً شیخ محی الدین کی کتابوں کے مطالعہ کی طرف متوجہ ہو۔ کیونکہ ہمارے نزدیک ان ائمہ کی تعریف مہکتی کستوری ہے۔ تو جس طرح کہ ان کے بارے میں جو کچھ کہا گیا اس سے ان کے کمال میں عیب لاحق نہیں ہوتا۔ اسی طرح شیخ محی الدین کے کمال میں لوگوں کی ایسی گفتگو سے نقص وارد نہیں ہوتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

تیسری فصل

اہل طریقت کی طرف سے عذر

کے بیان میں کہ وہ ایسی گفتگو فرماتے ہیں جو ان کے علاوہ دوسرے کے لئے پیچیدہ ہوتی ہے۔
جان لو اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے کہ قوم کے لئے امور طریقت میں رمز کی اصل دلیل وہ ہے جو کہ بعض احادیث میں روایت کی گئی کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا: کیا تو جانتا ہے فلاں دن فلاں دن۔ عرض کی: جی ہاں یا رسول اللہ! آپ نے مجھ سے یوم مقادیر کے بارے میں پوچھا ہے۔ اور یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے ایک دن فرمایا: اے ابوبکر! کیا تجھے معلوم ہے کہ میں کیا کہنا چاہتا ہوں۔ عرض کی: جی ہاں۔ وہ وہ ہے۔ وہ وہ ہے۔ اسے شیخ تاج الدین بن عطاء اللہ نے اپنی بعض کتابوں میں حکایت فرمایا۔

شیخ محی الدین کی وضاحت

اور شیخ محی الدین نے فتوحات کے ۵۴ ویں باب میں یوں فرمایا ہے: جان لو کہ اہل اللہ نے وہ اشارات جن پر اپنے مابین اصطلاحات رکھی ہیں اپنے لئے وضع نہیں کئے کیونکہ وہ تو اس میں حق صریح سے واقف ہیں۔ یہ صرف اپنے درمیان داخل ہونے والے کو روکنے کے لئے وضع کی ہیں حتیٰ کہ وہ اس حال کو پہنچان نہ سکے جس پر وہ فائز ہیں۔ اور یہ اس پر شفقت کے طور پر کرتے ہیں کہ کہیں ایسی چیز سن لے جس تک اس کی رسائی نہیں پس اہل اللہ پر انکار کردے تو اسے اس کی محرومی پر سزا دی جائے پس وہ پھر کبھی اسے پا نہ سکے گا۔ نیز فرماتے ہیں کہ اس راستے میں سب سے عجیب شے جو کہ اس کے سوا کہیں پائی نہیں جاتی یہ ہے کہ منطقیوں۔ نحویوں۔ اہل ہندسہ وحساب۔ علم الکلام والوں اور فلسفیوں میں سے جو گروہ بھی کسی علم کا حامل ہے ان کی اپنی اصطلاح ہے جسے ان میں داخل ہونے والا نہیں جانتا مگر جب وہ خود اسے واقفیت بخشیں۔ اس کے سوا چارہ نہیں مگر اس راستے والوں کا خصوصیت کے ساتھ یہ حال ہے کہ مرید صادق جب ان کے طریق میں داخل ہوتا ہے جبکہ اسے ان کی اصطلاح کی کوئی خبر نہیں ہوتی۔ اور ہم نشینی کرتا ہے اور ان سے مبنی بر اشارات گفتگو سنتا ہے تو وہ ساری گفتگو سمجھ لیتا ہے گویا اس اصطلاح کا وضع کرنے والا وہی ہے اور وہ اس علم میں گفتگو میں ان کے ساتھ شریک ہو جاتا ہے۔ اور وہ اپنی طرف سے اس میں اجنبیت محسوس نہیں کرتا۔ بلکہ اس کا علم ضروری پاتا ہے۔ اسے روک نہیں سکتا۔ گویا وہ اسے شروع سے ہی جانتا ہے۔ اور نہیں جانتا کہ اسے یہ علم کیسے حاصل ہوا۔ یہ مرید صادق کی شان ہے۔ رہا کاذب تو وہ واقفیت دلائے بغیر اسے نہیں پہنچان سکتا۔ اور اس کے اخلاص فی الارادہ اور اس کی طلب کے بغیر قوم میں سے کوئی بھی اس پر سخاوت نہیں کرتا۔
اور ہر دور میں علماء ظاہر قوم کی کلام کے فہم مین توقف کرتے رہے۔ اور امام احمد بن سریج ایک دن جنید کی مجلس میں حاضر ہوئے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ ان کی کلام سے آپ کیا سمجھے؟ فرمایا: معلوم نہیں کیا کہتے ہیں۔ لیکن ان کی گفتگو کا رعب دل میں ظاہر پاتا ہوں۔ جو کہ باطنی عمل اور ضمیر کے اخلاص پر دلالت کرتا ہے۔ اور ان کا کلام کسی باطل پرست کا کلام نہیں۔ انتہی۔
پھر یہ حضرات اشارہ کے ساتھ صرف اس وقت بات کرتے ہیں جب ان کے پاس وہ شخص حاضر ہو جو ان میں سے نہیں یا ان کی

تالیف میں ہو۔ پھر فرمایا: مخفی نہ رہے کہ باطل پرست دشمن کا انکار اصل میں صرف حسد کی بنا پر پیدا ہوتا ہے۔ اور اگر یہ منکر حسد ترک کر دیتے اور اہل اللہ کے راستہ پر چلتے تو ان سے کوئی انکار ظاہر ہوتا نہ حسد۔ اور ان کے علم کے ساتھ ان کا علم بھی زیادہ ہوتا۔ لیکن یہ ایک امر مقدر تھا۔ **فلاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم**۔ اور اس بارے میں طویل کلام فرمایا۔

پھر فرمایا: کہ عطیۂ الٰہی کے علم والوں کے شدید دشمن ہر دور میں بے ادب اہل جدال ہیں۔ اور ان پر یہی لوگ شدید انکار کرنے والے ہیں۔ اور جب عارفین نے یہ امر پہنچانا تو اشارات کی طرف پھر گئے جیسے افک والحاد والوں کی وجہ سے حضرت مریم علی ابنہا وعلیہا السلام اشارہ کی طرف پھر گئیں۔ پس ان کے نزدیک ہر آیت یا حدیث کی دو وجہیں ہیں۔ ایک وجہ جسے وہ اپنے آپ میں دیکھتے ہیں اور ایک وجہ اس میں دیکھتے ہیں جو کچھ ان سے خارج ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ **سنریھم آیاتنا فی الآفاق وفی انفسھم** (حم السجدہ آیت ۵۳) ہم انہیں اپنی نشانیاں آفاق میں اور ان کے نفسوں میں دکھائیں گے۔ پس یہ حضرات جو کچھ اپنے آپ میں دیکھتے ہیں اسے اشارہ کا نام دیتے ہیں۔ تاکہ منکرین ان پر مانوس ہوں اور یہ نہ کہیں کہ یہ اس آیت کی یا حدیث کی تفسیر ہے۔ اور ایسا ان کے شر سے اور فتویٰ کفر سے بچنے کے لئے کرتے ہیں کہ تہمت کفر لگانے والے خطاب حق کے مواقع سے جاہل ہیں۔ اور اس سلسلے میں انہوں نے اسلاف کی سنتوں کی پیروی کی ہے۔

اور بیشک اللہ تعالیٰ قادر تھا کہ اہل اللہ وغیرہم نے جن مسائل کو تاویلاً بیان کیا ہے اپنی کتاب میں آیات متشابہات اور اوائل سورۃ کی طرح نصاً بیان فرما دیتا۔ اس کے باوجود ایسا نہیں کیا بلکہ ان کلمات وحروف الٰہیہ میں ایسے مخصوص علوم درج فرما دیئے جنہیں اس کے صرف منتخب بندے ہی جانتے ہیں۔

منکرین کو دعوت انصاف

اور اگر منکرین انصاف کرتے تو اپنے آپ میں عبرت حاصل کرتے جب وہ ظاہری آنکھ سے آیت میں نظر کرتے جسے وہ اپنے مابین تسلیم کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ وہ اس میں ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں اور اس آیت کے معنوں میں کلام اور فہم میں ان کا بعض، دوسروں پر فائق ہے۔ اور ان میں سے جو قاصر ہے وہ غیر قاصر کی فضیلت کا اقرار کرتا ہے۔ اور سب ایک ہی نہج پر ہیں۔ اور اپنے مابین مشہور باہمی فضیلت کے باوجود جب اہل اللہ کوئی ایسی چیز لاتے ہیں جو ان کے ادراک سے گہری ہے تو ان پر انکار کرتے ہیں۔

اہل اللہ کے متعلق منکرین کا غلط عقیدہ

اور یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ وہ اہل اللہ کے بارے میں عقیدہ ہی نہیں رکھتے کہ انہیں شریعت کا علم ہے اور انہیں جہالت اور گمراہی کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ علی الخصوص اگر انہوں نے علماء ظاہر سے نہیں پڑھا۔ اور یہ لوگ اکثر کہتے ہیں کہ ان لوگوں کے پاس علم کہاں سے آیا کہ ان کا عقیدہ ہے کہ علم کسی تک نہیں پہنچتا مگر کسی معلم کے ذریعے۔ اور وہ اس میں سچے ہیں کیونکہ قوم صوفیاء نے جب اپنے علم پر عمل کیا تو انہیں اللہ تعالیٰ نے اعلام ربانی کے ساتھ اپنی طرف سے علم عطا فرمایا جسے ان کے دلوں میں شریعت کے عین مطابق نازل فرمایا۔ ایک ذرے کے برابر بھی اس سے باہر نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **خلق الانسان علمه البیان**۔ (الرحمٰن) انسان کو پیدا فرمایا؛ اسے بیان سکھایا۔ نیز فرمایا **علم الانسان مالم یعلم**۔ انسان کو وہ کچھ پڑھایا جو نہیں جانتا تھا۔ اور اپنے بندے حضرت خضر کے متعلق فرمایا:

وعلمناه من لدنا علما۔ اور ہم نے اسے اپنے ہاں سے علم پڑھایا تو منکرین نے اپنے قول میں سچ بولا کہ علم صرف معلم کے واسطے سے ہی ہوتا ہے اور اپنے عقیدے میں غلطی کر گئے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے نہیں پڑھایا جو نبی ہے نہ رسول۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے یؤت الحکمۃ من یشاء (البقرۃ آیت ۲۶۹) جسے چاہے حکمت عطا فرماتا ہے۔ اور حکمت ہی علم ہے۔ اور یہاں من لایا گیا جو کہ نکرہ ہے۔ لیکن ان منکروں نے جب دنیا میں بے رغبتی ترک کر دی اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دی جو کہ اللہ تعالیٰ کا قرب عطا کرتی ہے اور علم کتابوں اور لوگوں کے مونہوں سے حاصل کرنے کی عادت بنالی تو انہیں یہ جاننے سے حجاب میں کر دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے ہیں جن کے سرائر میں ان کی تعلیم کا وہ خود متولی ہے کیونکہ پورے موجودات کا معلم حقیقی وہی ہے اور اس کا علم ہی علم صحیح ہے جس کے کمال میں مومن اور غیر مومن شک نہیں کرتے۔ کیونکہ جن لوگوں نے پہلے یہ قول کیا کہ حق تعالیٰ کا علم جزئیات کے ساتھ متعلق نہیں انہوں نے جزئیات کے ساتھ علم الٰہی کی نفی کا ارادہ نہیں کیا۔ ان کا مقصد تو صرف یہ ہے کہ حق تعالیٰ تمام اشیاء کلیات و جزئیات کو علم واحد کے طور پر جانتا ہے پس اپنے علم بالجزئیات کے لئے جزئیات کی تفصیل کی ضرورت نہیں جیسے کہ یہ مخلوق کے علم کا حال ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے۔ پس انہوں نے اس کے علم کے تفصیل پر موقوف ہونے سے تنزیہہ کا ارادہ کیا۔ پس ان لوگوں نے تعبیر میں غلطی کی۔ پس معلوم ہوا کہ جس کا معلم اللہ تعالیٰ ہو وہ پیروی کا اس شخص سے زیادہ مستحق ہے جس کا معلم اس کا فکر ہو۔ لیکن انصاف کہاں؟ اور اس میں طویل کلام فرمایا۔

اشارات حفاظت الٰہی ہیں اور اقوال اکابر

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے نفوس کی حفاظت فرمائی کہ انہوں نے حقائق کا نام اشارات رکھ دیا کہ منکرین اشارات کا رد نہیں کرتے۔ اور اہل اللہ کے دعویٰ علم کے بارے میں منکرین کی تکذیب کا حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے اس قول کے سامنے کیا مقام کہ اگر میں تمہارے سامنے سورۃ الفاتحہ کی تفسیر میں کلام کروں تو تم پر ستر بوجھ لاد دوں۔ تو یہ علم لدنی کے سوا کیا ہے؟ جو کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو الہام کے طریقے عطا فرمایا۔ کیونکہ فکر کی یہاں تک رسائی نہیں۔

حضرت شیخ ابویزید البسطامی اپنے معاصر علماء سے فرمایا کرتے تھے کہ تم نے اپنا علم مردے سے مردہ حاصل کیا جبکہ ہم نے اپنے علوم اس حی سے حاصل کئے جسے موت نہیں۔

اور شیخ ابومدین جب اپنے مریدوں میں سے کسی کو کسی حکایت میں کہتے ہوئے سنتے کہ مجھے اس کی فلاں بن فلاں نے خبر دی تو فرماتے کہ ہمیں خشک کیا ہوا گوشت نہ کھلاؤ۔ اس سے اپنے مریدوں کی ہمت بڑھانے کا ارادہ فرماتے۔ یعنی میرے پاس اپنی نئی فتوحات بیان کرو جو اللہ تعالیٰ نے کلام الٰہی میں یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام میں ان کے قلوب پر منکشف فرمائیں۔ کیونکہ علم الٰہی کا عطیہ دینے والا زندہ ہے جسے موت نہیں اور ہر زمانے میں اس کا محل صرف مردوں کے قلوب ہیں۔ انتہی۔ اور اس کی تفصیل ۲۷ ویں بحث کے اواخر میں بھی آئے گی۔

رمز علوم میں تین امور

شیخ الاسلام سراج الدین المخزومی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مشائخ کے اپنے علوم کو رمز میں کہنے میں تین امور ثابت ہیں۔ (۱) جو شخص طریق صوفیاء پر ادب کے بغیر اور ان کے دروازے کے بغیر داخل ہو کر براجمان ہونا چاہتا ہے اسے ذوق کے بغیر اسرار ربوبیت کے افشاء

سے روکنا۔ پس وہ اس کے افشاء میں پڑے گا یا اپنے بیمار فہم کی وجہ سے اہل اللہ کی تکفیر کرے گا۔ (۲) اس میں اس فن کے طالب کے لئے اشارہ ہے کہ علوم میں متجر، طریق قوم کے آداب پر ہمیشگی کرنے والا ہوحتی کہ اس کے لئے حجاب کھل جائیں اور وہ معاہدہ وذوق کے ساتھ علم ومعلوم پر مطلع ہو جائے۔ (۳) زمانہ اسلاف سے علم قوم میں وہی شناوری کرتا ہے جو کہ علوم میں فیاض اور علوم متکلمین میں سر برآوردہ ہو۔ یہاں تک کہ فخر رازی فرمایا کرتے تھے کہ مجھے علم کلام کی تدریس کی اجازت نہ دی گئی حتی کہ میں نے اس سے ۱۲ ہزار اوراق حفظ کر لئے۔ یہ پابندی اس کے باوجود کہ علم کلام، علم توحید سے بہت آسان ہے۔ جس میں قوم شناوری کرتی ہے۔

اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ربیع الجیزی سے فرمایا کہ علم کلام سے اپنے آپ کو بچاؤ اور علم فقہ وحدیث میں مشغول ہو جاؤ کہ تجھے کہا جائے تو نے خطا کی اس سے بہتر ہے کہ تجھے کہا جائے کہ تو کافر ہو گیا۔ انتہی۔

تدوین معارف واسرار کی وجہ

استاذ علی بن وفا رضی اللہ عنہ سے بعض عارفین نے معترضین کی زبان کے حوالے سے پوچھا کہ ان عارفین نے اپنے معارف و اسرار کی تدوین کیوں کی جو کہ ان سے قاصر فقہاء وغیرہم کو نقصان دیتے ہیں۔ کیا ان کے ہاں حکمت اور خلق خدا کے متعلق اچھا گمان۔ نظر شفقت ورحمت نہ تھی جو انہیں ان کی تدوین سے روکتی۔ اگر تھی تو ان کا اس کے خلاف چلنا نقص ہے اور اگر نہیں تھی تو ان میں نقص کے طور پر یہی کافی ہے۔

تو آپ نے جواباً فرمایا کہ اس سائل سے کہا جائے کہ جس نے دوپہر کا سورج چڑھایا اور اس کی چمکتی شعاعوں کو پھیلایا باوجودیکہ وہ چمگادڑوں اور ان جیسے کمزور مزاج لوگوں کی آنکھوں کو نقصان دیتی ہیں کیا وہ علم وحکمت والا نہیں؟ تو اسے اس کے سوا گنجائش نہیں کہ وہ کہے: ہاں وہ علیم وحکیم ہے۔ تو اگر وہ کہتا ہے کہ یہ صحیح ہے لیکن یہاں دوسری مصلحتیں آڑے آ گئیں جو کہ ان خرابیوں پر غالب ہو گئیں۔ تو میں کہتا ہوں کہ یہی تیرے سوال کا جواب ہے۔ جس طرح حق تعالیٰ نے کمزور نظر والوں کی آنکھوں کی رعایت کے لئے دوپہر کے سورج کی کرنوں کا اظہار ترک نہیں فرمایا اسی طرح عارفین کے لائق نہیں کہ ان کے طریق سے محجوبین بلکہ اس میں بے رغبتی کرنے والوں بلکہ اس کا انکار کرنے والوں کے افہام کی رعایت کریں۔ اور اس میں طویل کلام فرمایا۔ پھر فرمایا کہ تجھے جواباً یہی کافی ہے کہ جس نے ان معارف واسرار کی تدوین کی اس نے جمہور کے لئے ان کی تدوین نہیں کی۔ بلکہ اگر وہ دیکھ پاتا کہ ان کا مطالعہ وہ شخص کر رہا ہے جو ان کا اہل نہیں تو اسے منع کر دیتا۔

عارفین کی کتب کے مطالعہ میں احتیاط

اور عارفین میں سے بعض نے فرمایا کہ ہم وہ قوم ہیں کہ جو شخص ہمارے طریق والوں میں سے نہیں ہے اس پر ہماری کتابوں میں نظر کرنا حرام ہے۔ اور اسی طرح کسی کے لئے جائز نہیں کہ ہمارا کلام نقل کرے مگر اس کے لئے جو اس پر ایمان رکھتا ہو۔ تو جس نے اسے ایسے کی طرف نقل کیا جو اس پر ایمان نہیں رکھتا تو وہ اور جس کی طرف اس نے نقل کیا دونوں انکار کی جہنم میں داخل ہو گئے۔ اور اہل اللہ نے محضر عام میں اس کی تصریح فرمائی ہے اور فرمایا کہ جس نے سِرّ ظاہر کیا وہ قتل کا مستحق ہوا۔ اور اس کے باوجود غفلت وحجاب والوں کو سمائی حاصل نہ ہوئی بلکہ انہوں نے حدود قوم کو پائمال کیا اور نااہلوں کے سامنے ان کے کلام کو ظاہر کیا تو وہ اس شخص کی مثل ہیں جس نے

بے ایمان دشمن کی سرزمین کی طرف مصحف منتقل کیا باوجودیکہ اللہ تعالیٰ نے اسے اس سے منع فرمایا ہے پس انہوں نے اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو گمراہ قلوب اور ٹیڑھی زبانوں کے ساتھ اس کی تلاوت کا موقعہ دیا تو ایک گروہ اس کا مذاق اڑاتا ہے تو دوسرا گروہ فتنہ وتاویل چاہتے ہوئے اس کے متشابہات کی پیروی کرتا ہے۔ تو اس کے موقعہ فراہم کرنے کی وجہ سے گمراہی، سرکشی اور اہل اسلام پر انکار میں اور بڑھ گئے۔ اور طویل کلام فرمایا۔

تدوین معارف کی صحت کی ایک اور دلیل

پھر فرمایا کیا مجتہدین نے یعنی صحابہ کرام رتابعین اور ان کے بعد والوں نے کتاب وسنت سے جو مسائل مستنبط فرمائے اس کی تدوین اس لئے کی تھی کہ اس کے ساتھ نفسانی خواہشات، دنیوی سرداری کی محبت۔ کسب دنیا پر اراس کی وجہ سے بادشاہوں اور حاکموں کا قرب حاصل کرنے پر مددلی جائے؟ واللہ ان کا ہرگز یہ قصد نہ تھا۔ لیکن امر خداوندی کا فیصلہ ہو چکا ہوتا ہے۔ تو جیسے مجتہدین تدوین علم سے نہیں رکے جس سے لوگ قدرے دنیا کماتے ہیں۔ بلکہ شارع علیہ السلام نے ان کے لئے اچھی جزائیں مقرر فرمائیں اگرچہ لوگ اس پر عمل نہ کریں تو اسی طرح عارفین کے لئے ان کی جزائیں اور ان کے صالح قصد کا اجر ہے کہ انہوں نے جو حقائق وضع کئے جن سے علم توحید اور امراض قلوب کی مشکلات کھلتی ہیں ان سے مریدین کو نفع پہنچے۔ اور ان کی تدوین کے فوائد میں سے یہ ہے کہ ان کے بعد ان کے رسائل کا مطالعہ کرنے والوں کے قلوب کو فیض پہنچایا جائے پس وہ ان معانی کے ساتھ اس کیفیت کو پانے میں کامیاب ہو جائیں جو انہیں ترقی دے اور ان کے قلوب پر اور ان کی زبانوں پر رحمت کے بادل اثر آفرین ہوں تو ان کی رشد کے نور سے ان کے قلوب کی زمین چمک اٹھے اور ان کی ہدایت کے اثر سے زندہ ہو جائے۔ پس ان کے رسائل ان کے وصال کے بعد مریدین کی خیر خواہی میں ان کے قائم مقام ہوئے۔ اور اپنے معارف واسرار کی تدوین انپر بہت لازم حقوق میں سے تھی کیونکہ ان کا غیر امراض قلوب کے علاج اور تمام امور شرعیہ میں حق تعالیٰ کی بارگاہوں کے آداب کی تدوین میں ان کا قائم مقام نہیں ہوسکتا کیونکہ ہر مقام کی ایک مخصوص حاضری اور خاص ادب ہوتا ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب

اگر کہا جائے کہ ان صوفیہ کا علم اگر مطلوب ہوتا تو اس میں ائمہ مجتہدین کتابیں تالیف کرتے جبکہ اس بارے میں ہمارے علم میں ان کی ایک کتاب بھی نہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے امراض قلوب میں کتابیں نہیں لکھیں کہ یہ امراض ان کے ہم زمانہ لوگوں پر ظاہر نہ تھیں۔ اور اگر یہ ان کے زمانے والوں پر ظاہر ہو چکی ہوتیں تو ان پر مستقل رسائل کی صورت میں ان کے علاج کے طریق کار کا بیان لازم ہوتا جیسا کہ ان کے بعد والے اہل اللہ کے طریق کے ائمہ نے کیا۔ کیونکہ وہ کبائر میں سے ہیں بخلاف اس زمانے کے جو ان کے بعد ہے۔ اس میں ریاء، حسد، کبر، کدورت اور کینہ ظاہر ہوا۔ اسی لئے لوگوں نے اس میں مستقل رسائل لکھے۔

اور مجتہدین نے اس لئے بھی طریق قوم میں کتابوں کی تدوین نہیں فرمائی کہ وہ اس کے مقابلے میں زیادہ اہم میں مصروف تھے۔ اور وہ ادلہ شریعہ کا جمع کرنا۔ اس کے ناسخ ومنسوخ اور اس کے مفصل ومجمل کا بیان اور اس کے قواعد کی تمہید وتعبیر ہے تاکہ لوگ کجی لاحق ہونے پر ان کی طرف رجوع کریں۔ تو اگر قواعد شرعیہ نہ ہوتے جنہیں مجتہدین نے بیان فرمایا تو کوئی اعمال ظاہرہ اور باطنہ کی میزان کو پہچان نہ

سکتا۔ تو ائمہ مجتہدین کا اس میں مصروف ہونا ان بعض رسائل کی تالیف میں مصروف ہونے کی نسبت زیادہ اہم تھا جو کہ باقی امت کے مقابلے میں قلیل سی اقوام کے ساتھ مخصوص تھے۔ اسے سمجھ لو۔

ائمہ شریعت کا احسان

پس معلوم ہوا کہ ائمہ شریعت کا صوفیاء وغیرہم پر احسان ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو ان کی تصنیفات میں جزائے خیر عطا فرمائے کہ جس طرح علم ظاہر میں گفتگو کرنے میں اجتہاد ظنی جو کہ عمل کا موجب ہے کی روح کی بقاء اور مظاہر مرشدین میں اس کا چمکنا ہے اسی طرح کلام عارفین میں بطریق اولی روح یقین کی بقاء اور حق کے ہادیوں کے مظاہر میں اس کا جلوہ گر ہونا ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب

اگر کہا جائے کہ ان صوفیاء نے صرف کتاب وسنت کے ظاہر پر چلنے پر ہی کیوں اکتفاء نہ کیا؟ کیا یہ ان کے لئے کافی نہ تھا جب کہ ان کے غیروں کے لئے کافی ہوا؟

تو جواب یہ ہے کہ اعتراض بعینہ ائمہ مجتہدین اور ان کے مقلدین پر وارد ہوسکتا ہے کہ وہ ظاہر نصوص پر نہ ٹھہرے اور نہ ان پر بس کی بلکہ انہوں نے نصوص سے لاتعداد احکام اور حوادث کا استنباط کیا جیسا کہ مشاہدہ ہے۔ اے بھائی! اگر تو عارفین کے استنباط کو رد کرتا ہے تو تجھے لازم ہے کہ مجتہدین کے استنباط کو بھی رد کرے۔ اور اس کا کوئی قائل نہیں۔ (اقول وباللہ التوفیق اس سے پتہ چلا کہ غیر مقلد بعد کی پیداوار ہیں۔ شیخ اکبر قدس سرہ کے زمانے میں ان کا وجود نہ تھا۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ ولا والدہ)

تو جس طرح تیرے لئے ائمہ مجتہدین کی کلام پر اعتراض جائز نہیں کیونکہ وہ نور شریعت کی شعاع سے باہر نہیں نکلے۔ اسی طرح آداب ظاہرہ وباطنہ میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نشانات کی پیروی کرنے والے عارفین پر بھی تجھے اعتراض کرنا جائز نہیں۔ تو جس طرح مجتہدین نے ایسے امور کو واجب، حرام، مکروہ اور مستحب قرار دیا جن کے متعلق ظاہری عملداری میں تصریح نہیں فرمائی اسی طرح عارفین نے عمال باطنہ کی عملداری میں کئی امور واجب، حرام، مکروہ اور مستحب قرار دیئے۔ تو دونوں عملداریوں میں اجتہاد واقع ہے۔ ایک کی وجہ سے دوسرے سے لاپرواہی نہیں ہوسکتی۔ تو شریعت کے بغیر حقیقت باطل اور حقیقت کے بغیر شریعت ناقص ہے۔

رمز بالاصطلاح کے متعلق سوال اور جواب

اگر کہا جائے کہ قوم صوفیاء نے اپنے طریق میں گفتگو کرتے ہوئے اصطلاح کی رمز کیوں استعمال کی جسے ان کے علاوہ دوسرے پہنچانتے ہی نہیں جب تک کہ وہ انہیں واقفیت نہ دلائیں جیسا کہ پہلے گزرا۔ اور اگر ان کے معارف برحق ہیں جیسا کہ وہ گمان کرتے اور سرعام کہتے ہیں تو انہوں نے لوگوں پر ظاہر کیوں نہیں کئے جیسا کہ علماء شریعت اپنے درسوں میں کرتے ہیں۔ پس عارفین کے اپنے معارف کو سب سے مخفی رکھنے میں شک کی بو اور لوگوں کے لئے انہیں بُرے عقیدے اور اندرونی آلودگی کی تہمت لگانے کا دروازہ کھولنا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ان حضرات نے خلق خدا پر نرمی اور رحمت وشفقت کرتے ہوئے اس کی رمزیں استعمال کی ہیں جیسے کہ فصل کے اوائل میں شیخ محی الدین کی کلام میں گزر چکا۔ چنانچہ حضرت حسن بصری اور اسی طرح جنید شبلی وغیرہم علم توحید کی تلاوت صرف اپنے

گھروں کی گہرائیوں میں دروازوں کو تالے لگا کر اور ان کی کنجیاں اپنے پہلوؤں کے نیچے رکھ کر کرتے تھے۔ اور فرماتے کہ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ صحابۂ کرام اور تابعین کو جن سے ہم نے یہ علم حاصل کیا بہتان اور ظلم کے طور پر زندیق ہونے کی تہمت لگائی جائے۔ انتہی۔

اور یہ صرف اس لئے کہ شہوات اور گناہوں کے ارتکاب سے حاصل ہونے والی کدورتوں کی آلودگی سے ان کے قلوب صاف اور پاک ہونے کی وجہ سے ان کے ادراکات دقیق ہو گئے۔ اور کسی کے لئے جائز نہیں کہ وہ ان اکابر کے بارے میں یہ عقیدہ رکھے کہ انہوں نے اپنی کلام صرف اس لئے مخفی رکھی کہ وہ اس میں گمراہی میں مبتلا ہوتے تھے۔ وہ اس سے قطعاً پاک ہیں۔ پس ان کے بعد آنے والوں کے ان عبارات کو رمز کے ساتھ بیان کرنے کی یہی وجہ ہے جن کی تدوین کی گئی۔

اور ان عبارات کا حق تو یہ تھا کہ صرف روبرو کہی جاتیں اور اوراق میں نہ رکھی جاتیں۔ لیکن چونکہ بغیر تدوین کے اہل علم کی موت سے علم مر جاتا ہے اس لئے انہوں نے اپنے علم کی تدوین کی اور اسے لوگوں کی مصلحت اور اسرار الٰہیہ پر غیرت کی وجہ سے رمزوں میں لکھا کہ کہیں محجوبین میں پھیل جائے۔ اور اس بارے مذکور شعروں کا ترجمہ درج ذیل ہے:

خبردار رموز اس معنی پر سچے ہونے کی دلیل ہیں جو کہ دل میں پوشیدہ ہے۔
تمام عارفوں کے لئے رموز اور مشکل اشارات ہیں جو کہ دشمنوں پر دقیق ہیں۔
اور اگر یہ اشارے نہ ہوتے تو بات کہنا کفر ہوتا اور جہاں فساد کی نذر ہو جاتا۔
یعنی ان لوگوں کے نزدیک کفر ہوتا جو ان کی اصطلاح پہچانتے نہیں۔

رموز کے بارے میں اکابر کی تحسین اور بیان حکمت

اور امام قشیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ قوم نے رموز کا کیا ہی اچھا کام کیا ہے کیونکہ انہوں نے اہل اللہ کے طریق پر غیرت کے طور پر ایسا کیا کہ کہیں ان کے غیر پر ظاہر ہو جائے پس وہ اسے غلط سمجھ بیٹھیں اور یوں خود گمراہ ہو جائیں اور دوسروں کو گمراہ کریں۔ اسی لئے انہوں نے مرید کو اپنے آپ رسائل قوم کے مطالعہ سے منع کیا ہے مگر یہ کہ شیخ کے حضور قرأت کرے۔ انتہی

اور سیدی علی بن وفا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جب پوچھا جاتا کہ قوم نے اپنی کلام کو رمز کے ساتھ کیوں کہا ہے؟ تو آپ فرماتے: یہ مثال سمجھ لو ان کی رمز کا سبب سمجھ جاؤ گے۔ اور وہ یہ ہے کہ دنیا ایک جنگل ہے اور اہل حق کی طرف سے بیان فرمودہ حقائق حق سے محجوبین کے نفوس درندوں اور شکاری وحشی جانوروں کی طرح ہیں اور ان کے درمیان عارف اس انسان کی طرح ہے جو اس جنگل میں رات کے وقت داخل ہوا جبکہ اس کی قرأت و آواز اچھی ہے۔ جب اس نے وہاں درندے محسوس کئے تو ایک درخت کے درمیان چھپ گیا اور وہ وہاں ان سے ڈرتے ہوئے خوبصورت آواز کے ساتھ اونچی آواز سے قرآن کریم کی تلاوت نہیں کرتا۔ کیا اس کا ان سے چھپنا اور بلند آواز کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت نہ کرنا اس امر پر دلالت نہیں کرتا کہ وہ علم و حکمت والا ہے یا وہ اس کی ضد ہے؟ نہیں اللہ کی قسم وہ علم و حکمت والا ہے۔ کیونکہ اگر وہ ان کے سامنے ظاہر ہو جاتا یا انہیں اپنی آواز و قرأت سنا دیتا تو وہ اس کے ساتھ ہدایت پاتے نہ کچھ سمجھ حاصل کرتے۔ بلکہ اسے چیر پھاڑ کر اس کا گوشت کھانے میں جلدی کرتے۔ اور وہ اپنی جان ہلاکت میں ڈالنے والا ہوتا۔ اور یہ حرام ہے۔ پس اس مثال کو سمجھو اور جو عارفوں پر ان کی کلام کی رمز کے بارے میں اعتراض کرتا ہے اسے کہو کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قرآن

کریم کی کئی سورتوں کا افتتاح رمزوں کے ساتھ اتارا۔ اور فرمایا و لاتجھر بصلاتک اسے یقراء تک کہ آپ اپنی قرأت بلند آواز سے نہ کریں و لاتخافت بھا (الاسراء آیت ۱۱۰) نہ ہی بالکل پست آواز کے ساتھ کریں۔ پس آپ کو حکم دیا کہ اس قدر بلند آواز کے ساتھ قرآن پاک کی تلاوت نہ کریں جسے جاہل منکر سن کر اپنی جہالت کی وجہ سے اس ذات کو برا بھلا کہیں جس کی شان میں بدگوئی جائز نہیں۔ اور ایمان والوں سے چھپائیں بھی نہیں۔ تو جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنی قرأت کو جاہل منکروں سے چھپانا آپ کی قرأت کے باطل ہونے پر دلالت نہیں کرتا اور اس کے درست ہونے میں کوئی خرابی پیدا نہیں کرتا اسی طرح عارفوں کا اپنی کلام کو بے علم جھگڑالوؤں سے چھپانا اس کے باطل اور خلاف شرع ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔ اسے خوب سمجھ لے۔

رمز کے بغیر اظہار کلام کا موقعہ

لیکن اگر اللہ تعالیٰ عارف کے لئے اس کی شان کے ظہور کے اسباب مہیا فرمائے اور وہ انکار کرنے والوں کو حال کے ذریعے یا ان کے اقوال کو واضح دلائل کے ساتھ مٹا کر مغلوب کرنے پر قادر ہو حتیٰ کہ وہ طوعاً یا کرہاً اس کی فضیلت کا اقرار کرنے لگیں تو اس وقت اسے اپنے معارف کا کھلے عام اظہار کرنے کی اجازت ہے۔ جس طرح کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اسباب غلبہ مہیا ہوئے۔ امر میں پختگی ہوئی اور کفار کی ایذاء سے حفاظت کرنے والے انصار مل گئے تو کفار کے سامنے قرآن کریم کی قرأت ظاہر فرمائی۔ تو معلوم ہوا کہ عارفین کے لئے اس مسئلے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نمونہ موجود ہے۔

اور ایام فتنہ کے دوران امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ تین دن روپوش رہے۔ پھر باہر آئے تو آپ سے کہا گیا کہ وہ لوگ ابھی آپ کی تلاش میں ہیں۔ تو آپ نے فرمایا: کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غار میں تین دن سے زائد پوشیدہ نہیں رہے۔ پس تیرے لئے واضح ہو گیا کہ انسان کے لئے وحشیوں اور درندوں کا مقابلہ اور ان کے سامنے ظاہر ہونا درست نہیں مگر اس وقت کہ ان کی اذیت کو قوت، طاقت اور مددگاروں کے ساتھ انہیں مغلوب کرنے کے اسباب مہیا ہونے کی وجہ سے اپنے سے روکنے پر قدرت معلوم ہو جائے۔

ایک سوال اور اس کا جواب

اگر کہا جائے کہ یہ عارف اپنے معارف و اسرار کا اظہار بالکل ترک کر کے اس حکمت عملی میں کیوں داخل نہیں ہوا جس میں جمہور مصروف ہیں یہاں تک کہ قوت و طاقت پا لیتا۔ تو یہ طریقہ اس کے لئے زیادہ سلامتی والا ہوتا؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ عارفین رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وارث ہیں پس آپ کے طریقے کے خلاف نہیں کرتے۔ تو جہاں سرکار علیہ السلام چلے وہیں یہ چلے جیسا کہ ابھی امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے گزرا۔ تو جس طرح رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پاس موجود حق مبین کو جاہل منکروں سے چھپایا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو اس حق کے اظہار کا حکم آیا جو کہ آپ کے پاس تھا پس اسی طرح آپ کے وارثوں کا عمل ہے۔

اور سیدی علی بن وفا رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قوم پر اپنے معارف کو رمز کے ساتھ بیان کرنے پر اعتراض کرنے والے کو یہ بھی کہا جائے کہ بتاؤ اگر کسی عقل مند پر پاگل اعتراض کریں کہ وہ ان کی مخالفت کرتا ہے تو کیا اسے چاہئے کہ ان کے پگلے پن میں ان کی موافقت کرے اور ان کی طرح پاگل بن جائے اور اپنی عقل چھوڑ دے حتیٰ کہ وہ اس سے الفت کرنے لگیں جبکہ اسے ممکن ہے کہ اپنی عقل کے ساتھ

ان سے فرار ہو جائے۔

یا بتاؤ کہ ایک انسان جو کہ درندوں کے درمیان ہے۔ جب وہ اس کا اپنے درمیان قیام پذیر ہونا پسند نہ کریں مگر جبکہ وہ اپنے منہ کے بل دونوں ہاتھوں اور پاؤں پر چلے یا اس طرح بھونکے جس طرح وہ بھونکتے ہیں۔ کیا اسے چاہے کہ ان کے درمیان قیام پذیر رہنے کے لئے ایسا کرے اور وہ اس سے مانوس ہو جائیں باوجودیکہ اسے ممکن ہے کہ ان سے فرار اختیار کرے اور انسانی طریقے پر بودوباش اپنائے۔ ہرگز نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قسم خیر کی طاقت رکھنے والے کے لائق نہیں کہ اس سے باہر ہو جائے تا کہ اہل شر اس سے راضی ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا زیادہ حق ہے کہ رسول کو راضی کریں اگر وہ ایمان والے ہیں۔ پس ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں کہ ہم اپنی ایڑیوں پر پھر جائیں اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہدایت عطا فرمائی۔

عارفوں سے بعض کا قول ہے کہ تمام محبین کی زبانیں ان کے غیروں پر عجمی ہیں جبکہ ان کے ساتھیوں کے لئے عربی ہیں۔ اور یہ سب کچھ اولیاء میں سے مقام تمکین پر فائز حضرات کے لئے ہے۔ البتہ جس پر اس کا حال غالب ہے تو اہل طریقت کا ادب ہے کہ اسے تسلیم کیا جائے کیونکہ وہ عشق کی زبان سے بولتا ہے نہ کہ علم صحیح کی زبان سے۔

زبان عشق اور چڑیا

اور ہمیں یہ خبر پہنچی کہ ایک چڑے نے حضرت سلیمان بن داؤد علی نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام کے خیمے میں چڑیا کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا۔ وہ نہیں مانی تو وہ کہنے لگا کہ تیری محبت میرے دل میں یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ اگر تو مجھے کہے کہ میں یہ قبہ سلیمان اور ان کے لشکر پر الٹ دوں تو ایسا کر گزروں۔ ہوا نے اس کی بات حضرت سلیمان علیہ السلام تک پہنچا دی۔ آپ نے اسے بلا بھیجا اور فرمایا کہ تجھے کس چیز نے برانگیختہ کیا کہ تو ایسی بات کرتا ہے جس کی تجھ میں طاقت نہیں۔ تو اس نے عرض کی۔ ''یا نبی اللہ! مجھے معاف فرمائیں۔ میں عاشق ہوں اور عشاق صرف عشق ومحبت کی زبان سے بات کرتے ہیں۔ علم وتحقیق کی زبان سے نہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اس سے متعجب ہوئے۔ انتہی۔ اور اس میں اہل اللہ کے طریق میں جو عشاق ہیں ان کے لئے عظیم عذر ہے جیسے حضرت عمر بن الفارض اور آپ جیسے دوسرے حضرات رضی اللہ عنہم۔

جب کہ حضرت خضر علیہ السلام کی معیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں علماء شریعت اور علماء حقیقت کے لئے عذر عظیم کا دروازہ ہے۔ گرچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جو کچھ واقع ہوا وہ آپ پر حضرت خضر علیہ السلام کی لگائی ہوئی شرط کو بھول جانے کی وجہ سے تھا۔ کیونکہ اس واقعہ میں عذر قائم کیا گیا ہے اس کے لئے جو انکار کرے، اور اس کے لئے جس پر انکار کیا جائے گویا اہل طریقت کی شان یہ ہے کہ ان پر جو انکار کرے اس کے خلاف دلائل قائم نہ کریں کہ وہ جانتے کہ ایسا شخص ان کے طریقے سے حجاب میں ہے۔ یہ حضرات تو اسے اسی طرح جواب دیتے ہیں جس طرح کہ خضر علیہ السلام نے فرمایا: هذا فراق بيني و بينك (الكهف) اور اگر اہل اللہ انکار کرنے والوں پر حجت قائم فرماتے تو کر سکتے تھے کہ وہ نور مبین پر ہیں۔

تو اے بھائی! یہ گمان مت کر کہ وہ حجت قائم کرنے سے عاجز ہیں۔ اور انہیں عدم بصیرت کی طرف منسوب نہ کر۔

حضرت موسیٰ وخضر علیہما السلام کے واقعہ کی وضاحت

اور حضرت خضر علیہ السلام کی معیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کی وضاحت اسی طرح ہے جیسے حضرت علی بن وفا نے اپنی کتاب الوصایا میں بیان کی۔ کہ اس واقعہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تعلیم دی گئی ہے کہ اولیاء اللہ علوم لدنیہ میں سے جو کچھ ذکر فرماتے ہیں اسے ان کے لئے باطنی طور پر تسلیم کرلیں۔ پھر اس تسلیم کے بعد اگر شریعت تجھ سے ان کی کلام یا ان کے احوال میں سے کسی چیز پر انکار کا تقاضا کرے تو تجھے ظاہر میں اس کے انکار کا حق ہے۔ لیکن معلوم کرنے اور سمجھنے کے لئے نہ کسی اور مقصد کے لئے۔ اس خطرے کے پیش نظر کہ کہیں اس مسئلہ میں وہ شخص ان سے مشابہت اختیار کرے جو کہ ان کے مرتبے میں نہیں ہے۔ ورنہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان مقاصد کی وجہ سے جو حضرت خضر نے ظاہر کئے آپ سے رک جانے کا حق نہیں تھا۔ کیونکہ ایسے عذروں کی بنا پر ظاہر شرع کا مطالبہ ساقط نہیں ہوجاتا تو جو کسی قوم کی کشتی ان کی اجازت کے بغیر توڑ دے اور کہے کہ میں نے اسے اس لئے توڑا ہے کہ کوئی ظالم اسے چھین نہ لے۔ تو ظاہر میں اس سے مطالبہ ساقط نہیں ہوتا۔

اور جو کسی بچے کو قتل کردے اور کہے کہ مجھے خطرہ تھا کہ کہیں اپنے والدین کو سرکشی اور کفر پر مجبور کردے تو اس سے بھی ظاہر شرع میں مطالبہ ساقط نہیں ہوتا۔

نیز فرمایا کہ ولی کا یہ کہنا کہ یہ کام میں نے اپنے طور پر نہیں کئے۔ ایسے اعمال کے لئے ظاہر شرع میں دلیل جواز نہیں بنتا۔ گرچہ اس کی ولایت ثابت ہو۔ کیونکہ وہ رسول نہیں ہے۔ پس معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے جو انکار واقع ہوا وہ صرف شرع ظاہر کے نظام کی حفاظت کے لئے تھا اس خطرے کے پیش نظر کہ کہیں لوگ خضر علیہ السلام کی پیروی کی جانے لگے۔ اس کے سوا کچھ نہیں۔ پھر آخر میں آپ انکار سے رک گئے اللہ تعالیٰ کے خاص اولیاء میں اللہ تعالیٰ کے امر کی رعایت کرتے ہوئے اور ہر اس شخص کی نصیحت کے لئے جو دل بینا رکھتا ہو یا کلام الٰہی کو کان لگا کر توجہ سے سنتا ہو۔ اور اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معلوم ہوا کہ بیشک اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے ہیں جنہیں اس نے وہبی علوم بیان کرنے پر قائم فرمایا ہے اور یہ کہ ان دونوں میں سے کسی کو دوسرے پر اعتراض کا حق نہیں۔ اور نہ اس کا کہ اس کے بارے میں اس سے جھگڑے جس میں وہ قائم کیا گیا ہے گرچہ معترض کا مرتبہ بلند ہو۔ اسے سمجھو۔

(اقول وباللہ التوفیق۔ مندرجہ بالا وضاحت اس قول پر ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام ولی ہیں۔ جبکہ معتمد اور ارجح قول یہ ہے کہ آپ پیغمبر ہیں۔ چنانچہ خاتمۃ الفقہاء والمحدثین۔ الشیخ احمد شہاب الدین بن حجر الھیتمی المکی رحمۃ اللہ علیہ کے فتاوی حدیثیہ ص ۱۵۳ پر ہے۔ المعتمد حیاتہما ونبوتہما وانہما خصا بذالک فی الارض کما خص ادریس وعیسٰی صلی اللہ علیہما وسلم ببقائہما حیین فی السماء۔ قول معتمد ان کی یعنی خضر اور الیاس کی حیات ونبوت ہے اور یہ دونوں حضرات زمین میں اس کے ساتھ مخصوص کئے گئے جس طرح حضرت ادریس وعیسٰی علیہما السلام حیات ظاہری کے ساتھ آسمان میں باقی رہنے کے ساتھ مخصوص ہیں۔

اسی طرح امام اہل سنت مجدد الملت مولانا الامام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ کا اشارہ بھی اسی طرف ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

رشحۂ زاں نور بر خضر اوفتاد   تاکلیم اللہ را شد اوستاد

اور بر ظاہر کہ غیر نبی کسی نبی کا استاد نہیں ہوسکتا۔ نیز نور العرفان حاشیہ کنز الایمان ص ۴۷۹ پر حکیم الامت مفتی احمد یار خاں گجراتی فرماتے

ہیں'' آپ (یعنی خضر علیہ السلام) ان چار پیغمبروں میں سے ہیں جو قیامت تک زندہ رہیں گے۔ دو زمین پر حضرت خضر و الیاس۔ دو آسمان پر حضرت ادریس و عیسیٰ علیہم السلام۔ اور اسے آپ نے روح البیان کے حوالے سے نقل فرمایا ہے۔ محمد محفوظ الحق غفرلہٗ ولوالدیہ ولاولادہ)

تمام علوم تین ہیں

اور مخفی نہ رہے کہ تمام علوم تین ہیں۔ علم العقل۔ علم الاحوال۔ اور علم الاسرار۔

علم العقل:

ہر وہ ضروری بدیہی علم ہے یا دلیل میں غور و فکر کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ اس کی شرط اس دلیل کی وجہ پر واقف ہونا ہے۔ اور اس علم کی علامت یہ ہے کہ جب بھی تو اس کی عبارت پھیلائے اس میں حسن پیدا ہوتا ہے۔ اور سمجھدار سامع اس کا معنی سمجھتا ہے اور حلاوت محسوس کرتا ہے۔

علم الاحوال:

رہا علم الاحوال تو اس کی طرف سوائے ذوق کے کوئی راہ نہیں۔ اور کوئی عقلمند اس کے وجدان اور معرفت پر قطعاً قدرت نہیں رکھتا۔ جیسے شہد کے شیریں ہونے۔ ایلوا کے تلخ ہونے اور لذت جماع وغیرہ کا علم۔ اور یہ علم، علم الاسرار اور علم العقل کے درمیان ہے۔ اور اسے ماننے والے اکثر اہل تجربہ ہیں۔ اور یہ علم عقل نظری کی بہ نسبت علم الاسرار کے زیادہ قریب ہے۔ تو جب یہ کسی غیر معصوم کی طرف سے آئے تو اس سے صرف اذواق سلیمہ والے ہی لذت حاصل کرتے ہیں۔ اور کسب کئے ہوئے علم کی علامت یہ ہے کہ میزان عقول میں داخل ہو جائے۔ اور علم وہبی کی علامت یہ ہے کہ عقلوں کی میزان ان کے افکار کی حیثیت سے اسے قبول نہ کرے۔ بلکہ غالب طور پر اسے ناپسند کرے۔

علم الاسرار:

رہا علم الاسرار تو یہ وہ علم ہے جو کہ عقل کی حد سے بالا ہے۔ اسی لئے اس علم والے کی طرف انکار تیزی سے آتا ہے۔ کیونکہ یہ الہام کے طریق سے حاصل ہوتا ہے جس کے سامنے نبی اور ولی خاص ہیں۔ اور اس کی علامت یہ ہے کہ جب اسے عبارت میں لایا جائے تو قبیح نظر آئے اور افہام پر اس کا سمجھنا بعید ہو جائے۔ اور اکثر کمزور یا متعصب عقلیں جو کہ غور و فکر اور بحث کو پورا حق نہیں دیتیں اسے پھینک دیتی ہیں۔ اسی وجہ سے جو شخص کسی دوسرے کو یہ علم سمجھانا چاہے تو وہ کمزور افہام تک یہ علم مثالوں اور مخاطبات شعریہ کے بغیر نہیں پہنچا سکتا۔ اور کاملین کے اکثر علوم اسی قبیل سے ہیں۔

عارفوں کے مختلف اوقات

اور شیخ محی الدین العربی فرماتے ہیں کہ عارفین کی شان ہے کہ اگر وہ غلبۂ حال میں ہوں تو نصوص کے ساتھ جواب دیتے ہیں۔ اور اگر مقام میں ہوں تو تجھے دلائل ظاہرہ کے ساتھ جواب دیتے ہیں۔ پس وہ اپنے اوقات کے مطابق ہوتے ہیں۔
پس تیرے لئے ظاہر ہو گیا کہ علوم اسرار غور و فکر کے ساتھ حاصل نہیں کئے جا سکتے۔ وہ تو مشاہدہ یا الہام صحیح یا ان طرق جیسے اسباب سے حاصل ہوتے ہیں۔ اور یہاں سے تجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کا فائدہ معلوم ہو جائے گا کہ اگر میری امت میں

محدث ہے تو وہ عمر ہے۔ اسے شیخ محی الدین نے اپنے اس رسالہ میں ذکر کیا جو آپ نے شیخ فخر الدین [illegible] رحمۃ اللہ [illegible] کی طرف [illegible]۔ جس کے تین اجزاء ہیں۔

پھر اگر فرض کرلیں کہ عالم موجودات میں اہل اللہ تعالیٰ پر انکار واقع نہیں ہوا اور سب لوگ مقبول [illegible] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول فائدہ نہ دیتا کہ میں نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دو برتن محفوظ کئے۔ ان میں سے ایک میں نے تقسیم کر دیا۔ رہا دوسرا تو اگر اسے تقسیم کروں تو میری یہ رگ کاٹ دی جائے۔ اور اسی طرح حضرت ابن عباس کا یہ قول فائدہ نہ دیتا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد "یتنزل الامر بینھن" (الطلاق آیت ۱۲) کی تفسیر جو مجھے معلوم ہے اگر تمہارے لئے ذکر کروں تو تم مجھے سنگسار کر دو یا تم کہو کہ یہ کافر ہے۔

امام زین العابدین علی بن الحسین رضی اللہ عنہما کا ارشاد

اور کتاب الاحیاء میں امام غزالی نے اور دیگر حضرات نے امام زین العابدین علی بن الحسین رضی اللہ عنہ سے نقل فرمایا کہ آپ نے کہا اے میرے پروردگار! اگر میں جوہر علم کو ظاہر کردوں تو مجھے کہا جائے گا کہ تو بت پرستوں سے ہے۔ اور مسلمان میرا خون حلال قرار دیں۔ اور اپنے کئے ہوئے بُرے کام کو اچھا سمجھیں۔

امام غزالی فرماتے ہیں کہ اس علم سے مراد جس کی وجہ سے آپ کا خون حلال قرار دیں وہ علم لدنی ہے جو کہ علم الاسرار ہے نہ یہ کہ خلفاء میں سے کون متولی ہوا اور کون معزول۔ جیسا کہ بعض نے کہا ہے کیونکہ علماء شریعت ایسوں کا خون حلال قرار نہیں دیتے نہ ہی اسے کہتے ہیں کہ تو بت پرست ہے۔ انتہی۔ اس فصل میں غور کر تیرے لئے نفع بخش ہے اللہ تعالیٰ تیری ہدایت کا وارث ہے۔

چوتھی فصل

علم کلام میں تبحر کے لئے ضروری قواعد وضوابط کا بیان

جان لے۔ اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم فرمائے کہ علماء اسلام نے عقائد کی کتابیں اس لئے تصنیف نہیں فرمائیں تاکہ اپنے نفسوں میں علم باللہ تعالیٰ کو ثابت کریں۔ بلکہ ان مخالفین کے رد کے لئے لکھی ہیں جنہوں نے معبود یا صفات یا رسالت یا خصوصیت کے ساتھ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت یا موت کے بعد ان اسلام میں لوٹائے جانے جیسے مسائل کا انکار کیا جو کہ صرف کافر سے ہی صادر ہوتا ہے۔
پس علماء اسلام نے ان لوگوں نے خلاف دلائل قائم کرنے کی مانگ کی تاکہ یہ لوگ ان حقائق پر ایمان کے واجب ہونے کے اعتقاد کی طرف لوٹیں۔ اور کوئی مقصد نہیں۔ اور ان لوگوں کو تلوار کے ساتھ قتل کرنے میں جلدی صرف ان پر رحم کرتے ہوئے نہیں فرمائی۔ اور اس امید پر کہ یہ لوگ حق کی طرف لوٹ آئیں۔ تو ان کے نزدیک دلیل اس معجزہ کی طرح ہے جس کے ساتھ وہ دین اسلام کی طرف چلتے ہیں۔ اور یہ تو معلوم ہے کہ برہان کے ساتھ رجوع کرنے والا ایمان میں اس سے زیادہ درست ہے جو کہ تلوار کی وجہ سے رجوع کرتا ہے۔
کیونکہ خوف کبھی خائف کو نفاق پر ابھارتا ہے جبکہ صاحب برہان ایسا نہیں ہوتا۔ اسی لئے جوہر وعرض کا علم وضع کیا گیا اور اس میں علماء نے تفصیل سے کلام فرمایا ہے۔ اور ایک شہر میں ان لوگوں میں سے ایک ہی کافی ہے اور شیخ محی الدین نے فتوحات کی ابتداء میں اس بارے میں طویل کلام فرمایا ہے۔

قرآن پاک کی قطعیت پر اعتقاد کا تقاضا ۔ اللہ تعالیٰ بے مثل ہے

پھر آپ نے فرمایا: اور مخفی نہ ہے کہ جب کوئی شخص قرآن پاک پر قطعی ایمان رکھتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے تو اس پر واجب ہے کہ وہ اپنا عقیدہ کسی تاویل اور شرع سے خالی عقلی دلائل کی طرف بھرے بغیر اسی سے حاصل کرے۔ کیونکہ قرآن کریم قطعی سمعی عقلی دلیل ہے۔ پس اللہ سبحانہ تعالیٰ نے ثابت فرمایا ہے کہ وہ اس سے منزہ ہے کہ مخلوقات میں سے کوئی شے اس کے مشابہہ ہو یا وہ خود ان میں سے کسی شے کے مشابہ ہو۔ چنانچہ فرمایا۔ لیس کمثله شئی و هو السمیع البصیر۔ (الشوریٰ آیت ۱۱) یعنی اس کی مانند کوئی چیز نہیں ہے اور وہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔ نیز فرمایا: سبحان ربك رب العزة عمایصفون (الصافات آیت ۱۸۰) آپ کا رب جو عزت کا مالک ہے ان غیر مناسب باتوں سے پاک ہے جو وہ کیا کرتے ہیں۔ اور ان جیسی اور آیات۔

ایمان والوں کے لئے قیامت میں رویت باری تعالیٰ

اور اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کے لئے اپنی رؤیت آخرت میں ثابت فرمائی ہے۔ چنانچہ فرمایا وجوه یومئذ ناضرة الی ربها ناظره (القیامہ آیت ۲۲، ۲۳) کئی چہرے اس روز تروتازہ ہوں گے اپنے رب (کے انوار جمال) کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔ اور کفار کے متعلق اللہ تعالیٰ کے قول کے مفہوم سے ثابت ہے چنانچہ فرمایا کلا انهم عن ربهم یومئذ لمحجوبون (المطففین آیت ۱۵) یعنی وہ لوگ اس دن اپنے رب کے دیدار سے روک دیئے جائیں گے۔ تو اس سے یہ دلیل ملی کہ ایمان والے اسے دیکھیں گے اور اس سے روکے نہیں جائیں گے۔

چند ایک ثابت فرمودہ حقائق

اللہ تعالیٰ کا احاطہ نہیں ہوسکتا

اور اس نے نفی احاطہ اس قول میں ثابت فرمائی لا تدرکه الابصار (الانعام آیت ۱۰۴) اسے نظریں گھیر نہیں سکتیں۔ اور اس ارشاد کے ساتھ انه بکل شئی محیط (حم السجدہ آیت ۵۴) یا درکھو وہ ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔

اللہ تعالیٰ قادر ہے

وهو علی کل شئی قدیر (التغابن آیت ۱) اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اللہ تعالیٰ ہر چیز کا عالم ہے

احاط بکل شئی علما (الطلاق آیت ۱۲) اس نے ہر چیز کا علم کے ساتھ احاطہ کر رکھا ہے۔

وہ خیر وشر کا ارادہ فرمانے والا ہے

قال اللہ سبحانہ تعالیٰ فعال لما یرید (البروج آیت ۱۶) جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے۔

نیز فرمایا: یضل من یشاء ویهدی من یشاء (فاطر آیت ۸) اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ فرماتا ہے اور جسے چاہتا ہے، ہدایت عطا فرماتا ہے۔

اپنی مخلوق کی سننے والا ہے

قال اللہ سبحانہ وتعالیٰ قدسمع الله قول التی تجادلك فی زوجها (المجادلہ آیت ۱) بیشک اللہ تعالیٰ نے اس کی بات سن لی جو آپ کے ساتھ اپنے شوہر کے بارے میں تکرار کر رہی تھی۔

اپنے بندوں کے اعمال دیکھ رہا ہے

قال اللہ تعالیٰ والله بما تعملون بصیر (التغابن آیت ۲) اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال دیکھ رہا ہے۔

نیز فرمایا: الم یعلم بان الله یری (العلق آیت ۱۴) کیا نہیں جانتا کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔

وہ کلام فرمانے والا ہے

وکلم الله موسی تکلیما (النساء آیت ۱۶۴) اور اللہ تعالیٰ نے موسٰی سے کلام فرمایا۔

اللہ تعالیٰ حیّ ہے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: الله لا اله الا هو الحی القیوم (البقرۃ آیت ۲۵۵) اللہ وہ ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ زندہ ہے۔ زندہ رکھنے والا ہے۔

رسل علیہم السلام کی رسالت

قال اللہ سبحانہ وتعالیٰ وما ارسلنا من قبلك الارجالا نوحی الیهم من اهل القری (یوسف آیت ۱۰۹) اور ہم نے آپ سے پہلے مرد ہی رسول بنا کر بھیجے جن کی طرف ہم نے وحی بھیجی بستی والوں سے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت

ارشاد فرمایا: محمد رسول الله (الفتح آیت ۲۹) (حضرت) محمد اللہ کے رسول ہیں۔

بعثت میں آپ آخری نبی ہیں

قال اللہ سبحانہ وتعالیٰ وخاتم النبیین (الاحزاب آیت ۴۰) آپ خاتم النبیین ہیں۔

ماسوا سب اس کی مخلوق ہے

قال اللہ سبحانہ وتعالیٰ الله خالق کل شیء (الرعد آیت ۱۶) اللہ ہر چیز کا خالق ہے۔

جنات

قال اللہ سبحانہ وتعالیٰ وما خلقت الجن والانس الالیعبدون (الذاریات آیت ۵۶) اور میں نے جن اور انسان کو نہیں پیدا کیا مگر اس لئے کہ میری عبادت کریں۔

جن جنت میں جائیں گے

قال اللہ سبحانہ وتعالیٰ لم لطمثهن انس قبلهم ولا جان (الرحمٰن آیت ۵۶) انہیں ان سے پہلے کسی انسان نے چھوا ہوگا نہ جن نے۔

جسموں کا اٹھایا جانا

قال اللہ سبحانہ وتعالیٰ اذا بعثر مافی القبور (العادیات آیت ۹) جب نکالا جائے گا جو کچھ قبروں میں ہے۔
اسی قسم کے دوسرے دلائل صحیحہ جو کہ کتب عقائد میں موجود ہیں۔ جیسے قضاء وقدر۔ میزان۔ حوض۔ صراط۔ حساب۔ اعمال ناموں کی تقسیم اور جنت وجہنم کی تخلیق۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: مافرطنا فی الکتاب من شیء (الانعام آیت ۳۸) ہم نے کتاب میں کسی چیز کو نظر انداز نہیں کیا۔

اثبات معجزۂ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ اللہ تعالیٰ نے کتاب عزیز کے اس ارشاد میں ثابت فرمایا: قل فاتوا بسورة مثله (یونس آیت ۳۸) آپ فرمایئے پھر تم بھی اس جیسی ایک سورت لے آؤ۔ پس قرآن کریم سارے کا سارا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ ہے۔

شیخ محی الدین فرماتے ہیں کہ معلوم ہوا کہ ایک مسلمان کو نہیں چاہیئے کہ اپنے رب کی ان حدود کو بھول جائے جن کی اس نے اس دنیا میں ذمہ داری سونپی ہے اور اپنی عمر کا غالب حصہ ان مخالفین کے رد میں مشغول کر دے جن کا اس کے شہروں میں کوئی ایک فرد بھی نہیں پایا جاتا۔ اور ایسے شبہات کے دفعیہ میں مصروف ہو کہ ممکن ہے کہ ہوں ہی نہیں۔ پھر اس تقدیر پر کہ ان کا وجود ہے تو شریعت کی تلوار زیادہ شدید اور زیادہ روکنے والی ہے۔

اور صحیح حدیث پاک میں ہے کہ مجھے لوگوں کے ساتھ لڑنے کا حکم ہے یہاں تک کہ وہ لا اله الا الله کہیں اور مجھ پر اور جو کچھ میں لے کر آیا ہوں اس پر ایمان لے آئیں۔ اور جب ایسے لوگ موجود ہوں تو آپ نے ہمیں ان سے جھگڑنے کی طرف نہیں دھکیلا۔ اگر وہ حق کو چھوڑ کر اس کی مخالفت کریں تو وہاں صرف جہاد بالسیف کا حکم ہے۔

شیخ نے فرمایا کہ آج لوگوں کی عام طور پر یہی مصروفیت ہے۔ انہوں نے اپنی عمریں موہوم یا موجود مخالفین کے رد میں بسر کر دیں لیکن لازم مذہب کے ساتھ اور راجح قول کے مطابق یہ مذہب نہیں ہے۔ اور ایسی صورت میں کلام کرنے والے کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے غیر کے ساتھ مصروف گفتگو ہے حالانکہ وہ تو صرف اپنے ساتھ گفتگو کر رہا ہے تو معلوم ہوا کہ سلف رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کتب کلام صرف ان مخالفین کو روکنے کے تصنیف فرمائیں جو ان کے زمانے میں موجود تھے جیسے کہ گزر چکا۔ پس اللہ تعالیٰ انہیں ان کے قصد پر نفع بخشے۔

آج کی ضرورت

فرمایا: عقلمند وہ ہے جو آج علوم شرعیہ میں مشغول ہوا۔ کیونکہ ان میں علم کلام کی طرف کوئی حاجت نہیں کہ دین انہیں علوم کے ساتھ قائم ہے۔ اور اگر ایک انسان فوت ہوا جبکہ وہ جوہر اور عرض پر گفتگو سے ناسا نہیں تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے ان کے

متعلق نہیں پوچھے گا۔ پھر اگر کسی مخالف کے رد کی انسان کو ضرورت پیش آ جائے جو اس کے علاقے میں پیدا ہوا۔ مثلاً وہ شرائع کا منکر ہے تو ہم پر واجب ہوگا کہ اس کے مذہب کے رد میں غور و فکر مرکوز کریں۔ لیکن شرع کی بجائے امور عقلیہ کے ساتھ اس پر دلائل قائم کریں۔ مثلاً جیسے برہمی اس لئے کہ وہ اپنے اجنبی مذہب جو اس نے اختیار کیا ہے کے ابطال پر دلیل شرع قبول نہیں کرتا جو کہ شریعت میں عیب نکالتا ہے۔ اس لئے کہ ہمارے اور اس کے درمیان شریعت ہی محل نزاع ہے۔ پس وہ اسے ثابت نہیں کرے گی۔ اسی لئے ہم نے کہا ہے کہ اس کا علاج صرف نظر عقلی کے ساتھ ہے۔ پس ہم اس کا علاج مثلاً اپنے ایسے قول سے کریں گے کہ اس مسئلہ میں اپنی عقل سے سوچ اور غور و فکر درست کر۔ انتہی۔

تحفظ عقیدہ کے لئے دستور العمل

اور ہم نے جو کچھ ذکر کیا اس سے تجھ پر ظاہر ہو گیا کہ جو شخص شبہات و ضلالات سے اپنے عقیدے کی حفاظت چاہتا ہے تو اسے چاہئے کہ اسے قرآن عظیم سے حاصل کرے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا کیونکہ وہ متواتر قطعی معصوم ہے بخلاف اس کے جو اپنا عقیدہ شرع یا کشف کی مدد کے بغیر صرف فکر و نظر کے طریقے سے حاصل کرتا ہے۔

اور اے بھائی! غور کر کہ جب ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہود نے کہا کہ ہمارے سامنے اپنے رب کا نسب بیان کیجئے۔ تو آپ نے کس طرح ان پر سورۃ قل هو الله احد تلاوت فرمائی۔ اور ان کے لئے فکری دلائل میں سے ایک دلیل بھی قائم نہیں کی۔

سورۃ اخلاص سے اثبات عقیدہ

پس اللہ تعالیٰ کے ارشاد هو الله احد نے احد کے لئے وجود ثابت کیا اور عدد کی نفی کی۔ اور اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہ کے لئے وحدانیت ثابت کی۔

الله الصمد نے جسمانیت کی نفی کی۔ جبکہ لم يلد و لم يولد نے والد اور اولاد کی نفی کر دی اور و لم يكن له كفوا احد نے بیوی اور شریک کی نفی کی۔

تو کیا دلیل عقلی والا ان معانی کے دلیل قطعی کے ساتھ ثابت ہونے کے بعد ان کی صحت پر برہان عقلی طلب کرے گا؟ یہ تو بہت بڑی جہالت ہے۔

کیسی عجیب حالت ہے اس کی کہ جو کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت دلیل کی حیثیت سے طلب کرتا ہے اور جو اس میں غور نہ کرے اسے کافر کہتا ہے۔ غور و فکر سے پہلے اور غور و فکر کے وقت اس کی اپنی حالت کیا ہوگی۔ کیا مومن ہے یا نہیں۔ اور کیا اس کے نزدیک ثابت ہوگا کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں یا نہیں؟ کیا وہ ایسی صورت میں نماز اور روزہ ادا کرتا یا نہیں۔ تو اگر وہ ان تمام امور کا معتقد ہوگا تو یہی حالت عوام کی ہے۔ تو چاہئے کہ انہیں ان کی حالت پر چھوڑ دے اور ان میں سے کسی کی تکفیر نہ کرے اور اگر وہ ان امور کا علم کلام میں نظر اور اس میں مشغولیت کے بعد ہی معتقد ہوا تو ہم اس مذہب سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتے ہیں۔ کہ بری سوچ نے اسے ایمان سے خارج ہونے تک پہنچا دیا۔

فرق اسلامیہ کے رد کا مسئلہ

اور شیخ محی الدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اہل اللہ کے شایان نہیں کہ اسلامی فرقوں میں سے کسی کے رد کے در پے ہوں مگر جب وہ نصوص کی مخالفت کریں یا اجماع کی خلاف ورزی کریں۔ تو جو ان میں سے کسی ایک کے رد کے در پے ہوا تو اس سے بے خوف نہیں ہو سکتا کہ وہ ان پر کسی ایسے امر کا انکار کرے جو نفس الامر میں حق ہو۔ کیونکہ اہل اسلام جب تک دائرہ اسلام میں رہیں حق کا ہی عقیدہ رکھیں گے یا جس میں حق کا شبہ ہو۔ بخلاف اس کے جو اسلام سے خارج ہو گیا۔ انتہی۔

عقائد اہل اسلام کا احترام

فتوحات کے ۳۰ ویں باب میں فرمایا کہ اہل اللہ کی شان ہے کہ وہ مسلمانوں میں سے کسی کے عقائد پر جرح نہیں کرتے۔ ان کا کام تو اعتقادات کے مصادر سے بحث کرنا ہے کہ انہیں پہنچان ہو کہ اس مذہب والوں نے اسے کہاں سے لیا ہے؟ اور کس تجلی سے انہیں ان اعتقادات تک رسائی ہوئی؟ اور کیا اس سے ان کی سعادت میں اثر ہوتا ہے یا نہیں؟ علم کلام میں بحث سے ان کا یہی حصہ ہے۔ تو معلوم ہوا کہ تمام ارباب شریعت کے اجماع کے مطابق عوام کے عقائد صحیح اور شبہات سے بچے ہوئے ہیں جو کہ متکلمین کو لاحق ہوتے ہیں۔ اور وہ دین اسلام کے قواعد پر قائم ہیں گرچہ انہوں نے کتب کلام کا مطالعہ نہیں کیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں فطرت اسلامیہ کی وجہ سے عقیدے کی صحت پر باقی رکھا یا تو متشرع باپ کی تلقین کی وجہ سے یا الہام صحیح کی بدولت۔ اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی تنزیہہ کے متعلق اسی معرفت و تنزیہہ کے حکم پر ہیں جو کہ ظاہر کتاب وسنت اور اقوال ائمہ میں وارد ہے۔ اور وہ اپنے عقائد کے بارے میں درست ہیں جب تک کہ ان میں سے کوئی تاویل کی راہ اختیار نہ کرے۔ اس لئے کہ تاویل کبھی شارع کی مراد نہیں ہوتی۔ اور اگر ان میں سے کوئی آیات و احادیث کی تاویل کی راہ چلا تو وہ اس میں عوام کے حکم سے نکل گیا۔ اور فکر و تاویل والوں کے ساتھ لاحق ہو گیا۔ اور اپنی تاویل و علم کے مطابق اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہوگا۔ رستگار ہوگا یا اس حوالے سے خطا کار کہ شریعت مطہرہ کے ظاہری دلائل کے خلاف ہے۔ پس اس میں غور کر اس لئے کہ یہ نفیس ہے۔

مسائل ایمان میں تقلید اور اس کی تصویر

اور ہمارے شیخ المشائخ شیخ کمال الدین بن الہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مسائل ایمان میں تقلید کی تصویر بہت مشکل ہے۔ پس قلیل ہے کہ تو کسی کو ایمان باللہ تعالیٰ میں دلیل کے بغیر مقلد پائے حتیٰ کہ عوام بھی پس بیشک بازاروں میں ان کی گفتگو حق تبارک وتعالیٰ کے وجود اور اس کی صفات پر استدلال بالحوادث سے معمور ہوتی ہے۔

اور صورت تقلید یہ ہے کہ لوگوں کو کہتے ہوئے سنتا ہے کہ مخلوق کا رب ہے جس نے انہیں اور ہر چیز کو پیدا کیا۔ وہ عبادت کا مستحق ہے۔ وحدہ لاشریک لہ ہے۔ پس سننے والا اس کا یقین کر لیتا ہے کیونکہ وہ ان کے متعلق حسن ظن اور خطا سے ان کی شان بلند جانتے ہوئے ان لوگوں کے ادراک کی صحت کا یقین رکھتا ہے۔ تو جب اسے یقین حاصل ہو جاتا ہے تو اس کے ساتھ اس کی نقیض واقع ہونے کو جائز قرار نہیں دیتا۔ پس اس نے ایمان سے جو کچھ واجب تھا اس کا اہتمام کر لیا اور استدلال سے مقصود اسی یقین کا حصول ہے۔ تو اب اس سے

جس واجب کا اہتمام مقصود تھا وہ حاصل ہو گیا۔

اور ہمارے شیخ المشائخ کمال الدین ابن ابی شریف نے فرمایا کہ اس تعلیل کا تقاضا یہ ہے کہ عدم استدلال کی وجہ سے وہ نافرمان نہ ہو۔ کیونکہ اس کا وجوب اسی کو حاصل کرنے کے لئے تھا۔ تو جب وہ حاصل ہو گیا وہ وجوب گر گیا مگر تقلید شبہہ پیش آنے کی وجہ سے وقوع تردد کے نشانے پر ہے۔ بخلاف استدلال کے کیونکہ اس میں اس کی اس تردد سے حفاظت رہتی ہے۔ انتہی۔

شیخ ابوالحسن الاشعری کی وصیت

اور شیخ ابوطاہر القزدینی نے اپنی کتاب سراج العقول میں شیخ ابوالحسن الاشعری رحمۃ اللہ علیہ کے جلیل القدر مرید احمد بن زاہر السرخسی سے نقل کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب شیخ ابوالحسن الاشعری کی وفات کا وقت قریب آیا جبکہ آپ بغداد میں میرے گھر میں تھے مجھے فرمایا کہ میرے مریدوں کو جمع کرو۔ پس میں نے انہیں جمع کیا تو آپ نے ہمیں فرمایا کہ گواہ رہو کہ میں عوام اہل قبلہ کی تکفیر کا قائل نہیں ہوں۔ کیونکہ میں نے ان سب کو ایک ہی معبود کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پایا اور اسلام ان سب کو عمومی طور پر شامل ہے۔ انتہی

شیخ ابوطاہر فرماتے ہیں دیکھو آپ نے کس طرح ان سب کو مسلمان کا نام دیا۔ اور امام ابوالقاسم القشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس نے شیخ ابوالحسن الاشعری سے نقل کیا کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ مقلد کا ایمان صحیح نہیں اس نے جھوٹ بولا کیونکہ ایسے امام عظیم سے بعید ہے کہ مسلمانوں کے عام عقائد پر ایسی جرح کرے جس کی وجہ سے وہ کافر قرار پائیں اور اس کے ہوتے ہوئے ان کا ایمان صحیح نہ ہو۔

امام اشعری کے ایمان مقلد کے متعلق فتویٰ کی وضاحت

اور شیخ تاج الدین السبکی نے فرمایا کہ اس مسئلہ میں امام اشعری پر طعن و تشنیع روکنے والی تحقیق یہ ہے کہ مقلد اگر دوسرے کے قول کو حجت کے بغیر شک یا وہم کے احتمال کے ہوتے ہوئے قبول کرتا ہے تو اس مقلد کا ایمان کافی نہیں کہ اس پر یقین نہیں کیونکہ ادنیٰ تردد کے ہوتے ہوئے بھی ایمان حاصل نہیں ہوتا۔ اور اگر مقلد دوسرے کے قول کو حجت کے بغیر قبول کرتا ہے لیکن پورے یقین کے ساتھ تو اشعری وغیرہ کے نزدیک اس کا ایمان کافی ہے۔ جلال الدین المحلی فرماتے ہیں کہ یہی قول معتمد ہے۔ انتہی۔

علم کلام سے وابستگی کی مذمت کا تحقیقی جائزہ

شیخ سعد الدین تفتازانی وغیرہ نے فرمایا کہ علم کلام میں مشغولیت کی مذمت کے مسئلہ میں تحقیق یہ ہے کہ متکلمین کے طریقے پر اس میں غور و خوض کرنا کہ دلائل کی تحریر و تدقیق اور ان سے شکوک و اعتراضات دور کرنا ان لوگوں کے حق میں فرض کفایہ ہے جو اس کے اہل ہیں۔ تو بعض کا اس امر کا اہتمام کرنا کافی ہے۔ رہے وہ جو اس کے اہل نہیں ہیں۔ خطرہ ہے کہ اس علم میں پڑ کر گمراہ کن شبہات میں گر جائیں تو ایسوں کو اس میں مصروف ہونے کی اجازت نہیں ہے۔

جلال محلی فرماتے ہیں کہ امام شافعی اور دیگر اسلاف کے علم کلام میں مصروف ہونے سے روکنے کی یہی وجہ ہے۔ انتہی

شیخ محی الدین بن عربی فرماتے ہیں کہ علم کلام میں مصروفیت سے روکنے کا مقام صرف اس کے بارے میں ہے جو کہ اس میں نظر و فکر کے ساتھ کلام کرتا ہے کیونکہ الہیات میں فکر، کثیر الخطا ہے۔ البتہ جو شخص توحید اور اس کے لوازمات میں کشف کے طریق سے بات کرتا ہے

تو وہ سلف کی نہی میں داخل نہیں ۔ کیونکہ صاحب کشف کی شان ہے کہ وہ امور پر اس حیثیت سے کلام کرتا ہے جس پر وہ فی نفسہا ہیں ۔ پس وہ خطا نہیں کرتا ۔ انتہی ۔

امام شعرانی فرماتے ہیں کہ یہی وجہ ہے کہ میں نے ان عقائد کی مضبوطی خصوصیت کے ساتھ اہل کشف کی کلام سے کی ہے ۔ فکری نظر کے ساتھ نہیں ۔ خصوصاً کلام شیخ محی الدین رضی اللہ عنہ کے ساتھ ۔ آپ نے فتوحات مکیہ ۳۶۶ ویں باب میں فرمایا ہے کہ میں اپنی مجالس اور تالیفات میں جو گفتگو کرتا ہوں وہ سب کی سب دربار قرآن عظیم سے ہے کیونکہ مجھے اس میں علم کی کنجیاں عطا کی گئیں ہیں تو میں علوم میں سے کسی علم کے متعلق کبھی مدد نہیں لیتا مگر وہیں سے ۔ یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ میں حق تعالیٰ کی اس کے کلام یا اس کے کلام کے ضمن میں جو کچھ ہے کی مناجات کے ساتھ اس کی ہم نشینی سے باہر نہ نکلوں ۔

علوم روحانی خطا سے محفوظ

اور آپ نے فتوحات میں اذان کے بارے میں کلام کرتے ہوئے فرمایا: جان لو کہ بحمد اللہ تعالیٰ میں نے اپنی اس کتاب میں اور نہ ہی کسی دوسری کتاب میں غیر مشروع امر کی تقریر نہیں کی اور میں اپنی تصانیف میں کتاب وسنت سے باہر نہیں نکلا ۔

اور ۳۶۶ ویں باب میں فرماتے ہیں کہ میں جو کچھ اپنی تصانیف میں لکھتا ہوں وہ فکر ورویت سے نہیں وہ تو القاء ہے جو الہام کے فرشتے کی طرف سے میرے دل میں ڈالا جاتا ہے ۔

اور ۳۶۷ ویں باب میں فرماتے ہیں کہ بحمد اللہ تعالیٰ میرے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا کسی کی تقلید نہیں ہے ۔ پس ہمارے تمام علوم غلطی سے محفوظ ہیں ۔

اور فتوحات کے دسویں باب میں فرماتے ہیں: ہم بحمد اللہ جو کچھ بھی کہتے ہیں اس سب میں صرف اسی پر اعتماد کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ ہمارے قلوب میں ڈالتا ہے ۔ نہ کہ الفاظ کے احتمالات پر ۔

اور ۳۷۳ ویں باب میں فرماتے ہیں کہ وہ سب کچھ جو میں نے لکھا یا لکھتا ہوں وہ املاء الٰہی اور القاء ربانی یا میری طبیعت میں فیض روحانی ہے ۔ یہ سب کچھ میرے لئے وراثت کے طور پر ہے ۔ مستقل صورت میں نہیں کیونکہ قلب میں فیض رسانی وحی کلام اور وحی الاشارہ و العبارہ کے مرتبے سے فروتر ہے ۔ تو اے بھائی! وحی کلام اور وحی الہام میں امتیاز کر تو سر بلند علماء میں سے ہو جائے گا ۔

اور آپ فتوحات کے ۴۷ ویں باب میں فرماتے ہیں کہ ہمارے ساتھیوں کے علوم طریق فکر سے نہیں ہیں وہ تو صرف فیض الٰہی سے ہیں ۔

اور فتوحات کے ۲۴۶ ویں باب میں فرمایا: ہمارے تمام علوم، علوم ذوق سے ہیں نہ کہ علم بے ذوق سے ۔ کیونکہ علوم ذوق صرف تجلی الٰہی سے ہی ہوتے ہیں ۔ اور علم کبھی ہمیں مخبر صادق کی نقل یا نظر صحیح سے حاصل ہوتا ہے ۔

اور فتوحات کے ۸۹ ویں اور ۳۴۸ ویں باب میں فرمایا: جان لو کہ فتوحات کے ابواب کی ترتیب میرے اختیار یا میرے فکر کی نظر سے نہ تھی وہ سب کچھ جو ہم لکھتے ہیں حق تعالیٰ الہام کے فرشتے کی زبان پر ہمیں املاء فرماتا ہے ۔ کبھی ہم دو کلاموں کے درمیان ایک ایسا کلام ذکر کرتے ہیں جس کا اپنے ماقبل اور مابعد سے کوئی تعلق نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم **"حافظوا علی الصلوات والصلوۃ الوسطی"** میں ہے جو کہ آیات طلاق ۔ نکاح اور عدت وفات کے درمیان ہے کچھ اس سے پہلے اور کچھ بعد میں ۔ انتہی ۔ اور یہاں طویل کلام فرمایا ۔

عارفین مذکورہ باب کے پابند نہیں ہوتے

آپ فتوحات کے آٹھویں باب میں فرماتے ہیں کہ جان لو کہ عارفین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اپنی تصانیف میں صرف اسی باب میں کلام کرنے کے پابند نہیں ہوتے جو انہوں نے قائم کیا ہے۔ یہ اس لئے کہ ان کے قلوب حضرت الٰہیہ کے دروازے پر اس کلام کی انتظار میں معتکف ہوتے ہیں جو ان کے لئے وہاں سے ظاہر ہو۔ تو جیسے ہی ان کے لئے کوئی کلام ظاہر ہو تو وہ اپنے لئے مقرر شدہ حد کے مطابق اس کے القاء کے لئے جلدی کرتے ہیں۔ پس کبھی وہ اپنے رب کے حکم کی تعمیل کے لئے کسی شے کا القاء اس چیز کی طرف کرتے ہیں جو اس کی جنس میں سے نہیں ہوتی۔ جبکہ اللہ تعالیٰ اس کی حکمت کو جانتا ہے۔ انتہی۔

پس یہ نقول دلالت کرتی ہیں کہ کاملین کا کلام اس حیثیت سے خطا کو قبول نہیں کرتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

فتوحات کے حوالے سے مختلف روحانی ضوابط

شیخ محی الدین نے ۱۷ ویں باب میں فرمایا: جان لو کہ علوم ضروریہ کو علوم نظریہ پر اوّلیت حاصل ہے کیونکہ علم نظری حاصل نہیں ہوتا مگر جبکہ دلیل ضروری ہو یا دور و نزدیک سے کسی ضروری دلیل سے پیدا ہونے والی ہو۔ اور اگر ایسی نہیں تو وہ دلیل قطعی ہے نہ برہان۔

اور فتوحات کے ۶۸ ویں باب میں فرمایا: جان لو کہ عقائد صحیحہ وہ تمام عقائد ہیں جو کہ کشف و شہود سے ہوں۔ اور جس نے اپنا عقیدہ کسی ایسے امر کے ساتھ وابستہ کیا جو کہ ایک وجہ کے ساتھ مربوط و مقید ہے دوسری سے نہیں تو بعید نہیں کہ وہ حق کا اس وقت انکار کردے جبکہ وہ اس کے پاس وجہ مربوط کی بجائے دوسری وجہ سے آئے پس ایسے میں کامل وہ ہے جو کہ مصادر اعتقاد سے بحث کرے اور ہر قول میں غور کرے کہ اس کے قائل نے اسے کہاں سے لیا ہے۔ یہاں طویل کلام فرمایا۔

پھر فرمایا: جان لو کہ انسان نے جب اپنا عقیدہ اپنے والدین یا اپنے مربی سے تقلیداً حاصل کیا پھر اس کے بعد اسے اس امر کی سمجھ آ گئی اور وہ اپنی طرف لوٹا اور غور و فکر میں مستقل ہوا تو اس کے متعلق علماء کا اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ اپنے اسی عقیدے پر رہے۔ بعض نے کہا کہ دلیل میں غور کرے حتیٰ کہ حق پہنچان لے اور دونوں میں سے ہر ایک کی ایک وجہ ہے۔ انتہی۔

اور ۲۷۶ ویں باب میں فرماتے ہیں: پھر اللہ تعالیٰ کے متعلق علوم حاصل کئے جاتے ہیں۔ جبکہ ان کا اعتقاد جائز ہے نہ ان میں لب کشائی کرنا۔ نہ ہی وہ عبد مخصوص کی زبان پر جاری ہوتے ہیں مگر غلبۂ حال کے وقت۔ پس اس کا حال اس کی حمایت کرتا ہے اور وہ نشے والے کی طرح معذور ہے۔ اور جب اسے ہوش آ جائے تو حمایت چلی جاتی ہے۔

اور ۳۴۴ ویں باب میں فرماتے ہیں کہ باطل ادیان اور گمراہ مذاہب کی کتابوں میں کوتاہ ہمت لوگوں کو نظر کرنا جائز نہیں۔ البتہ صاحب کشف جیسوں کے لئے جائز ہے تاکہ پہنچانیں کہ انہوں نے کس وجہ سے یہ بات کی ہے جبکہ وہ اس اعتقاد باطل میں ان کی موافقت سے امن میں ہے کیونکہ اسے کشف صحیح حاصل ہے۔ انتہی

اور فتوحات کے ۲۷۵ ویں باب میں فرماتے ہیں کہ ہر عارف پر ان علوم اسرار کا چھپانا واجب ہے جو کہ حق تعالیٰ نے اس کے قلب پر وارد فرمائے۔ اور عوام کے لئے ظاہر نہ کرے پس اس پر انکار واقع ہوگا۔ اور اسی وجہ سے اس طائفہ کے سردار ابوالقاسم جنید نے فرمایا کہ کوئی شخص حقیقت کے مراتب تک نہیں پہنچا حتیٰ کہ اس کے بارے میں ایک ہزار صدیق گواہی دے کہ وہ زندیق ہے۔ اور

یہ اس لئے کہ جب اس نے علوم اسرار میں لب کشائی کی تو صدیقین کے لئے اس کے سوا کوئی گنجائش نہیں کہ شریعت مطہرہ کے ظاہر پر غیرت کرتے ہوئے اس پر انکار کریں۔

عارفین کاملین کے لئے زندقہ کی تہمت

اور شیخ محی الدین نے فرمایا: کہ ہمیں اور عارفین کے لئے معارف واسرار کے اظہار کی وجہ سے بے شمار امور اور شدتیں لاحق ہوئیں۔ ہمارے بارے میں لوگوں نے زندقہ کی گواہی دی۔ اور ہمیں شدید اذیتیں پہنچائی گئیں۔ اور ہمیں اس پیغمبر جیسی صورت حال کا سامنا ہوا جسے اس کی قوم نے جھٹلایا۔ اور اس پر تھوڑے ہی ایمان لائے۔ اور ہمارے سب سے شدید دشمن وہ لوگ ہیں جو کہ اپنے افکار کے مقلد ہیں۔ رہے فلاسفہ تو وہ ہمارے متعلق کہتے ہیں کہ یہ لوگ اہل ہوس قوم ہے۔ ان کے خیال کا خزانہ فاسد ہو چکا ہے۔ پس ان کی عقلیں چلی گئیں۔ اے کاش ان لوگوں نے جب ہماری تصدیق نہیں کی تھی تو ہمیں اہل کتاب کی طرح قرار دیتے کہ ان مسائل میں جو ہماری شریعت کے خلاف نہیں ہیں ہماری تکذیب نہ کرتے۔ باوجودیکہ بحمد اللہ تعالیٰ ان کا جہالت کی وجہ سے ہم پر انکار کرنا ہمارے لئے نقصان دہ نہیں ہے۔

اہل اللہ کے علوم پر انکار کی وجہ

اور ۴۳۸ ویں باب میں فرماتے ہیں کہ لوگ اہل اللہ پر ان کے علوم کا انکار صرف اس لئے کرتے ہیں کہ ارباب علم کے پاس یہ علوم اجنبی اور غیر متعارف طریقوں سے آئے اور وہ کشف کے طرق ہیں۔ جبکہ لوگوں کے اکثر علوم ان کے پاس صرف فکری طرق سے آئے۔ اسی لئے وہ ہر اس علم کا انکار کرتے ہیں جو اس طریق سے ہٹ کر آئے۔ اور ہر کوئی اپنے قلب کے شیشے کو مجاہدہ وریاضت کے ساتھ جلا بخشنے پر قادر نہیں ہے حتیٰ کہ اہل اللہ کی کلام سمجھنے لگے اور ان کے دائرے میں داخل ہو جائے۔ لیکن اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمتیں اور اسرار ہیں۔ انتہی

اور ۴۳۸ ویں باب میں فرمایا کہ جو کلام الٰہی یا اس کے رسل علیہم السلام اور اس کے اولیاء کے کلام کے گہرے معانی کو سمجھنے کا ارادہ کرے تو اسے دنیا میں زہد اختیار کرنا چاہئے حتیٰ کہ دنیا کے اس پر داخل ہونے کی وجہ سے اسے دل کی تنگی محسوس ہونے لگے اور اس کے ہاتھ سے نکلنے سے خوشی حاصل ہو۔ البتہ دنیا کی طرف مائل ہوتے ہوئے اسے ان مشکل معانی کی سمجھ کی طرف کبھی کوئی راہ نہیں ہے۔

اور فتوحات ۳۸۲ ویں باب میں فرمایا جو شریعت کی گہرائیوں کے فہم اور علوم توحید کی مشکلات کے حل کا ارادہ کرے تو اسے ہر اس چیز کو ترک کر دینا چاہئے جس کا اس کی عقل اور رائے حکم دے۔ اور اپنے پروردگار کی شرع کو اپنے سامنے رکھے۔ اگر اس کی عقل اس سے جھگڑا کرے تو اسے کہے کہ تو تو صرف میری طرح ایک بندہ ہے میں مثلاً ان آیات صفات کو جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرمایا صرف اس لئے کیسے ترک کر دوں کہ تو انہیں سمجھنے سے عاجز ہے۔ باوجودیکہ تو تو اپنے آپ کو پہنچاننے سے قاصر ہے چہ جائیکہ اپنے رب کی معرفت تک رسائی ہو۔ اور اگر تو اپنے نفس کو انصاف لازم کرتا تو ان آیات پر ایمان لاتا اور انہیں قبول کر لیتا۔ اور غور وفکر اور استدلال ان مسائل میں کرتا جن کی تیرے رب عزوجل نے خبر نہیں دی۔ اور طویل کلام فرمایا۔

کشف پر شریعت مقدم ہے

اور فتوحات کے ۶۰۲ ویں باب میں فرماتے ہیں کہ اپنے آپ کو اس سے بچا کہ تو علم رسمی میں میزان شرع اپنے ہاتھ سے پھینک دے۔ بلکہ شرع کے ہر حکم پر عمل میں جلدی کر۔ اور اگر تو اس سے اس کے خلاف سمجھے جو لوگ سمجھتے ہیں جو کہ تیرے اور اس کے حکم ظاہر کو

جاری کرنے کے درمیان گھومتا ہے تو اس پر توجہ نہ کر کیونکہ وہ علم الٰہی کی صورت میں ایک خفیہ تدبیر الٰہی ہے۔ کہ اس کا تجھے شعور نہیں۔ اور طویل کلام فرمایا۔

پھر فرمایا کہ ہمارے نزدیک کشف کو نص پر مقدم کرنا کوئی چیز نہیں کہ کشف والوں کو اکثر اشتباہ ہو جاتا ہے۔ ورنہ کشف صحیح ہمیشہ ظاہر شریعت کے موافق ہی ہوتا ہے۔ تو جس نے اپنا کشف نص پر مقدم کیا وہ اہل اللہ کی لڑی میں پروئے جانے سے خارج ہو گیا۔ اور ان لوگوں میں شامل ہو گیا جن کے اعمال انتہائی خسارے میں ہیں۔

ولی اور شریعت کی پابندی

اور آپ نے فتوحات کے ۱۸۵ ویں باب میں فرمایا ہے کہ جان لو کہ میزان شریعت جو کہ زمین میں رکھی گئی ہے (جس کے متعلق سورۃ الرحمٰن میں ارشاد باری ہے ووضع المیزان (آیت ۷) اور اس نے میزان رکھی) وہ ہے جو کہ شریعت کے علماء کے ہاتھوں میں ہے۔ تو جب بھی کوئی ولی شرعی ذمہ داری کی عقل کے ہوتے ہوئے شریعت مذکورہ سے باہر نکلے تو اس پر انکار واجب ہے۔ تو اگر اس پر اس کا حال غالب ہو تو اس کے حال کو تسلیم کریں گے۔ اور اس پر انکار نہیں کریں گے کیونکہ اہل عقول میں سے اس کی اس بارے میں پیروی کرنے والا کوئی نہیں۔ تو اگر ایسا امر ظاہر کرے جو کہ ظاہر شرع میں حد واجب کرتا ہے اور حاکم کے ہاں ثابت ہو جائے تو اس پر حد قائم کی جائے گی۔ اور یہ نہایت ضروری ہے اور اس کا یہ کہنا کہ ہم اہل بدر جیسے ہیں اس پر حد قائم کرنے سے اسے بچا نہیں سکتا۔ کیونکہ اہل بدر سے دنیا میں مواخذہ ساقط نہیں ہوا۔ وہ تو صرف آخرت میں ان سے ساقط ہوا۔ علاوہ ازیں اگر بندے کو یہ کہہ بھی دیا جائے کہ جو چاہے کر تجھے بخشدیا گیا وہ شرع میں عاصی ہے کیونکہ مغفرت تو گناہ سے ہی ہوتی ہے۔

(اقول وباللہ التوفیق۔ یاد رہے یہ قول کہ مغفرت تو گناہ سے ہی ہوتی ہے۔ یہ امتیوں کے لئے ہے نہ کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لئے۔ چنانچہ اسی کتاب الیواقیت والجواہر کی دوسری جلد شروع ہی عصمت انبیاء علیہم السلام کے بیان سے ہوتی ہے۔ وہاں امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے صراحت فرمائی ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سب کے سب گناہ سے معصوم ہیں گرچہ صغیرہ ہو۔ اور یہ سہواً بھی ان سے صادر نہیں ہوتا۔ اور ذرا آگے چل کر آپ نے بعض انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعض واقعات کے حوالے سے وارد ہونے والے اعتراضات کے جوابات دیئے ہیں۔ چنانچہ دوسری جلد کے آغاز میں آپ ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ)

اسی لئے فرمایا فقد غفرت لك۔ کہ میں نے تجھے بخش دیا اور یہ نہیں فرمایا کہ میں نے تجھ سے حدود ساقط کر دیں۔ پس وہ حاکم جو اس پر حد اور تعزیر قائم کرتا ہے اسے اجر ملے گا۔

اور صاحب حال کی علامت یہ ہے کہ اپنے آپ کو حدود کے متولی سے بچائے پس مثلاً اس کا ہاتھ خشک ہو جائے اس کی طرف اسے حرکت نہ دے سکے۔ انتہی۔

شریعت و حقیقت میں غیریت نہیں

۲۶۳ ویں باب میں فرماتے ہیں کہ معلوم رہے کہ عین شریعت ہی عین حقیقت ہے۔ کیونکہ شریعت کے دو دائرے ہیں۔ اونچا، نیچا۔ اونچا تو اہل کشف کے لئے اور نیچا اہل فکر کے لئے ہے۔ تو جب اہل فکر اہل کشف کی کلام کی تفتیش کرتے ہیں پس اسے اپنے فکر کے

دائرے میں نہ پائیں تو کہہ دیتے ہیں کہ یہ شریعت سے خارج ہے تو اہل فکر اہل کشف پر انکار کرتے ہیں جبکہ اہل کشف اہل فکر پر انکار نہیں کرتے۔ تو جو کشف و فکر والا ہے وہ حکیم الزمان ہے۔ تو جس طرح اہل فکر کے علوم، شریعت کی دو سمتوں میں سے ایک ہیں پس اسی طرح علوم اہل کشف ہیں۔ پس وہ دونوں باہم لازم ہیں۔ لیکن چونکہ دونوں سمتوں کا جامع کمیاب ہے اس لئے اہل ظاہر نے دونوں کے درمیان فرق کر دیا۔ ورنہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کیا ہوا کہ آخر میں حضرت خضر علیہ السلام پر گرفت سے رک گئے۔ اگر ایسا نہ ہوتا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سمجھ گئے کہ خضر برحق ہیں تو ان پر آخر میں بھی اسی طرح انکار کرتے جس طرح کہ آغاز میں فرمایا۔ انتہی

فتوحات کے ۵۲۱ ویں باب میں فرماتے ہیں کہ جان لو کہ معقولات کے سفر میں ڈاکو وہ شبہات ہیں جو کہ اپنی عقل کے ساتھ سوچنے والے کو لاحق ہوتے ہیں جبکہ مشروعات کے سفر کے ڈاکو تاویلات ہیں۔ اور مسافر اس سے خالی نہیں، کہ دونوں سے ایک طریق پر ہو۔ پس اگر مسافر اس مقام تک پہنچ گیا جس میں کوئی تاویل ہے نہ شبہہ تو اس کی سیر انتہاء کو پہنچ گئی۔ انتہی

اور ۲۷ ویں باب میں ارشاد فرمایا کہ جان لو مرتبۂ کمال پر فائز اولیاء اللہ کے موازین، شریعت کو کبھی ترک نہیں کرتے پس وہ مخالفت شریعت سے محفوظ ہیں۔ گرچہ عوام انہیں مخالفت کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ وہ نفس الامر میں مخالفت نہیں وہ تو ان سے فروتر درجے والوں کے موازین کی نسبت سے مخالفت ہے۔ پھر یہ بات اہل اللہ کے علم میں عیب نہیں لگاتی۔ اور یہاں طویل گفتگو فرمائی۔

موازین تین ہیں

پھر فرماتے ہیں کہ موازین تین ہیں۔ میزان اجماع۔ میزان کشف۔ میزان اجتہاد مطلق۔ اور ان تینوں کے علاوہ صرف آراء ہیں ان پر اہل اللہ تعالیٰ توجہ نہیں فرماتے۔

اور ۲۶۶ ویں باب میں فرماتے ہیں کہ اس سے بچ کہ تو کوئی مسئلہ پائے جس کا استدلال سے بیان کرنے والے نے قرآن کریم کی کسی آیت پاک سے کیا ہو۔ پس تو بے سوچے سمجھے کہہ دے کہ اس مسئلہ کے لئے اس آیت کے ساتھ استدلال صحیح نہیں ہے۔ بلکہ اس میں انتظار کر کیونکہ اللہ تعالیٰ کے کلام کا مقام یہ ہے کہ وہ اپنی وسعت کی وجہ سے ہدایت کے ائمہ مفسرین کی تمام تفسیرات کو قبول کرے اور اس کے علاوہ یہ وسعت کہیں نہیں پائی جاتی۔ اور اس میں طویل کلام فرمایا۔

پھر فرماتے ہیں: لیکن مخفی نہ رہے کہ جو قرآن کی تفسیر کرتا ہے اس کے لئے شرط ہے کہ وہ لفظ کے احتمال سے باہر نہ نکلے ورنہ حدیث پاک میں وارد ہے کہ جس نے اپنی رائے کے ساتھ قرآن کی تفسیر کی وہ کافر ہوا۔ انتہی۔

اور آپ نے فتوحات کے مقدمہ میں فرمایا ہے کہ اپنے آپ کو اس سے بچا کہ تو اس مسئلہ کے انکار میں جلدی کرے جو مثلاً کسی فیلسوف یا معتزلی نے بیان کیا اور تو کہے کہ یہ فلاسفہ یا معتزلہ کا مذہب ہے کیونکہ یہ اس شخص کا قول ہے جسے کوئی معلومات نہیں۔ کیونکہ ہر قول جو مثلاً کسی فیلسوف نے کیا باطل نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ مسئلہ اس حق میں سے ہو جو اس کے پاس ہے۔ خصوصاً اگر شارع صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے یا علمائے امت یعنی صحابۂ کرام۔ تابعین اور ائمہ مجتہدین میں سے کسی نے اس کی تصریح فرمائی ہو۔ بیشک فلاسفہ میں سے حکماء نے بے شمار کتابیں لکھی ہیں جو کہ حکمتوں سے پُر اور شہوتوں اور نفوس اور اس سے چمٹی ہوئی مخفیات کے مکروں سے بیزاری کے ساتھ معمور ہیں۔ اور یہ سب صحیح موافق شریعت علم ہے۔ پس اے بھائی! ایسے مسائل کے رد میں جلدی مت کر۔ مہلت دے اور اس فیلسوف کے قول

کو ثابت رکھ حتیٰ کہ تو گہری نظر سے دیکھے۔ پس کبھی وہ برحق۔ موافق شریعت ہوتا ہے کہ شارع یا اس کی شریعت کے علماء میں سے کسی نے وہ مسئلہ بیان کیا ہوتا ہے۔

ایک الجھن کا جواب

البتہ تیرا یہ کہنا کہ اس عالم نے وہ مسئلہ کسی فیلسوف سے سنا ہے یا فلاسفہ کی کتابوں میں پڑھا ہے۔ اس کے باوجود کہ تو اس مسئلہ کے برحق ہونے سے جو کہ شریعت کے موافق ہے غافل ہے یہ نری جہالت اور جھوٹ ہے۔ جھوٹ اس طرح کہ تو کہتا ہے کہ اس عالم نے وہ مسئلہ فلاسفہ سے سنا یا ان کی کتابوں میں پڑھا ہے۔ جس کا تو نے اس سے مشاہدہ نہیں کیا نہ ہی تیرے پاس اس پر کوئی عادل گواہ موجود اور جہالت یوں کہ تو نے اس مسئلہ میں حق اور باطل کے درمیان فرق نہیں کیا۔ پس تو یہ اعتراض کر کے علم اور صداقت سے باہر نکل گیا اور جاہلیت کی ضد کی وجہ سے جہالت وکذب۔ نقصان عقل۔ فساد نظر اور اہل حق کے طریق سے انحراف والوں کی لڑی میں پرو یا گیا۔ پس اے بھائی! تیرے پاس مثلاً فیلسوف یا معتزلی جو کچھ لائے اسے لے لے۔ پھر توقف کر اور تھوڑا تھوڑا چلتا رہ یہاں تک کہ تیرے لئے اس کا معنٰی واضح ہو جائے۔ یہ اس سے بہتر ہے کہ تو قیامت کے دن کہے وائے افسوس کہ ہم اس سے غافل تھے بلکہ ہم ظالم تھے۔

فلاسفہ مطلقاً قابل مذمت نہیں

اور فتوحات کے ۲۲۶ ویں باب میں فرماتے ہیں: جان لو کہ فلاسفہ کی مذمت صرف اس نام کی وجہ سے نہیں کی گئی۔ وہ تو الٰہیات کے متعلق علم میں ان کی خطا کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ فیلسوف کا معنٰی ہے حکمت سے محبت کرنے والا۔ اور سوفا یونانی زبان میں حکمت کو کہتے ہیں۔ اور کوئی شک نہیں کہ ہر عقل مند حکمت سے محبت کرتا ہے سوائے اس کے کہ اہل افکار نے الہیات کے مسئلہ میں انہیں درست روی سے زیادہ خطا کار قرار دیا ہے۔ برابر ہے کہ وہ معتزلی ہو یا فیلسوف۔ یا اہل نظر کی مختلف اقسام میں سے ہو۔ انتہی۔

فلاسفہ کی خطا کا محل

اور شیخ محی الدین نے کتاب لواقح الانوار میں فرمایا ہے کہ میں خلوت میں داخل ہوا اور حقیقت ادریسیہ پر اطلاع کے لئے عمل کیا۔ تو میں نے دیکھا کہ فلاسفہ پر غلطی صرف تاویل سے آئی ہے۔ اور یہ اس طرح کہ انہوں نے علم حضرت ادریس علیہ السلام سے حاصل کیا۔ تو جب آپ آسمان کی طرف اٹھائے گئے تو انہوں نے آپ کی شریعت کے فہم میں اختلاف کیا جیسا کہ ہماری شریعت کے علماء نے اختلاف کیا۔ تو ایک نے اس چیز کو حلال کہا جسے دوسرے نے حرام قرار دیا اور اس کے برعکس۔ انتہی

صحت عقائد کا مدار

اور آپ نے فتوحات کے مقدمہ میں فرمایا کہ عقائد کی صحت کا دارومدار ان کی وجہ سے یقین حاصل ہونے پر ہے حتیٰ کہ جس نے اپنا ایمان شارع کی یقینی تقلید سے حاصل کیا وہ اس شخص سے زیادہ محفوظ اور مضبوط ہے جس نے اپنا ایمان دلائل سے حاصل کیا۔ اور یہ اس لئے کہ جب وہ ماہر سمجھدار ہو تو حیرت۔ اس کے دلائل میں مداخلت اور ان پر شبہات اس کی طرف راستہ پا لیتے ہیں تو اس کا قدم ثابت رہتا ہے نہ سہارا جس پر اعتماد کرے پس اس پر ہلاکت کا خطرہ رہتا ہے۔ اور طویل کلام فرمایا۔

فرماتے ہیں کہ عقلاء کے کلام پر غور کر۔ تو انہیں دیکھے گا کہ جب انہوں نے غور وفکر کیا اور اس میں پورا استقلال حاصل کیا اور وہ دلیل کی وجہ پر مطلع ہو گئے، تو یہ امر انہیں مدلول کا علم عطا کرتا ہے۔ پھر کسی دوسرے موقعہ پر تو انہیں دیکھتا ہے کہ معتزلی یا اشعری وغیرہ کوئی مخالف کسی دوسرے امر کا اہتمام کرتا ہے جو کہ ان کی اس دلیل کو توڑ دیتا ہے جس پر انہیں یقین تھا اور وہ اس میں عیب لگاتا ہے تو وہ دیکھتے ہیں کہ وہ پہلا غلط تھا۔ اور وہ اپنی دلیل کے ارکان پورے نہ کر سکے۔ اور اس کی میزان میں ان سے خلل واقع ہوا۔ تو یہ شخص اس کے مقابلہ میں کیا حیثیت رکھتا ہے جو کہ شارع کی تقلید جازم کی وجہ سے اپنے علم میں بصیرت کے مقام پر فائز ہے۔ کیونکہ وہ ضروریات عقول کی طرح ہے جس میں کوئی تردد نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے متعلق علم رکھنے والوں کے لئے بصیرت ضروریات عقول کی طرح ہے۔ بخلاف ہر اس علم کے جو عقل سے بطور نتیجہ حاصل ہوتا ہے کیونکہ وہ کمزور ہے۔ شبہ اور تردد قبول کرتا ہے۔ اسی لئے اشعری کی دلیل معتزلی کے نزدیک شبہہ عطا کرتی ہے اور معتزلی کی دلیل اشعری کے نزدیک شبہہ دیتی ہے۔ اور مجتہدین اور متکلمین کے مذاہب میں سے ہر مذہب میں اشکال داخل ہوتا ہے۔ پھر وہ سب کے سب اشاعرہ کے نام سے یا کسی مذہب معین کے نام سے متصف ہوتے ہیں۔ چنانچہ تو دیکھتا ہے کہ ابوالمعالی کا مذہب قاضی کے مذہب کے خلاف ہے۔ قاضی کا مذہب استاذ کے مذہب سے علیحدہ اور استاذ کا مذہب شیخ ابوالحسن کے مذہب سے جدا ہے۔ جبکہ وہ سب اشعریہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ جیسا کہ مذاہب مجتہدین میں سے ایک مذہب والوں کی صورت حال ہے۔ اور طویل کلام فرمایا۔

پھر فرماتے ہیں کہ جان لو اہل نظر وجوب علم کے مقامات پر معذور قرار نہیں دیئے جاتے۔ اور بیشک خبر میں معصوم کی تقلید علم کے ساتھ ملحق ہے اور علوم نظریہ سے زیادہ قوی ہے۔ جیسا کہ گزشتہ امتوں پر ہماری گواہی کا قبول کیا جانا کہ ان کے انبیاء نے بعوث حق تعالیٰ کی تبلیغ فرمائی دلالت کرتا ہے۔ حالانکہ ہم ان کی تبلیغ کے زمانے نہیں تھے۔ وہ تو اللہ تعالیٰ ہماری تصدیق ان واقعات کے متعلق فرماتا ہے جن کی حضرت نوح علیہ السلام اور پھر عاد، ثمود، فرعون وغیرہم کے بارے میں اپنی کتاب میں ہمیں خبر دی۔ اور یہ قیامت کے دن صرف اسی سے قبول فرمائے گا جو دنیا میں اپنے امر کے متعلق یقین پر قائم تھا۔

اور شیخ نے ۲۸۰ ویں باب میں فرمایا کہ جان لو کہ انسان صحیح طور پر عبادت نہیں کر سکتا مگر جبکہ وہ اپنے رب کو قطعی طور پر پہنچانتا ہو۔ اور جس نے اپنے جی میں ایک معبود قائم کیا جس کی وہ گمان پر مبنی عبادت کرتا ہے قطعیت کے ساتھ نہیں تو یہ گمان ضرور اسے غمگین کرے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کے دربار میں اسے کام نہیں آئے گا۔ انتہی۔

نیز فتوحات کے آغاز میں فرمایا کہ امور میں سے کسی امر پر وجوب اعتقاد کی یہ شرط ہے کہ اس میں نص متواتر یا کشف ثابت پایا جائے۔ اور جس کے نزدیک صحیح خبر واحد کافی ہو تو اسی پر فیصلہ کرے لیکن اس امر میں جو احکام دنیا سے متعلق ہو۔ اگر اس کا حکم آخرت کے ساتھ متعلق ہو تو اسے نہیں چاہئے کہ علی التعیین اسے اپنا عقیدہ بنائے اور چاہئے کہ کہدے کہ اگر اس کی نسبت نفس الامر میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صحیح ہے جیسا کہ مجھ تک پہنچی تو میں اس پر ایمان رکھتا ہوں اور ہر اس چیز پر جس کی نسبت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف صحیح ہے۔ مجھے اس کا علم ہے یا نہیں ہے۔ تو عقائد میں صرف وہی درست ہے جس کا ثبوت قطعی طور پر ہو۔ تواتر کے ساتھ یا دلیل عقلی کے ساتھ جب تک کہ کوئی ایسی نص متواتر اس کے خلاف نہ ہو کہ دونوں کے درمیان مطابقت نہ ہو سکے۔ اس وقت نص کا عقیدہ بنائے اور دلیل عقل چھوڑ دے۔ اور مومن پر واجب ہے کہ اس پر ہمیشگی کرے لیکن اس حیثیت سے کہ وہ علم ہے نہ اس حیثیت سے کہ وہ عقیدہ ہے کہ کبھی امر وارد، اس صورت کے علاوہ دوسری صورت پر ہوتا ہے جو اسے مقام ایمان عطا کرتا ہے۔

اور شیخ ابوالحسن الشاذلی رحمتہ اللہ فرماتے ہیں کہ علوم نظریہ اوہام ہیں مگر جب علوم الہام کے ساتھ مل جائیں۔

معرفت میں کشف کی ضرورت

اور شیخ محی الدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے پرہیز کر کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کے باب میں کشف کے بغیر قناعت کرے جس طرح کہ غور وفکر والے اور اہل کلام کا معمول ہے۔ کیونکہ متکلمین اپنے نفسوں میں گمان کرتے ہیں کہ انہوں نے جو علامات نصب کیں اور جن حقائق کا مشاہدہ کیا اس کی وجہ سے اپنا مطلوب حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ پس تو انہیں دیکھتا ہے کہ انہیں جو اعتقاد مربوط حاصل ہوا اس سے تسکین پاتے ہیں اور جو ان سے اختلاف کرتا ہے اس کی تکفیر کرتے ہیں اور یہ معرفت میں نقص ہے۔ اور اگر ان کی نظر وسیع ہوتی تو توحید کے ماننے والوں کے تمام عقائد کے برحق ہونے کا اقرار کرتے۔ اسے آپ نے ۲۷۳ ویں باب میں ذکر کیا۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے مقدمہ انتہاء کو پہنچا۔ اب ہم مباحث علم کلام کے تفصیلی بیان کا شیخ محی الدین کے سابقہ لاحقہ عقائد کے ذکر کے ساتھ آغاز کرتے ہیں ان لوگوں کے برعکس جو کہ شیخ پر انکار کرتے ہیں۔ پس وہ شیخ کی طرف سے اکیلا اجنبی سا کلمہ ذکر کر دیتے ہیں۔ قریب نہیں کہ کوئی شخص اسے قبول کرے کیونکہ ہر شے کی دہلیز ہے جس سے اس میں داخل ہوتے ہیں۔

اور میں نے مباحث کتاب کو متکلمین کے مقولوں کے ساتھ شروع کیا ہے تاکہ اہل کشف کے کلام کے فہم کی تمہید ہو۔ اس کے بعد میں نے ان کی نقول ذکر کی ہیں۔ تو میں اس بحث میں انشاء اللہ تعالیٰ لقول کے ساتھ سوال و جواب کرتا رہوں گا حتیٰ کہ طالب کے لئے وہ اشکالات واضح ہو جائیں جو کہ اس بحث میں ہیں۔ جب تجھے پتہ چل گیا تو میں کہتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہی توفیق ہے۔

پہلی بحث

اللہ تعالیٰ اپنے ملک میں واحد، احد، منفرد ہے لاشریک لہٗ ہے

جان لے۔ اللہ تعالیٰ تیری مدد فرمائے کہ ہر ذی عقل پہنچانتا ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ واحد لاشریک لہٗ ہے۔ اس لئے کہ اگر معبود کا دو ہونا جائز ہوتا کہ ان میں سے ایک کسی چیز کا ارادہ کرے اور دوسرا اس کی ضد کا ارادہ کرے جیسے زید کی حرکت اور اس کا سکون۔ تو دونوں مرادوں کا واقع ہونا اور واقع نہ ہونا ممنوع ہوتا کیونکہ مذکورہ دونوں ضدوں کا ارتفاع اور دونوں کا اجتماع ہے جیسا کہ اس کی تفصیل اس کتاب کی مباحث کے آخر میں آئے گی انشاء اللہ العزیز۔ پس ان دونوں میں سے ایک کا وقوع متعین ہوتا ہے تو اس کا ارادہ کرنے والا ہی معبود برحق ہوگا دوسرا نہیں کہ وہ عاجز رہا۔ پس عقلاء کے اجماع کے ساتھ معبود صرف ایک ہی ہوگا۔

واحد

جمہور متکلمین نے فرمایا کہ واحد وہی ہے جو منقسم نہیں ہوتا۔ نہ ہی کسی وجہ سے بھی اس میں اور اس کے غیر میں مشابہت ہو سکتی ہے۔ پس اس کے وجود کی ابتداء ہے نہ انتہاء کیونکہ اگر اس کی ابتداء یا انتہاء ہوتی تو حادث ہوتا اور حادث اپنے پیدا کرنے والے کا محتاج۔ جبکہ اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند و بالا ہے۔

آحاد کی چار اقسام

اور میں نے سیّد علی المرصفی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ فرمار ہے تھے: آحاد کی چار قسمیں ہیں:
پہلا وہ احد جو مکان میں محصور ہے نہ منقسم۔ نہ ہی اسے جگہ کی ضرورت ہے اور وہ باری جل وعلا ہے۔ دوسرا وہ احد جو کہ مکان میں محصور۔ منقسم اور جگہ کا محتاج ہے اور وہ جسم ہے۔ تیسرا وہ احد جو محصور ہے منقسم نہیں اور جگہ کا محتاج ہے اور وہ جوہر ہے۔ چوتھا احد جو محصور ہے نہ منقسم۔ اور جگہ کا محتاج ہے اور وہ عرض ہے۔ انتہی۔ اور یہی وجود قدیم وحادث کا مجموعہ ہے۔ اس پر غور کر۔ کہ یہ نفیس ہے۔ پس یہ ہے متکلمین کی عبارت۔

شیخ محی الدین رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت

آپ فتوحات کے باب الاسرار میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بالاجماع واحد ہے۔ اور واحد کا مقام اس سے بالا ہے کہ اس میں کوئی چیز حلول کرے یا اس کا کسی شے میں حلول ہو۔ کیونکہ حقائق اپنی ذوات سے متغیر نہیں ہوتے۔ کہ اگر وہ متغیر ہوتے تو واحد اپنے آپ میں متغیر ہوتا اور حق تعالیٰ اپنی ذات میں متغیر ہوتا۔ جبکہ تغیر حقائق محال ہے۔ انتہی۔ اور اس کی تفصیل حلول واتحاد کی نفی کی بحث میں آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔

ثالث ثلاثہ کے متعلق سوال اور جواب

اگر کہا جائے کہ اس شخص کے کفر کی وجہ کیا ہے جو کہتا ہے ان اللہ ثالث ثلاثہ۔ یعنی اللہ تین کا تیسرا ہے باوجودیکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوبکر صدیق سے فرمایا جبکہ دونوں حضرات غار میں تھے جب انہیں مشرکین کا خوف لاحق ہوا کہ تیرا ان دو کے متعلق کیا گمان ہے جن کا تیسر اللہ تعالیٰ ہے؟

اس کا جواب وہ ہے جو کہ شیخ محی الدین نے باب الاسرار میں دیا ہے کہ ان اللہ ثالث ثلاثہ کہنے والے کے کفر کی وجہ یہ ہے کہ اس نے ایک ہی مرتبہ میں وہم وبرابری کے طور پر حق تعالیٰ کو تین میں سے ایک قرار دیا اور اگر وہ کہتا کہ اللہ تعالیٰ دو کا تیسرا ہے تو کافر نہ ہوتا جیسا کہ حدیث میں ہے۔ اور حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد ''اللہ ثالثہما سے مراد غار میں کفار سے ان کی حفاظت کرنے والا ہے۔

نیز شیخ نے فتوحات مکیہ کے ۱۳۱ ویں باب میں فرمایا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ دو کا تیسرا ہے یا تین کا چوتھا ہے'' کہنے والا اس لئے کافر نہیں کہ اس نے اسے ممکنات کی جنس میں سے قرار نہیں دیا۔ بخلاف اس کے جو اللہ تین کا تیسرا یا چار کا چوتھا یا پانچ کا پانچواں وغیرہ کہتا ہے کیونکہ وہ کافر ہو جاتا ہے۔ پس غور کر۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر کثرت اور جماعت کے لئے ہمیشہ ایک ہے اور اس کے ساتھ جنس میں داخل نہیں ہوتا۔ کیونکہ جب ہم اسے تین کا چوتھا قرار دیں تو واحد منفرد ہے یا چار کا پانچواں تو وہ واحد منفرد ہے اور اسی طرح جہاں تک بھی پہنچے۔

فرمایا کہ ہمارے نزدیک اللہ تعالیٰ کے متعلق اس سے زیادہ گہرا اور کوئی مسئلہ نہیں کیونکہ کثرت حکم معیت کی وجہ سے وجود واحد کے عین میں فیصلہ کرنے والی ہے جبکہ اس کا اس میں وجود ہے ہی نہیں کیونکہ حلول ہے نہ اتحاد۔ انتہی۔

نیز فتوحات کے ۲۷۹ ویں باب میں اللہ تعالیٰ کے قول **مایکون من نجوی ثلاثۃ الاھور ابعھم ولا خمسۃ الاھو سادسھم** (المجادلۃ آیت ۷) نہیں ہوتی سرگوشی تین میں مگر وہ ان کا چوتھا اور نہ پانچ میں مگر وہ ان کا چھٹا ہوتا ہے کے متعلق فرماتے

ہیں: جان لو کہ اللہ تعالیٰ خلق کے ساتھ ہے جہاں بھی وہ ہوں۔ ان کی تعداد جفت ہو یا طاق۔ لیکن اللہ تعالیٰ ان کی جفت تعداد میں سے ایک نہیں ہوتا نہ ہی ان کے طاق ہونے میں سے ایک ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کی وہ صفت جو مشاہدہ کرنے والے کے لئے ظاہر ہوئی ممکن نہیں کہ کبھی یہی مرتبہ عددی میں رک جائے جس میں خلق رک جاتی ہے۔ تو جب وہ اس مرتبے کی طرف منتقل ہوتے ہیں جہاں صفت حق تعالیٰ جلوہ گر تھی تو ان کے منتقل ہونے سے قبل صفت حق تعالیٰ اس مرتبے کی طرف منتقل ہو جاتی ہے جو اس کے قریب ہے۔ فرماتے ہیں کہ یہ تنزیہہ عظیم ہے جس میں خلق کے لئے حق تعالیٰ کے ساتھ مشارکت کبھی بھی درست نہیں۔

تعدد آلہتہ کے قول کی جرأت کیوں؟

اگر کہا جائے کہ خلق کو تعداد آلہہ کے قول کی جرأت کیونکر ہوئی باوجودیکہ عقلی طور پر اس کی کوئی وجہ نہیں۔ تو اس کا جواب وہی ہے جو شیخ نے ۳۴۴ ویں باب میں دیا کہ جس چیز نے انہیں جرأت دلائی اور ان پر کفر و شرک داخل کیا وہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد وما من الہ الا الہ واحد (المائدہ آیت ۷۳) (اور نہیں ہے کوئی معبود مگر ایک اللہ) میں لفظ الہ کی تنکیر کا پایا جانا ہے پس یہ ہے وہ امر جس نے مشرکین کو اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں معبود اختیار کرنے کی جرأت دلائی۔

اور اسم عظیم 'اللہ' کی طرف نظر کرو کہ جب اس میں تنکیر داخل نہیں ہوئی تو کفار کے لئے کیونکر درست قرار نہ پایا کہ انہوں نے جسے معبود بنایا اسے اسم جلالت اللہ کے ساتھ موسوم کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے نزدیک واحد ہے۔ معروف ہے۔ غیر معروف نہیں ہے۔ جیسا کہ بت پرستوں نے اپنے معبودانِ باطلہ کے متعلق بات کرتے ہوئے اس کا اقرار اپنے اس قول میں کیا مانعبد ہم الالیقر بونا الی اللہ زلفی (الزمر آیت ۳) ہم ان کی عبادت نہیں کرتے مگر اس لئے کہ ہمیں اللہ کا قرب عطا کریں۔ انہوں نے یہ نہیں کہا کہ الالیقربونا الی الہ کبیر۔ کہ ہمیں بڑے الہ کے قریب کر دیں جو ان سب سے بڑا ہے۔ تو لفظ الہ کا تنکیر قبول کرنا ہی اللہ تعالیٰ کے ساتھ معبود اختیار کرنے والوں کی گمراہی کا سبب ہے اور اسی وجہ سے انہوں نے اس کا انکار کیا کہ وہ ایک معبود ہے۔ اور اگر انہوں نے اللہ تعالیٰ کا انکار کیا ہوتا تو مشرک نہ ہوتے گرچہ وہ ان مشرکین میں کافر ہوتے جبکہ وہ اللہ تعالیٰ کا انکار کریں۔ اسی لئے انہوں نے کہا اجعل الآلھۃ الھا واحدا (ص آیت ۵) کہا اس نے بہت سے معبودوں کی جگہ ایک معبود بنا دیا اور یہ نہیں کہا کہ اس نے معبودوں کو الہ بنا دیا۔ کیونکہ مشرکین کے نزدیک اللہ تعالیٰ بنایا نہیں جاتا۔

اور شیخ محی الدین نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اسم 'اللہ' کو کسی پر بولے جانے سے بچایا ہے جبکہ الہ کے بولے جانے کو نہیں بچایا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا افرایت من اتخذ الھہ ھواہ ○ (الفرقان آیت ۴۳) کیا آپ نے اسے دیکھا جس نے اپنا خدا اپنی خواہش کو بنالیا۔

اور اس میں اللہ تعالیٰ کا راز ہے جسے علماء باللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔ کتاب میں نہیں لکھا جا سکتا کیونکہ کتاب ہر اہل، نااہل کے ہاتھ لگتی ہے۔

اگر کہا جائے کہ بتوں میں سب سے لطیف اور سب سے کثیف کون سے بت ہیں؟ تو اس کا جواب وہ ہے جو شیخ نے ۲۷۵ ویں باب میں ذکر کیا کہ سب سے لطیف بت خواہش اور سب سے کثیف بت پتھر ہیں۔ اسی لئے جب مشرکین کو الوہیت میں توحید الہ کی دعوت دی گئی تو انہوں نے کہا اجعل الآلھۃ الھا واحدا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول سے ان کا رد فرمایا ان ھذا لشیء عجاب (ص آیت ۵) کہ بیشک یہ عجیب چیز ہے۔ پس یہ ہمارے نزدیک اللہ تعالیٰ کے قول سے ہے نہ کہ قول کفار سے بخلاف اس کے جو کہ بعض مفسرین سے واقع

ہوا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے واقع ہونے والا تعجب تو کفار کے فعل کی وجہ سے واقع ہوا جب انہوں نے کہا **اجعل الآلھة الھا واحدا** جبکہ انہیں توحید اله فی الالوھیه کی طرف دعوت دی گئی۔ اور یہ کہ الہ واحد ہے جبکہ وہ اس کی کثرت کا عقیدہ رکھتے تھے۔ یعنی کفار کے قول کا آخری حصہ الھا واحدا ہے جبکہ **ان ھذا لشیء عجاب** ان کے قول سے نہیں۔

امام شعرانی فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ جس کو شیخ نے بعض مفسرین کی طرف منسوب کیا ہے اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ تعجب کرنے والا ان امور کی وجہ سے تعجب کرتا ہے جو کہ غیر مانوس ہونے کی صورت میں اس پر وارد ہوں جن میں اس کا عمل دخل نہیں ہوتا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ اس سے منزہ ہے۔

الہ بنتا نہیں خود بخود ہے

شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تو عقلی طور پر جانتا ہے کہ الہ کسی بنانے والے کے بنانے سے نہیں ہوتا کہ وہ خود الہ ہے۔ اسی لئے حضرت خلیل علیہ السلام نے اپنی قوم کو ڈانٹا جبکہ انہوں نے اپنے خدا خود تراشے **اتعبدون ماتنحتون** (الصافات آیت ۹۵) کیا تم انہیں پوجتے ہو جنہیں خود تراشتے ہو؟ کہ عقلی ضرورت میں معلوم ہے کہ الہ متاثر نہیں ہوتا۔ اور یہ الہ انہوں نے اختیار کیا لکڑی تھی جس کے ساتھ بچے کھیلتے ہیں یا پتھر جن سے استنجا کیا جاتا ہے۔ پھر اس مشرک نے اسے پکڑا اور اسے الہہ کرار دیا۔ اس کے سامنے عاجزی کرتا ہے۔ سختیوں میں اس کی طرف زاری کرتا ہے۔ اظہار حاجت کرتا ہے اور اسے خوف وطمع کے ساتھ پکارتا ہے۔ تو ان کے ہاں عقل پائے جانے کے باوجود ایسے کاموں سے تعجب واقع ہوتا ہے۔ پس اس سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اظہار تعجب فرمایا تاکہ محجوبین کو جتلایا جائے کہ امور سب کے سب اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہیں اور عقول خود بخود نہیں سمجھتیں۔ وہ تو اس القاء کی وجہ سے سمجھتی ہیں جو ان کی طرف ان کا رب اور ان کا خالق فرماتا ہے۔ اسی لئے عقول کے درجے جدا جدا ہیں کسی عقل پر قفل پڑا ہے۔ کوئی کن میں محبوس ہے تو کسی عقل کے شیشے پر زنگ ہے۔ تو معلوم ہوا کہ یہ خود بخود سمجھتیں تو اپنے موجد کی توحید کا انکار نہ کرتیں۔ اسی لئے ہم نے تعجب کو قول کفار سے قرار نہیں دیا۔

اگر کہا جائے کہ کیا حق تعالیٰ کا **لم یولد** ہونا (یعنی وہ کسی سے جنا نہیں گیا) اس کے خصائص میں سے ہے یا اس میں اس کی مخلوق شامل ہے۔ تو اس کا جواب وہ ہے جو شیخ محی الدین نے ۳۴۵ ویں باب میں دیا ہے کہ عدم ولادت حق تعالیٰ کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ کیونکہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی جنے نہیں گئے۔ لیکن جب سائلوں کے ہاں ولادت معلوم تھی تو انہیں اسی شے سے خطاب کیا گیا جو انہیں معلوم تھی اور حق تعالیٰ نے اپنے آپ کو اپنی مخلوق کی مجانست سے منزہ بیان فرمایا۔ انتہی۔

امام شعرانی فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد **ان ھذا لشیء عجاب** احتمال ہے کہ تعجب کے لئے ہو۔ اور وہ وہی ہے جسے علماء رسوم کے ہاں تعجب کا نام دیا جاتا ہے۔ یعنی اس کام کی شان ہے کہ سامع اس سے تعجب کرے گرچہ متکلم اس سے متعجب نہ ہو کہ اس کی شان میں تعجب حقیقی محال ہے۔ پس اسے عقول کی پستی کی وجہ سے حق تعالیٰ کی جہت سے سامع کی طرف پھیر دیا گیا۔ اور احتمال ہے کہ کفار کی جہت سے ہو۔ تو حق تعالیٰ کی جہت سے اس لئے کہ کفار نے تعداد آلہہ کا قول کیا۔ اور جہت کفار سے ہو تو اس لئے کہ الہ ایک ہے۔ تو شیخ کا کلام دو احتمالات میں سے ایک کی بنا پر ہے۔

شرک کس کی نسبت سے ظلم عظیم ہے؟

اگر کہا جائے کہ شرک کی وصف کہ وہ ظلم عظیم ہے یہ بندے کے اپنے آپ پر ظلم کی طرف لوٹتی ہے یا اپنے سوا دوسری مخلوق پر ظلم کی طرف یا صفات الوہیت پر ظلم کی طرف۔

تو اس کا جواب وہ ہے جو شیخ محی الدین نے ۸۷ویں باب میں بیان کیا ہے کہ شرک نو صرف بندوں کے مظالم سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وماظلمونا ولکن کانوا انفسھم یظلمون (الاعراف آیت ۱۶۰) اور انہوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا لیکن وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔ پس قیامت کے دن وہ آئے گا جسے انہوں نے الوہیت میں اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرایا۔ ستارہ۔ حیوان وغیرہ۔ پس کہے گا اے میرے رب! اس شخص سے میرا حق دلا جس نے مجھے الٰہ قرار دیا اور مجھے اس چیز سے موصوف کیا جو میرے لائق نہیں۔ پس اللہ تعالیٰ اس کا حق مشرک سے لے گا اور اسے اس کے شریک کے ساتھ ہمیشہ کے لئے آگ میں رکھے گا اگر پتھر ہے یا انسان کے سوا کوئی حیوان۔ رہا انسان تو اسے اس کی پوجا کرنے والوں کے ساتھ ہمیشہ کے لئے آگ میں رکھے گا اگر پتھر ہے یا انسان کے سوا کوئی حیوان۔ رہا انسان تو اسے اس کی پوجا کرنے والوں کے ساتھ ہمیشہ آگ میں نہیں رکھا جائے گا۔ مگر جب کہ وہ اس الوہیت کے ساتھ راضی ہوا جو اس کی طرف منسوب کی گئی۔

البتہ حضرت عیسیٰ اور عزیر علیہما السلام یا حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم تو یہ حضرات اپنے پجاریوں کی معیت میں ہرگز آگ میں نہیں جائیں گے کیونکہ یہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کے لئے بھلائی مقدر ہو چکی ہے۔ انتہی۔

اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے قول ومن یدع مع اللہ الھا آخر لابرھان لہ بہ (المومنون آیت ۱۱۷) اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو پوجتا ہے جس کی اس کے پاس کوئی دلیل نہیں) میں (لابرھان لہ بہ) کے لئے کوئی مفہوم ہے؟

تو اس کا جواب فتوحات کے ۱۹۸ویں باب میں ہے کہ اس کا کوئی مفہوم نہیں کیونکہ محققین کے نزدیک اصول میں اجتہاد ممنوع ہے تو جس نے اس میں خطا کی وہ گنہگار ہوگا۔

اگر کہا جائے کہ اس آیت میں الھاً کو نکرہ لانے کی کیا وجہ ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ اسے نکرہ اس لئے لایا گیا کہ وہاں کوئی الٰہ موجود ہی نہیں۔ کیونکہ اگر موجود ہوتا تو متعین ہوتا اور اگر متعین ہوتا تو اسے نکرہ لانا صحیح نہ ہوتا۔ تو اس نے اس امر پر دلالت کی کہ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کی عبادت کرتا ہے وہ ایندھن کے بغیر پھونک مارتا ہے اور حقیقت واقعہ کے سمجھنے میں دھوکہ کھا رہا ہے۔ اور اس کا کوئی متعلق نہیں جو متعین ہو نہ ہی حق جو واضح اور روشن ہو۔ اور اس کے دعوے کا مدلول عدم محض ہے اور باقی نہ رہا مگر وہ جسے وجود محض حاصل ہے۔ کیونکہ ہر [illegible] خیال کیا جاتا ہے کہ وہ شے ہے۔ پس وہ اپنی عین شیئیت میں اپنی طرف نسبت الوہیت سے ہالک ہے نہ کہ فی نفسہ اپنی شیئیت میں۔ کیونکہ وجہ حق تعالیٰ اس میں باقی ہے کیونکہ وہ معلوم ہے اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ ہی معلوم ومجہول ہے۔

لفظ توحید کے متعلق وضاحت

اگر تو کہے کہ لفظ توحید وہم دیتا ہے کہ عبد نے ہی اپنے پروردگار کو واحد قرار دیا۔ اور اس میں احتیاج کی بو ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی شان اس سے بالا ہے۔

تو اس کا جواب فتوحات کے ۳۷ ویں باب میں ذکر کیا کہ حق تعالیٰ اس سے بے نیاز ہے کہ اس کے بندے اسے واحد کہیں۔ کیونکہ وہ خود واحد ہے اور اس کی وحدانیت کسی موحد کی توحید کے ذریعے نہیں۔ اور یہ اس لئے کہ حق تعالیٰ جو کہ مقدس ہے اس عمل کا اثر نہ ہو۔ پس اے بھائیو! اس نکتے کو خوب سمجھ لو کہ یہ بہت دقیق ہے۔

شیخ نے فرمایا: اور اللہ تعالیٰ کے اپنے بندوں کی توحید سے غنی ہونے کی وجہ سے اس نے فرمایا **شهد الله انه لا اله الا هو والملائكة واولوا العلم** (آل عمران آیت ۱۸) اللہ تعالیٰ نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتوں نے اور علم والوں نے۔ اور یہ کہ وہ عدل وانصاف قائم فرمانے والا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ وہ خود اپنی توحید بیان فرمانے والا ہے جبکہ اس کے بندے تو تصدیق۔ اعتراف اور یقین کے طریق سے اس کی اپنے متعلق گواہی پر گواہ ہیں۔

اگر کہا جائے کہ اس کی اپنے لئے گواہی پر فرشتوں اور اولوا العلم کا واؤ کے ساتھ عطف وقت میں اشتراک کا وہم ڈالنا ہے جبکہ یہاں کوئی اشتراک نہیں کیونکہ حق تعالیٰ کی اپنے متعلق شہادت کا کوئی افتتاح نہیں جبکہ ملائکہ اور اولوا العلم بلاشک وشبہ حادث ہیں۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں قطعی طور پر شہادت کے سوا کوئی اشتراک نہیں رہا وقت تو اس میں اشتراک صحیح نہیں کیونکہ حق تعالیٰ کی شہادت زمان کی تخلیق سے پہلے ہے اور اس کے لئے اس کے بندوں کی شہادت تو اس وقت ہے جب اس نے انہیں ظاہر فرمایا۔ اسے خوب سمجھ لو۔

اولوا الایمان کی بجائے اولوا العلم کی گواہی کی تخصیص کی وجہ

اگر کہا جائے کہ آیت میں گواہی کے ساتھ ایمان والوں کی بجائے علم والوں کو کیوں خاص کیا گیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے علم والوں کو گواہی کے ساتھ اس لئے خاص فرمایا کہ ان کی گواہی اس علم سے نہیں جو کہ طریق ایمان ہے وہ تو صرف ان کے قلوب لئے تجلی الٰہی کی بدولت ہے جس نے انہیں اس گواہی کے متعلق علم ضروری کا فائدہ دیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی اپنے لئے توحید کی گواہی اپنے غیر سے خبر دینے کے طریقے سے نہیں حتیٰ کہ ایمان قرار پائے کیونکہ ایمان سے متعلق تو صرف وہ چیز ہے جو کسی امر کے وقوع کے متعلق ہو پس اسے سننے والا سن لیتا ہے پس اس پر ایمان لے آتا ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کا اپنی خبر دینا ایسا نہیں ہے۔

اور ہم نے ایمان کی بجائے انہیں علم کی طرف منسوب کرنے سے یہ فائدہ حاصل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں جتلا رہا ہے کہ اولوا العلم سے مراد اہل توحید ہیں جنہیں ماقبل میں مذکور طریقے سے توحید حاصل ہوئی۔ اور کبھی ان کے ساتھ وہ بھی لاحق ہو جاتا ہے جسے علم نظری کے طریق سے توحید حاصل ہوئی۔ اور ان سے مراد وہ نہیں جسے یہ طریق خبر سے حاصل ہو۔ گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ملائکہ نے علم ضروری کے ساتھ میری توحید کی گواہی دی جو انہیں ان کے قلوب کی تجلی سے حاصل ہوا اور ان کے لئے دلائل میں نظر صحیح کے مقام پر قائم ہوا۔ پس میرے لئے ملائکہ نے توحید کی گواہی دی جیسے میں نے اپنے لئے گواہی دی۔ اور علم والوں نے بھی نظر عقلی کے ساتھ گواہی دی جو میں نے

ان کے لئے مقرر فرمایا۔ انتہی۔

امام شعرانی فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ شیخ کی تقریر کی تائید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے کہ جسے موت آئی جبکہ وہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی الٰہ نہیں وہ جنت میں داخل ہوگیا۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ ایمان رکھتا ہے نہ ہی یہ کہ وہ کہتا ہے بلکہ فرمایا وہ جانتا ہے۔ اور علم کو جدا کر کے بیان فرمایا۔ اور یہ اس لئے کہ ایمان کا وجود خبر کے وجود پر موقوف ہے جیسا کہ پہلے گزرا۔ اور یہ موقوف ہے رسل علیہم السلام کے آنے پر اور رسول ثابت نہیں ہوتا حتیٰ کہ ناظر عاقل جان لے کہ وہاں صرف ایک ہی اللہ ہے پھر یہ کلمہ کہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا کہ لا الہ الا اللہ کہہ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رسول سے فرمایا کہ اس سے یوں کہو۔ اس وقت اسے مومن کہا جائے گا۔

کیونکہ رسول نے اس پر واجب کیا کہ یہ کہے گر چہ وہ بلاواسطہ خود بخود جاننے والا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یاایھا الذین آمنوا آمنوا باللہ و رسولہ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ گر چہ تم موسیٰ و عیسیٰ کی شریعت کی جہت سے مومن ہی ہو۔ اس لئے کہ اب حکم صرف اور صرف شریعت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے۔

اسی طرح اہل فترات کے بارے میں حکم ہے۔ انہیں اسی طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا حکم دیا جائے گا جب وہ آپ کی رسالت کا زمانہ پائیں۔ گر چہ وہ اس سے پہلے اس نور کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے قلوب میں ڈالا موحد تھے۔ جیسے قس بن ساعدہ۔ سیف بن ذی یزن وغیرہما۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ارشاد من مات وھو یعلم میں خبر یا علم ضروری کے طریق سے توحید کی تمام اقسام کو جمع فرمادیا۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس توحید علمی والے کو صرف اس لئے سعادت مند اور جنت میں داخل ہونے والا قرار دیا گر چہ وہ ایمان کے ساتھ متصف نہیں ہوا کیونکہ جہنم اپنی ذات میں کسی بھی موحد کے اس میں ہمیشہ رہنے کو کبھی قبول نہیں کرتی چاہے اس کی توحید کسی طریق سے ہو۔

محمد رسول اللہ کے بغیر لا الہ الا اللہ مفید نہیں

اگر کہا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس گذشتہ حدیث میں یہ کیوں نہیں فرمایا کہ ویعلم ان لحمدا رسول اللہ باوجودیکہ سعادت مومن کے طریق میں اس کے بغیر چارہ نہیں۔

تو اس کا جواب وہ ہے جو کہ قصری نے شرح شعب الایمان میں بیان فرمایا۔ کہ آپ نے حدیث پاک میں یہ اس لئے بیان نہیں فرمایا کہ جس نے شارع علیہ السلام کے حکم کی تعمیل میں توحید کی گواہی دی اس کے ضمن میں رسالت کی گواہی آگئی۔ اس لئے کہ لا الہ الا اللہ کہنے والا صرف اسی وقت مومن قرار پاتا ہے جب وہ یہ کلمہ اپنے لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس حکم پر پڑھتا ہے کہ یہ کہہ۔ تو جب اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد عالی پر کہ اسے پڑھ اسے پڑھا تو یہ بالکل رسالت کا اثبات ہے تو جب یہ خاص کلمہ شہادت بالرسالت کو ضمن میں لئے ہوئے ہے تو آپ نے حدیث میں یہ نہیں فرمایا۔ و یعلم ان محمدا رسول اللہ۔ علاوہ ازیں دوسری روایت شہادت بالرسالت کا ذکر بھی آیا ہے۔ انتہی۔

(اقول وباللہ التوفیق۔ جن احادیث میں صرف لا الہ الا اللہ آیا ہے ان سے استدلال کرتے ہوئے بعض بے توفیق لوگ کہتے ہیں کہ کلمہ صرف لا الہ الا اللہ ہے۔ محمد رسول اللہ اس میں شامل نہیں۔ ان تمام احادیث کی وضاحت مندرجہ بالا تقریر سے ہوگئی۔ چنانچہ محدث شہیر ملا علی القاری شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں۔ وانما لم یذکر محمد رسول اللہ لانہ معلوم انہ بدونہ لاینفع (ج ا ص ۱۰۰) کہ محمد رسول اللہ اس لئے ذکر نہیں کیا کہ یہ تو معلوم ہی ہے کہ اس کے بغیر لا الہ الا اللہ نفع نہیں دیتا۔ نیز فرمایا ویلزم منہ شہادۃ ان محمدا رسول اللہ (ج ا ص ۱۱۲) یعنی شہادۃ توحید سے شہادت رسالت لازم ہے۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ)

اور احتمال ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس سے ہاتھ روکنے کا حکم دیا جس نے لا الہ الا اللہ کہا۔ کہ آپ سے وارد ہے کہ جو شخص اس پر فوت ہوا جنت میں داخل ہوگیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو آخر میں جب ان سے وہ حد خفیف ہوگئی جو کہ بعثت کے اوائل میں ان کے ہاں تھی اور انہیں آپ کے متعلق یقین حاصل ہوگیا۔ حکم دیا ہو کہ ایمان بالرسول کا مکلف فرمائیں جیسا کہ تھوڑا تھوڑا کر کے بندوں کو احکام کی تکلیف دینے کا دستور خداوندی ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ان محمدا رسول اللہ سے صرف اس لئے خاموش رہے کہ اہل الفترات اور جنہیں آپ کا پیغام نہیں پہنچا داخل ہو جائیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کون سی توحید اعلیٰ ہے استدلالی یا غیر استدلالی؟

اگر کہا جائے کہ کون سی توحید اعلیٰ ہے۔ اس کی توحید جو دلائل میں نظر کرتا ہے یا اس کی جو نظر نہیں کرتا جیسے حیوانات اور جمادات۔

تو اس کا جواب وہ ہے جو سیدی علی الخواص نے بیان کیا کہ جو دلائل میں نظر نہیں کرتا اس کی توحید اعلیٰ ہے جبکہ اس کی توحید کشفاً ہو۔ اور اگر تقلیداً ہو تو اس کی توحید جو دلائل میں نظر کرتا ہے اس سے اعلیٰ ہے۔ واللہ اعلم۔ بلکہ میں نے آپ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو اللہ عزوجل کے لئے اپنی توحید میں دلیل پر توقف کرتا ہے وہ جاہل ہے۔ کیونکہ فطرتاً ہر مخلوق کو علم ہے کہ اللہ واحد ہے۔ اور انسان کی حد جب وہ دلائل میں نظر کرے یہ ہے کہ اس کا کام اللہ تعالیٰ کے متعلق اس کی کنہ کی حیثیت سے حیرت تک پہنچے۔ اور یہ تو چارپایوں کا حال ہے کیونکہ وہ اپنی فطرت میں حیرت پر ہیں۔ اور انسان، جب اسے اللہ تعالیٰ نے صورت کمال پر پیدا فرمایا ارادہ کرتا ہے کہ حیرت سے نکل جائے۔ اور نہ جانا کہ یہ اس کے لئے صحیح نہیں۔

مسئلہ تنزیہہ کے متعلق سوال اور جواب

اگر کہا جائے کہ کیا کسی عبد کے لئے صحیح ہے کہ اپنے نفس میں جو حادث کی صفات پاتا ہے ان سے حق تعالیٰ کی تنزیہہ میں ترقی کرے یا اسے اس سے ترقی کرنا صحیح نہیں ہے۔

اس کا جواب فتوحات کے ۳۲۰ ویں باب میں ہے کہ کسی عبد کے لئے کبھی بھی صحیح نہیں کہ اپنے نفس سے جو کچھ اس کے علم میں ہے اس سے حق تعالیٰ کی تنزیہہ میں ترقی کرے۔ پس ہر عبد اپنے پروردگار کی اس سے تنزیہہ کرتا ہے جس پر وہ ہے۔ کیونکہ ہر وہ چیز جس پر کہ عبد ہے حادث ہے اور حق تعالیٰ کی تنزیہہ صرف اس کے ساتھ قیام حوادث سے ہوتی ہے۔ اسی لئے تنزیہہ منزہین کے مختلف ہونے کی وجہ سے مختلف ہوتی ہے۔

چنانچہ عرش کی پکار ہے کہ پاک ہے وہ جو اپنے وجود میں کسی محل کا محتاج نہیں جس کی وجہ سے اس کا ظہور ہو اور جوہر کہتا ہے کہ پاک

ہے وہ جو اپنے وجود میں اسے پکڑنے کے آلات کا محتاج نہیں۔ اور جسم کہتا ہے کہ پاک ہے وہ جو اپنے وجود میں کسی موجد کا محتاج نہیں جو اسے ایجاد کرے۔ اور اس میں اصول کی حیثیت سے تنزیہ کا حصر ہے کیونکہ وہاں نہیں ہے مگر جسم یا جوہر یا عرض۔ اور کامل سارے عالم کی تسبیح کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتا ہے کیونکہ سارا عالم اس میں لپٹا ہوا ہے۔ انتہی۔

عبادت بطریق احدیت یا واحدیت

اگر کہا جائے کہ خلق کا حق تعالیٰ کی عبادت کرنا اس کی احدیت کے طریق سے ہے یا اس کی واحدیت کے طریق سے۔ اگر تم کہو کہ وہ طریق احدیت سے ہے تو یہ کیونکر صحیح ہوگا کہ اس میں تجلی ممنوع ہے کیونکہ احد اپنے ساتھ وجود غیر کو قبول نہیں کرتا بخلاف واحدیت کے۔

اس کا جواب فتوحات کے ۴۷۲ ویں باب میں ذکر فرمایا کہ کسی عبد کے لئے صحیح نہیں کہ ذوقاً اللہ تعالیٰ کی عبادت اس کی احدیت کی حیثیت سے کرے۔ کیونکہ احدیت وجود عابد کو محو کر دیتی ہے۔ تو گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میری عبادت مت کرو مگر میری ربوبیت کی حیثیت سے۔ کیونکہ ربوبیت ہی کو تم پہنچانتے ہو کیونکہ اس نے تمہیں ایجاد کیا۔ تو کسی کے لئے اس کے سوا تعلق صحیح نہیں۔ اور اظہار عجز نہیں مگر اسی کے لئے۔ تو جس نے دربار احدیت کے لئے عبادت کی تو اس کے نفس نے غیر معروف کی عبادت کی۔ اور وہاں طمع کی جو طمع کی جگہ نہیں۔ کیونکہ احدیت خصائص ذات سے ہے جو کہ اغیار کو مٹا دیتی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ ماسوی اللہ کے لئے مطلقاً احدیت نہیں اور اللہ تعالیٰ کے قول **ولا یشرك بعبادة ربه احدا** (الکہف آیت ۱۱۰) اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے) میں مجاز ہے۔ نہ کہ حقیقت۔ کیونکہ وہ اس کے خلاف ہے جسے اہل اللہ معنوں کی تقدیر میں سمجھتے ہیں۔ گرچہ لفظ احدیت کا ماسوی پر اطلاق ثابت ہے جیسا کہ اس آیت میں۔ اور ہم نے جو تقریر کی ہے اس کی تائید حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے **قل هو الله احد**۔ یعنی صفت احدیت میں اس کا کوئی شریک نہیں۔

شیخ محی الدین نے فرمایا: رہا واحد تو ہم نے قرآن میں نظر کی تو ہم نے نہیں پایا کہ اس کا اطلاق غیر پر فرمایا ہو جیسا کہ صفت احدیت کا۔ اور میں جس پر یقین رکھتا ہوں۔ اگر اس کا اطلاق نہیں فرمایا تو وہ احدیت سے اخص ہے۔ اور ذات کے لئے اسم علم ہے نہ صفت جس طرح احدیت۔ کیونکہ صفت محل اشتراک ہے۔ اسی لئے اس کا اطلاق ماسوی اللہ پر ہوا جیسا کہ گزر چکا۔ انتہی۔

ہر حق صدق ہے ہر صدق حق نہیں

اگر کہا جائے کہ اس امر پر اجماع ہے کہ ہر سچ بولنے والا نجات پانے والا ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ مشرک اس امر میں سچا ہے کہ وہ مشرک ہے تو اسے اس کا صدق نفع کیوں نہیں دیتا؟

تو اس کا جواب فتوحات کے ۳۵۵ ویں باب میں شیخ نے یہ دیا ہے کہ صدق اس وقت صاحب صدق کو نفع دیتا ہے جب حق کے موافق ہو۔ پس بیشک چغلی اور غیبت سچ ہوتی ہیں لیکن دونوں حرام ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **لیسئل الصادقین عن صدقهم** (الاحزاب آیت ۸) تاکہ سچوں سے ان کے سچ کے متعلق سوال کرے)۔ یعنی کیا انہیں حق نے اس صدق کا حکم دیا یا اس سے انہیں روکا؟ پس ہر حق صدق ہے جبکہ ہر صدق حق نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ مشرک اس میں سچا ہے کہ وہ مشرک ہے البتہ وہ اس میں سچا نہیں کہ شرکت فی الالوہیہ صحیح ہے۔ اور اس نے دلائل شرعیہ اور عقلیہ کے ساتھ بحث کی پس اس نے اپنے دعویٰ کا صدق میں کچھ نہیں پایا۔ انتہی۔

ایک سوال اور اس کا جواب

اگر کہا جائے کہ کیا یہ صحیح ہے کہ حق تعالیٰ شریک سے مبرا ہے اس حیثیت سے کہ وہ عدم ہے۔ نفس الامر میں اس کا کوئی وجود نہیں۔

تو اس کا جواب وہ ہے جو کہ ۳۰۱ ویں باب میں شیخ نے دیا ہے کہ یہ صحیح نہیں کہ حق تعالیٰ شریک سے اس لئے بری ہے کہ وہ عدم محض ہے۔ وہ تو مشرک سے بری ہے اس حیثیت سے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے سوا معبود اختیار کئے بغیر کسی دلیل کے جو اس کے پاس آئی ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ کے مشرک سے بری ہونے سے مراد اس مشرک کی مذمت اور بغض ہے۔ ورنہ اگر حقیقتاً اس سے بری ہو جائے تو اس پر اس کے وجود کی حفاظت کون کرے؟ تو اس سے برأت کا حکم حق تعالیٰ کی اس سے صفت تنزہ کا حکم ہے۔ کیونکہ برأت کا متعلق عدم ہے۔ انتہی۔

اور آپ نے ۳۴۵ ویں باب میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرکت کبھی بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ اس کے صحیح ہونے کی شرط حصوں کی تمیز نہ ہونا ہے۔ جبکہ اس شئے میں جس کا نام مشترک ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام امور متعین ہیں۔ اور ۲۷ ویں باب میں فرماتے ہیں کہ وجود میں شرکت صحیح نہیں کیونکہ وہ سب کا سب واحد کا فعل ہے تو شرکت کے لئے مصدر ہی نہیں جس سے صادر ہو۔

پس اے بھائی! شرکت میں اس تنبیہ پر یقین کر کیونکہ یہ بعید ہے کہ تو اسے میرے سوا کسی سے سنے۔ گرچہ وہ اسے پہنچانتا ہو کیونکہ اس پر فطری بزدلی غالب آ جاتی ہے پس وہ اس حیثیت گھبراتا ہے کہ حق تعالیٰ نے وصفاً مخلوق میں شرکت ثابت کی ہے۔ اور وہ اپنے رب کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے۔ اور اسے اللہ تعالیٰ کے اس قول کا شعور نہ ہوا کہ میں شرکاء میں سب سے زیادہ شرک سے بے نیاز ہوں۔ پس یہ نہیں فرمایا کہ شرکت صحیح ہے اور نہ یہ کہ شریک موجود ہے پس بندہ ہی ہے جس نے شرک کیا۔ نفس الامر میں کوئی شرکت نہیں۔ کیونکہ امر ایک سے ہے۔

یہ ہے وہ حق اگر تو اسے کہتا ہے تو مغلوب نہیں ہوتا۔ اور اس کے سوا جو ہے تو وہ مثال ہے جو بیان کی جاتی ہے۔ مثلاً بفرض محال اس کا وجود موجود ہے۔ انتہی۔ اور اس میں طویل کلام فرمایا۔

کیا ہر کافر مشرک ہے؟

اگر کہا جائے کہ کیا ہر کافر اسی طرح مشرک ہے جس طرح ہر مشرک کافر ہے یا نہیں؟ تو اس کا جواب وہ ہے جو کہ ۲۷۵ ویں باب میں دیا کہ مشرک کافر ہے جبکہ ہر کافر مشرک نہیں۔ رہا مشرک کا کفر تو اس کے احدیت الٰہ سے پھر جانے کی وجہ سے ہے۔ رہا اس کا شرک تو وہ اس لئے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیر کی طرف الوہیت منسوب کر دی اور اس کے لئے دو نسبتیں مقرر کر دیں پس شرک کیا۔

رہا یہ کہ لازم نہیں کہ ہر کافر مشرک ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ کافر وہ ہے جو یہ تو کہتا ہے کہ بیشک الٰہ ایک ہے البتہ اس نے تعیین الٰہ میں غلطی کی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لقد كفر الذين قالوا ان الله هو المسيح بن مريم (المائدہ آیت ۱۷) بیشک وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا کہ اللہ تو مسیح بن مریم ہے۔ یہ نہیں فرمایا لقد اشرك الذين قالوا ان الله هو المسيح بن مريم یعنی ایسا کہنے والے مشرک ہو گئے۔ تو اس کا کفر اس حیثیت سے ہے کہ اس نے ناسوت عیسیٰ کو الٰہ قرار دیا۔ جس طرح کہ وہ رسول کے ساتھ یا اس کی کتاب کے بعض حصے کے ساتھ کفر کرنے سے بھی کافر ہو جاتا ہے۔ اور اس کا کفر دو وجہوں پر ہے۔

اوّل: یہ کہ اس کا اس کے ساتھ کفر ہو جو اللہ تعالیٰ کے ہاں سے آیا۔ جیسے مشرک کا اللہ تعالیٰ کی توحید میں کفر۔

دوسری وجہ یہ کہ رسول اللہ کو اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے ہاں سے آیا جانتا ہو کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سے ہے پھر اسے عوام سے اور اپنے پیروکاروں سے چھپائے جیسے کہ قیصر بادشاہ روم سے واقع ہوا۔ اور اس میں طویل کلام کیا۔

عہد الست کے بعد شرک کیوں؟

اگر کہا جائے کہ لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کا عقیدہ کہاں سے آیا باوجودیکہ سب نے الست بربکم کے دن اس کے لئے ربوبیت کے اقرار کے ساتھ جواب دیا؟

تو اس کا جواب ۳۰۵ ویں باب میں شیخ نے یہ دیا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کا دعویٰ نہیں کیا یہاں تک کہ وہ اس حاضری سے حجاب میں آ گئے۔ جب محجوب ہوئے تو ان پر اوہام نے وجود شریک کا حکم لگایا باوجودیکہ وہ نفس الامر میں عدم ہے۔ کیونکہ اگر حق کے لئے شریک صحیح ہوتا تو بندوں سے اللہ تعالیٰ کے لئے میثاق لینے کے وقت اقرار ربوبیت صحیح نہ ہوتا۔ اور اگر ان میں اس کے لئے وجود شریک صحیح ہوتا تو وہاں ان کا صرف یہ اطلاق کہ ملک اسی کا ہے بایں طور کہ وہ ان کا رب ہے وہ عین شریک کی نفی ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ ہم نے یہ صرف استنباط کے طریق سے کہا ہے۔ کیونکہ وہاں توحید کے لئے اصلاً کوئی لفظ جاری نہیں ہوا۔ صرف معنی یہ مفہوم عطا کرتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ شریک کی اصل سے ہی نفی کی گئی ہے۔ والسلام۔

اگر کہا جائے کہ پھر تو مشرک اللہ تعالیٰ کے متعلق مطلقاً جاہل ہے تو ۲۸۵ ویں باب میں شیخ نے جواب دیا ہے کہ بالکل صحیح۔ کیونکہ شرکت کسی وجہ سے بھی صحیح نہیں۔ اور ایجاد کبھی بھی شرکت کے ساتھ نہیں ہوتی۔

شیخ نے فرمایا کہ اسی لئے معتزلہ مشرکین کے ساتھ لاحق نہیں ہوئے۔ کیونکہ انہوں نے صرف عباد کے افعال کو عباد کے لئے پایا تو انہیں اللہ تعالیٰ کا شریک قرار نہیں دیا۔ صرف ان کے افعال عقلاً ان کی طرف منسوب کر دیئے اور شرع نے اس پر ان کی تصدیق کی۔ جس طرح کہ اشعریہ نے ممکنات کے تمام افعال عقلی تقسیم کے بغیر اللہ تعالیٰ کے لئے پائے۔ اور شرع نے اس پر ان کے ساتھ یہی موافقت کی۔ لیکن اس خطاب کی وجوہ کے بعض احتمالات کی وجہ سے۔ اور انہیں مشرکین میں سے قرار نہ دیا۔ بلکہ انہوں نے کہا کہ بیشک اللہ تعالیٰ ہر شئے کا خالق ہے۔

شیخ نے کہا: لیکن مخفی نہ رہے کہ جس طرف اشاعرہ گئے ہیں وہ اہل کشف کے نزدیک زیادہ قوی ہے باوجودیکہ دونوں گروہ توحید شرعی والے ہیں۔ انتہی۔

اور ۴۷۳ ویں باب میں اللہ تعالیٰ کے قول ان اللہ لا یغفران یشرك به (النساء آیت ۴۸، ۱۱۶) بیشک اللہ تعالیٰ نہیں بخشتا اسے کہ اس کے شریک ٹھہرایا جائے) کے متعلق شیخ نے فرمایا: یعنی یہ اس لئے کہ شریک عدم ہے اس کا وجود نہیں۔ جس طرح ایمان دار اپنے ایمان کے ساتھ اس کا یقین رکھتا ہے۔ اور جب وہ عدم ہے تو اللہ تعالیٰ اسے نہیں بخشتا کیونکہ ڈھانپنا چھپانا تو صرف اسی کے لئے ہوتا ہے جس کا وجود ہو جبکہ شریک عدم ہے تو وہاں وہ ہے ہی نہیں جسے چھپایا جائے۔ پس وہ تحقیقی کلمہ ہے تو ان اللہ لا یغفران یشرك به کا معنی یہ ہوا کہ شریک کا وجود ہی نہیں۔ اگر اس کا وجود ہوتا تو مغفرت کی کوئی شعاع اس سے متعلق ہوتی۔ اور یہاں طویل کلام فرمایا۔

اور آپ نے ۳۴۵ ویں باب میں فرمایا: جان لو کہ شرع کبھی بعض موقعوں پر عرف کی پیروی کرتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول

میں ہے ولم یکن له شریك فی الملك (الاسراء آیت ۱۱۱) اور ملک میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ پس شریک کی نفی فرمائی باوجودیکہ شرع میں اس کا وجود ہی نہیں۔ لیکن چونکہ عرف عام میں شریک کا اسم ثابت ہے تو اس میں شرع نے اس کی پیروی کی تا کہ اس سے حکم سمجھ لیا جائے۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قوم کی زبان کے ساتھ تشریف لائے اور وہ وہ ہے جس پر ان کا اتفاق ہو۔ انتہی۔

جنات میں کوئی مشرک نہیں

اگر کہا جائے کہ کیا جنات میں جو کہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے انسانوں کی طرح کوئی مشرک ہے؟

تو اس کا جواب وہ ہے جو کہ شیخ نے ۳۶۹ ویں باب میں دیا ہے کہ جنوں میں ایسا کوئی نہیں جو کہ حق تعالیٰ سے جاہل ہو نہ ہی ان میں کوئی مشرک ہے۔ پس وہ کفار کے ساتھ ملحق ہیں نہ کہ مشرکین کے ساتھ۔ گرچہ یہ وہی ہیں جو لوگوں کے لئے شرک کا وسوسہ ڈالتے ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا **کمثل الشیطان اذقال للانسان اکفر فلما کفر قال انی بریئی منك انی اخاف الله رب العالمین** (الحشر آیت ۱۶) شیطان کی طرح جبکہ اس نے انسان سے کہا کہ کفر کر۔ جب اس نے کفر کیا تو کہا میں تجھ سے بری ہوں بیشک میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔ پس اسے سوچو۔

توحید خالص

اگر کہا جائے کہ جب مذہب اشعریہ میں بندے کے لئے اضافت عقل کے بغیر چارہ نہیں تو پھر اللہ تعالیٰ کے لئے خالص توحید کیونکر صحیح ہو گی۔ تو اس کا جواب شیخ نے ۱۹۸ ویں باب میں دیا ہے کہ انسان پر واجب ہے کہ اپنے رب کو شریک سے منزہ سمجھے نہ کہ عقل وملک میں شرکت سے تا کہ تکلیف شرعی درست قرار پائے۔ کیونکہ بندے کے لئے عقل وملک میں شرکت ہے لیکن اسباب کے حجاب کے پیچھے سے جیسے بڑھئی کی طرف صنعت منسوب کی جاتی ہے جبکہ اس نے تابوت فقط اپنے ہاتھ کے ساتھ نہیں بنایا بلکہ اسے لوہے اور لکڑی کے متعدد آلات کے ساتھ تیار کیا۔ تو یہ بڑھئی کے عمل کے آلات ہیں اور تابوت کا عمل ان میں سے کسی طرف منسوب نہیں کیا گیا۔ انتہی۔

اسباب اور اوثان میں فرق

اگر کہا جائے کہ اس شخص میں جو اسباب کی بات کرتا ہے اور اس میں جو بتوں کی طرف سے بات کرتا ہے کہ ہم انہیں نہیں پوجتے مگر اس لئے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیں کیا فرق ہے۔ تو جو اسباب کے ساتھ رک گیا وہ کافر کیوں نہیں ہوتا۔ جس طرح کہ وہ کافر ہو گیا جس نے بت پوجے۔

تو اس کا جواب وہ ہے جو شیخ نے حج کے متعلق کلام کرتے ہوئے ۷۲ ویں باب میں دیا کہ جان لو کہ بت پوجنے والے ہمارے ساتھ اس امر میں جمع ہو گئے کہ ہم نے ذات کی عبادت اس کے ذات کی وجہ سے نہیں کی بلکہ اس کے الٰہ ہونے کی وجہ سے کی۔ البتہ انہوں نے اسم میں ہماری مخالفت کی۔ بیشک ہم نے اسم کو اس کے مسمّٰی کی حقیقت پر رکھا اور ہم نے منسوب کیا جو چاہئے جس کے لئے چاہئے۔ پس وہ اللہ ہے برحق۔ اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ جبکہ انہوں نے اسم اس کے مسمّٰی کے غیر پر رکھا پس وہ غلطی کر گئے۔ پس ہمارا نام علماء سعادت مند رکھا گیا۔ جبکہ ان کا نام جاہل بدبخت قرار پایا۔ پس ہم مسمّٰی کی عبادت کرتے ہیں جبکہ اسم اس میں درج ہے اور وہ اسم کے پجاری ہیں

مسمی کے نہیں۔جیسا کہ فرمایاوللہ یسجد من فی السموت والارض طوعا و کرھا (الرعدآیت ۱۵)اوراللہ تعالیٰ ہی کے لئے سجدہ کر رہی ہے ہر چیز جوآسمانوں میں ہےاورزمین میں ہے خوشی ناخوشی)۔پس مومن اللہ تعالیٰ کے لئے خوشی سے سجدہ کرتا ہے جبکہ مشرک اللہ تعالیٰ کے لئے مجبوراً سجدہ کرتا ہے۔کیونکہ اس نے بت کی عبادت کی پس بت اس سے بری ہو جائے گا تو اس کی عبادت اس کی ناک خاک آلود کرتے ہوئے مجبوراًاللہ تعالیٰ ہی کے لئے واقع ہوئی۔

اورآپ نے فتوحات کے ۲۰۷ویں باب میں فرمایا کہ مشرکین کے قول مانعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفی میں ان کی توحید شرعاًاس لئے قبول نہیں کی گئی کہ دلیل مدلول کے متضاد ہے۔اورتوحید مدلول ہے جبکہ دلیل اس کے خلاف ہے پس کوئی توحید نہیں۔انتہی۔

اگر کہا جائے کہ کیا ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کے قول لو کان فیھما آلھة الا اللہ لفسدتا (الانبیاءآیت۲۲)(اگرزمین وآسمان میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور خدا ہوتے تو دونوں میں فساد برپا ہو جاتا) میں فساد کے علاوہ برہان تمانع میں کوئی اور علت بھی ہے۔

اس کا جواب ۳۷۳ویں باب میں شیخ نے یہ دیا ہے کہ دومعبودوں کے وجود کے ممنوع ہونے کی علت حق تعالیٰ کا لامثل لہ ہونا ہے۔تو اگر یہ صحیح ہوتا کہ وجود میں دوالٰہ ہوں تو یہ صحیح ہوتا کہ اس کی مثل ہو۔اور یہ محال ہے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نفی فرمادی کہ اس کی کوئی مثل ہو بخلاف اسماء کے کہ ان کا اجتماع کائنات کے ساتھ تشبیہ نہ ہونے کی وجہ سے ایک شے میں صحیح ہے۔فرماتے ہیں کہ مثال کے طور پر سیب کو دیکھو اسے اللہ تعالیٰ نے کیسے پیدا فرمایا ہے کہ ایک ہی جوہر میں رنگ۔ذائقہ اور مہک کا حامل ہے۔جبکہ اس جگہ دورنگوں یا دوذائقوں یا دو مہکوں کا وجود محال ہے۔

فرمایا: یہیں سے حق تعالیٰ کا نام ظاہرو باطن ہونا نہ کہ دوظاہراوردو باطن کامعنیٰ سمجھا جاسکتا ہے۔

اورآپ نے ۱۸۱ویں باب میں فرمایا کہ مرید دوشیوخ کے درمیان صرف اس لئے فلاح نہیں پاتا کہ اس کا قیاس اس پر ہے کہ ایک جہان کا وجود دومعبودوں کے درمیان۔ایک مکلف کا وجود دورسولوں کے درمیان اورایک عورت کا وجود دومردوں کے درمیان نہیں ہوسکتا۔انتہی۔

شیخ محی الدین پرسوال اوراس کا جواب

اورشیخ سے پوچھا گیا کہ وہ الٰہ جس کی وصف ونعت شارع علیہ السلام لائے مخلوق سے جدا ہونے کی وجہ سے اس کہ کنہہ کا ادراک نہیں ہوسکتا تو کیا وہ اس الٰہ کا غیر ہے جس کا عقل نے ادراک کیا اورعلم کے طریقے سے اس کا احاطہ کیا یا وہ اس کا عین ہے لیکن عقل اس کے احاطے سے قاصر رہی؟

پس آپ نے فتوحات کے ۶۷ویں باب میں یہ جواب دیا کہ وہ الٰہ جس کا عقل نے ادراک کیا وہ اس منزہ مقدس الٰہ کا عین نہیں۔کیونکہ وہ الٰہ جس کی وصف اورنعت شارع علیہ السلام لےکر آئے کسی حادث کا اپنے قرین ہونا قبول نہیں کرتا۔اوراس الٰہ کے ساتھ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی میں محمد رسول اللہ قرین ہے۔تو معلوم ہوا کہ توحید اس حیثیت سے جسے اللہ تعالیٰ جانتا ہے وہ توحید نہیں جس کا ادراک نظرعقلی کرتی ہے کیونکہ جس الٰہ کی عبادت کی طرف شرع دعوت دیتی ہے اس کی کنہہ عقل میں نہیں آسکتی کہ وہ سارے حقائق کے مخالف ہے۔اوراس میں طویل کلام فرمایا۔اس پرغورکرنا چاہئے۔

پھرفرمایا کہ جس نے اسے پہچان لیا جس کی ہم نے تقریر کی ہے اسے معلوم ہوگیا کہ وہ الٰہ جس کا ادراک عقل نے کیا اسے اپنی ان

صفات میں سے کسی شے کی تاویل کی ضرورت نہیں جن کا ہم نے اپنی عقل سے ادراک کیا۔اور حق تعالیٰ نے ان میں ہماری عقول کے لئے نزول فرمایا۔تو استواء۔نزول۔معیت۔ترددوغیرہ کے ساتھ اس کی وصف کسی تاویل کے بغیر صحیح ہے۔انتھی۔

امام شعرانی فرماتے ہیں کہ تاویل کا محتاج صرف وہ ہے جس نے گمان کیا کہ جس اللہ کی معرفت کی اللہ تعالیٰ نے ہمیں ذمہ داری سونپی ہے وہ ان صفات مقدسہ والا نہیں جو عقل میں نہیں آتیں۔اور یہ اس لئے کہ حق تعالیٰ کے دو مرتبے ہیں۔ایک مرتبہ وہ ہے جس پر وہ اپنی بلند و بالا ذات میں ہے۔اور ایک مرتبہ وہ جس سے اپنے بندوں کی عقول کے لئے نزول فرماتا ہے۔تو مخلوق نے اس سے صرف مرتبہ تنزل ہی کو پہنچانا ہے۔نہ کچھ اور۔کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو کبھی بھی تکلیف نہیں دی کہ اسے اس طرح پہنچانیں جس طرح کہ وہ اپنے آپ کو پہنچانتا ہے۔اور اگر انہیں اس کی تکلیف دیتا تو بات اس کے احاطہ تک پہنچتی جیسا کہ وہ خود محیط ہے۔اور یہ محال ہے کہ اس وقت بندے کا علم اور رب تعالیٰ کا علم برابر ہوتا۔انتھی۔

اور شیخ نے ۲۷ ویں باب میں بھی فرمایا کہ تنزیہہ شرع میں سنی گئی ہے اور عقل میں نہیں پائی گئی۔انتھی۔

اور سیدی محمد وفا رضی اللہ عنہ نے اس معنی کے متعلق شعروں میں فرمایا:

تیری عقل کی رسی اوہام کے ساتھ باندھی گئی ہے اور تیرا قلب قیل وقال میں لوٹ رہا ہے۔

تو نے فکر کے ساتھ ایک معبود تراشا اور اسی کی بات کہی۔اور تو نے گرہ کی حفاظت کی جو کہ دست قدرت سے کھلتی ہے۔

تو اپنے سے پہلے ایک زمانہ مشقت میں رہا۔اور میرا دل ہے کہ اس بیماری میں مبتلا ہے۔انتھی۔

پس معلوم ہوا کہ اوہام سے اوپر نہیں نکلتے مگر انبیاء اور اولیاء وعلماء جو کہ ان کے کامل وارث ہیں۔تو یہ حضرات وہی ہیں جو کہ اللہ عزوجل کے بارے میں اوہام (کی گرفت سے) نکل گئے۔اسی لئے ان سے اللہ تعالیٰ کی صفات کی تاویل اپنے لئے منقول نہیں ہے۔انہوں نے صرف اپنے پیروکاروں کے لئے ان کی تاویل کی ہے کہ ان کی عقلیں قاصر ہیں۔تو یہ اپنے عام بندوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ تشبیہہ خیالی اور اپنی طرف سے ہمارے خطاب کے ساتھ تنزل فرماتا ہے تا کہ اس کے امرونہی کو سمجھ سکیں۔تو جب ہم اسے سمجھ لیں جس کے ساتھ ہمیں خطاب فرمایا تو خیالی مثالیں رائیگاں چلی جاتی ہیں اور علم ہمارے پاس رہ جاتا ہے۔

اور یہ مثال ہے اس کے اس قدیم کلام کی جو کہ ہماری طرف نازل ہوا جو کہ حروف واصوات سے منزہ ہے تو اسے سمجھ نہیں سکتے مگر جبکہ صوت وحرف کے ساتھ ہو۔اور اگر ہم سے پردہ اٹھا دیا جاتا تو اسے صوت وحرف کے بغیر پاتے۔جس طرح کہ حق تعالیٰ جب قیامت کے دن تجلی فرمائے گا تو اسے بعض لوگ صورت میں دیکھیں گے اور اگر درست نگاہی کا شرف پاتا تو حق کی کوئی صورت نہ پاتا۔

اور اس کی نظیر ریت ہے جسے پیاسا پانی گمان کرتا ہے حتیٰ کہ جب اس کے پاس آتا ہے تو کچھ بھی نہیں۔

مناقشہ حق

اور شیخ نے ۲۷ ویں باب میں فرمایا کہ حق کے لئے (درست) ہے کہ موحدین کے ساتھ گفتگو کرے اور انہیں کہے کہ تم نے کس وجہ سے مجھے ایک کہا۔اور کس لئے ایک کہا اور تمہیں میری توحید کا کس نے تقاضا کیا۔اگر تم مظاہر میں مجھے ایک مانتے ہو تو تم حلول کے قائل۔جبکہ حلول کے قائل غیر موحد ہیں کیونکہ انہوں نے دو امر ثابت کئے۔حلول کرنے والا اور محل۔اور اگر تم نے مجھے ذات میں ایک مانا صفات و

افعال کے بغیر تو تم نے مجھے ایک نہیں مانا کیونکہ عقول کی اس تک رسائی نہیں۔ اور میرے ہاں سے تمہارے پاس اس کی خبر نہ آئی۔ اور اگر تم نے مجھے الوہیت میں ایک مانا کہ وہ اختلاف نسب کے باوجود صفات فعلیہ اور ذاتیہ کی حامل ہے تو تم نے مجھے کس چیز کے ذریعے ایک مانا؟ کیا اپنی عقول کے ذریعے یا میرے ذریعے؟ تو جیسا بھی ہو تم نے مجھے ایک نہیں مانا۔ کیونکہ میری وحدانیت وہ کسی موحد کی توحید کی وجہ سے ہے نہ تمہاری عقول کی وجہ سے۔ نہ ہی میری وجہ سے۔ کیونکہ تمہارا میری وجہ سے مجھے ایک کہنا وہ میری توحید ہے۔ اور تمہاری عقول کے ذریعے تمہاری توحید اڑتا ہوا غبار ہے۔ تم مجھ پر اس کے حکم کی وجہ سے کیونکر حکم لگاتے ہو۔ جسے میں نے پیدا کیا اور اسے نصب کیا۔

اور اگر میری توحید کا تقاضا کرنے والا تمہارا وجود ہے تو تم اس حکم کے تحت ہو جس کا وہ تم سے تقاضا کرے تو تم مجھ سے نکل گئے تو توحید کہاں؟ اور اگر کہو کہ جس نے تمہاری توحید کا تقاضا کیا وہ میرا امر ہے تو میرا امر مرا غیر نہیں ہے۔ تو میرے دست کرم پر ہے جو تمہیں پہنچا۔ اور اگر تم کہو کہ بیشک وہ وہ ہے جسے تم نے مجھ سے دیکھا تو تم میں سے وہ کون ہے۔ جس نے اسے دیکھا۔ اور اگر تم نے اسے مجھ سے نہیں دیکھا تو توحید کہاں جبکہ تم کثرت کا مشاہدہ کرتے ہو۔ انتہی۔

اسم الجامع

اور ۵۵۸ ویں باب میں اللہ کے اسم الجامع پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا: جان لو کہ ہم سے مطلوب توحید معقول ہے غیر موجود۔ اور جمع موجود اور معقول۔ اور اگر اللہ تعالیٰ ہم سے توحید خالص کا ارادہ فرماتا وہ کہ جس میں اس کے ساتھ اس کے سوا کوئی نہیں تو ایجاد عالم نہ فرماتا۔ لیکن جب اس کے علم میں پہلے سے ہے کہ جب اس نے عالم کی ایجاد کی تو بعض لوگ اس کے ساتھ شریک ٹھہرائیں گے تو یہ علم الٰہی میں پہلے سے ہونے کے حکم کی بنا پر واقع ہوا۔ اور وہاں کوئی شے اس علم سابق کے حکم اور ارادے سے خارج نہیں۔ اور اس میں طویل کلام فرمایا۔

پھر فرمایا: جہان میں وجود شرک مستند ہونے کی یہی وجہ ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ تھا اور اس کے ساتھ کوئی شے متصف بالوجود تھی نہ شریک اور نہ ہی مشرک۔ پس اللہ تعالیٰ کے ساتھ وجود عالم سے شرک پیدا ہوا پس جہان نے اپنے آپ پر آنکھ نہیں کھولی مگر وہ حق تعالیٰ کے ساتھ موجود۔ پس اسی لئے اس کے لئے توحید خالص میں کوئی ذوق نہیں۔ تو جب اسے کہا گیا کہ اپنے خالق کو ایک کہہ تو یہ خطاب سمجھ نہ سکا۔ پس اسے پھر یہی کہا گیا تو اس نے کہا کہ میں توحید جانتا ہوں نہ سمجھتا ہوں مگر دو کے درمیان۔ ایک کہنے والا اور جسے ایک کہا گیا۔ اور اس میں طویل کلام فرمایا۔

پھر آپ نے فتوحات کے باب الوصایا میں فرمایا کہ جان لو کہ وہ توحید جس کا حق مستحق ہے اسے حق تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں پہنچانتا۔ رہے ہم تو جب ہم اسے ایک کہتے ہیں تو صرف رضا اور اس کی زبان کی توحید کے ساتھ اسے ایک کہتے ہیں۔ کیونکہ محال ہے کہ توحید استحقاق کے ساتھ کوئی فکر۔ غم۔ اختیار یا حب ریاست یا مخلوق میں سے کسی کا بغض ہو۔ کیونکہ وجود کلی طور پر اس قبضۂ قہر اور اس کے تصرف میں ہے۔ اسے سمجھ لو۔

توحید شرعی۔ وحدت۔ احد۔ واحد۔ وحدانیت کا معنیٰ

اور ۲۷۱ ویں باب میں طویل کلام کے بعد فرمایا کہ توحید شرعی وہ نفس انسان میں اس علم کے حصول کا عمل دخل دینا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس نے اسے ایجاد کیا واحد ہے اس کی الوہیت میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ رہی وحدت تو یہ حق کی صفت ہے اور اسم صفت، احد اور واحد ہے۔ رہی وحدانیت تو یہ

واحد کے ساتھ وحدت کا اس حیثیت سے قیام ہے کہ وہ واحد کے ساتھ اس کے قیام کے بغیر عقل میں نہیں آسکتی۔ اگرچہ اس کی نسبت تنزیہہ میں ہے۔ تو یہ ہے توحید کا معنیٰ۔ تو جب نفس عالم میں یہ حاصل ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ واحد ہے تو وہ موحد ہے اور یہاں طویل کلام فرمایا۔

خاتمہ

شیخ نے فتوحات کے باب الوصایا میں فرمایا کہ اپنے آپ کو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے والوں کی عداوت سے بچاؤ کیونکہ انہیں اللہ تعالیٰ سے ولایت عامہ ہے پس وہ اولیاء اللہ ہیں گرچہ خطا کار ہوں اور زمین کی پرائی کے برابر خطا میں آئیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہراتے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ان سب کو اسی کی مثل بخشش کے ساتھ استقبال فرمائے گا۔ اور جس کی دوستی ثابت ہو گئی اس سے لڑنا حرام ہوا۔

اور ہمیں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والوں میں سے کسی کو چھوڑنا صرف ظاہر شرع کے لئے جائز ہے۔ اس کے بغیر کہ ہم اسے ایذاء پہنچائیں یا اسے حقیر جانیں۔ اور طویل کلام فرمایا۔

پھر فرمایا کہ جب تم میں کسی نے ایسا عمل کیا جس پر اللہ تعالیٰ نے آگ کی وعید سنائی تو اسے چاہیے کہ اسے توحید کے ساتھ محو کر دے۔ کیونکہ توحید قیامت کے دن صاحب توحید کی دستگیری کرے گی۔ اس کے بغیر چارہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

پس اس بحث میں غور کر۔ اور اس کا گہری نظر سے مطالعہ کر۔ کیونکہ تو اسے کسی کتاب میں نہیں پائے گا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ والحمد لله رب العلمين.

دوسری بحث

عالم کے حادث ہونے میں

جان لو کہ حدوث عالم کا مسئلہ نہایت مشکل مسائل میں سے ہے کیونکہ اس میں اہل سنت اور فلاسفہ کے مابین اختلاف کا قوی شبہہ ہے جبکہ تمام ملتوں کا اس کے حادث ہونے پر اجماع ہے جیسا کہ اس کی وضاحت آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔ ہم اس مسئلہ میں متکلمین کے محققین کی نقول سے آغاز کرتے ہیں پھر صوفیاء کے محققین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی نقول پیش کریں گے۔

متکلمین کا کلام

پس میں کہتا ہوں اور اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ توفیق ہے۔

اہل اصول کے محقق جلال محلی نے فرمایا کہ عالم اس لئے محدث ہے کہ اسے تغیر اور تبدل عارض ہوتا ہے اور ہر متغیر محدث ہے اور ہر محدث کے لئے کسی محدث کا ہونا ضروری ہے۔ اور چارہ نہیں کہ وہ واحد ہو ضروری طور پر۔

شیخ الاسلام شیخ کمال الدین بن ابی الشریف فرماتے ہیں کہ محدث کی علت میں جلال محلی کے قول کہ اسے تغیر عارض ہوتا ہے کا معنیٰ یہ ہے کہ اس وجہ سے عارض ہوتا ہے کہ اس کا مشاہدہ ہوتا ہے کیونکہ ہم سکون طاری ہونے کی وجہ سے حرکت کے تغیر کا اور روشنی طاری ہونے پر تاریکی کے تغیر کا مشاہدہ کرتے ہیں اور اس کا عکس۔ اور آپ کی مراد یہ نہیں کہ ہر تغیر کا مقام سند مشاہدہ ہے کیونکہ ہم بے شمار اجزائے عالم کا

مشاہدہ نہیں کرتے جیسا کہ زمینوں کے باطن میں اور اس میں جو کہ آسمانوں میں ہے تو وہاں تغیر کے حکم کی سند دلیل عقل کی طرف ہے۔

فرماتے ہیں کہ حدوث مذکور کی علت کے لئے پوری تقریر یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ عالم اعیان ہیں اور اعراض۔ پس اعراض میں بعض تغیر کا ادراک نفس الامر میں مشاہدہ کے ساتھ ہوتا ہے جیسے نطفہ کا خون کی پھٹک۔ پھر لوتھڑے پھر گوشت اور خون میں بدلنا اور آفاق میں جیسے سکون کے بعد حرکت۔ تاریکی کے بعد روشنی اور افلاک۔ عناصر۔ حیوان۔ نباتات اور معدنیات کے وہ تمام احوال جن کا مشاہدہ ہوتا ہے۔

اور بعض کا دلیل کے ساتھ ادراک ہوتا ہے اور وہ عدم کا طاری ہونا ہے۔ کیونکہ عدم منافی ہے قدیم ہونے کے۔ رہے اعیان تو وہ حوادث سے خالی نہیں ہیں اور جو حوادث سے خالی نہ ہو اس کا قدیم ہونا محال ہے۔ انتہی

اہل طریقت کا کلام

اس مسئلہ میں ان میں سے سب نے طویل کلام کرنے والے سیدی محی الدین بن عربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ اور اب میں تجھ پر ان کے خوبصورت کلام کے اقتباسات پیش کرتا ہوں۔

آپ نے فتوحات کے خطبہ کے آغاز میں کہا: سب خوبیاں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے وجود کو عدم سے پیدا کیا۔ اور اسے عدم کیا۔ انتہی۔ کیونکہ عدم کا عدم وجود ہے کیونکہ وہ علم الٰہی میں موجود ہے۔ اور علم کا معلوم اس حیثیت سے قدیم ہے۔ البتہ مخلوق کے لئے اپنے ظہور کی حیثیت سے وہ بالاجماع حادث ہے۔ تو جس نے اسے مطلقاً قدیم کہا اس نے خطا کی۔ یا مطلقاً حادث کہا تو خطا کی۔ اور بارہویں بحث میں شیخ سے نظم ونثر میں اس کی تفصیل آئے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

فلاسفہ کا شبہ

اگر کہا جائے کہ فلاسفہ میں سے جس نے عالم کے قدیم ہونے کا قول کیا ہے اس کا شبہ کیا ہے؟

تو اس کا جواب شیخ نے ۲۷۳ویں باب میں یہ دیا ہے کہ رب اور مربوب اور خالق ومخلوق میں معنوی رابطے کا شبہ بیشک رب مربوب کو اور خالق مخلوق کو طلب کرتا ہے اور اس کا عکس۔ اور ہر ایک عقل میں نہیں آتا مگر دوسرے کے وجود کے ساتھ۔

اگر کہا جائے کہ کیا دلالت علی الحق تعالیٰ کے لئے عالم پایا گیا؟ اس کا جواب شیخ نے ۱۴۰ویں باب میں یہ دیا کہ حق تعالیٰ پر دلالت کے لئے (عالم) نہیں پایا گیا۔ کیونکہ اگر وہ اس پر دلالت کے لئے پایا جاتا تو حق تعالیٰ کے لئے اس سے غنی ہونا صحیح نہ ہوتا۔ اور دلیل کے لئے مدلول پر غلبہ اور فخر ہوتا۔ پس دلیل بڑائی کے مرتبے سے منتقل نہ ہوتی کہ اس نے دلالت کرنے والے کو ایک ایسے امر کا فائدہ دیا ہوتا کہ مدلول کی وہاں تک رسائی اس کے بغیر نہ ہوتی تو عالمین سے اللہ تعالیٰ کے غنی ہونے کو باطل کردیتا۔

نیز آپ نے ۱۷۳ویں باب میں فرمایا: عالم کو عالم صرف علامت سے کہا گیا کیونکہ وہ مرجح پر دلیل ہے۔ انتہی۔

پس ماقبل کے ساتھ اس پر غور کیا جائے۔

حق اور عالم میں منافرت کا مسئلہ

اگر کہا جائے کہ جو عالم کے قدم کا قول کرتا ہے کیا اس کے نزدیک عالم اور حق تعالیٰ کے درمیان منافرت من کل الوجوہ صحیح ہے؟ اس کا

جواب شیخ محی الدین نے یہ دیا ہے کہ حق اور عالم کے درمیان من کل الوجوہ منافرت صحیح نہیں۔ کیونکہ عالم حق تعالیٰ کے ساتھ اس حیثیت سے مربوط ہے کہ وہ اپنے وجود میں اس سے مدد لیتا ہے۔ پس یہ ہے وہ دروازہ جس سے وہ داخل ہوا جس نے قدامت عالم کا قول کیا۔ علاوہ ازیں کہ اس رابطے کے وجود سے نوع میں، نہ شخص میں اور نہ جنس میں اتحاد لازم نہیں آتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی خالق ہے۔ اس کے لئے وجود میں رتبۂ فاعلیت ہے۔ اور طویل کلام فرمایا۔

پھر فرمایا: پس معلوم ہوا کہ حق اور خلق کے درمیان منافرت وجود علمی ازلی کو شامل نہیں کہ وجود کا حق تعالیٰ کے ساتھ ایسا رابطہ ہے جیسے بندگی کا سیاوت کے ساتھ رابطہ ہے حتیٰ کہ عالم کے عدم کے وقت بھی۔ کیونکہ علم ازلی میں ثابت اعیاں ہمیشہ احتیاج کے ساتھ حق تعالیٰ کی طرف دیکھتے رہے کہ ان پر اسم وجود کی خلعت ڈالے۔ اور حق تعالیٰ ان کی استدعاء کی وجہ سے انہیں نگاہ رحمت سے دیکھتا رہا۔ پس اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمارے عدم کی حالت میں اور ہمارے وجود کی حالت میں برابر ہمارا رب رہا۔ پس امکان ہمارے لئے اسی طرح ہے جس طرح وجوب اس کے لئے۔ اور اس میں طویل کلام فرمایا۔

پھر فرماتے ہیں کہ: پھر جو شخص اس رابطے کا عقیدہ نہیں رکھتا جس کا ہم نے ذکر کیا وہ دھوکے کے قدم سے پھسل کر ہلاکت کی وادی میں جا گرتا ہے۔ کیونکہ وجود جب اس رابطے سے خالی ہو جائے تو خود بخود قائم ہونے والا ہو گیا اور یہ محال ہے۔

رہا جسمانی رابطہ تو یہ بندے اور رب میں صحیح نہیں کیونکہ اس کی مثل کوئی شے نہیں۔ تو اس وجہ سے اس کے ساتھ کبھی بھی رابطہ درست نہیں۔ کیونکہ ذات کے لئے عالمین سے بے نیازی ہے۔ بخلاف ارتباط معنوی کے جیسا کہ پہلے گزرا۔ کیونکہ وہ مرتبۂ الوہیت کی جہت سے ہے اور یہ بلاشبہ واقع ہے کہ الوہیت اپنے احکام۔ نسبت اور اضافت کے ساتھ متوجہ ہے۔ اور اسی نے آثار کو طلب کیا۔ کیونکہ قاہر بغیر مقہور کے۔ قادر بغیر مقدور کے۔ خالق بغیر مخلوق کے اور راحم بغیر مرحوم کے صلاحیت۔ وجود۔ قوت اور فعل کے طور پر محال ہے اور اگر اس رابطے کا سرّ زائل ہو جائے تو متاثر ہونے والے کا وجود نہ ہونے کی وجہ سے احکام الوہیت باطل ہو جائیں۔ تو عالم الوہیت طلب کرتا ہے اور الوہیت عالم طلب کرتی ہے۔ اور ذات مقدس اس سب کچھ سے غنی ہے۔

شیخ نے فرمایا: اس مبحث سے قدامت عالم کے قائل ظاہر ہوئے کہ انہوں نے ذات کا عالم سے رابطہ ایسے گمان کیا جیسے الوہیت کا رابطہ جو کہ مرتبۂ ذات ہے عین ذات نہیں۔

نیز اس بحث سے حدوث عالم کے قائل ظاہر ہوئے دونوں گروہوں کے اس اجماع کے ساتھ کہ عالم ممکن ہے اور اس کا ہر جزء حادث ہے۔ اور اسے واجب الوجود لنفسہ کا مرتبہ حاصل نہیں۔ وہ تو واجب الوجود بغیرہ ہے۔ کیونکہ مثلاً خالق مخلوق کو طلب کرتا ہے۔ اور کوئی چارہ نہیں۔ انتہی۔

امام غزالی کے قول کی وضاحت

اور آپ نے اس باب میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کہ ''امکان میں اس سے زیادہ عجیب کچھ نہیں جو ہو چکا'' کے متعلق فرمایا کہ یہ کلام انتہائی تحقیقی ہے۔ کیونکہ وہاں ہمارے لئے صرف دو رتبے ہی ہیں۔ قدم اور حدوث پس حق تعالیٰ کے لئے قدم ہے اور مخلوق کے لئے رتبہ حدوث۔ تو اگر اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا جو پیدا فرمایا تو وہ رتبۂ حدوث سے خارج نہیں ہوتا۔ تو یہ نہ کہا جائے کہ کیا حق تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ اپنی مثل قدیم پیدا فرمائے؟ کیونکہ محال ہونے کی وجہ سے یہ سوال بے معنیٰ ہے۔ انتہی۔

میں کہتا ہوں کہ احتمال ہے کہ امام غزالی کی مراد یہ ہو کہ امکان میں کوئی شے ایسی نہیں جو کہ علم سابق کے خلاف کبھی بھی زیادتی یا نقصان قبول کرے۔ اور باب الاسرار میں یہ بھی فرمایا کہ حق تعالیٰ کا عالم سے رابطہ ہے جیسے عبودیت کا سیادت سے رابطہ۔ کیونکہ کوئی مالک بغیر مملوک کے اور کوئی قاہر بغیر مقہور کے صحیح نہیں۔

اور لوا قح الانوار میں بھی فرمایا: کہ جان لو کہ ہر امر جو کائنات طلب کرتا ہے پس وہ حق سبحانہ وتعالیٰ کے الٰہ ہونے سے ہے۔ اور ہر امر جو کائنات طلب نہیں کرتا وہ حق تعالیٰ کے ذات ہونے سے ہے۔ تو تیرے پاس جب بھی اہل توحید کا کلام آئے تو اس میزان پر اس کا وزن کر تیرے لئے اس میں امر ثابت ہو جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ انتہی۔

اور اس میں یہ بھی فرمایا: اگر کہا جائے کہ تم نے جو کہا کہ الوہیت طالب ہے ذات کی تو یہ علت ومعلول کے مشابہہ ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ علت ومعلول کے مشابہہ نہیں ہے کیونکہ ان کے نزدیک علت اور معلول دو وجودی امر ہیں۔ رہی الوہیت تو یہ ہمارے نزدیک نسبت عدمیہ ہے نہ کہ وجودیہ پس غلطی سے پرہیز کر۔

اور فتوحات کے باب الاسرار میں فرمایا: اگر علت وجود میں، معلول کے مساوی ہوتی تو عالم کے وجود لذاتہ کا تقاضا کرتی اور اس کے محدثات میں سے کوئی چیز اس سے پیچھے نہ رہتی۔ اور علت معقولہ ہے جبکہ وہاں کوئی علت نہیں مگر وہ معلولہ ہے اور اگر حق تعالیٰ علت ہوتا تو مربوط ہوتا۔ اور مربوط کے لئے تنزیہہ درست نہیں۔ انتہی۔

اور وہاں یہ بھی فرمایا: عقل کی بات نہیں کی مگر اس نے جو کہ اس امر کا قائل ہے کہ عالم ازلی ہے اور عالم قدیم کہاں؟ اور اسے وجود وجوبی میں کوئی قدم نہیں۔ اگر عالم کے لئے قدامت ثابت ہوتی تو اس پر عدم محال ہوتا جبکہ عدم واقع ہے اور اس کا مشاہدہ ہے۔

عالم کا وجود ازلی نہیں اور مدلول لفظ ازل

اور ۶۹ ویں باب میں فرمایا: عالم سارے کا سارا عدم سے موجود ہے۔ اور اس کا وجود کسی موجد سے حاصل ہوا جس نے اسے ایجاد فرمایا۔ اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ پس محال ہے کہ عالم ازلی الوجود ہو۔ کیونکہ موجد کی حقیقت یہ ہے کہ اسے ایجاد کرے جو کہ اپنے آپ میں وجود کے ساتھ موصوف نہ تھا اور وہ معدوم ہے۔ نہ یہ کہ وہ اسے ایجاد کرتا ہے جو کہ ازل میں موجود تھا۔ کیونکہ یہ محال ہے۔ پس اس حوالے سے عالم سارے کا سارا قائم بغیرہ ہے نہ کہ خود بخود۔ والسلام

اور اس باب کے دوسرے مقام پر فرماتے ہیں: جان لو کہ لفظ ازل کا مدلول اللہ تعالیٰ کے لئے اولیت کی نفی سے عبارت ہے۔ یعنی اس کے وجود کے لئے اوّل نہیں بلکہ وہ عین اوّل ہے نہ اس اوّلیت کے ساتھ جو اس پر حکم لگائے پس وہ اس کے دائرے کے تحت ہو۔ اور اس سے معلول ہو۔ جیسے پیدا کی گئی اولیات۔ اور اس میں طویل کلام فرمایا۔

مقدر اور موجد کا امتیاز

پھر فرمایا: پس حق تعالیٰ کی شان میں یہ کہا جائے گا کہ وہ ازل سے اشیاء کا مقدِر ہے یعنی تقدیر بنانے والا۔ جبکہ اس کی شان میں یہ نہیں کہا جائے کہ وہ ازل سے اشیاء کا موجد ہے۔ کیونکہ یہ دو وجہ سے محال ہے۔ پہلی وجہ یہ کہ اس کا موجد ہونا تو اس طرح ہے کہ ایجاد کرے اور اللہ تعالیٰ اس کی ایجاد نہیں فرماتا جو موجود ہو۔ وہ تو اسے ایجاد کرتا ہے جو کہ خود بخود وجود کے ساتھ موصوف نہ ہو۔ اور وہ معدوم ہے۔ اور

محال ہے کہ معدوم اس سے متصف ہو کہ وہ ازلاً موجود ہے۔ کیونکہ وہ تو ایک موجد سے صادر ہوا جس نے اسے ایجاد فرمایا۔ پس محال ہے کہ عالم ازلی الوجود ہو۔

دوسری وجہ محال ہی یہ ہے کہ عالم کے متعلق یہ نہیں کہا جاتا کہ وہ ازلاً موجود ہے اور یہ اس لئے کہ لفظ ازل کا مفہوم اولیت کی نفی ہے۔ جبکہ حق تعالیٰ اس سے موصوف ہے پس عالم کا وجود بالازل محال ہے کیونکہ یہ تیرے اس قول کی طرف لوٹا کہ عالم جو کہ مستفید من اللہ الموجود ہے غیر مستفید من اللہ الموجود ہے۔ کیونکہ عالم کے اس کے ساتھ ازل میں ہونے کی وجہ اولیت اللہ تعالیٰ سے منتفی ہے۔ انتہی۔

حق تعالیٰ سے عالم کا صدور مجازاً ہے

اور آپ نے اپنی کتاب القصد الحق میں فرمایا ہے: یہ نہیں کہا جائے کہ عالم حق تعالیٰ سے صادر ہے مگر صرف مجازاً نہ کہ حقیقتاً۔ اور یہ اس لئے کہ شرع اس لفظ کے ساتھ وارد نہیں ہوئی۔ اور اللہ تعالیٰ اس سے بالا ہے کہ اشیاء کا مصدر ہو کیونکہ ممکن اور واجب کے درمیان۔ اولیت قبول کرنے والے اور اسے قبول نہ کرنے والے کے درمیان اور جو صاحب احتیاج ہے اور جو صاحب احتیاج نہیں ہے کے درمیان مناسبت نہیں ہے۔ صرف یہ کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اشیاء کو اس کے علم سابق کے ساتھ ان کے متعلق ہونے کی بنا پر اس کی موافقت میں ایجاد فرمایا۔ اس کے بعد کہ ان کے اعیان میں ان کا وجود نہ تھا۔ پھر ان کا رابطہ اپنے موجد کے ساتھ ہوا جیسے فقیر ممکن کا رابطہ غنی واجب کے ساتھ۔ پس ان کا وجود اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے بغیر سمجھ میں نہیں آ سکتا۔ کیونکہ اس کا ان پر مقدم ہونا وجودی ہے۔ اور اگر عدم ایسا امر ہوتا کہ اس کی طرف اشارہ ہو سکتا تو ممکن اللہ تعالیٰ سے صادر ہوتا پس موجود سے وجود کی طرف صادر ہوتا۔ اور اس کے لئے کوئی عین قائم فی الازل ہوتا اور یہ محال ہے۔ انتہی۔

عالم کے قدیم ہونے کے قائلوں کی دلیل

اور آپ نے ۱۹۲ ویں باب میں فرمایا: اور عالم کے قدیم ہونے کے قائلین نے اللہ تعالیٰ کے اس قول سے سند لی ہے **انما قولنا لشئی اذا اردناہ ان نقول له کن فیکون** (النحل آیت ۴۰) ہمارا فرمان کسی شے کے لئے جب ہم اس کے پیدا کرنے کا ارادہ کریں یہ ہے کہ ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے)۔ پس وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تکوین کی اضافت اپنی طرف نہیں فرمائی بلکہ اس کی طرف فرمائی جو ہو گی۔ پس بیشک اللہ تعالیٰ نے اسے تکوین کا حکم دیا تو اس نے تعمیل کی۔ اور اگر اللہ تعالیٰ تکوین کی اضافت اپنی طرف یا قدرت کی طرف فرماتا تو شبہہ کی نفی ہو جاتی۔ پھر وہ یہاں تک مجبور ہوئے کہ انہوں نے کہا: بیشک حق تعالیٰ کے لئے ایک تجلی ہے جو کہ حروف کی ترتیب کے مطابق قول اور کلام قبول کرتی ہے۔

علماء نے کہا: اور حق جس کے ہم قائل ہیں یہ ہے کہ عالم سب کا سب حادث ہے گرچہ اس کے ساتھ علم قدیم متعلق ہو۔ انتہی۔

تو حدوث عالم کے قائل ہونے کے متعلق یہ ہیں۔ شیخ محی الدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نصوص تو اس نے جھوٹ بولا جس نے شیخ پر قدم عالم کا بہتان باندھا جبکہ شیخ نے فتوحات میں حدوث عالم پر تقریبا تین سو مقامات پر کلام کی تکرار فرمائی ہے۔ اور شیخ کے متعلق اس علم عظیم کے باوجود کیسے گمان ہو سکتا ہے کہ ایسی جہالت میں گر جائیں جو کہ صانع جل وعلا کے انکار تک پہنچا دے۔ بلکہ مالکیہ وغیرہم نے قدم عالم۔ یا اس کی بقا کے قائل یا اس میں شک کرنے والے کے کفر کا فتوی دیا ہے۔ یہ اس کے باوجود کہ شیخ کی کتب اور شریعت وحقیقت میں

عام تصنیفات کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی توحید پر۔ اور اس کے اسماء و صفات اور اس کے انبیاء و رسل کے اثبات پر۔ اور دارین۔ عالم دنیوی۔ نشاتین اور دونوں برزخوں کے ذکر پر ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ فلاسفہ میں سے جو قدم عالم کا قائل ہے وہ ان میں سے کسی شے کا اثبات نہیں کرتا بلکہ بعث و نشور پر اور اس پر جو اس کے علاوہ فلاسفہ سے منقول ہے ایمان نہیں رکھتا۔ پس ہر عاقل اس حقیقت کو سمجھتا ہے کہ شیخ ان سب سے بری ہیں۔

منکرین نبوت حکماء کی غلطی

اور آپ نے فتوحات کے ۶۵ ویں باب میں فرمایا: جان لو کہ منکرین نبوت حکماء کی غلطی کا سبب ان کا یہ قول ہے کہ انسان جب اپنے نفس کے جوہر کو شہوات کی کدورتوں سے صاف کر لیتا ہے اور مکارم اخلاق عرفیہ اپنا لیتا ہے تو اس کے نفس میں عالم بالا کی صورتیں بالقوۃ نقش ہو جاتی ہیں پس وہ غیوب میں لب کشائی کرنے لگتا ہے اور واسطوں سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ شیخ نے فرمایا: کہ ہمارے اور اہل اللہ کے نزدیک امر یوں نہیں گرچہ انہوں نے جو کچھ ذکر کیا بعض اشخاص میں اس کا وقوع جائز ہے اور یہ اس لئے کہ ہمیں کسی نبی علیہ السلام اور نہ ہی کسی حکیم کی طرف سے یہ بات پہنچی کہ اس نے علمی طور پر اس کا احاطہ کیا ہو جس پر ہر سانس میں اس کا حال حین وفات تک حاوی ہے۔ بلکہ وہ بعض جانتا ہے اور بعض کی طرف اس کی توجہ نہیں ہوتی۔ بلکہ اگر لوح محفوظ سے ان علوم کے متعلق پوچھا جائے جو اس میں حق تعالیٰ نے لکھے ہیں تو وہ پہنچان نہ سکے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے۔

تو اے بھائی! دیکھ شیخ نے کس طرح منکر نبوت کو غلط کہا۔ اور شیخ کے متعلق کیسے گمان کیا جا سکتا ہے کہ کسی مسئلے میں ایک شخص کی تردید کریں اور خود اسے اپنا دین بنا لیں۔ واللہ بیشک یہ بہتان عظیم ہے۔

حکماء اور اشعریہ کا علت وجود کے متعلق نقطۂ نظر

اگر کہا جائے کہ حکماء ذات کو وجود کی علت کا نام دیتے ہیں۔ جبکہ اشعریہ ازل میں تکوین عالم کے ساتھ علم کے تعلق کو علت کا نام دیتے ہیں تو دونوں عبارتوں میں کیا فرق ہے؟

اس کا جواب فتوحات کے ۴۸ ویں باب میں شیخ نے یہ دیا ہے کہ محققین کے نزدیک دونوں عبارتوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اس سے کہ جس سے اشعریہ بھاگے ہیں اور اس کی وجہ سے انہوں نے حکماء پر تشنیع کی اور وہ ان کا علت کا قائل ہونا ہے۔ وہ انہیں معلوم کے ہونے کے متعلق علم کے سابق ہونے میں لازم آتا ہے۔ کیونکہ علم کا سابق ہونا معلوم کے بذاتہ ہونے کو طلب کرتا ہے اور چارہ نہیں۔ اور دونوں کے درمیان مقدر سمجھ نہیں آتا۔ اور نہ لازم آتا ہے جیسا کہ تمام مراتب میں معلول کا اپنی علت کے برابر ہونا لازم نہیں آتا۔ کیونکہ بلا شک، شبہ رتبہ میں علت اپنے معلول سے پہلے ہے کہ وہ علم کا سابق ہونا ہو یا ذات حق ہو۔ اور واجب الوجود لنفسہ کے اور ممکن کے درمیان کون زمانی معقول ہے نہ تقدیر زمانی۔ کیونکہ ہماری گفتگو ممکن اوّل کے وجود میں ہے۔ اور زمان ممکنات میں سے ہے۔ پس اگر امر وجودی ہو تو اس میں حکم ممکنات میں سارے احکام کی طرح ہوگا۔ اور اگر امر وجودی نہیں بلکہ نسبت ہے تو نسبت موجود معلول کے ساتھ حدوث عقلی کے طور پر حادث ہوئی نہ کہ حدوث وجودی کے حوالے سے۔ اور جب علم حق اور اس کے معلوم کے درمیان زمان کا فرق معقول نہیں تو سوائے مرتبہ کے کچھ باقی نہ رہا اور یہ کبھی درست نہیں کہ خلق حق تعالیٰ کے رتبہ میں ہو جس طرح یہ درست نہیں کہ معلول اس حیثیت سے کہ علت

سے معلول ہے رتبۂ علّت میں ہو۔ اور اس میں طویل کلام فرمایا۔

پھر فرمایا: علاوہ ازیں حکماء کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی توحید پر سب سے اہم دلیل اس کا عالم کے لئے علّت ہونا ہے۔ پس وہ توحید ذاتی ہے اس کے ساتھ بلاشک وشبہ شریک کی نفی ہو جاتی ہے۔ لیکن حق تعالیٰ کی طرف لفظ علّت کے اطلاق کے متعلق ہمارے نزدیک شرعی حکم وارد نہیں اس لئے ہم حق سبحانہ وتعالیٰ پر اس کا اطلاق نہیں کرتے۔ انتہی۔

عالم کی وجہ تسمیہ

اور آپ نے ۱۷۳ ویں باب میں فرمایا: جان لو کہ عالم کو عالم علامت کی وجہ سے کہا گیا ہے۔ کیونکہ وہ مرجح پر دلیل ہے۔ انتہی۔ اور یہ مبحث کے اوائل میں گزر چکا اور گیارہویں مبحث کے آخر میں اس مبحث کے متعلقات آئیں گے ادھر رجوع کریں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

خاتمہ

تخلیق عالم کی مدت

اگر کہا جائے کہ کیا خواص میں سے کسی کو عقل کے طریق سے یا کشف یا دلائل کے ذریعے مدت عالم کی مقررہ تاریخ کی معرفت پر اطلاع حاصل ہوئی؟

تو اس کا جواب شیخ نے ۳۹۰ ویں باب میں فرمایا کہ ہمیں یہ خبر نہیں پہنچی کہ کسی کو خلق عالم کی مقررہ مدت کی معرفت ہو اور یہ اس لئے کہ اکثر کواکب یقیناً فلک اطلس میں ہیں جس میں کواکب ثابتہ کا فلک نہیں ہوتا۔ اور عمریں اس کی حرکت کا ادراک نہیں کرتیں کیونکہ اس کا ثبوت آنکھوں کے لئے ظاہر ہے اس کے باوجود وہ بہت آہستہ تیرتے ہیں۔ اور عمر قاصر ہونے کی بنا پر اس کی حرکت کے ادراک سے عاجز ہے۔ کیونکہ ان میں سے ہر کوکب فلک اقصیٰ کا ایک درجہ سو سال میں طے کرتا ہے یہاں تک کہ اس تک پہنچتا ہے تو جو سال جمع ہو جائیں وہ ان کواکب ثابتہ کا دن ہے۔ پس تو ۳۶۰ درجوں کا حساب لگا لے۔ ہر درجہ ایک سو سال کا ہے۔

فرمایا: قدیم تاریخ میں ہمارے لئے ذکر کیا گیا کہ اہرام مصر اس وقت بنائے گئے جبکہ نسر، برج اسد میں تھا۔ اور ایک نسخے میں حمل کا ذکر ہے۔ جبکہ وہ آج ہمارے نزدیک جدی میں ہے۔ پس تو اس کا حساب لگا تاریخ اہرام کے قریب پہنچ جائے گا۔ پس اس کے بانی کا پتہ چلانا ہی اس کے امر کا۔ جبکہ یہ یقینی بات ہے کہ اس کا بانی لوگوں میں سے ہے۔

شیخ عبدالکریم الجیلی شرح کلام شیخ میں فرماتے ہیں: اور معلوم ہے کہ نسر طائر ایک برج سے دوسرے تک منتقل نہیں ہوتا مگر تیس ہزار سال کے بعد۔ فرماتے ہیں کہ وہ ہمارے نزدیک آج دلو میں ہے۔ پس اس نے دس برج طے کر لئے ہیں اور ایسا نہیں ہو سکتا مگر تین لاکھ سال کے بعد۔ انتہی۔ پس دونوں شیوخ کی کلام کے درمیان نظر کی جائے اور لکھا جائے۔

شیخ محی الدین رحمۃ اللہ علیہ کا ایک خواب

شیخ محی الدین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے نیم خواب کے درمیان دیکھا کہ کعبہ کا طواف ایک ایسی قوم کے ہمراہ کر رہا ہوں۔ جنہیں میں پہچانتا نہیں ہوں۔ انہوں نے میرے سامنے دو شعر پڑھے۔ ایک مجھے یاد ہے جبکہ دوسرا بھول گیا۔

شعر کا ترجمہ یہ ہے کہ ہم سب کے سب تمہاری طرح سالہا سال سے اس گھر کا طواف کر رہے ہیں۔

اور میں نے ان میں سے ایک کے ساتھ گفتگو کی۔ تو اس نے مجھے کہا: کیا تو مجھے پہچانتے نہیں۔ میں نے کہا: نہیں۔ تو اس نے کہا کہ میں تیرے پہلے اجداد میں سے ہوں۔ میں نے کہا: آپ کی وفات کو کتنا عرصہ گزرا؟ تو کہا کہ مجھے فوت ہوئے کچھ اوپر ۴۰ ہزار سال ہوئے۔ میں نے کہا کہ ہمارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو تو اتنا عرصہ نہیں ہوا۔ تو اس نے کہا: کس آدم کے متعلق بات کرتا ہے؟ یہ جو تجھ سے زیادہ قریب ہے یا کوئی دوسرا؟ تو مجھے ایک حدیث یاد آ گئی جسے ابن عباس رضی اللہ عنہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرمایا کہ آپ نے فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے دو لاکھ آدم پیدا کئے۔ پس میں نے اپنے جی میں کہا کہ ہو سکتا ہے کہ جس جد کی طرف مجھے اس شخص نے منسوب کیا انہیں لوگوں میں سے ہو۔ جبکہ اس بارے میں تاریخ کا کوئی علم نہیں جبکہ بلاشک وشبہ یہ عالم ہماری نزدیک حادث ہے۔ انتہی۔

نیز آپ نے ۳۶۷ ویں باب میں فرمایا کہ بعض مواقع میں مجھے حضرت ادریس علیہ السلام سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا تو میں نے آپ سے عرض کی: میں نے دوران طواف ایک شخص کو دیکھا تو اس نے مجھے بتایا کہ وہ میرے اجداد میں سے ہے۔ میں نے اس کی موت کے زمانے کے متعلق پوچھا تو اس نے کہا کہ مجھے ۴۰ ہزار سال کا عرصہ ہو چکا۔ پس میں نے اس سے حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق سوال کیا کیونکہ ہمارے نزدیک ان کی تاریخ مقرر ہے۔ تو اس نے کہا: تو کون سے آدم کے متعلق سوال کرتا ہے قریبی آدم کے متعلق یا اس کے علاوہ؟

تو حضرت ادریس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اس شخص نے سچ کہا۔ بیشک میں اللہ تعالیٰ کا نبی ہوں اور مجھے کائنات کی وہ مدت معلوم نہیں جس پر جا کر رک جائیں۔ اور مخلوقات میں عمریں انتہاء خلق کے لئے مد ختم ہونے کے ساتھ ہیں۔ کیونکہ مخلوق کی انفاس کے ساتھ تجدید ہوتی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ ازل سے خالق ہے اور دنیا و آخرت بنتی رہے گی۔ میں نے آپ سے عرض کی: یا نبی اللہ! مجھے قیامت کی اشراط میں سے کسی شرط کی شناخت کروائیں۔ تو فرمایا: تمہارے باپ قریبی آدم کا وجود اس کی علامات میں سے ہے۔ میں نے پوچھا کیا دنیا سے پہلے اس کے علاوہ کوئی اور جہان تھا؟ تو آپ نے فرمایا: دار وجود ایک ہے اور دنیا، دنیا نہیں تھی مگر تمہاری وجہ سے۔ انتہی۔

اور آپ نے فتوحات کے ساتویں باب میں فرمایا: جان لو کہ دنیا کی عمر لاکھوں کروڑوں کے ساتھ گنی نہیں جا سکتی۔ اور ساتویں باب میں یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جمادات، نباتات، حیوانات کی پیدا ہونے والی چیزوں کو ۷۱ ہزار سال کے اختتام تک عالم طبیعی کی خلق سے تخلیق فرمایا۔

دنیا و آخرت کی تخلیق کی عمر

پھر فرمایا کہ جب عالم طبعی کی خلق ختم ہو گئی اور اس کی عمر سے ۵۴ ہزار سال گزر گئے تو اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو پیدا فرمایا۔ جب اس کی عمر سے ۶۳ ہزار برس بیت گئے تو اللہ تعالیٰ نے آخرت کو جو کہ جنت و جہنم ہے پیدا فرمایا۔ پس تخلیق دنیا اور تخلیق آخرت کے درمیان ۹ ہزار سال ہیں۔ آخرت کو اسی لئے آخرت کہتے ہیں کہ یہ اتنی مدت دنیا سے مؤخر ہے۔ جس طرح کہ دنیا کا نام اولیٰ رکھا گیا کیونکہ یہ اس سے پہلے پیدا کی گئی۔ اور اللہ تعالیٰ نے آخرت کے لئے مدت مقرر نہیں فرمائی جس کی طرف اس کی بقاء ختم ہو۔ پس اس کے لئے دائمی بقا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام اور دیگر اشیاء کی تخلیق

اور اللہ تعالیٰ نے دنیا کی عمر میں سے ۷۱ ہزار سال گزرنے پر اور آخرت کی عمر جس کے دوام کی کوئی حد نہیں ۸ ہزار سال گزرنے پر حضرت آدم علیہ السالم کی تخلیق فرمائی۔ پس اس وقت طینت آدم علیہ السلام کا خمیر بنایا۔ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے پرندے خشکی اور تری کے مویشی اور حشرات کو زمینی بخارات سے پیدا فرمایا تا کہ ان بخارات سے ہوا صاف ہو جائے جو کہ اگر اس ہوا میں مخلوط ہو جاتے جس میں اللہ تعالیٰ نے اس انسان کی حیات اور عافیت رکھی ہے تو یہ ساری عمر مریض اور بیماریوں کی آماجگاہ رہتا۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان عفونات کو اپنے لطف وکرم سے حیوانات کی صورت میں پیدا کر کے فضا کو صاف کر دیا۔ پس اسی لئے بیماریاں اور عوارض کم ہو گئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

تیسری بحث

وجوب معرفت حسب استطاعت

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون (الذاریات آیت ۵۶) اور میں نے جنات اور انسان صرف اس لئے پیدا فرمائے کہ میری عبادت کریں)۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا الالیعرفون۔ یعنی اس لئے کہ میری معرفت حاصل کریں۔ تو جس طرح اس کے ساتھ رؤیت متعلق ہوئی تو وہ مرئی ہوا اسی طرح اس کے ساتھ معرفت متعلق ہوئی تو معروف ہوا۔ لیکن کبھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ بعض لوگوں کی معرفت ان لوگوں کی نسبت سے جہالت ہوتی ہے جو کہ درجے میں ان سے اعلیٰ ہوتے ہیں۔ پس علم باللہ تعالیٰ من کل الوجوہ درست ہے نہ ہی اس کے متعلق جہالت من کل الوجوہ صحیح۔ اور انسان جہل بالحق سے باہر نہیں نکل سکتا مگر جب کہ حق تعالیٰ کی ایسی معرفت حاصل کرے جیسے حق تعالیٰ اپنے متعلق کسی نقص کے بغیر علم رکھتا ہے۔ اور یہ محال ہے۔

اور میں نے سیدی علی الخواص رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے مقام معرفت کا دعویٰ کیا حالانکہ وہ فرق اسلامیہ والوں میں سے کسی ایک کے عقائد پر من کل الوجوہ جرح کرتا ہے تو وہ جھوٹا ہے۔ کیونکہ عارف باللہ تعالیٰ کے لئے شرط ہے کہ وہ حضرت الہیہ میں داخل ہو اور جب وہ وہاں داخل ہوتا ہے تو تمام اہل اسلام کے عقائد کو دیکھتا ہے کہ اسی کی سمت نافذ ہیں اور اس کے ساتھ یوں متصل ہیں جیسے ہتھیلی کے ساتھ انگلیاں۔ پس وہ تمام مسلمانوں کے عقائد کو برحق۔ کشف اور مشاہدہ کے ساتھ ہونے کا اعتراف کرتا ہے۔ اگرچہ من بعض الوجوہ ہی سہی۔

سلوک میں دوسرے شیخ کے اجتماع سے روکنے کی وجہ

اور شیوخ نے مرید کو اپنے سوا دوسرے مشائخ کے اجتماع سے صرف اس لئے منع فرمایا ہے تا کہ اس لئے طریق مختصر کر دیں کیونکہ ہر شیخ کے طریق کا حکم انگلی کی طرح جو کہ ہتھیلی سے متصل ہے۔ تو جب ایک انسان نے ایک گرہ کی مقدار سلوک اختیار کیا پھر دوسری چیز کی طرف منتقل ہو گیا تو اس کے ہاتھوں ایک گرہ کی مقدار سلوک کیا۔ پھر کسی اور کی طرف منتقل ہو گیا تو اس کے ہاتھوں پر ایک گرہ کی مقدار سلوک اختیار کیا۔ تو اس نے اپنے آپ کو سیر سے روک لیا۔ اور اگر وہ ان گرہوں کا سلوک ایک شیخ کے ہاتھ پر کرتا تو وہ ہتھیلی تک رسائی حاصل کر لیتا۔ کیونکہ ہر انگلی کی تین ہی تو گرہیں ہیں۔ تو اس کی عمر تو تمام طرف کی پہلی گرہ میں ہی ختم ہوئی۔ تو یہ ہے مشائخ کے اپنے مرید کو

اس سے روکنے کی وجہ کہ سلوک میں ان کے غیر کو شریک کرے۔ انتہی۔

پھر جان لو کہ ائمہ اصول کے نزدیک معرفت نام ہے اللہ تعالیٰ۔ اس کی صفات ذاتیہ اور معنویہ کے ساتھ علم کا اور صانع جل جلالہ کی معرفت سے یہی مطلوب ہے۔ کیونکہ ذات کا اس حیثیت سے کہ اس کا احاطہ ہو سکے علم حاصل نہیں ہو سکتا۔

حق مطلق ۔ صدق محض کیا ہے؟ اور وجوب معرفت کی دلیل؟

اگر کہا جائے کہ حق مطلق اور صدق محض کیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حق مطلق وہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صدق محض اس کی معرفت اور اس کی وحدانیت کا اقرار ہے۔

اور اگر کہا جائے کہ حق تعالیٰ کی معرفت کے واجب ہونے کی کیا دلیل ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی دلیل معرفت کا ان امور میں سے ہونا ہے جن تک عقول کی رسائی ہے۔ کہ جب انسان کو کوئی شدید امر لاحق ہو اور اس پر راہیں تنگ ہو جائیں تو اس سے چارہ نہیں کہ معبود پر اعتماد کرے۔ اس کی طرف عاجزی اور زاری کرے اور اپنی مصیبت کے دفعیہ کے لئے اس کی طرف پناہ لے۔ اور اس کا دل آسمان کی طرف بلند ہو اور اس کی نظر اس کی طرف اٹھے اس حیثیت سے کہ آسمان سب مخلوقات کی دعا کا قبلہ ہے۔ پس طبعی یا جبلی طور پر اپنے خالق اور اپنے بنانے والے سے استغاثہ کرے۔ تکلف اور حیلہ کے طور پر نہیں۔ اور اس کی مثل کبھی وحوش اور چارپایوں میں بھی پائی جاتی ہے کیونکہ چارہ اور پانی نہ ملنے پر اور احساس ہلاکت وفنا کی بنا پر ان کا خوف و رجاء ظاہر ہوتا ہے اور وہ آسمان کی طرف سر اٹھاتے ہیں۔ اور اسی طرح ہم نے بچوں کو دیکھا ہے کہ تکلیف کے وقت اپنی انگشت شہادت آسمان کی طرف اٹھاتے ہیں اور یہ سب کچھ صرف انسان عاقل تو کیا حیوانات کی جبلت میں مرکوز ہے۔ اور یہ وہ فطرت ہے جو قرآن و حدیث میں مذکور ہے۔ لیکن اکثر لوگ راحت کی صورت میں اس سے غیر متوجہ ہو جاتے ہیں۔ صرف تکلیف کی حالت میں اس کی طرف لوٹتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **واذا مسکم الضرفی البحر ضل من تدعون الا ایاه** (الاسراء آیت ٦٧) اور جب تمہیں سمندر میں تکلیف پہنچتی ہے تو تم سے وہ گم ہو جاتے ہیں جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو)۔

صانع کے وجود پر استدلال

حکایت کی گئی ہے کہ ایک شخص نے امام جعفر الصادق رضی اللہ عنہ کے پاس صانع کا انکار کیا۔ پس آپ نے اس کے لئے استدلال کا دروازہ کھولا۔ اس نے کان نہ دھرا۔ تو آپ نے فرمایا: کیا تو نے کبھی کشتی کی سواری کی ہے۔ کہنے لگا: جی ہاں۔ ایک دفعہ کشتی ٹوٹ گئی اور میں ایک تختے پر ساحل تک پہنچنے کے لئے بیٹھ گیا۔ جب میں ساحل کے قریب پہنچا تو تختہ میرے نیچے سے سرک گیا۔ تو امام صاحب نے فرمایا کہ جب تجھ سے تختہ بھی چھوٹ گیا تو اسباب پر اعتماد ختم ہونے پر تجھے سلامتی کی امید کس سے تھی؟ تو وہ شخص خاموش ہو گیا۔ تو اسے حضرت نے فرمایا کہ جس سے تجھے سلامتی کی امید تھی وہی اللہ تعالیٰ ہے۔ جس نے تجھے پیدا فرمایا۔ پس وہ شخص مسلمان ہو گیا۔

اگر کہا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بوڑھی عورتوں کا دین لازم کرو۔ کیا اس میں استدلال عقلی سے نہی ہے یا نہیں؟

تو جواب یہ ہے کہ اس میں استدلال عقلی سے نہی نہیں ہے۔ وہ تو اس حالت سے وابستہ رہنے کی تنبیہہ ہے جس سے سلامتی والے نوعمر اور نوجوان غافل ہیں۔ اور شیخ ابو طاہر القزوینی نے نقل فرمایا کہ انہوں نے کتاب دیانات العرب میں لکھا دیکھا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم نے عمران بن حصین سے فرمایا: تمہارے کتنے معبود ہیں؟ کہا: دس۔ فرمایا: تیرے غم۔ مصیبت اور بڑے حادثے کے لئے کون ہے جب تجھ پر نازل ہو کر تجھے مدہوش کردے؟ کہا: اللہ۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابن حصین! اللہ تعالیٰ کے سوا تیرا کوئی معبود نہیں ہے۔ پس وہ اسلام لے آئے اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اسی کے مطابق ہے۔ **ولئن سئالتهم من خلقهم ليقولن الله** (الزخرف آیت ۸۷) اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ انہیں کس نے پیدا کیا؟ تو یقیناً کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے)۔ نیز فرمایا: **فلما رأدا باسنا قالوا آمنا بالله وحده و كفرنا بما كنا به مشركين** (المومن آیت ۸۴) تو جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھا تو کہنے لگے کہ ہم ایک اللہ پر ایمان لائے اور ہم ان معبودوں کا انکار کرتے ہیں جنہیں ہم اس کا شریک ٹھہرایا کرتے تھے)۔

نیز اطراف واکناف زمین میں رہنے والے لوگ جن کے پاس اسلام یا شرک کی طرف بلانے والا کوئی نہیں پہنچا جیسے ترک۔ کرد بیابانوں کے دور دراز علاقوں اور ہند اور چین کے انتہائی دور علاقوں کے لوگ اور اہل جزائر، انہیں ان کے نفسوں نے ہی اس طرف بلایا حتیٰ کہ انہوں نے اعتراف کیا کہ ان کا کوئی پیدا کرنے والا ہے۔ ان کا کوئی معلم نہ ان کے ہاں کوئی دلیل اور نہ ہی کوئی اصطلاح جو ان کے درمیان واقع ہوتی۔ پس بے شک وہ وجود خالق پر اپنے نفسوں کی عمومی اور اغلبی گواہی کی وجہ سے بے نیاز ہو گئے۔ کیونکہ کثرت سے یہ واقعات رونما ہوئے کہ انہوں نے دعا کی اور قبول ہوئی۔ کوششیں کامیاب۔ سلامتی سے مایوسی کی حد تک متاثر کرنے والے زبردست حادثوں میں اچانک کشائش۔ اور انہیں سچی خواب، فال اور زجر سے کئی بار اس کا تجربہ بھی ہوا۔ اور ایسے مقامات پر دشمنوں کے ہاتھوں سے خلاصی پانا جہاں مخلوق میں سے ان کا کوئی مددگار بھی نہیں۔ اور آفاق اور اپنے نفسوں میں عجائب وغرائب کے ظہور کا مشاہدہ۔ پس ان کے نفس معبود برحق کی گواہی دیتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا یہی مفہوم ہے: **قالت لهم رسلهم افى الله شك** (ابراہیم آیت ۱۰) انہیں ان کے پیغمبروں نے فرمایا: کیا اللہ تعالیٰ کے بارے میں کوئی شک ہے۔

اور ایک دفعہ ایک اعرابی نے دیکھا کہ لومڑی نے بت پر پیشاب کر دیا جسے وہ پوجتا تھا تو اس نے شعروں میں کہا: کیا وہ رب ہے جس پر لومڑی پیشاب کردے؟ بیشک وہ تو نہایت ذلیل ہے جس پر لومڑیاں پیشاب کر دیں۔ میں بتوں اور ہر شرک سے بیزار ہوں اور مجھے یقین ہو گیا ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ ہی غالب ہے۔

اور یہ سب کچھ ضروریات کے قریب ہے۔ اور اسی لئے بعض نے کہا ہے کہ معرفت ضرورت ہے۔ پس لوگ سب کے سب صانع جل وعلا کی طرف اشارہ کرتے ہیں گرچہ ان کے طریقے اور علل جدا جدا ہیں۔ اور وہ کنہ ذات کے سوا جاہل نہیں ہیں۔ اور اسی لئے انبیاء ورسل علیہم الصلوات والتسلیمات اس لئے نہیں آئے کہ ہمیں وجود صانع کا پتہ دیں۔ وہ تو ہمارے پاس صرف ہمیں توحید کی دعوت دینے تشریف لائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **فاعلم انه لا اله الا الله** (محمد صلی اللہ علیہ وسلم آیت ۱۹) پس جان لے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں)۔ اور مخلوق نے تو موجود کے اعتراف کے بعد شرک کیا کہ اسے اللہ تعالیٰ کے شرکاء میں سے ہونے کا اعتقاد کیا۔ یا اس کی صفات میں سے کسی واجب کے انکار۔ یا ان میں سے کسی محال کے اثبات یا نبوتوں کے انکار کی وجہ سے۔

سلطان محمود غزنوی اور راہب

اور جب سلطان محمود بن سبکتگین رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان کے سومنات کو فتح کیا تو اس کے پاس ایک بوڑھا راہب لایا گیا اور وہ کچھ

گنگنا رہا تھا۔ پس سلطان نے ترجمان سے پوچھا کہ یہ کیا کہتا ہے تو اس نے کہا کہ یہ اللہ اللہ کہہ رہا ہے۔ تو بادشاہ نے ترجمان سے فرمایا کہ اسے کہو کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھتے ہو؟ اس نے ہندی میں کچھ کہا۔ تو ترجمان نے بتایا کہ یہ کہتا ہے کہ محیط سے مرکز کی طرف آنے والے خطوط مستقیمہ برابر ہوتے ہیں۔ اور اس کی مثال حاشیہ پر ہے۔ پس معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام اگر ہمارے پاس ہمیں وجود صانع کا پتہ دینے آتے تو اللہ تعالیٰ فاعلم انه لا اله الا الله کی بجائے فاعلم ان لك الها فرماتا۔ یعنی جان لو کہ تمہارا الٰہ ہے۔ اور یہی وضاحت اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے۔ ولیعلموا انما هو الله واحد (ابراہیم آیت ۵۲) اور وہ جان لیں کہ معبود صرف ایک ہی ہے)۔

طریق استدلال اپنانے کی وجہ

اگر کہا جائے کہ پھر اہل اصول نے اس مسئلے پر استدلال کا راستہ کیوں اختیار کیا؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ اس راہ پر ان اطماع کو قطع کرنے کے لئے چلے ہیں جو کہ اس کی طرف مائل ہیں۔ جیسے ممکنات کے امکان کے ساتھ ترجیح دینے والے پر استدلال کرنا وغیرہ۔ ورنہ وہ جانتے ہیں کہ جس چیز کی فطرت گواہی دے وہ خلق کے زیادہ قریب اور جلدی سمجھ میں آنے والی ہے۔ کیونکہ ممکن خارج اور حارث جو کہ محدث پر دلالت کرنے والا ہے دونوں نظر صحیح پر موقوف ہیں اور یہ نظر کرنے والے کی طرف سے سبب ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ام من یجیب المضطر اذا دعاه (النمل آیت ۶۲) بھلا کون قبول کرتا ہے بے قرار کی فریاد جب وہ اسے پکارتا ہے)۔ امن یبدء الخلق ثم یعیده (النمل آیت ۶۴) بھلا کون ہے جو آغاز کرتا ہے آفرینش کا پھر اسے دوبارہ پیدا کرے گا)۔ ام من جعل الارض قرارا (النمل آیت ۶۱) بھلا کس نے بنایا زمین کو ٹھہرنے کی جگہ)۔ اس جیسی دوسری آیات جو کہ استفہامات تقریری ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس شے کی تقریر فرماتا ہے جس پر اس نے انہیں پیدا فرمایا۔ اور اسی طرح اس کا یہ ارشاد ہے۔ الست بربکم (الاعراف آیت ۱۷۲) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں)۔ اور یہ قول ہے افی الله شك (ابراہیم آیت ۱۰) کیا اللہ کے بارے میں کوئی شک ہے)؟ اسی لئے مرفوعاً وارد ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے بندوں کو اپنی معرفت پر پیدا فرمایا۔ پس شیطان نے انہیں اس سے ڈگمگا دیا۔ تو رسل علیہم السلام نہیں بھیجے گئے مگر فطرت کی توحید یاد دلانے اور اسے استدلالات نظریہ اور دلائل عقلیہ کے ساتھ شیطانی ملمع سازیوں سے پاک کرنے کے لئے اور اسی کی وجہ سے عقل والوں پر تکالیف شرعیہ متوجہ ہوئیں۔

قول امام الحرمین کے مطابق معرفت ذات کا مسئلہ اور اس کی وضاحت

اور امام الحرمین رحمۃ اللہ علیہ سے معرفت ذات کے متعلق پوچھا جاتا تو فرماتے کہ یہ ایسا امر ہے جس میں عقلیں حیران ہیں۔ دلیل کے ساتھ تو صرف اللہ تعالیٰ کے وجود۔ اس پر جو جائز ہے۔ اس کے لئے جو واجب ہے اور اس پر جو محال ہے کا علم حیثیت اور تمیز کے بغیر حاصل ہوتا ہے اور وہ صرف اس کا وجہ عزیز ہے۔ کیونکہ کسی مثل سے حاصل ہونے والے عقیدے کی طرف مائل ہونا اور صنعت کے ساتھ استدلال سے روگردانی کرنا تعطیل ہے اور حق تعالیٰ کی حقیقت کے ادراک کی طرف کوئی راہ نہیں۔

امام ابو طاہر القزوینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام الحرمین کا 'حیثیت کے بغیر' کہنا مکان کی نفی کی طرف اشارہ ہے۔ پس یہ نہیں کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ من حیث العرش یا من حیث الکرسی۔ اور آپ کا تمیز کے بغیر کہنا اس لئے کہ تمیز تو دو جنسوں کے درمیان ہوتی ہے۔ ایک جنس وصف کے ساتھ دوسری سے ممتاز ہوتی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کی ذات جنس سے پاک ہے۔ پس وہ کسی شے کے ساتھ اپنی جنس

سے ممتاز نہیں۔ البتہ اشیاء حادث ہونے کی بنا پر اللہ تعالیٰ سے جدا ہے۔ اور امام الحرمین کا ''حاصل شدہ عقیدہ'' کہنا اس کا مفہوم یہ ہے کہ جس کا احاطہ کیا گیا ہو اور احاطہ کے ساتھ اس تک فکر کی رسائی ہو۔ اور مرفوع حدیث شریف میں ہے کہ تم سب کے سب اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں بے سمجھ ہو۔ (واللہ تعالیٰ اعلم۔

اور انصاری نے نکث الادلۃ میں ذکر فرمایا ہے کہ قاضی ابو بکر الباقلانی نے اللہ تعالیٰ کے لئے نہایت خاص وصف کا اثبات کیا ہے۔ جس کے ادراک تک خلق میں سے کسی کے لئے کوئی راہ نہیں۔ پھر فرمایا: کہ ابو اسحاق الاسفرائنی نے اس معنی کی طرف اشارہ کیا ہے اور امام الحرمین نے فرمایا کہ عقل کے لئے برتری ہے پس بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ بعض عقل والوں کو برتری سے نوازے جس کی وجہ سے حقائق ذلت کا ادراک ہو سکے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وقل رب زدنی علما (طٰہٰ آیت ۱۱۴) اور دعا کیجئے اے میرے پروردگار میرا علم زیادہ فرما)۔ انتہی۔

اور شاید برتری نظر میں کمال قوت واعتماد ہے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ کو تم سب سے زیادہ جاننے والا اور اس سے سب سے زیادہ ڈرنے والا ہوں۔ اور آنے والی مباحث میں وہ کچھ آئے گا جس سے یقیناً پتہ چلے گا کہ ساری مخلوق ادراک ذات سے عاجز ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے بندے کو صرف زبان کے ذریعے لا الہ الا اللہ کے ساتھ توحید کی تلاوت کا مکلف قرار دیا ہے۔ اور امام مالک وغیرہ نے اسی کے ساتھ توحید کی تعریف کی ہے۔ اسے جان لو۔ یہ متکلمین کے مقالات ہیں۔

حدوث عالم کے بارے میں صوفیاء کے مقالات

رہے مقالات صوفیہ تو یہ بہت وسیع ہیں لیکن ہم ان میں سے بعض نکات ذکر کریں گے کیونکہ قوم صوفیہ کے نزدیک مطلوبہ معرفت کسی عارف باللہ تعالیٰ شیخ کے ہاتھ پر سلوک کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔ پس ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کہتے ہیں۔

شیخ محی الدین قدس سرہ کے ترشحات

شیخ محی الدین نے ۱۷۷ویں باب میں یوں فرمایا ہے: جان لو کہ علم ومعرفت کے ساتھ کسی کا موصوف ہونا صحیح نہیں مگر اس وقت جبکہ وہ اشیاء کو ذاتی طور پر اپنی ذات پر کسی امر زائد کے بغیر پہنچانتا ہو۔ اور وہ صرف اللہ تعالیٰ وحدہ کی ذات پاک ہے۔ اور اس کے ماسوا جو کوئی ہے تو اس کا علم بالاشیاء اپنی ذات پر ایک امر زائد کی تقلید ہے۔ اور جب یہ ثابت ہو گیا تو چاہئے کہ بندہ علم باللہ تعالیٰ کے متعلق اپنے رب تعالیٰ کی تقلید کرے۔

اور ہم نے جو یہ کہا کہ بندہ کسی شے کا علم نہیں رکھتا مگر اپنی ذات پر ایک امر زائد کی وجہ سے اس کی وضاحت یہ ہے کہ انسان کسی چیز کو نہیں جانتا مگر اپنی قوتوں میں سے ایک قوت کے ساتھ جو کہ اللہ تعالیٰ نے اسے عطا فرمائی ہیں۔ اور وہ حواس اور عقل ہیں۔ پس انسان کے لئے ضروری ہے کہ اپنی حس کی اس چیز میں تقلید کرے جو وہ اسے عطا کرتی ہے۔ اور کبھی وہ غلطی بھی کرتی ہے۔ اور کبھی وہ اس امر کے موافق ہوتی ہے جیسا کہ وہ فی نفسہ ہوتا ہے۔ یا اپنی عقل کی اس امر میں تقلید کرے جو وہ اسے عطا کرتی ہے۔ ضرورت ہو یا نظر اور عقل تقلید کرتی ہے فکر کی۔ اور اس میں صحیح ہوتا ہے اور غلط بھی۔ تو اس کا علم بالاموراتفاقاً ہوتا ہے۔ تو وہاں صرف تقلید ہے۔

اور جب امر یوں ہے جیسا کہ ہم نے کہا تو عاقل پر جب وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت طلب کرے واجب ہے کہ اس کی اس امر میں تقلید کرے جس کی اس نے اپنے رسل کی زبانوں پر اپنے متعلق خبر دی۔ اور اس کی تقلید نہ کرے جو اسے اس کے قویٰ عطا کرے۔ اور چاہئے کہ طاعات کی

کثرت میں لگا رہے یہاں تک کہ حق تعالیٰ اس کے کان۔ اس کی آنکھ اور اس کی تمام قوتیں بن جائے جیسا کہ حدیث پاک میں وارد ہے۔ اور اس وقت سب امور کی پہنچان اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ ہوگی۔ اور اللہ تعالیٰ کا عرفان اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوگا۔ اس کے بعد اس پر جہالت داخل ہو گی نہ کوئی شبہہ۔ شک اور تردد۔ تو اے بھائی! میں نے تجھے ایسے امر پر تنبیہہ کر دی ہے جو کبھی تیری سماعت سے نہیں ٹکرایا۔ کیونکہ اہل نظر کے عقلاء خیال کرتے ہیں کہ وہ نظر۔ حس اور عقل کی عطا سے عالم باللہ تعالیٰ ہو گئے ہیں حالانکہ وہ اپنی قوت کی وجہ سے مقام تقلید میں ہیں۔ اور کوئی قوت نہیں مگر اس کے لئے غلطی ہے جسے وہ جانتے ہیں۔ اور اس کے باوجود انہوں نے اپنے آپ کو مغالطہ دیا۔ اور انہوں نے اس چیز کے درمیان، جس میں حس۔ فکر اور عقل غلطیکرتی ہے اور جس میں غلطی نہیں کرتی فرق کیا اور انہیں کیا معلوم کہ جسے انہوں نے غلط قرار دیا صحیح ہو۔ تو یہ پر پیچ بیماری اسی وقت زائل ہوگی۔ جب ہر معلوم کے متعلق علم، اللہ تعالیٰ سے حاصل کیا جائے۔ اس کے غیر سے نہیں۔ جبکہ اللہ تعالیٰ بالذات عالم ہے کسی امر زائد کی وجہ سے نہیں۔ تو اس کے سوا چارہ نہیں کہ اس چیز کا عالم ہو جسے وہ اللہ تعالیٰ کی وجہ سے جانتا ہو۔

کیونکہ تو نے اس کی تقلید کی جو جانتا ہے۔ جہالت سے پاک ہے۔ اور وہ اپنے علم میں مقلد نہیں ہے۔ اور جس نے بھی اللہ تعالیٰ کے سوا غیر معصوم کی تقلید کی جو جانتا ہے۔ جہالت سے پاک ہے اور وہ اپنے علم میں مقلد نہیں ہے۔ اور جس نے بھی اللہ تعالیٰ کے سوا غیر معصوم کی تقلید کی تو وہ اس کا مقلد ہے جسے غلطی داخل ہو سکتی ہے اور اس کا درست ہونا اتفاقی امر ہے۔ تو اے میرے بھائی! اس میں مشغول رہ جس کا تجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ اور فعل طاعات میں مبالغہ کر۔ یہاں تک کہ حق تعالیٰ تیری ساری قوتوں کے لئے ہو جائے۔ پس تو اپنے امر سے بصیرت پر گامزن ہو جائے۔ اور اس کے بغیر اس کی معرفت خاصہ طلب مت کر کیونکہ تو اس کی معرفت تک کبھی نہیں پہنچے گا گرچہ تو سب انس و جن کی عبادت کا جامع ہو۔ اور میں نے تجھے نصیحت کر دی ہے۔ پس بیشک حق تعالیٰ نے اپنے بارے میں ایسے امور کی خبر دی ہے جسے دلائل عقلیہ اور افکار صحیحہ رد کرتے ہیں۔ باوجودیکہ خبر دینے والے کی تصدیق اور ان پر ایمان کے لازم ہونے پر دلائل قائم ہیں۔ پس کامل وہ ہے جس نے اپنے رب کی تقلید کی اور تاویل صفات میں اپنے عقل کی تقلید نہیں کی۔ پس بیشک عقل نے صاحب عقل کے ساتھ اس قول کی صحت کے ساتھ تقلید پر اجماع کیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سے ہے۔ بندے کے لئے اس میں کوئی نزاع کی جگہ نہیں۔ اس کے ہاں جو کچھ ہے اس میں طعن کا باعث ہو۔

اور اے میرے بھائی! حقیقت صفات کا علم اللہ تعالیٰ کی طرف پھیر دے۔ اور عبادات شرعیہ کا عمل جاری رکھ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تجھے اپنے علم سے کچھ عطا فرمائے۔ اور اس وقت تو اس کا عارف ہو جائے گا۔ تو یہ ہے مطلوبہ معرفت اور صحیح علم جس کے آگے اور پیچھے سے باطل کی کوئی راہ نہیں۔ انتہی۔

من عرف نفسه عرف ربه کا معنی

اور اگر تو کہے کہ کشفاً ثابت ہونے والی حدیث پاک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا کیا معنٰی ہے کہ **من عرف نفسه عرف ربه؟**

تو اس کا جواب شیخ محی الدین نے ۷۷ ویں باب میں یوں دیا ہے کہ معنٰی یہ ہے کہ جس نے اپنے نفس کو اس وصف کے ساتھ پہنچانا جس کے ساتھ حق تعالیٰ نے اسے اپنی ذات کی صفات میں سے موصوف فرمایا کہ اس کی ذات وصفات ہیں اور اسے اللہ تعالیٰ نے جو کچھ

اپنے علم سے عطا فرمایا اور اسے زمین میں خلافت بخشی۔ والی بناتا ہے اور معزول کرتا ہے معاف کرتا ہے اور انتقام لیتا ہے وغیرہ۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس کا معنیٰ یہ ہو۔ اپنے نفس کو یوں پہنچانے کہ اپنے وجود میں محتاج ہے۔ اور احتمال ہے کہ دونوں معنے ایک ساتھ مراد ہوں۔ اس کے بغیر چارہ نہیں۔

انفس کے ساتھ آفاق کے ذکر کی حکمت

اگر تو کہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول "سنریھم آیاتنا فی الآفاق و فی انفسھم (حم السجدہ آیت ۵۳) ہم انہیں اپنی نشانیاں آفاق میں اور ان کے اپنے نفسوں میں دکھائیں گے)۔ میں آفاق کے ذکر کا اضافہ کیوں فرمایا اور انفسھم پر اکتفاء کیوں نہ فرمایا؟ تو جواب یہ ہے کہ فی الآفاق کا اضافہ بندے کو اس سے بچانے کے لئے فرمایا ہے کہ کہیں خیال کرے کہ علم باللہ تعالیٰ کا کچھ بقیہ آفاق میں باقی رہ گیا ہو جو کہ نفس اسے عطا نہیں کرتا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اسے آفاق کے حوالے سے بیان فرمایا۔ تو جب اس نے اس سے کچھ بھی باہر نہ پایا جو اسے نفس عطا کرتا ہے تو وہ تخیل زائل ہو گیا کیونکہ نفس کل حقائق عالم کا جامع ہے۔

پس اے بھائی! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اپنی امت (کی بہتری) پر کثرت حرص پر غور کر کہ آپ نے کس طرح اللہ تعالیٰ کی معرفت کی طرف راستے کو اپنے کشفی طور پر ثابت اس ارشاد میں کہ من عرف نفسہ عرف ربہ مختصر فرما دیا اور ان کے لئے آفاق کا ذکر نہیں فرمایا۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

اگر تو کہے کہ جسے اپنے امر میں بصیرت نہیں تو اس کے لئے جہل باللہ سے سلامتی کی راہ کیا ہوگی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ سلامتی کی راہ تاویل نہ کرنا اور اس کا علم اللہ تعالیٰ کی طرف سپرد کرنا ہے۔

پس اگر تو کہے کہ کیا کسی کے لئے یہ صحیح ہے کہ ہر اس طریق سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرے جس تک مخلوق کی رسائی ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ ہاں اس کے لئے یہ صحیح ہے جیسا کہ اہل اللہ کے اکابر کو یہ مقام حاصل ہے پس وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت معتقدات اسلامیہ کے طرق میں سے ہر طریق سے حاصل کرتے ہیں۔ کیونکہ حق تعالیٰ ہر چیز کو اس کے سرّ قائم کے ساتھ یا اس کے وجود کے ساتھ پھلانے والا ہے۔ اور اس مقام والا وہی ہے جو کہ اپنے خلق کے اجسام کے ساتھ قائم اپنے سرّ سے حق تعالیٰ سے مخاطب ہوتا ہے۔ چنانچہ سیّد سہل بن عبداللہ سے منقول ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ تیس سال سے میں اس دنیا میں ہوں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے کلام کر رہا ہوں اور لوگ گمان کرتے ہیں کہ میں ان سے گفتگو کرتا ہوں۔

مرد کامل مطلقاً خطا سے پاک ہوتا ہے

اگر تو کہے کہ کیا اس کامل سے خطا کا سرزد ہونا اٹھ جاتا ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ ہاں۔ کیونکہ اس کا علم اللہ تعالیٰ کے علم سے ہے پس وہ اصول میں غلطی کرتا ہے نہ فروع میں۔ بخلاف اس علم کے جو اس نے اپنے فکر و نظر سے حاصل کیا کہ اس میں کبھی غلطی کر سکتا ہے۔ اسے شیخ محی الدین رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔

تجلی الٰہی اور قلوب

اگر تو کہے کہ کیا قلوب کے لئے تجلی الٰہی، معارف کے وجود کی وجہ سے دائمی ہے یا کسی قلب کے لئے اور کسی وقت میں ہوتی ہے؟

تو اس کا جواب شیخ محی الدین نے ۷۷اویں باب میں یوں دیا ہے کہ تجلی الٰہی تمام قلوب اسلامیہ کے لئے دائمی ہے۔ اس پر کوئی حجاب نہیں۔ لیکن یہ پہنچان نہیں ہوتی کہ یہ وہی ہے۔ کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے عالم کو پیدا فرمایا تو اسے اس کے عدم کی حالت میں اپنا کلام سنایا اور وہ اس کا قول ہے ''کن'' پس وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لئے مشہود تھا جبکہ حق تعالیٰ عالم کے لئے مشہود نہ تھا۔ کیونکہ شان یہ ہے کہ تمام ممکنات کی آنکھوں پر حجاب عدم تھا۔ اسی لئے وجود کا ادراک نہ کیا اور وہ معدوم تھے۔ جیسے کہ تو ظلمت کو نور سے دیکھتا ہے جبکہ ظلمت کے وجود کے ساتھ نور کی بقا اصلاً نہیں۔ اسی طرح عدم اور وجود ہے۔ تو جب حق تعالیٰ نے ممکنات کو ان کے امکان اور استعداد قبول کی وجہ سے، معرض وجود میں ہونے کا حکم دیا تو ممکنات نے جلدی کی کہ وہاں جو کچھ ہے اسے دیکھیں۔ کیونکہ وجود کی حیثیت سے نہیں بلکہ ثبوت کی حیثیت سے ان کی قوت میں دیکھنا ہے جیسا کہ ان کی قوت میں سننا ہے۔ تو جب ممکن وجود میں آیا تو نور کے رنگ سے مشرف ہوا تو عدم زائل ہوا۔ پھر اس نے اپنی آنکھ کھولی تو وجود کو خیر محض پایا تو اسے معلوم نہ ہوا کہ وہ کیا ہے۔ اور جان نہ سکا کہ وہ وہی ہے جس نے اسے تکوین کا حکم دیا۔ تو اسے تجلی نے اس کا علم عطا کیا جو اس نے دیکھا۔ نہ یہ علم کہ وہ وہی ہے جس نے اسے وجود عطا کیا۔ تو جب نور کی رنگت میں آیا تو اس نے بائیں سمت دیکھا تو عدم نظر آیا۔ پس اس نے غور سے دیکھا تو وہ اس سے، جو نکل رہا ہے جس طرح جسم سے سایہ اس وقت نکلتا ہے جب اس کے مقابل روشنی ہو۔ تو اس نے کہا: یہ کیا ہے؟ اسے نور نے دائیں سمت سے کہا: یہ وہی تو ہے۔ تو اگر تو ہی نور ہوتا تو سائے کے لئے عین ظاہر نہ ہوتا۔ پس میں نور ہوں اور میں اس کا مذہب ہوں۔ اور تیرا وہ نور جس پر تو ہے وہ تو اس حیثیت سے ہے جو کہ تیری ذات سے میرے سامنے ہے۔ اور یہ اس لئے کہ تو جان لے کہ بیشک تو میں نہیں۔ تو میں ظل کے بغیر نور ہوں جبکہ تو وہ نور ہے جو کہ تیرے امکان کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ پس اگر تو میری طرف منسوب ہوا میں نے تجھے قبول کیا اور اگر تو عدم کی طرف منسوب ہوا تو وہ تجھے قبول کرتا ہے۔ پس تو عین، وجود و عدم ہے۔ اور تو خیر و شر کے درمیان ہے۔ پس اگر تو نے اپنے ظل سے اعراض کیا تو نے اپنے امکان سے اعراض کیا۔ اور جب تو نے اپنے امکان سے اعراض کیا تو تو مجھ سے بے پہنچان ہوا اور تو نے مجھے نہیں پہنچانا۔ پس بیشک تیرے لئے اس امر پر کوئی دلیل نہیں کہ میں تیرا معبود۔ تیرا رب اور تیرا موجد ہوں سوائے تیرے امکان کے۔ اور وہ تیرا اپنے ظل کا مشاہدہ ہے۔ پس اپنے نفس کی اپنے ظل سے نظر کی طرف مت دیکھ پس تو دعویٰ کرے گا کہ بیشک تو میں ہوں پس یوں تو جہالت میں گر جائے گا۔ اور اپنے ظل کی طرف ایسی نظر سے نہ دیکھ تو تجھے مجھ سے بے نیاز کر دے کیونکہ یہ تجھے بہرے پن میں مبتلا کر دے گا پس تو اس سے ناواقف ہو جائے جس کے لئے میں نے تجھے پیدا فرمایا۔ پس ہو جا کبھی کبھی۔ اور میں نے تیری دو آنکھیں صرف اس لئے پیدا کی ہیں کہ تو ایک کے ساتھ میرا اور دوسری کے ساتھ اپنے سائے کا مشاہدہ کرے اور اس بارے میں طویل کلام کیا۔

پھر فرماتے ہیں: اور جان لے کہ معرفت باللہ تعالیٰ کے علوم میں سے نہایت جلیل القدر علم وجود میں کمال اور نقص کا علم ہے جیسا کہ اسماء الٰہیہ میں سے اسماء الحنان والامتنان اور اسماء قہر وانتقام کے حضرات اس کی گواہی دیتے ہیں۔ تو اگر عاصی نہ ہوتا تو حق جل شانہ کا اپنے بندوں پر کمال فضل اس کے حلم، عفو و درگذر وغیرہ کی صورت میں ظاہر نہ ہوتا۔ پس معلوم ہوا کہ کمال وجود سے اس میں

نقص نسبی کا وجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر ما سوی اللہ کے کمال میں فرمایا: **اعطی کل شئی خلقه** (طٰہٰ آیت ۵۰) اس نے ہر چیز کو اس کی تخلیق عطا فرمائی)۔ تو اسے کسی شے کا نقص نہ رکھا حتیٰ کہ نقص کو بھی خلقت عطا کی اور اسے پورا دیا۔ اور اس کا ارشاد **ثم هدی** (طٰہٰ آیت ۵۰) پھر راہنمائی فرمائی۔ یعنی وہ امور امر کی زبان سے بیان فرمائے جو کہ کمال سے نکل گئے بس تو انہیں نقص کے نام پر برقرار رکھے جیسے انہیں حق تعالیٰ نے برقرار رکھا۔ پس سمجھ لے۔

انسان اور نقائص معنوی

اگر تو کہے کہ کیا انسان کے علاوہ کسی شے میں نقائص ظاہر ہوئے یا وہ انسان کے ساتھ خاص ہیں؟ تو اس کا جواب وہ ہے جو کہ شیخ نے ۷۷ اویں باب میں دیا ہے کہ نقص معنوی کائنات میں انسان کے سوا کسی شے میں ظاہر نہیں ہویا۔ اور اگر جنات میں ہے تو وہ معلوم ہے۔ خواص کے سوا کسی پر ظاہر نہیں۔ اور یہ اس لئے کہ انسان حقائق عالم کا مجموعہ ہے۔ اور وہ مختصر بھی ہے اور عالم مطول بسیط ہے۔

فرماتے ہیں کہ جان لو کہ جب کمال الوہیت شرائع اور عقلی دلائل سے ظاہر ہے شرع نے تنزیہہ اور اس کے علاوہ امور بیان کئے جبکہ عقل کا بیان صرف تنزیہہ تک ہے۔ پس یہ اللہ تعالیٰ کی معرفت سے نصف پر ہے۔ تو عقل کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے احکام کثیرہ کا جنہیں شریعت نے بیان کیا سلب لازم۔ کیونکہ شریعت نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے ثبوت کی خبر دی ہے جس سے عقل مسلوب ہے۔ اور دونوں ایک ساتھ بیان کئے۔ اور یہ وہی کمال ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی شان کے شایاں ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے عقول کو حیرت زدہ کر دیا۔ اور اگر اللہ تعالیٰ انہیں حیرت زدہ نہ کرتا تو مخلوق کے حکم کے تحت ہوتا۔ کیونکہ حسی اور خیالی قوتیں اسے اپنی ذوات سے طلب کرتی ہیں تا کہ اپنے موجد کو دیکھیں اور عقول اسے اپنی ذوات اور نفی و اثبات، وجوب و جواز، اور محال ہونے کے اپنے دلائل کے ساتھ طلب کرتی ہیں تا کہ اپنے موجد کا علم حاصل کریں۔ پس اس نے حواس اور خیال کو اپنی اس تجرید کے ساتھ خطاب فرمایا جس پر عقلی دلائل دلالت کرتے ہیں اور حواس سنتے ہیں۔ پس حواس و خیال حیرت میں رہ گئے اور انہوں نے کہا ہمارے لئے کچھ نہیں۔ اور عقول کو اپنی اس تشبیہہ سے خطاب فرمایا جس پر حواس و خیال دلالت کرتے ہیں اور عقول سنتی ہیں۔ پس عقلیں حیرت زدہ رہ گئیں اور کہنے لگیں ہمارے پاس اس سے کچھ نہیں۔ پس وہ عقول، حواس اور خیال کے ادراک سے بالا ہے اور حیرت فی الکمال میں منفرد ہے۔ تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو اس کے سوا کوئی جانتا ہے نہ اس کا کما حقہ مشاہدہ آ سکتا ہے۔ پس انہوں نے علم کے ساتھ اس کا احاطہ نہیں کیا اور نہ ہی اس کا عین دیکھا۔

(اقول و باللہ التوفیق۔ یہاں ادراک ذات کی نفی ہے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے **لا تدركه الابصار وهو يدرك الابصار**۔ مطلقاً رؤیت کی نفی نہیں کیونکہ شب معراج حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رؤیت سے مشرف فرمائے گئے۔ نیز حضرت مفتی احمد خاں گجراتی نورالعرفان حاشیۂ کنزالایمان ص ۲۲۳ میں فرماتے ہیں؟ یعنی دنیا میں آنکھوں سے رب کو کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ خواب میں دیکھ سکتے ہیں کیونکہ وہ دیکھنا ان آنکھوں سے نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معراج میں انہیں آنکھوں سے ربکو دیکھا۔ جنتی انہیں آنکھوں سے رب کو دیکھیں گے مگر یہ دیکھنا دنیا میں نہیں۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ)

پس آثار ہیں جن کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ دربار ہے جس کا قصد کیا جاتا ہے اور رتبہ ہے جس کی حمد کی جاتی ہے۔ اور اللہ منزہ ہے اور اس کا مشبہہ عبادت گزار ہے۔ پس یہ ہے کمال الٰہی۔ اور انسان کمال حیرت و حمد کے درمیان متوسط الحال ہے اور وہ کمال عالم ہے۔ تو انسان کے

ساتھ عالم کامل ہوا جبکہ انسان عالم کے ساتھ کامل نہیں ہوا۔ اسے سمجھ لو۔ قصہ مختصر امام محاسبی نے فرمایا ہے کہ مجموعی معرفت چار چیزوں کے ساتھ علم کی طرف لوٹتی ہیں اللہ، نفس، دنیا اور شیطان۔ جبکہ شیخ محی الدین نے فرمایا کہ ہم تو اس کے قائل ہیں کہ معرفت کے لئے کوئی طریق نہیں سوائے معرفت بالنفس کے۔ انتہی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ اور اس کتاب میں معرفت کے ایسے مسائل آئیں گے کہ ان کی وجہ سے انشاء اللہ تعالیٰ تیری آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی۔ کیونکہ زیادہ تر مباحث اللہ عزوجل کے ساتھ متعلق ہیں۔ اسے جان لے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

خاتمہ۔ عارف باللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کے بیان میں

شیخ محی الدین نے ۱۷۷ویں باب میں فرمایا کہ طائفہ صوفیہ کے نزدیک عارف وہ ہے جس نے اپنے قلب کو ہیبت۔ سکینہ اور شہود حق تعالیٰ سے پھیرنے والے تعلق کے عدم کا شعور بخشا۔ اور جب وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے اور اس پر ذکر غالب آئے تو کائنات سے غائب ہو جائے۔ ہر دیکھنے والا اس سے ہیبت محسوس کرتا ہے وہ وصل اور فعل کے بغیر اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے۔ کثیر الحیاء۔ اس کے قلب میں تعظیم ہوتی ہے۔ اپنے نفس کی لذتوں پر حق تعالیٰ کا حق مقدم رکھتا ہے۔ اس کا پیٹ بھوکا۔ جسم برہنہ۔ کبھی کسی چیز پر افسوس نہیں کرتا کہ وہ غیر اللہ کو متحرک نہیں، دیکھتا جس نے زمانے کی مدد کی۔ اس کی آنکھیں روتی اور قلب مسکراتا ہے۔ وہ زمین کی طرح ہوتا ہے جسے نیک و بد بھی پائمال کرتے ہیں۔ اور بادل کی طرح کہ ہر چیز پر سایہ فگن اور بارش کی طرح کہ ہر ضروری اور غیر ضروری کو سیراب کرتا ہے۔ کسی شے سے اپنی حاجت پوری نہیں کرتا۔ اور یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی احتیاج کا ذوق ہمیشہ رہے۔ اس کی شان اللہ تعالیٰ کے حضور فقر و عاجزی ہے۔ اس کے لئے اس کے بستر پر اسی طرح روحانی فتوحات ہوتی ہیں جس طرح کہ اس کی نمازیں۔ اگرچہ مواقع کے اعتبار سے واردات مختلف ہوں۔ اور یہاں طویل کلام فرمایا۔

صفات عارف

پھر فرمایا کہ ہمارے اور ہمارے علاوہ دیگر محققین کے نزدیک عارف کی صفت یہ ہے کہ اپنی جمعیت میں تقیید کے بغیر علی الاطلاق حق کے ساتھ قائم۔ نافذ الہمت اور وجود میں مؤثر ہو۔ لیکن اس معیار پر ہو جو کہ اہل اللہ کے ہاں معلوم ہے۔ اور بشر۔ جن۔ فرشتہ اور حیوان سب جہان اس کی نعت وصفت سے ناواقف ہوتا ہے۔ اس کا مقام پہنچانا نہیں جا سکتا کہ حد بیان کی جائے۔ اور وہ انسانی عادت سے جدا نہیں ہوتا کہ امتیاز ہو سکے۔ گمنام۔ مستور المقام۔ خلق خدا پر اس کی شفقت عام۔ ظہور مراد سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ارادے کو پہنچاننے والا۔ پس وہ اللہ تعالیٰ کے ارادے کے ساتھ ارادہ کرتا ہے۔ نزاع کرتا ہے نہ مخالفت۔ وجود میں وہ کچھ واقع نہیں ہوتا جس کا ارادہ نہ کرے۔ نرمی میں شدید۔ مکارم اخلاق کو حقیر اخلاق سے پہنچانتا ہے۔ پس انہیں ان کے مقام پر ان کے مستحق لوگوں کے ساتھ حکمت کے ساتھ رکھتا ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ بری وہ اس سے بری ہے۔ اس سے بری ہونے کے باوجود اچھا سلوک کرتا ہے۔ اذکار کی مختلف اقسام کے باوجود تمام مخلوقات کی تسبیحات کا مشاہدہ کرتا ہے۔ ایسی مثل عارف کے لئے ہی ظاہر ہوتا ہے۔ اور طویل کلام فرمایا۔

مقام معرفت اور مقام علم

پھر فرمایا کہ ہمارے اصحاب نے مقام معرفت اور مقام علم میں اختلاف کیا ہے۔ پس ایک گروہ کہتا ہے کہ معرفت کا مقام ربانی ہے جبکہ علم کا مقام الٰہی ہے۔ اور شیخ کا فرمان ہے کہ میں بھی اسی کا قائل ہوں۔ اور محققین اس امر میں میرے موافق ہیں جیسے سہل بن عبد اللہ

التستری۔ ابو یزید۔ ابن العریف اور ابو مدین۔ اور ایک گروہ کا کہنا ہے کہ معرفت کا مقام الٰہی ہے اور علم کا مقام بھی اسی طرح ہے۔ اور اس کا بھی میں قائل ہوں۔ پس بیشک اگر انہوں نے علم سے وہ مراد لی ہے جو کہ ہم نے معرفت کے ساتھ لی ہے اور معرفت کے ساتھ ان کی مراد وہ ہے جو کہ ہم نے علم سے لی ہے تو اس میں اختلاف لفظی ہے۔ اور ہماری کفالت اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے **واذا سمعوا ما انزل الی الرسول تری اعینھم تفیض من الدمع مما عرفوا من الحق** (المائدہ آیت ۸۳) اور جب وہ سنتے ہیں جو رسول کی طرف اتارا گیا تو تو دیکھتا ہے کہ ان آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں اس لئے کہ انہوں نے حق پہچان لیا)۔ پس انہیں عارفین اور علماء کا نام دیا۔ پھر ان کا یہ قول ذکر فرمایا **یقولون ربنا آمنا** کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم ایمان لائے) اور یوں نہیں فرمایا کہ وہ کہتے ہیں الٰھنا آمنا یعنی اے ہمارے الٰہ ہم ایمان لائے۔ نہ ہی یہ کہا کہ **علمنا** اور نہ ہی **شھدنا**۔ یعنی ہم نے جان لیا یا ہم گواہی دیتے ہیں۔

معرفت کا طریق صرف کشف ہے

اور اس بحث میں ہماری ساری تقریر سے تجھے معلوم ہو گیا کہ قوم کے نزدیک معرفت باللہ کا طریق صرف اور صرف کشف ہے نہ کہ فکر پر مبنی گمان۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس قول پر غور کرو **ویحذرکم اللہ نفسہ واللہ رؤف بالعباد** (آل عمران آیت ۳۰) اور اللہ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور اللہ بندوں پر بہت مہربان ہے)۔ گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے تمہیں اللہ تعالیٰ کی ذات میں غور کرنے سے تم پر رحم اور شفقت کرتے ہوئے ڈرایا ہے کیونکہ قوت فکر یہ عقل کو میری صفات کی نفی عطا کرتی ہے جنہیں میں نے اپنے رسل کی زبانوں پر ثابت فرمایا ہمیں معلوم ہے پس تم اپنے نقلی دلائل سے ان کی تردید کر کے ان پر ایمان لانے سے محروم ہو جاؤ گے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بدبخت ہو جاؤ گے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ میں غور کرنے والوں کے مقالات مختلف ہیں اور ہر کسی نے وہ گفتگو کی ہے جس کا اس کے غور و فکر نے تقاضا کیا۔ تو ایک نے بالکل اسی شے کی نفی کر دی جسے دوسرے نے ثابت کیا اور اللہ تعالیٰ کی ذات میں غور و فکر کی حیثیت سے وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں ایک امر پر جمع نہیں ہوئے اور انہوں نے اپنے رسول علیہ السلام کی اس وجہ سے نافرمانی کی کہ انہوں نے وہ گفتگو کی جس سے انہیں اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم اور شفقت فرماتے ہوئے منع فرمایا تھا۔ پس انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بے رخی کی۔ اور ان کی محنت ضائع ہو گئی۔

پس اے بھائی! اس چیز کے اعتقاد پر ثابت رہ جسے شریعت نے بیان کیا۔ سلامتی میں رہے گا۔ تجھے اس کی سمجھ آئے یا نہ آئے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کو خوب جانتا ہے اور اپنے قول میں نہایت سچا ہے۔ واللہ تعالیٰ علم۔

چوتھی بحث

حقیقت باری تعالیٰ کے بارے میں متکلمین کا مذہب

متکلمین کی کثیر تعداد اس امر کی قائل ہے کہ یہ دنیا میں لوگوں کو معلوم ہے کیونکہ خلق اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے جاننے کی مکلف ہے۔ اور یہ اس کی حقیقت کو جاننے پر موقوف ہے۔ جلال محلی وغیرہ نے کہا ہے کہ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ حقیقت میں اس کی حقیقت کو جاننے پر اس کی وحدانیت کا علم موقوف نہیں۔ وہ تو ایک وجہ سے اس کے علم پر موقوف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی صفات سے جانا جاتا ہے

جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرعون کو جواب دیا جب اس نے یہ کہا وما رب العالمین (الشعراء آیت ۲۳) رب العالمین کیا ہے؟) (آگے صفات باری تعالیٰ کا ذکر ہے)

پھر انہوں نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے کہ کیا حقیقت الٰہیہ کا علم آخرت میں ممکن ہے؟ بعض نے کہا: ہاں کیونکہ وہاں روایت حاصل ہوگی۔ اور بعض نے کہا: نہیں۔ اور رویت، حقیقت کا فائدہ نہیں دیتی۔ اور ابن السبکی نہ ہی جلال محلی نے اس مسئلہ میں اور اس سے پہلے مسئلہ میں کسی چیز کو ترجیح نہیں دی۔ اور شیخ الاسلام البلقینی نے فرمایا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ عقول کے لئے اس کے علم تک کوئی راہ نہیں۔ شیخ کمال الدین ابن ابی شریف نے فرمایا: کہ ان کا یہ کہنا کہ یہاں دنیا میں حقیقت معلوم نہیں یہ صرف وقوع کے بارے میں ہے۔ اور آخرت میں اس کے علم کے بارے میں ان کا اختلاف جواز عقلی کے بارے میں ہے۔ انتہی۔ یہ ہے اہل کلم کے محققین کی وہ گفتگو جو میں نے اس مسئلہ میں دیکھی ہے۔

علم حقیقت الٰہیہ کے متعلق محقق صوفیاء کی گفتگو

رہی صوفیاء کے محققین اہل کشف کی گفتگو تو تجھ پر اس بارے میں ان کے مقالات ظاہر ہوتے ہیں حتیٰ کہ تجھ سے انشاء اللہ العزیز اشتباہ زائل ہو جائے گا۔ اور تو پہچان لے گا کہ قوم صوفیاء اللہ تعالیٰ کی معرفت میں اپنی شدت کی وجہ سے لوگوں کے مقابلے میں جسمیت کے قائل ہونے سے بہت زیادہ دور ہیں۔ خصوصاً شیخ محی الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

جب تجھے یہ معلوم ہو گیا تو میں کہتا ہوں: جان لو کہ آیات صفات اور ان کے متعلق کثرت سے اختلاف میں لوگوں نے جو بے بصیرتی سے کام لیا ہے وہ صرف اس لئے کہ اختلاف کے وقت وہ اپنے اس مشاہدے سے غافل ہو گئے کہ حقیقت الٰہیہ تمام حقائق کے خلاف ہے۔ ورنہ اگر وہ اس کا مشاہدہ کرتے تو آیات صفات اور ان کی خبروں میں توقف نہ کرتے۔ اور ان میں سے کوئی بھی کسی تاویل کا محتاج نہ ہوتا اور جناب الٰہی میں کسی نقص کے لاحق ہونے کا اسے کبھی خوف نہ ہوتا۔ جیسے جہت یا جسم کا قائل ہونا۔

اور اس کی وضاحت یہ ہے کہ تو مخلوق کی تمام صفات کی طرف غور کرے اور حق تعالیٰ کے ان سب سے کیفیت کے حوالے سے منزہ ہونے کو دیکھے تو مثلاً تو کہے مخلوق کی شان ہے اپنی ذوات سے جاہل ہونا۔ پس حق سبحانہ وتعالیٰ جاہل نہیں بلکہ وہ ہر شئے کا علم رکھنے والا ہے۔ مخلوق کی شان عجز ہے۔ پس اللہ تعالیٰ جس شئے کا ارادہ فرمائے اس کے وقوع کو نافذ کرنے سے عاجز نہیں بلکہ وہ قادر ہے۔ اور مخلوق کی شان جہت ہے جبکہ حق تعالیٰ کی کوئی جہت نہیں۔ مخلوق کی شان جسمیت ہے جبکہ اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے۔ اور اسی طرح اور مثالیں بھی ہیں۔ پس حق تعالیٰ کی طرف اپنی مخلوق کے ساتھ تشبیہ لاحق ہونا کبھی بھی صحیح نہیں۔ شخص میں نہ نوع میں اور نہ جنس میں۔ جیسا کہ اس کی وضاحت عارفین کی نقول میں آئے گی۔

ماہیت حق کا سوال جائز نہیں

اور شیخ محی الدین نے ۳۶۴ ویں باب میں یوں فرمایا ہے کہ جان لو کہ کسی کے لئے جائز نہیں کہ حق تعالیٰ کی ماہیت کی معرفت کا سوال ما کے لفظ کے ساتھ کرے یعنی وہ کیا ہے؟ جیسے کہ اس میں فرعون گرا۔ پس اس نے سوال میں غلطی کی (کہ اس نے کہا وما رب العالمین) اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے جواب سے حال کے مطابق رخ بدل دیا۔ کیونکہ جب سوال ہی غلط ہو تو اس کا جواب لازم نہیں ہوتا۔ اور

وہ مجلس عوام کی مجلس تھی اسی لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وہ کلام کیا جو مذکور ہے۔اور فرعون نے دیکھا کہ آپ نے اس کے سوال کے مطابق جواب نہیں دیا کیونکہ اس کا خیال تھا کہ اس کا سوال قابل توجہ ہے۔اور فرعون کو معلوم نہ تھا کہ حق تعالیٰ کی ذات لفظ ما کے مطلب کے تحت داخل نہیں۔ ہل کے تحت داخل ہے۔اور مسئول عنہ کے وجود کے متعلق سوال ہے کہ وہ ثابت ہے یا نہیں۔اور جب فرعون کو معلوم ہوا کہ اس سے جو صادر ہوا وہ جہالت کی وجہ سے ہے تو اس نے مثلاً حاضرین کو مشغول کرنے کی خاطر کہ وہ اسے سمجھ نہ لیں ان سے کہا ان رسولکم الذی ارسل الیکم لمجنون (الشعراء آیت ۲۷) بلاشبہ تمہارا رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے (معاذ اللہ) دیوانہ ہے۔) اور یہ اس نے موسیٰ علیہ السلام کے قول پر کان دھرنے سے نفرت دلانے کو کہا اس خطرے کے پیش نظر کہ کہیں لوگ آپ کی پیروی کرنے لگیں۔

اور فتوحات کے باب اوّل میں شیخ نے فرمایا کہ جان لو کہ حق تعالیٰ اس سے منزہ ہے کہ مخلوق اس کا احاطہ کرے۔اور اسے کوئی پہنچان سکے۔مگر اس تجلی کے مطابق جو کہ اس کے لئے واقع ہو۔اس کے سوا نہیں۔کیا تو جانتا نہیں کہ وہ قیامت کے دن ایک قوم کے لئے ان کے ہاں معروف علامت سے جدا تجلی فرمائے گا۔پس فرمائے گا میں تمہارا رب ہوں۔پس وہ اس کی ربوبیت کا انکار کریں گے اور اس سے استعاذہ کریں گے اور اسی کی پناہ لیں گے لیکن انہیں شعور نہیں ہوگا۔اور اس تجلی کے لئے کہیں گے: ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں تجھ سے۔ اور ہم تو اپنے رب کے منتظر ہیں۔پس اس وقت ان کے لئے ان کے ہاں معروف علامت میں تجلی فرمائے گا تو اس کے لئے ربوبیت کا اور اپنی عبودیت کا اقرار کریں گے۔تو ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی صرف علامت کے ساتھ عبادت کی۔اور ان میں سے جس نے کہا کہ وہ عین اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے تو اس کا قول جھوٹ پر مبنی ہے۔اور وہ اس کا دعویٰ کیسے کرتا ہے جبکہ اس کی تجلی کے وقت اس نے اس کا انکار کر دیا۔تو عین اللہ تعالیٰ کی عبادت صرف انبیاء علیہم السلام اور ان کے کامل وارثوں نے ہی کی۔اللہ تعالیٰ نے حضور محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا: فاعبدہ و توکل علیہ (ہود آیت ۱۲۳) یعنی آپ عین اسی کی عبادت کریں اور اسی پر بھروسہ کریں۔

العلم حجاب کا مفہوم

اگر تو کہے کہ صوفیاء کے اس قول کا معنی کیا ہے کہ علم اللہ تعالیٰ سے حجاب ہے؟ باوجودیکہ علم ہی کے ذریعے حقائق امور واضح ہوتے ہیں۔

تو اس کا جواب فتوحات کے دوسرے باب میں شیخ نے یوں دیا ہے کہ اس سے قوم کی مراد علم کی مذمت نہیں۔اللہ تعالیٰ کی پناہ کہ قوم کی مراد یہ ہو۔ان کی مراد تو صرف یہ ہے کہ کوئی بھی حق تعالیٰ کو علم کے واسطے کے بغیر نہیں جانتا۔پس واسطہ ہی وہ چیز ہے جس نے حق تعالیٰ کو جانا نہ کہ تو نے پس حق تعالیٰ کو حقیقت میں صرف تیرے علم نے ہی جانا نہ کہ تو نے۔پس تیرا علم ہمیشہ تجھے حق تعالیٰ کی کنہ کی معرفت سے روکنے والا ہے اگرچہ تو علم باللہ تعالیٰ میں کہیں تک بھی ترقی کر جائے۔پس تیرے لئے تجلی حق کا وقوف صحیح نہیں حتیٰ کہ تو اس کا ادراک کر لے۔کیونکہ ہر تجلی ایک چمک کی طرح واقع ہوتی ہے۔کبھی بھی دو آن کے لئے ثابت نہیں رہتی۔اور اسی وجہ سے مخلوق کے لئے حق کی کیفیت بیان کرنا ممنوع ہے۔پس اسے سمجھ لے۔

پس معلوم ہوا کہ حق سے ہر کسی کا مشہود صرف اس کا علم ہے۔اگر تو اسلوب حقائق پر چلے تو اس سے بچ کہ تو کہے کہ تو نے علوم جان لئے۔پس بلاشبہ تو نے علم کے ذریعے ہی جانا۔اور علم وہ عالم بالمعلوم ہے جو کہ حق ہے۔اور علم اور معلوم کے مابین سمندر ہیں جن کی گہرائی کا کوئی ادراک نہیں کر سکتا۔کیونکہ تباین حقائق کے ہوتے ہوئے ان کے مابین تعلق کا راز ایک ایسا سمندر ہے جس کی سواری بہت مشکل

ہے بلکہ عبارت اس کا مرکب ہوسکتی ہے نہ اشارہ۔لیکن کشف بے شمار حجابات کے پیچھے سے اس کا ادراک کرتا ہے لیکن اس کی باریکی اور گہرائی کی وجہ سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیاء میں سے ان کے کامل وارثوں کے بغیر کوئی اچھی طرح بیان نہیں کرتا کہ وہ اس کی بصیرت کی آنکھ کے سامنے ہے اور جب ان حقائق کا ادراک مشکل ہے تو حضرت خالق جل شانہ کا ادراک کیونکر؟

معرفت کے متعلق پیچیدہ سوال

اگر تو کہے کہ ہمارے ہاں یہ بات ثابت اور پکی ہے کہ کسی امر کے متعلق علم اس معرفت کے بغیر نہیں ہوتا جو کہ کسی دوسرے امر کے ساتھ اس معرفت سے پہلے ہو۔جس کی وجہ سے دو معروفوں میں مناسبت ہوتی ہے اس کے بغیر چارہ نہیں۔جبکہ ہمارے نزدیک ثابت اور پختہ بات ہے کہ حق تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے مابین کسی وجہ سے بھی کوئی مناسبت نہیں ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی معرفت کیونکر درست ہوگی۔

تو اس کا جواب بھی شیخ نے فتوحات کے دوسرے باب میں یوں دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہماری معرفت سے مراد آثار کی وجہ سے معرفت ہے۔رہی ذات تو وہ علم سابق کے ساتھ کبھی معلوم نہیں ہوسکتی۔وہ تو صرف علم کے ساتھ مخصوص بعض حضرات کے لئے کشف کے طریق سے معلوم ہوتی ہے جس کی تعبیر کبھی بھی صحیح نہیں۔

علم الٰہی کے مسئلہ میں استدلال

اگر تو کہے کہ کیا علم الٰہی کے مسئلہ میں بعض کا حاضر کے ساتھ غائب پر استدلال صحیح ہے کہ وہ عین ہے یا غیر؟

تو جواب یہ ہے کہ یہ استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ حق تعالیٰ اپنے تمام شیون میں اپنی مخلوق سے جدا ہے۔اس لئے اسے مخلوق پر قیاس کرنا صحیح نہیں۔اور اس استدلال کرنے والے پر شبہ داخل ہونے کی اصل وجہ یہ ہے کہ اس نے جب دیکھا کہ انسان سے اس کا علم پورے طور پر سلب ہوجاتا ہے اور اس کی ذات کامل رہتی ہے کم نہیں ہوتی تو وہ اس امر کا قائل ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ کا علم اس کی ذات کا غیر ہے۔پھر تعجب ہے کہ اس کے بعد وہ اس کی تقدیس بیان کرتا ہے باوجودیکہ اس نے اسے خود اپنے حال پر محمول کیا اور اس پر قیاس کیا۔

دلیل عقلی اور معرفت

اگر تو کہے کہ کیا کسی کے لئے دلیل عقلی کے طریقے سے اپنے رب کی معرفت صحیح ہے؟

تو جواب یہ ہے کہ یہ کسی کے لئے صحیح نہیں۔کیونکہ یہ معلوم ہے کہ غور وفکر اور بحث کرنے والی ہونے کی حیثیت سے عقل اللہ تعالیٰ کی کنہہ کا ادراک کبھی نہیں کرسکتی۔کیونکہ اس کی برہان وہ ہے جس کی طرف حس یا ضرورت یا تجربہ اعتماد کرتا ہے۔جبکہ حق تعالیٰ کا ادراک باجماع محققین ان اصول کے ساتھ نہیں ہوسکتا اور اگر یہ غور وفکر اور بحث کرنے والا اپنی عقل کے ساتھ قدرت کے مفعولات صناعیہ، تکوینیہ اور ابتداعیہ کی طرف غور کرتا اور ان میں سے ہر ایک کی اپنے فاعل کے متعلق لاعلمی دیکھتا تو اسے معلوم ہوجاتا کہ اللہ تعالیٰ کبھی دلیل عقلی کے ساتھ معلوم نہیں کیا جاسکتا۔عقل کے علم کی انتہاء صرف یہاں تک ہے کہ اسے معلوم ہوجائے کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے۔اور جہان سارے کا سارا ذاتی طور پر اس کا محتاج ہے۔اس کے لئے اس سے کبھی بھی گریز پائی نہیں۔انتہی۔

عقول کی حیرت کی حکمت

اگر تو کہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے بارے میں عقول کو حیرت زدہ کرنے کی کیا حکمت ہے؟ تو اس کا جواب ۷۷اویں باب میں شیخ نے یہ دیا ہے کہ حق تعالیٰ نے اس بارے میں اپنے بندوں کی عقول کو اس لئے حیرت زدہ کیا ہے کہ ذات حق اپنی مخلوق کے حکم میں داخل نہ ہو۔ اور یہ اس لئے کہ حسی اور خیالی قوتیں اپنی ذوات کے ساتھ اس کی طلب کرتی ہیں تا کہ اپنے موجد کو دیکھیں اور عقول اپنی ذوات اور دلائل کے ساتھ اس کی طلب کرتی ہیں تا کہ اپنے موجد کو جانیں۔ پس اسی لئے حق تعالیٰ نے حواس اور خیال کو اپنی اس تجرید کے ساتھ خطاب فرمایا جس پر عقلی دلائل نے دلالت کی اور حواس سن رہے تھے پس حواس اور خیال حیرت میں رہ گئے اور کہنے لگے کہ ہمارے پاس اس میں سے کچھ بھی نہیں۔ اور اس نے عقول کو بھی اپنی اس تشبیہ کے ساتھ خطاب فرمایا جس پر حواس اور خیال نے دلالت کی اور عقول سن رہی تھیں۔ پس عقول حیرت زدہ ہو کر کہنے لگیں کہ حق تعالیٰ (کی معرفت) سے ہمارے پلے کچھ بھی نہیں جیسا کہ یہ مسئلہ پہلے گزر چکا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ عقول۔ حواس اور خیال کے ادراک سے بلند ہے۔ اسی لئے اس کے کمال کی وصف میں خلق خدا کے حیرت زدہ ہونے میں وہ منفرد ہے۔ تو اسے اس کے ماسوا نے نہ جانا۔ اور اس کے سوا کوئی گواہ نہیں۔ اور کسی نے علم کے ساتھ اس کا احاطہ نہیں کیا۔ اور یہ مسئلہ مبحث توحید میں بھی پہلے گزر چکا ہے۔ انتہی۔

حق اور خلق کے مابین مناسبت کا حکم

اگر تو کہے کہ کیا صوفی بننے والے بعض حضرات کا بعض وجوہ میں حق اور خلق کے مابین مناسبت کے اطلاق کا قول صحیح ہے؟

تو اس کا جواب فتوحات کے تیسرے باب میں شیخ نے یہ دیا ہے کہ یہ کسی وجہ سے بھی صحیح نہیں۔ گرچہ ایسے مسائل میں ابو حامد الغزالی پڑے ہیں۔ وہ نوع تکلف ہے اور حقائق سے بہت دور ہے۔ حادث اور قدیم میں کیا مناسبت ہے؟ اور اس کی تشبیہ جو کہ مثل قبول نہیں کرتا اس کے ساتھ کیسے صحیح ہو سکتی ہے جو کہ مثل قبول کرتا ہے۔ یہ اللہ کی قسم محال ہے۔ نیز فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے اپنے وجود اور الوہیت کے علم کے سوا کوئی مطالبہ نہیں فرمایا۔ اور رہی اس کی حقیقت تو اس کا مطالبہ نہیں فرمایا۔ اور جب سب سے پہلی مخلوق اور اس کے رب کے مابین (رابطہ) مناسبت نہیں تو اس کی مناسبت کیوں کر صحیح ہو گی جس کے اور اس کے رب کے درمیان بے شمار واسطے ہیں۔ انتہی۔

مراقبہ کی حکمت

اگر کہا جائے کہ تمہاری سوچ پر تو کسی کے لئے ذات حق تعالیٰ کا مراقبہ کبھی بھی درست نہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے مراقبہ کا حکم دیا ہے۔ پس کیا صورت حال ہے؟

تو اس کا جواب شیخ نے فتوحات کے ۳۶۱اویں باب میں یہ دیا ہے کہ ہمیں عین ذات کے مراقبہ کا حکم نہیں دیا گیا۔ حقیقت میں مراقبہ تو اس مثل کے لئے ہے جہاں حق تعالیٰ عقول کے لئے انہیں قریب کرنے کو نزول اجلال فرماتا ہے۔ تا کہ ہم اس کے مرکز پر توقف کریں۔ اور علماء باللہ تعالیٰ کے مرتبے نے جب تقاضا کیا کہ اس کی مثل کوئی شے نہیں تو امثال و اشکال ان کے اوہام سے اٹھ گئے تو ان کے لئے امثال سے منزہ اللہ امر مقید اور منضبط نہ رہا۔ بلکہ امر مجہول یعنی غیر معلوم ہو گیا۔ اور اس وقت یعنی امثال کے اٹھ جانے پر وہ جان لیتے ہیں کہ حق تعالیٰ کا اس اعتقاد کے وقت انہیں علم نہ تھا۔ اور یہ کہ ان کا اللہ تعالیٰ کے متعلق علم صرف نسبت معقولہ کی حیثیت سے ہے جو کہ اعیان میں موجود آثار نے عطا کی اور جب معاملہ

یوں ہے تو کیف نہ مکان۔ مثل نہ وضع۔ اور نہ اضافت۔ عرض نہ جوہر اور نہ مقدار۔ وہاں صرف فاعل ہے جس کا علم نہیں۔ اس کا اثر نظر آتا ہے اس کی خبر معروف نہیں۔ اس کا عین معلوم نہیں۔ اور اس کا ہونا مجہول نہیں۔ تو بندہ کس کا مراقبہ کرے جبکہ وہاں کوئی نہیں جس پر نگاہ ٹھہرے۔ نہ وہ جسے خیال کسی ضابطے میں لائے۔ نہ وہ جسے زبان محدود کرے۔ نہ وہ جس کی صفات واحکام گنتی مقرر کریں۔ نہ وہ جسے احوال کیفیت میں پابند کریں۔ نہ وہ جسے اشکال امتیاز بخشیں اور نہ وہ جسے نسبت ظاہر کرے۔ تو اس کا مراقبہ کیونکر صحیح ہو جو ان صفات کو قبول نہیں کرتا۔

اور علم کی شرط سے یہ ہے کہ خیال اور حادث کا حکم اٹھاوے۔ صرف مناسب کے ساتھ متعلق ہو اور وہ معرفت حق ہے جو تیرے پاس ہے۔ تو وہ ہمیشہ تیرے پاس رہی اور تو اپنے اعتقاء کی صورت پر ہی مطلع ہوا۔

شیخ نے فرمایا کہ اسی لئے اللہ تعالیٰ کی صفات کی تاویل میں مقالات مختلف ہیں۔ ایک گروہ کہتا ہے وہ یوں ہے۔ دوسرا گروہ کہتا ہے یوں نہیں ہے۔ وہ تو یوں ہے۔ اور ان میں سے کسی نے علم کے ساتھ اس کا احاطہ نہیں کیا۔ پس کامل وہ ہے جس کی اس میں حیرت عظیم ہے۔ حسرت دائمی ہے۔ اور اس سے اسے مقصود حاصل نہ ہوا۔ اور یہ اس لئے کہ اس نے اس کی تمنا کی جسے حاصل کرنا ممکن نہیں۔ اور ایسے کی راہ چلا جو اپنی راہ کو نہیں پہنچانتا۔ اور یہاں طویل کلام کیا۔

پھر فرمایا: بنابریں کبھی بھی کسی نے حق تعالیٰ کو اس طرح نہیں پہنچانا جس طرح وہ خود اپنے آپ کو پہنچانتا ہے۔ والسلام۔

پس اگر تو کہے کہ تمہارے اندازے کے مطابق تمام امور معلومہ علت کے ساتھ معلول ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں کیفیت مجہول ہے؟

تو اس کا جواب شیخ نے باب الاسرار میں یہ دیا ہے کہ ہاں خلائق کا علم علتوں سے کبھی بھی خالی نہیں ہوتا پس بے شک اللہ تعالیٰ ہی اپنے علم میں علتوں کے معدوم ہونے میں منفرد ہے۔ پس ابد کی اصل ازل سے ہے۔ اور تفکر و حوادث والوں کے ذریعے مثالیں گذر چکی ہیں۔ کیونکہ ایسی وجہ ضروری ہے جو کہ عقول کے فیصلوں میں دلیل اور مدلول کے درمیان جامع ہو۔ اور حق تبارک وتعالیٰ کا ادراک دلیل سے نہیں ہوسکتا۔ تو اس کی ذات کی کنہہ کی معرفت کی طرف کوئی راستہ نہیں۔ حالانکہ اس نے ہمیں اپنی معرفت کی طرف دعوت دی ہے۔ اور اس نے ہمیں صرف اپنی صفت کے لئے ہی دعوت دی ہے۔ تو ایسی صفت کے بغیر چارہ نہیں جس کے ساتھ معرفت متعلق ہو۔ اور عقل سے ہاں وہ صرف صفت تنزیہہ ہی ہے۔ اور اس کے ساتھ شرع نے تشبیہہ کی صفت ظاہر ملادی۔ تو جس پر اعتماد ہے آخر ہے یا اوّل۔ انتہی۔

تقیید واطلاق

اور باب الاسرار میں یہ بھی فرمایا کہ ذات مقید ہی جانی جاسکتی ہے۔ اگرچہ مطلق ہے۔ اشباہ اسی طرح پہنچانے اور ثابت کئے جاتے ہیں پس اطلاق سادات اور غلاموں سب کے حق میں تقیید ہے۔ نیز یہ بھی فرمایا۔ ذات مجہول ہے پس وہ علت ہے نہ معلول۔ نہ ہی دلیل کے لئے مدلول۔ کیونکہ وجہ دلیل کی شان یہ ہے کہ دلیل کا رابطہ مدلول سے ہو جبکہ ذات مربوط ہے نہ مخلوط۔ انتہی۔

نیز وہاں یہ بھی فرمایا: جان لو کہ تنزیہہ کے درجات گرچہ نہایت عظیم ہیں وہ منزہ کی تحدید کی طرف اس حیثیت سے لوٹتی ہے کہ اس کا کوئی مقابل ضرری ہے جبکہ تشبیہہ لوٹتی ہے مشبہہ کے دوسرا ہونے کی طرف۔ اور جب تنزیہہ، تشبیہہ کی طرف لوٹتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی معرفت کہاں۔ تنزیہہ تو شرع میں سنی گئی ہے عقل میں نہیں پائی جاتی۔ انتہی۔

انس باللہ تعالیٰ

وہاں یہ بھی فرمایا: اللہ تعالیٰ اور اس کی خلق کے ہم جنس نہ ہونے کی وجہ سے کسی کے لئے اللہ تعالیٰ کے ساتھ مانوس ہونا صحیح نہیں۔اور خلق میں سے جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ انس کا دعویٰ کیا وہ صرف اپنے اعمال صالحہ کے نور کے ساتھ مانوس ہے۔اور اس کی وضاحت یہ ہے کہ انس صرف ہم شکل سے ہوتا ہے۔اور ہم شکل مماثل ہے۔اور مماثل ضد۔اور ضد دوری ہے۔

اور شیخ نے کتاب العبادلہ میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے عارفین کی ہمتیں ختم ہو جاتی ہیں حالانکہ وہ اس کے ساتھ معرفت میں پہلے قدم پر ہی ہوتے ہیں۔پس اللہ تعالیٰ کی شان جلال کے لائق اس کی ضروری معرفت تک جس کے ساتھ ان کی ہمتیں متعلق ہیں ان کی عمریں وفا نہیں کرتیں۔انتہی۔

نیز شیخ نے ترجمان الاشواق کی شرح میں بھی فرمایا: مخلوق ساری کی ساری حجاب عزت احدی کے پیچھے کھڑی ہے۔پس اس حجاب تک عالمین کے علوم و عارفین کی معرفت کی رسائی ہے۔اور کسی کے لئے درست نہیں کہ اس حجاب سے آگے بڑھے گرچہ اکابر احباب میں سے ہو۔ اور سیدی علی بن وفا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حق تبارک وتعالیٰ کی ذات اس سے عظیم ہے کہ علم و ادراک کے احاطہ کے تحت داخل ہو۔انتہی۔

عالم باللہ تعالیٰ سے مراد

اگر تو کہے کہ جب کسی کو ذات کا علم نہیں تو ان کی اس سے کیا ہے کہ فلاں علماء باللہ تعالیٰ میں سے ہے؟ تو اس کا جواب شیخ نے فتوحات کے چھٹے باب میں یہ دیا ہے کہ اس سے ان کی مراد اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی صفات کمال کا علم ہے۔اس سے ان کی مراد اس کی ذات کا علم نہیں کیونکہ ان کے نزدیک یہ ممنوع ہے۔کسی دلیل سے معلوم کیا جا سکتا ہے نہ برہان سے۔اور اسے کوئی حد نہیں پکڑتی۔اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے متعلق ہماری معرفت صرف ہمارا یہ علم ہے کہ اس کی مثل کوئی شے نہیں۔رہی ماہیت تو ہمارے لئے اس کا علم قطعاً ممکن نہیں۔انتہی

تشبیہہ کا وجود

اگر کہا جائے کہ بعض لوگوں کے اس قول سے کہ حق کی معرفت کامل نہیں ہوتی مگر اس وقت جب اسے طریق تنزیہہ اور طریق تشبیہہ سے پہنچانا جائے معلوم ہوا کہ حقیقت میں تشبیہہ موجود ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ حقیقت میں تشبیہہ کا کوئی وجود نہیں ہے۔یہ صرف ان بعض لوگوں سے اس لئے واقع ہوا کہ ان کے حجاب کی کثافت کی وجہ ان کا شہود کمزور ہے۔اگر ان کا حجاب کھل جاتا تو وہ علم یقینی کی صورت میں جان لیتے کہ حق تعالیٰ کے لئے ان تمام صفات میں جن میں اس نے اپنے بندوں کی عقول کے لئے نزول اجلال فرمایا اپنی مخلوق کے ساتھ کبھی تشبیہہ لاحق نہیں ہوتی۔اور اے بھائی! غور کر سراب جب تک دور ہے اسے پیاسا پانی گمان کرتا ہے۔جب اس کے محل کے قریب آتا ہے تو اسے پانی نہیں پاتا۔اور اپنے پہلے گمان کے فاسد ہونے کا حکم لگاتا ہے۔

اور اسی پر اللہ تعالیٰ کا کلام آواز اور حرف کے ساتھ سننے اور تجلی اخروی میں مختلف صورتوں میں اسے دیکھنے کو قیاس کر۔کہ یہ تو صرف عقول کے لئے نزول فرماتا ہے۔اور اگر اللہ تعالیٰ ان کا حجاب کھول دیتا تو وہ اس کا کلام آواز اور حرف کے بغیر سنتے اور اسے صورت معقولہ

کے غیر میں دیکھتے۔ لیکن جب وہ حجاب میں تھے تو کلام آواز اور حرف کے بغیر سمجھ سکتے تھے نہ ہی صورت کے سوا ان کی عقل فیصلہ کر سکتی تھی۔ اور اللہ تعالیٰ اس سب کچھ سے بہت بلند ہے۔

اور میں نے سیدی علیا الخواص رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ فرما رہے تھے! جو کچھ اس سے تیری طرف ہے اسے کیفیت میں بیان نہیں کیا جا سکتا اور جو کچھ تجھ سے اس کی طرف ہے وہ کیفیت پر مبنی ہے۔ انتہی۔

علم ذات، متعلق بالکون کا حکم

اگر کہا جائے کہ اس کے قول کی کیا وجہ جس نے اسے ممنوع قرار دیا کہ ذات کو کائنات کی وجہ سے جانا جاتا ہے تو اس کا جواب شیخ نے فتوحات کے سولہویں باب میں یہ دیا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ کائنات کو صرف اس مرتبے سے تعلق ہے جو اسے طلب کرتا ہے جیسے خالق طلب کرتا ہے مخلوق کو اور رازق طلب کرتا ہے مرزوق کو۔ اور اسی طرح آگے تک۔ پس معلوم ہوا کہ ذات عالم سے بے نیاز ہے۔ اسے کسی کے ساتھ تعلق نہیں۔ پس اسی لئے وہ کائنات کے ذریعے پہنچانا نہیں جاتا۔ انتہی۔

ذات حق میں غور وفکر کی مجال نہیں

اگر تو کہے: جب تو ذات حق تعالیٰ میں عقلاً اور شرعاً دونوں اعتبار سے غور وفکر کے لئے حکم ہے نہ مجال۔ تو اس کا جواب شیخ نے ۱۴۴ ویں باب میں یہ دیا ہے کہ ہاں۔ بلکہ شرع شریف نے اللہ تعالیٰ کی ذات میں غور وفکر کرنے سے اس قول کے ساتھ منع فرمایا ہے۔ ویحذر کم اللہ نفسہ یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات میں غور وفکر کرنے سے منع کرتا ہے۔ اور مرفوعاً وارد ہے کہ تم سب کے سب اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں بے سمجھ ہو۔ پس اس کی معرفت کے یقین تک مت پہنچو۔

تفکر فی ذات اللہ سے روکنے کی وجہ

اگر تو کہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں غور کرنے سے روکنے کا سبب کیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا سبب ہماری ذات اور ذات حق تعالیٰ کے مابین مناسبت کا نہ ہونا ہے۔ اسی وجہ سے اہل اللہ نے اس امر کو پسند نہیں کیا کہ غور وفکر اپنی عادت بنالیں کیونکہ یہ ایسا حال ہے کہ اس میں تحفظ نہیں۔ نہ جانے غور کرنے والا صحیح ہے یا غلط۔ اور شیخ نے ۱۴۵ ویں باب میں فرمایا کہ غور وفکر کرنے سے اس لئے منع کیا گیا ہے کہ وہ دو امروں میں سے ایک سے آگے نہیں بڑھتا۔ یا مخلوق میں گردش کرے گا یا اللہ میں اور اس کی مخلوقات میں گردش کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ اسے دلیل بنائے اور یہ معلوم ہے کہ دلیل ضد ہوتی ہے مدلول کی۔ پس دلیل اور مدلول غور کرنے والے کے نزدیک ایک حد میں کبھی بھی جمع نہیں ہوتے۔ اور رہی اللہ میں گردش کہ اسے مخلوقات پر دلیل ٹھہرائے تو اس میں بے ادبی ہے جو کہ مخفی نہیں۔ کیونکہ اس نے حق کو اس کے غیر کے لئے طلب کیا یعنی اس لئے کہ اسے کائنات پر دلالت کرے۔ تو اس نے اللہ تعالیٰ کو عین اس کے لئے طلب کیا۔ اور یہ انتہائی جہالت ہے۔ کیونکہ کوئی شے کسی شے پر اپنے نفس سے زیادہ دلالت نہیں کرتی۔

ایک سوال اور اس کا جواب

اگر کہا جائے کہ کیا کسی کا اللہ تعالیٰ کے متعلق علم اس سے آگے گزر سکتا ہے جو اسے غور وفکر سے حاصل ہو! کیا علم باللہ میں دو کا اجتماع

برابر برابر ہوسکتا ہے؟

تو اس کا جواب ۲۷۶ ویں باب میں شیخ نے یہ دیا ہے کہ ہر انسان کا اللہ تعالیٰ کے متعلق علم اس کے غور وفکر کے انداز ے پر اور اس حال کے مطابق ہوتا ہے جو خود اس میں ہے۔ اور تمام جہات سے اللہ تعالیٰ کے متعلق ایک علم پر درک کا اجتماع صحیح نہیں۔ جیسا کہ ان دونوں کا ایک مزاج پر اجتماع درست نہیں۔ پس دو میں ایسی چیز کا پایا جانا ضروری ہے جس کی وجہ سے ہر ایک کے عین کے ثبوت کے لئے امتیاز واقع ہو۔ اور اگر یوں نہ ہو تو ان کا دو ہونا درست نہ ہوتا۔ انتہی۔

اور ۱۹۶ ویں باب میں فرمایا: ذات الٰہی میں غور کرنے سے نہی وارد ہوئی ہے۔ لیکن یہاں عقل پھسل گئی اور اس نے حد سے تجاوز اور اپنی جان پر ظلم کیا۔ جبکہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے کبھی بھی حکم نہیں دیا کہ معلوم کریں کہ اس کی ذات کیسی ہے؟ ہمیں اس کا حکم صرف یہ ہے کہ ہمیں معلوم ہو کہ وہ ایک الٰہ ہے۔ اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ اور کچھ نہیں۔ پس غالب عقول نے اس فکر سے توقف نہ کیا بلکہ اپنے غور وفکر کے ذریعے وہاں تک تیراکی کی جس کی ضرورت نہیں۔ حتیٰ کہ اس میں ایسے لوگ پڑ گئے جو کہ اہل اللہ کی طرف منسوب ہوتے اس جیسے ابو حامد وغیرہ۔ انتہی اور ۲۰۸ ویں باب میں فرمایا کہ ان گروہوں میں سب سے زیادہ جاہل وہ ہے جس نے یہ طلب کی کہ اللہ تعالیٰ کو اس طرح جانے جس طرح اللہ تعالیٰ خود اپنے آپ کو جانتا ہے۔

خطاب بہ ضمیر غائب بہتر یا بہ ضمیر حاضر؟

اگر تو کہے کہ کون سا طریقہ بہتر ہے بندے کا اپنے رب کو ضمیر غائب سے خطاب کرنا یا بضمیر حاضر؟ تو اس کا جواب ۲۷۴ ویں باب میں یہ جواب دیا ہے کہ بندے کا اپنے رب کو بضمیر حاضر خطاب کرنا جیسے اللھم انی اسئلك کہنا اسکی بہ نسبت ضمیر غائب سے خطاب کرنا تنزیہہ میں بلند تر اور اعلیٰ ہے۔ کیونکہ حقائق عطا کرتے ہیں کہ تو صرف اس کے ساتھ حاضر ہوا ہے جو تو نے خود حق تعالیٰ سے پہنچانا۔ پس تو اپنے نفس سے علیحدہ نہیں ہوا۔ اور جب اکابر یہ کہتے ہیں کہ تو پاک ہے ہم تجھے اس طرح نہ پہنچان سکے جس طرح تیری معرفت کا حق ہے۔ تو وہاں دوسروں کا کیا مقام؟

اور آپ نے فتوحات کے ۲۷ ویں باب میں فرمایا: جان لو کہ ضمیر حاضر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو خطاب کرنا تحدید اور ضمیر غائب کے ساتھ اس کا خطاب تمیز ہے۔ اور بندے کے لئے ان دونوں میں سے ایک ضروری ہے۔ لیکن تنزیہہ میں دوسرا اقوی ہے۔ اور ۱۴۹ ویں باب میں فرمایا کہ جس طرح دلیل اور مدلول اکٹھے نہیں ہوتے اسی طرح تو اور تیرا رب حد میں اور حقیقت میں جمع نہیں ہو سکتے کہ بیشک وہ خالق ہے اور تو مخلوق ہے۔

نیز شیخ نے باب الاسراء میں فرمایا: جان لو جو دلیل کے ساتھ رک گیا مدلول سے محروم رہا۔ پس اس سے بچ کہ حق کے ساتھ رک جائے باوجود یکہ وہ خود اپنے آپ پر دلیل ہے۔ بیشک اگر تو نے اس حد پر اس کے ساتھ توقف کیا تو تو اس سے محروم ہوا کیونکہ دلیل اور مدلول ایک حد میں کبھی جمع نہیں ہوتے۔

اور وہاں یہ بھی فرمایا: مت کہو کہ میں پہنچ گیا۔ وہ کوئی انتہاء نہیں ہے۔ اور مت کہو کہ میں نہیں پہنچا کیونکہ یہ اندھا پن ہے۔ وراء ذات کوئی منزل نہیں ہے۔ اور وہاں بینا اور نابینا برابر ہیں۔

نیز وہاں یہ فرمایا: اگر علت ازل میں ہوتی تو معلول لم یزل ہوتا۔ پس دلائل کی صورتوں میں ظہور شبہ بیچ۔ کہ یہ گمراہ کن ہے۔ اسے اس کے سوا کسی نے نہیں پہنچانا۔

وہاں یہ بھی فرمایا: جان لو کہ براھین غلطی نہیں کرتیں کہ یہ قوی السلطان ہیں۔ غلطی تو صاحب برہان کی طرف لوٹتی ہے۔ اور جب دلیل کے بغیر مدلول پہنچانا ہی نہیں جا سکتا تو علم باللہ تعالیٰ کی طرف کوئی راہ نہیں۔ بیشک جس کے ذریعے تو نے معلوم کو جانا اور اسے یعنی ذریعے کو نہیں جانا پس تو نے اسے نہیں جانا کیونکہ تو نے اس کے ذریعے نہیں جانا۔

اور وہاں یہ بھی فرمایا: تنزیہہ بے حد ہے۔ تشبیہہ بے حد ہے۔ اور اعتدال ان دونوں کے درمیان ہے اور عین میں درست نہیں اور نہیں پایا جاتا۔

اور آپ نے ترجمان الاشواق میں فرمایا: جان لو کہ ہر عقل کی اس کی مثل عقل ہے۔ اور حق تعالیٰ کی مثل حق نہیں۔ تو جس نے اسے عقل کے ذریعے پہنچانا اس نے اسے پہنچانا ہی نہیں۔

اور فتوحات کے باب الوصایا میں فرمایا: اس سے پرہیز کر کہ تو اپنے خالق کی ذات کی معرفت کا دعویٰ کرے۔ کیونکہ تو وجود سے مرتبۂ ثانی نہیں ہے۔ اور رہا تیری فنا کا حال تو وہاں اسے صرف اسی نے ہی پہنچانا۔ تو توحید کا معنی ذوق سے بلند ہے۔ انتہی

حیرت کی وجہ

اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے بارے وہیں وقوع حیرت کا سبب کیا ہے؟

تو اس کا جواب فتوحات کے پچاسویں باب میں شیخ نے یہ دیا ہے کہ اس کا سبب خلق کا اس کی معرفت دو طریقوں میں سے ایک کے ذریعے طلب کرنا ہے۔ دلائل عقلیہ کے طریق سے یا پھر مشاہدہ کے ذریعے۔ پس دلیل عقلی مشاہدہ سے روکتی ہے۔ اور دلیل سمعی نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ تصریح نہیں کی۔ اور دلیل نے عقل کو حقیقت ذات کے صفت ثبوتیہ کے طریق سے ادراک سے جس پر کہ ذات حق ہے منع کر دیا ہے۔ پس عقل نے اپنے غور و فکر سے صرف صفات سلبیہ کا ادراک کیا ہے۔ اور قوم نے اسے معرفت کا نام دے دیا۔

اگر تو کہے کہ جب تو بندے کی حیرت جب بھی زیادہ ہوگی اس کا علم باللہ تعالیٰ زیادہ ہوگا۔ کہ عقل اس کے ضبط سے عاجز ہے جس کا ادراک کرتی ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں۔ اور اسی لئے اہل کشف کی حیرت زیادہ عظیم ہوتی ہے کیونکہ یہ حضرات آیات کے ساتھ تجلیات کا ادراک کرتے ہیں۔ پس ان کے لئے اس کی معرفت میں قدم جمنا نہیں جس پر وہ قائم رہیں۔

اور شیخ نے باب الاسرار میں فرمایا: حق تعالیٰ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے صرف ایسے الٰہ کے طور پر سمجھا جاتا ہے جو کہ عقل کے ادراک سے وراء ہے اور علم میں کبھی بھی عالم مربوب سے اس کی تجرید ممکن نہیں۔ تو جب وہ عالم سے علیحدہ عقل میں نہیں آتا تو اس کی ذات عقل میں نہیں آتی۔ اور جیسے وہ ہے اس کا مشاہدہ نہیں ہو سکتا۔ تو اس کے متعلق علم مشابہہ ہے علم بالنفس کے۔ اور دونوں میں جامع تجرید کا نہ ہونا ہے۔ تو جس طرح تیرے لئے اس تعلق کا مشاہدہ جو کہ تیرے نفس اور اس کے بدن کے درمیان ہے تنہا نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح تیرے لئے اس تعلق کی معرفت جو کہ اللہ تعالیٰ اور عالم کے درمیان ہے تنہا نہیں ہو سکتی۔

اور فرمایا: جس نے نفس کے اس ہیکل سے جس کی وہ تدبیر کرتا ہے مجرد ہونے کا قول کیا اسے ماہیت کے طور پر نفس کا علم نہیں ہے کیونکہ اس کا نفس کبھی بھی مرکب کے بغیر سمجھا نہیں جا سکتا۔ انتہی۔

شرح ترجمان الاشواق کی عبارت

اور شرح ترجمان الاشواق میں شیخ کی عبادت یہ ہے: جان لو کہ لطیفہ انسانیہ دنیا میں نہ ہی آخرت میں نہیں پایا جاتا مگر اس حال میں کہ مدبر ہے۔ پس مرکب ہے اور اپنے بسیط کے مشاہدہ کے لئے کبھی ایک لحظہ ترک نہیں کرتا۔ اور تعلق کے بغیر وہ ہمیشہ اپنے مرکب سے خالی ہے۔ فرماتے ہیں: اور یہ اس کے خلاف ہے جو بعض صوفی بننے والے سمجھتے ہیں جنہیں کوئی علم ہی نہیں کہ حقیقت امر کیا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ وہ منزہ بسیط اعلیٰ سے واصل نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس کی اپنے مرکب کے لئے تدبیر ایک وصف لازم ہے۔ پس غیر کے لئے فارغ نہیں ہوتا۔

کبھی معرفت سے عجز ہی معرفت ہوتی ہے

اور باب الاسرار میں فرماتے ہیں کہ کبھی کسی شے کی معرفت اس کی معرفت سے عاجز ہونا ہی ہوتا ہے پس عارف پہنچان لیتا ہے کہ یہ مطلوب پہنچانا نہیں جا سکتا۔ جبکہ کسی شے کی معرفت سے غرض صرف یہی ہوتی ہے کہ اپنے غیر سے ممتاز ہو۔ پس اس کی تمیز نے جو کہ نہیں پہنچانتا اس شے کے لایعرف ہونے کو ممتاز کر دیا پس مقصد حاصل ہو گیا۔ انتہی

اور آپ نے کتاب لواقح الانوار میں فرمایا: جو اللہ تعالیٰ کی (معرفت کی) طرف فکر کے ساتھ چلا وہ کائنات میں ہی رہا تو اس کے پاس اس کا غیر نہیں ہے۔

اور باب الاسرار میں فرمایا: مخلوق کے لائق ہے کہ ان میں سے کوئی بھی ماھیۃ حق کی عبادت نہ کرے کیونکہ وہ اس سے ناواقف ہیں۔ وہ تو صفات حق میں سے صرف اس کی عبادت کرتے ہیں جس کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ اور اس بارے میں میری دلیل اللہ اکبر ہے۔ حتیٰ کہ قیامت کے دن صورتوں میں اس کے منتقل ہونے تک۔

نیز اس میں فرماتے ہیں۔ جب قلب نے شہود حق کا جلوہ دیکھا تو اس وقت حق مہمانِ نازل ہے۔ اس کے حق واجب کا اہتمام متعین ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کی عزت اس قلب کے مقام کے مطابق ہوگی نہ کہ نازل ہونے والے کے معیار کے مطابق جبکہ عوام کے ہاں یہ دستور ہے کہ احترام مہمان کے معیار کے مطابق ہوتا ہے نہ کہ میزبان کے مطابق۔ پس تجھے یہ حدیث حجاب میں ڈالے کہ لوگوں کو ان کے مقام پر اتارو۔ کیونکہ اگر ہم حق تعالیٰ کے ساتھ یہ معاملہ کریں تو ہمارے اور اس کے مابین کبھی مواصلت نہیں ہو سکتی۔

عظمت حق کے متعلق ایک وضاحت

اگر تو کہے پھر تو حق تعالیٰ کی عظمت اس شدت تعظیم یا اس کی قلت کی طرف لوٹتی ہے جو کہ قلب عبد میں قائم ہے۔ اور فی نفسہا ذات حق کے لئے نہیں لوٹتی کہ اللہ تعالیٰ کے متعلق عبد کے علم میں اس کو کمی بیشی کا ادراک ہوتا ہے۔ تو اس کے جواب میں جیسا کہ تو کہتا ہے شیخ نے فتوحات کے ۷۲ ویں باب میں فرمایا: جان لو کہ عظمت الٰہیہ ذات حق تعالیٰ کے لئے راجع نہیں وہ تو مقام عبد اور اس کے مشاہدے کی طرف لوٹتی ہے۔ کیونکہ اگر عظمت ذات الٰہیہ کے لئے صفت ہوتی تو ذات صفت ذاتیہ یا معنویہ سے مرکب ہوتی۔

اور یہ معلوم ہے کہ صفات معانی کا قیام اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ محال ہے جس طرح کہ یہ محال ہے کہ عظمت اس کی ذات کی صفت ہو۔ اور یہ اس وجہ سے جو آخرت میں بعض مخلوق کا بعض تجلیات سے انکار وارد ہوا ہے باوجود اس کے کہ وہ، وہ ہے اور جب دونوں وجوہ باطل ہوئیں تو باقی نہ رہا مگر یہ کہ عظمت صفت عبد ہو اور اسی لئے جب بادشاہ اپنی معروف وضع کے خلاف اجنبی ہو کر اپنے شہر کی سڑکوں پر نکلے تو کسی کے دل میں اس کی تعظیم قائم نہیں ہوتی۔ اور اگر عظمت اس کی صفت ہوتی تو اسے اس کی اجنبیت کی حالت میں جو بھی دیکھتا اس کی تعظیم کرتا۔

حق تعالیٰ صفات خلق سے متصف نہیں

اور اس باب میں یہ بھی فرمایا: اس سے پرہیز کر کہ تو کہے کہ حق تعالیٰ اپنی خلق کی صفات سے متصف ہے جیسا کہ اخبار صفات اس کا مفہوم دیتی ہیں۔ کیونکہ یہ سوء ادب ہے۔ تو اس کی خلق کی صفات میں جو نقص ہے وہ حادث ہونے کی حیثیت سے ہے۔ اور ادب تو یہ ہے کہ تو ان صفات کو اس کی طرف منسوب کرے اور کیفیت متعین کئے بغیر ان پر ایمان لائے۔ اور جس نے ان کی تاویل کی یا تردید کی وہ راہ صواب سے بھٹک گیا۔ کیونکہ تاویل میں مقام ایمان کا کمال فوت ہو جاتا ہے۔ اصل ایمان فوت نہیں ہوتا۔ کیونکہ تاویل کرنے والے کا اگر حق تعالیٰ کے بارے میں اس صفت کی صحت کا اعتقاد نہ ہوتا تو اس کی تاویل میں مشغول نہ ہوتا۔ انتہی

اور میں نے سیدی علی الخواص رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اخبار صفات کی تاویل کرنے سے پرہیز کر کیونکہ اس میں شیطان کا خفیہ فریب ہے تاکہ مومن اللہ تعالیٰ کے نازل فرمودہ امر پر بعینہٖ ایمان لانے کا شرف ضائع کر بیٹھے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **امن الرسول بما انزل الیه من ربه والمؤمنون** (البقرۃ آیت ۲۸۵) رسول علیہ السلام اس پر ایمان لائے جو اس کی طرف اس کے رب کی طرف سے اتارا گیا اور مومن)۔ جبکہ یہ تاویل کرنے والا حقیقت میں ایمان نہیں لایا مگر اس تاویل پر جو اس نے اپنی عقل کے ساتھ کی ہے۔ تو اس سے اللہ تعالیٰ کے نازل فرمودہ امر پر بعینہٖ ایمان لانا فوت ہو گیا پس اس پر غور کرنا چاہیئے۔ انتہی

اعلیٰ معارف اولیاء

اگر کہا جائے کہ معارف اولیاء کا اعلیٰ مقام کیا ہے۔ اور کیا کوئی کیف حق کا ادراک کر سکتا ہے جب تجلی فرمائے؟

تو اس کا جواب ۲۷۶ ویں باب میں شیخ نے یہ دیا ہے کہ اولیاء کے لئے معارف کا اعلیٰ مقام یہ ہے کہ ان میں سے کوئی ان کے قلوب کے لئے تجلیات الٰہیہ کو ان کے ورود کی حیثیت سے پہچانے۔ پس وہ پہچانے کہ کس نے تجلی فرمائی۔ اور کیوں تجلی فرمائی۔ تو یہ حق جل وعلا کے خصائص میں سے ہے اسے کوئی ملک مقرب جانے نہ نبی مرسل۔ اور یہ اس لئے کہ اصل میں ذات سے ناواقفیت ہے۔ تو اس کی تجلی کی کیفیت کا علم غیر حاصل۔ نہ ہی مخلوق میں سے کوئی اس کا ادراک کرنے والا۔

تجلیات اخروی کے متعلق منکر کون؟

اگر تو کہے کہ تجلیات اخروی کے بارے میں انکار کرنے والے کون ہیں؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ تین قسم کے لوگ ہیں۔ ہر قسم اپنے مافوق کا انکار کرتی ہے۔ کیونکہ وہاں صرف چار اقسام ہیں۔ اسلام۔

ایمان، احسان اور ایقان۔ تو جب حق تعالیٰ مقام اسلام والوں کے لئے تجلی فرمائے گا تو اس کا جملہ کفار انکار کریں گے۔ اور جب مقام ایمان والوں کے لئے تجلی فرمائے گا تو اس کا کبھی بعض اہل اسلام انکار کریں گے۔ اور جب حق تعالیٰ مقام احسان والوں کے لئے تجلی فرمائے گا۔ تو کبھی بعض مقام ایمان والے انکار کریں گے۔ اور مقام ایقان والوں کے لئے تجلی فرمائے گا۔ تو کبھی بعض مقام احسان والے اس کا انکار کریں گے۔ اور شیخ نے ۴۶۰ ویں باب میں فرمایا ہے کہ جس نے اس جہان میں کسی چیز کا ذوق حاصل نہیں کیا وہ آخرت میں اس کا انکار کرے گا۔ پس مقام ایقان والے تجلیات میں سے کسی تجلی میں اس کا انکار نہیں کرے گا جیسے انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اور ان کے کامل وارثین۔ کیونکہ یہ حضرات مقام اسلام۔ ایمان اور احسان عبور کر کے مقام ایقان تک پہنچ گئے۔

اگر کہا جائے کہ کیا غیر مظہر میں تجلی ذاتی کے ممنوع ہونے کے بارے میں محققین کے درمیان کوئی اختلاف ہے؟ تو شیخ نے ۲۷۹ ویں باب میں اس کے جواب میں فرمایا: غیر مظہر میں تجلی ذاتی ممنوع ہونے کے متعلق ہمارے اور اہل حقائق کے مابین کوئی اختلاف نہیں۔ پھر آپ نے شعر پڑھے جن کا یہ ترجمہ ہے۔

وجود کے سورج اور اس کے نور سے عالم ارواح پر اس کی ٹکیہ کے سوا کچھ ظاہر نہیں ہوا۔ اور مظہر کے بغیر ذات نہیں پائی جاسکتی گرچہ انسان حرص کی شدت میں ہلاک ہو جائے اور اس قول میں کوئی شک نہیں جو میں نے وضاحت سے بیان کیا۔ اور وہ اٹکل کی ملمع سازی والا قول نہیں ہے۔

رویت حق تعالیٰ

اگر کہا جائے کہ جب تم نے تجلی ذاتی کے وقوع کے ممنوع ہونے کا قول کیا ہے تو حق تعالیٰ کے لئے ہماری رؤیت کس چیز کے ساتھ متعلق ہوگی؟

تو اس کا جواب ۲۸۲ ویں باب میں شیخ نے یہ دیا ہے کہ رؤیت ہمارے اور حق تعالیٰ کے مابین حجاب عظمت کے ساتھ متعلق ہوگی۔ اور اس سلسلے میں وارد نصوص اسی پر محمول کی جائیں گی۔ کیونکہ اگر یہ حجاب اٹھا دیا جائے تو تو ذات حق کو جان لے۔ اور جس نے گمان کیا کہ ذات حق کی رؤیت سے اس نے اسے جان لیا تو اس پر دار آخرت میں اس کا جہل ضرور منکشف ہوگا۔ پس وہ یقیناً جان لے گا کہ یہ امر اس کے خلاف ہے جس پر وہ دار دنیا میں اعتقاد رکھتا تھا۔ **وبدالھم من اللہ مالم یکونوا یحتسبون** (الزمر آیت ۴۷) اور ان پر اللہ کی طرف سے وہ کچھ ظاہر ہو جائے گا جس کا وہ گمان بھی نہیں کیا کرتے تھے)۔

تجلی معتقدات و معقولات کا حکم

اگر کہا جائے کہ کیا معتقدات اور معقولات کی صورتوں میں تجلی واقع ہے یا تجلی ذاتی کی طرح ممنوع ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ واقع ہے۔ اور یہ اس لئے کہ معتقدات اور معقولات کی صورتیں تو پل ہیں جنہیں علم کے ساتھ عبور کیا جاتا ہے یعنی جانا جاتا ہے کہ ان مظاہر سے وراء ایسا امر ہے کہ اسے جاننا صحیح ہیں۔ نہ ہی اس کا مشاہدہ ہو سکتا ہے اور اس معلوم کے پیچھے جو مشاہدہ کیا جا سکے نہ جانا جا سکے ایک حقیقت ہے جو اصلاً معلوم نہیں کی جاسکتی یہاں تک کلام شیخ پورا ہوا جو کہ آپ نے ۲۹۹ ویں باب میں فرمایا۔

اگر تو کہے کہ پھر تو جس نے ذات میں اپنے فکر کے ساتھ گفتگو کی وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نافرمان ہے؟ تو

اس کا جواب ۳۲۲ ویں باب میں شیخ نے یہ دیا ہے: ہاں وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نافرمان ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی معرفت میں نافی نہ مثبت کوئی بات کرنے کا حکم نہیں دیا۔ اور یہ اس لئے کہ بندہ جب اپنے نفس کی کنہہ کی معرفت سے عاجز ہے تو وہ حق تعالیٰ کہ کنہہ کی معرفت میں بطریق اولی عاجز ہوا۔ بلکہ اگر اس کلام کرنے والے کو عالم سے ذات واحدہ کی معرفت کی تحقیق کے بارے میں پوچھا جائے تو بیان نہیں کر سکے گا۔ اور اگر اسے کہا جائے کہ تیرا نفس تیرے بدن کی تدبیر کرتا ہے۔ اور کیا یہ اس میں داخل ہے یا اس سے خارج ہے یا داخل نہ خارج؟ اور کیا وہ زاید جس کی وجہ سے یہ جسم حیوانی حرکت کرتا ہے۔ سنتا دیکھتا۔ خیال کرتا اور غور وفکر کرتا ہے کس کے لئے لوٹتا ہے کیا ایک کے لئے یا زیادہ کے لئے؟ اور کیا جوہر یا عرض یا جسم کی طرف لوٹتا ہے؟ اور اسے دلائل شرعیہ تو کیا دلائل عقلیہ کا مطالبہ کیا جائے تو اسے اس کے لئے کبھی ایک دلیل عقلی نہیں ملے گی۔ نہ ہی اسے کبھی یہ پہنچان ہوگی کہ موت کے بعد ارواح کے لئے بقا اور وجود ہے۔

عبادت بر بنائے حسن وسماع

اگر کہا جائے کہ جب تو سارے بندوں کی عبادت الٰہیہ صرف حسن وسماع پر ہوئی الا ماشاء اللہ کیونکہ اس جہان میں وہ اسے دیکھ نہیں سکتے۔

تو اس کا جواب شیخ نے ۳۲۲ ویں باب میں یہ دیا ہے کہ حاصل کلام یہ ہے کہ غیب محض پر حق تعالیٰ کی عبادت کی طرف کوئی راہ نہیں۔ پس عبادت کے لئے اس چیز کے ساتھ تعلق کے بغیر چارہ نہیں جو مشہور ہو یا مشہور کی طرح ہو۔ جیسا کہ اس حدیث کا اس طرف اشارہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کر گویا تو اسے دیکھ رہا ہے۔ اور ہمیں اللہ تعالیٰ کی فضل وکرم کے ساتھ یہی تعلق کافی ہے۔ ورنہ اگر اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا مواخذہ فرمایا جن کے عقائد ان کے غور وفکر کے مطابق ہوں تو انہیں ہلاک کر دیتا۔ کیونکہ ہر صاحب عقل نے اپنے پروردگار کے اوصاف اس کی معرفت کے بارے میں اپنی عقل وفکر کے طریق سے مقید کر رکھے ہیں۔ اور اس کے رب کا دربار یہاں ہے نہ کہ یہاں۔ جبکہ مناسب نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لئے اطلاق کے سوا کچھ منسوب کیا جائے۔ اور اللہ تعالیٰ نے خلق کو اس تقیید میں معذور قرار دیا ہے اور انہیں معاف فرمایا ہے کیونکہ اس کی معرفت کے طریق میں انہوں نے مقدور بھر کوشش کی ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ ہر اسلامی عقید کے ساتھ نہ ہوتا تو عبد اس حیثیت سے عدم کی پوجا کرتا کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کے ہاں محصور پایا گیا تو لازماً دوسرے عبد کے ہاں مفقود ہوتا۔

معرفت ذات سے عقل عاجز ہے اور اس کی دلیل

پس معلوم ہوا کہ جو معرفت ذات کے لئے اپنی عقل کے ذریعے درپے ہوا وہ ایسے امر کے درپے ہوا جس سے وہ عاجز ہے۔ اور ہم نے جو کچھ ہے کہا اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کے بارے میں عقل کے ساتھ غور وفکر کرنے والوں کے مقالات کا اختلاف ہے جبکہ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ۔ اس کے رسول علیہ السلام اور صاحب الہام ولی کی طرف سے جو کچھ آیا ہے اس میں اختلاف کا نہ ہونا ہے۔ نیز فرماتے ہیں: اگر عقل والا اللہ تعالیٰ کے قول لم یولد کا معنی سمجھ لیتا تو اسے معلوم ہو جاتا کہ عقل نے اللہ تعالیٰ کی معرفت میں اپنے مقدمہ کی ترتیب کے ذریعے اپنی سوچ سے جو نتیجہ نکالا ہے وہ مولود ہے جبکہ حق تعالیٰ نے اپنی ذات سے مولود ہونے کی نفی فرمائی ہے۔ تو اس عقل والے کا ایمان کہاں ہے جبکہ اس نے حق اپنی عقل سے پیدا کیا ہے۔ اگر وہ مومن ہو تو یہ امر اس کے ایمان میں موجب طعن ہے اور اگر مومن نہیں تو اسے یہی کافی ہے کہ وہ مومن نہیں۔ انتہی۔

اور اسی طرح آپ نے باب الاسرار میں فرمایا: حق تعالیٰ نے اپنے مولود ہونے کی نفی اس لئے فرمائی ہے تا کہ یہ ان معارف کو شامل

ہو جنہیں اللہ تعالیٰ کے حق میں عقول نے جنم دیا۔ کیونکہ عقول کا جنم دینا ناجائز نکاح سے ہے بخلاف نصوص شرعیہ کے دلیلوں کے۔ انتہی
اگر تو کہے کہ آپ لوگوں کی تقریر کے مطابق اہل فکر میں سے کسی کے لئے اس کی معرفت تسلیم نہیں کی جائے گی بلکہ اس کی معرفت کے اوہام وخیالات کا حصول ضروری ہے۔

تو جواب یہ ہے کہ ہاں اس کے لئے یہ امر لازم ہے۔ اور یہ اس لئے کہ حق کا مشاہدہ نہیں ہوسکتا مگر عالم سے اتنے فاصلہ پر علیحدہ ہو کر جس کا اس کی تنزیہہ تقاضا کرے۔ پس یہ اپنے آپ کو ایک جانب اور حق تعالیٰ کو دوسری جانب محمول کرے کیونکہ یہاں حلول ہے نہ اتحاد۔ اسی لئے اپنے پروردگار کو بڑائی کے ساتھ نداء دیتا ہے جو کہ دوری کا پتہ دیتا ہے۔ باوجودیکہ وہاں نفس الامر میں کوئی بعد نہیں ہے سوائے مرتبہ سیادت کے بُعد کے مرتبہ عبودیت سے۔ اور کچھ نہیں۔ اسے شیخ نے ۳۷ ویں باب میں ذکر فرمایا۔

اور ۳۷۳ ویں باب میں فرماتے ہیں کہ جان لو کہ حق تعالیٰ کا ادراک کبھی بھی نظر فکری سے نہیں ہوسکتا اور ہمارے نزدیک ان لوگوں سے بڑا گناہ کسی کا نہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات میں اپنے غور وفکر سے کام لیتے ہیں۔ کیونکہ وہ جہالت کے انتہائی درجات میں الجھے ہیں۔ پھر جب غور وفکر نے انہیں تعلیمات رسل علیہم السلام کے خلاف نظریہ عطا کیا تو انہیں دور کی تاویل کی ضرورت پڑی تا کہ اللہ تعالیٰ کے اپنے متعلق جتلانے کے مقابلے میں لاشعوری طور پر غور وفکر کی جانب داری کریں۔ اور اگر وہ ادب لازم کرتے اور اس میں وارد اخبار صفات کی حد پر رک جاتے اور اس کی کیفیت کا علم اللہ تعالیٰ کی سپرد کر دیتے اور تاویل نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ انہیں دوسرے فیض علم کے ذریعے اس بارے میں فہم عطا فرما دیتا۔ جو ان کے دل میں نازل فرماتا۔ پس مسئلہ بھی اسی کی طرف سے اور اس کی شرح بھی اسی کی طرف سے ہوتی۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اس کے عطا فرمودہ علم کے ذریعے حاصل کرتے نہ کہ اپنی سوچ کے ذریعے۔ انتہی

کیا کبھی حیرت زائل ہوسکتی ہے؟

اگر تو کہے کہ کیا جب کوئی مرتبہ کمال پر پہنچ جائے تو اللہ تعالیٰ کی جانب میں اس کی حیرت زائل ہو جاتی ہے؟ تو اس کا جواب شیخ نے ۲۵۲ ویں باب میں یہ دیا ہے کہ قلب عبد سے اس وقت حیرت زائل ہو جاتی ہے جب حق تعالیٰ اس کے لئے بغیر مادہ کے تجلی فرمائے۔ اس وقت اس کا قلب اضطراب سے سکون پاتا ہے اور اس سے حیرت زائل ہو جاتی ہے اور اس وقت اللہ تعالیٰ سے وہ علم حاصل ہوتا جو تجلی سے پہلے نہیں جانتا تھا۔ لیکن کوئی بھی اس تجلی حق کی تعیین کی قدرت نہیں رکھتا۔ سوائے اس کے کہ اس نے مادہ کے بغیر اس کے لئے تجلی فرمائی۔ اور کچھ نہیں۔

حق متجلی کی تعیین سے عجز کا سبب

اگر کہا جائے کہ بندے کے لئے جو حق متجلی ہوا اس کی تعیین سے بندے کے عجز کا کیا سبب ہے؟
تو جواب یہ ہے کہ اس کا سبب حق تعالیٰ کا یہ دستور ہے کہ وہ کسی عبد کے لئے کبھی بھی بعینہ وہ تجلی نہیں فرماتا جو کسی دوسرے عبد کے لئے فرماتا ہے۔ اسی لئے کوئی عبد اس کی تعیین کر سکا جس میں تجلی فرمائی نہ ہی اس کی تعبیر پر قادر ہوا پھر عارف جب اس مقام سے اپنے نفس کے مقام کی طرف لوٹتا ہے جو کہ عالم مواد ہے تو اس کے ساتھ تجلی حق ہوتی ہے تو وہ تمام بارگاہوں میں سے جس بارگاہ میں داخل ہوتا ہے وہاں اس بارگاہ کے حکم کے ذریعے حق تعالیٰ کو متحول دیکھتا ہے۔ کیونکہ عارف نے اس سے وہ کچھ ضبط کر لیا ہے جو ضبط کیا۔ پس وہ اس سے کبھی

ناواقف نہیں ہوتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی عبد کے قلب کے لئے معارف میں سے کسی چیز میں تجلی فرمائے تو اس کے بعد اسے محجوب نہیں فرماتا۔ اور یہاں شیخ محی الدین نے طویل کلام فرمایا۔

پھر فرماتے ہیں اور اس دربار میں عبد درضدوں کو جمع کرتا ہے۔ اور اس کے امکان پر اپنی طرف سے قادر نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اور اس مبحث میں ہم پہلے کر آئے ہیں کہ تجلی حق کی کیفیت کا علم حق کے خصائص سے ہے۔ اسے نبی مرسل جانے نہ ملک مقرب۔ اور اس کی تائید ۳۸۲ ویں باب میں شیخ کا یہ قول کرتا ہے کہ حق تعالیٰ کا ذاتی علم ہے جو کہ اس حکم کا عین نہیں جو اس پر عقل لگاتی ہے۔ نہ ہی وہ اس کا عین ہے جس کا نگاہ نے مشاہدہ کیا اور اس کے ساتھ اس پر حکم لگایا۔ نہ ہی وہ ان دونوں حاکموں کا غیر ہے۔ انتہی

شیخ عبدالجبار النفری کی وضاحت

اور شیخ عبدالجبار النفری نے المواقف میں فرمایا کہ مجھے حق تعالیٰ نے ٹھہرایا اور فرمایا مجھے میری عزت وجلال کی قسم میں اس کا عین نہیں جو انہوں نے مجھے پہنچانا۔ نہ اس کا عین ہوں جو نہیں پہنچانا۔

نیز فرماتے ہیں کہ مجھے حق تعالیٰ نے ٹھہرایا اور فرمایا جان لے میرا احباب میرے متعلق جہالت ہے پس وہ ہمیشہ میری بارگاہ کے سامنے ہے۔ تو میری مخلوق کے لئے معلوم نہیں مگر میرے متعلق ان کی ناواقفیت کیونکہ وہ میرا احاطہ نہیں کر سکے۔

نیز فرمایا: مجھے حق تعالیٰ نے ٹھہرایا اور فرمایا: جان لے کہ میں کسی عبد کے لئے ظہور نہیں فرماتا مگر اس کے بعد کہ وہ اپنے تمام علوم ومعارف سے فارغ ہو جائے۔ اور بارگاہ جبروت میں داخل ہو جائے۔ تو جب داخل ہو جائے تو وہاں معرفت اصنام اور علوم ازلام دیکھتا ہے۔

نیز فرماتے ہیں کہ مجھے حق نے فرمایا: میرے لئے ایسی معرفت ہے جس میں جہالت نہیں۔ واقع نہیں ہوتی اور میرے متعلق ناواقفیت ہے جس میں معرفت نہیں ظاہر نہیں ہوتی۔ اور ظاہر سے زیادہ ظاہر اور باطن سے زیادہ مخفی ہوں۔ اور ہر شے سے اس سے زیادہ قریب ہوں۔ اور میں نے اپنے بندوں کے لئے جو شناسائیاں ظاہر کی ہیں میری شناسائی کی متحمل نہیں جو کہ ظاہر نہیں۔ کیونکہ نہ ہی میں شناسائی۔ نہ ہی میں علم۔ نہ ہی میں شناسائی کی طرح۔ نہ ہی میں علم کی طرح۔ اور جس قرب کو میرے بندوں نے پہنچانا وہ قرب نہیں جو میں خود جانتا ہوں۔ تو انہوں نے میرے قرب کو پہنچانا نہ میرے بعد کو نہ ہی انہوں نے میرے جلال کے لائق میری وصف کو پہنچانا۔ پس میں قریب بعید ہوں مسافت کے بغیر۔ اور وہ میرا قرب اور میرا بعد نہیں پہنچانتے۔

اور وہاں یہ بھی فرماتے ہیں کہ مجھے حق تعالیٰ نے ٹھہرایا اور مجھے فرمایا کہ اگر تو ارادہ کرتا ہے کہ تجھے میری پہنچان ہو جائے تو میرے متعلق اپنے علم کو پس پشت ڈال دے۔ اور میری بارگاہ میں علم کے ساتھ داخل ہو نہ ہی جہالت کے ساتھ۔ اور کائنات سے وراء ٹھہر جا اور اسے میرے متعلق پوچھ تو کائنات کو مجھ سے جاہل پائے گا۔ جہل کو میرے متعلق سوال کر تو اسے میرے بارے میں بے خبر پائے گا۔ پس بیشک میں ہی ظاہر ہوں۔ اس طرح نہیں جیسے ظاہر چیزیں ظاہر ہیں۔ اور میں باطن ہوں اس طرح نہیں جیسے باطنی چیزیں بطون میں ہیں۔ اور میرے بندے کا میرا مشاہدہ غیر کے ساتھ صحیح نہیں۔ اگر تیرا ارادہ ہے کہ تجھے میری پہچان حاصل ہو تو کائنات کو اپنے اوپر کر نہ نیچے۔ اپنے دائیں نہ بائیں۔ اپنے علم میں نہ اپنے وجد میں۔ اپنے ذکر میں نہ فکر میں۔ اور کائنات کی طرف سے نگاہ کر پس وہاں تیرا مقام ہے۔ وہاں کھڑا ہو کر دیکھتا رہ کہ میں امور کیسے پیدا فرماتا ہوں۔

وہاں یہ بھی فرمایا کہ مجھے حق تعالیٰ نے ٹھہرایا اور فرمایا: اگر تو ارادہ کرتا ہے کہ تجھے میری پہنچان ہو تو رسا نارسا کے مشاہدہ سے۔ اس علم سے جس کی ضد جہالت ہے۔ اس جہالت سے جس کی ضد علم ہے اور اس معرفت سے جس کی ضد غور فکر ہے باہر نکل جا۔ اور اس میں طویل کلام فرمایا۔

حروف والفاظ کے پس پردہ معرفت کا حکم

پس اگر تو کہے کہ اس شخص کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں جس نے حق تعالیٰ کی معرفت کتاب وسنت میں وارد ہونے والے حروف الفاظ کے پس پردہ سے حاصل کی کیا۔ اسے عارف کہا جائے گا؟

تو اس کا جواب وہ ہے جو شیخ نے فتوحات کے باب الوصایا میں بیان کیا کہ وہ عارف نہیں ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے متعلق جاہل ہے اور اسے جود الٰہی کے عطایا میں سے کوئی عطیہ حاصل نہیں۔

اور اس کی وضاحت یہ ہے کہ جس نے حق تعالیٰ کی معرفت حروف سے حاصل کی تو وہ کائنات سے کائنات تک ابتداء وانتہا کی صورت میں گھوم پھر رہا ہے۔

اور شیخ نے ترجمان الاشواق کی اپنی شرح میں بھی فرمایا ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے ذریعے اس کی معرفت حاصل کی اس نے اسے پہنچان لیا۔ اور جس نے کائنات کے ذریعے اسے پہنچانا تو اس نے وہی پہنچانا جو اسے اس کائنات نے عطا کیا۔ اس کے سوا کچھ نہیں تو وہ اپنی جنس میں ہی رہا۔

شیخ نے لواقح الانوار میں بھی فرمایا: جان لو کہ بعض لوگ وہ ہیں جنہوں نے تحریر دلائل میں مبالغہ کیا اور تفتیش میں غرق ہو گئے اور جب بھی ان کے باطن میں کوئی امر قائم ہوا تو اس کی نفی کر دی۔ تو ان کی حد صرف یہ ہے کہ وہ بہت مشقت کے بعد اللہ تعالیٰ کے ارشاد لیس کمثلہ شیء پر ٹھہر گئے۔ تو انہوں نے اپنی عمریں اس ذات کے متعلق غور وفکر کرتے گزار دیں جسے سوچ کے ساتھ شکار کرنا صحیح نہیں۔ اور محل کو اس چیز میں مصروف کر دیا جس سے انہیں اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا۔

اور بعض وہ ہے جس کی ابتداء یہ تھی۔ پس اس نے پہلے قدم پر ہی راحت پائی۔ اور محل فارغ رہا۔ پس مواہب ومعارف کے قابل رہا۔

اور شیخ نے ۳۷۴ ویں باب میں فرمایا کہ قدماء اور متصوفہ میں سے جن لوگوں نے ذات میں غور وخوض کیا ان کے کام کی انتہاء یہ ہے کہ انہوں نے اس کی وجہ سے اللہ عزوجل کی نافرمانی کی۔ اور ایسے امور کے ساتھ استدلال کیا جو ان کے خلاف ہیں۔ حق میں نہیں ہیں۔ پھر انہوں نے پورے غور وفکر کے بعد عاجز ہونے کا یہ اقرار کیا اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا ادب ملحوظ رکھتے تو یہ ان سے یہ اقرار پچھلے قدم پر ہی واقع ہو جاتا۔ لیکن انہوں نے حدود الٰہیہ سے تجاوز کیا جو کہ عظیم حدود میں سے ہیں۔ اور اسے اس کا قرب قرار دیا۔ حالانکہ وہ اس مسئلہ میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے بے نہایت دور ہیں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے محامد اعلیٰ

اگر کہا جائے کہ وہ محامد اعلیٰ کیا ہیں جن کے ساتھ بندہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرے۔

اس کا جواب شیخ نے ۴۶۷ ویں باب میں یہ دیا ہے کہ تمام محققین کے نزدیک عقلاً اور شرعاً اعلیٰ محامد ہمارا یہ کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس

طرح ہے جو اس نے اپنے ذات کی ثنا فرمائی۔ اس کی مثل کچھ نہیں۔ کیونکہ کسی بندے کے لئے صحیح نہیں کہ اپنے رب عزوجل کی وہ حمد وثنا کرے جو اس کی عقل میں نہیں۔ صرف یہی صورت باقی رہ گئی کہ اس کی وہ ثنا کرے جس کی اسے سمجھ ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر اس ثنا سے وراء ہے جس میں بندے کے لئے ثبوت ہے۔ پس ہر وہ چیز جو تیرے علم یا عقل میں ہے وہ تیری صفت پر ہوگی۔ اس کے بغیر چارہ نہیں۔ اس لئے صوفیہ نے کہا ہے کہ حقیقت تسبیح وہ تسبیح سے تسبیح ہے جس طرح ان کا یہ قول ہے کہ توبہ تو توبہ سے توبہ کرنا ہے۔

اور اس کی وضاحت یہ ہے کہ تسبیح تنزیہہ ہے۔ اور حق تعالیٰ کی جانب میں کوئی نقص ہی نہیں کہ بندے کی عقل میں آئے حتیٰ کہ اپنے خالق کو اس سے منزہ کیے۔ پس سمجھ لے۔

نیز آپ نے ۵۵۸ ویں باب میں فرمایا: جان لو کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد لیس کمثلہ شیئ کا معنی سمجھ لیا وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی کنہہ میں۔ کبھی غور وفکر نہیں کرتا۔ اور میں نے غور وفکر کرنے والوں میں سے جسے بھی دیکھا کہ وہ متبحر علماء میں سے ہونے کا مدعی ہے اس نے اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں اپنی سوچ کے ساتھ گفتگو کی یہ گمان کرتے ہوئے کہ وہ اس کی تنزیہہ بیان کر رہے ہیں۔ حتیٰ کہ اس میں ابو حامد غزالی رحمۃ اللہ علیہ بھی گر پڑے لیکن انہوں نے اپنے وصال سے ذرا پہلے اس لئے رجوع کر لیا۔

شیخ نے فرمایا: مجھ پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے مجھے اپنی ذات کے متعلق غور وفکر کرنے سے محفوظ رکھا پس میں نے اسے نہیں پہنچانا مگر اس کے قول۔ اس کی خبر اور اس کے شہود سے۔ اس بارگاہ میں سوچ مجھ سے معطل رہی۔ پس میری سوچ نے اس پر میرا شکریہ ادا کیا اور کہا سب خوبیاں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے مجھے تیری وجہ سے اس میں تصرف اور مشقت اٹھانے سے بچالیا۔ جہاں تصرف کرنا میرے لائق نہیں۔ اور یہ ایک سابقہ معاہدہ کی وجہ سے ہوا۔ کیونکہ میں نے اپنی فکر سے معاہدہ کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں غور وفکر کی مشقت میں نہ پڑے اور اپنی مشقت عبرت حاصل کرنے میں صرف کرتے۔ تو اس نے اس امر پر میرے ساتھ معاہدہ کیا۔ پس اللہ تعالیٰ ہی کے لئے حمد ہے جس نے اسے اس مصروفیت سے پھیر دیا جس کے لئے اسے پیدا نہیں کیا گیا۔ اور اسے اس مصروفیت میں استعمال کیا جس کے لئے اسے پیدا کیا گیا۔ انتہی

اور شیخ نے ۷۳ ویں باب میں بھی فرمایا: جان لو کہ صفات حق کے بارے میں شریعت عوام پر رحمت کی وجہ سے صفات حق کے متعلق اکثر ان کے فہم کے معیار پر آئی ہے۔ خواص کے فہم کے معیار پر نہیں آئی مگر اشارات کے بعد جیسے لیس کمثلہ شیء۔ سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون۔ کیونکہ عزیز ایسا مضبوط ہے کہ اس تک فکر وعقل کی رسائی نہیں انتہی۔

اگر تو کہے کہ پھر تو بندے کے لئے تشبیہہ سے خالی تنزیہہ کی طرف ہمیشہ کے لئے کوئی راہ نہیں۔ تو اس کا جواب شیخ نے ۷۲ ویں باب میں یوں دیا ہے کہ ہاں مخلوق کے لئے اس کی طرف کوئی راہ نہیں سوائے اس کے کہ اس کے متعلق علم اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹا دیا جائے قسم بخدا!! ابو سعید الخراز نے سچ کہا ہے کہ اللہ کو نہیں پہنچانتا مگر اللہ۔ انتہی

ان اللہ خلق آدم علی صورتہ کا معنی

اگر تو کہے کہ جب حق تعالیٰ اپنے مخلوق سے کسی شیء میں مطلقاً مشابہت نہیں رکھتا تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا کیا معنی کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا ہے؟ تو اس کا جواب شیخ نے ۳۶۱ ویں باب میں یہ دیا ہے کہ یہاں صورت سے مراد یہ ہے کہ اللہ

تعالیٰ نے آدم اور اس کی اولاد کو سب کو حکم دینا۔ روکنا، معزول کرنا، حاکم بنانا، مواخذہ کرنا، درگزر کرنا اور رحم کرنا وغیرہ بنایا کیونکہ وہ زمین میں اس کا خلیفہ ہے۔ کیونکہ صورت کا لفظ بول کر اس سے مراد شان، حکم اور امر لیتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنے امر کے ساتھ اس کے لئے جو چاہا فعل کرتا بنایا۔ پس یہ ہے صورت کا معنی۔ انتہی

اور جلال الدین سیوطی نے ذکر فرمایا کہ حدیث ایک سبب پر وارد ہوئی ہے اور وہ یہ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ایک شخص اپنے غلام کے منہ پر تھپیڑ مار رہا ہے تو آپ نے فرمایا ایسا مت کر۔ کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے آدم کو اس کی صورت پر پیدا فرمایا۔ (تجھے) اس کی صورت کا احترام کرنا چاہئے۔ پس یہ ہے مراد صورت سے واللہ اعلم۔

حدیث طبرانی کا مفہوم

اور رہا یہ کہ طبرانی کی اس حدیث کا معنی کیا ہے میں نے اپنے رب کو دیکھا نوجوان بے ریش گھنگریالے بال۔ زلف دراز۔ پاؤں میں سونے کی نعلین (الحدیث)

تو اس کا جواب شیخ نے ۲۴ ویں باب میں یہ دیا ہے کہ یہ دیکھنا عالم خیال میں تھا۔ اور خیال کی صفت یہ ہے کہ معانی جو کہ تجسد اختیار نہیں کرتے انہیں جسد عطا کرتا ہے۔ پس تجھے اسلام قبے کی صورت میں۔ علم دودھ کی شکل میں اور زنجیر دین میں ثابت قدمی کی ہیئت میں وغیرہ وغیرہ پس دنیا میں خیال سے زیادہ وسیع کوئی چیز نہیں کیونکہ وہ اپنی حقیقت کے ساتھ ہر چیز پر، اور جو چیز نہیں ہے اس پر بھی حکم کرتا ہے۔ عدم محض، محال، واجب اور ممکن کی صورت گری کرتا ہے۔ اور وجود کو عدم اور عدم کو وجود کرتا ہے وغیرہ۔ اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جابر سے فرمایا: اللہ کی عبادت کر گویا تو اسے دیکھتا ہے۔ اور فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ تمہارے کسی کے قبلہ میں ہے۔ اس کے سبب کے لئے فرمایا جو کہ بارگاہ خیال میں ہے۔ اور وجود حق کو قبلہ کے ساتھ اس کے تخیل کا دروازہ سمت قبلہ میں کھولنے کے لئے خاص فرمایا۔ تاکہ عبد اس کی نگہبانی کرے۔ اور اس سے حیا کرے اور جب اسے اشتباہ لاحق ہو اپنے رب سے آیت کا مفہوم پوچھے۔ پس حق تعالیٰ اسے باب الہام سے اس کی تعلیم دے۔ اور اپنی نماز میں ادب لازم کرے۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں یہ نہ ہوتا کہ انسان کے پاس خیال نام کی ایک حقیقت ہے جسے یہ حکم ہے تو یہ نہ فرماتے: اعبد اللہ کانک تراہ یعنی گویا تو اسے اپنی بصر سے دیکھتا ہے۔ باوجودیکہ دلیل عقلی "گویا" سے منع کرتی ہے کیونکہ یہ اس کی دلیل کے ساتھ شبیہ کا تخیل ہے۔ جبکہ بصر نے سوائے دیوار کے کسی شے کا ادراک نہیں کیا۔ اور یہاں طویل کلام فرمایا۔

پھر فرماتے ہیں: شارع نے تجھے اس کے ساتھ جو ہم نے تجھے کہا خطاب نہیں فرمایا مگر اس لئے کہ تو خیال میں لائے کہ تو اپنے قبلہ میں حق کے روبرو ہے۔ گرچہ حق تعالیٰ مکان میں ہونے سے پاک ہے۔ کیونکہ جب تک تو اپنی عقل کے دائرہ میں محبوس ہے تو حق کو اسی طرح سمجھ سکتا ہے۔ پس جب حق تعالیٰ تجھے وہ قوت عطا فرما دے جو کہ انداز عقل پر فائق ہے اس وقت تو مکان کے بغیر مشاہدہ کرے گا۔ کہ تجھے معلوم ہو چکا کہ خیال کی شان یہ ہے کہ جس پر دلیل عقلی کے ساتھ صورت اور تصور محال ہو خیال اس کی تصویر کشی کرتا ہے۔ انتہی

اور آپ نے ۳۷ ویں باب میں فرمایا: کہ عقل کو عقل اس لئے کہتے ہیں کہ یہ عقال سے ماخوذ ہے (عقال اس رسی کو کہتے ہیں جس سے اونٹ کا گھٹنا باندھا جاتا ہے) پس مرتبہ اطلاق میں حق تعالیٰ کی معرفت کے متعلق اس کا کوئی قدم نہیں ہے۔ انتہی

اور ۶۸ ویں باب میں فرمایا کہ جان لو کہ ادنیٰ حجاب جس کی وجہ سے عبد حق تعالیٰ کی رؤیت سے پردے میں رہا وہ صورت ہے جو ذہن عبد میں واقع ہوتی ہے جس میں حق تعالیٰ تجلی فرماتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ وہ یہ صورت نہیں جو کہ مکان میں محدود ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے بالا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ عبد کے لئے صحیح نہیں کہ وہ تجلی صوری سے ترقی کرے مگر اگر وہ عالم مواد سے نکل جائے۔ انتہی۔

حق کے متعلق من کل الوجوہ علم کیوں ممنوع ہے؟

اگر تو کہے کہ مخلوقات کے لئے حق کا من کل الوجوہ علم ممنوع ہونے کی حکمت کیا ہے؟

تو اس کا جواب ۷۳ ویں باب میں شیخ نے یہ دیا ہے کہ اس کی حکمت یہ ہے کہ اسے تقدیر کے ستر کے علم سے روکا جائے کیونکہ اگر مخلوقات کے لئے درست ہوتا کہ حق کو من کل الوجوہ جان لے تو اسے تقدیر کا راز معلوم ہو جاتا۔ اگر اسے راز تقدیر معلوم ہو جاتا تو اسے اس کے احکام کا علم حاصل ہو جاتا۔ اور اگر اسے اس کے احکام کا علم حاصل ہو جاتا تو علم بکل شیء میں مشغول ہو جاتی اور اسے کسی شے میں حق تعالیٰ کی حاجت نہ رہی۔ اور یہ محال ہے۔ انتہی

نحن اقرب کے باوجود ہماری بے علمی

اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ شاہ رگ سے بھی زیادہ ہمارے قریب ہے۔ جب وہ ہم سے اس قرب عظیم پر ہے تو ہم اس کے متعلق جاہل کیوں کر ہوئے؟

تو اس کا جواب شیخ نے ۸۵ ویں باب میں یہ دیا ہے کہ شدت قرب حجاب ہے جس طرح کہ شدت بعد حجاب ہے۔ غور کرو کہ ہوا جب اپنی لطافت کی وجہ سے آنکھ کے ساتھ ملی ہوتی ہے تو نگاہ نے کس طرح اس کا ادراک نہیں کیا۔ اور اسی طرح پانی ہے کہ جب آدمی اس میں غوطہ لگائے اور اس میں آنکھیں کھولے تو شدت قرب کی وجہ سے اسے نہیں دیکھتا۔

نحن اقرب اور ۷۰ ہزار حجابات

اگر تو کہے کہ حق تعالیٰ جب ہم سے اس قرب عظیم پر ہے تو نور و ظلمت کے وہ ستر ہزار حجاب کہاں ہیں جن کی شارع علیہ السلام نے ہمیں خبر دی ہے کہ یہ ہمارے اور حق تعالیٰ کے درمیان ہیں؟

تو شیخ کے قول کے مطابق جواب یہ ہے کہ یہ حجابات بندے کا مثلاً معصیت کے وقت بارگاہ حق تعالیٰ سے اپنے بعد کے مشاہدہ سے کنایہ ہے۔ پس یہ حق کے متعلق بندے کے مشاہدہ کی طرف لوٹتے ہیں جبکہ حق تعالیٰ کے لئے کوئی حجاب نہیں۔ اور اس کی وضاحت یہ ہے کہ بندہ مومن مشتمل ہے علم و جہالت پر۔ پس علم نوری حجابات کا ادراک کرتا ہے جبکہ جہالت حجابات ظلمت کا ادراک کرتی ہے۔ ہر ایک اپنی مناسبت کے ساتھ ہے۔ پس سمجھ لو۔

کیا حجاب عظمت اٹھ سکتا ہے؟

اگر تو کہے کہ کیا حجاب عظمت کا اٹھ جانا جو کہ عبد اور اس کے رب کے مابین ہے۔ صحیح ہے؟

تو اس کا جواب شیخ نے ۲۵۴ ویں باب میں یہ دیا ہے کہ حجاب عظمت کا حق تعالیٰ سے اٹھ جانا کبھی بھی صحیح نہیں۔ جو کہ حق تعالیٰ کے متعلق

عدم احاطہ سے کنایہ ہے۔ تو کسی عبد کی آنکھ کبھی نہیں پڑتی مگر اسی حجاب پر۔ پس بندے نے اعلان کیا کہ اس نے اسے دیکھا۔ حالانکہ اسے نہیں دیکھا۔

اور ۲۵۱ ویں باب میں کہا: پس پاک ہے وہ جو علم میں نہیں آتا مگر اس طرح کہ وہ علم میں نہیں آتا۔

اور ۳۱۷ ویں باب میں فرمایا: پس پاک ہے ظاہر جو کہ مخفی نہیں ہوتا۔ اور پاک ہے خفی جو ظاہر نہیں ہوتا۔ اور حق تعالیٰ نے اس کے ساتھ خلق کو اپنی معرفت سے حجاب میں کر دیا۔ اور انہیں شدت ظہور کی وجہ سے اپنی رؤیت سے نابینا کر دیا۔ پس وہ منکر ہیں اقرار کرنے والے ہیں۔ تردد کرنے والے ہیں۔ حیرت زدہ ہیں۔

علی بصیرہ انا ومن اتبعنی کا معنی

اگر تو کہے کہ تم نے جو تقریر کی ہے اس کے مطابق اللہ تعالیٰ کے اس قول کا کیا معنی؟ **قل هذه سبيلي ادعو الى الله على بصيرة انا و من اتبعني** (یوسف آیت ۱۰۸) آپ فرما دیجئے یہ میرا راستہ ہے میں تو صرف اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہوں۔ میں بصیرت پر ہوں اور میری پیروی کرنے والے۔

تو اس کا جواب شیخ ۳۷۰ ویں باب میں یہ دیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے اس خاص طریق کی طرف بلاتا ہوں جو رسل علیہم الصلوۃ والسلام لے کر تشریف لائے۔ یعنی یہاں مضاف (یعنی طریق) محذوف ہے۔ اور جو دعویٰ کرتا ہے کہ وہ حذف مضاف کے بغیر حقیقتاً اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہے تو ہم اسے کہتے ہیں کہ تو نے اس ذات کو کیسے پہنچانا جس کی مثل کوئی شے نہیں حتیٰ کہ تو لوگوں کو اس کی طرف بلائے۔ اگر اس کی مثل شے ہوتی تو باہم مثل ہونا واقع ہوتا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کی مثل نہیں ہو سکتی۔ تو اس کی مثل کوئی شے نہیں۔ اور اس کی مثل لاشئی نہیں۔ اور جو اس طرح ہو اسے پہنچانا نہیں جا سکتا۔ پس تیرا اسے پہنچاننے کا دعویٰ باطل ہوا۔ انتہی

بعض عارفین نے معاصر مشائخ میں سے ایک شخص سے فرمایا: تو کس کے قرب کا اعتقاد رکھتا ہے حتیٰ کہ تو لوگوں کو اس کی طرف دعوت دیتا ہے۔ اگر تو کہتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ سے اپنے قرب کا عقیدہ رکھتا ہوں تو ہم تجھے کہتے ہیں کہ یہ حق کو محدود قرار دینا ہے۔ اور جس نے حق کو محدود کیا وہ جاہل ہے۔ اور جاہل داعی نہیں ہو سکتا۔ اور اگر تو کہتا ہے کہ میں لوگوں کو ان کی سعادت کے طریق کی طرف بلاتا ہوں۔ تو ہم تجھے کہتے ہیں کہ مخلوق کے سعادت مندوں کی سعادت ہمیشہ ان کے ساتھ قائم رہی۔ اور اس کی طرف انہیں بلانے کے وقت وہ ان کے ساتھ ہے۔ اور اکابر نے اپنی قوم کو صرف اپنے رب کے حکم کی تعمیل کے لئے دعوت دی۔ اور کچھ نہیں۔ انتہی

نماز میں استقبال قبلہ کی حکمت

اگر تو کہے کہ جب حق تعالیٰ کی ذات عقل میں نہیں آتی تو اس کے لئے ہماری توجہ کے حوالے سے ساری جہتیں برابر ہیں تو ہمارے لئے خصوصیت کے ساتھ نماز میں کعبہ کی طرف منہ کرنا شرعاً کیوں مقرر کیا گیا؟

تو اس کا جواب لواقح الانوار میں شیخ نے یہ دیا ہے کہ جہت کعبہ کی طرف منہ کرنے کی تخصیص کی حکمت یہ ہے کہ ہمارے قلوب جمعیت حاصل نہیں کرتے مگر جبکہ ہم ایک جہت کی طرف متوجہ ہوں۔ کیونکہ ہم میں ہر ایک جہت والا ہے پس قبول نہیں کرتا کہ جہت والے کے بغیر اس کی عقل میں کوئی آئے۔ اسی وجہ سے صوفیا نے کہا کہ جو تیرے دل میں کھٹکے پس اللہ تعالیٰ اس سے جدا ہے۔ اور انہوں نے بندے پر

واجب کیا ہے کہ حق تعالیٰ کو اس سے منزہ سمجھے جو اس کے لئے ظاہر ہے اور اسے اپنے خاطر سے پھیر دے۔ پس سمجھ لے۔

پس کعبۃ کی طرف ہماری توجہ کو خاص کرنا ہم پر حق تعالیٰ کی طرف سے شفقت ہے تاکہ ہماری ہمتیں اسی کے حضور جمع ہوں ورنہ اللہ تعالیٰ کے حق میں ساری جہات برابر ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فاینما تولوا فثم وجه الله (البقرہ آیت ۱۱۵) تم جدھر رخ کرو وہیں ذات حق ہے)۔

اور جان لو کہ یہ بات، بہت عجیب سی ہے کہ بندہ جانتا ہے اور اسے تحقیق ہے کہ حق تعالیٰ کسی جہت میں نہیں۔ پھر اس کے باوجود اس کا وہم اس کی عقل پر غالب ہو جاتا ہے پس وہ حق تعالیٰ کا یہی مشاہدہ کرتا ہے کہ وہ اوپر کی جہت میں بلند ہے۔ اور بعض لوگ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے استدلال کرتے ہیں۔ یخافون ربهم من فوقهم (النحل آیت ۵۹) جبکہ اس آیت میں اس پر صریح دلیل نہیں ہے کیونکہ مراد یہ ہے کہ وہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں کہ کہیں ان پر ان کے اوپر سے عذاب نازل فرمائے یعنی آسمان سے۔ یا رتبہ وعزت کی فوقیت مراد ہے نہ کہ مکان کی۔ اور حکیم ترمذی نے مرفوعاً روایت کی کہ اللہ تعالیٰ عقول سے اسی طرح حجاب میں ہے جس طرح آنکھوں سے۔ اور ملاء اعلیٰ والے اسے اسی طرح طلب کرتے ہیں جس طرح تم اسے طلب کرتے ہو۔ فرمایا: اسی لئے محققین نے فرمایا ہے کہ عبد کا یہ علم کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے تنزیہہ میں اس سے زیادہ کامل ہے کہ بندہ یوں ہو کہ گویا وہ اسے دیکھ رہا ہے۔ کیونکہ بندہ اس کا مشاہدہ مقید غیر مطلق ہی کے حوالے سے کرے گا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ تقید سے بالا ہے۔

شیخ نے فرمایا: نمازی کعبہ کی طرف منہ کرنے کی حالت میں اس سے بچے کہ اپنے آپ کو جہت معینہ میں مستقبل سمجھے بلکہ تمام جہات برابر جانے۔ اور محققین کے نزدیک یہی حق تعالیٰ کا وجہ پاک ہے۔ اور جس نے وہم کیا کہ اس کے نفس کا جہات نے احاطہ کر رکھا ہے جیسا کہ اس کی صورت ظاہرہ نے۔ اور اس کے وہم میں حق ایک دائرے کی طرح رہ گیا جو کہ اس کا حاطہ کرنے والا ہے۔ تو اس نے حق تعالیٰ کی معرفت کی مہک تک نہیں پائی۔ اگر صاحب تحقیق ہوتا تو اپنے نفس کو دیکھتا کہ جہات ستہ نے اس کا احاطہ نہیں کیا۔ اور یہ اس لئے کہ وہ عالم حس میں سے نہیں۔ تو جس طرح اپنے نفس کو جہت کے بغیر سمجھتا ہے اسی طرح حق کا مشاہدہ کرتا جہت کے بغیر۔ رہا عبد کا ظاہر تو وہ صرف جہت کعبہ کی طرف رخ کرنے والہ ہے۔ پس معلوم ہوا کہ حق کی رؤیت باطن کے ساتھ جہت کے بغیر مطلقہ غیر مقیدہ رؤیت ہے۔ اور یہاں طویل کلام فرمایا۔ اور شیخ نے ۳۱۹ ویں باب میں فرمایا: جان لو کہ ذات مقدس کے لئے علی الاطلاق غنیٰ ہے اور حادث کے لئے کیونکر ممکن کہ قدیم کو پہچان لے۔

واستغفر لذنبك کا معنی

اور شیخ نے ۳۲۴ ویں باب میں اللہ تعالیٰ کے قول واستغفر لذنبك (المومن آیت ۵۵) کے متعلق فرمایا کہ یہاں ذنب سے مراد بندے کے دل میں اس حقیقت کی معرفت کی طلب کا کھٹکا ہے جس پر کہ حق تعالیٰ جلوہ گر ہے جسے دارین میں پہنچا نہیں جا سکتا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ذنب سے مراد آپ کی امت کا ذنب ہے۔ تو مخاطب آپ ہیں اور مراد آپ کا غیر ہے۔ آپ کے مقام کے یہی لائق ہے۔

اور ۳۶۰ ویں باب میں فرمایا: ذات الٰہی میں غور وفکر کی نگاہ صرف اسی لئے حرام ہے کہ اس سے غور وفکر والا معرفت حقیقت تک نہیں

پہنچتا جیسے کہ ہر عقل سلیم والا پہنچانتا ہے۔
اور ۳۶۷ ویں باب میں فرمایا: حق تعالیٰ نے اپنا نام باطن اسی لئے رکھا ہے کہ دنیا و آخرت میں ساری کائنات سے علم بالذات مخفی ہے۔
اور ۳۷۳ ویں باب میں فرمایا کہ جب ماہیات حق غیر معلوم ہے تو اس پر ایک کی جگہ دوسرے امر کا حکم لگانا عظیم جہالت ہے۔
اور ۳۶۹ ویں باب میں فرماتے ہیں: جان لو کہ حق تعالیٰ کی ذات کو خلق خدا میں سے کوئی نہیں جانتا پس وہ ہر معلوم وراء ہے۔ شیخ محی الدین کی فتوحات یکہ ہا کے تمام ابواب میں کلام اختتام پذیر ہوا۔

پس اے بھائی! اس میں غور کر۔ پس قریب ہے کہ تو کسی کتاب میں اتنا مجموعہ مسائل کبھی نہیں پائے گا۔ اور اسی سے ہوئی اور تعصب سے خارج ہر عقل مند جان لیتا ہے کہ شیخ اللہ تعالیٰ کے لئے تنزیہہ کے بارے میں وہاں تک پہنچے ہیں کہ قریب ہے کہ کوئی ولی وہاں تک پہنچا نہ دیکھا جا سکے۔ اور آپ جسمیت کے قول سے بالکل بری ہیں ان لوگوں کے علی الرغم جو کہ اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں رکھتے اور آپ کے متعلق اس برے عقیدے کی اشاعت کرتے ہیں۔ حالانکہ آپ نے اپنے عقیدہ صغریٰ میں صراحت فرمائی ہے جس کا مفہوم یہ ہے: جان لو کہ حق تعالیٰ جوہر نہیں کہ اس کے لئے مکان مقدر کیا جا سکے۔ اور عرض بھی نہیں کہ اس پر بقاء محال ہو۔ نہ جسم ہے کہ اس کے لئے جہت اور ست ہو۔ پس وہ جہات اور اطراف سے منزہ ہے۔ انتہی

اور آپ نے باب الاسرار میں فرمایا: جمہور متکلمین اس کی ذات کے لئے عرض کے عدم ہونے کی طرف اس لئے گئے ہیں تا کہ خالق، حق اندوام خلاق ہو۔ اور حاصل گفتگو یہ ہے کہ حق تعالیٰ تمام مراتب میں اپنی مخلوق سے جدا ہے اور وہ تمام خلق کی معلومات سے وراء ہے۔ والسلام

پس اس بحث پر غور کر۔ اور اللہ تعالیٰ ہی تیری ہدایت کا وارث ہو

خاتمہ

استاذ ابو اسحاق الاسفرائنی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: مسئلہ توحید میں متکلمین نے جو کچھ کہا ہے اہل حق نے وہ سب کچھ دو کلمات میں جمع فرما دیا ہے۔ پہلا۔ یہ عقیدہ رکھنا کہ اوہام میں جو کچھ متصور ہے اللہ تعالیٰ اس کے خلاف ہے۔ دوسرا یہ عقیدہ کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کسی ذات کے مشابہہ ہے نہ ہی صفات سے معطل۔ اور اللہ تعالیٰ نے ولم یکن له کفوا احد (اخلاص آیت ۴) میں اسے تاکیداً بیان فرمایا ہے۔ انتہی

اور اے بھائی! جان لے کہ حق تعالیٰ کی ذات منزہ بالذات ہے۔ اور شیخ نے ۷۲ ویں باب میں فرمایا: جان لو کہ حق تعالیٰ کو اس کی مخلوق کی صفات سے منزہ اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ توحید اسے منزہ کہتی ہے نہ مخلوق کے اس کو منزہ کہنے کی وجہ سے۔ کیونکہ مخلوق کی تنزیہہ مرکب ہے۔ اور جسے اس کا حکم ہے وہ مخلوق ہے۔ تو اس سے وہی صادر ہوگا جو اس جیسا ہوگا۔ لیکن جب شارع نے ہمیں تنزیہہ کی شرعی ذمہ داری کا پابند فرمایا تو ہم نے اسے اس کے مقام پر رکھا اور اس کے حکم کے مطابق اس کے حضور قرب کے طور اس کے قائل ہوئے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اس کی مثل کوئی شے نہیں۔ پس جس تنزیہہ کا اس نے بندے کو حکم دیا ہے وہ اس تنزیہہ کا عین نہیں جو کہ حق تعالیٰ نے اپنی ذات کے متعلق بیان فرمائی۔

تنزیہہ اور تقدیس کے درمیان فرق

اگر تو کہے کہ تنزیہہ اور تقدیس کے درمیان کیا فرق ہے؟ تو اس کا جواب لواقح الانوار میں شیخ نے یہ دیا ہے کہ ان دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ تنزیہہ نہیں ہوتی مگر حق تعالیٰ کی جانب میں نقص کے توہم کے متعلق دل میں مخفی خوف کے ساتھ۔ رہی تقدیس تو یہ صرف صفات کمال و جمال میں ہوتی ہے۔ وہاں کسی توہم نقص کے متعلق دل میں مخفی خوف معدوم ہوتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ حق عبد میں تنزیہہ کی بہ نسبت تقدیس اکمل ہے۔ اسی لئے شیخ نے باب الاسرار میں فرمایا ہے کہ تسبیح تردید ہے۔ کیونکہ جسے نقص لاحق نہیں ہوتا اس کی تنزیہہ نہیں ہوتی۔ لیکن چونکہ بعض بندوں کی طرف سے کسی نقص کا مخفی خوف اس وقت واقع ہو جب انہوں نے بعض مقامات میں حق تعالیٰ کو اپنی صفات پر محمول کیا تو بندے کے لئے اس شعور سے اس کی تنزیہہ مشروع ہوئی۔ گرچہ غور وفکر کرنے والے کے نزدیک یہ محال ہے۔

اور میں نے سیدی علی الخواص رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ علماء باللہ تعالیٰ کی تسبیح تو صرف اللہ تعالیٰ کے اپنے متعلق قول کی حکایت ہے۔ پس وہ اسے تلاوت کے طریقے سے ادا کرتے ہیں کیونکہ وہ حضرات ایسے توہم میں پڑنے سے صحیح وسالم ہیں جو کہ کسی قسم کے نقص کا پتہ دے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

پانچویں بحث

ایجاد عالم کے بارے میں

یہ عقیدہ واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سارا عالم ایجاد فرمایا جس کی اسے حاجت نہیں۔ اور نہ ہی کسی موجب کی وجہ سے اس پر یہ واجب تھا۔ صرف اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا علم سابق تھا تو ضروری تھا کہ وہ اسے پیدا کرتا جسے اس نے پیدا فرمایا۔ پس وہ سارے جہانوں سے بے نیاز، فاعل بالاختیار ہے نہ بالذات۔ اپنی ذات کے ساتھ افتتاح وانتہاء کے بغیر موجود ہے بلکہ اس کا وجود ہمیشہ قائم بالذات ہے۔ یہ متکلمین کا کلام ہے۔

ایجاد عالم کے متعلق شیخ محی الدین کی نقول

اور چاہئے کہ ہم اس مبحث پر شیخ محی الدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نقول کے ساتھ شرح وبسط کے ساتھ گفتگو کریں۔

پس ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق کے ساتھ کہتے ہیں۔ شیخ نے فتوحات کے ۲۲۹ ویں باب میں ذکر کیا کہ یہ کہنا جائز نہیں کہ حق تعالیٰ کا اپنے اسماء وصفات کے ظہور میں وجود عالم کا محتاج ہے کیونکہ بے نیازی علی الاطلاق اسی کے لئے ہے۔

امام شعرانی فرماتے ہیں کہ یہ اس شخص کا صریح رد ہے جس نے شیخ کی طرف، یہ بات منسوب کی کہ آپ اس کے قائل ہیں کہ حق تعالیٰ اپنے اسماء کے حضرات کے ظہور میں اپنی خلق کی طرف محتاج ہے۔ اگر اس کی خلق نہ ہوتی تو ظاہر نہ ہوتا اور نہ ہی کسی کو اس کی معرفت ہوتی۔

اور سب عقلاء کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات پر قدرت کے ساتھ موصوف ہے نہ اپنے وجود کے ارادہ کے ساتھ۔ کیونکہ ارادے کی شان ہے کہ صرف معدوم کے ساتھ متعلق ہوتا ہے جبکہ اللہ موجود ہے۔ اور قدرت کی شان ہے کہ صرف ممکن کے ساتھ متعلق ہوتی ہے یا واجب بالغیر کے ساتھ۔ جبکہ اللہ تعالیٰ واجب الوجود لنفسہ ہے۔ انتہی۔

کتب ربکم علی نفسه الرحمۃ کا معنی

اگر تو کہے کہ جب حق تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں تو اس کے اس قول کا کیا معنی کتب ربکم علی نفسه الرحمة (الانعام آیت ۵۴) تمہارے رب نے اپنے اوپر لازم کرلی رحمت)۔ نیز اس کا یہ ارشاد و کان حقا علینا نصر المومنین (الروم آیت ۴۷) اور ہمارے ذمہ ہے ایمان والوں کی مدد فرمانا)۔ اس سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ حق تعالیٰ کی شان نہیں کہ اس نے اپنے اوپر ایمان والوں کے لئے جو رحمت اور مدد لازم فرمائی ہے اس کی خلاف ورزی فرمائے۔

تو اس کا جواب شیخ نے ۳۷۶ ویں باب میں یوں دیا ہے کہ حق تعالیٰ کے لئے یہ اختیار ہے کہ اپنے اوپر جو چاہے واجب فرمائے لیکن یہ اس کے بندوں پر واجب کی حد میں داخل نہیں ہوتا کہ اس واجب کا ترک منع ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جو چاہے کرے۔ پس اسے اختیار ہے کہ لکھے ہوئے کے خلاف کرے اور ایمان والوں میں سے جس کی چاہے مدد نہ فرمائے۔ اور اسے کوئی مذمت و ملامت لاحق نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ یکتا مختار سے درست نہیں کہ اپنے اوپر لازم کرے۔ اگر لازم کرے تو اس پر پورا کرنا لازم نہیں آتا۔ بخلاف عبد کے کہ جب وہ نذر کے ساتھ اپنے اوپر کسی چیز کو لازم کرلے تو اس کے واجب شرعی کی حد میں داخل ہونے کی وجہ سے اسے پورا کرنا لازم ہوجاتا ہے۔ اور قدرت کے باوجود اگر نذر پوری نہیں کرے گا تو گنہگار ہوگا۔ اور یہ اسے سزا کی طرح ہے کہ اس نے اپنے اوپر اس چیز کو واجب کرلیا جسے اللہ تعالیٰ نے اس پر واجب نہیں فرمایا۔ اور یوں اس نے تشریع میں حق کے ساتھ مزاحمت کی۔

رہا اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ و کان حقا علینا نصر المومنین تو اس سے مراد وہ ہے جسے ۳۴۳ ویں باب میں شیخ نے بیان کیا کہ علم الٰہی ازل سے ہی جب اس چیز سے متعلق ہوا جس میں ہماری سعادت ہے تو وہ وجوب اس وجہ سے نسبت پر تھا یعنی اس طریق کا پایا جانا ضروری ہے جو اس امر تک پہنچانے والا ہے جس کے ساتھ علم متعلق ہوا۔ اور اس میں طویل کلام فرمایا۔ پھر فرمایا: پس معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں۔ اگر وہ خود اپنے اوپر کوئی چیز واجب کرے تو اسے حضرت اطلاق سے اس سے رجوع کرنے کا حق ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ کے لئے دو بارگاہیں ہیں۔ بارگاہ تقیید۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ان الله لا یغفر ان یشرك به (النساء آیت ۴۸) بیشک اللہ تعالیٰ اسے نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے)۔ تو شرعاً یہ درست نہیں کہ اس کے متعلق جو خبر دی ہے اس کے خلاف ہو۔ اور بارگاہ اطلاق۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ یغفر لمن یشاء و یعذب من یشاء (آل عمران آیت ۱۲۹) بخشتا ہے جسے چاہے اور عذاب دیتا ہے جسے چاہے)۔ اور محقق اولیاء اللہ کا مذہب یہ ہے کہ ادب لفظی کے طور پر اسے مطلق رکھیں جسے حق تعالیٰ نے اطلاق کے ساتھ بیان فرمایا اور اسے مقید رکھیں جسے مقید بیان فرمایا۔ اور خاص کو عام پر اور عام کو خاص پر محمول نہ کریں۔ انتہی۔

وجود مطلق اور وجود مقید

اور اس کی تائید اس وضاحت سے بھی ہوتی ہے جسے شیخ نے ۲۹۳ ویں باب میں ذکر فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے و رحمتی وسعت کل شیء فسأ کتبها للذین یتقون (الاعراف آیت ۱۵۶) میں اسے ان کے لئے لکھوں گا جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں)۔ اور وہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی دو جود ہیں۔ جود مطلق۔ جود مقید۔ فرمایا کہ یہ آیت جود مطلق سے ہے۔ رہی جود مقید تو وہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کتب ربکم علی نفسه الرحمة۔ یعنی اس نے اپنے آپ پر رحمت واجب اور فرض کرلی ایک خاص قوم کے لئے جنہیں عمل

خاص کے ساتھ بیان کیا۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔ **انه من عمل منکم سوء ا بجهالة ثم تاب من بعده و اصلح فانه غفور رحیم** (الانعام آیت ۵۴) تو جو کوئی تم میں سے برائی نادانی سے کر بیٹھے پھر اس کے بعد توبہ کرلے اور اصلاح کرلے تو بیشک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا نہایت رحم فرمانے والا ہے)۔ تو یہ جو اس کے لئے مقید بالوجوب ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے سابق وعدے کے مطابق یہ صفت ہو۔ اور وہ اس عمل خاص کا عوض ہے۔ پس بیشک توبہ اور اصلاح جو مطلق ہے ہے۔ اور تحقیق اس کی جو اس کی جو سامنے آگئی۔ تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر اس کے ماسوا نے حکم نہیں لگایا۔ اور نہ ہی اسے اس کے غیر نے مقید کیا پس مبدا ان دونوں جو دوں کے درمیان گویا عرض زائل ہے۔

فرماتے ہیں کہ تیرے لئے واضح ہو گیا کہ وجہ اطلاق مشروع ہے اور وجہ تقیید معقول۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف بیٹے کی نسبت کا اطلاق منع فرمایا اور اسے لو کے حکم کے تحت داخل فرمایا۔ اور جیسے اللہ تعالیٰ نے قول الٰہی کی تبدیلی اس قول سے ساتھ ممنوع قرار دی ما یبدل القول لدی (ق آی ۲۹) میرے ہاں حکم بدلا نہیں جاتا۔

شیخ نے فرمایا: اور عقل بیٹے کے محال ہونے میں دلالت عقلی کرتی ہے۔ اور جیسے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں دلالت عقلیہ ہے ولو **شاء لهدا کم اجمعین** (الانعام آیت ۱۴۹) اور اگر اللہ چاہتا تو سب کو ہدایت دیتا)۔ اور لو کا لفظ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے آپ میں بااختیار ہے اگر چاہے تو جو چاہے حکم دیتا ہے۔ اگر چاہے تو نہ چاہے۔ پس میں نے اخبار الٰہیہ کے ورود کو دیکھا جیسا کہ دیکھا جاتا ہے۔ اس کے باوجود عقل اس کا خیال لاتی ہے اور طویل کلام فرمایا۔

پھر فرمایا: ہماری اس تقریر سے تجھ پر ظاہر ہو گیا کہ حق تعالیٰ کے ہم پر واجب کردہ امور جیسے نماز اور دیگر عبادات شرعیہ سے ہمیں مانوس کرنے کے لئے اپنے اوپر بعض امور واجب فرمائے۔ پس اگر ہم اسے اپنے رب سبحانہ وتعالیٰ کی رضا کے لئے اپنے اوپر واجب کرلیں جیسے نذر مان لینا تو وہ ہم پر واجب فرما دیتا ہے تاکہ امتیاز رہے۔ پس ہم اس کے چھوڑنے سے گنہگار ہوتے ہیں۔ اور اگر اللہ تعالیٰ اسے ترک فرما دے جسے اس نے اپنے اوپر واجب کیا ہے تو اس کے لئے یہ حکم نہیں ہوگا پس ہم پر اس فعل کو اپنانا واجب نہیں ہوا جسے ہم نے اپنے اوپر واجب کیا مگر اس حیثیت سے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے ہم پر واجب فرمایا نہ اس حیثیت سے کہ اسے ہم نے اپنے آپ واجب گردانا۔ کہ اگر اللہ تعالیٰ اسے ہم پر واجب نہ فرماتا جسے ہم نے اپنے اوپر واجب کیا تو اس کی ترک سے ہم گنہگار نہ ہوتے۔ البتہ حق تعالیٰ جب اسے پورا فرماتا ہے جسے اس نے اپنے اوپر واجب فرمایا تو یہ اس کی طرف سے فضل، احسان اور مکارم اخلاق کے طور پر ہے۔

مسئلہ وعید

اگر تو کہے کہ یہ بات اس صورت میں ظاہر ہے جب اللہ تعالیٰ خیر کے وعدے کو پورا فرمائے۔ اگر عاصیوں کے ساتھ شر کی وعید ہو تو پھر کیا حکم ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے صرف خیر ہی صادر ہوتی ہے۔ لیکن خیر کی دو قسمیں ہیں۔ خیر محض اور خیر مخلوط۔ خیر محض تو وہ ہے جسے نفوس برا نہیں جانتے۔ جبکہ خیر مخلوط وہ ہے جس میں شر کی کوئی قسم ہو۔ جیسے تلخ دوا پینا۔ تو اس خیر والا معذب مرحوم کی طرح ہے۔ اپنے عذاب کے متعلق جب غور کرے تو اسے رحمت اور تادیب پاتا ہے۔ یہ موحد گنہگاروں کا حکم ہے۔ رہے وہ بدبخت جن پر عذاب کا کلمہ ثابت ہو گیا تو وہ شر محض ہے۔ اس میں کسی وجہ سے بھی خیر کا کوئی پہلو نہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے لطف کا سوال کرتے ہیں۔

حضرت سہل بن عبداللہ التستری اور ابلیس کے درمیان مناظرہ

اور شیخ محی الدین نے ۲۹۳ ویں باب میں بھی وہ کچھ ذکر کیا ہے جو اہل سنت و جماعت کے اس اعتقاد کی تائید کرتا ہے کہ حق تعالیٰ پر کچھ بھی واجب نہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ سہل بن عبداللہ تستری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ابلیس سے ملاقات ہوئی میں نے اسے پہنچان لیا۔ اور اس نے بھی معلوم کر لیا کہ میں نے اسے پہنچان لیا ہے۔ پس میرے اور اس کے درمیان مناظرہ واقع ہو گیا۔ اس نے مجھے سنائیں اور میں نے اسے سنائیں۔ اور ہمارے درمیان گرما گرم گفتگو ہوئی اور جھگڑا طویل ہو گیا۔ یہاں تک کہ وہ رک گیا اور میں بھی رک گیا۔ اور وہ حیرت زدہ ہو گیا اور میں بھی گرفتار حیرت۔ اس نے آخر میں مجھے یہ کہا: اے سہل بیشک اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ورحمتی وسعت کل شی ءیعنی بڑے رحمت ہر شی پر کشادہ ہے۔ بالکل درست۔ اور تجھ پر مخفی نہیں کہ میں بھی شی ء ہوں۔ اور کل کا لفظ احاطہ اور عموم کا تقاضا کرتا ہے مگر جسے خاص کر لیا جائے۔ اور شی تمام نکروں سے زیادہ نکرہ ہے۔ پس اس کی رحمت مجھے اور تمام نافرمانوں پر کشادہ ہے۔ پس تم لوگ کونسی دلیل کے ساتھ کہتے ہو کہ اللہ کی رحمت ہمیں نہیں پہنچے گی۔

سہل کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی قسم اس نے مجھے اپنی گفتگو کی لطافت۔ ایسی آیت پیش کرنے میں کامیابی۔ اس لئے وہ مفہوم اخذ کر کے جو میرے فہم میں نہ آیا اور آیت کی اس دلالت کے علم کی وجہ سے جو مجھے حاصل نہ ہو سکا مجھے مہر بلب اور حیرت زدہ کر دیا۔ پس میں حیران و پریشان رہ گیا۔ میں نے اپنے نفس میں اس آیت کی تکرار شروع کر دی۔ جب میں اللہ تعالیٰ کے اس قول پر پہنچا **فسا کتبھا للذین یتقون ویوتون الزکوۃ والذین ھم بایاتنا یومنون الذین یتبعون الرسول النبی الامی** (آیت ۱۵۶، ۱۵۷ الاعراف) یعنی میں رحمت لکھدوں گا ان لوگوں کے لئے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں،۔ زکوۃ ادا کرتے ہیں اور وہ جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں۔ جو پیروی کرتے ہیں اس رسول کی جو نبی امی ہے' جب میں نے آخر تک یہ آیت پڑھی تو خوشی ہوئی کہ مجھے گمان ہوا کہ میں ایسی دلیل پانے میں کامیاب ہوا اور اس پر غالب آ گیا کہ اس کی کمر ٹوٹ گئی۔ پس میں نے اسے کہا۔ ادھر آ او ملعون! بیشک اللہ تعالیٰ نے اسے مخصوص صفات کے ساتھ مقید فرمایا ہے جو تجھے اس عموم سے خارج کر رہی ہیں۔ پس اسے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد آخر تک سنایا۔ ابلیس مسکرایا اور کہنے لگا اے سہل! تقیید تیری صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفت نہیں۔ پھر اس نے کہا: اے سہل! مجھے گمان نہ تھا کہ تجھے اللہ تعالیٰ کے متعلق جہالت یہاں تک لے جائے گی جو کہ میں دیکھ رہا ہوں نہ ہی مجھے گمان تھا کہ تو یہاں تک ہے۔ اے کاش تو خاموش رہتا۔ اے کاش تو خاموش رہتا۔ اے کاش تو خاموش رہتا۔

سہل کہتے ہیں کہ میں سوچ میں پڑ گیا۔ دم گھٹنے لگا۔ پانی میرے حلق میں اٹک گیا۔ اسے کوئی جواب دے سکا نہ ہی اس کے سامنے دروازہ بند کر پایا۔ اور مجھے معلوم ہوا کہ اس نے کوئی طمع کی ہے۔ اور وہ چلا گیا۔ میں بھی وہاں سے علیحدہ ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کی قسم اس کے بعد میں جان نہ سکا کہ کیا ہو گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کسی نص میں ارشاد نہ فرمایا جو کہ اس اشکال کو دور کرے۔ پس میرے نزدیک یہ امر مخلوق کے بارے میں اس کی مشیت پر باقی ہے۔ میں اس بارے اس پر کوئی حکم قائم نہیں کرتا۔ سوائے اس کے جو وجوب ایمان کے لئے اس نے اپنے متعلق حکم فرمایا ہے۔ سہل بن عبداللہ تستری کی گفتگو ختم ہوئی۔

شیخ محی الدین فرماتے ہیں کہ میں پہلے کہا کرتا تھا کہ میں نے ابلیس سے زیادہ دلیل میں قاصر اور اس سے زیادہ جاہل نہیں دیکھا۔

جب میں اس مسئلہ سے واقف ہوا جس کی اس سے حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے حکایت کی ہے تو مجھے تعجب ہوا اور معلوم کیا کہ ابلیس نے ایسا علم حاصل کیا ہے جس میں جہالت نہیں۔ اسے اس مسئلہ میں سہل کو فائدہ پہنچانے کا مرتبہ حاصل ہے۔ انتہی۔ تحقیق واضح ہو چکا کہ اللہ تعالیٰ نے سارا جہان پیدا فرمایا جبکہ اسے اس کی کوئی حاجت نہیں۔ نہ ہی کوئی موجب ہے جس نے اس پر یہ واجب کیا ہو۔

ذات حق کے غنی عن العالمین ہونے کی وجہ

اور رہی وجہ اللہ تعالیٰ کے تمام جہانوں سے بے نیاز ہونے کی تو شیخ نے ۲۷ ویں باب میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایجاد عالم اس لئے نہیں فرمائی کہ اسے اس کی ضرورت ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اشیاء نے اپنے امکانی عدم کی حالت میں جب اس ذات سے اپنا وجود طلب کیا جس کی طرف وہ بالذات محتاج ہوئے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ اشیاء اس کے غیر کو نہیں پہنچانتی تھیں تو جب اپنے فقر ذاتی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے طلب کی کہ انہیں ایجاد فرمائے تو حق تعالیٰ نے ان کی درخواست قبول فرمائی۔ ان کی طرف اپنی کسی ضرورت کی وجہ سے نہیں۔ کیونکہ اشیاء تو اپنے عدم نسبی کے حال میں اللہ تعالیٰ کے لئے اس طرح مشہود تھیں جس طرح وہ اپنے وجود کی حالت اس کے لئے مشہود ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ ان کے وجود اور ان کے عدم کی حالت میں، وہ اپنے جن حقائق میں ہیں ایک ہی ادراک کے ساتھ ان کا ادراک فرماتا ہے۔ اسی لئے اس کا اشیاء کو ایجاد کرنا ضرورت کی وجہ سے نہیں۔ بخلاف بندے کے۔ کہ حق تعالیٰ اگر اسے حرف کن عطا فرمائے اور وہ کسی شے کی ایجاد کا ارادہ کرے تو وہ اسے ایجاد نہیں کرتا مگر اس کی ضرورت اور حاجت کی وجہ سے۔ جس بندے نے صرف اسی کی طلب کی جو کہ اس کے پاس نہیں ہے تا کہ وہ اس کے پاس ہو۔ پس بندے کی ایجاد اللہ تعالیٰ کی ایجاد سے جدا ہو گئی۔

شیخ نے فرمایا کہ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ اگر اس کے حصول کی خاطر بطور عوض تیری جان چلی جائے تو بھی اس کے حق میں قلیل ہے کیونکہ یہ قدم پھسلنے کی جگہ ہے۔ کئی اہل اللہ یہاں پھسل گئے اور ان لوگوں کے ساتھ مل گئے جن کی اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول میں مذمت فرمائی **لقد سمع اللہ قول الذین قالوا ان اللہ فقیر و نحن اغنیاء** (آل عمران آیت ۱۸) بیشک اللہ نے ان کی بات سن لی جنہوں نے کہا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں)

سوال و جواب

اگر تو کہے کہ بعض نے شیخ سے نقل کیا کہ آپ یہ شعر پڑھتے تھے۔

الکل مفتقر ما الکل مستغنی　　ھذا الحق قد قلنا دلانکنی

یعنی سب فقیر ہیں۔ سب غنی نہیں۔ یہی حق ہے جسے ہم کنائے کے بغیر کہہ دیتے ہیں۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس قسم کی عبادات کتاب الفصوص وغیرہ میں آپ کی طرف بہتان کے طور پر منسوب کی گئی ہیں۔ کیونکہ مذکورہ بالا یہ آپ کی عبارت النص آپ سے اس کے خلاف ایسی باتیں نقل کرنے والے کی تکذیب کر رہی ہے۔

اور آپ نے ۳۶۱ ویں باب میں اللہ تعالیٰ کے اس قول کے متعلق کہ **ان اللہ لغنی عن العالمین**۔ یعنی بیشک اللہ تعالیٰ جہانوں سے غنی ہے۔ یہی فرمایا ہے یعنی وجود عالم سے غنی ہے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے اسباب ظاہر فرمائے اور ان کے بعض کا ظہور بعض کے ظہور پر مرتب فرمایا تو ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ وجود عالم سے غنی ہے نہ کہ اس کے ثبوت سے۔ تو اس عبادت سے بعض مقلدون نے افتقار کی بو اس حیثیت محسوس کی کہ

بعض کا ظہور بعض پر مرتب ہے اور وہ اس سے غافل رہا کہ یہ اصل میں مختار کا فعل ہے جو عالمین سے غنی ہے تو اس کی وجہ سے دھوکے کے قدم پھسلے اور وہ ہلاکت کے گڑھے میں جا گرا۔ کیونکہ علم الٰہی میں عالم کے ثابت ہونے سے اس کے وجود کی ضرورت لازم نہیں آتی۔ کیونکہ جو اس سے اور اس کے ایجاد سے غنی ہوا سے اس کی طرف محتاج ہونے کی وصف لاحق نہیں ہو سکتی۔ اور جب عاقل کے نزدیک قدموں کو پھسلانے والے مقامات میں باہم اختلاف ہو تو اس حکم کے ساتھ ہو جو کمالات کی برتری کے ساتھ موصوف ہو۔ کیونکہ اس وقت وہ دربار خداوندی کی مدد کرنے والا ہوگا۔

ثبوت اور وجود

اور اس کی وضاحت میں فرمایا کہ اے بھائی! تجھے معلوم ہونا چاہئے کہ علم الٰہی جب عالم کے ساتھ اس حیثیت کے ساتھ متعلق ہو کہ وہ اس میں ثابت ہے۔ یہی کافی ہے۔ پھر اگر حق تعالیٰ چاہے تو اس کی عالم شہادت کی طرف ایجاد فرما دے اور چاہے تو اس کی ایجاد نہ فرمائے۔ پس اللہ تعالیٰ نے گرچہ اسے ایجاد فرمایا لیکن اسے اس کی ضرورت سے موصوف نہیں کیا جا سکتا بلکہ وہ تو اس کے وجود سے غنی ہے۔ اور الوھیت نے اس کے ممکن ہونے کے ساتھ اپنا حق ادا کر دیا۔ اور اگر ممکنات نے افتقار کی زبان کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے یہ طلب نہ کیا ہوتا کہ اسے وجود کا ذائقہ چکھا دے جیسے کہ عدم کا چکھایا تو اسے ظاہر نہ فرماتا۔ کیونکہ ممکنات نے واجب الوجود کے علم میں اپنے ثبوت کی زبان سے سوال کیا کہ انہیں عدم سے نکالے اور ان کے اعیان کی ایجاد فرمائے تا کہ ان کے لئے علم ذوق ہو جائے۔ پس اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے لئے نہیں، ان کے لئے ایجاد فرمایا۔ کیونکہ وہ تو ان کے وجود سے غنی ہے۔ اور اس سے بھی کہ ان کا وجود اس پر دلیل ہو۔ اور اس کے ثبوت کی علامت ہو بلکہ ترک دلالت میں ان کا عدم ان کے وجود سے زیادہ ظاہر ہے۔ تو عدم یا وجود میں سے کس چیز کو ترجیح ہے۔ جس سے کمال حق جل وعلا کے علم کا مقصد حاصل ہو۔ شیخ نے فرمایا: اسی وجہ ہم کہتے ہیں کہ اس کا عالم سے غنی ہونا وجود عالم سے اس کے غنی ہونے کا عین ہے۔

عجیب وغریب مسئلہ

اور یہ مسئلہ عجیب ہے کیونکہ اس میں ممکن کا ازل میں عدم کے ساتھ موصوف ہونا ہے۔ اور ازل کا ترجیح قبول نہ کرنا ہے۔ اور ممکن کے عدم نے اپنی ازلیت کے باوجود اسے کیسے قبول کر لیا۔ اور یہ اس لئے کہ اس حیثیت کہ وہ فی نفسہ ممکن ہے اس کے حق میں دو حکم قبول کرنا برابر ہے۔ پس اس کے لئے حال عدم فرض کیا جائے گا اور نہ ہی حال وجود۔ تو جسے اس میں اس کے فرض کے حال میں حکم ہوگا پس وہ ترجیح پائے گا۔ کیونکہ ازلی ممکن پر اس کے عدم کی حالت میں ترجیح جاری ہوگی گرچہ وہ عدم مرجح سے موصوف ہو۔

مسئلہ کی وضاحت

اور اس کی وضاحت یہ ہے کہ ترجیح اپنے فاعل یعنی مرجح سے اس کے قصد کے ساتھ ہی ہوتی ہے اور ایک حرکت معنویہ ہے جس کا حکم ہر قصد کنندہ میں اس کے مطابق ظاہر ہوتا ہے جو اسے اس کی حقیقت عطا کرتی ہے۔ تو اگر محسوس ہو تو ایک مقام کو مشغول اور دوسرے کو فارغ کرے گا۔ اور اگر معقول ہو تو ایک معنی کو زائل اور دوسرے معنی کو ثابت کرے گا اور ایک حال سے دوسرے حال میں منتقل کرے گا۔ انتہی۔

اور شیخ کی گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ یہ نہیں کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ اس سے غنی ہے جو کہ اس کے علم قدیم کے ضمن میں ہے اس حیثیت

سے کہ اس میں عالم ثابت ہے۔ کیونکہ عالم وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں معلوم ہے۔ اور معلوم کے بغیر علم صحیح نہیں۔ تو جس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ اپنے علم میں معلومات کے ثبوت سے غنی ہے گویا وہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے علم سے غنی ہے۔ دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے۔ اور یہ محال ہے۔ پس اسے سمجھ لو۔ تو مسئلہ اس سمت لوٹ آیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے علم مکنون سے عالم کو عالم شہادت کی طرف ظاہر کرنے سے غنی ہے نہ کہ اپنے علم میں اس کے ثبوت سے غنی ہے۔ اسے غور سے سمجھا جائے۔ اور ہم نے جو کچھ سمجھا ہے اس کی تائید ۵۵۸ ویں باب میں شیخ کا قول کرتا ہے جو کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کے اسم الباریٔ پر کلام کے دوران کہا: جان لو کہ حق تعالیٰ تمام معتقدات سے وراء ہے کیونکہ غنی عن العالمین ہے۔ لیکن ہمارے لئے وجود عالم کا تخیل ذہن میں ضروری ہے۔ تا کہ اس سے اللہ تعالیٰ کا غنی ہونا ثابت ہو۔ جیسا کہ صاحب مال کے بارے میں کہا جائے کہ وہ مال کے ساتھ مال سے غنی ہے۔ کیونکہ مال ہی اس کے لئے مال سے غنی ہونے کی صفت واجب کرنے والا ہے۔ پس وجود مال کے بغیر چارہ نہیں تا کہ اس سے غنی ہونے کی صفت کا تصور قائم ہو سکے۔

شیخ نے فرمایا کہ یہ مسئلہ دقیق اور کشف میں لطافت رکھتا ہے۔ کیونکہ عالم اللہ تعالیٰ کی ثناء کا وجود عالم کی حیثیت سے سبب ہے۔ جس طرح کہ اللہ تعالیٰ ہماری صفات سے منزہ نہیں مگر ہماری وجہ سے۔ تو اس پر غنا واقع نہیں ہوئی مگر ہمارے وجود کے تصور کے ساتھ۔ پس وہ ہم سے ہماری وجہ سے دائرہ عقلیہ میں غنی ہے نہ کہ کشفیہ میں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا غنی ہونا وہ ہم سے اس کے غنی ہونے کی وجہ سے ہے پس اس غنا کے اس کے لئے بطور نعت ثبوت سے چارہ نہیں۔

فرمایا: جو ارادہ کرے کہ اس پر اس امر کا تصور قریب ہو جائے تو ان اسماء کی طرف دیکھے جو حق تعالیٰ نے اپنی ذات کے متعلق فرمائے ہیں۔ ہر اسم سے عالم طلب کرتا ہے۔ پس بیشک خالق، مخلوق کو طلب کرتا ہے۔ الرازق کسی مرزوق کو۔ الرحمٰن کسی مرحوم کو اور الرب کسی مربوب کو طلب کرتا ہے۔ اور اسی طرح باقی اسماء۔ تو ہم سے اس کی غنا سمجھی نہیں جا سکتی مگر ہمارے دم سے۔ فرماتے ہیں کہ اسی وجہ سے سہل بن عبداللہ نے فرمایا کہ ربوبیت کا ایک راز ہے اگر ظاہر ہو جائے تو حکم ربوبیت باطل ہو جائے۔ اور ظہر کا معنی ہے زائل ہو جائے۔ جیسے کہ کہا جاتا ہے ظہر سلطان من البلد یعنی بادشاہ شہر سے نکل گیا۔ انتہی۔

حق تعالیٰ کے غنی عن العالمین ہونے سے کیا مراد ہے؟

اور شیخ نے ۱۴۰ ویں باب میں بھی فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ کے غنی عن العالمین ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ عالم سے اس حیثیت سے غنی ہے کہ عالم اس پر دلالت کرے۔ کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ عالم کو اپنی ذات پر دلالت کے لئے پیدا فرماتا تو دلیل کو مدلول پر فخر اور غلبہ حاصل ہوتا۔ اور حق تعالیٰ کے لئے اس سے غنی ہونا درست نہ ہوتا۔ پس دلیل بڑائی کے مرتبے پر ہمیشہ کے لئے براجمان ہوتی کہ اس طرح دال نے ایسے امر کا فائدہ دیا ہوتا کہ مدلول کے لئے ممکن نہ تھا کہ اس دال کے سوا اس تک رسائی ہو سکتی۔ تو یہ غنی عن العالمین ہونے کو باطل کر دیتا۔ پس اس وضاحت سے اس شخص کا قول ساقط ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے عالم کو اپنے اوپر دلالت کے لئے پیدا فرمایا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دلائل اس لئے قائم نہیں فرمائے کہ اس پر دلالت کریں۔ وہ تو صرف مرتبہ پر دلالت کے لئے قائم فرمائے تا کہ عبد کو معلوم ہو جائے کہ بیشک وہ الٰہ واحد ہے۔ اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ انتہی

اور فتوحات کے ۶۰ ویں باب میں شیخ کا یہ قول بھی اس کی تائید کرتا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے متعلق مذکور ہے ان اللہ غنی

عن العالمین یعنی اس کی ذات پر دلالتوں سے غنی ہے۔ کیونکہ جہاں سارے کے سارے دلالتیں ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے سارے جہان کو صرف اس لئے پیدا فرمایا کہ وہ خود اپنے اوپر دلالت کرے۔ اور اس کے لئے میری طرف عاجزی فقر اور حاجت مندی ظاہر ہو۔ کیونکہ وہاں وجود میں مجھ پر کوئی دلیل نہیں۔ کہ اگر وجود میں مجھ پر کوئی دلیل ہوتی تو مجھے اس کے ساتھ مربوط کر دیتی پس میں اس کے ساتھ مقید ہوتا جبکہ میں ایسا غنی ہوں کہ دلیلوں کا پایا جانا مجھے مقید نہیں کرتا۔ اور مجھ پر حوادث کے دلائل دلالت نہیں کرتے۔ شیخ نے فرمایا کہ اس مسئلہ میں غور کرنے والے اکثر لوگ اس وہم میں مبتلا ہیں کہ کائنات اللہ تعالیٰ پر دلیل ہے کیونکہ اپنے آپ پر نظر کرتے ہیں پس اس سے دلیل لیتے ہیں۔ جبکہ انہیں علم نہیں کہ ان کا دیکھتے ہونا ان کا وجود کے ساتھ متصف ہونے کی طرف لوٹتا ہے۔ پس وجود ہی حقیقت میں دیکھنے والا ہے اور وہ حق تعالیٰ کا نور ہے۔ نہ کہ ان کا نور ہے کہ اگر ان میں سے کسی کی ذات وجود کے ساتھ متصف نہ ہوتی تو وہ کس کے ساتھ دیکھتا۔ اس وجہ سے اس کا قول صحیح ثابت ہوا جس نے کہا کہ میں نے اللہ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ پہچانا۔ اور وہ جماعت کا مذہب ہے۔

تائید مزید

اور شیخ نے ترجمان الاشواق کی اپنی شرح میں بھی فرمایا ہے کہ تمام دلائل جنہیں حق تعالیٰ نے دلائل کے طور پر قائم فرمایا انہیں اپنے اس قول کے ساتھ مٹا دیا "لیس کمثلہ شئ" پس سارے عالم کو جہالت عجز اور حیرت کے مقام پر روک دیا۔ تا کہ عارفین پہچان لیں کہ اس نے ان سے علم سے کچھ طلب نہیں فرمایا۔ اور جو ان سے طلب نہیں فرمایا۔ تو ادب کرتے ہیں اور اپنی حیثیت سے آگے نہیں بڑھتے۔ انتہی

اور شیخ نے فتوحات کے باب الاسرار میں فرمایا: رک جا۔ بیشک عالم علامت ہے اپنے ظاہر ہونے کی۔ کس سے؟ پس وہ علامت ہے کس پر؟ وہاں سوائے اللہ کے اور اس کے فعل کے کچھ نہیں۔ اور وہ کچھ جس کی عالم کی جہالت میں گنجائش نہیں۔ کلام شیخ ختم ہوا۔

اور اب تیرے لئے ظاہر ہو چکا کہ شیخ رضی اللہ عنہ اس قول سے بری ہیں کہ حق تعالیٰ عالم کی طرف محتاج ہے۔ اور بیشک اللہ تعالیٰ وہ مطلق غنی ہے۔ اور بیشک عالم پلک جھپکنے کی قدر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف محتاج ہونے سے علیحدہ نہیں ہو سکتا۔ اور بیشک اللہ تعالیٰ اپنے مخفی علم سے عالم کو ظاہر نہیں فرمایا مگر صرف اس لئے کہ عالم شہادت کی طرف اس کے وجود کی حالت میں اس پر اپنی نعمتیں وسیع فرمائے۔ اس کے سوا کچھ نہیں۔ اور بعض صوفیا کے اس قول کا یہی معنی ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہمارے لئے ایجاد فرمایا۔ اسے ہماری طرف کوئی حاجت نہیں۔ تا کہ ہم شرعی ذمہ داریوں کے ساتھ قائم رہیں کیونکہ حق تعالیٰ اپنے آپ پر شرعی ذمہ داریاں لاگو نہیں فرماتا۔ انتہی۔ واللہ اعلم

خاتمہ

اگر کہا جائے کہ کیا کسی کے لئے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کائنات سے بے نیازی درست ہے؟ تو اس کا جواب ۱۲۵ ویں باب میں شیخ نے یہ دیا ہے کہ حقیقت میں غنی باللہ کسی کے لئے درست نہیں۔ حقیقت استغناء اسباب کی طرف لوٹتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے بالا ہے کہ اس قسم کی چیزوں کا محل ہو۔ اور اس کی وضاحت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسباب صرف اس لئے وضع فرمائے ہیں تا کہ ان کے ساتھ مخلوق کی ضرورت زائل فرمائے۔ تو کوئی بھی کائنات کے بغیر مستغنی نہیں ہوتا۔ اور عمومی طور پر غنی عن الکون صحیح نہیں ہے۔ استغناء تو صرف کسی مخلوق سے اس کے غیر کے ساتھ درست ہوتی ہے پس بعض کا یہ کہنا کہ فلاں مستغنی باللہ ہے جہالت ہے۔ اور تحقیق صرف یہی ہے کہ بندہ اس کے ساتھ مستغنی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ۔ تو جب اسے بھوک لگے تو اسے کھانے کا حکم دیتا ہے بس کھانے کے ساتھ ہی اس کی بھوک زائل ہو جاتی ہے نہ کہ کھانے کی وجہ سے۔ پس سمجھ لو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

چھٹی بحث

اس عقیدہ کے واجب ہونے میں کہ عالم کی ایجاد کے باعث اللہ تعالیٰ کی ذات میں کوئی حادث قائم نہیں ہوا نہ ہی حلول واتحاد۔ اور یہ قول تو یہاں تک پہنچا دیتا ہے۔ کہ وہ درندوں۔ حشرات الارض اور وحوش کے پیٹوں میں ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کی شان اس سے بہت بلند و بالا ہے۔

حلول واتحاد کے عقیدہ سے شیخ کی براءت

اور جان لو کہ یہ مسئلہ ان مسائل میں سے ہے جنہیں ملحدین نے شیخ محی الدین کے متعلق مشہور کر دیا ہے جیسا کہ خطبہ کتاب میں پہلے گزر چکا۔ اور اب میں تیرے سامنے فتوحات کے مختلف ابواب کے حوالے سے شیخ کے نفیس ارشادات واضح کرتا ہوں تا کہ تو یقین کے ساتھ جان لے کہ شیخ کا دامن ایسے مسائل سے بالکل پاک ہے۔ کیونکہ یہ نری جہالت ہے۔

پس میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کہتا ہوں کہ شیخ نے اپنے عقیدہ صغریٰ میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس سے بلند ہے کہ محل حوادث ہو یا خود ان میں حلول فرمائے۔ اور عقیدہ وسطیٰ میں فرماتے ہیں جان لو کہ بیشک اللہ تعالیٰ اجماعی طور پر واحد ہے اور واحد کا مرتبہ اس سے بہت بلند ہے کہ وہ کسی شے کا محل ہو اور وہ خود کسی شے میں حلول کرے۔ اور کسی شے کے ساتھ متحد ہو۔

اور فتوحات کے تیسرے باب میں فرمایا کہ جان لو کہ کسی میں اللہ کا کچھ نہیں۔ اور اس پر یہ کسی وجہ سے جائز نہیں اور باب الاسرار میں فرماتے ہیں کہ کسی عارف کے لئے یہ کہنا جائز نہیں کہ میں اللہ ہوں۔ گرچہ وہ قرب کے انتہائی درجات تک پہنچ جائے۔ اور ایسی بات سے عارف قطعاً پاک ہے۔ بری ہے۔ وہ تو صرف یہی کہتا ہے کہ میں سیر و سکون میں بندہ عاجز ہوں۔

اور ۱۶۹ ویں باب میں فرماتے ہیں کہ قدیم کبھی بھی محل حوادث نہیں ہوتا نہ ہی محدث میں حلول فرماتا ہے۔

وجود حادث اور قدیم بعض کے ساتھ اضافت اور حکم کے طور پر مربوط ہے نہ کہ عین کے عین کے ساتھ مربوط ہونے کے طور پر کیونکہ رب تعالیٰ اپنے بندے کے ساتھ ایک مرتبے میں کہیں جمع نہیں ہوتا۔ غایۃ الامر یہ کہ عبد اور رب کے مابین وجود میں اجتماع ہو اور یہ جامع نہیں۔ عبد اور رب کے مابین جامع تو دونوں میں سے ہر ایک کی طرف معنی کی نسبت سے اس حد کی نسبت ہوتا جو اسے دوسرے کی طرف ہو۔ اور ہماری مراد الفاظ کا اطلاق نہیں۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ دونوں میں سے ہر ایک کی طرف معنی کی نسبت اس کی دوسرے کی طرف نسبت کی حد کے حوالے موجود نہیں۔ انتہی

اور ولیہ کاملہ سیدۃ العجم نے شرح المشاہد میں فرمایا ہے کہ جان لو کہ عبودیت کا رابطہ ربوبیت کے ساتھ مقابلہ کا رابطہ ہے جیسے حرف لا۔ کیونکہ ان دونوں حرفوں میں سے ہر ایک جو کہ دیکھنے میں ایک ہو گئے ہیں اس حرف کی حقیقت کی وضع کے وقت دوسرے پر موقوف ہے۔ انتہی

قرب نوافل والی حدیث کا معنی

اگر کہا جائے کہ یہ حدیث کہ جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو اس کے کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اور اس کا پاؤں جس سے وہ چلتا ہے اور اس کا ہاتھ جس سے وہ پکڑتا ہے۔ اس سے کثیر جماعت نے حق تعالیٰ کے عبد

کے ساتھ اتحاد اور محل حوادث ہونے کا مفہوم لیا ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ کون شہودی اس شرط پر مرتب ہوتا ہے جو کہ حصول محبت ہے۔ تو ترتیب شہودی کی حیثیت سے حدوث آیا جس کی طرف کنت سمعہ نے اشارہ کیا نہ کہ تقریر وجودی کے اعتبار سے یہ استاذ سیّدی علی بن وفا رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

جبکہ شیخ محی الدین نے ۶۸ ویں باب میں اذان پر کلام کرتے ہوئے فرمایا **کنت سمعه و بصره الخ** سے مراد امر کا اس پر منکشف ہونا ہے جس نے اللہ تعالیٰ کا قرب نوافل حاصل کیا نہ کہ یہ کہ تقرب سے پہلے حق تعالیٰ اس کا سمع نہ تھا۔ پھر اب ہوا ہے۔ اللہ عز وجل اس سے اور طاری ہونے والے عوارض سے پاک ہے۔ شیخ فرماتے ہیں کہ یہ مسائل الٰہیہ میں بہت مشکل مسئلہ ہے۔

قویٰ روحانیہ کی بجائے صور حسیہ کے ذکر کا مقصد

اگر تو کہے کہ اس حدیث میں اللہ تعالیٰ نے سمع و بصر وغیرہا یعنی صور حسیہ کا ذکر فرمایا نہ کہ قوائی روحانیہ کا جیسے خیال، حفظ، فکر، تصور، وہم اور عقل، حسیت کی تخصیص کی وجہ کیا ہے؟

تو اس کا جواب شیخ نے ۳۴۶ ویں باب میں یہ دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حواس ظاہرہ کا ذکر صرف اس لئے فرمایا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف محتاج ہیں۔ اس کے غیر کی طرف نہیں۔ بخلاف قوائی روحانیہ کے کہ وہ حواس کے محتاج ہیں۔ اور وہ اس کے مرتبہ میں نزول نہیں فرماتا جو اس کے غیر کی طرف محتاج ہو بخلاف اس کے جو اللہ تعالیٰ وحدہ کی طرف محتاج ہو۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔ پس تیرے لئے واضح ہو گیا کہ حواس ظاہرہ زیادہ کامل ہیں کیونکہ یہی وہ ہیں جو کہ قویٰ روحانیہ کو وہ کچھ مہیا کرتے ہیں جس میں تصرف کیا جائے اور جس کے ساتھ ان کی حیات علمیہ ہے۔ واللہ اعلم

اور شیخ نے ۳۶۵ ویں باب میں بھی فرمایا: اگر حق تعالیٰ کی نداء ہمارے لئے اور ہماری نداء اس کے لئے نہ ہو تو وہ ہم سے اور ہم اس سے امتیاز نہ پاتے۔ تو جیسے اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو ہم سے حکم میں جدا رکھا اسی طرح ہم اپنی ذوات میں اس سے جدا ہیں۔ پس حلول ہے نہ اتحاد۔ انتہی۔

نفی حلول واتحاد کے بارے میں شیخ کے اقوال

اور باب الاسرار میں فرماتے ہیں کہ جو حلول کا قائل ہے وہ گرفتار علت ہے۔ کیونکہ حلول کا قول ایسی بیماری ہے جو ختم نہیں ہوتی۔ اور جس نے تیرے اور اس کے درمیان جدائی رکھی اس نے تیرے عین اور اس کے عین کو ثابت کیا۔ کیا تو نے اس کا قول دیکھا نہیں کہ **کنت سمعه الذی یسمع به**۔ پس اس نے تیسری طرف ضمیر کا اعادہ کر کے تجھے ثابت رکھا تا کہ تجھے پر دلالت کرے۔ اور اتحاد کا قول تو صرف اہل الحاد نے کیا ہے۔ جیسے کہ حلول کا قائل اہل جہالت وفضول ہے۔ کیونکہ اس نے حلول کرنے والے کو اور محل کو ثابت کیا۔ تو جس نے اپنی ذات کو حق سے علیحدہ قرار دیا اس نے خوب کیا ہے۔ اور جس نے وصل کی بات کی تو اس نے گویا اپنے خلاف گواہی دی کہ وہ جدا تھا حتیٰ کہ واصل ہوا۔ اور ایک شئے اپنے نفس سے واصل نہیں۔ اور یہاں تو صرف اس کی ذات ہے یا اس کی مصنوعات۔ انتہی۔

اور شیخ نے باب الاسرار میں یہ بھی فرمایا کہ حادث خالی نہیں ہوتا حوادث سے۔ اگر حادث کے ساتھ قدیم حلول کرے تو جسمانیت

کے قائل کا قول صحیح ہوتا۔ پس قدیم حلول کرتا ہے نہ ہی محل حوادث ہوتا ہے۔ تو جس نے وصل کا دعویٰ کیا وہ عین فضل میں ہے۔ انتہی۔

اور شیخ نے باب الاسرار میں یہ بھی فرمایا ہے تو تو ہے اور وہ وہ ہے۔ پس اپنے آپ کو اس سے بچا کہ تو وہ بات کہے جو عاشق کہتا ہے۔ کہ میں وہ ہوں جس سے محبت کرتا ہوں۔ اور جس سے محبت کرتا ہوں وہ میں ہوں۔ تو کیا یہ قادر ہوا کہ عین کو ایک کی صورت میں لوٹائے؟ نہیں۔ اللہ کی قسم وہ ایسا نہیں کر سکا۔ نہیں بیشک وہ جہالت ہے اور جہالت کو حق کی سمجھ نہیں۔ اور ہر کسی کے لئے ایک پردہ لازم جو کہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے وقت منکشف ہوتا ہے۔ وہاں آپ نے یہ بھی فرمایا۔ اس سے بچ کہ تو کہے: میں وہ ہوں۔ اور یوں مغالطے میں پڑ جائے۔ کیونکہ اگر تو وہ ہوتا تو اس کا ایسے احاطہ کرتا جیسے اللہ تعالیٰ نے خود اپنا احاطہ فرمایا۔ اور اجنبیت کے مراتب میں سے کسی مرتبہ میں اس سے جاہل نہ ہوتا۔

نیز فرمایا: جب عاشق کہتا ہے کہ میں وہ ہوں جس سے محبت کرتا ہوں اور جس سے محبت کرتا ہوں میں ہوں تو یہ عشق و محبت کی زبان کے ساتھ گفتگو ہے۔ علم و تحقیق کی زبان کے ساتھ نہیں۔ اسی لئے ان میں سے جب کسی کو ہوش آتی ہے تو اس قول سے رجوع کر لیتا ہے۔

اور آپ نے ۲۹۲ ویں باب میں فرمایا کہ حلول و اتحاد جس کا بعض کو وہم ہے کی نفی پر عظیم دلیل یہ ہے کہ تو عقل کے حوالے سے جانتا ہے کہ قمر میں سورج کی روشنی میں سے کچھ نہیں اور یہ کہ سورج اس کی طرف ذاتی طور پر منتقل نہیں ہوا۔ قمر تو صرف اس کا محل ہے۔ اسی طرح عبد میں اس کے خالق سے کچھ نہیں۔ نہ ہی اس نے اس میں حلول فرمایا۔

اور ۵۵۹ ویں باب میں طویل کلام کے بعد فرماتے ہیں اس سے تجھے دلیل ملتی ہے کہ عالم حق کا عین نہیں نہ ہی حق نے اس میں حلول فرمایا۔ کیونکہ اگر وہ عین حق ہوتا یا اس میں حق حلول فرماتا تو اللہ تعالیٰ قدیم ہوتا نہ کہ موجد۔

اور ۳۱۴ ویں باب میں فرمایا اگر صحیح ہوتا کہ انسان اپنی انسانیت سے اور فرشتہ اپنی ملکیت سے ترقی کرے اور اپنے خالق کے ساتھ متحد ہو جائے تو انقلاب حقائق صحیح ہوتا اور الہ اپنے الہ ہونے سے خارج ہو جاتا اور حق خلق ہو جاتا اور خلق حق اور کوئی علم پر اعتماد نہ کرتا اور محال واجب ہو جاتا۔ پس حقائق کے بدلنے کی طرف کبھی کوئی راستہ نہیں ہے۔

اور ۴۸ ویں باب میں فرمایا یہ کبھی صحیح نہیں کہ خلق حق تعالیٰ کے مرتبہ میں ہو جیسے یہ صحیح نہیں کہ معلول رتبہ علت میں ہو۔ اور لوائح الانوار میں فرمایا: عبد اور رب کا شہود کمال عرفان سے ہے۔ اور جو عارف کسی وقت میں بھی عبد کے شہود کی نفی کرے تو وہ عارف نہیں وہ تو اس وقت صاحب حال ہے۔ اور صاحب حال سکر میں ہوتا ہے۔ اس کے ہاں تحقیق نہیں۔

روح شیخ کا حضرت ہارون علیہ السلام سے استفادہ

اور ۳۶۷ ویں باب میں فرماتے ہیں کہ بعض مواقع میں میری روح حضرت ہارون علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئی تو میں نے عرض کیا۔ یا نبی اللہ! آپ نے یہ کیسے فرمایا: **فلا تشمت بی الاعداء** (الاعراف آیت ۱۵۰) کہ مجھ پر دشمنوں کو نہ ہنسائیں۔ اور دشمن کون ہیں کہ آپ ان کا مشاہدہ فرما رہے ہیں جبکہ ہم سے ایک شخص ایسے مقام تک رسائی حاصل کر لیتا ہے جس میں اللہ کے سوا کسی کا مشاہدہ نہیں کرتا۔ تو حضرت ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جو تو نے کہا تمہارے مقام مشاہدہ میں صحیح ہے۔ لیکن جب تم میں سے کسی نے سوائے اللہ کے کسی کا مشاہدہ نہیں کیا تو کیا نفس الامر میں عالم زائل ہو گیا جیسا کہ تمہارے مقام مشاہدہ میں ہے یا عالم باقی ہے۔ زائل نہیں ہوا۔ اور تمہارے

قلوب پر وارد ہونے والی عظیم تجلی کی وجہ سے تم اس کے شہود سے محجوب ہو گئے۔ میں نے عرض کی کہ نفس الامر میں عالم تو باقی ہے زائل نہیں ہوا۔ ہم ہی اس کے شہود سے حجاب میں ہو گئے۔ تو آپ نے فرمایا کہ اس مقام پر اللہ تعالیٰ کے متعلق تمہارا علم اسی قدر ناقص ہے جس قدر شہود عالم سے ناقص ہے۔ پس وہ تو رب کے سب آیات الٰہیہ ہیں۔ پس آپ نے مجھے وہ علم عطا فرمایا جو کہ میری پاس نہیں تھا، انتہی۔

اور آپ نے باب الاسرار میں فرمایا کہ اغیار کو اغیار ہی ترک کرتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ خلق کو ترک فرما دے تو کون ان کی حفاظت اور نگہبانی کرے گا۔ اگر تو اغیار کو ترک کر دے تو ان شرعی ذمہ داریوں کو ترک کر دے جو احادیث سے ثابت ہیں۔ اور جس نے تکالیف شرعیہ کو ترک کیا سرکش نافرمان ہو گا یا منکر۔ اور اسماء حق کے ساتھ کمال تخلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور خلق کے ساتھ مشغول ہونا ہے۔ انتہی

اور آپ نے لوائح الانوار القدسیہ میں فرمایا: کوئی بھی گرچہ مشاہدہ کے درجات پر فائز ہو کبھی نہیں کہہ سکتا کہ عالم حق کا عین ہے۔ یا وہ اس کے ساتھ متحد ہے۔ اے عزیز اپنی ذات کی طرف دیکھ تو قطعی طور پر جانتا ہے کہ تو بلا شک ایک ہے۔ لیکن تجھے یہ بھی معلوم ہے کہ تیرا تیرا ہی جسموں کا غیر ہے۔ اور تیرا ہاتھ تیرے پاؤں کا غیر ہے۔ وغیرہ۔ اور یہ اعضاء تیری عین ذات میں تفاصیل ہیں۔ یہ نہیں کہا جاتا کہ تیرا غیر ہیں۔ اور جس نے ہمارا اشارہ سمجھ لیا وہی اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا مفہوم سمجھتا ہے **قل الروح من امر ربی** (بنی اسرائیل) پس اس نے ایجاد عالم کے ساتھ اپنی ذات میں کوئی حادث پیدا نہیں فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند و بالا ہے۔ انتہی

اور آپ نے ۲۷۳ ویں باب میں بھی طویل کلام کے بعد فرمایا کہ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ قلوب اس کی وجہ سے متحیر اور عقول اس میں حیران ہیں۔ عارفین چاہتے ہیں کہ شدت تنزیہہ کی وجہ سے اسے عالم سے کلیتاً جدا قرار دیں۔ ایسا نہیں کر سکتے۔ اور چاہتے ہیں کہ شدت قرب کی وجہ اسے عین عالم قرار دے مگر ان سے ایسا نہیں ہو سکتا۔ پس وہ ہمیشہ حیران ہیں۔ کبھی کہتے ہیں ھو (وہ) اور کبھی کہتے ہیں ما ھو۔ کبھی کہتے ہیں ھو ما ھو اور اسی کے ساتھ اس کی عظمت کا ظہور ہے۔ انتہی

اور شیخ محی الدین اسی معنی میں کہتے ہیں کہ میری عجیب حالت ہے کہ ان کی طرف مشتاق ہوں اور ہمیشہ ان کے متعلق پوچھتا ہوں جبکہ وہ میرے ساتھ ہیں۔ انہیں میری آنکھیں روتی ہیں حالانکہ وہ اس سیاہی میں ہیں۔ اور میری روح ان کا اشتیاق رکھتی ہے حالانکہ وہ میرے ڈھانچے کے درمیان ہیں۔

اور سیدی علی بن وفا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قلوب تشبیہ سے زیادہ تنزیہہ کی طرف مائل ہوتے ہیں کیونکہ ذات کی شان سے ہے اطلاق لہٰذا انتہا جبکہ اپنی صفات کے لئے نسب کے برابر ہے۔ نیز فرماتے ہیں کہ قوم کے کلام میں جہاں اتحاد کا ذکر آیا ہے اس سے مراد بندے کی مراد کا حق تعالیٰ کی مراد میں فنا ہونا ہے۔ جیسے کہ کہا جاتا ہے کہ فلاں اور فلاں کے مابین اتحاد ہے، جبکہ ان میں سے ہر ایک اپنے ساتھی کی مراد کے مطابق عمل کرتا ہے۔ پھر آپ نے شعر پڑھا: تو جانتا ہے کہ ہر امر میرا ہی امر ہے۔ اسی مفہوم کا نام اتحاد ہے۔ انتہی

اور میری عمر کی قسم جب بت پرستوں نے یہ جرأت نہیں کہ اپنے معبودوں کو اللہ کا عین قرار دیں) بلکہ انہوں نے کہا **انما نعبد ھم لیقربونا الی اللہ زلفی** (زمر آیت ۳) یعنی ہم ان کی عبادت نہیں مگر محض اس لئے کہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں) تو اولیاء اللہ تعالیٰ کے متعلق کیونکر گمان کیا جا سکتا ہے کہ وہ کمزور عقول کی حد کے مطابق حق تعالیٰ کے ساتھ اتحاد کا دعویٰ کرتے ہیں۔ یہ ان کے حق میں محال کی طرح ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ کیونکہ کوئی ولی نہیں مگر وہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حقیقت تمام حقائق سے جدا ہے۔ اور یہ کہ وہ خلائق کی تمام معلومات سے وراء ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر شئے کو محیط ہے۔

اور میں نے اپنے شیخ سیدی علی الخواص رحمۃ اللہ علیہ کو یہ فرماتے سنا کہ جائز نہیں کہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ ہر مکان میں ہے۔ جس طرح کہ معتزلہ کہتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس قسم کے قول سے دلیل لیتے ہیں۔ وھو اللہ فی السموات و فی الارض (الانعام آیت ۳) اور وہی ہے اللہ آسمانوں اور زمین میں) کہ اس سے وہم سا ہوتا ہے اور وہ اپنی ذات کے ساتھ اس مکان میں حلول فرماتا ہے۔ اور اس کی تفصیل آٹھویں مبحث میں آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔

اور میں نے اپنے بھائی الشیخ الصالح زین الدین نواسۂ مرصفی رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ حق تعالیٰ کے آسمانوں اور زمین میں ہونے سے مراد اوامر و نواہی کا نفوذ اور حوادث کا اس کے ارادے کے مطابق وارد ہونا ہے واللہ اعلم۔ پس اللہ تعالیٰ کی قسم جس نے حلول۔ اتحاد اور ذات حق کے جسم کا قول شیخ محی الدین کی طرف منسوب کیا اس نے صریح جھوٹ بولا ہے جبکہ یہ تمام نصوص اس بہتان باندھنے والے کی تکذیب کر رہی ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

خاتمہ۔ شیخ محی الدین کا اپنے متعلق وضاحتی بیان

اور شیخ نے ۳۱۵ ویں باب میں وہ کچھ ذکر کیا ہے جو اس کی تائید کرتا ہے جو ہم نے ان کی طرف سے تردید کرتے ہوئے کہا اور وہ یہ ہے کہ آپ نے فرمایا: میں اپنے اس دور میں کسی ایسے ایک کو نہیں پہچانتا جو میری طرح مقام عبودیت کے ساتھ متحقق ہو۔ اور وہ یوں کہ میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث کے طور پر مقام عبودیت میں انتہاء تک پہنچ چکا ہوں۔ پس میں وہ محض خالص عبد ہوں جو کہ جہان میں کسی پر ربوبیت کے لئے طمع نہیں پہنچانتا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ مقام ھبہ کے طور پر عطا فرمایا ہے۔ اور میں نے یہ بات کسی عمل کی وجہ سے نہیں کہی۔ محض اللہ تعالیٰ کا خصوصی انعام ہے۔ اور مجھے بارگاہ خداوندی سے امید ہے کہ وہ مجھے اس مقام پر تھامے رکھے اور میرے اور اس مقام کے درمیاں حائل نہیں ہوگا حتیٰ کہ میں اس کی بارگاہ میں حاضر ہو جاؤں۔ فبذالك فليفرحوا هو خير يجمعون (یونس آیت ۵۸) پس اسی پر چاہئے کہ خوشی منائیں۔ وہ اس سے کہیں بہتر ہے جو کچھ وہ جمع کرتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

پس اے بھائی اس بحث پر غور و فکر کر تو اسے کسی کتاب میں نہیں پائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ تیری ہدایت کا وارث ہے۔

ساتویں بحث

(اللہ تعالیٰ مکان سے پاک ہے)

اس عقیدہ کے وجوب میں کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی مکان حاوی نہیں۔ نہ ہی وہ زمانے میں محدود ہے۔ کیونکہ وہ اپنی مخلوق کے حکم میں داخل نہیں۔ کیونکہ مکان ان پر حاوی اور وہ زمانے میں محدود ہیں۔ اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ تمام مراتب میں اپنی مخلوق سے جدا ہے۔ پس وہ تھا جبکہ مکان تھا نہ زمان۔ اور اس کی ذات کمی بیشی کو قبول نہیں کرتی اور وہ وہی ہے جس نے زمان پیدا کیا اور مکان اور متمکن کو پیدا فرمایا۔ پس اس کے کوئی اینیت (کہاں ہے) نہیں۔

وھو معکم اینما کنتم کا مفہوم

اگر تو کہے کہ وھو معکم اینما کنتم (الحدید آیت ۴) اور وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں بھی تم ہو) سے کیا مراد ہے کیونکہ اس سے

کمزور عقل والوں کو اینیت کا وہم لگتا ہے۔ تو اس کا جواب سیّدی محمد المغربی الشاذلی کے قول کے مطابق یہ ہے کہ یہاں کوئی وہم نہیں کیونکہ اس آیت میں اینیت خلق کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ این میں وہی مخاطب ہیں جو کہ انہیں لازم ہے اللہ تعالیٰ کو نہیں۔ پس اللہ تعالیٰ ہر صاحب این کے ساتھ این کے بغیر ہے۔ کیونکہ اسے کسی وجہ سے بھی اپنی خلق سے مماثلت نہیں۔ انتہی۔ اور اس کی تفصیل اس کے بعد والی بحث میں آئے گی انشاء اللہ العزیز۔

اور شیخ نے فتوحات کے ۲۷ ویں باب میں فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ ہمارے لئے این کے ساتھ نہیں کیونکہ جسے اینیت نہیں وہ مکان کو قبول نہیں کرتا۔ اور فرمایا یہ ان کے اس قول کی مثل ہے کہ مکان کو مکان قبول نہیں کرتا۔ تو جب این والے کے لئے این نہیں تو اس ذات کے لئے این کیونکر جس کے لئے این معقول ہی نہیں۔

نیز فتوحات کے ۴۸ ویں باب میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنے ارشاد و اسجدو اقترب (العلق آیت ۱۹) کہ سجدہ کر اور قرب حاصل کر) اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم میں کہ بندہ اپنے رب کے اس وقت بہت قریب ہوتا ہے جب وہ سجدے میں ہوتا ہے حکم سجدہ صرف اس لئے دیا اور اسے اپنا مقام قرب قرار دیا کہ ہمیں پتہ چل جائے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف فوقیت کی نسبت اسی طرح ہے جس طرح تحتیت کی نسبت۔ بس سجدہ کرنے والا اپنے چہرے کے ساتھ پستی طلب کرتا ہے جس طرح کہ قیام کرنے والا اپنے چہرے کے ساتھ بلندی مانگتا ہے۔ اور دعا کی حالت میں آسمان کی طرف ہاتھ اٹھاتا ہے۔ تو قریب نہیں کہ قیام کرنے والا اللہ تعالیٰ سے بھی کوئی چیز پستی کی سمت سے طلب کرے۔ تو اللہ تعالیٰ نے سجدہ کو قرب کے حوالے سے زیادہ قریب اور حق کے قریب اس لئے قرار دیا ہے تا کہ اپنے بندوں کو اس امر پر تنبیہ فرمائے کہ اللہ تعالیٰ فوق کا تحت سے اور تحت کا فوق سے مقید نہیں کیونکہ وہ اپنی خلق کی صفات سے منزہ ہے۔ اور اس کی تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ اگلی بحث میں آئے گی۔

خاتمہ بحوالہ کتاب البہجۃ

میں نے سیّدی شیخ عبد القادر الجیلی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کتاب البہجۃ میں یہ عبارت دیکھی کہ جان لو کہ تمہاری عبادات زمین میں داخل نہیں ہوتیں۔ وہ تو آسمان کی طرف چڑھتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **الیہ یصعد اتکلم الطیب والعمل الصالح یرفعہ** (الفاطر آیت) اسی کی طرف پاکیزہ کلام چڑھتا ہے اور نیک عمل اسے بلند کرتا ہے)۔ پس ہمارا رب سبحانہ وتعالیٰ جہت بالا میں ہے۔ اللہ علی العرش استوی۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے عرش پر استوار فرمایا۔ ورہ ملک پر حاوی ہے۔ اور اس کا علم قرآن پاک کی سات آیات جو اس مقصد میں وارد ہیں کی دلیل کے ساتھ اشیاء کو محیط ہے۔ مجھے ان کا ذکر جاہل کی جہالت اور حماقت کی وجہ سے ممکن نہیں۔ انتہی۔

امام شعرانی فرماتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں کہ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی کی کتاب میں یہ بات کسی نے آپ پر بہتان کے طور پر اپنی طرف سے لکھ دی ہے۔ یا آغاز امر میں آپ نے یہ فرمایا اور طریقت میں رسوخ کے بعد اس سے رجوع فرمایا؟ کیونکہ ہر عارف ربانی کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی مکان میں محصور نہیں۔ جبکہ حضرت شیخ قدس سرہ کی ولایت کا چار دانگ عالم میں شہرہ ہے۔ تو آپ جیسی شخصیت سے جہت کا قائل ہونا قطعاً بعید از امکان ہے۔

الیہ یصعد الکلم الطیب کا مفہوم

اور شیخ محی الدین بن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ کے قول الیہ یصعد الکلم الطیب سے لازم نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ اوپر ہی جہت میں ہو نہ کہ کسی دوسری جہت میں۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔ **وھو اللہ فی السموات و فی الارض** (الانعام آیت ۳) ایسی ظرفیت جو کہ اس کے جلال کے شایاں ہے۔ اور محققین کا اجماع ہے کہ حق تعالیٰ کا حال سجدہ میں شہود صعود ہے۔ گرچہ بندہ انتہائی نشیب میں ہو۔ رہا اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ **یخافون ربھم من فوقھم** (النحل آیت ۵۰) اپنے رب کی قدرت سے ڈرتے ہیں)۔ یعنی اپنے رب سے خوف کرتے ہیں کہ ان پر ان کے سروں کے اوپر سے عذاب نازل فرمائے۔ یہی مبنی برحقیقت عقیدہ ہے۔

امام شعرانی فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ حضور سید عبدالقادر جیلی قدس سرہ کے قول گذشتہ کو اس پر محمول کرنا درست ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جہت علو میں ہونے سے آپ کی مراد وہ جہت ہو جس سے اس نے حق تعالیٰ کے ہاں اپنی حاجت روائی کا قصد کیا ہو۔ گرچہ سفلیات میں ہو۔ یہ مقام شیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بعید نہیں۔ انتہی واللہ تعالیٰ اعلم

آٹھویں بحث

ان اللہ معنا

یہ اس عقیدہ کے وجوب میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے ہم کہیں بھی ہوں۔ دراں حال کہ وہ آسمان میں ہے۔ اس حال میں کہ وہ عرش پر مستوی ہے۔ دراں حال کہ وہ آسمانوں میں ہے اور زمینوں میں ہے۔ جبکہ وہ ہم سے شاہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ اور ان پانچ معیتوں میں سے ہر ایک کی ایک حالت ہے جو کہ مراتب اختصاص اور مراتب علم سے اسے خاص کرتی ہے۔ جیسا کہ اس مسئلہ پر شیخ محی الدین نے فتوحات کے ۱۷۷ ویں باب میں تفصیلی گفتگو کی ہے۔ اس کی طرف رجوع کر۔

معیت الٰہیہ کا مفہوم

اگر تو کہے کہ اللہ تعالیٰ کیا ان تمام مقامات میں بالذات ہمارے ساتھ ہے یا بالصفات جیسے ہمارے متعلق علم رکھتا ہے۔ ہمیں دیکھتا ہے۔ ہماری سنتا ہے؟ تو اس کا جواب شیخ عارف باللہ تعالیٰ تقی الدین بن ابو منصور نے اپنے رسالے میں یوں دیا ہے کہ بلند و بالا ذات پر معیت کا اطلاق جائز نہیں جیسا کہ اس پر استواء علی العرش کا اطلاق جائز نہیں۔ اور یہ اس لئے کہ ہمارے لئے اس کے متعلق کتاب میں نہ سنت میں کوئی تصریح وارد نہیں ہوئی۔ پس ہم اللہ تعالیٰ پر وہ اطلاق نہیں کریں گے جس کا ہمیں علم نہیں۔ انتہی

اور شیخ محی الدین نے فتوحات کے حضرات الاسماء کے باب میں اللہ تعالیٰ کے اسم الرقیب، پر کلام کرتے ہوئے فرمایا: جان لو کہ حضرات اسماء الٰہیہ میں اس کے اسم الرقیب کے سوا کوئی نہیں جو ہمیں اس امر پر تنبیہ کرے کہ اللہ تعالیٰ بذاتہ ہمارے ساتھ ہے۔ کیونکہ اس نے اس پر تنبیہ کی ہے کہ ذات غور کرنے والے کے لئے صفات سے جدا نہیں۔ اور اس کی تائید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اعرابی کا یہ قول کرتا ہے کہ ہم رب سے کوئی خیر معدوم نہیں پاتے جو کہ ضحک فرماتا ہے یعنی اظہار خوشنودی فرماتا ہے۔ کیونکہ اس نے مسکراہٹ کے توابع اس کے تابع کر دئے۔ انتہی۔ امام شعرانی فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ مشکل مسائل میں سے ہے کیونکہ اس میں قدیم وجدید

دور میں سلف کا اختلاف ہے۔ لیکن جو کہتا ہے کہ معیت صفات کی طرف لوٹتی ہے نہ کہ ذات کی طرف۔ وہ ادب میں اس سے زیادہ کامل ہے جو اس کا قائل ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات کے ساتھ ہمارے ساتھ ہے اگرچہ صفت الٰہیہ موصوف سے جدا نہیں ہوتی۔

مسئلہ معیت بالصفات یا معیت بالذات والصفات

اور ۹۰۵ھ میں جامع ازہر میں اس مسئلہ کے بارے میں شیخ بدرالدین علائی حنفی اور شیخ ابراہیم المواھبی الشاذلی کے درمیان ایک نشست منعقد ہوئی۔ اور شیخ ابراہیم نے اس کے متعلق ایک رسالہ تصنیف فرمایا۔ اور میں تیرے لئے اس کے چیدہ چیدہ نکات ذکر کرتا ہوں تاکہ تجھے اس کا پورا علم ہو سکے۔

پس میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کہتا ہوں۔ اور انہیں کی عبارت سے نقل کرتا ہوں۔ شیخ بدرالدین علائی حنفی۔ شیخ زکریا۔ شیخ برہان الدین بن ابی شریف اور ایک جماعت نے کہا کہ اللہ تعالیٰ اپنے اسماء وصفات کے ساتھ ہمارے ساتھ ہے نہ کہ اپنی ذات کے ساتھ۔ تو شیخ ابراہیم نے فرمایا: بلکہ وہ اپنی ذات وصفات کے ساتھ ہمارے ساتھ ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس پر کیا دلیل ہے؟ تو شیخ ابراہیم نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا قول واللہ معکم (محمد صلی اللہ علیہ وسلم آیت ۳۵) اور اللہ تمہارے ساتھ ہے)۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد وھو معکم (الحدید آیت ۴) اور وہ تمہارے ساتھ ہے)۔ اور یہ معلوم ہے کہ ''اللہ'' ذات کا اسم علم پس ذوقاً اور عقلاً معیت ذاتیہ کا عقیدہ واجب ہے کہ یہ نقل وعقل کے ساتھ ثابت ہے۔

ان حضرات نے کہا کہ اسے ہمارے لئے وضاحت کے ساتھ بیان کریں۔ تو آپ نے کہا کہ حقیقت معیت ایک چیز کا دوسری کے ساتھ ہونا ہے۔ برابر ہے کہ دونوں واجب ہوں جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات اپنی صفات کے ساتھ۔ یا دونوں جائز ہوں جیسے انسان اپنے جیسے کے ساتھ۔ یا واجب اور جائز [illegible] اپنی مخلوق کے لئے اللہ تعالیٰ کی اپنی ذات اور صفات کے ساتھ معیت ہے۔ جو کہ اللہ تعالیٰ کے قول واللہ معکم اور ان اللہ [illegible]ع المحسنین، ان اللہ مع الصابرین (العنکبوت آیت ۶۹۔ البقرہ آیت ۱۵۳) جیسی آیات سے سمجھ میں آتی ہے۔ اور اس کی وجہ وہ ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے کہ اسم کریم ''اللہ'' کا مدلول وہ ذات ہی تو ہے جسے صفات متعینہ لازم ہیں۔ کیونکہ وہ تمام ممکنات کے ساتھ متعلق ہے۔ اور یہ مکان میں محصور دو جسموں کی معیت کی طرح نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی خلق کی مماثلت سے پاک ہے جو کہ جسمیت کے ساتھ موصوف ہیں۔ جسے اپنے لوازم ضروریہ کی احتیاج ہے جیسے اینیت زمانیہ اور مکانیہ کی جہت میں حلول پس اللہ تعالیٰ کی معیت اللہ تعالیٰ کے کمال کی وجہ سے اور اپنی خلق کی صفات سے مبرا ہونے کی وجہ سے شبیہ اور نظیر سے بلند و بالا ہے۔ لیس کمثلہ شئ دھو السمیع البصر (الشوریٰ آیت ۱۱) اس کی مثل کوئی چیز نہیں اور وہ سنتا دیکھتا ہے۔)

نیز شیخ ابراہیم نے فرمایا: اسی لئے معیت ذات کے قول پر ہم نے حیز کائنات میں حلول لازم ہونے کے قول کی نفی کی تقریر کی ہے۔ باوجودیکہ ذات کے بغیر معیت صفات سے صفات کا ذات سے جدا ہونا نہ ہی ان کا دور ہونا۔ یا محصور ہونا لازم نہیں اور اس وقت کسی چیز کے لئے معیت صفات سے اس کے لئے معیت ذات اور اس کا عکس لازم آتا ہے کیونکہ دونوں کے مکان اور لوازم امکان سے بلند و بالا ہونے کے باوجود دونوں ایک دوسرے کو لازم ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی خلق کی صفات سے مطلقاً جدا ہے۔ جبکہ علامہ غزنوی نے شرح عقائد نسفی میں فرمایا ہے کہ معتزلہ اور جمہور بخاریہ کا یہ کہنا کہ حق تعالیٰ ہر مکان میں اپنے علم۔ قدرت اور تدبیر کے ساتھ ہے نہ کہ اپنی ذات

کے ساتھ باطل ہے کیونکہ یہ لازم نہیں کہ جو کسی مکان کا علم رکھے وہ اس مکان میں صرف علم کے ساتھ ہو مگر جبکہ اس کی صفات اس کی ذات سے جدا ہو جاتی ہوں جیسا کہ خلق کے علم کی صفت ہے نہ علم حق کی۔ انتہی

علاوہ ازیں اس قول سے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ صرف علم کے ساتھ ہے نہ کہ ذات کے ساتھ صفات کا ذات کے بغیر خود مستقل ہونا لازم آتا ہے۔ اور یہ غیر معقول ہے۔

انہوں نے شیخ ابراہیم سے کہا: کیا اس مسئلہ میں غزنوی کے علاوہ کسی نے آپ سے موافقت کی ہے؟

فرمایا: ہاں! شیخ الاسلام ابن اللبان رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ تعالیٰ کے قول ''نحن اقرب الیہ منکم ولکن لا تبصرون'' (الواقعہ آیت ۸۵ اور ہم تم سے زیادہ اس کے قریب ہوتے ہیں البتہ تم دیکھ نہیں سکتے) کے بارے میں ذکر فرمایا ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی اپنے بندے سے قرب حقیقی کی صورت میں اقربیت پر دلیل ہے جیسا کہ اس کی ذات کے لائق ہے۔ کہ وہ مکان سے برتر و بالا ہے۔ کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کے اپنے بندے سے قرب سے مراد مثلاً علم یا قدرت یا تدبیر کے ساتھ قرب ہوتا تو فرماتا ولکن لا تعلمون لیکن تم نہیں جانتے اور اس جیسا کوئی اور جملہ۔ تو جب اس نے ولکن لا تبصرون فرمایا کہ تم نہیں دیکھتے تو یہ دلالت کرتا ہے کہ اس سے مراد قرب حقیقی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہماری نگاہ سے پردہ اٹھا دے تو بصر کے ساتھ اس کا ادراک ہو سکتا ہے اس لئے کہ یہ بات معلوم ہے کہ آنکھ کے ادراک کا صفات معنویہ سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ تو صرف دیکھے جانے والے حقائق سے متعلق ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ یہی گفتگو اللہ تعالیٰ کے قول ''نحن اقرب الیہ من حبل الورید'' (ق آیت ۱۶۔ اور ہم اس سے شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں) گرچہ کیف مختلف ہے۔ اور قرب صفات اور قرب حبل الورید میں کوئی اشتراک نہیں۔ کیونکہ قرب صفات معنوی ہے جبکہ قرب حبل الورید حسی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کی انسان کی طرف حبل الورید سے اقربیت کی نسبت میں جو کہ حقیقی ہے اس پر دلیل ہے کہ حق تعالیٰ کا قرب حقیقی ہے یعنی بالذات جسے صفات لازم ہیں۔

شیخ ابراہیم نے فرمایا: کہ تمہارے سامنے ہم نے جو تقریر کی ہے اس سے اس کی نفی ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ کے ہم سے قرب سے مراد قرب بالصفات ہے نہ کہ بالذات۔ اور یہ کہ حق صریح اس کا ہم سے قرب بالذات بھی ہے۔ کیونکہ برتر و بالا ذات کے بغیر صرف صفات سمجھ میں نہیں آ سکتیں۔ جیسا کہ گزر چکا۔

پس شیخ علائی نے ان سے کہا کہ آپ کا اللہ تعالیٰ کے قول وھو معکم اینما کنتم (الحدید آیت ۴۔ تم جہاں ہو وہ تمہارے ساتھ ہے) کے بارے میں کیا ارشاد ہے کیونکہ اس سے وہم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مکان میں ہے؟

تو شیخ ابراہیم نے فرمایا: اس سے اللہ تعالیٰ کے بارے میں مکان لازم نہیں آتا کیونکہ آیت میں 'این' کا اطلاق مخاطبین کے لئے اللہ تعالیٰ کی معیت کا اس ''این'' میں فائدہ دینے کے لئے ہے جو کہ ان کو لازم ہے نہ کہ حق تعالیٰ کو۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ پس وہ ہر صاحب این کے ساتھ بلا این ہے۔ انتہی

معیت الٰہیہ شیخ عارف باللہ تعالیٰ سیّدی محمد المغربی الشاذلی کی نظر میں

اسی گفتگو کے دوران شیخ عارف باللہ تعالیٰ سیّدی محمد المغربی الشاذلی جو کہ امام جلال الدین السیوطی کے شیخ ہیں تشریف لے آئے اور

فرمایا: کہ آپ لوگ یہاں کیسے جمع ہوئے۔ تو ان حضرات نے آپ کی خدمت میں مسئلہ پیش کیا۔ آپ نے فرمایا: تم لوگ اس امر کا ذوقی علم چاہتے ہو یا سماعی؟ انہوں نے کہا: سماعی تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی معیت ازلیہ ہے۔ اس کی ابتداء نہیں اور تمام اشیاء اس کے علم میں ازل سے یقینی طور پر ابتداء کے بغیر ثابت ہیں۔ کیونکہ اشیاء اس علم کے ساتھ اس طرح متعلق ہیں کہ اس تعلق پر عدم محال ہے کیونکہ اس کے واجب الوجود علم کا معلوم کے بغیر پایا جانا محال ہے۔ اور اس علم کا اشیاء کے ساتھ طاری ہونے کا محال ہونا اس لئے ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کے علم کا نہ ہونے کے بعد حادث ہونا لازم آتا ہے۔ اور جس طرح اللہ تعالیٰ کی معیت ازلیہ ہے اسی طرح وہ ابدیہ بھی ہے۔ اس کے لئے انتہا نہیں۔ پس اللہ تعالیٰ ان اشیاء کے عدم سے عینی طور پر علم الٰہی کے مطابق حادث ہونے کے بعد یقیناً ان کے ساتھ ہے۔ اور اشیاء اپنی بساطت۔ ترکیب۔ اضافت اور تجرید کے جہانوں میں جہاں بھی ہوں ازل سے غیر محدود زمانوں تک یہی حال ہوگا۔

آپ کی گفتگو نے حاضرین کو مدہوش کر دیا۔ آپ نے ان سے فرمایا کہ معیت کے بارے میں جو تقریر میں نے کی ہے اس پر عقیدہ اور اعتماد رکھو۔ اور جو اس کے منافی ہے اسے ترک کر دو تم اپنے مولا کی تنزیہہ کا حق ادا کرنے والے ہو جاؤ گے اور اپنی عقول کو تشبیہہ کے شبہات سے خلاصی بخشنے والے ہو گے۔ اور اگر تم میں سے کسی کا ارادہ ہو کہ اس مسئلہ کا عرفان ذوقی حاصل کرے تو اپنی لگام میرے سپرد کر دے میں اسے اس کے معمولات۔ لباس، مال، اور اولاد سے جدا کر کے خلوت میں داخل کروں گا اور اسے سونے اور مرغوب چیزوں کے استعمال سے روک دوں گا۔ اور ذوق و کشف کے طور پر اس مسئلہ کے علم تک اس کی رسائی کا میں ضامن ہوں۔

شیخ ابراہیم فرماتے ہیں کہ کسی نے آپ کے ساتھ اس عہد میں داخل ہونے کی جرات نہ کی۔ پھر شیخ زکریا اور شیخ برہان الدین اور جماعت کے دوسرے لوگوں نے کھڑے ہو کر شیخ کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ اور چلے گئے۔ انتہی۔

پس اے بھائی! اس مقام میں غور و فکر کر کیونکہ یہ تجھے اب کسی کتاب میں نہیں ملے گا۔

کان اللہ و لا شئ معہ

اس مسئلہ میں شیخ محی الدین رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ آپ نے اس حدیث پاک کے متعلق کہ **کان اللہ و لا شیء معہ** (یعنی اللہ تھا اور اس کے ساتھ کوئی چیز نہ تھی) فرمایا کہ یہاں کان سے مراد کان وجودیہ ہے جیسے **و کان اللہ علیما حکیما** یعنی اللہ تعالیٰ علم وحکمت والا ہے۔ اور کان سے مراد وہ نہیں جو فعل ماضی سے ہے۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی شے کی معیت کا جملہ نہیں بولا۔ پس حق تعالیٰ اشیاء کے ساتھ ہے۔ اور یوں نہیں کہا جائے گا کہ اشیاء اس کے ساتھ ہیں کیونکہ یہ مراد نہیں ہیں۔

شیخ فرماتے ہیں کہ اس کی وضاحت یہ ہے کہ معیت تابع ہے علم کے۔ پس اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے اس لئے کہ اس کی شان ہے کہ وہ ہمیں جانتا ہے۔ جبکہ ہمیں حق نہیں پہنچتا کہ کہیں کہ میں اس کے ساتھ ہوں کیونکہ ہم اس کی ذات کا علم نہیں رکھتے بخلاف حضرات اسماء وصفات کے جو کہ مرتبہ ہے۔ حق تعالیٰ کے لئے اس کے ساتھ معیت خلق ضروری ہے۔ کیونکہ وہ عالم کا مطالبہ کرتا ہے تاکہ اس میں اس کے آثار ظاہر ہوں۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو کریم۔ رحیم اور غفور اور اسی طرح کے دیگر اسماء کے ساتھ مسمیٰ فرمایا۔ پس کریم کس پر؟ رحیم کس کے ساتھ؟ اور غفور کس کے لئے؟ اور محال ہے کہ حق تعالیٰ ان آثار کا محل ہو۔ اور اس بارگاہ کے بغیر چارہ نہیں جہاں ان اسماء کا بالفعل یا بالقوۃ حکم نافذ ہو۔ کیونکہ امکان ہمارے لئے اسی طرح ہے جس طرح حق تعالیٰ کے لئے وجوب۔ انتہی۔ اور اس کی تقریر گزشتہ بحث میں ہو چکی ہے۔

کان اللہ و لا شئ معہ کے متعلق استفسار

اگر تو کہے کہ گزشتہ حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ کس حکمت کی بنا پر نہیں فرمائے کہ وھو الآن علی ما علیہ کان۔ یعنی وہ اب بھی اسی طرح ہے جس طرح تھا۔ جیسا کہ بعض حضرات اس کے ضمن میں یہ الفاظ کہے ہیں۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ اس لئے درج نہیں فرمائے کہ الآن زمانے کے وجود میں نص ہے۔ اور اگر ہم اسے ہویت باری تعالیٰ کے لئے ظرف قرار دیں تو وہ ظرف زمان کے تحت داخل ہوگا جبکہ ذات حق اس سے بالا ہے بخلاف کان کے لفظ کے کیونکہ وہ حرف وجودی ہے کون سے جو کہ عین وجود ہے تو گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ موجود ہے اور اس کے وجود ذاتی میں اس کے ساتھ کوئی چیز نہیں۔ بیشک اس کے غیر کا اس کے ساتھ وجود تو صرف اس کی ایجاد اور اس کے اسے باقی رکھنے کی وجہ سے ہے نہ کہ مستقل ہے۔ پس معلوم ہوا کہ جس نے اس حدیث کے ضمن میں مذکورہ الفاظ بڑھائے ہیں اسے کان کے علم کی معرفت نہیں علی الخصوص اس مقام پر۔

اگر تو کہے کہ بعض نے جو مذکورہ الفاظ ذکر کیے ہیں اس کا باعث کیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا باعث یہ ہے کہ اسے خیال ہوا کہ یہ کان یکون سے ہے پس وہ کائن اور مکون ہوا یعنی معرض وجود میں آیا۔ تو جب اس نے کائنات میں تغیرات دیکھے جو کہ افعال زمانیہ کو لاحق ہوتے ہیں۔ تو اسے خیال گزرا کہ ان کا حکم زمانے کا حکم ہے حالانکہ حقیقت حال یوں نہیں ہے۔ کیونکہ جس نے کسی چیز کو کسی امر میں تشبیہ دی اس سے لازم نہیں آتا کہ وہ اسے تمام وجوہ کے اعتبار سے تشبیہ دے رہا ہے۔ تو اے بھائی! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم پاک کس قدر وسیع ہے اور آپ اس امر میں کس قدر ادب کرتے ہیں کہ آپ نے حق تعالیٰ پر وہ الفاظ نہیں بولے جس کا اطلاق خود حق تعالیٰ نے اپنی ذات پاک پر نہیں فرمایا۔ اسے شیخ محی الدین نے لواقح الانوار میں ذکر فرمایا:

اور آپ نے فتوحات کے باب الاسرار میں فرمایا ہے کہ جس شخص نے حدیث ''کان اللہ ولا شیء معہ'' میں ان الفاظ کا اضافہ کیا ''وھو الان علی ما علیہ کان'' اس نے قرآن کریم کی تکذیب کی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کل یوم ھو فی شان. سنفرغ لکم ایھا الثقلان (الرحمٰن آیت ۲۹۔۳۱) یعنی ہر روز اس کی نئی شان ہے۔ عنقریب ہم تمہاری طرف توجہ فرماتے ہیں اے جن و انس) جبکہ وہ تھا جبکہ ایام نہ تھے اور نہ ہی ان ایام میں شیون۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا انما قولنا لشیئ اذا اردناہ ان نقول لہ کن فیکون (النحل آیت ۴۰) جب ہم کسی چیز کا ارادہ کرتے ہیں تو ہمارا فرمان اس کے لئے اتنا ہے کہ اسے حکم دیتے ہیں کہ ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے) تو اس کا یہ کہنا کیونکر صحیح ہوگا کہ وہ اب بھی اسی طرح ہے جس طرح تھا۔ باوجودیکہ وہ قرآن پاک پر ایمان رکھتا ہے۔ اور یہ انتہائی عجیب بات ہے۔ انتہی

اور اسی باب میں آپ نے یہ بھی فرمایا کہ مجاورت میں جنس شرط نہیں ہے کیونکہ یہ شک پر مبنی علم ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ معیت کی وجہ سے اپنے بندے کا پڑوسی ہے گرچہ مثلیت نہیں ہے۔ اور جس کا معیت پر ایمان درست ہے اسے ماہیت پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ایک حدیث پاک کی وضاحت

اگر کہا جائے کہ لوگوں کا ایک لونڈی کو آزاد کرنے کا ارادہ تھا لیکن انہیں اس کے ایمان میں شک تھا۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ اللہ کہاں ہے؟ تو اس نے آسمان کی طرف اشارہ کیا تو آپ نے فرمایا: رب کعبہ کی قسم یہ ایمان والی ہے۔ یہاں حضور علیہ

الصلوۃ والسلام کے اس سوال کی حکمت کیا ہے کہ اللہ کہاں ہے؟ باوجودیکہ باری تعالیٰ کے متعلق اینیت کے محال ہونے کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قطعی طور پر علم ہے۔ اس کا جواب شیخ نے ۳۸۵ ویں باب میں یہ دیا ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے لونڈی سے اینیت کا سوال صرف اس کی عقل کے معیار کے مطابق فروتر کر کے فرمایا۔ جبکہ شریعت زمانے کی زبانوں کی موافقات کے مطابق اتری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **وما ارسلنا من رسول الابلسان قومہ لیبین لھم** (ابراہیم آیت ۴) اور ہم نے نہیں بھیجا کسی رسول کو مگر اس کی قوم کی زبان کے ساتھ تا کہ وہ کھول کر بیان کرے)۔ پھر کبھی باہم موافقت اس صورت پر ہوتی ہے جس پر حقائق **فی نفسھا** ہوتے ہیں۔ اور کبھی نہیں ہوتی۔ اور شارع صلی اللہ علیہ وسلم اس بارے میں ان کی عقول کی فروتری کی وجہ سے اس کی پیروی کرتے ہیں۔ تا کہ وہ آپ سے آپ کے احکام کو سمجھ لیں۔ جبکہ دلیل عقلی حق تعالیٰ کے اینیت میں محصور ہونے کے محال پر دلالت کرتی ہے۔ اور اس کے باوجود شارع علیہ السلام کی زبان پاک پر جیسا کہ تو دیکھ رہا ہے امت کے عرف کے مطابقت کی وجہ سے یہ الفاظ آئے کہ آپ نے لونڈی سے پوچھا این اللہ؟ اور اگر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بجائے کوئی دوسرا ایسی بات کرتا تو دلیل عقلی اسے ناواقف قرار دیتی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے لئے اس کی ذات میں کوئی اینیت نہیں ہے۔ بات صرف یہ ہے کہ انسان اپنے ادراک کی کوتاہی کی وجہ سے حق تعالیٰ کا مشاہدہ صرف این میں ہی کرتا ہے۔ اس سے اوپر ترقی نہیں کرسکتا۔ مگر اس وقت کہ اللہ تعالیٰ نور کشف کے ساتھ اس کی امداد فرمائے۔ پس جب رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے لونڈی سے یہ بات کی تو آپ کی حکمت اور علم ظاہر ہوگیا۔ اور ہمیں پتہ چل گیا کہ اس لونڈی کے بس میں یہ امر نہ تھا کہ اپنے موجد کو سمجھ سکے مگر صرف اسی تصور کے ساتھ جو اس نے اپنے آپ میں قائم کر رکھا تھا۔ اور اگر حضور علیہ الصلوۃ والسلام اسے اس کی ذہنی مطابقت اور تصور کے علاوہ خطاب فرماتے تو مطلوبہ فائدہ حاصل نہ ہوسکتا۔ اور اسے قبولیت نہ ملتی۔ تو یہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت عملی تھی کہ آپ نے لونڈی سے ایسا سوال فرمایا۔ اور اس عبارت کے ساتھ کیا۔ اسی لئے جب اس لونڈی نے آسمان کی طرف اشارہ کیا تو آپ نے اس کے بارے میں فرمایا کہ وہ ایمان والی ہے یعنی آسمان میں اللہ تعالیٰ کے وجود کی تصدیق کرنے والی ہے۔ جس طرح کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ **وھو اللہ فی السموت و فی الارض** (الانعام آیت ۳)

عالمہ کی بجائے مومنہ فرمانے کی حکمت

اگر تو کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لونڈی کے بارے میں مومنہ کی بجائے عالمہ کیوں نہیں فرمایا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ علماء ربانیین کے مقام سے اس کی عقل فروتر ہونے کی وجہ سے یہ فرمایا: اگر وہ اللہ تعالیٰ کے متعلق عالمہ ہوتی تو آپ اسے اینیت کے ساتھ خطاب نہ فرماتے۔ انتہی

پس معلوم ہوا کہ ادب یہ ہے کہ ہم کہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ اور یہ نہ کہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہیں کیونکہ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے شریعت میں ایسا وارد نہیں ہوا۔ اور عقل یہ فلسفہ عطا نہیں کرتی کیونکہ کیفیت عقل کی گرفت سے وراء ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف وہ معیت منسوب نہ فرمائی ہوتی جو کہ تمام خلق کے ساتھ سرایت کئے ہوئے ہے تو عقل اللہ تعالیٰ پر معیت کا معنی منطبق نہ کرسکتی اور اس معیت وجودیہ کو **الجامعہ لحضرات جمیع الاسماء و الصفات** کا نام دیا گیا ہے۔

اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ کی معیت اس جہت سے ظاہر ہے جو اس کی شان جلالت کے شایاں ہے۔ جس طرح کہ اس کی صحبت

اسی وجہ سے ظاہر ہے جو اس کے شایاں ہے۔ جس طرح کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی اللھم انت الصاحب فی السفر والخلیفة فی الاھل۔ سفر ماخوذ ہے اسفار سے جو کہ ظہور ہے۔

اگر تو کہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول "عند ملیك مقتدر" (القمر آیت ۵۵) عظیم قدرت والے بادشاہ کے پاس) اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے متعلق کہ اللہ تعالیٰ نے ایک نوشتہ لکھا ہے جو کہ اس کے پاس عرش کے اوپر ہے کہ میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی" تو کیا کہتا ہے کیونکہ اس سے وہم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کی عندیت ظرف مکان ہے۔

تو اس کا جواب شیخ نے ۳۴۷ ویں باب میں یہ دیا ہے کہ کتاب وسنت میں جہاں بھی حق تعالیٰ کے لئے عندیت کا اطلاق ہوا ہے تو وہ تیسرا ظرف ہے۔ خاص ظرف زمان مراد ہے نہ ظرف مکان۔ بلکہ وہ مطلق ظرف مکان ہے۔ اور اہل اللہ میں سے میں نے کسی کو نہیں دیکھا جسے اس تیسری ظرفیت پر متنبہ کیا گیا ہو حتیٰ کہ وہ پہنچان لے کہ یہ کیا ہے۔ پھر شیخ رضی اللہ عنہ نے شعروں میں یہ فرمایا کہ عندیت رب سمجھ میں آتی ہے۔ اور ھو کی عندیت عقل سے وراء ہے۔ اور اللہ کی عندیت مجہول ہے۔ اور خلق کی عندیت سے کوئی بے خبر نہیں۔ اور یہ دونوں ظرفیت کے عند نہیں۔ اور اس کا اس کے سوا کوئی محمل نہیں۔ اور فرمایا کہ لھا کی ضمیر ظرفیت پر اور ھما کی ضمیر حق اور خلق کی عندیت پر لوٹتی ہے۔ انتھی۔ اور اس بحث کی وضاحت استواء علی العرش کی بحث میں آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔

خاتمہ

شیخ نے ۲۷ ویں باب میں یوں فرمایا ہے کہ کتاب وسنت میں مکان اور زمان کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف واقع ہوتی ہے باوجودیکہ یہ دونوں ظرف ہیں باری تعالیٰ کے حق میں محال ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ یاتیھم اللہ فی ظلل من الغمام (البقرة یت ۲۱۰) ان کے پاس اللہ (کا عذاب) آئے بادلوں کی شکل میں)۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لونڈی سے فرمایا کہ اللہ کہاں ہے؟ تو یہ ظرف مکان ہے۔ پس اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ السلام نے یہ الفاظ ذکر فرمائے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس اعتقاد پر جرح فرمائی نہ اسے درست قرار دیا اور نہ ہی اس کا انکار فرمایا۔ اور اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے سنفرغ لکم ایھا الثقلان۔ نیز فرمایا للہ الامر من قبل و من بعد (الروم آیت ۴) اللہ ہی کا حکم ہے پہلے بھی اور بعد بھی)۔ یہ ظرف زمان ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں یہ بھی فرمایا: کہ زمانے کو برا نہ کہو پس بیشک اللہ تعالیٰ ہی زمانہ ہے۔ اور یہ اس کلمہ کی تنزیہہ کے طور پر ہے جو کہ الفاظ مشترکہ سے ہے جیسے عین اور مشتری۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

نویں بحث

اس عقیدہ کے وجوب میں کہ

اللہ تعالیٰ کوئی مثل نہیں جو عقل میں آسکے اور نہ ہی اس پر عقول دلالت کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لیس کمثلہ شی۔ اس کی مثل کوئی شے نہیں۔ اور جب اس کی شان ہے کہ اس کی مثل کوئی شے نہیں تو محال ہے کہ کوئی اصطلاح اس پر گرفت کرے۔ کیونکہ زید اس سے

جس چیز کا مشاہدہ کرتا ہے وہ بعینہ ایک ساتھ وہ نہیں جس کا اس سے عمرو مشاہدہ کرتا ہے۔ اسے شیخ محی الدین نے فتوحات کے ۳۶۹ ویں باب میں ذکر فرمایا۔ اور اسے عارفین نے اسی قدر] پہنچانا۔ پس اللہ تعالیٰ ایک مشہد میں دو شخصوں کے لئے کبھی تجلی فرماتا ہے نہ ہی ایک شخص کے لئے اس کی تجلی میں دو مرتبہ تکرار ہوتا ہے۔ اور معرفت میں اس سے اونچا کوئی مقام نہیں۔

فرماتے ہیں کہ رہے حکماء قدیم اور ان کے پیروکار وغیرہم تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے متعلق ایک عقد پر اتفاق کیا ہے۔ اور اسے حق کے لئے ضابطہ قرار دیا ہے۔ اور جو بھی ان کی مخالفت کرے اس کے عقیدے میں جرح کرتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ اس پابندی سے بالا ہے کیونکہ وہ جو چاہے کرتا ہے۔

نیز فرماتے ہیں کہ اسی لئے ہم نے جو تقریر کی ہے اس کے مطابق کوئی عارف کبھی بھی دوسرے عارف تک وہ صورت نہیں پہنچا سکتا جس کا اس نے اپنے رب عزوجل سے اپنے قلب کے ساتھ مشاہدہ کیا ہے کیونکہ ہر ایک اس کا مشاہدہ کرتا ہے جس کی مثل نہیں جبکہ پہنچانا امثال کے ذریعے ہی ہوتا ہے۔ پس کامل وہ ہے جو اس بارگاہ تک رسائی حاصل کرے جہاں سے تمام عقائد اسلامیہ متفرع ہوتے ہیں اور عقائد اسلام کا حقیقت کے ساتھ اقرار کرے۔ اور سیّدی علی وفا رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ جس نے تیرا احاطہ کیا ہے اور تو نے اس کا احاطہ نہیں کیا پس تو اس کی مثل نہیں ہے اور نہ ہی اس کی صورت پر۔ اسے سمجھ لو۔

مشاہدہ قلبی کی کیفیت کیوں بیان نہیں ہو سکتی؟

اگر تو کہے کہ ہر ایک نے اپنے قلب کے ساتھ حق کا جو مشاہدہ کیا ہے اس کی کیفیت بیان نہ کرنے کا سبب کیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا سبب ایک تجلی کا آن واحد سے زیادہ ثابت نہ رہنا ہے۔ پس عبد کے لئے تجلی الٰہی دو آن تک ثابت نہیں رہتی حتیٰ کہ وہ اس کی کیفیت اور مثال بیان کرے۔ اور شیخ نے ۳۹۳ ویں باب میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نفی مثل سے زیادہ عظیم۔ اپنی ثنا نہیں فرمائی۔ اور اس کی کوئی مثل نہیں ہے۔

اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے قول لیس کمثلہ شیء میں کاف صفت کا ہے یا زائدہ؟ تو جواب میں شیخ نے ۳۶۳ ویں باب میں فرمایا ہے کہ اس پر گفتگو فضول ہے کیونکہ اس میں علم حق کا ادراک قیاس کے ساتھ ہو سکتا ہے، نہ غور وفکر کے ساتھ۔ بلکہ وہ متکلم کے قصد کی طرف لوٹتا ہے۔ اور حق تعالیٰ کی مراد کو کوئی نہیں جانتا مگر جب وہ خود بیان فرمائے اور اس نے ہمارے لئے اسے ظاہر نہیں فرمایا کہ یہ اصلی ہے یا زائدہ۔

بے مثلیت حق اور بے مثلیت خلق میں فرق

اگر کہا جائے کہ افراد عالم حق تعالیٰ کے ساتھ اس کے بے مثل ہونے میں شریک ہیں کیونکہ تمام ذوات کے متعلق غور کیا ہے۔ پس ہم نے دیکھا ہے کہ ان میں ایک کا دوسرے پر زائد ہونا یا کم ہونا ضروری ہے۔ تو اس صورت حال پر اس کی مثل نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا و من آیاتہ خلق السموات والارض واختلاف السنتکم والوانکم (الروم آیت ۲۲) اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا اختلاف ہے)۔ تو قریب نہیں کہ تو ایک صورت من کل الوجوہ دوسری سے ملتی جلتی پائے اگرچہ تیرے سامنے ایک لاکھ صورتیں صف بستہ ہوں۔ یہاں تک کہ اگر ایک کا دوسرے کے بالوں سے ایک بال بھی زائد ہوا تو مثلیت سے نکل گیا۔

اس کا جواب شیخ نے فتوحات کے ۳۵ ویں باب میں یہ دیا ہے کہ عالم میں امثال معقولہ ہیں گرچہ غیر موجود ہوں۔ اور ہمیں حق تعالیٰ

سے تمیز میں ان کا معقول ہونا کافی ہے۔ مگر چہ وسعت الٰہی کا تقاضا ہے کہ تمام اعیان موجود میں ہو جب کوئی شئیت نہیں۔ یہ سب خود غیرت الٰہیہ ہے کہ حق تعالیٰ کا ادراک صرف اسی پر واقع ہو کہ اس کی مثل کوئی موجود نہیں۔ پس پھر تو شئیت امر معقول ہے تحقیق کی حقیقت میں ثابت نہیں ہے۔ کیونکہ مثلیت اگر درست ہوتی۔ موجود ہوتی تو کوئی چیز عالم میں کسی چیز سے اپنی ممتاز نہ ہوتی۔ ... کی مثل ہے۔ پس جس کی وجہ سے ایک چیز اس دوسری چیز سے ممتاز ہوتی وہ اسی چیز کا عین ہوتی ... حقیقت میں کوئی چیز کسی کی ... اسے اس کے غیر سے امتیاز بخشتی۔

شیخ نے فرمایا کہ یہ بہت گہرے مسائل میں سے ہے۔ کیونکہ ہماری تقریر سے مطلق ... کوئی شئی ... نہیں ہوتی ... کے انکار کی ہمت ہے لیکن حدود کے ساتھ۔ غیر نہیں۔ اھ

اور ۱۹۸ویں باب میں فرماتے ہیں کہ جس نے وسعت الٰہی کو پہچان لیا اس نے جان لیا کہ وجود میں کوئی چیز مکرر نہیں۔ وہ صورتوں میں امثال کا وجود تجھے خیال دلاتا ہے کہ وہ گزشتہ کے اعیان ہیں حالانکہ وہ ان کے امثال ہیں اعیان نہیں۔ اور شے کی مثل وہ ہے جو اس کا عین ہے۔ اشکال میں اس کی مثال ہر مربع میں تربیع (یعنی مربع ہونا) اور ہر دائرہ میں استدارہ (یعنی گول ہونا) ہے۔ پس شکل تجھے بتاتی ہے کہ ہر متشکل غیر متغیر ہے۔ اور جس پر حس (باصرہ) واقع ہوئی ہے وہ متشکل نہیں۔ وہ تو شکل ہے۔ پس شکل ہی معقول ہے۔

اور ۳۷۲ویں باب میں فرماتے ہیں کہ یہ محال ہے کہ کوئی امر مناسبت کے بغیر دوسرے امر کی صورت میں ظاہر ہو۔ پس وہ نسبت میں اس کی مثل ہے۔ نہ کہ عین میں اس کی مثل۔ اور اسے صنعت نحو میں فعل مقارب کہتے ہیں۔ تو کہتا ہے کہ قریب ہے کہ ... اور قریب ہے دولہا امیر ہو جائے۔

اور باب الاسرار میں فرمایا کہ رجال کو صرف وجود امثال نے حجاب میں رکھا۔ اسی لئے حق تعالیٰ نے اپنی ذات سے اپنے تقدس کی تنزیہہ کے طور پر مثلیت کی نفی فرمائی۔ اور وہاں تو نے اس کا جو تصور کیا یا اس کی مثال دی اور اسے خیال میں لایا اللہ تعالیٰ اس سے جدا ہے یہ ہے قیام قیامت تک جماعت کا عہد و پیمان۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

دسویں بحث

اس عقیدہ کے وجوب میں کہ اللہ تعالیٰ ہی اول آخر ظاہر و باطن ہے

پس اس کا انکشاف ہے نہ انجلاء۔ اس کے سوا قہر اور غلبہ کے ساتھ کسی کے لئے ظہور نہیں۔ اور چونکہ خلق میں سے کسی کے لئے صحیح نہیں کہ اپنے رب کو اس طرح پہچانے جس طرح کہ رب کریم خود اپنی ذات کو پہچانتا ہے اس وجہ سے اللہ تعالیٰ ہمیشہ باطن ہے

چاروں اسماء مذکورہ کے متعلق سوال اور اس کا جواب

اگر تو کہے کہ کیا ان چاروں اسماء کی بارگاہیں مقید ہیں صرف اپنے اہل بارگاہ میں تصرف کرتی ہیں یا ہر اسم اپنے ساتھیوں جیسا کام کرتا ہے۔

اس کا جواب شیخ محی الدین نے ترجمان الاشواق کی شرح میں یہ دیا ہے کہ بے شک حق تعالیٰ اول ہے اس کے عین سے جو آخر۔ ظاہر اور باطن ہے اور آخر ہے اس کے عین سے جو کہ اول۔ باطن اور ظاہر ہے اور ظاہر ہے اس کے عین سے جو باطن۔ اول اور آخر ہے۔ اور باطن

ہے اس کے عین سے جو ظاہر۔ اوّل اور آخر ہے۔ پس ہر صفت میں وہ کچھ ہے جو کہ اس کی اخوات میں ہے۔ اور یہ صفات باری تعالیٰ کے اس کی خلق کی صفات سے مختلف ہونے کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ ان کی صفات میں سے کوئی صفت اس حد سے آگے نہیں بڑھتی جو اس کے لئے حق تعالیٰ نے مقرر فرمائی ہے پس مثلاً سونگھنے کی صفت صرف عطر یا بدبو کا سونگھنا ہی دے سکتی ہے۔ اور سننے کی صفت مسموعات سے آگے نہیں بڑھتی پس اس کے ساتھ دیکھا نہیں جا سکتا۔ نہ ہی کلام کیا جا سکتا ہے۔ اور اسی پر قیاس کر۔ پس معلوم ہوا کہ صفات الٰہیہ کے بارے میں کہ ان میں سے ہر صفت دوسری صفات کا کام کرتی ہے عقول ضعیفہ کے توقف کرنے کا سبب یہ ہے کہ جس نے توقف کیا اس نے دیکھا جن قوتوں پر انسان پیدا کیا گیا ہے اپنے حقائق سے آگے نہیں گزرتیں۔ پس اس نے حق تعالیٰ کو اپنے اوپر قیاس کیا اور گمان کیا کہ حق تعالیٰ کی صفت بھی ایسی ہی ہے۔ انتہی۔

اللہ تعالیٰ کے حق میں ازل، ابد برابر ہے

اور ترجمان الاشواق کی اپنی شرح کے ایک اور مقام پر فرمایا: اللہ تعالیٰ کا نام ازل سے ہی ظاہر اور باطن ہے۔ اور اسے نسبتوں اور اضافتوں کے محمل پر محمول کرنا جائز نہیں۔ صرف اس پر محمول کرنا چاہیئے کہ وہ امر ذاتی ہے۔ اسے اسی وجہ سے اس کے ساتھ موصوف کیا جائے جو اسکے لائق ہے اور اسے اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنی ذات سے جانتا ہے۔ اور سیّدہ کاملہ سیّدۃ العجم نے شرح المشاہد میں فرمایا ہے: جان لو کہ ازل اور ابد اللہ تعالیٰ کے حق میں برابر ہیں۔ یہاں تک کہ بعض نے اسم اوّل کے لفظ کی وجہ سے اسم باقی سے استغناء کی ہے۔ کیونکہ اوّل کی شان بقاء سرمدی ہے۔ پس اے بھائی! اس سے بچ کہ تو ان کے اس قول سے کہ اللہ تعالیٰ نے ازل میں یہ کلام فرمایا۔ یا ازل میں ایسی تقدیر لکھی تو اس وہم میں مبتلا ہو جائے کہ یہ زمانہ خلق کی طرح متقول زمانے میں متوہم طوالت سے عبارت ہے۔ کیونکہ یہ وہم کا حکم ہے نہ کہ درست غور وفکر کا فیصلہ۔ کیونکہ ہماری عقل میں آنے والے زمان کی تخلیق سے پہلے حضرت خالق عقل میں نہیں آ سکتا۔ کیونکہ عقل انسانی نے صرف وجود آدم علیہ الصلوۃ والسلام پایا۔ پس معلوم ہوا کہ لفظ ازل کا مدلول، اللہ تعالیٰ کے لئے اوّلیت کی نفی سے عبارت ہے۔ پس وہ اوّل ہے کسی اوّلیت کے بغیر جو اس پر حکم کرے پس وہ اس کے احاطے میں ہو اور اس سے معلول ہو۔ اور اس میں طویل کلام کیا رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

اسماء حسنیٰ اوّل، آخر، ظاہر اور باطن کی حکمت

اور شیخ محی الدین نے باب الاسرار میں فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے اوّل آخر۔ ظاہر اور باطن ہونے کی خبر دی تا کہ اپنی معرفت ذاتیہ کے طریق میں مشقت ترک کرنے کی ہدایت فرمائے۔ گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مثلاً جو تم باطن سے طلب کرتے ہو وہ بعینہ وہی ہے جو کہ ظاہر سے طلب کرتے ہو۔ اس کے باوجود نفوس نے اس ارشاد پر کان نہ رکھا بلکہ دلائل میں بحث کی۔ اور ہر وہ چیز جو صفات حق سے ان کے لئے ظاہر ہوئی اس کا خلاف طلب کرنے لگے۔ اور اگر انہوں نے انہیں وجوہ معارف پر توقف کیا ہوتا جو ان کے لئے ظاہر ہوئے تو امر کی اصل حقیقت کو پہنچان لیتے۔ پس ان کا طالب جو ان سے غائب رہا وہ ان کا خود حجاب ہو گیا۔ اور جو کچھ ان کے لئے ظاہر ہوا تھا اگر انہوں نے اس کی قدر پہنچانے کا حق ادا کیا ہوتا تو انہیں اس میں مشغول کر دیتا جس کے متعلق انہیں خیال ہوا کہ وہ ان سے چھپا رہا۔ اللہ تعالیٰ کی قسم ان سے کوئی چیز چھپی نہیں جو کہ اس مقام کی ہے۔ وہ تو ہر ایک اس مقام سے حجاب میں ہے جو کہ اس کے مقام سے بلند ہے۔ اور کچھ نہیں۔ انتہی

شیخ ابوالحسن الشاذلی رحمۃ اللہ علیہ کی وضاحت

اور شیخ ابوالحسن شاذلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے اپنے قول ھو الاول والآخر والظاھر والباطن (الحدید آیت ۳) کے ساتھ تمام اغیار کو مٹا دیا ہے۔ کہا گیا کہ پھر خلق کدھر گئی۔ فرمایا: موجود ہیں۔ لیکن حق تعالیٰ کی معیت میں ان کا حکم ان ذرات کا سا ہے جو کہ روزن دیوار سے اندر آنے والی روشنی میں ہوتے ہیں۔ تو انہیں چڑھتے اور نیچے اترتے معلوم کرتا ہے اور جب انہیں پکڑے تو نظر نہیں آتے۔ پس وہ مشاہدہ میں موجود ہیں لیکن وجود میں مفقود ہیں۔ انتہی

حق تعالیٰ کے ظہور کا معنیٰ

اگر تو کہے کہ کیا اللہ تعالیٰ کا ظہور پس پردہ ہونے کے بعد ہے؟ تو اس کا جواب شیخ تقی الدین ابن ابومنصور نے یہ دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ظہور چھپنے کے بعد نہیں بلکہ وہ ظاہر ہے دراں حالیکہ وہ باطن ہے۔ اور تجلیات کے اختلاف کا حکم تو صرف ادراک و مشاہدہ کرنے والوں کی طرف ان کی بصیرتوں سے حجاب اٹھنے کے مطابق لوٹتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ چھپنے کے بعد ظہور نہیں فرماتا نہ ہی اوپر اٹھنے کے بعد نزول فرماتا ہے کیونکہ یہ اجسام کی صفت ہے جبکہ اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند و بالا ہے۔

اور شیخ نے فتوحات میں باب الصلوٰۃ کے اوائل میں فرمایا ہے: جان لو کہ عبد کے لئے اللہ تعالیٰ مشاہدہ اور اس کی عبادت کامل نہیں ہوتی مگر اس وقت جب کہ اس کا مشاہدہ اور اس کی عبادت اس کی اس اوّلیت کی حیثیت سے کرے جو کہ اس سے منزہ ہے کہ اس سے پہلے کوئی اوّلیت ہو نہ کہ عبد کی اوّلیت کی حیثیت سے جو اس سے پہلے بیشمار اولیتوں سے ہو۔ پس جب بندہ واقف ہوا اور اس نے اپنے پروردگار کی عبادت اس کی اولیت کی حیثیت سے کی تو اس کی عبادت وہاں سے ہر عبادت سے اوپر نکل جاتی جو مخلوق میں سے کسی نے اس عبادت گزار کے پائے جانے کے وقت تک کی ہے۔ انتہی

امام شعرانی فرماتے ہیں کہ یہ نفیس نکتہ ہے جو ہم نے کسی سے نہیں سنا

تجلیات حق تعالیٰ کے تین مراتب

اور شیخ نے ۲۵۶ ویں باب میں بھی فرمایا ہے: جان لو کہ حق تعالیٰ کی تجلیات بالاسماء کے تین مراتب ہیں۔ پہلا مرتبہ یہ کہ عالم کے لئے اسم ظاہر کے ساتھ تجلی فرمائے پس کائنات پر حق تعالیٰ کے امر سے کچھ بھی مخفی نہ رہے۔ اور یہ عرصہ قیامت کے ساتھ خاص ہے۔ دوسرا مرتبہ یہ کہ عالم کے لئے اپنے اسم باطن میں تجلی فرمائے پس قلوب اس کا مشاہدہ کریں نہ کہ آنکھیں۔ اسی لئے انسان اپنی فطرت میں اس کی طرف اعتماد اور اسی کے ساتھ قدرت حاصل کرنے کا داعیہ پاتا ہے۔ حالانکہ کسی دلیل میں غور و فکر بھی نہیں کرتا اور اپنے سب کاموں میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہے۔

تیسرا مرتبہ یہ کہ اپنے اسم ظاہر و باطن میں ایک ساتھ تجلی فرمائے۔ اور یہ انبیاء علیہم السلام اور ان کے کامل وارثوں کے ساتھ خاص ہے۔ اسے جان لو۔ اور غور کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری ہدایت کا وارث ہو۔

گیارھویں بحث

اشیاء کے وجود سے پہلے علم الٰہی کے بارے میں

یہ بحث اس مسئلہ میں ہے کہ یہ عقیدہ واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اشیاء کے عالم شہادت میں موجود ہونے سے پہلے ان کا علم ہے۔ پھر اس نے انہیں اس حد پر ایجاد فرمایا جو اس کے علم میں ہے۔ پس ازل سے اسے اشیاء کا علم ہے۔ اشیاء کے تجدد سے اس کا علم تجدد پذیر نہیں ہوتا۔
اگر تو کہے کہ جب علم الٰہی میں عالم سب کا سب موجود ہے تو اسے عالم شہادت میں ظہور کے وقت کیا حاصل ہوا؟ اس کا جواب شیخ نے فتوحات کے ستارہویں باب میں یہ دیا ہے کہ عالم کو عالم شہادت کی طرف اپنے ظاہر ہونے سے اپنے متعلق علم حاصل ہوا جو کہ اسے حاصل نہ تھا نہ کہ اس نے وہ حالت حاصل کی جس پر وہ نہیں تھا۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ امور سب کے سب چونکہ اپنی صورتوں کی تعداد کے ساتھ ازل سے ہی حق تعالیٰ کے علم میں تھے تو کوئی فرق کرنے والا ضروری ہے جو ان کے اپنے متعلق علم اور ان کے بارے میں حق تعالیٰ کے علم میں فرق کرے۔ اور وہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ تمام ممکنات کا ان کے عدم اور ان کے وجود کی حالت میں اور ان پر طاری قسم قسم کے احوال کی صورت میں ادراک رکھتا ہے۔ جبکہ ممکنات کے لئے اپنا۔ نہ ہی اپنے وجود اور طاری ہونے والے مختلف احوال کا ادراک نہیں۔ پس اس نے جب ان کے اپنے شہود سے پردہ اٹھایا جبکہ عدم میں تھے تو ممکنات نے اپنے خیال میں ان مختلف احوال کا دراک کیا جو ان پر طاری ہونے والے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے اعیان کو صرف اس لئے ایجاد فرمایا تا کہ تھوڑا تھوڑا کر کے تسلسل کے ساتھ ان کے لئے ان کے اعیان واحوال سے پردہ اٹھائے۔ تو یہ ہے معنی ہمارے اس قول کا کہ اس کا علم اشیاء کے تجدد کے ساتھ متجدد یعنی جدید نہیں ہوتا کیونکہ وہ اشیاء تو حق تعالیٰ کے علم میں تھیں۔ کیا وہ اب اس کے علم میں آئیں؟ اور یہ مسئلہ تقدیر کے راز سے متعلق مسائل میں سے نہایت نادر مسئلہ ہے۔ اور ہمارے اصحاب میں سے تھوڑے ہیں جنہیں اس پر اطلاع ہوئی۔

حق تعالیٰ کے عالم کو اس کے عدم کی حالت میں دیکھنے کی مثال

اگر تو کہے کہ کیا یہاں کوئی ایسی مثال ہے جو کہ اس تصور کو عقل کے قریب کر دے کہ عالم کو اس کے عدم اضافی کی حالت میں حق تعالیٰ دیکھتا تھا؟ تو اس کا جواب شیخ نے ۳۵۲ ویں باب میں یہ دیا ہے کہ اس سلسلے میں سب سے قریبی مثال وہ کیڑا ہے جسے حرباء یعنی گرگٹ کہتے ہیں کیونکہ وہ درجہ بدرجہ ایک کے بعد دوسرا کوئی رنگ بدلتا ہے جو اجسام میں ہوتا ہے۔ وہ شیشے کی طرح نہیں کہ جلدی سے صورت بدلے اور نہ ہی صیقل کیا ہوا جسم ہے۔ پس اے بھائی! تجھے حسی طور پر گرگٹ کے مختلف رنگ بدلنے کا ادراک ہے باوجودیکہ تو جانتا ہے کہ اس جسم میں جس کی طرف تو دیکھ رہا ہے ان رنگوں کا وجود نہیں۔ نہ ہی تیرے علم میں ان کے اعیان ہیں۔ تو جس نے اس کی تحقیق کی اس یقیناً معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کو عالم کے عدم کی حالت میں اس کا ادراک ہے اور وہ اسے دیکھتا ہے۔ پس اقتدار الٰہی نافذ ہونے کی وجہ سے اسے ایجاد فرماتا ہے۔ انتہی

تقریب مسئلہ کے لئے دوسری وضاحت

اور اعیان کے عدم کی حالت حق تعالیٰ کے ان کے مشاہدہ کو سمجھنے کا مسئلہ قریب کرنے کے لئے باب الاسرار میں شیخ کا یہ ارشاد بھی کام دیتا ہے۔ کہ حق تعالیٰ کا عالم قدم میں اعیان کو دیکھنا جن کی حالت عدم ہے نہایت عجیب ہے۔ پھر جب وہ انہیں ان کے وجود کی طرف ظاہر

فرماتا ہے تو اپنی حدود کے ساتھ اعیان میں امتیاز حاصل کرتے ہیں۔

لیکن میں جس نکتے پر تجھے تنبیہہ اور اشارہ کر رہا ہوں اس پر غور اور تحقیق کر۔ اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے عالم دنیا میں کشف اور خواب کی ایجاد کی تا کہ ضعیف العقل لوگوں پر وہ امر قریب ہو جائے۔ پس تو ایسے امور دیکھتا ہے جن کا ان کے ہونے سے پہلے ان کے عین میں کوئی وجود نہیں۔ اور تو قیامت کو اس کے برپا ہونے کی وجہ پر دیکھتا ہے اور حق تعالیٰ اسے ظاہر کر کے اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ فرماتا ہے حالانکہ وہاں کوئی قیامت پائی گئی نہ ہی جو حالت خواب میں دیکھی اس کا مشاہدہ ہوا۔ پھر اپنے مقام پر ظاہر کی جائے گی جیسا کہ اس نے اسے دیکھا۔ اے بھائی! اگر تجھے سمجھ آ گئی ہے تو میں نے تجھے راست پر ڈال دیا ہے اور یہ تحقیق کی شاہراہ ہے۔ انتہی۔

اور آپ نے ۳۵۳ ویں باب میں فرمایا ہے کہ ممکنات ازل سے حق تعالیٰ مشاہدہ میں ہیں۔ گرچہ موجود نہیں۔ وہ مفقود نہیں ہیں۔ پس وہ اپنی حالت عدم میں مشاہدہ حق میں ہیں۔ اس کے حضور مسموع ہیں۔ اور کوئی صاحب ایمان اس کے تصور میں توقف نہیں کرتا۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے۔ انتہی

المتلعق بالقدرۃ شیء سے کیا مراد ہے؟

اگر تو کہے کہ اس شے سے کیا مراد ہے جس کے حوالے سے حق تعالیٰ نے اپنی صفت بیان فرمائی کہ وہ اس شے پر قادر ہے کیا وہ ہے جو عدم محض کے ساتھ متعلق ہے یا عدم اضافی کے ساتھ؟

پس جواب یہ ہے کہ اس سے مراد اس کے علم قدیم کے ضمن میں موجودہ اعیان ہیں جو کہ علم میں ثابت ہیں۔ جو کہ عدم اضافی ہے۔ اور اس سے مراد عدم محض نہیں۔ کیونکہ عدم محض میں اعیان کا ثبوت نہیں۔ اور اس کی تائید لواقح الانوار میں شیخ کا وہ قول کرتا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے قول ان الله علی کل شیء قدیر کے بارے میں فرمایا یعنی ہر اس شے پر قادر ہے جسے اس کا علم قدیم ضمن میں لئے ہوئے ہے۔ کہ جو اس کے علم کے ضمن میں نہیں وہ تو شے ہی نہیں۔ اور اسی طرح اس کی تائید فتوحات کے ۹۰ ویں باب میں شیخ کا یہ قول کرتا ہے کہ حق تعالیٰ کی قدرت صرف اسی چیز کے ساتھ متعلق ہے جو کہ علم الٰہی میں موجود ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ان اللہ علی کل شیء قدیر۔ پس اس آیت سے اس پر قدرت کی نفی ہوگئی جو کہ شئے نہیں جو کہ اللہ تعالیٰ کے علم قیا کے ضمن میں نہیں۔ اور اس کی وضاحت یہ ہے کہ لاشیء، شیئیت قبول نہیں کرتا کہا گر اسے قبول کرے تو حقیقت میں وہ لاشیء نہیں۔ اور کوئی معلوم کبھی بھی اپنی حقیقت سے خارج نہیں ہوتا۔ پس کبھی بھی کسی شے پر یہ حکم نہیں لگایا جا سکتا کہ وہ لاشیء ہے۔

(اقول و باللہ التوفیق۔ مذکورہ بالا وضاحت سے معلوم ہوا اللہ تعالیٰ کی شان میں امکان کذب کا مسئلہ قطعاً غلط بلکہ ایمان کے خلاف ہے۔ کیونکہ علم الٰہی میں اپنی ذات پاک میں کذب نہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے کذب کوئی 'شئے' نہیں کیونکہ اس کے علم قدیم کے ضمن میں نہیں۔ لہٰذا کذب باری تعالیٰ لاشی ہے۔ اور لاشی سے قدرت کا تعلق نہیں ہے بلکہ کذب پر قدرت کی نفی ہوئی۔ لہٰذا اس کے حق میں امکان کذب کا قول کفر خالص ہے۔ اللہ تعالیٰ کی پناہ۔ (محمد محفوظ الحق غفرلہ ولوالدیہ)

وجود شیء کے متعلق شیخ ابوالحسن الاشعری کا قول

اگر تو کہے کہ شیخ ابوالحسن الاشعری نے فرمایا ہے کہ ہر شی کا وجود خارج میں اس کا عین ہے اور اس پر کوئی زائد شے نہیں۔ برابر ہے

کہ واجب ہو اور وہ اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات ذاتیہ ہیں یا ممکن ہو اور وہ خلق ہے۔ اور یہ اکثر متکلمین کے اس قول کے خلاف ہے کہ وجود شے اس پر امر زاید ہے۔ تو دونوں اقوال میں کونسا برحق ہے۔

اس کا جواب ابن سبکی اور جلال محلی نے یہ دیا ہے کہ حق وہی ہے جو اشعری نے فرمایا۔ اور اس قول کے مطابق معدوم خارج میں کوئی شے نہیں۔ نہ ہی کوئی ذات نہ ثابت۔ یعنی خارج میں اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ وہ تو صرف اس میں اپنے وجود کی وجہ سے متحقق ہوتا ہے۔ اور جلال محلی نے فرمایا: پھر یہ حکم دوسرے قول والوں کی اکثریت کے نزدیک بھی ایسا ہی ہے فرمایا: اور کثیر معتزلہ کا مذہب ہے کہ جنات معدوم، خارج میں ممکن شے ہیں یعنی اس کی حقیقت مقررہ ہے۔ جلال محلی نے جمع الجوامع کی اپنی شرح میں جو کچھ فرمایا ختم ہوا۔

اشاعرہ اور معتزلہ کے اقوال کے درمیان وجہ جامع

اگر تو کہے کہ قول اشعریہ کہ عالم، عدم سے پایا گیا جو کہ پہلے تھا۔ اور معتزلہ کے قول کہ وہ وجود سے پایا گیا کے درمیان وجہ جامع کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اشعریہ اور معتزلہ کے اقوال کے درمیان وجہ جامع یہ ہے کہ عالم ظہور میں حادث اور علم الٰہی میں قدیم ہے۔ تو جس نے کہا کہ وہ دونوں وجوہ سے حادث ہے اس نے خطا کی یا دونوں وجوہ سے قدیم ہے اس نے خطا کی۔ واللہ اعلم

اگر تو کہے کہ اس حق سے کیا مراد جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں اور ان کے مابین کو پیدا فرمایا۔ کیا اس حق کے لئے عین موجودہ ہے یا نہیں۔

تو اس کا جواب ۳۶۸ ویں باب میں شیخ نے یہ دیا ہے کہ مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سارا عالم حق تعالیٰ کے لئے پیدا فرمایا۔ اور وہ یہ کہ عالم اپنے حال کے مطابق اس کی عبادت کرتا ہے تا کہ اس پر وہ اسے دنیا و آخرت میں جزا عطا فرمائے۔ اور اسے اپنی نعمتیں بافراغت بخشے۔ شیخ نے فرمایا: اس حق کے بارے میں جس کے ساتھ آسمان و زمین اور مابین پیدا کئے گئے اہل اللہ کی ایک جماعت نے ٹھوکر کھائی ہے اور اسے عین موجودہ قرار دیا۔ جبکہ صحیح یہ ہے کہ یہاں با بمعنی لام ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آیت کے تتمہ میں فرمایا: **تعالی اللہ عما یشرکون**۔ یعنی با کی وجہ سے۔ پس بالحق کا معنی للحق ہے۔ چنانچہ یہاں با اس لام کی جگہ ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے **وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون**۔

اور اس کی وضاحت یہ ہے کہ حق تعالیٰ کسی شے کو کسی شے کے ساتھ پیدا نہیں فرماتا۔ وہ تو شے کو دوسری شے کے نزدیک پیدا فرماتا ہے۔ اور ہر با جو استعانت اور سببیت کا تقاضا کرے تو وہ لام ہے۔ اسے جان لے کیونکہ نفیس نکتہ ہے تو اسے کسی تفسیر میں نہیں پائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ تیری ہدایت کا وارث ہو۔

بارہویں بحث

ابداع عالم کے متعلق

کہ یہ عقیدہ واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے معمول کے خلاف عالم کی ایجاد کسی سابق مثال کے بغیر فرمائی کیونکہ ان میں سے کوئی بھی اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے ساتھ کسی شے کے اختراع پر قادر نہیں ہوتا مگر پہلے وہ غور و فکر کر کے اسے اپنے جی میں بناتا ہے۔ پھر اس

کے بعد اسے قوت عملیہ وجود حسی کی طرف کسی شکل پر ظاہر کرتی ہے جس کی مثل معلوم ہوتی ہے۔ اور حق تعالیٰ کے حق میں یہ محال ہے۔ پس حق تعالیٰ ازل سے ہی اپنی خلق کا علم رکھتا ہے جیسا کہ اس سے پہلی بحث میں گزرا۔

شیخ محی الدین نے فرمایا ہے کہ یہ کہنا جائز نہیں کہ خلق ایک ایسی صورت پر تھی کہ حق تعالیٰ کی صفت میں یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ اسکے اختراع سے پہلے اسے جانتا ہے۔ کیونکہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے ایسی شے کی ایجاد فرمائی جسے وہ نہیں جانتا تھا۔ حالانکہ قطعی دلائل سے ثابت ہو چکا ہے کہ وہ ازلاً ابداً ہر شے کو جانتا ہے۔ پس ہمارے لئے ثابت ہوا کہ حق تعالیٰ کا پورے عالم کی بالفعل ایجاد کرنا کسی مثال سابق کے بغیر ہے۔ اور ہم اسی حد پر وجود میں ظاہر ہوئے جس پر علم الٰہی میں تھے۔ اور اگر یہ فرض کیا جائے کہ ہم اس کے علم میں اس طرح نہ تھے تو ہم وجود کے لئے اس حد پر نکلے جسے اللہ تعالیٰ نہیں جانتا تھا۔ اور یہ محال ہے کیونکہ جسے وہ جانتا نہیں اس کا ارادہ نہیں فرماتا۔ اور جسے وہ جانتا نہیں۔ اور اس کا ارادہ نہیں کرتا اسے ایجاد نہیں کرتا۔ پس جب تو ہم خود بخود موجود ہوئے یا اتفاقی امر کے حکم سے۔ اور جب ہمارا وجود خود بخود ہوا یا اتفاقی امر کے ساتھ ہوا تو ہمارا وجود عدم سے صحیح نہ ہوا۔ جبکہ برہان قطعی سے ثابت ہو چکا کہ ہمارا وجود عدم سے ہے یعنی اضافی ہے نہ کہ عدم محض سے جیسا کہ اس کا بیان اس سے پہلی بحث میں گزرا۔

وجود کے متعلق ایک سوال اور اس کا جواب

اگر تو کہے کہ اس تقریر کے مطابق اگر ہم کہیں کہ ہم عدم سے موجود ہیں سچے ہیں یا وجود سے یعنی وجود فی العلم سے موجود ہیں تو سچے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں! معاملہ اسی طرح ہے جیسا کہ اس کی طرف شیخ نے فتوحات کے ۱۹۸ ویں باب میں اپنے اشعار میں اشارہ فرمایا: اگر تو دیکھ لیتا جو کچھ ہم نے دیکھا تو تو اس کی نفی نہ کرتا جو تو نے دیکھا۔

پس ظاہر امر میں میرا قول تھا۔ اور امر باطن میں تو تھا۔

شی کو میرے رب کے قول نے ثابت فرمایا۔ اگر وہ نہ ہوتا تیرا وجود نہ ہوتا

پس عدم محض عین ثابت نہیں پس تو کہہ دے کہ تو نے سچ کہا۔ اے میرے دوست اگر تو اس وقت نہ ہوتا جبکہ کن فرمایا تو نے سنا نہ ہوتا۔ تو اس سے تو نے کون سی شے قبول کی۔ کائنات یا خود تیرا ہونا۔ اور شیخ نے اس قسم کے مفہوم کی طرف ۳۰۸ ویں باب میں بھی اپنے اشعار میں اشارہ کیا ہے۔ مجھے عدم کے لئے کن کہنے والے سے تعجب ہے۔ حالانکہ جسے کہا گیا اس وقت تھا ہی نہیں پھر اگر تھا تو اسے یہ کیوں کہا گیا کہ ہو جائے اور قول وہ ہے جو تقسیم نہیں ہوتا۔ بیشک کن نے اس کی قدرت باطل کر دی جس نے اس پر عقل سے دلالت کی اور حکم دیا عقل کے لئے دلیل کیونکر؟ حالانکہ جسے عقل نے بنایا وہ کشف کے ساتھ منہدم ہوگا۔ پس نفس کی نجات شریعت پاک میں ہے۔ پس تو ایسا انسان نہ بن جس نے دیکھا پھر محروم رہا اور کشف میں شرع شریف کو مضبوطی سے تھام لے۔ پس خیر کے ساتھ وہی کامیاب ہوا جو بچ گیا۔ غور و فکر ترک کر دے اور اس سے محفل نہ سجا اور اسے چھوڑ دے۔

ہر وہ علم جس کے حق میں شریعت گواہی دے وہی علم ہے۔ اسی سے وابستگی اختیار کر۔ اور جب عقل تیری مخالفت کرے تو اسے کہ اپنے منصب تک رہ۔ تیرا یہاں کوئی مقام نہیں جیسے اس لوح کا علم نہیں جس میں حق نے قلم کا علم لکھا ہے۔

اور تعجب میں نکتہ حق تعالیٰ کا تکوین کو شی کی طرف منسوب کرنا ہے نہ کہ قدرت الٰہیہ کی طرف کہ شے سے فرمایا کن اور اسے اس وقت

موجود قرار دیا جس وقت اسے کن فرمایا۔ اوراس کی وضاحت صرف اس کے سامنے کی جائے گی جو اس کا اہل ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

فتبارك الله احسن الخالقين سے متعلق وضاحت

اگر تو کہے کہ فتبارك الله احسن الخالقين (المومنون آیت ۱۴) پس اللہ بڑا بابرکت ہے جو سب سے بہتر بنانے والا ہے) سے مراد کیا ہے؟ کیونکہ اس سے وہم ہوتا ہے کہ کوئی اور خالق بھی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ تخلیق میں سب سے بہتر ہے تو اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے ساتھ مخلوق کی خلق اور بلا واسطہ مخلوق کی خلق میں کیا فرق ہے۔

تو اس کا جواب شیخ نے ۴۶۳ ویں باب میں یہ دیا ہے کہ دونوں خلقوں میں یہ فرق ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی خلق کو پیدا کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے اپنے علم میں شہود سے پیدا فرماتا ہے۔ تو وہ خلق کو حلہ وجود پہناتا ہے اس کے بعد کہ وہ شہود خلق میں معدوم تھا۔ رہا عبد تو جب وہ باذن اللہ کسی شے کو پیدا کرے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو وہ اسے پیدا نہیں کرتا مگر اعیان موجود کے تصور اور تدبر سے جو کہ اس سے پہلے ہوتا ہے جس کی مثل وہ پیدا کرنے کا یا ایجاد کرنے کا ارادہ کرتا ہے۔ تو اسے عبد نے مثال سابق سے ہی پیدا کیا ہے بخلاف اللہ تعالیٰ کے خلق کو بلا واسطہ پیدا کرنے کے۔ پس اس سے اللہ تعالیٰ کی طرف بلا واسطہ اور اس کی طرف بالواسطہ منسوب خلق کے درمیان فرق حاصل ہو گیا۔ اور اس مسئلہ کی تفصیل خلق افعال کی بحث میں آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔ پس ۲۴ ویں بحث کی طرف رجوع کر اور اس سے پہلے دوسری بحث میں جو کہ حدوث عالم کے بارے میں ہے طویل گفتگو کے بعد اللہ تعالیٰ کا ارشاد گزر چکا کہ میں نے تیرے لئے دو آنکھیں اس لئے پیدا کی ہیں کہ ایک کے ساتھ میرا مشاہدہ کرے اور اپنی تاریکی یعنی امکان کا مشاہدہ دوسری کے ساتھ کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

تیرھویں بحث

اللہ کا اپنے اسماء وصفات کے معانی کے ساتھ موصوف ہونا

یہ اس عقیدہ کے وجوب میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ازل سے اپنے اسماء اور اپنی صفات کے معانی کے ساتھ موصوف رہا۔ اور اس کے بیان میں جسے تنزیہہ اور علمیت دونوں چاہتے ہیں اور جسے یہ دونوں نہیں چاہتے۔

جان لو یہ بحث بزرگ ترین بحثوں میں سے ہے۔ پس ہم تیرے لئے یہاں محقق متکلمین کی اور پھر محقق صوفیاء کی گفتگو تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔

عنوان بالا کے بارے میں محقق متکلمین کا کلام

پس میں اللہ تعالیٰ کی توفیق کے ساتھ کہتا ہوں: محقق زماں الشیخ جلال الدین محلی فرماتے ہیں کہ اسماء وصفات کے معانی ہر وہ چیز ہے جو کہ ذات مقدس پر باعتبار صفت کے دلالت کرے جیسے عالم، خالق، رازق وغیرہ جس طرح کہ اللہ تعالیٰ ازل سے اپنی صفات ذات کے ساتھ موصوف رہا اور وہ، وہ ہے جس پر اس کا فعل دلالت کرے جیسے قدرت، علم، ارادہ اور حیات۔ یا نقص سے اس کی تنزیہہ اس پر دلالت کرے جیسے سمع، بصر، کلام اور بقاء

فرماتے ہیں: رہیں صفات افعال جیسے خلق، رزق، زندہ کرنا، موت دینا تو یہ ازلی نہیں ہیں بخلاف حنفیہ کے، بلکہ یہ حادث ہیں اس

حیثیت سے کہ متجدد ہیں یعنی جدت قبول کرتی ہیں۔ کیونکہ یہ اضافتیں ہیں کہ جو قدرت کو درپیش ہوتی ہیں پس اپنے پائے جانے کے وقت اس کے ساتھ متعلق ہوتی ہیں۔ اور یہاں طویل کلام فرمایا۔ پھر فرمایا: پس اگر خالق سے مراد وہ ہے جس سے خلق صادر ہوا تو اس کا صدور ازلی نہیں۔ یہ غزالی کا قول ہے۔ جلال محلی کا کلام ختم ہوا۔

ابن ابی شریف رحمۃ اللہ علیہ نے شرح جمع الجوامع پر اپنے حاشیہ میں فرمایا کہ ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے متقدم اصحاب کے کلام میں یہ نہیں ہے کہ صفات افعال صفات قدیمہ ہیں۔ صفات متقدمہ پر زاید ہیں۔ یہ تو آپ کے بعد والے شاگردوں نے کتاب الفقہ الاکبر میں آپ کے اس قول سے اخذ کیا ہے کہ اللہ خالق تھا۔ پیدا کرنے سے پہلے اور رازق تھا رزق دینے سے پہلے۔ اور استدلال کی وجوہ ذکر کی ہیں۔ رہے اشاعرہ تو وہ کہتے ہیں کہ صفت قدرت کے سوا صفت تکوین نہیں ہے اس اعتبار سے کہ اس کا تعلق مثلاً رزق پہنچانے کے ساتھ ہے۔

اور ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے کلام میں بھی یہ الفاظ ہیں ''اور جیسے اللہ تعالیٰ اپنی صفات کے ساتھ ازلی تھا اسی طرح ابدی رہے گا۔ اس وقت سے جب خلق کی تخلیق فرمائی اسم خالق کا استفادہ نہیں ہوا اور نہ ہی خلق کو پیدا کرنے سے اسم باری حاصل ہوا۔ پس اس کے لئے ربوبیت کا معنی ہے جبکہ کوئی مربوب نہیں۔ اس کے لئے معنائے خالق ہے جبکہ کوئی مخلوق نہ تھی۔ اور جس طرح وہ مردوں کو زندہ فرماتا ہے اور انہیں زندہ فرمانے سے پہلے وہ اس نام کا مستحق ہے اسی طرح انہیں پیدا کرنے سے پہلے اسم خالق کا مستحق ہے۔ اور یہ اس لئے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ کا کلام پورا ہوا۔

برمادی فرماتے ہیں کہ ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا فرمانا کہ یہ اس لئے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے مخلوق سے پہلے اسم خالق کے استحقاق کی علت اور بیان کے طور پر ہے۔ پس اس سے نتیجہ نکلا کہ خالق کا معنی خلق سے پہلے موجود ہے۔ اور یہ کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اس اسم کا استحقاق اس پر ذات حق کی قدرت قائم ہونے کی وجہ سے ہے۔ پس اسم خالق جبکہ مخلوق نہیں ازل میں اس ذات کے لئے صحیح ہے۔ جسے ازل میں قدرت خلق حاصل ہے۔ یہی اشاعرہ کہتے ہیں۔

کمال نے اپنے حاشیہ میں فرمایا کہ طوالت کے باوجود میں نے یہ عبارت تیرے لئے بیان کر دی کیونکہ یہ جلال محلی کے کلام کی وضاحت اور اس کی ظاہر تائید کرتی ہے۔ انتہی۔ اور بحث کے اواخر میں خاتمہ کے باب میں صفات حق کے متعلق گفتگو آئے گی کہ وہ اس کا عین ہیں یا غیر۔ انشاء اللہ تعالیٰ

اسم مسمّٰی کا عین ہے یا غیر

اگر کہا جائے کیا اسم مسمّٰی کا عین ہے یا غیر؟ جواب یہ ہے کہ زیادہ صحیح وہ ہے جو کہ ابن سبکی نے فرمایا ہے کہ اسم اس کا عین ہے اور یہی شیخ ابوالحسن الاشعری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ جبکہ دیگر حضرات کا قول ہے کہ وہ اس کا غیر ہے جیسا کہ وہ جلد ذہن میں آتا ہے کیونکہ مثلاً آگ کا لفظ بلاشک اس کا غیر ہے۔ جلال محلی فرماتے ہیں کہ اشعری کے قول سے مراد اسم اللہ کے پیش نظر ہے کیونکہ اس کا مدلول ذات ہے اس حیثیت سے جو وہ ہے۔ بخلاف اس کے غیر کے جیسے مثلاً عالم کیونکہ اس کا مدلول ذات باعتبار صفت ہے۔ جیسے کہ اشعری نے کہا کہ اسم اللہ سے اس کا ماسوا سمجھا نہیں جاتا۔ بخلاف اس کے علاوہ صفات کے کیونکہ اس سے ذات پر زیادتی سمجھی جاتی ہے جیسے علم وغیرہ۔ انتہی۔

اسم کے تین معانی

ابن ابی شریف نے شرح جمع الجوامع پر اپنے حاشیہ میں فرمایا کہ اس مسئلہ میں میرے لئے وہ مقام ظاہر نہیں جو کہ علماء کے نزاع کا محل ہو سکے جیسا کہ بیضاوی نے اپنی تفسیر کے اوائل میں اس کی وضاحت کی ہے۔ پس فرمایا: جان لو کہ اسم تین معنوں پر بولا جاتا ہے۔ پہلا لفظ مفرد جو کسی معنی کے لئے وضع کیا گیا ہو۔ دوسرا، ذاتِ شے، اور ذات۔ نفس، عین اور اسم کا ایک ہی معنی ہے۔ یہ ابن عطیہ کا قول ہے۔ تیسرا صفت جیسے خالق، علیم وغیرہما اللہ تعالیٰ کے اسماء، اور یہ تین امور ہیں۔ ان میں سے کسی شے کا محل نزاع ہونا ظاہر نہیں ہوتا۔ کیونکہ اگر اسم سے مراد پہلا معنی ہو جو کہ لفظ مفرد ہے جو کہ معنی کے لئے وضع کیا گیا تو اس کے مسمی کا غیر ہونے میں کوئی شک نہیں کیونکہ کوئی عقل مند شک نہیں کرتا کہ آگ کا لفظ اس کا غیر ہے جیسا کہ گزر چکا۔ اور اگر دوسرا معنی مراد ہو جو کہ ذات شے اور اس کی حقیقت ہے تو وہ مسمی ہے اور اس وقت استدلال کی ضرورت نہیں ہوگی گرچہ اسم کا ذات کے معنی میں استعمال مشہور نہیں۔ اور اگر اسم سے مراد تیسرا معنی ہو اور وہ صفت ہے جیسا کہ وہ اشعری کی رائے ہے تو اس کے نزدیک وہ صفت کی اقسام پر منقسم ہوگا۔

اشعری کے نزدیک صفت کی تین اقسام

کیونکہ اس کے نزدیک صفت کی تین قسمیں ہیں۔ وہ جو ذات کی طرف لوٹے جیسے اسم اللہ۔ وہ جو نفس مسمی ہے۔ وہ جو افعال کی طرف لوٹے جیسے خالق اور رازق۔ اور وہ مسمی کا غیر ہے۔ اور جو صفات ذات کی طرف لوٹے جیسے علیم، قدیر، سمیع اور بصیر تو نہیں کہا جائے گا کہ وہ عین مسمی ہے اور نہ ہی اس کا غیر۔ کیونکہ مسمی اس کی ذات ہے اور وہ اور اسم، اس کا علم ہے جو کہ اس کی ذات کا عین نہیں۔ اور وہ ظاہر ہے اور نہ ہی اس کا غیر اس تفسیر کے مطابق کہ دو غیر وہ ہیں کہ ان میں سے ایک کی دوسرے سے جدائی جائز ہو۔

فرمایا: جلال محلی نے اس پر تنبیہ فرمائی ہے کہ اشعریہ کے نزدیک اسم مسمی ہے لیکن خاص لفظ جلالت میں۔ کیونکہ اس کا مدلول ذات ہے من حیث ہی۔ جیسا کہ اشعری نے کہا اسم اللہ سے اس کا ماسوا نہیں سمجھا جاتا۔ کلام جلال محلی اور کلام ابن ابی شریف ختم ہوا۔

محقق صوفیاء کا کلام

رہی اس مسئلہ میں محقق صوفیاء کی گفتگو تو شیخ نے فتوحات کے ۳۴۲ ویں باب میں فرمایا: جس نے یہ قول کیا کہ اسم مسمی کا عین ہے اس کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے **ذالکم الله ربی** (الشوری آیت ۱۰) یہی اللہ مرا رب ہے۔ پس اس کے اسم پاک کو اس کی ذات کا عین قرار دیا۔ جیسا کہ **قل ادعوا الله اوادعوا الرحمن ایاما تدعوا فله الاسماء الحسنى** (بنی اسرائیل آیت ۱۱) آپ فرمادیں اللہ کو پکارو یا رحمٰن کو۔ جس نام سے اسے پکارو اس کے سارے نام اچھے ہیں) اور ادعوا باللہ اور بالرحمٰن نہیں فرمایا۔ پس یہاں اسم کو عین مسمی قرار دیا جیسے دوسرے مقام پر اسے اس کا غیر قرار دیا۔ فرماتے ہیں کہ اگر اس کے قول ذالکم اللہ میں اسم عین مسمی نہ ہوتا تو اس کا قول ربی درست نہ ہوتا۔ انتہی

امام شعرانی فرماتے ہیں کہ اس کی تائید مسلم کی حدیث مرفوع سے بھی ہوتی ہے **انامع عبدی اذا ذکرنی و تحرکت بی شفتاه** یعنی میں اپنے بندے کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ مجھے یاد کرے اور میرے ساتھ اس کے ہونٹ حرکت کریں۔ پس اللہ تعالیٰ نے

اپنے اسم کو اپنی ذات کا عین قرار دیا۔ کیونکہ ذات کے ساتھ ہونٹ رکت نہیں کرتے۔ صرف اسم کے ساتھ حرکت کرتے ہیں۔ جو کہ لفظ ہے۔ پس چاہئے کہ غور کیا جائے۔ واللہ اعلم

اسماء الہیہ کی اقسام

اگر تو کہے کہ اسماء الہیہ کی اقسام کے بارے میں کیا تحقیق ہے۔ ان کی کتنی قسمیں ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تین اقسام کی طرف لوٹتے ہیں۔ وہ اسماء جو ذات پر دلالت کرتے ہیں۔ وہ اسماء جو تنزیہہ پر دلالت کرتے ہیں اور وہ اسماء جو کہ صفات افعال پر دلالت کرتے ہیں۔ یہاں کوئی چوتھا مرتبہ نہیں ہے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے خاص اپنے علم میں بھی نہیں رکھا۔ پس بیشک وہ انہیں مراتب کی طرف لوٹتا ہے۔ پھر یہ تینوں دو قسموں کی طرف لوٹتے ہیں۔ ایک قسم تنزیہہ کا تقاضا کرتی ہے جیسے الکبیر۔ العلی۔ الغنی اور الاحد۔ اور وہ کہ اس کے ساتھ حق تعالیٰ کا اس سے منفرد ہونا صحیح ہو جسے ذات لذاتہا طلب کرتی ہے اور ایک قسم عالم کے لئے اس کی طلب کا تقاضا کرتی ہے جیسے المتکبر، المتعالی، الرحیم، الغفور اور اس جیسے دوسرے اسماء جسے ذات اس کے الہٰ ہونے سے طلب کرتی ہے۔ اسے شیخ نے فتوحات کے ۶۸ ویں اور ۳۷۲ ویں باب میں ذکر فرمایا ہے۔

اور آپ نے ۳۷۹ ویں باب میں فرمایا: جان لو کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کے لئے کبھی ایسا نام نہیں پایا جو کہ ہمیشہ خاص اس کی ذات پر دلالت کرے ذات پر معنائے زاید سمجھ آئے بغیر۔ کیونکہ ہمارے علم تک کوئی اسم نہیں پہنچا مگر وہ دو امروں میں سے ایک پر ہوتا ہے۔ یا کسی فعل پر دلالت کرتا ہے اور وہ وہی جو عالم کو طلب کرتا ہے۔ اور لازمی ہے۔ یا وہ تنزیہہ ہے اور وہ وہی ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے نقص کونی کی صفات سے برتر ہونے کی مہک آتی ہے۔ حق تعالیٰ ان سے منزہ ہے۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو کچھ عطا فرمایا۔

صرف علمیت پر دلالت کرنے والا اللہ تعالیٰ کا کوئی اسم نہیں

اگر تو کہے کہ اس وضاحت کے مطابق اللہ تعالیٰ کے لئے ایسا کوئی اسم علم ہے ہی نہیں جس میں علمیت کے علاوہ کچھ ہو سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہو۔ تو اس کا جواب شیخ محی الدین نے یہ دیا ہے کہ ہاں کہ اس وضاحت کے مطابق ہم تک جو کچھ پہنچا ہے اللہ تعالیٰ کا کوئی اسم علم کبھی نہیں ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے اپنے اسماء صرف اس لئے ظاہر فرمائے ہیں کہ ہم ان کے ساتھ اس کی حمد و ثنا کریں۔ پس محال ہے کہ ان میں کوئی اسم علم ہو۔ کیونکہ اسمائے علم کے ساتھ مسمی پر ثنا واقع نہیں ہوتی۔ وہ تو صرف ان معانی کے اسمائے علم ہوتے ہیں جن پر وہ دلالت کرتے ہیں۔ اور وہ معانی وہی ہیں جن کے ساتھ اس پر ثنا کی جاتی ہے جس کا ان کے ساتھ حکم یقینی طور پر ہمارے لئے ظاہر ہوا۔ اور وہ وہی ہے جو کہ ان کے معانی کے ساتھ مسمی ہے۔ اور معانی وہ ہیں جو کہ ان معانی لفظیہ کے ساتھ مسمی ہیں جیسے القادر۔ العالم وغیرہما

فرماتے ہیں کہ اور اس کی تائید اللہ تعالیٰ کا یہ قول کرتا ہے **وللہ الاسماء الحسنی فادعوہ بھا** (الاعراف آیت ۱۸۰) اور اللہ ہی کے لئے اچھے نام ہیں۔ سو اسے انہیں ناموں سے پکارو)۔ اور وہ نہیں ہیں مگر معانی نہ کہ یہ الفاظ۔ کیونکہ الفاظ حسن و قبح کے ساتھ صرف اپنے معانی کے تابع متصف کئے جاتے ہیں جن پر وہ دلالت کرتے ہیں۔ تو من حیث ذاتھا ان کا کوئی اعتبار نہیں۔ کیونکہ وہ حروف مرکبہ پر زاید نہیں ہیں اور نظم خاص کا نام اصطلاح ہے۔

اسماءِ حسنیٰ کے متعلق وضاحت

اگر تو کہے کہ جب تو اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ کو اس لئے حسنیٰ کا نام نہیں دیا گیا تا کہ ان کا کوئی مقابل غیر حسن ہو۔ وہ تو صرف عرف میں ان کے حسن کے ظہور کی حیثیت سے حسنی ہیں۔ تو جواب یہ ہے کہ ہاں! یہ اسی طرح ہے۔ پس ہمارے لئے جس کا حسن عرف میں ظاہر ہوا وہ مطلقاً حسن ہے۔ اور جس کا حسن عرف میں ظاہر نہیں ہوا تو اس کا حسن مخفی ہے اس نے عوام بے خبر۔ رہے خواص تو ان کے لئے تمام اسماء کا حسن ظاہر ہے۔ ان پر مخفی نہیں کہ وہ تو عالم میں الٰہیات کے تمام مراتب میں حق تعالیٰ کے عارف ہیں۔ یہ وہ ہے جو شیخ نے ۳۷۹ ویں باب میں ذکر کیا۔ اور اس سے پہلے فرماتے تھے کہ اسماء الٰہیہ میں سے ہمیں کوئی اسم معلوم نہیں جو پورے کتاب وسنت میں ہم پر وارد ہوا جو کہ ذلت پر دلالت کرتا ہو سوائے اسم اللہ کے۔ کیونکہ وہ اسم علم ہے اس سے صرف وہی ذات سمجھی جا سکتی ہے جس کا یہ نام ہے۔ اور مدح وذم پر دلالت نہیں کرتا۔ اور آپ نے فتوحات کے ۱۷۷ ویں باب میں طویل وضاحت سے کلام کیا ہے میں نے جو کچھ تیرے لئے ذکر کیا ہے۔ یہ اس کا خلاصہ ہے۔ اور اسی طرح میں نے اس بحث میں ساری کتاب لواقح الانوار کا مطالعہ کیا اور یہاں اس کا خلاصہ بیان کیا ہے۔ پس اس پر اعتماد کر۔

اسم اللہ مشتق نہیں

اور شیخ محی الدین نے اس ۱۷۷ ویں باب میں فرمایا ہے کہ ہم نے جو علمیت کا قول کیا ہے یہ اس کے مذہب میں ہے جو اسے مشتق نہیں سمجھتا۔ پھر اشتقاق کے قول پر کیا وہ مسمی کے لئے مقصود ہے یا اس کے لئے مقصود نہیں ہے۔ جس طرح کہ جب ہم علمیت کے طور پر کسی کا نام یزید رکھیں۔ اگر چہ وہ 'زیادہ' مصدر سے فعل کا صیغہ ہے لیکن ہم نے اس کا نام اس لئے نہیں رکھا کہ وہ اپنے جسم میں مثلاً بڑھتا اور پھیلتا ہے۔ ہم نے تو اس کا نام صرف اس لئے رکھا ہے، تا کہ اسے پہچانیں اور جب اسے ندا دیں تو اس نام کے ساتھ آواز دیں۔ تو اسماء میں سے کوئی تو وضعی طور پر اس حد پر ہوتے ہیں۔ تو جب یہ اسماء اس معنی پر قبول کر لئے جائیں تو یہ اسماء علم ہیں اور جب اسماء مدح پر قبول کئے جائیں تو یہ اسماء صفات ہیں۔

فرماتے ہیں کہ تمام اسماء حسنی اسی کے ساتھ وارد ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے معنی کے طریق سے ان کے ساتھ اپنی ذات کی نعت فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں کہ رہا اسم الٰہ تو اسکے ساتھ وضع لفظی کے طریقے سے اپنی ذات کی نعت فرمائی ہے۔ پس ظاہر یہ ہے کہ اسم اللہ ذات کے لئے علم کی طرح ہے۔ اس سے اشتقاق مراد نہیں گر چہ بعض اس کے اشتقاق کا قول کیا ہے۔

اسماءِ ضمائر کا حکم

اگر تو کہے کہ کیا اسماء ضمائر، اسماء صریحہ کی طرح ذات پر دلالت کرتے ہیں یا نہیں؟ تو اس کا جواب شیخ محی الدین کے مطابق یہ ہے کہ یہ بلاشک وشبہ ذات پر دلالت کرتے ہیں کیونکہ یہ مشتق نہیں ہیں لیکن اس کے باوجود اعلام یعنی اسماء علم نہیں ہیں۔ گر چہ دلالت میں اعلام سے زیادہ قوی ہیں۔ کیونکہ اعلام کبھی نعوت کے محتاج ہوتے ہیں جبکہ اسماء ضمائر کو ضرورت نہیں ہوتی۔ اور یہ جیسے لفظ ہو۔ ذا، انا، انت، نحن، انی سے یا اور انک سے کاف۔ رہا ہو تو یہ غائب کے لئے ضمیر ہے تو یہ اہل اللہ کے نزدیک اصل وضع میں اسم اللہ سے زیادہ معروف ہے۔ کیونکہ یہ ہویت حق پر دلالت کرتا ہے جسے اس کے سوا کوئی نہیں پہچانتا۔

اور ذا اسماء اشارہ سے ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ذالکم اللہ ربکم (یونس آیت ۳) یہ ہے اللہ جو تمہارا رب ہے) اسی طرح یاء متکلم کا لفظ جیسے فاعبدنی واقم الصلوۃ لذکری (طٰہٰ آیت ۱۴۔ میری عبادت کر اور میری یاد کے لئے نماز ادا کر) اسی طرح انت تاء خطاب کا لفظ۔ جیسے کنت انت الرقیب علیھم (المائدہ آیت ۱۱۷) تو ہی ان پر نگران تھا)۔ اور اسی طرح گفتگو ہے نحن. انا مشددہ اور نا کے لفظ میں جیسے انا نحن نزلنا الذکر (الحجر آیت ۹) بیشک ہمیں نے ذکر اتارا)۔ اسی طرح کاف خطاب کا حرف ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول انك انت العزیز الحکیم (المؤمن آیت ۸) بیشک تو ہی غالب۔ حکمت والا ہے)۔ پس یہ سب اسماء ضمائر اشارات اور کنایات ہیں۔ ہر ضمیر، مخاطب، مشار الیہ اور مکنی عنہ کو عام ہیں۔ انتہی اور آپ نے ۵۵۸ ویں باب میں فرمایا جو کہ فتوحات کا آخری باب ہے جان لو کہ اسم اللہ کا وضع کے ساتھ مسمی حق تعالیٰ کی ذات ہے۔ اسے اس نے متعین فرمایا جس کے دست قدرت میں ہر شے کی بادشاہی ہے۔ اور اس میں طویل گفتگو کے بعد فرمایا: پس معلوم ہوا کہ ہر اسم الٰہی ذات حق پر اپنی دلالت کی حیثیت سے اسماء تنزیہ کو ضمن میں لئے ہوئے ہے لیکن چونکہ اسم اللہ کے سوا باقی اسماء ذات حق پر اپنی دلالت کے ساتھ ساتھ مشتق ہونے کی حیثیت سے دوسرے معنی پر دلالت کرتے ہیں جیسے نفی اور اثبات تو دلالت علی الذات کی یکتائی میں اس اسم جیسی قوت نہیں جیسے اسم الرحمٰن اور علاوہ ازیں دوسرے اسماء حسنٰی۔

فرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اس اسم علم (اللہ) کو بچایا ہے کہ ذات حق کے بغیر کوئی اس سے موسوم ہو۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس پر حجت قائم کرتے ہوئے جس نے اللہ تعالیٰ کے غیر کی طرف الوہیت منسوب کی فرمایا: قل سموھم (الرعد آیت ۳۳) فرما دیجئے ان کا نام تو لو)۔ اور اگر وہ ان کا نام لیتے تو اسم اللہ کے علاوہ لیتے۔ کیونکہ انہوں نے کہا تھا: ما نعبد ھم الالیقر بونا الی اللہ زلفی (الزمر آیت ۳) ہم ان کی پوجا صرف اس لئے کرتے ہی کہ ہمیں اللہ کا مقرب بنا دیں)۔ پس تجھے معلوم ہو گیا کہ اسم اللہ مطابقت کے حکم کے ساتھ ذات پر دلالت کرتا ہے جیسے اسماء اعلام اپنے مسمیات پر۔ انتہی

مسئلہ مذکورہ میں شیخ کے کلام میں تناقض

امام شعرانی فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ تیرے لئے شیخ کے اس قول میں کہ اسم اللہ علم ہے یا غیر علم ہے شیخ کے کلام میں تناقض ہو گیا۔ کیونکہ آپ نے پہلے ۳۷۷ ویں باب میں ذکر کیا کہ یہ اسم علم ہے۔ پھر ۳۷۹ ویں باب میں ذکر کیا کہ یہ اسم علم کا غیر ہے۔ پھر ۵۵۸ ویں باب میں اسے اسم علم قرار دیا۔ اسے درست کر لیا جائے واللہ تعالیٰ اعلم۔

اگر تو کہے کہ تمہاری تقریر کے مطابق کہ اسماء الٰہیہ سے مراد صرف ان کے معانی ہیں نہ کہ ان کے الفاظ۔ تمام اسماء جو ہمارے سامنے ہیں ان اسماء الٰہیہ کے اسماء ہوں گے جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ کلام فرماتے ہوئے اپنی ذات کو موسوم فرمایا۔ تو جواب یہ ہے کہ ہاں۔ یہ اسی طرح ہے۔ پس ہم وہ شرح جس کے ساتھ ہم ان اسماء کے مدلول کی وضاحت کرتے تھے انہیں اسماء پر رکھتے ہیں جو ہمارے پاس ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ان کے عالم کے لئے ظہور کی حیثیت سے موسوم ہوا۔ پس ان کے لئے وہی احترام ہے جو کہ ان اسماء کے لئے ہے جو قائمہ بالذات ہیں۔ جیسا کہ ہم نے مصحف میں مرقوم حروف کے بارے میں کہا کہ وہ کلام اللہ تعالیٰ ہیں۔ گرچہ ان کے متعلق دوسری تحقیق بھی ہے جسے علماء باللہ تعالیٰ پہنچانتے ہیں۔

تعظیم اسماء کے متعلق وضاحت

اگر تو کہے کہ تعظیم اسماء کیا ان تمام الفاظ کو عام ہے جو لوگوں کی زبانوں پر ان کے طبقات اور زبانوں کے اختلاف کے ساتھ دائر ہیں۔ تو جواب یہ ہے کہ ہاں یہ ہر لغت میں قابل تعظیم ہیں کہ ایک ہی ذات کی طرف لوٹتے ہیں۔ کیونکہ اسم اللہ کے غیر کو عرب نہیں پہچانتے۔ اور وہ فارسی زبان میں خدا۔ حبشہ کی زبان میں واق۔ فرنگیوں کی زبان میں کربطور ہے۔ اور اس پر ساری زبانوں میں تفتیش کرو ہر زبان میں اس اسم الٰہی کو مدلول علیہ کی حیثیت سے تعظیم پاؤ گے۔ اسی لئے شارع صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں منع فرمایا ہے کہ مصحف شریف لے کر دشمن کی سرزمین کی طرف سفر کریں۔ جبکہ بلاشک وہ ہمارے ہاتھوں کی تحریر ہے اور محدثات کے ہاتھوں لکھے ہوئے اوراق ہیں۔ اس سیاہی کے ساتھ جو کہ مثلاً مختلف اجزاء سے تیار کی جاتی ہے۔ پس اگر یہ دلالت نہ ہوتی جو کہ اسماء وحروف میں ہے تو ان کی تعظیم رونما نہ ہوتی۔ اور شیخ نے اس کے متعلق ۲۱۷ ویں باب میں طویل گفتگو فرمائی ہے۔ وہاں رجوع کرو۔

اگر تو کہے کہ جب تو ہمیں اللہ تعالیٰ کے اسماء جیسے اسماء کے ساتھ نام رکھنا درست نہیں جیسے نافع۔ نور، وکیل وغیرہ تو شیخ نے ۴۳ ویں باب میں یہ جواب دیا ہے کہ ہاں یہ حرام ہے اور شرعاً اور عقلاً ہم پر اس سے پرہیز کرنا واجب ہے۔ اور اگر ہم کسی پر ان میں سے بعض اسماء کا اطلاق کرتے ہیں تو ہم اس کا ذکر اس حالت میں کرتے ہیں کہ اس کے تعلق باللہ تعالیٰ سے غیر متوجہ ہوتے ہیں جس طرح کہ ہم جب کہتے ہیں کہ فلاں مومن ہے تو اس سے ہماری مراد اس کا اللہ تعالیٰ کے وعدہ و وعید کی تصدیق کرنے والا ہونا ہے۔ اور ہماری مراد وہ معنی نہیں جو کہ اللہ تعالیٰ کے اسم المؤمن کے ساتھ متعلق ہے۔

اسماء حسنیٰ ہونے کے باوجود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا رؤف رحیم ہونا

رہا حق تعالیٰ کا اپنے عبد مقرب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رؤف رحیم کا نام عطا کرنا تو ہم اس کا اللہ تعالیٰ کے کلام کی تلاوت اور حکایت کے طریق سے ذکر کرتے ہیں۔ پس ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وہی نام لیتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ صاحب اسم نے خود ہی آپ کو اس نام کی خلعت عطا فرمائی ہے۔ اس کے باوجود ہمارا عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فی نفسہ اپنے پروردگار کے حضور عبد متواضع خاشع زاری کرنے والے رجوع رکھنے والے ہیں۔

(اقول و باللہ التوفیق۔ شیخ محقق برکۃ المصطفیٰ فی دیاء الہند شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مدارج النبوۃ جلد اوّل ص ۲۵۹۔ میں فرمایا کہ رب کریم اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ شرف بخشا کہ انہیں اسماء حسنی اور اپنی اعلیٰ صفات کے ساتھ موسوم فرمایا۔ نیز فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ رب العزت جل شانہ کے اسماء وصفات کے کمالات کے جامع ہیں اور جمیع اخلاق الٰہی عز اسمہ کے ساتھ متخلق ہیں جیسا کہ بعض عارفین نے اس کی تفصیل بیان فرمائی۔ جبکہ قرآن وسنت کے حوالے سے قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے ان اسماء حسنیٰ کی تعداد تمیں لکھی ہے جن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مسمّی فرمایا۔ اور شیخ کے مطابق قاضی عیاض قدس سرہ نے یہ تعداد تعلیم الٰہی کے ساتھ بیان کی۔ اور یہ تعداد حرف آخر کے طور پر بیان نہیں کی بلکہ فرماتے ہیں: امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ کا الہام فرما دے۔ چنانچہ شیخ احمد الصاوی محشی جلالین زیر آیت مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد فرماتے ہیں **قال بعضهم انه صلى الله عليه وسلم له اربعة آلاف منها نحو سبعين من اسمائه تعالى كرؤف رحيم** بعض اہل اللہ نے فرمایا ہے کہ

بیشک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چار ہزار اسماء ہیں۔ جن میں سے ستر اسماء اللہ تعالیٰ کے ہیں جیسے رؤف رحیم نیز اسی مدارج النبوۃ کے باب ہفتم کے آغاز میں فرماتے ہیں "بدانکہ حق تعالیٰ تسمیہ کردہ است حبیب خود را صلی اللہ علیہ وسلم در قرآن عظیم وغیرو ے از کتب سماویہ برزبان انبیاء ورسل علیہم السلام باسماء کثیرہ وکثرت اسماء دلالت می کند برشرف مسمی کہ اشتقاق اسماء از صفات وافعال است وہر اسمی مشتق از صفتی وفعلی است۔ جان لو کہ حق تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن عظیم اور اس کے علاوہ دیگر کتب سماویہ میں اور انبیاء ورسل علیہم السلام کی زبانوں پر بے شمار اسماء سے موسوم فرمایا۔ اور اسماء کی کثرت مسمی کی عظمت پر دلالت کرتی ہے کیونکہ اسماء کا اشتقاق صفات وافعال سے ہے اور ہر اسم کسی صفت اور فعل سے مشتق ہے۔ (محمد محفوظ الحق غفرلہ ولوالدیہ)

اسماء حسنیٰ میں مسئلہ تفاضل

اگر تو کہے کہ کیا اللہ تعالیٰ کے اسماء میں افضل ومفضول ہیں گرچہ سب کے سب عظیم وجلیل ہیں یا سب برابر ہیں؟

تو اس کا جواب شیخ نے ۳۷۱ ویں باب میں یہ دیا ہے کہ نفس الامر میں اللہ تعالیٰ کے اسماء برابر ہیں کہ تمام ذات واحدۃ کی طرف ہی لوٹتے ہیں۔ اور اگر تفاضل واقع ہو تو یہ ایک امر خارج ہے۔ کیونکہ اسماء نسبتیں اور اضافتیں ہیں۔ ان میں کوئی امام ہیں۔ کوئی دربان ہیں تو ان میں ایسے بھی ہیں جن کی طرف ممکنات کلی طور پر محتاج ہیں۔ اور مشاہدہ میں آنے والے احوال کے پیش نظر ان میں سے بعض وہ ہیں کہ ممکنات ان کی طرف وہ احتیاج کلی نہیں رکھتے تو جس کی طرف ممکن کو احتیاج ضروری ہے وہ اسم الحی العالم المرید القادر ہے۔ اور نظر عقلی میں اخیر وہ 'القادر' ہے۔ پس ان چاروں کو ممکن بذاتہ طلب کرتا ہے۔ باقی اسماء ان اسماء کے لئے دربانوں کی طرح ہیں۔ پھر ان چاروں اسماء کو ظہور رتبہ میں اسم المدبر اور المفصل ملتا ہے پھر جواد پھر مقسط۔ پس ان اسماء سے عالم غیب وشہادت دنیا وآخرت، بلاء وعافیت اور جنت ودوزخ ہوئے۔ انتہی

اور سیدی علی بن وفا رضی اللہ عنہ کا مذہب اسماء میں تفاضل ہے اور آپ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں و کلمة الله هی العلیا (التوبۃ آیت ۴۰) اور اللہ کا کلمہ ہی بلند ہے) کے بارے میں فرماتے ہیں وہ اسم اللہ ہے کیونکہ وہ تمام اسماء سے بلند مرتبہ ہے۔ اسی لئے بسم اللہ میں اور اس جیسی آیات میں یہ اسم پہلے آیا ہے جیسے الله لااله الا هو الحی القیوم اس پر معطوف اسماء ذکر کیے گئے۔ جبکہ محققین کا اس امر پر اجماع ہے کہ یہ تمام اسماء کے حقائق کا جامع اسم ہے۔ فرماتے ہیں اور اس کی مثال یہ بھی ہے و لذکر الله اکبر (العنکبوت آیت ۴۵) اور اللہ کا ذکر بہت بڑا ہے۔ یعنی اسم اللہ کا ذکر تمام اسماء کے ذکر سے بہت بڑا ہے۔ انتہی۔

اور شیخ محی الدین نے بھی شیطان سے استعاذہ پر نظر کرتے ہوئے اسی طرح کی گفتگو فرمائی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ استعاذہ کے امر کو اسم اللہ کے ساتھ خاص کیا گیا نہ کہ دوسرے اسماء کے ساتھ۔ کیونکہ جن راستوں سے شیطان ہمارے پاس آتا ہے غیر معین ہیں پس ہمیں اسم جامع کے ساتھ استعاذہ کرنے کا حکم دیا۔ پس جس راستے سے وہ ہمارے پاس آتا ہے اسم 'اللہ' کو ہم تک پہنچنے سے روکنے والا پاتا ہے۔ بخلاف اسماء فروع کے۔ انتہی۔ نیز آپ نے ۸۲ ویں باب میں اللہ تعالیٰ کے قول ففروا الی الله (الذاریات یت ۵۹) پس اللہ کی طرف دوڑو) کے بارے میں فرمایا کہ اسم جامع اس لئے لایا گیا جو کہ اللہ ہے کیونکہ عرف طبع میں اعتماد کثرت کی طرف ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ (کی حمایت) کا ہاتھ جماعت کے ساتھ ہے۔ پس نفس کو کثرت کی طرف اعتماد کی وجہ سے امان ملتی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ اسماء خیر کا مجموعہ ہے۔ اور جس نے معرفتہ اسماء الٰہیہ کی تحقیق کی اس نے اسم 'اللہ' کے سیاق میں اخذ و انتقام کے اسماء قلیل اور اسماء رحمت کثیر پائے ہیں۔ انتہی پس اس بحث پر غور کر اور اسے لکھ لے اللہ تعالیٰ تیری ہدایت کا وارث ہو۔

خاتمہ۔ انس باللہ تعالیٰ اور انس بالاسماء

اگر تو کہے کہ کیا کسی کے لئے اللہ تعالیٰ کے ساتھ انس صحیح ہے جس طرح کہ اس کے سوا اسماء سے انس حاصل کرنا صحیح ہے۔ اس کا جواب شیخ ۲۴۰ ویں باب میں یہ دیا ہے کہ تمام محققین کے نزدیک کسی کے لئے انس بالذات صحیح نہیں کہ جنسیت نہیں ہے بلکہ ہم تو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے کسی اسم کے ساتھ انس کبھی بھی صحیح نہیں ہے۔ حقیقت انس صرف حق تعالیٰ کے بندے کو پہنچنے والے اسباب قرب اور نور اعمال کی طرف لوٹتی ہے اور کچھ نہیں۔ اور جس نے کہا کہ اس نے عین ذات حق تعالیٰ کے ساتھ انس حاصل کیا بالکل غلط کہا۔ انتہی واللہ تعالیٰ اعلم۔

الرحمٰن الرحیم ایک ہی اسم ہے

اگر تو کہے کہ کیا الرحمٰن، الرحیم دو اسم ہیں جیسا کہ مشہور ہے یا دونوں ایک ہی اسم مرکب ہیں جیسے بعلبک۔ رامہرمز تو اس کا جواب شیخ نے باب الاسرار میں یوں دیا ہے کہ انہیں جو کچھ کشف نے عطا کیا ہے وہ دونوں ایک ہی اسم ہے جیسا کہ سوال میں مذکور ہے۔ انتہی۔ اور آپ نے ۱۹۲ ویں باب میں فرمایا ہے کہ ہم تک یہ بات پہنچی ہے کہ کفار اسے مرکب سمجھتے تھے۔ جب مفرد ہوا تو انہوں نے اس کا انکار کیا اور اسے نہ پہچانا۔ انتہی

ہر اسم الٰہی جامع جمیع الحقائق ہے

اگر کہا جائے کہ کیا ہر اسم الٰہی اسماء الٰہیہ کے جمیع حقائق کا جامع ہے یا ہر اسم اپنی حقیقت سے آگے نہیں گزرتا؟

اس کا جواب جیسا کہ فتوحات کے چوتھے باب میں شیخ نے دیا ہے یہ ہے کہ ہر اسم الٰہی جمیع حقائق اسماء کو جمع کرتا ہے اور شہود میں حقائق اسماء کے درمیان امتیاز کے باوجود ان پر حاوی ہے۔ فرماتے ہیں: یہ وہ مقام ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے مجھے اطلاع بخشی جبکہ میں نے اپنے معاصرین میں سے کوئی بھی اس کا ذوق رکھنے والا نہیں دیکھا۔ انتہی

اگر تو کہے کہ کیا خلق میں سے کسی کے لئے تخلق بالقیومیۃ صحیح ہے جو کہ دن رات، ہمیشہ بیدار رہنا ہے۔ تو اس کا جواب شیخ نے ۹۸ ویں باب میں یہ دیا ہے کہ اس کے ساتھ باقی اسماء الٰہیہ کی طرح کہ جن کے ساتھ خلق میں سے کسی کے لئے تخلق صحیح ہے بلا فرق درست ہے اور یہ حق کی خصوصیات میں سے نہیں ہے جیسے کہ ہمارے شیخ ابو عبداللہ بن جنید نے یہ قول کیا ہے۔ اور حق وہی ہے جو ہم نے اس کے ساتھ تخلق کا قول کیا ہے۔ انتہی

اسم الھویہ. الاحدیۃ اور الغنی عن العالمین کے ساتھ تخلق کا مسئلہ

اگر تو کہے کہ کیا کسی کے لئے الھویۃ الاحدیۃ اور الغنی عن العالمین کے اسم کے ساتھ تخلق صحیح ہے؟ تو اس کے جواب میں شیخ محی الدین فرماتے ہیں کہ کسی کے لئے ان کے ساتھ تخلق صحیح نہیں کیونکہ یہ امور حق تعالیٰ کے خصائص سے ہیں پس ان کے ساتھ کسی مخلوق کو عیاناً اور نہ ہی نظر عقلی کے ساتھ تخلق صحیح نہیں۔ نیز باب الاسرار میں فرماتے ہیں جان لو کہ تخلق بالاسماء مطلقاً بہت مشکل اخلاق میں

سے ہے کہ اس میں خلاف ووفاق ہے۔ پس اے بھائی! اس سے پرہیز کر کہ تجھ سے اس کی مثل ظاہر ہو اس سے پہلے کہ تیری اس ذات کے مشہد تک رسائی ہو جس نے کہا کہ میں تجھ سے تیری پناہ مانگتا ہوں کس میں پناہ طلب کی اور کس کی طرف پناہ لی۔ انتہی

پس ان جواہر میں غور کر کیونکہ تو انہیں مجموعی طور پر کسی کتاب میں نہیں پائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہی تیری ہدایت کا متولی ہے اور وہی مجھے کافی ہے اور کیا ہی اچھا کارساز ہے اور اسی کی طرف جائے بازگشت ہے۔

چودھویں بحث

صفات باری تعالیٰ عین ہیں یا غیر

یہ بحث اس مسئلہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات عین ہیں یا غیر یا عین نہ غیر؟ اے بھائی! جان لے کہ صفات ذاتیہ کی نفی معتزلہ کی طرف منسوب کی جاتی ہے حالانکہ انہوں نے اس کی تصریح نہیں کی جیسا کہ شیخ الاسلام ابن ابی شریف نے اپنے حاشیہ میں کہا ہے۔ کہ لوگوں نے یہ مسئلہ یہاں سے اخذ کیا کہ انہوں نے صفات ذات جیسے قدرت اور علم کی نفی ان کے زائدہ ہونے کی حیثیت سے کی ہے۔ ورنہ معتزلہ اس پر متفق ہیں کہ بیشک اللہ تعالیٰ ہی عالم قادر مرید سمیع بصیر متکلم ہے لیکن بذاتہ۔ نہ کہ صفۃ زائدہ کے ساتھ۔ انہوں نے کہا: وہ متکلم ہے کا معنی یہ ہے کہ وہ مثلاً درخت میں کلام کا خالق ہے۔ فرماتے ہیں کہ اس کی بنیاد ان کے کلام نفسی کے انکار پر ہے۔ اور ان کے اس گمان پر کہ کلام نہیں ہے مگر لفظی اور کلام لفظی کا اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قیام ممنوع ہے۔ تو اس تقریر کے مطابق ان سے جو نفی صفات منقول ہے وہ ان کے مذہب کو لازم ہے۔ اور راجح قول کے مطابق لازم المذہب مذہب نہیں ہے اور یہاں طویل کلام کیا۔

صفات کے بارے میں اہل سنت کا مذہب

پھر فرماتے ہیں کہ اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی صفات سبعہ (حیات، علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر اور کلام) زائدہ علی الذات ہیں۔ اس کے ساتھ قائم، اسے اس لزوم کے ساتھ لازم کہ جدائی قبول نہیں کرتا۔ اور انہوں نے کہا کہ حق تعالیٰ حیات کے ساتھ حی۔ علم کے ساتھ عالم، قدرت کے ساتھ قادر اور اسی طرح دوسری صفات۔

پھر فرماتے ہیں کہ رہی صفت بقاء تو اس میں اختلاف ہے۔ اشعری اور ان کے اکثر پیروکار اس عقیدہ پر ہیں کہ یہ صفت زائدہ علی الذات ہے جبکہ قاضی۔ دونوں اماموں وغیرہم کا قول معتزلہ والا ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ لذاتہ باقی ہے نہ کہ بقاء کے ساتھ۔ شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ دونوں طرفوں کے دلائل کتب اصول دین میں لکھے ہوئے ہیں۔ نیز فرمایا کہ گزشتہ تقریر کے مطابق معتزلہ نے صفات کی نفی صرف تعدد قدماء سے گریز کرتے ہوئے کی ہے۔ جبکہ اہل سنت نے کہا ہے کہ قدیم لذاتہ ایک ہے۔ اور وہ ذات مقدس ہے جبکہ یہ صفات للذات واجب ہوئی ہیں نہ کہ بالذات۔ اور تعدد قدیم لذاتہ میں نہیں ہوتا۔ یہاں شرح جمع الجوامع کے آپ کے حاشیہ میں بحث اشتقاق میں اس کا ذکر ختم ہوا۔ متکلمین کا کلام ختم ہوا۔

صفات کے متعلق مذہب صوفیاء

البتہ صوفیاء رضی اللہ عنہم نے جو کچھ فرمایا ہے۔ تو سیدی علی بن وفا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جان لو کہ بیشک ذات شئی واحد ہے اس

میں حقیقتاً کثرت ہے نہ تعدد۔ معتزلہ کا اختلاف صرف اس کے تعین بالصفات کے اعتبار کی جہت سے تعدد قدماء سے ہے اور یہ صرف تعدد اعتباری ہے اور تعدد اعتباری وحدت حقیقیہ میں موجب طعن نہیں جیسے درخت کی شاخیں اس کی جڑ کے پیش نظر یا انگلیاں، ہتھیلی کے سامنے انتہی۔

صفات اور اوصاف میں فرق

اگر کہا جائے کہ صفات اور اوصاف میں کیا فرق ہے؟ اس کا جواب فتوحات میں تشہد فی الصلوٰۃ پر کلام کرتے ہوئے شیخ محی الدین نے یہ دیا ہے کہ صفات سے عین موصوف پر امر زاید اور عین زایدہ سمجھ میں آتا ہے۔ رہے اوصاف تو یہ کبھی نسبت خاصہ کے ساتھ جس کا کوئی عین موجود نہیں موصوف کا عین ہوتے ہیں۔ انتہی۔ نیز آپ نے ۴۱۶ ویں باب میں اپنے شیخ ابو عبداللہ الکنانی سے جو کہ مغرب میں امام المتکلمین ہیں سے یہ بات ذکر فرمائی کہ آپ نے فرمایا ہے کہ جس نے بھی صفات الٰہیہ کے عین یا غیر ہونے پر دلیل کا تکلف کیا اس کی دلیل کمزور ہے۔ لیکن جس نے عین ہونے کا قول کیا وہ ادب و تعظیم میں زیادہ ہے۔ اور اس بحث کے پیچھے آنے والی بحث کے آخر میں آئے گا کہ ادب یہ ہے کہ ہم صفات کو اسماء کا نام دیں کیونکہ یہی وارد ہوا ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کر اور شیخ محی الدین نے بحث الصفات پر بسط و تفصیل سے کلام کیا ہے کہ یہ عین ہیں یا غیر۔ اور پوری فتوحات میں آپ کی طرف سے جو بہترین کلام میں نے دیکھا ہے وہ وہ ہے جو کہ ان پانچ ابواب میں ہے جن کا ذکر آ رہا ہے۔ اور وہ ۷۱ واں باب۔ ۵۶ واں باب۔ ۳۷۳ واں باب، ۴۷۰ واں باب اور ۵۵۸ واں باب ہے۔

۷۱ ویں باب کی گفتگو

آپ نے ۷۱ ویں باب میں جو فرمایا وہ یہ ہے: جان لو کہ تمام اسماء و صفات الٰہیہ سب کے سب نسبتیں اور اضافات ہیں جو کہ عین واحد کی طرف لوٹتے ہیں کیونکہ وہاں دوسرے اعیان کے وجود کی وجہ سے کثرت صحیح نہیں جیسا کہ بعض غور و فکر کرنے والوں کا گمان ہے۔ اگر چہ صفات، اعیان زایدہ ہوں۔ اور وہ انہیں کے ساتھ الٰہ ہوتا تو الوہیت ان کے ساتھ معلول ہوتی۔ پھر صفات خالی نہیں کہ عین الٰہ ہوتیں۔ پس شے اپنی ذات کی علت نہیں ہوتی۔ یا عین نہ ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ اس علت کے لئے معلول نہیں ہوتا جو اس کا عین نہیں۔ کیونکہ علت رتبے کے ساتھ معلول سے پہلے ہوتی ہے۔ پس اس سے الٰہ کے ان اعیان زایدہ کا جو کہ اس کی علت ہیں معلول ہونے کی وجہ سے محتاج ہونا لازم آتا ہے اور یہ محال ہے۔ پھر شے معلول کے لئے دو علتیں نہیں ہوتیں جبکہ یہ علل کثیرہ ہیں جن کے بغیر الٰہ نہیں ہوتا پس یہ باطل ہوا کہ اسماء و صفات اس کی ذات پر اعیان زایدہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس سے بلند و بالا ہے۔

۵۶ ویں باب کا کلام

اور وہ یہ کہ آپ فرماتے ہیں اے بھائی! جان لے کہ عقائد میں بیمار تحقیق صحیح نہیں۔ کیونکہ ان کی بنیاد دلائل واضحہ پر ہوتی ہے۔ اور بعض متکلمین نے محدثات کے دلائل کا تجسس کیا پس ان میں اسے نہ پایا جو اپنے آپ عالم ہو۔ پس اس نے اسے اپنی دلیل یہ دی کہ کوئی عالم کبھی بھی اپنی ذات پر صفت زایدہ کے بغیر جسے علم کہا جاتا ہے نہیں ہوتا اور جس میں وہ صفت قائم ہو اس میں اس کا حکم یہ ہے کہ عالم ہو۔ اور ہم جانتے ہیں کہ حق تعالیٰ عالم ہے تو ضروری ہے کہ اس کے لئے علم ہو اور وہ علم اس کی ذات پر صفت زایدہ ہو جو اس کے ساتھ قائم ہو۔

شیخ محی الدین فرماتے ہیں کہ یہ بیمار تحقیق ہے بلکہ وہ اللہ عالم قادر خبیر ہے سب کچھ بذاتہ ہے۔ اس پر کسی امر زاید کی وجہ سے نہیں۔ کیونکہ اگر یہ اس کی ذات پر امر زاید کی وجہ سے ہوتا اور وہ صفات کمال ہیں تو کمال ذات ان کے بغیر نہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کا کمال اس کی ذات پر زاید شے کی وجہ سے ہوتا۔ اور جب اس کے ساتھ یہ امر زاید قائم نہ ہوتا اس کی ذات نقص اور احتیاج کے ساتھ موصوف ہوتی۔ اللہ تعالیٰ اس سے بلند و بالا ہے۔ اور یہی وہ وجہ ہے جس نے بعض متکلمین کو حق تعالیٰ کی صفات میں یہ کہنے کی دعوت دی کہ وہ اس کا غیر ہیں پس وہ صحیح راستے سے بھٹک گئے۔ اور ان کے بھٹکنے کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے باوجودیکہ خلق سے ذات عالم باکمال ہے علم کو اس کی رفعت کے اندازے پر معانی کی صفات سے جانا۔ تو جب اسے دلیل نے یہ عطا کیا تو اس نے اسے حاضر و غائب دونوں صورتوں میں یعنی خلق اور حق دونوں کے حق میں ایک ساتھ رد کر دیا۔ انتہی

۵۵۸ ویں باب کے مذکورات

علاوہ ازیں شیخ نے ۵۵۸ ویں باب میں اللہ تعالیٰ کے اسم العلیم کے بارے میں کلام کرتے ہوئے ذکر کیا کہ خلق میں ایسا بھی ہوتا ہے جس کا علم اس کی ذات سے ہوتا ہے کسی امر زاید کی وجہ سے نہیں۔ اور یہ ہر اس علم میں سے ہے جس کا ادراک انسان خاص اپنے وجود کے عین کے ساتھ کرتا ہے۔ اور اسے حاصل کرنے میں کسی دوسرے امر کا محتاج نہیں ہوتا۔ تو جب اس پر وہ وارد ہو جسے وہ قبول نہیں کرتا مگر اس کے مزاج خاص پر موجود ہونے کی وجہ سے تو وہ اس کا علم ذاتی ہے۔ انتہی

غور کرنا چاہئے گویا آپ کہہ رہے ہیں۔ پس جب بعض بندوں کو اپنے غیر سے عدم استفادہ علم واقع ہوتا ہے تو حق تعالیٰ اولیٰ ہے۔ لیکن اس بندے کے علم اور حق تعالیٰ کے علم کے مابین فرق یہ ہے کہ عبد کا علم اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لئے اس وقت ہبہ ہے جب اس میں روح پھونکی گئی۔ پس اس کا علم اس قسم سے نہیں ہے جس کا علم حقیقت میں بذاتہ ہو۔ اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ اسے جان لے اور اپنے آپ کو غلطی سے بچا۔

۳۷۳ ویں باب کے مذکورات

اور آپ نے جو کچھ ۳۷۳ ویں باب میں ذکر فرمایا وہ یہ ہے: جان لے کہ اللہ تعالیٰ پر کسی شے کے ساتھ حکم جائز نہیں۔ کیونکہ وہ سب سے بہتر حکم فرمانے والا ہے۔ اور یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی صفات اس کی ذات پر زاید ہوتیں جیسا کہ بعض اس کے قائل ہیں تو ذات پر اس کے ساتھ حکم لگایا جاتا جو اس پر زاید ہے اور وہ اس کا عین نہیں۔ اور اس مسئلہ میں بے شمار متکلمین پھسلے ہیں اور اس میں ان کی بنیاد غائب کو حاضر قیاس کرنا ہے اور یہ انتہائی غلط ہے۔ کیونکہ محکوم علیہ کی ذات اور اس کی حقیقت کے علم کے بغیر اس پر کسی امر کے ساتھ حکم لگانا اس حکم لگانے والے کی بہت بڑی جہالت ہے۔ پس اللہ تعالیٰ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر رحمت فرمائے کہ آپ نے غائب پر فیصلہ نہیں فرمایا۔ انتہی۔

۴۷۰ ویں باب کا کلام صفات عین ذات میں

اور آپ نے ۴۷۰ ویں باب میں یہ فرمایا ہے: جان لے کہ بیشک علم کے ساتھ علم جانا جاتا ہے۔ پس علم معلوم العلم ہے۔ پس وہ علم

کے لئے معلوم ہے۔ اور علم صفتِ عالم ہے۔ پس حق تعالیٰ کو تجھ سے تیرے علم نے ہی پہنچانا نہ کہ تو نے۔ اس کے علاوہ تیرے لئے صحیح نہیں۔ اور اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ علم حجاب ہے یعنی حق تعالیٰ کی حقیقت کے شہود سے۔ شیخ محی الدین نے فرمایا یہ جو ہم نے تیرے لئے ذکر کیا ہے وہی ہے جو کہ صفات کے متعلق بعض متکلمین کی نہج پر ہے۔ کہ بیشک وہ اس کا غیر نہیں ہیں فقط۔ اور رک جاتا ہے۔ رہا ان کا اس قول کے بعد یہ کہنا کہ نہ ہی یہ صفات وہ ہیں یعنی اس کی ذات۔ تو یہ صرف اس لئے کہ انہوں نے دیکھا کہ وہ ھو پر معقول زاید ہے تو اس قائل نے نفی کر دی کہ صفات وہ ہوں۔ اور وہ اس پر قادر نہ ہوا کہ اس علم کے بغیر جس کے ساتھ اسے موصوف کرے ھو ثابت کرے۔ پس اس نے کہا اور وہ اس کا غیر نہیں۔ پس حیرت میں پڑ گیا اور وہ بات کہی جو اس کے فہم نے عطا کی۔ اور کہہ اٹھا کہ صفات حق نہ تو وہ میں اور نہ ہی اس کا غیر ہیں۔

شیخ محی الدین فرماتے ہیں کہ یہ کلام فائدہ سے خالی ہے۔ اور اس کا ایسا قول ہے جس میں روح نہیں ہے یہ دلالت کرتا ہے کہ اس کے قائل کو کشف نہیں۔ فرماتے ہیں: لیکن جب ہم نے ایسا قول کیا تو اس حد پر نہیں کیا جو کہ متکلم کہتا ہے کیونکہ وہ زاید سمجھتا ہے۔ اور چارہ نہیں۔ جبکہ ہم زاید کا قول نہیں کرتے اور ہمارا کشف مخالفت نہیں کرتا کہ صفات الٰہیہ عین ہیں۔ کیونکہ جو کہتا ہے کہ یہ غیر ہیں وہ ذات پر صفت کی زیادتی کے حوالے سے حق تعالیٰ کو خلق پر قیاس کرنے میں گرا۔ تو اس نے صرف حسن عبارت کے ساتھ وہی کچھ کہا ہے جو کہ ان لوگوں نے کہا کہ ان اللہ فقیر (آل عمران آیت ۱۸۱) یعنی اللہ فقیر ہے) کیونکہ اس نے کمال ذات کو قرار دیا کہ ذات کے غیر کے ساتھ ہے۔ پس ہم اللہ کی پناہ لیتے ہیں کہ جاہلوں سے ہوں۔ انتہی پس شیخ کی ساری گفتگو کا نچوڑ یہ ہے کہ وہ اس کے قائل ہیں کہ کشف ویقین کے طور پر صفات عین ہیں۔ غیر نہیں۔ اور یہی متکلمین کی ایک جماعت کا قول ہے اور اہل سنت و جماعت کا مسلک ہی زیادہ بہتر ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ تیری ہدایت کا والی ہو۔

پندرہویں بحث

اسماءالٰہیہ توقیفیہ ہیں

یہ اس مسئلہ میں ہے کہ یہ عقیدہ واجب ہے کہ اسماءالٰہیہ توقیفیہ ہیں۔ پس ہمارے لئے جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ پر کسی اسم کا اطلاق کریں مگر اس وقت جب کہ شرع میں وارد ہو۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ ہمارے لئے اس پر ایسے اسماء کا اطلاق جائز ہے جن کا معنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لائق ہو۔ گرچہ شرعاً وارد نہ ہو۔ اور قاضی ابوبکر الباقلانی اسی طرف مائل ہیں۔ شیخ کمال الدین بن ابن الشریف نے اپنے حاشیہ میں فرمایا کہ کلام اللہ تعالیٰ کے ان اسماء اعلام کے بارے میں نہیں جو لغات میں موضوع ہیں۔ اختلاف تو صرف ان اسماء میں ہے جو صفات وافعال سے لئے گئے ہیں جیسا کہ اس پر سید نے شرح المواقف میں تنبیہ کی ہے۔ اور مولیٰ سعد الدین نے مقاصد میں فرمایا کہ محل نزاع وہ ہے جس کے معنی کے ساتھ باری جل وعلا متصف ہے مگر ہمیں اس کا اذن نہیں ملا اور وہ کسی خلل کے وہم کے بغیر جلال وتعظیم کا پتہ دیتا ہو انتہی۔

شیخ کمال الدین فرماتے ہیں کہ آخری قید ایسے اسم کے اطلاق سے پرہیز کرنے کے لئے ہے جس کا اطلاق ایسے امر کا وہم پیدا کرتا ہو جو کہ اللہ تعالیٰ کی شان کبریائی کے شایاں نہیں۔ مثلاً جیسے لفظ عارف کیونکہ معرفت سے مراد کبھی ایسا علم ہوتا ہے جس سے پہلے غفلت ہو۔ اور جیسے لفظ فقیہ۔ کیونکہ فقہ غرض متکلم کو اس کے کلام سے سمجھنا ہے۔ اور اگر اس کا کلام نہ ہو تو اس سے کچھ بھی سمجھا نہ جا سکے۔ اور یہ پتہ دیتا

ہے کہ اس سے پہلے جہالت ہے۔ اور جیسے لفظ عاقل، کیونکہ عقل وہ علم ہے جو کہ غیر موزوں شے پر اقدام نمائی سے روکتا ہے۔ اسے عقال بمعنی اونٹ کا گھٹنا باندھنے کی رسی سے لیا گیا ہے۔ اور اس جیسے دیگر الفاظ۔ انتہی یہ وہ کلام ہے جو کہ میں نے متکلمین سے دیکھا ہے۔

کلام صوفیاء در بارہ اسماء

رہی محقق صوفیاء کی گفتگو تو شیخ محی الدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جان لے کہ یہ اجماعاً ناجائز ہے کہ ہم اللہ یستھزی ءبہم جیسی آیات سے اس کا کوئی نام مشتق کریں۔ نہ ہی ومکروا ومکر اللہ۔ وھو خادعہم اور نسوا اللہ فنسیہم جیسی آیات سے گرچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں خود انہیں اپنی ذات کی طرف منسوب فرمایا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے حضور ادب کرتے ہوئے ہم انہیں صرف حکایت کے طور پر تلاوت کریں گے۔ اور اس حیثیت سے تجل ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری عقول ومخاطبت کی خاطر ہمارے لائق الفاظ کے ساتھ تنزل فرمایا نہ کہ اپنی شان کے لائق۔ پھر آپ نے شعر بڑھا کہ بادشاہوں کے منصب بہت اونچے ہیں اس کے باوجود رعایا کے ساتھ ان کے راز دنیاز اور گفتگو ہوتی ہے۔

پس معلوم ہوا کہ اپنے بندوں کے لئے حق تعالیٰ کا تنزل فرمانا اس کی عظمت وجلالت ہے جس کی وجہ سے قلب عارف میں اس کی تعظیم اور زیادہ بڑھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ **وللہ الاسماء الحسنی** (الاعراف آیت ۱۸۰) اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں اچھے نام)۔ یعنی جو کتاب وسنت میں وارد ہیں اور وہاں سب حسنی ہی ہیں۔ کیونکہ درست نہیں کہ ان کا کوئی مقابل ہو۔ انتہی۔ اور یہ ماقبل کی بحث میں گزر چکا۔ اور آپ نے ۷۷ اویں باب میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ادب رکھنے والوں کو حق نہیں کہ اس کا کوئی اسم مشتق کریں گرچہ عرف میں اچھا ہو۔ برابر ہے کہ اس کی طرف ان کا راستہ کشف ہو یا فکر درست۔ نیز کتاب القصد میں فرماتے ہیں کہ ہمارے لئے جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی نام رکھیں سوائے اس کے جس کے ساتھ اس نے اپنے رسل علیہم السلام کی زبانوں پر اپنا نام بیان فرمایا۔ تو اس نے اپنی ذات پر جس کا اطلاق فرمایا ہم اس کا اطلاق کرتے ہیں ورنہ نہیں۔ ہم تو صرف اس کے ساتھ اور اسی کے لئے ہیں۔ اور آپ نے باب الاسرار وغیرہ میں فرمایا ہے کہ حق اللہ تعالیٰ کی شان میں جائز نہیں کہ کہا جائے کہ وہ مصدر اشیاء ہے۔ گرچہ اس کے درست ہونے کی کوئی وجہ بعید ہے۔ کیونکہ کبھی عاقل اس سے سمجھتا ہے کہ عالم ذات حق سے جدا ہے۔ بلکہ بعض نے اس کی تصریح کی ہے۔ اور یہ کفر ہے۔ اور بعض خلفاء نے اس شخص کی گردن اڑا دی جس نے اپنے شعر میں یہ کہا: تو نے اپنی ذات سے مخلوق کا ٹکڑا کاٹ لیا۔ تو کاٹا گیا ہے نہ کاٹنے والا۔

وہ اسماء جن کا اطلاق ذات حق پر نہیں ہونا چاہیے

اور شیخ نے کتاب القصد میں فرمایا: حق تعالیٰ کی شان میں قدیم نہیں کہنا چاہیے گرچہ وہ اللہ تعالیٰ کے اسم ''الاوّل'' کے معنی میں ہے اور اسی کی مثل ازلی اور ابدی ہے۔ اسی طرح نہیں چاہیے کہ کہا جائے کہ حق تعالیٰ حیات والہ ہے۔ صرف یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ حی ہے جیسا کہ وارد ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے ہے **خلق الموت والحیوۃ** (الملک آیت ۲۔ اس نے موت وحیات کو پیدا فرمایا) اور جسے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا اس کے ساتھ موصوف نہ کیا جائے۔ اسی طرح یہ نہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے عالم کا اختراع فرمایا مگر کسی توجیہہ کے ساتھ۔ اور یہ اس لئے کہ عالم سب کا سب عالم شہادت کی طرف اپنے ظہور سے پہلے اللہ تعالیٰ کے علم میں ثابت تھا اور جو اس طرح ثابت ہو تو نہیں کہا جائے گا کہ اس نے اس کا اختراع فرمایا۔ صرف یہ کہا جائے کہ اسے اس کے مطابق ظاہر فرمایا جس کا پہلے

سے علم تھا۔ اور اس طرح یہ نہ کہا جائے کہ حق تعالیٰ کے لئے جائز ہے کہ ایسا کرے اور جائز ہے وہ فعل کرے۔ کیونکہ کسی کتاب میں نہ سنت میں ہمارے لئے اللہ تعالیٰ پر جواز کا اطلاق وارد نہیں ہوا نہ ہی اس پر عقل دلالت کرتی ہے۔ علاوہ ازیں جواز کو دو جائز چیزوں میں سے ایک کے وقوع کو ترجیح دینے والے کی ضرورت ہے۔ اور یہاں کوئی فاعل نہیں مگر اللہ تعالیٰ۔ اور ان مذاہب والوں کو اثبات ارادہ کی ضرورت ہے حتیٰ کہ حق تعالیٰ اپنے ارادہ قدیمہ کے بغیر اس کو ترجیح دینے والا ہو۔ اور ان مذاہب میں جو غلطی ہے وہ مخفی نہیں۔ کیونکہ حق تعالیٰ اس کے ساتھ جو اس کی ذات پر زاید ہے محکوم علیہ ہو جاتا ہے جبکہ وہ دوسری ذات کا عین ہے۔ انتہی۔

اور شیخ محی الدین نے ۴۲۰ ویں باب میں فرمایا: اور ہم جس کے قائل ہیں وہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ پر جواز کا اطلاق اس عارف کے لئے جائز ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے متعلق مثالیں بیان کرنے کا علم عطا فرمایا ہو۔ اور یہ اس لئے کہ عین مخلوقہ ممکن ہونے کی حیثیت سے وجود کو قبول کرتا ہے۔ اور عدم قبول کرتا ہے۔ پس جائز ہے کہ وہ اسے پیدا فرمائے اور جائز ہے کہ اسے پیدا نہ فرمائے۔ پس کوئی موجود نہیں۔ پھر جب پایا گیا تو ترجیح دینے والے کی وجہ سے اور یہ اللہ ہے اور جب نہ پایا جائے تو ترجیح دینے والے کی وجہ سے اور وہ بھی اللہ ہے۔ اور ارادہ زایدہ کے تکلف کی طرف کوئی ضرورت نہیں۔ اور اسی کے ساتھ ان مذاہب والوں کا کلام صحیح ہو جاتا ہے گرچہ اللہ تعالیٰ ک حضور ادب اکمل واتم بلکہ زیادہ واجب ہے۔ انتہی

امام شعرانی فرماتے ہیں کہ قلانسی اور عبد اللہ بن سعید کا مذہب یہ ہے کہ اللہ عزوجل پر جواز کا اطلاق جائز نہیں ہے۔ جیسے یوں کہا جائے۔ جائز ہے اللہ تعالیٰ یوں کرتا ہو۔ اور قلانسی اور عبد اللہ بن سعید کے شاگرد اپنے اس قول پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ جائز ہے کہ اپنی ذات کو دیکھے اور منکرین رویت کی ایک جماعت اسی کی قائل ہے واللہ اعلم۔

صفات کو اسماء کا نام دینا ادب ہے

اگر تو کہے کہ کیا اولیٰ ادب یہ ہے کہ صفات کو اسماء کا نام دیا جائے جیسا کہ وارد ہوا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں بہتر یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وللّٰہ الاسماء الحسنٰی۔ صفات حسنی نہیں فرمایا۔ اور شیخ نے باب الاسرار میں فرمایا ہے کہ ادب یہ ہے کہ صفات کو اسماء کا نام دیا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وللہ الاسماء الحسنیٰ فادعوہ بہا۔ اور یوں نہیں فرمایا کہ پس اس کی صفت ان کے ساتھ بیان کرو۔ پس جس نے اس کی معرفت حاصل کی جس طرح کہ اس کی معرفت ممکنہ للعالم کا حق ہے اس نے اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کیا اس کی صفت بیان نہیں کی۔ شیخ فرماتے ہیں کہ ہمارے لئے صفات میں کوئی خبر واقع نہیں ہوئی اس لئے کہ ان میں آفات ہیں، کیا تو دیکھتا نہیں کہ جس نے اسے موصوف قرار دیا کس طرح کہتا ہے کہ اگر یوں نہ ہو تو موقوف ہوگا۔ اور اسے اللہ تعالیٰ کے وصف کا علم نہیں کہ جب ذات کا کمال وصف پر موقوف ہو تو اس پر خالص نقص کا حکم لگتا ہے۔ اور ان کے کلام میں یہ ہے کہ جس کا کمال لذاتہ نہیں ہوگا وہ دلیل کے ساتھ حصول کمال میں اپنی صفات کی طرف محتاج ہوگا جبکہ اللہ تعالیٰ کی صفات اس کا عین نہیں ہیں۔ پس یہ قائل بالصفات اس کے ہونے سے ہی جاہل ہے۔ اور مشارکت فی الصفات تباین ذوات پر دلیل ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **سبحان ربك رب العزت عما يصفون** (الصافات آیت ۱۸۰) پاک ہے آپ کا رب جو عزت کا مالک ہے ان باتوں سے جو وہ بیان کرتے ہیں)۔ پس اس سے اس آیت میں صفت سے اپنی تنزیہہ فرمائی ہے اسم سے نہیں۔ پس وہ معروف بالاسم ہے بالصفت نہیں۔ انتہی

اور اسی طرح ادب کے طور پر یہ نہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ شئے ہے مگر اس مقام پر جہاں یہ لفظ واقع ہوا۔ اور قیاس نہیں چاہیئے۔ اور شیخ محی الدین نے فتوحات ۳۷ ویں باب میں فرمایا ہے میں نے بعض ربانی ہواتف غیبی میں یہ سنا: میں شئے نہیں ہوں کیونکہ اگر میں شے ہوتا البتہ مجھے شیئیت جمع کرتی۔ پس تماثل واقع ہوتا۔ اور میں مماثل نہیں ہوں۔ اور اسی طرح نہ کہا جائے کہ حق تعالیٰ بخیل ہے گرچہ وہ اسم المانع کے مفہوم میں ہے۔ اور اسی منع پر ہر اس اسم کو قیاس کر جس کا اطلاق اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پر نہیں فرمایا۔ اور اللہ تعالیٰ تیری ہدایت کا وارث ہو۔

سولہویں بحث

حضرات اسماء ثمانیہ کے بارے میں

اور وہ الحی العالم القادر المرید السمیع البصیر المتکلم الباقی ہیں اور یہ بحث اس کتاب کے جلیل القدر مباحث میں سے ہے۔ چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء کے معانی سے برکت حاصل کرنے کے لئے ہم ہر اسم کی اس کے جملہ متعلقات سمیت وضاحت کریں۔ پس توفیق الٰہی ہم کہتے ہیں۔

اسم الحیی

اے بھائی! جان لے کہ اسم الحیی کے لئے تمام اسماء پر اولیت ہے پس ممکن نہیں کہ کوئی اسم ظہور میں اس سے پہلے ہو۔ پس در حقیقت وہ اسم الاول کے ساتھ منعوت ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم (البقرہ آیت ۲۵۵) اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں زندہ ہے سب کو زندہ رکھنے والا ہے)۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنا اسم الحی نعوت و اسماء کے جامع اسم کے ساتھ ملایا۔ اور اسماء میں سے کسی شے کے حقائق کا وجود حی کے غیر سے محال ہے۔ اور حقیقۃ حی وہ ذات ہے جس کی حیات لذاتہ ہو۔ اور یہ خلق میں سے کسی کے لئے نہیں۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ اور میں نے شیخ کی کتاب میں جس کا نام عنقاء مغرب ہے آپ کا کلام دیکھا جو کہ حضرات اسماء اور ان کی زبان حال کے متعلق ہے پس تیرے لئے اس کے ذکر میں کوئی حرج نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ تیری سمع تک کبھی نہ پہنچا ہو۔ اور وہ یہ کہ آپ نے فرمایا جان لے کہ قدرت الٰہیہ کسی شے کی ایجاد کے ساتھ متعلق نہ ہوئی مگر وجود ارادہ کے بعد جیسا کہ حق تعالیٰ نے کسی شے کا ارادہ نہ فرمایا حتی کہ وہ اس کے علم میں تھی۔ کیونکہ عقلاً محال ہے کہ اللہ تعالیٰ اس چیز کا ارادہ فرمائے جو اس کے علم میں نہیں۔ یا اس فعل کو ترک کرنے کی طاقت رکھنے والا صاحب اختیار وہ فعل کرے جس کا ارادہ نہیں کرتا۔ جیسے محال ہے کہ یہ حقائق حی کے غیر سے پائے جائیں۔ جیسے محال ہے کہ یہ صفات ان کے ساتھ موصوف ذات کے بغیر قائم ہوں۔

تکوین ممکنات کے لئے اسماء کا تدریجی عمل

فرماتے ہیں کہ اسم الحی کے ساتھ ظہور میں اسم الباری قریب ہے۔ گویا اسماء الٰہیہ کی زبان حال نے جب یہ بارگاہ مسمی میں اس وقت جمع ہوئے کہ زمان نہ تھا ان کے بعض کے لئے بعض سے کہا ہم اپنے احکام کے ظہور کا ارادہ کرتے ہیں تا کہ ہمارے اعیان کے دربار ہمارے

اسماء، اور ہمارے آثار کے ساتھ ممتاز ہوں تو ان کے بعض نے بعض سے کہا کہ اپنی ذوات میں نظر ڈالو تو ہر اسم نے اپنی ذوات میں نظر کی تو اسم الخالق نے کوئی مخلوق ۔ نہ ہی المدبر نے کوئی مدبر ۔ نہ ہی المفصل نے کوئی مفصل ۔ نہ المصور نے کوئی مصور ۔ نہ الرازق نے کوئی مرزوق ۔ نہ القادر نے کوئی مقدور نہ المرید نے کوئی مراد اور نہ العالم نے کوئی معلوم دیکھا ۔ پس کہنے لگے: کیسی حکمت عملی ہو کہ یہ اعیان ظاہر ہوں جن کی وجہ سے ہماری سلطنت اور ہمارے احکام ظاہر ہوں پس ان اسماء الہیہ نے جنہیں حقائق عالم طلب کرتے ہیں اسم الباری جل وعلا سے وابستگی اختیار کی ۔ پس اس سے کہا: ہوسکتا ہے کہ تو ان اعیان کی ایجاد کرے پس ہمارے احکام ظاہر ہوں اور ہماری سلطنت ثابت ہو ۔ کیونکہ جس دربار میں ہم ہیں ہماری تاثیر قبول نہیں کرتا ۔ پس الباری نے کہا یہ اسم القادر کی طرف لوٹتا ہے ۔ بیشک میں اس کی نگرانی میں ہوں ۔

شیخ نے فرمایا: اس سب کی اصل یہ تھی کہ ممکنات نے اپنے عدم کی حالت میں اسماء الہیہ سے عاجزی اور احتیاج کی صورت میں سوال کیا اور اسماء سے عرض کی کہ عدم نے ہمارے بعض کو بعض کے ادراک سے اور اس حق کی معرفت سے جو تمہارے لئے ہم پر واجب ہے نابینا کر رکھا ہے ۔ پس اگر آپ ہمارے اعیان کو ظاہر کر دیں اور ہمیں وجود کا حلہ پہنا دیں تو یہ آپ کا ہم پر انعام ہوگا اور ہم آپ کا جو اجلال و تعظیم چاہئے اس کا اہتمام کریں گے ۔ اور یوں ہم پر آپ کا غلبہ بھی بالفعل ظاہر ہوگا کیونکہ آپ ہم پر آج بالقوۃ والصلاحیۃ سلطان ہیں نہ کہ بالفعل ۔ تو ہم نے آپ سے جو کچھ طلب کیا ہے وہ ہمارے لئے اور آپ کے لئے ہے ۔ پس اسماء نے کہا کہ یہ کام المرید کی نگہبانی میں ہے ۔ پس تم میں سے جو عین کہ ایجاد ہوگا اسی کے اختصاص سے ہوگا ۔ اور ہمیں کوئی ممکن من نفسہ ممکن نہیں مگر یہ کہ اسے اس کے رب عزوجل سے حکم آئے ۔ تو جب وہ اسے تکوین کا امر دے اور فرمائے کہ ممکن من نفسہ ہو جا اور اس کی ایجاد سے ہمارا تعلق ہو جائے تو اسی وقت اسے تکوین میں لے آتے ہیں ۔

پس اسم المرید کی طرف پناہ لو ۔ ہوسکتا ہے کہ وہ جانب وجود کو جانب عدم پر ترجیح اور تخصیص عطا کرے ۔ پس اس وقت میں ۔ آمر اور متکلم جمع ہوں گے اور تمہاری ایجاد کریں گے ۔ پس انہوں نے اسم المرید کی طرف پناہ لی اور اس سے عرض کی کہ ہم نے اسم القادر سے اپنے اعیان کی ایجاد کے متعلق سوال کیا تو اس نے یہ امر آپ پر موقوف کیا ۔ پس آپ کیا حکم دیتے ہیں ۔ پس المرید نے فرمایا کہ القادر نے سچ کہا ۔ لیکن اسم ، العالم ، کے ہاں تمہارے متعلق جو حکم ہے میرے پاس اس کی خبر نہیں ۔ کیا تمہاری ایجاد کے متعلق اس کا علم سبقت کر چکا پس میں تخصیص کر دوں یا اس نے سبقت نہیں کی ۔ پس اس کی نگرانی میں ہوں ۔ پس اس کی طرف جاؤ اور اپنا قصہ بیان کرو ۔ چنانچہ وہ اسم العالم ، کی طرف چلے اور اسم المرید ، نے جو فرمایا کہہ سنایا ۔ پس العالم نے کہا کہ ''المرید'' نے درست کہا ۔ میرا علم تمہاری ایجاد کے متعلق سبقت کر چکا لیکن ادب زیادہ بہتر ہے ۔ بیشک ہمارے لئے ایک بارگاہ جو ہم پر نگہبان ہے ۔ اور وہ دربار ہے اسم ''اللہ'' کا ۔ پس ہمارے لئے اس کے حضور حاضری کے بغیر چارہ نہیں ۔ کیونکہ وہ حضرت الجمع ہے ۔ پس تمام اسماء اسم اللہ کے دربار میں جمع ہوئے ۔ پس اس نے فرمایا: تمہارا کیا معاملہ ہے؟ حالانکہ وہ خوب جانتا ہے ۔ پس انہوں نے اس کے حضور خبر بیان کی ۔ تو اس نے فرمایا: میں تمہارے حقائق کا جامع اسم ہوں ۔ اور میں ذات مقدس کے مسمی پر دلیل ہوں ۔ اس کے لئے کمال وتنزیہہ کی نعوت ہیں ۔ پس تم ٹھہرو حتی کہ میں اپنے مدلول کے دربار میں داخل ہوتا ہوں ۔ پس وہ اپنے مدلول کے پاس حاضر ہوا اور اسے ممکنات نے جو کچھ کہا تھا اس کے حضور بیان کیا ۔ اور وہ بھی جو اس بارے میں اسماء نے گفتگو کی ۔ پس اس نے فرمایا: جاؤ اور اسماء میں سے ہر ایک سے کہو کہ وہ اس کے ساتھ متعلق ہو جس کا اس کی حقیقت ممکنات میں تقاضا کرتی ہے ۔ بیشک میں ہی من حیث ذاتی واحد لنفسی ہوں اور ممکنات صرف میرا مرتبہ طلب کرتے ہیں نہ کہ میری

حقیقت۔ کیونکہ میں ہی غنی ہوں۔ اور مرتبہ وہ ہے جو کہ ممکنات طلب کرتے ہیں تا کہ ان میں اس کے آثار ظاہر ہوں۔ اور تمام اسماء الٰہیہ مرتبہ کے لئے ہیں نہ میرے لئے مگر احد خاص کر۔ کیونکہ یہ وہ اسم ہے کہ میرے ساتھ مخصوص ہے۔

پس اسم اللہ نکلا اور اس کے ساتھ اسم متکلم جو کہ ممکنات اور اسماء کے لئے اس کی ترجمانی کرتا تھا۔ پس اس نے ان کے سامنے وہ سب کچھ بیان کیا جو مسمی نے ذکر فرمایا۔ پس العالم۔ القادر، المرید اور قائل متعلق ہوئے اور المرید کی تخصیص کے ساتھ ممکنات میں سے پہلا ممکن ظاہر ہوا۔ اور العالم نے حکم دیا۔ تو جب اکوان میں اعیان و آثار ظاہر ہوئے اور ان کا بعض بعض پر مسلط ہوا اور ان کا بعض بعض پر غالب ہوا ان اسماء کے مطابق جو اس کی طرف مستند ہوئے۔ پس اس سے نزاع اور جھگڑے تک معاملہ پہنچا۔ پس انہوں نے کہا کہ ہمیں خطرہ ہے کہ ہم پر ہمارے حضرات کا نظام خراب ہو جائے اور ہم اسی عدم کے ساتھ ملحق ہو جائیں جو کہ ہمارا عدم ظہور ہے جیسے کہ ہم پہلے تھے۔

ممکنات نے اسماء کو اس سے خبردار کیا جو ان کی طرف اسم العلیم، اور المدبرّ نے القاء کیا۔ اور کہا: اے اسماء اگر آپ کا حکم ایک میزان معلوم اور حد مقرر پر ہو جو ایک امام کا فرمان ہو جس کی طرف آپ رجوع کریں تا کہ ہم پر ہمارے وجود کی حفاظت کرے اور آپ پر ہم میں آپ کی تاثیرات کی حفاظت کرے تو یہ زیادہ درست ہوگا ہمارے لئے اور آپ کے لئے۔ پس آپ سب کے سب اللہ تعالیٰ کے حضور التجاء کرو حتی کہ آپ کے لئے اسے مقدم کرے جو آپ کے لئے حد مقرر کرے جس پر آپ ٹھہر جائیں۔ ورنہ ہلاکت و تعطل رونما ہوگا۔ پس انہوں نے کہا کہ یہ عین مصلحت اور درست رائے ہے۔ پس انہوں نے ایسا ہی کیا۔ پس انہوں نے کہا کہ اسم المدبر ہی ہے جو تمہارا امر پہنچاتا ہے۔ پس انہوں نے امر المدبر تک پہنچایا۔ تو اس نے کہا: اس کے لئے میں ہوں۔ پس وہ داخل ہوا اور اسم الرب کی طرف امر حق کے ساتھ نکلا۔ اور اسے کہا: وہ کام کر جس کا مصلحت تقاضا کرتی ہے۔ پس اس نے دو وزیر اختیار کئے جو اس پر اس کی مدد کرتے ہیں جس کا وہ حکم دیتا ہے۔ اور وہ ''المدبر'' اور ''المفصل'' ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا **یدبر الامر یفصل الایات لعلکم بلقاء ربکم توقنون** (الرعد آیت ۲، اللہ تعالیٰ ہر کام کی تدبیر فرماتا ہے اپنی آیات تفصیل سے بیان کرتا ہے تا کہ تم اپنے رب سے ملاقات کا یقین کرلو)۔ جو کہ امام ہے یعنی الرب، پس غور کر اللہ تعالیٰ کا کلام کس قدر محکم ہے کہ وہ لفظ لایا جو کہ حال کے مطابق ہے۔ وہ کہ فی نفسہ امر اس پر ہونا چاہیئے۔ پس اسم الرب نے اصلاح مملکت کے لئے ان کے لئے حدود مقرر فرمائیں اور دستور وضع کئے تا کہ ہم انہیں جانچیں کہ ان میں سے کس کے عمل اچھے ہیں۔ پس اللہ پاک ہے جو کہ رب العلمین ہے۔ عنقاء مغرب میں آپ کی گفتگو ختم ہوئی۔ اور وہ ایسی گفتگو ہے کہ اس کی مثل اس معنی میں ہمارے کانوں سے نہیں ٹکرائی۔

اسماء مھیمنہ

اگر تو کہے کہ کیا ایسے اسماء ہیں جو بعض اسماء پر نگہبان ہوں؟ تو جواب یہ ہے کہ ہاں جیسا کہ عنقاء مغرب کے کلام میں پہلے گزر چکا۔ پس ہم کہتے ہیں مثلاً مرید نہیں ہوتا مگر عالم، اور عالم نہیں مگر حی تو اس کا حی ہونا اس کے عالم و مرید ہونے پر نگہبان ہو گیا۔ اور اسی طرح ہر وہ اسم ہے جس کے اثر کا وجود دوسرے اسم کے وجود پر موقوف ہے۔

اسماء الٰہیہ کے متعلق سوالات و جوابات

اگر تو کہے: کیا اسماء الٰہیہ اپنے مسمی کے حضور باہم مل کر کھڑے ہوتے ہیں جیسے فرشتے اپنے پروردگار کے حضور مل کر حاضر ہوتے ہیں؟

تو جواب یہ ہے کہ ہاں جیسا کہ شیخ نے ۱۹۸ ویں باب میں فرمایا ہے۔

اگر کہا جائے: صفوف اسماء میں پہلا اسم کون سا ہے؟ تو شیخ محی الدین کے جواب کے مطابق ان کا پہلا الحی ہے۔ اس کے پہلو میں العلیم۔ دونوں کے درمیان کسی اور اسم کے لئے خلا نہیں ہے۔ اور اس کے پہلو میں العالم المرید۔ اس کے پہلو میں القائل۔ اس کے پہلو میں القادر، اس کے پہلو میں الحکیم۔ اس کے پہلو میں المقیت۔ اس کے پہلو میں المقسط۔ اس کے پہلو میں المدبر اس کے پہلو میں المفصل۔ اس کے پہلو میں الرازق اور اس کے پہلو میں المحی ہے۔ پس اسماء کی صفوف اسی طرح ہیں جیسا کہ ہم نے اپنے کشف کے طریق سے دیکھا ہے۔

اگر کہا جائے: تو کیا اسماء الہیہ کے ساتھ تخلق ان کی صفوف کی ترتیب کے حکم پر ہے یا نہیں؟ جواب یہ ہے کہ ہاں۔ ان میں سے کسی اسم کے ساتھ تخلق صحیح نہیں مگر ان کی اپنے مسمی کی بارگاہ میں باہمی حاضری کی ترتیب کے مطابق۔ اور جب ان کے درمیاں کائنات میں خلا حائل ہوتا ہے تو شیاطین اسی طرح داخل ہو جاتے جیسے روایت کے مطابق نماز کی صفوں کے درمیان خلل میں داخل ہوتے ہیں۔ پس کئی دفعہ ولی پر اوامر شرعیہ کے غیر موافق کے ساتھ تخلق مشتبہ ہو جاتا ہے جو کہ خصائص حق تعالیٰ سے ہے جیسے کبریائی اور عظمت اس مقام میں جہاں مشروع نہیں۔

اگر کہا جائے: حضرات اسماء الہیہ کے مابین معقول فاصلہ ہے یا نہیں؟ اس کا جواب وہ ہے جو شیخ نے فتوحات میں فرمایا ہے کہ حضرات اسماء الہیہ کے درمیان درحقیقت کوئی فاصلہ معقول نہیں کہ تمام اسماء اپنے مسمی کے ساتھ مربوط ہیں۔ اور اس لئے بھی کہ ہر اسم میں تمام اسماء کی قوت ہے۔ جیسے حق تعالیٰ نے ہمیں یا کے ساتھ خطاب فرمایا جو کہ بعد کا پتہ دیتا ہے باوجودیکہ اللہ تعالیٰ شہ رگ سے بھی زیادہ ہمارے قریب ہے۔ لیکن چونکہ ہر اسم کی ایک بارگاہ ہے جو اسے خاص کرتی ہے اور ایک وقت ہے اعیان عالم میں حکم لگاتا ہے۔ اس میں اس کا غلبہ ظاہر ہوتا ہے۔ ان حضرات سے بندے کے لئے کبھی قرب ظاہر ہوتا ہے اور کبھی ان سے بعد ظاہر ہوتا ہے۔ تو گویا ہر اسم اپنی زبان حال کے ساتھ بندے سے کہتا ہے۔ میرے حضرات کی طرف آ۔ تو جب بندہ حکم الہی کی حکومت کے تحت ہو گا تو اسے وہ حکم اس امر کی موافقت عطا کرتا ہے جو اس عبد کو دیا گیا یا اس سے روکا گیا۔ کیونکہ اسم الہی جس کا حکم بندے کو مامور بہ یا منہی عنہ کی موافقت عطا کرتا ہے حضرت شہود میں اس مخالف سے بعید ہے پس وہ اسے ندا دیتا ہے تاکہ وہ اس کی بارگاہ کی طرف لوٹے۔ اور وہ اس کی نداء پر کان رکھتا ہے۔ پس اس کے حکم کے تحت ہوتا ہے۔ پس وہ اس اسم کے امر کی عدم موافقت سے بعید ہے۔ اور کوئی بندہ اس میزان سے کبھی خارج نہیں ہوتا مگر اگر معصوم ہو یا محفوظ۔

اگر تو کہے: کیا عبد سلطان اسماء کے تحت ہمیشہ اسیر ہے؟ جواب یہ ہے کہ ہاں وہ ان کے سلطان کے تحت اسیر ہے۔ پس ایک اسم کا حکم پورا نہیں ہوتا مگر دوسرے اسم کا حکم اسے لازم ہو جاتا ہے۔ پس رات دن اسماء اسے کھینچتے رہے ہیں۔ اور محال ہے کہ مکلف اپنے لئے لحظہ بھر چھوڑ سکے۔ پس مثلاً اسم الرحمٰن، ہمیشہ کوئی مرحوم طلب کرات ہے۔ اسم "المنتقم" ہمیشہ اسے طلب کرتا جس سے انتقام لے۔ اسی طرح۔ پس کوئی عبد اس سے خالی نہیں ہوتا کہ دو قبضوں کے حکم کی وجہ سے وارین میں سے ایک کے لئے کسی فعل میں ہو۔ اور اس حکم سے کوئی خارج نہیں مگر معصوم یا محفوظ جب کہ ابھی گزرا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ اللہ تعالیٰ کے اسم المحی پر جس کلام کا اللہ تعالیٰ نے انکشاف فرمایا پورا ہوا۔

اسم العالم

رہا "العالم"، تو محقق زماں جلال محلی نے فرمایا: العالم وہی ہے جس کا علم ہر اس چیز کو شامل ہے جس کی شان ہے کہ اسے جانا جائے۔ ورنہ علم الہی کے متعلقات غیر متناہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ **احاط بکل شیء علما**۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو اپنے علم سے احاطہ کر

رکھا ہے واحصی کل شیء عددا (الجن آیت ۲۸ اور اس نے ہر چیز کا شمار کر رکھا ہے) نیز فرمایا یعلم السر و اخفی (طٰہٰ آیت ۷۔ وہ راز اور دل کے بھید جانتا ہے) اور فرماتا ہے۔ یعلم خائنۃ الاعین و ما تخفی الصدور (المومن آیت ۱۹۔ وہ خیانت کرنے والی آنکھوں کو اور ان باتوں کو جانتا ہے جنہیں سینے چھپائے ہوئے ہیں) نیز فرمایا الا یعلم من خلق و ھو اللطیف الخبیر (الملک آیت ۱۴۔ کیا وہ نہیں جانتا جس نے پیدا کیا ہے وہ باریک بین ہر چیز سے باخبر ہے)

پس وہ ہمارے لئے ہر ممکن و ممتنع یعنی کلیات و جزئیات کو جانتا ہے۔ رہے کلیات تو علی الاطلاق اور رہی جزئیات تو اہل نظر و اتفاق کے اجماع کے ساتھ۔

اللہ تعالیٰ کا عالم بالجزئیات ہونے کا مسئلہ

اگر تو کہے کہ تو نے اپنے ایمان کی صحت کے باوجود اللہ تعالیٰ کے عالم بالجزئیات ہونے میں اختلاف کیسے جاری کر دیا تو جواب یہ ہے کہ میں نے علم بالجزئیات کے تعلق میں اختلاف کے اشارے میں اپنے غیر کی پیروی کرتے ہوئے ایسا کیا ہے۔ ورنہ میرا قطعی عقیدہ ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ ہر شے کا علم رکھتا ہے۔ اس کے علم سے کوئی شئی چھپی نہیں۔ اور میں نے اس کے متعلق سرزمین مصر کے یہود و نصاریٰ۔ مجوس اور سامرہ سے پوچھا تو ان سب نے کہا کہ ہمارے رب کے علم سے کوئی شئی چھپی نہیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ وہ لوگ کہاں ہیں جو اس امر کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ جزئیات کو نہیں جانتا۔ یہاں تک کہ ائمہ نے ان سے اس کی حکایت کی۔ شاید جس نے ان سے اس کی حکایت کی اس نے اسے ان کے لازم مذہب سے اخذ کیا ہو۔ ... راجح یہی ہے کہ لازم مذہب، مذہب نہیں ہوتا۔ اور ہم نے جو یہ کہا کہ ظاہر یہ ہے کہ ائمہ نے اسے ان کے لازم مذہب سے لیا ہے اس ... یہ فتوحات کے ۵۴ ویں باب شیخ محی الدین کا یہ قول کرتا ہے: جان لے کہ کوئی مومن اور نہ ہی غیر مومن اللہ عزوجل کے کمال علم میں شک نہیں کرتا۔ حتیٰ کہ جن لوگوں نے ان سے نقل کیا کہ انہوں نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم جزئیات کے ساتھ متعلق نہیں ہے بلکہ ان کے متعلق اس کا علم اس کے علم بالکلیات میں داخل ہے۔ اسے اس کے علم بالجزئیات کے طریق میں کسی تفصیل کی ضرورت نہیں جیسے کہ وہ اس کی خلق کی شان ہے پس اللہ تعالیٰ کے علم کے تعلق بالجزئیات کے ممنوع ہونے کے قائلوں نے اللہ تعالیٰ سے مطلقاً علم کی نفی مراد نہیں لی۔ اس سے ان کا قصد صرف یہ ہے کہ تفصیل کے وقت اللہ تعالیٰ کا ان کے ساتھ علم نفسی متجدد نہیں ہوتا۔ پس انہوں نے تو تنزیہہ کا قصد کیا تھا لیکن تعبیر میں اس حیثیت سے غلطی کر بیٹھے کہ ان کی عبارات سے اس مذہب کا وہم پیدا ہو گیا جو ان کی طرف منسوب کیا گیا۔ ورنہ وہ اللہ تعالیٰ کے لئے علم کا اثبات کرنے والے ہیں۔ انتہیٰ۔

امام شعرانی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ جس نے ان لوگوں کی تکفیر کا حکم دیا جو اس کے قائل ہیں کہ حق تعالیٰ جزئیات کا غیر عالم ہے شاید اس نے گمان کیا کہ وہ مسلمان تھے پس اس نے اس قول کی وجہ سے ان کی تکفیر کی جبکہ حق یہ ہے کہ وہ اس سے پہلے دیگر امور کی وجہ سے کافر تھے جیسا کہ شیخ نے ان سے حکایت کی ہے۔ اور فتوحات کے باب الاسرار میں فرماتے ہیں وصف کمال نہیں کہ علم حق تعالیٰ میں اجمال ہو۔ معانی میں اجمال محال ہے۔ اجمال کا مقام تو صرف الفاظ و اقوال ہیں۔

مبنی بر اضطراب مسئلہ

اگر تو کہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول ولنبلونکم حتی نعلم المجاھدین (محمد صلی اللہ علیہ وسلم آیت ۳۱) اور اس ارشاد لیعلم اللہ

من ينصره ورسله بالغيب (الحدید آیت ۲۵) اور اس جیسی دوسری آیات سے کیا مراد ہے کیونکہ ان ظاہر تقاضا کرتا ہے کہ حق تعالیٰ وجود محدثات کے ساتھ علم کا استفادہ کرتا ہے؟

جواب یہ ہے کہ اس مسئلہ کے فہم میں سر برآوردہ علماء حیران ہیں۔ اور اس کا اشکال صرف کشف صحیح ہی دور کرتا ہے اور شیخ نے فتوحات کے ۵۱۴ ویں باب میں فرمایا: جان لے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی غرض نہیں اور تیرے سوا بھی کوئی غرض نہیں کیونکہ تو اللہ تعالیٰ کے علم کا معلوم ہے۔ اور تیرے ساتھ وجود مکمل ہوا۔ پس وہ یعنی وجود تجھے کافی ہے جیسے کہ تو اسے کافی ہے۔ اسی لئے تو آخری موجود اور اول مقصود ہے۔ اور اگر تیرا عدم نہ ہوتا تو تو مقصود نہ ہوتا۔ پس تیرا حادث ہونا صحیح ہوا۔ اور اگر وہ نہ ہوتا جس کے متعلق تیرا علم معدوم تھا تو صحیح نہ ہوتا کہ تو اس کے علم کا ارادہ کرتا۔ اور یہ وجود میں سب سے عجیب اور عقول پر سب سے مشکل ہے۔ جس نے تجھے اپنی ذات کے متعلق علم عطا فرمایا۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ اپنی ذات کو صرف تیری وجہ سے جانے۔ پس بیشک ممکنات نے حق تعالیٰ کو اپنے متعلق علم عطا کیا۔ جبکہ ان میں سے اپنے نفس کو کوئی شئے نہیں جانتی مگر حق تعالیٰ کے ساتھ پس اسی لئے ہم نے کہا کہ وجود تجھے کافی ہے جیسے کہ تو اسے کافی ہے کیونکہ وہ غائت ہے جس تک انتہاء ہے۔ اور وہاں اس کے بعد کچھ نہیں مگر تو۔ اور تجھ سے تیرا علم ہے۔ اور تیرے بعد صرف محال باقی رہ گیا۔ اور وہ عدم محض ہے۔ انتہی۔ اور اس مقام سے زیادہ مشکل فتوحات میں نہیں ہے اور میں نے اس کے حروف کے ساتھ اسے نقل کر دیا ہے تاکہ علماء اسلام اس کی وضاحت فرمائیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اور ۵۵۲ ویں باب میں اللہ تعالیٰ کے اسم الخبیر پر کلام کرتے ہوئے فرمایا: اے بھائی! جان لے کہ الخبیر وہی ہے جس نے ابتلاء کے بعد حصول علم کیا۔ اور یہ قرآن کریم کے ظاہر الفاظ ولنبلونکم حتی نعلم کا تقاضا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس تقاضے سے بلند ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ بندے سے جو کچھ ہوتا ہے اس کے ہونے سے پہلے جانتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے کو اس کی منزلت میں اتارا جو کہ علم کا استفادہ کرتا ہے۔ جس طرح کہ اس نے ہماری عقول کے لئے آیت استواء میں اور آسمان دنیا کی طرف نزول میں تنزل فرمایا۔ اور اس جیسے دوسرے مقامات پر۔ باوجودیکہ یہ صفات تنزیہہ کے منافی ہے۔ انتہی

شیخ نے باب الاسرار میں بھی ولنبلونکم حتی نعلم کے بارے میں فرمایا: جان لے کہ جس نے شئی کو اس کے ہونے سے قبل جانا تو اس نے اسے اس کے ہونے کی حیثیت سے نہیں جانا۔ اور اس میں طویل گفتگو کی۔ پھر فرمایا: پس معلوم ہوا کہ علم معلوم کے تغیر سے متغیر ہوتا ہے جبکہ معلوم متغیر نہیں ہوتا مگر علم کے ساتھ۔ پس ہمیں کہو: کیا حکم ہے؟ یہ ایسا مسئلہ ہے جس میں عقلیں حیرت میں ہیں اور اس میں کوئی نقل وارد نہیں ہوئی۔ اور اسی باب کے ایک دوسرے مقام پر اس آیت کے معنی میں فرمایا: جان لے کہ بیشک عالم کے لئے جائز ہے کہ تجاہل اختیار کرے اور جاہل سے تغافل برتے باوجودیکہ وہ غافل نہیں تاکہ دیکھے کیا اس کا بندہ اس پر ایمان لاتا ہے جسے اس نے اپنی ذات کی طرف منسوب کیا یا توقف کرتا ہے۔

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں کہ جس نے تجھ سے سوال کیا پس بیشک اس نے تیرے لئے اقرار کیا کہ تو اس کا علم رکھتا ہے جس کے بارے میں اس نے تجھ سے پوچھا ہے۔ اور کبھی عالم کی طرف سے سوال واقع ہوتا ہے تاکہ اس کے ساتھ اسے جانچے جس کے دل میں شک ہے پس وہ شخص جو اپنے رب کو اپنی ذات کے پاس جانتا ہے اس سے ممتاز ہو جائے جسے اس کا علم نہیں (اقول و بالله التوفيق۔ مندرجہ بالا وضاحت کے مطابق معلوم ہوا کہ حدیث پاک میں جہاں بھی سائلین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کے متعلق سوال کیا

انہوں نے اسی عقیدہ کے ساتھ کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہے۔ ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سوال سے مطلقاً منع فرما دیتے۔ لیکن چونکہ یہ راز کھولنے کی اجازت نہ تھی اس لئے علی التعیین قیامت کا وقت نہیں بتایا۔

چنانچہ الابریز ص ۲۸۳ میں ہے کہ سیّدی غوث الوری عبدالعزیز الوباغ رحمۃ اللہ سے ان اللہ عندہ علم الساعۃ کے متعلق پوچھا گیا کہ محدثین وغیرہم نے حضور کے متعلق اختلاف کیا کہ یہ پانچ علوم جو مذکورہ آیت میں ہیں کیا آپ کے علم میں ہیں؟ تو آپ نے فرمایا **وكيف يخفى امرالخمس عليه صلى الله عليه وسلم والواحد من اهل التصرف س امته الشريفه لا يمكنه التصرف الابمعرفة هذه الخمس**۔ یہ علوم حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کیونکر مخفی رہ سکتے ہیں جبکہ آپ کی امت شریفہ کا اہل تصرف کا کوئی فرد ان علوم خمسہ کے بغیر تصرف نہیں کرسکتا۔ **سبحان الله تعالیٰ** غلاموں کا یہ عالم تو جن کے در اقدس سے یہ خیرات ملی ان کے علم کی وسعت کون بیان کرے۔ **(محمد محفوظ الحق غفرنه ولوالويه)**

اس کی مثال یہ کہ اللہ کا ارشاد ہے **يا ايها الذين امنوا آمنوا بالله و رسوله (النساء آیت ۱۳۶)** اے ایمان والو! ایمان رکھو اللہ اور اس کے رسول پر) پس یہ مومن ہے اسے حکم دیا گیا اس پر ایمان لائے جس پر کہ ایمان رکھتا ہے۔ باب الاسرار کے ایک اور مقام پر فرماتے ہیں کہ آزمائش میں ایک بہت عجیب فتنہ کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **ولنبلونكم حتى نعلم**۔ حالانکہ وہ اس کا عالم ہے جو کچھ ان سے صادر ہوگا۔ اسے سمجھ۔ اور جب سمجھ لے تو چھپا۔ اور جب تجھ سے سوال ہو تو کہہ دے: میں نہیں جانتا۔ پس جان لے کہ فتنہ بصائر اور ابصار میں امتحان ہے۔ یہیں ایک اور مقام پر فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ علم اس کی طرف کائنات سے منتقل ہوا ہے۔ چنانچہ فرمایا حتی نعلم عارف یہاں خاموش ہوگیا۔ اور اس نے کوئی گفتگو نہیں کی۔ اور غور و فکر والے عالم نے اس سے پیدا ہونے والے وہم سے بچنے کے لئے اس کی تاویل کی۔ گرفتار شک کا قلب بیمار ہوا اور اس نے دکھ محسوس کیا۔ جبکہ عالم باللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے خوش ہوا لیکن اس نے چھپایا۔ پاس اس نے ظاہری جیسا قول کیا۔ واللہ اعلم۔ پس ولی کامل نے جانا۔ اور محدث نے مانا۔ اے بھائی! پس اللہ تعالیٰ کے لئے حمد ہے جس نے تجھے وہ کچھ سکھایا جو تو نہیں جانتا تھا۔ اور یہاں طویل گفتگو فرمائی۔

پھر فرماتے ہیں کہ تجھے معلوم ہو چکا کہ علم جو العلیم کے لئے حاصل ہے اس پر وجوب ایمان میں وہ حادث اور قدیم کو عام ہے۔ اور اس میں تو جھگڑا کرے تو اللہ تعالیٰ کے قول حتی نعلم میں غور کر۔ اور حق تعالیٰ نے جس چیز کا حکم اپنی ذات پر لگایا ہے پس تو ایمان کے طور پر اس کا حکم لگا۔ اور کبھی نقل کے بغیر اپنی عقل کے ساتھ منفرد نہ ہو۔ کیونکہ تقلید میں پابندی ہے۔ اور ہمیں علم حق کبھی معلوم ہوتا ہے۔ اور رہا اس کا اپنی ذات کے متعلق علم تو اس کے قدس کی بلندی کی بدولت اسے کوئی نہیں جانتا۔ اور یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول ہے **ولا اعلم ما في نفسك (المائدہ آیت ۱۱۶)** میں نہیں جانتا جو تیرے علم میں ہے)۔ کیونکہ میں تیری جنس سے نہیں ہوں۔ باب الاسرار میں شیخ کی گفتگو اختتام پذیر ہوئی۔ پس غور کر۔

سب سے مشکل علم

اور آپ نے چار سو چوتھے باب میں فرمایا: جان لے کہ علوم میں سب سے مشکل علم کی اضافت معلومات کی طرف قدرت کی اضافت مقدورات کی طرف اور ارداے کی نسبت مرادات کی طرف ہے۔ اور یہ اس لئے کہ اس سے تعلق کے حادث ہونے کا وہم لگتا ہے۔ میرا

مقصد ہے العالم، القادر اور المرید کی حیثیت سے ہر صفت کا اپنے متعلق کے ساتھ تعلق۔ پس بیشک معلومات مقدورات اور مرادات ان کا علم میں کوئی آغاز نہیں ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے علم کے معلوم ہیں۔ پس وہ اس کا علماً محیط ہے کہ یہ لامتناہی ہیں۔

فرماتے ہیں: جب امر اس صورت پر ہے جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا اس پر مطلع ہوا وہ جو متکلمین میں سے مطلع ہوا جیسے ابن الخطیب۔ اس نے استرسال کا قول کیا جس کی تعبیر ایک قوم کے نزدیک حدوث تعلق کے ساتھ کی گئی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس مقام میں فرمایا۔ حتی نعلم، اور بعض قدماء نے علم الٰہی کے تعلق بالتفصیل کا اس صورت عدم تناہی کی وجہ سے انکار کیا ہے۔ نیز اس کے وجود محصور میں غیر داخل ہونے کی وجہ سے بھی۔ اور علماء کی عقول ان کے افکار کے مضطرب ہونے کی وجہ سے اس آیت میں اضطراب سے دوچار ہوئیں۔

حتی نعلم کی کشفی توجیہ

البتہ کشف نے اس مسئلہ میں ہم سے اشکال رفع کر دیا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ہمارے قلوب میں القاء فرمایا: کہ بیشک علم ایک نسبت ہے عالم اور معلومات کے درمیان اور وہاں ذات حق تعالیٰ کے سوا کوئی واجب الوجود نہیں ہے اور یہ اس کے وجود کا عین ہے۔ اور اس کے وجود کے لئے افتتاح واختتام نہیں ہے۔ پس اس کے لئے طرف ہوگی کیونکہ ابتداء اور انتہاء کی نفی اس کے درجات رفیعہ سے ہے جن کے ساتھ وہ اپنی خلق سے ارفع ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے رفیع الدرجات (المومن آیت ۱۵) اور یہ امر معلوم ہے معلومات وجود حق تعالیٰ کا متعلق ہیں۔ پس لامتناہی کا تعلق معلوم، مقدور اور مراد کے طور پر غیر متناہی کے ساتھ وجود ہے۔ اے بھائی اسے سمجھ لے کیونکہ میں گمان کرتا ہوں کہ یہ امر تیرے کانوں تک نہیں پہنچا۔ کیونکہ حق تعالیٰ وجود محصور میں داخل ہونے کے ساتھ متصف نہیں ہوتا پھر تو متناہی ہوگا۔ کیونکہ جو وجود میں داخل ہو وہ متناہی ہے۔ اور اسی پر تو مقدورات و مرادات کو سمجھ لے۔

اگر تو کہے کہ کیا اولیاء میں سے کوئی ابتداء عالم کے سبب پر جو کہ ممکنات میں اسماء کی تاثیر ہے مطلع ہوا جیسا کہ گزر چکا کہ الخالق کسی مخلوق کو، الرازق کسی مرزوق کو طلب کرتا ہے۔ اسی طرح دوسرے اسماء۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تقدیر کا راز اور تقدیر کا علم ہے۔ یہ صرف کامل ورثہ محمدیین کے افراد کے ساتھ خاص ہے شیخ محی الدین نے فتوحات کے چوتھے باب میں فرمایا ہے: جان لے کہ اکثر علماء باللہ کے پاس ابتداء عالم کے سبب کا علم نہیں ہے مگر علم قدیم کا ازل سے اس کی ایجاد کے ساتھ تعلق۔ پس اللہ تعالیٰ نے اسے بنا دیا جس کے متعلق وہ جانتا تھا کہ وہ ہوگا۔ اور یہاں ان کا علم ختم ہو گیا۔ البتہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے ہبہ کے طریقے سے اس سے اوپر کی اطلاع بخشی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اسماء الٰہیہ اس عالم میں موثر ہیں اور وہی مفاتح اول ہیں جنہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ شیخ نے فرمایا: مجھے معلوم نہیں کہ ہمارے معاصرین میں سے کسی کو اللہ تعالیٰ نے یہ عطا فرمایا ہے یا ان کے درمیان ہمیں ہی اس کے ساتھ خاص فرمایا ہے۔ انتہی

سبقت کتاب کا مفہوم

اگر تو کہے کہ حدیث پاک میں ہے کہ تم میں سے ایک شخص اہل جنت کے عمل کرتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف ہاتھ بھر فاصلہ رہ جاتا ہے پس اس پر کتاب سبقت کرتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نہیں لکھا مگر وہی جو اس علم میں ہے۔ اور اس نے نہیں جانا مگر معلومات کی ان صورتوں کو جن کا مشاہدہ فرمایا جن پر فی انفسہا ہیں۔ برابر ہے کہ ان میں سے متغیر ہو اور جو متغیر نہ ہو اللہ تعالیٰ ان

سب کا ان کی حالت عدم میں ان کے مختلف لامتناہی تغیرات سمیت مشاہدہ فرماتا ہے۔ پس اس نے انہیں ایجاد نہیں فرمایا مگر انہیں صورتوں پر جو کہ اس کے علم میں ہیں۔ تو جب اس کا علم تمام اشیاء معدوم، موجود، واجب، ممکن اور محال کے ساتھ متعلق ہے تو وہاں جیسا کہ ہم نے کہا ہے کوئی کتاب نہیں جو سابق ہو۔

اس کا جواب شیخ نے ۱۴۱ ویں باب میں یہ دیا ہے کہ سبق کتاب کا معنی صرف کتاب کی اس چیز کی طرف نسبت کی وجہ سے ہے جس کی وجہ سے وہ چیز ظاہر ہوتی ہے۔ جس کے ساتھ علم حضرت وجود کی طرف اس ھیئت پر متعلق ہوا جس کا حق تعالیٰ اس کے عدم کی حالت میں مشاہدہ فرما رہا تھا۔ پس حقیقت میں سبق کتاب یہ ہے۔ کیونکہ کتاب اس شے کے وجود سے سابق ہے

شیخ نے فرمایا: اس پر ذوق کے حوالے صرف وہی مطلع ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے تکوین کونین کے ظہور سے پہلے طریق کشف کے ساتھ اطلاع بخشی ہو۔ جیسے کہ انسان کے خواب کے بارے میں پہلے گزر چکا کہ قیامت قائم ہو چکی ہے اور اللہ تعالیٰ اس میں فیصلہ فرما رہا ہے تو اس کشف والا ہی امور کی تکوین سے قبل ان کے عدم کی حالت میں مشاہدہ کرتا ہے۔ تو جسے یہ علم ہو گا وہی کتاب سے سبقت کرتا ہے۔ پس وہ خود پر کتاب کی سبقت سے خوف نہیں کرتا۔ وہ تو صرف اس حیثیت سے خوف کرتا ہے کہ اس کا نفس کتاب سے سبقت لے گیا۔ کیونکہ کتاب نے اس پر سبقت نہیں کی مگر اپنی اس صورت کے حوالے سے جس پر وہ تھی جس صورت پر وہ اپنے وجود میں ظاہر ہوا۔ پس چاہئے کہ عبد اپنے آپ کو سپرد کر دے۔ اور کتاب پر اعتراض نہ کرے۔ اور اگر تو نے سمجھ لیا ہے تو اسی وجہ سے حق تعالیٰ نے اپنی ذات کی یہ صفت بیان کی ہے کہ اگر اس سے جھگڑا کیا جائے تو اسی کے لئے پختہ دلیل ہے۔ کیونکہ یہ محال ہے کہ علم الٰہی متعلق ہو مگر اسی کے ساتھ جو وہ فی نفسہ معلوم ہو۔ پس اگر کوئی اللہ تعالیٰ کے سامنے حجت پیش کرے اور کہے کہ تیرا علم سبقت کر چکا اس پر کہ میں ایسی حالت پر ہوں گا پھر تو مجھ سے مؤاخذہ کیوں فرماتا ہے؟ تو حق تعالیٰ اس سے فرمائے گا کہ میں نے تجھے نہیں جانا مگر اسی حالت جس پر تو ہے۔ اگر تو کسی اور حالت پر ہوتا تو میرے علم میں تیری وہی حالت ہوتی جس پر تو ہوتا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا **ولنبلونكم حتى نعلم**۔ پس اپنے نفس کی طرف رجوع کر اور اپنی گفتگو میں انصاف کر۔ تو جب عبد اپنے نفس کی طرف لوٹا اور اس نے ہماری تقریر سمجھ لی جو اس نے سامنے کی ہے تو اسے پتہ چل گیا کہ وہ مغلوب ہے اور اللہ تعالیٰ کی حجت اس پر غالب ہے۔ بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے لئے ادب کے ساتھ اس کی حجت کو اپنے نفس پر قائم کرے گا۔ اور یہاں اللہ تعالیٰ کے اس قول کا معنی بھی معلوم ہو گیا **وما ظلمنا هم ولكن كانوا انفسهم يظلمون** (النحل آیت ۱۱۸) اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ اپنی جانوں پر خود ظلم کرتے تھے۔ اور اس جیسی دوسری آیات یعنی ہمارا علم جب ہم نے انہیں علم قدیم میں جانا صرف انہیں احوال کے ساتھ متعلق ہوا جس کے ساتھ وہ وجود میں ظاہر ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کی تخلیق کے لئے بدلنا نہیں ہے۔ اور اس کی تفصیل ۲۵ ویں باب میں ان **لله الحجة البالغة** کے بیان میں آئے گی۔

مرتبہ حق تعالیٰ کا مخلوق سے امتیاز

اگر تو کہے کہ تمہاری تقریر کے مطابق رتبہ میں حق تعالیٰ کا مخلوق سے امتیاز کس چیز کے ساتھ ہو گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حق تعالیٰ رتبہ میں مخلوق سے ممتاز ہے کیونکہ بیشک وہ خالق ہے اور عالم مخلوق ہے۔ اس جواب کے ذکر کے بعد شیخ محی الدین نے فرمایا: یہ مسئلہ تمہاری راہنمائی کرتا ہے کہ ان علم تابع ہے معلوم کے۔ معلوم علم کے تابع نہیں۔ اور یہ دقیق مسئلہ ہے۔ میرے علم میں نہیں کہ اہل اللہ میں سے کوئی

اس پر متنبہ ہوا ہو۔ مگر اگر ہے تو ہم تک نہیں پہنچا۔ اور جس کسی کو اس کی تحقیق ہو جائے اسے اس کا انکار ممکن نہیں۔ اور شے کے موجود ہونے اور یوں اس کے وجود پر علم کے متقدم ہونے میں اور اس کے اپنے عدم ازلی میں اس صورت میں ہونے میں فرق ہے۔ پس وہ علم الٰہی کے مساوی ہے اور دونوں کے درمیان امتیاز صرف رتبے کے ساتھ ہی سمجھ میں آتا ہے۔ انتہی۔

شیخ فرماتے ہیں کہ اگر کتاب الفتوحات میں صرف یہی مسئلہ ہوتا تو کتاب کی بزرگی کے لئے کافی تھا اور ہم نے یہاں جو تقریر کی ہے اس کی تائید ۵۵۸ میں باب میں اللہ تعالیٰ کے اسم العلیم پر گفتگو سے ہوتی ہے۔ اور وہ آپ کا یہ بیان ہے کہ جان لے کہ علم کا مسمی سوائے تعلق کے نہیں ہے جو کہ عالم کے ساتھ خاص ہے۔ اور یہ وہ نسبت ہے جو اس ذات کے لئے معلوم سے پیدا ہوتی ہے کیونکہ علم اس لئے معلوم سے متاخر ہے کہ وہ اس کا تابع ہے۔ یہ اس کی تحقیق ہے۔ پس تحقیق کے مطابق حضرۃ علم وہ معلومات ہی ہیں اور یہ ایسی نسبت ہے جس کا رفع اکابر میں سے کسی کے مشاہدہ میں صحیح نہیں ہے۔ اور اگر اس کا رتبہ اٹھ جائے تو وہ عالم اور معلوم کے درمیان متصل ہے۔ اور علم کے لئے محقق کے نزدیک معلوم میں بالکل کوئی اثر نہیں کیونکہ وہ عقلاً اس سے متاخر ہے۔ کیونکہ تو محال کو محال جانتا ہے جبکہ اس میں اس کے متعلق تیرے علم کی حیثیت سے کوئی اثر نہیں ہے۔ اور تیرے علم کے لئے اس میں اثر ہے۔ اور محال نے بنفسہ تجھے اپنے متعلق علم عطا کیا ہے کہ وہ محال ہے۔ پس یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ علم کا معلوم میں کوئی اثر نہیں بخلاف اس کے جس کا اصحاب نظر وہم کرتے ہیں۔ پس تجھ پر کشفاً اور شرعاً ظاہر ہو چکا کہ اعیان ممکنات کی ایجاد قول الٰہی سے صادر ہوئی جبکہ عقلاً و شرعاً قدرت الٰہی سے صادر ہوئی نہ کہ علم سے۔ پس ممکن اپنے عین میں ظاہر ہوتا ہے پس اس کے ساتھ ظہور کے حوالے سے جاننے والی ذات کا علم متعلق ہوتا ہے جیسے کہ اس کے معدوم ہونے کی صورت میں متعلق تھی۔

بکل شیٔ علیم کا معنی

اگر تو کہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کا کیا معنی ہے و ھو بکل شی علیم (الحدید آیت ۳) کیا علیم عام معنی میں ہے یا بمعنی معلوم؟

تو اس کا جواب شیخ نے ۳۶۱ ویں باب میں یہ دیا ہے کہ فعیل بمعنی فاعل وارد ہوتا ہے اور بمعنی مفعول بھی جیسے قتیل اور جریح۔ رہا یہاں اللہ تعالیٰ کا علیم فرمانا تو یہ ایک ساتھ بمعنی عالم ہے اور بمعنی معلوم۔ کیونکہ بکل شیٔ میں با بمعنی فی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ ہر شے میں معلوم ہے اور ہر شے کا محیط ہے۔ یعنی اس کے لئے ہر شے میں اس چیز کا احاطہ ہے جس پر وہ معلوم ہے۔ اور یہ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور اس کے لئے جسے اللہ تعالیٰ علم عطا فرمائے۔ فرماتے ہیں کہ اس سب میں اصل یہ ہے کہ ظرفیت کیا کائنات میں اصلیہ ہے پھر ہم نے اسے شرعی طور پر حق تعالیٰ پر محمول کیا یا یہ حق تعالیٰ کے حق میں اس کے مطابق ہے جو اس کے جلال کے شایاں ہے۔ اور عالم میں بالفعل ظاہر ہوئی۔ جیسا کہ لونڈی والی حدیث میں ہے این اللہ انتہی۔ پس اس مقام میں غور کر اور اس کی تحقیق کر۔ اللہ تعالیٰ تیری ہدایت کا وارث ہو۔

خاتمہ

سیدی علی بن وفا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اللہ تعالیٰ کے فرمان احاطہ بکل شیٔ علما کے متعلق یہ فرمایا: تیری صفات میں سے جو کچھ بھی ہے اصل میں وہ اللہ تعالیٰ کا علم ہے۔ پس تیرا وہم اس کا علم ہے۔ تیرا احساب اس کا علم ہے۔ تیرا تخیل اس کا علم ہے۔ تیرا فکر اس کا علم ہے۔ تیرا تعقل اس کا علم ہے۔ تیرا قول اس کا علم ہے۔ تیرا اختیار اس کا علم ہے۔ اسی پر قیاس کر۔ پس بیشک اللہ تعالیٰ اگر سب کچھ کہ شیٔ معلوم ہے

نہ ہوتا تو اس کے لئے یہ احاطہ علمیہ پورا نہ ہوتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اسم ''القادر'' پر گفتگو

متکلمین کہتے ہیں کہ القادر وہ ہے جس کی قدرت ہر اس چیز کو شامل ہے جو کہ خاص کر ممکن میں سے اس لائق ہو کہ تحت قدرت ہو سکے۔ بخلاف ممتنع کے۔ اور انہوں نے ''تحت قدرت ہو سکے'' کی تعبیر اس لئے کی ہے تا کہ اس امر پر متنبہ کریں کہ اس کی قدرت کے متعلقات لا متناہی ہیں گرچہ ہر وہ چیز جس کے ساتھ بالفعل متعلق ہے متناہی ہے۔ پس اس کے تعلقات بالقوہ لا متناہی ہیں اور بالفعل متناہی ہیں۔

اگر تو کہے کہ کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ حق تعالیٰ اپنی ذات پر قدرت کے ساتھ یا اپنے وجود کے لئے ارادہ کے ساتھ متصف ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ یہ ممتنع ہے اور سوال بے معنی ہے کیونکہ وہ واجب الوجود الذتہ ہے۔ جبکہ ارادہ کا متعلق عدم ہے تا کہ اسے ایجاد کرے۔ اور اللہ تعالیٰ اس سے ارفع و اعلیٰ ہے۔

ان اللہ علی کل شئ قدیر کا مفہوم

اگر تو کہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول ان اللہ علی کل شئی قدیر کا کیا معنی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس شے کو ثابت فرما دیا جس پر وہ قادر ہے تو اس کی قدرت کا کوئی متعلق نہ رہا اس کا جواب فتوحات کے ۹۰ ویں باب میں شیخ نے یہ دیا ہے کہ اس شے سے مراد جس پر وہ قدیر ہے وہ ہے جس کے ساتھ اس کا علم قدیم متعلق ہے۔ پس اس کے ساتھ قدرت متعلق ہے۔ پس اسے عالم حس میں ایجاد کرتی ہے۔ پس وہ ہر اس شئی پر قدیر ہے جس کے ساتھ اس کا ارادہ متعلق ہوا۔ جو کہ اس کے علم قدیم کے ضمن میں تھی۔ اور اس کی وضاحت یہ ہے کہ ہر وہ شخص جسے اعیان میں محال اعیان کا اور خلق کے مختلف اطوار میں بدلنے کا علم ہے وہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر شے پر قدیر ہے نہ کہ اس پر جو اس کے علم میں شے نہیں ہے کیونکہ لاشئی شیئیت قبول نہیں کرتا۔ کیونکہ اگر اسے قبول کرے وہ حقیقت میں لاشئی نہیں ہے۔ اور کوئی معلوم اپنی حقیقت سے خارج نہیں ہوتا پس کسی شئی پر کبھی بھی یہ حکم نہیں لگایا جاتا کہ وہ اس کے بعد لاشئی ہے۔ اور جو شئی ہے اس پر ہمیشہ کے لئے حکم لگایا جاتا ہے کہ وہ شئی ہے

ایجاد کے وقت تعلق قدرت بالمقدور کی صورت پر اطلاع

اگر تو کہے کہ اولیاء اللہ میں سے کسی کو ایجاد کی حالت میں مقدور کے ساتھ قدرت کے تعلق کی صورت پر اطلاع ہے یا وہ تقدیر کا راز ہے جس پر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مطلع نہیں ہوتا۔ اس کا جواب شیخ نے ترجمان الاشواق کی اپنی شرح میں دیا ہے کہ بیشک یہ راز تقدیر ہے جس پر افراد کے سوا کسی کو اطلاع نہیں ہوتی۔ اور فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس پر اطلاع بخشی ہے لیکن محجوبین کے نزاع کے غلبے کی بناء پر ہم اسے کھلے لفظوں کہہ نہیں سکتے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **ولا یحیطون بشئی من علمه الا بما شاء** (البقرہ۔ اور وہ اس کے علم سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے مگر جتنا وہ چاہے)۔ پس اسے مشیت کے تحت کر دیا۔ اور ہمارے لئے علم وراثت محمدیہ کے حکم سے حاصل ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے علم سر تقدیر ساری خلق سے لپیٹ دیا ہے سوائے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور اس کے جو اس میں آپ کا وارث ہے جیسے ابوبکر صدیق۔ چنانچہ حدیث پاک میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن آپ سے پوچھا کیا تو جانتا ہے

وہ دن کہ دن نہ تھا۔ تو حضرت ابوبکرؓ نے عرض کی: جی ہاں وہ مقادیر کا دن ہے۔ او کما قال۔ جیسا کہ ہم نے اپنی تالیفات میں کئی ایک مقامات پر اس کے متعلق گفتگو کی ہے۔

اگر تو کہے کہ کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ حق تعالیٰ کی قدرت محال کی ایجاد کے ساتھ متعلق ہے جیسے معانی کا متجسد ہونا۔ ایک شخص کا آن واحد میں دو مکانوں میں یا کئی مکانوں میں ہونا۔ تو اس کا جواب شیخ نے ۲۸۰ ویں باب میں یہ دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت مطلقہ ہے۔ پس اسے محالات عقلیہ کی ایجاد کی قدرت ہے۔ اور اس میں طویل کلام کیا۔

اور آپ نے کتاب اللوامع میں امام حجۃ الاسلام کے قول "امکان میں اس سے عجیب کچھ نہیں جو ہو چکا" کے بارے میں فرمایا: اس قول کی بنا پر لوگوں نے امام پر طعن و تشنیع کی ہے جبکہ اس کا معنی نہایت واضح ہے اور وہ یہ کہ ہمارے سامنے دو ہی مرتبے ہیں قدم۔ حدوث۔ پس حق تعالیٰ کے لئے رتبہ قدم ہے۔ اور مخلوق کے لئے رتبہ حدوث۔ تو اگر حق تعالیٰ نے پیدا فرمایا جو پیدا فرمایا تو رتبہ حدوث سے خارج نہیں ہوگا۔ اور یہ صحیح نہیں کہ حق تعالیٰ کبھی بھی کوئی قدیم پیدا فرمائے۔

اور شیخ نے فتوحات کے آٹھویں باب میں ان مدائن کی شان میں فرمایا جنہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی طینت کے باقی خمیر سے پیدا فرمایا: میں اس سرزمین میں داخل ہوا اور اس میں میں نے محالات عقلیہ کا مشاہدہ کیا اور جسے عقل نے اپنی دلیل سے محال قرار دیا میں نے اسے سرزمین میں ایسا ممکن پایا کہ واقع ہو چکا ہے۔ پس مجھے اس کی وجہ سے عقل کے قاصر ہونے کا علم ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ دو ضدوں کو جمع کرنے۔ دو مکانوں میں جسم کے پائے جانے۔ عرض کے خود بخود قائم ہونے اور معنی کے معنی کے ساتھ قائم ہونے پر قادر ہے۔ اور ہر آیت یا حدیث جو ہمارے ہاں وارد ہوئی اور اسے عقل نے ظاہر سے پھیر دیا ہم نے اس سرزمین میں اس کو اس کے ظاہر پر پایا۔ اور اس پر غور کرنا چاہیئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اللہ تعالیٰ کے اسم "المرید" پر کلام

جان لے کہ المرید وہ ہے جس کا ارادہ معدوم پر متوجہ ہو تو اسے ایجاد کر دے۔ تو جسے اللہ تعالیٰ نے جانا کہ وہ اسے ایجاد فرمائے گا اس کا ارادہ فرمایا اور اسے ایجاد کر دیا۔ اور جسے جانا کہ اسے ایجاد نہیں فرمائے گا تو اس کے وجود کا ارادہ نہیں فرماتا۔ پس ارادہ علم کے تابع ہے۔ پس معلوم ہوا کہ قدر کا خیر اور اس کا شر اس کے ارادے کے ساتھ ہونے والا ہے۔ اور وہ ذوات اشیاء اور ان کے احوال وغیرہ میں قدر مخصوص اور تقدیر معین پر اشیاء کی ایجاد ہے۔ یہ اشاعرہ کے مصنفین عقائد کی عبارت ہے۔

قضاء وقدر

اور شیخ کی ۳۳۰ ویں باب میں عبارت یہ ہے کہ جان لے کہ قضا سابق ہے قدر پر حتی کہ لفظ میں بھی پس قضاء وقدر کہا جاتا ہے۔ اور قضاء اللہ تعالیٰ کا ارادہ ازلی ہے جو کہ اشیاء کے ساتھ اس صورت پر متعلق ہے جس وہ رہیں گی رہا قصور تو وہ اس وقت کی تعیین ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں پر مقدرات واقع ہوتے ہیں۔ پس قضاء قدر کا حاکم ہے۔ پس وہ قدر میں حکم لگاتا ہے۔ اس کا عکس نہیں۔ اور مقدر وہ چیز جس کا وقت مقرر کیا گیا۔ اور قدر وہ وقت مقرر کرنا ہے۔ انتہی

مقضی اور قضاء کے ساتھ رضا کا حکم

اور شیخ نے ۴۱۰ ویں باب میں فرمایا: اگر کہا جائے کہ قضاء کی طرح جس چیز کا فیصلہ کیا گیا ہے اس کے ساتھ راضی ہونا واجب ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ مذہب اہل سنت و جماعت یہ ہے کہ رضا بالقضاء واجب ہے۔ رضا بالمقضی (یعنی جس کا فیصلہ کیا گیا ہے) واجب نہیں۔ اور اس کی وضاحت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چونکہ مطلقاً رضا بالقضا کا حکم دیا ہے ہمیں پتہ چل گیا کہ وہ اجمال کا ارادہ فرماتا ہے۔ پس بیشک اس نے جب اس کی تفصیل فرمائی تو مسئلہ اس کی طرف جس کے ساتھ ہمیں راضی ہونا جائز ہے اور اس کی طرف جس کے ساتھ راضی ہونا جائز نہیں منقسم ہو گیا۔ رہی قدر تو وہ حکم کو موقت کرنا ہے۔ پس ہر شے قضاء وقدر کے ساتھ ہے یعنی حکم موقت کے ساتھ۔ پس توقیت مطلق کی حیثیت سے قدر کے خیر اور اس کے شر پر ایمان واجب ہے۔ اور من حیث التعیین اس پر ایمان واجب ہے۔ اس کے بعض کے ساتھ رضا واجب نہیں۔ اور ایمان بالشر کی صورت یہ ہے کہ عبد ایمان رکھے کہ یہ شر ہے جیسے کہ خیر کے ساتھ ایمان لائے کہ یہ خیر ہے لیکن ادباً اسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں کیا جائے گا۔ جیسا کہ اس حدیث کا اس کی طرف اشارہ ہے کہ شر تیری طرف نہیں۔ انتہی۔ پس معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ فعال لما یرید ہے یعنی جو ارادہ فرمائے کرتا ہے۔ پس وہ عالم سماوات وارض میں کائنات کا ارادہ فرمانے والا ہے جیسا کہ اس کی تفصیل گزر چکی۔ پس کفر و ایمان۔ طاعت وعصیان اس کی مشیئت۔ اس کے حکم اور اس کے ارادے کے ساتھ ہے۔ پس وجود میں حقیقتاً اس کے سوا کوئی مرید نہیں۔ کیونکہ اسی نے فرمایا ہے **وما تشاء ون الا ان یشاء اللہ** (الدہر آیت ۳۰) اور تم نہیں چاہتے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے۔

ارادہ اور مشیئت

اگر کہا جائے کہ کیا ارادہ پر مشیئت کا اطلاق اور اس کا عکس ہو سکتا ہے یا ان دونوں کے درمیان عموم وخصوص ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ ارادہ ہر مشیئت کا اطلاق اور اس کا عکس ہو سکتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ مشیئت سے ارادہ اخص ہے اور مشیئت اعم ہے۔ کیونکہ مشیئت ایجاد واعدام دونوں کے ساتھ متعلق ہے جبکہ ارادہ صرف ایجاد وممکنات کے ساتھ متعلق ہے۔ پس اس کا متعلق عدم اضافی ہے پس وہ اس پر توجہ کرتا ہے تو اس کی ایجاد فرماتا ہے۔ جبکہ مشیئت کے لئے اطلاق ہے کیونکہ وہ ایجاد کرتی ہے اور معدوم کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا انما امرہ (اے مشیئۃ) **اذا اراد شیئا ان یقول لہ کن فیکون** (یٰس آیت ۸۲۔ اس کا حکم جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے صرف اتنا ہے کہ اسے فرماتا ہے ہو جا بس وہ ہو جاتی ہے) اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا **ان یشایذ ھبکم ویات بخلق جدید** (ابراہیم آیت ۱۹) اگر وہ چاہے تو تم سب کو ہلاک کر دے اور کوئی نئی مخلوق لے آئے) پس وہ اس وجہ سے ارادہ سے اعم ہے۔ انتہی۔

اور حق پہلا قول ہے کیونکہ صفات حق تعالیٰ کے خصائص میں سے یہ ہے کہ ہر صفت دیگر صفات کا فعل کرتی ہے بخلاف صفات خلق کے کہ ان میں سے ایک صفت اس قید سے آگے نہیں بڑھتی ہے جو حق تعالیٰ نے اس کے لئے مقرر فرمائی ہے۔ اور یہ وہ عقیدہ ہے جس پر اہل کشف ہیں۔ جبکہ اس میں بعض اہل کلام نے اختلاف کیا ہے۔ پس انہوں نے کہا کہ صفات حق اپنے مراتب سے تجاوز نہیں کرتیں۔ پس اللہ تعالیٰ اس سے سماعت نہیں فرماتا کہ جس سے دیکھتا ہے۔ اور اس پر قیاس کر۔

محبت اور رضا کا حکم

اگر کہا جائے: کیا رضا اور محبت میں کوئی فرق ہے یا دونوں کا ایک ہی معنی ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دونوں ایک ہی معنی میں ہیں۔ اور ان دونوں کا موضوع اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ہے کہ یہ دونوں صرف شرعاً قابل تعریف فعل میں ہوتے ہیں۔ پس یہ دونوں مشیت اور ارادے کا غیر ہیں۔ کیونکہ کبھی چاہا ہوا اور مراد محمود ہوتا ہے جیسے طاعت اور ایمان۔ اور کبھی مذموم جیسے کفر وعصیان۔ پس وہ اپنے بندوں کے لئے کفر پسند نہیں فرماتا باوجودیکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کی وجہ سے ان کے بعض سے یہ واقع ہوتا ہے۔ **قال الله تعالیٰ ولو شاء ربك ما فعلوه** (الانعام آیت ۱۱۲) اور اگر آپ کا رب چاہتا تو وہ یہ نہ کرتے۔

اور معتزلہ کہتے ہیں کہ رضا اور محبت نفس مشیت وارادہ ہیں۔ کیونکہ حق تعالیٰ کی صفات سب کی سب کامل ہیں پس ہر صفت دوسری صفات کا کام کرتی ہے۔ بخلاف صفات خلق کے۔ انتہی۔ اور یہ جو معتزلہ کہتے ہیں صحیح ہے اگر ہم ان کی مراد کلام من حیث الکمال پر محمول کریں۔ لیکن اگر کلام من حیث الاوامر والنواہی پر محمول کریں تو پھر صحیح نہیں کیونکہ اس کی وجہ سے مامورات منہیات کے رتبہ میں ہو جاتے ہیں اور یہ شریعت سے باہر نکلنا ہے۔

اگر تو کہے کہ خلق کے ساتھ متعلق ارادہ اور شہوت میں کیا فرق ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ارادہ اصل میں صفت الٰہیہ ہے۔ اور اس کا متعلق نفس یا عقل کی ہر مراد ہے۔ گرچہ شارع علیہ السلام کو پسند نہ ہو۔ رہی شہوت تو یہ خاص صفت طبعیہ ہے کہ اس میں نفس کے لئے لذت ہے۔ شیخ نے ۱۰۹ ویں باب میں یونہی فرمایا ہے۔

کیا ارادہ صفت ذات ہے؟

اگر تو کہے کہ ''ارادہ صفتِ ذات ہے'' کیا یہ جمہور وغیرہم کے مذہب پر ہے یا یہ ان کے بعض کے مذہب پر ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں ان کے بعض نے اختلاف کیا ہے۔ پس اس نے کہا ہے کہ زاید کی نفی کرنے والوں کے مذہب پر ارادہ صفت ذات نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس کی صفت ہے اس کے مذہب پر جو کہتا ہے کہ یہ زایدہ ہے۔ اور فتوحات کے ۵۵۸ ویں باب میں شیخ محی الدین کا یہی قول ہے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا: میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ ارادہ ذات کے لئے خاص تعلق ہے جسے ممکن نے اپنے امکان کی وجہ سے دو امروں میں سے بدل کے طور پر ایک کو قبول کرنے میں ثابت کیا ہے۔ پس اگر ممکن سے ان دو امور کی معقولیت اور قبول کی معقولیت نہ ہوتو ارادہ واختیار کے لئے کوئی حکم ثابت نہ ہوتا اور نہ ہی اس کے لئے کوئی اسم ظاہر ہوتا۔ انتہی

شر ومعصیت کے متعلق سوال اور جواب

اگر تو کہے کہ جب شر ومعاصی اللہ تعالیٰ (کے ارادے) سے ہیں تو اس آیت میں اس سے براءت کا اظہار کیونکر فرمایا **ان الله لا یامر بالفحشاء** (الاعراف آیت ۲۸ بیشک اللہ تعالیٰ بے حیائیوں کا حکم نہیں دیتا) تو اس کا جواب یہ ہے کہ ادب یہی ہے کہ شر کے بارے میں کہا جائے کہ اس کی قضاء وقدر ہے۔ اور یہ نہ کہا جائے کہ اس نے اس کا حکم دیا ہے۔ گرچہ اس کا ارادہ، نافذ ہونے میں اس حیثیت سے زیادہ قوی ہے کہ کسی کے لئے اس کی نافرمانی ممکن نہیں۔ بخلاف امر کے کہ اللہ تعالیٰ کے ارادے سے نافرمانی کی جاتی ہے۔ نیز امر کے

تسمیہ کا موضوع صرف خیر میں طرف راجح ہے۔ پس اس میں فعل پر ابھارنا ہے جبکہ ارادہ یوں نہیں ہے۔ اور اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ فحشاء کا حکم دیتا ہے تو یہ مامورات کی قسم سے ہو جائے گی اور منہیات کے لئے وجود میں کوئی اثر باقی نہیں رہے گا پس اس لئے اللہ تعالیٰ نے فحشاء سے براءت کا اظہار فرمایا ہے اور اس کے امر کی اضافت نفس اور شیطان کی طرف فرمائی ہے۔

عقائد وسطیٰ میں شیخ کی وضاحت

اور شیخ محی الدین نے اپنے عقائد وسطیٰ میں فرمایا: جان لو کہ یہ کہنا صحیح ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ فحشاء کا امر نہیں دیتا اسی طرح یہ نہ کہا جائے کہ وہ اس کا ارادہ کرتا ہے۔ پس یوں کہا جائے اس کی قضاء وقدر ہے۔ اور یہ نہ کہا جائے اس نے اس کا ارادہ فرمایا۔ پھر فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا فحشاء کا ارادہ نہ کرنے والا ہونے کا بیان یہ ہے کہ اس کا فاحشہ ہونا وہ اس کا عین نہیں ہے۔ وہ تو اس میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ اور اشیاء میں اللہ تعالیٰ کا حکم قرآن عظیم کی طرح غیر مخلوق ہے۔ اور جس پر خلق جاری نہیں ہوئی وہ مراد حق نہیں ہے کیونکہ ارادہ متوجہ نہیں ہوتا مگر کسی معدوم پر کہ اس کی ایجاد کرے۔ فرمایا: پس اگر ہم پر طاعات کی سمت میں اسے لازم کریں تو ہم نے اس کا التزام کیا۔ اور ہم نے کہا کہ طاعت کا ارادہ سمعی طور پر ثابت ہوا۔ عقلی طور پر نہیں۔ پس اسے فحشاء میں ثابت کیا گیا جبکہ ہم نے اسے ایمانی طور پر اطاعت میں قبول کیا جیسے کہ ہم نے وزن اعمال قبول کیا باوجودیکہ وہ اعراض ہیں۔ پس ہمارا اپنے مذہب کے مطابق جس کا دلیل تقاضا کرتی ہے اس پر ایمان لانا قابل اعتراض نہیں۔ انتہی۔ یہ دقیق کلام ہے۔ غور اور تحقیق کرنا چاہئے۔

ہماری تقریر سے معلوم ہو گیا کہ ہدایت، گمراہی، توفیق اور خذلان اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے۔ بندے کے ہاتھ میں نہیں۔ اور اسی طرح لطف۔ اور قلوب پر طبع، ختم اور پردے اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہیں۔ بندے کے اختیار میں نہیں۔ اور اسی طرح ران، وقر، صمم، قفل جو کہ قرآن پاک میں وارد ہیں اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں نہ کہ بندے کے

مندرجہ بالا امور کے متعلق وضاحت

چاہئے کہ ہم تیرے لئے ان امور کے معانی واضح کر دیں۔ ہدایت اور اضلال سے مراد بندے میں ایمان پیدا کرنا ہے۔ اور یہ مذہب اہل سنت ہے جبکہ معتزلہ کہتے ہیں کہ ہدایت و اضلال بندے کے ہاتھ میں ہے۔ ان کے قول کی بنا پر بیشک بندہ اپنے نفس کے اعمال خود پیدا کرتا ہے۔ اور یہ وہ مسئلہ ہے جس میں معتزلہ نے پورے طور پر خطا کی ہے۔ کیونکہ حس ان کی تکذیب کرتی ہے چہ جائیکہ دلائل شرعیہ، اور اگر بندہ اپنے اعمال کا خالق ہے تو ان کے گمان کے مطابق اس کی اغراض میں سے کوئی مطلوب اس سے فوت نہ ہوتا۔ اور کبھی ایسا کام نہ کرتا جو اسے برا لگے۔

رہی توفیق تو جمہور متکلمین نے کہا ہے کہ اس سے مراد عبد میں علت کے ساتھ ساتھ قدرت طاعت پیدا کرنا ہے۔ جبکہ امام الحرمین کے مطابق یہ صرف طاعت پیدا کرنا ہے یعنی علت کے ساتھ نہیں کہ اس کی تاثیر نہیں۔

رہا خذلان تو وہ عبد میں معصیت کی قدرت اس کی علت کے ساتھ پیدا کرنا ہے۔ جبکہ امام الحرمین نے فرمایا ہے کہ طاعت کے مطابق ہی قدرت معصیت بیدار کرنا ہے جیسا کہ ابھی گزرا۔ اور شیخ محی الدین بن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جب تو مباح کے استعمال کی کثرت کی وجہ سے خذلان کے حجاب کے پیچھے سے کچھ چمک سی دیکھے اور تجھے خوف ہو کہ کہیں یہ مکروہ کی طرف منتقل ہو جائے تو

اللہ تعالیٰ کے حضور زاری کر کہ تجھ میں اس مباح کے متعلق کراہت پیدا فرما دے۔ ورنہ تو ہلاک ہو جائے گا۔

رہا بندے کے ساتھ لطف تو یہ وہ چیز ہے جس کے پاس اس کے آخر میں بندے کی بہتری واقعہ ہو اس طرح کہ اس سے معصیت کی بجائے عصمت کے طور پر طاعت واقع ہو اگر نبی ہے۔ یا حفاظت کے طور پر اگر ولی ہے۔

ختم اور طبع دونوں سے مراد ایک ہی ہے جیسا کہ اصولیوں نے کہا ہے۔ اور وہ عبد میں ضلال پیدا کرنا ہے جو کہ اضلال ہے اور اکنہ سے مراد جیسا کہ شیخ نے ۴۱۲ ویں باب میں فرمایا ہے یہ کہ عبد طبیعت کے گھر میں اپنی ماں کے ساتھ مشغول ہو جو کہ نفس ہے اسے اپنے باپ کی کوئی خبر نہیں جو کہ روح ہے۔ پس یہ ہمیشہ کی تاریکی میں رہتا ہے۔ اور وہ حجاب طبیعت ہے جس کی طرف کفار کے اس قول میں اشارہ کیا گیا ہے۔ ومن بيننا و بينك حجاب (حم السجدہ آیت ۵۔ اور ہمارے اور تمہارے درمیان ایک حجاب ہے)

اور وقر سے مراد جس کی طرف اللہ تعالیٰ کے قول و فی آذاننا وقر (حم السجدہ آیت ۵۔ اور ہمارے کانوں میں بوجھ ہے) میں اشارہ کیا گیا ہے دنیوی اسباب کا بوجھ ہے جو کہ اسے آخرت کے نفع میں مصروف ہونے سے پھیر دیتے ہیں۔

اور ران جس کی طرف اللہ تعالیٰ کے قول كلا بل ران على قلوبهم (المطففین آیت ۱۴۔ ان کے دلوں پر زنگ چڑھ گیا ہے) میں اشارہ کیا گیا ہے سے مراد زنگ ہے جو کہ آئینۂ قلب پر چڑھ جاتا ہے۔ اور کبھی یہ ان دنیوی شہوات کو دیکھنے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے جن کی طرف نظر کرنا حلال نہیں۔ اور اس زنگ کی صفائی کثرت ذکر اور تلاوت قرآن کریم سے ہوتی ہے۔

اور صمم سے مراد قلب میں سختی حاصل ہونا ہے جو کہ اسے داعی شرع کی طرف کان لگانے سے منع کرتی ہے۔ اور قفل قیامت کے دن عذر کرنے والے کفار کے لئے ہے گرچہ معذرت کرنا انہیں نفع نہیں دے گا۔ پس وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! ہم نے اپنے قلوب پر یہ قفل نہیں لگایا۔ ہم نے تو اسے ان پر لگا ہوا پایا۔ ہمیں معلوم نہیں کہ کس نے لگایا۔ اور ہم نے نکلنا چاہا تو ہمیں ان پر تیری لگائی ہوئی مہر کے ٹوٹنے کا خطرہ لاحق ہوا۔ پس اس کے انتظار میں ہی رہے کہ جس نے ان پر قفل لگایا۔ ہو سکتا ہے وہی اسے کھولنے کا اہتمام کرے۔ اس سلسلے میں ہمارے اختیار میں کچھ نہ تھا۔ شیخ محی الدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اہل اقفال میں سے تھے پس اللہ تعالیٰ نے ان کا قفل کھولنے کا اہتمام فرمایا۔ پس اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ اسلام کو مضبوط فرمایا۔ پس ان تفاسیر پر غور و فکر کر کیونکہ تو کسی کتاب میں انہیں مجموعی طور پر نہیں پائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ تیری ہدایت کا وارث ہو۔

جزاء و سزا کے متعلق سوال و جواب

اگر تو کہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہر شئی کی بادشاہی ہے اور وجود میں جو کچھ واقع ہے اس کے ارادہ اور مشیت کے ساتھ ہے پس اس کا طاعت پر ثواب دینا اپنے فضل اور معصیت پر بندوں کو سزا دینا اپنے عدل کے طور پر ہے۔ شر ہو یا اس کا غیر ہو جواب یہ ہے کہ ہاں امر ایسا ہی ہے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ شرک کے سوا کو بخش دے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ **فاما من طغى و آثر الحيوة الدنيا فان الجحيم هي الماوى واما من خاف مقام ربه و نهى النفس عن الهوى فان الجنة هي الماوى** (النازعات آیت ۳۷ تا ۴۱۔ تو جس نے سرکشی کی اور دنیوی زندگی کو ترجیح دی تو دوزخ اس کا ٹھکانہ ہے اور جو اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے ڈر گیا اور اس نے اپنے نفس کو بری خواہش سے روکا پس بیشک جنت اس کا ٹھکانہ ہے) اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **ان الله لا يغفر ان يشرك**

به ویغفر مادون ذالك لمن یشاء (النساء آیت ۴۸۔ بیشک اللہ تعالیٰ نہیں بخشتا اس بات کو کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس کے علاوہ جو جسے چاہے بخش دیتا ہے)

شیخ جلال الدین المحلی فرماتے ہیں کہ یہ اخیر عمومی عذابوں کی تخصیص کرنے والا ہے۔ یعنی یہ معاف فرمانا نافرمانوں کی اس سزا کے منافی نہیں جو کہ اللہ تعالیٰ کی سچی خبر کے ضمن میں ہے۔ کیونکہ تخصیص یہ بیان ہے کہ حکم میں وہ خاص مراد نہیں ہے۔ نہ کہ وہ اثبات کے بعد اس کے رفع کا بیان ہے۔

مسئلہ خلف وعدو وعید

اگر تو کہے: کیا اللہ تعالیٰ کے لئے ان دو آیات میں موجود جزا و سزا کی مخالفت درست ہے؟ جواب یہ ہے کہ ہاں اسے اس کا حق ہے۔ شافعیہ اسی کے قائل ہیں۔ جبکہ حنفیہ فرماتے ہیں ان دونوں میں درست نہیں۔ اور کلام شافعیہ کے مطابق اللہ تعالیٰ کے لئے حق ہے نافرمان کو جزا دینا اور مطیع کو سزا دینا۔ مویشیوں اور اطفال کو سزا دینا۔ کیونکہ وہ اس کی ملک ہیں ان میں جیسے چاہے تصرف فرمائے۔

دنیوی آلام و بلایا کی تفصیل

البتہ انہوں نے یہ کہا ہے کہ اس سے یہ واقع نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں مطیع کو ثواب اور نافرمان کو سزا دینے کی خبر دی ہے۔ اور انہوں نے کہا کہ ہمارے لئے کتاب اور سنت صحیحہ میں مویشیوں اور اطفال کی سزا کے بارے میں سوائے آخرت کے قصاص کے کچھ وارد نہیں اور اصل اس کا عدم ہے۔ پس بیشک ائمہ کی گفتگو صرف آخرت کی سزا میں ہے نہ کہ دنیا کے بارے میں کیونکہ دنیا میں سزا کا وقوع ہمارے مشاہدہ میں ہے اس میں کوئی جھگڑا نہیں۔

مویشیوں اور اطفال کا قصاص اخروی

رہا مویشیوں اور اطفال کی قصاص میں سزا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن اہل حقوق کو ان کے حقوق ادا کئے جائیں گے حتیٰ کہ بے سینگ بکری کے لئے سینگ والی بکری سے قصاص لیا جائے گا۔ رواہ مسلم۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مخلوق کے لئے بعض سے بعض کا قصاص لیا جائے گا حتیٰ کہ بے سینگ جانور کا سینگ والے سے اور چیونٹی کا چیونٹی سے۔ اور فرمایا قیامت کے دن ہر چیز جھگڑا کرے گی حتیٰ کہ دو بکریاں اس بارے میں جو ایک دوسرے کو سینگ مارے۔ یہ دونوں احادیث امام احمد نے روایت کیں۔ جلال محلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان احادیث کا فیصلہ یہ ہے کہ قیامت کے دن قصاص کا وقوع تکلیف و تمیز پر موقوف نہیں پس طفل سے طفل کے لئے بدلہ لیا جائے گا وغیرہ۔ پس اللہ تعالیٰ کے موصوف بالظلم ہونے کا محال ہونا معلوم ہوا۔ گرچہ اس سے اپنی خلق میں سے کسی کے لئے مکلف ہو یا غیر مکلف عذاب اور سزا دینا واقع ہوا۔ کیونکہ تمام امور کا مطلقاً مالک ہے۔

اگر تو کہے: جب دنیا میں مویشیوں اور اطفال کے لئے سزا واقع ہوئی تو اس حدیث پاک کے حوالے سے کہ اللہ تعالیٰ کسی بندے پر دو سزائیں جمع نہیں فرماتا اگر اسے دنیا میں سزا دے تو آخرت میں نہیں دے گا انہیں آخرت کی سزا سے کفائت کرتا ہے اور ائمہ کا مویشیوں اور اطفال کی سزائے آخرت میں اختلاف اس پر محمول کیا جائے گا جب انہیں دنیا میں سزا نہیں دی گئی؟

تو جواب یہ ہے کہ ہاں یہ کافی ہے۔ بخلاف حنفیہ کے۔ اور اس سے حق تعالیٰ کے لئے اپنے بندوں میں مشیت کا اطلاق حاصل ہوتا ہے اور اس کی تائید ۲۹۸ ویں باب میں شیخ کا یہ قول کرتا ہے۔ جان لے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ **لیغفر لك الله ما تقدم من ذنبك وما تاخر**۔ پس اللہ تعالیٰ نے ذنب کا ذکر فرمایا اور مغفرت واقع فرمائی اور مغفرت، دنیا کے ساتھ معلق نہ فرمائی کہ اس میں حسی اور نفسی تکلیفیں اور بیماریاں واقع ہوتی ہیں۔ اور یہ امت کے حق میں عین انفاذ وعید ہے کیونکہ ہر مخلوق کے لئے تکالیف میں واقع ہونے سے چارہ نہیں۔ پس بری اور طفل کی سزا کے مسئلہ میں معتزلہ کا قول صحیح ہوا۔ کیونکہ اشعری نے اس کا وقوع اللہ تعالیٰ سے جائز قرار دیا ہے۔ لیکن فرماتے ہیں کہ ہر وہ جو جائز ہے واقع ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ معتزلہ کے خلاف اشعریہ نے جو بھی دلیل دی ہے وہ اس میں مفید نہیں کیونکہ وعید نافذ کرنے کے قائل حضرات درست ہیں اگر وہ اس کے انفاذ کے محل کو اطلاق پر رکھیں اور اسے مقید نہ کریں مگر دنیا میں یا آخرت میں جہاں اللہ تعالیٰ اسے معین فرمائے۔ تو جب وہ اسے دنیا میں مرض یا تکلیف نفسی یا حسی کے ساتھ نافذ فرمائے تو یہ انفاذ عقوبت کی سچائی میں کافی ہوگا۔ اور یہ اس کے لئے آخرت کی سزا سے پردہ ہوگا۔ انتہی۔

دنیوی آلام اور تکالیف کی تفصیل

اور شیخ نے ۲۶۴ ویں باب میں بھی فرمایا ہے: جان لے کہ تمام بنی آدم کے لئے ان کے ابدان اور سرائر میں گاہے گاہے تکلیف آزمائش اور درد کے بغیر چارہ نہیں حتیٰ کہ وہ جنت میں یا جہنم میں داخل ہو جائیں۔ دنیا میں پہلا رنج ولادت کے وقت مولود کا رونا ہے کہ وہ اس تکلیف کی وجہ سے چیختا باہر آتا ہے جو رحم سے اور اس کی گرمی سے جدا ہونے کی وجہ سے پاتا ہے۔ پس رحم سے نکلتے ہوئے اسے ہوا ٹکراتی ہے پس وہ ٹھنڈک کی تکلیف محسوس کر کے روتا ہے۔ اس کے بعد اگر وہ مر گیا تو اس نے آزمائش کا اپنا حصہ لے لیا۔ اور اگر زندہ رہا تو اس کے لئے دنیوی زندگی میں درد و الم سے چارہ نہیں۔ کیونکہ یہ حیوان کی جبلت میں ہے۔ پس جب یہ برزخ کی طرف منتقل ہوتا ہے تو الم ضروری ہے۔ ادنی الم نکیرین کا سوال ہے۔ تو جب اسے اٹھایا جائے گا تو اپنے آپ پر یا دوسرے پر خوف کا الم ضروری۔ اور جب جنت میں داخل ہو گیا تو اس سے الم کا حکم اٹھ گیا اور ابدالآباد تک نعمتیں اس کے ساتھ رہیں گی۔ اور اگر جہنم میں داخل ہوا تو اگر وہ اہل نار میں سے ہے جو اس کے اہل ہیں وہ ایسے الم میں ہوگا کہ اس کی حد نہیں ورنہ اسے تکلیف پہنچے گی یہاں تک کہ شفاعت کے ساتھ باہر آ جائے۔

ظہر الفساد فی البر والبحر کا بیان

اور شیخ نے باب الاسرار میں اللہ تعالیٰ کے قول **ظهر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس** (الروم آیت ۴۱) لوگوں نے جو کمائی کی اس کی وجہ سے خشکی اور تری میں فساد پھیل گیا) کے متعلق فرمایا: جان لے کہ حق تعالیٰ نے اس آیت میں خبر دی ہے کہ بندے کو جو بھی دردناک امور حاصل ہوتے ہیں وہ اس کی جزا ہے جس کی وہ ابتداء ہے۔ پس بے گناہ مبتلا نہیں ہوئی اس حال میں کہ وہ بے گناہ ہے۔ اور اس مسئلہ کی بلندی تک پہنچنا مشکل ہے۔ اس میں دو بڑے گروہوں نے اختلاف کیا ہے۔ ان میں سے ایک نے اسے ممنوع قرار دیا ہے جسے دوسرے نے جائز کہا۔ اور ہر گروہ نے اس کی مدد کی ہے جس کی غرض میں وہ قائم ہے۔ اور یہ عین اس کی مرض ہے۔ فرماتے ہیں کہ اہل کشف کے طبقہ علیا نے امر کو یقین کے ساتھ جانا۔ اور وہ یہ کہ دنیا میں کوئی دردناک امر نہیں ہوا مگر وہ اس کی جزا ہے جو ابتدا ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ **وما اصابکم من مصیبة فبما کسبت ایدیکم** (الشوریٰ آیت ۳۰۔ اور تمہیں جو

مصیبت پہنچی ہے تمہارے ہاتھوں کی کمائی کی وجہ سے ہے) حتیٰ کہ مریض جب تکلیف محسوس کرے تو اس سے طبیب کہتا ہے اللہ تعالیٰ کی قسم میں نے تجھے ناخوشگوار السنا کی دوائیں استعمال کرنے کا حکم صرف اس قصد سے دیا کہ تجھے نفع ہو۔ اور اسی طرح جب طبیب بیمار ہو جائے اور اسے معلوم نہیں کہ مرض کس دروازے سے داخل ہوا۔ اس سے حق تعالیٰ فرماتا ہے یہ تکلیف جو تجھے پہنچی ہے صرف اس تکلیف کی جزا ہے جو تو نے مریضوں کو پہنچائی۔ پس اپنے کئے کی جزا لے لے۔ گرچہ تو نے اس تکلیف کا قصد نہیں کیا تھا۔ انتہی۔ اور کسی بحث میں آئے گا کہ کوئی بھی تکلیف سے خارج نہیں۔ بیشک روح کی تکلیف کے درجات کا پہلا درجہ اشیاء کی شناخت ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کر۔ واللہ تعالیٰ۔

اللہ تعالیٰ کے اسم السمیع البصیر پر کلام

پس ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کہتے ہیں: اگر تو کہے کہ اسم السمیع کا ذکر اسم البصیر اور اسم العلیم سے مقدم کرنے میں کیا حکمت ہے اس کے برعکس کیوں نہیں؟ اس کا جواب شیخ نے ۱۸۲ ویں باب میں یہ دیا ہے کہ ذکر میں باقی اسماء پر اسم السمیع کو مقدم کرنے میں حکمت یہ ہے کہ قول پہلی چیز ہے جس کا ہمیں حق تعالیٰ سے علم ہوا اور وہ اس کا ہمیں کن فرمانا ہے پس اللہ تعالیٰ سے قول تھا اور ہم سے سننا۔ پس وجود ہوا۔ انتہی۔ اور شیخ نے اس پر ۹۷ ویں باب میں تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ اور اس بحث میں جو اس کے پیچھے ہے اس کا مفہوم لائیں گے انشاء اللہ العزیز۔

اور جان لے کہ ان دونوں اسماء کی کیفیت تمام صفات کی طرح عقل میں نہیں آسکتی۔ پس اللہ تعالیٰ سنتا اور دیکھتا ہے جو حرکت کرے یا ساکن ہو یا عالم اسفل و اعلیٰ میں کائنات میں چھپے۔ پس وہ نفس کی نفس میں کلام اور ہاتھ لگانے کے وقت بال کا سامس کرنے کی آواز سنتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تاریک شب میں سیاہی اور پانی میں پانی دیکھتا ہے۔ اسے باہم ملنا، تاریکیاں۔ روشنی اور دیواریں محجوب نہیں کرتیں جیسے دوری اس کے سننے کو محجوب نہیں کرتی۔ پس وہ قریب ہے۔ اسے دوری نقصان نہیں دیتی۔ پس وہ قریب ہے۔ اس کی صفات اس سے بالا ہیں کہ اس کی خلق کی صفات کے ساتھ کسی حد یا حقیقت میں جمع ہوں۔

اور لواقح الانوار میں فرمایا: حق تعالیٰ کے خصائص سے ہے کہ اسے وہ شے مشغول نہیں کرتی جسے وہ دیکھتا ہے اس سے جسے وہ سنتا ہے نہ ہی وہ شے جسے وہ سنتا ہے اسے اس سے مشغول کرتی ہے جسے وہ دیکھتا ہے۔ بلکہ وہ مسموعات اور مبصرات کا علماً احاطہ کئے ہوئے ہے اس کے بغیر کہ دونوں صفات میں سے ایک کا ادراک دوسری سے سبقت کرے۔ پس ایک شان اسے دوسری شان سے مشغول نہیں کرتی۔ انتہی۔

اور باب الاسرار میں فرماتے ہیں کہ نہایت عجیب شے جس کا عقیدہ اہل توحید رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ کو قریب کی وصف لگاتا ہے۔ بعید قریب کس سے ہے۔ اور بعید کس سے ہے۔ وہ تمام بندوں کی طرف رگ شہ سے زیادہ قریب ہے پس قرب و بعد تو صرف شہود عبد کی طرف لوٹتا ہے۔ اگر وہ اپنے رب کی طاعت کرتا ہے تو اپنے رب کو قریب دیکھتا ہے اور اگر اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کرتا ہے تو اپنے رب کو بعید پاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اللہ تعالیٰ کے متکلم ہونے پر کلام

اے بھائی! جان لے کہ یہ ایسا مقام ہے کہ اسے سمجھنے میں علماء کو اضطراب واقع ہوا ہے۔ اور ہم متکلمین اور صوفیہ کے کلام سے مختصر

حصے کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ پس ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کہتے ہیں: متکلمین کا اجماع ہے کہ اس صفت یعنی صفت کلام کی کیفیت باقی صفات کی طرح عقل میں نہیں آتی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا کلام نہ تو خاموشی سے ہے جو پہلے ہو اور نہ ہی سکوت سے ہے، جس کا وہم ہو۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی ساری صفات یعنی علم، ارادہ، اور قدرت کی طرح قدیم ازلی ہے۔ اس نے اس کے ساتھ کسی تشبیہ اور کیفیت کے بغیر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کلام کیا۔ اس کا نام تورات، انجیل، اور زبور رکھا۔ وہ صرف ایسا امر ہے، جس کا ذوق نبی یا فرشتہ اپنے آپ میں پاتا ہے۔ عبارت میں اس کی کیفیت بیان نہیں کرسکتا۔ جس طرح اگر شہد چکھنے والے سے پوچھا جائے کہ تو نے اس کا ذائقہ کیسا پایا؟ یا مثلاً مکھی کے شہد اور کھجور کے شہد میں کیا فرق ہے؟ تو عبارت میں ان کے مابین فرق کو سامع تک نہیں پہنچا سکتا۔ اور اگر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا جاتا کہ آپ نے اپنے پروردگار کا کلام کیسے سنا تو آپ نے جو سنا اس کی کیفیت بیان نہ کرسکتے۔

کلام الٰہی عربی۔ سریانی اور عبرانی

اگر تو کہے کہ الفاظ کلام عرب، سریانی اور عبری کی طرف منقسم کیسے ہوئے باوجودیکہ وہ فی نفسہ واحد ہے۔ غیر متجزی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ درست ہے کہ بیشک کلام ایک ہے لیکن مخلوقین نے اپنی مختلف لغات کے ساتھ اس کی تعبیر کی ہے پس وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرح ہے کہ عربی میں اسے اللہ تعالیٰ سے اور فارسی میں خدا تعالیٰ سے تعبیر کرتے ہیں۔ پس اگر اللہ تعالیٰ کے کلام کی تعبیر عربی کے ساتھ کی تو قرآن۔ سریانی کے ساتھ کی تو انجیل اور عبرانی کے ساتھ کی تو تورات ہوئی۔

سب سے اوّل کلام اور کلام الٰہی کی حقیقت

اگر تو کہے کہ پہلا کلام کیا ہے، جس نے حق تعالیٰ کی طرف سے ممکنات کی سماعت کو کھولا؟ تو اس کا جواب وہ ہے، جس کی طرف ہم نے گزشتہ بحث میں اشارہ کیا کہ پہلا کلام جس نے ممکنات کی سماعت کھولی وہ کلمہ 'کن' ہے۔ تو عالم سارے کا سارا صرف صفت کلام سے ہی ظاہر ہوا۔

اور اس کلام الٰہی کی حقیقت اعیان میں سے ایک عین پر وہ ارادہ رحمٰن کی توجہ ہے۔ پس رحمٰن اس مقصود کی شخصیت میں روح پھونکتا ہے پس اس کون کو کلام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور مکون فیہ کو نفس سے تعبیر کرتے ہیں جیسے کہ ارادہ کرنے والے متنفس کا نفس عین حرف کی ایجاد کو پہنچتا ہے۔ پس وہ نفس نکلتا ہے جسے صوت کہتے ہیں۔ اور اس کی کیفیت حق تعالیٰ کی جناب میں عقل میں نہیں آسکتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

جمع الجوامع اور اس کی شرح کی عبارت متعلقہ قرآن کریم

اور جمع الجوامع اور اس کی شرح کی عبارت یہ ہے: قرآن اللہ کا کلام، اس کی ذات کے ساتھ قائم، غیر مخلوق ہے۔ اور وہ ہمارے مصاحف میں حقیقت پر لکھا ہوا ہے مجازاً نہیں۔ ہمارے سینوں میں اپنے ان الفاظ کے ساتھ محفوظ ہے حقیقت پر نہ کہ مجازاً جو کہ معنی کو خیال میں لاتے ہیں۔ اور ہماری زبانوں کے ساتھ اپنے حروف ملفوظہ مسموعہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ حقیقت پر نہ کہ مجازاً۔ جلال محلی فرماتے ہیں کہ تینوں مسائل ہیں 'نہ کہ مجازاً' کہہ کر اس امر پر اشارہ کی تنبیہہ کی ہے کہ حقیقت سے مراد شے کی کنہہ نہیں ہے جیسا کہ یہ متکلمین کی مراد ہے کیونکہ قرآن اس صفت حقیقیہ کے ساتھ ہمارے مصاحف میں ہے نہ سینوں میں ہے اور نہ ہی زبانوں میں۔ اس سے مراد صرف مجاز کا

مقابل ہے۔ یعنی صحیح ہے کہ قرآن پر حقیقۃً اطلاق کیا جائے کہ وہ مکتوب محفوظ مقرد ہے۔ یعنی ان تینوں میں سے ہر ایک کا اسناد قرآن کی طرف اسناد حقیقی ہے۔ وہ سب کے سب وجودات اربعہ سے وجود کے اعتبار کے ساتھ ہیں جیسا کہ مخفی نہیں نہ یہ کہ یہ اسناد مجازی ہے۔

میں کہتا ہوں: شیخ نے فرمایا: اس کی وضاحت یہ ہے کہ یہ کہنا صحیح ہے کہ قرآن مکتوب محفوظ مقروء اور یہ کہ وہ غیر مخلوق ہے۔ یعنی وہ وجودات اربعہ کے اعتبار کے ساتھ متصف ازلاً ابداً موجود ہے۔ جو کہ ہر موجود کے لئے ہیں اور وہ وجود خارجی وجود ذہنی، وجود فی العبارۃ اور وجود فی الکتابۃ ہیں۔ اور وجود فی الکتابہ، عبارت پر اور وہ مافی الذہن پر اور وہ مافی الخارج پر دلالت کرتا ہے۔ پس قرآن وجود ذہنی کے اعتبار سے سینوں میں محفوظ ہے اور وجود لسانی کے اعتبار سے زبانوں کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ اور وجود کتابی کے اعتبار سے مصاحف میں لکھا ہوا ہے اور وجود خارجی کے اعتبار سے اور وہ قائم بالذات المقدس معنی ہے۔ سینے میں نہ زبان پر نہ مصاحف میں، رہے الفاظ جو حروف کے ساتھ مرکب ہیں تو وہ اصوات ہیں۔ یہ اعراض ہیں۔ واللہ اعلم

کتاب عزیز کے متعلق شیخ کمال الدین بن ابی شریف کی گفتگو

اور شیخ کمال الدین بن ابی شریف کتاب عزیز پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں: جان لو کہ قرآن دو معنوں کے لئے بولا جاتا ہے۔ ان میں سے ایک کلام نفسی ہے جو کہ ذات مقدس کے ساتھ قائم ہے۔ دوسرا وہ الفاظ جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارے گئے۔ اور کیا اس کا دونوں پر اطلاق اشتراک کے ساتھ ہے یا دوسرے میں مجاز مشہور ہے؟ ظاہر اشتراک ہے۔ فرماتے ہیں کہ قرآن معنی اوّل کے ساتھ علماء اصول دین کے لئے محل نظر ہے۔ جبکہ دوسرے معنی کے ساتھ عربیت وفقہ واصول فقہ کے علماء کے لئے محل نظر ہے۔ فرماتے ہیں: اور معنی اوّل کے ساتھ کلام اللہ کے نام میں اضافت کی وجہ یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ اور دوسرے معنی کے ساتھ وجہ اضافت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قلم کے ساتھ لوح محفوظ میں اس کا انشاء فرمایا: کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **بل هو قرآن مجيد في لوح محفوظ** (البروج آیت ۲۱،۲۲۔ بلکہ وہ کمال شرف والا قرآن ہے جو کہ لوح محفوظ میں ہے)۔ یا اپنے حروف کے ساتھ فرشتے کی زبان میں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا **انه لقول رسول كريم** (الحاقہ آیت ۴۰۔ بیشک یہ ایک عزت والے رسول کا قول ہے) یا نبی علیہ السلام کی زبان میں۔ کہ اللہ تعالیٰ فرمایا **نزل به الروح الامين على قلبك** (الشعراء آیت ۱۹۳۔ اسے لے کر روح الامین آپ کے قلب منیر پر اترا) اور یہ معلوم ہے کہ قلب پر اتارا ہوا وہ معنی ہے نہ کہ لفظ۔ نہ صرف اس کا اس کے کلام قدیم پر دلالت کرنے والا ہونا۔

پھر کیا اسے دوسرے معنی میں قرآن کہنے میں خاص کر محل کا اعتبار ہوگا جیسے کہ کہا گیا کہ وہ اس مولف کا نام ہے جو کہ پہلی زبان کے ساتھ قائم ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اس کا اختراع فرمایا۔ یا تسمیہ بالقرآن میں صرف خاص اس تالیف کا اعتبار ہوگا جو کہ لفظ بولنے والوں کے اختلاف سے مختلف نہیں ہوتا۔ صحیح دوسرا ہے۔ کیونکہ ہمیں قطعاً یقین ہے کہ ہم میں سے ہر ایک جو پڑھتا ہے وہی قرآن ہے جو کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا گیا۔ اور پہلی صورت میں وہ قرآن کی مثل ہوگا نہ کہ نفس قرآن۔

فرماتے ہیں: سلف نے دوسرے معنی کے ساتھ زبان میں یا مصحف میں قرآن کے حلول کے قول کے اطلاق کو منع فرمایا ہے اور اس کے مخلوق ہونے کے قول سے بھی اور یہ از رہ ادب اور اس سے بچتے ہوئے ہے کہ کہیں وہم معنی اوّل کے ساتھ قرآن کی طرف چلا جائے جو کہ کلام نفسی قائم بذاتہ تعالیٰ ہے۔ انتہی۔

قرآن کے متعلق شیخ ابو طاہر القزوینی کی کتاب سراج العقول کی عبارت

اور شیخ ابو طاہر القزوینی کی اپنی کتاب سراج العقول میں یہ عبارت ہے: اور تمام اسلاف کا اس امر پر اجماع ہے کہ قرآن کلام اللہ ہے غیر مخلوق ہے۔ وہ اس بحث میں نہیں پڑے کہ وہ قراءت ہے یا مقرو یا کتاب ہے یا مکتوب۔ جس طرح کہ انہوں نے جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار کی زیارت کی تو اس پر اجماع کیا ہے کہ مزور (یعنی جن کی زیارت کی ہے) اور جس پر درود و سلام پڑھا ہے وہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یہ بحث نہیں کرتے کہ آپ کا جسد اقدس ہے یا آپ کی روح ہے۔ اور اپنی کتاب کے پانچویں باب میں اس میں آپ نے طویل گفتگو فرمائی ہے۔

قرآن اور احادیث قدسیہ کے متعلق سوالات اور جوابات

اگر تو کہے کہ کیا احادیث قدسیہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر لفظاً اتریں یا معنی؟ تو جواب یہ ہے کہ معنی اتریں نہ کہ لفظاً۔ پس رسول پاک علیہ الصلوۃ والسلام نے خود اپنی عبارت کے ساتھ ان کی تعبیر فرمائی۔ اور یہ اس لئے کہ یہ قرآن کی طرح جو کہ بلاشک کلام الٰہی ہے اپنے الفاظ کے ساتھ معجزے کے لئے نہیں اتریں۔

اگر تو کہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کا معنی کیا ہے **انا جعلناہ قرآنا عربیا** (الزخرف آیت ۳۔ ہم نے اسے قرآن عربی زبان میں اتارا) کیونکہ اس سے اس کے مخلوق ہونے کا وہم ہوتا ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ تمام احوال میں جعل بمعنی خلق نہیں ہوتا اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔ **وجعلوا الملائکۃ الذین ھم عباد الرحمن اناثا** (الزخرف آیت ۱۹۔ اور انہوں نے فرشتوں کو جو کہ رحمٰن کے بندے ہیں عورتیں قرار دے دیا)

اگر تو کہے کہ کیا کسی کے لئے جائز ہے کہ یہ عقیدہ رکھے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں قرآن پاک میں سے کسی چیز کی بالمعنی تبلیغ فرمائی۔ تو جواب یہ ہے کہ کسی کے لئے یہ اعتقاد جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اگر یہ فرض کیا جائے کہ آپ نے نازل فرمودہ لفظ میں تصرف فرمایا اور اسے بالمعنی روایت کیا تو جب تو آپ ہمارے لئے اس کے مفہوم کی صورت بیان کرنے والے ہوتے نہ کہ نازل شدہ کی صورت۔ جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **لتبین للناس ما نزل الیھم** (النحل آیت ۴۴۔ تاکہ آپ لوگوں کے لئے بیان فرمائیں جو کچھ ان کی طرف اتارا گیا) اور محال ہے کہ آپ ان کلمات اور ان کے حروف کے اعیان کو بدلیں۔

وحی کی مثال

اگر تو کہے کہ وحی کی کیا مثال ہے جب یہ ہمارے لئے الفاظ کے ساتھ ظاہر ہو۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ الفاظ کے ساتھ ظہور وحی کی مثال حضرت جبریل علیہ الصلوۃ والسلام کے دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت میں ظہور کی مثال ہے پس بیشک جبریل جب اس صورت میں ظاہر ہوئے تو بشر محض تھے نہ فرشتہ محض۔ اور ایک ساتھ حالت واحدہ میں نہ بشر تھے اور نہ فرشتہ۔ تو جس طرح دیکھنے والوں کی نگاہوں میں آپ کی صورت بدل گئی اور آپ کی وہ حقیقت نہ بدلی جس پر آپ ہیں۔ پس اسی طرح کلام ازلی اور امر احدی کبھی زبان عربی میں متمثل ہوتا ہے۔ کبھی زبان عبری میں اور کبھی زبان سریانی میں۔ جبکہ وہ اپنی ذات میں امر واحد ازلی ہے۔ پس کافر و مشرک اللہ تعالیٰ کا کلام سنتا

ہے اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام اللہ تعالیٰ کا کلام سنتے ہیں لیکن دونوں کے سننے میں مشرق ومغرب کا بعد ہے۔ اگر دونوں کا سننا ایک سا ہو تو پھر اصطفاء (یعنی رسالت کے لئے منتخب فرمانا) باطل ہوا۔

شیخ ابو طاہر القزوینی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام

شیخ ابو طاہر القزوینی رحمۃ اللہ علیہ نے کلام طویل کے بعد فرمایا: قصہ مختصر شیوخ سلف میں سے ائمہ کبار جیسے امام احمد، سفیان اور محدثین کثیر اور پختہ علم وفہم اور نہایت کامل عقل والے تھے اور اس کے باوجود انہوں نے اپنے شاگردوں کو اس قسم کے مسائل میں ان کی دقت اور گہرائی کی وجہ سے پڑنے سے سختی سے روکا۔ جیسا کہ انہوں نے علم کلام کی مذمت فرمائی اس لئے کہ انہیں علم تھا کہ تشبیہ کے گوبر اور تعطیل کے خون کے درمیان سے عقائد صحیحہ کو بچانا بہت مشکل ہے سوائے اس کے جسے اللہ تعالیٰ اس کے متعلق فہم عطا فرمایا ہو۔ کیونکہ اکثر لوگ مقروا اور قرآن کے درمیان فرق کا ادراک نہیں رکھتے۔ پس سلف کو اپنے شاگردوں کے متعلق خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں ان کے عقائد متزلزل ہو جائیں۔ تو انہوں نے انہیں معنائے حقیقی کی بحث میں پڑے بغیر امر ظاہر اور اس پر ایمان قطعی کی حفاظت کا حکم دیا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ۔ اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں اور اس کے رسل علیہ السلام پر ایمان رکھنے والوں کا ایمان صحیح ہے۔ اور انہوں نے اپنے شاگردوں سے فرمایا کہ اس کی تلاوت کرو جیسے آیا کیفیت کے بغیر۔ اور کہو کہ ہم اس پر ایمان لائے اور ہم نے تصدیق کی۔ میری عمر کی قسم بیشک اس میں عوام کے لئے عظیم مصلحت ہے۔ رہے ائمہ تو یہ محال ہے کہ اس مسئلہ میں ان پر تحقیق مخفی رہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

حافظ ذھبی کی گفتگو

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دوسرے خلفاء کی بجائے صرف مامون کے دور میں علماء کے لئے آزمائش واقع ہوئی کیونکہ وہ فقیہ ماہر تھا اس نے فلاسفہ کی کتابوں کا مطالعہ کیا تھا اس کی وجہ سے وہ خلق قرآن کا قائل ہوا۔ اور یہ بات نہ ہوئی تو وہ خلفاء میں سے عقیدہ۔ رائے، دین، ادب، منصب کے اعتبار سے اچھا تھا۔ اس کے بعد اس کا بھائی المعتصم خلیفہ بنا۔ پس اس نے اسی طرح علماء کو خلق قرآن کے مسئلہ میں پریشان کیا۔ اور اپنے بھائی مامون کے مذہب کی تجدید کی۔ اس کے بعد الواثق بن المعتصم نے احمد بن ابی داؤد کی انگیخت پر اسی طرح علماء کو مبتلاء پریشانی رکھا۔ پھر واثق نے توبہ کی اور سنت کو غالب کیا انتہی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

شیخ محی الدین رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات

البتہ اس مسئلہ میں شیخ محی الدین کی نقول یہ ہیں۔ آپ نے فتوحات کے ۳۴ ویں باب میں فرمایا: اگر تو کہے لیلۃ القدر میں نزول قرآن کی تخصیص کی کیا حکمت ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ لیلۃ القدر کے ساتھ اس کے نزول کو اس لئے خاص فرمایا گیا کیونکہ قرآن کی وجہ سے اشیاء کے مقادیر اور موازین کی پہنچان ہوتی ہے۔ اور اس کا نزول اس کے آخری تہائی حصہ میں تھا۔ انتہی۔

اگر تو کہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے کیا مراد ہے **ما یا تیھم من ذکر من ربھم محدث** (الانبیاء آیت ۲ ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے کوئی تازہ نصیحت نہیں آتی)۔ اس کا جواب یہ ہے جو کہ شیخ ۳۲۹ ویں باب میں دیا ہے کہ اس سے مراد آنے میں محدث نہ کہ اس کا عین محدث ہے۔ پس اس کا علم ان کے نزدیک واقع ہوا جب انہوں نے اسے سنا۔ اور یہ ایسے ہے کہ تو کہے آج ہمارے ہاں

ایک مہمان حادث ہوا جبکہ یہ معلوم ہے کہ وہ آنے سے پہلے موجود تھا۔ اسی طرح قرآن مواد حادثہ میں آیا جس کے ساتھ سننا متعلق ہوا۔ پس فہم اس کے ساتھ متعلق نہیں ہوا جس پر کلمات دلالت کرتے ہیں۔ اس کے لئے من وجہ حدوث ہے اور من وجہ قدم ہے۔

اگر تو کہے کہ پر تو کلام اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور ترجمہ متکلم کے لئے۔ تو جواب یہ ہے کہ ہاں یہ اسی طرح ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول کی دلیل سے جو کہ اس نے قسماً فرمایا انہ (یعنی قرآن) **لقول رسول کریم** (الحاقۃ آیت ۴۰) بیشک یہ قول ایک عزت والے رسول کا ہے)۔ پس کلام کی اضافت واسطہ اور مترجم کی طرف فرمائی جیسے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی طرف اس قول میں مضاف فرمایا **فاجرہ حتی یسمع کلام اللہ** (التوبۃ آیت ۶) آپ اسے پناہ دیں تا کہ وہ اللہ کا کلام سنے)۔ پس جب ہم پر قرآن پڑھا گیا بیشک ہم نے اللہ کا کلام سنا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جب ان کے رب نے کلام فرمایا تو انہوں نے اللہ کا کلام سنا لیکن دونوں ساعتوں میں مشرق ومغرب کا بعد ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ پس بیشک وہ جس کا ادراک اللہ تعالیٰ کا کلام بلا واسطہ سننے والا کرتا ہے اس کے برابر وہ نہیں ہوسکتا جو اسے وسائط کے ساتھ سنتا ہے۔ انتہی

قرآن کے متعلق شیخ علی الخواص کی گفتگو

اور میں نے سیدی علی الخواص رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جب تک قرآن دل میں ہے تو حرف نہ صوت۔ تو جب قاری اس کے ساتھ بولے تو صوت اور حرف کے ساتھ بولتا ہے اور یونہی جب اسے لکھتا ہے تو اسے نہیں لکھتا مگر صوت اور حرف کے ساتھ۔ اور میں نے آپ کو یہ بھی فرماتے ہوئے سنا کہ قرآن کے دو سے پانچ حروف تک پس اس سے کچھ زیادہ حروف منظومہ متصلہ یا منفردہ کی صورت میں نازل شدہ ہونے کا مفہوم دو امر ہیں۔ اس کا قول، کلام اور لفظ ہونا اور اس کا کتاب، رقم اور خط کے نام سے موسوم ہونا۔ پس اگر تو قرآن کی طرف اس کے حفظ کئے جانے کی حیثیت سے نظر کرے تو اس کے لئے حروف رقم ہیں اور اگر تو اس کی طرف اس حیثیت سے نظر کرے کہ اس کے ساتھ نطق ہوتا ہے تو اس کے لئے حروف لفظ ہیں تو اس کا حروف منطوق بہا ہونا کس کے لئے لوٹتا ہے کیا اللہ کے کلام کے لئے ہے جو کہ اس کی صفت ہے؟ یا اس کے لئے جس سے ترجمہ کیا گیا ہے۔ حق دوسری صورت ہے۔ انتہی۔

اور میں نے آپ کو اللہ تعالیٰ کے قول **والذین کفروا اعمالھم کسراب بقیعۃ بحسبہ الظمآن مآء حتی اذا جاءہ لم یجدہ شیئا** (النور آیت ۳۹ اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے اعمال ایسے ہیں جیسے چمکتی ہوئی ریت کسی چٹیل میدان میں ہو پیاسا اسے پانی خیال کرتا ہے حتی کہ جب اس کے قریب آتا ہے تو اسے کچھ نہیں پاتا اور اللہ کو اپنے قریب پاتا ہے) کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے سنا کہ جس طرح پیاسا یہاں ریت کو پانی خیال کرتا ہے حالانکہ وہ پانی نہیں ہے۔ اسی طرح اس کا حکم ہے جو اللہ کا کلام سنتا ہے اسے حرف اور صوت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا کلام خیال کرتا ہے حالانکہ نفس الامر میں وہ صوت ہے نہ حرف۔ گرچہ محال ہے کہ کوئی امر کسی دوسرے امر کی صورت میں ظاہر ہو مگر کسی مناسبت کے ساتھ جو دونوں کے درمیان ہو پس وہ نسبت میں اس کی مثل ہوتا ہے نہ کہ عین کی اس مثل۔ تو جس طرح کہ پیاسا جب ریت کے پاس آیا اسے پانی نہ پایا جیسے کہ اسے دیکھتا تھا۔ اسی طرح جس نے کلام اللہ کو صوت وحرف کے ساتھ سنا جب اس سے پردہ کھلتا ہے تو جیسے سنا تھا اسے صوت وحرف نہیں پاتا۔

میں نے آپ سے پوچھا کہ کیا حق تعالیٰ کے لئے درست ہے کہ اپنے اطلاق کی وجہ سے اس حیثیت سے کہ فعال لما یرید ہے صورت

وحرف کے ساتھ کلام فرمائے؟ تو آپ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ کے لئے یہ صحیح نہیں کیونکہ اس سے اس کی اپنی مخلوق کے ساتھ مساوات اور ان سے اس کا منفرد نہ ہونا لازم آتا ہے پس وہ وہاں فعال لمایرید ہے جہاں اپنی خلق سے مشابہہ نہ ہو۔ رہا آخرت میں اللہ تعالیٰ کا صورتوں میں متجلی ہونا تو وہ حقیقت میں صورتیں نہیں ہیں جیسا کہ ہم نے صوت وحرف میں کہا ہے۔ انتہی اور اسی طرح کی گفتگو شیخ محی الدین نے ۴۷۳ ویں باب میں کی ہے۔

محتاج تحقیق کلام

اگر تو کہے کہ کیا خطاب حق کا سماع مظہر صوری کے بغیر صحیح ہے؟ تو اس کا جواب شیخ نے ۳۸۴ ویں باب یہ دیا ہے کہ کسی بندے کے لئے صحیح نہیں ہے کہ کبھی بھی اپنے رب کا کلام سنے مگر مقید مظہر کے پیچھے سے جس میں اس کے لئے حق تعالیٰ تجلی فرمائے۔ وہ مظہر اللہ تعالیٰ سے حجاب اور اس پر دلیل ہوگا۔ پس کوئی بندہ کبھی بھی خطاب کی منزلوں کی حالت میں مشاہدہ نہیں کرتا مگر مظاہر صوریہ کا۔ انہیں سے وہ حقائق و اسرار حاصل کرتا ہے جن کا اس کے لئے ترجمہ کیا جاتا ہے اور وہ سنت مفہومہ ہے۔ کیا تو دیکھتا نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام سے کلام نہ فرمایا مگر اپنی اس تجلی میں جو کہ ان کی ضرورت کی صورت میں ان کے لئے فرمائی جو کہ آگ تھی۔ انتہی۔ شعرانی فرماتے ہیں کہ یہ کلام محتاج تحقیق ہے پس غور کیا جائے۔ واللہ اعلم

اگر تو کہے کہ یہ کہا جا سکتا کہ قرآن قدیم قلب میں صوت وحرف کے بغیر حلول کئے ہوئے ہے۔ یا صوت وحرف کے ساتھ۔ تو جواب یہ ہے کہ قرآن جب تک دل میں رہے وہ دو معنوں کا ایک ہے۔ اس میں صوت ہے نہ حرف۔ جیسا کہ گزر چکا۔ پس وہ اس کے علماء کے قلوب میں بغیر صورت کے ہے۔ اور اس کے ساتھ ان کی زبانوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر مقام کے لئے ایک حکم رکھا ہے جو اس کے غیر کے لئے نہیں۔ پھر خیال اسے قلب سے حاصل کرتا ہے۔ پس اسے جسد میں لاتا اور اسے تقسیم کرتا ہے۔ پھر اس سے اسے زبان حاصل کرتی ہے پس اسے اپنی فطرت کے ساتھ حرف وصوت والا کرتی ہے۔ اور اس کے ساتھ کانوں کی سماعت کو مقید کرتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فاجرہ حتی یسمع کلام اللہ (التوبہ آیت ٦۔ اسے پناہ دیں حتیٰ کہ اللہ کا کلام سنے) پس رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان کے ساتھ اصوات وحروف کے ساتھ اس کی تلاوت فرمائی پس اعرابی کو سنائی۔ اس کے کان آپ کے ترجمہ کے وقت سن رہے تھے۔ پس بلاشک کلام اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور ترجمہ اس کے لئے جو اس کے ساتھ بولتا ہے کوئی بھی ہو۔ یعنی حروف واصوات کی حیثیت سے۔ اور مجازاً کلام کی نسبت بندے کی طرف صحیح ہے جیسے کہ عنقریب اس کی تفصیل باب الاسرار میں آئے گی۔ اور قلب بیت الرب ہے۔ اسے شیخ نے ۳۲۹ ویں باب میں ذکر فرمایا۔

شیخ محی الدین کا کلام

اور آپ باب الاسرار میں فرماتے ہیں کہ اگر حادث کے ساتھ قدیم حلول کرے تو اہل تجسیم کا قول صحیح ہوا۔ قدیم حلول نہیں کرتا اور نہ ہی محل ہوتا ہے۔ اور کستوری کو نہیں پہنچاتا مگر وہ جو اسے پہنچانتا ہو۔ معنی اپنے حرف کے سوا جمع نہیں ہوتا۔ قرآن کا ذکر پناہ ہے۔ اور اسی پر ایمان واجب ہے۔ کہ زبان میں اس کے حروف کے نطق اور قم اور انگلیوں کے ساتھ رقم میں اس کے حروف کی نظم کے باوجود وہ کلام رحمٰن ہے۔ پس الواح اور اقلام حادث ہیں۔ کلام حادث نہیں۔ اور عقول پر اوہام نے اس کا حکم چلایا جس کے ادراک سے فہم عاجز ہیں۔ اور اگر

فرض کرلیا جائے کہ اسے اوہام سے پایا جاسکتا ہے تو اس پر عمل کرنے والا علامہ ہوتا۔ انتہی

اور وہاں آپ نے یہ بھی فرمایا ہے: ذکر قدیم، ذکر حق ہے گرچہ خلق کے نطق کی حکایت فرمائے۔ جیسا کہ ذکر حادث وہ ہے جس کے ساتھ لسان حق نطق کرے گرچہ کلام حق ہو جبکہ حق تعالیٰ بندے کی زبان پر کلام فرمائے۔ پس ذکر قدیم ہے۔ اور اس کا مزاج بندہ تسنیم سے ہے۔ اور اس مسئلہ میں حق وہی پہنچان سکتا ہے جس کے قوی حق تعالیٰ ہو اور وہ اس کے قوی نہیں ہوتا مگر جب کہ اس نے اسے قوت دی ہو۔ آپ نے وہاں یہ بھی فرمایا: حادث محدث ہے۔ اور کلام اللہ کے لئے حدوث وقدم ہے۔ پس اس کے صفت کا عموم ہے کیونکہ اسی کے لئے احاطہ ہے۔ اور اس کا حدوث اس کا ہم پر وارد ہونا ہے۔ جیسے کہ کہا جاتا ہے ہمارے ہاں آج ایک مہمان حادث ہوا۔ انتہی۔ اور وہاں یہ بھی فرمایا: اللہ تعالیٰ کے کلام کی طرف حدوث منسوب نہیں کیا جاتا مگر جب اسے حادث لکھے یا اس کی تلاوت کرے۔ اور قدم کلام حادث کی طرف منسوب نہیں کیا جاتا مگر جب کہ اس نے اسے اللہ سے سنا ہو۔

اور اس میں آپ نے یہ بھی فرمایا: سب سے سچا قول وہ ہے جو نازل شدہ کتابوں اور پاکیزہ صحیفوں میں اس تنزیہ کے ساتھ آیا جسے وہ تنزیہ نہیں پہنچتی جو اس تشبیہ کی طرف اترتی ہے جس کی مثل کوئی تشبیہ نہیں۔ پس آیات اس کے رسول کی زبان کے ساتھ اتریں اور رسول نے اپنی قوم کی زبان کے ساتھ پہنچائیں۔ اور اس کی صورت کا ذکر نہیں کیا جسے فرشتہ لایا۔ کیا وہ تیسرا امر ہے وہ ان کی مثل نہیں ہے اور مشترک ہے۔ اور ہر حالت پر مسئلہ میں اشکال ہے۔ کیونکہ عبارات ہماری ہیں اور کلام اللہ کے لئے۔ وہ ہمارا نہیں۔ پس تنزل کیا ہے؟ اور معانی نازل نہیں ہوتے۔ اگر عبارات ہیں تو قول الٰہی کیا ہے؟ اور اگر قول ہے تو لفظ کتابی کیا ہے؟ اور وہ بلاشک لفظ ہے پس شہادت و غیب کہاں؟ اگر دلیل ہے تو وہ نہایت سیدھی بات کیسے ہے وہاں قیل وقال نہیں ہے۔ اور یہ علماء رسوم کو معلوم ہے۔ پس اس سے متحقق ہو جا اور لب کشائی نہ کر۔ انتہی

اور شیخ نے اس میں یہ بھی فرمایا ہے: مت کہہ کہ میں وہ ہوں۔ کہ اس کا ارشاد ہے فاجرہ حتی یسمع کلام اللہ۔ تو ترجمان ہے اور متکلم رحمٰن ہے۔ حروف ظروف ہیں اور صفت عین موصوف ہے۔ انتہی۔ اور یہ امر اس کے مذہب پر نہیں چلتا جو اس کا قائل ہے کہ صفات عین ہیں نہ غیر۔ پس تحقیق کی جائے۔ اور اس میں یہ بھی فرمایا: قرآن سب کا سب قال اللہ ہے۔ اور اس میں کبھی یہ نہیں آیا تکلم اللہ

قرآن میں قال اللہ آیا نہ کہ تکلم اللہ

اگر تو کہے کہ اس میں کیا حکمت ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ اگر قرآن میں تکلم اللہ آتا تو اس کی فضیلت کا کبھی انکار نہ کیا جاتا۔ کیا تو اللہ تعالیٰ کا یہ قول نہیں دیکھتا وکلم اللہ موسیٰ تکلیما۔ اس کے کلام نے اس میں کیسا اثر کیا۔ اور اس پر اس کے احکام ظاہر ہوئے۔ کیونکہ کلام ماخوذ ہے کلم سے جو کہ زخم اور تاثیر ہے تو جب قول اثر کرے تو یہ لذاتہ نہیں ہے۔ پس اے بھائی! قول اور کلام میں فرق کر جیسا کہ وحی اور الہام کے مابین اور جو کچھ تیرے پاس بیداری اور خواب میں آتا کے درمیان فرق ہے۔ تو ذوالجلال والاکرام والوں سے ہوگا۔ انتہی۔

اور اس میں یہ بھی فرمایا: عجیب بات تو ہماری طرف سے ہے۔ ہم اس کا کلام کیونکر تلاوت کرتے ہیں حالانکہ وہ قائم بذاتہ ہے۔ قسم بخدا یہ مستور سطریں۔ مقفل دروازے۔ مبہم امور اور موہم عبارات ہیں۔ یہ اکثر جہات سے شبہات ہیں۔ انتہی

اگر تو کہے کہ حروف لفظیہ ہوا میں متشکل ہوتے ہیں یا نکلنے کے بعد گرد وغبار کی طرح اڑ جاتے ہیں۔ اس کا جواب شیخ نے ۲۶ ویں باب

میں یہ دیا ہے کہ نکلنے کے بعد حروف متشکل ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے یہ مسموع کے ساتھ اس صورت پر متصل ہوتے ہیں جس کے ساتھ متکلم نے لب کشائی کی۔ تو جب یہ ہوا میں متشکل ہوتے ہیں تو ان کی ارواح ان کے ساتھ متعلق ہوتی ہیں۔ اور ہوا ان پر ان کی شکل کو روکے رکھتی ہے اگر چہ ان کا عمل پورا ہو جاتا ہے کیونکہ ان کا عمل اور تاثیر ہوا میں ان کے متشکل ہونے کے اوائل میں ہوتا ہے۔ اس کے بعد ساری امتوں کے ساتھ کے ملحق ہو جاتے ہیں۔ پس ان کا شغل اپنے پروردگار کی تسبیح ہوتا ہے۔

چند سوالات اور جوابات

اگر کہا جائے: جب کلمہ کفر ہو تو کیا وہ اپنی مشغولیت کے تسبیح رب ہونے میں کلمات خیر کی طرح ہوتا ہے؟ تو اس کا جواب وہی ہے جو شیخ نے گزشتہ باب میں دیا ہے کہ اس کا شغل صرف اپنے رب کی تسبیح ہوتا ہے گرچہ کلمہ کفر ہو۔ اس لئے کہ اس کا وبال اس کے متکلم پر لوٹتا ہے نہ کہ اس پر۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرنے والا ظاہر ہوا ہے۔ اسے نہیں معلوم کہ اس کے قائل پر کیا گناہ ہے۔ شارع نے ان کی وجہ سے عذاب اس پر رکھا ہے جس نے یہ لفظ بولے ہیں۔ جیسا کہ حدیث اس کی تائید کرتی ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے غضب پر مبنی ایسا کلمہ بولتا ہے جس پر توجہ نہیں کرتا اس کی بنا پر مدتوں جہنم کی آگ میں اترتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ کے کلام پر غور کر کہ اس کی توقیر و تعظیم کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دربار میں قرب حاصل کرنے کے حوالے سے اس کی تلاوت کی جاتی ہے۔ حالانکہ اس میں یہود و نصاریٰ کے وہ سب اقوال کفریہ ہیں جو انہوں نے حق تعالیٰ کی شان میں کہے۔ اور یہ کلمات کفر ہیں جن کا وبال ان کے قائل پر لوٹتا ہے اور یہ کلمہ قیامت کے دن اس کے قائل کے عذاب یا اس کی نعمتوں کی سرپرستی کے لئے اپنے باب پر باقی ہے۔

اگر تو کہے کہ پھر تو ان حروف ہوائیہ لفظیہ کے وجود میں آنے کے بعد موت ان کا ادراک نہیں کرتی۔ تو جواب یہ ہے کہ ہاں انہیں موت لاحق نہیں ہوتی بخلاف لکھے ہوئے حروف کے کہ وہ تغیر اور زوال قبول کرتے ہیں کیونکہ وہ ایسے محل میں ہیں جو اسے قبول کرتا ہے۔ رہیں اشکال لفظیہ تو ان کے لئے ایسے محل میں ہونے کی وجہ سے جو کہ تغیر قبول نہیں کرتا بقاء ہے۔

اگر تو کہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول میں کہ **فاذ اقرأت القران فاستعذ بالله** میں کیا حکمت ہے (النحل آیت ۹۸ تو جب تم قرآن کی تلاوت کرنے لگو تو اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو) کہ قرآت الفرقان نہیں فرمایا جبکہ وہ قرآن کے اسماء میں سے ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ فرقان اس لئے نہیں فرمایا کہ فرقان ابلیس کو دھتکار دیتا ہے۔ پس وہ قاری کے پاس حاضر ہی نہیں ہو سکتا تو اللہ تعالیٰ کے حضور اس سے استعاذہ کی حاجت نہیں ہوتی۔ بخلاف قرآن کے پس بیشک وہ جمع ہے۔ پس ابلیس کو حاضری کا موقعہ ملتا ہے تو قاری کو اللہ تعالیٰ کے دربار میں اس سے استعاذہ کی ضرورت ہوتی ہے۔

اگر تو کہے کہ استعاذہ کرنے والے کو اولوالعزم رسل اور فرشتوں میں سے کسی کے ساتھ ابلیس سے استعاذہ کا حکم کیوں نہ دیا گیا کہ اس کا مکر کمزور ہے جبکہ الوالعزم حضرات اس سے یقیناً زیادہ قوی ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ شیطان کا مکر قدرت الہیہ کے پیش نظر کمزور ہے۔ البتہ خلق کے حوالے سے وہ بہت قوت والا ہے کیونکہ وہ اس حضرت ارادہ میں ہے جو تمام عالم پر غالب ہے۔ اسی لئے اس سے استعاذہ اسم جامع کے ساتھ ہے جو کہ اللہ ہے نہ کہ کسی اور اسم کے ساتھ۔ پس وہ ان کے پاس جس راستے سے بھی آتا ہے اسم کو اپنے لئے حاضری سے مانع پاتا ہے بخلاف فروع کے اسماء کے۔

خاص کلام الٰہی اور وہ کلام جسے بندوں سے حکایت فرمایا کی تلاوت کا حکم

اگر تو کہے کہ کیا قاری کو اس کلام کی قراءت پر جسے حق تعالیٰ نے اپنے بندوں سے بطور حکایت ذکر فرمایا اسی کی مثل ثواب ملتا ہے جو خاص اللہ تعالیٰ کا کلام ہے کسی سے حکایت نہیں؟ پس جواب یہ ہے کہ ہاں اسے اس پر اس کلام الٰہی کا ثواب ملتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی خلق میں سے کسی سے حکایت نہیں فرمایا۔ کہ وہ قدیم ہے گرچہ اسے خلق سے حکایت کیا گیا۔ جیسے کہ عارف کلام حق کو جو اس نے ابتداءً فرمائی اس وجہ سے ہٹ کر اخذ کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے طلب پر فرمائی۔ اور جیسے وہ اس کلام کو جو کہ حق تعالیٰ نے اپنے بندوں سے بالمعنی حکایت فرمائی اس وجہ سے جدا لیتا ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے ان سے لفظاً حکایت فرمائی۔

حکایت بعینہ اور بالمعنی کی مثالیں

اور شیخ نے ۱۹۲ ویں باب میں فرمایا: جب تو قرآن کی تلاوت کرے تو یہ جان لے کہ تو کس سے ترجمہ کر رہا ہے کیونکہ اللہ عزوجل کبھی اپنے بندے کے قول کی بعینہ حکایت فرماتا ہے اور کبھی اس کی بالمعنی حکایت فرمایا ہے پہلی صورت کی مثال صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی حکایت کے لئے اللہ تعالیٰ کا قول **لا تحزن ان الله معنا** (التوبہ آیت ۴۰ غم نہ کر بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے) اور دوسری صورت کی مثال قول فرعون کی حکایت فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا قول **یاہامان ابن لی صرحا** (المومن آیت ۳۶ اے ہامان میرے لئے ایک اونچا محل بنا) یہ بات اس نے قبط کی بولی میں کہی پس اس کا ترجمہ لسان عربی میں واقع ہوا ہے۔ جبکہ معنی ایک ہی ہے۔ اور یہ ہے حکایت بالمعنی پس اسی طرح امور الٰہیہ کو جاننا چاہیئے۔ جب وارد ہوں تو قاری اللہ تعالیٰ کے کلام اصالتاً اور حکایۃً میں فرق کرے۔ اور ایک کا دوسرے سے امتیاز کرے۔ پس اللہ تعالیٰ کے اس قول کا آخری لفظ قالوا ہے ''**واذا خذ الله میثاق النبیین لما آتینکم من کتاب وحکمة ثم جاء کم رسول مصدق لما معکم لتومنن به ولتنصرنه قال ء اقرء تم واخذتم علی ذلکم اصری. قالوا** (آل عمران آیت ۸۱) پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی جماعت کی طرف سے ان کے قول کی حکایت فرمائی ''اقررنا'' اسی طرح منافقین کے متعلق اللہ تعالیٰ کا قول ''**واذا لقوا الذین آمنوا قالوا**'' (البقرۃ آیت ۱۴) یہاں تک اللہ تعالیٰ کا قول پورا ہوا۔ پھر اس نے ان کا قول حکایت فرمایا اور وہ ہے **انا معکم انما نحن مستهزء ون** اور اسی پر اس جیسی آیات قرآنی کو قیاس کر۔ بہت سی ملیں گی۔ اور یہ وہ علم ہے جس میں اپنے معاصرین میں سے میں نے کسی کا قدم نہیں دیکھا۔ پس اللہ تعالیٰ کے لئے حمد ہے جس نے ہمیں اس کی اہلیت عطا فرمائی کیونکہ ہمارے لئے ایسا کوئی مادہ نہیں جس سے ہم اپنے علوم نکالیں سوائے قرآن عظیم کے اور ہر کسی کو اس میں فہم کی کنجیاں نہیں دی گئیں۔ یہ لوگوں میں صرف چند افراد کے لئے ہیں۔

مقطعات کا فہم اہل کشف کے لئے ضروری ہے

اگر تو کہے کہ جب قرآن سارے کا سارا عربی ہے تو عرب اس کے اوائل سور کے حروف کے معانی کا فہم کیوں نہیں رکھتے جو رمز کے ساتھ ہیں جیسے الم اور المص وغیرہ حالانکہ یہ ان کی زبان میں ہیں۔ تو جواب یہ ہے کہ تمام عرب ان حروف کا فہم صرف اس لئے نہیں رکھتے تاکہ ان کے ساتھ ان کا ایمان باقی رہے حالانکہ سمجھے نہیں۔ انتہی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کا فہم اہل کشف کے ساتھ خاص کر دیا ہے اور

یہ نہ کہا جائے کہ اہل کشف بھی انہیں نہیں پہچانتے۔ کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا علم ہے اور انہیں بھی جنہیں اللہ تعالیٰ چاہے۔ ورنہ اگر اہل کشف کے لئے ان کا جاننا صحیح نہیں تو وہ بے معنی ہوں گے اور یہ جائز نہیں کہ کتاب وسنت میں بے معنی کلام وارد ہو جیسا کہ جمہور علماء اصول کا مسلک ہے۔ بخلاف حشویہ کے۔ یہ نام ان کے اس قول سے لیا گیا ہے کہ قرآن میں حشو ہے۔

تمام حروف مقطعات ملائکہ کے اسماء ہیں

اور میں نے فتوحات کے ۱۹۸ ویں باب میں یہ لکھا ہوا دیکھا ہے: جان لو کہ سورتوں کے اوائل میں حروف قطعات سب کے سب فرشتوں کے اسماء ہیں۔ اور بعض مواقع میں مجھے ان سے اکٹھے ہونے کا اتفاق ہوا ہے۔ اور ان میں سے کوئی فرشتہ نہیں ہے۔ مگر اس نے مجھے اس علم کا فائدہ دیا جس کا فہم میرے پاس نہ تھا۔ پس وہ میرے مشائخ میں سے ہیں۔ تو جب قاری ان حروف کی قراءت کرتا ہے گویا انہیں ندا دے رہا ہے پس وہ اسے جواب دیتے ہیں کیونکہ وہاں لطائف ہیں جو کہ ان کی ذوات سے ان کے اسماء تک دراز ہیں مثلاً جب قاری الم کہتا ہے تو تینوں ملائکہ کہتے ہیں تو کیا کہتا ہے؟ تو قاری ان حروف کے بعد کچھ کہتا ہے تو وہ کہتے ہیں تو نے سچ کہا اگر کلمہ خیر ہے۔ اور کہتے ہیں یہ ایمان والا ہے اس نے سچ بولا۔ اور حق کی خبر دی۔ پس اس کے لئے استغفار کرتے ہیں۔ اور اسی طرح کی گفتگو المص وغیرہ میں ہے اور یہ ۱۴ فرشتے ہیں اور ان کا آخری ن ہے۔ شیخ نے فرمایا: اور یہ منازل قرآن میں مختلف وجوہ پر ظاہر ہوئے ہیں۔ پس بعض منزلوں میں ایک فرشتہ ظاہر ہوا اور یہ ص اور ق اور ن ہے۔ بعض منزلوں میں دو ظاہر ہوئے جیسے طس اور یس اور حم۔ اور تکرار کے ساتھ ان کی صورتیں ۷۹ ملائکہ ہیں۔ ہر فرشتے کے ہاتھ میں ایمان کا ایک شعبہ ہے۔ کیونکہ ایمان کے کچھ اوپر ۷۰ درجے ہیں۔ (اور بضع ایک سے نو تک ہوتا ہے) پس یہاں بضع کی حد پوری ہوئی۔ اور یہاں طویل کلام فرمایا۔ پھر فرماتے ہیں کہ جس نے ان حروف میں اور اس دروازے میں جسے میں نے اس کے لئے کھولا ہے نظر کی وہ عجائب دیکھتا ہے جس کے لئے یہ ارواح ملکیہ مسخر کی گئی ہیں۔ جن کے یہ حروف اجسام ہیں۔ پس وہ اپنے قبضہ میں موجود شعب الایمان کے ساتھ اس کی امداد کرتی ہیں اور موت تک اس کے ایمان کی حفاظت کرتی ہیں۔

خاتمہ

شیخ نے ۳۸۲ ویں باب میں فرمایا ہے کہ قرآن کے تمام محکمات عربی ہیں۔ اور تمام متشابہات عجمی ہیں۔ اور یہ معلوم ہے کہ عجمیہ اپنے اہل کے ہاں عربیہ اور عربیہ اپنے اہل کے ہاں عربیہ ہیں وہاں کوئی عجمیہ نہیں مگر اصطلاح، الفاظ اور ظاہری صورتوں میں۔ رہے معانی تو سب کے سب عربیہ ہیں۔ ان میں عجمیہ نہیں ہیں۔ تو جس نے علم المعانی کا دعویٰ کیا اور اس میں شبہ کی بات کی تو اسے اس کا کوئی علم نہیں جس کا اس نے دعویٰ کیا۔ کیونکہ معانی اہل الفاظ کے نزدیک نصوص کی طرح ہیں۔ کیونکہ یہ بسیط ہیں ان میں کوئی ترکیب نہیں۔ پس اگر ترکیب نہ ہوتی تو وجود میں عجمہ کی کوئی صورت ظاہر نہ ہوتی۔ پس اسے جان لے۔ اور اچھی طرح سمجھ لے۔ اور اللہ تعالیٰ تیری ہدایت کا وارث ہو۔

اللہ تعالیٰ کے اسم الباقی پر کلام

جان لے کہ الباقی وہ ہے جس کی بقاء ہمیشہ ہو۔ اس کا اول ہے نہ آخر۔ اور بعض اللہ تعالیٰ کے اسم 'الحی' کے ذکر کی وجہ سے اس اسم کے ذکر سے مستغنی ہوا۔ پس بیشک صفات الہیہ فی الحقیقت ثریا کے ستاروں کی گنتی کے برابر سات ہیں۔ اور الحی کے ساتھ اس لئے استغناء حاصل ہوئی کہ حی وہ ہے جس کی حیات ابدی ہو۔ اس کی ابتداء ہے نہ انتہاء۔ اور صفات الٰہیہ کے عین یا غیر ہونے کی بحث میں پہلے گزر چکا ہے کہ صفت بقاء میں اصولیوں نے اختلاف کیا ہے اور اشعری اور ان کے پیروکاروں کا مذہب یہ ہے کہ یہ ذات پر صفت زائد ہے جبکہ معتزلہ۔ قاضی اور دونوں امام کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ باقی لذاتہ ہے نہ کہ بقاء کے ساتھ۔ اور دونوں فریقوں کے دلائل اصول کی کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سترھویں بحث

استواء علی العرش کا معنی

اے بھائی جان کہ یہ بحث مشکل بحثوں سے ہے۔ پس چاہیئے کہ تیرے لئے ہم اس میں متکلمین اور عارفین کی نقول کے حوالے سے تفصیل سے کلام کریں حتیٰ کہ تیرے لئے اس مسئلے میں وجہ حق روشن ہو جائے۔ پس ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کہتے ہیں۔

شیخ صفی الدین بن ابو منصور نے اپنے رسالے میں فرمایا ہے کہ یہ عقیدہ رکھنا واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عرش پر استواء صرف اپنی صفت رحمانیت کے ساتھ فرمایا جیسا کہ اس کی شان جلال کے لائق ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا الرحمٰن علی العرش استوی (طٰہٰ آیت ۵۔ رحمٰن نے عرش پر استواء فرمایا یعنی جیسا اس کی شان کے لائق ہے) اور جائز نہیں ہے کہ ذات بلند پر استواء علی العرش کا اطلاق کیا جائے گر چہ صفت حق تعالیٰ کی جانب میں موصوف سے جدا نہیں ہوتی کیونکہ کتاب وسنت میں ہمارے لئے اس کی تصریح وارد نہیں ہوئی۔ پس ہمارے لئے جائز نہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے متعلق وہ کچھ کہیں جس کا ہمیں علم نہیں۔ تو جیسے اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت رحمانیت کے ساتھ استواء فرمایا اسی طرح عرش نے اور جس پر یہ حاوی ہے اس کے ساتھ استواء کیا۔ اور جان لو کہ کیفیت استواء سے تنزیہہ باری تعالیٰ میں عقل کی حد یہ ہے کہ اسے استواء تدبیر قرار دے جیسے انسانوں کا بادشاہ اپنی مملکت پر استوار کرتا ہے۔ جیسا کہ انہوں نے اس قول سے اس کی گواہی لی ہے کہ بشر عراق پر مستوی یعنی مسلط ہوا۔ جبکہ باری جل وعلا کے استواء کے سامنے استواء بشر کی کیا حیثیت جبکہ وہ مخلوق ہے؟ پس غور کر۔ اور اس کی تفصیل اس بحث کے آخر پر خاتمہ میں آئے گی جو کہ اس بحث کے بعد آ رہی ہے۔ اور شیخ محی الدین نے فتوحات کے تیرہویں باب میں شعر لکھے ہیں جن کا ترجمہ یہ ہے: اللہ تعالیٰ کی قسم عرش حضرت رحمان کے ساتھ محمول ہے اور اس کے حاملین بھی اور یہ قول معقول ہے۔ اور کسی مخلوق کے لئے کونسی قوت اور قدرت۔ اگر وہ نہ ہو تو عقل ونقل لے آئے گی۔ اور اس میں طویل کلام فرمایا۔

بیان میں استواء اور اسم رحمٰن کی مناسبت

اگر تو کہے کہ استواء کے کتاب وسنت میں صرف اسم رحمٰن کے لئے آنے میں کیا حکمت ہے؟ تو اس کا جواب شیخ نے ۱۹۸ ویں باب میں یہ دیا ہے کہ اس میں وجہ حکمت حق تعالیٰ کا ہمیں یہ جتلانا ہے کہ اس نے ہمارے لئے ایجاد کے ساتھ صرف موجودین میں سے ہر ایک

کے حسب حال رحمت کا ارادہ فرمایا ہے جیسے امداد کی رحمت۔ مہلت دینے کی رحمت۔ اور مستحق عذاب کو جلد سزا نہ دینے کی رحمت وغیرہ۔ پس معلوم ہوا کہ اسم الرحمٰن مملکت میں حکمرانی کے لئے اعظم الاسماء ہے۔ اور اس کے ساتھ اسم الرب ملتا ہے۔ اسی لئے ہمارے لئے وارد نہیں ہوا کہ اللہ تعالیٰ آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے مگر اسم الرب کے ساتھ جو کہ تم مربوبین کے حضرات پر حاوی ہے۔ انتہیٰ۔

استواء کے لئے عرش کی تخصیص کی حکمت

اگر تو کہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہ جتلانے میں کہ اس نے عرش پر استواء فرمایا کیا حکمت ہے؟ اس بنیاد پر کہ عرش سے مراد بلندی کی جہت میں مکان مخصوص ہے نہ کہ ساری کائنات پر؟ اس کا جواب جیسے کہ شیخ نے ۳۷۰ ویں باب میں ذکر فرمایا یہ ہے کہ اس میں حکمت اپنے بندوں پر راستہ قریب کرنا ہے۔ اور وہ یہ کہ بیشک چونکہ اللہ تعالیٰ ہی بادشاہ عظیم ہے اور بادشاہ کے لئے ایسا مکان ضروری ہے جس میں اس کے بندے اپنی ضروریات کے لئے اس کا قصد کریں۔ گرچہ اللہ تعالیٰ کی ذات مکان قطعاً قبول نہیں کرتی۔ اس کے مرتبہ کا تقاضا ہوا عرش پیدا فرمائے اور اس کا اپنے بندوں کے لئے ذکر کرے کہ اس نے اس پر استواء کیا تاکہ وہ دعا اور طلب ضروریات کے ساتھ اس کا قصد کریں۔ تو یہ اپنے بندوں کے لئے اس کی رحمت اور ان کی عقول کے لئے تنزل ہے۔ اور یہ نہ ہوتا تو عقل والا حیرت زدہ رہ جاتا اسے معلوم نہ ہوتا کہ اپنے قلب کے ساتھ کدھر توجہ کرے۔ پس بیشک اللہ تعالیٰ نے بندے کو اس کی اصل سے جہت والا پیدا کیا ہے۔ پس جب تک اس کی عقل اس پر حاکم ہوتی ہے وہ صرف اسی کو قبول کرتا ہے جو جہت میں ہو۔ تو جب اللہ تعالیٰ اس پر کمال کے ساتھ احسان فرماتا ہے اور اس کی عقل کا نور اس کے ایمان کے نور میں درج ہو جاتا ہے تو حق تعالیٰ کی جناب میں اس کے نزدیک جہات برابر ہو جاتی ہیں۔ اسے معلوم ہو جاتا ہے اور ثابت ہو جاتا ہے کہ حق تعالیٰ جہت اور مکان قبول نہیں فرماتا۔ اور عالم بالا اللہ تعالیٰ سے قرب میں عالم اسفل کی طرح ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ونحن اقرب الیہ من حبل الورید (ق آیت ۔۱۶) ہم اس سے رگ شہ سے بھی زیادہ قریب ہیں) اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندہ اپنے رب سے نہایت قریب اس وقت ہوتا ہے جب وہ سجدہ میں ہو) پس معلوم ہوا شرع شریف نے عرف کی پیروی صرف ضعیف العقل لوگوں کے حق میں ان پر رحمت فرماتے ہوئے کی ہے۔

اگر تو کہے کہ جب تو حضرت حق جل شانہ سے جو بھی قرب ہو پس وہ عروج ہے گرچہ سفلیات میں ہو۔ پس اس کا جواب شیخ نے ۳۸۹ ویں باب میں یہ دیا ہے کہ ہاں۔ کیونکہ حق تعالیٰ من حیث ہو جہات کے ساتھ مقید نہیں ہے۔

آسمان دنیا کی طرف نزول حق کی خبر میں حکمت

اگر تو کہے اللہ تعالیٰ کے ہمیں یہ خبر دینے میں کیا حکمت ہے کہ وہ ہر شب آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے۔ باوجودیکہ اس کی ذات نزول وصعود کو قبول نہیں کرتی؟ تو جواب یہ ہے کہ اس میں حکمت ہمارے حکم اور تصرف کے ماتحتوں کے مرتبہ میں نزول کے ساتھ ہمارے لئے تواضع کی تعلیم کا دروازہ کھولنا ہے۔ اور ہمیں یہ جتلانا ہے کہ جیسے استواء سے مکان کا اثبات لازم نہیں آتا اسی طرح فوقیت کے اثبات سے جہت کا اثبات لازم نہیں آتا۔ نیز اللہ تعالیٰ کے ہمیں یہ جتلانے میں کہ وہ آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے پس فرماتا ہے: ہے کوئی سائل؟ کوئی مریض؟ کوئی استغفار کرنے والا؟ وغیرہ اپنے بندوں کے لئے رات کو سوال۔ اور طلب عطاء کے ساتھ گزارشات اور واذ کار و استغفار کے ساتھ مناجات کا اذن ہے جس طرح اللہ تعالیٰ ان سے اسی طرح خطاب فرماتا ہے کیا کوئی سائل ہے؟ حدیث شریف کے آخر

تک ۔پس وہ الہام کے طریق سے ان سے فرماتا ہے اور یہ اس سے عرض کرتے ہیں اور وہ انہیں سناتا ہے اور یہ اسے سناتے ہیں۔ گویا وہ باہم گفتگو کی مجلس میں ہیں۔ وللہ المثل الاعلی (النحل آیت ۶۰۔ اور اللہ تعالیٰ اعلیٰ صفات کا مالک ہے) عقل والوں کے نزدیک یہ ہے نزول کا معنی۔ انتہی

اے بھائی! تجھے معلوم ہو کہ حق تعالیٰ کے لئے استواء علی العرش۔ نزول الی سماء الدنیا اور فوقیت جیسی صفات سب کی سب قدیم ہیں جبکہ عرش اور جس پر یہ حاوی ہے بالا جماع مخلوق محدث ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کی تخلیق سے پہلے استواء و نزول سے موصوف تھا۔ جس طرح کہ وہ ہمیشہ موصوف رہا کہ بیشک وہ خالق و رازق ہے جبکہ کوئی مخلوق نہ مرزوق۔ پس عرش سے پہلے استواء کس پر فرماتا تھا؟ اور آسمان کی تخلیق سے پہلے نزول کس کی طرف فرماتا تھا؟ پس اے بھائی اپنی عقل کے ساتھ غور کر تو عرش و آسمان کی تخلیق سے پہلے استواء و نزول کا جو معنی تیری عقل میں آتا ہے تو اسی پر ان دونوں کی تخلیق کے بعد اعتقاد رکھ۔

اور میں تیرے لئے خلق کے بارے میں ایک ایسی مثال بیان کرتا ہوں جسے تو عقل کے ساتھ سمجھنے سے عاجز ہو گا چہ جائیکہ حضرت خالق جل شانہ کے متعلق ہو۔ اور وہ یہ ہے کہ ہر وہ عرش جس کے پیچھے اس کی جہالت ستہ سے تو خلاء یا پر ائی تصور ہے پس وہ عرش رحمٰن نہیں ہے جس پر استواء واقع ہوا۔ پس جب بھی تو کسی شے پر رکے گا تیری عقل تجھے کہتی رہے گی: پس اس کے آگے کیا ہے؟ جب تو اسے کہے گا کہ خلا ہے تو کہے گی کہ خلا کے آگے کیا ہے؟ اور اسی طرح ابدلا باد تک یہ سلسلہ چلے گا۔ پس عقل، وجود کے لئے حق تعالیٰ کے احاطہ کو بھی نہیں سمجھ سکے گی۔ پس اللہ کی قسم عقل مخلوق کو سمجھنے میں عاجز ہے تو خالق کو کیسے سمجھ سکتی ہے۔ اور جو بھی علم باللہ تعالیٰ علی وجہ الاحاطہ کا دعویٰ کرے ہم اس کی تکذیب کرتے ہیں۔ اور اسے کہتے ہیں کہ اگر تو سچا ہے تو ہمارے لئے ایسی شے کو عقل سے سمجھ کر بیان کر و جسے اللہ تعالیٰ نے تخلیق نہیں کیا۔ پس بیشک اللہ تعالیٰ تمام اجماع کے ساتھ خالق ہے مخلوق نہیں۔ اور شبلی کا کہنا کہ حق تعالیٰ جب انہیں اپنا احاطہ کرائے تو وہ اس کا احاطہ کرتے ہیں فرض محال ہے۔ کیونکہ ہمیں کسی کے لئے اس کا وقوع نہیں پہنچا۔ اور مخلوق کے لئے وجہ معقول پر خالق کے حق میں احاطہ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ اللھم مگر یہ کہ شبلی کی احاطہ سے مراد اس امر کا احاطہ ہو کہ اسے احاطہ نہیں پکڑ سکتا تو کوئی اچنبا نہیں جیسا کہ ہم نے کتاب الاجوبہ میں اس کے متعلق تفصیلی گفتگو کی ہے۔

اگر تو کہے کہ پھر تو حق تعالیٰ خود اپنی ذات کا احاطہ نہیں فرماتا کیونکہ جو احاطہ اور تناہی خلق کی عقل میں آتا ہے یہ اس حد پر لامتناہی ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ ہاں یہ اسی طرح ہے جیسا کہ اسے شیخ نے ۳۸۹ ویں باب میں وضاحت سے بیان کیا ہے۔ پس فرماتے ہیں: جان لو ناپسندیدہ قول میں سے بعض غور و فکر کرنے والوں کا یہ قول ہے کہ حق تعالیٰ اپنی ذات کا احاطہ نہیں فرماتا کیونکہ اس کا وجود لامتناہی ہے اور اس کا وجود اس کی ماہیت کا عین ہے۔ اس کا غیر نہیں۔ اور جو لامتناہی ہے اس کا احاطہ نہیں ہوتا مگر اللہ تعالیٰ لامتناہی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے علماً اس کا احاطہ فرمایا ہے کہ اس کی انتہا نہیں۔ وہاں عالم کا کیا مقام۔ شیخ نے فرمایا۔ یہ قول گرچہ لفظوں کے اعتبار سے ناپسندیدہ ہے لیکن اس کے درست ہونے کی ایک وجہ ہے اور وہ یہ کہ بیشک اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے متعلق جانتا ہے کہ وہ احاطہ قبول کرتا ہے نہ مکان میں محصور ہوتا کہ ابتداء و انتہا سے پاک اور تمام احکام میں اپنی خلق سے منفرد ہے۔ فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ قدم پھنسنے کی جگہ ہے کیونکہ اکثر لوگ جب کسی کو یہ کہتے ہوئے سنتے ہیں کہ حق تعالیٰ اپنی ذات کا احاطہ نہیں فرماتا تو اس پر انکار میں جلدی کرتے ہیں اور کہتے ہیں بلکہ وہ اس پر اس احاطہ کی وجہ سے محیط ہے۔ جس سے خلق متعلق ہے جبکہ اللہ تعالیٰ اس سے بلند و بالا ہے۔ انتہی

اوراس پر شیخ عبدالکریم الجیلی نے بھی اپنی کتاب انسان کامل کے ۲۵ویں باب میں تنبیہہ فرماتے ہوئے لکھا ہے: جان لو کہ حق تعالیٰ کی ماہیت ادراک اور حد کو قبول نہیں کرتی۔ پس اس کے کمال کی کوئی حد ہے نہ انتہاء۔ پس اللہ سبحانہ اپنی ماہیت کا ادراک فرماتا ہے اور ادراک رکھتا ہے کہ اس کے حق میں اور نہ ہی اس کے غیر کے حق میں اس کا ادراک نہیں ہوسکتا یعنی اس کے ادراک کے بعد اس کا ادراک رکھتا ہے کہ وہ ابتداء قبول کرتی ہے نہ انتہاء۔ بیشک ابتدا وانتہاء کی نفی اس کے ان درجات میں سے ایکدرجہ ہے جن کی وجہ سے وہ عالم سے متمیز ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے رفیع الدرجات ذو العرش (المومن آیت ۱۵ بلند درجات والا عرش کا مالک) گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میری ذات میں میرے لئے کوئی انتہا نہیں حتیٰ کہ اس کے ساتھ میرا علم متعلق ہو۔ فرماتے ہیں کہ ہمارا یہ قول کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کی ماہیت کا ادراک فرماتا ہے علم وقدرت کے ساتھ اس کی وصف بیان کرنا اور جہالت کو نفی کرنا ہے۔ اور ہمارا یہ قول کہ وہ ادراک رکھتا ہے کہ ذات کا ادراک نہیں ہوسکتا تشبیہہ کی نفی اور تنزیہہ کا اثبات ہے۔ اور یہاں سے ہمارے لئے امام غزالی کے اس قول کا جواب نکھر گیا کہ امکان میں جو کچھ ہو چکا اس سے زیادہ عجیب کچھ نہیں یعنی چونکہ جو کچھ بھی ممکنات کی ہیئات اور احوال سے ہے اس کا تعلق علم قدیم کے ساتھ ہے۔ اور علم قدیم کبھی اضافہ قبول نہیں کرتا تو اسی طرح اس کا معلوم۔ پس یہ صحیح ہے کہ علم حق میں اس عالم سے زیادہ عجیب نہیں ہے اس کے رتبہ حدوث میں ہونے کی حیثیت سے کبھی رتبہ خالق کے لئے ترقی نہیں کرتا۔ پس اگر اللہ تعالیٰ ابدالاباد تک پیدا کرے جو پیدا کرے وہ رتبہ حدوث سے خارج نہیں ہوتا۔ یہ ہے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی مراد۔ انتہی

کان عرشہ علی الماء کا معنی

اگر تو کہے کہ جب ذات حق استواء۔ کرسی کی طرف اور آسمان دنیا کی طرف نزول سے بالا ہے کیونکہ وہ قدیم ہے اور یہ امور حادث ہیں۔ ان کا اوّل آخر ہے تو اللہ تعالیٰ کے قول وکان عرشہ علی الماء (ہود آیت ۷۔ اور اس کا عرش پانی پر تھا) کا کیا معنی۔ باوجودیکہ حدیث پاک کا مفہوم ہے کہ ہر چیز پانی سے پیدا کی گئی ہے۔ پس یہ عرش اور اس کے مشمولات کو شامل ہے۔ تو اس کا جواب شیخ نے ۳۱۷ویں باب میں یہ دیا ہے کہ علی یہاں بمعنی فی ہے یعنی عرش بالقوۃ پانی میں تھا۔ کیونکہ پانی موجودات کی اصل ہے۔ پس وہ ان کے لئے اللہ تعالیٰ کے ملک کے لئے ہیولی کی طرح ہے۔ کیونکہ وہ زندگی کا عرش ہے تو معلوم ہوا کہ عرش یہاں اللہ تعالیٰ کے سارے ملک سے کنایہ ہے۔ اور کان حرف وجودی ہے یعنی ملک سب کا سب موجود فی الماء ہے۔

اگر تو کہے کہ اس حدیث کا کیا معنی ہے؟ ہمارا رب بادل میں تھا۔ اس کے اوپر ہوا نہیں۔ بیشک اس کے نیچے ہوا ہے۔ کہ اس نے اس کے لئے فوق اور تحت کی صفت ثابت کی۔ باوجودیکہ حدیث میں ما نافیہ ہے نہ کہ موصولہ۔ پس اس بادل کے اوپر جس میں حق تعالیٰ جلوہ گر تھا ہوا نہیں اور نہ اس کے نیچے ہوا۔ اور یہ اس لئے تاکہ محدثات کے مرتبہ کے خلاف ہو۔ کیونکہ عماء عرب کے نزدیک ہلکے بادل کو کہتے ہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مذکورہ بالا جواب کیونکر عطا فرمایا باوجودیکہ سائل نے صرف یہ کہا تھا: یا رسول اللہ! خلق کی تخلیق سے پہلے ہمارا رب کہاں تھا۔ پس یہ عماء اگر مخلوق تھا تو کیا ہے۔ بس سائل سے سوال تو باقی رہا۔

تو جواب یہ ہے کہ اس کا جواب اس کے اہل کے لئے آمنے سامنے ہی ذکر ہوسکتا ہے کیونکہ کتاب اس کے اہل اور نااہل دونوں کے ہاتھ لگتی ہے۔ واللہ اعلم۔

اگر تو کہے کہ جب تم کہتے ہو کہ عرش کے وراء کچھ نہیں کیونکہ یہ مجموع کائنات کا نام ہے تو وہ خلاء کہاں ہے، جس میں قیامت کے دن عرش کے ارد گرد حلقہ باندھ کر کھڑے ہونے والے ہوں گے؟ اس کا جواب شیخ نے ۱۹۸ ویں میں یہ دیا ہے کہ سمجھ میں نہ آنے میں ان کے عرش کے گرد حلقہ باندھنے والے ہونے کے درمیان اور استواء علی العرش کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ اور ہمیں ایسے مسائل میں ایمان رکھنا ہی کافی ہے۔

عرش کے تین اسماء عظیم۔ کریم اور مجید کی وجہ تسمیہ

اگر تو کہے کہ عرش کے تین اسماء، عظیم۔ کریم اور مجید کی وجہ تسمیہ کیا ہے کیا یہ ہم معنی ہیں یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ہم معنی نہیں ہیں۔ احاطہ کی حیثیت سے عظیم ہے کیونکہ تمام اجسام سے اعظم ہے۔ اور اس حیثیت سے کہ اس نے اپنا مافوق اسے عطا کیا جو اس کے احاطہ اور قبضہ میں ہے کریم ہے۔ اور اس حیثیت سے کہ یہ اس سے منزہ ہے کہ اجسام میں سے کوئی اس کا احاطہ کرے پس وہ تمام اجسام پر اپنے شرف کی وجہ سے مجید ہے۔ واللہ اعلم۔ یہ وہ کچھ ہے جو میں نے فتوحات مکیہ میں پایا۔

مسئلہ استواء علی العرش شیخ ابو طاہر القزوینی کی نظر میں

اور میں نے شیخ ابو طاہر القزوینی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب سراج العقول میں استواء علی العرش کے متعلق نفیس کلام دیکھا ہے۔ جسے میں تیرے لئے چیدہ چیدہ مقامات سے اختصار کے ساتھ بیان کرتا ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کہتا ہوں: آپ نے اپنی کتاب کے تیسرے باب میں الرحمٰن اعلی العرش استویٰ کے ارشاد خداوندی کے متعلق فرمایا: جان لے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں زمین سے زمین میں پیدا فرمایا: ہمارے اوپر ہوا پیدا فرمائی۔ اور ہوا کے اوپر سے آسمان اوپر نیچے پیدا فرمائے۔ آسمانوں سے اوپر کرسی، اور کرسی کے اوپر عرش عظیم پیدا فرمایا جو کہ اعظم المخلوقات ہے۔ اور ہمیں کتاب وسنت سے یہ بات نہیں پہنچی کہ اللہ تعالیٰ نے عرش سے اوپر کوئی شئے پیدا فرمائی۔ البتہ سرادقات، شرفات اور انوار کا جو ذکر آیا ہے تو یہ عرش سے ہی ہیں اور اس کے توابع ہیں۔ پس اللہ جل جلالہ کے الرحمٰن علی العرش استویٰ فرمانے سے مراد یہ ہے اس نے اپنی خلق عرش پر پوری فرمادی۔ پس اس نے عرش سے خارج کوئی شے پیدا نہیں فرمائی اور وہ سب کچھ جو دنیا و آخرت کی صورت میں پیدا فرمایا اور پیدا فرمائے گا عرش کے دائرہ سے باہر نہیں کیونکہ وہ ساری کائنات پر حاوی ہے۔ اور اس کے باوجود اس کی مقدورات میں ایک ذرے کے برابر نہیں۔ تو یہ اس ذات کا مستقر کہاں ہوگا؟

پھر فرماتے ہیں قرآن کی بہتر تفسیر وہ ہے جو قرآن کے ساتھ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **ولما بلغ اشده و استوی** (القصص آیت ۱۴) یعنی اس کا شباب پورا ہوا)۔ نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ **کزرع اخرج شطأه فآزره فاستغلظ فاستوی علی سوقه** (الفتح آیت ۲۹) یعنی وہ کھیتی پوری ہوئی اور قوی ہوگئی۔ تو جب آیت یا حدیث میں وجہ صحیح کا احتمال ہو جو کہ اشکال سے پاک ہو تو اس کی طرف رجوع کرنا واجب ہے۔ لیکن نفوس شبہات میں غور وخوض کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ اور آیت استواء کے معنی میں سلف وخلف کی آراء مختلف ہیں۔ اور انہوں نے اس کی تفسیر میں ہر رطب و یابس ذکر کیا ہے۔ اور اس کی وجہ سے مشبہہ گمراہ ہوگئے یہاں کہ انہوں نے تجسیم (یعنی اللہ تعالیٰ کا جسم ہونے) کی تصریح کر دی۔ اور آئمہ کے درمیان تکفیر، تضلیل، ضرب وشتم قتل وغارت اور ذلت پر مبنی القاب کی طرف امر متقاضی ہوا۔ اور اس میں اللہ تعالیٰ کا کوئی راز ہے۔ باوجودیکہ جو کچھ وہ سمجھے آیت اس سے کنارے پر ہے۔ جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے۔

مسئلہ استواء کی وضاحت

فرماتے ہیں: اس کی وضاحت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پورے قرآن میں استواء علی العرش کا ذکر نہیں فرمایا مگر آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق کے بعد۔ اور یہ چھ مقامات پر ہے۔ پہلا سورۃ الاعراف میں: **ان ربکم الله الذی خلق السموت و الارض فی سته ایام ثم استوی علی العرش** ۔ دوسرا سورۃ یونس میں: **ان ربکم الله الذی خلق السموت و الارض فی ستة ایام ثم استوی علی العرش یدبر الامر**۔ تیسرا سورہ طہٰ میں: **تنزیلا ممن خلق الارض والسموات العلی الرحمن علی العرش استوی**۔ چوتھا سورۃ الفرقان میں **الذی خلق السموت و الارض وما بینهما فی ستة ایام ثم استوی علی العرش الرحمن**۔ پانچواں سورۃ السجدہ میں: **الله الذی خلق السموت و الارض وما بینهما فی ستة ایام ثم استوی علی العرش مالکم من دونه من ولی و لا شفیع**۔ اور چھٹا سورۃ الحدید میں: **هو الذی خلق السموت و الارض فی ستة ایام ثم استوی علی العرش یعلم ما یلج فی الارض**۔ اور ان تمام آیات میں معنی یہی ہے کہ پھر عرش پر تخلیق پوری فرمائی پس اس نے عرش کے بعد کوئی شے پیدا نہیں فرمائی جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں امر پر ملک مستقر ہوا اور قاضی کی رائے پر امر مستقر ہوا یعنی ثابت ہوا۔ اور یہی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: استویٰ یعنی استقر۔ انتہی۔ اور یہ پورا ہوا۔ مکمل ہوا کے معنی میں ہے۔

نیز فرمایا: عربی میں استواء کی اصل مساوات ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **هل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون** (الزمر آیت ۹) کیا علم والے اور جاہل برابر ہو سکتے ہیں)۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہر شے کی انتہاء اور کمال رکھا ہے۔ تو حد کمال کو پہنچ جائے تو استویٰ کہا جاتا ہے۔ اور اسی سے استواء شمس اور استواء ترازو ہے۔ ور جب بیٹھنے والا اپنی جگہ پر تمکن و استقرار حاصل کر لے تو استویٰ کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا **فاذا استویت انت و من معك علی الفلك** (المومنون آیت ۲۸ پس جب آپ اور آپ کے ساتھی کشتی کے عرشہ پر اچھی طرح بیٹھ جائیں)۔ اور فرمایا **لتستووا علی ظهوره** (الزخرف آیت ۱۳۔ تاکہ تم ان کی پشتوں پر جم کر بیٹھو۔) اور کشتی کے متعلق فرمایا **واستوت علی الجودی** (ھود آیت ۴۴ اور جودی پہاڑ پر ٹھہر گئی)۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق مکمل فرمالی اور اسے پورا کر لیا تو فرمایا **فسواهن سبع سموات** (البقرۃ آیت ۲۹۔ پس انہیں ٹھیک ٹھیک سات آسمان بنا دیا) اور حضرت آدم کی تخلیق وتصویر کے پورا ہونے کے بارے میں فرمایا: **فاذا سویته** (الحجر آیت ۲۹۔ تو جب میں اسے درست کر دوں) نیز فرمایا: **ونفس وما سواها** (الشمس آیت ۷) نفس کی قسم اور اس کو درست کرنے والے کی۔ پس اس بنیاد پر گزشتہ آیات میں استواء کی تفسیر مساوات کے ساتھ زیادہ صحیح اور زیادہ صداقت پر مبنی ہے۔ اور یہ ایسے ہے جیسے کہ کہا جائے استویٰ امر فلاں یعنی فلاں کا امر پورا اور مکمل ہوا۔

نیز فرمایا: فعل ماضی اور مستقبل دونوں مصدر پر دلالت کرتے ہیں اس لئے جائز ہے کہ مصدر مقدر کے لئے فعل نکالا جائے ظاہر ہو یا کنایہ۔ پس ظاہر جیسے تو کہے **ساومت زیدا متاعه فاستوی علی العشرة ای استوی السوم والقیمه علی العشرة**۔ یعنی میں نے زید سے اس کے سامان کی بولی لگائی پس اس کی قیمت اور بھاؤ دس کے برابر ہو گیا۔ اور کنایہ جیسے اللہ تعالیٰ کا قول **جعل لکم من انفسکم ازداجاد من الانعام ازدا جایذرؤکم فیه** (الشوریٰ آیت ۱۱) اس نے تمہاری جنس سے تمہارے لئے جوڑے بنائے اور مویشیوں سے جوڑ بنائے وہ اس کے ذریعے تمہاری نسل کو پھیلاتا ہے)۔ **فیه یعنی فی الجعل**. یعنی بنانے میں۔ اور اسی سے شاعر کا یہ

قول ہے۔ اذا نھی السفیہ جری الیہ ای الی السفہ. یعنی جب بے وقوف کو روکا جائے تو وہ بیوقوفی پر چل نکلتا ہے۔ تو جب لفظ سفیہ، سفہ پر دلالت کرتا ہے تو اس نے کنایہ یعنی ضمیر اس کی طرف لوٹا دی۔ پس اسی طرح ان آیات کا حکم ہے۔

فرماتے ہیں کہ کلام میں اس کی مثال یہ ہے بنی زید بیتہ فاستوی السقف یعنی زید نے اپنا گھر بنایا پس اس کی تعمیر چھت پر پوری ہوئی اسی طرح آیات میں خلق السموات والارض کا معنی آسمان اور زمین کی تخلیق فرمائی۔ پس تخلیق عرش پر پوری ہوئی اور اس سے اوپر کچھ پیدا نہیں فرمایا۔

سورۃ طٰہٰ میں الرحمٰن علی العرش استوی اور الفرقان میں ثم استوی علی العرش الرحمٰن میں حکمت

اگر کہا جائے کہ: تو سورۃ طٰہ میں اللہ تعالیٰ کے قول الرحمٰن علی العرش استوی اور سورۃ الفرقان میں ثم استوی علی العرش الرحمٰن کے بارے میں کیا کہتا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ یہاں شبہ صرف عبارت کے حوالے سے وارد ہوا ہے ورنہ تمام آیات میں قصہ ایک ہی ہے۔ اور قرآن میں عبارت کے طریق عجیب ہیں رہا طٰہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد: تنزیلا ممن خلق الارض والسموات العلی الرحمٰن علی العرش استوی۔ تو بیشک الرحمٰن تفسیر اور وضاحت ہے ممن کی۔ یعنی یہ خالق، وہ رحمٰن ہے۔ پھر فرمایا علی العرش استوی یعنی اس کی تخلیق پوری ہوتی۔ اور استوی کا فاعل وہ مصدر ہے جس پر لفظ خلق دلالت کرتا ہے۔ اور اسے ضمیر مستتر کا نام دیا جاتا ہے۔ پس لفظ استوی آیت کے آخر میں واقع ہوا کیونکہ اس سورت کی آیات کے آخری الفاظ الف مقصورہ پر ختم ہوتے ہیں۔ اور رہا اللہ تعالیٰ کا سورۃ الفرقان میں فرمانا الذی خلق السموات والارض وما بینھما فی ستۃ ایام ثم استوی علی العرش الرحمن تو اس میں آیت میں تقدیم وتاخیر ہے۔ عبارت کی تقدیر یوں ہے الذی خلق السموات والارض ھو الرحمن ثم استوی علی العرش۔ پس الرحمٰن مبتداء ہے جس کی خبر اس سے پہلے لائی گئی ہے۔ اور یہ خبر الذی خلق السموات والارض ہے جیسے کہ تو کہتا ہے الذی جاءك زید (یعنی زید تیرے پاس آیا الذی جاءک خبر مقدم ہے زید مبتدا موخر کی) اور اللہ تعالیٰ کا قول ثم استوی علی العرش کلام میں جملہ معترضہ ہے۔ اور جیسا کہ ہم نے کہا ہے اس کے مطابق معنی یہ ہے اس کی تخلیق عرش پر پوری ہوئی۔

شیخ ابوطاہر طویل کلام کے بعد فرماتے ہیں۔ یہ ہے وضاحت۔ اور میرے کلام میں کئی نظر کرنے والے میری ملامت میں جلدی کریں گے اور کہیں گے کہ تو نے آیت کی ایک انوکھی تفسیر کی ہے جو کہ جمہور سلف وخلف کے قول کے خلاف ہے۔ اور ان کی مخالفت میں اجماع میں شگاف ڈالنا ہے۔ اور میں واللہ اس بارے میں اسے معذور قرار دیتا ہوں کیونکہ معروف قول سے علیحدگی شدید ہے اور اپنے آباء اور شیوخ سے کسی نے جو کچھ حاصل کیا ہے اس سے نزول نہایت مشکل ہے حق ہو یا باطل۔ اور جو کچھ میں کہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ہم نے جو کچھ ذکر کیا ہے یہ صحیح اور واضح احتمال ہے۔ اور بعض نے اسے بدعت کا نام دیا ہے۔ تو کتنی بدعتیں مستحسن ہیں۔ اور اس میں طویل گفتگو فرمائی۔

پھر فرماتے ہیں: قصہ مختصر عرش تمام ممالک سے اعظم ہے اور حق تعالیٰ رتبہ کے ساتھ اس پر فائق ہے۔ اور یہ اس لئے کہ جب ہم اپنے اوپر کے بارے میں غور کرتے ہیں تو ہوا دیکھتے ہیں۔ اور جب ہوا کے متعلق اپنے قلوب کے غور کریں تو اس کے اوپر آسمان۔ پھر جب ہم اپنے اوہام کے ساتھ ساتوں آسمانوں سے ترقی کرتے ہیں تو کرسی دیکھتے ہیں۔ اور جب کرسی سے اوپر سوچیں تو عرش دیکھتے ہیں جو کہ تمام مخلوقات کا مقام انتہاء ہے جو کہ سب کے سب خالق جل جلالہ، پر دلالت کرتی ہیں۔ پھر جب غور وفکر کے ساتھ ہم عرش سے درجہ بدرجہ ذرا

آگے جانا چاہیں تو فکر کے لئے کوئی سیڑھی نہیں پاتے۔ پس فکر وہاں رک جاتا ہے۔ کیونکہ اجسام کی انتہا کے ساتھ فکر کا مقام پرواز بھی ختم ہوجاتا ہے۔ پس ہم وہاں اپنے قلوب اور عقول کے ساتھ فوق العرش حضرت رحمٰن کو مرتبہ کی حیثیت سے دیکھتے ہیں۔ کیونکہ رتبہ خالق مخلوقات کے رتبہ سے فائق ہے۔ پس اللہ تعالیٰ فوق العرش ہے ایسی فوقیت کے ساتھ جو کہ عرش کی کرسی پر فوقیت سے بالکل جدا گانہ ہے۔ کیونکہ وہ عرش کی کرسی پر فوقیت نہیں ہوتی مگر جہت اور مکان کے ساتھ۔ بخلاف عرش پر فوقیت رب کے کہ یہ رتبہ اور رفعت شان کے ساتھ ہے نہ کہ مکان کے ساتھ۔ انتہی واللہ اعلم

اٹھارھویں بحث

آیات صفات کی تاویل کا مسئلہ

یہ بحث اس بیان میں ہے کہ آیات صفات کی تاویل نہ کرنا اس روش کے مطابق زیادہ بہتر ہے جس پر سلف صالح رضی اللہ تعالیٰ عنہم چلے ہیں۔ مگر جب کہ تاویل نہ کرنے سے کسی امر ممنوع کا خطرہ ہو جیسا کہ اس کی تفصیل آئے گی انشاء اللہ العزیز

اصولیین کا کلام

چاہئے کہ ہم اصولیین کے کلام سے شروع کریں۔ پھر اس کے بعد شیخ محی الدین کی گفتگو پیش کریں گے۔ پس ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کہتے ہیں کہ جمہور متکلمین نے کہا ہے کہ کتاب وسنت میں جو آیات صفات اور ان کی خبریں ثابت ہیں ہم اس کے ظاہر معنی پر عقیدہ رکھتے ہیں اور اس کے مشکل مقامات میں تنزیہہ اختیار کرتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ان ارشادات میں ہے الرحمن علی العرش استوی (طٰہٰ۔ آیت ۵) و یبقی وجه ربك (الرحمٰن آیت ۲۷) اور باقی رہے گی ذات تیرے رب کی) ولتصنع علی عینی (طٰہٰ آیت ۳۹۔ تا کہ آپ کی پرورش میری نگاہ میں ہو) ید الله فوق ایدیهم (الفتح آیت ۱۰۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے) اور ایسی دیگر آیات۔ پھر اس میں اختلاف ہے کہ مشکل کی تاویل کی جائے یا اس کا معنائی مرادی اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا جائے باوجود یکہ اس کی تفویض کے وقت ہم اس کے ظاہر سے اس کی تنزیہہ کریں۔

آیات صفات میں تفویض میں زیادہ سلامتی ہے

تو سلف کا مذہب تسلیم ہے جبکہ خلف کا مذہب تاویل۔ پھر سلف وخلف نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ اس کی تفصیل سے ہماری ناواقفیت اس کی اجمالی مراد پر ہمارے اعتقاد میں موجب طعن نہیں ہے۔ فرماتے ہیں کہ تفویض یعنی سپرد خدا کرنا زیادہ سلامتی کی راہ ہے۔ جبکہ تاویل غلطی کے زیادہ قریب ہے۔ علاوہ ازیں تاویل میں آیات صفات پر ایمان کا کمال فوت ہوجاتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں صرف اور صرف ان الفاظ پر ایمان لانے کا حکم دیا ہے جو اس نے نازل فرمائے نہ کہ اس پر جو ہم نے اپنی عقول کے ساتھ اس کی تاویل کی۔ کبھی اس کی وہ تاویل جو ہم نے کی ہے اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق نہیں ہوتی۔ علاوہ ازیں جو آیات صفات کی تاویل کا ارادہ کرتا ہے علوم کثیرہ کی ضرورت ہوتی ہے اور اس دور میں قلیل ہے کہ ایک شخص میں یہ جمع ہوں۔ اور یہ تمام قبائل عرب کی لغت کی معرفت۔ ان کے مجازات، استعارات کی معرفت میں گہرائی۔ مقامات تاویل اور اس میں غلطی کے امتیاز کی معرفت میں مہارت ہے۔ اس کے علاوہ تفسیر

قرآن شروح احادیث اور تمام احکام میں سلف وخلف کے مذاہب کے علوم میں تبحر ہے۔

شیخ کمال الدین ابن ابی شریف اپنے حاشیہ میں فرماتے ہیں کہ تفویض کی حالت میں تنزیہہ کی شرط اس لئے لگائی گئی ہے تاکہ اس ظاہری لفظ سے جو کہ لوگوں کی عقل میں آنے والی حد کے مطابق ہے تنزیہہ پر سلف وخلف کے اتفاق پر تنبیہہ کریں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی حقیقت تمام حقائق سے جدا ہے۔ پس حق تعالیٰ کی صفات کو ان صفات پر محمول کرنا جائز نہیں جو کہ خلق سے سمجھی جاتی ہیں فرماتے ہیں: اور ان کا یہ کہنا کہ 'کتاب وسنت میں جو صفات ثابت ہیں' اس میں اس امر پر تنبیہہ ہے کہ کتاب وسنت میں وارد صفات آٹھ صفات مشہورہ میں منحصر نہیں ہیں۔ جبکہ کتاب وسنت میں علاوہ ازیں بھی صفات ہیں۔

اور وہاں اس قاعدہ کا بھی بیان ہے جو کہ سب کے احکام کو شامل ہے۔ اور وہ ظاہری معنی پر عقیدہ رکھنا اور مشکل معنی میں تفویض ہے۔

آیات صفات میں شیخ محی الدین کا کلام

یہ سب کا سب تسلیم اور عدم تاویل کی طرف مائل ہے مگر جبکہ اگر ہم تاویل نہ کریں تو ہمیں کسی انسان کے امر ممنوع میں گرنے کا خطرہ ہو۔ پس اس وقت تاویل متعین ہو جاتی ہے۔ جس طرح کہ حق تعالیٰ نے صعیفوں کے لئے ہم پر تاویل کا دروازہ حدیث مسلم میں اپنے اس ارشاد سے کھولا ہے۔ کہ میں بیمار ہوا تو نے میری بیمار پرسی نہ کی۔ کیونکہ جب بندے نے اس میں توقف کیا اور کہا: اے میرے پروردگار! میں تیری بیمار پرسی کیونکر کروں تو تو رب العالمین ہے۔ اسے حق تعالیٰ نے فرمایا: کیا تجھے معلوم نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا تو نے اس کی بیمار پرسی نہ کی۔ اگر تو اس کی بیمار پرسی کرتا تو مجھے اس کے پاس پالیتا۔ حدیث پاک کے آخر تک۔

اور شیخ محی الدین نے ۷۷ اویں باب میں فرمایا: کہ تاویل کا جواز عاجز کے لئے ہے۔ اور فتوحات کے ۶۸ ویں باب میں آپ نے اذان پر کلام کرنے کے بعد فرمایا: ہر عاقل پر سر الٰہی کا چھپانا واجب ہے کہ اسے جب کھول دے تو اس سے وہ روایت کرے گا جو عالم عاقل نہیں اور ایسے انداز میں کرے گا جس سے نہایت محترم اور نہایت نازک دربار الٰہی کا احترام نہیں ہوگا۔ پس ایسوں کی خاطر تاویل واجب ہے۔ اور شیخ محی الدین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نہایت سلامتی پر مبنی عقیدہ یہ ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے اس پر مراد الٰہی کے حوالے سے ایمان ہو۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے ہمیں اس کی صفات کی اس کی طرف نسبت کی حقیقت جاننے کی تکلیف نہیں دی۔ کیونکہ اسے علم ہے کہ اس سے ہم عاجز ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کی حقیقت اپنی خلق کی تمام صفات اور ان کے حقائق سے جدا ہے۔ آپ نے اسے ۴۰۵ ویں باب میں ذکر کیا۔ اور میں نے سیدی علی الخواص رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے ہوئے سنا: معقولات کی راہ میں کفر کے ساتھ ڈاکہ ڈالنے وہ شبہات ہیں جو ایمان میں قباحت پیدا کرتے ہیں جبکہ مشروعات میں سفر کی راہ کے ڈاکو تاویلات ہیں۔ انتہی۔ اور میں نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو یہ بھی فرماتے ہوئے سنا کہ کائنات میں کوئی کلام نہیں مگر وہ تاویل قبول کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا **ولنعلمه من تاویل الاحادیث** (یوسف آیت ۲۱۔ اور تاکہ اسے خوابوں کی تعبیر سکھا دیں) پھر کوئی تاویل متکلم کی مراد کے موافق ہوتی ہے تو کوئی مراد متکلم کے خلاف۔ پس معلوم ہوا کہ کوئی کلام نہیں مگر وہ اس قابل ہے کہ اس کی تعبیر کی جائے۔ پھر ہمیں اسے سمجھانا لازم نہیں جو نہیں سمجھتا۔ اور اس کی تائید ۳۸۴ ویں باب میں شیخ محی الدین کا یہ قول کرتا ہے کہ اہل فکر میں سے کوئی بھی جب تک قید عقل میں رہے آیات صفات کے معنوں میں توقف سے باہر نہیں نکل سکتا۔ پس جب اللہ تعالیٰ اس پر اپنے علم سے خلعت ڈالے تو اسے الہام کے طریق سے اس آیت یا حدیث سے

اپنی مراد جتلا دیتا ہے۔ فرماتے ہیں: پھر یہ بات اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہے کہ اس نے تاویل کرنے والے ان اہل زبان کو بخش دیا جب انہوں نے اپنے رسول کے ان الفاظ کی تاویل میں غلطی کی جو اللہ کے بیان یا اللہ کے اذن سے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے شریعت کے بیان کے بارے میں ارشاد فرمائے۔ انتہی

مسلک فلاسفہ میں غلطی کیسے داخل ہوئی؟

لواقح الانوار میں شیخ فرماتے ہیں: جان لو کہ فلاسفہ پر غلطی صرف ان کی تاویل کی جہت سے داخل ہوئی۔ اور یہ اس لئے کہ انہوں نے علم حضرت ادریس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت سے حاصل کیا۔ جب آپ اٹھا لئے گئے تو انہوں نے حضرت کے اس کلام کو تاویل کی جو انہیں پہنچا۔ پس انہوں نے ایسے ہی اختلاف کیا جیسے خود ہم نے اپنی نبی پاک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں آپ کے وصال کے بعد اختلاف کیا۔ پس ایک عالم نے اس چیز کو حلال قرار دیا جسے دوسرے نے حرام کہا۔ اور مجھے اس وقت معلوم ہوا کہ فلاسفہ سے غلطی حضرت ادریس علیہ الصلوٰۃ والسلام سے علم حاصل کرنے میں ہوئی جب کہ مجھے من جملہ مواقع میں سے ایک دفعہ حضرت ادریس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملاقات کا شرف حاصل ہوا تو میں نے آپ سے آپ کا علم حق کے طریقے سے حاصل کیا۔ انتہی

آیات صفات کی تاویل کی قباحت اور اس سے پرہیز کی تاکید

نیز آپ نے باب الاسرار میں فرمایا: تاویل سے پرہیز کر کیونکہ تو طائر کو پکڑنے میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔ جبکہ ایمان کا تعلق ان الفاظ سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائے۔ نہ کہ اس تاویل کے ساتھ جو تیری عقل اختیار کرے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **آمن الرسول بما انزل الیہ من ربہ والمومنون الخ** (البقرہ آیت ۲۸۵۔ ایمان لایا یہ رسول کریم اس پر جو اس کی طرف اس کے رب کی طرف سے نازل ہوا اور ایمان والے) اور آپ ۲۷۶ ویں باب میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے متعلق فرماتے ہیں **ولو انھم اقاموا التوراۃ والانجیل وما انزل الیھم من ربھم** (المائدہ آیت ۶۶) اور اگر وہ تورات اور انجیل قائم کرتے اور جو نازل کیا گیا ان کے رب کی طرف سے) کہ اقامت تورات سے مراد اس کی عدم تاویل ہے۔ تو جس نے کلام اللہ کی تاویل کی اس نے اس کے قیام کے بعد اسے لٹا دیا۔ اور جس نے اسے تاویل سے اور اس میں اپنے فکر کے عمل دخل سے منزہ رکھا اس نے اسے قائم کر دیا۔ کیونکہ فکر غلطی سے غیر معصوم ہے۔

اور شیخ نے ۳۱۵ ویں باب میں فرمایا: جان لو کہ ادب یہ ہے کہ آیات صفات کی تاویل نہ کی جائے اور جیسے آتی ہیں ان پر کیفیت کے بغیر ایمان لایا جائے۔ پس ہم جب اس کی تاویل کرتے ہیں تو ہمیں معلوم نہیں کہ یہ تاویل اللہ تعالیٰ کے قول سے اس کی مراد ہے پس ہم اس پر اعتماد کریں؟ یا اس کی مراد نہیں پس وہ اسے ہم پر رد کر دے۔ پس اسی لئے ہم نے ہر اس مسئلہ میں جس کے بارے میں ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم نہیں تسلیم کو لازم کیا ہے۔ تو جب ہم سے پوچھا جائے کہ ہمارا رب مثلاً کیسے تعجب کرتا ہے یا کیسے خوش ہوتا ہے؟ تو ہم کہتے ہیں کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا اس سے اللہ تعالیٰ کی مراد پر ہم ایمان رکھتے ہیں۔ اور جو کچھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے آیا اس سے رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مراد پر ہم ایمان رکھتے ہیں۔ اور اس سب کچھ میں کیفیت کا علم ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سپرد کرتے ہیں۔

اور کبھی رسل علیہ السلام بھی اس امر سے جو کچھ ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے ہماری طرح ہوتے ہیں۔ پس ان پر اللہ

تعالیٰ کی طرف یہ اخبارات وارد ہوتی ہیں تو وہ اس کا علم اللہ تعالیٰ کی طرف سونپ دیتے ہیں جیسے ہم نے اسے سونپا۔ اور اس کی تاویل نہیں پہنچانتے۔ اور یہ بعید نہیں۔ اور کبھی اللہ تعالیٰ کی تاویل کی وجہ سے یہ حضرات جس وجہ کے ساتھ ہو اس کی تاویل پہنچانتے ہیں۔ اور یہ بھی بعید نہیں۔ فرماتے ہیں: یہ ہے سلف کا طریقہ۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کا نائب بنائے۔ آمین۔ انتہی۔

تاویل میں گمراہوں کا رد شدید

مزید برآں شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ۴۰۵ ویں باب میں ان لوگوں کے عقیدے کا شدید رد فرمایا ہے جو کہتے ہیں کہ ہم ان لفظوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ بغیر اس کے کہ ان کا کوئی معنی ہماری عقل میں آئے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: جو کسی لفظ کے ساتھ اس کا معنی سمجھے بغیر ایمان لایا اور کہتا ہے کہ ہم اس کے ساتھ ایمان لانے میں اپنے آپ کو اس شخص کے حکم میں قرار دیتے ہیں جس نے اسے سنا ہی نہیں۔ اور دلیل عقلی نے ہمیں جو اس قول کے اس ظاہری مفہوم کا حوالہ دیا ہے ہم اس پر باقی ہیں۔ پس یہ لوگ حسن عبارت کے ساتھ شارع پر حکم چلاتے ہیں کہ ان لوگوں نے اپنے آپ کو اس کے حکم میں قرار دیا جس نے خطاب سنا ہی نہیں۔ اور شیخ فرماتے ہیں: ان لوگوں میں سے ایک گروہ یہ بھی کہتا ہے کہ ہم ان لفظوں پر ان میں علم الٰہی اور اس کے رسول کے علم پر ایمان رکھتے ہیں۔ ان لوگوں کی زبان حال یہ کہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کے ساتھ خطاب فرمایا ہے جو نہیں حاصل ہے۔ پس انہوں نے اسے بے مقصد سا قرار دے دیا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وما ارسلنا من رسول الابلسان قومه ليبين لهم (ابراہیم آیت ۴۔ اور ہم نے کسی رسول کو نہیں بھیجا مگر اس کی قوم کی زبان کے ساتھ تاکہ ان کے لئے کھول کر بیان کرے) اور رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ لائے ہیں تو آپ نے ہمارے لئے اسے بیان فرما دیا جیسے اللہ تعالیٰ نے امر فرمایا۔

شیخ نے فرمایا: صفات میں علم کے بغیر مشغول ہونے والوں میں سب سے خبیث وہ لوگ ہیں جنہوں نے رسل علیہم السلام پر طعن کیا اور اس بارے میں انہیں خیال و اوہام کے حکم کے تحت کر دیا۔ (اقول و بالله التوفيق۔ نجدی تحریک جس میں سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر اہل اللہ کی تعظیم کا کوئی تصور نہیں۔ اس کی بنیاد اسی پر ہے کہ وہ ان ذوات قدسیہ کو اپنی عقل ناتمام اور دوراز کار مفروضوں کے تابع قرار دیتے ہیں کہ رسول ایک بشر ہی تو ہوتا ہے اور اس اطلاق کی وجہ سے وہ اس ہستی پاک کو ان تمام عوارض اور کمزوریوں کا پیکر قرار دیتے ہیں جو کہ عام انسانوں میں پائی جاتی ہیں۔ اگر ان کی ناپاک ذہنیت کی مقرر کردہ حد سے وراء کوئی شان یا عظمت بیان ہو گرچہ اس کے پیچھے قرآن و سنت کے دلائل ہوں انہیں وہ شرک نظر آتا ہے۔ اس لئے بات بات پر شرک کا فتویٰ دینا ان کا معمول ہے۔ حیرت درحیرت ہے کہ جس ذات پاک کی عظمت و شان سے متاثر ہو کر لاکھوں نے شرک و کفر سے توبہ کی اور ایمان قبول کیا آج اگر ان کی تعظیم و توقیر کی بات کریں تو ان محرومان توفیق نجدیوں کو اس میں شرک نظر آنے لگتا ہے۔ چنانچہ برصغیر میں نجدی تحریک کا بانی اپنی کتاب برائے نام تقویت الایمان میں لکھا ہے کہ اولیاء انبیاء، امام، امام زادہ پیر و شہید یعنی جتنے اللہ کے مقرب بندے ہیں وہ سب انسان ہی ہیں اور بندے عاجز اور ہمارے بھائی۔ مگر ان کو اللہ نے بڑائی دی وہ بڑے بھائی ہوئے ہم کو ان کی فرماں برداری کا حکم ہے ہم ان کے چھوٹے ہیں۔ سو ان کی تعظیم انسانوں کی سی کرنی چاہئے نہ کہ خدا کی سی۔ انتہی۔ کس ڈھٹائی سے اپنے وہم و خیال کو ان اکابر پر مسلط کرنے کی جرأت کی ہے۔ اور ایسے ہی لوگوں کے متعلق شیخ نے اخبث کا لفظ استعمال کیا ہے۔ ان لوگوں کو یہیں سے دھوکا لگا ہے کہ چونکہ انبیاء علیہم السلام

انسان ہوتے ہیں۔ اگلا قدم یہ اٹھایا کہ ہم بھی انسان ہیں لہٰذا ہمارے جیسے ہوئے۔ نہ ہمیں کوئی اختیار نہ انہیں۔

چنانچہ تفسیر ضیاء القرآن ج ۱ ص ۴۷۹ پر واحد زہم ان یفتنوك عن بعض ما انزل الله الیك کی تفسیر میں پیر محمد کرم شاہ صاحب ازہری لکھتے ہیں ''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس آیت کا شان نزول یہ بیان فرمایا ہے کہ چند یہود علماء نے جن میں ابن صوریا، کعب بن اسد اور ابن صلوبا ان کے اکابر بھی تھے یہ مشورہ کیا کہ آؤ چلیں محمد (فداہ امی وابی صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس اور انہیں کسی حیلہ سے اپنے دین سے برگشتہ کریں فانما ھو بشر۔ وہ بشر ہی تو ہے اسے دھوکہ دینا کیا مشکل ہے...... ایک منصوبہ تجویز کیا اور حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ آپ جانتے ہیں کہ ہم یہود کے احبار ہیں۔ اگر ہم آپ کا دین قبول کرلیں تو سب یہودی مسلمان ہو جائیں گے۔ ہم آپ کے پاس اس لئے آئے ہیں کہ ہمارا بعض لوگوں کے ساتھ کچھ تنازعہ ہے۔ ہم اس کے تصفیہ کے لئے آپ کے پاس آئیں گے۔ اگر آپ نے فیصلہ ہمارے حق میں کیا تو ہم سب مسلمان ہو جائیں گے اور ہمارے ایمان لانے سے سارے یہودی اسلام قبول کرلیں گے۔ بہت ہی خطرناک تھی یہ سازش۔ انہیں اچھی طرح علم تھا کہ کسی کے اسلام قبول کرنے سے جو مسرت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوتی ہے وہ کسی اور چیز سے نہیں ہوتی۔ وہ عقل کے اندھے سمجھ رہے تھے کہ بشر ہی تو ہے ہمارے جال میں پھنس جائے گا۔ لیکن حقائق عالم کو بے حجاب دیکھنے والا اسرار کائنات کے رخ سے ہر نقاب الٹ دینے والا۔ دین اسلام کا یہ سچا داعی یہ رشوت کب قبول کرسکتا تھا جس کی فراست نور خداوندی سے روشن تھی اس سے ان کی چال کیوں کہ مخفی رہ سکتی تھی فابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (قرطبی) حضور نے صاف انکار کردیا۔ فنزلت هذ الآیة (قرطبی) تو یہ آیت نازل ہوئی۔ وہ بیچارے ساری عمر اسی غلط فہمی کا شکار رہے کہ یہ بھی ہماری طرح بشر ہیں اور ان کی نگاہیں مقام محمدی کو نہ دیکھ سکیں۔ آفتاب مصطفوی کی جلوہ سامانیوں کو نہ پاسکیں۔ آج بھی توحید کی آڑ لے کر شان رسالت کی عظمتوں کا انکار کرنے والے بعینہ یہی الفاظ دہراتے سنائی دیتے ہیں۔ اس یہودی ذہنیت کو مسلمان کہلانے والوں نے کیوں اور کیسے قبول کرلیا بڑی حیرت اور افسوس کا مقام ہے'' انتہی

مقام نبوت پر اپنی ناقص عقل کی حاکمیت ایسا خطرناک ابلیسی محاذ ہے جانے کتنے محروموں کا ایمان اس کے نشانے پر آنے سے برباد ہو چکا۔ اسی لئے اکابر اسلام نے ہر دور میں اس خطرناک اور شیطانی کمین گاہ کی نشاندہی فرمائی تاکہ رہ نوردان دین اسلام اس سے پرحذر رہیں۔ چنانچہ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ دفتر سوم حصہ ہشتم ص ۱۸۰ میں فرماتے ہیں ''مجوباں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم را بشر گفتند و در رنگ سائر بشر تصور نمودند نا چار منکر آمدند و صاحب دولتاں کہ او را علیہ الصلوۃ والسلام بہ عنوان رسالت و رحمت عالمیاں دانستند و از سائر ناس ممتاز دیدند بدولت ایمان مشرف گشتند و از اہل نجات آمدند۔ یعنی اپنی انانیت کے حجاب میں الجھنے والے لوگ کہ جنہوں نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر کہا اور تمام بشروں کی طرح تصور کیا آخر منکر ہو گئے اور سعادت مند حضرات کہ جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رسالت اور سارے جہانوں کی رحمت کے عنوان سے دیکھا اور ساری کائنات سے بے مثل و بے مثال جانا ایمان کی دولت سے مشرف ہوئے اور اہل نجات میں سے ہو گئے۔

نیز دفتر اول حصہ دوم ص ۱۱۴ پر فرماتے ہیں چنانچہ کفار انبیاء را علیہم الصلوات والتسلیمات در رنگ سائر بشر دانستہ از کمالات نبوت انکار نمودند۔ یعنی جس طرح کہ کفار نے انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کو عام بشروں کے رنگ میں جانا اور کمالات نبوت سے انکار کردیا۔ اکابر کی مذکور الصدر تصریحات سے واضح ہے کہ کفار کی گمراہی اور انکار کی وجہ صرف یہی تھی کہ انہوں نے انبیا علیہم الصلوات والتسلیمات کو اپنے

جیسا بشر سمجھا اور ان کے کمالات نبوت و رسالت تک ان کی نظر نہ پہنچی کیونکہ ان نفوس قدسیہ کے حسن خداداد کو اس حجاب کی وجہ سے دیکھ نہ سکے کہ یہ تو اپنے جیسے ہی ہیں۔ بلکہ خود شیطان کے گمراہ ہونے کی وجہ صرف یہی ہے کہ اس کی ناقص نگاہ صرف بشریت تک الجھ کر رہ گئی۔ لیکن اس کے پس پردہ ذات حق کے دست قدرت کا حسن نظر نہ آیا کہ اللہ سبحانہ نے فرمایا **یا ابلیس مامنعك ان تسجد لما خلقت بیدی** (ص آیت ۷۵) اے ابلیس! تجھے کس چیز نے اسے سجدہ کرنے سے روکا جسے میں نے اپنے (قدرت کے) دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا۔ یہ دیکھا کہ طین سے پیدا فرمایا مگر یہ نظر نہ آیا کہ قدرت نے اس میں اپنے دونوں ہاتھوں سے کس قدر حسن ودیعت فرمایا ہوگا۔

مزید برآں اس سے بھی کفار اشرار بے خبر رہے کہ رسول خود نہیں بنتا رسالت کسی فرد کی محنت کا نتیجہ نہیں بلکہ **الله یصطفی من الملائکه رسلا و من الناس** (الحج آیت ۷۵۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے پیغام پہنچانے والے اور انسانوں سے رسول چنتا ہے) یہ اگر خلق میں سے کوئی کاریگر لکڑی۔ لوہا وغیرہ چیزوں پر محنت سے اپنے فن کو استعمال کرتا ہے تو کس قدر اور مفید چیزیں معرض وجود میں آتی ہیں۔ اگر معلم کسی جاہل کو تعلیم دیتا ہے تو اسے یگانہ روزگار، پیکر علم و فضیلت بنا دیتا ہے تو سوچئے کہ ذات حق نے اپنی خلق میں سے جن حضرات کو چنا انہیں کس قدر جہاں حسن و خوبی عطا فرمایا ہوگا کیا اب بھی عام سطح کے انسانوں کی طرح رہ گئے۔ دراصل انہیں حقیقت رسالت کا علم ہی نہیں۔ انہیں اصطفاء خداوندی کے اعجاز کی تاثیر سے تعارف نہیں، ذرا توجہ کریں ترجمان عشق بلکہ عشق و مستی کے کاروں کے سالار مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے ان اشعار میں کس قدر روشنی۔ بصیرت افروزی اور حقیقت کی ترجمانی ہے۔

اشقیارا دیدہ بینا نہ بود — نیک و بد در دید شاں یکساں نمود
ہمسری با انبیاء برداشتند — اولیار راہم چوں خود پندا شتند
گفت اینک ما بشر ایشاں بشر — ما وایشاں بستۂ خوابیم و خور
ایں ندانستند ایشاں از عمی — ہست فرقے درمیاں بے منتہا
ہر دو یک گل خوردہ زنبور و نحل — لیک زیں شد نیش وزاں دیگر عسل
ہر دو گوں آہو گیاہ خوردند و آب — زیں یکے سرگیں شدہ زاں مشک ناب
ہر دو نے خوردند از یک آبخور — آن یکے خالی و آں پر از شکر
صد ہزاراں ایں چنیں اشباہ بیں — فرق زاں ہفتاد سالہ راہ میں

یعنی بدبختوں کی آنکھ دیکھنے والی نہ تھی۔ ان کی نظر میں اچھا برا سب برابر۔ اسی لئے انہوں نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ہمسری کی آواز بلند کر دی۔ اولیاء اللہ کو اپنے جیسا گمان کیا۔ اس ذلیل نے کہا کہ ہم بھی بشر انبیاء علیہم السلام بھی بشر۔ ہم اور یہ کھانے پینے کے پابند ہیں۔ اندھے پن کی وجہ سے انہوں نے یہ نہ جانا کہ درمیان میں بے حد فرق ہے۔ دیکھو بھڑ اور شہد کی مکھی دونوں ایک ہی پھول کا رس چوستی ہیں۔ لیکن ایک سے زہریلا ڈنگ اور دوسری سے شہد حاصل ہوتا ہے۔ دونوں قسم کے ہرن ایک ہی گھاس اور پانی استعمال کرتے ہی مگر ایک سے گوبر دوسرے سے پاک صاف کستوری پیدا ہوتی ہے۔ دونوں پودے ایک تالاب کا پانی پیتے ہیں مگر ایک خالی جبکہ دوسرا شکر سے معمور ہوتا ہے۔ اس قسم کی لاکھوں مثالیں دیکھ لو بے حد حساب فرق نظر آئے گا۔ اللہ تعالیٰ حقیقت شناسی کی توفیق بخشے۔ **محمد محفوظ الحق** غفرلہ ولوالدیہ ولا دلادہ)

اور انہیں کے قریب وہ لوگ ہیں جنہوں نے کہا کہ رسل لوگوں میں سب سے زیادہ علم والے ہیں۔ لیکن انہوں نے خطاب میں لوگوں کے افہام کے معیار پر تنزل فرمایا نہ کہ اس معیار پر جس پر فی نفسہ وہ امر ہے۔ کیونکہ یہ محال ہے۔ پس ان لوگوں کی زبان حال رسل علیہم السلام کے لئے اس کے بارے میں جو انہوں نے اپنے رب کی طرف منسوب کیا۔ عبارت کے ساتھ جھٹلانے والے کی ہے۔ بالکل ایسے ہی جیسے ایک شخص دوسرے کا جو کہ کوئی ایسی بات کرتا ہے جس میں سامع اسے سچا نہیں سمجھتا ادب کرتا ہے اور یہ تو اسے نہیں کہتا کہ آپ نے جھوٹ کہا بلکہ اسے صرف یہ کہتا ہے کہ سیّدی اپنی بات میں سچے ہیں لیکن معاملہ یوں نہیں ہے جیسے آپ نے فرمایا۔ اصل صورت حال یوں ہے۔ پس یہ اسے اچھی عبارت کے ساتھ جھوٹا اور جاہل قرار دیتا ہے۔

اور اس مسئلہ میں ان سے ملتے جلتے وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم لوگوں کے افہام کے معیار پر تنزل کے قائل تو نہیں ہیں۔ البتہ اس لفظ سے مراد یوں ہے نہ کہ وہ جو عالم لوگ سمجھتے ہیں۔ شیخ نے فرمایا: اور یہ امر اس زبان میں موجود ہے جو رسول لے کر تشریف لائے۔ تو اس شخص کا حال ان لوگوں سے زیادہ مشابہت رکھتا ہے جن کا پہلے ذکر ہو چکا۔ مگر وہ اس بارے میں اللہ تعالیٰ کے متعلق ایسا حکم لگاتے ہیں جس کا اس نے اپنی ذات پر خود حکم نہیں لگایا۔ یہاں وہ بیان ختم ہوا جسے شیخ نے ۴۰۵ ویں باب میں ذکر کیا۔

آیات صفات کی تاویل میں نفیس کلام

اور شیخ نے ۱۷۷ ویں باب میں فرمایا: اے بھائی! جو بھی آیات صفات اور ان کی خبریں تجھ تک پہنچی ہیں ان کے لئے اپنے اوپر تسلیم لازم کر۔ اس لئے کہ اکثر تاویل کرنے والے ہلاک ہو جاتے ہیں۔ اور طریقت میں سب سے زیادہ خفیف حال اس کا ہے جو کہتا ہے کہ ہم اپنے رسول کے سچا ہونے میں شک نہیں کرتے لیکن آپ اللہ تعالیٰ کی تعریف میں جس نے آپ کو ہماری طرف بھیجا ہے۔ ہمارے پاس ایسے امور لائے ہیں کہ اگر ہم ان کے ظاہر پر رک جائیں اور انہیں اپنے رب پر ایسے محمول کریں جیسے اپنے اوپر محمول کرتے ہیں تو یہ اس کے حادث ہونے تک پہنچا دے گا اور اس کا ہم پر الٰہ ہونا زائل ہو جائے گا۔ حالانکہ ہمارے نزدیک اس کا الٰہ ہونا ثابت ہو چکا۔ پس ہم نظر کرتے ہیں کہ کیا زبان میں اس کا کوئی مصرف ہے۔ کیونکہ رسول صرف اپنی قوم کی زبان اور عرف پر بھیجا جاتا ہے۔ پس انہوں نے نظر کی تو اس نے انہیں اس وصف سے حق تعالیٰ کی تنزیہہ تک پہنچا دیا جسے اس نے اپنی ذات کے متعلق بیان فرمایا ہے۔ جب انہیں کہا گیا کہ تمہیں اس کی ضرورت کیا پیش آئی تو انہوں نے کہا اس کی ہمیں دو امور کی وجہ سے ضرورت پیش آئی۔ پہلا امر دلائل میں طعن ہے کیونکہ ہم نے دلائل کے ساتھ ہی تو اس کے دعویٰ کی سچائی ثابت کی۔ پس ہم وہ بات نہیں کرتے جو کہ دلائل عقلیہ میں موجب طعن ہو۔ کیونکہ اس میں اس کی سچائی پر دلائل میں طعن وارد ہوتا ہے اور دوسرا امر یہ ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس نے آپ کو بھیجا ہے اس کی مثل کوئی شئے نہیں تو یہ ادلہ عقلیہ کے موافق ہے پس ایسی گفتگو سے آپ کی صداقت ہمارے نزدیک قوی ہو گئی۔ پس اگر ہم ایسے کلام کا ظاہر قبول کر لیں جو اللہ تعالیٰ کے متعلق کہا گیا تو طریق حق سے بھٹک جائیں۔ اسی لئے ہم نے دونوں طرفوں کے اثبات کے لئے تاویل اختیار کی۔ انتہی۔ اور یہ نفیس کلام ہے۔

اور شیخ ۱۹۸ ویں باب میں فرمایا: جان لو کہ مکمل بہتری اس پر ایمان لانے میں ہے جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا۔ جبکہ پورا شر تاویل میں ہے۔ تو جس نے تاویل کی اس نے اپنا ایمان مجروح کیا اگرچہ علم کے موافق ہو۔ اور اسے اس کا حق نہ تھا۔ اور حدیث پاک میں ہے کہ میرے

بندے نے مجھے جھٹلایا اور اسے ایسا نہیں چاہئے تھا۔ پس ہر تاویل کرنے والے کو قیامت کے دن اس کی تاویل پر لازماً باز پرس ہوگی۔ اور اسے فرمائے گا کہ میں اپنی ذات کی طرف ایک چیز منسوب کرتا ہوں تو مجھے اس سے کیونکر منزہ قرار دیتا ہے اور تو اپنے ایمان پر اپنی عقل کو ترجیح دیتا ہے اور تو اپنی سوچ کو اپنے رب کے علم پر ترجیح دیتا ہے؟ پس اے عزیز! اس سے پرہیز کر کہ تو اپنے رب کے ایسے امر سے تنزیہہ بیان کرے جسے اس نے اپنے رسل کی زبان پر اپنی ذات کی طرف منسوب فرمایا جو کچھ بھی ہو۔ اور اسے محض اپنی عقل کے ساتھ ایک دم منزہ قرار نہ دے۔ پس میں نے کیسے نصیحت کر دی بیشک الٰہیات کے بارے میں عقلی دلائل، دلائل شرعیہ سے بہت مختلف ہیں۔ اور آپ نے یہاں گزشتہ اور آئندہ نفیس چیزیں ذکر کی ہیں۔ اس طرف رجوع کر تو عجائب دیکھے گا اور میں نے تجھے راستے پر ڈال دیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

قباحت تاویل اور نفاست تسلیم میں تعلیمات شیخ اکبر

اور آپ دوسو چوتھے باب میں فرماتے ہیں: جان لو جو شخص اخبار صفات میں عقول کے لئے تنزل کا قائل ہے۔ وہ معرفت حقائق سے حجاب میں ہے۔ کیونکہ عبودیت اگر ربوبیت سے مزاحم ہو حقائق باطل ہو جائیں۔ کیونکہ عبد صرف اسی کے ساتھ تجلی کرتا ہے جو اس کے لئے ہے جبکہ حق ظاہر نہیں ہوتا۔ مگر انہیں صفات تنزیہہ کے ساتھ جو کہ اس کے لئے ہیں نہ کہ صفات تشبیہہ سے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ اور اگر امر ایسا نہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لئے جو وصف بیان کیا جھوٹ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ اس سے قطعاً بلند و بالا ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ وہی ہے جس کے اس نے عزت، کبریائی، جبروت، عظمت اور نفی مماثلت کے اوصاف بیان فرمائے ہیں۔ نیز وہ اسی طرح ہے جو اس نے نسیان، مکر، خداع، کید وغیرہ سے اپنے اوصاف ذکر فرمائے۔ یہ تمام اللہ تعالیٰ کے حق میں صفات کمال ہیں۔ پس وہ ان کے ساتھ موصوف ہے جیسے اس کی شان جلالت کے لائق ہے۔ پس تنزل کا قائل صرف وہی ہے جسے حقائق کی کوئی معرفت نہیں۔ شیخ نے فرمایا: ہم ایسے ہی تھے اگر اللہ تعالیٰ ہم پر ان کے بیان کا احسان نہ فرماتا۔ پس ہمارے لئے متعین ہو گیا کہ ہم اسے خلق کے سامنے بیان کریں جسے حق تعالیٰ نے ہمارے لئے بیان فرمایا: اور ہمارے لئے عذر شرعی کے بغیر اسے چھپانا حلال نہیں انتہی۔

اور آپ فتوحات کے ۵۸ ویں میں فرماتے ہیں: جان لو کہ ہمارے نزدیک انتہائی تعجب کی بات ہے کہ انسان اپنے فکر و نظر کی تقلید کرتا ہے حالانکہ یہ دونوں اسی کی طرح حادث ہیں۔ اور قویٰ میں سے ایک قوت ہیں۔ جسے حق تعالیٰ نے عقل کے لئے خدمت گزار بنایا ہے۔ اور اس کے علاوہ وہ اس کا دوسری قوت کے حکم میں ہونے سے اپنے عجز کے مرتبہ سے آگے نہ بڑھنا بھی جانتا ہے جیسے قوت حافظہ، مصورۃ، اور مخیلہ، پھر وہ ان تمام کمزوریوں پر مطلع ہونے کے باوجود اپنے رب کی معرفت میں اپنی عاجز قوتوں کی تقلید کرتا ہے اور اپنے رب کی ان اخبار میں تقلید نہیں کرتا جو کہ اس نے اپنی کتاب اور اپنے نبی کی سنت میں اپنے متعلق دی ہیں۔ اور کائنات میں طاری یہ انتہائی عجیب غلطی ہے۔

اور ہر فکر و تاویل والا بلا شک وشبہ اس غلطی میں گرفتار ہے۔ پس اے عزیز! غور کر کہ عقل اس حیثیت سے کس قدر محتاج اور عاجز ہے کہ جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے اسے صرف مذکورہ قویٰ کے واسطہ سے ہی پہنچانتی ہے جبکہ ان میں جو علتیں اور کوتاہیاں ہیں وہ موجود ہیں۔ پھر جب وہ ان امور میں سے کوئی چیز ان طریقوں سے حاصل کرلے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے بارے میں جو خبر دی ہے اسے قبول کرنے میں اسے توقف ہوتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ فکر اسے رد کرتا ہے۔ پس وہ اپنے فکر کی تقلید اور اس کا تزکیہ کرتا ہے اور اپنے رب کی شرع پر جرح کرتا اور یہاں طویل گفتگو کی۔

پھر فرماتے ہیں: قصہ مختصر عقل کے پلے میں اس کی اپنی حیثیت سے کچھ نہیں ہے۔ اور جب یہ ایسی ہے تو اس کا اسے قبول کرنا جو اس کے رب سے ثابت ہے اور اس نے اپنی ذات کے متعلق اس کی خبر دی ہے زیادہ بہتر ہے اپنے فکر سے قبول کرنے سے اس کے بعد کہ اسے جتلایا جا چکا ہے کہ اس کا فکر اس کے خیال کا اور اس کا خیال اس کے حواس کا مقلد ہے۔ انتہی۔

اور آپ نے فتوحات کے تیسرے باب میں فرمایا ہے: جان لو کہ حق تعالیٰ نے جن اوصاف کے ساتھ اپنی ذات کو موصوف فرمایا جیسے خلق، زندگی عطا کرنا، موت دینا، روکنا، عطا کرنا، مکر، استہزاء، کید، فرحت، تعجب، غضب، رضا، ہنسنا، اظہار بشاشت، قدم، ہاتھ، دو ہاتھ، کئی ہاتھ، آنکھ، کئی آنکھیں وغیرہ سب کی سب ہمارے رب کی درست صفات ہیں کیونکہ ہم نے اپنی طرف سے اس کے یہ اوصاف بیان نہیں کئے، یہ اوصاف تو خود اللہ تعالیٰ نے ہی اپنے رسل علیہم السلام کی زبانوں پر ہمارے وجود میں آنے سے پہلے اپنی ذات کے لئے بیان فرمائے۔ اور اللہ تعالیٰ سچا ہے۔ اور وہ دلائل عقلیہ کی وجہ سے سچے ہیں لیکن اس حد تک ہیں جو اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور اس حد تک ہیں جسے اس کی ذات قبول فرمائے اور اس کی شان جلالت کے شایاں ہو۔ ہمیں اس میں سے کسی شے کا رد جائز ہے نہ اس کی کیفیت متعین کرنا۔ اور ہم اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی نسبت کا قول نہیں کریں گے مگر اس وجہ سے ہٹ کر جو اسے ہماری طرف منسوب کرے۔ اور ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں اس سے کہ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف اس حد پر منسوب کریں جو ہمارے علم میں ہے۔ ہم تو اس کی ذات سے اس جہان میں اور آخرت میں جاہل ہیں۔ نہیں جانتے کہ حال کیسا ہے؟ اور جس شخص نے اس چیز کا رد کیا جسے حق تعالیٰ نے اپنی ذات کے لئے اپنے رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کی زبانوں پر ثابت فرمایا ہے تو اس نے اس کے ساتھ کفر کیا جو اللہ تعالیٰ کے ہاں سے آیا۔ اور جو بعض پر ایمان لائے۔ اور بعض کا انکار کرے وہ بھی ایسا ہی ہے۔ اور جو اس پر ایمان لایا لیکن اسے اللہ تعالیٰ کی طرف اس طرح منسوب کرتا ہے جس طرح اسے ہماری طرف منسوب کرتا ہے۔ یا اس کا وہم کرتا ہے یا یہ اس کے دل میں کھٹکا یا اس کا تصور کیا یا اسے ممکن قرار دیا پس اس نے جہالت کا ارتکاب کیا کافر نہیں ہوا۔ شیخ نے فرمایا: یہ ہے صحیح عقیدہ۔ انتہی

نسبت تنزیہہ اور نسبت تنزل

اور شیخ نے فتوحات کے ۷۳ ویں باب میں فرمایا: جان لو کہ حق تعالیٰ کا مشاہدہ کرنے والے تمام حضرات ان دو نسبتوں سے باہر نہیں نکلتے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے لئے نسبت تنزیہہ۔ اور خیال کے لئے تشبیہہ کی قسم کی نسبت تنزل۔ رہی نسبت تنزیہہ تو یہ **لیس کمثله شی** جیسی آیات میں اللہ تعالیٰ کی تجلی ہے۔ اور وہی خیال کے لئے نسبت تنزل تو یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں اس کی تجلی ہے **وهو السميع البصير**۔ اور حدیث میں اس طرح کے قول میں **اعبد الله كانك تراه**۔ یعنی اللہ کی عبادت اس طرح کر گویا تو اسے دیکھ رہا ہے۔ اور اس قول میں **فاينما تولوا فثم وجه الله** (البقرۃ آیت ۱۱۵) تم جدھر رخ کرو وہیں ذات حق ہے)۔ اور یہ اللہ تعالیٰ تمہارے ہر ایک کے قبلہ میں ہے۔ اور فی اور ثم ظرف ہے اور وجہ اللہ اس کی ذات اور اس کی حقیقت ہے۔ اور فرماتے ہیں کہ وہ تمام احادیث اور آیات جو کہ ان الفاظ کے ساتھ وارد ہیں جو کہ مخلوقات پر بولے جاتے ہیں ان سے وابستہ اپنے معانی کے ساتھ ہیں۔ اگر ان الفاظ کے وہ معانی ان کے ساتھ نہ ہوں جو کہ اصطلاح سے سمجھتے ہیں تو ان کے ساتھ مخاطب کئے جانے والے کے ہاں اس کا کوئی فائدہ نہیں کہ یہ اس زبان کے خلاف ہے جس کے ساتھ یہ تعریف الٰہی وارد ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومه ليبين لهم**۔ یعنی ان کے لئے ان

کی لغت میں بیان کرے کہ امر کس شے پر ہے۔ اور ان الفاظ کے ساتھ بھیجے گئے رسول نے ہمارے لئے، ان کی وہ تشریح نہیں فرمائی۔ جو اس کی مخالفت کرے جس پر اصطلاح واقع ہوئی۔ پس اس نے ان معانی کو جو کہ ان الفاظ سے سمجھے جاتے ہیں حق وعلا کی طرف اسی طرح منسوب کیا جیسے اس نے خود انہیں اپنی ذات کی طرف منسوب فرمایا۔ اور ان کی شرح میں اس معاون کے ساتھ حکم نہیں لگا تا جسے اس زبان والے جن کی لغت میں یہ الفاظ اترے ہیں نہیں سمجھتے۔ پس ان کی مخالفت سے ہم لوگ ان میں سے ہو جائیں جو کہ کلمات کو ان کے مقامات سے بدلتے ہیں اور ان میں سے جو کہ انہیں سمجھنے کے بعد جان بوجھ کر تحریف کرتے ہیں۔ پس ہم پر واجب ہے کہ ہم کیفیت کی نسبت سے اپنی جہالت کا اقرار کریں۔ فرمایا: یہ ہے تمام اسلام کا عقیدہ ان کا ایک مخالف بھی ہمارے علم میں نہیں۔ اور یہاں طویل کلام فرمایا:

لما خلقت بیدی کا معنی

پھر فرمایا: حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق قرآن کریم میں یہ الفاظ وارد ہوئے لما خلقت بیدی (ص آیت ۷۵۔ جسے میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا) اور یہ معلوم ہے کہ یہاں دونوں ہاتھوں کو قدرت پر محمول کرنا جائز نہیں کہ تثنیہ پایا جاتا ہے اور نہ اس پر کہ ایک نعمت کا ہاتھ ہو اور دوسرا قدرت کا۔ کیونکہ یہ تو ہر موجود میں جائز ہے جبکہ یہ آیت ابلیس کے مقابلے میں حضرت آدم علیہ السلام کی عزت کے بیان کے لئے ہے۔ اور اس تاویل پر آدم علیہ السلام کا کوئی شرف نہیں۔ پس لازم ہے کہ یدی کا معنی اس کے خلاف ہو جو ہم نے ذکر کیا۔ جو کہ تشریف آدم کا مقصد عطا کرے۔ اور ہم نہیں جانتے مگر یہ کہ دونوں ہاتھ صرف یہی دو نسبتیں ہیں جو کہ نسبت تنزیہہ اور خیال کے لئے نسبت تنزل۔

جیسا کہ حدیث شریف میں ہے جب اللہ تعالیٰ نے کرسی کی تخلیق فرمائی تو اس کی طرف دو قدم لٹکے۔ اور امر ونہی کے سوا کوئی دو قدم معلوم نہیں جو کہ اہل جنت اور اہل جہنم کے مظہر ہیں۔ پس سمجھ لے۔ پس ان دو نسبتوں کی وجہ سے جو کہ ہم نے ذکر کی ہیں جب یہ بنو آدم پر متوجہ ہوئیں تو وہ تین قسموں پر ظاہر ہوئے۔ کامل، اور وہ دونوں نسبتوں کا جامع ہے۔ خاص اپنی فکر ونظر کی دلیل کے ساتھ واقف۔ اور تشبیہہ دینے والا اس سے جو اسے وارد ہونے والا لفظ عطا کرے۔ ان کا چوتھا نہیں ہے۔ اور یہ لوگ ایمان والوں سے ہیں۔ تو جس نے صرف تنزیہہ کا قول کیا اور عقول کے لئے تنزل کا رد کیا وہ طریق کمال سے منحرف ہو گیا۔ اور اسی طرح وہ شخص ہے جس نے تنزیہہ کے بغیر صرف اکیلی تشبیہ کا قول کیا۔ پس ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ہمیں انحراف متکلمین اور انحراف مجسمین سے محفوظ رکھے۔ آمین۔ انتہی۔

آیات صفات پر ایمان واجب ہے

اور آپ نے ۳۷۷ ویں باب میں فرمایا: جان لو کہ ہر مکلف پر آیات صفات اور ان کی خبروں پر ایمان لانا واجب ہے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسل علیہم الصلوۃ والسلام کی زبانوں پر اپنی ذات کے متعلق ہمیں خبر دی ہے کہ اس کے لئے ایک ہاتھ۔ دو ہاتھ۔ ایک انگلی دو انگلیاں۔ ایک آنکھ، دو آنکھیں، کئی آنکھیں، معیت، ہنسی، فرحت، تعجب، آنا، استواء علی العرش، اس سے کرسی کی طرف اور آسمان دنیا کی طرف نزول، علم، کلام، آواز وغیرہ ہیں جیسے ہرول یعنی تیزی سے چلنا، حد، مقدار، رضا، غضب، فارغ ہونا اور قدم، فرمایا: یہ تمام معقول المعنی ہے مگر اللہ تعالیٰ کی طرف ان کی نسبت مجہول یعنی اس کا کسی کو علم نہیں۔ اس پر ایمان واجب ہے، کیونکہ یہ ایک حکم ہے جس کا حق تعالیٰ نے اپنی ذات پر حکم لگایا ہے۔ پس یہ اس حکم سے کہیں بہتر ہے جو مخلوق لگائے اور وہ عقل ہے اور صاحب عقل تاویل کی طرف نہیں جھکا مگر

اس لئے کہ ایمان کی سمت کے خلاف عقل اور فکر کی جانب کی مدد کرے۔ کہ اس نے تاویل نہیں کی حتیٰ کہ اس کی عقل نے قبول کرنے میں توقف کیا۔ تو گویا وہ اپنی طرف سے اللہ تعالیٰ کی تصدیق کی حالت میں اس کی تصدیق کرنے والا نہیں ہے۔ انتھی

لواقح الانوار کا بیان

اور شیخ نے اپنی کتاب لواقح الانوار میں فرمایا: جان لو کہ اہل کشف کے نزدیک کلام عرب میں اصلاً مجاز نہیں۔ وہ تو صرف حقیقت ہی ہے۔ اور یہ اس لئے کہ انہوں نے اپنے الفاظ جس چیز کے لئے وضع کئے حقیقتاً کئے۔ پس انہوں نے ید قدرت قدرت کے لئے اور ید جارحہ عضو بدن کے لئے اور ید معروف، معروف کے لئے وضع کیا اور اسی طرح۔ اور جو دعویٰ کرتا ہے کہ انہوں نے اس میں مجاز استعمال کیا ہے تو اس کے ذمہ دلیل ہے۔ اور اس کی طرف اس کے لئے کوئی راہ نہیں۔ اور جب انہوں نے کہا کہ فلاں اسد (شیر) ہے۔ اسے انہوں نے اپنی زبان میں حقیقت کے طور پر وضع کیا کہ ہر شجاع کو اسد کہا جاتا ہے۔ تو یہ اطلاق حقیقت کے طور پر وضع کیا گیا نہ کہ مجازاً۔ اور یہیں سے عقل مند معلوم کر لیتا ہے کہ کتاب وسنت میں جو بھی ید، عین، جنب وغیرہ کا ذکر آیا ہے یہ کسی شے میں تشبیہ کا تقاضا نہیں کرتا کیونکہ تشبیہ تو صرف لفظ مثل اور کاف صفت کے ساتھ ہوتی ہے۔ اور دونوں امور کے علاوہ تو الفاظ اشتراک ہیں۔ پس اس وقت ان کی نسبت جہاں بھی آئیں ہر ذات کی طرف اس طریقے سے ہوگی کہ اس ذات کی حقیقت عطا کرے۔ انتھی۔

موہم تشبیہ مقامات کی وضاحت

اور شیخ نے فتوحات کے دوسرے باب میں فرمایا: جان لو کہ کتاب وسنت میں جو مقام بھی آیا ہے جس کے ظاہر سے تشبیہ کا وہم ہو وہ اپنی اصل پر نہیں ہے۔ بلکہ وہ ان عربوں کی عقول کی وجہ سے تنزل ہے جن کی لغت پر قرآن آیا۔ اور جس طرح کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ **ثم دنا فتدلٰی فکان قاب قوسین او ادنیٰ** (النجم آیت ۸،۹ پھر وہ قریب ہوا۔ اور قریب ہوا یہاں تک کہ صرف دو کمانوں کے برابر بلکہ اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا) کیونکہ عرب کے بادشاہوں کے نزدیک جو معزز مقرب ہوتا وہ ان کے پاس اسی حد پر بیٹھتا۔ پس اس کی وجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے رب عزوجل سے قرب عقل میں آ گیا۔ اور اس سے جو کچھ تیرے فہم میں آیا اس پر توجہ نہ کر سوائے قرب کے۔

اور آپ نے فتوحات کے تیسرے باب میں بھی فرمایا: جان لو کہ تشبیہ والوں میں سے جو گمراہ ہوا صرف اس تاویل کی وجہ سے گمراہ ہوا جس کی طرف ان کے فہم اللہ تعالیٰ کی شان تنزیہہ میں غور وفکر کے بغیر جو کہ ان پر واجب تھی سبقت کر گئے۔ پس اس نے انہیں صریح جہالت کی طرف کھینچ لیا۔ اور اگر وہ سلامتی طلب کرتے اور آیات اور اخبار کو ان کے بارے میں کسی چیز کی طرف رخ بدلے بغیر اسی حالت پر چھوڑ دیتے جیسے وہ آئیں اور اس کا علم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ السلام کے سپرد کر دیتے تو فلاح پا جاتے۔ اور یہ انہیں کافی تھا کہ اس کی مثل کچھ نہیں۔ تو جب ان کے پاس ظاہری لفظوں میں تشبیہ والی حدیث آتی تو کہتے کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے **لیس کمثلہ شیء** کے ساتھ اپنی ذات سے تشبیہ کی نفی فرمائی ہے تو اس حدیث کے لئے وجوہ تنزیہہ میں سے کسی وجہ کے بغیر کوئی صورت باقی نہ رہتی۔ اور اسے فہم عرب کے لئے لایا گیا جس کی زبان کے ساتھ قرآن اترا۔ علاوہ ازیں تو کتاب وسنت میں کبھی بھی کوئی لفظ نہیں پائے گا۔ کہ تشبیہ میں ہو۔ تو اسے صرف عرب کے ہاں کئی وجوہ کا احتمال رکھنے والا پائے گا۔ ان میں سے کسی کا ظاہر تو ہم تشبیہ کی طرف پہنچائے گا تو کوئی تنزیہہ کی طرف۔ پس تاویل کرنے والے کا اس لفظ کو اس وجہ پر محمول کرنا جو تشبیہ کی طرف لے جائے پھر ازاں بعد وہ اس کی تاویل میں لگ

جاتا ہے اس لفظ کے ساتھ زیادتی ہے کہ وہ اسے اس کا وہ حق نہیں دیتا جو کہ اسے وضع لسانی عطا کرتی ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی صفات پر تعدی ہے کہ اس نے اس پر وہ وجہ محمول کی جو اس کی بزرگی کے لائق نہیں۔

ظاہراً تشبیہ مگر نصاً نہیں۔ بعض احادیث کی مثالیں

شیخ نے فرمایا: ہم تیرے سامنے بعض احادیث پیش کرتے ہیں جن کا ظاہر تشبیہ عطا کرتا ہے۔ حالانکہ وہ اس بارے میں نص نہیں ہیں تا کہ تو ان پر اسے قیاس کرے جس کا ذکر تیرے سامنے میں نے نہیں کیا۔ ان میں سے یہ حدیث ہے کہ **قلب المومن بین اصبعین من اصابع الرحمن**۔ یعنی قلب مومن رحمٰن کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہے۔ عقل نے اس کے وضعی تقاضے پر حقیقت اور مجاز کے حوالے سے غور کیا۔ تو اصبع کو لفظ مشترک پایا جو کہ عضو پر اور نعمت پر بولا جاتا ہے۔ عرب کہتے ہیں **ما احسن اصبع فلان** یعنی کسی کے مال پر اصبع کا لفظ بولتے ہوئے کہتے ہیں کہ فلاں کی مالی حالت کتنی اچھی ہے۔ تو جب اصبع کا لفظ عضو۔ نعمت اور اچھی حالت پر بولا جاتا ہے تو کس بنا پر اسے عضو پر اس طرح محمول کیا جائے گویا اس بارے میں نص ہے۔ اور تنزیہہ کی وجہ ترک کر دی جائے پس بندہ یا تو اس کی ایسی تاویل کرے جو کہ شان تنزیہہ کے لائق ہو۔ یا خاموش رہے اور اس کا علم اللہ تعالیٰ کی طرف اور اس نبی یا صاحب الہام ولی کی طرف سونپ دے جسے حق تعالیٰ نے اس کی معرفت عطا فرمائی ہے لیکن عضو کی نفی کی شرط ضروری ہے۔ اللھم۔ مگر جب کوئی بدعتی ہمارے سامنے کھڑا ہو جائے تو ہمارے لئے خاموشی حلال نہیں بلکہ ہم پر واجب ہے کہ اس تنزیہہ کو بیان کریں جس کا اس لفظ میں احتمال ہے حتیٰ کہ ہم اس کی دلیل کو کھائل کر دیں جیسا کہ ہمارے لئے تجسیم کے قائلین کے ساتھ واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ اس تقریر کے مطابق اہل حق کے مذہب کے مطابق حدیث کا معنی یہ ہوگا کہ قلب مومن رحمٰن کی نعمتوں میں سے دو نعمتوں کے درمیان ہے اور یہ نعمۃ ایجاد اور نعمۃ امداد ہے۔ واللہ اعلم

دوسری مثال

اور اس میں سے اللہ تعالیٰ کے اس قول میں قبضہ اور یمین کے الفاظ ہیں **والارض جمیعا قبضتہ یوم القیامۃ والسموات مطویات بیمینہ** (الزمر آیت ۶۷ اور قیامت کے دن ساری زمین اس کی مٹھی میں ہوگی اور سارے آسمان لپٹے ہوئے اس کے دائیں ہاتھ میں ہوں گے) عقل نے وضعی تقاضے پر غور کیا تو لسان عربی کی وضع سے پتہ چلا کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ وجود سارے کا سارا اس کے قبضہ میں یعنی اس کے تصرف میں ہے جیسے کہ کہا جاتا ہے کہ فلاں میرے ہاتھ کی مٹھی میں ہے اس سے مراد یہ ہوتا کہ وہ میرے حکم کے تحت ہے۔ اور اس کے ہاتھ کے عضو میں اس کا کچھ نہیں ہوتا۔ وہ تو صرف اس میں اس کا امر اور اس کا حکم جاری ہوتا ہے۔ اور کچھ نہیں۔ جیسے کہ حسی طور پر اپنے ہاتھ میں موجود چیز پر حکم چلاتا ہے۔ تو چونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر عضو محال ہے تو عقل قبضہ کی روح۔ اس کے معنی اور اس کے فائدہ کی طرف پھر گئی۔ اور وہ یہ کہ دنیا و آخرت حق تعالیٰ کے تصرف [illegible] میں ہے۔ اور رہا اس کا ارشاد بیمینہ۔ تو اسے صرف اس لئے ذکر فرمایا کہ یمین مطلقاً قوی کا محل تصرف ہے کیونکہ بایاں ہاتھ عادتاً دائیں ہاتھ جیسی قوت نہیں رکھتا۔ پس لپیٹنے پر پوری طاقت رکھنے کو یمین کے ساتھ کنایۃً بیان فرمایا پس یہ کہ فعل پر قدرت کا پورے طور پر طاقت رکھنے کی طرف اشارہ ہے۔ پس عرب کے افہام کی طرف معنی ایسے الفاظ کے ساتھ پہنچا جنہیں وہ پہچانتے ہیں اور ان کے قلوب انہیں قبولیت کے ساتھ لینے کی طرف جلدی کرتے ہیں واللہ اعلم

دیگر صفات کی توجیہات

اور اسی میں سے تعجب۔ ضحک (ہنسی) فرح اور غضب ہیں۔ عقل نے غور کیا تو دیکھا کہ تعجب واقع نہیں ہوتا مگر اس موجود کی طرف سے جو کہ اس تعجب کرنیوالے پر وارد ہوتا ہے جسے اس کا پہلے سے علم نہ تھا۔ اور اس وقت اس کے لئے اس سے تعجب کرنا درست ہوتا ہے۔ اور اسی طرح کی گفتگو ضحک اور فرح میں ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ پر محال ہے کیونکہ وہی تو اس امر کا خالق ہے جس کی خبر دی کہ وہ اس سے تعجب کرتا ہے یا اس کی وجہ سے ضحک فرماتا ہے یا اس کے لئے فرحت کا اظہار فرماتا ہے۔ پس معنی اس طرف لوٹا کہ ایسے الفاظ صرف عقول کی خاطر تنزل ہے تاکہ ان عقل والوں کے لئے اس صفت سے موصوف لوگوں کی بزرگی ظاہر ہو جس سے تعجب واقع ہوا۔ جیسا کہ حدیث پاک میں وارد ہے۔ **یعجب ربنا من شاب لیس له صبوة**۔ کہ ہمارا رب اس جوان سے تعجب فرماتا ہے جو کہ جوش شہوت کے باوجود بدکاری میں مبتلا نہیں ہوتا۔ اور فرح، رضا اور ضحک کو اس امر کی قبولیت پر محمول کرنا صحیح ہے کیونکہ اسے حق تعالیٰ کی جانب میں اس طرح محمول کرنا جیسے خلق کے حق میں محال ہے۔

غضب

رہا غضب تو یہ اس بندے کے نہی میں گرنے کے متعلق کنایہ ہے جس پر غضب فرمایا۔ اور یہ اس لئے تاکہ بندہ پہچان لے کہ غضب کے پیچھے انتقام ہے۔ کیونکہ یہ اس کا اثر ہے پس بندہ خوف کرے۔ اپنے رب سے بخشش طلب کرے اور اس امر سے توبہ کرے جس میں واقع ہوا ہے۔ اور بعض نے کہا ہے: غضب الٰہی سے مراد اس جہان میں بندوں پر حدود اور تعزیرات قائم کرنا ہے۔ اور اسے اذہان میں پیدا ہونے والے معنی پر محمول کرنا درست نہیں کیونکہ یہ حق تعالیٰ پر محال ہے۔ اس لئے کہ وہ اپنے بندوں کے افعال کا خالق ہے تو ان سے اس کی مراد کے بغیر کوئی فعل کیونکر واقع ہوسکتا ہے حتیٰ کہ ان پر غضبناک ہو۔ رہا غضب آخرت تو وہ جہنمیوں کے ساتھ خاص ہے۔ اور رہا ان کے غیر پر غضب تو وہ قیامت کے دن کے ساتھ گزر جائے گا اور اللہ تعالیٰ تمام موحدین کو جنت میں داخل فرمائے گا۔ پس سمجھ لے۔

نسیان

اور ان میں سے نسیان ہے اور یہ معلوم ہے کہ اسے حق تعالیٰ کے بارے میں اس کے اس حکم پر محمول کرنا جائز نہیں ہے جو کہ خلق کے بارے میں ہے کیونکہ یہ محال ہے۔ لیکن چونکہ کفار کا عذاب ختم نہیں ہوگا تو وہ ایسوں کی طرح ہو گئے جنہیں بادشاہ نے بھلا دیا ہو کیونکہ اس کی رحمت ان تک نہیں پہنچے گی۔ اور اسی کے قریب مکر۔ استہزاء اور تحریت کا معنی ہے جو کہ جہت حق میں وارد ہوئے ہیں جس سے اس کا اثر مراد ہے اور یہ کہ وہ ان کے ساتھ ان افعال والوں کا سا معاملہ فرماتا ہے۔

اور ان میں سے لفظ نفس ہے۔ ف کی زبر کے ساتھ۔ جیسا کہ اس حدیث میں **انی لا جد نفس الرحمن یا تینی من قبل الیمن** یعنی میں یمن کی طرف سے نفس الرحمٰن محسوس کرتا ہوں۔ اور یہ معلوم ہے کہ حق تعالیٰ نفس سے منزہ ہے جو کہ سانس لینے والے جسم سے خارج ہونے والی ہوا ہے۔ اور بعض نے کہا: نفس سے مراد غم و اندوہ کو دور کرنا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انصار کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد فرمائی اور آپ کی تکلیف دور فرمائی جب وہ یمن کی طرف سے آئے۔ شیخ فرماتے ہیں: اور اس پر اسم رحمٰن کی طرف نفس کا مضاف ہونا دلالت کرتا ہے۔ نہ کہ دوسرے اسماء کی طرف جو رحمت عطا نہیں کرتے۔ انتہی

خاتمہ

میں نے سیّدی علی الخواص رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے ہوئے سنا: جو اپنے قلب کے ساتھ اس پر عقیدہ رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حقیقت تمام حقائق سے جدا ہے وہ کبھی بھی اس صفت کو جسے حق تعالیٰ نے اپنی ذات کی طرف منسوب کیا اس کی طرف منسوب کرنے میں توقف نہیں کرتا۔ پس آپ استواء (مثلاً) اللہ تعالیٰ کی طرف کسی کیفیۃ تشبیہہ کے بیان کے بغیر منسوب کرتے تھے جیسے کہ اس کی شان جلال کے لائق ہے کیونکہ حق تعالیٰ کی طرف کبھی بھی تشبیہہ درست نہیں۔ اور شیخ محی الدین نے فتوحات کے ۲۷۳ ویں باب میں فرمایا ہے۔ جان لے کہ تیرے لئے کسی شے سے اللہ تعالیٰ کی تنزیہہ درست نہیں مگر اپنی عقل کے ساتھ تیرے اس مشاہدے کے بعد کہ وہ چیز نقص ہے۔ اور یہ حق تعالیٰ کو لاحق ہو رہا ہے۔ اور اگر تجھے اس کا مشاہدہ نہ ہوتا تو تو اس سے اس کو منزہ نہ جانتا۔ ورنہ تو اسے اس امر سے کیونکر منزہ مانتا ہے جو کہ عقلی طور پر تیرے مشاہدہ میں نہیں۔ پس جبھی تو تنزیہہ شرع میں سماعی طور پر پائی گئی۔ اور عقل میں نے نہیں پائی گئی۔ پس بیشک حق تعالیٰ کے لئے استواء سے عقل کی تنزیہہ کی حد یہ ہے کہ کہے اس استواء سے مراد اس سلطانی غلبہ کی طرح ہے جو کہ مکان پر یا ملک پر ہوتا ہے۔ تو یہ تشبیہہ سے خارج نہ ہوا کیونکہ اس کی حد یہ ہے کہ وہ کسی حادث کے ساتھ تشبیہہ سے اس سے اوپر دوسرے حادث کے ساتھ تشبیہہ کی طرف منتقل ہوا۔ پس تنزیہہ میں عقل کی وہاں رسائی نہ ہوئی جہاں اس قول کے مطابق شرع کی رسائی ہے کہ لیس کمثلہ شیء۔ کیا تو انہیں نہیں دیکھتا کہ انہوں نے استواء کے لئے تنزیہہ عقلی میں اس قول کے ساتھ گواہی پیش کی ہے کہ بشر نے عراق پر استواء حاصل کیا۔ بشر کا جو بندہ ہے عراق پر استواء حضرت خالق جل وعلا کے استواء کے سامنے کیا حیثیت رکھتا ہے۔ مزید برآں شیخ نے دوسرے مقام پر استواء کو استیلاء یعنی غلبے پر محمول کیا ہے جیسے کہ بادشاہ اپنے ملک پر غلبہ حاصل کرتا ہے۔ تو اس پر جس نے استقرار یعنی قرار پکڑنے کا قول کیا جو کہ صفات اجسام سے ہے کس چیز کا انکار کیا ہے جبکہ دونوں امر حادث ہیں۔ جبکہ اگر دونوں امور میں سے ایک کا اطلاق جائز ہوتا تو استقرار کا اطلاق زیادہ بہتر تھا کہ حدیث پاک میں عرش بمعنی سریر یعنی تخت آیا ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کرسی، عرش کے اندر یوں ہے جیسے چٹیل میدان میں ایک چھلا پڑا ہو۔ انتہی

تتمہ جس کے ساتھ ہم خاتمہ کا اختتام کرتے ہیں۔ شیخ محی الدین نے فتوحات کے ۳۶۳ ویں باب میں فرمایا: جان لے کہ یہ انصاف نہیں کہ لوگ ان آیات صفات اور احادیث پر تو ایمان لائیں۔ جو کہ رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کی زبانوں پر آئیں اور ان پر ایمان نہ لائیں جو کہ رسل کے وارث عارفین کاملین لائیں۔ کیونکہ سمندر ایک ہے پس جس طرح رسل علیہا السلام کی ان میں سے لائی ہوئی چیزوں پر ایمان واجب ہے اسی طرح ان پر ایمان لانا واجب ہے جو کہ اولیاء لائے جو کہ محفوظ ہیں۔ اور جس طرح ہم نے اسے تسلیم کیا جو کہ اصل لے کر آیا تو شریعت کی موافقت کے جامع کی وجہ سے ہم اس طرح اسے بھی تسلیم کرتے ہیں جو فرع عطا کرے۔ اے کاش لوگ جب اولیاء اللہ کی لائی ہوئی حقیقتوں پر ایمان نہیں لاتے تو انہیں اہل کتاب کی طرح گردانتے کہ ان کی تصدیق کرتے نہ تکذیب۔ انتہی۔ پس اس بحث میں غور کر اور اسے سمجھ کیونکہ اس میں جو کچھ ہے تجھے کسی کتاب میں نہیں ملے گا اور اللہ تعالیٰ تیری ہدایت کا وارث ہے۔

انیسویں بحث

کرسی۔ لوح اور قلم اعلیٰ کا بیان

اے بھائی! جان لے کہ جس طرح حق تعالیٰ نے عرش کو محل استواء قرار دیا جیسا کہ اس کے جلال کے لائق ہے اسی طرح اس نے کرسی کو اوامر ونواہی کے ظاہر ہونے کا محل بنایا جن کے متعلق حدیث ’کرسی میں عرش سے اس کی طرف دو قدموں کے اٹکنے کے ساتھ تعبیر کی گئی ہے۔‘ کیونکہ عرش کلمہ علیّہ کی احدیت کا محل ہے جو کہ رحمت پر مشتمل ہے۔ جیسا کہ استواء کی اسم الرحمٰن کے ساتھ تخصیص اس طرف اشارہ کرتی ہے۔ رہی کرسی تو اس میں کلمہ دو امور کی طرف منقسم ہو گیا تاکہ اللہ تعالیٰ ہر شے سے جوڑا پیدا فرمائے پس شفعیت کرسی میں بالفعل ظاہر ہوئی۔ جبکہ عرش میں بالقوۃ تھی۔ کیونکہ امر ونہی کے دونوں قدم جب کرسی کی طرف لٹکے تو اس میں کلمہ رحمانیت منقسم ہو گیا۔ یہ جنت کے لئے ہیں اور مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ اور یہ جہنم کے لئے ہیں اور مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ پس ہر قدم نے دوسرے قدم کے مکان سے جدا مکان میں قرار پایا۔ اور یہ دونوں کے قرار پانے کا نقطہ انتہاء ہے۔ ان کے ایک کو جنت جبکہ دوسرے کو جہنم کا نام دیا گیا۔ اور ان کے بعد کوئی مکان نہیں جس کی طرف اہل قدمین منتقل ہوں۔ جیسا کہ شیخ محی الدین نے ۱۹۸ ویں باب میں ذکر کیا ہے۔ اور ہم نے جو ذکر کیا ہے کہ کرسی کی طرف اترنے والے دو قدموں سے مراد امر اور نہی ہیں۔ وہی صحیح ہے بخلاف اس کے جس کا مجسمہ کو وہم ہوا ہے اللہ تعالیٰ اس سے نہایت بلند ہے۔ اسے شیخ نے ۳۹۴ ویں باب ذکر کیا ہے۔ اور آپ نے تیرھویں باب میں قدمین سے یوں تعبیر کی ہے کہ یہ دونوں خیر اور شر ہیں۔ اور یہ دونوں تعبیریں درست ہیں کیونکہ خیر اور شر امر اور نہی ہی ہیں۔ پس اسے جان لے کہ یہ نفیس ہے۔ تو اس کی تاویل کسی کتاب میں نہیں پائے گا۔

استقرار اعمال اور دیگر متعلقات

اگر کہا جائے کہ بنی آدم کے اعمال جب ملائکہ لے کر اوپر جاتے ہیں تو کہاں قرار پاتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے جیسا کہ شیخ نے فتوحات کے ۵۸ ویں باب میں فرمایا ہے کہ ان کا اوپر جانا سدرۃ المنتہیٰ تک ہے۔ پس بیشک ہر شئی کی انتہا اسی کی طرف لوٹتی ہے جہاں سے شروع ہوتی۔

اگر کہا جائے کہ کرسی ہی دونوں قدموں کا مقام ہے جو کہ امر اور نہی ہیں تو کرسی سے کوئی عمل پیچھے نہیں رہتا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ عالم خالق وامر کے ساتھ خاص ہے۔ رہی تکلیف (یعنی شرعی ذمہ داری) تو اس کی اصل تو سدرہ سے منقسم ہوتی ہے۔ پس اس نے سدرہ سے پہلے چار مرتبے طے کئے اور سدرہ تو پانچواں مرتبہ ہے۔ اور اس کی وضاحت یہ ہے کہ تکلیف قلم سے لوح کی طرف۔ عرش کی طرف، کرسی کی طرف، سدرہ کی طرف نازل ہوتی ہے۔

احکام تکلیف صرف پانچ ہیں

اور یہ معلوم ہے کہ احکام تکلیف پانچ ہیں۔ ان کا چھٹا نہیں واجب مستحب، حرام، مکروہ اور مباح پس واجب قلم سے۔ مستحب لوح سے، حرام عرش سے، مکروہ کرسی اور مباح سدرہ سے ظاہر ہوا۔ کیونکہ مباح تو نفس کا خط ہے۔ اسی لئے عالم سعادت کے نفوس کی حد انتہا

سدرہ تک ہے۔ اور اس کے اصول تک اور وہ زقوم ہے عالم شقاوت کے نفوس کی انتہاء ہے۔ تو جب اعمال جو ان پانچ مذکورہ احکام سے پیدا ہوتے ہیں صعود کریں تو اس کی غایت اس جگہ تک ہے جہاں سے ظاہر ہوئے۔ انتہی۔

اگر کہا جائے کہ اعمال کے اوپر چڑھنے کی صورت کیا ہے باوجودیکہ یہ اعراض ہیں؟ تو اس کا جواب شیخ نے ۳۹۷ ویں باب میں یہ دیا ہے کہ یہ اپنے فاعل کی شکل پر ملائکہ کی صورت اختیار کر لیتے ہیں پھر صعود کرتے ہیں پس ہیکل سے اپنے مقامات کی طرف مرکب پر نکلتے ہیں جو کہ ان میں روح حضور ہے۔ پس وہ اپنا قدم اپنی نگاہ کی انتہا پر رکھتی ہے حتیٰ کہ عمل اپنی انتہاء کے محل تک پہنچ جاتا ہے جو کہ اس پہلے ظہور کا محل ہے۔

اگر کہا جائے کہ ان اماکن کی احکام خمسہ کے ساتھ تخصیص کی وجہ کیا ہے اور وہ واجب کا قلم سے ہونا اور مستحب کا لوح ہونا الخ؟ اس کا جواب شیخ نے ۵۸ ویں باب میں یہ دیا ہے کہ تخصیص کی وجہ ہر محل کا اس عمل کا مددگار ہونا ہے جو اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ پس قلم سے اعمال واجبہ کی طرف نظر ہوتی ہے پس وہ اسی کے مطابق ان کی مدد کرتا ہے جو ان میں دیکھتا ہے اور لوح سے اعمال مستحبہ کی طرف نظر ہوتی ہے پس وہ اس کے مطابق ان کی مدد کرتا ہے جو ان میں دیکھتا ہے۔ اور عرش سے محظورات (ممنوعات) کی طرف نظر ہوتی ہے پس وہ ان کی مدد نہیں کرتا مگر رحمت کے ساتھ کیونکہ وہ اسم ''الرحمٰن'' کا محل استواء ہے۔ شیخ نے فرمایا: اسی لئے اگر اس کے لئے شقاوت سبقت نہیں کر چکی تو اس کا انجام رحمت ہوتا ہے۔ اور کرسی سے اعمال مکروہہ کی طرف نظر ہوتی ہے پس وہ اس کے مطابق ان کی مدد کرتا ہے جو ان میں دیکھے۔ لیکن کرسی کی رحمت عرش کی رحمت سے کم ہے۔ کیونکہ رحمت گناہ کے معیار کے مطابق عظیم ہوتی ہے۔ جبکہ مکروہ قباحت میں یقیناً حرام سے کم ہے پس اسی لئے کرسی کی رحمت ان سب کو عام ہے جو مکروہ فعل کرتے ہیں۔ اور عرش کی رحمت فعل حرام کے تمام مرتکبین کو عام ہے یا تو مہلت اور تخفیف کی رحمت یا دائمی رحمت۔ اور چونکہ کرسی ہماری سابقہ تقریر کے مطابق امر و نہی کے ظہور کا محل ہے اس لئے مکروہ اعمال کا ارتکاب کرنے والوں کے لئے عفو و درگزر میں جلدی کرتا ہے اسی لئے مکروہ کے فاعل کا مواخذہ نہیں کیا جاتا۔ اور اس کے تارک کو اجر دیا جاتا ہے۔ واللہ اعلم

لوح و قلم۔ کرسی و عرش کی تخلیق اور اس کی ترتیب

اگر تو کہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوح و قلم اور کرسی و عرش کو کیسے تخلیق فرمایا۔ اور اس میں سے پہلے کسے تخلیق فرمایا؟ اس کا جواب شیخ نے فتوحات کے ۱۳ ویں باب میں یہ دیا ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم اعلیٰ کو پیدا فرمایا۔ پس یہ تدوین و کتابت والے فرشتوں کا سر ہے۔ رہا لوح تو وہ قلم سے مشتق ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس قلم کے ۳۶۰ نو دندانے پیدا کئے ہیں۔ ہر نو دندانہ علوم اجمالیہ کی (۳۶۰) اصناف اخذ کرتا ہے پس اسے لوح میں تفصیل سے لکھتا ہے۔ پھر آپ نے فتوحات کے ۶۰ ویں باب میں ذکر فرمایا کہ یوم قیامت تک خلق کے ساتھ متعلق علوم قلم کی فروع کے اُصول کی مقدار وہ ہے جو کہ ۳۶۰ کو اسی کی مثل اصناف علوم کے ساتھ ضرب دینے سے حاصل ضرب نکلتا ہے۔ ایک علم زیادہ نہ کم۔ انتہی۔

اور آپ ۱۳ ویں باب میں فرماتے ہیں کہ جان لے کہ حق تعالیٰ نے جب قلم کے لئے تجلی فرمائی جبکہ وہ تعلیم وہبی کے محل میں تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس میں اپنی مخلوق میں جو کچھ ایجاد کرنے کا ارادہ تھا ڈال دیا بغیر حد کے۔ پس اسے ایجاد فرمایا۔ پس اس نے بذاتہ اس کے علم کو جو

کچھ ہونا تھا۔ اور حق تعالیٰ کے ان اسماء الہیہ کے علم کو جو اس عالم کے صادر ہونے کا مطالبہ کرنے والے ہیں۔ قبول کیا پھر اس قلم سے ایک دوسرا موجود نکالا۔ اسے لوح کا نام دیا۔ اور قلم کو حکم دیا کہ اس کی طرف اترے اور اس میں قیامت تک ہونے والا سب کچھ سپرد کر دے۔ اس کے سوا نہیں۔ پس لوح نے ان کا علم حاصل کیا۔ جب اسے قلم نے اس کے سپرد کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ظلمت محضہ یعنی خالص تاریکی ایجاد کی جو کہ بادل کے لئے اس کی تجلی بالنور کے مقابلہ میں ہے حتیٰ کہ اس میں ملائکہ کی صورتیں ظاہر ہوئیں۔ اور اگر یہ نور نہ ہوتا تو ان کے لئے صورت میں ظاہر نہ ہوتا۔ اور یہ تاریکی عدم مطلق کی منزل میں ہے جو کہ وجود مطلق کو قبول کرنے والی ہے۔ تو جیسے ہی اللہ تعالیٰ نے اس تاریکی کو ایجاد فرمایا اس پر اس نور سے فیض پہنچایا جو کہ بادل کے لئے متجلی ہوا۔ پس جسم ظاہر ہوا جسے عرش کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے۔ تو اس پر رحمٰن نے اسم "الظاہر" کے ساتھ استواء فرمایا۔ پس یہ عالم خلق میں سے اول ظاہر ہونے والا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس امتزاج یافتہ نور سے جو کہ سحری کی روشنی کی مثل تھا ملائکہ پیدا فرمائے جو کہ تخت کو گھیرے میں لئے ہوئے ہیں۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے **وترى الملائكة حافين من حول العرش يسبحون بحمد ربهم** (الزمر آیت ۷۵۔ اور آپ دیکھتے ہیں ملائکہ کو عرش کے اردگرد حلقہ باندھے کھڑے ہیں۔ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح پڑھ رہے ہیں) پھر اللہ تعالیٰ نے اس عرش کے اندر کرسی ایجاد فرمائی اور اس میں اس کی طبیعت کی جنس سے ملائکہ مقرر کئے۔ کیونکہ ہر فلک اس کی اصل ہے جو کچھ اس سے اسے آباد کرنے والوں میں سے پیدا کیا گیا جیسے عناصر اس میں جو اس سے اس کے آباد کرنے والوں میں سے پیدا کیا گیا۔ جیسے آدم کی خاک سے تخلیق کی گئی اور آپ کے اور آپ کے بیٹوں کے ساتھ زمین آباد کی گئی۔ پھر کرسی کے اندر افلاک پیدا کئے گئے۔ ایک فلک دوسرے فلک کے اندر۔ اس کے بعد ارواح کی تخلیق کی گئی۔ پھر غذاء پھر ہر مکلف کے لئے سعادت اور شقاوت میں مرتبہ مقرر کیا گیا۔ انتہی

لوح میں قیامت تک کا علم ہے

اگر تو کہے کہ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ حق تعالیٰ نے قلم سے فرمایا کہ قیامت تک میری خلق کے بارے میں میرا علم لکھ۔ پس مدت ذکر فرمائی۔ پس قیامت کے بعد ابدالاباد تک جو کچھ رونما ہوگا اس کا کیا حکم ہے؟ جواب یہ ہے یوم قیامت کے بعد خلق کے لئے جو کچھ رونما ہوگا وہ ان احکام کے تابع ہے جو کہ ان پر لوح محفوظ میں لکھے گئے۔ حتیٰ کہ ابدی شقاوت تاکہ ہر نفس کو اس کی کوشش کی جزا ابدالآباد تک دی جائے (**اقول وبالله التوفيق**۔ مذکور الصدر حدیث شریف سے پتہ چلا کہ قلم کو قیامت تک خلق کے متعلق علم الٰہی کا علم ہے۔ تب ہی تو لکھنے کا حکم دیا۔ نیز ذرا قریب ۱۳ ویں باب کے حوالے سے گزرا کہ قلم نے ایجادات اور ان کا مطالبہ کرنے والے اسماء الہیہ کا علم تجلی حق کی بدولت حاصل کیا۔ یہی ماکان اور مایکون کا علم ہے جو تجلی حق کی برکت سے قلم کو حاصل ہوا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے علم ماکان و مایکون کا نجدی خارجی انکار کرتے ہیں۔ جبکہ علم کی یہ وسعت قلم کو حاصل ہے اور لوح و قلم کا علم حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کا بعض حصہ ہے۔ چنانچہ امام شرف الدین الدولاصی البوصیری قدس سرہ اپنے شہرۂ آفاق قصیدہ بردہ میں رقم طراز ہیں۔ **فان من جودك الدنيا و ضرتها . ومن علومك علم اللوح والقلم**۔ یارسول اللہ! دنیا و آخرت آپ کی جود و سخا کا بعض حصہ ہیں اور علم لوح و قلم آپ کے علوم میں ایک حصہ ہے۔ چنانچہ اس کی شرح میں علامہ عمر بن احمد الخرپوتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں **قيل ان الله اطلعه عليه السلام على ماكتب القلم في الوح المحفوظ وزاده ايضا لان اللوح والقلم متناهيان فما فيهما متناه و يجوز احاطة المتناهي**

بالمتناهي۔ یہ بھی قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو اس پر مطلع فرمایا ہے جو کہ قلم نے لوح محفوظ میں لکھا اور اس سے زائد بھی علم عطا فرمایا۔ کیونکہ لوح و قلم متناہی ہیں اور ان میں جو کچھ ہے وہ متناہی ہے۔ اور متناہی کا احاطہ متناہی کے ساتھ جائز ہے۔ بلکہ یہاں شیخ زادہ فرماتے ہیں هذا علی قدر فهمك. واما من اكتحلت عين بصيرته بالنور الالهي فيشاهد بالذوق ان علوم اللوح والقلم جزء من علومه كما هي جزء من علم الله تعالىٰ۔ یعنی یہ تو تیرے فہم کے مطابق ہے ورنہ جس کی بصیرت کی آنکھ میں نور الٰہی کا سرمہ لگا ہے وہ ذوق کے ساتھ مشاہدہ کرتا ہے کہ لوح و قلم کے علوم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کا جزو ہیں جیسے آپ کے علوم اللہ تعالیٰ کے علم کا جزو ہیں۔ (شرح قصیدہ بردہ از علامہ خرپوتی و شیخ زادہ علیہما الرحمۃ ص ۲۱۹) بلکہ خود شیخ محی الدین بن عربی فرماتے ہیں کہ لوح محفوظ میں درج قیامت تک کے تمام حوادث پر اولیاء اللہ کو اطلاع ہے اور ان میں سے ایک میں ہوں۔ اور یہ ذرا آگے چل کر سوال و جواب کی صورت میں آ رہا ہے۔ جب اولیاء اللہ کا علم اس قدر وسیع کہ اس کی لوح و قلم تک رسائی ہے تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کی وسعتوں کی حد کون بیان کر سکتا ہے۔ عالمے کاموز کارش حق بود۔ علم او بس کامل مطلق بود۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ)

اور شیخ نے ۳۲۷ ویں باب میں فرمایا: اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں کتابت صرف امور دنیا کے ساتھ خاص فرمائی کیونکہ یہ متناہی ہیں۔ بخلاف امور آخرت کے۔ پس بیشک قلم ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا علم لکھنے پر قادر نہیں کیونکہ یہ لا متناہی ہیں اور جس کی مدت لا متناہی ہے وجود اس پر حاوی نہیں ہو سکتا۔ جبکہ کتابت وجود ہے۔

قلم اعلیٰ اور لوح محفوظ کے علاوہ بھی الواح واقلام ہیں اور ان کی تعداد

اگر تو کہے کہ قلم اعلیٰ کے ذکر کی تخصیص کی کیا وجہ ہے۔ کیا اس کے علاوہ بھی کوئی قلم ہے؟ تو اس کا جواب شیخ نے فتوحات کے ۳۱۶ ویں باب میں یہ دیا ہے کہ وہاں قلم اعلیٰ کے علاوہ اور اقلام اور لوح محفوظ کے علاوہ دیگر الواح ہیں جیسا کہ اس کی طرف اسراء کی حدیث میں اشارہ فرمایا کہ آپ نے فرمایا میں مستویٰ تک پہنچا جہاں میں نے اقلام کی آواز سنی۔ صریف کا معنیٰ آواز۔

اگر تو کہے کہ ان الواح اور اقلام کی تعداد کتنی ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ ان کی تعداد ۳۶۰ قلم اور ۳۶۰ الواح ہیں۔ اسے شیخ نے فتوحات کے اسی باب میں ذکر فرمایا جس کا ذکر ابھی پہلے گزرا۔ اور ان اقلام اور الواح کا مرتبہ قلم اعلیٰ اور لوح محفوظ سے کم تر ہے۔ اور یہ اس لئے کہ جو کچھ لوح محفوظ میں ہے وہ نہیں بدلتا۔ اسی لئے اسے محفوظ کہتے ہیں۔ یعنی محو سے محفوظ۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس میں جو کچھ لکھا ہے اسے محو نہیں فرماتا بخلاف ان اقلام اور الواح کے۔ پس بیشک یہ اقلام ہمیشہ محو و اثبات کی الواح میں وہ احکام لکھتی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ عالم میں ظاہر فرماتا ہے۔ جن کی طرف اس ارشاد پاک میں اشارہ فرمایا، يمحو الله مايشاء ويثبت (الرعد آیت ۳۹۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے مٹاتا ہے اور باقی رکھتا ہے)

شیخ نے فرمایا: اور رسل صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین پر انہیں الواح سے شرائع، صحائف اور کتب الہیہ نازل ہوئیں۔ اور اسی لئے ان میں نسخ داخل ہوا۔ بلکہ ایک شرع میں نسخ داخل ہوا۔ اور انہیں الواح کے محل کی طرف حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا لیلۃ الاسراء میں الواح اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان پانچ نمازوں کے بارے میں آنا جانا رہا۔ اور پانچ تک ان کا منتہیٰ تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے حضور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے ان نمازوں میں سے جنہیں چاہا محو فرما دیا جو کہ ان الواح میں لکھی تھیں۔ یہاں تک ان میں

پانچ باقی رہ گئیں۔ اور انہیں ادا کرنے والے کے لئے پچاس کا اجر باقی رکھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی فرمائی، **ما یبدل القول لدی** (ق۔ آیت ۲۹۔ میرے ہاں حکم بدلا نہیں جاتا) پس موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام نے پانچ کے بعد کسی تخفیف کے سوال کی طرف جزماً رجوع نہیں کیا جبکہ یہ در بار اطلاق سے علی سبیل العرض ہے۔

ذات حق اور تردد

شیخ فرماتے ہیں: اور انہیں الواح کی بارگاہ سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول نازل ہوا **ثم قضی اجلا و اجل مسمی عندہ** (الانعام آیت ۲۔ پھر مقرر کی میعاد اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک میعاد مقرر ہے) اور انہیں میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو اپنے بندۂ مومن کی موت کے وقت روح قبض کرنے کے بارے میں تردد سے موصوف فرمایا باوجودیکہ اللہ تعالیٰ نے ہی اس پر اس کا فیصلہ فرمایا۔ یہ رحمتی سبقت غضبی (میری رحمت میرے غضب سے سبقت کر گئی) کے دستور پر ہے۔ شیخ نے فرمایا: اسی حقیقت الٰہیہ سے جسے تردد سے کنایۃً بیان کیا گیا امر میں تردد کونی میں اس کا سریان اور اس میں حیرت کا حصول ہوتا ہے۔ اور یہ اس لئے کہ انسان کسی کام کے متعلق جب اپنے نفس میں تردد محسوس کرتا ہے کہ اسے کرے یا نہ کرے۔ اور یہ حال اسے لاحق رہتا ہے یہاں تک کہ امور حاصل کرنے کا واقعہ رونما ہو جاتا ہے اور تردد زائل ہو جاتا ہے۔ تو یہ امر واقع وہی ہے جو ان تردد آمیز امور سے لوح محفوظ میں باقی رہا۔ اور اسی کی طرف محو و اثبات کی الواح کا امر بھی ختم ہوتا ہے۔

اور اس کی وضاحت یہ ہے کہ لوح محو میں لکھنے والا قلم کوئی سا امر لکھتا ہے۔ اور یہ اس اندیشے کا وقت ہے جس میں بندے کے لئے وہ کام کرنے کا کھٹکا پیدا ہوتا ہے۔ پھر وہ کتاب مٹا دی جاتی ہے پس اس شخص سے وہ اندیشہ زائل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہاں یہ اس لوح سے ایک لطیف اثر ہے جو اس شخص کے نفس کی طرف جہان غیب سے پہنچتا ہے۔ پس بیشک ان الواح سے نفوس کی طرف لطیف اثرات حدوث کتابت سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور اس کے محو ہونے کی وجہ سے منقطع ہو جاتے ہیں۔ پس جب قلم اس کتابت کو اپنی جگہ سے مٹا ہوا دیکھتا ہے تو اس کی جگہ اس امر کے ساتھ متعلق دوسرا فعل اور لکھ دیتا ہے۔ پس اس کتابت سے ایک لطیف اثر اس شخص کے نفس تک پہنچتا ہے جس کی خاطر یہ لکھا گیا پس اس شخص کے دل میں وہ خیال پیدا ہوتا ہے جو پہلے کی نقیض ہے۔ پھر اگر حق تعالیٰ اسے باقی رکھنے کا ارادہ فرمائے تو اسے محو نہیں فرماتا۔ تو جب وہ باقی رہے تو وہ لطیف اثر اس شخص کے قلب کے ساتھ متعلق رہتا ہے۔ تاکہ وہ فعل کرے یا اسے ترک کرے اسی کے مطابق جو کہ لوح میں ہے۔ تو جب اس نے وہ کام کیا یا اس کے ترک پر قائم رہا اور اس کا فعل گزر گیا تو اللہ تعالیٰ اس کام کو اس کے محکوم بالفعل ہونے سے مٹا دیتا ہے۔ اور اسے عمل حسن یا قبیح کی صورت میں اس اندازے پر جو کہ ہے ثابت رکھتا ہے جس کے محو و اثبات کے ساتھ یہ اقلام جاری رہتی ہیں۔ پس لوح محفوظ میں اس محو کا اثبات ہے جو کہ ان الواح میں ہے اور اثبات کا اثبات۔ اور وقوع حکم اور دوسرے حکم کے پیدا کرنے کے وقت اثبات کا محو ہے۔ پس وہ محو سے پاک لوح ہے۔ اسی لئے اسے لوح محفوظ کہتے ہیں یعنی محو سے۔ جیسا کہ گزر چکا۔

اگر تو کہے کہ کیا اعمال کی طرح ذوات میں محو داخل ہوتا ہے؟ تو اس کا جواب جیسا کہ سیّدی علی الخواص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یہ ہے کہ ذوات میں محو داخل نہیں ہوتا۔ یہ صرف احوال و اعمال کے ساتھ خاص ہے جیسا کہ یہ حدیث اس کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ تم میں سے ایک شخص اہل جنت کے سے عمل کرتا ہے الخ (اسے الجامع الصغیر میں ان الفاظ سے نقل کیا گیا ''**فان الرجل منکم لیعمل بعمل**

اھل الجنة حتی ما یکون بینه و بینھا الاذراع فیسبق علیه الکتاب فی عمل بعمل اھل النار فیدخل النار ''یعنی تم میں سے کوئی اہل جنت کے سے عمل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کے اور جنت کے درمیان ہاتھ بھر فاصلہ رہ جاتا ہے کہ کتاب سبقت کرتی ہے پس وہ جہنمیوں کے سے عمل کرنے لگتا ہے پس جہنم میں داخل ہو جاتا ہے'' (پناہ بخدا)

لوح محفوظ است پیش اولیاء

اگر تو کہے کہ کیا اولیاء میں سے کسی کو ان حوادث پر اطلاع ہے جو قلم اعلیٰ نے لوح میں یوم قیامت تک لکھے ہیں؟ اس کا جواب شیخ نے ۱۹۸ ویں باب میں دیا ہے کہ ہاں۔ اور فرماتے ہیں کہ میں ان میں سے ہوں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس پر اطلاع بخشی ہے۔

لوح محفوظ میں درج آیات اور ام الکتاب کے بنیادی علوم کی تعداد

اگر کہا جائے: لوح میں درج کتب الٰہیہ کی آیات کی تعداد کتنی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے رسل علیہ الصلوۃ والسلام پر اترنے والی آیات کی تعداد لوح میں دو لاکھ انہتر ہزار دوسو آیات ہے (۲۶۹۲۰۰) یہ تعداد شیخ محی الدین نے اس باب میں ذکر کی ہے جو ابھی پہلے گزرا۔ اور فرماتے ہیں: یہ وہ تعداد ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے ہمیں مطلع فرمایا ہے۔

اگر تو کہے: کیا اولیاء میں سے کسی کو ام الکتاب جو کہ امام مبین ہے کے بنیادی علوم پر اطلاع بخشی گئی ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ ہاں اللہ تعالیٰ اس پر اپنے بندوں میں سے جسے چاہے اطلاع دیتا ہے۔ شیخ محی الدین ۲۲ ویں باب میں فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے طریق کشف سے جو'' مجھے اطلاع بخشی ہے یہ ہے کہ ام الکتاب کے بنیادی علوم کی تعداد ایک لاکھ انتیس ہزار چھ سو، اقسام پر ہے۔ ان میں سے ہر قسم بے شمار علوم پر مشتمل ہے۔ انتہی

(اقول وباللہ التوفیق۔ الفاظ عبارت کے اختلاف سے لوح محفوظ کی تحریر کے تبدیل ہونے کے متعلق اکثر صوفیاء بلکہ سب اہل اللہ متفق ہیں مگر اس میں تفصیل ہے۔ یہاں ماقبل میں شیخ اکبر کے حوالے سے یہ فرمایا کہ لوح محفوظ میں لکھا نہیں بدلتا اس کے علاوہ دیگر الواح جن کی تعداد شیخ اکبر کے مطابق ۳۶۰، میں لکھا ہوا محو و اثبات سے متاثر ہوتا ہے۔ جبکہ دیگر اکابر نے اسے یوں بیان فرمایا ہے کہ قضاء کی دو قسمیں ہیں۔ قضائے مبرم اور قضائے معلق۔ قضائے مبرم نہیں بدلتی جبکہ قضائے معلق بدل جاتی ہے۔ یہاں مزید وضاحت کے لئے مکتوبات امام ربانی دفتر اوّل حصہ سوم مکتوب ۲۱۷ ص ۱۴۱ کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو جس کا ترجمہ یہ ہے'' اللہ تعالیٰ تجھے رشد و ہدایت پر رکھے کہ قضا کی دو قسمیں ہیں قضائے معلق۔ قضائے مبرم۔ قضائے معلق میں تغیر و تبدیل کا احتمال ہے۔ جبکہ قضائے مبرم میں تغیر و تبدیل کی مجال نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے مایبدل القول لدی۔ میرے ہاں قول بدلتا نہیں۔ یہ قضائے مبرم میں ہے جبکہ قضائے معلق کے متعلق فرمایا یمحو اللہ ما یشاء ویثبت وعندہ ام الکتاب۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہے مٹا دیتا ہے اور باقی رکھتا ہے اور اس کے پاس ام الکتاب ہے۔ حضرت قبلہ گاہی (آپ کے پیر و مرشد خواجہ باقی باللہ) قدس سرہ فرماتے تھے کہ حضرت سیّد محی الدین جیلانی قدس سرہ نے اپنے بعض رسائل میں لکھا ہے کہ قضائے مبرم کے متعلق کسی کی مجال نہیں کہ اسے بدل سکے سوائے میرے۔ کہ اگر چاہوں تو وہاں بھی تصرف کر سکتا ہوں۔ اور آپ اس بات سے بہت تعجب کیا کرتے تھے۔ کہ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔ اور یہ بات مدتوں اس فقیر کے ذہن میں رہی حتیٰ کہ حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ نے اس نعمت عظمیٰ سے مشرف فرمایا۔ ایک دن میں ایک مصیبت کے دفعیہ کے در پے تھا جو کہ دوستوں

میں سے بعض کے لئے نامزد ہو چکی تھے۔ اس وقت میں نہایت زاری اور خشوع میں تھا کہ (بطریق کشف والہام) ظاہر ہوا کہ اس امر کا فیصلہ کسی دوسرے امر کے ساتھ معلق نہیں ہے۔ نہ ہی کسی شرط کے ساتھ مشروط۔ ایک گونہ مایوسی ہوئی۔ اچانک حضرت سیّد محی الدین قدس سرہ کی بات یاد آ گئی۔ دوبارہ زاری اور عاجزی میں مصروف ہو گیا۔ نہایت عجز و نیاز کے ساتھ متوجہ ہوا کہ محض فضل و کرم سے مجھ پر ظاہر کیا گیا کہ قضاء معلق کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ قضاء ہے جس کا معلق ہونا لوح محفوظ میں ظاہر کیا گیا ہے اور اس پر فرشتوں کو اطلاع دی گئی ہے۔ دوسری قضاء وہ ہے جس کا معلق ہونا صرف اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے۔ اور وہ لوح محفوظ میں قضاء مبرم کی صورت رکھتی ہے۔ اور قضاء کی یہ آخری قسم بھی پہلی قسم کی طرح تبدیلی کا احتمال رکھتی ہے۔ اس وقت پتہ چلا کہ حضرت سیّد عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کا قول اس آخری قسم کے متعلق ہے جو کہ قضاء مبرم کی صورت پر ہے۔ نہ اس قضاء کے متعلق جو کہ حقیقتاً مبرم ہے۔ کہ اس میں عقلاً اور شرعاً تصرف اور تبدیلی محال ہے جیسا کہ مخفی نہیں۔ اور حق بات یہ ہے کہ اس قضاء کی حقیقت پر کم لوگوں اطلاع ہے۔ تو وہاں تصرف کیسے کر سکتا ہے۔ اور وہ مصیبت جو اس دوست کی طرف متوجہ تھی اسے اس آخری قسم میں پایا اور معلوم ہوا کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے اسے دور فرما دیا''

پتہ چلا کہ صوفیاء کی دونوں جماعتیں ایک قسم کی قضاء کی تبدیلی کی قائل ہیں۔ البتہ حضور سیّدی والی بغداد غوث پاک رضی اللہ عنہ اسے معلق اور شبیہہ بالمبرم قرار دیتے ہیں جیسا کہ حضرت مجدد قدس سرہ نے وضاحت فرمائی جبکہ شیخ اکبر رضی اللہ عنہ اس کی تقسیم یوں فرماتے ہیں کہ جو دیگر الواح میں دیگر اقلام کے ساتھ مرقوم ہے اس میں تبدیلی ہوتی ہے اور جو قلم اعلیٰ کے ساتھ لوح محفوظ میں درج ہے اس میں تبدیلی نہیں ہوتی۔

نیز بحوالہ ترمذی مشکوٰۃ کتاب الدعوات میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
لا یرو القضاء الا الدعاء ۔یعنی قضا کو کوئی چیز رد نہیں کرتی مگر دعا۔ یہاں چند ایک توجیہات ذکر کرنے کے بعد اشعۃ اللمعات میں حضرت شیخ محقق قدس سرہ فرماتے ہیں کہ یہ توجیہات سب کی سب تکلف ہے۔ تحقیق معنی یہ ہے کہ قضاء سے مراد وہ قضاء ہے جس کا رد ہونا اس دعا کے ساتھ معلق ہے۔ اور اسے اس کا سبب قرار دیا گیا ہے کیونکہ قضا سبب اور مسبب کے منافی نہیں ہے۔ اور یہ سب قضا ہے۔ اور قضاء میں پہلے گزر چکا ہے کہ یہ چیز اس سبب کے ساتھ ہوگی اور فلاں سبب سے مندفع ہو جائے گی۔ ۔

مدینے کے گدا دیکھے ہیں دنیا کے امام اکثر
بدل دیتے ہیں تقدیریں محمد کے غلام اکثر

بعض اہل نسبت نے یوں کہا ہے:

نگاہ ولی میں وہ تاثیر دیکھی
بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

نیز مذکور الصدر تصریحات صوفیاء کے مطابق واضح ہوا کہ اہل اللہ کی دعاؤں سے تقدیر بدل جاتی ہے۔ اور اس میں شرک کا قطعاً کوئی شائبہ نہیں۔ کہ ذات حق کا فیصلہ ہی اسی طرح ہے۔ اولیاء اللہ کا تصرف شان الوہیت کے مقابل اور محاذی نہیں بلکہ ذات حق کے تصرف اور حاکمیت کا مظہر اور پرتو سیں ہے۔ بے توفیق نجدیوں نے اسے اس کا مقابل جان کر شرک کا فیصلہ خارج کیا۔ یہیں تک بس نہیں بلکہ عقیدہ توحید کی برائے نام اور خانہ ساز حمایت میں اسماعیل دہلوی نے اپنی رسوائے زمانہ کتاب تقویۃ الایمان میں یہاں لکھ دیا کہ ''رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ عقیدہ توحید کی اشاعت کے لئے سید الرسل صلی اللہ علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی عظمت بیان کی جائے نہ کہ تنقیص

کی جائے۔آپ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حبیب میں شریک نہیں ہیں۔ یہاں تفسیر ضیاء القرآن ج ا ص ۲۰۵ کا ایک قابل توجہ اور پر مغز اقتباس نقل کر کے بات ختم کرتا ہوں۔ ''حضرت سیدنا عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو لوگوں نے خدا کا بیٹا کہا ثالث ثلاثہ (تین خداؤں سے ایک) کہا۔ ان کی والدہ کو خدا کی جورو کہا۔ جو سراسر توحید و تنزیہہ باری کے خلاف ہے۔ قرآن جو توحید کا سب سے بڑا مبلغ اور داعی ہے اس نے ان کے اس باطل عقیدہ کی تکذیب کی اور اس کے بطلان کو آشکارا کر دیا۔ لیکن کس طرح؟ کیا حضرت مسیح کی تنقیص کر کے، کیا ان کی شان گھٹا کر۔ کیا ان کے معجزات کا انکار کر کے۔ کیا احترام نبوت کو پس پشت ڈال کر؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ ان کے تقدس کا ذکر فرمایا ان کی محیر العقول پیدائش کو بیان کیا۔ ان کے محیر العقول معجزات کو بڑی شان سے پیش کیا کہ وہ باذن الٰہی مردوں کو زندہ۔ اندھوں کو بینا کرتے ہیں۔ لوگوں کے گھروں میں رکھی ہوئی چیزوں کو جانتے ہیں اور جو کچھ وہ کہیں بیٹھ کر کھاتے ہیں انہیں ان کا علم ہے۔ غرضیکہ توحید کے اثبات کے وقت بھی پیغمبر کے منصب رفیع کو گھٹایا نہیں۔ تو اب وہ لوگ جو اپنے زعم باطل کے مطابق مسلمانوں کو مشرک تصور کرتے ہوئے انہیں توحید کا درس دیتے وقت حضور فخر موجودات، مصدر کمالات، نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رفیع میں بے باکیاں کرتے ہیں اور حضور کی ذات اقدس واطہر کے کمالات علمی اور عملی کو گھٹانا اپنے فن خطابت کی معراج خیال کرتے ہیں۔ وہ خود سمجھ لیں کہ کیا وہ قرآن کا اتباع کر رہے ہیں یا اس کے اسلوب سے سراسر انحراف کر رہے ہیں؟ انتہی (محمد محفوظ الحق غفرلہ ولوالدیہ ولاولادہ)

ازل کا مفہوم

اگر تو کہے کہ اہل عقائد کے اس قول سے کیا مراد ہے کہ سعید وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ازل میں سعید لکھا۔ جبکہ شقی وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ازل میں شقی لکھا۔ کیا یہ مذکورہ کتابت لوح محفوظ میں ہے یا اس کے غیر میں۔ اور ازل کیا زمان کا غیر ہے یا ایسا زمان حق تعالیٰ کے لائق ہے جو عقل میں نہیں آتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد ام الکتاب ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ کا قول ہے۔ پس ازل سے مراد وہ ہے جس میں تغیر و تبدل داخل نہیں ہوتا۔ اور ترمذی کی حدیث میں ہے تیرا رب بندوں سے فارغ ہو چکا ایک گروہ جنت میں اور دوسرا فریق جہنم میں۔ اور ہمارے شیخ الشائخ شیخ کمال الدین بن ابی شریف نے فرمایا: ازل سے ان کی مراد وہ ہے جس میں فرشتے انسان میں روح پھونکنے کے وقت اس کا رزق۔ اجل اور اس کا شقی یا سعید ہونا لکھتے ہیں۔ اور ان صحف میں جو کچھ لکھا ہے اس کی طرف تبدیلی کی راہ پانے میں کوئی مانع نہیں ہے۔ کہ اس میں سعادت اور شقاوت اس چیز پر معلق ہے کہ فرشتہ نہیں جانتا کہ ''واقع ہو گی یا نہیں۔ اس کے باوجود کہ اللہ تعالیٰ اس کے وقوع یا اس کے عدم میں سے جو ہوگا اسے جانتا ہے۔ انتہی۔

(۱) شعرانی فرماتے ہیں کہ اس میں اس کی تائید ہے جو ہم نے اہل کشف کے نزدیک محو و اثبات کی ۳۶۰ الواح کے متعلق پہلے بیان کیا ہے۔ شاید متکلمین کی زبان میں صحف سے مراد یہی ہیں۔

اگر تو کہے کہ کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ حق تعالیٰ نے ازل میں کلام فرمایا جیسا کہ یہ بعض کا مذہب ہے؟ تو اس کا جواب شیخ محی الدین نے اپنی بعض کتابوں میں یہ دیا ہے کہ یہ نہیں چاہئے۔ کہ ذہن عقل میں آنے والے زمان کی طرف چلا جاتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ زمانوں میں کہنے یا مقدر فرمانے سے منزہ ہے کیونکہ زمان مخلوق ہے اور تقدیر قدیم ہے۔ پس سمجھ لے۔ انتہی

تورات میں تغیر وتبدل کی کیفیت

اگر کہا جائے تورات کے لئے تبدیل وتغیر کیونکر ہوئی اس کے باوجود کہ وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تورات اپنے ہاتھ سے لکھی۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ تورات میں فی نفسہا کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی۔ یہ تو ان کے تورات کو لکھنے اور بولنے میں لاحق ہوئی۔ تو ایسی تبدیلی کی کلام الٰہی کی طرف نسبت مجازاً ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ **یحرفونہ من بعد ما عقلوہ وھم یعلمون** (البقرہ آیت ۷۵ اے خوب سمجھ لینے کے بعد جان بوجھ کر بدل لیتے ہیں) پس وہ جانتے تھے کہ ان کے نزدیک کلام الٰہی معقول ہے لیکن انہوں نے اس کا ترجمہ کرتے وقت اس کے خلاف ظاہر کیا جو کچھ ان کے سینوں اور ان پر اتارے گئے مصحف میں تھا۔ پس بیشک انہوں نے اسے نہیں بدلا مگر اصل سے اسے لکھتے ہوئے۔ جبکہ انہوں نے اصل کو اسی طرح باقی رکھا جیسے وہ تھا تاکہ ان کے لئے اور ان کے بعد کے علماء کے لئے علم باقی رہے۔

آدم علیہ السلام اور ان پر اقدار کا جاری ہونا

اگر کہا جائے کہ حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دست (قدرت) سے بنایا۔ اس کے باوجود مخالفت سے ان کی حفاظت نہ کی گئی۔ اور دو ہاتھوں کے سامنے ایک ہاتھ کا کیا مرتبہ اگر تم دو ہاتھ حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام کے متعلق انتہائی توجہ سے کنایہ قرار دیتے ہو؟ تو جواب یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام کی اقدار کے جاری ہونے سے حفاظت صرف اس لئے نہیں کی گئی کہ وہ عبد ہیں۔ اور اقدار کا جاری ہونا تو ہے ہی اسی پر۔ کیونکہ یہ اس کا محل اعظم ہے۔ رہا اللہ تعالیٰ کا کلام تو اسے اللہ تعالیٰ کا حکم ہونے کی وجہ سے بچایا گیا۔ اور اشیاء میں اللہ تعالیٰ کا حکم غیر مخلوق ہے کہ اس سے معصوم ہے بخلاف آدم کے۔ وہ اللہ کا حکم نہیں۔

مویشیوں پر شدت توجہ نہ ہونے کی وجہ

اگر تو کہے کہ جب دونوں ہاتھوں کے ساتھ آدم کی تخلیق سے مراد غیر کے مقابلے میں آپ پر زیادہ توجہ ہے تو مویشیوں کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ جمع کا صیغہ ارشاد فرمایا مما عملت ایدینا۔ تو جب تو حق تعالیٰ کی ان پر توجہ آدم علیہ السلام سے بھی زیادہ ہوئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آدم پر دو ہاتھوں کی توجہ مویشیوں پر زیادہ ہاتھوں کی توجہ کی بہ نسبت زیادہ قوی ہے۔ کیونکہ تثنیہ مفرد اور جمع کے درمیان کا درجہ ہے۔ پس اس کے لئے اس حیثیت سے قوت اور توانائی ہے کہ جمع تک اس کے ساتھ رسائی ہو سکتی ہے اور مفرد سے صرف اس کی طرف منتقل ہو سکتے ہیں۔

اسم حق تعالیٰ

اگر تو کہے کہ حق تعالیٰ نے اپنی ذات کو دہر کے ساتھ کیسے موسوم فرمایا باوجود یکہ خلق کے نزدیک دہر سے زمان ہی سمجھتا جاتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں دہر سے مراد ازل وابد ہیں جو کہ اوّل وآخر ہیں اور یہ دونوں بلاشک وشبہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہیں۔ پس بیشک اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو اوّل فرمایا لیکن اس اوّلیت کے ساتھ نہیں جس پر ان اولیات کی طرح حکم لگایا جاتا جن سے پہلے عدم ہے۔ کیونکہ یہ حق تعالیٰ کے حق میں محال ہے۔ اور اسی طرح آخر کے متعلق قول ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ آخر ہے اس آخرت کے ساتھ نہیں جس پر اس کے اسم اوّل کی طرح حکم لگایا جاتا ہے۔

دھریوں کے کفر کی وجہ

اگر تو کہے کہ پھر اس تقدیر پر دہریوں کے کفر کیا کیا وجہ ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ ان کے کفر کی وجہ ان کا اس دہر میں جسے انہوں نے الہ گردانا یہ سمجھنا ہے کہ وہ زمان فلکی ہے۔ کیونکہ فلکی کی اللہ تعالیٰ کے اس زمان کے سامنے کوئی حقیقت نہیں جو کہ عقل میں نہیں آتا۔ اور اگر دہر کے متعلق وہ عقیدہ رکھتے جو ہم نے ذکر کیا ہے تو کافر نہ ہوتے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں دہر ہوں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

بیسویں بحث

میثاق بنی آدم کی صحت کا بیان اور معتزلہ کا رد

بہ وہ حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام کی پشت میں تھے۔ اے بھائی! جان لے کہ معتزلہ نے اس عہد اور میثاق کا انکار کیا ہے اور ان کا ماننا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول **واذ اخذ ربك من بنی آدم من ظهورهم ذريتهم** (الاعراف آیت ۱۷۲ اور یاد کرو جب آپ کے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکالا) سے مراد یہ ہے کہ ان کے بعض کو بعض کی پشت سے تناسل فی الدنیا کے ذریعے قیامت تک نکالا۔ اور یہ کہ یہاں حقیقتاً کوئی عہد اور میثاق لینا متحقق نہیں ہے۔ اور یہ کہ عہد و میثاق سے مراد رسل علیہم السلام کو بھیجنا۔ عقل و فکر کا طلب کرتا ہے اور استدلال خطاب کا عبد کی طرف متوجہ کرنا ہے۔ اور اس مذہب میں جو خطاء اور غلطی ہے وہ مخفی نہیں ہے۔ اور معتزلہ کے لئے یہ قول کیونکر درست ہوسکتا ہے جبکہ حشر ونشر کے اثبات میں اعتقاد کا زیادہ حصہ اسی مسئلہ پر مبنی ہے۔ اور جو کچھ میرے لئے ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے اس بحث کے مسائل کی گہرائی اور ان پر اس کے معانی کی دقت سے فرار اختیار کرتے ہوئے اس کا انکار کیا ہے۔ پس انہوں نے علم کے بدلے جہالت کو پسند کیا۔ جبکہ حق یہ ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے حقیقتاً آدم علیہ الصلوۃ والسلام کی پشت میں ان پر عہد لیا کیونکہ ہر چیز پر قادر ہے۔

عہد لینے کا مکان

اگر کہا جائے کہ یہ عہد کس جگہ لیا گیا؟ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کے مطابق یہ وادی نعمان میں تھا جو کہ عرفہ کے پہلو میں ایک وادی ہے۔ اور بعض نے کہا کہ سرزمین ہند میں سرندیپ کے مقام پر تھا۔ اور یہ وہ جگہ ہے جہاں حضرت آدم علیہ السلام جنت سے اترے۔ کلبی کہتے ہیں کہ اخذ عہد مکہ وطائف کے درمیان تھا جبکہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا عہد و میثاق جنت میں رونما ہوا۔ اور یہ تمام احتمالات قریب ہیں۔ میثاق لینے کے بارے صحیح عقیدے کے بعد جگہ متعین کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہے۔

پشت آدم سے انہیں نکالنے کی کیفیت

اگر کہا جائے: انہیں آپ کی پشت سے نکالنے کی کیفیت کیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ حدیث پاک میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کی پشت پر مسح فرمایا اور ان کی ساری اولاد کو چیونٹی کی طرح باہر نکالا۔ پھر لوگوں نے اختلاف کیا کہ کیا آپ کی پشت شق کر کے انہیں اس میں

سے نکالا یا انہیں آپ کے سر کے بعض سوراخوں سے نکالا۔ جبکہ یہ دونوں وجوہ بعید ہیں۔ اور زیادہ قریب شیخ ابوطاہر القزوینی کا یہ قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں آپ کی پشت کے بالوں کے مسام سے نکالا کیونکہ ہر بال کے نیچے ایک دقیق سوراخ ہے۔ کہا جاتا سوئی کے ناکے کی طرح۔ اور اس کی یعنی سم کی جمع مسام ہے اور اس سوراخ سے چھوٹی چیونٹی کا نکلنا ممکن ہے۔ جیسے کہ اس سے بہنے والا پسینہ نکلتا ہے۔ اور یہ عقلاً بعید نہیں۔ پس یہ اعتقاد واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی پشت سے اولاد نکالی جیسے چاہا۔ اور آپ کی پشت کے مسح کا معنی یہ ہے کہ اس نے اپنے بعض ملائکہ کو مسح کا حکم دیا پس اسے اپنی ذات کی طرف منسوب فرمایا۔ جیسے کہ کہا جاتا ہے کہ سلطان نے فلاں شہر کی مٹی کی مسح کا کیا حالانکہ اس کا مسح صرف اس کے کارندوں نے کیا۔ پس بیشک رب سبحانہ و تعالیٰ مس کر کے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت کے مسح سے پاک ہے کیونکہ حادث اور قدیم میں اتصال درست نہیں۔

بلیٰ کہنے کی کیفیت اور دیگر تفصیلات

اگر کہا جائے کہ انہوں نے بلیٰ کہہ کر اسے کیسے جواب دیا۔ کیا زندہ اور ارباب عقل تھے یا انہوں نے یہ قول زبان حال سے کہا؟ جواب یہ ہے کہ صحیح یہ ہے کہ ان کا جواب زبان قال سے تھا اور وہ زندہ تھے۔ کیونکہ از روئے عقل یہ محال نہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں صغیر ہونے کے باوجود حیات، عقل اور قوت گویائی عطا فرما دے کیونکہ اس کی قدرت کے سمندر وسیع ہیں اور ہر مسئلہ اگر وہ ثابت ہو تو اس کے بارے میں انتہائی کوشش اس کا جواز ہے اور اس کی کیفیت ہم اللہ تعالیٰ کے سپرد کریں گے۔ اگر کہا جائے کہ جب سب نے بلیٰ کہا تو پھر اللہ تعالیٰ نے کسی قوم کو قبول اور کسی کو رد کیوں فرمایا؟ اس کا جواب حکیم ترمذی نے یہ دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے لئے ہیبت کے ساتھ تجلی فرمائی تو انہوں نے ڈرتے ہوئے بلیٰ کہا تو منافقوں کے ایمان کی طرح انہیں ان کے ایمان نے نفع نہ دیا۔ جبکہ ایمان والوں کے لئے رحمت کے ساتھ تجلی فرمائی تو انہوں نے خوش دلی سے بلیٰ کہا۔ پس ان کے ایمان نے انہیں نفع بخشا۔

اور کہا گیا ہے کہ اصحاب یمین نے حقیقتاً بلیٰ کہا۔ پس ان کی آواز اہل شمال کی طرف لوٹی جبکہ وہ خاموش تھے۔ اور یہ ان کے لئے پہاڑوں کی گھاٹیوں اور خالی غاروں میں آواز لوٹنے کی طرح تھا جسے صدائے بازگشت کہتے ہیں۔ اور اس وقت زمین کی فضا آوازوں سے خالی تھی کیونکہ آدم کے سوا زمین میں کوئی نہ تھا۔ اور وہ تو صرف پہلی آواز کی حکایت تھی اور اس کی کچھ حقیقت نہیں۔ اور شیخ ابوطاہر القزوینی نے اس میں طویل گفتگو فرمائی۔ پھر فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ اصحاب شمال کا بلیٰ کہنا سوال کے مطابق تھا۔ اور یہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے ان کے رب کے متعلق سوال فرمایا۔ ان کے الٰہ اور ان کے معبود کے متعلق نہیں۔ اور وہ اس وقت شرعی تکالیف کے زمانے میں نہیں تھے۔ وہ تو صرف تخلیق کی حالت میں تھے۔ اور تربیت وہ فطرت ہی ہے۔ پس ان سے فرمایا الست بربکم؟ انہوں نے بلیٰ کہا۔ کیونکہ اس وقت ان کی تربیت کا مشاہدہ ہو رہا تھا۔ پس اس میں ان سب نے سچ کیا۔ پھر جب شرعی تکلیف اور اپنے علم سابق کے مطابق ہر کسی کی سعادت اور شقاوت کے خدائی فیصلہ کے زمانے میں آپہنچے تو ان میں کسی نے قبول الٰہیت میں اپنے اقرار اول کے مطابق عقیدہ اختیار کیا اور کسی نے مخالفت کی۔ اور اگر اللہ تعالیٰ انہیں فرماتا۔ الست باحد؟ یعنی کیا میں احد نہیں ہوں اور وہ بلیٰ کہتے تو کسی کے لئے اس کا شریک ٹھہرانا صحیح نہ تھا پس اسے سمجھ لے۔

عہد الست ہمیں یاد کیوں نہیں؟ جنہیں یاد ہے

اگر کہا جائے کہ جب ہمارے لئے اس جیسا عہد و میثاق سابقاً گزر چکا تو آج ہمیں یہ یاد کیوں نہیں؟ تو جواب یہ ہے کہ یہ ہمیں اس لئے یاد نہیں کہ وہ فطرت گزر چکی۔ اور آباء و اجداد کی پشتوں اور ماؤں کے رحموں میں صدیاں گزرنے کی وجہ سے انسان بدل چکا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس فطرت میں اجزاء کثیرہ بڑھادیئے۔ پھر اس پر وارد ہونے والے مختلف احوال میں جو کہ خون کا لوتھڑا۔ گوشت کا ٹکڑا۔ گوشت اور ہڈی ہے میں پھرنے کی وجہ اس کی حالت بدل گئی جس کی وجہ سے وہ فطرت نسیان میں گرگئی۔ اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بیشک مجھے وہ عہد یاد ہے جو مجھ سے میرے رب نے لیا اور میں انہیں پہنچانتا ہوں جو اس وقت میرے دائیں جانب اور بائیں جانب تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں اخذ میثاق کی خبر صرف یاد دلانے اور ہم پر الزام حجت کے لئے دی ہے۔ ہمیں خبر دینے کا صرف یہی فائدہ ہے اور کچھ نہیں۔ اور اسی طرح اسی سے ملتا جلتا قول سہل بن عبداللہ التستری سے ہمیں پہنچا ہے۔ کہ آپ فرماتے ہیں کہ میں الست ربکم کے دن سے اپنے مریدوں کو پہنچانتا ہوں اور پشتوں میں ان کی تربیت میرا ہمیشہ کا وظیفہ رہا یہاں تک کہ وہ اس زمانے میں مجھ تک پہنچ گئے۔ (اقول و باللہ التوفیق۔ حضرت مولائے کائنات علی شیر خدا کرم اللہ وجہہ اور سہل بن عبداللہ التستری کے مذکورہ فرمودات سے اہل اللہ کی وسعت علمی کا پتہ چلتا ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنی قدرت کاملہ اور حکمت نابغہ کے ساتھ عقل کی قائم کردہ حدوں سے وراء اولیاء اللہ۔ مقربین مخلصین کو اپنے کرم سے نوازتا ہے کہ یہ مقربین ابھی کتم عدم سے ظہور پذیر نہیں ہوئے لیکن ان کی روحانیتوں کو علم سے نوازا گیا۔ لہٰذا اولیاء اللہ کے علوم کو اپنی ناقص عقل اور بے کار فہم پر تولنے والے حقیقت سے کہیں دور ہیں۔ اور ان پر یہ تمام نوازشات اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کریم نبی عظیم علیہ التحیۃ والتسلیم کے ذریعے فرمائی ہیں کیونکہ اولیاء اللہ کی کرامات دراصل رسول علیہ السلام کی شان اعجاز کا عکس جمیل ہوتا ہے۔ درخت اپنے پھل سے اور پودا اپنے پھول سے پہنچانا جاتا ہے۔ تو معلوم کرلو کہ جن کے پروردگان نگاہ کرم کی عظمت یہ ہے اس رسول اعظم نبی مکرم ﷺ کے علوم و فیوض کو کس طرح تولا اور ماپا جاسکتا ہے۔

یہ تو اولیاء اللہ ہیں۔ حضرات انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی آپ کے فیوض سے ہی مستفیض اور آپ کے انوار سے ہی مستنیر ہیں۔ چنانچہ شیخ السید احمد عابدین دمشقی جو کہ خاتم المحققین السید محمد عابدین صاحب فتاویٰ شامی کے بھتیجے ہیں مولد ابن حجر کی شرح میں فرماتے ہیں، وهم صلوات الله عليه و عليهم صور تفصيله و خلفاء ه و مظاهر تعيناته فما منهم الاوهو سابح في نوره و مستمد من بحره كل على حسب مقامه و كل خير و بركة قلت او جلت فمنه حصلت وبطلعته ظهرت و عنه صلى الله عليه وسلم امند الوجود كله كما امندت الشجرة من البزره فهو صلى الله عليه واله وسلم اصل الوجود و اقرب موجوده و يعسوب الارواح وهو صلى الله عليه وسلم الروح الاعظم وآدم الاكبر (جواہر البحار ج ۳ ص ۳۴۹) یعنی تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام آپ کی تفصیل کی صورتیں، آپ کے خلفاء اور آپ کے تعینات کے مظاہر ہیں۔ ان میں سے ہر ایک آپ کے نور میں تیر رہا ہے اور ہر ایک اپنے مقام کے مطابق آپ کے سمندر سے فیض حاصل کر رہا ہے۔ اور ہر خیر و برکت تھوڑی ہو یا بہت ہو آپ ہی سے حاصل ہوئی اور آپ کے رخ انور سے ظاہر ہوئی۔ اور آپ ہی سے سارا وجود پھیلا جیسے بیج سے پودا پھیلتا ہے۔ پس آپ وجود کی اصل۔ سب سے قریب موجود اور ارواح کے بادشاہ ہیں۔ اور آپ روح اعظم اور آدم اکبر ہیں۔ صلی اللہ علیہ

وسلم۔اور سیّد الواصفین شیخ شرف الدین بوصیری قدس سرہ العزیز اپنے مبنی بر حقیقت انداز میں فرماتے ہیں۔

فاق النبیین فی خلق و فی خلق ولم یدانوہ فی علم ولا کرم

وکلھم من رسول اللہ ملتمس غرفا من البحر اور شفامن الدیم

یعنی حسن خلقت اور حسن خلق میں تمام انبیاء علیہم السلام سے برتر ہیں۔اور یہ حضرات علم و کرم میں آپ کے قریب نہیں ہیں۔اور سب کے سب آپ کے علم سے جو کہ سمندر کی طرح ہے اور آپ کے کرم سے جو کہ باران رحمت کی طرح مستفیض و مستیز ہیں سچ فرمایا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے۔

لاورب العرش جس کو جو ملا ان سے ملا بٹتی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ کی

وہ جہنم میں گیا جو ان سے مستغنی ہوا ہے خلیل اللہ کو حاجت رسول اللہ کی

صلی اللہ علیہ وسلم علی قدر حسنہ و جمالہ وجودہ ونوالہ و جاہ جلالہ۔ (محمد محفوظ الحق غفرلہ ولوالدیہ)

اگر کہا جائے کیا وہ ذرات آدمی کی صورت میں متصور تھیں یا نہیں؟ تو جواب یہ ہے کہ اس کے بارے میں ہمارے لئے کوئی چیز وارد نہیں ہوئی سوائے اس کے کہ عقول کے زیادہ قریب یہ ہے کہ وہ متصور نہ تھیں اور سننا اور بولنا دونوں صورت کے محتاج نہیں۔ دونوں مبنی بر حیات محل چاہتے ہیں۔تو جب اللہ تعالیٰ اسے حیات اور فہم عطا فرمادے تو جائز ہے کہ ذرہ کے ساتھ سننا اور بولنا متعلق ہو جائے۔گرچہ کسی صورت میں مصورنہ ہو۔لیکن فطرت ہمارے نزدیک شرط نہیں اسے صرف معتزلہ نے شرط قرار دیا ہے اور احتمال ہے کہ ذرات آدمی کی صورت میں متصور ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا من ظہورہم ذریتہم اور ذریت کا لفظ صورت والوں پر واقع ہوتا ہے۔

اخذ عہد و میثاق کے متعلق مختلف سوالات اور ان کے جوابات

اگر تو کہے کہ ذرات کے ساتھ ارواح کب متعلق ہوئیں آدم علیہ السلام کی پشت سے نکلنے سے پہلے یا نکلنے کے بعد؟ جواب یہ ہے کہ جو کچھ ہمارے لئے ظاہر ہوا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ نکالا کیونکہ انہیں ذریت کا نام دیا۔اور ذریت زندہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **وآیة لھم انا حملنا ذریتھم فی الفلك المشحون** (لیس آیت ۴۱ اور ان کے لئے ایک نشانی یہ ہے کہ ہم نے ان کی اولاد کو ایک بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا) پس احتمال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں ارواح پیدا فرمائیں دراں حال کہ وہ اپنے باپ کی پشت کی تاریکیوں میں تھے۔اور دوسری مرتبہ ارواح کو ان میں اس وقت پیدا فرماتا ہے جب کہ وہ اپنی ماؤں کے پیٹوں کی تاریکیوں میں ہوتے ہیں۔اور پھر تیسری دفعہ انہیں ان میں اس وقت پیدا فرمائے گا جبکہ وہ زمین کے اندر کی تاریکیوں میں ہوں گے۔تین تاریکیوں میں پیدا کرنے کے بعد پیدا کرنا۔اللہ تعالیٰ کا دستور اسی طرح جاری ہے۔

اگر کہا جائے کہ ذرات سے میثاق لینے میں کیا حکمت ہے؟ جواب یہ ہے کہ تاکہ اللہ تعالیٰ اس پر حجت قائم فرمائے جس نے وہ عہد پورا نہ کیا جیسا کہ اس کی مثل دار التکلیف میں رسل علیہم الصلوۃ والسلام کی زبانوں پر واقع ہوا۔

اگر کہا جائے کہ پھر انہیں آدم کی پشت کی طرف زندہ لوٹایا یا ان کی ارواح واپس لے کر پھر انہیں اس کی طرف مردہ لوٹایا؟ تو ہمارے لئے جو جواب ظاہر ہوا یہ ہے کہ اس نے جب انہیں آدم کی پشت کی طرف لوٹایا تو ان کی ارواح قبض کرلیں اور یہ اس بنیاد پر ہے کہ جب

دنیا میں انہیں زمین کے اندر لوٹانے کا ارادہ فرماتا ہے تو ان کی ارواح قبض کرتا ہے پھر انہیں اس میں لوٹاتا ہے۔

اگر کہا جائے کہ ذریات کو آدم کی پشت کی طرف لوٹانے کے بعد ارواح کس طرف لوٹیں؟ تو جواب یہ ہے کہ یہ مسئلہ گہرا ہے اس کی طرف نظر عقلی کی راہ نہیں۔اور اس کے بارے میں کوئی نص وارد نہیں ہوئی۔تو جسے اللہ تعالیٰ کسی چیز پر اطلاع بخشے اس جگہ ملحق کر دے۔

اگر کہا جائے کہ آپ کہتے ہیں کہ ذریت آدم کی پشت سے حاصل کی گئی۔جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ **واذ اخذ ربلک من بنی آدم من ظھورھم ذریتہم** جب کہ آپ کے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی ذریات حاصل کیں۔تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ایسی چیز ہے جو کہ ترتیب کے ساتھ متعلق ہے۔اور یہ اس طرح ہے کہ یہ نہیں فرمایا: آدم کی پشت سے۔گرچہ وہ آپ کی پشت سے ہی نکالے گئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آدم کی ذریت کو ان کے بعض کو بعض کی پشت سے بطریق تناسل نکالا جیسے بیٹے اپنے آباء سے۔پس اس کی وجہ سے آپ کی ذریت کے ظہور کے سبب ذکر آدم سے استغناء ہوئی۔کیونکہ آپ کی ذریت آپ کی پشت سے نکلی۔اور احتمال ہے کہ کہا جائے کہ اس نے آدم کی ذریت کو بعض کو بعض سے آدم کی پشت میں نکالا۔پھر ان سب کو پشت سے نکالا۔پس دونوں قول مجموعی طور پر درست قرار پائے۔تو جب کہا کہ انہیں ان کی پشتوں سے نکال تو درست ہوا اور جب کہا کہ انہیں آدم کی پشت سے نکالا یہ بھی درست ہوا۔اور اس کی مثال وہ شخص ہے جس نے ایک جوہر ایک سیپ میں رکھا۔پھر سیپ کپڑے میں لپیٹا اور جوہر کپڑے سمیت ڈبیہ میں اور ڈبیہ صندوق میں رکھی ہوئی چھوٹی سی صندوقچی میں۔پھر وہ اپنا ہاتھ صندوق میں داخل کر کے اس سے یہ چیزیں ایک دوسری سے نکالتا ہے۔پھر سب کچھ صندوق سے باہر نکال لیتا ہے۔تو اس میں کوئی تضاد نہیں ہے۔

عہد و میثاق اور حجر اسود اور شیخ اکبر کا مشاہدہ میثاق

اگر کہا جائے کہ خبر میں وارد ہے کہ عہد و میثاق کی کتاب حجر اسود میں ودیعت رکھی گئی ہے اور حجر کی دو آنکھیں منہ اور زبان ہے۔جبکہ اس بات کا عقل میں تصور نہیں۔اس کا جواب یہ ہے کہ ہر وہ چیز جس کا تصور ہماری عقول میں مشکل ہے اس میں ہمیں اس پر ایمان لانا اور اس کے لئے سر تسلیم خم کرنا کافی ہے۔اور اس کا معنی اللہ تعالیٰ کو سونپ دیتے ہیں۔اور شیخ محی الدین نے فتوحات کی کتاب الحج میں ذکر کیا ہے۔جب میں نے حجر اسود کا بوسہ لیتے وقت کعبہ کو توحید کی گواہی سونپی تو الفاظ ادا کرتے وقت گواہی فرشتے کی شکل میں نکلی اور میں اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔اور حجر اسود میں ایک طاق سا کھل گیا یہاں تک کہ میں نے حجر کی تہ کی طرف دیکھا اور گواہی کعبہ کی طرح ہو چکی تھی اور حجر کی تہ میں ٹھہر گئی اور اس پر حجر اسود بند ہو گیا اور وہ طاق بھی بند ہو گیا اور میں سب کچھ دیکھ رہا تھا پس کعبہ نے مجھے کہا: آپ کی امانت میرے پاس ہے۔آپ کے لئے قیامت کے دن تک سنبھال کر رکھوں گا۔پس میں نے اس پر اس کا شکریہ ادا کیا۔انتہی

اور حدیث صحیح میں ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن باہر تشریف لائے اور آپ کے دست مبارک میں دو کتابیں لپٹی ہوئی تھیں۔آپ سے صحابہ کرام نے ان دونوں کتابوں کے متعلق پوچھا تو جو کتاب آپ کے دائیں ہاتھ میں تھی اس کے متعلق فرمایا کہ اس میں تخلیق کے آغاز سے قیامت تک کے اہل جنت۔ان کے آباء واجداد۔قبائل اور خاندانوں کے نام ہیں اور جو دوسرے ہاتھ میں ہے اس میں اسی وضاحت سے اہل جہنم۔ان کے آباء واجداد۔قبائل اور خاندانوں کے نام ہیں۔انتہی

شیخ محی الدین نے ۳۱۵ ویں باب میں فرمایا: اگر مخلوق میں سے کوئی ان اسماء کو ان دونوں کتابوں میں جس طرح ہیں لکھنے کا ارادہ

کرے تو ایسا نہیں کر سکتا۔ ہر ورق روئے زمین پر ہے۔ فرماتے ہیں یہیں سے اللہ تعالیٰ کی کتابت مخلوق کی کتابت کے مقابلے میں امتیاز سے پہچانی جاسکتی ہے اور یہ عجیب علم ہے جسے ہم نے دیکھا اور اس کا مشاہدہ کیا۔

اور حکایت کی گئی ہے کہ ایک فقیر نے بیت اللہ کا طواف کرتے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ اس کے لئے جہنم سے اس کی آزادی کا ورقہ اتارے۔ تو اس پر میزاب رحمت کی سمت سے ایک ورقہ اترا جس میں جہنم سے اس کی آزادی لکھی ہوئی تھی۔ وہ اس سے خوش ہوا اور اس نے لوگوں کو اس پر واقف کیا۔ اور اس تحریر کی شان یہ تھی کہ ہر سمت سے برابر طور پر پڑھی جاسکتی تھی۔ بدلتی نہیں تھی۔ جب ورق الٹا تو اس کے الٹنے سے تحریر بھی الٹ جاتی تھی۔ پس لوگوں کو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور شیخ نے اس سے مناسب حکایت کا طویل ذکر فرمایا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اکیسویں بحث

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تخلیق کے بیان میں

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان مثل عیسی عند الله کمثل آدم خلقه من تراب ثم قال له کن فیکون (آل عمران آیت ۵۹ بیشک اللہ تعالیٰ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال آدم کی مانند ہے۔ اسے مٹی سے بنایا۔ پھر اسے فرمایا ہو جا تو وہ ہو گیا)۔ اگر تو کہے عیسیٰ کی آدم علیہما السلام کے ساتھ تشبیہہ کی وجہ کیا ہے باوجودیکہ عیسیٰ نطفۂ مریم اور جبریل علیہ السلام کی پھونک سے پیدا کئے گئے تو جواب یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے ابوت مردانی نہ ہونے میں تشبیہہ صرف اس لئے واقع کی کہ اللہ تعالیٰ نے اسے حضرت عیسیٰ کے لئے ان کے والدہ کی پاکدامنی کی دلیل کے طور پر قائم فرمایا۔ اور حواء کے ساتھ تشبیہہ اس لئے واقع نہیں فرمائی گرچہ امر اس پر ہے حمل پائے جانے کی وجہ سے عورت محل تہمت ہوتی ہے کیونکہ یہ ولادت کے لئے وضع کیا گیا محل ہے جبکہ مرد اس کا محل نہیں اور دلائل سے مقصود صرف شکوک دور کرنا ہے۔ اور آدم سے حواء کے پیدا ہونے میں کسی شبہ کا واقعہ ہونا ممکن نہیں کیونکہ آدم ولادت کا محل نہیں جو کہ اس سے صادر ہوئی۔ تو جس طرح عرف میں بیٹا بغیر باپ کے نہیں اسی طرح ماں کے بغیر بھی معروف نہیں۔ پس معنوی طریقے سے تشبیہہ یوں ہے کہ بیشک عیسیٰ حواء کی طرح ہیں کیونکہ بغیر باپ کے عیسیٰ کا ظہور ماں کے بغیر حواء کے ظہور کی طرح ہے۔ اور اس کی وضاحت یہ ہے کہ اجسام انسانیہ میں سے پایا جانے والا پہلا موجود آدم علیہ السلام ہے۔ پس اس جنس سے وہ پہلا باپ ہے۔ پھر بیشک حق تعالیٰ نے آدم سے دوسرا باپ جدا کیا جس کا نام ماں رکھا۔ پس اس پہلے باپ کے لئے اس پر درجہ درست ہوا کیونکہ یہ اس کی اصل ہے۔ پس جب حق تعالیٰ نے عیسیٰ ابن مریم کو ایجاد فرمایا تو مریم علیہا السلام بمنزلہ آدم علیہ السلام ہوئیں جبکہ عیسیٰ بمنزلہ حواء ہوئے تو جب عورت مرد سے ایجاد کی گئی اسی طرح مرد عورت سے ایجاد کیا گیا پس بیٹے کو بغیر باپ کے ایجاد کرنے میں دور اسی مثل پر ختم ہوا جس سے اسے شروع کیا جیسے کہ حواء بغیر ماں کے تھی۔ تو پھر عیسیٰ اور حواء دو بھائی ہیں اور گویا کہ آدم اور مریم ان دونوں کے باپ ہیں۔ اسے فتوحات میں شیخ محی الدین نے ذکر فرمایا: اور یہ ایسی نفیس گفتگو ہے کہ میں نے کوئی نہیں پایا جو اس کے درپے ہوا ہو نہ ہی اس کے معنی کے قریب آیا۔ پس اللہ تعالیٰ آپ پر رحمت فرمائے آپ کی اطلاع کس قدر وسیع تھی۔

انسانی جسموں کی ابتداء کی چار اقسام۔ عورت، مرد کے برابر نہیں ہو سکتی

اور آپ اس کے ساتویں باب میں فرماتے ہیں: اگر کہا جائے: انسانی جسموں کی ابتداء کی کتنی قسمیں ہیں؟ تو جواب یہ ہے کہ اس کی چار اقسام ہیں۔ آدم، حوا، عیسیٰ، بنی آدم۔ پس بیشک ان چاروں جسموں میں ہر ایک جسم تشبیہہ میں دوسرے کی تخلیق کے خلاف ہے باوجودیکہ صورت میں اکٹھے ہیں۔ تاکہ ضعیف العقل وہم نہ کرے کہ قوۃ الہیہ یا حقائق یہ فہم عطا کرتے ہیں کہ یہ تخلیق انسانی صرف ایک سبب سے ہی ہوتی ہے جو بذاتہ یہ تخلیق عطاء کرتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ شبہ اس صاحب شبہ کی منہ پر اس طرح دے مارا کہ اس تخلیق انسانی کو ایسے طریق سے ظاہر فرمایا جس سے حواء کا جسم ظاہر نہیں ہوا۔ اور حوا کا جسم ایسے طریق سے ظاہر فرمایا جس کے ساتھ اولاد آدم کا جسم نہیں ہوا۔ اور اولاد آدم کا جسم اس طریق سے ظاہر فرمایا جس کے ساتھ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جسم ظاہر نہیں ہوا اور اللہ تعالیٰ نے ان چاروں انواع کو قرآن کریم کی ایک آیت میں جمع فرما دیا **یاایھا الناس انا خلقنا کم من ذکر وانثی** (الحجرات آیت ۱۳) اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا فرمایا): خلقنا کم سے مراد آدم اور تمام لوگ، من ذکر سے مراد حواء ہے اور انثی سے مراد عیسیٰ یعنی مرد سے حواء کو اور عورت سے عیسیٰ کو پیدا فرمایا۔ اور اکٹھے ذکر وانثی کے مجموعہ سے بطریق نکاح بنی آدم مراد ہیں۔ پس یہ آیت جامع کلمات اور فصل الخطاب میں سے ہے۔ پھر جب آدم کا جسم ظاہر ہوا جیسا کہ ہم نے ذکر کیا اور اس میں نکاح کی خواہش نہ تھی جبکہ علم الٰہی میں گزر چکا تھا اولاد پیدا کرنے کے لئے تناسل و نکاح ضروری ہے اللہ تعالیٰ نے آدم کی چھوٹی پسلی سے حواء کو نکالا۔ پس اس وجہ سے وہ درجہ میں مرد سے کم رہی پس اسے کبھی نہیں مل سکتی۔

حوا کو پسلی سے نکالنے کی حکمت

• اگر تو کہے کہ اس کی تخلیق کو پسلی کے ساتھ خاص کرنے کی حکمت کیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ اس میں یہ حکمت ہے کہ اس جھکاؤ کی وجہ سے جو کہ پسلی میں ہے اسے اپنی اولاد اور اپنے شوہر کی طرف میلان رہے۔ پس مرد کا بیوی کی طرف مائل ہونا حقیقت میں اپنے اوپر ہی مائل ہونا ہے کیونکہ یہ اس کا جزو ہے جبکہ عورت کا شوہر کی طرف میلان اس لئے ہے کہ اس سے یعنی اس کی پسلی سے پیدا کی گئی ہے اور پسلی میں جھکاؤ اور میلان ہے۔ شیخ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اس جگہ کو جس سے آدم سے حواء نکلی شہوت کے ساتھ معمور فرمایا تاکہ وجود میں خلا باقی نہ رہے۔ پس جب خواہش سے ڈھانپی گئی اس نے اس کی طرف میلان کیا پر اپنی طرف ہی مائل ہونا ہے۔ کیونکہ وہ آپ کا جزو ہے اور حواء آپ کی طرف مائل ہوئی کیونکہ یہ ان کا وطن ہے جس سے وہ پیدا ہوئیں

اگر تو کہے کہ جب تو حواء کی محبت وطن کی محبت ہے جبکہ آدم کی محبت اپنی ذات کی محبت ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ ہاں یہ اسی طرح ہے اسی لئے مرد کی عورت سے محبت ظاہر ہے کہ یہ اس کا عین ہے۔ رہی عورت تو اسے قوت دی گئی جسے حیاء سے تعبیر کیا جاتا ہے پس اس پر اس کی قوت اخفاء کی وجہ سے مرد کی محبت ظاہر نہیں ہوتی۔ کیونکہ وطن اس سے اس طرح متحد نہیں جس طرح اس سے آدم کا اتحاد ہے۔

شیخ نے مزید فرمایا: اور اللہ تعالیٰ نے آدم کے جسم میں جس کی تصویر اور تخلیق فرمائی سب کی تصویر اس پسلی میں بنا دی۔ پس اپنی صورت میں آدم کی نشوونما ایسے تھی جیسے مٹی کے برتن بنانے والا گارا اور اسے آگ سے پکانے کا عمل کرتا ہے۔ جبکہ جسم حوا کی نشوونما ایسے تھی جیسے کاریگر لکڑی کو کرید کر صورت بناتا ہے۔ پس جب اسے پسلی میں نقش کیا۔ اس کی صورت قائم کی اور اسے درست کیا تو اس میں اپنی طرف

سے روح پھونکی۔ پس زندہ، بولنے والی عورت بن کر کھڑی ہوگئی تا کہ اسے زراعت اور کھیتی کی جگہ قرار دے۔ اور ولادت پائی جائے جو کہ نسل جاری کرنے کا ذریعہ ہے۔ اور باب سابق میں اس میں طویل گفتگو فرمائی۔

روح اللہ کی وجہ تسمیہ

اگر کہا جائے کہ عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کو روح من اللہ کہنے کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب شیخ ابو طاہر اتفروینی رحمۃ اللہ نے یہ دیا ہے کہ حدیث میں وارد ہونے کے مطابق حق تعالیٰ نے جب ارواح کو اجسام سے دو ہزار سال پہلے پیدا فرمایا تو انہیں اپنے علم کے خزانہ مخفی میں چھپائے رکھا۔ پس جب اجسام کو پیدا فرمایا تو اپنے علم میں ان کے ذرہ کے لئے اس کے مناسب ملکوت میں یعنی شقاوت یا سعادت میں ایک روح مہیا فرمائی۔ پس وہ ذرات اپنی ارواح کے لئے ازواج تھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **سبحان الذی خلق الازواج کلھا** (یسین آیت ۳۶) وہ ذات ہر عیب سے پاک ہے جس نے ہر چیز کو جوڑا جوڑا پیدا فرمایا یعنی ہر روح کے ساتھی کو اس کا ہم شکل پیدا فرمایا پھر جب اللہ تعالیٰ نے ان سے میثاق لینے کا ارادہ فرمایا تو اپنی قدرت سے ان تمام ارواح کو ان کے مقامات سے اپنے علم اور حکمت کے مطابق ان ذرات پر اتارا۔ پھر جب ان سے میثاق لے لیا تو ارواح کی رسی کھول دی تو وہ اوحام میں حمل کے ساتھ متصل ہونے کے وقت تک کے لئے عالم ملکوت میں اپنی کمین گاہوں کی طرف پرواز کر گئیں۔

شیخ نے فرمایا: اور میں نے انجیل کی تفسیر میں دیکھا ہے کہ عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کی روح اخذ میثاق کے بعد ذرہ سے واپس نہ لوٹی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے جبریل علیہ السلام کے سپرد کر دیا جنہوں نے اسے عالم ملکوت میں ٹھہرایا۔ اور یہ روح، اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس کرتی رہی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ سے جبرئیل امین کو اسے پھونکنے کا امر فرمایا پس انہوں نے اسے مریم کے گریبان میں پھونک دیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس سے نطفہ کے واسطے کے بغیر مسیح علیہ الصلوۃ والسلام کو پیدا فرمایا۔ پس اسی لئے آپ کو اللہ تعالیٰ نے روح کا نام دیا کسی اور کو نہیں۔ پھر ان میں موجود روحانیت کے اندازے پر انہیں آسمان کی طرف اٹھا لیا۔ پس آپ کا زمین میں ٹھہرنا اس قدر تھا جتنی مٹی تھی۔ اور آپ کا آسمان میں ٹھہرنا اس نور کے اندازے پر ہے جو آپ میں ہے۔

اینما کنت کا اشارہ

شیخ فرماتے ہیں: اور حضرت عیسیٰ جب پنگھوڑے میں تھے اس وقت کے آپ کے قول کی حکایت فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وجعلنی مبارکا اینما کنت** (مریم آیت ۳۱) اور اس نے مجھے بابرکت بنایا میں جہاں کہیں بھی ہوں) آپ نے یہ اس جملے کی طرف اشارہ فرمایا ہے یعنی **اینما کنت فی السماء والارض**۔ یعنی میں آسمان اور زمین میں جہاں کہیں بھی ہوں۔) آپ نے یہ اس جملے کی طرف اشارہ فرمایا ہے یعنی **اینما کنت فی السماء والارض** (یعنی میں آسمان اور زمین میں جہاں کہیں بھی ہوں۔

(**اقول و باللہ التوفیق** یہاں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے خداداد وسعت علم کا پتہ چلتا ہے حالانکہ ابھی آپ پنگھوڑے میں تھیں۔ لیکن اشارہ فرمایا کہ میری حیات کا ایک حصہ آسمانوں پر بھی بسر ہوگا۔ ان محرومان ازلی سے سوال کرتا ہوں جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ کہتے ذرا شرم محسوس نہیں کرتے کہ آپ کو (معاذ اللہ) کل کی خبر نہیں۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس اعلان اور جناب سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے علم شریف کے متعلق تمہارے قبیح اور ناپاک قول سے دلیل لے کر عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی فضیلت

اور برتری کا قول کریں تو تم انہیں کیا جواب دے سکتے ہو۔ہم کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام اور تمام اوّلین وآخرین۔انبیاء و مرسلین علی نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے جمیع علوم حضور رحمت عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کے آفتاب رسالت کی ہی تجلیات ہیں۔

ن اینما کنت کے تحت بیہقی وقت قاضی ثناء اللہ مظہری پانی پتی اپنی شہرہ آفاق تفسیر مظہری میں فرماتے ہیں **حیث کنت فی الارض او فی السماء** (یعنی میں جہاں بھی رہوں زمین میں یا آسمان میں۔اور مبارکاً کا ایک ترجمہ آپ نے نفاعاً یعنی نہایت نفع بخش بھی کیا ہے۔ اور پھر فرماتے ہیں **ویستفادمنه انه نفاع فی السماء یستفید منه الملائکة**۔یعنی اس سے یہ علمی فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ آپ ن میں بھی نافع ہیں آپ سے ملائکہ فیض حاصل کرتے ہیں۔امام بوصیری قدس سرہ نے کیا خوب فرمایا: **فاق النبیین فی خلق و** **ولم یدانوہ فی علم و لا کرم** **محمد** محمد محفوظ الحق غفرلہ ولوالدیہ)

اور اس (تفسیر انجیل کے مذکور الصدر) قول کی تائید ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا یہ قول کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب بنی آدم کی ارواح ت سمیت آدم کی پشت کی طرف لوٹایا تو عیسیٰ کی روح اپنے پاس روک لی۔جب آپ کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو یہ روح مریم کی ف تک دی۔پس اس سے عیسیٰ علیہ السلام ہوئے۔اسی لئے ان کے متعلق فرمایا۔وروح منہ۔اور اس کی طرف سے روح۔

اگر تو کہے: کیا ارواح کے موکل ملائکہ اور حمل کی صورت بنانے پر مامور فرشتے عزرائیل علیہ السلام کے کارکن ہیں یا اسرافیل کے۔تو جواب یہ ہے کہ وہ اسرافیل علیہ السلام کے کارکن ہیں جو کہ صورتیں بنانے پر مامور ہیں۔رہے خود اسرافیل علیہ السلام تو وہ عرش کے نیچے بنائی گئی مخلوق کی صورتوں پر نظر رکھتے ہیں۔پس بیشک حدیث پاک میں ہے کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے تخلیق فرمایا اس کی ساق عرش میں ہر جنس صورت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ان کی تکوین سے پہلے ظاہر فرمایا۔پھر بنی آدم کی صورتوں کے لئے تخلیق میں باہم مشابہت و مشاکلت ہے کیونکہ وہ اپنے باپ آدم کی صورت پر ہیں۔اور دوسری روایت میں صورۃ الرحمٰن کے الفاظ ہیں۔اور اس کا معنی یہ ہے کہ اس صورت پر پیدا فرمایا جسے تخلیق آدم سے پہلے رحمٰن نے عرش یا لوح میں بنایا۔پس بیشک حق تعالیٰ کی کوئی صورت نہیں ہے۔کیونکہ وہ اپنی تمام مخلوق سے منفرد ہے۔پس سمجھ لے۔تو معلوم ہوا کہ اسرافیل عرش میں منقوش صورتوں کی طرف جبکہ ارواح کا فرشتہ حمل کی تصویر کے وقت اسرافیل کی طرف نظر رکھتا ہے۔اور وہ تمام صورتیں اس کی حکایت ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں ہے۔پس اسرافیل وہ صورت جو کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس تخلیق و تربیت یافتہ ذرہ کے ساتھ مخصوص و موسوم ہے حاصل کر کے اسے ملک الارحام کی طرف اور ملک الارحام اسے رحم کے حمل کی طرف ڈالتا ہے۔پس وہ اس کی ان معینہ صورتوں کے مطابق تصویر بناتا ہے۔اور صورت کا القاء وہ اس کے نوشتہ کا القاء ہے جو اس کے لائق ہے۔اور **هو الذی یصور کم فی الارحام کیف یشاء** (آل عمران آیت ۶۔وہی ہے جو ارحام میں تمہاری تصویریں بناتا ہے جیسے چاہا ہے) میں اللہ تعالیٰ نے تصویر فی الارام کو اپنی طرف اس لئے منسوب فرمایا کہ یہ اسباب عادت حسی کے اجراء کے لئے اس کے علم و تدبیر کے فیصلہ پر مقدر ہیں۔

پس اللہ تعالیٰ صورتوں کا مصور اور ان کے مصورین کا مصور ہے۔اس کے سوا کوئی خالق نہیں۔کوئی مصور نہیں اس کے سوا اسی لئے اس نے ان پر شدید وعید فرمائی ہے جس نے بت اختیار کئے۔واللہ تعالیٰ اعلم۔پس اس بحث کا گہری نظر سے مطالعہ کر تو اسے کسی کتاب میں نہیں پائے گا۔اور اللہ تعالیٰ تیری ہدایت کا وارث ہو۔

بائیسویں بحث

مسئلہ رویت باری تعالیٰ

یہ اس بیان میں ہے کہ ایمان والوں کو دنیا میں اللہ تعالیٰ کی زیارت قلوب کے ساتھ اور آخرت میں جنت میں داخل ہونے کے بعد اور قبل آنکھوں کے ساتھ۔ بلا کیف ہو سکتی ہے اور ہو گی جیسا کہ صحیحین کی احادیث میں واقع ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے موافق ہیں **وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربھاناظرہ** (القیامۃ آیت ۲۲،۲۳) کئی چہرے اس روز تروتازہ ہوں گے اور اپنے رب (کے انوار و جمال) کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تخصیص کرتی ہیں **لا تدرکہ الابصار** (الانعام آیت ۱۰۳۔ اسے نظریں نہیں گھیر سکتیں) یعنی اسے نہیں دیکھتیں۔ جمہور متکلمین اور اصولیین کہتے ہیں کہ آخرت میں ایمان والوں کو اپنے رب کی زیارت اس انکشاف کے ساتھ ہو گی جو کہ آمنے سامنے۔ جہت اور مکان سے منزہ ہے۔ اور یہ اس لئے کہ رؤیت مدرک کے لئے مرئی کے ساتھ ایک قسم کا کشف اور علم ہے جسے اللہ تعالیٰ آنکھ کے اس کے مقابل آنے کے وقت اسے دور کرنے کے وجہ سے پیدا فرماتا ہے۔ پس جائز ہے کہ آنکھ کے آنے سامنے لائے بغیر ادراک کا کوئی اندازہ کم کئے بغیر اس قدر کو بعینہ پیدا فرمائے۔ جیسے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں پس پشت سے ملاحظہ فرماتے تھے۔ اور جیسے کہ حق تعالیٰ ہمیں مقابلہ اور جہت کے بغیر بالاتفاق دیکھتا ہے۔ کیونکہ رؤیت دیکھنے والے اور جسے دیکھتا ہے دونوں طرفوں کے درمیان ایک خاص نسبت ہے۔ تو جب عقلی طور پر ان میں سے ایک نے ایک جہت میں ہونے کا تقاضا کیا تو دوسرے کا ایسا ہونے کا تقاضا ہوا۔ تو جب ان میں سے ایک میں اس کا عدم لزوم ثابت ہوا تو اسی کی مثل دوسرے میں ثابت ہوا۔

اور ہمارے اس قول سے کہ اسے ایمان والے دیکھتے ہیں یا دیکھیں گے غیر مومن نکل گے کہ کافر ہیں۔ پس وہ قیامت کے دن نہیں دیکھیں گے اور نہ ہی جنت میں۔ کیونکہ وہ اس میں داخل نہیں ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **کلا انھم عن ربھم یومئذ لمحجوبون** (المطففین آیت ۱۵۔ ہرگز نہیں۔ بیشک وہ اس دن اپنے رب سے البتہ حجاب میں ہوں گے) جو کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے موافق ہے۔ **لاتدرکہ الابصار**۔

دنیا میں بیداری یا خواب میں رؤیت باری تعالیٰ کا مسئلہ

اور اس امر میں اختلاف ہے کہ کیا دنیا میں اللہ تعالیٰ کی رؤیت بیداری اور خواب میں جائز ہے؟ پس بعض کہتے ہیں جائز ہے جبکہ بعض کے نزدیک جائز نہیں۔ بیداری میں اس کے جواز کی دلیل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی طلب کی کہ عرض کرتے ہیں **ارنی انظر الیك**. کیونکہ آپ اپنے رب کے متعلق جائز اور ناجائز چیزوں سے ناواقف نہیں ہیں۔ اور منع کی دلیل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم نے اس کی طلب کی تو انہیں سزا دی گئی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد **فقالوا ارنا اللہ جھرۃ فاخذ تھم الصاعقۃ بظلمھم** (النساء آیت ۱۵۳۔ انہوں نے کہا: ہم اللہ صاف ظاہر دکھاؤ تو انہیں بجلی کی کڑک نے ان کے ظلم کی وجہ سے پکڑ لیا) جلال المحلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ ان کی سزا کا سبب تو اس کی طلب میں ان کا عناد اور سرکشی تھا نہ کہ فی نفسہا اس کا ممنوع ہونا۔ انتہی

اور جمہور نے دنیا میں رؤیت کے ممنوع ہونے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے استدلال کیا ہے کہ تم میں سے کوئی بھی اپنے رب کو نہیں دیکھے گا حتیٰ کہ وہ فوت ہو جائے۔ اور اسی کے ساتھ دونوں آیات گزشتہ کو دنیا میں منع رویت پر محمول کرنا درست ہے تا کہ ان دونوں آیات اور دلائل رؤیت کے درمیان اجتماع ہو سکے۔

رہی خواب میں رؤیت کے ممنوع ہونے کی دلیل تو یہ اس لئے کہ جس میں رویت ہوئی خیال ومثال ہے اور یہ قدیم سبحانہ وتعالیٰ پر محال ہے۔ اور اسے جائز کہنے والے کی دلیل یہ ہے کہ خواب میں رؤیت میں کوئی امر محال نہیں ہے اور علماء نے سلف صالح کی کثیر جماعت کے لئے خواب میں اس کا وقوع ذکر فرمایا ہے۔ جن میں حضرت امام احمد۔ **حمزة الزيات اور امام ابوحنيفه عليهم الرحمة والغفران** ہیں۔

حمزۃ الزیات کے لئے خواب میں رؤیت اور پیش حق تلاوت

اور حمزہ الزیات فرماتے ہیں کہ میں نے رویت کے وقت حق تعالیٰ کے حضور سورۃ یٰسین تلاوت کی۔ پس جب میں تنزیل العزیز الرحیم کی تلاوت ل کے ضمہ یعنی پیش کے ساتھ کی تو حق تعالیٰ نے مجھ پر تنزیل بفتح لام کے ساتھ لوٹایا۔ اور فرمایا **انی نزلته تنزیلا** اسے میں نے اتارا تارنا۔ (یعنی مفعول مطلق فتح کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ نیز فرماتے ہیں کہ میں نے حق تعالیٰ کے حضور سورہ طٰہٰ تلاوت کی۔ جب میں وانا اخترتک پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا **انا اخترناك** پس یہ برزخی قراءت ہے۔ اور علماء تعبیر نے خواب میں اللہ تعالیٰ کی رؤیت کے جواز پر اجماع فرمایا ہے۔ صرف ابن الصلاح نے اس کے انکار پر ان علماء کے تابع ہو کر مبالغہ کیا ہے جو کہ اس کا وقوع کو ممنوع قرار دیتے ہیں۔

رہی ہمارے نبی پاک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر کے لئے بیداری میں رؤیت حق جل وعلا تو اسے جمہور علماء نے ممنوع قرار دیا ہے۔ اور انہوں نے اس کے لئے **لاتدرکه الابصار** سے استدلال کیا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے اللہ تعالیٰ کے اس قول سے کہ "لن ترانی" اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے کہ تم میں سے کوئی بھی اپنے رب کو نہیں دیکھے گا حتیٰ کہ وہ فوت ہو جائے۔ اسے مسلم نے کتاب الفتن میں صفۃ الدجال میں روایت فرمایا۔ رہے ہمارے نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، تو شب معراج آپ کے لئے وقوع رویت میں صحابہ اکرام کا اختلاف ہے۔ جلال المحلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اور صحیح اس کا اثبات ہے اور وقوع کے قائل اسی سے سند لیتے ہیں۔ لیکن مسلم نے حضرت ابوذر سے روایت کی کہ میں نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: کیا آپ نے اپنے رب کی زیارت کی؟ تو آپ نے فرمایا: نور ہے۔ میں اسے کیسے دیکھوں؟

(**اقول و بالله التوفیق**۔ شب معراج رؤیت باری کا مسئلہ حسب وضاحت بالا معرکۃ الآراء ہے۔ گرچہ بعض نے انکار کیا ہے لیکن اکثر اکابر اسلام اس کے قائل ہیں۔ اس لئے تکمیل افادہ کے لئے شیخ محقق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی مدارج النبوۃ ج اص ۱۷۲،۱۷۳ کے اقتباسات نقل کرتا ہوں تا کہ اہل محبت وعقیدت کے لئے سند ہو۔ چنانچہ آپ نے فرمایا: صحابہ کرام۔ تابعین اور ان سے بعد والوں نے شب معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حق تعالیٰ کی زیارت کرنے کے مسئلہ میں اختلاف کیا ہے۔ حضرت عائشہ۔ صحابہ کرام کی ایک جماعت اور بعض سلف نے نفی کا قول کیا ہے۔ تھوڑا سا آگے چل کر فرماتے ہیں: امام نووی اور ابن جزیمہ نے فرمایا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وقوع رؤیت کی نفی حدیث مرفوع کے ساتھ نہیں کی۔ اگر آپ کے پاس ہوتی تو ذکر

فرمائیں۔آپ نے صرف آیت سے استنباط پر اعتماد کیا ہے۔جبکہ بعض صحابہ کرام نے اس قول کی مخالفت کی ہے۔اور صحابی جب کوئی قول کرے۔اور صحابہ کرام میں سے کوئی دوسرا اس کی مخالفت کرے تو بالاتفاق وہ قول حجت نہیں ہوسکتا۔اور آیت لاتدرکہ الابصار کی تاویلات ہیں۔اور رؤیت سے ادراک اخص ہے۔اور ادراک کی نفی سے رؤیت کی نفی لازم نہیں آتی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور آپ کے پیروکار اس کا اثبات کرتے ہیں۔اور حضرت ابن عمر سے منقول ہے کہ آپ نے ابن عباس سے سوال کر بھیجا: کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پروردگار کو دیکھا؟ ابن عباس نے فرمایا: ہاں اور فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلت۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رؤیت عطا فرمائی۔اور حسن بصری سے منقول ہے کہ آپ نے حلفاً فرمایا کہ حضرت محمد علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنے پروردگار کو دیکھا ہے۔اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پروردگار کی زیارت کی ہے۔اور ابن خزیمہ نے عروہ بن زبیر سے روایت کی ہے کہ کعب احبار۔زہری۔معمر وغیرہم نے اسے یقین کے ساتھ ثابت کیا ہے۔اور اشعری کا یہی قول ہے۔

شیخ نے مزید فرمایا کہ امام احمد سے بھی اس کا اثبات منقول ہے۔آپ سے پوچھا گیا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کا کیا جواب دیں؟ فرمایا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے ساتھ کہ آپ نے فرمایا رأیت ربی۔اور ظاہر ہے کہ قول عائشہ سے قول رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بہر حال بہت عظیم ہے۔اور نقاش نے امام احمد سے حکایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث کے مطابق کہتا ہوں آپ نے اسے دیکھا ہے دیکھا ہے دیکھا ہے اور اتنی دفعہ کہا کہ آپ کا سانس ٹوٹ گیا۔

شیخ محقق قدس سرہ العزیز مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد جن میں اکثریت رؤیت کے قائلوں کی ہے اپنا فیصلہ یوں نقل فرماتے ہیں:
بندہ مسکین عبدالحق بن سیف الدین نصہ اللہ بمزید الصدق والیقین کہتا ہے کہ دلائل، اخبار اور آثار پر نظر رکھتے ہوئے علماء کرام کی گفتگو اسی طرح ہے جو ذکر کی گئی۔لیکن اتنی بات تو کھٹکتی ہے کہ معراج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقامات وکمالات میں انتہائی اعلیٰ وارفع مقام ہے کہ انبیاء میں سے کسی کو اس میں آپ کے ساتھ شراکت نہیں۔کسی بشر اور فرشتے کے لئے اس مقام کی گنجائش نہیں۔پس عجیب ہے کہ وہاں لے جائیں۔خلوت خاص میں داخل کریں اور پھر سب سے اعلیٰ مقصد اور نہایت عظیم مطلب سے جو کہ دیدار ہے مشرف نہ کریں۔اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی پر راضی رہیں۔اگرچہ بندگی اور ادب کا کمال اور حق تعالیٰ کی کبریائی کا وقار آپ کو اس حالت پر رکھے کہ سوال نہ کرسکیں اور ذوق کلام سے مسرور ہو کر کشادہ روئی کا اظہار کریں اور دیدار طلب نہ کریں جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کیا۔لیکن دربار اقدس کے ساتھ آپ کو جو کمال محبت اور محبوبیت حاصل ہے وہ کیونکر چھوڑ دے کہ پردہ رہے۔یہ دولت طلب سے ہاتھ نہیں آتی۔پھر شیخ نے فرمایا کہ تحقیق یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام دیدار سے اس لئے مشرف نہ ہوسکے کہ ابھی سید المحبوبین صلی اللہ علیہ وسلم نے زیارت نہیں کی اور اس دولت سے مشرف نہیں ہوئے۔کسی دوسرے کی کیا مجال کہ طلب کرے اور زیارت کرے۔علماء خود سب کے سب دنیا میں امکان رویت پر متفق ہیں۔امکان کے بعد مانع کیا ہوگا؟ اور خود مقام معراج در حقیقت عالم آخرت سے ہے۔اور جو کچھ عالم آخرت میں دیکھنے اور پانے کی نعمت تھی آپ نے دیکھی اور پائی۔تاکہ خلق خدا کو عین الیقین کے ساتھ دعوت دیں۔جیسے کہ کہتے ہیں کہ دیکھنے اور سننے میں بہت فرق ہے۔واللہ اعلم۔انتہی کلام الشیخ۔الناقل محمد محفوظ الحق غفرلہ ولوالدیہ)

مسئلہ رویت میں شیخ ابوطاہر القزوینی کا کلام

اور اس مسئلہ میں کتاب سراج العقول میں شیخ ابوطاہر القزوینی فرماتے ہیں: جان لے کہ اکثر متکلمین بیداری میں درکنار خواب میں بھی حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے علاوہ کسی اور کے لئے اللہ تعالیٰ کی رؤیت کے جواز کا انکار کرتے ہیں۔ اور اس میں ان کی حجت یہ ہے کہ سونے والا جو کچھ دیکھتا ہے۔ لامحالہ مصور ہوتا ہے یعنی صورت میں ہوتا ہے جبکہ رب تعالیٰ کی کوئی صورت نہیں۔ اور وہ اسے مثال کے واسطے سے دیکھتا ہے جو کہ اس کے مناسب ہو۔ جبکہ اللہ رب العالمین کے لئے مثل ہے نہ مثال۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد ھے فلاتضربوا للہ الامثال (النحل آیت ۷۴۔ پس اللہ کے لئے مثالیں نہ بیان کرو) اور فرمایا لیس کمثلہ شئی (اس کی مثل کوئی شے نہیں) اور فرمایا ولم یکن لہ کفوا احد (الاخلاص۔ آیت ۴) اور اس کا کوئی ہمسر نہیں) تو جس نے اس سے کچھ دیکھا اور خیال کیا کہ یہ اللہ ہے تو یہ شیطان کے دکھانے اور خیال دلانے اور گمراہ کرنے سے ہے۔ یا وہ مشبہہ یعنی تشبیہہ کا قائل ہے اسے بیداری میں اسی طرح اعتقاد کرتا ہے۔ اور اس میں طویل کلام کیا۔

جمہور مشائخ سلف کا مسلک

شیخ ابوطاہر فرماتے ہیں کہ جمہور مشائخ سلف رضی اللہ عنہم کا مسلک یہ ہے کہ خواب میں اللہ تعالیٰ کی رؤیت کسی صورت میں جائز ہے۔ اور اسی کے ساتھ احادیث آئی ہیں جیسے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہتر خواب یہ ہے کہ بندہ اپنی نیند میں اپنے رب کو دیکھے یا اپنے نبی کو دیکھے یا اپنے والدین کو دیکھے جبکہ وہ مسلمان ہوں۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اپنے رب کو بہترین تجلی میں دیکھا۔ اور محمد بن سیرین فرماتے ہیں: جس نے خواب میں اپنے رب کو دیکھا جنت میں داخل ہوا۔ انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی رؤیت ایسی مثال کے واسطے سے ہوتی ہے جو اس کی شان کے لائق اور شکل وصورت سے منزہ ہوتی ہے۔ پس اس کی تجلی اس مثال میں ہوتی ہے۔ جیسے کہ حق تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے اپنا کلام قدیم حروف و اصوات کے ساتھ سمجھایا۔ باوجودیکہ اس کا کلام اس سے منزہ ہے۔ تو جس طرح کلام ازلی صوت وحروف سے منزہ ہے جو کہ حادث ہیں۔ اور ان دونوں کے واسطے سے اللہ تعالیٰ کا کلام قدیم فہم میں آتا ہے تو اسی طرح جائز ہے کہ اس کی ذات ازلی جو کہ صورت وشکل سے منزہ ہے۔ ایسی مثال کے واسطے سے دیکھی جائے کہ ادنیٰ معنی کے ذریعے اس کے مناسب ہو۔ پس وہ ث کی فتح سے مثل کی طرح ہوگی جو کہ قرآن کریم میں مذکور ہے مثل نورہ کمشکوۃ (النور آیت ۳۵۔ اس کے نور کی مثال ہے جیسے ایک طاق ہو) نہ کہ ث کے سکون کے ساتھ جو کہ ہر لحاظ سے مماثلت واجب کرتا ہے۔ لیکن جب وہ اسے ایسی صورت میں دیکھے جو کسی معنی میں بھی جلال صمدیت کے مناسب نہ ہو تو دیکھنے والے کے ساتھ شیطان نے بیہودہ سلوک کیا ہے۔

رؤیت باری خواب میں کیونکر ممکن ہے؟

اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی رؤیت جیسا کہ وہ اپنی ذات میں ہے ممکن نہیں کہ نفس الامر میں مثل درست ہے نہ مثال۔ جبکہ سونے والا کسی چیز کو خواب میں کسی صورت اور مثل کے ساتھ ہی دیکھتا ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے لئے اس کی خواب میں اپنی ذات مقدس کے ساتھ تجلی فرماتا ہے تو روح فطرۃ اولیہ کے ساتھ پہچان لیتی ہے کہ بیشک وہ الٰہ حق ہی ہے بخلاف اپنی باقی خوابوں

کے جو کہ تعبیر کی محتاج ہیں کیونکہ نفس اپنے خیالی آلات کے ساتھ اسے نہیں دیکھ سکتا جس کی کوئی صورت نہیں۔ لیکن واسطوں اور مثالوں کے ذریعے اس کا تصور کرتا ہے۔ پھر مثالیں جھاگ کی طرح رائیگاں جاتی ہیں اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی برحق رؤیت باقی رہتی ہے۔ جیسے لوگ اللہ تعالیٰ کا کلام قدیم لوح میں حروف کی مثالوں کے ساتھ سیکھتے ہیں پھر لوح مٹا دی جاتی ہے اور حفظ میں قرآن باقی رہتا ہے۔

شیخ ابو طاہر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: پس معلوم ہوا کہ کسی شی کا یوں ہونا کہ اس کی کوئی صورت نہیں اس سے لازم نہیں آتا کہ اسے کسی صورت میں دیکھا جا سکے۔ جیسا کہ ہم نے اس کی تقریر کی ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ کئی ایسی چیزیں جن کے جسم ہیں نہ کوئی صورت ادنیٰ معنی میں ان کے مناسب مثالوں کے ذریعے خواب میں دیکھی جاتی ہیں۔ اور یہ تشبیہ وتمثیل واجب نہیں کرتا اور یہ معانی مجردہ کی طرح ہیں جیسے ایمان، کفر، شرف، قرآن، ہدایت، گمراہی، حیات دنیا وغیرہ۔ رہا ایمان تو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی طرح کہ میں نے خواب میں لوگوں کو دیکھا کہ پیش کیے جا رہے ہیں۔ ان میں سے کسی کی قمیص ٹخنے تک اور کسی کی اس کی پنڈلی کے نصف تک ہے۔ اتنے میں عمر بن الخطاب آئے کہ اپنی قمیص کھینچے چلے آتے ہیں۔ عرض کی گئی۔ یا رسول! آپ نے اس کی کیا تعبیر فرمائی؟ فرمایا: ایمان، پس ایمان کی شکل ہے نہ کوئی صورت لیکن آپ نے قمیص کو اس کی مثال قرار دیا پس اس کے واسطے سے ایمان دیکھا گیا۔ اسی طرح کفر خواب میں تاریکی کی مثال کے ساتھ۔ اسی طرح شرف اور عزت گھوڑے کی صورت کے واسطے سے۔ اسی طرح قرآن موتی کی مثال۔ ہدایت نور کی مثال کے ساتھ اور گمراہی کو اندھے پن کی مثال کے ساتھ دیکھا جاتا ہے۔ اور کوئی شک نہیں کہ ان اشیاء کے درمیان ان دیکھے گئے معانی کے لئے مشابہت ہے اور معانی کے متجسد ہونے کا علماء باللہ تعالیٰ انکار نہیں فرماتے۔

شیخ نے فرمایا: یہاں اس کے لئے جو اپنے گمان کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی رؤیت ممنوع قرار دیتا ہے غلطی کا مقام یہ ہے کہ مَثَل (م اور ث دونوں کی زبر کے ساتھ) مِثْل (میم کی زیر اور ث کے سکون کے ساتھ) کی طرح ہے۔ اور یہ فحش غلطی ہے۔ کیونکہ مِثْل (ث کے سکون کے ساتھ) تمام صفات میں برابر ہونے کا تقاضا کرتا ہے جیسے دو کنگن۔ اور دو جواہر اور دونوں میں سے ہر ایک من کل الوجوہ ہر حال میں دوسرے کے قائم مقام ہوتا ہے بخلاف مَثَل (م اور ث دونوں کی زبر کے ساتھ) کے کہ اس میں من کل الوجوہ مساوات شرط نہیں تھیں۔ اسے تو ادنیٰ وصف میں شریک ہونے کی صورت میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **انما مثل الحیوۃ الدنیا کماء انزلناہ من السماء** (یونس آیت ۲۴۔ حیات دنیا کی مثال پانی کی طرح ہے جو ہم نے آسمان سے اتارا) اور حیات کی صورت ہے نہ شکل جبکہ پانی شکل و صورت والا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ حیات کی مثال بیان فرمائی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **مثل نورہ کمشکاۃ فیھا مصباح** (النور۔ آیت ۳۵۔ اس کے نور کی مثال جیسے ایک طاق) وغیر ذلک۔ پس معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی مثل نہیں لیکن اس کی آسمانوں اور زمینوں میں اعلیٰ شان ہے۔ شیخ فرماتے ہیں اور یہیں سے سلف صالح کی اکثریت نے اللہ تعالیٰ کا اپنے بندے کے لئے خواب میں تجلی فرمانا جائز قرار دیا ہے۔ جیسا کہ مثالوں میں پہلے گزر چکا اور یہاں طویل گفتگو کی۔ پھر آپ نے فرمایا: اور زبان حقیقت میں بیان سے قاصر ہے۔ کیونکہ یہ امور ذوقیہ ہیں۔ انہیں عبارت ضبط نہیں کر سکتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ یہ وہ ہے جو میں نے اہل کلام کی کتابوں میں دیکھا۔

رؤیت باری تعالیٰ میں صوفیاء کا موقف بحوالہ شیخ محی الدین رحمۃ اللہ علیہ

البتہ میں نے کتب صوفیہ جو کچھ دیکھا ہے تو ان میں سے اس مسئلہ میں سب سے زیادہ فصیح عبارت شیخ محی الدین رضی اللہ عنہ کی ہے۔

چنانچہ فتوحات کے ۶۴ ویں باب میں آپ نے فرمایا: جان لو کہ کسی مسلمان کو نہیں چاہیئے کہ خواب میں اللہ تعالیٰ کی رؤیت کے بارے میں توقف کرے کیونکہ کائنات میں کوئی چیز عالم خیال سے زیادہ وسیع نہیں۔ اور یہ اس لئے کہ وہ اپنی حقیقت کے ساتھ ہر چیز پر حکم لگاتا ہے اور اس پر جو کہ چیز نہیں۔ اور تیرے لئے عدم محض، محال اور واجب کا تصور پیش کرتا ہے چہ جائیکہ ممکن ہو۔ اور وجود کو عدم اور عدم کو وجود قرار دیتا ہے اور تجھے علم دودھ، اسلام قبہ اور دین میں ثابت قدی زنجیر کی صورت میں دکھاتا ہے۔ اور ہم نے جو کہا ہے اس میں ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے فاینما تولوا فثم وجه اللّٰه (البقرۃ آیت ۱۱۳۔ تم جدھر بھی رخ کرو وہیں ذات حق ہے) اور وجہ شئی اس کی حقیقت اور اس کا عین ہے۔ پس خیال اس کی تصویر بناتا ہے جس پر دلیل عقلی کے ساتھ صورت اور تصویر محال ہے۔ تو معلوم ہوا کہ ہر وہ چیز جس کا خواب اور دار آخرت میں وقوع جائز ہے اس کا بیداری اور حیات دنیا میں وقوع اور تعجیل جس کے لئے چاہے جائز ہے۔ انتہی

نیز آپ نے ۳۶۹ ویں باب کے علوم میں فرمایا: کسی انسان کے لئے کبھی بھی درست نہیں کہ کیفیت بیان کئے بغیر کسی ایسی حقیقت کی تعبیر کرے جس کا طریق ذوق ہو۔ جیسے اللہ تعالیٰ کی رؤیت۔ اور یہاں طویل کلام فرمایا۔ پھر فرماتے ہیں: اور جب یہ صحیح ہے کہ عقل حق تعالیٰ کا ادراک کر لیتی ہے تو جائز ہے کہ احاطہ کے بغیر بصر کے ساتھ اس کا ادراک کرے۔ کیونکہ حدوث کے حیثیت سے کسی حادث کو دوسرے حادث پر کوئی فضیلت نہیں۔ فضیلت تو صفات جمیلہ کی حیثیت سے ہے۔ اور جو کہے کہ حق تعالیٰ کا ادراک عقلا ہو سکتا ہے۔ بصراً نہیں تو وہ فضول بات کرتا ہے۔ اسے حکم عقل کا علم ہے نہ حکم بصر کا۔ نہ ہی حقائق کا جس صورت پر کہ وہ ہیں۔ اور وہ معتزلہ کی طرح ہے۔ پس یہ ان کا مقام ہے۔ اور ہر وہ شخص جو امور عادیہ اور طبعیہ کے درمیان فرق نہیں کرتا تو کسی کو اس کے ساتھ امور علمیہ میں سے کسی چیز کے بارے میں گفتگو نہیں کرنا چاہیئے۔ اور اگر موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام نے جب ان کے رب نے وسائط اٹھا کر ان سے کلام فرمایا اس امر کے متعلق وہ کچھ سمجھ نہ لیا ہوتا جس نے آپ کو طلب رؤیت کی جرءت عطا کی آپ ایسا نہ کرتے۔ پس اللہ تعالیٰ کا بغیر وسائط کے کلام سننا عین فہم ہے۔ پس کسی فکر و تاویل کی ضرورت نہیں۔ تو جب عین سماعت اس مقام پر عین فہم ہے تو اللہ تعالیٰ سے رؤیت کا سوال کیا تاکہ آپ کی قوم کو اور جسے اللہ تعالیٰ کے حضور یہ مرتبہ حاصل ہے معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کی رؤیت محال نہیں ہے۔ انتہی

اور آپ نے فتوحات کے ۹۰ نمبر باب میں فرمایا: جان لو کہ دنیا اور آخرت میں سب سے عظیم نعمت باری جل وعلا کی رؤیت کی نعمت ہے۔ لیکن یہاں ایک دقیق امر ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رؤیت کے ساتھ لذت حاصل کرنا ان مظاہر کی رؤیت کی طرف لوٹتا ہے جن میں عقول کے تنزل کے حوالے سے اللہ تعالیٰ تجلی فرماتا ہے نہ کہ بلند و بالا ذات کی طرف۔

اور اس کی وضاحت یہ ہے کہ رؤیت کے ساتھ لذت پانا متحقق نہیں ہوتا مگر اس کی رؤیت کے ساتھ کہ ہمارے اور اس کے درمیان مجانست اور مناسب ہو۔ جبکہ ہمارے اور حق تعالیٰ کے درمیان کسی وجہ سے بھی مناسبت نہیں ہے۔

رؤیت کی کیفیت

اگر کہا جائے کہ پھر رؤیت کس طرح ہوتی ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ حق تعالیٰ جب اپنے مخصوص بندوں میں سے کسی بندے پر فضل فرمانے کا ارادہ کرتا ہے کہ اسے اس کی رؤیت سے لذت حاصل ہو تو اس کے لئے ایک مثال قائم فرماتا ہے جسے وہ اپنی عقل میں اس کے مطابق خیال کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے ولا یحیطون به علما (طٰہٰ آیت ۱۱۰۔ لوگ اپنے علم سے اس کا احاطہ نہیں کر سکتے) اور

کتاب میں پہلے گزر چکا ہے کہ جو یہ کہتا ہے کہ حق تعالیٰ جب کسی بندے سے اپنا احاطہ کرائے تو وہ اس کا احاطہ کرتا ہے اس کی مراد اس کا یہ جاننا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ پس احاطہ کا معنی یہی ہے۔

نیز آپ نے ۱۹۸ ویں باب میں فرمایا: جب اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتا ہے کہ اپنے بندوں میں سے کسی بندے کو اپنی ذات دکھائے تو تجلی کے وقت بندے کی اپنے نفس کے شہود سے فنا ضروری ہے اور روح کا مجرد ہونا۔ اور اس وقت روح اپنے رب کو دیکھتی ہے جیسا کہ اسے فرشتے دیکھتے ہیں۔ پھر جب حق تعالیٰ ارادہ فرماتا ہے کہ اپنے بندے پر انعام فرمائے اور اسے اپنی رؤیت اور مشاہدہ کے ساتھ لذت عطا فرمائے تو حجاب لٹکانا ضروری ہے پس مشاہدہ کرنے والے کے لئے لذت واقع ہوتی ہے۔

شیخ نے فرمایا: یہ مسئلہ اسرار میں سے ہے۔ میں نے اسے اپنے اختیار سے ظاہر نہیں کیا۔ میں تو اس کے اظہار میں مجبور کی طرح تھا۔ انتہی۔

لوامح الانوار کی عبارت

اور کتاب لوامح الانوار میں شیخ کی عبارت یہ ہے: جان لو کہ رؤیت باری جل وعلاء کے وقت مشاہدہ کرنے والے کی فنا ضروری ہے۔ پس وہ اپنی حس اور لذت سے غائب ہو جاتا ہے۔ کیونکہ نفس ذات کی احدیت ہے۔ اس کی قدرت میں یہ نہیں کہ ایک ساتھ آن واحد میں دو امور میں مشغول ہو۔ پس ضروری ہے کہ کلی طور پر ادراک رؤیت یا اسے قبول کرنے کے لئے متوجہ ہو۔ تو جب اللہ تعالیٰ تجھے اپنا مشاہدہ کراتا ہے تو تجھے اپنے سے فنا کر دیتا ہے۔ پس خطاب کوئی محل نہیں پاتا جس پر توجہ کرے۔ اور جب تجھ سے کلام فرمایا ہے تو تجھے ایجاد فرماتا ہے۔ کیونکہ تجھ سے قبول کرنا ضروری ہے حتیٰ کہ تو خطاب قبول کرلے ورنہ خطاب کا کوئی فائدہ نہیں۔ انتہی

اور طائفہ اکابر کے شیوخ میں سے شیخ ابو العباس الساری فرماتے ہیں: کوئی صاحب عقل کبھی بھی حق تعالیٰ کے مشاہدہ کے ساتھ لذت نہیں پاتا۔ اور یہ اس لئے کہ یہ ایسی فناء ہے جس میں کوئی لذت نہیں۔ اور اس پر فتوحات میں شیخ نے موافقت فرمائی ہے اور لوامح الانوار میں آپ نے یہ بھی فرمایا: جب اللہ تعالیٰ تجھے کسی مقام مشاہدہ میں قائم کرے اور تجھے تیرے نفس کا اپنے ساتھ مشاہدہ کرائے تو تو بہت بعد والوں سے زیادہ بعید ہے۔ کیونکہ تیرا نفس کون ہے اور رب العالمین کے سامنے کون کا کیا رتبہ۔ لیکن اس وقت تجھے مجاورت معنویہ کی حقیقت حاصل ہے اور وہ یہ کہ تیرے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی امر زائد نہیں جیسا کہ دو باہم ملے ہوئے جواہر کے درمیان تیسرا مقام نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی شان اعلیٰ ہے۔

فرماتے ہیں: پھر اس مجاورت کو صرف اہل کشف ہی سمجھ سکتے ہیں اور طبرانی وغیرہ کی حدیث میں مرفوعاً ہے عبد اور اس کے رب کے درمیان نور و ظلمت کے ستر ہزار حجابات ہیں۔ تو جو نفس بھی ان حجابات کی حس سن پائے ہلاک ہو جائے انتہی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے اپنے اور اپنی مخلوق کے مابین ستر ہزار حجابات ہیں۔ اگر انہیں کھول دے تو اس کے وجہ پاک کے انوار خلق کو جلا دیں۔

خلق کے لئے رؤیت باری عز و جل کی کیفیت

اگر کہا جائے کہ پھر باری جل وعلا کی اپنی مخلوق کے لئے رؤیت کیسے ہوتی ہے؟ تو اس کا جواب شیخ نے ۷۸ ویں باب میں یہ دیا ہے کہ حق تعالیٰ کی عالم کی طرف نظر کی صورت یہ ہے کہ وہ اس کی طرف نگاہ رحمت کے ساتھ دیکھتا ہے نہ کہ نگاہ عظمت کے ساتھ جیسا کہ اس کے جلال کے شایاں ہے۔ اسی لئے رؤیت کے وقت عالم اس کے ساتھ ثابت رہتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ عالم کو نگاہ عظمت کے ساتھ دیکھتا

جیسا کہ اس کے جلال کے لائق ہے تو اس کے وجہ اقدس کے انوار سے سارا عالم جل جاتا جیسا کہ ابھی حدیث پاک کے حوالے سے گزرا۔
شیخ نے فرمایا: اور یہ رحمت ہی عین حجاب ہے جو کہ عالم اور جلانے والے انوار کے مابین ہے۔ پس یہ اس بادل کی طرح ہے جس کے متعلق شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خبر دی کہ خلق کی تخلیق سے پہلے حق تعالیٰ کی وہیں جلوہ گری تھی۔ اور اس میں اکثر باتیں کہی نہیں جا سکتیں۔
اور شیخ نے باب اسرار میں فرمایا: جب حق تعالیٰ کا معاینہ کیا جائے تو وہ صرف من حیث العلم ہی ہو سکتا ہے اور عقیدہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے ارفع و اعلیٰ ہے کہ اس کی ذات کا احاطہ کیا جا سکے۔ انتہی۔ اور آپ نے فتوحات کے باب الوصایا میں فرمایا: جان لے کہ مشاہدہ حق تعالیٰ کے دعویٰ میں سچا ہونے کی علامت یہ ہے کہ جب اپنے قلب کے شیشے کا عکس کائنات کی طرف ڈالے تو تمام مخلوق کے ضمائر میں جو کچھ ہے اسے پہچان لے۔ اور اس کشف پر لوگ اس کی تصدیق کریں۔ (اقول و باللہ التوفیق۔ معلوم ہوا کہ نجدیوں نے اپنے زعم فاسد میں حمایت توحید کے نام پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اکابر اسلام اولیاء اللہ کے لئے جو عدم مشاہدہ اور عدم علم کا قول کیا ہے کہ پس دیوار نہیں جانتے۔ اور نہیں دیکھتے یہ سب غلط اور مبنی بر جہالت وحماقت ہے۔ عارفین کاملین کے سرخیل شیخ اکبر قدس سرہ جنہیں تحقیق مسئلہ توحید میں اعلیٰ مقام حاصل ہے وہ تو مذکورہ بالا تصریح کے مطابق عارف کامل کے قلب کے شیشے میں پوری کائنات کو منعکس ہونے کا قول فرما رہے ہیں۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ اہل اللہ کا مشاہدہ کائنات توحید کے منافی نہیں بلکہ توحید کے منصب اعلیٰ پر فائز ہو کر تو تمام حجابات اٹھ جاتے ہیں۔ ماقبل میں گزر چکا کہ ان کی نگاہیں تو لوح محفوظ تک پہنچتی ہیں۔ توحید ایک جہان انوار ہے جس کی بدولت موحدین ساری کائنات کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ مافی الصدور پر مطلع ہوتے ہیں۔ امام شعرانی قدس سرہ طبقات میں شیخ جاگیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ترجمہ میں ناقل ہیں کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں کبھی کسی مرید سے عہد نہیں لیتا یہاں تک کہ میں اس کا نام لوح محفوظ میں لکھا ہوا دیکھتا ہوں۔ معلوم ہوا کہ اہل اللہ کی نگاہ کی وسعتیں توحید کے منافی نہیں بلکہ نتائج توحید ہیں۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ ولوالدیہ)

رؤیت اور شہود میں فرق

اگر تو کہے کہ رؤیت اور شہود میں کیا فرق ہے جو کہ صوفیاء کہتے ہیں؟ اس کا جواب شیخ نے ۲۶۶ ویں باب میں یہ دیا ہے کہ رؤیت سے پہلے مرئی کا علم کبھی نہیں ہوتا۔ جبکہ شہود سے پہلے شہود کے متعلق علم ہوتا ہے اور اسی کا نام عقائد ہے اور اسی لئے قیامت کے دن رؤیت میں اقرار و ایمان واقع ہوگا۔ کیونکہ انہوں نے اسے دیکھا جس کے متعلق انہیں پہلے کوئی علم نہ تھا۔ بخلاف شہود کے۔ پس اس میں بیشک اقرار ہی ہوتا ہے نہ کہ انکار۔ اور اس کی وضاحت یہ ہے کہ شاہد کو صرف اسی لئے شاہد کہتے ہیں کہ اس نے جو دیکھا ہے وہ گواہی دیتا ہے کہ اس کا عقیدہ صحیح ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے افمن کان علی بینة من ربه ویتلوه شاهد منه (ہود آیت ۱۷ تو کیا وہ شخص (انکار کر سکتا ہے؟) جس کے پاس روشن دلیل ہو اپنے رب کی طرف سے اور اس کے پیچھے ایک گواہ بھی آ گیا ہو) یعنی اس کے لئے اس کے عقیدہ کی صحت کی گواہی دیتا ہے۔ شیخ نے فرمایا: یہیں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رؤیت کا سوال کیا۔ ارنی انظر الیک (الاعراف آیت ۱۴۳۔ مجھے دکھا کر تجھے دیکھوں) اور آپ نے یہ سوال نہیں کیا کہ مجھے مشاہدہ کرا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کے لئے مشہود تھا۔ کبھی غائب نہیں ہوا۔ اور رسول محترم سے کیونکر غائب ہوگا وہ تو اولیاء سے غائب نہیں ہوتا۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے صرف وہ رؤیت طلب کی جو کہ آخرت

میں انبیاء علیہم السلام کے ساتھ خاص ہے تا کہ آپ کے لئے اسے دنیا میں کر دے جبکہ آپ کے مقام نے اس کی طلب کی۔ رہا آپ کا حق تعالیٰ کا ایسے مشاہدہ کرنا جیسے اولیاء اللہ اس کا مشاہدہ کرتے ہیں تو یہ آپ کے مقام ولایت کی حیثیت سے عطیۂ وزیریہ ہے۔

رؤیت وشہود میں فرق بحوالہ لواقح الانوار

اور کتاب لواقح الانوار میں آپ نے یہ بھی فرمایا: رؤیت اور شہود میں کیا فرق ہے؟ بیشک شہود وہ شاہد حق ہے جسے تو اپنے نفس میں روکے ہوئے ہے جس کی طرف اس حدیث میں اشارہ فرمایا گیا "اعبد اللہ کانک تراہ" یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت کر گویا تو اسے دیکھ رہا ہے۔ پس یہ ارشاد کہ کانک تراہ یہ شاہد حق ہی ہے جسے تو اپنے نفس میں قائم کرتا ہے گویا تو اسے دیکھ رہا ہے۔ اور یہ تعلیم کا درجہ ہے پھر اس سے درجہ خصوص کی طرف ترقی ہوتی ہے۔ اور وہ تیرا یہ جاننا ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے دیکھ رہا ہے اور تو اسے نہیں دیکھ رہا۔ اور یہ اس لئے کہ تو نے اللہ تعالیٰ کا شہود اپنی نماز کے وقت اپنے قلب میں مثلاً سمیت قبلہ میں ضبط کر لیا ہے۔ پس تو نے اپنا شہود بقیہ وجود سے جو کہ تجھے محیط ہے خالی کر لیا ہے اور جب تو اس سے محقق ہو گیا تو تجھے اللہ تعالیٰ کا احاطہ کرنے سے تیرا عاجز ہونا معلوم ہو گیا۔ کیونکہ تو مقید ہے جبکہ اللہ تعالیٰ مطلق ہے۔ تو تنگ ہے اور اللہ تعالیٰ صاحب وسعت ہے۔ اور اس وقت تو تیری طرف اس کی نظر محقق کے ساتھ باقی رہتا ہے نہ کہ اس کی طرف تیری اپنی نظر کے ساتھ۔ کیونکہ تیری نظر اسے مقید ومحدود قرار دے گی جبکہ وہ قیود وحدود سے منزہ ہے۔ پس اس وقت شہود کے لئے معرفت اور رؤیت کے لئے کشف کامل ہے۔ انتہی۔

اگر تو کہے کہ بندہ قول بالجہت سے کب باہر نکلتا ہے؟ تو اس کا جواب سیدی علی بن وفا رحمہ اللہ کے لائق یہ ہے کہ بندہ جہت کے قول سے نہیں نکلتا مگر اگر اس کا کشف آسمانوں اور زمینوں کی اطراف سے ختم ہو جائے۔ اور اللہ تعالیٰ اسے اپنے علم سے کچھ عطا فرمائے۔ فرماتے ہیں: جس کا کشف آسمانوں اور زمینوں کے ساتھ یا برزخ۔ جنت اور دوزخ کے ساتھ مقید رہا تو وہ اپنے رب کو جہت میں ہی دیکھے گا۔ انتہی۔

اگر تو کہے کہ پھر تو کسی نے بھی اپنے رب کو نہیں دیکھا مگر فی نفسہ اپنی استعداد کی صورت میں۔ جبکہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کی علو میں اس سے بلند وبالا ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ ہاں کسی بندے نے اپنے رب کو نہیں دیکھا مگر اپنی وسعت کے مطابق۔ اس کے علاوہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اگر یہ صحیح ہوتا کہ بندہ اپنے مرتبے سے اوپر دیکھتا ہے تو انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کا بعض پر اختصاص باطل ہو جاتا اور البتہ اولیاء اللہ انبیاء علیہم السلام کے درجے میں ترقی کرتے جبکہ یہ محال ہے۔

رؤیت حق کی حقیقت

اگر تو کہے کہ پھر تو بندے نے معرفت حق کے آئینے میں صرف اپنی ہی صورت دیکھی ہے اور حقیقت میں اس نے حق کو نہیں دیکھا۔ تو جواب یہ ہے کہ ہاں! یہ اسی طرح ہے۔ پس اس کا حکم اس انسان کی طرح ہے جس نے اپنا چہرہ محسوس آئینے میں دیکھا۔ پس بیشک وہ اپنی ہی صورت کو آئینے کے جرم کے شہود سے روکنے والی پاتا ہے۔ اور شیخ محی الدین نے لواقح الانوار میں فرمایا: یہاں رؤیت اور تجلی کے لئے اقرب اور زیادہ مشابہ مثال آئینے میں اپنے چہرے کا مشاہدہ کرنے والے کی رؤیت سے زیادہ نہیں۔ اے بھائی جب تو آئینے میں صورت دیکھے اس وقت اپنے آپ میں پوری کوشش کر تو شیشے کا جرم دیکھے تو اسے کبھی نہیں دیکھ سکے گا۔ بلکہ رؤیت کے ساتھ ... محقق

ہونے سے پہلے، تیری صورت آئینے میں نقش ہو جاتی ہے پس تیری نظر نہیں پڑے گی مگر تیری اپنی ہی صورت پر۔ پس اس مرتبے سے اوپر ترقی کرنے کی طمع نہ کر اور اپنے آپ کو مشقت میں نہ ڈال۔ وہاں اصلاً کچھ نہیں ہے۔ اور اس کے بعد عدم محض ہی ہے۔ اس پر غور کرو۔ اور پوری توجہ کرو۔ پس بیشک اس سے وہم ہوتا ہے کہ آخرت میں سب کے لئے مرئی غیر حق ہے۔ اور اس میں جو نقص ہے مخفی نہیں۔

رؤیت میں تفاوت کا سبب

اگر تو کہے کہ رؤیت میں کمال اور نقص کے اعتبار سے مرتبے میں لوگوں کے باہم کم وبیش ہونے کا کیا سبب ہے باوجودیکہ مرئی (یعنی جس ذات کی رؤیت حاصل ہو رہی ہے) سبحانہ وتعالیٰ کی ذات زیادتی قبول کرتی ہے نہ نقصان؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مرتبے میں باہم کم وبیش ہونے کا سبب ان کا یوں ہونا ہے کہ وہ معرفت حق کے آئینے میں صرف اپنے ہی حقائق کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اگر وہ عین ذات کا مشاہدہ کرتے تو رؤیت میں برابر ہوتے۔ اور ان کے مابین درجات کی کمی بیشی درست نہ ہوتی۔ لیکن حقائق انبیاء علیہم السلام سے ان کے غیروں کی کیا نسبت۔

اگر تو کہے کہ کیا وہ آخرت میں اسی طرح متفاوت ہوں گے جس طرح کہ دنیا میں ان کے درمیان تفاوت ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ ہاں کیونکہ آخرت میں ان کی تفاوت دنیا میں ان کی تفاوت کی فرع ہے۔ جبکہ شیخ نے ۳۳۱ ویں باب میں فرمایا: جان لو کہ آخرت میں ایمان والوں کی اپنے رب کے لئے رؤیت ان کے اس اعتقاد کے تابع ہوگی جس پر وہ دار دنیا میں تھے۔ تاکہ ہر کوئی اس کا پھل چنے جس کا وہ اعتقاد رکھتا تھا۔ پس ان کی رؤیت اللہ تعالیٰ کے متعلق ان کے علم کی قدر پر ہوگی اور اس قدر پر جسے انہوں نے اپنے مقتداؤں سے سمجھا اور جس طرح کہ وہ نعمت ولذت میں کم وبیش ہوں گے۔ ان میں بعض کا اپنے رب کی طرف نظر کرنے سے حظ لذت عقلیہ۔ بعض کا اس سے حظ لذت نفسیہ۔ کسی کا اس سے حظ لذت حسیہ۔ کسی کا اس سے حظ لذت خیالیہ۔ کسی کا اس سے حظ مبنی بر کیفیت لذت۔ کسی کا حظ وہ لذت جس کی کیفیت کا قول ہو سکے گا اور کسی کا حظ وہ لذت جس کی کیفیت کہی نہیں جا سکے گی۔ اور ان میں سے کوئی وہ ہوگا جو علم باللہ تعالیٰ میں اس مطابقت کا مقلد ہوگا جو اس کے عالم نے اس کی طرف القاء کی۔ یا اس علم کے مطابق جو اس کے پاس ہوگا۔ یا اس اندازے پر جو صرف اس کی عقل کے خیال میں آئے تو کوئی وہ ہوگا جو مطابقت کی تقلید سے علیحدہ ہوگا۔ اور اسی طرح باقی درجات

سب سے کامل رؤیت نیز سب سے کامل آئینہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام ہیں

اگر تو کہے کہ خلق کے لئے واقع ہونے والی رؤیت میں سب سے کامل رؤیت کون سی ہوتی ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ سب سے کامل رؤیت انبیاء علیہم السلام کی رؤیت ہوتی ہے۔ پھر ان کے کامل پیروکاروں کی رؤیت۔ کیونکہ کاملین اپنے پروردگار کو نہیں دیکھتے مگر اپنے نبی کے آئینے میں جو انہوں نے اس کی شریعت سے حاصل کیا جو اس سے ثابت ہوئی۔ اور جان لے کہ ہر عبد کے لئے آخرت میں حق تعالیٰ کی رؤیت کی تعداد اسی قدر ہوگی جس قدر اس نے تمام مامورات میں حق تعالیٰ کی مجالست اور منہیات سے اجتناب کا کشف وشہود کے حوالے سے شرف پایا۔ پس طاعات کی زیادتی کی بدولت رؤیت ومعرفت زیادہ ہوگی جبکہ ممنوعات کے ارتکاب کی وجہ کم ہوگی۔ اور جس کے لئے حق تعالیٰ کی مجالست قلیل ہوئی وہ اس سے وہاں جاہل رہے گا جہاں اس نے اس کی مجالست کا شرف حاصل نہیں کیا۔ والسلام

امام شعرانی فرماتے ہیں کہ تمام آئینوں سے زیادہ کامل آئینہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ کیونکہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے

تمام آئینوں پر حاوی ہے۔ اور مرتبہ میں اس سے پیچھے وہ ہے جو اپنے رب کو انبیاء علیہم السلام میں سے کسی نبی کے آئینے میں [illegible]
میں سے کسی کے آئینے میں دیکھے ۱۱۱۔ پس معلوم ہوا کہ کامل وہ ہے جو اپنی عبدیت کی قدر [illegible] اپنے [illegible]

اگر تو کہے کہ تجلیات آخرت میں جو حق تعالیٰ کا انکار کریں گے وہ کون ہیں؟ تو جواب یہ ہے [illegible]
حدیث تجلی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پس جب کشف ساق ہوگا تو سجدے میں [illegible]
یہاں اسرار ہیں جن کا اہل اللہ لیتے ہیں۔ کسی کتاب میں لکھے نہیں جاتے۔ واللہ [illegible]

اگر کہا جائے پس جب ان لوگوں سے انکار واقع ہوا تو کیا اقرار کرنے والے جو انبیاء اور اولیاء ہیں [illegible]
گے تو پھر انہیں اس طرف ہدایت کیوں نہ دیں گے کہ ان کے لئے تجلی فرمائے ۱۱۱ واللہ تعالیٰ [illegible]

اس کا جواب شیخ نے ترجمان الاشواق کی اپنی شرح میں یہ دیا ہے۔ جب انکار واقع ہوا تو انبیاء اور [illegible] لیکن ان منکرین سے ایک مدت
گزرے ہوں گے۔ اور ان منکرین سے لئے ان تجلیات کی طرف ہدایت اس لئے نہیں فرمائیں گے [illegible]
پہچانتے ہوں گے کہ وہ ان سے حسد کرتا ہے کہ اسے ان منکرین سے چھپائیں تا کہ جو کوئی دنیا میں اس کے متعلق اپنے [illegible]

کفار کے لئے عدم رؤیت کی کیفیت

اگر کہا جائے کہ جب کفار اپنے رب کو نہیں دیکھیں گے تو ان کی اس کے متعلق عدم رؤیت کی صورت کیا ہوگی۔ تو اس کا جواب شیخ نے باب اسرار میں یہ دیا ہے کہ ان کی اللہ تعالیٰ کے متعلق عدم رؤیت کی صورت یہ ہوگی کہ وہ اسے دیکھیں گے لیکن انہیں علم نہیں ہوگا کہ یہ وہ ہے۔ پس ان کے رب سے ان کا حجاب اس کے متعلق ان کی جہالت ہے۔ پس وہ اسے ابدالآباد تک بھی نہیں دیکھیں گے۔ انتہی

ایمان والوں کی رؤیت کی کیفیت

اگر کہا جائے کہ کیا ایمان والوں کے لئے رؤیت آنکھ کے ساتھ ہوگی جیسا کہ دنیا میں ہے یا تمام بدن کے ساتھ۔ تو اس کا جواب شیخ [illegible] الدین بن ابو المنصور نے یہ دیا ہے کہ آخرت میں ایمان والوں کے لئے اپنے رب کی رؤیت ان کے پورے اجسام کے ساتھ ہوگی [illegible] یہ نعمت ابدی کے کمال کی وجہ سے ہے۔ پس ان کا اللہ تعالیٰ کو دیکھنا صرف آنکھ کے ساتھ نہ ہوگا بلکہ ان کا سراپا آنکھیں ہوگا۔ اور بعض [illegible] کہتے ہیں کہ وہ صرف اپنے پورے چہرے کے ساتھ دیکھیں گے۔

اگر کہا جائے کہ کیا یہ لازم ہے کہ مومن اللہ تعالیٰ اسے اپنے قلب کے ساتھ جس کا مشاہدہ کرے وہی مطلوب ہے کہ دربار خداوندی [illegible] وسعت ہے اور وہ حصر و تحدید سے بالا ہے؟ تو اس کا جواب شیخ نے ۳۷۷ویں باب میں یہ دیا ہے کہ بندے کا اپنے قلب کے ساتھ [illegible] رب کا مشاہدہ کرنے سے لازم نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جتلانے سے یہی مطلوب ہو۔ پس اسے عبد کے لئے فی نفسہ علم [illegible] ضروری قرار دیا جائے جیسے سونے والا اپنی نیند میں رؤیت حق و علا سے جو کچھ پاتا ہے یا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے۔ پس [illegible] والا فی نفسہ علم ضروری پاتا ہے کہ اسے جو نظر آیا وہ اللہ ہی ہے یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ اور یہ مرئی کے اس کے [illegible] واقع ہونے کی وجہ سے ہے جس پر کہ یہ امر ہے کیونکہ کوئی بھی حق تعالیٰ کا ادراک نہیں کر سکتا مگر اسی طرح۔ رہا غور و فکر کے ساتھ تو یہ

نہیں ہوسکتا جیسا کہ پہلے اس بحث میں گزر چکا کہ اللہ تعالیٰ کی حقیقت تمام حقائق سے جدا ہے۔

آخرت میں نور حق میں شعاع ہوگی؟

اگر کہا جائے۔ وہ نور جس میں آخرت میں حق تعالیٰ کی رؤیت ہوگی ایسا نور ہے جس میں شعاع ہے جیسے کہ اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں دیکھا یا وہ ایسا نور ہے جس میں کوئی شعاع نہیں؟ اس کا جواب شیخ نے ۳۶۰ ویں باب میں یہ دیا ہے کہ وہ نور کہ جس میں آخرت میں حق تعالیٰ کی رؤیت ہوگی ایسا نور ہے جس میں شعاع نہیں۔ پس اس کی روشنی اس سے آگے نہیں بڑھے گی۔ اور آنکھ اسے بالکل آشکارا دیکھے گی۔ اور یہ اس لئے تاکہ دنیوی نور سے جداگانہ ہو۔ اور یہ اس لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جب عرض کی گئی: کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا؟ تو آپ نے فرمایا: نور ہے۔ کیونکر دیکھوں۔ یعنی فرما رہے ہیں کہ میں اسے کیسے دیکھوں جبکہ وہ نور شعشانی ہے یعنی شعاعوں والا نور ہے۔ اور شعاعیں آنکھوں کو چندھیا دیتی ہیں۔ اور اس کے ادراک سے روک دیتی ہیں جس سے وہ شعاعیں پھوٹ رہی ہیں۔ پس اس نور میں اللہ تعالیٰ کا ادراک نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ ادراک کا نور اس میں داخل ہے۔ پس اسی لئے آپ نے اس کا ادراک نہ کیا باوجودیکہ نور کی شان ہے کہ اس کا ادراک ہو اور اس کے ساتھ ادراک حاصل کیا جائے۔ جیسے کہ تاریکی کی شان یہ ہے کہ اس کا ادراک کیا جائے اور اسکے ساتھ ادراک نہیں ہوسکتا۔ شیخ نے فرمایا: اور جب نور عظیم ہو تو اس کا ادراک ہوسکتا ہے اور اس کی لطافت کی شدت کی وجہ سے اس کے ساتھ ادراک نہیں ہوسکتا۔ پھر کبھی بھی ادراک نہیں ہوسکتا مگر مدرک کے نور کے ساتھ جو عقلاً اور حساً اس سے زاہد ہو۔

رؤیت کے متعلق اشکال اور اس کی وضاحت اور لن ترانی میں نکتہ

اگر کہا جائے کہ دیکھنے والے کی شرط ہے کہ اس کی رؤیت اس مرئی کا علم اور اس کے متعلق احاطہ عطا کرے جبکہ ہم نے دیکھا ہے کہ جو حق کو دیکھتا ہے اس کے لئے رؤیت کا ضابطہ نہیں کیونکہ اس کی حقیقت کا م حقائق سے جداگانہ ہے تو کیسے کہا جاسکتا ہے کہ اس نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا؟ اس کا جواب شیخ نے ۴۴۲ ویں باب میں یہ دیا ہے کہ حق تعالیٰ کی رؤیت میں احاطہ صحیح نہیں۔ اور یہ اس حد کے تحت داخل نہیں ہوتی۔ اور غایت علم یہ ہے کہ اسے دیکھنے والا رؤیت کے وقت جان لے کہ اس نے اسے نہیں دیکھا ورنہ اگر اس کے لئے درست ہوتا کہ اسے دیکھ لے تو اس کا علم حاصل کرتا۔ اور وہ اس کا علم کیونکر حاصل کرسکتا ہے جبکہ اس نے تو رؤیت باری کے وقت اپنے قلب پر تجلیات کا تنوع دیکھا ہے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا رب ارنی انظر الیک فرمایا: لن ترانی اس کے سبب میں نکتہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ نے ہمزہ کے ساتھ یعنی انظر کہا۔ اگر آپ ننظر یعنی ن کے ساتھ یا ت کے ساتھ تنظر کہتے۔ تو جواب لن ترانی نہ ہوتا۔ باوجودیکہ انظر میں سوال مجمل ہے اور جواب لن ترانی بھی اسی طرح مجمل ہے۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ رؤیت کا ظاہری مفہوم آنکھ کا دیکھنا ہے یعنی تو مجھے اپنی آنکھ کے ساتھ کبھی نہیں دیکھ سکے گا کیونکہ رؤیت سے مقصود علم بالمرئی ہے۔ اور تو ہر رؤیت میں اس کے خلاف دیکھتا رہے گا جو کہ تو نے اس سے پہلی رؤیت میں دیکھا پس تجھے اللہ تعالیٰ کی تیری رؤیت میں کبھی بھی علم بالمرئی حاصل نہیں ہوگا۔ تو لن ترانی کا قول درست ہوا کیونکہ میں اس حیثیت سے جو میں اپنی ذات میں ہوں تنوع قبول نہیں فرماتا۔ جبکہ تو جب بھی اپنے رب کو دیکھے گا تو اسے صفات میں متنوع ہی دیکھ سکے گا۔ اور تو بھی متنوع نہیں ہے پس تو نے مجھے نہیں دیکھا۔ اور نہ ہی اپنے آپ کو دیکھا۔ اور تو نے دیکھا ہے۔ پس اس کے سوا چارہ نہیں کہ تو کہے میں نے حق

دیکھا۔ جبکہ تو نے مجھے حقیقۃً نہیں دیکھا۔ اور اسی طرح چارہ نہیں کہ تو کہے میں نے اپنے آپ کو دیکھا جبکہ حقیقت میں تو نے اپنے آپ کو نہیں دیکھا۔ اور وہاں کوئی نہیں مگر تو اور حق تعالیٰ۔ اور نہ ہی حق اور خلق میں سے کسی کو تو نے دیکھا۔ اور تو جانتا ہے کہ تو نے دیکھا تو یہ کیا ہے جو تو نے دیکھا۔ پس معنی یہی لوٹا کہ تو مجھے اپنی آنکھ کے ساتھ کبھی نہیں دیکھ سکے گا مگر اگر میں قوۃ الٰہیہ کے ساتھ تیری مدد کروں۔ شیخ فرماتے ہیں کہ یہ حیرت کے مقامات مشاہدہ سے ہے۔

جواب لن ترانی کے متعلق مزید وضاحت

اور آپ نے ۴۰۱ باب میں فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ اسلام سے لن ترانی صرف اس لئے فرمایا کہ دیکھنے والا درست نہیں کہ ہر مرئی سے دیکھے مگر اپنی قدرت ومنزلت کے معیار کے مطابق۔ اس کے سوا نہیں۔ اور اگر دیکھنے والا حق تعالیٰ کا احاطہ کر سکتا تو رؤیت میں کمی بیشی نہ ہوتی۔ پھر سب سے قلیل حجاب جو کہ بندے کو احاطہ کرنے سے محجوب کرتا ہے اس کے لئے تجلی حق کے وقت اس کا اپنے آپ کو دیکھنے میں مشغول ہونا ہے۔ پس بندے کا اپنے رب سے حجاب اس کی اپنی رؤیت ہے۔ پس ہم خود ہی اپنا حجاب ہیں۔ علاوہ ازیں اگر ہم اپنے آپ سے زائل ہو جائیں پھر بھی ہم نے اسے نہیں دیکھا کیونکہ ہمارے زائل ہونے کے بعد وہاں کوئی باقی نہیں جو اسے دیکھے۔ اور جب ہم ہی زائل نہ ہوں تو اس وقت ہم نے صاف آئینہ میں صرف اپنے آپ ہی کو دیکھا۔ اور کبھی ہم عبارت میں گنجائش پیدا کریں تو یوں کہتے ہیں کہ بیشک ہم نے اسے دیکھا۔ پس اللہ تعالیٰ کے بارے میں کوئی حیرت سے باہر نہیں نکل سکتا۔ انتہی۔

خر موسیٰ صعقا اور علم باللہ تعالیٰ

اگر تو کہے کہ جب تو حضرت موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہو کر صرف اس لئے گرے کہ آپ کو رؤیت کے سوال سے پہلے علم باللہ تعالیٰ حاصل ہے؟ تو شیخ نے ۴۴۸ ویں باب میں اس کا جواب یہ دیا ہے کہ ہاں آپ کو صرف اسی حقیقت نے بیہوش کیا۔ لیکن آپ حق تعالیٰ کی طرف سے نہیں جانتے تھے۔ عرض کی تبت الیک (میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں) یعنی میں تیری رؤیت اس وجہ پر طلب نہیں کروں گا جو میں نے طلب کی کہ میں نے اس حقیقت کو پہچان لیا جو میں تجھ سے نہیں جانتا تھا۔ وانا اوّل المومنین (اور میں پہلا مومن ہوں) یعنی تیرے قول لن ترانی پر۔ کیونکہ تو نے یہ قول صرف مجھی سے فرمایا ہے اور یہ خبر ہے۔ پس اسی لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے ایمان کے ساتھ لاحق کیا نہ کہ علم کے ساتھ۔ اگر آپ نے لن ترانی پر مطلق ایمان مراد لیا ہوتا تو آپ کے لئے اوّلیت صحیح نہ ہوتی اس لئے کہ آپ سے پہلے بھی مومنین تھے۔ لیکن اس قول (لن ترانی) پر کوئی ایمان والا نہ تھا۔ تو بیہوشی کے بعد جو بھی ایمان لایا پس وہ بصیرت پر ایمان لایا۔

اور وہ ایمان میں صاحب علم ہے اور یہ مشاہدہ کا نادر مقام ہے۔ پس بیشک بندہ جب ایمان سے علم کی طرف منتقل ہوتا ہے جو کہ زیادہ واضح ہے تو اس کے ساتھ حجاب ایمان کیسے باقی رہ سکتا ہے۔ اسی لئے یہ کاملین کے ساتھ خاص ہے۔ پس وہ اس پر ایمان رکھتے ہیں جس کے متعلق وہ علم رکھتے ہیں تاکہ علم کے اجر کے ساتھ ساتھ ایمان کا اجر جمع کر لیں۔ اور ان میں سے ایک کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ عین واحد سے وہ اس پر ایمان رکھتا ہے جس کا وہ علم رکھتا ہے۔ اور شیخ نے ۵۵۸ ویں باب میں اللہ تعالیٰ کے اسم الظاہر پر کلام کرتے ہوئے تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ اگر تو چاہے تو اس کی طرف رجوع کر۔

اور سیدی علی بن وفا رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: بہت عجیب امر ہے اللہ تعالیٰ کا موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام سے لن ترانی فرمانا یعنی

باوجودیکہ تیری قوت ہے کہ تو مجھے دائما دیکھتا ہے اور تجھے شعور نہیں کہ جسے تو دیکھ رہا ہے وہ میں ہوں۔انتہی۔

اگر تو کہے کہ کیا حق تعالیٰ کا علم کشف کے ساتھ ہوسکتا ہے؟ تو اس کا جواب شیخ نے باب الاسرار میں یہ دیا ہے کہ صحیح نہیں کہ حق تعالیٰ کا علم کشف سے ہو۔ اس کے ساتھ صرف اس کی رؤیت ہوسکتی ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا علم عقل کے ساتھ ہوتا ہے اس کے ساتھ دیکھی نہیں جاتی۔ شیخ نے فرمایا: یہاں ہمارے لئے کیا ایسا مقام ہے جو رؤیت اور علم کا جامع ہو؟ مجھے معلوم نہیں۔

تجلی الٰہی کی صور کی تعداد

اگر تو کہے کہ تجلی الٰہی کی صورتیں عدد کے کس مرتبہ تک رجوع کرتی ہیں؟ تو اس کا جواب شیخ نے ۱۹۸ویں باب میں یہ دیا ہے کہ سب کی سب دو صورتوں کی طرف لوٹتی ہیں۔ ناآشنائی کی صورت اور آشنائی کی صورت۔ ان کی تیسری صورت نہیں۔ شیخ نے فرمایا: حدیث میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام سے کلام فرمایا تو آپ کے لئے بارہ ہزار صورت میں تجلی فرمائی۔ اور ہر صورت میں آپ سے فرمایا: اے موسیٰ! تاکہ موسیٰ متنبہ ہوں پس جان لیں کہ اگر تمام تجلی صورت واحدہ کے ساتھ ہوتی تو ہر صورت اور کلمہ میں یا موسیٰ نہ فرماتا۔انتہی

سماع کلام اور رؤیت کے وقت کیفیت موسیٰ میں فرق

اگر تو کہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام سنتے وقت موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کیسے ثابت رہے جبکہ رؤیت کے وقت ثابت نہ رہے؟ تو اس کا جواب شیخ نے ۴۵۰ویں باب میں یہ دیا ہے کہ کلام الٰہی سنتے وقت آپ اس لئے ثابت رہے کہ حق تعالیٰ مناجات کے وقت آپ کی سماعت تھا یعنی حضرت موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کی سماعت کی تائید وتقویت فرمانے والا تھا کیونکہ بلاشک وشبہ اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں جبکہ حق تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ جب وہ کسی بندے سے محبت فرماتا ہے تو اس کی سمع و بصر ہوجاتا ہے۔ لیکن کبھی اس مقام میں جس کے لئے چاہے تمام صفات جمع فرماتا ہے اور کبھی اسے بعض صفات درجہ بدرجہ یکے بعد دیگرے عطا فرماتا ہے۔ پس اسی لئے تجلی کے وقت موسیٰ بیہوش ہوگئے کیونکہ اس وقت حق تعالیٰ آپ کی بصر نہ تھا۔ پس اگر اللہ تعالیٰ آپ کی بصر میں آپ کی مدد فرماتا جیسے کہ آپ کے سمع میں مدد فرمائی تو آپ رؤیت کے لئے اسی طرح ثابت رہتے جیسے سماع کلام کے لئے ثابت رہے کیونکہ حادث کے لئے حق تعالیٰ کی رؤیت پر تائید الٰہی کے بغیر کوئی طاقت نہیں۔

رؤیت کی دعا کے لئے تخصیص موسیٰ کی وجہ

اگر تو کہے کہ کیا وجہ ہے جس نے باقی انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی بجائے صرف موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کو رؤیت کی طلب کی دعوت دی اگر تو شدت شوق ہے تو ہمارے نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی بہ نسبت یقیناً زیادہ شائق ہیں کیونکہ جس کی رؤیت کا اشتیاق واقع ہوا اس کی عظمت کی شدت معرفت کی وجہ سے شوق زیادہ ہوتا ہے۔ اور اگر اس کی وجہ قرب خداوندی حاصل کرنا ہے تو تمام انبیاء علیہم السلام مقربین ہیں؟ اس کا جواب شیخ ۳۳۱ویں باب میں یہ دیا ہے کہ آپ کے لئے طلب رؤیت کی طرف دعوت دینے والا سبب سوائے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے باقی انبیا علیہم الصلوۃ والسلام کی بہ نسبت زیادہ قرب حاصل کرنا ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ

جب موسیٰ علیہ السلام کوقرب کے مقام میں کھڑا کیا تو آپ اپنے آپ کورؤیت کے سوال سے روک نہ سکے۔ جبکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ و سلم کواس کے سوال سے ادب مانع ہوا باوجود یکہ آپ رویت باری تعالیٰ کی طرف حضرت موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کی بہ نسبت یقیناً زیادہ شائق تھے۔ تو جب آپ قوت تمکین کی وجہ سے مقام ادب پر چلے تو اللہ تعالیٰ نے آپ پر اس مقام کی حفاظت فرمائی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے خود آپ کو جبریل علیہ الصلوۃ والسلام کی زبان پر اپنی رؤیت کی دعوت دی۔ اور آپ کی سواری کے لئے براق بھیجا۔ اور یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر آپ کے شرف کے اظہار کے لئے فرمایا۔ پس معلوم ہوا کہ موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام رؤیت سے صرف اس لئے روکے گئے کہ آپ نے وحی الٰہی کے بغیر اس کا سوال کیا۔ اور مقام انبیاء ذرات کی وجہ سے مواخذہ کا تقاضا کرتا ہے۔ اسی لئے آپ کے لئے جواب آپ کے سوال رؤیت کی حیثیت سے لن ترانی تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے لطیف طریقے سے استدراک فرمایا کہ اس کے علم میں تھا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر سوال رؤیت کی حیثیت سے موسیٰ میں تادیب اپنی حد تک پہنچ گئی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا: پہاڑ کی طرف نظر کرو۔ پس آپ کو پہاڑ پر اس کے تجلی کے وقت ثابت رہنے میں پھیر دیا۔ کہ پہاڑ ممکنات میں سے ہے۔ تو جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے پہاڑ کے لئے تجلی فرمائی جبکہ وہ حادث ہے اور اس کی تجلی کی وجہ سے پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا تو ہر عارف کو علم حاصل ہو گیا کہ پہاڑ نے اپنے رب کو دیکھا اور بیشک رؤیت ہی ہے جس نے اس کے لئے ریزہ ریزہ ہونا واجب کر دیا۔ اور یہیں سے بعض محققین نے کہا ہے کہ جب جائز ہے کہ پہاڑ کو رب کی رؤیت ہوئی تو حضرت موسیٰ کے لئے پہاڑ کے ریزہ ریزہ ہونے کے وقت اپنے رب کی رؤیت سے کونسی چیز مانع ہے۔ اور وقوع نفی مستقبل کے لئے ہوگا۔ اور آیت میں اس کا احتمال ہے۔ پس بیہوش ہونا حضرت موسیٰ کے لئے پہاڑ کے ریزہ ریزہ ہونے کے قائم مقام تھا۔ پھر جب پہاڑ کے لئے تجلی واقع ہوئی اور وہ ریزہ ریزہ ہو گیا تو موسیٰ علیہ السلام کو علم ہو گیا کہ آپ سے ایسا کام سرزد ہوا جس کا سوال نہیں چاہئے تھا اگرچہ اس پر آپ کو کثرت شوق نے ابھارا۔ پس آپ نے کہا: تبت الیک و انا اول **المومنین**۔ یعنی اس امر جائز کے وقوع ۔ ۔ سے پہلے ایمان لانے والا ہو۔ انتہی

سوال رؤیت پر سیّدی علی الخواص کا تبصرہ

اور میں نے سیدی علی الخواص رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ موسیٰ علیہ السلام کو طلب رؤیت میں طمع صرف قرب خداوندی کے اس ذوق نے دلائی جو آپ کے ہاں قائم تھا۔ اور یہ معلوم ہے کہ رسل علیہم السلام، اللہ تعالیٰ کے متعلق سب سے زیادہ علم رکھنے والے ہیں۔ پس وہ پہچانتے ہیں کہ بیشک حق تعالیٰ کا ادراک بصری کے ساتھ ادراک ہو سکتا ہے جیسا کہ اس کے جلال کے شایاں ہے۔ اور اس بنیاد پر، پس حضرت موسیٰ نے صرف اسی چیز کا سوال کیا جس کا سوال ذوقاً اور نقلاً آپ کے لئے جائز ہے نہ کہ عقلاً۔ کیونکہ یہ عقلی محالات میں سے ہے۔ انتہی

اور شیخ نے ۲۰۹ ویں باب میں فرمایا: حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کو جبکہ آپ نے اپنے رب کی رؤیت کا سوال کیا پہاڑ کی رؤیت کا حوالہ اس لئے دیا کہ ثابت رہنا پہاڑ کے صفات میں سے ہے۔ یعنی اگر پہاڑ اس وقت ثابت رہا جب میں اس کے لئے تجلی ڈالوں تو پھر تو مجھے اس صفت کی حیثیت سے دیکھ لے گا جو تیری ذات میں پہاڑ کے ثابت رہنے کی صفت سے موجود ہے۔ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ ہے جب وہ سختیوں اور عظیم حادثوں کے وقت ثابت قدم رہتا ہو۔ اور یہ امر مخفی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں پہاڑ حضرت موسیٰ سے زیادہ محترم نہیں ہے۔ وہ تو صرف زمین کی تخلیق جس سے پہاڑ ہے کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تخلیق

سے جو کہ لوگوں میں سے ہیں بڑا ہونے کی وجہ سے ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لخلق السموات والارض اکبر من خلق الناس (بیشک آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا لوگوں کے پیدا کرنے بہت بڑا کام ہے) یعنی جب پہاڑ جو کہ زیادہ سخت ہے تجلی کے وقت ریزہ ریزہ ہو گیا تو میری رؤیت کے لئے موسیٰ کا پہاڑ کیسے ثابت رہ سکتا ہے جو کہ جسم کے اعتبار سے چھوٹا پہاڑ ہے۔

اگر کہا جائے کہ بیہوشی کے بعد حضرت موسیٰ اپنی صورت کی طرف کیوں کر لوٹ آئے جبکہ ریزہ ریزہ ہونے کے بعد پہاڑ اپنی صورت کی طرف نہیں لوٹا؟ تو جواب یہ ہے کہ کہ پہاڑ اپنی صورت کی طرف اس لئے نہیں لوٹا کہ وہ روح سے خالی ہے جو کہ اس کی مدبر ہے بخلاف حضرت موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کے کہ آپ بیہوشی نے بعد اپنی صورت کی طرف لوٹ آئے کیونکہ آپ ذی روح تھے تو آپ کی روح ہی ہے جس نے آپ کی صورت کو اس حالت پر رو کے رکھا جس پر کہ وہ ہے۔ بخلاف پہاڑ کے کہ وہ ریزہ ریزہ ہونے کے بعد پہاڑ ہونے کی طرف نہیں لوٹا کیونکہ اس میں روح کا وجود نہیں جو اس کی صورت اس پر رو کے رکھتی۔

جمادات کی حیات

اگر تو کہے کہ اہل کشف کہتے ہیں کہ جمادات زندہ ہیں تو یہ حیات کیا ہے؟ اس کا جواب شیخ نے ۳۹۳ ویں باب میں یہ دیا ہے کہ جمادات کی حیات سے مراد ان کا اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ تسبیح پڑھنا۔ اس کی تنزیہہ وتقدیس کرنا ہے نہ کہ یہ کہ اسے حیوان مشہور کی طرح اختیار اور تدبیر حاصل ہے۔ شیخ نے فرمایا: جمادات کی حیات پر بہت عظیم دلیل سمعی اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے وان منها لما یهبط من خشیة الله (البقرۃ آیت ۷۴۔ اور پتھروں میں سے ایسے بھی ہیں جو خوف الٰہی سے گر پڑتے ہیں)۔ پس بیشک خوف کے ساتھ صرف ذی حیات صاحب ادراک ہی موصوف ہو سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور جنوں کی آنکھیں جمادات کی حیات کے ادراک سے روک دی ہیں مگر جن کے لئے اللہ تعالیٰ چاہے جیسے ہم اور ہمارے جیسے دیگر حضرات۔ پس ہم اس کے متعلق دلیل سمعی کے محتاج نہیں ہیں کیونکہ ہر چیز کی حیات سے ہماری آنکھوں سے پردے کھول دیئے گئے اور ہمارے کان جمادات کی تسبیح اور ان کا بولنا سنتے ہیں۔ فرماتے ہیں: اور اسی طرح جب پہاڑ کے لئے تجلی واقع ہوئی تو اس کا ریزہ ریزہ ہونا اس سے اللہ تعالیٰ کی عظمت کی معرفت کی وجہ سے ہوا۔ اور اگر اس کے پاس معرفت نہ ہوتی تو ریزہ ریزہ نہ ہوتا کیونکہ ذوات اپنے بعض میں اس حیثیت سے اثر نہیں کرتیں کہ وہ ذات ہے۔ اس میں تو صرف اس کی معرفت اثر کرتی ہے مثلاً بادشاہ کو دیکھو جب وہ عوام کی وضع قطع پر بازار میں داخل ہوتا ہے اور ان کے درمیان چلتا پھرتا ہے جبکہ وہ اسے پہنچانتے نہیں ہیں تو کس طرح ان کے نفسوں میں اس کے لئے کوئی وزن قائم نہیں ہوتا۔ پھر جب اس حالت میں اس کے خواص میں سے جو کہ اسے پہنچانتا ہے ایسے ملتا ہے تو اس کے دل میں اس کی عظمت وقدر قائم ہو جاتی ہے اور اس میں اس کا علم اثر کرتا ہے پس وہ اس کا احترام اور ادب کرتا ہے۔ اس کے لئے جھکتا ہے۔ تو جب لوگ اس جھکنے والے سے یہ سلوک دیکھتے ہیں جس کے متعلق بادشاہ کے ہاں اس کا قرب اور منزلت پہنچانتے ہیں تو اس کی طرف ان کی آنکھیں حیرت سے تکتی ہیں۔ اس کے سامنے ان کی آوازیں پست ہو جاتی ہیں۔ اس کے لئے راستہ وسیع کرتے ہیں۔ اسے دیکھنے اور اس کے احترام کے لئے دوڑتے ہیں۔ پس ان میں صرف اس علم نے اثر کیا جو ان کے ساتھ قائم ہے۔ تو انہوں نے اس وقت صرف اس کی صورت کی وجہ سے احترام نہیں کیا۔ کیونکہ وہ صورت کا تو اس کے بادشاہ ہونے کے متعلق علم سے پہلے ہی مشاہدہ کر چکے تھے۔ پس اس پر غور کر۔ تو معلوم ہوا کہ اس کا بادشاہ ہونا اس کی صورت کا عین نہیں ہے۔ و

تو صرف ایک رتبہ نسبیہ ہے جو اسے اس جہان میں حکمرانی عطا کرتا ہے جو کہ اس کے زیر نگیں ہے۔

نماز میں مناجات کا مفہوم

اگر تو کہے کہ حدیث میں وارد ہے کہ اس دنیا میں بندہ نماز میں اپنے رب سے مناجات کرتا ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ مناجات کرنا درست قرار نہیں پاتا مگر اس کے متعلق جس کے متعلق خیال کرے کہ اسی طرح وہ اس کے ساتھ مناجات کر رہا ہے۔ تو دار آخرت کا امتیاز کس وجہ سے ہوا؟ تو جواب یہ ہے کہ دار آخرت اس وجہ سے متمیز ہوا کہ وہاں بندہ اسے پہنچانے گا جس کے ساتھ مناجات کرے گا اور اس کا کلام سنے گا۔ جبکہ یہاں اسے پہنچانتا ہے نہ اس کا کلام سنتا ہے۔ پس آخرت میں بندے کے لئے مزید انکشاف کے بغیر چارہ نہیں۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دنیا میں ہمیں فرمایا: اللہ کی عبادت کر گویا تو اسے دیکھ رہا ہے اور دار آخرت کے بارے میں فرمایا: تم میں سے کوئی نہیں مگر اس کا رب اس سے مشافہتہ کلام فرمائے گا۔ کہ درمیان میں کوئی ترجمان نہیں ہوگا۔

اور اس کی وضاحیت یہ ہے کہ انسان میں پائے جانے والے قوائے ظاہرہ یا باطنہ میں کسی چیز کے ساتھ بھی جس کا ادراک کیا جاتا ہے ضروری ہے کہ تخیل کے ساتھ ہو۔ اگر یہ تخیل نہ ہو تو وہ اس کی طرف سکون اختیار نہ کرتا۔ پس خیال میں لائی ہوئی چیز کے لئے خیال میں لانے والے سے ہی سکون واقع ہوتا ہے۔ اور تمام عقائد اسی حکم کے تحت ہیں۔ اسی لئے انہیں عقائد کا نام دیا گیا ہے کیونکہ عقائد کا محل خیال ہے۔ اور درست نہیں کہ خیال کبھی کسی امر کو منضبط کرے۔ اسی لئے صاحب وہم کے لئے لازم ہے کہ وہ ان سے کم ہی بچتا ہے۔

اہل کشف تجلیات اخرویہ کا انکار نہیں کرتے

اگر کہا جائے کہ کیا اہل کشف سے دنیا میں تجلیات اخرویہ میں سے کسی چیز کا انکار واقع ہوتا ہے؟ تو اس کا جواب شیخ ۳۶۰ ویں باب میں یہ دیا ہے کہ اہل کشف سے دنیا میں تجلی اخروی کے لئے کوئی انکار واقع نہیں ہوتا۔ یہ تو عقلی استدلال والوں سے واقع ہوتا ہے۔ اور یہ اس لئے کہ انہوں نے حق تعالیٰ تو اس کے ساتھ مقید کر دیا جہاں تک ان کی محدود عقلوں نے انہیں پہنچایا۔ تو چونکہ انہوں نے آخرت میں وہ کچھ نہیں دیکھا جسے انہوں نے دنیا میں مقید کیا تو اس ضرورت کے پیش نظر اس کا انکار کر دیا۔ کیا تو انہیں دیکھتا نہیں کہ جب ان کے لئے تجلی اس علامت کے ساتھ واقع ہو جس کے ساتھ انہوں نے اسے مقید کیا تو اس کے لئے ربوبیت کا اقرار کرتے ہیں۔ اور اگر اللہ تعالیٰ نے ان کے قلوب کے لئے شروع سے ہی اس علامت کے ساتھ تجلی فرمائی ہوتی تو اس کا انکار نہ کرتے۔ پس معلوم ہوا کہ اہل کشف سے انکار واقع نہیں ہوتا۔ والسلام۔ انتہی

اور سیدی علی بن وفا رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ تجلیات آخرت میں سے کسی تجلی میں حق تعالیٰ کا اقرار صرف تنزیہہ مطلق والے ہی کرتے ہیں۔ جو کہ توحید کو مقابل کے شریک سے مجرد کرنا ہے۔ فرماتے ہیں: یہ تو سریعاں ہے جس کے ساتھ حجاب محال ہے انتہی

انکار کی وجہ

اگر کہا جائے: جب حق تعالیٰ واحد ہے نفس الامر میں اس کا کوئی ثانی نہیں تو پھر انکار کہاں سے آیا؟ تو اس کا جواب شیخ نے باب الاسرار میں یہ دیا ہے کہ مزاجوں کے اختلاف کی وجہ سے انکار آیا۔ پس ہر ایک اپنا عقیدہ درست قرار دیتا ہے اور دوسرے کو غلط کہتا ہے جبکہ

اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں واحد ہے۔ بدلے نہ پھرے۔ پس اعتقادات ہی ہیں جو اس کے متعلق تنوع اور تفرقہ اور جمع کی بات کرتے ہیں۔ جبکہ اللہ تعالیٰ اپنی علو ذات میں اس سے کہیں بالا ہے۔

صدق رؤیت قلبی کی علامت

اگر کہا جائے اس کی سچائی کی علامت کیا ہے جو اس جہان میں کشف قلبی پر اپنے قلب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو دیکھتا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ اس کی علامت یہ ہے کہ اسے کسی ایک جہت پر دوسری جہت کی ترجیح کے بغیر تمام جہات سے دیکھے۔ شیخ محی الدین ۲۱۶ ویں باب میں فرماتے ہیں: تحقیق ہم نے اس مقام کا ذوق لیا ہے۔ وللہ الحمد۔ فرماتے ہیں: اور اہل جنت کی جنت میں اسی طرح کی رؤیت ہوگی ہے جب کہ وہ اسے اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے تو رؤیت مطلقہ ہوگی جو کہ کسی جہت کے ساتھ مقید نہیں ہوگی۔ انتہی

بعض محققین کے رؤیت بالقلوب کے انکار کی وجہ

اگر تو کہے کہ بعض محققین نے آنکھوں کی طرح قلوب کے ساتھ بھی رؤیت حق تعالیٰ کو ممنوع قرار دیا ہے۔ اس کی وجہ؟ تو اس کا جواب شیخ نے ۳۲۰ ویں باب میں یہ دیا ہے کہ اس کی وجہ اس آیت میں ابصار کا اطلاق ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لا تدرکہ الابصار۔ یعنی ہر آنکھ چہرے کی آنکھوں سے ہو یا قلوب کی آنکھوں سے۔ اور یہ اس لئے کہ قلوب نہیں دیکھتے مگر بصر کے ساتھ جبکہ چہروں کی آنکھیں بھی نہیں دیکھتیں۔ مگر بصر کے ساتھ۔ پس بصر جہاں بھی ہوگی وہی ہے جس سے ادراک واقع ہوتا ہے پس قلب میں بصر کو بصیرت کی آنکھ کہتے ہیں جبکہ ظاہر میں بصر عین۔ تو جس طرح عین ظاہر میں محل بصر ہے اسی طرح بصیرت باطن میں محل عین ہے جو کہ عین وجہ میں بصر ہے۔ پس اس پر اسم مختلف ہوا۔ وہ فی نفسہ مختلف نہیں جس طرح عیون اس کا ادراک اپنی ابصار کے ساتھ نہیں کرتیں اسی طرح بصرتیں اپنی اعین کے ساتھ اس کا ادراک نہیں کرتیں۔ انتہی

بیداری میں رؤیت کا مسئلہ اور سیّدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بصیرت افروز توجیہ

اگر کہا جائے: کیا حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی کو دنیا میں بیداری کی حالت اس مقام میں وراثت کے طور پر اللہ تعالیٰ کی رؤیت واقع ہوئی ہے؟ تو اس کا جواب (محبوب سبحانی غوث صمدانی) حضرت شیخ عبد القادر الجیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ دیا ہے کہ کسی کے لئے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا دنیا میں اس کا وقوع ہم تک نہیں پہنچا۔ آپ سے عرض کی گئی کہ فلاں گمان کرتا ہے کہ وہ اپنے سر کی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو دیکھتا ہے۔ پس شیخ نے اسے بلا بھیجا۔ اور اسے فرمایا: لوگ تیرے متعلق جو کچھ کہتے ہیں کیا یہ صحیح ہے؟ اس نے کہا: ہاں! تو حضرت شیخ رضی اللہ عنہ نے اسے ڈانٹا اور اس قول سے سختی سے روکا۔ اور اس سے عہد لیا کہ پھر ایسی بات نہ کرے۔

آپ سے پوچھا گیا کہ یہ شخص حق پر ہے یا باطل پر؟ فرمایا یہ حق پر ہے مگر اس پر صورت حال مشتبہ ہوگئی ہے۔ اور وہ یوں کہ اس نے اس جمال بدیع کے نور کا اپنی بصیرت کے ساتھ مشاہدہ کیا۔ پھر اس کی بصیرت سے اس کی بصر کی طرف سوراخ کھل گیا تو اس نے اپنی بصر کے ساتھ اپنی بصیرت کو اس حال میں دیکھا جبکہ اس کی شعاع اس کے نور شہود کے ساتھ متصل تھی۔ پس اسے گمان ہوا کہ اس کی ظاہری بصر نے اسے دیکھا ہے جس کا مشاہدہ اس کی بصیرت نے کیا۔ حالانکہ اس کی بصر نے صرف اپنی بصرت کی حقیقت دیکھا جس کی اسے سمجھ نہیں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مرج البحرین یلتقیان بینھما برزخ لا یبغیان (الرحمٰن آیت ۱۹۔۲۰۔اس نے دونوں دریاؤں کو رواں کیا جو آپس میں مل رہے ہیں۔ان کے درمیان آڑ ہے گڈ مڈ نہیں ہوتے) مشائخ کی ایک جماعت حاضر تھی۔انہیں یہ جواب بہت خوب لگا اور ذوق افروز اور اس شخص کی حالت کے تجزیہ میں آپ کے حسن فصاحت کی وجہ سے حیرت زدہ رہ گئے۔

حضرت شیخ عبدالقادر الجیلانی رضی اللہ عنہ کی استقامت

(حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ مجھے نور عظیم نظر آیا جو کہ افق پر چھایا ہوا تھا۔ پھر اس میں میرے لئے ایک شکل ظاہر ہوئی جو مجھے یہ ندا دے رہی تھی۔اے عبدالقادر! میں تیرا رب ہوں اور میں نے تجھ سے تکالیف شرعیہ گرا دی ہیں۔ پس اگر تو چاہے تو میری عبادت کر اور اگر چاہے تو ترک کر دے۔میں نے اسے کہا دور ہو جا اے لعین، تو وہ نور اچانک تاریکی میں بدل گیا اور وہ صورت دھواں ہو گئی۔ پھر لعین نے مجھے خطاب کیا اور کہا: اے عبدالقادر! تو مجھ سے اپنے رب کے احکام کے متعلق اپنے علم اور اپنے معرکوں کے احوال کے بارے میں اپنی سمجھ کی وجہ سے مجھ سے بچ گیا۔ بیشک میں اس قسم کے واقعات کے ساتھ اہل طریقت میں سے ستر افراد کو گمراہ کر چکا ہوں۔آپ سے پوچھا گیا کہ آپ نے کیونکر پہچانا کہ وہ شیطان ہے۔آپ نے فرمایا: اس کے ان چیزوں کو میرے لئے حلال قرار دینے کی وجہ سے جنہیں اللہ تعالیٰ اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر حرام قرار دیا ہے۔ پس بیشک اللہ تعالیٰ اپنے رسل علیہم السلام کی زبانوں پر سے کسی چیز کو کبھی حرام قرار نہیں دیتا کہ پھر اسے بطور سرکسی کے لئے مباح قرار دے۔انتہی

شدت قرب اور عدم رؤیت

اگر تو کہے کہ حق تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ ہماری طرف رگ شہ سے زیادہ قریب ہے۔تو پھر اس قرب عظیم کے باوجود اس کی رؤیت سے مانع کیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی رؤیت سے مانع قرب کی شدت ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ونحن اقرب الیہ منکم ولکن لا تبصرون (الواقعہ آیت ۸۵۔اور ہم اس سے تم سے زیادہ قریب ہیں لیکن تم دیکھ نہیں سکتے) یعنی میرے شدت قرب کی وجہ سے۔اور شیخ نے اللہ تعالیٰ کے قول لا تدرکہ الابصار کی تفسیر میں ۴۲۵ ویں باب میں اور ۲۲۱ ویں باب میں طویل گفتگو فرمائی ہے۔اور اپنی کتاب شرح ترجمان الاشواق میں فرماتے ہیں: جان لے کہ حق تعالیٰ کا جب وہم احاطہ نہیں کر سکتا باوجودیکہ وہ ادراک حسی سے زیادہ لطیف ہے تو بصر اس کا ادراک کیونکہ کر سکتی ہے جبکہ وہ بہت کثیف ہے۔انتہی۔

اور حضرت سیدی علی الخواص رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لا تدرکہ الابصار اپنے ظاہر پر صحیح ہے۔پس بیشک حق جل وعلا کو دیکھنے والے وہی ہیں جو کہ ابصار کے ساتھ دیکھتے ہیں نہ کہ نفس ابصار۔انتہی۔اس پر غور کیا جائے۔

رؤیت کے اثبات اور نفی کے قائلین کے اقوال میں وجہ جامع

اگر تو کہے کہ کیا رویت باری تعالیٰ کا اثبات اور اس کی نفی کرنے والوں کے اقوال میں کوئی وجہ جامع ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ ہاں! جیسا کہ شیخ نے ۵۵۸ ویں باب میں فرمایا: جان لے کہ اللہ عزوجل کی رؤیت کا اثبات اور اس کا انکار اور نفی کرنے والوں کے درمیان جامع یہ امر ہے کہ جس نے اس کا اثبات کیا اس کی مراد یہ ہے کہ یہ بندے کی وسعت کے مطابق ہوتی ہے۔اور جس نے اس کی نفی کی ہے اس کی

مراد یہ ہے کہ حجاب عظمت، حقیقت ذات کی رؤیت سے مانع ہے۔ اور جو بھی کسی شے کا احاطہ نہیں کرتا گویا کہ اس نے اسے دیکھا ہی نہیں باوجودیکہ اس نے اسے دیکھا ہے۔ انتہی۔

اور آپ نے لواقح الانوار میں بھی فرماتا ہے: جان لے کہ بلند و بالا ذات پر سے حجاب کبریاء کبھی بھی نہیں اٹھتا۔ جیسا کہ اس کی طرف حدیث مسلم کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے مطابق اشارہ ہے ''حق تعالیٰ کے وجہ اقدس پر جنت عدن میں صرف رداء کبریاء ہے۔'' اور جب یہ حجاب نہیں اٹھتا تو رؤیت ہمیشہ حجاب پر ہی واقع ہوتی ہے۔ پس اس کا قول صحیح ہے جس نے یہ کہا کہ صحیح ہے کہ حق تعالیٰ دیکھا جائے۔ اور جو کہتا ہے کہ یہ صحیح نہیں کہ اسے دیکھا جائے وہ اسے ان دو حالتوں پر محمول کرتا ہے۔

خواب میں رؤیت باری تعالیٰ کے متعلق صوفیاء کے ارشادات

رہی خواب میں رؤیت باری تعالیٰ پر گفتگو تو ہم بحث کے شروع میں اس کے متعلق متکلمین کا پہلے کلام بیان کر چکے ہیں۔ اب ہم تیرے لئے صوفیاء کے ارشادات ذکر کرتے ہیں۔ پس ہم توفیق الٰہی سے کہتے ہیں۔ جان لے خواب کی صحت میں اصل وہ روایت ہے جسے طبرانی وغیرہ نے مرفوعاً بیان کیا کہ رات میں نے خواب میں اپنے رب کو دیکھا جوان۔ بے ریش۔ گھنگریالے بال، لمبی زلفیں۔ پاؤں میں سونے کی نعلین۔ حافظ السیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ حدیث صحیح ہے۔

شیخ محی الدین نے ۳۲۱ ویں باب میں فرمایا: اس حدیث کے معنی اور صحت میں علماء کی عقلیں مضطرب ہیں۔ پس ان میں سے بعض نے اس کی نفی کی اور بعض نے اس کا اثبات کیا اور اس کے معنوں میں توقف کیا اور اس کی تاویل کی۔ جبکہ یہ امر تاویل کا محتاج نہیں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خواب صرف عالم خیال میں دیکھا جو کہ نیند ہے۔ اور خیال کی شان سے یہ ہے کہ سونے والا اس میں صورت محسوسہ میں معانی کا تجرد اور اس چیز کا متجسد ہونا دیکھتا ہے جس کی شان نہیں کہ جسد ہو۔ کیونکہ یہ خیال کی بارگاہ عطا کرتی ہے۔ پس وہاں خیال سے زیادہ وسیع کچھ نہیں۔ فرماتے ہیں: اور اسی کی بارگاہ سے وجود محال بھی ظاہر ہوا۔ بیشک تو اس میں واجب الوجود دیکھتا ہے جو کہ صورتوں کو صورتوں میں قبول نہیں کرتا۔ اور تجھے خواب کے تعبیر کرنے والا کہتا ہے کہ جو تو نے دیکھا صحیح ہے۔ لیکن اس کی تاویل ایسی ہے۔ ایسی ہے۔ پس بیشک اس بارگاہ میں محال نے وجود قبول کر لیا۔ تو جب خیال اس قوت کے ساتھ ہے کہ امور میں معانی کے تجسد اور جو قائم نفسہ نہیں اسے بنانے پر حکم چلا سکتا ہے حالانکہ وہ مخلوق ہے۔ تو حضرت خالق جل شانہ کی قوت کا کیا کہنا۔ اور ان کا بعض کیسے کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ خلق محال پر غیر قادر ہے۔ حالانکہ وہ اپنے آپ سے محال پر خیال کی قدرت کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اور اس مسئلہ پر شیخ نے ۱۹۸ ویں باب میں طویل کلام فرمایا۔ پھر فرماتے ہیں: اگر خیال کی قوت سے صرف یہی ہوتا کہ وہ تجھے ایک جسم دو مکانوں میں دکھاتا ہے پس انسان اپنے گھر میں سویا ہوتا ہے جبکہ اپنی خواب میں عین اپنے جسم کو کسی دوسرے شہر اور دوسری حالت میں دیکھتا ہے جو کہ اس کی اس حالت سے جدا ہوتی ہے جس پر وہ اپنے گھر میں ہے حالانکہ وہ اس کا عین ہے غیر نہیں۔ اس کے لئے جس نے وجود کا ادراک اس حالت پر کیا جس پر وہ ہے۔ اور اگر یہ نہ ہوتا تو عقلاء فرض محال پر قادر نہ ہوتے۔ پس بیشک اگر فی نفسہ صورت نہ ہوتی تو اس کے فرض کرنے پر قدرت نہ ہوتی۔

نیز شیخ نے فرمایا: اور اسی باب سے میدان جنگ میں مقتول فی سبیل اللہ کا مشاہدہ ہے حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں زندہ ہے۔ اسے رزق دیا جاتا ہے۔ اور کھاتا ہے۔ اور ترمذی نے حدیث قبضتین میں مرفوعاً روایت کیا کہ حق تعالیٰ نے جب اپنی (دست قدرت کی) مٹھی

کھولی یعنی جیسے کہ اس کی شان جلال کے لائق ہے، تو اس میں آدم اور آپ کی اولاد ہے۔تو اس واقعہ میں آدم مٹھی میں ہیں۔حالانکہ آپ کا عین اس سے خارج ہے۔تو اسے وہ شخص جو کہ جمع بین الضدین محال قرار دیتا ہے۔تو اس حدیث کے بارے میں کیا کہتا ہے۔اس میں طویل کلام فرمایا۔اور یہ آپ کا کلام آپ کے الفاظ میں ہے۔اس پر غور کر اور تحقیق کر۔اور اللہ تعالیٰ تیری راہنمائی کا وارث ہو۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

اگر تو کہے کہ پھر تو مواطن خود بخود ہر اس پر حکم لگاتے ہیں جو ان میں ظاہر ہو۔پس جو کسی موطن (مقام) سے گزرا اسی میں رنگا گیا جیسے کہ خیال نے اپنے صاحب پر کسی بھی صورت میں رؤیت حق تعالیٰ کا حکم لگا دیا؟ پس اس کا جواب وہ ہے جو کہ شیخ نے ۴۷ ویں باب میں دیا کہ ہاں۔یہ اسی طرح ہے۔اور اس میں واضح دلیل وہ ہے جو میں نے خواب میں اللہ تعالیٰ کی رؤیت کے متعلق سوال میں ذکر کی ہے جو کہ صورت میں موطن خیال ہے۔پس جب موطن کے حاکم نے حق تعالیٰ کے بارے میں تجھ پر وہ حکم لگا دیا جس سے وہ منزہ ہے پس تو اسی طرح ہی دیکھ سکتا ہے تو اس کے غیر کا کیا حال؟ پھر جب تو بارگاہ خیال سے نظر عقلی کے موطن کی طرف نکلے گا تو حق تعالیٰ کو نہیں دیکھے گا مگر اس صورت سے منزہ جس میں تو نے موطن خیال میں اس کا ادراک کیا۔تو جب حکم مواطن کے لئے ہے تو تو نے جب حق تعالیٰ کو دیکھا اسے پہنچان لیا جو تو نے دیکھا اور تو نے وہ حکم موطن کے لئے ثابت کیا حتیٰ کہ حق تعالیٰ تیرے لئے ہمیشہ مجہول یعنی تیری پہنچان سے وراء رہا۔پس تیرے لئے اس کا احاطہ کبھی بھی حاصل نہیں ہوگا۔اور تیرے امر کی حد اس کے لئے توحید مرتبہ ہے اور کچھ نہیں۔اور رہا اللہ تعالیٰ کی ذات کے متعلق تیرا علم تو یہ محال ہے کیونکہ تو موطن سے خالی نہیں ہوتا جس میں تو ہوتا ہے۔تجھ پر وہ موطن اپنے حال کے ساتھ حکم لگاتا ہے پس تو اللہ تعالیٰ کو کبھی بھی اس حیثیت سے نہیں پہنچانتا جو اللہ تعالیٰ کی اپنی ذات کے متعلق معرفت ہے۔تو کسی موطن میں تیرے پاس جو اس کی معرفت ہے وہ تجھ سے دوسری جگہ جاری ہو جائے گی۔پس تیرے پاس جو علم ہے وہ جاری ہو جائے گا جبکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنی ذات کے متعلق جو اس کا علم ہے متغیر ہوتا ہے نہ بدلتا ہے۔انتھی

خواب میں رؤیت حق کی قطعیت

اگر تو کہے کہ اس انداز میں انسان جسے خواب میں دیکھتا ہے تو کسی کے لئے خواب میں دیکھی ہوئی شے کے متعلق قطعیت درست نہیں۔تو جواب یہ ہے کہ ہاں۔یہ اسی طرح ہے۔جیسے کہ اسے شیخ نے لواقح الانوار میں ذکر کیا ہے۔فرماتے ہیں۔کیونکہ خیال کا دائرہ وسیع ہے اور جو کچھ اس میں اور اس سے ظاہر ہو تاویلات کا احتمال رکھتا ہے پس قطعیت حاصل نہیں ہوتی مگر جبکہ دیکھنے والا اس سے وراء کسی دوسرے علم سے سند حاصل کرے۔کیونکہ خیال کے لئے فی نفسہ کوئی حقیقت نہیں کیونکہ وہ دو حقیقتوں کے درمیان امر برزخی ہے۔اور وہ معانی مجردہ اور محسوسات ہیں۔اسی لئے اس میں غلطی واقع ہو جاتی ہے۔شیخ نے فرمایا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جبریل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تصویر ریشم کے ٹکڑے میں لے کر حاضر ہوئے اور آپ سے کہا کہ یہ آپ کی زوجہ ہے۔دیکھو کس طرح آپ نے اس سے فرمایا اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو اسے نافذ فرمادے گا۔اور اگر جبریل آپ کے پاس یہ بات وحی معہود کے طریق سے حس میں لاتے یا معانی مجردہ کے طریق سے لاتے جو کہ یقین کا موجب ہیں تو آپ کے لئے اس طرح جواب ممکن نہ تھا کیونکہ نصوص میں تاویل داخل ہوتی ہے نہ خطا اور نہ ہی تردد۔انتھی

خواب میں رؤیت باری تعالیٰ کا سبب

اگر تو کہے کہ کون سا سبب ہے جو خواب میں اللہ تعالیٰ کی رؤیت کا طالب ہے باوجودیکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم اپنے رب کو ہرگز نہیں دیکھو گے حتیٰ کہ مر جاؤ۔ یہ حدیث بحث کے آغاز میں گزر چکی ہے۔ اس کا جواب شیخ نے ۳۴۵ ویں باب میں یہ دیا ہے کہ خواب میں اللہ تعالیٰ کی رؤیت کا سبب یہ ہے کہ نیند موت کا بھائی ہے۔ پس حدیث شریف کا معنی یہ ہے کہ تم اسے اپنی موت کے بعد دیکھو گے نہ کہ اپنی موت کی حالت میں۔ تو شارع علیہ السلام نے صرف دنیا میں حالت بیداری میں اللہ تعالیٰ کی رؤیت کی نفی اس کے غیر کے لئے فرمائی جسے مستثنیٰ فرمایا۔ اور دنیا میں اپنے رب کی رؤیت سے لوگوں کا عاجز ہونا اس جہان کی تربیت کی کمزوری کی وجہ سے ہے مگر جس کی اللہ تعالیٰ قوت کے ساتھ امداد فرمائے بخلاف تربیت آخرت کے کہ وہ قوی ہے۔

اگر تو کہے کہ اس جہان میں نیند کا محل وقوع کیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ نیند کا محل خصوصاً فلک قمر کی گہرائی ہے۔ اور فلک قمر سے اوپر نیند نہیں۔ البتہ آخرت میں اس کا محل فلک کواکب ثابتہ کی گہرائی کے نیچے ہے۔ شیخ محی الدین نے فرمایا: اسی وجہ سے بعض نے ملائکہ کے لئے ان کے رب کو دیکھنے کا انکار کیا ہے اور کہا: فرشتے موت کے بغیر باقی رہنے کے لئے پیدا کئے گئے۔ پس وہ اللہ تعالیٰ کو دنیا میں دیکھتے ہیں نہ آخرت میں کیونکہ انہیں موت اور نیند نہیں۔ اور شیخ نے فتوحات کے ۹۹ ویں باب میں خواب پر طویل کلام فرمایا ہے۔ اور فتوحات کے ایک دوسرے مقام پر شیخ نے ذکر کیا ہے کہ جبریل اپنے رب کو اس دنیا میں نہیں دیکھتا۔ صرف وہ آخرت میں اسے دیکھے گا۔ اس پر غور کیا جائے۔ اور تحقیق کی جائے۔

نینداور موت میں فرق

اگر تو کہے کہ نیند اور موت میں کیا فرق ہے؟ اس کا جواب شیخ نے ۳۱۷ ویں باب میں یہ دیا ہے کہ موت میں روح کا جسم کی تدبیر سے کلی طور پر اعراض کرنا ہے۔ اور اس کی وجہ سے تمام قویٰ زائل ہو جاتے ہیں۔ جیسے سورج کے غروب ہونے سے رات داخل ہو جاتی ہے۔ رہی نیند تو یہ جسم سے پورے طور پر اعراض نہیں ہے۔ یہ تو صرف بخارات کے حجاب ہیں جو کہ قویٰ اور ان کے مدرکات حسیہ کے درمیان باوجودیکہ سوانے والے میں حیات کا وجود ہے حائل ہو جاتے ہیں۔ جیسے کہ سورج جب اس کے آگے اور زمین کے خاص خطے کے آگے بادل حائل ہو جائے تو روشنی زندگی کی طرح موجود ہوتی ہے گرچہ سورج کا ادراک اس بادل کے لئے واقع نہیں ہوا جو کہ اس کے اور زمین کے درمیان تہ بہ تہ موجود ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ناقض وضو نہیں فرماتے تھے

اگر تو کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو نیند سے نہیں ٹوٹتا تھا۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کا جواب شیخ نے ۳۸۱ ویں باب میں یہ دیا ہے کہ اس کا سبب آپ کے قلب مبارک کی شدت حیات ہے۔ جب آپ عالم خیال کی طرف منتقل ہوتے تو آپ کا حال نہیں بدلتا تھا بلکہ آپ اپنی سرعت بیداری کی بنا پر وہاں اپنی صورت دیکھتے تھے گویا سوئے ہی نہیں۔ پس حدث لاحق نہیں ہوتا تھا۔ اور اسی طرح آپ کے جسد محسوس پر ناقض طہارت حالت طاری نہیں ہوتی تھی۔ اور یہیں سے بعض نے کہا ہے کہ نیند حدث کا سبب ہے۔ وہ عین حدث نہیں۔

اگر تو کہے کہ لوگوں میں سے خواب میں زیادہ سچا کون ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ ان میں سے خواب میں سب سے سچا وہ ہے کہ اس نے

جو دیکھا اس کے عالم خیال میں اس کے لئے اس کی تجلی ہو۔ پس یہ ہے وہ جس کا خواب ہمیشہ سچا ہوتا ہے۔

اگر تو کہے کہ جب تو ہر خواب سچا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ ہاں وہ بلاشک سچا ہے۔ غلط نہیں ہوتا۔ اور جب کہا جاتا ہے کہ خواب غلط ہو گیا تو خواب غلط نہیں ہوا۔ بلکہ جس نے اس کی تعبیر کہی ہے وہ اس حیثیت سے خطا کار ہے کہ پہنچان نہیں سکا کہ اس صورت سے مراد کیا ہے۔ کیا تو نے دیکھا نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جبکہ انہوں نے خواب کی تعبیر بیان کی تو فرمایا: بعض میں تو درست ہے جبکہ بعض میں تجھ سے خطا ہوئی۔ اور یہ نہیں فرمایا کہ تیرا خیال فاسد ہے۔ کیونکہ آپ نے حق دیکھا لیکن تاویل میں خطا کی۔ اور شیخ نے فتوحات کے ۶۳ ویں باب میں اس پر طویل کلام فرمایا ہے۔ اس کی طرف رجوع کر۔

رؤیا اور حلم میں فرق

اگر تو کہے کہ رؤیا اور حلم میں کیا فرق ہے جن کی طرف اس حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے کہ رؤیا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جبکہ حلم شیطان کی طرف سے ہے؟ اس کا جواب شیخ نے ۵۵۸ ویں باب میں اللہ تعالیٰ کے اسم الحلیم پر کلام فرماتے ہوئے یہ دیا ہے کہ رؤیا کسی امر کو اس طرح دیکھنا ہے جس پر وہ فی نفسہ ہے۔ جبکہ حلم اس امر کو اس کے خلاف دیکھنا ہے جس پر وہ ہے۔ کہا جاتا ہے حلم الادیم۔ چمڑا خراب ہو گیا۔ اور اسی طرح نیند نے معنی کو اس کی صورت سے فاسد کر دیا۔ کیونکہ اس نے اسے جس کے ساتھ ملحق کر دیا۔ جبکہ یہ محسوس نہیں۔ تو جب حلم والہ یعنی پریشان خواب والہ عارف کو اس کی خبر دیتا ہے جو اس سے خواب میں دیکھا ہے تو عارف اس صورت کو اس معنی کی طرف نقل کر کے جو اس کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے اس کے لئے تعبیر کہتا ہے پس اسے اس کی اصل کی طرف لوٹاتا ہے جیسے کہ حلم نے علم میں فساد برپا کیا اور اسے دودھ کی صورت میں ظاہر کیا تو وہ دودھ نہیں پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم خواب کی تاویل کے ذریعے اس کی اصل کی طرف لوٹا دیا اور وہ علم ہے۔ اور اسے اس صورت سے خالی کر دیا۔

محمد بن سیرین رضی اللہ عنہ کی ایک تعبیر

اور ایک شخص محمد بن سیرین رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ کہنے لگا: میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں زیتون میں تیل لوٹا رہا ہوں۔ آپ نے اس سے کہا: تیری ماں تیرے نکاح میں ہے۔ اس شخص نے اس کے متعلق چھان پھٹک کی تو پتہ چلا کہ اس نے بے خبری میں اپنی ماں سے شادی کر رکھی ہے۔ ایک شخص کا اپنی ماں کے ساتھ نکاح کرنے کی صورت کہاں اور زیتون میں تیل لوٹانا کہاں؟ غور کر۔ بہر حال جس نے امر اس صورت پر دیکھا جس پر وہ ہے تو وہ صاحب کشف ہے صاحب حلم نہیں۔ برابر ہے کہ نیند میں ہو یا بیداری میں۔ انتہی

خواب کے متعلق ایک حدیث کا مفہوم

اگر تو کہے کہ اس حدیث کا کیا معنی ہے ''مومن کا خواب ایک پرندے کے پاؤں پر ہوتا ہے جب تک اسے بیان نہ کرے۔ پس جب اسے بیان کر دے تو گر جاتا ہے؟ اس کا جواب شیخ نے ۱۸۸ ویں باب میں یہ دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہے جو کہ خواب کا وکیل ہے اس کا نام روح ہے۔ اور وہ آسمان دنیا کے نیچے ہے۔ جس کے ہاتھ میں جسموں کی وہ صورتیں ہیں جن میں سونے والا اپنے آپکا۔ اور غیر کا اور کائنات میں ان صورتوں سے پیدا ہونے والی اشیاء کی صورتوں کا ادراک کرتا ہے۔ تو جب انسان سو جاتا ہے تو لطیفہ انسانیہ اپنی قوتوں

کے ساتھ بارگاہ محسوسات سے اس بارگاہ خیال کی طرف منتقل ہو جاتا ہے جو کہ اس کے متصل ہے جس کا محل دماغ کا اگلا حصہ ہے۔ پس صور کا موکل وہ روح فرشتہ اس پر اذن الٰہی سے منفصل خیال میں سے وہ ڈال دیتا ہے جس کا حق تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس سونے والے کے لئے معانی کا ادراک جسد کی صورت میں کرنے کا ارادہ کرے۔ حتیٰ کہ وہ حق تعالیٰ کو صورت میں دیکھتا ہے جیسا کہ گزر چکا۔ پھر تو کوئی بھی خواب کی تعبیر نہیں کہتا جب بھی کہتا ہے مگر اس کے بعد کہ اپنے خیال میں اس کا تصور کرے۔ پس وہ صورت اس محل سے جس میں حدیث نفس یا شیطان کو اندوہ گیں کرنا تھا اس کی تعبیر کہنے والے کے خیال کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔

حدیث میں لفظ طائر سے مراد

اگر تو کہے کہ حدیث میں موجود لفظ طائر سے کیا مراد ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ طائر حظ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **قالوا طائر کم معکم** (لیس آیت ۱۹) یعنی خیر اور شر میں سے تمہارا حظ اور نصیب تمہارے ساتھ ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی کو کوئی خواب دکھانے کا ارادہ فرمائے تو خواب والے کے لئے اس میں جو وہ دیکھتا ہے اس کے خواب کے تقاضے کے مطابق خیر اور شر کا حصہ مقرر کر دیتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ اس حظ کو پرندے کی صورت میں بنا دیتا ہے جبکہ وہ پرندے کی صورت میں فرشتہ ہے جیسے وہ اعمال سے ملکیہ روحانیہ جسدیہ برزخیہ صورتیں پیدا فرماتا ہے۔ حق تعالیٰ نے انہیں طائر کی صورت میں اس لئے کر دیا کیونکہ کہا جاتا ہے کہ اس کا فہم فلاں کے ساتھ اڑ گیا۔ پس جب خواب واقع ہوا تو اللہ تعالیٰ اسے اس طائر کے پاؤں کے ساتھ معلق کر دیتا ہے۔ اور وہ عین طائر کی حقیقت ہے۔ تو جب اس کی تعبیر کرے تو اس کے لئے گر پڑتا ہے جو تعبیر کی گئی اور جیسے ہی وہ گرتا ہے طائر معدوم ہو جاتا ہے کیونکہ وہ خواب کا عین ہے پس خواب کے گرنے پر معدوم ہو جاتا ہے اور عالم حس میں اس حال کے مطابق جس پر وہ خواب نکلتا ہے صورت اختیار کرتا ہے پس خواب کی صورت عین حال ہو کر ٹوٹتی ہے۔ اور کچھ نہیں۔ اور وہ حال عرض ہے یا جوہر یا دلالت سے نسبت ہے یا اس کا غیر۔ وہ اس خواب کی صورت کا اور اس طائر کا عین ہے۔ اور اسی سے پیدا کیا گیا۔ اور یہ ضروری ہے جیسے آدم مٹی سے پیدا کئے گئے اور ہم حقیر پانی سے۔ انتہی۔

خواب نبوت کا ۴۶ واں حصہ

اگر کہا جائے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث پاک میں فرمایا: خواب نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جزو ہے۔ ۴۶ کی تخصیص کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کی رسالت ۲۳ سال تھی یعنی بعثت شریفہ کے ۲۳ سال ہیں۔ رسالت سے پہلے چھ ماہ کی مدت تک خواب واقع ہوئے۔ پس چھ ماہ کو چھیالیس اجزاء کی طرف نسبت دے تو تو اسے درست پائے گا۔ پس یہاں اس میں سے جزو سے مراد نصف ہے۔ اور اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب صبح ہوئی تو اپنے اصحاب سے فرماتے: کیا تم میں سے کسی نے خواب دیکھا۔ کہ خواب اجزاء نبوت سے ہے کیونکہ یہ نبوت کا آغاز ہے۔ پس آپ پسند کرتے تھے کہ اپنی امت میں فیوض نبوت کا مشاہدہ کریں۔ صورت حال یہ ہے اور لوگ اس معنی سے جہالت کے پردے میں ہیں جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے توجہ فرمائی۔ اور اس کا قصہ فرمایا اور اس کے متعلق ہر روز سوال فرمایا۔ بلکہ ان میں سے بعض اس خواب دیکھنے والے کو مذاق کرتا ہے جب وہ اس پر اعتماد کرے۔ اور یہ خواب کے مرتبہ سے اس کی جہالت ہے۔ اور شیخ نے اس کے متعلق ۳۶۳ ویں باب میں طویل کلام فرمایا اور وہاں خواب اور بشارتوں میں فرق ذکر فرمایا۔ اس کی طرف رجوع کر۔ واللہ تعالیٰ اعلم

خاتمہ۔رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت

جان لے اس کی اصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد ہے جو کہ اس بحث کی ابتداء میں گزر چکا ہے کہ بہترین خواب یہ ہے کہ بندہ اپنے رب کو خواب میں دیکھے یا اپنے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کو۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایامن رآنی فی المنام فقد رآنی فان الشیطان لا یتمثل بی۔ یعنی جس نے مجھے خواب میں دیکھا پس بیشک اس نے مجھی کو دیکھا کیونکہ شیطان میری مثال نہیں بن سکتا۔ اور حق تعالیٰ کے بعد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ باعظمت کوئی نہیں۔ پس ہم پر واجب ہے کہ خواب میں آپ کی رؤیت پر کلام کی طرف توجہ کریں۔ جب تجھے یہ معلوم ہوگیا تو میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کہتا ہوں: شیطان آپ کی مثال اس لئے نہیں بن سکتا کہ حدیث پاک میں وارد ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی شیطان اور اس کا لشکر آیا حتیٰ کہ یہ مکہ معظمہ میں داخل ہوئے تو انہوں نے آپ کی طرف سے آسمان کی طرف نور اٹھتا ہوا دیکھا جس کی شعاع تھی۔ جیسے ہی کوئی شیطان آپ کے قریب ہوا جل گیا۔ اس دن سے شیاطین سب کے سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت سے بھاگتے اور گھبراتے ہیں۔ اور اسی گھبراہٹ کی وجہ سے آپ کا قرین مشرف باسلام ہوگیا جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ یہ ترجمہ اسلم کی میم کی فتح کی بنا پر ہے۔ جبکہ بعض نے اس کے ضمہ یعنی پیش کے ساتھ اس کا ضبط بیان کیا ہے۔ پس یہ ہے وہ سبب جس بنا پر شیطان آپ کی مثل نہیں بن سکتا۔

عصمت صورت مصطفیٰ ﷺ کی وجہ۔ جبکہ شیاطین حق ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں

اگر تو کہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت کو معصوم رکھا جبکہ شیاطین کو اس تصور اور دعویٰ سے نہیں روکا کہ وہ حق تعالیٰ ہیں۔ تو اس کا جواب شیخ نے ۵۴۰ ویں باب میں یہ دیا ہے کہ شیاطین نے ایک صورت میں متصور ہو کر دعویٰ کر کے کہ یہ صورت حق ہے بعض احمقوں کو دھوکہ دیا ہے کیونکہ حق تعالیٰ کی کوئی صورت نہیں ہے جو عقل میں آسکے۔ اسی لئے ایک گروہ کی طرف خواب میں آیا اور ان سے کہا کہ میں ہی اللہ ہوں۔ تو ان میں سے جسے اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اس نے اسے نامراد کر کے مسترد کر دیا۔ اور بعض وہ ہے جس پر گمراہی ثابت ہوگئی۔ بخلاف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ آپ کی ایک مبارک صورت ہے جو کہ ثابت الاوصاف ہے جن کا احادیث صحیحہ میں ذکر ہے۔ تو جب ابلیس اس کے علاوہ کسی صورت میں آئے تو اسے رد کر دیا جائے گا۔ حتیٰ کہ کہا گیا ہے کہ رؤیا صحیحہ کی شرط ہے کہ آپ کو اوپر کے دانت مبارک کے شکستہ گوشے کی صورت میں دیکھے جیسا کہ آپ اپنی حیات ظاہری میں تھے۔ (اقول و باللہ التوفیق۔ مذکور الصدر حدیث پاک من رآنی فقد رأی الحق فان الشیطان لا یتمثل بی کی شرح میں شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ العزیز نے اشعۃ اللمعات میں مبنی بر بیان عظمت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم یہ وضاحت فرمائی۔ یعنی شیطان کی مجال نہیں کہ کسی کی خواب میں آئے اور اس کے خیال میں ڈال دے کہ میں (معاذ اللہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔ اور یوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھے۔ پھر فرماتے ہیں کہ بعض ارباب تحقیق نے فرمایا کہ شیطان مثال حق میں متمثل ہو کر جھوٹ بول کر دیکھنے والے کو دھوکہ دے سکتا ہے اور یہ وسوسہ ڈال سکتا ہے کہ یہ حق کی مثال (صورت) ہے۔ لیکن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں ہرگز نہیں آسکتا۔ اور دھوکہ نہیں دے سکتا۔ کیونکہ سرکار علیہ الصلوۃ والسلام مظہر ہدایت ہیں جبکہ شیطان گمراہی کا مظہر ہے اور گمراہی اور ہدایت آپس میں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اور حضرت حق تعالیٰ وتقدس مطلق ہے۔ صفت اضلال و ہدایت کا جامع ہے۔ انتہی اس وضاحت سے پتہ چلا کہ شیطان آپ کی

صورت پاک میں متمثل ہونے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ وہ ایسا کر ہی نہیں سکتا۔ چنانچہ شیخ اکبر قدس سرہ العزیز کے منقول کلام کا یہ معنی ہرگز نہیں کہ وہ جرأت تو کرتا ہے مگر چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شباہت وصورت پاک احادیث صحیحہ سے ثابت ہے لہٰذا پتہ چل جاتا ہے کہ یہ صورت وہ نہیں ہے اور مسترد کر دیا جاتا ہے بلکہ اسے اس امر کی ہمت ہی نہیں۔ بلکہ عمدۃ القاری شرح بخاری ج ص ۲۹۶ میں ناقل کہ ترمذی اور ابن ماجہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں **ان الشیطان لا یستطیع ان یتمثل بی** یعنی شیطان میری مثال بن ہی نہیں سکتا۔ اور ابو قتادہ کی روایت یوں ہے **ان الشیطان لا یتراء ای بی** ۔ اور اس کا معنی یہ ہے **لا یستطیع ان یصور مرئیا بصورتی** ۔ یعنی اس میں طاقت نہیں کہ میری صورت پر دیکھا جانے والا ہو سکے۔ واللہ تعالیٰ اعلم **لموفق الصواب والمیسر** للسداد۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ والولدیہ)

اور سابقہ حدیث پاک کے الفاظ فقد رآنی کا معنی یہ ہے کہ اس نے حقیقۃ ایک ساتھ میرا جسم، روح اور شکل دیکھی۔ اور یہ اس لئے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اجسام بوسیدہ نہیں ہوتے۔ ان کی شکلیں متاثر نہیں ہوتیں۔ اور یہ حضرات اپنے مزارات میں نماز ادا کرتے ہیں جیسا کہ احادیث میں وارد ہے۔

مسافت کی دوری کے باوجود رؤیت

اگر کہا جائے کہ دیکھنے والا آپ کو کیونکر دیکھتا ہے حالانکہ آپ مدینہ عالیہ میں ہیں اور آپ کے اور آپ کو دیکھنے والے کے درمیان طویل فاصلے ہیں۔ تو جواب یہ ہے کہ خواب کی رؤیت کا حکم سر کی آنکھ سے دیکھنے کا حکم نہیں۔ حتیٰ کہ جسمانی حاضری واجب ہو۔ یہ رؤیت تو دیکھنے والے کی قلبی آنکھ کے ساتھ ہے۔ اور یہ مرئی کی حاضری نہیں چاہتی۔ بلکہ مشرق سے مغرب۔ نیز زمین سے عرش تک دیکھتی ہے اور یہ ایسے ہے جس طرح صورتوں کے بالمقابل آئینہ میں صورتیں نظر آتی ہیں۔ حالانکہ صورتیں آئینے کی طرف منتقل نہیں ہوتیں۔ اور یہ معلوم ہے کہ باطنی آنکھ آئینے کی طرح ہے اس میں علویات اور سفلیات کی ہر وہ چیز نقش ہو جاتی ہے جو اس کے بالمقابل ہو۔

صفات مختلفہ میں دیکھنے کی وجہ

اگر کہا جائے کہ اس صورت میں کیا حکم ہے جبکہ کثیر تعداد میں لوگوں نے ایک ہی وقت آپ کو خواب صفات مختلفہ پر دیکھا کوئی آپ کو بڑھاپے میں دیکھتا ہے جبکہ دوسرا جواں سالی کی کیفیت میں۔ ایک مسکراتا، جبکہ دوسرا محو گریہ دیکھتا ہے۔ ایک دراز قد دیکھتا ہے اور دوسرا آپ کو کوتاہ قد دیکھتا ہے وغیرہ ذالک۔ تو جواب یہ ہے کہ یہ اختلافات سب کے سب دیکھنے والوں کی طرف لوٹتے ہیں۔ نظر آنے والے کی طرف نہیں۔ اس کی مثال مختلف شکلوں اور مقداروں والے کی آئینوں کی سی ہے۔ جب کسی انسان کا چہرہ ان کے بالمقابل آئے تو وہ اپنا چہرہ بڑے آئینے میں بڑا۔ چھوٹے میں چھوٹا۔ ترچھے میں ترچھا۔ لمبے میں لمبا اور گہرے میں گہرا۔ وغیرہ۔ اس میں اختلاف دیکھنے والے کی شکلوں کے اختلافات کی طرف لوٹتے ہیں۔ مرئی کے چہرے کی طرف نہیں۔ اسی طرح نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے والوں کے احوال آپ کی شریعت پر اس کی استقامت اور کج روی کی نسبت کے حوالے سے جدا جدا ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں جو نقص دیکھا در اصل وہ دیکھنے والے ہی کی طرف لوٹتا ہے۔

شیخ ابو طاہر القزوینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: آئینے کی مثال پیش کرنے سے میں احمقوں کے ایک گروہ کی طبیعتیں بگڑتی دیکھتا

ہوں۔اور اسی طرح اس مسئلے میں جو ہم نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مختلف صفات میں رؤیت میں ذکر کیا ہے۔اور یہ ان کی جہالت ہے۔پہلے دور کے کفار جیسی بات کرتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے مکھی اور لکڑی کی مثالیں بیان فرمائیں۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ یہ آیت نازل فرمائی:**ان الله لا يستحيى ان يضرب مثلا ما بعوضة فما فوقها**۔البقرۃ آیت ۲۶۔ بے شک اللہ اس سے حیا نہیں فرماتا کہ کوئی مثال بیان کرے مچھر کی یا اس سے بھی حقیر چیز کی) جبکہ اللہ تعالیٰ صغر وحقارت کے بارے میں خوب جانتا ہے۔پس مثالیں معنی سمجھانے کے بارے میں بہت عظیم چیز ہیں۔اور کہتے ہیں کہ مثالیں قلوب کے آئینے میں۔یعنی قلب کی آنکھ امثال میں معانی کی صورتیں دیکھ لیتی ہے جیسے سر کی آنکھ جسموں کی صورتیں آئینے میں دیکھ لیتی ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **وتلك الامثال نضر بها للناس و ما يعقلها الاالعالمون**. (العنکبوت آیت ۴۳)اور ہم یہ مثالیں لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں۔اور انہیں اہل علم ہی سمجھتے ہیں)اور آسمان سے اتاری گئی اکثر کتابیں مثالیں ہی ہیں جو بیان کی گئی ہیں۔تو معلوم ہوا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان مختلف صورتوں اور شکلوں میں دیکھنے والا حقیقت میں آپ کو ہی دیکھتا ہوں کیونکہ یہ صورتیں سب کی سب امثال خیالیہ ہیں۔اور ان کے واسطے سے نظر آنے والے وہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔اور یہ ایسے ہے جیسے کوئی کہتا ہے کہ میں نے اپنا چہرہ پانی میں دیکھا۔اور یہ قطعی طور پر معلوم ہے کہ اس کا چہرہ پانی کی طرف منتقل نہیں ہوا حتیٰ کہ وہ اسے اس میں دیکھتا ہے۔اس کا معنی تو یہ ہے کہ میں نے اپنے چہرے کی حقیقت اس کی مثال کے واسطے سے پانی میں دیکھی۔پس مثال ایک واسطہ ہے اس کی طرف توجہ نہیں کی جائے گی کیونکہ اس کی کوئی حقیقت نہیں کہ وہ ذاتاً دیکھی جاسکے۔وہ تو ایک ہیئت ہے جس کے واسطے سے اللہ تعالیٰ تجھے تیرا چہرہ دکھاتا ہے۔

اور یہ اس کی قدرت کے عجائب سے ہے جن کے ادراک سے افہام عاجز ہیں۔اور اس میں کوئی فرق نہیں کہ تو کہے کہ میں نے اپنے دوست کا چہرہ اپنی آنکھوں سے دیکھا یا میں نے اپنے دوست کا چہرہ پانی میں دیکھا۔کیونکہ دونوں حالتوں میں مرئی ایک ہے۔البتہ اللہ تعالیٰ نے دستور جاری فرمایا ہے کہ جس نے صاف شفاف چیز میں نظر کی جیسے پانی اور آئینہ وہ اس صاف شفاف چیز میں اپنا چہرہ دیکھتا ہے۔پس وہ گمان کرتا ہے کہ اس صاف شے میں کوئی چیز ہے جسے وہ اپنے چہرے کی مثال کے طور پر دیکھتا ہے۔اور یہ خیال باطل ہے۔ کیونکہ صاف چیز اس حال میں اپنے خاص رنگ میں متلون ہوتی ہے جبکہ ایک محل میں ایک ہی حالت میں دو رنگ قائم نہیں ہو سکتے۔ پاس اس کے مطابق جس نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی خواب میں دیکھا تو بیشک اس نے حقیقۃً آپ کو آپ کی روح اور جسم کے ساتھ دیکھا جیسا کہ آپ نے فرمایا: فقدر آنی کہ اس نے مجھی کو دیکھا۔اور کسی قید کے بغیر فرمایا۔جس طرح کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جبریل علیہ السلام کو دحیہ کلبی کی صورت میں دیکھتے۔آپ حقیقتاً دیکھتے نہ کہ مثالاً

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

شیخ ابو طاہر القزوینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس نے خواب میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اس نے حقیقتاً آپ کے اس جسد اقدس کی زیارت نہیں کی جو کہ مدینہ عالیہ کے روضۂ پاک میں ودیعت ہے۔اس نے تو اس کی مثال دیکھی ہے نہ کہ جسم مبارک۔شیخ ابو طاہر فرماتے ہیں کہ ہمیں امام غزالی سے یہ بات بھی پہنچی ہے کہ انہوں نے کہا کہ سونے والا خواب میں جس مثال کو دیکھتا ہے وہ آپ کی روح انور کی مثال ہے جو کہ صورت وشکل سے پاک ہے۔اور آپ نے خواب میں اللہ تعالیٰ کی رؤیت کو اسی کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔مجھے نہیں معلوم کہ آپ کی اس سے کیا مراد ہے؟ انتہی۔

بیداری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت

اگر تو کہے کہ جس نے اب بیداری کی حالت میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا دعویٰ کیا تو کیا اس کی تصدیق کی جائے گی؟ جواب یہ ہے کہ ہاں اس کی تصدیق کی جائے گی۔ اور مجھے شیخ صالح عطیہ الابناسی اور امام شافعی رضی اللہ عنہ کی تربت میں مقیم شیخ صالح قاسم المغربی اور قاضی زکریا الشافعی نے بتایا کہ انہوں نے شیخ جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے بیداری میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ اوپر ستر مرتبہ زیارت کی ہے۔ اور ان میں سے ایک دفعہ میں نے آپ سے عرض کی۔ یا رسول اللہ! کیا میں اہل جنت سے ہوں؟ فرمایا: ہاں۔ میں نے عرض کی: پہلے کوئی سزا دیئے بغیر؟ فرمایا: تیرے لئے یہی ہے۔ شیخ عطیہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے اپنی کسی ضرورت کے پیش نظر شیخ جلال الدین سیوطی سے عرض کی کہ سلطان غوری کے پاس تشریف لے چلیں تو آپ نے مجھے فرمایا: اے عطیہ! میں بیداری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوتا ہوں۔ ڈرتا ہوں کہ اگر غوری کے پاس چلا جاؤں تو کہیں حجاب لاحق ہو جائے۔ پھر فرمایا کہ فلاں صحابی پر فرشتے سلام کہا کرتے تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے کسی ضرورت سے اپنے جسم میں داغ لگوایا۔ ازاں بعد داغ لگوانے کے ردعمل کے طور پر فرشتے نہ دیکھے۔ انتہی۔ (**اقول و باللہ التوفیق**۔ مسلم نے عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں فرشتوں کا سلام سنا کرتا تھا۔ جب میں نے کسی ضرورت کی وجہ سے جسم پر داغ لگایا تو اس سے محجوب ہو گیا۔ میں نے اس سے توبہ کی اور میری یہ کیفیت پھر سے لوٹ آئی۔ محمد محفوظ الحق غفرلہٗ)

شیخ قاسم مذکور فرماتے ہیں: اکثر بیداری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت قلب کے ساتھ ہوتی ہے پھر آنکھ کے ساتھ دیکھنے کی طرف ترقی کرتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنا ایسے نہیں جیسے لوگ ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں وہ تو خیال کی جمعیت۔ حالت برزخی، اور امر وجدانی ہے۔ اس کی حقیقت کا ادراک صرف اسی کو ہوتا ہے جسے اس کا شرف حاصل ہو۔ انتہی

امام سیوطی قدس سرہ کا رسالہ "تنویر الحلک فی امکان رویۃ النبی والملک"

اور شیخ جلال الدین مذکور نے ایک کتاب تالیف فرمائی ہے جس کا نام تنویر الحلک فی امکان رویۃ النبی والملک ہے۔ اور اس میں آپ نے صحابہ کرام۔ اولیاء اور علماء میں سے ان حضرات کا ذکر فرمایا ہے جنہیں بیداری میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ملائکہ کی زیارت ہوتی۔ اور آپ نے اپنے متعلق کچھ نہیں لکھا جو کہ ہم نے تین عادل ثقہ مشائخ سے ان کے متعلق ذکر کیا۔ یہ وہ حضرات ہیں جنہیں ایسے مسائل میں تہمت نہیں رکھی جا سکتی پس جو کہے کہ میں نے بیداری میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اس کی مطلقاً تصدیق کی جائے گی۔

بندے اور بیداری میں زیارت کے درمیان مقامات کی تعداد

اور شیخ محمد المغربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بندے اور بیداری میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے درمیان دو لاکھ چنتالیس ہزار نو سو ننانوے مقامات ہیں۔ سالک کے لئے ان سب کو عبور کرنا ضروری ہے تاکہ اس کے لئے بیداری میں زیارت کا مقام درست قرار پائے نیز آپ فرماتے ہیں کہ جو دعویٰ کرے کہ اس نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسے زیارت کی ہے جیسے صحابہ کرام نے کی تو وہ جھوٹا ہے۔ اور اگر وہ دعویٰ کرے کہ وہ اپنے قلب کے ساتھ قلب کے بیدار ہونے کی حالت میں آپ کو دیکھتا ہے تو یہ ممنوع نہیں۔

اور یہ اس لئے کہ جس نے قلب کو مذموم خصلتوں سے پاک کرنے کے ذریعے کمال استعداد میں مبالغہ کیا حتیٰ کہ خلاف اولیٰ سے بھی تو وہ حق تعالیٰ کا محبوب ہوا۔ اور جب حق تعالیٰ کسی بندے سے محبت فرماتا ہے تو وہ اپنی خواب میں اپنے قلب کی نورانیت کی کثرت کی وجہ سے یوں ہوتا ہے۔ گویا بیدار ہے۔ فرماتے ہیں کہ اس وقت اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح انور کو ہی دیکھا جو کہ شکل اجسام میں متشکل ہے۔ یہ نہیں کہ ذات شریفہ برزخ سے منتقل ہو کر اس زیارت کرنے والے کے مکان کی طرف آئی۔ کہ یہ ذات شریفہ کی عزت اور آنے جانے کی کلفت سے منزہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ یہ ہے حق صریح۔ انتہی

پس معلوم ہوا جو کہتا ہے کہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بیداری میں دیکھا تو یہ قلب کی بیداری ہے نہ کہ حواس جسمانیہ کی۔ والسلام

اگر تو کہے کہ کیا دیکھنے والے پر اس کے مطابق عمل واجب ہے جو اس صورت سے سنے۔ تو جواب یہ ہے کہ دیکھنے والے پر اس کی مثل عمل واجب نہیں کیونکہ وہ معصوم نہیں۔ اور یہ کھٹکا بھی ہے کہ ظاہری شریعت کی طرف کوئی خلل سرایت کرے خاص کر اس وقت جب کہ نص صریح کے خلاف ہو۔ (اقول و باللہ التوفیق۔ شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی نے مدارج النبوت میں اس کی وضاحت یوں فرمائی ہے'' کہ یہ روئیت میں شک کی وجہ سے نہیں بلکہ اس لئے کہ نیند کی حالت میں دیکھنے والے کی یادداشت مفقود ہے۔ اور اس سے مراد خلاف شرع حکم ہے۔ ورنہ بعض علوم کے قبول کرنے اور عمل کرنے میں کوئی اختلاف نہ ہوگا۔ بے شمار محدثین نے حدیث کی صحت حضور علیہ السلام سے حاصل کی۔ چنانچہ عرض کی یا رسول اللہ! فلاں نے یہ حدیث آپ سے روایت کی ہے؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاں یا نہ فرمایا۔ اور بیداری میں زیارت کے وقت بھی مشائخ نے اس طرح علوم کا استفادہ کیا ہے۔ (مدارج النبوۃ ج ص ۱۳۲) چنانچہ امام شعرانی قدس سرہ لطائف المنن میں فرماتے ہیں کہ آئمہ مجتہدین میں سے ہر ایک کی روح سید عالم الصلوٰۃ والسلام کی روح پاک کے حضور حاضر ہوتی ہے اور جن دلائل کے بارے میں تردد ہو بارگاہ پاک سے پوچھتے ہیں یا رسول اللہ! آپ کا یہ ارشاد ہے یا نہیں؟ اور انہیں یہ شرف بیداری میں اور حضور علیہ السلام کے روبرو ہو کر حاصل ہوتا ہے۔ پھر فرماتے ہیں اسی طرح یہ حضرات اپنی کتابوں میں ہر مسئلہ کی تدوین اور اس کے ساتھ طاعت الٰہیہ کا شرف پانے سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لیا کرتے تھے کہ یا رسول اللہ! ہمیں فلاں آیت سے یہ مسئلہ سمجھ آیا ہے اور فلاں حدیث پاک میں آپ کے اس ارشاد پاک سے ہمیں یہ مسئلہ معلوم ہوا۔ آپ اسے پسند فرماتے ہیں یا نہیں؟ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد و اشارہ کے مطابق عمل کرتے (مقدمہ برکات روحانی ترجمہ طبعات شعرانی محمد محفوظ الحق غفرلہ)

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے خواب کا حکم

اگر تو کہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام جو کچھ خواب میں دیکھیں اس کا حکم کیا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لئے اس پر عمل لازم ہے جو خواب میں دیکھیں۔ اور یہ اس لئے کہ انبیاء حق ہی دیکھتے ہیں۔ اور خواب میں جو کچھ دیکھیں اس کا حکم بیداری کا حکم ہے۔ اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے ان عینیّ تنامان و لا ینام قلبی. (یعنی میری آنکھیں سوتی ہیں دل نہیں سوتا اور اسی طرح انبیاء ہیں۔ تو ان کے عالم امثال میں جو نقش ہوتا ہے سب برحق ہے۔ کیونکہ وہ ملکوت سماوی کی وساطت سے علم حق کے خزانے سے ہوتا ہے۔ اور اس میں غلطی ممکن ہے نہ تاویل

اگر کہا جائے کہ جب ان کے قلوب کا نور جہت علو کی طرف منعکس ہو تو کیا کسی تاویل کی ضرورت ہوتی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ

ایسی صورت میں تاویل کی ضرورت ہوتی ہے جیسا کہ حضرت یوسف علیہ الصلوۃ والسلام کے واقعہ میں صورت حاصل پیش آئی کہ آپ نے گیارہ ستارے دیکھے۔ اور اسی لئے یوسف علیہ السلام نے فرمایاھذا تاویل رؤیای من قبل قد جعلھا ربی حقا (یوسف۔ یہ تاویل ہے میرے سابقہ خواب کی اللہ تعالیٰ نے اسے سچا کر دیا)

تیئیسویں بحث

جنات کا وجود اوران پر ایمان کا وجوب

اور یہ اہل سنت کے سلف وخلف کے ان کے اثبات پر اجماع کی وجہ سے ہے علاوہ ازیں قرآن مجید اور تمام آسمان کتابوں کا ان کے متعلق بیان ہے۔ اور یہ ناطق مخلوق سے ہیں۔ کھاتے پیتے ہیں۔ ان میں نکاح اور نسل کا سلسلہ ہے۔ شیخ ابوطاہر القزوینی فرماتے ہیں: اور ان کے وجود پر ان کے مخفی اثرات کے متعلق عامۃ الناس کا تخیل ہے۔ جبکہ معتزلہ ان کا بالکل انکار کرتے ہیں۔ ان کا گمان ہے کہ جنات عقلمند لوگوں سے عبارت ہے جبکہ شیاطین سے مراد شریر لوگ ہیں پس اس تاویل کے ساتھ انہوں نے جنات کے وجود اور ان کے اوصاف پر دلالت کرنے والی نص کی تردید کردی۔

اصول خلق چار ہیں

اگر تو کہے کہ تمام مخلوق کے کتنے اصول یعنی کتنی بنیادیں ہیں؟ اس کا جواب ماوردی کے مطابق اصول خلق چار چیزیں ہیں۔ پانی، مٹی، ہوا اور آگ۔ پس پانی اور مٹی مخلوق کے لئے ظاہر ہیں۔ جبکہ ہوا اور آگ ان سے مخفی ہیں۔ اور یہ معلوم ہے کہ آگ مشتمل ہے نور، شعلے اور دھوئیں پر۔ پس نور، محض روشنی ہے۔ دھواں محض تاریکی ہے۔ جبکہ شعلہ درمیان میں دھواں کے بغیر آگ کی لپٹ ہے۔ اور یہ نرا شعلہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے جنات کو بغیر دھوئیں کی آگ سے پیدا فرمایا پس انہیں نوریت کی وجہ سے ایک نسبت ملائکہ کی طرف ہے۔ جبکہ دھوئیں کی تاریکی کے حوالے سے ایک نسبت شیاطین کی طرف ہے۔ اسی لئے ان میں مطیع وعاصی ہیں اور مومن وکافر۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے والجان خلقناہ من قبل من نار السموم (الحجر آیت ۲۷۔ اور جن کو ہم نے اس سے پہلے بے دھوئیں کی آگ سے پیدا فرمایا) کہا گیا ہے کہ یہ سورج کی آگ ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ بجلیوں کی آگ ہے۔ رہا ابلیس تو اس میں اختلاف ہے کہ فرشتوں میں سے ہے یا جنات سے۔ ایک قوم قائل ہے کہ ان جنات میں سے ہے جنہوں نے زمین میں سرکشی پھیلائی۔ پس ملائکہ نے ان سے جنگ کی۔ اور ان میں سے ابلیس کو قید کر کے آسمان کی طرف لے گئے پس وہ حکماً فرشتوں میں سے ہوگیا۔ کیونکہ قوم کا مولیٰ انہیں میں سے ہے۔ اور نسبی اعتبار سے جنوں میں سے تھا۔ پس اس میں دونوں قول صادق آتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ فعلاً جنوں سے ہے اور نوعاً فرشتوں سے۔ پس اپنے فعل کے اعتبار سے کافروں سے تھا۔

تخلیق اجناس کی تفصیل

ماوردی کہتے ہیں کہ پھر اللہ تعالیٰ نے خشکی اور تری کے رہنے والوں کو مٹی اور پانی سے پیدا فرمایا جیسے انسان۔ چار پائے۔ وحشی جانور، پرندے اور کیڑے مکوڑے۔ اور مچھلیاں اور مینڈک وغیرہ پانی کی مخلوقات سے ہیں۔ پس اصول اربعہ سے پیدا ہونے والی یہ چاروں

اجناس دو جنسیں ہو گئیں۔ دو اوپر چڑھنے والی کہ ان کی اصل اوپر چڑھنے والی ہے۔ اور وہ فرشتے اور جنات ہیں۔ اور دو جنسیں نیچے آنے والی کہ ان دونوں کی اصل نیچے کی طرف آنے والی ہے اور یہ خشکی کے حیوانات اور پانی کے حیوانات ہیں۔ یہ سب کچھ ماوردی نے کتاب النبوۃ میں ذکر کیا۔ پھر معذرت کی اور کہا کہ میں نے یہ عبارات ان کے منکرین کے الفاظ سے نقل کی ہیں کیونکہ مخالف کی زبان سے استدلال ان کے ہاں زیادہ موثر ہوتا ہے اور حجت کو زیادہ پختہ کرتا ہے۔

شیخ ابوطاہر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جان لے کہ ان میں سے ہر جنس کی تخلیق جب اللہ تعالیٰ کی قدرت سے مکمل ہو جائے تو ضروری ہے کہ اس کی اصل کی صورت زائل ہو جائے اور دوسری شکل اختیار کرے جو کہ اس کی اصل کے مشابہہ نہ ہو۔ انسان کے متعلق سوچو کہ اس سے پانی۔ مٹی، خاک کی صورت کس طرح زائل ہوئی اور وہ گوشت، ہڈی اور جسم میں بدل گیا۔ اور علاوہ ازیں کئی کوائف میں۔ پھر ان مخصوص صورتوں اور مشاہدہ میں آنے والی ہیئت میں متشکل ہوا۔ اور اسی طرح کی گفتگو درندوں۔ پرندوں اور ان کی مختلف شکلوں کے بارے میں ہے۔ ان میں سے بعض کی بعض کے ساتھ کوئی مشابہت نہیں۔ اور اسی طرح ملائکہ جنات اور شیاطین کی صفت ہے۔ کیونکہ ان کے اجسام سے ہوا کی صورت زائل ہو چکی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں لطیف ہیئات میں مصور فرما دیا۔ اسی لئے انہیں روحانیین کہتے ہیں۔ پھر ان انوار کے لئے ان کی ذات کے لاحق لطیف شکلیں اور صورتیں ہیں جن کی وجہ سے زمینی حیوانات کی اشکال کی طرح وہ امتیاز پاتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ **وما یعلم جنود ربک الا ھو** (المدثر آیت ۳۱ اور آپ کے رب کے لشکروں کو اس کے بغیر کوئی نہیں جانتا) اور یہ صورتیں اپنے اختلافات اور اپنے تنوع میں لازم ہیں لیکن انتہائی لطیف ہونے کی وجہ سے ہماری آنکھوں سے اوجھل ہیں جیسے ہوائیں۔ اور کبھی ان میں سے بعض عارضی ہوتی ہی جیسے وہ صورتیں جن میں کسی وقت وہ متصور ہوتے ہیں پس ان کے واسطے سے انہیں انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اور اولیاء دیکھتے ہیں پھر وہ ان سے زائل ہو جاتی ہیں۔ اور یہ ان کے لئے ہمارے لئے ہمارے لباس کے مختلف ہونے کے قائم مقام ہیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ لطافت اور رقت کے غلبہ کی وجہ سے ان کے اجسام گویا ہوا کے ساتھ مل جاتے ہیں۔ پس دیکھنے والے کی آنکھ میں وہی صورت اختیار کر لیتی ہے جو وہ چاہیں۔ نہ کہ ہوا۔ اور کبھی ہوا میں ایسے منقش ہو کر ظاہر ہوتی ہے جیسے قوس قزح کا نقش یہاں تک کہ حاضرین بھی انہیں سبز سرخ زرد رنگ وغیرہ میں دیکھتے ہیں۔ جیسے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں جبریل کی صورت دیکھی جبکہ اسے آپ کے باپ عباس نہ دیکھ سکے۔ اور ان کے ساتھ مسجد میں تھے۔ پس انہوں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات عرض کی۔ آپ نے فرمایا: وہ نابینا ہو جائے گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ اسے دین کی فقاہت اور قرآن کی تاویل کا علم عطا فرمائے گا۔

جنات کے متعلق تفصیل

شیخ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جنات کو جس شکل میں چاہیں ظاہر ہونے کی قدرت بخشی ہے۔ جیسے کہ ہمیں جس لباس میں ہم چاہیں ظاہر ہونے کی قدرت عطا فرمائی ہے۔ تو جس طرح لباس کی شکلیں ہمارے لئے مسخر ہیں اسی طرح صورتوں کی اشکال ان کے لئے مسخر ہیں۔ فرق یہ ہے کہ ہمارا لباس سوت اور ریشم سے بنا ہے جبکہ ان کا لباس ہوا اور شعاعوں سے بنا ہے۔ اور ہر کوئی اپنے طریقے پر عمل کرتا ہے۔ اور فرمایا: چونکہ فرشتے اور جن کا جسم ہوا سے زیادہ لطیف ہے یعنی جلد حالت بدلنے کے اعتبار سے اس لئے ہماری آنکھوں پر دقیق ہے لیکن جب اللہ تعالیٰ ہمیں فرشتے یا جن دکھانا چاہے ہوا کو کیفیت عطا فرماتا ہے اور لباس ہوا میں سے جس شکل میں وہ چاہیں اسے اختیار کرنے کی

قدرت عطا فرما دیتا ہے پس لوگ انہیں اس صورت میں دیکھتے ہیں جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **ولو جعلناہ ملکا لجعلناہ رجلا وللبسنا علیھم ما یلبسون** (الانعام آیت ۹۔ اگر ہم کسی فرشتہ کو نبی بناتے تو اس کو انسان بناتے اور ہم مشتبہ کر دیتے ان پر جس شبہ میں وہ اب ہیں) اور فرشتہ حقیقت میں انسان نہیں ہوتا۔ وہ تو صرف کثیف بننے والی ہوا کی وساطت سے انسانی صورت اختیار کرتا ہے کیونکہ ہوا جب کثیف ہو جائے تو سراب کی طرح اس کا ادراک ممکن ہوتا ہے۔

انہ یراکم ھو و قبیلہ من حیث لا ترونھم کی وضاحت

اگر تو کہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا معنی کیا ہے **انہ یراکم ھو وقبیلہ من حیث لا ترونھم** (الاعراف آیت ۲۷ بیشک وہ اور اس کا کنبہ تمہیں دیکھتا ہے جہاں سے تم انہیں نہیں دیکھتے؟) تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا معنی واللہ اعلم یہ ہے کہ تم انہیں اس صورت میں نہیں دیکھتے ہیں جس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں تخلیق فرماتا ہے۔ البتہ جب وہ اپنی صورتوں کی بجائے دوسری شکل میں متشکل ہوں جیسے کتا۔ بلی تو ممنوع نہیں۔ بلکہ ایسا تو کثرت سے واقع ہوتا رہتا ہے۔ امام شعرانی فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ان میں سے ایک شخص میرے پاس توحید کے بارے میں ستر سے زائد سوالات لے کر حاضر آیا اور مجھ سے ان کے جوابات طلب کئے۔ جبکہ وہ میل سے صاف ریگستانی کتوں کی طرح زرد رنگ کے کتے کی صورت میں تھا۔ اور یہ رات کا وقت تھا۔ صفیں بچھانے والے نے گمان کیا کہ یہ فی الواقع کتا ہے۔ اس نے پانی اور مٹی سے ساری مسجد کو دھویا۔ پس میں نے انہیں جوابات دیئے اور اس رسائے کا نام **کشف الحجاب والران عن وجہ اسئلۃ الجان** رکھا۔ اور ایک لطیف کتاب ہے۔

کیا جنت میں جن نظر آئیں گے؟

اگر تو کہے کہ کیا دنیا کے طرح جنت میں جنات ہم سے حجاب میں ہوں گے؟ جواب یہ ہے کہ نہیں۔ بلکہ وہاں حکم برعکس ہوگا۔ پس ہم انہیں دیکھیں گے اور ان کے خواص کے علاوہ وہ ہمیں نہیں دیکھیں گے۔ پس بیشک وہ ہمیں دیکھیں گے جیسے یہاں ہمارے خواص جنات کو دیکھتے ہیں۔

جنات کے متعلق مختلف وضاحتیں

اگر تو کہے کہ کیا اس صورت کے مطابق جس میں یہ متشکل ہوں ان کی آوازیں بدلتی ہیں یا وہ اپنی اصلی آوازوں پر باقی رہتے ہیں؟ تو جواب یہ ہے کہ یہ جن صورتوں میں ظاہر ہوتے ہیں ان کے تابع ہو کر ان کے مطابق ان کی آوازیں بدل جاتی ہیں۔ کیونکہ حکم اس صورت کے لئے ہے جس میں وہ داخل ہوئے جیسے آدمی۔ چار پائے اور باقی سارے حیوانات۔

اگر تو کہے کہ جب یہ ہماری صورت میں داخل ہوں تو کیا ہمارے کلام کے سارے حروف بولتے ہیں یا کچھ مختلف ہوتے ہیں؟ تو جواب یہ ہے کہ بعض میں اختلاف کرتے ہیں۔ پس تمام امور میں ان کی آوازیں ہماری آوازوں کے مشابہ نہیں ہوتیں۔ اور یہ اس لئے کہ ان کے اجسام لطیف میں ہے۔ حروف کثیفہ کے مخارج ادا نہیں کر سکتے کیونکہ وہ انطباق اور پختگی کے متقاضی ہیں جبکہ یہ صفت ان میں موجود نہیں۔

اگر تو کہے کہ ہمیں ان کے ناقص کلام سے حروف کا علم کیونکر حاصل ہوگا؟ تو جواب یہ ہے کہ ان کے کلام سے ہمیں علم کا حصول ان کے ہمارے حروف بولنے سے ہوگا جو کہ حقیقتاً ہمارے حروف جیسے نہیں ہوتے۔ اگر وہ ہمارے حروف کی حقیقت کے ساتھ بولیں اور کلمے سے ایک حرف کم کردیں تو ہمیں ان کے کلام سے کچھ بھی سمجھ نہ آئے۔

اگر تو کہے کہ کیا ان سے کوئی کلام بشر کے ساتھ گفتگو کرسکتا ہے جبکہ وہ انسانی صورت کے علاوہ کسی دوسری صورت میں ہو؟ تو جواب یہ ہے کہ کوئی روحانی کبھی بھی ایسا نہیں کرسکتا مگر خرق عادت کے طور پر۔

اگر تو کہے کہ اس بحث کے آغاز میں گزر چکا کہ جن پیدا کیے گئے ہیں مارج آگ سے۔ اور لغت میں مرج کا معنی ہے اختلاط۔ یعنی مرکب ہونا۔ تو یہ اختلاط کیا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ وہ ایسی آگ ہے جس میں مواد کی رطوبت کی ترکیب ہے۔ اسی لئے اس کا شعلہ ظاہر ہوتا ہے اور وہ ہوا کا بھڑکنا ہے۔ اور وہ گرم مرطوب ہے۔

شیاطین اور جنات

اگر تو کہے کہ جنات کے شیاطین وہی تو خصوصاً بدبخت اور مطرود ہیں۔ ان پر اسم جنس جو کہ جانّ ہے کیوں باقی رکھا گیا؟ جواب یہ ہے کہ ان پر جن کا نام اس لئے باقی رکھا گیا کہ جن ملائکہ اور بشر جو کہ انسان ہے کے درمیان کی ایک مخلوق ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ جن عنصری ہے۔ اسی لئے اس نے تکبر کیا۔ اور اگر خالص طبیعی ہوتا تو اس پر عنصر کا حکم غالب نہ ہوتا۔ تکبر نہ کرتا اور ملائکہ کی طرح ہوتا۔ تو یہ ایک برزخی مخلوق ہے۔ اس کا ایک رخ آگ کی لطافت کی وجہ سے ارواح نوریہ کی طرف ہے۔ دلیل یہ ہے کہ اسے حجاب اور شکل اختیار کرنے کا ملکہ حاصل ہے۔ اور اس کا نیابت کا رخ بھی ہے پس یہ عنصری خاکستر ہے جیسے مادردی کے کلام میں اس کی طرف پہلے اشارہ ہو چکا ہے۔ اور اسم اللطیف نے اسے یہ صلاحیت بخشی کہ یہ ابن آدم کی خون کی شریانوں میں چلتا ہے۔ اور اسے اس کا شعور تک نہیں ہوتا۔ اور اگر شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے ہمارے سینوں میں شیطان کے کچوکے اور اس کے وسوسے کی تنبیہ نہ ہوتی تو معلوم بھی نہ ہوتا کہ یہاں کوئی شیطان ہے۔ پس جنات کو لوگوں کی نگاہوں سے چھپنے کی صلاحیت صرف اسم اللطیف ہی نے عطا کی۔ اسی لئے ہماری آنکھیں ان کا ادراک صرف اسی صورت میں کرسکتی ہیں جب یہ جسم میں متشکل ہوں۔

جسم اور جسد میں فرق اور عزیمت پر جنات کی حاضری

اگر تو کہے کہ کیا لفظ جسم اور لفظ جسد میں کوئی فرق ہے؟ تو اس کا جواب شیخ محی الدین نے ۳۴۳ ویں باب میں یہ دیا ہے کہ ان دونوں کے درمیان فرق ہے۔ اور یہ اس طرح کہ جسم عام طور پر معروف ہے کہ لطیف۔ شفاف اور کثیف ہیں۔ کوئی نظر آتے ہیں اور کوئی نظر نہیں آتے۔ رہا جسد تو یہ وہ جسم ہے جس میں روحانی مخلوق بیداری میں اجسام کی شکلوں میں متمثل ہو کر ظاہر ہوتی ہے۔ اور اس میں وہ بھی ہے جس کا ادراک سونیوالے کو اپنی خواب میں اجسام کے مشابہ ظاہر ہوتا ہے اور اسے حس عطا کرتا ہے جبکہ یہ امور فی نفسہا اجسام نہیں ہیں۔ انتہی

اگر تو کہے کہ جن صورتوں میں جن یا فرشتہ متشکل ہوا ان کی وساطت سے جو نظر آتا ہے وہ حقیقتاً فرشتہ یا جن ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ ہاں وہ حقیقت میں فرشتہ یا جن ہے جس طرح کہ حروف واصوات کی وساطت جو کچھ سنائی دیتا ہے وہ فی الحقیقت کلام اللہ ہے اور صوفیاء میں سے بعض سے جن کی تعریف پوچھی گئی تو فرمایا وہ ہوائی حیوان ہے جو کہ ناطق ہے۔ اور مختلف شکلوں میں متشکل ہوسکتا ہے۔

اگر تو کہے کہ کیا ایسے جنات ہیں جن پر انسان اللہ تعالیٰ کے اسماء کے ساتھ قسم کھائے تو وہ ہماری قسم پوری نہیں کرتے یا سب کے سب اس کی قسم پوری کرتے جو ان پر قسم کھائے؟ تو جواب یہ ہے کہ ان پر جو قسم اٹھالے اس کی قسم پوری کرتے ہیں۔ اپنے آپ کو اس سے لوٹانے پر قدرت نہیں رکھتے۔ بخلاف انسان کے۔ شیخ ابو طاہر نے فرمایا: کہا جاتا ہے کہ جنات صرف اور صرف عزیمت پڑھنے پر ہی حاضر ہوتے ہیں۔ اور جب مجنون پر پڑھ جائے تو اس کی شعاع جو کہ سورج کی شعاع کی طرح ہے جنات پر پڑتی ہے پس انہیں حاضر کرتی ہے اور انہیں خوش دلی سے حکم ماننے کی طرف لوٹاتی ہے۔ اس طرح کہ انہیں نافرمانی ممکن نہیں ہوتی۔ اور یہ حضرت سلیمان علیہ الصلوۃ والسلام کے تابع فرمان تھے جس طرح کہ ہوا آپ کے حکم کے تابع تھی۔ اور یہ ہوا کی طرح لطیف اجسام ہیں۔ بنی آدم کے اندر ایسے داخل ہو جاتے ہیں جیسے پگھلاتی ہوئی چاندی ہیں آگ داخل ہوتی ہے تو اسے دیکھتا ہے کٹھالی میں حرکت کرتی ہے۔ اور اسی طرح عزیمت پڑھنے کے وقت تو دیکھتا ہے کہ مریض حرکت کرتا ہے۔ اور حدیث پاک میں ہے کہ شیطان ابن آدم کے جسم میں وہاں سے گزر جاتا ہے جہاں سے خون گزرتا ہے۔

جنات مکلّف ہیں

اگر تو کہے کہ جنوں کے مکلف ہونے کی کیا دلیل ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد دلیل ہے "**واذصرفنا الیك نفرامن الجن یستمعون القرآن** (الاحقاف آیت ۲۹۔ اور جس وقت ہم نے جنات کی ایک جماعت کو آپ کی طرف متوجہ کیا کہ وہ قرآن سنیں) اور یہ نصیبین کے نو جن تھے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بطن نخلہ میں دیکھا اور یہ شعب الحجون سے آئے تھے۔ پس حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے عبداللہ بن مسعود کے اردگرد لکیر کھینچ دی اور فرمایا: اس سے باہر نہ نکلنا۔ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تسریف لے گئے اور ان کے درمیان خون کا مقدمہ تھا تو میں آپ کے فیصلے کے وقت ان کی آوازیں سن رہا تھا۔ پھر آپ نے انہیں سورۃ الرحمٰن پڑھائی۔ اور ان پر نمازیں فرض فرمائیں جیسا کہ تفاسیر میں مشہور ہے۔

جنات کا جنت میں داخلہ

اگر تو کہے کہ جنوں کے جنت میں داخل ہونے کی کیا دلیل ہے؟ جواب یہ ہے کہ اس کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا تو آپ سات دن تک خاموش رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول پر آپ کو اطلاع ہوئی **لم یطمثھن انس قبلھم لا جان** (الرحمٰن آیت ۵۶۔ حوروں کو ان سے پہلے کسی انسان نے چھوا نہ کسی جن نے) پس آپ نے فرمایا: یہ اس امر پر دلیل ہے کہ جنات جنت میں داخل ہوں گے۔ انتہیٰ۔ ضحاک فرماتے ہیں کہ جن جنت میں داخل ہوں گے اور انہیں انسانوں کی طرح ان کے اعمال پر جزا دی جائے گی۔ جبکہ سفیان کا قول ہے کہ انہیں ایمان پر یہ اجر ملے گا کہ وہ آگ سے گزر کر خلاص پا جائیں گے۔ پھر انہیں کہا جائے گا مٹی ہو جاؤ۔ شیخ ابو طاہر فرماتے ہیں کہ اکثر جنات مرنے کے بعد اٹھائے جانے کا عقیدہ نہیں رکھتے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **وانھم ظنوا کما ظننتم ان لن یبعث اللہ احدا** (الجن آیت ۷۔ اور ان انسانوں نے بھی یہی گمان کیا جیسے تم گمان کرتے ہو کہ اللہ کسی کو قیامت میں نہیں اٹھائے گا یا اللہ کسی کو رسول بنا کر مبعوث نہیں کرے گا)

جنات اور ابلیس۔ شہاب

اگر تو کہے کہ آسمان سے سماعت کی چوری کرنے سے جنات کی ممانعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے لے کر قیامت تک باقی ہے یا یہ ایک مقررہ مدت تک ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ صحیح یہ ہے کہ ممانعت بعثت شریفہ سے لے کر قیامت تک ہے۔ اور اس تقدیر پر کہ سماعت کی چوری کر لیں تو اس چوری کی خبر دینے کے لئے ہم تک نہیں پہنچ سکتے۔ بلکہ شہاب انہیں جلا کر فنا کر دیتے ہیں۔

اگر تو کہے کہ اس شہاب کی حقیقت کیا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ اس میں دو قول ہیں۔ (۱) وہ نور ہے جو کہ اپنی روشنی کی شدت کی وجہ سے پھیلتا ہے پس جن کو جلا دیتا ہے پھر اپنی جگہ لوٹ جاتا ہے۔ (۲) وہ ستارے کی صورت میں ہے آسمان کے نیچے سے ٹوٹتا ہے پس انہیں جلا دیتا ہے۔ پھر لوٹتا نہیں۔

اگر تو کہے کہ کیا ابلیس جنات کا باپ ہے جیسا کہ لوگوں کی زبانوں میں مشہور ہے؟ جواب یہ ہے کہ ابلیس جنات کا باپ نہیں۔ جنات تو اس سے پہلے سے ہیں۔ البتہ یہ سب سے پہلا نافرمان ہے۔

اگر تو کہے کہ ابلیس کا مرتبہ کیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ اس کا مرتبہ یہ ہے کہ لوگوں کو ایسے وسوسے ڈالتا ہے جو انہیں ہلاک کر دیں یا انہیں ایسے انداز سے اللہ تعالیٰ کے حضور ان کے مقام سے گرا دے کہ انہیں شعور تک نہ ہو۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ انہ لیس له سلطان علی الذین آمنوا و علی ربهم یتوکلون. انما سلطانه علی الذین یتولونه والذین هم به مشرکون (النحل آیت ۹۹۔۱۰۰۔ یقیناً اس کا ان لوگوں پر غلبہ نہیں جو ایمان لائے اور اپنے رب پر کامل بھروسہ رکھتے ہیں۔ اس کا غلبہ ان پر ہے جو اس سے دوستی کرتے اور اسے اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کی تقدیر سے غافل ہو کر اغواء کا امر اس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ تو جس نے اس سے پرحذر رہتے ہوئے اس کا وسوسہ حاصل کیا اور اس پر عمل نہ کیا تو وہ اس کے مکر اور فریبوں سے نجات پا گیا جو کہ نیکی میں اس سے مخفی رہتے ہیں کہ انسان انہیں پا سکے۔ پس وہ اسے اس کے سوا کسی دوسرے کام کا وسوسہ ڈالتا ہے تا کہ اسے اس سے منتقل کر دے اور اللہ تعالیٰ کے متعلق اس کے پہلے عزم اور نیت کو فسخ کر دے۔ پھر اگر بندہ اس میں اس کے خلاف چلے تو اسے کوئی اور فعل اچھا کر دکھاتا ہے اور اسے کہتا ہے کہ یہ فعل اس سے افضل ہے جس میں تو مصروف ہے۔

ابلیس کی فریب کاریاں

اور اس کی فریب کاریوں میں ایک یہ بھی ہے کہ وہ بندے کے پاس کشف صحیح اور علم کامل لاتا ہے اور وہ اس سے اسی پر قناعت کرتا ہے کہ اسے پتہ نہ چلے کہ یہ کون لایا اور یہ بھی ہے کہ وہ بندے کے پاس روشنی لاتا ہے جس کی وجہ سے اس پر بندوں کی معصیتیں کھلتی ہیں اور اس کے ساتھ ان کی پردہ دری کرتا ہے۔ اور ان کے پردے ظاہر کرتا ہے۔ پس اس کشف والا گمان کرتا ہے کہ اس نے عظیم مرتبہ پا لیا ہے۔ حالانکہ یہ تو شیطان کا حربہ ہے۔ کیونکہ شیطان اس کی سمع و بصر بن چکا ہے۔ پس اس مکاشف پر واجب ہے کہ توبہ میں جلدی کرے ورنہ ہلاک ہو جائے گا۔

اور اس کی فریب کاریوں میں سے ایک یہ بھی ہے جو کہ اکثر اولیاء پر مخفی رہتی ہے کہ وہ قلب ولی کو دیکھتا ہے اگر اسے دیکھے کہ بادل سے مدد لیتا ہے تو اس کے لئے بادل کی صورت اختیار کر کے اس کے پاس آتا ہے۔ اور اس میں سے اس کے ساتھ کلام کرتا ہے۔ یا عرش

کی صورت میں تو اسی طرح یا کرسی کی صورت میں یا آسمان کی شکل میں تو اسی طرح اس سے کلام کرتا ہے۔ تو اگر اللہ تعالیٰ کے علم میں اس سے اس کی حفاظت کا فیصلہ پہلے ہو چکا ہو تو اسے اس پر اطلاع بخشتا ہے کہ یہ شیطان کی طرف سے خود ساختہ حیلہ اور دھوکا ہے پس وہ اسے نامراد لوٹا دیتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت نہ فرمائے تو وہ ہلاک ہونے والوں کے ساتھ ہلاک ہو جاتا ہے۔

اگر تو کہے کہ کیا شیطان کے لئے انسان کے باطن کی طرح اس کے ظاہر پر بھی غلبہ حاصل ہے یا صرف باطن پر غلبہ ہے؟ تو جواب یہ ہے جو شیخ نے ۳۸۳ ویں باب میں دیا ہے کہ جنی شیاطین کے لئے صرف انسان کے باطن پر غلبہ حاصل ہے بخلاف انسانی شیاطین کے کہ انہیں انسان کے ظاہر و باطن پر غلبہ ہے اور اگر جنی شیاطین کی طرف سے لوگوں کے ظاہر میں وسوسہ یا اغواء واقع ہو تو یہ انسانی شیاطین کے لئے نیابت کے حکم کے ساتھ ہے۔ کیونکہ یہی وہ شیاطین ہیں جو کہ انسانی شیاطین پر آراء داخل کرتے ہیں۔

ابلیس کی آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کے ساتھ شدت عداوت میں فرق

اگر تو کہے کہ ابلیس کی کون سی عداوت زیادہ شدید ہے آدم علیہ السلام کے ساتھ یا ان کی اولاد کے ساتھ؟ اس کا جواب شیخ نے ۳۲۵ ویں باب میں یہ دیا ہے کہ بنی آدم کے لئے اس کی عداوت آدم علیہ السلام کی عداوت سے زیادہ شدید ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بنی آدم پانی سے پیدا کئے گئے ہیں اور پانی آگ کے منافی ہے۔ جبکہ آدم اور ابلیس کے مابین خشکی جامع ہے جو کہ مٹی میں ہے۔ پس مٹی اور آگ میں وجہ جامع ہے۔ اسی لئے آپ نے اسے اس وقت سچا سمجھ لیا جب اس نے اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہا کہ وہ آپ کے خیر خواہوں میں سے ہے جبکہ اولاد نے اس میں اسے سچا نہیں جانا کیونکہ وہ اس کی ضد ہیں۔ اسی لئے آدم علیہ السلام کی اولاد کے لئے اس کی عداوت آپ کے ساتھ عداوت کی نسبت زیادہ شدید ہے۔ پھر فرمایا: ہم پر اللہ تعالیٰ کی یہ رحمت ہے کہ چونکہ یہ دشمن ہماری نگاہوں کے ادراک سے پردے میں ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے طریق شرع سے ہمارے لئے قلب میں علامات مقرر فرمائی ہیں جن کی وجہ سے ہم اسے پہچان لیتے ہیں۔ یہ علامات ہمارے لئے ظاہری آنکھ کے قائم مقام ہیں۔ تاکہ ہم اس علامت کی وجہ سے اس کے القاء پر عمل کرنے سے محفوظ رہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس کے خلاف فرشتے کے ساتھ بھی ہماری مدد فرمائی جسے غائبانہ طور پر اس کے مقابل کھڑا کر دیا۔ (اقول و باللہ التوفیق۔ اولاد آدم حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام کی فرع ہے۔ فرع اسے اسے پہچان لے اور اصل اسے پہچان نہ سکے۔ نیز ایک فرشتہ مدد کرے تو ابن آدم محفوظ رہے لیکن جس کے قدموں میں پوری کائنات ملائکہ نے سجدہ کیا وہ محفوظ نہ رہے۔ نیز اولاد آدم سے اس لعین کی عداوت تو صرف اس لئے ہے کہ یہ اولاد آدم ہے۔ قال ء ایتك **هذا الذی کرمت علی لئن اخرتن الی یوم القیامة لا حتنکن ذریته الاقلیلا** (بنی اسرائیل آیت ۶۲۔ اس نے کہا مجھے یہ بتا یہ جس کو تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے۔ اگر تو مجھے روز قیامت تک مہلت دے تو اس کی اولاد کو جڑ سے اکھاڑ پھینکوں گا۔ سوائے چند افراد کے۔ اس لعین کو جلن تو صرف اس امر کی ہے کہ آدم کو اس پر فضیلت کیوں بخشی گئی۔ اصل عبادت تو آدم علیہ الصلوۃ والسلام سے ہے۔ بنابریں حضرت شیخ قدس سرہ کے اس تجزیہ کی حقیقت اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ الفقیر محمد محفوظ الحق غفرلہ)

شیطان کی تین اقسام اور ان میں فرق

اگر تو کہے کہ کیا یہاں ایسا شیطان بھی جو انسی ہے نہ جنی جیسے کہ بعض نے کہا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ ہاں! اور یہ صورت واحد میں ہے کیونکہ اپنے تمام مراتب میں حسی ہے سوائے ایک صورت کے کہ اس میں معنوی ہے۔ اور یہ وہ ہے کہ جب انسانی اور جنی شیاطین جمع ہوں

اوران کا بعض دوسرے بعض کی طرف القاء کرے تو بیشک اس وقت ان دونوں کے درمیان ان کے وسوسے کے وقت ایک اور شیطان پیدا ہوتا ہے جو کہ معنوی ہے۔انسی یہ جنی

اگر تو کہے کہ ان تینوں شیاطین کے درمیان کیا فرق ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ ان کے درمیان فرق یہ ہے کہ انسی شیطان یا جنی ان دونوں میں سے ایک بندے کے قلب میں وسوسے کا دروازہ کھولتا ہے جو کہ اسے اللہ تعالیٰ سے دور کر دیتا ہے۔ اور بس۔ لیکن معنوی شیطان اس سے ایسے شبہات اور امور نکالتا ہے جن کا قصد ابلیس کرتا ہے نہ اس کا غیر۔ شیخ محی الدین نے فرمایا: اور ایسی چیزیں شیطان کی طرف بنیاد کے طور پر منسوب کی جاتی ہے کیونکہ اسی نے تو وسوسے کا دروازہ کھولا۔ اور شیطان کی غرض مخلوق سے صرف اتنی ہے کہ وساوس میں اسے نہ پہنچائیں اور ان کی تصدیق کریں۔ شیخ نے فرمایا: کہ شیطان کو قوۃ تجسد دی گئی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ والقینا علی کرسیه جسدا۔ اور یہ روح تھی جو کہ متجسد ہوئی۔ پس جب شیطان کسی بندے کے متعلق دیکھتا ہے کہ وہ محفوظ ہے اور تائید الٰہی اسے گھیرے میں لئے ہوئے ہے اور وسوسے کے ساتھ اس تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا تو اس کے لئے اس کی مثل انسان کی صورت اختیار کرتا ہے۔ پس بندہ خیال کرتا ہے کہ وہ انسان حقیقی ہے اور وہ اس کے کان کی طرف سے اغواء لاتا ہے۔ پس اس کے لئے ان چیزوں کی بابت جو اس پر اللہ تعالیٰ نے ممنوع فرمائی ہیں کثیر تاویلات داخل کرتا ہے تاکہ اسے اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں میں دھکیل دے۔ ان میں سے ادنی یہ ہے کہ اسے کہتا ہے کہ تیرے جیسے کا اللہ تعالیٰ مؤاخذہ نہیں فرماتا کیونکہ اس نے تجھے یہ کشف عطا فرمایا ہے کہ وہ فاعل ہے اور تقدیر لکھنے والا۔ اگر وہ اسے اس پر رد کر دے تو وہ اس کے پاس اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن کے دروازے سے داخل ہوتا ہے کہ وہ تجھے نہیں پکڑے گا۔ کہ جب تو اس کے متعلق یہ گمان کرتا ہے تو وہ تجھے نہیں پکڑتا جبکہ تو ہر حال میں اس کا بندہ ہے تو طاعت کی حالت میں ہو یا معصیت کی حالت میں۔ اور یہ اس لئے کہ ابلیس جانتا ہے مومن کسی تاویل اور اس فعل کو زینت دیئے بغیر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اقدام نمائی نہیں کرتا۔ اور اگر ابلیس کے وسوسے کے بغیر مومن معصیت پر اقدام نمائی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ابلیس کی ایجاد نہ کرنا۔ انتہی

اور شیخ نے اس مسئلہ پر ۳۸۳ ویں باب میں تفصیل سے گفتگو کی ہے ادھر رجوع کرو۔

جنات میں مناکحت، قبائل اور پہلا شیطان

اگر تو کہے کہ جنات میں مناکحت کی کیا صورت ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ ان کی باہم مناکحت لپٹنا ہے جیسے مختلف رنگوں سے یا تنور سے نکلنے والا دھواں۔ ان میں سے بعض بعض میں داخل ہوتا ہے اور دونوں جسموں میں سے ہر ایک اس باہم داخل ہونے سے لذت پاتا ہے اور اس کی وجہ سے ان کا حمل ایسے ہوتا ہے جیسے صرف مہک سے کھجور کا درخت باردار ہوتا ہے۔

اگر تو کہے کہ کیا انسانوں کی طرح ان کے بھی قبائل اور خاندان ہیں؟ اس کا جواب شیخ نے فتوحات کے نویں باب میں یہ دیا ہے کہ ہاں اور اس کی وجہ سے بڑی جنگیں رونما ہوتی ہیں۔ اور بعض گردباد (بگولے) کبھی ان کی جنگوں کی وجہ سے رونما ہوتے ہیں۔ کیونکہ گردباد دو ہواؤں کا باہم آمنے سامنے ہونا ہے۔ ایک ہوا دوسری کو اسے چیرنے سے روکتی ہے۔ پس یہ روکنا حسی طور مشہور گردش غبار تک پہنچ جاتا ہے۔ اور ہر گردباد ان کی جنگوں سے نہیں ہوتا۔

اگر تو کہے کہ جنوں میں سب سے پہلے شیطان کسے کہا گیا؟ جواب یہ ہے کہ وہ حارث ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی رحمت سے

دور دھتکار دیا۔ اور اسی سے تمام شیاطین پھیلے۔ تو ان میں سے جو ایمان لایا جیسے ہامۃ بن الہام ابن لاقیس بن ابلیس وہ ایمان والے جنات کے ساتھ مل گیا۔ اور ان میں سے جو اپنے کفر پر باقی رہا شیطان ہوا۔

اگر تو کہے کہ کیا کسی شیطان کے بارے میں یہ صحیح ہے کہ اسلام لائے۔ جیسے ہمارے نزدیک انسانوں میں سے کافر اسلام لے آتا ہے اور مومن ہو جاتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ لوگوں نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ اور ان کے اختلاف کی بنیاد حدیث پاک کے لفظ **فاسلم** کی میم کے ضبط پر ہے کیونکہ حفاظ حدیث میں سے بعض نے اس کا ضبط ضمہ کے ساتھ کیا ہے یعنی **فاسلم انا منه** یعنی میں اس سے سلامتی میں ہوں جبکہ وہ اپنے کفر پر باقی ہے۔ اور بعض نے میم کے فتح کے ساتھ اس کا ضبط کیا (یعنی **فاسلم** یعنی وہ مسلمان ہو گیا) اور الفاظ حدیث یہ ہیں **مامن احد الاوله قرين يامره بالسوء۔ فقالوا وانت يا رسول الله قال نعم ولكن اعانني الله عليه فاسلم** ۔ کہ تم میں سے ہر ایک کا ایک ساتھی ہے جو اسے برائی کا حکم دیتا ہے۔ عرض کی گئی: یا رسول اللہ! آپ بھی؟ فرمایا: ہاں! لیکن اللہ تعالیٰ نے اس پر میری مدد فرمائی پس وہ مسلمان ہو گیا۔ اور حدیث کے بعض طرق میں یہ الفاظ ہیں **فلا يا مرني الابخير** مجھے وہ خیر کی بات ہی کہتا ہے۔ ان زائد الفاظ سے اس امر پر دلالت ملتی ہے کہ اس کا اسلام لانا درست ہے۔ پس بیشک اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو یوم جزاء تک ڈھیل دی ہے۔ جب کہ تکالیف منقطع ہو جائیں گی پس کبھی درست نہیں کہ وہ اسلام آئے کیونکہ اگر اس کا اسلام لانا جائز ہوتا تو اسماء الٰہیہ کی بعض بارگاہیں معطل ہو جاتیں اور کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرتا کیونکہ پورے عالم موجودات میں کسی سے اس کی معصیت اس ابلیس کی وساطت کے بغیر درست نہیں۔ یا خود اس کی وجہ سے یا اس کے کارکنوں کی وجہ سے۔ واللہ اعلم

ابلیس اور قابیل اور چند وضاحتیں

اگر تو کہے کہ جب سب سے پہلا نافرمان ابلیس ہے تو وہ پورا قابیل کی طرح ہوا؟ جواب یہ ہے کہ ہاں یہ امر ایسا ہی ہے تو جس طرح انسانوں میں سے پہلا بد بخت قابیل ہے اسی طرح جنات میں نے سب سے پہلا بد بخت ابلیس ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا **الا ابليس كان من الجن** (الکہف آیت ۵۰۔ سوائے ابلیس کے۔ وہ قوم جن سے تھا) یعنی اس بد بخت مخلوق کی قسم سے تھا۔

اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے اس کے قول کی حکایت فرمائی ہے **قال للانسان اكفر فلما كفر قال اني برئ منك اني اخاف الله رب العالمين** (الحشر آیت ۱۶۔ انسان سے کہتا ہے کہ کفر کر۔ جب وہ کفر کرتا ہے تو شیطان کہتا ہے کہ میں تجھ سے بیزار ہوں میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں) تو کیا یہ خوف اس کی باطنی توحید پر دلالت کرتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ یہ اس کی توحید پر دلالت نہیں کرتا۔ کیونکہ وہ پہلا فرد ہے جس نے عالم میں شرک کا دستور جاری کیا۔ پھر اس وقت اس کی توحید کی صحت کی تقدیر کے ساتھ ہمیں کیا معلوم کہ اسے شبہہ لاحق ہو گیا ہو جو کہ اس پر علی الفور طاری ہو گیا ہو تو اس نے اسے اس توحید سے نکال باہر کیا۔ کیونکہ قطعاً لازم ہے کہ وہ کفر پر مرے گا۔ پس سمجھ لے۔

اگر تو کہے کہ وہ کفر جس کا ابلیس نے حکم دیا وہ شرک نہیں کیونکہ کفر اس کے غیر کے لئے الوہیت متعین کرنا ہے جس کے لئے یہ ہے جبکہ اس کے عقد میں معبود ثانی کا وجود معدوم ہے۔ جبکہ شرک ہے مشرک کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرا معبود مقرر کرنا۔ پھر یہ مسئلہ کہاں سے آیا کہ ابلیس عالم میں سب سے پہلے شرک کا دستور جاری کرنے والا ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ یہاں کفر سے مراد شرک ہی ہے اور وہ ظلم عظیم

ہے۔جیسے کہ لقمان نے یہ بات اپنے بیٹے سے کہی۔اسی لئے آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وذالك جزاء الظالمین (الحشر آیت ۱۷۔اور ظالموں کی یہی سزا ہے) مراد مشرکین ہیں۔کیونکہ یہی تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ ملایا۔

پس ہمیں اللہ تعالیٰ کے قول ان الشرك الظلم عظیم (لقمان آیت ۱۳۔بیشک شرک ظلم عظیم ہے) اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظلم کی تفسیر شرک کے ساتھ کرنے سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے قول و لم یلبسوا ایمانهم بظلم (الانعام آیت ۸۲۔اور انہوں نے اپنا ایمان ظلم سے نہ ملایا) میں ایمان سے مراد اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان ہے کیونکہ شرک کے مقابل صرف توحید ہی ہوتی ہے۔پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں وہ بات تھی جو کہ صحابہ کرام نہیں جانتے تھے جب انہوں نے ظلم کے متعلق سوال کیا۔اور شیخ نے فتوحات کے ۳۸۳ ویں باب میں اس پر طویل کلام فرمایا ہے۔پھر فرمایا: یہیں سے بعض علماء نے تاویل کو ترک کر دیا۔ اور اس کے قائل نہ ہوئے اور ظاہر پر اعتماد کیا۔اور اس کا علم اللہ تعالیٰ کی طرف سونپا۔تو جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں اپنی مراد کا علم عطا فرما دیا اس نے بات کہہ دی ورنہ وہ اس سے رک گیا۔انتہی۔

جنات کی ہم نشینی کا حکم

اگر تو کہے کہ کیا جنات کی ہم نشینی گھٹیا ہے یا قابل تعریف ہے۔تو جواب یہ ہے گھٹیا۔غیر پسندیدہ ہے اور روحانی علماء میں سے جس نے ان کی ہم نشینی کو ترجیح دی وہ ناواقف ہے کیونکہ فاسق انسانوں کی طرح ان پر فضولیات غالب ہیں۔عقل مند وہی ہے جو ان سے ایسے گریز کرتا ہے جس طرح فاسقوں کی ہم نشینی سے۔اور ہم نے نہیں دیکھا کہ کسی نے ان سے ہم نشینی کی ہو اور اسے کبھی اچھائی حاصل ہوئی ہو۔اور یہ اس لئے ہے کہ ان کی اصل آگ ہے۔اور آگ کثیر الحرکۃ ہے۔اور جس کی حرکات کثرت سے ہوں اس کی طرف فضولیات تیزی سے آتی ہیں۔پس جنات کا فتنہ اپنے ہم نشین انسانوں پر زیادہ شدید ہوتا ہے۔بیشک وہ فاسق انسانوں کے ساتھ لوگوں کے مواضع شرم پر جھانکنے پر جمع ہوتے ہیں جس میں کوئی عقل مند نہیں پڑتا۔اور شیخ محی الدین نے فتوحات کے ۱۵ باب میں فرمایا ہے کہ کسی نے جنات کی ہم نشینی نہیں کی کہ ان سے کبھی ایک ساتھ علم باللہ حاصل ہوا ہو۔کیونکہ وہ عالم طبعی میں اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کے علم کے متعلق سب سے زیادہ جاہل ہیں۔اور کبھی ان کا ہم نشین ان خبروں کی وجہ سے جو وہ اسے حوادث کائنات اور عالم میں اور عالم سے جو کچھ واقع ہوگا کے متعلق دیتے ہیں خیال کرتا ہے کہ یہ اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کرامت ہے۔اور یہ بعید ہے۔بیشک وہ زیادہ سے زیادہ اپنے ہم نشین کو جو کچھ دیتے ہیں وہ یہ ہے کہ اسے نباتات، پتھروں، اسماء اور حروف کے چند خواص پر اطلاع دے دیں۔اور اس کا شمار علم کیمیاء میں سے ہوتا ہے۔پس اس نے ان سے کسب نہیں کیا مگر وہی علم جس کی شرائع نے مذمت کی ہے۔نیز فرمایا: یہ تجربہ شدہ بات ہے کہ جو شخص اکثر ان کی ہم نشینی کرتا ہے تو لوگوں پر تکبر کرنا اس کا معمول ہو جاتا ہے اور جس نے تکبر کیا اللہ تعالیٰ اسے ناپسند قرار دیتا ہے اور اسے جہنم میں داخل فرماتا ہے۔جیسا کہ آیات و احادیث میں وارد ہے۔انتہی

اور شیخ نے ۵۵ ویں باب میں جنات کی معاشرت کی مذمت کے متعلق طویل گفتگو فرمائی ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم

چوبیسویں بحث

اللہ تعالیٰ بندوں کی ذوات وافعال کا خالق ہے

اور یہ کہ بندے کسب کرنے والے ہیں نہ کہ خالق۔ اور یہ معتزلہ کے اس قول کے خلاف ہے کہ بندہ اپنے افعال کا خالق ہے۔ شیخ کمال الدین ابن ابی شریف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ معتزلہ کے پہلے لوگ جیسے واصل۔ ابن عطاء۔ اور عمرو بن عبید اجماع سلف کے زمانے سے ان کے قرب کی وجہ سے اس عقیدے پر تھے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خالق نہیں۔ لفظ خالق کے اطلاق سے پرہیز کرتے تھے اور مخترع۔ موجد وغیرہما کے ساتھ کنایہ کرتے تھے۔ تو جب ابوعلی جبائی اور اس کے ساتھیوں نے دیکھا کہ سب کا معنی ایک ہے اور وہ ہے عدم سے وجود کی طرف نکالنے والا تو انہوں نے لفظ خالق کے اطلاق کی جسارت کر ڈالی۔

اے بھائی! جان لے کہ کسب کا مسئلہ اصول کے بہت دقیق اور گہرے مسائل میں سے ہے۔ اور اس پر نزاع کی وجہ سے اس کا اشکال کشف کے سوا دور نہیں ہوتا جیسے کہ صوفیاء کی نقول کے حوالے سے آگے آ رہا ہے۔ لیکن مختلف فرقوں کے ارباب عقول تو اس کے ادراک میں حیران پھرتے ہیں۔ اور اس کے بارے میں ان کی آراء مختلف ہیں۔ اور یہ اس لئے کہ انسانوں اور تمام حیوانات کے ان کی معاش وتصرفات میں افعال اور ان کی حرکات مشاہدہ کی چیز ہیں ان سے کسی کو انکار نہیں۔ پھر جب ہم حاکم عقل کو ترجیح دیں تو قریب نہیں کہ وہ ان کے ثبوت میں کوئی واضح فیصلہ کر سکے۔ جس کی بنا پر ہماری طرف سے سینے میں کوئی کھٹکا باقی نہ رہے۔ اور میں تجھ پر اہل کلام کی نفیس گفتگو واضح کرتا ہوں پھر قوم صوفیاء کے عارفین کا کلام پیش کرتا ہوں۔ پس میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کہتا ہوں کہ ابوالحسن الاشعری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حادث قدرت کے لئے کا کوئی اثر نہیں۔ مقدور کے ساتھ اس کا تعلق ایسے ہی ہے جیسے عدم تاثیر میں معلوم کے ساتھ علم کا تعلق۔

قضیات عقلیہ

اور شیخ ابو طاہر القزوینی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس مسئلہ میں قضیات عقلیہ تین ہیں۔ اور وہ یہ کہ یا تو تمام افعال اکیلے اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہوں۔ یا صرف مخلوق کی قدرت میں ہوں یا ایک ساتھ اللہ تعالیٰ اور مخلوق کی قدرت میں ہوں۔ پہلی دونوں صورتیں تو معلوم ہیں۔ رہی تیسری صورت اور وہ یہ کہ دو قادروں کی قدرت کے درمیان ہوں۔ پس اس صورت حال پر یہ لازم آتا ہے کہ حرکت ایک ہے۔ جس کے ساتھ دو قدرتیں متعلق ہیں۔ قدیمہ اور حدیثہ۔ اور اس کے ساتھ جب ایک قدرت متعلق ہو تو یہ دوسری سے بے نیاز ہو جائے تو پھر دوسری کا کیا فائدہ؟ اور اس کا متعلق کیا ہے اور اس کے تعلق کی کیفیت کیا ہے؟ جبکہ وہ حرکت پہلی قدرت کے ساتھ معرض وجود میں آنے والی ہے اور موجود ہے۔ اور اس کی تین حالتیں ہیں حالت عدم، حالت وجود اور حالات ایجاد۔ اور دوسری قدرت کا ان تین حالات کے مشمولات کے ساتھ تعلق محال ہے پھر اگر ہم کسی مقدور کو دو قادروں کے درمیان علی الخصوص اس کے اسباب اور ان دونوں کے ارادوں کے ساتھ مقدر مانیں تو واجب ہوگا کہ جب ان میں سے ایک اس کے فعل کو روکے اور دوسرا نہ روکے تو نتیجہ ایسا فعل کی صورت میں ہوگا جو کہ موجود معدوم ہے اور یہ سب سے زیادہ محال ہے۔

لزوم محال

ایک بات باقی رہ گئی کہ محال تو اس وقت لازم آئے گا جب دونوں قدرتیں ایک ہی وجہ سے متعلق ہوں۔ لیکن جب فعل دو قادروں کی

طرف دو مختلف وجوں سے متعلق ہو تو اس صورت میں کوئی استحالہ نہیں۔ اور یہ اس طرح کہ قدرت قدیمہ کا تعلق ایجاد کے حوالے سے ہے جبکہ قدرت حادثہ کسب کے طریقے سے متعلق ہے اور یہ محال نہیں۔ تو کہا جائے گا کہ اگر یہ جائز ہوتا تو یہ بھی جائز ہوتا کہ دو وجہیں دو حالتوں میں واقع ہوں۔ جیسے یہ کہ قدرت قدیمہ کی ایجاد کے ساتھ ایک حالت میں وجود واقع ہو اور قدرت حادثہ کے کسب کے ساتھ دوسری حالت میں حدوث واقع ہو اور یہ محال ہے کیونکہ اس کا حدوث قدرت قدیمہ کے ساتھ حاصل ہو چکا تو کیسے کہا جائے گا کہ اس کے ساتھ قدرت حادثہ اس کے وجود کے بعد متعلق ہوئی۔ اور اگر قدیم و حادث قدرت کے امتزاج سے فعل واقع ہو حتیٰ کہ ایجاد اور کسب کے لائق ہو تو یہ سب سے زیادہ محال ہے۔ علاوہ ازیں موحد کے لئے کسب محال ہے۔ اور کسب کرنے والے کے لئے ایجاد محال ہے۔ اور اس قسم کی باریکی اور گہرائی کے باوجود اسے شیخ ابوالحسن الاشعری نے اختیار کیا۔ اور معتزلہ میں سے نجار نے دونوں کے مابین کچھ اختلاف کے باوجود آپ کی پیروی کی۔ اور شیخ ابوطاہر نے فرمایا کہ اشعری اور آپ کی پیروی کرنے والوں نے اس قسم کو جبریہ اور معتزلہ کے مذہب پر اختیار کیا ہے کیونکہ یہ دونوں کے مذاہب میں زیادہ آسان ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ جب سوائے نوک نیزہ کے کوئی سواری نہ ہو تو مجبور کے لئے اس پر سوار ہونے کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں۔

مذہب اشعری پر سوال

شیخ ابوطاہر نے کہا: اشعری اور ان کے پیروکاروں پر سوالات وارد ہوئے جن میں سب سے زیادہ واضح یہ سوال ہے کہ اگر قدرت حادثہ کے لئے مقدور میں اثر ہے تو یہ شرک ہے۔ اور اگر اس کا کوئی اثر نہیں تو اس قدرت کا وجود عدم برابر ہوا کہ جس قدرت کے ساتھ مقدور واقع نہیں ہوتا وہ عجز کے مرتبہ میں ہے۔ اور اسی اعتراض کی وجہ سے شیخ ابوالحسن کے شاگرد منتشر ہو گئے۔ چنانچہ ان کے بعض نے کہا کہ حادث قدرت کا مقدور میں کوئی اثر نہیں ہے اور یہ قاضی ابوبکر الباقلانی کا مذہب ہے۔ اور آپ نے اس سے استدلال کیا کہ انسان اپنی طرف سے اضطرار اور اختیار کی حرکتوں میں اچھی طرح فرق کر سکتا ہے۔ اور یہ فرق دونوں حرکات کی طرف من حیث الحرکۃ نہیں لوٹتا کیونکہ یہ دونوں ایک جیسی ہیں بلکہ اس پر ایک امر زائد کی طرف لوٹتا ہے اور وہ دونوں میں سے ایک کا قدرت کے ساتھ ہونا اور دوسرے کا غیر مقدور اور غیر مراد ہونا ہے۔ پھر خالی نہیں کہ ان دونوں میں سے ایک کے ساتھ قدرت کا تعلق ایسے ہو جیسے علم کا تعلق معلوم کے ساتھ بغیر تاثیر کے۔ پس یہ فرق کی نفی تک پہنچاتا ہے جبکہ انسان ان دونوں کے مابین فرق پاتا ہے۔ یا دونوں میں سے ایک کے ساتھ قدرت کا تعلق تاثیر کا تعلق ہو۔ پھر یہ بھی دو امور سے خالی نہیں یا تو وجود و حدوث کی طرف راجع ہو یا صفات وجود میں سے کسی صفت کی طرف راجع ہو۔ پہلی صورت باطل کیونکہ اگر وہ وجود میں اثر کرتا ہے تو ہر موجود میں اثر کرتا پس متعین ہو گیا کہ تاثیر کسی اور صفت کی طرف لوٹتی ہے اور وہ وجود پر ایک زائد چیز ہے جیسے ابو ہاشم کے نزدیک قادریت قادر۔ پس یہ صرف وجود کی حالت میں اثر کرتی ہے۔ پس قاضی سے لوگوں نے کہا کہ آپ نے ایک ایسا حال ثابت کر دیا ہے جو کہ مجہول ہے۔ اس کا کوئی نام ہے نہ معنی۔ تو آپ نے جواب دیا کہ یہ دلیل کے ساتھ معلوم ہے لیکن میرے لئے اسے عبارت میں کھول کر بیان کرنا نہیں۔ اور فرق آلہ کی سلامتی اور وجود استطاعت کے وقت عقل کے آسان کرنے پر بندے کے اعتقاد کی طرف لوٹتا ہے۔ اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اور شیخ ابوالحسن الاشعری کا یہ قول پہلے گزر چکا کہ حادث قدرت کے لئے کوئی اثر نہیں ہے۔ اور ان کے مخالف کہتے ہیں کہ قدرت سے اثر کی نفی حقیقت قدرت کی نفی تک پہنچاتی ہے۔ کیونکہ قدرت، مقدور میں اس کی تاثیر کے علم سے علیحدہ ہے۔ اور اگر وہ عدم تاثیر میں علم کی طرح ہوتا تو فاعل کو اس کا علم قدرت کفایت کرتا۔ پس اس قانون پر کسب اس کے نزدیک حادث قدرت کا مقدور ہے۔

البتہ قاضی کے نزدیک کسب حال ہے اور حکم وہ حادث قدرت کا مقدور ہے۔ پس اسے کہا جائے گا کہ یہ حال اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے یا نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی قدرت میں نہیں تو لامحالہ یہ بندے کی قدرت میں ہوگا اور یہ بعینہ معتزلہ کا مذہب ہے۔ اور اگر اس کی قدرت میں ہے تو بندے کے لئے کچھ نہیں۔ اور یہ بالکل جبریہ کا مذہب ہے پس اس مقام میں حال کے ساتھ وابستگی کا کوئی فائدہ نہیں۔

ابوالمعالی کا غلو

شیخ ابوطاہر نے فرمایا: ابوالمعالی نے غلو کیا ہے جب اس نے حادث قدرت کے لئے اثر ثابت کیا جو کہ وجود ہے سوائے اس کے اس نے بندے کے لئے ایجاد میں مستقل ہونا ثابت نہیں کیا جب تک کہ کسی دوسرے سبب کی طرف منسوب نہ ہو۔ پھر اس نے [illegible] تعالیٰ کی طرف جو کہ کسی سبب کی حاجت کے بغیر مستقل بالابداع ہے ترقی کے سلسلہ میں اسباب کا سلسلہ بیان کیا ہے۔ اور [illegible] کتابوں میں سے بعض میں کہا ہے کہ حادث قدرت، قدرت، قدیمہ کا مقدور ہے کیونکہ یہ اس کے اثر سے ہے۔ اور مدارک العقول میں کہا: بندہ حقیقت پر فاعل ہے۔ اور بیشک اس کی قدرت فعل واقع کرنے میں موثر اور اس سے پہلے ہے۔ اور اس کے دوسرے مقام پر کہا: ہم کہتے ہیں کہ ہماری حادث قدرت اتصال کی شرط پر اپنے محل کے غیر میں اثر کرتی ہے۔

اور نظامی میں کہا کہ حادث قدرت ہی فعل کے لئے موثر ہے۔ اور اسے اس غلام سے تشبیہ دی ہے جو کہ خرید و فروخت میں اپنے مالک کی اجازت کے ساتھ اپنے مال میں کاروبار کرتا ہے۔ شیخ ابوطاہر فرماتے ہیں کہ خلاصۂ امر یہ ہے کہ ابوالمعالی نے کبھی تو حادث قدرت کا اثر ثابت کیا اور کبھی اس کی نفی کی۔ یہ اس پُر پیچ مشکل مسئلہ میں ائمہ کے مذاہب کی انتہاء ہے۔ تو جس نے اس پر غور و ذکر کیا اور تکرار سے سوچا اسے اس کے معانی کی گہرائی اور اس کے مراتب کی سختی کا علم ہو جاتا ہے۔ اور اس امر کا خلاصہ یہ ہے کہ جس نے گمان کیا کہ بندے کا اصلاً عمل دخل نہیں تو اس نے عناد و انکار کیا۔ اور جس نے گمان کیا کہ وہ بنفسہ اکیلا عمل کرتا ہے تو اس نے شرک کیا۔ اور بدعت کا ارتکاب کیا۔ اور شرعی ذمہ داری کا مقام صرف اور صرف وہ اختیار باقی رہ گیا جو وہ فعل اور اس کے عدم کے لئے اپنے اندر پاتا ہے۔ پس بیشک بندہ اضطرار کی دو طرفوں کے درمیان اختیار پر مضطر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ یہ اہل کلام کا احسن کلام ہے جو مجھے ملا۔

خلق افعال عبد میں صوفیہ کا کلام

رہا اس مسئلہ میں صوفیہ کا کلام تو یہ اس سے زیادہ ہے کہ اس کا احاطہ کیا جائے۔ لیکن ہم اس کی قابل قدر سمت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ شاید اللہ تعالیٰ ہمارے لئے اس کے بعض معانی واضح فرمادے یہاں تک کہ ہمیں اس کے بارے میں حق کا کشف اور شبہات کا ازالہ مل جائے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا۔ پس ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق کے ساتھ کہتے ہیں کہ شیخ اکبر نے فتوحات کے ۲۲ ویں باب میں فرمایا: خلق افعال کے مسئلہ کی صورت حروف ہجاء میں لام الف کی صورت ہے کہ دیکھنے والا نہیں جانتا کہ دونوں میں سے کونسا حرف لام ہے حتیٰ کہ دوسرا وہ الف ہو۔ اور اس حرف کو جو کہ لام الف ہے اسے افعال میں حرف التباس کہتے ہیں۔ پس مخلوق کے ہاتھوں ظاہر ہونے والا فعل خالصتاً معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کس کے لئے ہے۔ لیکن اگر تو کہے کہ وہ اللہ کے لئے ہے تو تو نے سچ کہا۔ اور اگر کہے کہ اللہ تعالیٰ کی معیت میں مخلوق کے لئے تو تو سچا ہے۔ اور اگر یہ نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کا شرعی تکلیف کے لئے بندے کے لئے خطاب صحیح نہیں ہوگا۔ اور نہ ہی اس کی طرف فعل کی اضافت درست ہوگی جیسے کہ فرمایا: اعملوا۔ عمل کرو۔

اور شیخ نے ۳۲۲ ویں باب میں بھی فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف اعمال اس لئے منسوب [illegible] عمل ہیں جبکہ حقیقت میں یہ اللہ کے لئے ہیں۔ لیکن چونکہ ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ اعمال ہمارے [illegible] لئے ان کا دعویٰ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ہمارے دعویٰ کے مطابق ہماری آزمائش کے لئے انہیں ہماری طرف [illegible] نے ہماری بصیرت سے پردہ کھول دیا تو ہم نے دیکھا کہ افعال سب کے سب اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں [illegible] تعالیٰ ہم میں اس کا فاعل [illegible] ہیں۔ پھر اس عظیم مقام مشاہدہ کے ساتھ ساتھ [illegible] شرما بھی ہو ہم اسے تخلیق کے حوالے اس کی طرف منسوب کریں گے اور عمل کے اعتبار سے اپنی طرف [illegible] کے منسوب کرنے [illegible] اپنی طرف منسوب کریں گے۔ پس ہم اللہ تعالیٰ کے قول کی [illegible] عزوجل ہمیں اس بری یا نیکی چیز میں حلت کی وجہ دکھاتا ہے کہ پس من حیث [illegible] تبدیل حکم کے طور پر حسنات کے ساتھ بدل دے گا نہ کہ تبدیل عین کے طور پر۔ انتہی

رب اور مربوب کے مابین نسبت

اور شیخ نے ۲۷۹ ویں باب میں بھی فرمایا ہے کہ اگر رب اور مربوب کے درمیان نسبت [illegible] رب پر دلالت نہ کرتا۔ اور نہ ہی اس کے اخلاق کو اپنانا قبول کرتا۔ فرماتے ہیں کہ اسی نسبت کے ساتھ حق تعالیٰ اپنے بندوں [illegible] کے ساتھ مکلف کرنے والا ہے اور بعینہ اسی کے ساتھ مخلوق امر و نہی کی مکلف ہوئی۔ فرمایا پس اس کی تحقیق [illegible] ہے۔ میرا گمان ہے کہ یہ بات تیری سماعت سے کبھی نہیں ٹکرائی ہوں گی۔ اور اگر تو ایسا نہیں ہوگا تو تجھ سے اب [illegible]

اور ۲۹۶ ویں باب میں فرمایا: میں ہمیشہ فعل میں کبھی تجلی الٰہی کی نفی کرتا رہا اور کبھی اسے ثابت کرتا رہا [illegible] ذمہ داری تقاضا اور مطالبہ کرتی۔ کیونکہ عمل کی ذمہ داری حکمت وعلم والے کی طرف سے تھی۔ اور یہ صحیح نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس [illegible] کہ یہ کام کر جس کے متعلق جانتا ہے کہ وہ نہیں کرے گا۔ کیونکہ اسے فعل پر قدرت نہیں۔ جبکہ بندے کے لئے عمل [illegible] ثابت ہو چکا ہے جیسے اقیموا الصلوٰۃ تو ضروری ہے کہ اس کے لئے اس سے متاثر ہونے والے میں فعل کی حیثیت سے تعلق [illegible] کی وجہ سے اسے قابل یعنی قبول کرنے والا کہا جائے۔ اور جب صورت حال اس طرح ہے تو فعل میں تجلی کے [illegible] اس طریق سے میں اسے ثابت کرتا تھا اور یہ نہایت واضح طریق ہے جو کہ دلالت کرتا ہے کہ حادث قدرت کے لئے اس کے ساتھ تعلق ہے جس کے عمل کی تکلیف دی گئی ہے۔ اس کے بغیر چارہ نہیں۔ اور اس کا حاصل یہ ہے کہ بندے کے لئے فعل کی نسبت صحیح نہیں [illegible] طرح سے کہ حق تعالیٰ نے اسے زمین میں خلیفہ بنایا۔ تو اگر اس سے کلی طور پر اس سے فعل علیحدہ کر دیا جائے تو اس کا خلیفہ ہونا صحیح نہیں ہو [illegible] اور وہ تخلیق بالا ساہ کو قبول نہیں کرے گا۔ اور یہ وہ نکتہ ہے جس پر مجھے میرے شاگرد اسماعیل نے متوجہ کیا۔ اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت [illegible] اور جب اس نے مجھے یہ فائدہ عطا کیا تو اس کی وجہ سے جو مسرت مجھے حاصل ہوئی اس کا اندازہ کوئی نہیں کر سکتا۔ انتہی

[illegible]بت ونسب

اور شیخ نے ۵۵۸ ویں باب میں فرمایا جان لے کہ اگر نسبتوں کی صحت اور نسبت صوری کی تحقیق نہ ہوتی تو اسباب کا تشخص نہ ہوتا [illegible]

ان کے یہاں کوئی اثر ظاہر ہوتا۔ اور تو جانتا ہے کہ اکثر عالم کا اعتقاد اور نسبت اسباب کی طرف ہے۔ تو اگر اللہ تعالیٰ ان کے پاس حاضر نہ ہوتا تو ان کی طرف مخلوق منسوب نہ ہوتی۔ پس ہم نے کسی اثر کا مشاہدہ نہیں کیا مگر انہیں اسباب سے۔ اور ہماری عقل میں صرف اسباب کے ساتھ ہی اثر ہے۔ تو بعض لوگوں نے اسباب کے ساتھ کہا۔ اور یہ ضروری ہے۔ اور بعض نے اسباب کے پاس کہا۔ اور یہ ضروری ہے۔ اور ہم اور ہمارے مسلک پر چلنے والے اہل تحقیق کہتے ہیں: ان کے پاس اور ان کے ساتھ۔ یعنی عقلا ان کے پاس اور مشاہدہ وحس کے حوالے سے ان کے ساتھ۔ بس حق تعالیٰ نے اپنے بندوں سے صرف وہی طلب کیا جس میں ان کے عمل کو دخل ہے۔ تو یہاں ایسی حقیقت کے بغیر چارہ نہیں جو عمل میں تیری طرف اضافت کی صحت عطا کرے اس کے باوجود کہ تیرا عمل اللہ تعالیٰ کی خلق ہے **واللہ خلقکم وما تعملون** (الصافات آیت ۹۶۔ اللہ نے تمہیں اور تمہارے اعمال کو پیدا فرمایا) یعنی اور جو تم عمل کرتے ہو وہ بھی پیدا کئے۔

عمل اور خلق میں فرق

فرمایا: اور بعض اہل اشارہ نے یہاں مانافیہ قرار دیا ہے۔ پس عمل عبد کے لئے اور خلق اللہ تعالیٰ کے لئے۔ اور خلق اور عمل کے درمیان معنی اور لفظ میں دو فرق ہیں۔ تو جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے تیری طرف منسوب فرمایا ہے بعینہ اسے اپنی طرف منسوب فرمایا ہے۔ لیکن معنی کے اختلاف کے ساتھ۔ اور ایسا صرف اس لئے کیا ہے کہ تجھے جتلا دے کہ ایک ہی امر کی کئی وجوہ ہیں۔ پس اس حیثیت سے کہ وہ عمل ہے وہ تیرے لئے ہے اور تجھے اس کی جزا دی جائے گی۔ اور اس حیثیت سے کہ وہ خلق ہے وہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ پس اس کی معرفت سے غافل نہ رہنا کہ یہ باریک اور پوشیدہ ہے۔

امام شعرانی فرماتے ہیں کہ اس کی نظیر حضرت عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کا یہ قول ہے **تعلم ما فی نفسی ولا اعلم ما فی نفسک** (المائدۃ آیت ۱۱۶ تو جانتا ہے جو میرے جی میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے علم میں ہے) کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ تو جانتا ہے جو میرے نفس میں ہے جو کہ تیری ملک ہے۔ جبکہ میں اسے نہیں جانتا تو تیرے نفس میں ہے۔ جسے تو نے پیدا فرمایا اور مجھ میں پھونکا۔ پس یہاں دونوں مقامات میں نفس اللہ تعالیٰ کی طرف دو وجہوں سے منسوب ہے خلقاً اور اسناداً۔ جبکہ بندے کی طرف اسناد منسوب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

نیز شیخ نے ۴۹۰ ویں باب میں فرمایا: جان لے کہ حق تعالیٰ نے فعل کو بندے کی طرف منسوب نہیں فرمایا مگر اس لئے کہ در حقیقت جسم عبد کے پس پردہ، خود فاعل ہے۔ پس فعل صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے تھا۔ سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے بعض وہ ہیں جنہیں اس کا مشاہدہ کرادیا اور ان میں سے بعض وہ ہیں جسے اس کا مشاہدہ نہیں کرایا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **فمنھم من ھدی اللہ ومنھم من حقت علیہ الضلالۃ** (النحل آیت ۳۶ تو ان میں سے کچھ وہ لوگ تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اور کچھ ایسے تھے جن پر گمراہی مسلط ہوگئی) پس وہ قسم جسے اس نے ہدایت عطا فرمائی وہی ہے جسے فعل اپنی طرف حقیقتاً منسوب کرنے سے محفوظ رکھا۔ رہی وہ قسم جس پر گمراہی مسلط نہیں ہوئی یہ وہ ہے جو کہ حیرت میں ہے اور اسے معلوم نہیں اور وہ کسب کے قائل ہیں۔ رہے وہ لوگ جن پر گمراہی مسلط ہوگئی تو وہ اپنے لئے خلق افعال کے قائل ہیں۔ انتہی

اور آپ نے ۴۸۱ ویں باب میں فرمایا: جان لے کہ مقام احسان، عبادت کی حالت میں حق تعالیٰ کے مشاہدہ پر عمل میں مصروف ہونا ہے۔ اور اس میں عجیب تنبیہ ہے۔ پس بیشک وہ اس مشاہدہ کی وجہ سے دیکھتا ہے کہ فاعل تو صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے نہ کہ وہ خود۔ پس بیشک بندہ تو ظہور عمل کا محل ہے۔ اس کے سوا کچھ نہیں۔ اور ۴۲۲ ویں باب میں فرماتے ہیں: جان لے کہ ہمارے اعمال حقیقتاً اللہ تعالیٰ وحدہ کے

لئے ہیں۔اس نے انہیں صرف آزمانے کے لئے ہماری طرف منسوب فرمایا ہے تاکہ ظاہر فرمائے۔جبکہ وہ اسے جانتا ہے جو کہ ہوگا اس سے پہلے کہ وہ ہو کہ کیا ہم اپنے لئے ان کا دعویٰ کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہم پر حجت قائم فرمائے یا ہم ان افعال کو اس کے لئے منسوب کرتے ہیں۔پس ہم مقام ادب پر کھڑے ہوتے ہیں جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ولنبلونکم حتی نعلم (محمد صلی اللہ علیہ وسلم آیت ۳۱۔اور ہم تمہیں آزمائیں گے تاکہ ہم ظاہر فرمائیں) پس بیشک اللہ تعالیٰ نے یہ صرف اس لئے فرمایا تاکہ جانچے کہ ہم اس فعل کو اس کی طرف منسوب کرتے ہیں جسے اس نے اپنی طرف منسوب فرمایا جبکہ ہم اس کی کیفیت سے جاہل ہیں۔یا ہم اس کے ظاہر کو رد کر دیتے ہیں اور اس کی تاویل کرتے ہیں اور یوں بے ادبی میں گرتے ہیں۔

حجاب خلق کے پیچھے فاعل حقیقی

اور شیخ نے ۳۱۷ ویں باب میں فرمایا: جو چاہے کہ اس کی حقیقت کو پہنچانے کہ بیشک حجاب خلق کے پیچھے اللہ تعالیٰ ہی فاعل ہے۔تو چاہئے کہ وہ پردے اور اس کی مورتیوں میں غور کرے اور ان چھوٹے بچوں کے نزدیک ان مورتیوں میں کون بول رہا ہے جو کہ ان کے اور ان مورتیوں کا کھیل دکھانے والے اور ان میں بولنے والے کے درمیان نصب کردہ پردے سے دور ہیں۔پس عالم کی تمام صورتوں میں معاملہ یونہی ہے جبکہ لوگوں میں سے اکثر وہ چھوٹے بچے ہیں جنہیں ہم نے فرض کیا ہے۔پس وہاں سے پہنچانا جاتا ہے کہ ان پر کہاں سے آیا۔پس اس مجلس میں بچے خوش ہوتے ہیں۔اور اچھلتے کودتے ہیں۔اور غافل اسے مذاق اور کھیل قرار دیتے ہیں۔جبکہ علماء باللہ عبرت حاصل کرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے نصب نہیں فرمایا مگر اپنے بندوں کے لئے مثال دینے کے لئے تاکہ وہ جان لیں کہ یہ عالم اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسے ہے جیسے مورتیاں انہیں حرکت دینے والے کے ساتھ۔اور یہ پردہ تقدیر کا وہ راز ہے جس کا کشف کسی کے لئے جائز نہیں۔اور یہاں طویل کلام فرمایا۔

اور آپ نے ۴۱۵ ویں باب میں فرمایا: اور جو امر تجھے اس پر دلالت کرتا ہے کہ بندے کے افعال درحقیقت اللہ کے لئے ہیں یہ ہے کہ اس نے حدیث پاک میں اپنی ذات کو عبد محبوب کے قویٰ کا عین قرار دیا کہ فرمایا میں اس کے کان۔آنکھ۔ہاتھ اور پاؤں ہوتا ہوں۔اور یہ معلوم ہے کہ عمل انسان کا جسم نہیں جو کہ حسی طور پر جسم ہے۔عمل تو اس کے قویٰ کی وجہ سے اس کے اندر ہے۔تو عبد کے باطن میں کسی نے تصرف نہیں سوائے رب العزت کے۔اور یہ معرفت کے اسرار میں سے ہے۔اور کم لوگوں کو اس پر اطلاع ہے۔اسی لئے معتزلہ نے دعویٰ کیا ہے کہ وہ اپنے نفوس کے اعمال کے خالق ہیں کیونکہ وہ ان کے قویٰ کو قوت بخشنے والے کے مشاہدہ سے حجاب میں ہیں۔انتہی

اور آپ نے ۴۹۰ ویں باب میں فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کبر مقتاعند الله ان تقولوا مالا تفعلون (الصف آیت ۳۔بڑی ناراضگی کا باعث ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم ایسی بات کہو جو کرتے نہیں ہو) جان لے کہ ناراضگی کے لئے درجات ہیں۔بعض بڑے ہیں بعض سے اور جو ایسی بات کہے کہ اس میں وہ سچا نہ ہو تو اس نے اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنے آپ کو نہایت برا قرار دیا جب وہ اس فعل کو ترک کرنے کی بنا پر خیر سے محرومی پر مطلع ہوتا ہے۔خصوصاً اس وقت جب کہ اپنے غیر کو دیکھا ہے جس نے اس سے سن کر اس پر عمل کیا۔اور اس میں طویل گفتگو کے بعد فرمایا: اشارہ کی زبان میں آیت کا معنی یہ ہے اے پس پردہ ایمان لانے والو! تم کیوں کہتے ہو کہ بیشک فعل تمہارے لئے ہے۔حالانکہ یہ ایسا نہیں پس بیشک وہ میرے لئے ہے۔پس تم کیونکر اسے اپنی طرف منسوب کرتے ہیں جو حقیقتاً تمہارا فعل نہیں۔ان الله يحب الذين

یقاتلون فی سبیلہ صفا (الصف آیت ۴۔ بیشک اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرتا ہے جو اس کی راہ میں صف بستہ جنگ کرتے ہیں) یعنی اس کی راہ میں اس سے جنگ کرتے ہیں جو کہ افعال کی نسبت اپنی طرف کر کے حق سے الجھتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ بیشک فعل میرے لئے ہے جیسا کہ معتزلہ کہتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ حق کی طرف لوٹے اور نزاع ترک کردے۔ پس افعال سب کے سب اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرے۔

جبر و اختیار

اور شیخ نے ۳۶۱ ویں باب میں فرمایا: جان لے کہ ہر عقل سلیم والے کے نزدیک انسان اپنے عین اختیار کی حالت میں مجبور ہے باوجودیکہ ہم سے جو فعل ظاہر ہوتے ہیں جائز ہے کہ حق تعالیٰ اسے خود ہی کرے یعنی ہمارے ہاتھوں کے بغیر لیکن مشاہدہ میں ایسا واقع ہوا نہیں اور نہ ہی ظاہر ہوا مگر ہمارے ہاتھوں کے ذریعے (یہاں دسویں بحث میں متعلق بالقدرت شی کا حاشیہ دیکھ لیا جائے۔ محمد محفوظ الحق غفر اللہ ولوالیہ) کیونکہ اعمال اعراض ہیں اور اعراض صرف جسم میں ہی ظاہر ہوتے ہیں۔ اور یہ گرچہ سچ ہے۔ تحقیق اہل اللہ نے اسے صراحتاً کہنا پسند نہیں کیا۔ انہوں نے صرف یہ کہا ہے اعمال اللہ کے لئے خلقاً ہیں اور بندے کے لئے اسناداً مجازاً۔ انتہی۔ اور میں نے اپنے بھائی شیخ زین العابدین المرصفی رحمۃ اللہ علیہ کو کئی دفعہ فرماتے ہوئے سنا کہ بندوں کا اختیار قطعی طور پر ان کی طرف سپرد نہیں کیا گیا۔ رہا اللہ تعالیٰ کا ارشاد **فمن شاء فلیؤمن و من شاء فلیکفر** (الکہف ۲۹ جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرتا رہے) تو یہ وعید ہے۔ تفویض یعنی سپرد کرنا نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **ان اعتدنا للظالمین نارا**۔ ہم نے ظالموں کے لئے آگ تیار کر رکھی ہے۔ **واللہ خلقکم وما تعملون**

یہ نہ کہا جائے کہ اگر صرف وہی ان کے افعال کا خالق ہے تو انہیں عذاب کیونکر دیتا ہے۔ کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ ثواب و عذاب تو بندے کا مخلوق فعل کو استعمال کرنے پر ہے نہ کہ اصل خلق پر۔ پس اسے عذاب تو اس استطاعت کو معصیت میں صرف کرنے کی وجہ سے ہے جو کہ طاعت کی صلاحیت رکھتی ہے نہ کہ استطاعت پیدا کرنے پر انتہی۔

شیخ محی الدین باب الوصایا میں فرماتے ہیں کہ تو عمل کا محل ہے نہ کہ عامل۔ لیکن اگر تو نہ ہوتا تو عمل کی کوئی صورت ظاہر نہ ہوتی کیونکہ وہ عرض ہے۔ نیز لواقح الانوار میں فرماتے ہیں کہ حکیم سے محال ہے کہ کہے: اے کوڑھی! چل یا جو فعل نہیں کرتا اسے کہے یہ فعل کر۔ کیونکہ حکمت اس کا تقاضا نہیں کرتی۔ پس فعل کی نسبت فاعل کی طرف باقی رہ گئی۔ چاہئے کہ اس پہنچانا جائے۔

مخلوق کے لئے اثر کی نفی

اور ۳۲۳ ویں باب میں فرمایا: جان لے کہ مخلوق کے لئے ان اعمال میں جو اس کے ہاتھوں ظاہر ہوتے ہیں تکوین کی حیثیت سے کبھی بھی کوئی اثر نہیں ہے۔ اس کے لئے ان میں صرف حکم ہے نہ کہ اثر۔ اور اکثر لوگ حکم اور اثر کے درمیان فرق نہیں کرتے۔ پس بیشک اللہ تعالیٰ جب کسی حرکت یا معنی کا ایسے امور سے ارادہ فرماتا ہے جن کا وجود صرف اپنے مادوں میں ہی صحیح ہوتا ہے کیونکہ وہ خود بخود قائم نہیں ہوتے تو ایسے محل کے وجود کے بغیر چارہ نہیں جس میں اس امر کی تکوین ظاہر ہو جو کہ خود بخود قائم نہیں ہوتا۔ پس محل کے لئے اس ممکن کے ایجاد میں حکم ہے جبکہ اس میں اس کا اثر نہیں۔ تو یہ ہے کہ فرق حکم اور اثر کے درمیان۔ جب تو نے اس کی تحقیق کر لی تو تجھے معلوم ہو گیا کہ عبد کے لئے فعل میں یکسر کوئی اثر نہیں۔ تو وہ کس بنیاد پر کہتا ہے کہ میں نے یہ فعل کیا باوجودیکہ اس کا کوئی اثر نہیں۔ اسی لئے وہ اپنے آپ کو جب حجاب کھلتا ہے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ناپسندیدہ قرار دیتا ہے۔ جبکہ اسے یقینی طور پر منکشف ہو جاتا ہے کہ جس فعل کا وہ دعویٰ کرتا تھا جب زمانہ تکلیف گزر

کیا تو وہ اس کے لئے نہیں ہے۔ پس مقصد یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ بندے کو فعل کی نسبت اپنی طرف کرنے پر ناپسند کرتا ہے۔ پس بیشک اللہ تعالیٰ نے اسے اس کی طرف خود منسوب فرمایا ہے۔ مقصد تو یہ ہے کہ بندہ اپنے آپ کو ناپسندیدہ قرار دیتا ہے۔ اور اگر وہ اس فعل میں اللہ تعالیٰ کی مشیئت کو سامنے رکھ کر وہ فعل کرتا تو اللہ تعالیٰ کے حضور اسے آپ کو ناپسندیدہ نہ گردانتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ولا تقولن لشیٔ انی فاعل ذالك غدا الاان یشاء الله (الکہف ۲۳،۲۴) ہرگز کسی چیز کے متعلق نہ کہنا کہ میں کل اسے کروں گا مگر (یوں کہو) اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا۔ پس مشیئت مشروع کی گئی تاکہ بندے کو اپنے آپ کو ناپسندیدگی میں گرانے سے روکے۔ اور ۱۹۸ ویں باب میں فرمایا جب تو حق تعالیٰ کو شریک سے منزہ مانتا ہے تو اسے یعنی تنزیہہ کو شرعی تکلیف کے صحیح ہونے کے لئے شرکت فی الملک میں مقید کر نہ کہ شرکت فی الفعل میں۔ پس بیشک اگر بندے کے لئے فعل میں شرکت نہ ہوتی تو اسے مکلف کرنا درست نہ ہوتا۔ کیونکہ اسباب کے پس پردہ بندے کی شرکت فی الفعل کے بغیر چارہ نہیں۔ پس معلوم ہوا کہ جس نے اپنے رب کو شرکت سے مطلقاً منزہ قرار دیا اس سے مقام کمال فوت ہو گیا۔

حق کے ساتھ افعال عبد کا حکم

اور شیخ نے ۷۲ ویں باب میں فرمایا: حق کے ہوتے ہوئے افعال عبد کا حکم بڑھئی یا جولاہے کے آلے کا حکم ہے اور اللہ تعالیٰ کی شان اعلیٰ ہے۔ پس بیشک اللہ تعالیٰ سے بالواسطہ اور بلاواسطہ فعل صادر ہوتا ہے۔ شیخ کہتے ہیں کہ اسی قدر کی بنا پر کہ گویا وہ آلہ ہے جزاء اور تکلیف آ ــے سے اختیار کے وجود کی وجہ سے متعلق ہوئی۔ اور عقل میں کوئی دلیل ایسی نہیں جو بندے کو فعل سے خارج کر دے۔ نہ ہی اس کے متعلق شارع کی طرف سے کوئی نص آئی کہ تاویل کا احتمال نہ رکھے۔ پس افعال سب کے سب مخلوقات سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے لئے مقدور ہیں۔ اور ان کے اسباب کا وجود اصل میں اللہ تعالیٰ سے ہے اور ان میں کسی کو دخل نہیں مگر صرف اس حیثیت سے کہ وہ ان کا محل ہے۔ انتہی

اور ۱۹۸ ویں باب میں اللہ تعالیٰ کے قول والله خلقكم وما تعملون میں شیخ نے فرمایا: عبد کے لئے فعل ضمیر کے ساتھ ثابت فرمایا جبکہ اس کی نفی اس فعل سے فرمائی جو کہ خلق ہے جیسے کہ ابوبکر کی نفی ہوئی پس ان کے لئے قرآن میں کوئی لفظ ظاہر نہ ہوا۔ اور انہیں قرآن میں ضمیر تثنیہ نے ثابت کیا۔

اسم الواجد پر کلام

اور شیخ نے ۵۵۸ ویں باب میں اللہ تعالیٰ کے اسم الواجد پر گفتگو کرتے ہوئے کہا: جان لے کہ بیشک اللہ تعالیٰ پر وہ چیز مشکل نہیں جس کی ایجاد کی طلب فرمائے۔ تو جب بندے سے کوئی امر طلب فرمائے اور وہ اس سے واقع نہ ہو تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی مشیت کی وجہ سے تاخیر کے طور پر ہوگا نہ کہ اسے نافذ کرنے سے عاجزی کے طور پر ہو۔ اس کی مثال یہ ہے کہ اس نے ابوجہل سے طلب کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ اور آپ جو اللہ تعالیٰ کی احدیت کا حکم لائے اس پر ایمان لائے۔ تو اس سے جو مطالبہ کیا گیا اس نے نہ مانا۔ پس ابوجہل سے ظاہر یہ ہے کہ اس حیثیت سے انکار تھا کہ اس سے جو کچھ طلب کیا گیا وہ اسے پانے والا نہ تھا۔ اور منع تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے کہ اسے توفیق عطا نہ ہوئی۔ اور اگر چاہتا تو تم سب کو ہدایت عطا فرماتا۔ پس معلوم ہوا کہ بیشک اللہ تعالیٰ اگر ایمان کے لئے فرماتا کہ محل ابوجہل میں ہو جا یا اسے بلاواسطہ ایمان کے ساتھ خطاب فرماتا تو ایمان مخاطب کے محل میں ہوتا۔ تو اس کا واجد ہونا تو اس وقت ہے جبکہ اس کے ہونے کے ساتھ ارادہ متعلق ہو۔ اور جو کن کے سوا ہے تو وہ وجدان کی بارگاہ نہیں ہے۔ انتہی

اسم الخالق پر کلام

اور آپ نے اسی باب میں اللہ تعالیٰ کے اسم الخالق پر گفتگو کرتے ہوئے کہا: جان لے کہ "خلق" دو ہیں۔(۱) خلق جو امر الٰہی سے پہلے مذکور ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے الالہ الخلق و الامر (الاعراف آیت ۵۴۔ سن لو خاص اسی کے لئے ہے پیدا کرنا اور حکم دینا) پس اسے اللہ تعالیٰ نے ذکر میں پہلے رکھا۔ خلق ایجاد اور یہ وہ ہے جو امر الٰہی چلاتا ہے پس اس کے قول کن کا عین کائن کے تکوین کو قبول کرنے کا عین ہو جاتا ہے۔ پس وہ اثر پہ ہوتا ہے۔ تو فا جواب امر ہے اور یہ فاء تعقیب ہے۔ جبکہ جواب اور تعقیب صرف رتبہ میں ہے نہ کہ امر باطن میں۔ بخلاف اس وہم کے کہ وہ نہیں ہوتا مگر امر کے وقت جو کہ اس تعالیٰ کے اس قول سے پیدا ہوتا ہے۔ لہ کن اور اگر یہ قول نہ ہوتا تو وہ تکوین قبول نہ کرتا۔ اور حق جو کہ ہمارا عقیدہ ہے یہ ہے کہ قول کے لئے افتتاح نہیں جیسے کہ اللہ تعالیٰ کے علم کے معلوم کے لئے افتتاح نہیں ہے پس حادث نہیں ہوا مگر عالم شہادت کے مکون کا ظہور اس کے بعد کہ یہ اللہ تعالیٰ کے علم میں غیب تھا۔ والسلام۔

عصیان کی حقیقت

اور آپ لواقح الانوار میں فرماتے ہیں: بندے کے لئے کبھی ارادۂ الٰہیہ کی نافرمانی درست نہیں۔ بندہ تو صرف اس امر کی مخالفت کرتا ہے جو کہ داعی الی اللہ حضرات جو کہ رسل علیہم السلام اور ان کے پیروکار علماء ہیں کے حجاب کے پیچھے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ انما قولنا لشئی اذا اردناہ ان نقول لہ کن فیکون (النحل آیت ۴۰ کسی چیز کیلئے جسے ہم (پیدا کرنے کا) ارادہ کرتے ہیں ہمارا فرمان صرف اتنا ہے کہ ہم اسے حکم دیتے ہیں کہ ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے) پس عبد سے کسی امر کی تعمیل، اور نہی سے پرہیز کی خلاف ورزی واقع نہیں ہوئی مگر اس وقت جب کہ امر اور نہی مخلوق کے واسطوں کی زبان پر تھا۔ جیسے کہ جب رسول یا اس کا نائب لوگوں سے کہے: نماز پڑھو، روزہ رکھو تو کبھی تو مامور بہ (یعنی جس چیز کا حکم دیا گیا) اس عبد سے واقع ہوتا ہے جسے حکم دیا گیا۔ اور کبھی واقع نہیں ہوتا۔ لیکن جب حق تعالیٰ اپنے عبد سے بلا واسطہ فرمائے کہ نمازی یا روزہ دار ہو جا تو اس کا وقوع لازمی ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر غور جو کہ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر صادر ہوا: اقیموا الصلوٰۃ ، واصبروا و صابروا رابطوا و جاھدوا ۔ اور بعض لوگوں سے ان میں سے کوئی چیز واقع نہیں ہوتی کہ ان کا تعمیل ارشاد کرنا ارادہ پر موقوف ہے۔ جبکہ ان کیلئے تعمیل ارشاد کا ارادہ نہیں ہو۔ پس گویا اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا کہ میرے ارادہ کے بغیر اپنے آپ اس کی خلق کرو (یعنی ان چیزوں کو پیدا کرو) جبکہ ان کی قدرت میں یہ نہیں ہے۔ پس ان کے ساتھ کن کا جسم متعلق تھا نہ کہ اس کی روح۔ پس اس کا استعمال ان پر مردار کی طرح حرام تھا۔ بخلاف اس کے جب کہ ان کے ساتھ زندہ کن متعلق ہو جو کہ بلا واسطہ امر الٰہی ہے پس وہ عین جہاد، رباط، صلوۃ وغیرہ بندوں کے افعال کی ان کیلئے اذن متوجہ ہونے کے وقت ایجاد کرتا اور افعال کی شان خود بخو قائم ہونا نہیں۔ ورنہ نمازی کے بغیر نماز اور مجاہد کے بغیر جہاد ظاہر ہوتا اور یہ صحیح نہیں۔ پس اس کے بغیر چارہ نہیں کہ یہ اس میں ظاہر ہو جس سے ظاہر ہوتے ہیں۔ تو جب اس میں ظاہر ہوں جس سے ظاہر ہوتے ہیں جیسے نمازی یا مجاہد وغیرہ تو فعل بندے کی طرف منسوب ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس پر اپنے فضل و کرم سے جزا دیتا ہے یا عدل سے۔ اور اگر نفس عمل نعمت پانے یا دکھ اٹھانے کا محل ہوتا تو وہ جزاء کا زیادہ مستحق تھا۔ لیکن چونکہ وہ اس کا محل نہیں تو اللہ تعالیٰ نے جزاء اس کیلئے مقرر فرمائی جو کہ نسبت میں اس کے زیادہ قریب ہے اور یہ وہ عبد ہے جو کہ آلہ ہے۔

شیخ نے فرمایا: اگر یہ نسبت نہ ہوتی جسے حق تعالیٰ نے بندے کے مقرر فرمایا تو یہ خطاب و تکلیف میں موجب اعتراض اور حسن کے لئے رکاوٹ ہوتی۔ اور کسی چیز میں حسن کا یقین نہ ہوسکتا۔ اور شیخ نے اس مسئلہ پر ۲۸۶ ویں باب میں طویل کلام فرمایا۔

مسئلہ خلق افعال اور علی الخواص قدس سرہ

اور میں نے سیدی علی الخواص رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ عبد افعال کے ظہور کا محل ہے جیسے دروازہ جس سے لوگ باہر نکلتے ہیں۔ پس لوگ نفس دروازہ سے پیدا نہیں ہور ہے۔ اس سے تو ان کا باہر نکلنا ظاہر ہوا اور کچھ نہیں۔ کیونکہ فعل والے اعضاء ظاہر میں دروازہ ہیں مخفی حرکات ربانیہ کا۔ کیونکہ کائنات ساری کی ساری پردہ ہے اور وہ اس پردے کے حجاب کے پیچھے سے فاعل ہے۔ پس ایک گروہ کو اس کا شعور نہیں کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی فاعل ہے اور وہ معتزلہ ہیں۔ جبکہ ایک گروہ جو کہ اس کا مشاہدہ اور شعور رکھتا ہے جو کہ جبریہ ہیں ان پر اللہ وحدہٗ کیلئے فعل کا شہود غالب ہے مگر ان کی سوچ وسیع نہیں کہ اسے عبد کیلئے منسوب کریں۔ جیسے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف منسوب فرمایا۔ پس وہ شریعت سے بہک گئے اور ایک گروہ جنہیں شہود نہیں اور شعور ہے اور وہ اشعریہ ہیں انہیں قول بالکسب نے شہود سے روک دیا۔ اور ان تینوں گروہوں کی نگاہ پر پردہ ہے اور یہ پردہ ان سے صرف کشف کے ذریعے ہی زائل ہوسکتا ہے۔ نیز فرماتے ہیں: یہ کہنا نہیں چاہیے کہ عبد اپنے عین اختیار میں مجبور ہے گرچہ یہ قول صحیح ہے۔ کیونکہ اس میں بے ادبی ہے اور یہ حق تعالیٰ کے خلاف حجت قائم کرنے کی مہک کی طرف لوٹتا ہے اور اس کی تفصیل اس کے پیچھے والی بحث میں آرہی ہے۔ اور شیخ نے فتوحات کے باب الاسرار میں فرمایا: حق تعالیٰ نے اپنے بندوں سے ان کی عبادات میں اپنی ذات سے مدد مانگنے کا مطالبہ صرف اس لئے فرمایا ہے کہ انہیں مستقل بالافعال ہونے سے ان کے عجز پر تنبیہہ فرمادے اور امام جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اپنے آپ کو اس سے بچائے کہ تو بارگاہ شہود فعل میں بندوں کے بغیر صرف اللہ تعالیٰ وحدہ کیلئے رک جائے پس تو ہلاکت کے گڑھے میں گر جائے اور تو اس کے ساتھ اپنے لئے کبھی کوئی گناہ دیکھے ہی نہیں اور یوں تو ہلاک ہونے والوں کے ساتھ ہلاک ہوجائے اور اس میں تمام شرائع منہدم کرنا لازم آتا ہے۔

مسئلہ خلق افعال میں اختلاف کا منشاء

اگر تو کہے کہ مختلف گروہوں کے درمیان خلق افعال میں منشاء خلاف کیا ہے؟ تو اس کا جواب شیخ نے ۶۸ ویں باب میں یہ دیا ہے کہ ان کے درمیان اختلاف کا منشا ان کا یہ نہ جاننا ہے کہ وہ توانائی جو کہ اللہ تعالیٰ نے بندے کو عطا فرمائی ہے اور وہ فعل کی حالت میں اسے اپنے آپ میں پاتا ہے کس کیلئے لوٹتی ہے۔ کیا وہ اس طرف لوٹتی ہے کہ ہم میں موجود حادث قدرت کیلئے اس عین میں اثر ہے جو کہ ہماری توانائی سے موجود ہے یا ارادے سے جو کہ ہم میں پیدا کیا گیا۔ پس توانائی ارادے کا اثر ہوگا نہ کہ حادث قدرت کا اثر۔ پس اس پر انسان کا اس عین تمکین کیلئے مکلف ہونا مبنی ہے جسے وہ اپنے آپ سے پاتا ہے اور اپنی عقل سے تحقیق نہیں کرتا کہ وہ تمکین کس کیلئے راجع ہے۔ کیا وہ اس کے قادر ہونے کی وجہ سے ہے یا اس کے مختار ہونے کی بناء پر یا گرچہ ان کے بعض کے قول کے مطابق وہ اپنے اختیار میں مجبور ہے لیکن اس قدر تمکن (توانائی) کی وجہ سے جسے وہ اپنی ذات سے پاتا ہے اس کا مکلف ہونا صحیح ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا **لا یکلف اللہ نفسا الا ما آتاھا** (الطلاق ایت، اللہ تعالیٰ کسی کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس قدر جتنا اسے دیا ہے) پس اس نے اسے ایک امر وجودی عطا فرمایا ہے اور یہ نہ کہا جائے کہ اسے لاشئ عطا فرمایا۔

فلم تقتلو هم ولکن اللّٰہ قتلھم ۔وما رمیت اذرمیت پرکلام

اور شیخ نے ۳۹۱ ویں باب میں اللہ تعالیٰ کے قول فلم تقتلو هم ولکن الله قتلهم (الانفال آیت ۱۷تم نے انہیں قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں قتل کیا) اور ومارمیت اذرمیت ولکن اللہ فی نے (اور آپ نے مشت خاک نہیں پھینکی جب آپ نے پھینکی بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی) کے متعلق فرمایا: جان لے کہ اس آیت میں قتل اور رمی کا اثبات اس کیلئے ہے جس سے اس کی نفی فرمائی۔ پھر اثبات پر اثبات نہیں فرمایا بلکہ اثبات کو نفی کے پیچھے ذکر فرمایا جس طرح کہ نفی کو اثبات کے پیچھے بیان فرمایا اپنے قول ولکن الله قتلهم اور اپنے قول ولکن الله رمی میں تو ایک ہی عین کے لئے کتنی جلدی نفی فرمائی اور کس قدر جلد اثبات فرمایا۔ اور اس کی وضاحت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فاقتلوا المشرکین ۔(التوبہ آیت ۵۔مشرکین کو قتل کرو) پس اس خطاب میں امر۔ آمر اور مامور ظاہر ہوا۔ تو جب تعمیل امر واقع ہوئی اور حادث اعیان سے بالفعل قتل ظاہر ہوا تو فرمایا تم وہ نہیں ہو جنھوں نے انہیں قتل کیا بلکہ میں نے انہیں قتل کیا ہے۔ پس تم ہمارے لئے ایسے ہو جیسے تمہارے لئے تلوار یا کوئی بھی آلہ جو کہ قتل کیلئے ہوتا ہے۔ جیسے مقتول میں قتل آلہ کے ساتھ واقع ہوا اور ہم نے اس کے بارے میں نہیں کہا کہ وہ یعنی آلہ قتل ہے۔ بلکہ ضرب لگانے والے ہی قاتل ہے۔ پس ہماری نسبت سے جو ضرب لگانے والا ہے وہ قاتل نہیں بلکہ وہ وہی ہے جو اس کی نسبت سے تلوار ہے۔ پس سمجھ لے۔

اور باب الامرار میں فرمایا: وہ شخص کس قدر جاہل ہے جو کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آلے کے ساتھ فعل نہیں کرتا حالانکہ وہ یہ پڑھتا ہے فلم تقتلو هم ولکن الله قتلهم ومارمیت اذرمیت ولکن الله رمی پس تو دیکھتا ہے کہ اس کے ساتھ کفر کرتا ہے جس پر وہ ایمان رکھتا ہے۔ تو یہ بہت عجیب بات ہے۔ پس تلوار عبد کیلئے آلہ ہے جبکہ عبد اور تلوار اللہ تعالیٰ کیلئے آلہ ہیں۔ انتہی۔

اور ۵۰ ویں باب میں فرمایا: جان لے کہ حق تعالیٰ نے ہمیں مکلّف نہیں فرمایا مگر اس کے بعد کہ ہمارے لئے ایسی قدرت مقرر فرمائی جس کا اثر ہم اپنے آپ میں پاتے ہیں۔ اس سے عبارت عاجز ہے اور جب وہ مفقود ہو تو ہمیں مکلّف قرار نہیں دیتا جیسے کوڑھی کو نماز میں قیام کا مکلّف نہیں فرمایا۔ اور یہ قدرت وہی ہے جسے فرشتے کی وساطت سے نفخ الٰہی نے انسان میں ظاہر فرمایا۔ اگر یہ قدرت نہ ہوتی تو ہم پر شرعی ذمہ داری متوجہ نہ ہوتی اور نہ ہی ہم میں سے کسی کیلئے یہ حکم ہوتا کہ کہہ وایاك نستعین ۔ کیونکہ استعانت میں عبد کے لئے فعل کی ایک سمت ثابت کرنا ہے۔ پس معتزلہ ایک وجہ سے دلیل شرعی کے ساتھ افعال کو بندے کی طرف منسوب کرنے میں سچے ہیں اور مستقل طور پر افعال کو بندے کی طرف منسوب کرنے میں جھوٹے ہیں۔ جبکہ اشعریہ افعال کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف تخلیقاً اور بندوں کی طرف کسباً کرنے میں دونوں وجوہ سے سچے ہیں یعنی دلیل شرعی اور عقلی کے ساتھ۔ انتہی۔

اور آپ نے فتوحات کے ۷۲ ویں باب میں فرمایا: ارباب بصیرت سب کے سب اس پر متفق ہیں کہ بندے سے فعل کے ساتھ لاحق قدرت کا پیدا کرنا اللہ وحدہ کے لئے ہے۔ یہ بندے کے کسب سے نہیں۔ نہ ہی اس کے پیدا کرنے سے ہیں۔ پس ہر انسان کے ساتھ ایک اختیار ہے نہ یہ کہ اسے اپنی طرف سے اختیار بالاستقلال ہے اور باب الاسرار میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنی مدد کرنے کا حکم نہیں دیا مگر انہیں اپنے امر میں اشتراک عطا فرمایا۔ تو جو کہے کہ میرے لئے کوئی قدرت نہیں یعنی توانائی نہیں تو اس نے احادیث رد کر دیں۔ اور ان میں سے ہو گیا جنھوں نے حق ترک کر دیا۔ اور حق تعالیٰ کا میت کو تکلیف شرعی دینے کا قول کیا۔

اسم الخافض پر گفتگو

اور آپ نے ۵۵۸ ویں باب میں اللہ تعالیٰ کے اسم الخافض پر کلام کرتے ہوتے فرمایا: جان لے کہ بارگاہ خفض (نیچا کرنا) میں حق تعالیٰ تصرف حادث نہیں فرماتا مگر جب اس کی طرف نزول فرمائے۔ جب اس کی طرف نزول فرمائے تو ہم اس کی طرف اس بارگاہ کے احکام منسوب کرتے ہیں۔ پس حادث میں بارگاہ خفض کا غلبہ نہیں ہے مگر آنا۔ گرچہ قرآن ہو۔ پس بیشک یہ ان کے پاس آنے سے ظاہر ہوا۔ کیا تو حروف خفض یعنی حروف حبر نہیں دیکھتا جو کہ اسماء کو حبر دیتے ہیں باوجودیکہ یہ مرتبہ میں ان سے فروتر ہیں اور اسماء کا درجہ بلند ہے۔ بندہ کہتا ہے اعوذ باللہ۔ پس با خافضہ ہے اور اس کا معمول کلمہ 'اللہ' ہے۔ پس یہی اس کلمہ کی ہ کو خفض (خبر) دیتی ہے۔ پس اس نے اس میں اثر کیا جو کہ اس سے اعلیٰ ہے جو کہ اسماء ہیں۔ پس عالم گرچہ رتبہ میں مقام خفض میں ہے۔ اس کا بعض، بعض کیلئے ایسے ہے جیسے زبان میں حروف جارہ ہیں۔ متکلم انہیں کے ساتھ کلمہ کو جر دیتا ہے۔ اسی طرح وہ فعل ہے جو حق تعالیٰ اسماء الٰہیہ کے واسطہ سے کرتا ہے۔ مرتبہ خفض کی طرف نزول سے چارہ نہیں تاکہ آلات خفض میں تصرف فرمائے۔ پھر حروف خفض میں بعض، بعض پر داخل ہوتا ہے تو ان میں سے وہ حرف کا جس پر دوسرا داخل ہو وہ اسم ہو جاتا ہے اور اس سے حرفیت کا حکم زائل ہو جاتا ہے پس وہ سارے انبیاء کی طرح اضافت سے مخفوض ہو جاتا ہے۔ اور اس پر بناء باقی رکھتے ہیں تاکہ اپنی صورت سے متغیر نہ ہو۔ کیونکہ جو اصالۃً خافض ہو وہ حقیقتاً مخفوض نہیں ہوتا۔ پس ء مبنی دینی ہونے کی وجہ سے وہ یہاں مخفوض المعنیٰ ہوگا نہ کہ مخفوض الصورت۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے **لله الامر من قبل و من بعد** (الروم آیت ۴ اللہ ہی کا حکم ہے پہلے بھی اور بعد بھی)

شیخ فرماتے ہیں کہ جس طریق میں ہم ہیں۔ اس میں امر اسی طرح ہے۔ کیونکہ جب حادث میں حادث اثر کرے اسے کوئی اثر اس میں شریک نہیں کرتا سوائے اس کے کہ حادث ہو۔ پس اس کیلئے حدوث ایسا ہے جیسے حرف کیلئے بنا۔ اور اس میں اثر موثر کیلئے ہے۔ جبکہ بالاجماع کوئی موثر نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ۔ پس یہ فعل خلق ہے جو کہ حق تعالیٰ کے فعل کی صورت میں ظاہر ہوا پس منفعل صورت حق کے ساتھ انفعال پذیر ہوا۔ اور اسی بارگاہ سے ارشاد حق تعالیٰ ہے کہ میں اس کی سمع ہوتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ اور فرمایا: **فاجره حتى يسمع كلام الله** (التوبۃ آیت ۶ پس اسے پناہ دیں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کا کلام سنے) **ومن يطع الرسول فقد اطاع الله** ۔ اور اس کے ساتھ ساتھ **وما على الرسول الا البلاغ**۔

اور باب الاسرار میں فرمایا: وجود میں کچھ نہیں مگر اس کے افعال باوجودیکہ اس نے بے حیائیوں کو حرام فرمایا پس تسلیم کر اور جھگڑا نہ کر۔ انتہی۔

ما اصابك من حسنة فمن الله

اور شیخ ابوالحسن الشاذلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللہ تعالیٰ کے قول **ما اصابك من حسنة فمن الله** (النساء آیت ۷۹ تمہیں جو بھلائی پہنچے تو وہ اللہ کی طرف سے ہے) کے متعلق فرماتے ہیں **فمن الله** یعنی اسناد کے طور پر نہ کہ ایجاد کے طور اور اے بھائی! سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے اس قول پر غور کرو **واذا مرضت فهو يشفين** (الشعراء آیت ۸۰ اور جب میں بیمار ہو جاؤں تو وہی مجھے شفاء بخشتا ہے) کس طرح آپ نے یوں نہیں کہا کہ جب وہ مجھے بیمار کرے۔ بلکہ مرض اپنی طرف منسوب کی اس وجہ سے کہ نفس کیلئے ناپسندیدہ ہے۔ اور شفاء کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف فرمائی کیونکہ یہ نفس کیلئے محبوب ہے۔ اسی طرح حضرت ایوب علیہ السلام کے اس قول پر غور کر۔ **انی منیی**

الضر وانت ارحم الراحمین (الانبیاء آیت ۸۳ مجھے سخت تکلیف پہنچی اور تو ارحم الراحمین ہے) اور یوں نہیں کہا کہ مجھے تکلیف پہنچائی ہے پس مجھ پر رحم فرما۔ بلکہ آپ نے ادب خطاب کی حفاظت کی۔ اسی طرح حضرت خضر علیہ السلام کے اس قول پر غور کر فاردت ان اعیبھا (الکہف آیت ۷۹ سو میں نے ارادہ کیا کہ اسے عیب دار بنادوں۔ پس عیب کرنا اپنی طرف منسوب کیا اس لئے کہ عیب ناپسندیدہ چیز ہے۔ اور جو کچھ اس میں پسندیدہ تھا اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب فرمایا فاراد ربك ان یبلغا اشدھما ویستخرجا کنزھما (الکہف آیت ۸۲ پس آپ کے رب نے ارادہ فرمایا وہ دونوں اپنی جوانی کو پہنچیں اور اپنا خزانہ نکال لیں)

فاردنا ان یبدلھما کے متعلق وضاحت

اگر کہا جائے کہ پھر حضرت خضر علیہ السلام کے اس قول کا کیا جواب ہے۔ **فاردنا ان یبدلھما ربھما** کہ نون جمع کی وجہ سے عبد کو شامل ہے۔ تو اس کا جواب شیخ نے فتوحات کے ۱۳۱ ویں باب میں یہ دیا ہے کہ آپ کے قول اردنا (ہم نے ارادہ کیا) کے تحت دو امر ہیں۔ ایک امر خیر کی طرف جبکہ دوسرا امر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نظر اور قرار یافتہ عادت میں اس کے غیر کی طرف ہے۔ تو اس فعل میں جو خیر کا پہلو ہے وہ ضمیر نون کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کیلئے ہے اور جو پہلو ظاہر امر میں اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نظر میں قابل اعتراض ہے وہ ضمیر نون کی وجہ سے خضر علیہ السلام کیلئے ہے۔ پس معلوم ہوا کہ یہاں نون جمع کیلئے دو وجہیں ہیں کیونکہ اس میں جمع کا معنی ہے۔ ایک وجہ خیر کی طرف ہے جس کی وجہ سے امر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا گیا۔ جبکہ ایک وجہ عیب کی طرف ہے جس کی وجہ سے آپ نے عیب کی اضافت اپنی طرف فرمائی۔ اور اگر **ومن یعصھما فقد غوی** (جس نے دونوں کی نافرمانی کی وہ بہک گیا) کہنے والا خطیب ان دونوں وجوہ کو پہنچانتا ہوتا جو کہ حضرت خضر علیہ السلام کے علم میں تھیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسے یہ نہ فرماتے کہ تو برا خطیب ہے۔ جبکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنے آپ کو اور اپنے رب کو ضمیر واحد کے ساتھ جمع فرمایا اور فرمایا **ومن یطع الله و رسوله فقد رشد ومن یعصھما فلا یضر الا نفسه ولا یضر الله شیئا**۔ یعنی جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طاعت کرے تو وہ ہدایت پا گیا اور جس نے ان دونوں کی نافرمانی کی وہ اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگڑتا اور حضور علیہ السلام اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتے۔ اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو ملائکہ کے ساتھ اس قول میں جمع فرمایا: **ان الله و ملائكته یصلون علی النبی** ۔ پس اے بھائی! اس میں غور کر جو کچھ ہم نے تیرے لئے انبیاء علیہم السلام کے آداب ذکر فرمائے تو تو پائے گا کہ وہ ساری مخلوق سے زیادہ ادب کرنے والے ہیں۔

جب کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جب بیمار ہوئے تو آپ سے کہا گیا کہ کیا ہم آپ کیلئے کوئی طبیب نہ بلالیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ طبیب نے ہی مجھے بیمار کیا ہے۔ پس آپ کو گرچہ یہ مشاہدہ ہے کہ امر اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے مگر الفاظ کا ادب ملحوظ نہ رہا۔ جس طرح کہ حضرت خلیل اور حضرت ایوب علی نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والتسلیمات نے ملحوظ رکھا۔ انتہی۔ (اس کی وضاحت میں امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ جو ہم سمجھتے ہیں وہ یہ ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو کچھ فرمایا یعنی بیمار کرنے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی یہ اللہ تعالیٰ کے حضور مقام ادب سے ناواقفیت کی وجہ سے نہیں یہ تو اس سائل کی عقل کیلئے تنزل تھا جس نے آپ سے پوچھا کہ کیا آپ کیلئے کوئی طبیب نہ بلا لیں؟ اس لئے کہ آپ نے دیکھا کہ اسے خلیل اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کا شہود نہیں ہے۔ والسلام۔ واللہ علم۔ (اقول باللہ التوفیق۔ بارگاہ

حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آپ کے قرب محبت اور اسکی بدولت تمام صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے مقابلے میں حاصل شدہ خصائص کے پیش نظر یہی توجیہ آپ کے مقام سے الیق اور الانسب ہے۔ بارگاہ رب العزت میں قبولیت محبوبیت اور خصوصی محبت کے پیش نظر حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اعلم باللہ واعرف باللہ ہے۔ اسی طرح آپ کے حضور خصوصی قرب اور معیت جو کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے کی وجہ سے کائنات نبوت کے بعد آپ سب سے عالم اللہ اور عارف کامل ہیں (قدس سرہ الفورانی۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ)

مسئلہ خلق افعال، کسب اور شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ

اور ۱۲۱ ویں باب میں آپ فرماتے ہیں: اے بھائی! جان لے کہ خلق افعال اور ان سے وجہ کسب کو عقل سے سمجھنا نہایت مشکل مسئلہ ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں اپنی ساری زندگی اسے مشکل قرار دیتا رہا اور میرے لئے حقیقت امر کے مطابق انکشاف نہ ہوا مگر اس رات میں کہ میں نے ۶۳۳ھ یہ دروازہ مضبوطی سے پکڑا۔ اور مجھ پر اس کے انکشاف سے پہلے کسب کے درمیان جس کی ایک قوم قائل ہے اور خلق کے درمیان جس کی دوسری قوم قائل ہے امتیاز بہت مشکل تھا اور میں جبر محض کا ہی عقیدہ رکھتا تھا۔ اور اب یقینی طور پر میں نے اس مسئلہ کی تحقیق پہچان لی ہے۔ مجھے اس میں کوئی شک نہیں۔ اور میں نے اس میں تینوں مذاہب کے درمیان فرق پہنچالیا ہے۔

خلق وکسب کے متعلق تینوں مذاہب میں فرق

اور وہ یہ کہ حق تعالیٰ نے مجھے میری بصیرت کھول کر مخلوق اول پر کھڑا کر دیا جس سے پہلے کوئی مخلوق نہیں ہوئی کہ وہاں اللہ وحدہ کے سوا کچھ نہ تھا۔ اور مجھے فرمایا، دیکھ۔ کیا یہاں کوئی امر ہے جو اشتباہ اور حیرت کا سبب بنے۔ میں نے عرض کی: یارب! بالکل نہیں۔ پس مجھے فرمایا کہ: اسی طرح تو جتنے محدثات دیکھے ان سب میں کسی کا اثر نہیں اور نہ کوئی خلق ہے۔ پس میں ہی اسباب کے وقت اشیاء پیدا کرتا ہوں نہ کہ اسباب کے ساتھ۔ پس وہ میرے امر سے معرض وجود میں آجاتی ہے۔ عیسیٰ میں پھونک میں نے تخلیق فرمائی اور پرندے میں ہونا "میں نے پیدا فرمایا۔ میں نے عرض کی: اے میرے رب! پس تیری ذات جب تو اسے اپنے اس قول سے خطاب کرے افعل (فعل کر) اور وہ نہ کرے۔ تو مجھے فرمایا کہ جب میں نے تجھے اپنے علم میں سے کسی چیز کا مطالعہ کرا دیا ہے تو ادب لازم کر اور بحث نہ کر۔ کیونکہ بارگاہ بحث کرنے کو قبول نہیں کرتی۔ میں نے عرض کی: یارب! اور یہ عین وہی ہے جس میں ہم ہیں۔ کون بحث کرتا ہے اور کون ادب کرتا ہے۔ مگر اگر تو ادب اور بحث کی تخلیق فرمائے۔ تو اگر تو نے بحث کرنا پیدا فرمایا تو اس کا وقوع لازم ہے اور اگر تو نے ادب پیدا فرمایا تو اس کے وجود کے بغیر چارہ نہیں۔ فرمایا: وہ یہی ہے۔ پس سن اور خاموش رہ۔ میں نے عرض کی۔ یارب! یہ تیرے لئے ہے۔ سماعت پیدا فرما تا کہ میں سنوں۔ خاموش رہنے کی تخلیق فرما تا کہ خاموش رہوں۔ اور اب تجھے خطاب نہیں کر رہا سوائے اس کے جسے اکیلے تو نے پیدا فرمایا تو مجھے فرمایا میں تخلیق نہیں فرماتا مگر اسے جو میرے علم میں ہے اور میرے علم میں نے نہیں مگر وہ جس پر ازل میں میرے علم کے اس سے متعلق ہونے کے وقت علم ثابت ہوا۔ اور میرے لئے ؟ ت کاملہ ہے انتہی۔ اور اس کے بعد والی بحث میں اس کی وضاحت آئے گی انشاء اللہ العزیز۔ پس اے بھائی! ان نقول میں غور کر لیکن اس سب سے بچ کر جو کہ اللہ تعالیٰ کے غضب کا موجب ہو۔ کیونکہ تاریک قلب کے لوازمات میں سے واضح امور میں اشکال پیدا کرنا ہے۔ چہ جائیکہ اس جیسا پیچیدہ مسئلہ۔ جب کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اس مسئلہ کا اشکال دنیا میں زائل نہیں ہوسکتا۔ اور وہ اپنے قول میں معذور ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

خاتمہ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف خلق کی اضافت

اگر کہا جائے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی طرف خلق کی اضافت سے مراد کیا ہے باوجودیکہ آپ اس میں عبد ہیں۔ مخلوق الذات ہیں۔ اور مخلوق کی شان ہے کہ پیدا نہیں کرتی اور وہ اس پر قادر نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن عظیم نے تصریح فرمائی ہے کہ پرندے کو عیسیٰ علیہ السلام کا پیدا کرنا صرف باذن اللہ تعالیٰ ہے۔ تو اس مسئلہ میں حضرت عیسیٰ اس فرشتے کی طرح تھے جو کہ رحم میں باذن بچے کی صورت بناتا ہے۔ تو پرندے کیلئے آپ کی تخلیق اس عبادت سے ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جاتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کی اجازت دی تھی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **قل ارئیتم ما تدعون من دون الله اروني ماذا خلقوا من الارض** (الاحقاف آیت ۴ فرمادیجئے: تم نے دیکھا ہے جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو مجھے دکھاؤ جو انہوں نے زمین سے پیدا) شیخ محی الدین ۳۴۷ ویں باب میں اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: جان لے کہ ما کا لفظ عام ہے کیونکہ یہ ایسا لفظ ہے جس کا اطلاق ذوی العقول اور غیر ذوی العقول ہر شے پر ہوتا ہے۔ سیبویہ نے یہی کہا ہے۔ جبکہ اس فن میں اسی کی طرف رجوع کیا جاتا ہے پس بیشک فن نحو کی نسبت رکھنے والے بعض حضرات کہتے ہیں کہ ما کا لفظ غیر ذوی العقول کے ساتھ جبکہ من کا لفظ ذوی العقول کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور یہ نادرست قول ہے۔ بیشک ہم نے کلام عرب میں غیر ذوی العقول کی جمع ذوی العقول کی جمع اور ما کا اطلاق ذوی العقول پر دیکھا جیسے ہے۔ اس آیت میں ہے۔ پس عیسیٰ اس خطاب میں داخل ہوئے گرچہ آپ ذی العقل ہیں کیونکہ آپ مستقل طور پر کسی چیز کو پیدا کرنے پر قادر نہیں ہیں۔ شیخ نے فرمایا: قول سیبویہ زیادہ بہتر ہے۔ والسلام۔ اور خاتمہ سے ذرا پہلے شیخ کیلئے اللہ تعالیٰ کا یہ قول گزر چکا کہ میں نے نفخ عیسیٰ میں پیدا کیا اور تکوین کو پرندے میں پیدا کیا۔ الخ۔ اور یہ ایک ایسا امر ہے جس میں کوئی اشکال نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

خواص کے لئے عطائے حرف کن

اگر کہا جائے کہ جب اللہ تعالیٰ اس جہان میں اپنے بعض خواص کو حرف کن عطا فرمائے تو کیا وہ اس کے ساتھ تصرف کرے یا ادب یہ ہے کہ اسے ترک کر دے۔ اس کا جواب شیخ نے ۷۷ اویں باب میں یہ دیا ہے کہ اہل اللہ کا ادب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اس دنیا میں انہیں لفظ کن عطا فرماتا ہے تو وہ اس کے ساتھ تصرف نہیں کرتے کیونکہ اس کا محل دار آخرت ہے۔ لیکن انہوں نے کن کی جگہ بسم اللہ مقرر کیا ہے تاکہ ظاہراً تکوین اللہ تعالیٰ کیلئے ہو جیسے کہ یہ باطناً اسی کیلئے ہے۔

اگر کہا جائے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خلق میں سب سے زیادہ ادب والے ہیں۔ حالانکہ آپ نے بعض غزوات میں اسے استعمال فرمایا ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ آپ نے اپنے اصحاب کی موجودگی میں غزوۂ تبوک کے موقع پر اسے صرف بیان جواز کیلئے استعمال فرمایا۔ نیز اس لئے کہ آپ کو معجزات کے اظہار کی اجازت تھی۔ اور یہ مسئلہ اسی قبیل سے ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوذر ہو جا پس وہ ابوذر ہو گیا اور کھجور کی شاخ کیلئے فرمایا تلوار ہو جا چنانچہ وہ تلوار ہو گئی (اقول و باللہ التوفیق۔ چنانچہ ابن اسحاق اور بیہقی حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے راوی **قال لما سار رسول الله صلى الله عليه وسلم الى تبوك تخلف رجال ثم لحقه ابو ذر فنظر ناظر من المسلمين فقال يا رسول الله هذا رجل يمشي على الطريق فقال رسول الله صلى الله عليه واله وسلم كن اباذر فلما تاملہ القوم قالوا يا رسول الله هو والله ابو ذر فقال يرحم الله اباذر يمشي**

وحدہ دیموت وحدہ و یبعث وحدہ فضرب الدھر من ضربہ و سیر ابوذر الی الربذۃ فمات بھاو عندہ امرء تہ و غلامہ فوضع علی قارعۃ الطریق فطلع رکب فیھم ابن مسعود فقال ما ھذا؟ فقیل جنازہ ابی ذرفبکی ابن مسعود و قال صدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال یرحم اللہ اباذر یمشی وحدہ دیموت وحدہ و یبعث وحدہ ثم نزل فولیہ بنفسہ ۔ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب رسول پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم تبوک کی طرف چلے تو کچھ لوگ پیچھے رہ گئے۔ پھر ابوذر آپ سے آملنے کو چلے۔ پس اہل اسلام میں سے ایک شخص نے دور نظر دوڑائی اور عرض کی یا رسول اللہ! یہ ایک شخص راستے پر آرہا ہے تو رسول پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کن اباذر۔ یعنی ابوذر ہوجا۔ جب لوگوں نے غور سے دیکھا تو پکار اٹھے اللہ کی قسم یہ تو ابوذر ہے تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ابوذر پر رحم فرمائے۔ اکیلا چلتا ہے۔ اکیلے کی وفات ہوگی اور اکیلا ہی اٹھایا جائے گا۔ وقت گذرتا گیا۔ ابوذر ربذہ کی طرف منتقل ہوگئے۔ وہیں آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کے پاس صرف آپ کی اہلیہ اور آپ کا غلام تھا۔ آپ کا جنازہ راہگذر پر رکھ دیا گیا۔ ایک قافلہ نمودار ہوا جس میں ابن مسعود تھے۔ پوچھا یہ کیا ہے؟ کہا گیا کہ ابوذر کا جنازہ ہے۔ ابن مسعود آبدیدہ ہوگئے اور فرمایا سچ فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے کہ فرمایا: اللہ تعالیٰ ابوذر پر رحم فرمائے۔ اکیلا چلتا ہے۔ اکیلا فوت ہوگا اور اکیلا اٹھایا جائے گا۔ پھر آپ اترے اور بنفس نفیس سارا انتظام کیا۔

اور عطاءِ کن کا مسئلہ حضور محبوب سبحانی غوث صمدانی حضرت سیدی شیخ عبدالقادر المعروف غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب فتوح الغیب کے ۴۶ ویں مقالہ میں لکھا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں **فیتولاہ عزوجل وھو قولہ عزوجل، ان ولیی اللہ الذی نزل الکتاب وھو یتولی الصالحین. فیتحقق حینئذ قولہ عزوجل من شغلہ ذکری عن مسئلتی اعطیتہ افضل ما اعطی السائلین** ۔ (یعنی جب توفیق الٰہی سے مرتبہ اصطفاء تک پہنچ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی کفالت وحمایت فرماتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے مطابق ہے ''بیشک میرا مددگار اللہ تعالیٰ ہے جس نے کتاب نازل فرمائی اور وہ نیکوں کی حمایت فرماتا ہے۔ (الاعراف آیت ۱۹۶) اور اس وقت یہ مقام ثابت ہوجاتا ہے کہ جسے میرا ذکر مجھ سے مانگنے سے مصروف کردے میں اسے مانگنے والوں سے افضل عطا فرماتا ہوں۔ نیز فرماتے ہیں کہ یہ فنا کی حالت ہے جو کہ اولیاء اور ابدال کے احوال کی حد ہے۔ پھر کبھی اس طرف تکوین وارد ہوتی ہے پس باذن اللہ وہ سب کچھ ہوجاتا ہے جس کی اسے ضرورت ہو۔ اور یہی معنی ہے بعض کتب سماویہ میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا ''اے ابن آدم میں اللہ ہوں کہ کوئی معبود نہیں میرے سوا۔ میں شے سے فرماتا ہوں ہوجا پس وہ ہوجاتی ہے۔ میری طاعت کر میں تجھے ایسا کردوں گا تو شے کو کن کہے تو وہ ہوجائے گی۔ انتہی۔

نیز صاحب بہجۃ الاسرار ص ۶۸ پر حضور سیدی غوث پاک رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد نقل فرماتے ہیں **اسم اللہ الاعظم ھو اللہ و انما یستجاب لک اذا قلت اللہ ولیس فی قلبک غیرہ. بسم اللہ من العارف ککن من اللہ عزوجل** ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم اللہ ہے اور تیرے لئے اس وقت قبولیت ہوگی جب تو اللہ کہے دراں حال کہ تیرے قلب میں اس کا غیر نہ ہو۔ عارف کا بسم اللہ کہنا ایسا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کن فرمانا۔ انتہی۔ واضح رہے کہ صاحب فتوحات شیخ محی الدین ابن عربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شیخ، شیخ حضرت ابومدین مغربی رحمۃ اللہ علیہ نے حضور سیدنا غوث پاک رضی اللہ عنہ سے استفادہ واستفاضہ کیا ہے اور حج کے موقعہ پر میدان عرفات میں حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ سے فرقہ خلافت بھی حاصل کیا (بہجۃ الاسرار ص ۱۰۷) نیز شیخ محی الدین بن عربی نے بھی بالواسطہ آپ سے

فرقہ خلافت حاصل کیا (قدم الشیخ عبدالقادر علی رقاب الاولیاء الاکابر ص ۴۱۸) متبادر الی الفہم یہی ہے کہ شیخ اکبر قدس سرہ العزیز نے مسئلہ تکوین کا استفادہ بارگاہ غوثیت سے کیا ہے۔ کہ یہ مقام وانعام بارگاہ غوث پاک رضی اللہ عنہ کے وابستگان عقیدت مشائخ کو یہیں سے تقسیم ہوتا ہے۔ امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ العزیز نے کیا خوب فرمایا۔

احد سے احمد اور احمد سے تجھ کو　　کن اور سب کن مکن حاصل ہے یا غوث
نبی سے آخذ اور امت پہ فائض　　ادھر قابل ادھر فاعل ہے یا غوث

محمد محفوظ الحق غفرلہ والوالدیہ)

کیا کوئی باذن اللہ انسان پیدا کر سکتا ہے؟

اگر تو کہے کہ کیا کسی لئے یہ درست ہے کہ وہ باذن اللہ تعالیٰ انسان پیدا کرے یا امر خلق کی انتہاء صرف یہ کہ پرندہ پیدا کرے جیسے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیلئے چمگاڈر پیدا کرنے کا واقعہ رونما ہوا؟ جواب یہ ہے کہ یہ سوال شیخ محی الدین نے ۳۳۵ویں باب میں وارد کیا ہے۔ آپ کے الفاظ یہ ہیں: جب کوئی انسان بالفرض باذن اللہ تعالیٰ کوئی انسان پیدا کرے تو کیا وہ انسان ہوگا یا جسم انسان کی صورت میں حیوان۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوق کو ایک مکھی پیدا کرنے سے عاجز قرار دیا ہے گرچہ وہ اس کیلئے اکٹھے ہو جائیں چہ جائیکہ صورت انسان جو کہ اکمل الصور ہے۔ لیکن ہمیں فلاحۃ نبطیہ میں بتایا گیا علم طبیعات کے ایک عالم نے منی انسانی سے زمان ومکان کے مخصوص وزن پر خاص طریقے سے سنبھال کر اس سے صورت آدمیت کے ساتھ انسان بنایا۔ ایک سال تک قائم رہا۔ آنکھیں کھولتا اور بند کرتا۔ بولتا نہیں تھا۔ غذا سے زیادہ کوئی شے استعمال نہیں کرتا تھا۔ ایک سال زندہ رہا اور مر گیا۔ شیخ فرماتے ہیں کہ نہیں معلوم کہ کیا وہ انسان تھا جو گونگے کے حکم میں تھا یا صورت انسانی میں حیوان تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

پچیسویں بحث

خلق افعال کے باوجود حجۃ بالغہ

اس بیان میں کہ بندہ پر غالب حجت اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہے باوجود کہ وہ ان کے اعمال کا خالق ہے۔ پس اگر فرض کیا جائے کہ کوئی بندہ کہتا ہے: یارب! تو مجھے اس چیز کی وجہ سے مواخذہ کیونکر فرماتا ہے جسے تو، مجھے پیدا کرنے سے پہلے ہی مقدر فرما چکا۔ تو حق تعالیٰ اسے فرمائے گا، میرا علم تیرے ساتھ متعلق نہیں ہوا مگر اس چیز پر جس پر تو ہے۔ میرے علم کے لئے آغاز ہے، نہ میرے معلوم کیلئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ولنبلونکم حتی نعلم المجاھدین منکم والصابرین (محمد صلی اللہ علیہ وسلم آیت ۳۱۔ ہم تمہیں ضرور آزمائیں گے تاکہ ہم دیکھ لیں تم میں سے جو مجاہد ہیں اور جو صبر کرنے والے ہیں) پس ایسی آیات اپنے بندوں پر حجت قائم کرنے کیلئے لائی گئیں باوجود یکہ وہ بندے کے معرض وجود میں آنے سے پہلے ہی سب کچھ جانتا ہے جو کچھ اس سے ہوگا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ثابت ہے لیکن ہر کوئی اس علم کے ذوق کو نہیں پہنچتا۔ حجتیں تو دراصل محجوبین پر قائم کی جاتی ہیں نہ کہ اہل کشف پر۔ کیونکہ وہ حق تعالیٰ سے کسی شے کے متعلق نزاع نہیں رکھتے۔ جسے وہ اپنی طرف یا ان کی طرف منسوب فرمائے۔ پس بندے پر واجب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی لئے ایمانی طور پر اپنے

اوپر حجت قائم کرے یہاں تک کہ اسے یقیناً اور کشفاً پہچان لے۔ کیونکہ بندے پر صرف وہی کچھ جاری ہوتا ہے جو کہ اس پر علم الٰہی میں ہو۔ پس اللہ تعالیٰ نے بندے کے متعلق وہی فعل کیا جو کہ اس کے علم میں تھا اور حجت قائم کرنے سے برتر وہ مقام ہے کہ جو کرے اسے پوچھا نہیں جاسکتا اور ان سے سوال ہوگا۔

بندوں سے سوال کی وجہ

اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی بجائے ان سے سوال کیوں ہوگا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ انہیں اس لئے سوال ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ جب انہیں اس حالت کے شہود پر مطلع فرمائے گا جس پر وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھے جس کی ابتداء نہیں ہے اس وقت انہیں سوال کے وقت ثابت ہوجائے گا کہ اس کا علم ان کے ساتھ متعلق نہیں ہوا مگر اسی کے مطابق جس پر وہ ہیں۔ اور بیشک اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فیصلہ نہیں فرمایا مگر وہی جس پر وہ تھے۔ بیشک وہ خالق بالاختیار ہے نہ بالذات۔ پس سمجھ لے اور اپنے آپ کو غلطی سے بچا۔ اور عبداللہ بن اسلام نے حکایت بیان کی ہے کہ انبیاء میں سے ایک نبی نے کوئی تکلیف پہنچنے پر اللہ تعالیٰ کے حضور شکوہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف وحی فرمائی: تو میرے کتنے شکوے کرے گا جبکہ میرے فعل پر اعتراض نہیں ہوسکتا۔ علم غیب میں تیرا حال اسی طرح شروع ہوا۔ کیا تو چاہتا ہے کہ تیری خاطر دنیا لوٹا دوں اور تیری وجہ سے لوح بدل دوں۔ الخ۔ پس معلوم ہوا کہ جسے اللہ تعالیٰ نے اس مقام مشاہدہ پر اطلاع بخشی وہ خود پر اللہ تعالیٰ کی حجت بالغہ کا اپنی طرف سے اعتراف کرنے لگتا ہے۔ اور کشف و یقین کے طور پر اپنے اوپر حجت قائم کرتا ہے۔

اور شیخ محی الدین نے طویل جواب دیا ہے پھر فرماتے ہیں: اور اکثر لوگ اس حجت کی وجہ نہیں جانتے بلکہ اسے ایمان و تسلیم کی وجہ سے لیتے ہیں جبکہ ہم اور ہم جیسے اسے عیاناً لیتے ہیں۔ ہم اس کا موقع جانتے ہیں اور یہ کہ حق تعالیٰ اسے کہاں سے لایا۔ اور جان لے کہ جو حجت کو علی وجہ الایمان لیتا ہے اس کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنے اوپر اس حجت کو اس کی وجہ پر خیال نہیں کرتا بلکہ اس کی زبان حال کہتی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے اس کے متعلق سوال کے وقت حجت پیش کرنے کا اختیار دے تو میں اسے کہوں: اے میرے رب! تو نے ہی میرے ساتھ یہ سلوک کیا لیکن تجھے تیرے فعل کے متعلق پوچھا نہیں جاسکتا۔ اور ایسی گفتگو واقع نہیں ہوتی مگر احکام الٰہیہ سے جاہل کی طرف سے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ ہی کے لئے مطلقاً اس پر حجت بالغہ ہے اور بندے کے لائق کیونکر ہوسکتا ہے کہ اپنے مالک سے کہے کہ مجھ پر تیری کوئی حجت نہیں ہے گرچہ اپنے قلب کے ساتھ کہے۔ پس اس کے متعلق غور کر۔

قل فللّٰہ الحجۃ البالغۃ

اور شیخ نے ۴۵۷ویں باب میں اللہ تعالیٰ کے قول **قل فللّٰہ الحجۃ البالغۃ** (الانعام آیت ۱۵۰۔ فرما دیجئے اللہ تعالیٰ ہی کے لئے دلیل کامل ہے) کی تفسیر میں فرمایا: اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی بندے پر دلیل کامل ہونے کی کیا وجہ ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ اس کی وجہ علم کا معلوم کے تابع ہونا ہے۔ جبکہ حق تعالیٰ کا امتیاز تو فاعلیت کے مرتبہ کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ مخلوق ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کی مفعول ہے۔ تو معلوم نے امور میں سے کوئی چیز بھی نہیں کہی مگر اس پر یہ حکم لگایا جاتا ہے کہ وہ یہ کہہ رہا ہے۔ اور گویا لسان حق تعالیٰ کا جھگڑنے والے بندے کیلئے حکم ہے کہ تیرے عدم شخصی کی حالت میں جبکہ تو اس عالم سے عالم غیب میں تھا میرا علم تیرے ساتھ متعلق نہیں ہوا مگر اس حالت پر جس پر تو ہے۔ پس بیشک میں نے تجھے وجود کی طرف نہیں نکالا مگر اسی اندازے پر جسے تیری ذات نے قبول کیا۔ پس اس وقت بندہ پہچان لیتا ہے کہ بیشک

یہی حق ہے اور وہاں سب مخلوق کی حجتیں تمام جھگڑنیوالوں سے مضمحل ہو جاتی ہیں اور مخفی نہ رہے کہ ہر ایک پر اللہ تعالیٰ کیلئے حجت ہے جو کہ اس کا عین نہیں جو دوسرے بندے ہر ایک ساتھ قائم کی جاتی ہے اور اس دلیل کے ساتھ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظاہر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہوالقاہر اور وہ غالب ہے یعنی حجت کے ساتھ فوق عبادہ (اپنے بندوں پر) وہو الحکیم الخبیر (الانعام آیت ۱۸) اور وہ حکمت والا علم والا ہے کہ ہر ہر صنف پر اس کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے، جس کے ساتھ اس پر اللہ تعالیٰ کیلئے حجت قائم ہو جائے پس اگر مکلف کرنے کا اطلاق نہ ہوتا تو نزاع نہ ہوتا۔ نہ ہمارے لئے اس کے ساتھ فیصلے کی مجلس منعقد ہوئی اور نہ ہی کوئی مناظرہ۔ اور یہ حق تعالیٰ کا اپنے بندوں سے انصاف ہے تا کہ ان سے انصاف طلب فرمائے۔ انتہی۔ اس پر غور کیا جائے اور اس کے مشمولات کی تحقیق کی جائے۔ کیونکہ یہ دقیق مقام ہے۔

اور آپ نے ۷۸ ویں باب میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد فلللــه الحجة البالغة کے متعلق فرمایا: جان لے کہ یہ آیت اس امر پر دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو تکلیف نہیں دی مگر وہی جس کی وہ عادۃً طاقت رکھتے ہیں۔ چنانچہ انہیں مثلاً یہ تکلیف نہیں دی کہ وہ بلا سبب آسمان کی طرف چڑھیں یا جمع بین الضدین کا مشاہدہ کریں اور اگر اللہ تعالیٰ انہیں اس کی تکلیف دیتا تو یہ نہ فرماتا فللّٰــه الحجة البالغة ۔صرف یہ فرماتا فلہ ان یـفعل مایرید ۔یعنی اسے اختیار ہے جو چاہے کرے۔ جیسے یہ فرمایا کہ اس سے اس کے فعل کے متعلق سوال نہیں کیا جا سکتا۔ یعنی اصل تقسیم ازلیہ کے بارے میں۔ پس یہ وہ مقام ہے کہ اسے اس کے فعل کے متعلق سوال نہیں ہو سکتا کیونکہ اس وقت وہاں کوئی ہے نہیں جو اللہ تعالیٰ سے سوال کرے۔ انتہی۔ اور ۲۹ ویں بحث کے اوائل میں قدرت الٰہیہ کیلئے بندے کی مخالفت کی تصویر کی وجہ کے متعلق بعض یہود کی عجیب وغریب نظم آئے گی۔ جب کہ یہ غیر ممکن ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کر۔

اور شیخ نے باب الاسرار میں فرمایا ہے کہ جو تجھ پر اس کے ساتھ دلیل پکڑے جو کہ علم حق میں پہلے گزر چکا۔ تو اس نے تجھ سے حق کیساتھ جھگڑا کیا لیکن یہ ایسی حجت ہے جو صاحب حجت کو نفع نہیں دیتی اور اپنی جانب کی حفاظت نہیں کرتی۔ اور باوجودیکہ نفع دینے والی نہیں اسے سنا جاتا ہے اور اس کا قول کیا جاتا ہے۔ گرچہ شرع اس کے مذہب سے علیحدہ ہو۔ کیونکہ اسے اس کے فعل کے متعلق نہیں پوچھا جا سکتا جبکہ لوگوں سے سوال ہوگا۔ لیکن اکثر لوگوں کو شعور نہیں اور ایسا مسئلہ نہیں ہوتا مگر علی الاعلان۔ اور اس کے ساتھ گفتگو صرف اور صرف آگاہ کرنے کے لئے کی جاتی ہے۔ باوجودیکہ اگر اسے علی الاعلان کہا جاتا تو یہ علم ہوتا۔ اور فہم کی روح پھونکتا۔ اور دل میں ایسے کلمات ڈالتا جن کے سامنے لوگ مہر بلب رہ جاتے کہ طریقت کے اہم درس کی طرف لے جاتے جس پر امتوں کا اجتماع ہے۔ گرچہ ہر چلنے والے کی پیشانی کو وہی تھامے ہوئے ہے پس سمجھ لے۔ پس اللہ تعالیٰ کا قول برحق ان اللــه لا یـظـلـم الـنـاس شیئا ولکن الناس انفسهم یـظـلـمـون (یونس آیت ۴۴۔ یقیناً اللہ تعالیٰ لوگوں پر کچھ بھی ظلم نہیں کرتا لیکن لوگ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں) اور اس کی وضاحت صرف اس کے اہل لوگوں کے آمنے سامنے ہی بیان کی جا سکتی ہے کیونکہ یہ تقدیر کے راز کے علوم سے ہے جبکہ کتاب اہل اور نااہل دونوں قسم کے لوگوں کے ہاتھ لگتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

امر مقدر پر مواخذہ

اور شیخ نے کتاب لواقح الانوار میں کہا: اگر کوئی بندہ اپنے رب سے کہے: اے میرے رب! تو مجھے اس امر پر کیونکر مواخذہ فرماتا ہے جسے تو نے مجھ پر میرے پیدا کرنے سے پہلے مقدر فرما رکھا ہے؟ تو اسے حق تعالیٰ فرمائے گا کیا تو میری اقدار کے جاری ہونے کا محل نہیں

ہے؟ تو اسے کوئی گنجائش نہیں سوائے اس کے کہ کہے: ہاں اے میرے رب میں تیری اقدار کے جاری ہونے کا محل ہوں۔ تو جب بندہ یہ کہے گا تو اسے حق تعالیٰ فرمائے گا: جب تو مجھ پر تیرا اعتراض ختم ہو گیا۔ پس اگر چاہوں تو ثواب کا محل بنا دوں اور اگر چاہوں تو عقاب و عذاب کا محل بنا دوں اور اگر بندہ معتزلہ کے مذہب کا قائل ہو تو ہم اسے کہیں گے کہ اس وقت تجھ پر میزان عدل قائم کی جائے گی اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق لها ما کسبت علیها ما اکتسبت (البقرۃ آیت ۲۸۶۔ اس کو جو (نیک عمل) کئے اس کا اجر ملے گا اور اس پر وبال ہوگا جو اس نے (برا عمل) کمایا۔ انتہی۔ پس تمام گروہوں پر اللہ تعالیٰ کی حجت قائم ہو گئی۔

امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ ابلیس نے کہا: اے میرے رب! تو مجھ پر آدمؑ کیلئے سجدہ نہ کرنا کیونکر مقدر فرماتا ہے پھر اس کی وجہ سے مجھ پر مواخذہ کرتا ہے؟ تو اللہ جل وعلا نے فرمایا: تجھے کب معلوم ہوا کہ میں نے تجھ پر سجدے سے انکار مقدر کیا ہے۔ تیری طرف سے سجدہ سے انکار کے وقوع کے بعد یا اس سے پہلے؟ تو اس نے کہا: انکار کے بعد۔ پس حق تعالیٰ نے اسے فرمایا: اسی وجہ سے میں نے تجھے مواخذہ فرمایا ہے۔ پس راز تقدیر کا حکم جال کے حیلے کا حکم جو کہ پرندوں کیلئے نصب کیا جاتا ہے اور وہ مٹی میں مدفون ہوتا ہے۔ اور بندے کے اختیار کا حکم اس دانے کا ہے جو کہ زمین پر ظاہر پڑا ہے۔ پس پرندہ حیلہ نہیں دیکھتا اور اسے معلوم نہیں کرتا۔ صرف دانہ ہی دیکھتا ہے پس اسے چگتا ہے۔ اس میں اس کی ہلاکت ہے۔ اگر وہ جال پہچان لیتا تو کبھی دانا نہ چگتا ہے۔ اسی طرح ابن آدم معصیت میں نہیں گرتا مگر اس جال میں کہ وہ خفیہ تدبیر اور مواخذہ سے غافل ہوتا ہے۔ پھر جب گر پڑتا ہے تو نادم ہوتا ہے اور استغفار کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ حاصل کلام یہ ہو جب خود ابلیس گر گیا اور اسے وہ امر معلوم نہ ہو سکا جس میں اس کی ہلاکت تھی مگر گرنے کے بعد تو کسی دوسرے کا کیا حال۔

نکتہ احتیاط در بارۂ ابلیس

اور میں نے سیدی علی الخواص رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اس سے پرہیز کر کہ تو دلیل پیش کرے کہ تجھے ابلیس نے تیرے سابق میلان کے بغیر معصیت ہی گرا دیا۔ پس بیشک اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے حکایت کی ہے کہ وہ جہنم میں اپنے خطاب میں ان سے بیزاری کا اعلان کرے گا جنہوں نے دنیا میں اس کی طاعت کی۔ اور وہ ایسا مقام ہے کہ وہاں اس بہت بڑے جھوٹے کی تصدیق کی جائے گی اور وہ اس خطبہ میں اہل معصیت کی جہالت بیان کرے گا اور اس کے آخر میں کہے گا فلا تلوموني ولوموا انفسکم (ابراہیم آیت ۲۲۔ مجھے ملامت نہ کرو۔ اپنے آپ کی ملامت کرو) بیشک میں نے تمہیں اپنے وسوسے کے ساتھ گمراہ نہیں کیا مگر اس کے بعد کہ تم خود بخود اس کی طرف مائل ہوئے جس کے فعل سے تمہیں اللہ تعالیٰ نے روکا تھا۔ جبکہ مجھے تمہارے مائل ہونے سے پہلے تم پر کوئی غلبہ حاصل نہ تھا۔ پس مجھے ملامت نہ کرو۔ بلکہ خود کو ملامت کرو کہ تم میرے وسوسے سے پہلے ہی مائل ہو گئے۔ بیشک تمہارے نفس ترازو کی زبان کی طرح ہیں جو کہ اپنے جبڑے میں ہے اور میں ہمیشہ تمہارے سامنے کھڑا ہوں۔ تو جب تک زبان اپنے جبڑے میں رہے باہر نہ نکلے تو تم مجھ سے محفوظ ہو۔ اور جب لسان میزان معصیت کی طرف نکلے تو ناپاک ہو جاتی ہے پس تمہارا گرنے کا ارادہ نافذ ہو جاتا ہے۔ میں تو تمہارے تابع ہوں اور اس وقت ان بندوں کی دلیل پائمال ہو جائے گی جنہوں نے ابلیس کی اطاعت کی کیونکہ اس مقام پر اس کی حجت ان پر قائم ہو جائے گی اور وہ اس کی تصدیق کریں گے۔ اور ان پر واضح ہو جائے گا کہ ابلیس نے انہیں اس معصیت میں مستقلاً نہیں

گرایا۔انہیں تو ان کے نفسوں نے گرایا۔پس وہ ابلیس کی ان پر حجت قائم کرنے لگیں گے جس طرح کہ انہوں نے اقدار الہیہ پر نظر کرتے ہوئے ان پر حجت قائم کی اور اس سے زیادہ نہیں کہا جا سکتا۔

حاصل بحث

میں کہتا ہوں کہ اس بحث کا حاصل یہ ہے کہ خود بندہ ہی وہ ہے جس نے اپنے آپ پر ظلم کیا اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تصدیق کے طور پر ہے **وما ظلمنا هم ولكن كانوا انفسهم يظلمون** (النحل آیت ۱۱۸ اور ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں) بیشک اللہ تعالیٰ اسی کی خبر دیتا ہے جو واقعتاً ہو۔اور اہل اللہ کو جب معلوم ہوا تو انہوں نے کوئی وجہ حقیقی طلب کی جس کے ساتھ اپنے آپ پر اللہ تعالیٰ کیلئے حجت قائم کریں۔پس انہوں نے کشف صحیح کے ساتھ دیکھا تو پتہ چلا کہ ان کے تمام افعال معلوم علم الٰہی ہیں اور جیسے علم الٰہی کا آغاز نہیں اسی طرح اس کے معلوم کیلئے آغاز نہیں۔اور جب اس کے معلوم کیلئے آغاز نہیں تو حق تعالیٰ نے ہم پر کچھ بھی ظلم نہیں کیا۔شاید معتزلہ اگر اس وجہ پر اطلاع پاتے جس کی ہم نے تقریر کی ہے تو اپنے اس قول میں نہ گرتے کہ عبد اپنے افعال پیدا کرتا ہے۔انہوں نے اپنی عقلوں سے یہ سمجھا کہ جب وہ خلقاً فعل کو اللہ وحدہ کیلئے قرار دیں پھر وہ انہیں اس پر سزا دے تو یہ غیر عدل ہوگا۔تو جب وہ اس کی اضافت حق تعالیٰ کی طرف کرنے سے ڈرے تو انہوں نے کہا کہ ہمارا یہ قرار دینا کہ بندہ اضافۃً اور مجازاً اپنے افعال کا خالق ہے یہ حق تعالیٰ کی طرف ظلم کی نسبت کرنے سے ہلکا ہے۔حقیقتاً نہیں کیونکہ امام زمخشری جیسا یہ اعتقاد نہیں رکھ سکتا کہ وہ ہمیشہ اپنے افعال کا حقیقتاً خالق ہے بلکہ خود یہود اس کا عقیدہ نہیں رکھتے۔

پھر قیامت کے دن جزاء اعمال کے بارے میں قول خود اعمال کے متعلق قول کی طرح ہے۔پس اگر کوئی کہنے والا اللہ تعالیٰ سے کہے کہ تو مجھے اس پر سزا کیوں دیتا ہے جو کہ میری تخلیق سے نہیں تو حق تعالیٰ اس سے فرمائے گا: کیا میرا علم تیرے ساتھ متعلق نہیں ہوا مگر اس حال میں کہ تیرے اعمال پر سزا دینے والا ہوں۔تو بندے کیلئے اس کے سوا گنجائش نہیں کہ کہے۔کہ ہاں تیرا علم میرے ساتھ متعلق نہیں ہوا مگر دراں حال کہ سزا دینے والا ہے۔اس وقت عبد اپنے اوپر یقیناً اور کشفاً حجت قائم کرے گا اور یہ مختلف فیہ مسئلہ جو میں نے تیرے سامنے ذکر کیا ہے میرے معاصرین میں سے کسی میں مجھے اس کا ذوق نظر نہیں آتا۔ان کے امر کی انتہاء یہ ہے کہ ان میں سے ایک اپنے نفس پر صرف ادباً حجت قائم کرتا ہے جیسے ان کا یوں کہنا کہ لازماً تو اس سے پہلے اس کی نافرمانی کی طاقت ضرور رکھتا ہے۔پس وہ اپنے قلب کے ساتھ اپنے رب پر حجت قائم کرتا ہے۔جیسے کہ یہ جبریہ کا مذہب ہے اور کئی دفعہ شاعر کے اس قول سے گواہی لیتا ہے۔اسے ہاتھ کندھوں پر باندھ کر دریا میں ڈال دیا اور اسے کہتا ہے بچ جا بچ جا پانی سے تر نہ ہونا۔اور ہمارے نزدیک اس قسم کا شعر زبان پر کہنا جائز نہیں کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ پر حجت قائم کرنے کی بو آتی ہے۔

تو معلوم ہوا کہ جبریہ وغیرہ نہیں گرے جس میں وہ گرے مگر عبد کے حادث اور اس کے مخلوق ہونے کے مشاہدے کی وجہ سے۔اور اگر وہ دوسری وجہ کا مشاہدہ کر لیتے اور یہ اس کا علم الٰہی میں قدیم ہونا ہے تو اللہ تعالیٰ کیلئے اپنے اوپر حجت قائم کرتے۔اس پر غور کر لیا جائے۔کیونکہ یہ ایسا مقام ہے جو کہ ذہن سے نکل جاتا ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

چھبیسویں بحث

مقام تکلیف

اس امر کے بیان میں کہ انسانوں اور جنوں میں سے کوئی بھی تکلیف (مکلّف ہونے) سے باہر نہیں نکلتا جب تک کہ اس کی عقل قائم ہے گرچہ وہ قرب کے انتہائی درجات تک پہنچ جائے جیسے کہ اس کا بیان آ رہا ہے۔

اے بھائی! جان لے کہ رہتی دنیا تک ہر عاقل سے پابندی اٹھنا محال ہے اور اگر یہ نہ ہوتا تو جس سے بھی پردہ اٹھتا اس سے پابندی اٹھ جاتی۔ اس لئے کہ وہ اس وقت کوئی فاعل نہیں دیکھتا سوائے حق تعالیٰ وحدہ کے اور اہل سنت و جماعت میں سے اس کا کوئی قائل نہیں۔

عارف کے قول کی توجیہہ

اور بعض عارفوں کا کہنا کہ سالک ایسے مقام تک رسائی حاصل کر لیتا ہے کہ اس سے تکلیف اٹھ جاتی ہے۔ اس تکلیف سے اس کی مراد عبارت کی کلفت کا جانا ہے پس وہ اس سے کوئی ملال محسوس نہیں کرنے لگتا۔ بلکہ کبھی تو وہ اس فعل سے لذت محسوس کرتا ہے جس کے کرنے سے وہ اس سے پہلے تکلیف محسوس کرتا تھا۔ اور خود میں اس مقام میں رہا ہوں کہ انتہائی مشقت پر مبنی عبادات سے مجھے کوئی تکلیف نہ ہوتی۔ پھر مجھے اس مقام کے نقص کا کشف ہوا کہ اس میں نفس کی خواہش کا عمل دخل ہے تو میں نے اس سے توبہ کی اور اب اس حال میں ہو گیا ہوں کہ کوئی بھی عبادت مشقت اور کلفت کے ساتھ ہی ادا کرتا ہوں گویا میں پہاڑ اٹھائے ہوئے ہوں۔ اور یہ اس لئے کہ اس میں وہ آداب اور مقامات مشاہدہ ہیں جن کی وجہ سے ہمیں ان کا مکلّف بنایا گیا ہے اور اس سے پہلے میں ان کے لئے کوئی تکلف محسوس نہیں کرتا تھا جس طرح سانس کے آنے جانے سے کوئی تکلف نہیں ہوتا۔

اور وہ یہ ہے کہ میں نے دیکھا کہ اللہ عزوجل حضور سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے فاذا فرغت فانصب (الانشراح آیت ۷۔ پس جب آپ فارغ ہوں تو ریاضت میں مصروف ہو جائیں) یعنی جب آپ ایک وزنی کام سے فارغ ہو جائیں تو دوسرے مشقت طلب کام میں لگ جائیں اور یہ ایسا امر ہے کہ اس کا ذوق صرف اسی کو ہوتا ہے جو سالک طریقت ہو۔ تو تکلیف سے راحت کہاں؟ جبکہ ہم سے ہر لحہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہنے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔

اہل اللہ کیلئے طی زمان و مکان اور واقعات

اور اے بھائی! جان لے کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے کوئی وہ ہے جو کہ پانچوں نمازیں نہیں پڑھتا مگر مکہ معظمہ میں۔ تو ان میں کوئی بیت المقدس میں۔ کوئی مدینہ مشرفہ میں۔ تو کوئی جبل ق میں۔ کوئی قبہ ارین میں۔ تو کوئی دیوار سکندریہ کے اوپر جبکہ کوئی بحر السویس پر چھا نکلنے والے جبل مقطم پر ادا کرتا ہے۔ پس اکثر ایسے فقیر کو لوگ ملامت کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ تارک الصلوۃ ہے۔ جبکہ یہ غلطی ہے۔ اور اس مقام والوں کو علامات ہوتی ہیں جن کی بنا پر وہ سستی اور کاہلی کی وجہ سے نماز ترک کرنے والوں سے امتیاز رکھتے ہیں اور ایک دفعہ مجھے سیدی عبد القادر الدشطوطی نے فرمایا: اہل مصر کیوں کہتے ہیں کہ عبد القادر کوئی نماز نہیں پڑھتا جبکہ اللہ تعالیٰ کی قسم ہے ہم نماز منقطع نہیں کرتے۔ لیکن ہمارے ایسے مقامات میں جہاں ہم نماز ادا کرتے ہیں۔ پس میں نے سیدی محمد بن عنان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بات

کہی تو آپ نے فرمایا سیدی عبدالقادر نے سچ کہا ہے۔ اس کی ایسی جگہیں ہیں جہاں وہ نماز ادا کرتا ہے۔

اور مجھے شیخ محمد نے بھی یہ خبر دی ہے کہ سیدی ابراہیم المتبولی کبھی بھی مصر میں نماز ظہر ادا کرتے نہیں دیکھے گئے حتیٰ کہ بعض لوگ کہتے تھے گویا اللہ تعالیٰ نے شیخ ابراہیم پر نماز ظہر فرض کی ہی نہیں۔ حالانکہ آپ جامع ابیض میں رملہ لد کے پاس یہ نماز ادا فرماتے تھے۔ اسی طرح سیدی علی لخواص تھے۔ آپ ہمیشہ جامع مذکور میں نماز ظہر ادا فرمایا کرتے۔ اور میں نے شیخ بدر الدین لمنشادی رحمۃ اللہ علیہ کو انہیں فرماتے ہوئے سنا: یا شیخ! نماز ظہر آپ پر فرض ہے۔ شیخ خاموش رہے۔ اور مجھے شیخ یوسف کردی نے خبر دی ہے کہ آپ نے کئی بار سیدی ابراہیم کے ساتھ نماز ظہر جامع ابیض میں ادا کی۔ فرمایا اور میں نے اُسے دیکھا جو اس میں امامت کراتا۔ ایک بے ریش (یعنی ابھی ریش اگی نہیں تھی گر یہ باصلاحیت اور شرعاً امامت کا اہل تھا۔ اسی لئے یہ اکابر اس کے پیچھے نماز ادا کرتے تھے۔ ورنہ حد شرعی سے کم کترانے یا منڈانے والا تو امامت کا اہل نہیں ہے۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ) کمزور جسم، زرد رنگ۔ گویا اس کا رنگ زعفرانی ہے۔ انتہی۔

امام شعرانی فرماتے ہیں: میں خود سیدی عبدالقادر الدشطوطی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس نماز ظہر کے وقت حاضر ہوا۔ جب آپ نے اذان سنی تو لیٹ گئے اور فرمایا: مجھے چادر اوڑھا دو۔ پس آپ پر چادر ڈال دی۔ چنانچہ اس چادر کے نیچے ہم نے کسی کو نہ پایا۔ پھر آپ تقریباً پندرہ منٹ کے بعد آ گئے اور سید علی الخواص رحمۃ اللہ اذان ظہر کے بعد گھنٹہ بھر اپنی دکان کا دروازہ بند کر لیتے پھر اسے کھول لیتے۔ ایک دفعہ لوگوں نے آپ کا دروازہ کھولا تو آپ کو موجود نہ پایا۔ حاصل گفتگو یہ ہے کہ ارباب احوال کے متعلق تسلیم کر لینا چاہیے۔ رہے عارفین کہ جن کی لوگ اقتداء کرتے ہیں ان پر واجب ہے کہ اپنے ظاہر کی حفاظت کریں ورنہ ان کے ذریعے لوگوں کو نفع نہیں پہنچے گا۔ پس معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسل علیہم السلام کی زبانوں پر کبھی کوئی چیز حرام قرار نہیں دیتا یا اسے واجب نہیں کرتا کہ پھر اسے اولیاء میں سے کسی کیلئے مباح قرار دے دے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی شرع ظاہر کی رعایت فرمائی ہے اور اسے تمام لوگوں کی مراد قرار دیا ہے۔ پس شریعت کو منسوخ نہیں کرتا مگر وہ رسول جو کہ بعد میں تشریف لائے۔ جبکہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آخر رسول ہیں اور ہماری شرع کا کوئی ناسخ نہیں۔

کشف اور معصیت

اور شیخ محی الدین ذکر فرماتے ہیں کہ کسی ولی کیلئے کبھی بھی جائز نہیں کہ کسی معصیت کے ارتکاب میں جلدی کرے جس کے متعلق بطریق کشف اسے اطلاع ہوئی کہ وہ اس کی تقدیر میں لکھی ہے۔ جیسے کہ اس کیلئے جائز نہیں جسے کشف ہوا کہ وہ رمضان کے فلاں دن بیمار ہوگا کہ وہ اس دن روزہ نہ رکھنے میں جلدی کرے بلکہ اس پر واجب ہے کہ صبر کرے حتیٰ کہ مرض میں مبتلا ہو جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کیلئے روزہ نہ رکھنا مشروع نہیں فرمایا مگر بیماری یا اس جیسے دیگر عذروں کی وجہ سے۔ شیخ نے فرمایا: یہی ہمارا اور محقق اہل اللہ عزوجل کا مذہب ہے۔

کشف اور عدم مواخذہ

اگر کہا جائے کہ جب ولی اس پر مطلع ہو کہ اللہ تعالیٰ اسے اس گناہ پر مواخذہ نہیں فرمائے گا تو کیا اسے اس کا ارتکاب کر سکتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ اسے جائز نہیں۔ مزید برآں عدم مواخذہ کی اطلاع اصلاً واقع نہیں ہوتی گرچہ عقلاً جائز ہو۔ اسے شیخ نے فتوحات کے باب اسرار الصوم میں ذکر کیا ہے۔ اور یہ جو ہم نے ذکر کیا ہے کہ تمام مکلفین میں اسم معصیت باقی رہتا ہے۔ اس کی تائید اہل بدر کے واقعہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کرتا ہے **وما یدریك ان اللہ تعالیٰ اطلع علی اهل بدر فقال**

افعلوا ما شئتم فقد غفرت لکم ۔یعنی تو کیا جانے ۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے اہل بدر پر توجہ رحمت فرما کر انہیں فرمایا کہ جو چاہو کرو میں نے تمہاری بخشش فرمادی ۔ پس اللہ تعالیٰ یہ نہیں فرمایا کہ میں نے ہر شے تمہارے لئے مباح کر دی ہے ۔ وہ تو یہ فرمایا کہ تمہاری بخشش فرما دی ہے ۔ یعنی اس ذنب کی ۔ پس اسے اس کی تحریم پر باقی رکھا جبکہ مغفرت تو ذنب پر واقع ہوتی ہے ۔ اسے سمجھ لے (اقول وباللہ التوفیق ۔ تمام مکلفین پر معصیت کے اسم کا باقی رہنا اور یہ کہ مغفرت صرف ذنب پر واقع ہوتی ہے یہ انبیاء ورسل علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات سے ہٹ کر ہے ۔ یہ نفوس قدسیہ اس دستور میں داخل نہیں ہیں کیونکہ معصوم ہیں ۔ یہی مراد مولف ہے جیسا کہ اسی تالیف کی جلد ثانی کی پہلی بحث جو کہ ترتیب کے اعتبار سے ۳۱ ویں بحث کا ہے کا عنوان ہی عصمت الانبیاء علیہم السلام ہے ۔ اس مسئلہ کے صحیح تعارف کیلئے اس کا مطالعہ کریں تا کہ غلط فہمی کی بنا پر ایمان ہی ضائع نہ ہو جائے ۔ پناہ خدا ۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ، ولوالدیہ)

اسقاط تکلیف

اور شیخ ابوالقاسم الجنید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قوم کے متعلق سوال کیا گیا جو کہ تکالیف شرعیہ کے اسقاط (یعنی بعض کے ان سے مستثنیٰ قرار دیئے جانے) کا قول کرتے ہیں اور وہ گمان کرتے ہیں کہ تکالیف تو اصل ہونے کا وسیلہ تھیں ۔ جبکہ ہم واصل ہو چکے ۔ تو آپ نے فرمایا کہ وہ واصل ہونے میں سچے ہیں لیکن واصل جہنم ہونے میں ۔ اور جو چوری اور بدکاری کرتا ہے وہ ایسا عقیدہ رکھنے والوں سے بہتر ہے ۔ میں اگر ہزار برس تک رہوں تو عذر شرعی کے بغیر اپنے اوراد ترک نہ کروں ۔ انتہی ۔

اور شیخ ۲۷۲ ویں باب میں فرماتے ہیں کہ تکلیف کے ساتھ روح کے خطاب کا پہلا درجہ تمیز کے وقت سے لے کر اس وقت تک ہے جب بلوغ کو پہنچے ۔ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے نابالغی کے زمانے میں بچے کے فعل کا اعتبار کیا ہے ۔ پس اگر وہ کسی کو قتل کر دے تو اس پر حد قائم نہیں کی جائے گی بلکہ اسے قید کیا جائے گا یہاں تک کہ بالغ ہو جائے اور اب اسے اس قتل کی وجہ سے قتل کیا جائے گا جس کا اس نے بچپنے میں ارتکاب کیا ۔ مگر یہ کہ خون کا وارث معاف کر دے ۔ پس اللہ تعالیٰ نے اسے اس فعل کی وجہ سے پکڑا جو کہ اس نے اپنے زمانہ تکلیف (بلوغ) میں نہیں کیا ۔ اور اس میں طویل کلام فرمایا ۔

پھر فرماتے ہیں کہ وعید اس حیثیت سے نافذ کرنا کہ اس کا خواص کے بغیر کسی کو شعور نہیں اس کی حکمت تکلیف کا وجود ہے اور یہ عذاب کا آغاز ہے ۔ پس اسی کی وجہ سے مکلف کے نفس کے ساتھ خوف قائم ہوتا ہے ۔ پس اسے حسی اور دردناک عذاب دیا گیا ہے اور یہ ان افعال کی سزا ہے جو کہ اس سے اس زمانے میں جاری ہوئے جس میں یہ مکلف نہ تھا جو کہ بچوں کے درمیان ایذا رسانی، گالی گلوچ اور تعدی کے طریقے سے مار پٹائی کی صورت میں طاری ہوتے ہیں ۔ اور ہر اچھا کام جو کہ بچہ کرتا ہے اس کیلئے لکھا جاتا ہے حتی کہ حج بھی ۔ اور اس کے وارث کیلئے جس نے اسے حج کرایا ہے اس کی مدد کرنے کا اجر ہے جس کے کرنے پر بچہ قدرت نہیں رکھتا ۔ انتہی ۔ اور اللہ تعالیٰ کے اسم المرید کی بحث میں نفیس نکات پہلے گذر چکے ہیں جو کہ بچے کی تکلیف اور بری کے بارے میں وعید نافذ کرنے کے متعلق ہیں ۔ پس اس کی طرف رجوع کر ۔

اور فتوحات میں صلوٰۃ تطوع پر کلام کرتے ہوئے شیخ نے فرمایا ہے: میں جس امر کا قائل ہوں وہ یہ ہے کہ جس پر حال غالب ہو ۔ یا وہ مجنون ہو، یا بچہ ہو وہ شارع کے خطاب کے ماتحت ہے بخلاف بعض کے اور یہ اس لئے کہ مکلف میں ۔ وہاں کوئی حال ہے نہ کوئی صفت جو اسے پورے طور پر حکم شارع سے نکال باہر کرے ۔ کیونکہ شارع نے بچے اور مجنون کیلئے اس چیز میں تصرف مباح قرار دیا ہے جو کہ ان کے

غیر پر ممنوع ہے۔ جبکہ ان دونوں پر کوئی حرج نہیں پس یہ کیونکہ کہا جا سکتا ہے کہ ان دونوں سے حکم شرع زائل ہو گیا جبکہ ان کیلئے اباحت کا حکم دیا گیا ہے۔اور یہ حکم شرعیٔ ہے۔ پس اس وضاحت کے مطابق حکم شرع سے باہر نہیں ہوا اور احکام شرع احوال پر مبنی ہیں نہ کہ ایمان پر۔ انتہی۔

بہالیل اور مجاذیب کا حکم

اگر تو کہے کہ پھر مسلوب العقل لوگوں اور مجذوبوں کا کیا حکم ہے؟ تو اس کا جواب شیخ نے ۲۲۶ باب میں یہ دیا ہے کہ جس کی عقل سلب ہو گئی جیسے مسخرے۔ پاگل اور مجاذیب ان۔ سے آداب میں سے کسی ادب کا مطالبہ نہیں کیا جاتا۔ بخلاف ثابت العقل کے کیونکہ اس کیلئے ادب کی پابندی لازم ہے۔اور فرق یہ ہے کہ ان لوگوں میں سے جس کی عقل سلب ہو گئی اس کا حکم اللہ تعالیٰ کے ہاں اس شخص کا ہے جو کہ حالت شہود اور وصف استقامت کی حالت میں مر گیا۔ کیونکہ اس کی عقل کا جانا تو ایک امر کی وجہ سے ہے جو کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے طاری ہوا اور وہ اسے برداشت نہ کر سکا۔ پس جانیوالوں کے ساتھ اس کی عقل چلی گئی اور اس کا حکم حیوان کے حکم کی طرح ہو گیا ہے۔ جو کچھ حکم حیوان طلب کرتا ہے وہ سب کچھ پاتا ہے۔اس کی طبیعت کا حکم جو طلب کرتا ہے جیسے کھانا، پینا، نکاح اور کلام وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سے کسی مواخذہ اور مطالبہ کے بغیر حاصل کرتا ہے باوجودیکہ کہ اس کو کشف ہوتا ہے اور وہ اس پر باقی رہتا ہے۔ جیسا کہ حیوان کو چارپائیوں پر اور قبر میں پڑی میت کا کشف ہوتا ہے۔

مجذوب کی وجہ تسمیہ

اگر تو کہے کہ مجذوب کو مجذوب کیوں کہا جاتا ہے؟ اس کا جواب وہ ہے جو کہ شیخ نے فتوحات کے ۲۱۶ ویں باب میں دیا ہے کہ اسے مجذوب اس لئے کہا جاتا ہے کہ حق تعالیٰ نے اسے کھینچ لیا ہے اور اسے اپنی رحمت کے ساتھ تھام لیا ہے۔ گر اپنے حال کے ساتھ اس کا تب متعلق نہ ہوتا تو حق تعالیٰ اسے نہ کھینچتا۔ پس اس کشف کا سبب اس کا اپنے طبعی احوال کے ساتھ قلبی اطور پر متعلق ہونا ہے۔اور اگر سخت کشش نہ ہوتی تو وہ اس لذت کو ترک نہ کرتا جس میں وہ تھا۔ لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ ان نے اسے زیادہ شیریں اور لذیذ کیفیت کی طرف منتقل فرمایا۔ کیونکہ مجذوبوں کے احوال کی لذت میں کوئی لذت برابری نہیں کرتی کیونکہ یہ مادہ محسوسہ کے غیر میں لذت معنویہ ہوتی ہے۔ پس یہ شہد کی حلاوت کے مشابہہ ہے نہ جماع کی حلاوت کے بلکہ اس سے اعلیٰ اور ارفع ہے۔

اگر تو کہے کہ کیا یہ لذت مجذوب کے ساتھ اس کی موت تک رہتی ہے یا زائل ہو جاتی ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ لذت ایک زمانے تک اس کے ساتھ رہتی ہے پھر وہ اسے گم پاتا ہے۔ شیخ محی الدین نے فرمایا ہے: ہر جذب جو اپنے صاحب کو ایسا علم عطا نہ کرے جو کہ جذب سے پہلے اس کے پاس نہ تھا تو وہ جذب نہیں اور نہ وہ حلاوت کشائش کی حلاوت ہے۔

مجنون اور مجذوب میں فرق اور مجذوبوں کی تین اقسام

اگر تو کہے کہ مجذوبوں اور مجنونوں میں فرق ہے؟ تو اس کا جواب شیخ نے ۴۴ ویں باب میں یہ دیا ہے کہ ان دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ مجنونوں کے جنون کا سبب غذاء یا بھوک یا گھبراہٹ وغیرہ امر کونی کی وجہ سے مزاج کا فساد ہے۔ رہے مجذوب تو ان کی عقل کے چلے جانے کی وجہ تجلی الٰہی ہے جو ان کے پاس اچانک آئی پس ان کی عقلیں لے گئیں۔ پس ان کی عقلیں حق تعالیٰ کے ہاں مستور ہیں اس کے

شہود کی بدولت ناز ونعمت سے مستفید۔اس کی بارگاہ میں معتکف۔اس کے جمال میں محو سیاحت ہیں۔پس یہ لوگ بلاعقول،عقول والے ہیں۔انہیں عقلاء المجانین کا نام دیا جاتا ہے یعنی اپنی عقول کی تدبیر سے مستور۔شیخ فرماتے ہیں کہ مجذوب تین قسموں پر ہیں۔پہلی قسم۔وہ جس کا وارد اس قوت سے ہوتا ہے جس پر وہ فی نفسہ ہوتا ہے۔پس وارد اس پر حکم چلاتا ہے پس اس پر حال پر غالب ہوتا ہے تو اس کی حاکیت اسے حال سے پھیر دیتی ہے۔اور فی نفسہ اس کی اپنی تدبیر نہیں ہوتی۔اور ابوعقال المغرب اسی مقام والے تھے۔دوسری قسم۔وہ جس پر اس کی عقل دربار خداوندی میں رد کی جاتی ہے۔اور اس پر اس کے حواس کی عقل باقی رہتی ہے پس وہ تدبیر اور رویت کے بغیر کھاتا پیتا اور تصرف کرتا ہے اور تمام حیوانات کی طرح عیش طبعی حاصل کرتا ہے۔

تیسری قسم۔وہ جس کیلئے اس وارد کا حکم دائمی نہیں ہوتا بلکہ اس سے حال زائل ہو گیا اور وہ اپنی عقل کے ساتھ اپنے نفس کی طرف لوٹ آیا۔پس وہ اپنے امر کی تدبیر کرتا ہے۔جو کہتا ہے یا اسے کہا جاتا ہے اسے سمجھتا ہے اور ہر انسان کی طرح غور وتدبیر کیساتھ تصرف کرتا ہے۔اور یہ وہ ہے جو اولیاء میں سے کامل ہے۔اور یہاں طویل گفتگو کی۔

جذب الی الحق میں اکبر واعلیٰ

پھر فرماتے ہیں: جان لے کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی بارگاہ کی طرف کشش فرمائی ان میں سب سے بلند مرتبہ رسل علیہم السلام ہیں۔اور اگر اللہ تعالیٰ نے انہیں تبلیغ رسالت اور اصلاح امت کی ذمہ داری سونپی نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ کے جلال وعظمت کے عظیم مشاہدہ کی وجہ سے ان کی عقول چلی جاتیں۔**فلما تجلی ربه للجبل جعله دکا و خر موسیٰ صعقا** ۔(الاعراف آیت ۱۴۳ تو جب ان کے رب نے پہاڑ پر تجلی ڈالی تو اسے پاش پاش کر دیا اور موسیٰ بیہوش ہو کر گر پڑے)اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آتی اور اس کے ساتھ روح الامین آپ کے قلب مقدس پر نازل ہوئے تو آپ کو اپنی حس سے محو کر دیا جاتا۔اور آپ چادر سے ڈھانپ دیا جاتا اور اونٹ کی آواز کی طرح آواز آتی۔یہاں تک کہ آپ سے یہ کیفیت جدا ہوتی تو فرشتے کا لایا ہوا کلام آپ کو یاد ہوتا۔پس اسے حاضرین پر پیش کرتے اور سامعین کیلئے اس کی تبلیغ فرماتے۔اور یہ معلوم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مواجید جو کہ آپ کے رب کی تجلیات سے آپ کے قلب پر اس وقت وارد ہوتے جس میں آپ کے پروردگار کے بغیر کسی کی گنجائش نہیں ہوتی تھی۔ان کا دبدبہ یقیناً فرشتے کے نزول اور وارد سے زیادہ عظیم ہوتا۔پس اسی لئے آپ کو اپنے آپ سے محو کر دیا جاتا باوجودیکہ آپ اس کیفیت ہول کی تکیہ گاہ ہوتے۔پس معلوم ہوا کہ اگر رسل علیہم السلام سے مخلوق کی ہدایت اور ان کے جہاد کا مطالبہ نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ ان کی عقول ان کی طرف نہ لوٹاتا۔پس اسی لئے انہیں پختگی عطا فرمائی تاکہ ان ذمہ داریوں کے ساتھ قائم رہیں جو انہیں سونپی گئی ہیں۔بخلاف مجذوبوں کے۔بیشک وہاں ان کے بجائے عارفین موجود ہیں جو کہ ہر دور میں مخلوق کی ہدایت کیلئے قائم ہیں۔پس سمجھ لے۔

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ وہاں کوئی وارد نہیں ہے جو کہ خواص میں سے کسی کے قلب پر وارد ہو۔اور اس میں بعض اہل طریقت نے غلطی کی ہے جب انہوں نے ولی اور نبی کے درمیان فرق پر گفتگو کی اور کہا: نبی اپنے آپ سے احوال پھیر دیتا ہے اور ولی کو احوال پھیر دیتے ہیں۔پس انہوں نے انبیاء کو ان کے احوال کا مالک قرار دیا جبکہ اولیاء کو ان کے احوال کے تحت مملوک قرار دیا۔جبکہ حق وہ ہے جو ہم نے ذکر کیا کہ رسل علیہم السلام کو واردات حق تعالیٰ کے وقت ان کے احساس سے محو کر دیا جاتا ہے بخلاف صاحب حال ولی کے پس وہ اپنا

سارا زمانہ اس حال میں رہتا ہے کہ اسے بھوک محسوس ہوتی ہے نہ پیاس۔ گرمی نہ سردی۔ بلکہ کبھی اس کی ساری عمر ایک لمحہ کی چمک کی طرح گزر جاتی ہے۔

اور جان لے کہ جذب مجذوب کے ایام میں اس کا حال اس حالت کے مطابق ہوتا ہے جس پر کہ حق تعالیٰ نے کشش فرمائی۔ اگر اسے حال قبض میں جذب لاحق ہوا تو اس کی ساری عمر قبض ہے۔ اور اگر حال بسط کی صورت میں جذب لاحق ہوا تو اس کی عمر ساری کی ساری بسط ہے۔ ہنسی ہے یا تبسم۔ اگر دنیوی کلام کی حالت میں اسے جذب ہوا تو اسی طرح یا اخروی گفتگو کی حالت میں تو وہی کیفیت۔ حتیٰ کہ میں نے بعض قاضیوں دیکھا کہ مجذوب ہوا تو میں ہمیشہ اسے یہی کہتے دیکھا۔ حق نہ استحقاق، کوئی دعویٰ نہ مطالبہ۔ اور بعض نحویوں کو جذب دیکھا تو میں ہمیشہ اسے یہی کہتے دیکھا ''باب النعت، النعت تابع للمنعوت فی نصبہ وخفضہ۔ یعنی صفت اپنے موصوف کے تابع ہوتی ہے نصب اور جر میں۔ پس اس بحث میں غور کر۔ تو مجموعی طور پر اسے کسی کتاب میں نہیں پائے گا اور اللہ تعالیٰ تیری ہدایت کا وارث ہو۔

ستائیسویں بحث

افعال حق عین حکمت ہیں نہ کہ بالحکمۃ

یہ بحث اس مسئلہ کے بیان میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال سب کے سب عین حکمت ہیں۔ یہ نہ کہا جائے کہ وہ بالحکمۃ ہیں تا کہ حکمت اسے واجب کرنیوالی نہ ہو۔ پس یوں اللہ تعالیٰ محکوم علیہ قرار پائے گا۔ اور یہ صحیح نہیں ہے کہ اس پر حکم نافذ کیا جائے۔ کیونکہ حق تعالیٰ احکم الحاکمین ہے۔ پس معلوم ہوا کہ افعال حق کی حکمت کے ساتھ علت بیان نہیں کرنی چاہیے۔ اور شیخ محی الدین ۳۶۸ ویں باب میں اللہ تعالیٰ کے قول **وما خلقنا السموات والارض وما بینھما الا بالحق** (الحجر آیت ۸۵ اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے پیدا نہیں فرمایا مگر حق کے ساتھ) کے متعلق فرمایا ہے کہ بالحق میں با بمعنی لام ہے یعنی للحق۔ نیز فرمایا کہ **وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون** (الذاریات آیت ۵۶) اور میں نے جن وانس کو پیدا نہیں فرمایا مگر اس لئے کہ وہ میری عبادت کریں) میں عین لام ہی ذکر فرمایا۔ بیشک اللہ تعالیٰ غالب طور پر کسی چیز کو کسی چیز کے ساتھ پیدا نہیں فرماتا۔ وہ تو شے کو کسی شے کے پاس پیدا فرماتا ہے۔ نیز معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ جب خبر دے کہ اس نے شے کو بالشی پیدا فرمایا تو یہ لام، لام حکمت ہے۔ پس اس کی خلق کا عین اس کی حکمت کا عین ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق کو معلل بالحکمۃ بیان نہیں کیا جا سکتا۔ پس یوں وہ اس کی وجہ سے معلول ہوگا۔ انتہی۔ نیز پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ اگر نعمت عطا فرمائے تو بہت بہتر۔ پس یہ اس کا فضل ہے۔ اور اگر آزمائش میں ڈالے پس عذاب دے تو یہ اس کا عدل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عالم کو دو قبضوں میں نکالا۔ اور ان کیلئے دو مرتبے ایجاد فرمائے۔ اور فرمایا: یہ جنت کیلئے ہیں اور مجھے کوئی پرواہ نہیں اور یہ جہنم کیلئے ہیں اور مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ اور وہاں اس پر کسی معترض نے اعتراض نہ کیا کیونکہ وہاں کوئی موجود نہ تھا اس کے سوا۔

لاابالی کا معنی

اور اگر کہا جائے کہ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا کیا معنی ہے: لا ابالی۔ تو اس کا جواب شیخ نے ۳۶۴ ویں باب میں یہ دیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے میری رحمت اہل جنت کے حق میں میرے غضب سے پہلے ہے اور میرا یہ کلمہ برحق ہے **لا ملان جھنم من الجنۃ**

والناس اجمعین ﴿السجدہ آیت ۱۳۔ میں تمام سرکش جنوں اور نافرمان انسانوں سے جہنم ضرور بھر دوں گا﴾۔ اور یہ صحیح ہے کہ مشرکین کے حق میں بھی عدم سے ایجاد کی رحمت کی حیثیت سے رحمت پہلے ہو۔ کیونکہ یہ ایام تکلیف میں ان کی معصیتوں کی وجہ سے ان پر واقع ہونے والے غضب کے ظہور سے بہر حال پہلے ہی ہے۔ پس اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فریقین کے بارے میں بے پرواہی کا اظہار فرمایا۔ اور جان لے اسم ''الرب'' اہل جنت کے ساتھ ہے۔ کیونکہ وہ انس و جمال اور تنزل الٰہی کا جو کہ لطیف ہے کا گھر ہے اور اسم ''الجبار'' اہل جہنم کے ساتھ ہے کیونکہ وہ جلال و جبروت اور قہر کا مقام ہے۔ پس یہ دونوں اسم ہمیشہ ہمیشہ کیلئے دونوں مقامات والوں کے ساتھ ہے۔

اگر تو کہے: کیا حق تعالیٰ جہنمیوں کیلئے تجلی نہیں فرماتا مگر محض جلال کیساتھ یا ملے جلے جلال کے ساتھ جیسے کہ دار دنیا میں ہے۔ تو جواب یہ ہے جہنمیوں کیلئے صرف اور صرف جلال کے ساتھ تجلی فرماتا ہے کہ وہاں رحمت مفقود ہے۔ بخلاف دنیا کے کہ یہاں جمال ملے جلال کے ساتھ تجلی فرماتا ہے حتیٰ کہ مخلوق اسے برداشت کر لے۔

اگر تو کہے کہ جب تو جہنمیوں کے ساتھ بے پرواہی سے مراد وہ نہیں جو کہ ان کے امر کے عدم اہتمام کی صورت میں سمجھ میں آتا ہے تو جواب یہ ہے کہ یہ اسی طرح ہے۔ اس کے فہم کے خلاف جسے حقائق کی کوئی معرفت نہیں ہے۔ کیونکہ اگر ان کے امر کی پرواہ نہ ہوتی تو انہیں جرائم کی وجہ سے مواخذہ نہ فرماتا۔ اور اللہ تعالیٰ اپنی ذات کو ان پر وصف سرمدی کے ساتھ موصوف نہ فرماتا۔ نہ ہی اس کی سخت پکڑ ان پر نازل ہوتی۔ نہ ہی اس کی رحمت ان پر حرام قرار دی جاتی اور یہ سب کچھ ان کی پرواہ اور ان کے امر کے اہتمام کی بنا پر ہے۔ اگر پرواہ نہ ہوتی تو یہ حکم نہ ہوتا۔ پس امور اور احکام کے مواقع ہوتے ہیں جب ان کے اہل انہیں پہچان لیں تو وہ ہر حکم کے ساتھ اس کے موقعہ سے آگے نہیں گذرتے۔

اگر تو کہے کہ جب اس کی رحمت اس کے غضب سے پہلے ہے تو امام ابوالقاسم بن قسی کے اس قول کا معنی کیا ہے کہ اس کا عدل اس کے فضل میں فیصلہ نہیں کرتا نہ ہی اس کا فضل اس کے عدل میں فیصلہ کرتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ دونوں اوصاف میں سے ہر ایک دوسرے کے فیصلے کا محل نہیں ہے جیسے کہ اسے حقائق عطا کرتے ہیں۔ لیکن ہمیں اللہ تعالیٰ سے اس بات کا علم ہے کہ وہ اپنے بندوں کے ایک گروہ پر جنہوں نے شرور کا ارتکاب کیا بخشش کے ساتھ فضل فرماتا ہے اور ان پر میزان عدل قائم نہیں فرماتا اور انہیں عدل کی بنا پر مواخذہ نہیں فرماتا۔ ان میں صرف اپنے فضل کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے۔ اور اس کے متعلق یہ نہ کہا جائے کہ اس کے فضل نے اس کے عدل میں فیصلہ کیا ہے کیونکہ صفت کے حکم کا محل تو اس میں ہے جس پر فضل ہوا ہے یا اس سے جس سے عدل پھیرا گیا۔ پس اس پر ابن قسی کے کلام کی تاویل واجب ہے کیونکہ یہی ان کے مقام کے شایان ہے کیونکہ آپ راسخین میں سے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اٹھائیسویں بحث

لا رازق الا اللہ تعالیٰ

یہ بحث اس بیان میں ہے کہ کوئی رازق نہیں مگر اللہ تعالیٰ۔ بخلاف معتزلہ کے کہ ان کا قول ہے کہ جسے رزق مشقت سے حاصل ہو تو وہ خود رازق ہے۔ اور جسے بغیر مشقت کے ملا پس اللہ تعالیٰ ہی اسے رزق دینے والا ہے۔ اور انہوں نے اس حدیث سے حجت پکڑی ''پس کتنے ایسے ہیں جنہیں کوئی کھلانے والا نہ ان کا ٹھکانہ'' اور اس میں ان کیلئے کوئی دلیل نہیں۔ کیونکہ اس سے مراد تو رزق آسان نہ کرنا ہے نہ

کہ مطلقا رزق روکنا۔ یہ اس باب سے ہے یا دنیا من خدمنی فاخدمیه ومن خدمك فاستخدمیه ۔اے دنیا جو میری خدمت کرے تو اس کی خدمت کر اور جو تیری خدمت کرے تو اسے خادم بنا لے۔ اہل سنت کہتے ہیں: بندے کا رزق وہ ہے جس کے ساتھ غذا وغیرہ حاصل کرنے میں نفع لیا جائے گرچہ حرام ہو جیسے غصب یا چوری وغیرہ۔ جبکہ معتزلہ کہتے ہیں کہ حرام چیز رزق نہیں ہے۔ انہوں نے رزق کو ملک پر محمول کیا ہے۔ اور اس کا جواب یہ ہے اس پر محمول کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے کیونکہ ایسے مویشی بھی ہیں جو کسی کی ملک نہیں ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ ان کا رازق ہے۔ اور ان کے نزدیک بندہ بیشک اس پر قدرت رکھتا ہے کہ اپنے غیر کا رزق کھائے اور ان کے نزدیک یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا رزق صرف اور صرف حلال ہی ہوتا ہے کیونکہ آخر یہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہے۔ اور جو چیز اس کی طرف اس حیثیت سے منسوب ہو کہ اس کے ساتھ اس کے بندے نفع لیتے ہیں صحیح نہیں ہے کہ حرام ہو جس پر انہیں سزا دی جائے۔

جبکہ اہل سنت کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نسبت سے کوئی قباحت نہیں۔ پس اللہ تعالیٰ جو ارادہ فرماتا ہے کرتا ہے۔ اور حرام پر ان کی سزا اس برائی کے ارتکاب کی وجہ سے ہے کہ انہوں نے اس کے اسباب اپنائے۔ اہل سنت کہتے ہیں کہ معتزلہ کو یہ بات لازم آتی ہے کہ اپنی ساری زندگی صرف حرام غذا کھانیوالے کو اللہ تعالیٰ نے اصلا رزق دیا ہی نہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے خلاف ہے وما من دابة فی الارض الا علی الله رزقها (ھود آیت ۶۔ زمین میں کوئی جاندار نہیں مگر اللہ کے ذمہ اس کا رزق ہے) اور اللہ تعالیٰ اسے کبھی ترک نہیں فرماتا جس کے متعلق اس نے ہمیں خبر دی ہے کہ یہ اس کی شان ہے گرچہ اس کی بارگاہ کے اطلاق کی وجہ سے اس پر کوئی چیز واجب نہیں۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پر بعض اشیاء واجب فرمائیں اور بعض اشیاء حرام جیسے اس حدیث میں انی حرمت الظلم علی نفسی ۔ بیشک میں نے ظلم کرنا اپنے اوپر حرام قرار دیا ہے۔ صرف اپنے بندوں کو انس دلانے کیلئے اور ان کی عقول کیلئے تنزل فرماتے ہوئے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے اخلاق کے ساتھ متخلق ہوں ورنہ پس حق یہ ہے کہ وہ سب کچھ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر انعام فرمایا اس کی طرف سے فضل اور رحمت ہے اور بندوں پر واجب کی تعریف میں داخل نہیں ہوتا۔

معتزلہ کے قول کا معنی اور توجیہہ

اور رزق کے متعلق معتزلہ کے گذشتہ قول کا مقصد یہ ہے کہ آخر کار یہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی بندے کیلئے رزق حاصل کرنے پر قدرت کا خالق ہے۔ ہمارا اور معتزلہ کا متفقہ موقف ہے اور وہ اس اعتبار سے ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہے۔ اسے شیخ کمال الدین بن ابی شریف نے ذکر کیا ہے۔

اور بعض نے کہا ہے کہ جو کچھ میرے لئے ظاہر ہوتا ہے یہ ہے کہ اسلامی فرقوں کی سب کی سب خطاء اضافی ہے مطلق نہیں۔ اور احتمال ہے کہ معتزلہ کے اکابر نے رزق حرام کی، اللہ تعالیٰ کی طرف اضافت کی نفی صرف اس نظریے سے کی ہو ما اصابك من حسنة فمن اللّٰه وما اصابك من سیئة فمن نفسك (النساء آیت ۷۹۔ اے سننے والے تجھے جو بھلائی پہنچے سو وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو تجھے تکلیف پہنچے سو وہ تیری اپنی طرف سے ہے) اور اس حوالے سے ہے کہ یہ نہ کہا جائے سبحان خالق الخنازیر (خنزیروں کا خالق پاک ہے) گرچہ اللہ تعالیٰ ان کا خالق ہے۔ پس معتزلہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بندے کے سب رزق کا خالق ہے۔ بلکہ یہود و نصاریٰ اور مجوس اس کا اعتقاد رکھتے ہیں چہ جائیکہ زمخشری جیسا مسلمان موحد۔ اور حدیث میں ہو الخیر کله فی یدیك والشر لیس

الیک یعنی خیر سب کی سب تیرے قبضہ میں ہے جبکہ شر تیری طرف نہیں۔ یعنی علی وجہ التشریف تیری طرف منسوب نہیں۔ اور خلق و تقسیم کے حکم کے ساتھ تیری طرف منسوب ہے۔ اسی توجیہہ پر یہ حدیث ہوتی ہے اللھم اغنی بحلالك عن حرامك ۔ اے میرے اللہ مجھے اپنے حلال کے ساتھ اپنے حرام سے غنی کردے۔ نیز فرمایا: علماء اکثر اپنے مابین اختلاف لازم المذہب کے ساتھ کھڑا کرتے ہیں۔ خاص کر مقلدین۔ جبکہ قول راجح کے مطابق لازم المذہب مذہب نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ معتزلہ اگر اپنے اس قول سے کہ حرام اللہ تعالیٰ کا رزق نہیں ادب لفظی مراد لیتے ہیں تو کوئی ڈر نہیں۔ اور اگر اس کے علاوہ مراد لیں تو بالاجماع خطا کرنیوالے ہیں۔

ومامن دابة فی الارض الا علی اللّٰہ رزقھا کا مفہوم شیخ اکبر کی نظر میں

اور شیخ محی الدین نے ۴۷۸ ویں باب میں وما من دابة فی الارض الا علی الله رزقها کے متعلق فرمایا ہے: جان لے کہ اللہ تعالیٰ ہر مخلوق کو اس کا وہ رزق پہنچاتا ہے جو اس کیلئے مقسوم ہے۔ اور یہ اس کے حضور اس کی ذلت کی وجہ سے ہے نہ عزت کی بنا پر۔ کیونکہ بیشک اللہ تعالیٰ نیکوکار اور فاجر، مکلّف اور غیر مکلّف سب کو رزق دیتا ہے۔ لیکن یہ امر بندے پر اس کی توجہ سے ہے کہ اسے حلال رزق دے جس میں کوئی شبہ نہ ہو اور اس کیلئے حرام اور شبہات کے درمیان سے رزق نکالے جیسے گوبر اور خون کے درمیان سے دودھ نکالتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے بقية الله خير لكم (ھود آیت ۸۶) (اللہ کے دیئے سے بچ رہے وہی بہتر ہے تمہارے لیے) اور بقیہ وہ ہے جس کا استعمال سب اشیاء میں سے حلال فرمایا جو کہ انہیں ان کے رب کی طاعت پر قوت دیتی ہیں۔ فرمایا: اور عبد کا رزق نہیں ہے مگر وہ جس کی وجہ سے اس کی پرورش قائم رہتی ہے اور اس کی قوت اور حیات باقی رہتی ہے نہ کہ وہ جو اس نے جمع اور ذخیرہ کیا۔ یہ کبھی اس کے غیر کیلئے ہوتا ہے جبکہ اس کا حساب اس کے جمع کرنیوالے پر۔ انتہی۔

اور آپ نے ۴۸۸ ویں باب میں بھی اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے متعلق فرمایا ورزق ربك خير والبقى (طٰہٰ آیت ۱۳۱۔ اور آپ کے رب کا رزق بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے) جان لے کہ تیرے رب کا رزق وہ عطا ہے جس پر تو اپنے وقت میں ہے۔ اور جو کچھ عطا نہیں فرمایا تو اگر وہ تیرے لئے ہے تو اس کا تجھ تک پہنچنا ضروری ہے۔ اور جو تیرے لئے نہیں ہے تو وہ کبھی بھی تجھ تک نہیں پہنچے گا۔ تو اپنے آپ کو مشقت میں نہ ڈال جو کہ طمع کا مقام نہیں۔ اور ہمارے اس قول سے ہماری مراد یہ ہے کہ اگر وہ تیرے لئے ہے تو اسے حد شرعی کے مطابق حاصل کرے گا۔ بیشک جو حرام کے طریقے سے حاصل کیا گیا اس کی اضافت از رہ ادب اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں کرنا چاہیے۔ اسے طبع کی طرف مضاف کرنا چاہیے جیسے کہ حضرت خلیل علیہ السلام نے مرض اپنی طرف مضاف فرمائی اس حیثیت سے کہ پسند نہیں اور شفاء اللہ تعالیٰ کی طرف کیونکہ یہ پسند ہے۔ جیسے کہ ایوب علیہ السلام نے کہا رب انی مسنی الضر (الانبیاء آیت ۸۳۔ اے میرے رب مجھے تکلیف پہنچی ہے)

اور آپ ۱۹۸ ویں باب میں بھی فرماتے ہیں کہ رزق جہاں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا گیا ہے تو اس سے مراد کسب کے حوالے سے حلال طیب ہے اور ہر وہ چیز جس کے ذریعے عبد کی زندگی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کا رزق ہے اور اس میں کوئی ممانعت نہیں ہے۔ اور اسی وجہ سے مجبور شرعی کیلئے حرام مباح قرار دیا گیا ہے۔ لیکن حرام کی اضافت ادباً اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں چاہیے۔ اور حدیث شریف میں جو وارد ہے اغننی بحلالك عن حرامك جو کہ پہلے گزر چکی یہ بیان جواز کیلئے ہے۔

خاتمہ محقق صوفیاء کے نزدیک کسب خلاف توکل نہیں

اس امر کے بیان میں کہ کسب کرنا توکل کے خلاف نہیں۔ اور اس میں اختلاف کھڑا کرنا نہیں چاہیئے کہ کوشش کرنا اس پر توکل سے افضل ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے رزق دو حالتوں پر کیا ہے۔ تو علم الٰہی میں جو پہلے گزر چکا وہ تیرے پاس سعی کے بغیر اٹھالایا جائے گا اس میں نہیں کہا جائے گا کہ کوشش کرنا افضل ہے۔ اور جو علم الٰہی میں گزر چکا کہ تیرے پاس کوشش کے ذریعے ہی آئے گا اس کے متعلق نہیں کہا جائے گا کہ کوشش ترک کرنا افضل ہے۔ کیونکہ رزق اپنے صاحب کی طلب میں گردش کرنے الا ہے۔ جبکہ مرزوق اپنے رزق کی طلب میں حیران ہے۔ اور ان میں سے ایک کے سکون کے ساتھ دوسرا حرکت کرتا ہے۔ لیکن یہ حال کشف کا محتاج ہے اور جسے کشف حاصل نہیں اسے کوشش کرنے اور اسے ترک کرنے میں اختیار دیا گیا ہے۔ جبکہ اکثر لوگ کہتے ہیں کہ ہر چیز کے متعلق ہم یہ احتمال دیکھتے ہیں کہ ہمارے لئے مقسوم ہو۔ پس تو نہیں دیکھتا ہے کہ اسے کھینچ رہے ہیں اور جو بھی اپنے صاحب پر غالب ہوا ظاہر ہوا کہ یہ اس کے لئے کوچے کی طرح ہے جس میں ناواقف آدمی ہوتا ہے۔ اگر دیکھے کہ آگے جاتا ہے تو اس سے باہر نکل گیا اور اگر اسے بند پاتا ہے تو لوٹ آتا ہے۔ پھر ہم نے جو پہلے تقریر کی ہے وہ صوفیہ کے محققین کا مذہب ہے۔

توکل کے متعلق متکلین کا مذہب

البتہ متکلمین کے مذہب پر ایک قوم نے توکل کو مطلقاً ترجیح دی ہے۔ جبکہ دوسروں نے مطلقاً کسب کو۔ ابن سبکی نے کہا ہے کہ مذہب مختار یہ ہے کہ یہ لوگوں کے اختلاف کی وجہ سے مختلف ہے۔ تو جو اپنے توکل میں رزق کی تنگی کے وقت ناخوشگواری سے پاک ہو اور اس کا نفس اس کی طرف للچاتا نہیں جو لوگوں کے پاس ہے تو اس کے حق میں توکل کو زیادہ ترجیح حاصل ہے۔ کیونکہ اس میں نفس کیلئے صبر و مجاہدہ ہے۔ اور جو اپنے توکل میں اس کے خلاف ہو جو ہم نے ذکر کیا تو اس کے حق میں کسب ناخوشگواری اور للچانے کے مقابلے میں زیادہ بہتر ہے اور حسن بصری رضی اللہ عنہ سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جو ارادہ کرتا ہے کہ پیشہ چھوڑ کر اپنے گھر میں بیٹھ جائے۔ باہر نہ نکلے اور کہتا ہے کہ میں متوکل علی اللہ ہوں۔ تو آپ نے فرمایا کہ اگر اس کا یقین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے یقین کی طرح ہے تو ایسا کرلے ورنہ اسے چاہیے کہ کام کاج کیلئے نکلے تاکہ وہ اپنے دین اور زہد کے ساتھ کھانے والا۔ اور ان کے ساتھ دنیا شکار کرنیوالا نہ ہو جائے۔

رزق اور قلب مومن کا اضطراب

اور شیخ محی الدین فتوحات کے باب الجنائز میں فرماتے ہیں: اپنے رزق کے بارے میں قلب مومن کا اضطراب اس کے اصل ایمان میں طعن کا موجب نہیں۔ صرف اس کے کمال میں عیب ہے۔ اور یہ اس لئے کہ یہ اضطراب اللہ تعالیٰ کے حق میں اس تہمت کی وجہ سے نہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے رزق نہیں دیتا۔ یہ تو صبر نہ ہونے اور نہ پانے کے رنج کے احساس کی بناپر اضطراب بشری ہے۔ کیونکہ عبد ایمان کی وجہ سے جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے رزق دیتا ہے۔ اور حیوان ہونے کی حیثیت سے اسے اس سے چارہ نہیں۔ لیکن اسے اللہ تعالیٰ نے جتلایا نہیں کہ اسے کب رزق دے گا۔ صرف یہ جتلایا ہے کہ وہ مرے گا نہیں جب تک کہ وہ اپنا رزق پورا حاصل نہ کرلے۔ پس وہ رزق لانے

والا سبب نہ پانے کے وقت یہ نہیں جانتا کہ کیا وہ پورا ہو چکا اور اس کی اجل آ گئی تو اس کی گھبراہٹ موت کی وجہ سے ہے یا اس کا رزق علم الٰہی میں ابھی پورا نہیں ہوا تو اس کا اضطراب سبب منقطع ہونے کی وجہ سے حصول رزق کے وقت سے اس کی ناواقفیت کی وجہ سے ہے۔ پس وہ متوقع بھوک کی تکلیف سے یا اگر بھوک واقع ہو چکی ہے تو اس کے دائمی ہونے سے ڈرتا ہے۔ پس یہ ہے اضطراب کا سبب۔ انتہی۔

اور میں نے سیدی علی الخواص رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ کبھی کوئی شخص توکل کا دعویٰ کرتا ہے۔ اور سرتوڑ کوشش بھی جاری رکھتا ہے اور اس پر اگر کوئی اسے ملامت کرے تو کہتا ہے کہ میری کوشش تو اپنے اہل وعیال کیلئے ہے نہ کہ اپنے لئے۔ تو ایسے کیلئے واجب ہے کہ اپنے نفس کا اس طرح امتحان لے کہ اپنے اہل وعیال کیلئے جو کچھ کماتا ہے ترتیب کے ساتھ سب کچھ تقسیم کردے اور اپنے لئے کچھ نہ رکھے پھر دیکھے۔ اگر اپنے نفس میں اضطراب کی مہک پاتا ہے تو جان لے وہ اللہ تعالیٰ پر متوکل نہیں۔ وہ تو جھوٹا مدعی ہے۔ پس بیشک صوفیا نے رزق کے سلسلے میں بھاگ دوڑ صرف اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کے طور پر کی ہے۔ حتیٰ کہ اسباب بے کار نہ ہو جائیں۔ تو ان کا قصد تعمیل ارشاد ہے نہ کہ اسباب پر اعتماد۔ انتہی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الوہیت اور اس کے ذیلی مسائل کی بحثیں ختم ہوئیں۔ اب ہم نبوت ورسالت کی بحثوں کا آغاز کر رہے ہیں۔ پس ہم کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہی توفیق ہے۔

انتیسویں بحث

معجزات رسل کے بیان میں

اور ان میں اور جادو۔ شعبدہ اور کہانت کے درمیان فرق کے بیان ہیں۔ جھوٹے کے ہاتھوں جیسے مسیح دجال معجزہ محال ہونے کے بیان میں متکلمین صوفیاء وغیرہم کی نقول کے ذکر میں۔ اور اس مسئلہ کی تحقیق میں کہ نبی کیلئے جو چیز معجزے کے طور پر ہوتی ہے وہ ولی کیلئے کرامت کے طور پر ہو سکتی ہے۔

ضرورت معجزہ

جان لے کہ حق تعالیٰ نے رسل علیہم السلام نہیں بھیجے مگر اس لئے کہ لوگوں کو اپنے رب کے اذن سے تاریکیوں سے روشنی کی طرف نکال لائیں۔ اور یہ اس لئے کہ کوئی رسول مبعوث نہیں کیا گیا مگر لوگوں کے اپنی عقول کی وجہ سے تنزیہہ اور تشبیہہ کے مابین حیرت اور تردد کے زمانے میں۔ تو ان پر اللہ تعالیٰ نے احسان فرمایا کہ ایک مرد حق آگاہ کو قائم فرمایا جس نے انہیں بتایا کہ وہ ان کی طرف اللہ تعالیٰ کے ہاں سے ایک پیغام لے کر آیا ہے جس کے ساتھ ان کی حیرت زائل کردے۔ پس انہوں نے قوت فکریہ کے ساتھ نظر کی تو دیکھا کہ یہ امر جائز ہے اور ممکن۔ پس انہوں نے اس کی تکذیب کا عزم نہ کیا۔ نہ ہی کوئی علامت دیکھی جو اس کی صداقت پر دلالت کرے۔ پس توقف کیا اور اس سے پوچھا کہ کیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی علامت لایا ہے جس کی وجہ سے تیرا اس امر میں سچا ہونا پہنچانا جا سکے کہ اس نے تجھے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ کیونکہ ہمارے اور تمہارے درمیان اس کے علاوہ کوئی فرق نہیں۔ پس رسول ان کے پاس معجزہ لایا تو ان میں سے کوئی ایمان لے آیا اور کسی نے کفر کیا۔

پس معلوم ہوا کہ ہر نبی کیلئے اسی قدر آیات ظاہر ہوئیں جن سے اس کی قوم پر حجت قائم ہو سکے۔ اور کچھ نہیں۔ کیونکہ تمام آیات تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں رسول ہونے کی بنا پر آپ کی امت کے ایمان والوں پر آسانی اور نرمی کرنے کیلئے اور کافر پر حجت کیلئے واضح ہوئیں۔ کیا تو دیکھتا نہیں کہ معراج کے واقعہ میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس رات کی صبح لوگون کی طرف باہر تشریف لائے اور واقعہ اسراء اور اپنے رب کی بارگاہ کی حاضری کا اپنے اصحاب کیلئے ذکر فرمایا تو کس طرح بعض لوگوں نے انکار کر دیا کیونکہ انہوں نے ظاہر میں اس کا کوئی اثر نہ دیکھا۔ شرعی ذمہ داری میں ایک حکم کا اضافہ ہوا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف دیکھ۔ جب آپ اپنے رب کے ہاں سے آئے اللہ تعالیٰ نے آپ کے چہرے پر نور پہنا دیا جس کی وجہ سے آپ کے دعویٰ کی صداقت پہنچانی جاتی تھی۔ پس آپ کو جس نے دیکھا اندھا ہو گیا۔ پس آپ کو دیکھنے والا اپنے چہرے پر وہ کپڑا پھیرتا جو آپ کے جسم شریف پر تھا پس اللہ تعالیٰ اس پر اس کی آنکھ کی روشنی لوٹا دیتا۔ یہ نور کی شدت کی وجہ سے تھا۔ اسی لئے آپ برقہ پہنتے تھے تاکہ آپ کی طرف دیکھنے والوں کو نقصان نہ پہنچے۔

ابو یعزی المغربی ولایت میں موسوی المقام تھے

اور شیخ محی الدین ۴۳۸ ویں باب میں فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ ابو یعزی المغربی (ولایت میں) موسوی المقام تھے اور یہ کرامت آپ کو حاصل تھی۔ آپ کو جو دیکھتا نابینا ہو جاتا۔ اور آپ کو دیکھ کر نابینا ہونیوالوں میں ہمارے شیخ ابو مدین تھے جبکہ آپ نے ان کی طرف رحلت کی۔ پس ابو مدین نے اپنے آنکھ پر ابو یعزی کا کپڑا لگایا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی بینائی لوٹا دی اور شیخ محی الدین نے فرمایا: یہ ابو یعزی میرے زمانے میں تھے لیکن مصروفیات کی وجہ سے آپ سے ملاقات نہ ہو سکی۔ اور ان کے علاوہ اولیاء محمد بین جو کہ ان سے حال، علم اور قرب الٰہی میں بڑے تھے انہیں ابو یعزی اور ان کے علاوہ کوئی اور نہیں پہچانتا۔ شیخ نے فرمایا: جس کی کرامت اللہ تعالیٰ نے اس کے قلب میں رکھی پس اس کے دونوں ہاتھ خیر سے بھر دیئے اور وہ ان میں سے ہو گیا جنہیں حق تعالیٰ نے صرف اپنے لئے بنایا۔ پس آنکھیں دنیا میں اسے پہچان نہ سکیں۔ اور جس کی کرامت اللہ تعالیٰ نے آفاق اور خرق عادات میں رکھی اور بوجہ ضرورت لوگوں میں مشہور ہوا۔ اور اس پر فتنہ کا خوف کیا گیا ہے۔ انتہی۔

معجزہ اور تحدی کی تعریف

پس تیرے لئے ظاہر ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے روشن معجزات کے ساتھ اپنے تمام رسل علیہم السلام کی تائید صرف اور صرف اس لئے فرمائی کہ ان کی قوم کا ان کے مطیع ہونے کیلئے بنیاد رکھی جائے۔ کیونکہ بشر کی عادت ہے کہ برہان کے ظاہر ہونے کے بغیر ایک شخص دوسرے کی طاعت نہیں کرتا۔ اور جمہور اصولیین نے معجزہ کی یہ تعریف کی ہے کہ یہ ایک خارق عادت (خلاف عادت) امر ہے جو کہ تحدی کے ساتھ ہوتا ہے اور جس کی طرف رسول بھیجا جائے ان سے اس کا مقابلہ اس وجہ سے نہ ہو سکتا ہو کہ ان کے مابین وہ خارق عادت ظاہر نہیں ہوتا جیسا کہ اس کا بیان بعد والی بحث میں آ رہا ہے۔

اور تحدی سے مراد دعوائے رسالت ہے اور ہم نے جو کہا ہے اس میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ تحدی کے ساتھ مقرون ہونا شرط بایں معنی نہیں کہ وہ مثل لایا جائے جو کہ تحدی کا حقیقی معنی ہے۔ مراد صرف یہ ہے اس کا دعویٰ رسالت ہی کافی ہے۔ پس ہر وہ شخص جسے کہا گیا کہ اگر تو رسول ہے تو ہمارے پاس معجزہ لا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس کے ہاتھ پر معجزہ ظاہر فرما دیا تو اس کا ظہور ہی اس کے سچے ہونے کی دلیل ہے۔

اسے تحدی کی تصریح کے مقام پر قرار دیا جاتا ہے۔

شیخ کمال الدین ابن ابی شریف نے فرمایا ہے کہ اصل تحدی یہ ہے کہ وہ حدا کا باب تفعل ہے یعنی تکلفاً ایسی سریلی آواز نکالنا جس میں ایسی آواز نکالنے والا دوسرے شخص سے امتیاز حاصل کرلے۔ انتہی۔ اور ہمارے مقرون بالتحدی کہنے سے وہ خارق عادت نکل گیا جو تحدی سے پہلے ہے اور یہ اس فعل کو شامل ہوتا ہے جو نبی سے اعلان نبوت سے پہلے پایا جائے اور اسے علماء اصول دین ارہاص کہتے ہیں۔ یعنی نبوت کی بنیاد رکھنا۔ کہا جاتا ہے ارھصت الجدار۔ میں نے دیوار کی بنیاد رکھی۔ اور خارق عادت کے ساتھ غیر خارق نکل گیا جیسے ہر روز سورج کا طلوع ہونا۔ اسی طرح خارق عادت بغیر تحدی بھی نکل گیا جیسے اولیاء اللہ کی کرامات۔ اور وہ بھی نکل گیا جو اس سے متاخر ہے اس کی وجہ سے جو اسے مقارنت عرفیہ سے نکال دے اور جن کی طرف بھیجا گیا ان کا جادو اور شعبدہ بھی نکل گیا۔ کیونکہ اس کیساتھ کوئی معارضہ نہیں۔ پس معلوم ہوا کہ خارق عادت سے ان کی مراد یہ ہے کہ عادت کے خلاف ظاہر ہو جیسے مردہ زندہ کرنا۔ پہاڑ ناپید کرنا، انگلیوں کے درمیان سے پانی جاری ہونا۔ وغیرہ۔

دجال کے دعویٰ الوھیت اور خارق عادت کی حقیقت

اگر تو کہے کہ اس کے بارے میں کیا کہا جائے گا جو کہ مسیح دجال کے ہاتھوں ظاہر ہوگا جیسے اس کا دعویٰ الوہیت، مردے زندہ کرنا، آسمان کی طرف سے بارش اتارنا وغیرہ۔ اور اسے اس کا اپنے دعویٰ الوہیت پر دلیل قرار دینا۔ اس میں بہت اشکال ہے اور یہ علماء اصول کی علم نبوت کے بارے میں تقریر پر بہت بڑا اعتراض ہے جس میں انہوں نے جھوٹے کے ہاتھوں معجزے کا محال ہونا بیان کیا ہے۔ اور یہ اس لئے کہ اس فتنے کی وجہ پر دلیل باطل ہو جاتی ہے جس کی انہوں نے تقریر کی ہے۔ اور اس فتنے سے بڑا فتنہ اور کیا ہوگا جو اس دلیل کو داغدار کردے جو بندوں کیلئے سعادت واجب کرتی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ دجال کے ہاتھوں جو کچھ واقع ہوگا وہ امور حقیقیہ نہیں ہیں وہ تو خیالی امور ہیں جن کے ذریعے وہ ضعیف العقل لوگوں کو فتنے میں ڈالے گا۔ بخلاف ان معجزات کے جو کہ انبیاء کے ہاتھوں واقع ہوئے ہیں کیونکہ وہ امور حقیقیہ ہیں۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کیلئے تشریع کے طور پر مسیح دجال کے فتنے سے پناہ طلب کیا کرتے تھے۔ کیونکہ دجل نام ہے حق کی صورت میں باطل کے اظہار کے ساتھ فریب دینے کا۔ اور ہر کسی کی نگاہ دوررس نہیں ہوتی کہ فریب پر مبنی امور کا ادراک کر سکے۔ اور اسے اس کے غیر سے امتیاز دے سکے۔ یہ تو صرف انبیاء علیہم السلام اور ان کے کامل وارثوں کیلئے ہے۔ کیونکہ عقول سلیمہ نے جب معجزات کا مشاہدہ کیا تو ان کے ہاں اس میں کوئی شک نہیں رہا کہ وہ رسول جو کچھ لایا ہے اس کے رب عزوجل کی طرف سے برحق ہے۔ لیکن ضعیف العقل لوگوں نے اس رسول کے حکم کو قبول کیا نہ اس پر ایمان لائے۔ اسی لئے شیخ محی الدین لواقح الانوار میں فرماتے ہیں: ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر معجزہ شرط قرار نہیں دیتے کیونکہ یہ وہ کام ہے جو اپنے ممکن ہونے سے باہر نکل گیا ہو۔ جبکہ قدرت متعلق نہیں ہوتی مگر ممکنات کی ایجاد کے ساتھ۔ اور جب رسول ممکن لایا تو اس میں معجزہ یہ ہوگا کہ جن کی طرف اسے بھیجا گیا ہے وہ اس کی مثل نہیں لاتے جس کے ساتھ رسول نے تحدی کی ہے۔ باوجودیکہ اس کا وقوع نفس الامر میں ممکن ہے۔ پھر جب ہم نے ان کی طرف دیکھا جو معجزے کی وجہ سے ایمان کی طرف برانگیختہ ہوئے۔ تو ہم نے دیکھا کہ یہ صرف اس لئے تھا کہ ان کے ہاں ایمان قرار پا چکا تھا پس ان کا قبول کرنا ان کے ایمان کی کمزوری کی وجہ سے

معجزے پر موقوف رہا۔ رہے ان کے علاوہ دوسرے لوگ تو وہ اس کے ظہور کے محتاج نہ ہوئے بلکہ آغاز دعوت سے ہی اس پر ایمان لے آئے جو رسول لے کر تشریف لایا۔ کیونکہ ایمان سے ان کا نصیب قوی ہے۔ پس آسان سے سبب کے ساتھ قبولیت کا شرف حاصل کر لیا۔ پس جسے ایمان میں نصیب نہیں تو اس نے معجزات کے ساتھ قبول کیا نہ بغیر معجزات کے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ومن یرد ان یضلہ یجعل صدرہ ضیقا حرجا کانما یصعد فی السماء (الانعام آیت ۱۲۵۔ اور جس (بدنصیب کیلئے ارادہ فرماتا ہے کہ اسے گمراہ کرے تو اس کا سینہ بہت تنگ کر دیتا ہے گویا وہ آسمان کی طرف چڑھ رہا ہے) انتہی۔

یہودی کا اعتراض اور اس کا جواب

اور شام کے یہود میں سے بعض نے چند اشعار لکھ کر شیخ صدر الدین القونوی کو بھیجے اور ان کا جواب طلب کیا پس شیخ نے اسے جواب لکھا۔ ان اشعار کا ترجمہ یہ ہے: اے علماء دین! میرا آپ کے دین کی مذمت کرنا اس حیرت کی وجہ سے ہے، واضح حجت کے ساتھ راہنمائی کیجئے۔ جب آپ لوگوں کے گمان کے مطابق میرے رب نے میرے کفر کا فیصلہ کر رکھا ہے اور مجھ سے کفر پسند بھی نہیں کرتا تو میرا حیلہ کیا ہے۔ مجھے بلایا اور میرے سامنے دروازہ بند کر دیا تو کیا داخلے کا کوئی راستہ ہے۔ میرے اس قضیہ کی وضاحت کریں۔ میری گمراہی کا فیصلہ کر دیا پھر کہا کہ قضا پر راضی رہ۔ تو لیجئے میں اس کے ساتھ راضی ہوں جس میں میری شقاوت ہے۔ پس اے قوم اگر میں اس فیصلہ شدہ امر پر راضی ہوں تو میرا رب میری شومیٔ قسمت کہ راضی نہیں۔ اور کیا میرے لئے اس پر راضی ہونا صحیح ہے جو میرے مالک کو پسند نہیں۔ میں حیرت زدہ ہوں۔ میری حیرت کی کشائش پر میری راہنمائی کرو۔ جب میرے رب کی مشیت نے میرا کفر چاہا تو بس میں اتباع مشیت پر راضی ہوں اور کیا مجھے اختیار ہے کہ اس کے حکم کی مخالفت کروں۔ پس اللہ کیلئے دلائل کے ساتھ میری الجھن دور کرو۔

پس شیخ نے اشعار میں اسے جواب لکھا جن کا ترجمہ یہ ہے: تونے بیچ نہ [illegible] سف والے رب نے ہر اس چیز کا فیصلہ فرمایا ہے جو ہوگی۔ اور جو ہوتا ہے مشیت کے مطابق ہوتا ہے۔ اور جب تو غور و فکر سے اس کی تحقیق کرے گا تو "بلانے" کے بعد دروازہ بند نہیں فرماتا۔ کیونکہ یہ معلوم ہے کہ کسی امر کے متعلق اس کا فیصلہ کسی شرط پر معلق ہے۔ جائز ہے اور عقل اس کا انکار نہیں کرتی جیسے کہ تو دیکھتا ہے کہ کئی امور ان دوسرے امور کے بعد معرض وجود میں آتے ہیں جنھوں نے وہاں پہنچایا۔ جیسے کہ ہر دفعہ سیرابی پانی پینے کے بعد اور سیری کھانا کھانے کے بعد ہوتی ہے۔ تو کوئی عجوبہ نہیں کہ مخلوق کے پروردگار معبود برحق کا تیرے کفر کا فیصلہ اس وقت پر معلق ہو کہ پر قدرت ہوتے اسباب ہدایت اپنانے ہوئے تو کفر پر راضی ہو۔ اور ان اسباب میں سے یہ ہے کہ امن اور ایمان کے باوجود تو نے لفظ شہادت ترک کر دیا۔ پس تو اس شخص جیسا ہے جو صرف یہ کہتے ہوئے عرصہ دراز تک نہیں کھاتا کہ میں اپنی بھوک کے ساتھ مروں گا کیونکہ اس نے میری بھوک کا فیصلہ کیا ہے۔ انتہی۔ پس چاہیے کہ جواب پر غور و فکر کیا جائے اور جس پر اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ واضح جواب منکشف فرمائے وہ اس مقام پر ساتھ شامل کر دے۔ اور خلق افعال کی بحث میں پہلے گزر چکا ہے کہ یہ مسئلہ نہایت مشکل امور میں سے ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کر۔ واللہ اعلم۔

ثبوت نبوت پر قطعی دلیل اور معجزہ کی تعریف

اور میں نے شیخ ابو طاہر القزوینی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب سراج العقول میں یہ لکھا دیکھا ہے۔ جان لے نبوت انبیاء پر قطعی دلیل معجزات ہیں اور یہ ایک فعل ہے جسے اللہ تعالیٰ خارق عادت کے طور پر مدعی نبوت کے ہاتھ پر پیدا فرماتا ہے دراں حال کہ وہ اپنے دعویٰ کا معترف

ہو۔ اور یہ فعل رسول کیلئے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے قائم مقام ہوتا ہے کہ تو میرا رسول ہے یہ اس کے دعوے کی تصدیق کے طور پر ہوتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص نافذ الامر بادشاہ کی موجودگی میں محضر عام میں کہتا ہے کہ اے گروہ حاضرین! میں اس بادشاہ کا قاصد ہوں اور میرے سچے ہونیکی دلیل یہ ہے کہ بادشاہ کھڑا ہوگا اور اپنے سر سے تاج اونچا کرے گا۔ پس بادشاہ اس مدعی کے دعویٰ کے فوراً بعد اسی وقت کھڑا ہو جاتا ہے اور اپنے سر سے تاج اونچا کر دیتا ہے۔ کیا بادشاہ کی طرف سے یہ فعل اس کے اس قول کے مرتبے میں نازل نہیں ہوتا کہ تو نے سچ کہا ہے۔ تو میرا قاصد ہے۔ شیخ کہتے ہیں کہ یہاں تین امور کی رعایت کیگئی ہے۔ عادت کے خلاف فعل۔ اس کا دعوے کے ساتھ ملا ہونا۔ اور معارضہ سے محفوظ ہونا۔ کیونکہ اگر وہ اس کے غیر کے کہنے پر تاج اونچا کرتا یا ایک مدت کے بعد کرتا تو یہ اس مدعی کی حجت نہ ہوتا۔ پس یہ تینوں امور مجموعی طور پر رسالت کے مدعی کے دعویٰ پر قطعی دلیل ہیں۔ تصدیق بالقول کے قائم مقام ہیں اور یہ تمام اشیاء کیلئے گفتگو کے گواہوں اور حال کے قرائن سے حصول علم کی مثل ہے۔

دعویٰ نبوت اور اقتران معجزہ

اگر تو کہے کہ معجزے کا اس کے دعویٰ کے ساتھ ملا ہونا اس کی صداقت کی دلیل کے طور پر قائم نہیں ہوتا کیونکہ اقوال و افعال کے طریقے سے صرف اقتران کا اس کے دعویٰ یا غیر دعویٰ کی طرف منسوب ہونا ایک ہی مرتبے پر ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کو رسل علیہم السلام کی صداقت کی معجزات کے ساتھ پہچان کرانے کا راستہ اسی راستے کی طرح ہے جس میں اللہ تعالیٰ اپنی الوہیت پر دلالت کرنے والی آیات کے ساتھ اس کی پہچان کراتا ہے۔ اور یہ کبھی بالقول اور کبھی بالفعل ہوتا ہے۔ پس قول کے ساتھ اس کی تصدیق جیسے کہ فرشتوں سے فرمایا **انی جاعل فی الارض خلیفة** ۔ اور اس کی بالفعل تصدیق جیسے کہ علم آدم الاسماء کلھا یعنی حضرت آدم کو تمام اسماء کا علم عطا فرمایا۔ پھر فرشتوں سے فرمایا **انبئونی باسمآء ھولآء ان کنتم صادقین** ۔ مجھے ان کے نام بتاؤ اگر تم سچے ہو۔ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن پڑھایا پھر فرمایا **فاتوا بسورة من مثله** ۔ اس جیسی ایک سورت لاؤ۔ تو جس طرح فرشتے آدم علیہ السلام کے معارضے سے عاجز آ گئے اسی طرح عرب قرآن کی وجہ سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معارضے سے عاجز آ گئے۔ پس اسماء نے وہاں اور قرآن نے یہاں اس نبی علیہ السلام کی صداقت پر دلالت کی جو کہ اول الانبیاء ہیں اور اس نبی علیہ السلام کی صداقت پر دلالت کی جو کہ آخر الانبیاء ہیں علیہ وعلیہم التسلیمات۔ پس اس صفت کے مطابق یہ صحیح ہے کہ اس کے دعویٰ کیساتھ ملنے والے کیلئے تاثیر ہے اور وہ دلیل کے طور پر قائم ہو سکتا ہے۔ بخلاف اس کے ساتھ ملنے کے جس سے خلق عاجز نہیں ہے۔ شیخ ابوطاہر رحمۃ اللہ علیہ کا کلام ختم ہوا۔

نبوت کا تعارف چند امور کے حوالے سے

اور میں نے سیدی علی الخواص رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ نبی کی نبوت چند امور کے ساتھ پہچانی جاتی ہے۔ ان میں سے یہ کہ اللہ تعالیٰ کی طاعت کی طرف دعوت دے اور اس کی نافرمانیوں سے روکے۔ ایک یہ کہ جس امر کی طرف لوگوں کو بلائے اس کی مخالفت نہ کرے اور خود اپنی نبوت کو پہنچانے۔ ان میں سے ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کیلئے علم ضروری پیدا فرمائے۔ پس وہ پہنچانے کہ وہ رسول ہے۔ ان میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کیلئے ایسی آیات و کرامات ظاہر فرمائے کہ وہ یہ جاننے پر مجبور ہو جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سے ہے

اور بشر اس جیسا کام کرنے سے عاجز ہوں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کے قلب اور سینے میں جو کچھ ہے اس کی اسے خبر دے۔ پس نبی اس کا کلام پہنچانے کی طرف مجبور ہو جائے کہ غیب خود بخود اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور اے بھائی! جان لے کہ عادات کی مخالفت کئی وجوہ پر ہوتی ہے۔ جبکہ یہاں ہماری مراد صرف اس کی خرق عادت ہے جس کی شرع محمدی پر استقامت ثابت ہو۔ ورنہ وہ وہاں سے مکر اور ستدراج ہوگا کہ اس کے صاحب کو اس کا شعور تک نہیں ہوتا۔

خرق عادات کے متعلق شیخ اکبر کی وضاحت

اور شیخ نے ۱۸۶ ویں باب میں فرمایا ہے کہ خوارق میں سے بعض وہ ہیں جو قوئ نفسیہ سے ہوتے ہیں۔ اور یہ اس لئے کہ اجرام عالم نفسی ہمتوں کی وجہ سے متاثر ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں اسی طرح امر کیا ہے اور کبھی ان طبعی حیلوں سے ہوتے ہیں جو کہ معلوم ہیں جیسے قلفطر یات۔ وغیرہ اور ان کا باب علماء کے ہاں معلوم ہے۔ اور کبھی نظم حروف سے ستاروں کے ساتھ اور یہ ستارہ شناسوں کیلئے ہے۔ اور کبھی اسماء کے ساتھ ہوتا ہے جن کے ساتھ ان کا یاد کرنے والا بولتا ہے۔ پس ان سے وہ فاعل ظاہر ہوتا ہے جسے دیکھنے والوں کی آنکھ کی ناظرہ میں خرق عادت کہتے ہیں۔ نفس الامر میں نہیں۔ اور یہاں طویل گفتگو فرمائی۔ پھر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کرنے سے یہ سب کچھ مخلوق کے تحت قدرت ہے اور فرماتے ہیں کہ کرامت کے طور پر خرق عادت اپنایا ہو۔ فرماتے ہیں اور خرق عادت صرف پہلی مرتبہ ہوتا ہے۔ پس جب دوبارہ لوٹے تو یہ عادت بن جاتا ہے اور حقیقۃ الامر میں ہمیشہ جدید ہے۔ وہاں وہ شے نہیں جو لوٹے پس وہاں خرق عادت نہیں وہ تو ایک امر ہے جو اپنے مثل کے لباس کو ظاہر کرتا ہے نہ کہ اس کا عین۔ تو وہ لوٹا ہی نہیں۔ تو وہ عادت نہیں اگر لوٹتا تو عادت ہوتا اور لوگ اس حقیقت سے حجاب میں ہیں۔ بلکہ میں نے اپنے معاصرین میں سے کسی کو نہیں دیکھا جسے اس پر اطلاع ہوئی ہو۔ اور میں نے تجھے اصل صورت امر پر تنبیہ کر دیا ہے اگر تو میری بات کو سمجھ سکے۔ پس بیشک اللہ تعالیٰ جب علی الدوام خلاق ہے تو تکرار کہاں۔ انتہی۔

اعجاز دو قسموں پر ہے

اگر کہا جائے کہ اعجاز کتنی قسموں پر ہے؟ جواب یہ ہے کہ دو قسموں پر ہے جیسے کہ شیخ نے ۱۸۷ ویں باب میں فرمایا: اول جسے پھیرنا ممکن ہے۔ پس وہ اس کے متعلق دعویٰ کرتا ہے کہ جو چیز عادۃً تمہاری قدرت کے تحت ہے جب میں اسے اپنے دعویٰ کی صداقت پر دلیل کے طور پر لاؤں تو جس ذات نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے تمہیں اس سے پھیر دے گا پس تم اس کا معارضہ نہیں کر سکو گے اور جس کی قدرت میں بھی یہ چیز ہوگی اس وقت وہ اپنے آپ کو عاجز پائے گا۔ پس اس دعویٰ سے پہلے وہ جو کر سکتا تھا اب نہیں کر سکے گا۔ اور یہ نفس کیلئے پھیرنے سے زیادہ نفع بخشتی ہے۔

دوسری قسم یہ کہ ایسا امر لائے جو کہ بشر کی قدرت میں نہ ہو۔ صرف اللہ تعالیٰ ہی اس پر قادر ہو جیسے مردے زندہ کرنا۔ لیکن اس تک علم کے طریق سے رسائی کہ وہ نفس الامر میں زندہ ہے نایاب ہے۔ ہم میں سے اس کا ادراک اہل کشف ہی کر سکتے ہیں۔ پس بیشک ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے عصا کو اژدھا پایا جبکہ جادوگروں کے عصا سانپ دیکھے اور ان دونوں میں عوام فرق نہیں کر سکے۔ اسی لئے اس کے علم تک رسائی نہایت نایاب ہے۔ انتہی۔

اگر تو کہے کہ جادوگروں کی کاریگری کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کے نگل جانے سے کیا مراد ہے؟ جواب یہ ہے کہ فتوحات کے

سولہویں اور چالیسویں باب میں شیخ کے قول کے مطابق اس سے مراد اس کا جادوگروں کیلئے انکشاف ہے۔ جبکہ لوگ گمان کرر ہے تھے کہ وہ سانپ رسیاں اور ڈنڈے ہیں۔ سانپ نہیں ہیں جب موسیٰ علیہ السلام کی حجت ان پر ظاہر ہوئی۔ نہ یہ کہ رسیاں اور ڈنڈے وہ تو معدوم ہو گئے۔ کیونکہ اگر وہ معدوم ہو جاتے تو ان پر موسیٰ علیہ السلام کے عصا کے بارے میں شبہہ داخل ہو جاتا ہے۔ تو اسی طرح ان پر موسیٰ علیہ السلام کے عصا کے متعلق اشتباہ داخل ہو جاتا۔ اور اس کی وضاحت یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے عصا نے جادوگروں کی رسیوں اور ڈنڈوں سے صرف سانپوں کی صورتیں نگلیں۔ پس لوگوں کیلئے رسیاں اور ڈنڈے اسی حالت میں ظاہر ہوئے جس طرح کہ وہ نفس الامر میں ہیں۔ یہ ہے اس کا نگلنا۔ اور یہ اسی طرح ہے جس طرح حق کیلئے جھگڑنیوالا اپنے مخالف کی حجت باطل کرتا ہے اس کا باطل ہونا ظاہر کرتا ہے اور اگر نگلنے سے مراد رسیوں اور ڈنڈوں کا معدوم ہونا مراد ہوتا جیسا کہ بعض مفسرین کو وہم ہو تو جادوگروں پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کے متعلق شبہہ داخل ہو جاتا اور ہر امر مشکوک ہو جاتا۔ پس وہ ایمان نہ لاتے۔ پس اے بھائی! اس پر متنبہ ہو جا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ **تلقف ما صنعوا** (طٰہٰ آیت ۶۹۔ نگل جائے گا انہوں نے جو کاریگری کی ہے) اور انہوں نے اپنے جادو کے ساتھ رسیاں اور ڈنڈے نہیں بنائے۔ انہوں نے تو دیکھنے والوں کی آنکھوں میں رسیوں اور ڈنڈوں سے سانپوں کی صورتیں بنائیں۔ اور ان بعض مفسرین کے وہم کے مطابق معنی یہ ہوگا کہ موسیٰ علیہ السلام جو کچھ لائے اسی قبیلے سے تھا جو جادوگر لائے۔ سوائے اس کے کہ (معاذ اللہ) آپ کا جادو فرعون پر جادوگروں سے زیادہ قوی تھا۔

اگر تو کہے کہ کیا وجہ ہے کہ حضرت موسیٰ نے اپنے عصا سے خوف محسوس کیا جبکہ وہ سانپ کی صورت میں ظاہر ہوا۔ تو جواب یہ ہے آپ اپنے عصا سے اس لئے خائف ہوئے تا کہ جادوگروں کو معلوم ہو کہ آپ کی طرف سے جادو نہیں۔ بیشک کوئی بھی اپنے فعل سے خوف محسوس نہیں کرتا کیونکہ اسے معلوم ہے کہ نفس الامر میں اس کی کوئی حقیقت نہیں۔

جادو کے کفر ہونے کی اور سحر کی وجہ تسمیہ

اگر تو کہے کہ جس نے کہا کہ دوسرے پر جادو کرنا کفر ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ جادو کے ضمن میں کفر ہے کیونکہ کافر روحیں جو کہ جادو کرنے پر اس کی مدد کرتی ہیں وہ اس کی بات اسی وقت مانتی ہیں جب وہ دین اسلام سے نکل جائے۔

اگر تو کہے کہ سحر کو سحر کیوں کہا جاتا ہے تو جواب یہ ہے کہ یہ سحر سے لیا گیا جو کہ ایک وقت میں ہے اور یہ روشنی اور تاریکی کے مخلوط ہونے کا وقت ہے۔ نہ تو وہ رات ہے کیونکہ اس میں صبح کی روشنی ملی ہوئی ہے۔ اور نہ ہی دن کیونکہ ابھی سورج طلوع نہیں ہوا۔ اسی طرح یہ ہے جسے سحر کہتے ہیں (حا کے سکون کے ساتھ) نہ تو باطل محقق ہے پس عدم ہو۔ پس بیشک آنکھ نے ایسے امر کا ادراک کیا ہے جس میں اسے شک نہیں۔ نہ ہی وہ حق محض ہے پس اس کے لئے اس کی آنکھوں میں وجود ہو۔ کیونکہ وہ نفس الامر میں وہ ایسے نہیں ہے جیسے آنکھ اس کا مشاہدہ کر رہی ہے اور دیکھنے والا اسے گمان کرتا ہے۔ واللہ اعلم۔

پس معلوم ہوا کہ ہر نبی کا معجزہ اسی مطابقت سے ہوتا ہے جو اس کی قوم پر غالب ہو۔ جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام وہ معجزہ لائے جس سے جادو کو باطل کر دیں کیونکہ سحر آپ کی قوم پر غالب تھا۔ اور جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو شفا بخشنے کا معجزہ لائے کیونکہ آپ کی قوم پر طب غالب تھی اور جیسے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم

لائے جو کہ ہر بلیغ وفصیح کو اپنی فصاحت کے ساتھ عاجز کرنے والا ہے۔ کیونکہ قریش پر فصاحت و بلاغت کے ساتھ باہم فخر کرنا غالب تھا۔

معجزہ کی تعریف کے متعلق سوال اوراس کا جواب

اگر تو کہے کہ تم نے معجزے میں شرط رکھی ہے کہ فعل ہو جیسے کہ گذر چکا۔ پھر تم نے دعویٰ کیا ہے کہ قرآن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے اور یہ معلوم ہے کہ قرآن کلام اللہ ہے۔ جبکہ تمہارے نزدیک علم وقدرت کی طرح کلام صفات ذات میں سے ایک صفت ہے۔ تو اگر یہ جائز ہے کہ صفت کلام معجزہ ہو تو یہ جائز ہوا کہ صفت علم وقدرت معجزہ ہے۔

اس کا جواب شیخ ابو طاہر القزدینی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دیا ہے کہ مخفی نہیں ہے کہ عاجز کرنیوالا حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ پس بیشک وہ عجز وقدرت کا خالق ہے۔ جبکہ خارق عادت فعل کو معجزہ صرف گنجائش اور مجاز کے طور پر کہا گیا ہے نہ کہ حقیقتاً۔ جیسے کہ ایک شخص آسمان سے گرنے والی بجلی کو دیکھ کر کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی طرف دیکھو حالانکہ وہ آثار قدرت سے ہے۔ اور یہ اس لئے کہ عجز اس سے ہوتا ہے جس پر قدرت ہوتی ہے اور عقلاً مردہ زندہ کرنا بشر کا مقدور نہیں حتیٰ کہ کہا جائے کہ فلاں مردے زندہ کرنے سے عاجز ہو گیا۔ اور انسان کبھی اپنی ذات سے اس پر عدم قدرت محسوس کرتا ہے اور عدم قدرت عجز نہیں جیسے کہ عدم علم جہالت نہیں۔ کیونکہ مثلاً دیوار میں علم معدوم ہے مگر جاہل نہیں کیونکہ اس میں علم و جہالت کی شرط نہیں ہے اور وہ حیات ہے اور عوام عدم قدرت کو عجز سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ وہم وخیال ہے کیونکہ عجز ضروری ہے کہ جس پر قدرت ہوتی ہے اس کیساتھ ملا ہوا ہو۔ تو ہماری تقریر سے معلوم ہو گیا کہ ''قرآن معجزہ ہے'' سے ان کی مراد یہ ہے کہ اس کی عبارت اور تالیف اپنی عجیب وغریب ھیئت اور اسلوب کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے۔ ان کی مراد یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا وہ کلام جو اس کی صفت قائم بالذات ہے وہ معجزہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو اس کی مثل لانے سے عاجز کر دیا ہے۔ یہ سب کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر دلیل ہے اور عربی ادب میں لفظ قرآن قرأت اور مقروء دونوں پر بولا جاتا ہے جیسا کہ ہم اسے اللہ تعالیٰ کے اسم المتکلم کی بحث میں پہلے بیان کر چکے ہیں۔ واللہ اعلم

معجزہ اور کرامت

پھر جان لو کہ جمہور علماء اس کے قائل ہیں کہ جو نبی کیلئے معجزہ ہو جائز ہے کہ ولی کیلئے بطور کرامت ہو۔ اور اس میں معتزلہ اور ابو اسحاق لاسفرائنی نے اختلاف کیا ہے۔ پس انہوں نے کہا ہے کہ جائز نہیں کہ تمام خوارق میں سے جو چیز کسی نبی علیہم السلام کیلئے معجزہ کے طور پر ظاہر ہوا سی کی مثل کسی ولی کیلئے بطور کرامت ظاہر ہو۔ کرامت کے درجات تو دعا کی قبولیت یا ایسے جنگل میں پانی پالینا جہاں عادت کے طور پر پانی نہیں ہوتا وغیرہ ایسے کام ہیں جو کہ خرق العادات کے مقام سے فروتر ہیں۔

شیخ محی الدین فتوحات کے ۱۸۷ ویں باب میں فرماتے ہیں کہ یہ جو استاذ ابو اسحاق الاسفرائنی نے فرمایا ہمارے نزدیک صحیح ہے مگر میں ایک اور شرط لگاتا ہوں جسے استاذ نے بیان نہیں کیا اور وہ یہ ہے کہ بیشک ہم کہتے ہیں کہ جائز نہیں کہ معجزہ کسی ولی کی کرامت ہو مگر یہ کہ وہ ولی اس اعجاز پر مبنی امر کے ساتھ اس نبی کی تصدیق کیلئے قائم ہو۔ نہ صرف یہ کہ اپنے لئے بطور کرامت اسے قائم کرے۔ پس یہ ممنوع نہیں ہے جیسا کہ اولیاء کے مابین اس کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔ اللھم مگر یہ کہ تحدی کے وقت وہ رسول خاص اس وقت میں یا خاص اپنی مدت حیات

میں اس کے واقع ہونے کے ممنوع ہونے کا قول کرے۔ پس بیشک یہ جائز ہے کہ وہ فعل اس رسول کے غیر کیلئے اس کے مشروط زمانے کے گزرنے پر بعد بطور کرامت واقع ہو۔ اور اگر اس نبی نے قید نہ لگائی ہو تو پھر استاذ کے قول کی طرف کوئی راہ نہیں۔ انتہی۔

اور امام یافعی یمنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جمہور علماء کا یہ قول کہ جو بطور معجزہ نبی کیلئے جائز ہو وہ بطور کرامت ولی کیلئے جائز ہے اس کا قرآن عظیم رد نہیں کرتا کیونکہ تحدی لازم ہے۔ پس اس کی مثل کام رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی سے صادر نہیں ہوسکتا۔ بخلاف کرامت کے۔

کرامت اور معجزہ میں فرق

اگر تو کہے کہ کرامت اور معجزے میں کیا فرق ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ دونوں کے درمیان فرق ظاہر ہے اور وہ یہ ہے۔ کہ جب امت کی طرف سے قبول کرنا معجزے پر موقوف ہو تو نبی پر واجب ہے کہ اس کا دعویٰ کرے اور اسے ظاہر کرے بخلاف کرامت کے کہ ولی پر اس کا اظہار واجب نہیں۔ کیونکہ وہ تو اپنے اس نبی کی شریعت کی پیروی کے حکم کے ساتھ دعوت دیتا ہے جو اس کے نزدیک ثابت ہے۔ پس اسے اپنے طریق یا اور دعوے کی صحت پر دلیل لانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بخلاف نبی کے۔ یافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ولی پر کرامت چھپانا واجب ہے مگر ضرورت یا اجازت یا غالب حال سے۔ اسے اس میں اختیار نہ ہو اور نہ ہی تکلفاً وہ کام کرے۔ یا اپنے بعض مریدوں کے یقین کو قوی کرنے کیلئے ہو اس کی طرح جس نے ہوا سے شہد کا چلو بھرا اور اپنے مرید کے سامنے رکھ دیا۔ انتہی۔

اور ائمہ نے ہمارے مذکورہ فرق کے علاوہ بے شمار فرق بیان کئے ہیں۔ بعض نے کہا کہ دونوں کے مابین ایک فرق یہ ہے کہ معجزہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قصداً اور تحدی کے وقت واقع ہوتا ہے جبکہ کرامت کبھی قصد ولی کے بغیر واقع ہوتی ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ جائز ہے کہ کرامت بھی قصد ولی کے ساتھ واقع ہو۔ اور دونوں کے درمیان صحیح فرق یہ ہے کہ معجزہ تحدی کیساتھ واقع ہوتا ہے جبکہ کرامت کے ولی تحدی نہیں کرتا۔ بعض کہتے ہیں کہ ولی کیلئے بھی جائز ہے کہ اپنی ولایت پر کرامت کے ساتھ تحدی کرے جبکہ وہ دیکھتا ہے کہ اس میں خلق کی مصلحت اور خیر خواہی ہے۔ حتیٰ کہ انہیں حق کی طرف راہنمائی کرے۔ اور دونوں کے درمیان صحیح فرق صرف یہ ہے کہ معجزہ نہیں ہوتا مگر اس کے دعویٰ کے بعد اور سکوت کیساتھ معجزہ نہیں ہوتا جبکہ کرامت کے متعلق جائز ہے کہ کلام اور سکوت دونوں کے ساتھ واقع ہو۔ اسی قدر فرق کافی ہیں۔ اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ ولی جب خارق عادت فعل کے ساتھ دعویٰ کرے کہ وہ ولی ہے تو بیشک اس سے معجزہ نبی میں کوئی طعن واقع نہیں ہوتا۔ بخلاف اس کے کہ جب ایسے فعل کے ساتھ اب دعویٰ کرے کہ وہ نبی ہے تو وہ اپنے دعویٰ میں کذاب ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا ولی نہیں ہوتا۔ پس صحیح نہیں کہ اس کے ہاتھوں وہ کچھ ظاہر ہو جو کہ انبیاء و اولیاء کے ہاتھوں پر ظاہر ہوتا ہے۔ شیخ ابو طاہر قزوینی فرماتے ہیں کہ یہ فرق ظاہر ہے اور مشائخ کے اس قول کا معنی یہی ہے کہ معجزات جہاں بھی پائے جائیں سچائی کی علامت ہیں۔ پس یہ اولیاء کے ہاتھوں ان کے دعوائی نبوت کے وقت ظاہر نہیں ہوتے کیونکہ اگر یہ اس وقت پائے جائیں تو سچائی جھوٹ میں بدل جائے گی اور وہ محال ہے۔ انتہی

معجزہ اور جادو و شعبدہ کے درمیان فرق

اگر تو کہے تو یہ فرق تو معجزہ اور کرامت کے درمیان تو سحرہ، خادو اور شیدہ کے مابین کیا فرق ہے؟ اس کا جواب شیخ ابو طاہر رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق یہ ہے کہ معجزہ اور سحر وغیرہ میں فرق یہ ہے کہ معجزہ یا اس کا اثر نبی کے بعد ایک زمانے تک باقی رہتا ہے جبکہ جادو جلد زائل ہو جاتا

ہے۔ رہا فرق معجزہ اور شعبدہ میں، تو وہ یہ ہے کہ نبی معجزے کا اظہار کھلے عام اور مرکزی مقامات کے سرداروں کے سامنے کرتا ہے جبکہ شعبدے کا رواج تو صرف بچوں، ضعیف العقل اور جاہل لوگوں پر ہوتا ہے۔ قزوینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لوگوں نے جادو اور اس کے اثر میں اختلاف کیا ہے بعض کہتے ہیں کہ اس کے ساتھ صورت بدل دینا ممکن ہے پس انسان بدل کر کتا یا مگرمچھ یا گدھا ہو جاتا ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ ظاہر یہ ہے کہ ایسی باتیں عوام کی خرافات اور عورتوں کے افسانے ہیں۔ اور آپ نے کتاب سراج العقول میں نیرنگیات اور فلفطیریات کے ذکر میں طویل گفتگو کی ہے۔ نیز فرماتے ہیں کہ سحر لغت میں باطل کو صورت حق میں دکھاتا ہے۔ اور اسی وجہ سے فجر کاذب کو سحر کہتے ہیں۔ رہا شعبدہ تو یہ شعبان نامی ایک شخص کی طرف منسوب ہے اور یہ معرب ہے اور اس کی اصل اشیاء کو بدلنے میں ہاتھ کا کرتب ہے۔

جادو کا حکم

ہمارے نزدیک جادو حق ہے بایں معنی کہ یہ ثابت واقع ہے جبکہ معتزلہ۔ روافض اور دہریے اس کا انکار کرتے ہیں۔ اور اس کے ثابت ہونے پر اسلاف واخلاف کا اور ہند، روم اور فارس کے تمام اہل کتاب کا اجماع ہے نیز آیات قرآن کریم اسے بیان فرماتی ہیں اور شیخ محی الدین ۱۷۲ ویں باب میں اللہ تعالیٰ کے قول فیتعلمون منهما ما یفرقون به بین المرء و زوجه (البقرہ آیت ۱۰۲ پس وہ ان دونوں سے وہ کچھ سیکھتے تھے جس کے ساتھ ایک شخص اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی کر دیتے) کے متعلق فرمایا ہے: جان لے کہ اللہ تعالیٰ نے تفریق ناپسند فرمائی اور اس کے فاعل کی مذمت کی اور یہ الفت اور شیرازہ بندی کی طرف بلانے کے لئے اور چونکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ ایک مخفی حقیقت کی وجہ سے ہر مجموعہ اور ہر تالیف۔ یافتہ شے کیلئے افتراق کے بغیر چارہ نہیں اس نے اپنے بندوں پر رحمت فرماتے ہوئے طلاق مشروع فرمائی تاکہ اپنے تمام افعال میں تحت اذن ہوں قابل تعریف ہوں نہ کہ مذمت کئے ہوئے۔ اور یہ شیطان کو خاک آلود کرنے کیلئے ہے اور اس کے باوجود حدیث پاک میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور سب سے ناپسندیدہ حلال طلاق ہے۔ اور وہ اس لئے کہ یہ عدم کی طرف لوٹتا ہے۔ کیونکہ طبائع کے باہم الفت پکڑنے کی وجہ سے وجوب ترکیب ظاہر کیا اور باہم الفت کے عدم سے عدم ہوا۔ اور وہ اسماء الٰہیہ کو ان کی بارگاہوں میں تاثیر سے معطل کرتا ہے۔ پس اس بو کی بنا پر تفریق بین الزوجین مکروہ ہے کہ اجتماع معدوم ہوتا ہے۔ انتہی۔

معجزہ اور کہانت میں فرق

اگر تو کہے کہ معجزہ اور کہانت میں کیا فرق ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ ان دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ معجزہ تحدی کے ساتھ ملا ہوا ایک خارق عادت فعل ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی اپنے نبی کی قول کے ساتھ تصدیق کے قائم مقام ہے جیسے کہ پہلے گزر چکا۔ رہی کہانت تو یہ ایسے کلمات ہیں جو کہ کاہن کی زبان پر جاری ہوتے ہیں۔ کبھی موافق ہوتے ہیں اور کبھی مخالف۔ اور نبی نہیں ہوتا مگر تخلیق اور اخلاق میں کامل۔ اور کاہن کی عقل میں خلل اور اس کی تخلیق ناقص اور وہ دروغ گو ہوتا ہے۔ پس اگر وہ اپنی کہانت کے ساتھ نبوت کا دعویٰ کرے تو کئی دفعہ کوئی دوسرا کاہن نبوت کے دعوے کے ساتھ اس کا مقابلہ کرتا ہے۔ پس ان دونوں کے مابین فرق قطعاً نہیں پایا جاتا۔ بخلاف نبوت کے۔ پس بیشک جب نبی معجزہ کے ساتھ تحدی کرے اور کوئی جھوٹا مدعی اس کا مقابلہ کرے تو جائز نہیں کہ اس کیلئے سچے نبی کے معجزے کی طرح کوئی معجزہ ظاہر ہو۔ اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ معجزہ سچے کیلئے اللہ تعالیٰ کی تصدیق ہے پس جھوٹے کی تصدیق کیونکر ہو

سکتی ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ جھوٹے کی تصدیق نہیں فرماتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اگر تو کہے کہ جھوٹے کے ہاتھ پر معجزے کے محال ہونے کی وجہ کیا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں نے جھوٹے کے ہاتھوں معجزہ محال ہونے کے متعلق سیر حاصل گفتگو کی ہے اور یہ اس کے محال ہونے پر اجماع کی مانند ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب

اگر کہا جائے کہ جب تم نے اللہ تعالیٰ کا خلق کیلئے اضلال واغواء جائز قرار دیا ہے تو تمہیں کیا شعور کہ اللہ تعالیٰ اضلال واغواء کے طور پر جھوٹوں کے ہاتھوں آیات ظاہر فرمادے۔ اور یہ معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا دربار خلق کو گمراہ کرنے اور انہیں ہدایت دینے کے وجوب سے مبرا ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ ہم نے گمراہ کرنے کے جواب کا قول نصوص قرآنی کی بنا پر کیا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد یضل بہ کثیرا (البقرہ آیت ۲۶ (اللہ تعالیٰ) اس سے بہتوں کو گمراہ کرتا ہے) اور یہ قول ویضل اللہ الظالمین (ابراہیم آیت ۲۷۔ اور اللہ ظالموں کو گمراہ کرتا ہے) وغیرہما دیگر آیات بنیات۔ اور ہم اسے صرف وہاں جائز قرار دیتے ہیں جہاں محال تک نہ پہنچائے۔ کیونکہ جو محال تک لے جائے تو وہ محال ہے اور محال قطعاً تحت قدرت نہیں ہوتا۔ اور یہ کئی وجوہ سے ہے یا تو خلاف معلوم واقع ہو۔ یا دلیل اور مدلول اس میں باہم تناقض یعنی ایک دوسرے کی نقیض ہوں۔ یا دلیل مدلول کی وجہ سے مشتبہ ہوجائے۔ یا قدرت کو عاجز قرار دینے اور حق تعالیٰ کی تکذیب کرنے تک لے جائے۔ پس یہ چار وجوہ محال تک لے جاتی ہیں۔ پس ان کے ساتھ قدرت متعلق نہیں ہوتی۔ اور جھوٹے کے ہاتھوں معجزہ اسی فہرست سے ہے۔ کیونکہ معجزہ تحدی کے ساتھ مقرون اور اللہ تعالیٰ کے اس رسول کیلئے اس قول کے قائم مقام ہوتا ہے کہ تو سچا ہے اور تو میرا رسول ہے جیسا کہ گزر چکا اور جھوٹے کی تصدیق محال لذاتہ اور عین محال سے ہے۔ کیونکہ ہر وہ جسے وہ فرمائے کہ تو میرا رسول ہے وہ رسول ہوگیا اور جھوٹا ہونے سے نکل گیا جبکہ اس کے جھوٹا ہونے اور رسول صادق ہونے کا جمع ہونا محال ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(**اقول وباللہ التوفیق** ۔ مذکورہ بالا وضاحت کے مطابق جو چیز محال ہے وہ مقدور نہیں یعنی تحت قدرت نہیں۔ برصغیر کے خارجی نظریات کے حامل مدعیان علم نے یہ مفروضہ قائم کیا کہ مقدور العبد مقدور اللہ ہے۔ یعنی بندہ جو کچھ کرسکتا ہے وہ تحت قدرت خداوندی ہے۔ اور اس ناپاک مفروضے کی بنا پر ذات حق کیلئے امکان کذب کا قول کرکے امت مسلمہ میں ایک کرب انگیز خلیج حائل کردی۔ اور ملت کا شیرازہ لخت لخت کردیا۔ اس کے رد میں دنیائے اسلام کے عظیم موحد۔ ناموس سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سربکف مجاہد اسلام، امام الاعلام، شیخ العرب والعجم مجدد مائۃ سالفہ وحاضرہ مولانا الامام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے سبحان السبوح جیسی عظیم کتاب لکھ کر عالم اسلام پر حقیقت مسئلہ واضح فرمائی۔ شان الوہیت وسبحانیت کا دفاع فرمایا کہ امکان کذب قطعاً وحتماً شایاں ذات حق نہیں۔ بلکہ یہ منجر الی الکفر ہے اور یہاں امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک جملے میں باطل کو پیوند خاک کردیا کہ محال قطعاً تحت قدرت نہیں ہوتا۔ اور یہ ظاہر کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کی شان میں امکان کذب قطعاً محال ہے جس کا قدرت باری تعالیٰ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ **فللہ الحمد علی ذالك،**

الحمد للہ الذی ھدانا لھٰذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ ۔ (محمد محفوظ الحق عفرلہ ولوالدیہ)

اور شیخ ابوطاہر نے ذکر کیا ہے کہ بعض ائمہ نے کہا ہے کہ جھوٹے کے ہاتھ پر اظہار معجزہ مقدورات ہی سے ہے اس بناء پر کہ جو چیز علم الٰہی میں ہے کہ ہوگی مقدور ہونے سے خارج نہیں اور خلاف معلوم تحت قدرت نہیں۔ پھر جو ہم کہتے ہیں وہ یہ ہے کہ یہ گرچہ مقدور ہو قطعاً واقع

نہیں ہوتا جیسے کہ علم جہالت میں نہیں بدل سکتا۔ اور کتاب سراج العقول میں اس کے متعلق طویل کلام فرمایا۔ اگر چاہے تو ادھر رجوع کر۔

معجزہ کی شرائط

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ معجزہ کی شرط ہے کہ ناقض عادت ہو۔ کیونکہ عادت پر مبنی فعل سچے اور جھوٹے دونوں سے ہی پایا جاتا ہے۔ اور یہ کہ ایام تکلیف میں ہو کیونکہ قیامت کے دن جو آسمان کا پھٹنا۔ سورج کا لپیٹا جانا ظاہر ہوگا یہ ناقض عادت فعل تو ہوں گے۔ معجزہ نہیں ہوں گے۔ کیونکہ آخرت دور تکلیف نہیں۔ اور یہ کہ مقرون بالتحدی ہو۔ کیونکہ کبھی کبھار ناقض عادت افعال ظاہر ہو جاتے ہیں جیسے زلزلے، بجلیاں اور یہ معجزہ نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ اس کے ساتھ مقرون نہیں ہوتے اور یہ کہ آزمائش کے طور پر ہو۔ کیونکہ اگر کوئی انسان قرآن پاک کی کوئی سورت سیکھ لے پھر کس دور دراز قبیلے کے کی طرف چلا جائے جنہیں دعوت اسلام نہیں پہنچی اور نبوت کا دعویٰ کر دے تو یہ معجزہ نہیں ہو گا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ اس بحث پر غور وفکر کر۔ بیشک یہ نفیس ہے۔ واللہ اعلم

تیسویں بحث

بعثت کی حکمت

یہ بحث اس مسئلہ کے بیان میں ہے کہ جس زمانے میں انبیاء علیہم السلام بھیجے گئے ان کی بعثت کی حکمت کیا تھی؟ جان لے کہ اس بحث کی اصل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے **وما کنا معذبین حتی نبعث رسولاً** (بنی اسرائیل آیت ۱۵ اور ہم عذاب نازل نہیں کرتے جب تک کہ ہم کوئی رسول نہ بھیجیں) تو رسل کے بھیجنے کے بعد صرف انہیں لوگوں نے عناد کیا جنہوں نے اپنی خیر خواہی نہ کی جن پر عذاب کا حکم اور ابدی شقاوت ثابت ہوگئی۔

حدود کی دو قسمیں

شیخ محی الدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تمام حدود جو کہ رب کریم نے اس جہان میں مقرر فرمائی ہیں دو قسموں سے باہر نہیں ہیں۔ ایک قسم کا نام سیاست حکمیہ ہے (یعنی ح کی زیر کے ساتھ) جبکہ دوسری قسم کا نام شریعت ہے۔ اور دونوں صرف اس جہان میں اعیان ممکنہ کی بقاء اور فساد سے ان کی سلامتی کی مصلحت کی خاطر لائی گئی ہیں۔ پہلی قسم کا طریق ہمارے نزدیک الہام کی طرح کا القاء ہے اور یہ اس زمانے والوں کے درمیان وجود شریعت معدوم ہونے کی وجہ سے ہے۔ پس حق تعالیٰ لوگوں میں سے اکابر کے نفوس کی نظر میں حکمت کا القاء فرما دیتا۔ پس وہ ہر شہر، سمت اور ریاست میں اس مزاج کے حسب حال جس کا اس سمت کے لوگوں کی طبائع تقاضا کرتیں حدود مقرر کرتے اور قانون وضع کرتے۔ پس اس کی وجہ سے لوگوں کے مال، جانیں، اہل وعیال، رشتہ داریاں اور نسب محفوظ رہے۔ اور انہیں نوامیس کہتے۔ اس کا معنی ہے اسباب خیر کیونکہ اصطلاح میں ناموس اسی کو کہتے ہیں جو کہ خیر لائے یعنی جاسوس کے برعکس تو یہ نوامیس حکمیہ اللہ تعالیٰ کے الہام سے عالم کی مصلحتوں، انتظام اور مربوط رکھنے کیلئے علماء نے وضع کئے جہاں سے انہیں شعور تک نہیں۔ انتہی۔ اور شیخ نے ۳۶۷ ویں باب میں فرمایا: کہ جان لے نوامیس وضعیہ اور قوانین سلطانیہ کا استعمال صرف ایام فترت میں متعین ہے۔ اور یہ اس لئے تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے استعمال کی وجہ سے جہان کی شیرازہ بندی فرمائے اور اللہ تعالیٰ نے کسی کو بھی جس نے انہیں وضع کیا

کسی نہ کسی اجر سے محروم نہیں فرمایا۔اس دستور کے مطابق ان اللہ لا یضیع اجر المحسنن (التوبۃ آیت ۱۲۰۔ بیشک اللہ تعالیٰ نیکوں کا اجر ضائع نہیں کرتا)۔

شیخ فرماتے ہیں: ان نوامیس وقوانین کا شرائع کے زمانے میں استعمال ہرگز نہیں چاہیے مگر جبکہ شرائع کے موافق ہوں کیونکہ ہر حاکم پر حرام ہے کہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت سے آگے بڑھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئك هم الفاسقون (المائدہ آیت ۴۷)اور جو اللہ تعالیٰ کے نازل فرمودہ حکم کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہ لوگ فاسق ہیں)اور ۳۳۹ ویں باب میں بھی فرماتے ہیں: جان لے کہ شرع کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی ہے اور دوسری حکمت وسیاست والی شرع جبکہ پہلی شرع نہ ہو۔ پس کوئی امت اس ڈرانے والے سے خالی نہیں ہوتی جو کہ اس کے حق میں بقاو مصلحت کیلئے اس کے رموز کی اصلاح کا اہتمام کرے۔ برابر ہے کہ وہ شرع الٰہی ہو یا سیاسی۔

(اقول و باللہ التوفیق ۔واضح رہے کہ ہر امت کیلئے ڈرانیوالا ضروری ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو یا وہ ہو جسے مذکورہ بالا وضاحت کے مطابق القاء سے نوازا جائے اور دوسرا اس وقت مطلوب ہے جبکہ منجانب اللہ اس وقت نبوت کا فیض منقطع ہو چکا ہو۔ جبکہ حضور سید المرسلین خاتم النبین صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی نبوت چونکہ تا قیام قیامت بلکہ مابعد تک جاری ہے لہٰذا اب کسی ایسے نذیر کی ضرورت باقی نہیں۔ شریعت پاک موجود ہے۔ لہٰذا اس سے قادیانی دجال کی جھوٹی نبوت کیلئے دلیل نہیں لی جاسکتی۔ ختم نبوت کی بدولت الحمدللہ رب العالمین ہم ہمیشہ ہمیشہ کیلئے حضور ختمی مرتبت جان رحمت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے دامان کرم سے وابستہ ہیں۔ بقول ڈاکٹر اقبال مرحوم ۔

لا نبی بعدی ز احسان خداست پردہ ناموس دین مصطفیٰ است۔ صلی اللہ علیہ والہ وسلم۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ)

اگر تو کہے کہ کیا ان نوامیس کے وضع کرنیوالوں کو اس کا علم تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا قرب عطا کرنیوالے ہیں یا نہیں؟ جواب یہ ہے کہ انہیں اس کا علم نہیں تھا۔ جس طرح کہ انہیں اس کا علم نہ تھا کہ وہاں بعث، حشر، نشر، میزان، حساب، صراط، جنت، دوزخ ہے اور نہ ہی آخرت کے دیگر احوال کا کچھ علم تھا۔ کیونکہ یہ ممکن ہے اور اس کا عدم بھی ممکن ہے اور ان کیلئے دونوں ممکنوں میں سے کسی کے بارے میں دلیل نہیں بلکہ رہبانیت جسے انہوں نے اپنے طور پر گھڑ لیا۔ اسی لئے ہر دور میں حکماء کے نوامیس کا دارومدار اس جہان میں اصلاح باقی رکھنے پر تھا۔ اس کے سوا نہیں۔ اور ان کے علم کی غایت یہ تھی کہ وہ اپنے آپ میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی جلالت کے شایاں جو تعظیم، تقدیس، عدم مثل وتشبیہ چاہیے اس کے علوم الٰہیہ میں منفرد تھے۔ اور وہ لوگون کی نظر صحیح پر ابھارنے لگے۔ پس ان کی تمام تر مصروفیت یہی تھی۔ تو جب انہوں نے اسے پہچان لیا تو اپنے نفوس کے حقائق میں اس وقت بحث شروع کر دی جب انہوں نے دیکھا کہ صورت جسد یہ جب مرجائے تو اس کے اعضاء میں سے کوئی چیز نہیں گھٹتی۔ تو انہوں نے معلوم کر لیا کہ اس جسم کا مدرک اور محرک کوئی اور امر ہے جو کہ اس سے زائد ہے۔ پس انہوں نے اس امر زائد کے متعلق بحث کی تو انہوں نے اپنے نفوس کو اور اس حد کو جو ان کیلئے ان کی عقل نے مقرر کی۔ پہچان لیا۔ اس کے علاوہ نہیں۔ تو اس سے انہیں تنزیہ وتشبیہ میں تردد اور عالم کے بارے میں معرفت کے اثبات ونفی میں حیرت لاحق ہوگئی۔ تو جب انہیں مذکورہ امور حاصل ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے رسل علیہم السلام بھیج کر ان پر رحمت فرمائی۔ اور شیخ نے اس کے متعلق ۳۳۹ ویں باب میں طویل کلام فرمایا ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کر۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حقیقی شریعت

اور رہی دوسری قسم جسے حقیقتاً شریعت کہا جاتا ہے یہ وہ سارے احکام ہیں جو کہ صادق مصدوق کی زبان پر آئے۔ جن میں عقل کو دخل نہیں سوائے انہیں قبول کرنے اور ان پر ایمان لانے کے۔ اور بس۔ جیسے کہ معجزات کی بحث میں گزر چکا۔ کیونکہ اگر عقلیں اپنی سعادت کے امور میں خود ہی مشغول ہو جائیں تو رسل کا وجود بے فائدہ ہوگا۔ اور یہ قطعاً معلوم ہے کہ ہم میں سے ہر انسان لازماً اپنے انجام سے اور اس سے کہاں منتقل ہوگا ایسے ہی ناواقف ہے جیسے اگر سعادت پا جائے تو اسباب سعادت سے اور اگر شقاوت حاصل ہو تو اسباب شقاوت سے ناواقف ہے اور یہ اس کے علم الٰہی کے متعلق ناواقف ہونے کیوجہ سے ہے جو کہ پہلے گزر چکا۔ اور اس سے کہ اس کے متعلق اس کا ارادہ کیا ہے اور اس نے اسے کس لئے پیدا فرمایا ہے۔ پس وہ لازماً اللہ تعالیٰ کے بتانے کا محتاج ہے اور اگر رسل علیہم السلام کا بھیجنا متحقق نہ ہوتا تو ہمیں طاعت اور معصیت میں فرق کا عرفان حاصل نہ ہوتا۔ اور نہ دونوں قبضوں والوں میں سے ایک دوسرے سے جدا ہوتا۔ تو معلوم ہوا کہ رسل کے بھیجنے سے اللہ تعالیٰ کی حجت اپنے بندوں پر قائم اور ظاہر ہوگئی۔ اور سعادت مند نہیں ہوا جو ہوا مگر تقسیم الٰہی سے۔ اور بد بخت نہیں ہوا جو ہوا مگر اسی کے ساتھ۔ اور رسل علیہم السلام کا اس میں ذاتی طور پر کوئی اثر نہیں۔ **ان علیك الا البلاغ** (الشوریٰ آیت ۴۸۔ آپ کا فرض تو صرف پہنچا دینا ہے۔)

انك لا تهدی من (القصص آیت ۵۶۔ آپ اسے ہدایت نہیں دیتے جسے آپ پسند کریں) (اقول و باللہ التوفیق یہاں ایجاد ہدایت کی حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے نفی فرمائی گئی۔ کیونکہ آپ سبب ہدایت ہیں۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے **انك لتهدی الی صراط مستقیم** (الشوریٰ آیت ۵۲۔ بیشک آپ صراط مستقیم کی طرف ہدایت دیتے ہیں)۔ چنانچہ ان آیات کے متعلق شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد یار خان گجراتی رحمۃ اللہ علیہ نور العرفان حاشیہ کنز الایمان میں فرماتے ہیں: یہاں (من احببت میں مذکور) محبت کے مقابلے میں مشیت ارشاد ہوا یعنی وہ ہدایت نہیں پاتا جس سے آپ محبت کریں کیونکہ آپ تو رحمت عالم ہیں۔ رحم کی بنا پر سب سے محبت کرتے ہیں بلکہ ہدایت وہ پائے گا جو آپ سے سچی محبت کرے۔ جیسے کہ ہر وہ شخص ہدایت نہیں پاتا جس سے رب محبت کرے۔ کیونکہ وہ ربوبیت کی محبت ہر بندے سے کرتا ہے۔ بلکہ ہدایت وہ پائے گا جس کی ہدایت رب چاہے۔ اسی لئے یہ نہ فرمایا یھدی من یحب"۔ اور انک لتھدی الی صراط مستقیم کے متعلق فرماتے ہیں: اس سے معلوم ہوا کہ باذن پروردگار حضور ہدایت دیتے ہیں۔ **انك لا تهدی من احببت** سے مراد یہ ہے کہ جس کی ہدایت رب نہ چاہے اسے تم ہدایت نہیں دے سکتے۔ لہٰذا آیات میں تعارض نہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے ہدایت ہی ملتی ہے۔ گمراہی دور ہوتی ہے۔ مگر قرآن کریم سے ہدایت بھی ملتی ہے اور گمراہی بھی۔ **یضل به کثیرا ویهدی به کثیرا** ۔ قرآن اسی کو ہدایت دیتا ہے جس کے دل میں صاحب قرآن کا نور ہو۔ نیز خط کشیدہ الفاظ کے متعلق فرماتے ہیں: قرآن سے گمراہی اسے ملتی ہے جو صاحب قرآن سے رشتہ غلامی توڑے اور ہدایت اسے ملتی ہے جس نے ان سرکار سے رشتہ غلامی جوڑا۔ ہاتھ میں قرآن اور دل میں قرآن والا تشریف فرما ہو۔ نیز اس کے ماقبل میں فرماتے ہیں: اس سے معلوم ہوا کہ قرآن سے ہر شخص ہدایت نہیں لے سکتا۔ اس سے گمراہی بھی ملتی ہے۔ جس کے دل میں قرآن والے سے تعلق ہو اس کیلئے قرآن ہدایت کا باعث ہے۔ اور جس کو ان محبوب سے الفت نہ ہو اسے قرآن سے گمراہی ملے گی۔ قرآن تو بارش کی مثل ہے اگر سینہ میں تخم اچھا ہے تو درخت اچھا نکالے گا۔ اسی لئے

کلمہ پڑھا کر مسلمان کرتے ہیں نہ کہ قرآن پڑھا کر۔ اور حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے سب سے پہلی تبلیغ میں کفار سے پوچھا کہ مجھے پہچانو میں تم میں کیسا ہوں۔ حضور کی معرفت سب سے مقدم ہے۔ محمد محفوظ الحق عفرلہ ولوالدیہ)

اور اسی طرح گمراہ کرنے میں ابلیس کیلئے کوئی اثر نہیں۔ وہ تو صرف لوگوں کو وسوسہ ڈالنے والا ہے کہ وہ کام کریں جسے اللہ تعالیٰ نے ان پر مقدر فرمایا ہے۔ اور وہ جہنم میں خطبہ دے گا اور کہے گا **ما کان لی علیکم من سلطان الا ان دعوتکم فاستجبتم لی فلاتلوموني ولوموا انفسکم** (ابراہیم آیت ۲۲۔ میرا تم پر کچھ زور نہ تھا سوائے اس کے کہ میں نے تمہیں (کفر کی) دعوت دی اور تم نے قبول کر لی۔ سوتم مجھے ملامت نہ کرو بلکہ اپنے آپ کو ملامت کرو) اور وہ ایسا مقام ہے جس میں جھوٹا بھی سچ بولے گا۔ اور اسی طرح جب رسول اپنی امت کو مثلاً کسی شے کے کرنے کا حکم دے تو ان کی زبان حال کہتی ہے کہ کیا ہم وہ کام کریں جو حق تعالیٰ نے ہمارے لئے مقسوم فرمایا یا اسے مقسوم نہیں فرمایا۔ پس رسول کیلئے اس کے سوا چارہ نہیں کہ فرمائے کہ وہ کام کرو جو تمہارے لئے مقسوم ہے۔ تو جب وہ کہتے ہیں کہ کیا ہم یہ کام اس وقت میں کریں جس میں اس کا کرنا حق تعالیٰ نے ہمارے لئے مقسوم فرمایا ہے یا اس سے پہلے۔ رسول انہیں فرماتا ہے: اس وقت میں جس میں اس کا کرنا تمہارے لئے مقسوم ہے۔ لیکن امر الٰہی کا سلطان تم پر متوجہ ہے کہ یہ اس وقت کرو جو تمہارے لئے شرعاً مقرر ہے نہ کہ تمہارے نفوس کے ارادے کے وقت۔ یہاں ان کی حجت مضمحل ہو جاتی ہے۔

مختلف سوالات اور ان کے جوابات

اگر تو کہے: کیا جن وانس کی طرح حیوانات کیلئے ان میں سے رسول ہیں جیسا کہ بعض کا قول ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ حیوانات کیلئے ان میں سے رسول نہیں ہیں۔ یہ جن وانس کے ساتھ خاص ہے۔ اور مالکیہ نے اس کے کفر کا فتویٰ دیا ہے جو کہے کہ حیوانات کی ہر جنس سے ان کیلئے انہیں کوئی ڈرانے والا ہے۔

اگر تو کہے: آپ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ **وان من امة الا خلا فیها نذیر** (الفاطر آیت ۲۴۔ اور کوئی امت ایسی نہیں جس میں کوئی ڈرانے والا نہ گزرا ہو۔) اور اس ارشاد میں **الا امم امثالکم** (الانعام آیت ۳۸ مگر وہ امتیں تمہاری مانند ہیں)۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ عام ہے جو کہ جن وانس کے ساتھ مخصوص ہے۔ پس بیشک کتوں کے متعلق وارد ہے کہ یہ امتوں سے ایک امت ہے۔ اسی طرح چیونٹیاں، چوہے، اور ہمیں کوئی دلیل قطعی نہیں ملی کہ ان کیلئے ان میں سے کوئی ڈرسنانے والا ہے۔ پس غلطی سے بچو۔

اگر تو کہے کہ امت کے بارے حکم تکلیف کب منقطع ہوتا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ اہل جنت اور اہل نار کے بارے میں موت کے ساتھ تکلیف منقطع ہو جاتی ہے۔ سوائے اہل اعراف کے۔ مگر یہ کہ قیامت کے دن سجدہ میں گر پڑیں تو اس سجدے کی وجہ سے ان کی میزان وزنی ہو جائے گی پھر وہ جنت میں داخل ہو جائیں گی۔ پس بیشک اگر ان کی تکلیف اس وقت تک باقی نہ ہوتی تو وہ سجدہ انہیں نفع نہ دیتا اور نہ ہی ان کا ترازو وزنی ہوتا۔

اگر تو کہے: پہلا وقت کون سا ہے جس میں روح کو مکلف قرار دیا گیا؟ تو جواب یہ ہے کہ یہ الست بربکم کے دن سے مکلف ہے۔ پس اگر اس کا مکلف ہونا اور اس کا فعل اس دن معرض وجود میں نہ ہوتا تو اسے خطاب کیا جاتا نہ وہ قبول کرتی۔ اور حدیث میں وارد ہے کہ چھوٹے بچوں، پاگلوں اور زمانہ فترات والوں کو کسی رسول کی زبان پر قیامت کے دن آزمایا جائے گا جسے ان کی طرف رسول بنایا جائے گا۔

پس اس رسول کا اس دن مبعوث ہونا ان کی طرف دار دنیا میں رسول کے مبعوث ہونے کے قائم مقام ہوگا۔ تو جس نے طاعت کی نجات پا گیا اور جنت میں داخل ہوا۔ اور جس نے اس کی نافرمانی کی اور حکم کی خلاف ورزی کی ہلاک ہوا اور واصل جہنم ہوا تا کہ حجت قائم کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے بندوں میں اس کی طرف سے عدل قائم ہوا۔ واللہ اعلم۔

مقصد بعثت

اور میں نے امام ابوطاہر القزوینی کی کتاب سراج العقول کے ۳۵ ویں باب یہ لکھا ہوا دیکھا ہے: جان لے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد کہ کائنات کا کوئی نشان تھا نہ بنانے والے کی کوئی خبر ساری کائنات کو اپنے فضل و کرم سے بنایا۔ پھر جب اس نے اپنے فضل سے انہیں بنایا تو انہیں ان کے امور دینیہ اور دنیویہ کے بارے میں ان کی مصلحتوں کی طرف لوٹنے والی چیزوں سے بے خبر غافل نہ چھوڑا، چونکہ اللہ جل جلالہ ان کی طرف آنے اور ان پر نزول فرمانے سے منزہ ہے اور اس کا کلام حرف و آواز سے پاک ہے حتیٰ کہ وہ اس کا کلام مشافہۃً سنیں تو اس نے انہیں میں سے خوشخبری سنانے والے اور اس کے عذاب سے ڈرانیوالے رسول ان کی طرف بھیجے تا کہ یہ حضرات اس کے بندوں کے کانوں تک اس کا کلام پہنچائیں اور بعض شعراء نے یہ معنی اپنے الفاظ میں یوں بیان کیا ہے'' اور جب ہماری ملاقات مشکل ہوگئی۔ جھگڑا زیادہ ہوا اور قدم تیز ہوئے میں تیری طرف قاصد کے پاؤں کے ساتھ تیز چلا اور میری طرف سے قلم کی زبان نے تجھ سے گفتگو کی''۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ **سلامبشرین و منذرین علی ایکون للناس علیالله حجة بعد الرسل** (النساء آیت ۱۶۵ رسول خوشخبری دینے کیلئے اور ڈرانے کیلئے تا کہ رسولوں کے بعد لوگوں کیلئے اللہ تعالیٰ کے ہاں عذر نہ رہے) بیشک اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ امر ہے کہ اس نے ہماری طرف رسول بھیجے جیسے کہ اس نے اپنے فضل سے ہمیں عدم سے پیدا فرمایا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ پر قطعاً کوئی چیز واجب نہیں ہے۔

حقیقت نبوت، مکتسبہ یا موہوبہ

اگر تو کہے کہ نبوت کی حقیقت کیا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کسی شخصیت کے نام یہ خطاب ہے کہ تو میرا رسول ہے اور میں نے تجھے اپنی ذات کیلئے مخصوص کر لیا ہے جیسے کہ اس سے پہلی بحث میں گذرا۔ **الله اعلم حیث یجعل رسالته** (الانعام آیت ۱۲۴۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے جہاں وہ اپنی رسالت رکھتا ہے)

اگر تو کہے کہ کیا نبوت کسب سے حاصل ہوتی ہے یا ہبہ خداوندی ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ نبوت کسب سے نہیں ملتی۔ یہاں کہ عبادات اور ریاضات کے ساتھ اس تک رسائی ہو سکے جیسا کہ احمقوں کی ایک جماعت کا گمان ہے۔ پس بیشک اللہ تعالیٰ نے رسل کی طرف سے اپنے اس قول کے ساتھ حکایت فرمائی ہے **قالت لهم رسلهم ان نحن الابشر مثلكم ولكن الله يمن على من يشاء من عباده** (ابراہیم آیت ۱۱۔ انہیں ان کے رسولوں نے کہا کہ ہم تو (بظاہر) تمہاری طرح انسان ہی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے احسان فرماتا ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو حکم فرمایا کہ یوں کہیں **سبحان ربی هل کنت الا بشرا رسولا** (بنی اسرائیل آیت ۹۳۔ میرا رب ہر عیب سے پاک ہے۔ میں تو انسان ہوں جو بھیجا گیا ہے) (**اقول وباللہ التوفیق** مذکورہ الصدر مقصد بعثت کے مطابق اللہ تعالیٰ انسانوں میں سے جسے چاہے رسول چنتا ہے۔ جو کہ بنی نوع کی حسب حکم خداوندی اپنے حلقۂ امت میں

راہنمائی فرماتے ہیں۔ قرآن پاک کے مختلف مقامات میں انبیاء علیہم السلام کی بشریت کا ذکر ہے جس سے بعض لوگ غلط استدلال کرتے ہوئے ان نفوس قدسیہ کو عام بشروں جیسا قرار دینے ناپاک کوشش کرتے ہیں لہٰذا راست راہنمائی کیلئے یہاں نور العرفان حاشیہ کنز الایمان کے چند اقتباسات نقل کرنے کا شرف حاصل کر رہا ہوں۔

قالت لهم رسلهم الخ کے تحت مفتی احمد یار خاں صاحب گجراتی فرماتے ہیں'' یہی لفظ کافروں کے منہ سے نکلیں تو کفر ہے۔ نبی کے منہ سے نکلے تو ان کا کمال ہے۔ خیال رہے کہ نبی کو بشر یا تو رب نے فرمایا۔ یا خود نبی نے اپنے کو یا کفار نے۔ ان تینوں کے سوا کسی نے انہیں بشر نہ کہا۔ اب جو انہیں بشر کہہ کر پکارے وہ نہ رب ہے۔ نہ نبی تو لامحالہ بے ایمان ہی ہے۔ رب فرماتا ہے **فقالوا ابشر یھدوننا** '' قل سبحان ربی کے متعلق فرماتے ہیں: خیال رہے کہ حضور خود اپنے کو بشر فرمائیں تو یہ آپ کا کمال ہے۔ اگر ہم برابری کے دعوے سے بشر کہیں تو کافر ہو جائیں۔ ص ۴۶۴۔ **قل انما انا بشر مثلکم الخ** کے متعلق رقم طراز ہیں: حضور آئینہ جمال کبریا ہیں۔ اور آئینہ میں تب ہی عکس پورا آتا ہے جبکہ اس کی ایک جانب شفاف ہو اور دوسری طرف مسالحہ ہو۔ حضور ایک طرف نور ہیں۔ دوسری طرف آپ بشریت کا غلاف ہے۔ تاکہ مکمل آئینہ ہوں۔ یہاں بشریت والی جانب کا ذکر ہے اور قد جاءکم من اللہ نور میں دوسری جانب کا ذکر ہے۔ قل فرما کر اشارۃً بتایا گیا کہ اپنے کو تواضعاً بشر صرف تم ہی کہہ سکتے ہو۔ دوسرے کو یہ کہہ کر پکارنے کی اجازت نہیں۔ رب فرماتا ہے **لا تجعلوا دعاء الرسول کدعاء بعضکم بعضا**۔ بادشاہ اپنی رعایا سے کہے کہ میں تمہارا خادم ہوں تو اس کا کمال ہے۔ مگر دوسرا کہے تو سزا پائے گا۔ ص ۴۸۰۔

اس کے بعد یوحی الی پر گفتگو یوں فرمائی: یعنی میں بشر صاحب وحی ہوں جیسے کہا جاوے کہ انسان، حیوان ناطق ہے ناطق نے انسان کو تمام جانوروں سے ممتاز کر دیا۔ ایسے ہی وحی نے حضور کو تمام انسانوں سے ممتاز کر دیا۔ مثلیت صرف بشریت یعنی ظاہری چہرے مہرے میں ہے جیسے جبریل جب شکل بشری میں آتے تھے تو کپڑے سفید اور بال سیاہ رکھتے تھے۔ اس کے باوجود وہ نور تھے۔ ایسے ہی حضور ظاہری چہرے مہرے میں بشر اور حقیقت میں نور ہیں۔ **قد جاءکم من اللہ نور**۔ خیال رہے کہ انبیاء نے اپنے کو ظالم ضال۔ خطاوار وغیرہ فرمایا ہے۔ اگر ہم یہ الفاظ ان کی شان میں بولیں تو کافر ہو جائیں۔ ایسے ہی حضور سے فرمایا گیا کہ اپنے کو بشر کہو۔ اگر ہم برابری کا دعویٰ کرتے ہوئے یہ کہیں تو بے ایمان ہیں۔ جیسے قرآن میں عربی حروف ہیں مگر بے مثال ہیں لہٰذا کتاب اللہ ہے۔ یونہی حضور میں بشری صفات ہیں مگر بے مثال ہیں۔ لہٰذا رسول اللہ ہیں۔ اس بے مثالیت کو یوحی الی نے بیان فرمایا''۔ (محمد محفوظ الحق غفرلہ ولوالدیہ)

پس نبوت محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جیسے کہ گزر چکا۔ بخلاف معتزلہ اور ان کے پیروکاروں کے کہ انہوں نے لطف کی جہت سے عقلی طور پر نبوت کے وجوب کا قول کیا ہے۔ اور حق یہ ہے کہ یہ عقلاً جائز اور تواتر یا پھر معاینہ تک پہنچنے والی نقل کے طور پر واجب ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے فضل، اس رحمت اور ملک و ملکوت میں اس کے اوامر و نواہی کی تدبیر کے ساتھ ہے، جس پر چاہے اور جیسے چاہے۔ پس نبوت ایک صفت ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے کسی شخصیت کو اپنے خطاب کے ساتھ منتخب کرنے کی طرف لوٹتی ہے۔ گرچہ کہ فرشتے کے واسطہ سے ہو۔ اور اس شخصیت کی ذات کی طرف نہیں لوٹتی جو کہ نبی ہے حتیٰ کہ کہا جائے کہ وہ لذاتہ مستحق نبوت ہے۔ اور جب صورت مسئلہ یہ ہے تو یہ فوت ہونے کی وجہ سے باطل نہیں ہوتی جیسے کہ نیند وغیرہ سے باطل نہیں ہوتی۔ جس نے یہ کہا کہ نبوت نباء سے لی گئی ہے اور وہ خبر دینا ہے کیونکہ نبی اللہ تعالیٰ سے خبر دیتا ہے اور جو فوت ہو گیا وہ خبر نہیں دیتا۔ تو جواباً ہم کہتے ہیں کہ اس کیلئے حکم نبوت ابد الآباد تک حیات و وفات میں باقی

ہے جیسے کہ اس کے نکاح کا حکم اسی طرح ہے۔ اور حدیث پاک میں ہے دنیا میں میری ازواج آخرت میں میری ازواج ہیں اور حدیث پاک میں یہ بھی ہے کہ انبیاء اپنی قبور میں زندہ ہیں نماز پڑھتے ہیں اور مالکیہ غیرا ہم نے اس کے کفر کا فتوی دیا ہے جو کہتا ہے کہ نبوت کسب سے حاصل ہوتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ملائکہ کی رسالت

اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو رسول کیوں نہ بنا کر بھیجا جبکہ وہ اپنی ملکی وضع کی وجہ سے حق کی طرف زیادہ موثر دعوت دیتے اور ان کے حکم کو قبول کیا جاتا۔ اور کفار یہ بھی نہ کہتے کہ کیا ہم اپنے میں سے ایک بشر کی پیروی کریں۔ یہ سوال کفار مکہ کی طرف سے پہلے بیان ہو چکا اور اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب یہ دیا **قل لو کان فی الارض ملائکۃ یمشون مطمئنین لنزلنا علیھم من السماء ملکا رسولا** (بنی اسرائیل) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **ولو جعلناہ ملکا لجعلنا رجلا وللبسنا علیھم مایلبسون** (الانعام آیت ۹ اور اگر ہم کسی فرشتے کو نبی بناتے تو اسے انسانی شکل میں بناتے تو یوں ہم ان پر مشتبہ کر دیتے جس شبہہ میں وہ اب ہیں) اور اس میں معنی یہ ہے کہ رسالت میں امتحان اور جانچ ہے۔ پس اللہ تعالیٰ جو کچھ ہوگا اس سے پہلے کہ ہوا سے جاننے والا ہے۔ پس دیکھتا ہے کہ کیا ان میں حسد کی بیماری قائم ہوتی ہے پس وہ اس رسول کی طاعت نہیں کرتے یا اس کی طاعت کرتے ہیں۔ اور یہ اس لئے کہ حسد کا موضوع یہ ہے کہ ایک جنس کے درمیان ہو۔ پس بشر اور فرشتہ کے مابین حسد نہیں۔ اور اسی لئے کفار مکہ نے مطالبہ کیا کہ ان کی طرف بھیجا جانے والا فرشتہ ہو کہ ان کے اور فرشتہ کے درمیان حسد نہیں بخلاف حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے۔ نیز عام انسان ملائکہ کو ان کے اجسام اور صفات کے ساتھ ان کی شکلوں میں دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ چہ جائیکہ ان سے کلام کا استفادہ کر سکیں۔ جنس تو صرف جنس کی طرف مانوس ہوتی ہے۔ اور کوئی عجب نہیں کہ آدمی فرشتے کی شکل سے گھبرا جائے جو کہ ایک پر کھولے تو ساری فضا کو پر کر دے۔

اور ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہند کے بالائی علاقوں۔ چین کے دور دراز شہروں اور اس کے جزائر میں ایسے عجیب لوگ پیدا فرمائے ہیں کہ اگر وہ ہم میں سے کسی کو دیکھ لیں تو منہ کے بل گر کر مر جائیں۔ اور اگر ہم میں سے کوئی ان میں سے کسی کی شکل دیکھ لے تو اس سے خوف کے مارے اس کا پتہ پھٹ جائے۔ اور قصر مشید میں ایک مخلوق ہے ہم میں سے کسی کی ان پر نظر نہیں پڑتی مگر وہ گرتے ہی مر جاتا ہے۔ اور ایک شخص کو مضبوط رسیوں کے ساتھ جکڑ کر کہا گیا کہ تو دیکھ اور ہم تجھے تھامے ہوئے ہیں۔ اس نے جیسے ہی ان کی طرف دیکھا رسیوں سے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ان کی طرف گر پڑا۔ اور آغاز وحی کی حدیث مشہور ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنی قوت اور عالی حوصلگی کے باوجود غار حرا میں جب فرشتے کو پہلے پہل آسمان اور زمین کے درمیان کرسی پر بیٹھے ہوئے دیکھا کہ اس کی پر ہول آواز ہے تو مرعوب ہو کر پہاڑ سے زمین کی طرف اتر آئے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ کے ہاں تشریف لائے اور فرما رہے تھے کہ مجھے کپڑا اوڑھا دو۔ تو اس بنا پر اگر اللہ تعالیٰ فرشتوں کو رسول بنا کر اپنے بندوں کی طرف مبعوث فرماتا تو یہ ان سے بھاگ جاتے اور ان کا کلام سن نہ سکتے بلکہ اکثر ان کی ہیبت سے بے ہوش ہو جاتے اور مر جاتے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا **ولو انزلنا ملکا لقضی الامرثم لاینظرون** (الانعام آیت ۸۔ اور اگر ہم فرشتہ اتارتے تو ہر بات کا فیصلہ ہو گیا ہوتا پھر انہیں مہلت نہ دی جاتی) یعنی اس کی ہیبت سے اس وقت مر جاتے۔ پس تیرے لئے رسول کے مرسل الیہم کی جنس سے ہونے کا فائدہ واضح ہو گیا۔ اور یہ ہم جنس ہونے کی بنا پر اس سے مانوس ہونے

کی وجہ سے اس سے فیض حاصل کرنے کی صلاحیت کا ہونا ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ھوالذی بعث فی الامیین رسولا منھم (الجمعہ آیت ۲۔ وہی ہے جس نے امیوں میں رسول بھیجا ان میں سے) نیز ارشاد خداوندی ہے وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ لیبین لھم (ابراہیم آیت ۴) اور ہم نے کسی رسول کو نہیں بھیجا مگر اس کی قوم کی زبان کے ساتھ تا کہ ان کے لئے بیان کرے)

افکلما جاء کم رسول بما لا تھوی انفسکم کا مفہوم

اگر تو کہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی تحقیق کیا ہے افکلما جاء کم رسول بما لا تھوی انفسکم استکبر تم (البقرۃ آیت ۸۷ تو کیا جب کبھی تمہارے پاس کوئی رسول ایسا حکم لایا جو تمہارے نفس پسند نہ کرتے تم نے تکبر کیا) کیا رسل علیہم السلام جو احکام لائے وہ بہمہ وجوہ سب کے سب نفس کی چاہت کے خلاف تھے یا بعض اس کی چاہت کے موافق تھے؟ اس کا جواب ۲۹۸ ویں باب میں شیخ محی الدین نے یہ دیا ہے کہ شرع ہمارے لئے طبع کی موافقت کے ساتھ ہی آئی ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ انسان کو مشقت اور کلفت کہاں سے آئی ہے۔ اور اس کی وضاحت یہ ہے کہ جن صفات پر انسان کی جبلت رکھی گئی ہے وہ نہیں بدلتیں۔ بیشک یہ اس کیلئے اس دنیوی زندگی میں ذاتی ہیں اور مزاج خاص ہے۔ پس قریب نہیں کہ بزدلی، بخل، حسد، تکبر، سختی اور غلبہ کی طلب وغیرہ چھوڑ دے۔ پھر چونکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ یہ صفات ایسی نہیں ہیں کہ بدلیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے صرف کرنے کے مقامات مقرر فرما دیئے۔ اور حکم شرعی کے ساتھ انہیں ان کی طرف صرف کرنے کا حکم دیا۔ اگر نفس ان مصارف کی پیروی کرے تو سعادت پاتا ہے اور بلند درجات حاصل کر لیتا ہے۔ پس ان حرام چیزوں کے ارتکاب سے بزدلی اختیار کرتا ہے جن کی وجہ سے دنیا و آخرت میں نقصان کی توقع ہو۔ اسی طرح اپنے دین کے متعلق بخل کرتا ہے کہ ایسی چیز میں گرے جو اسے ناقص کر دے اور اللہ تعالیٰ کی رضا طلب کرتے ہوئے جو شخص مال خرچ کرے اور اخلاص کے طریقے۔ سے علم کی طلب کرے اس سے رشک کرتا ہے۔ اور خیر پر حریص ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس سے بڑا اور معزز بنے جو کہ اللہ تعالیٰ کے امر سے تکبر اور انحراف کرتا ہے۔ اور ان مقامات میں قول و فعل میں سختی کرے جہاں اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے۔ اور حق کی مخالفت اور مقابلہ کرنیوالے پر غلبہ اور قہر طلب کرے۔ پس تیرے لئے ظاہر ہو گیا کہ صفات نفس اپنی ذات کی حد تک نہیں بدلیں۔ صرف ان صفات کو ان مصارف میں صرف کہا ہے جس کی طرف حق تعالیٰ نے حکم دیا ہے تا کہ اس کا رب اس کے فرشتے اور اس کے رسول اس کی تعریف کریں۔

اور اس کا بیان یہ بھی ہے کہ حق تعالیٰ نے بندے پر اس چیز سے من کل الوجوہ پابندی نہیں رکھی جس کا اسکی طبیعت تقاضا کرتی ہے۔ صرف اس پر بعض چیزوں کی پابندی لگائی ہے اور لوگوں کو صرف ان کی غرضوں کے غلبے نے ہلاک کیا ہے کہ اسی نے انہیں دکھ اور کرب میں مبتلا کیا ہے۔ اگر وہ اپنی اغراض اس چیز کی طرف پھر دیتے جس کا ان کے خالق نے ان کیلئے ارادہ فرمایا اور ان کیلئے اسے پسند فرمایا تو راحت پاتے۔ اور اس میں شیخ نے طویل کلام فرمایا۔

نور سے کیا مراد ہے؟

اگر تو کہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول نور علی نور یھدی اللہ لنورہ من یشاء میں کیا اس سے مراد نور شرع کے ساتھ نور عقل ہے یا اس کے علاوہ؟ تو اس کا جواب شیخ محی الدین کے قول کے مطابق یہ ہے کہ ان دونوں نوروں سے مراد نور توفیق و ہدایت کیساتھ نور شرع ہے۔ اگر ان دونوں

نوروں کا اجتماع نہ ہوتا تو مکلف کا حال کامل نہ ہوتا۔ اور یہ اس لئے کہ اکیلے ایک نور کا کی روشنی ظاہر نہیں ہوتی اور کوئی شک نہیں کہ نور شرع رسل علیہم السلام کے بھیجے جانے کے وقت سے ہی سورج کے نور کے ظہور کی طرح ظاہر ہو چکا ہے۔ لیکن اندھا اسے نہیں دیکھتا جیسے کہ چمگادڑ دن کی روشنی میں کچھ نہیں دیکھتا۔ اور اسی لئے جس کی بصیرت کو اللہ تعالیٰ نے اندھا کر دیا اس کے نور کا ادراک نہ کرنے کی وجہ وہ اس پر ایمان نہیں لاتا۔ اور اگر نور بصیرت موجود ہوتا اور شرع کا نور ظاہر نہ ہوتا تو نور بصیرت والا نہ جانتا کہ کدھر چلے گا اور کیسے چلے گا کیونکہ وہ ایک راستہ ہے جو معلوم نہیں اس کے مشمولات پہنچانے نہیں جا سکتے۔ نہ ہی وہ مقام جہاں یہ پہنچتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ اس راستہ میں چلنے والا اگر اپنے چراغ کی خواہشات سے حفاظت نہیں کرتا تو اس پر طوفانی ہوائیں چلیں گی اور اسے بجھادیں گی۔ اور اس کا نور ختم کر دیں گی۔ اور طوفانی ہواؤں سے ہماری مراد ہر وہ چیز ہے جو کہ اس کی توحید او ں کے ایمان میں اثر کرے۔ تو اگر نرم ہوا چلے تو اس کا چراغ اور اس کی لو جھک جائے گی یہاں تک وہ راستے میں حیرت زدہ ہو جائے گا۔ تب یہ ہوا شریعت کی فروع میں خواہش کی پیروی کی طرح ہے۔ اور یہ وہ معاصی ہیں جن کی وجہ سے انسان کافر نہیں ہوتا اور اس کی توحید اور اس کے ایمان میں رخنہ اندازی نہیں کرتے۔ انتہی۔

عذاب اور ثبوت رسالت

اگر تو کہے کہ کیا رسل علیہم السلام کی مخالفت کرنیوالے پر عذاب واقع ہونے کیلئے اس کے نزدیک اس کی رسالت ثابت ہونا شرط ہے؟ اس کا جواب شیخ نے ۳۷۶ ویں باب میں یہ دیا ہے کہ ہاں اس کے نزدیک ان کی رسالت کا ثبوت شرط ہے حتیٰ کہ اس کی بناء پر اس پر تعمیل حکم اور نہی سے پرہیز واجب ہو۔

اگر تو کہے کہ ثبوت رسالت کی کیا صورت ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ جن کی طرف رسول بھیجا گیا ہے ان میں سے ہر شخص پر ظاہری دلالت قائم ہو۔ برابر ہے کہ تواتر کے واسطے سے ہو یا قلب میں نور چمکنے کی وجہ سے۔ پس کئی آیتوں میں اس طرح گہرائی اور احتمال ہوتا ہے کہ بعض لوگ اس کے معنی کا ادراک نہیں کر سکتے اور اس کی دلالت کی وجہ پہچان نہیں سکتے۔ تو اس کے سوا چارہ نہیں کہ صحت رسالت پر دلیل اس کیلئے انتہائی واضح ہو جس کیلئے قائم ہوئی ہے حتیٰ کہ اس کے ہاں ثابت ہو جائے کہ وہ رسول ہے۔ اور اس وقت اگر وضاحت اور یقین کے بعد انکار کرتا ہے تو اس کا مواخذہ متعین ہو جاتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: **وما کنا مذبین حتی نبعث رسولا** (بنی اسرائیل آیت ۱۵۔ اور ہم عذاب نازل نہیں کرتے جب تک کہ ہم کسی رسول کو نہ بھیجیں) اور یہ نہیں فرمایا کہ جب تک کہ ہم کسی شخص کو نہ بھیجیں۔ کیونکہ ضروری ہے کہ جس کی طرف رسول بھیجا گیا اس کے نزدیک اس کی رسالت ثابت ہو جیسا کہ پہلے گزر چکا۔ اور اس آیت میں امت کیلئے عظیم رحمت ہے اس لئے کہ خلق کی فطرتوں میں اختلاف ہے جو کہ اختلاف نظر تک لے جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ صرف اس لئے کیا تا کہ اپنے بندوں میں سے جس پر رحم کرنے کا ارادہ فرمائے اس پر رحمت کا دروازہ کھول دے۔

دعاء الی اللہ کی تعمیل سے سبب مانع

اگر تو کہے کہ پھر وہ سبب کیا ہے جس نے بندے کو دعاء الی اللہ تعالیٰ سننے کے باوجود اس پر عمل کرنے سے روک دیا جس پر کہ عمل واجب تھا۔ اور کیا اس کا حکم اس شخص کا حکم ہے جس نے سنا ہی نہیں پس حق تعالیٰ نے اس پر فضل فرمایا اور اسے معاف فرما دیا۔ یا اس کا حکم اس شخص کا حکم ہے جسے علم ہوا پس اس نے عمل نہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے عدل کی بنا پر اسے عذاب دیا پس بیشک اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ولا

تکونوا کالذین قالوا سمعنا وھم لا یسمعون (الانفال آیت ۲۱۔ اور ان لوگوں کی طرح نہ ہونا جنہوں نے کہا ہم نے سن لیا حالانکہ وہ نہیں سنتے) بیشک انہوں نے اسے حقیقتاً سن لیا اور سمجھ لیا کیونکہ وہ ان کی زبان میں ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہم لا یسمعون یعنی ان کا حکم اس شخص کا حکم ہے جس نے نہیں سنا باوجودیکہ انہوں نے سنا تھا۔

تو جواب یہ ہے کہ احوال کے قرائن اس کیلئے سزا کی گواہی دیتے ہیں جو سنتا ہے اور سنے پر عمل نہیں کرتا۔ لیکن موحدین کے حق میں نفس الامر میں امکان مرفوع نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی وسعت رحمت اور عام موحدین کی برائیوں سے اس کی درگزر معروف ہے مگر جسے اللہ تعالیٰ چاہے اور ہمیں حق تعالیٰ نے ان لوگوں کے حکم کے متعلق خبر نہیں دی ہے جنہوں نے کہا کہ ہم نے سن لیا حالانکہ وہ نہیں سنتے کیا انہیں عذاب دے گا یا نہیں۔

رسول کی دعوت کی کیفیت

اگر تو کہے کہ کیا رسول کی اس کیلئے دعوت جسے دعوت دیتا ہے۔ اصرار کے ساتھ زیادہ بہتر ہے یا بغیر اصرار کے۔ تو جواب یہ ہے کہ داعی الی اللہ کی شروط میں سے اس کی نگاہ کا مدعو کے باطن تک پہنچنا ہے۔ اور اگر مدعو کو دیکھے کہ اس کا قبول کرنا ممکن ہے تو اسے اصرار کے ساتھ دعوت دے ۔ ورنہ اس پر حجت قائم کرنے کیلئے خاص کر اسی کو بغیر اصرار کے دعوت دے۔ اسی لئے انبیاء علیہم السلام امر بالتوحید کے ساتھ صرف اور صرف مشرکین کیلئے بھیجے گئے جیسا کہ اسے شیخ نے فتوحات کے ۲۷ویں باب کے آخر میں ذکر کیا ہے۔ فرمایا: یہ اس لئے ہے کہ مشرکین اللہ تعالیٰ سے ساری مخلوق سے بعید ہیں پس ان کی طرف توحید کے ساتھ مبعوث فرمائے گئے تا کہ انہیں راہ ہدایت کی طرف راہنمائی کریں اور یہی راز ہے رسول پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے کعبہ کی طرف قربانی کے اونٹ بھیجنے کا باوجودیکہ ان کے متعلق آپ نے ذکر فرمایا کہ یہ شیاطین ہیں تا کہ عقل والوں کے نزدیک جو کہ اس کا علم رکھتے ہیں ثابت ہو جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے مقام نے حضرت الٰہیہ سے دوری والوں کو لوٹا دیا۔ اور ان کے کوہان کی دائیں صفحہ یعنی جانب میں نشان لگایا جو کہ ان کے جسم میں سب سے اونچی ہے تا کہ مشرکین کی اس بڑائی پر تنبیہ فرمائیں جو وہ اپنے نفسوں میں رکھتے تھے۔ نیز صفحہ مشتق ہے صفح سے تو اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ جتلایا گیا ہے کہ جس کی یہ حالت ہو جب مغفرت الٰہیہ سے قرب اختیار کرنے کا ارادہ کرے تو اس سے درگزر کیجائے۔ اور ان کی گردنوں میں جوتے لٹکانا بڑائی اور شیطنت کے زائل ہونے کی طرف اشارہ ہے جو کہ اونٹوں میں تھی۔ کیونکہ جوتوں سے پٹائی صرف رسوا اور ذلیل لوگ کی ہوتی ہے۔ تو جو اس حالت میں ہو تو اس کے ہاں کوئی بڑائی باقی ہی نہیں رہی جو ظاہر ہو۔ اور حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ایک دفعہ بکریاں کعبہ کی طرف ہدیہ بھیجیں جبکہ یہ جانور شیطنت سے پاک ہے تو یہ آپ کی طرف سے مقامات توحید میں موحدین کی ترقی میں انہیں قریب کرنے کا اشارہ ہے۔ پس تجھے معلوم ہو گیا کہ رسل کے مبعوث ہونے کی حکمتوں میں سے یہ ہے کہ حضرت الٰہیہ سے دور بھاگنے والوں کو اس کی طرف لوٹائیں اور اس کے اہل لوگوں کو ان کے درجات میں ترقی دیں۔

خاتمہ۔ بعثت رسل کے آثار کے بارے میں

جان لے کہ اس کے آثار میں سے دو ہمنشینوں کا وجود ہے جو کہ فرشتہ اور شیطان ہیں۔ تو جو اہل فترات میں سے ہے تو اس کا کوئی ہمنشین نہیں۔ بلکہ وہ اپنی طبیعت کے حکم کے ساتھ تصرف کرتا ہے۔ کیونکہ علی الخصوص اس کی پیشانی اس کے پروردگار کے ہاتھ میں ہے۔ پس اس زمانے میں وہ احوال موحدین میں سے جس کی تمنا کرے تو وہ صراط مستقیم پر ہے۔ البتہ وہ جو اس امت میں ہو جس میں کوئی رسول مبعوث ہوا یا اس امت میں پیدا کیا گیا جس میں کوئی رسول مبعوث ہوا تو دونوں ہمنشین وجود شرع کی وجہ سے اس کی ولادت کے وقت

سے ہی اس کے ساتھ لازم ہوتے ہیں۔
اگر تو کہے کہ مولود تو بالغ ہونے تک غیر مکلف ہے تو یہ دونوں ہمنشین اس کے ساتھ کس لئے ہوتے ہیں جبکہ وہ غیر مکلف ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مولود کے حق میں خاص اس کیلئے یہ دونوں ہم نشین مقرر نہیں فرمائے وہ تو اس کے والدین کی تربیت کی خاطر ہیں یا جو بھی ہو۔ پس اسے شیطانی ساتھی کچوکا لگاتا ہے تو وہ روتا ہے۔ یا اس کے ہاتھ کے ساتھ کھیلتا ہے پس کوئی ایسی چیز خراب کر دیتا ہے جس کی خرابی اس کے والدین ناپسند کرتے ہیں وغیرہ۔ پس اس مولود غیر مکلف سے پائی جانیوالی یہ حرکت ایسی چیز ہوتی ہے جو دوسرے میں اللہ تعالیٰ کے فعل اور اس کی تقدیر کو ناپسند کرتے ہوئے غم وغصہ پیدا کرنے والی ہوتی ہے۔ پس گناہ اس کے ساتھ متعلق ہوتا ہے۔ پس اسی لئے بچے کے ساتھ شیطان ہم نشین ہوا۔ اس بچے کیلئے نہیں کیونکہ اس کی کوئی حرکت نفسیہ ہے نہ ربانیہ یہاں تک کہ بالغ ہو جائے۔

ہمنشین فرشتے اور شیطان کے متعلق چند سوالات اور جوابات

اگر تو کہے کہ جب مولود ایسے زمانے میں ہو جس میں کوئی شریعت نہیں تو کیا یہ کہا جائے گا کہ اس کی حرکت نفسیہ ہے یا نہیں؟ تو جواب یہ ہے کہ جب مولود ایسی امت میں نہ ہو جس کیلئے کوئی شرع ہو تو اس کی حرکت تمام کی تمام اس کی ولادت کے وقت سے لے کر اس کے مرنے تک نفسیہ ہے۔ جب تک کہ اس کی طرف رسول نہ بھیجا جائے یا وہ خود اللہ تعالیٰ کے دین میں داخل ہو جس کے ساتھ عبادت کی جاتی ہے۔ کوئی سا دین ہو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مشروع یا غیر مشروع۔ اس وقت دونوں ہمنشین اس کے سپرد کر دیئے جاتے ہیں کیونکہ اکیلی عقل کے لئے یہ صلاحیت نہیں کہ عبادات مشروع کرے۔
اگر تو کہے کہ اس کا کیا حکم ہے جو ان اخلاق پر ہو کہ عرف میں ان کی عادت۔ طبعاً محبوب اور عقل کے ساتھ ان کا ادراک ہو سکتا ہو؟ تو جواب یہ ہے کہ ایسے شخص پر کوئی ایسا حکم نہیں لگایا جا سکتا کہ اللہ تعالیٰ کے متعلق قطعی طور پر کہا جا سکے کیونکہ عقل ادراک نہیں کرتی کہ وہاں کوئی آخرت، جنت، دوزخ اور موت کے بعد کوئی حشر ہے اور نہ ہی اپنے بدن کی تدبیر کرنیوالا اسے پہچان سکتا ہے۔ اس کا ادراک تو صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے شارع کی خبروں کی جہت سے ہی ہو سکتا ہے جیسا کہ معجزات کی بحث میں گزر چکا۔
اگر تو کہے کہ کیا دونوں ہمنشین جنوں اور انسانوں کے ساتھ دار التکلیف میں خاص ہیں یا یہ ان دونوں کے لئے اور ان کے غیر کیلئے ہوتے ہیں حتیٰ کہ جنت میں؟ تو جواب یہ ہے کہ دونوں ہمنشین جنوں اور انسانوں کے ساتھ صرف دار التکلیف میں خاص ہیں۔ کیونکہ انسانوں اور جنوں کے سوا ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کی تعظیم۔ اس کی حمد کے ساتھ تسبیح کی فطرت پر بنائی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے امر کی نافرمانی نہیں کرتی۔ اور اسی طرح جسد انسانی اور جسد جنی کے اعضاء ہیں۔ لیکن ان اعضاء کی تسبیح قرب حاصل کرنے اور مرتبہ اعظم طلب کرنے کے طور پر نہیں بلکہ اس کی وجہ سے وہ راحت حاصل کرتے ہیں جیسے کہ آنے جانے والے سانسوں کے ساتھ۔ اور جیسے کہ جنات اور انسان جنت اور جہنم میں تسبیح پڑھیں گے لیکن عبادت کے طریقے پر نہیں کہ جس کی تکلیف دی گئی ہو۔ نہ ہی زمانہ تکلیف گزرنے کی وجہ سے ان کی کوئی عبادت منسوخ ہوگی۔ پس وہاں مخلوق میں سے ہر ایک اپنی تسبیح وتحمید میں ایک معلوم مقام پر ہوگا۔ کیونکہ عادت وہاں طبعیہ ہو چکی جس کا تقاضا ہر کسی کی حقیقت کرے گی اور تکلیف اور مخالفتوں میں گرنا اٹھ جائے گا تو ہم نشین کچھ پائے گا ہی نہیں کہ اسے لکھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔
الحمدللہ رب العالمین کہ الیواقیت والجواہر کی پہلی جلد کا ترجمہ اس کے احسان وتوفیق سے مکمل ہوا۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

اکتیسویں بحث

عصمت انبیاء علیہم السلام

کے بیان میں کہ یہ نفوس قدسیہ ہر اس حرکت یا سکون یا قول یا فعل سے معصوم ہیں جو ان کے مقام اکمل کو کم کرے۔ اور یہ ان کیلئے مخصوص دربار الہیہ میں ان کے دائمی طور پر معتکف رہنے کی وجہ سے ہے۔ کبھی تو یہ حضرات حق سبحانہ وتعالیٰ کا مشاہدہ میں اور کبھی یہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ وہ انہیں دیکھ رہا ہے اور یہ اسے نہیں دیکھ رہے۔ اور ان دو امور کے شہور سے کبھی بھی باہر نہیں ہوتے۔ اور جس کا مقام یہ ہوا اس کے حق میں مخالف حقیقیہ کا کبھی تصور نہیں ہوسکتا۔ وہ تو صرف صورتاً مخالفت ہوتی ہے۔ جیسے کہ اسکا بیان آگے آئے گا۔ اور اسے بارگاہ احسان کہتے ہیں۔ اور اسی سے انبیاء کی عصمت اور اولیاء کی حفاظت ہے۔ پس اولیاء داخل ہوتے ہیں اور نکلتے ہیں جبکہ انبیاء وہیں مقیم ہیں اور اولیاء میں سے جو حضرات وہاں اقامت پذیر ہیں جیسے سہل بن عبداللہ التستری اور سیدی ابراہیم المتبولی تو یہ انبیاء کے مقام سے امداد لیتے ہوئے ان کی وراثت اور تتبع کے حکم کے ساتھ ہے۔ مستقلاً نہیں۔ پس اسے سمجھ لے۔ جب تجھے معلوم ہو گیا تو اب ہم تیرے لئے عصمت میں متکلمین کی نقول ذکر کرتے ہیں اور صوفیہ کی نقول۔ پس ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کہتے ہیں۔

مسئلہ عصمت انبیاء اور متکلمین

ائمہ اصول فرماتے ہیں: انبیاء علیہم السلام سب کے سب معصوم ہیں۔ ان سے کوئی گناہ صادر نہیں ہوتا گرچہ صغیرہ ہو اور سہواً ہو۔ اور ان پر اللہ تعالیٰ کے دین کے بارے میں خطا استاذ ابو اسحاق الاسفرائنی۔ ابوالفتح الشہر ستانی، قاضی عیاض اور شیخ تقی الدین وغیرہم کے نزدیک بالاتفاق قطعاً جائز نہیں۔ اور ایک جماعت کا قول ہے کہ انبیاء ومرسلین علیہم السلام کے بارے میں اختلاف کی کبھی جرأت نہیں کرنا چاہیے۔ اختلاف صرف ان انبیاء میں ہے جو مرسل نہیں ہیں اور یہ ادب سے معمور کلام ہے اور یہ اس لئے ہے کہ رسل کا حجت ہونا ان کی عصمت کے قائل ہونے پر موقوف ہے۔ نیز رسول ہمارے لئے اپنے تمام اقوال، افعال اور تقریرات کے ساتھ شریعت جاری فرماتا ہے۔ تو اگر اس پر کسی معصیت میں واقع ہونا صادق ہو تو اس پر معاصی کو مشروع قرار دینا صادق آتا ہے۔ اور اس کا کبھی بھی اور کوئی بھی قائل نہیں ہے۔

اور فتوحات میں شیخ محی الدین کی عبارت ہے: اور رسول کے حق میں ان تمام احکام میں عصمت شرط ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہنچاتا ہے اگر وہ اپنی تبلیغ سے علاوہ معصوم ہے تو یہ دوسرا مقام ہے جیسے کہ اپنے اسوۃ کی پیروی کے ساتھ خطاب کرے پس وہ اسوہ ایسی اصل ہو جاتا ہے کہ اس پر اس میں قطعاً فعل حرام جائز نہیں ہے نہ ہی فعل مکروہ مگر بیان جواز کیلئے۔ انتہی۔

اور امام الحرمین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس نے انبیاء سے سہواً وقوع صغیرہ کے جواز کا قول کیا ہے اس نے یہ قید لگائی ہے کہ وہ قابل نفرت عمل پر دال نہ ہو جیسے مثلاً لقمہ چرانا، ماپ تول میں ایک دانہ کھجور کی کمی کرنا۔ پھر لازمی ہے کہ انہیں فی الفور متنبہ کر دیا جاتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے استغفار کی حقیقت

رہا حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ستر مرتبہ سے زائد استغفار جیسا کہ حدیث پاک میں وارد ہے تو یہ مقامات میں آپ کی ترقی کی وجہ سے تھا۔ چنانچہ جس مقام سے ترقی کرتے اس سے استغفار کرتے جبکہ وہاں رفیع وارفع مقام ہے۔ اور امام جنید قدس سرہ اس حدیث پاک کے متعلق کہ میرے قلب پر پردہ ڈال دیا جاتا ہے پس میں دن رات میں ستر مرتبہ سے زائد استغفار کرتا ہوں فرماتے ہیں: مراد یہ ہے کہ میرے بعد میری امت میں رونما ہونے والی مخالفتوں پر جھانکتا ہوں تو میرے قلب پر پردہ ڈال دیا جاتا ہے تو میں ان کیلئے ستر سے زائد مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔

(اقول و باللہ التوفیق۔ اکابر امت شکر اللہ ساعیہم الجمیلہ نے اس قسم کی آیات و احادیث کی ایسی توجیہات فرمائی ہیں جو کہ منصب نبوت کے شایاں ہوں اور یوں ایمان والوں کے عقائد کو ہر کجی اور بے ادبی محفوظ سے کیا گیا۔ چنانچہ مذکور الصدر ترجمۂ حدیث کہ میرے قلب پر پردہ ڈال دیا جاتا ہے، کے متعلق شیخ عبد الروف المناوی نے فیض القدیر شرح الجامع الصغیر میں اس کی وضاحت میں عارف شاذلی کا اقتباس نقل فرمایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ یہ انوار کا پردہ ہے غیریت کا نہیں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے درجات ہمیشہ روبترقی ہیں۔ تو جب آپ کے قلب مقدس پر انوار معرفت کی مسلسل بارش ہوتی ہے تو آپ پہلے کی نسبت کہیں اعلیٰ درجہ پر فائز ہوتے ہیں۔ تو وہ پہلا مقام معیاری نہیں لگتا تو اس گذشتہ مقام سے استغفار فرماتے ہیں۔ اسے نقل کرنے کے بعد علامہ مناوی قدس سرہ فرماتے ہیں: وہ پردہ غفلت کا نہیں جیسا کہ بعض کو وہم ہوا۔ اس کی حقیقت تو یہ ہے کہ انوار تجلیات حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو ڈھانپ لیتے جس کی وجہ سے مقام حضوری غائب ہو جاتا۔ پھر آپ اللہ تعالیٰ سے مغفرت یعنی اس حالت کا چھپانا مانگتے کیونکہ اگر خواص پر تجلیات کا ورود ہمیشہ رہتا تو وہ غلبہ حقیقت کے وقت لاشی ہو جاتے۔ پس ایسی صورت میں ستر یعنی پردہ ان کے لئے رحمت ہے جبکہ عوام کیلئے حجاب اور نعمت۔ (محمد محفوظ الحق غفرلہ ولوالدیہ)

انبیاء کی عصمت کے متعلق ایمان افروز بیان

اور علمائے اصول کی ایک جماعت نے فرمایا: وہ انبیاء جو کہ مرسل نہیں ہیں بغیر اختلاف قطعاً معصوم ہیں اور جو ان کے متعلق اس کے علاوہ بات کرتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کے دربار میں اور ان انبیاء کے حضور اپنی ذمہ داری کے متعلق جواب دہ ہونا لازم ہے۔ کیونکہ نبوت کی ابتداء ولایت کی انتہاء کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ پس ہم میں سے کوئی انبیاء کے متعلق ذنوب کا نام کیونکر عقل میں لاسکتا ہے۔ حالانکہ اہل اللہ فرماتے ہیں کہ حسنات الابرار سیئات المقربین یعنی ابرار کی نیکیاں مقربین کی سیئات ہیں۔ پس اسے سمجھ۔ اور ادب لازم کر۔ اور انبیاء علیہم السلام کی طرف سے اسے پوری کوششیں کے ساتھ جواب دے جو ان کے مقام سے حجاب میں ہے اور ان نفوس قدسیہ پر جرح کرنے سے کیا فائدہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے عادل قرار دیا۔ کیا اس پر کسی کو ثواب ملے گا؟ ہرگز نہیں اللہ کی قسم۔ بلکہ یہ گناہ کے زیادہ قریب ہے۔

شیخ ابو طاہر القزدینی رحمۃ اللہ علیہ اور مسئلہ عصمت

اور شیخ ابو طاہر القزدینی کتاب سراج المعقول کے ۳۵ ویں باب میں فرماتے ہیں: انبیاء علیہم السلام کی تنزیہہ ہر اس شے سے واجب

ہے جو ان کی طرف منسوب خطاؤں کے ذکر سے ہمارے ذہنوں میں پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ ان کی طرف منسوب خطاؤں کے متعلق ہمارے پاس ذوق نہیں۔ اور بیشک اللہ تعالیٰ نے اپنے ازلی علم میں جب انبیاء کو نبوت اور رسالت کی ادائیگی کیلئے چن لیا تو انہیں ان کے امور کی ابتداء میں تربیت فرمائی۔ شیطان کے مکر وفریب سے بچائے رکھا۔ ان کے سرائر کو کدورتوں سے پاک رکھا۔ اپنے نور سے ان کے سینے کھولے۔ انہیں اخلاق جمیلہ سے مزین فرمایا اور انہیں تمام آلودگیوں اور غیر شائستہ اعمال سے قطعاً پاک فرمایا۔ جیسا کہ صحیحین میں روایت ہے کہ جبریل حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پاس آئے جبکہ آپ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ آپ کو پکڑ کر لٹا لیا اور قلب مبارک کھولا۔ پس اس سے خون کی پھٹک جیسی چیز باہر نکالی اور کہا کہ یہ آپ سے شیطان کا حصہ ہے۔ پھر اسے سونے کے طشت میں زمزم کے پانی سے دھویا۔ پھر اسے درست کر دیا۔

(اقول: وباللہ التوفیق خون کی پھٹک جو نکال پھینکی جس کے متعلق کہا کہ شیطان کا حصہ ہے۔ اس کے متعلق اسعاف الراغبین برحاشیہ نورالابصار ص ۱۱ پر شیخ محمد بن علی الصبان فرماتے ہیں ای **محل مایلقیه من الا مور التی لاتنبغی** ۔ یعنی یہ انسانی جسم کا وہ مقام ہے جہاں شیطان غیر موزوں امور کا القاء کرتا ہے۔ اب جسد اقدس میں اس کے اس القاء کا تصرف ممکن ہی نہیں کیونکہ اسے قبول کرنیوالے مقام سے قلب اقدس بالکل مبرا اور منزہ ہے۔ اسی لئے امام اہل سنت امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں ۔ دل سمجھ سے وراء ہے مگر یوں کہوں، غنچہ راز وحدت پہ لاکھوں سلام۔ اور اسے جسم پاک میں رکھنے کی حکمت تکمیل خلق انسانی ہے جس طرح جسم پاک میں باقی اعضاء سارے کے سارے ودیعت فرمائے گئے اور ہر عضو مبارک کو گونا گوں خصائص اور خوبیوں سے نوازا گیا۔ اسی طرح قلب مبارک میں بھی تمام تخلیقی جواہر رکھے گئے۔ پھر اس خون کی پھٹک کو نکال دیا گیا تا کہ کائنات معلوم کر لے کہ جسد اقدس میں ودیعت فرمایا ہوا قلب مبارک بہمہ وجوہ بے مثل اور ایک راز قدرت ہے۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ ولوالدیہ)

شیخ ابو طاہر القزوینی فرماتے ہیں: قلب مبارک کھولنے کی صورت ایسی نہیں جیسے چھری کے ساتھ ذبح کیا جاتا ہے۔ اس سے مراد جبریل علیہ السلام کے ہاتھ سے آپ کے باطن کو کھولنا ہے بغیر کسی تکلیف کے اور بغیر خون بہانے کے۔ آپ اس سے منزہ ہیں۔ فرماتے ہیں کہ یہ اس صورت کے قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی پشت سے ہاتھ پھیر کر اولاد کو باہر نکالا جیسا کہ اس کے جلال کے لائق ہے اور عقول ضعیفہ کے توقف اور ایسے امور میں شبہہ واقع ہونے کا سبب مالوفات سے جدائی کا مشکل ہونا ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **الم نشرح لك صدرك** (کیا ہم نے آپ کیلئے آپ کا سینہ نہ کھول دیا؟) پس اس میں اس کے بعد خواہش کا اثر ہے نہ شیطان کیلئے کوئی راہ باقی۔ اور یہاں طویل کلام فرمایا۔

الجامع بین الطریقین شیخ عبدالعزیز الدیرینی اور مسئلہ عصمت

اور شیخ عارف باللہ تعالیٰ الجامع بین الطریقین سیدی عبدالعزیز الدیرینی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ذنوب کی طرف انبیاء علیہم السلام کی نسبت جو کہ ہماری عقل کی حد کے مطابق ہو قطعاً جائز نہیں۔ اسے صرف اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں معصیت اور خطا کا نام دیا ہے۔ اور یہ اس لئے کہ ان کے مقام بلند میں کسی ولی کو ذوق تک نہیں گرچہ اس کا درجہ بلند ہو۔ چہ جائیکہ ہمارے جیسے ہوں۔ اور یہ اس لئے کہ یہ حضرات ہمارے ذنوب میں واقع ہونے سے معصوم ہیں ان کی (ان کے مقام ارفع کے مطابق) خطائیں صرف ایسی جیسے مباح کی طرف

نظر کرنا۔ یا ایسا لفظ جس میں بے مقصدیت اور کراہت کی بو آتی ہو جبکہ ان اشیاء کا باطن علم اور صلاح ہوتا ہے۔ جیسے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوم پر حجت قائم کرنے کے موقعہ پر فرمایا ''بل فعله کبیر هم هذافا سئلوهم (الانبیاء آیت ۶۳۔ بلکہ ان کے اس بڑے نے یہ حرکت کی ہوگی تو ان سے پوچھ لو اگر یہ بول سکتے ہوں) اور جیسے کہ آپ نے فرمایا انی سیقیم (الصافات آیت ۶۸۔ میری طبیعت ناساز ہے) حتیٰ کہ آپ اپنی قوم کے ساتھ اس لہو ولعب کی طرف باہر نہ نکلیں جس کیلئے انہوں نے آپ کو دعوت دی تھی۔ یعنی میرا انجام کار بیماری ہے۔ وغیرہ۔ انتہی۔

شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ اور مسئلہ عصمت

اور شیخ نے فتوحات مکیہ کے ۳۷۲ ویں باب میں فرمایا: انبیاء علیہم السلام کو ان تمام گھمبیر حوادث سے پاک جاننا واجب ہے جو بعض مفسرین نے ان کی طرف منسوب کئے ہیں جو کہ کسی کتاب میں نہ کسی سنت صحیحہ سے ثابت ہیں۔ اور یہ گمان کرتے ہیں کہ انہوں نے ان کے واقعات کی تفسیر کی ہے جو رب کریم نے ہمارے سامنے بیان فرمائے ہیں۔ اور اس میں انہوں نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا اور اس کی وجہ سے زبردست کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا۔ اور یہ جیسے کہ حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کا سوال اور اس کی بناء پر آپ کی طرح شک میں پڑنے کو منسوب کرنا جو کہ ظاہری طور پر ذہن میں آتا ہے۔ اور جو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے اس ارشاد کے بارے میں غور کیا کہ ابراہیم کی بہ نسبت ہم شک کے زیادہ لائق ہیں۔ جبکہ مسئلہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مردوں کو زندہ کرنے کے متعلق اللہ تعالیٰ کی قدرت میں قطعاً شک نہیں کیا۔ اس سے اللہ کی پناہ کہ ایسے مسائل میں کوئی نبی شک کرے۔ بلکہ آپ یہ تو علم رکھتے ہیں کہ مردوں کو زندہ کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ کے کئی طریقے اور بیشمار وجوہ ہیں۔ نامعلوم کہ ان میں سے کس طریقے سے اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ فرماتا ہے۔ جبکہ زیادہ علم طلب کرنا آپ کی جبلت میں داخل ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان وجوہ میں سے آپ کیلئے ایک وجہ معین فرما دی۔ پس آپ کو اطمینان حاصل ہو گیا اور اس وقت پتہ چل گیا کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو کیسے زندہ فرماتا ہے۔ تو آپ کا سوال تو صرف کیفیت پہنچاننے کیلئے تھا۔ اور بس۔ اور اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعہ میں گفتگو ہے۔ اور جو بابل کے دو فرشتوں ہاروت ماروت کی طرف منسوب کیا گیا یہ کسی کتاب وسنت میں وارد نہیں۔ یہ صرف یہود سے منقول ہے۔ پس انہوں نے انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ کی عظمت کے خلاف کہا جو کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے انبیاء علیہم السلام پر جرح کی اور اس کے ساتھ قرآن کریم کے متعلق اپنی تفاسیر بھر دیں۔ پس اللہ تعالیٰ ہمیں اور ہمارے بھائیوں کو غلط افکار، افعال اور اقوال سے محفوظ رکھے۔

واعظ کے نام شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کا پیغام

نیز آپ ۱۵۴ ویں باب میں فرماتے ہیں: واعظ کو چاہیے وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو اس کے انبیاء اور ملائکہ کے متعلق پیش نظر رکھے اور اللہ عزوجل سے حیا کرے اور اپنے وعظ میں قیامت خیز باتوں سے پرہیز کرے جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات میں اپنی سوچ کے مطابق بات کرنا۔ انبیاء علیہم السلام کے مقامات پر کلام کرنا جبکہ وہ ان کا وارث نہیں۔ پس کہیں بھی ان کی لغزشوں کے متعلق انہیں دوسروں پر قیاس کرتے ہوئے عوام الناس کے ذہنوں کے مطابق گفتگو نہ کرے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اپنی تمام مخلوق میں سے منتخب فرمانے کے بعد ان کی بہترین ثناء وتعریف فرمائی ہے۔ پس ان کی آبرو کو یہود کے حوالے

سے مورخین نے جو کچھ بیان کیا ہے اس کی وجہ سے کیونکر پریشان کیا جا سکتا ہے۔ پھر ان کا اسے کلام الٰہی کی تفسیر قرار دینا زبردست حادثہ ہے جبکہ اپنی تفسیر میں کہتے ہیں کہ داؤد کے واقعہ میں مفسرین کہتے ہیں کہ انہوں نے اوریا کی عورت کی طرف دیکھا۔ پسند آئی (معاذ اللہ) تو اسے کسی معرکہ میں بھیج دیا کہ مر جائے اور یوں اسے حاصل کر لیں۔ اور جیسے کہ انہوں نے یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں کہا کہ آپ نے (معاذ اللہ) معصیت کا ارادہ کر لیا۔ اور یہ کہ انبیاء علیہم السلام ایسے کاموں سے معصوم نہیں ہیں۔ اور جیسا کہ قوم لوط علیہ السلام کے واقعہ میں انہوں نے اس قوم کے بارے میں ''لو ان نی بکم قوة او آوی الی رکن شدید (ہود آیت ۸۰۔ اے کاش میرے پاس تمہارے مقابلہ کی قوت ہوتی یا میں کسی مضبوط سہارے کی پناہ ہی لے سکتا)۔ عجز اور گومگو کی کیفیت کی بات کی۔ اور اس قسم کے دوسرے واقعات۔ اور فاسد تاویلات اور بے سروپا احادیث کا سہارا لیتے ہیں جو کہ اس قوم سے نقل کی گئی ہیں۔ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں بہتان اور جھوٹ کی صورت میں کہا جو کہا۔ تو جو واعظ اپنی مجلس میں ایسی باتیں کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ، انبیاء، اور ملائکہ کے ہاں نشانہ غضب پر ہے۔ کیونکہ اس نے اس شخص کیلئے دہلیز اور فرش بنا دیا جس کے دل میں کجی ہے کہ وہ وہاں سے داخل ہو کر نافرمانیوں کے ارتکاب تک پہنچ جاتا ہے اور اس نے اس سے جو کچھ انبیاء کے بارے میں سنا اسے دلیل بناتا ہے اور کہتا ہے کہ جب انبیاء ایسے کاموں میں گر گئے تو میں کون ہوں۔ حالانکہ تمام انبیاء علیہم السلام اس سے قطعاً پاک ہیں جو اس وعظ نے سمجھا۔ پس اللہ کی قسم اس واعظ نے امت کو فساد میں مبتلا کر دیا۔ اور اس پر ان سب کا بوجھ ہے جو اس کی وجہ سے گناہوں میں گر گئے۔

(اقول وباللہ التوفیق۔ برصغیر پاک وہند کے بعض مترجمین نے اپنے تراجم اور حواشی میں یہی توجیہات اختیار کی ہیں جن کا رد شیخ اکبر قدس سرہ نے فرمایا ہے۔ جبکہ ایسی تمام آلودگیوں اور بے اعتدالیوں سے پاک ترجمہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جس کا نام کنز الایمان ہے جو کہ فی الحقیقت ایمان کا خزانہ ہے جس میں آپ نے شان الوہیت اور عظمت نبوت پر حرف بھی نہیں آنے دیا اور مفہوم آیت کو بھی احسن انداز میں پیش کر دیا۔ کہ ایک طالب حقیقت کیلئے کوئی تشنگی باقی نہیں رہی۔ چنانچہ صرف ایک آیت کے متعلق تقابلی جائزہ پیش کرتا ہوں جس کا مذکور الصدر اقتباس میں شیخ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں اشارہ فرمایا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے اس قول، ولقد همت به وهم بهالولا ان رأى برهان به'' کا فتح محمد جالندھری نے یہ ترجمہ کیا ہے ''اور اس عورت نے ان کا قصد کیا اور انہوں نے اس کا قصد کیا اگر وہ اپنے پروردگار کی نشانی نہ دیکھتے (تو جو ہوتا ہوتا) شاہ عبدالقادر دہلوی کا ترجمہ یہ ہے'' اور البتہ اس عورت نے فکر کی اس کی اور اس نے فکر کی عورت کی۔ اگر نہ ہوتا یہ کہ دیکھی قدرت اپنے رب کی۔ محمود الحسن کا ترجمہ یہ ہے۔ اور البتہ عورت نے فکر کیا اس کا اور اس نے فکر کیا عورت کا۔ اب ان تراجم کے بعد ترجمہ کنز الایمان از اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی ملاحظہ فرمائیں جو یہ ہے ''بے شک عورت نے اس کا ارادہ کیا اور وہ بھی عورت کا ارادہ کرتا اگر اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ لیتا۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ)

لیکن حدیث میں وارد ہے کہ قیامت قائم نہیں ہوگی حتیٰ کہ شیطان وعظ کی کرسی پر چڑھ کر لوگوں کو وعظ کرے گا اور یہ لوگ اس کا لشکر ہیں جو کہ اس سے پہلے آئے ہیں۔ انتہی۔

عصمت اور حفاظت میں فرق

اگر تو کہے کہ عصمت اور حفاظت میں کیا فرق ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ ان دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ انبیاء اپنے نفسوں کی خواہش کیلئے مباح سے معصوم ہیں۔ بخلاف اولیاء کے۔ تو جب انبیاء مباح کام کریں تو دوسروں کی طرح اپنے نفسوں کی خواہش کیلئے نہیں کرتے۔ وہ تو صرف تشریع کی جہت سے کرتے ہیں کہ یہ مباح ہے۔ پس یہ اس وقت ان پر واجب ہے یعنی مباح کام کرنا۔ کیونکہ ان پر تبلیغ واجب ہے۔ اسے شیخ محی الدین نے فتوحات مکیہ کے باب سجود التلاوۃ کے آخر میں ذکر فرمایا ہے۔

بعض انبیاء علیہم السلام کی طرف سے جوابات۔ حضرت آدم علیہ السلام

مجھے اچھا لگا کہ میں تیرے لئے بعض انبیاء علیہم السلام کی طرف سے، حضرت آدم علیہ السلام سے شروع کر کے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر ختم کروں اور ان کی طرف سے جوابات کا دروازہ کھولنے کیلئے جوابات ذکر کروں۔ پس میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کہتا ہوں۔

جان لے کہ حضرت آدم علیہ السلام پہلے ہیں جنہوں نے توبہ کا دروازہ کھولا جبکہ آپ کے ہاتھوں شجر ممنوعہ کھانے کا واقعہ رونما ہوا۔ پس ظاہری صورت میں وہ ایک لغزش تھی تا کہ اپنے بیٹوں کو بتا دیں کہ جب وہ کسی ایسے کام کا ارتکاب کر بیٹھیں جس سے روکا گیا ہو تو کیا کریں۔ کیونکہ آپ مٹھی کھولنے والے ہیں۔ اور اگر یہ آپ کے ہاتھوں واقعہ نہ ہوتا تو کسی دوسرے کے ہاتھوں ایسا رونما ہوتا۔ اور شیخ محی الدین نے فتوحات کے ۳۹ ویں باب میں فرمایا: حضرت آدم علیہ السلام کی خطا عین نعمت خداوندی سے تھی۔ کیونکہ انبیاء علیہ السلام کبھی بھی ایک حال سے منتقل نہیں ہوتے مگر اس سے اعلیٰ کیلئے۔ پس بیشک اللہ تعالیٰ نے سابقہ عنایت کی بنا پر انہیں چن لیا اور منتخب فرمایا پس کبھی بھی ان کے متعلق خفیہ تدبیر کا معاملہ نہیں فرمایا۔

فرماتے ہیں: یہاں سے معلوم ہوتا ہے حضرت آدم علیہ السلام اور حواء کا زمین کی طرف اترنا ان کی سزا کے طور پر نہ تھا وہ تو صرف ابلیس کو سزا دینے کیلئے تھا۔ بیشک آدم علیہ السلام توبہ کی قبولیت اور اپنے انتخاب کے اور اعتراف کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کلمات سیکھنے کے بعد زمین میں خلیفہ ہونے کے ازلی وعدے کی سچائی کی وجہ سے اترے۔ تو آپ کا اعتراف ابلیس کے اس قول کے مقابلہ میں تھا کہ انا خیر منه خلقتنی من نار و خلقته من طین (الاعراف آیت ۱۲۔ میں اس سے بہتر ہوں مجھے تو نے آگ سے اور اسے مٹی سے پیدا کیا) پس اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی بارگاہ میں اعتراف کے مرتبہ اور اس کے نتیجے میں حاصل ہونے والی سعادت کی پہچان کرائی۔ کہ ہم جب اپنے رب کے اوامر کی مخالفت کر بیٹھیں تو یہ راستہ اختیار کریں۔ تو آدم سے جو رونما ہوا اپنی اولاد کیلئے تعلیم کی طرح تھا کہ جب خلاف ورزی میں گر پڑیں تو ان کی گلو خلاصی اور برات کیونکر ہوگی۔ جیسے کہ گذر چکا۔ رہا ابلیس تو حق تعالیٰ نے اس کے دعویٰ خیریت کی وجہ سے ہمیں جتلا دیا کہ جس نے بھی اس دعویٰ میں اس کی پیروی کی وہ دربار خداوندی سے مستر دملعون ہوگا اور دھتکارا جائے گا۔ تا کہ ہم اس سے پرہیز کریں کہ کہیں کہ ہم فلاں سے بہتر ہیں۔ اسی لئے زمین میں اتارا جانا ابلیس کیلئے سزا ہے نہ کہ حضرت آدم علیہ السلام کیلئے۔ پس ابلیس زمین کی طرف صرف اور صرف گناہوں کی کمائی کیلئے اتارا گیا۔ بخلاف حضرت آدم علیہ السلام کے کہ آپ خلافت اور ترقی درجات کے لئے اتارے گئے۔ کیونکہ آپ کی اولاد کی تمام نیکیاں آپ کے صحائف میں ہیں جبکہ ان کی برائیوں میں سے آپ پر کچھ نہیں۔

ابلیس اور ابدی شقاوت

اگر تو کہے کہ ابلیس کی معصیت شقاوت کے ابدی ہونے کا تقاضا نہیں کرتی۔ کیونکہ اس نے کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہیں ٹھہرایا۔ صرف آگ کی وجہ سے جو کہ اس کی جبلت ہے اس نے حضرت آدم علیہ السلام پر فخر کیا کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے اسم ''النور'' کے زیادہ قریب ہے کہ اس میں روشن کرنے کا مفہوم ہے جو کہ مٹی میں نہیں۔

تو جواب یہ ہے کہ ابدی شقاوت تو اللہ تعالیٰ پر اس کے اعتراض اور اس کے افعال کو حکمت کے بغیر منسوب کرنے کی وجہ سے آئی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس نے اپنے ضمیر میں یہ بات چھپا رکھی تھی کہ اگر وہ ابدالآباد تک باقی رہا تو لوگوں کو گمراہی کے وسوسے ڈالے گا۔ پس اسے اس کے فعل اور نیت جیسی جزا دی گئی۔ اور روئے زمین پر موجود ہر مشرک کا بوجھ اسی پر لوٹتا۔ اور شیخ ابو مدین المغربی نے فرمایا: اہل جنت اور اہل جہنم نیتوں کی بنا پر وہاں ہمیشہ رہیں گے ورنہ عدل یہ ہے کہ کفار کو ان کی نافرمانی کی مدت کے اندازے پر سزا دی جائے۔

اگر تو کہے کہ کیا شیطان کا کفار سے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے یہ کہنا **انی اخاف اللہ رب العالمین** (الحشر میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں) ایسی توحید ہے جس کی وجہ سے اسے سعادت حاصل ہو یا نہیں؟ تو جواب یہ ہے کہ یہ توحید نہیں۔ کیونکہ وہ کسی کو شرک کا وسوسہ ڈالنے پر قادر نہیں حتیٰ کہ وہ اپنے نفس میں شرک کی اس صورت کا تصور کرتا ہے کہ جب وہ مشرک کے نفس میں حاصل ہو تو اس سے صورت توحید زائل ہو جاتی ہے۔ تو جب وہ اپنے نفس میں اس صورت جیسا تصور کرتا ہے تو لازماً توحید سے نکل جاتا ہے۔ پس اسے یہ سعادت حاصل نہیں ہوتی تو بلا شک وشبہ ابلیس فی نفسہ مشرک ہے۔ پھر اگر فرض کر لیا جائے کہ صفت شرک اس کے نفس سے چلی گئی تو مشرک اپنے نفس میں شرک پیدا کرنے والا پائے ہی نہیں۔ پس جان لے کہ ابلیس پہلا مشرک باللہ ہے اور پہلا فرد ہے جس نے شرک کا طریقہ جاری کیا۔ پس وہ سارے جہانوں کی بہ نسبت سب سے بڑا بدبخت ہے۔

اگر تو کہے کہ آدم علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا عصیٰ فرمایا اور ابلیس کے متعلق ابیٰ فرمانا اس میں کیا حکمت ہے؟ اس کا جواب شیخ نے ۳۶۷ ویں باب میں یہ دیا ہے کہ یہ علوم اسرار میں سے ہے اور صرف اہل لوگوں کے پاس مشافہۃ ہی کہا جا سکتا ہے۔

انبیاء کی شرائع کے متعلق ابلیس کا علم

اگر تو کہے کہ کیا انبیاء علیہم الصلوٰۃ کی شرائع میں سے کسی چیز کے متعلق ابلیس جاہل ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ وہ ان سب کو مکمل طور پر جانتا ہے اور یہ اس لئے تا کہ لوگوں کیلئے اس کے خلاف وسوسہ ڈالے جس کا انبیاء کو امر ہوا۔ اور اگر اسے اس کا علم نہ ہوتا تو کئی دفعہ امر اس پر مشتبہ رہتا تو وہ لوگوں اس کا حکم دیتا جس کا رسل علیہم السلام نے حکم دیا۔ اور یہ اس سے صحیح نہیں ہے۔

اور فتوحات کے باب الحج میں شیخ نے ذکر کیا ہے کہ نہایت عجیب امر یہ ہے کہ شیطان ہر سال لوگوں کے ساتھ وقوف کرتا ہے لیکن عرفہ میں وقوف نہیں کرتا۔ صرف عرفہ میں وقوف کرتا ہے اور یہ عرفات سے ہے پس اللہ تعالیٰ کی اس طاعت پر گریہ کرتے ہوئے وقوف کرتا ہے جو اس سے فوت ہو گئی۔ اور جو کچھ اس سے رہ گیا اس پر غمگین ہوتا ہے۔ اور اس عام مغفرت کیوجہ سے جو کہ اہل موقف کو حاصل ہوتی ہے۔ پس وہ عرفہ میں وقوف کرتا ہے اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ یہ عرفہ ہے اس امید پر کہ اعمال صالحہ کی بناء پر نہیں بلکہ احسان کے طور پر اسے رحمت مل جائے۔ اور فرشتے اسے عرفہ سے اس لئے نہیں دھتکارتے کہ وہ جانتے ہیں کہ اس کے پاس اللہ عزوجل کی معرفت ہے۔

اور بعض صورتوں میں مشرکین کا داخلہ مساجد میں ہو سکتا ہے۔ انتہی۔

شجرہ ممنوعہ کے ارتکاب میں حکمت

اگر تو کہے کہ آدم علیہ السلام کے اس درخت کو کھانے پھر زمین پر نازل ہونے کی حکمت کیا ہے؟ جبکہ یہ اس بارگاہ سے فروتر ہے جس میں آپ تھے۔ تو اس کا جواب ۳۹ ویں باب میں شیخ نے یہ دیا ہے کہ اس سب کچھ میں حکمت، علماء اور اولیاء کو مانوس کرنا ہے کہ جب وہ کسی لغزش میں پڑ کر اپنے مقام بلند سے گر جائیں اور گمان کریں کہ وہ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ہاں ناقص ہو گئے ہیں تو آدم علیہ السلام کے واقعہ سے معلوم کر لیں کہ یہ انحطاط جو انہوں نے اپنے نفسوں میں محسوس کیا ہے ان کی شقاوت کا فیصلہ نہیں کرتا۔ کبھی ان کا (اپنے درجے سے) نیچے اترنا حضرت آدم کے اترنے کی طرح تکریم کیلئے ہوتا ہے۔ جبکہ حق تعالیٰ کسی مکان میں محصور نہیں ہے۔ اور عالم بالا و پست سب اسی کی بارگاہ ہے۔ پس آسمان جس سے آپ نیچے اتارے گئے زمین کے مقابلہ میں حق تعالیٰ سے زیادہ قریب نہیں۔ اور جب امر اس حد پر ہے تو لوگوں کی نظروں میں ولی کا لغزش اور عجز و انکساری کے بعد اس کی وجہ سے اترنا اس کی عین ترقی ہے۔ پس وہ لغزش کی وجہ اس مقام سے اعلیٰ کی طرف منتقل ہوا جس میں وہ تھا۔ کیونکہ ولی کی بلندی تو صرف معرفت اور حال کے زیادہ ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے۔ جبکہ عجز و انکساری حاصل ہونے کی وجہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں اس ولی کے اس سے علم میں اضافہ ہو گیا جو کہ لغزش سے پہلے اسے حاصل نہ تھا۔ اور یہ عین ترقی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ جس نے اپنی لغزش میں یہ حالت مفقود پائی اور نادم و عاجز نہ ہوا۔ انکساری حاصل ہوئی نہ اپنے رب کے حضور حاضری کا کوئی خوف تو وہ اسفل سافلین میں ہے۔ جبکہ ہم صرف اہل اللہ کی لغزشوں کے بارے میں گفتگو کر رہے ہیں جب یہ ان سے واقع ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **ولم یصروا علی مافعلوا وھم یعلمون** (آل عمران آیت ۱۳۵۔ اور وہ اس پر اصرار نہیں کرتے جو ان سے سرزد ہوا دراں حال کہ وہ جانتے ہیں) اور حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا ندامت توبہ ہے۔ اور ابو یزید البسطامی سے کہا گیا کہ کیا عارف نافرمانی کرتا ہے؟ تو فرمایا **و کان امر اللہ قدر امقدورا** (الاحزاب ۳۸۔ اور اللہ تعالیٰ کا امر طے پا چکا ہے) پس آپ نے ادب مع اللہ کی وجہ سے یہ نہیں فرمایا کہ معصیت نہیں کرتا اور نہ یہ کہ معصیت کرتا ہے اور **کان امر اللہ قدرا مقدورا** کا معنی یہ ہے کہ اہل اللہ کی معصیت حکم تقدیر کے ساتھ ہے جو کہ ان میں نافذ ہے اور کچھ نہیں۔ اور ان کے بارے میں یہ ہرگز صحیح نہیں کہ وہ کبھی معصیتوں کی خواہش کے ساتھ ان میں گریں جس طرح کہ ان کے غیر ان میں گرتے ہیں۔ کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی حرمتوں کی بے ادبی ہے۔ اور اہل اللہ معصیتوں کی شہوت اور اس سے لذت حاصل کرنے سے محفوظ ہیں۔ کیونکہ ان کے دلوں میں لکھا ہوا ایمان انہیں اس سے روکتا ہے۔

سیدی علی الخواص رحمۃ اللہ کی وضاحت

اور سیدی علی الخواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بندے کے اوامر کی مخالفت میں گرنے کی حکمت اس کا طاعات کو ذلیل کرنے کے مقام میں گرنے اور ان کی وجہ سے عجب میں واقع ہونا ہے کیونکہ شب و روز صرف طاعات میں مسلسل مصروف رہنا اکثر لوگوں کو اپنے کو اونچا سمجھنے۔ خود بینی اور اس مشاہدے میں مبتلا کر دیتا ہے کہ وہ بہت سے لوگوں سے بہتر ہے۔ اور یہ دربار الوہیت سے انتہائی دوری ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے تکالیف شرعیہ صرف اس لئے مقرر فرمائی ہیں تا کہ ان کی وجہ سے نفوس اس کے حضور عاجزی کریں۔ اور ان کی بدولت

مکلف اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے کسی پر اپنی برتری کا تصور نہ کرے۔ کیونکہ ابلیس کا یہی وہ گناہ ہے جس نے اسے دربار الوھیت سے نکال باہر کیا۔ اور جو بھی عاجزی کے بغیر مقام قرب کا دعویٰ کرے تو وہ جھوٹا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کے جسمانی رنگ کی تبدیلی کی حکمت

اگر تو کہے کہ یہ حدیث پاک میں وارد ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام نے شجرۂ ممنوعہ میں سے کچھ کھایا تو آپ کا رنگ سیاہی مائل ہوگیا اور عام اذہان میں اس سے یہی بات آتی ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام میں معصیت نے کچھ تو اثر کیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کے جسم کا سیاہی مائل ہونا آپ پر کوئی نقص وارد ہونے کی علامت نہیں بلکہ یہ آپ کیلئے سیادت کے حصول کی علامت ہے جیسا کہ اسے شیخ نے ۲۷ ویں باب میں حجر اسود سے متعلق اس حدیث پر کہ حجر اسود جنت سے اس حالت میں اترا کہ یہ دودھ سے زیادہ سفید تھا۔ اسے بنی آدم کی خطاؤں نے سیاہ کردیا۔ گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ یہی قول حضرت آدم علیہ السلام کے شجرہ ممنوعہ سے کھانے کی وجہ سے جسم شریف کے سیاہی مائل ہونے کے متعلق ہے کیونکہ اس امر نے آپ کو اجتبار و اصطفاء کا وارث بنا دیا اور اگر شجرہ ممنوعہ سے نہ کھاتے تو آپ کی سیادت ظاہر نہ ہوتی اور اسی طرح جب حجر اسود جنت سے اس حالت میں نکلا کہ سفید تھا تو ضروری ہے کہ اس پر ایسا اثر ظاہر ہو جس سے جنت کی طرف لوٹنے کے وقت دار دنیا میں اس کی سیادت کی معرفت حاصل ہو اور وہ دوسرے پتھروں سے ممتاز ہو اور اس کی وجہ سے تقریب الٰہی کی خلعت ظاہر ہو کہ اسے زمین میں اللہ تعالیٰ کا دست راست قرار دیا گیا۔ اور کائنات میں سے اسکی سیادت پر دلالت کرنے والی سوائے سیاہ رنگ کے کوئی چیز نہ تھی پس اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ جتلانے کو اسے سیاہ رنگ پہنا دیا کہ وہ جنت سے دنیا کی طرف نکلنے کی وجہ سے سردار ہوگیا۔

غلاف کعبہ اور حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے عمامہ مبارک کے سیاہ ہونے کی حکمت

امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شاید غلاف کعبہ کا سیاہ ہونا اسی قبیل سے ہے۔ اور اسی طرح بنو عباس وغیرہم کے عما ہے۔ اور شاید یہی راز ہے کہ فتح مکہ کے دن حضور علیہ السلام نے سیاہ عمامہ زیب سر فرمایا تاکہ تحدیث نعمت کے طور پر مخلوق پر آپ کی سیادت ظاہر ہو۔

پس معلوم ہوا کہ حدیث شریف کے ان الفاظ فسودتہ خطایا بنی آدم، کا معنی یہ ہے کہ انہوں نے اسے چوم کر سردار بنا دیا اور اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام کی جلد کے سیاسی مائل ہونے کے متعلق قول ہے۔ یہ آپ کی سیادت پر دلالت کرتا ہے کیونکہ آپ کا زمین کی طرف اترنا تناسل وترقی کی خاطر آپ کی خلافت کیلئے ہے۔

حجر اسود اور آدم علیہ السلام اور آپ کے بیٹوں کی جلد کی وجہ جامع

اگر تو کہے کہ حجر اسود اور آدم علیہ السلام اور آپ کے بیٹوں کی جلد کی سیاہی میں وجہ جامع کیا ہے تو ہم کہیں گے اس کی وجہ مقام اجتباء اور سیادت ہے پس حجر کا بوسہ حضرت آدم علیہ السلام اور آپ کے بیٹوں کیلئے ان کی خطاؤں کی وجہ سے اجتباء اصطفاء کے مشابہ ہے۔

حجر اسود کے استلام کی وجہ

اگر تو کہے کہ لوگوں کو اس پتھر پر سجدہ کرنے، اسے بوسہ دینے اور اس سے برکت حاصل کرنے کا حکم کس لئے دیا گیا؟ تو جواب یہ ہے

کہ انہیں اس کا حکم صرف اس لئے دیا گیا تا کہ یہ ان کی خطاؤں سے کفارہ ہو۔ پس اس کی وجہ سے اس کی سیادت ظاہر ہوئی اور اس کی وجہ سے آداب عبودیت پر قائم رہنے والے اور قیام میں خلل ڈالنے والے میں امتیاز حاصل ہو گیا۔ کیونکہ کبھی نبی آدم اس صورت کی وجہ سے جس پر وہ پیدا کئے گئے اور ان کمالات کی بنا پر جن کی خلعت حق تعالیٰ نے انہیں عطا فرمائی اپنے ماسوا پر اپنے آپ کو برتری دیتے ہیں۔ پس انہیں اللہ تعالیٰ نے جماد (پتھر کے مکان) کی طرف سجدہ کرنے کا حکم دیا جو کہ کعبہ ہے۔ باوجودیکہ وہ رتبہ میں ان سے کم ہے۔ تو ان میں سے جس نے طاعت کی پس اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہوتا ہے اور کسی نے نافرمانی کی تو اس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب

اگر تو کہے کہ قوم صوفیا نے فرمایا کہ بندے کیلئے معرفت الٰہی کا حصول اسے اللہ تعالیٰ کی معصیت میں واقع ہونے سے روکتا ہے حالانکہ حضرت آدم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے عارفین کے سرداروں میں سے ہیں تو پھر آپ شجرہ ممنوعہ سے کھانے میں کیسے مبتلا ہو گئے؟ اس کا جواب شیخ نے ۲۰۷ ویں باب میں یہ دیا ہے کہ بے شک معرفت عارف کو روکتی ہے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ ارادہ فرمائے کہ اکابر میں سے کسی کو اس میں مبتلا فرمائے جو اس کی تقدیر میں کسی حکمت کی وجہ سے جو کہ اس کے علم سابق میں ہے مقرر فرمایا تو ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کیلئے اس امر میں کسی تاویل کے ساتھ جس میں اس کیلئے وجہ حق واقع ہو مبتلا ہونے کو خوشنما بنا دیتا ہے اور وہ اس عمل کے ساتھ حکم حق کی بے حرمتی کا قصد نہیں کرتا جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کیلئے رونما ہوا۔ پھر جب وہ مقرب اس تاویل کی وجہ سے معصیت میں واقع ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کیلئے اس کی خرابی ظاہر فرما دیتا ہے۔ پس جب اس لئے معصیت میں وقوع کے بعد ثابت ہو جاتا ہے کہ اس سے خطا ہوئی تو اسے علم ہو جاتا ہے کہ اس سے فروگذاشت ہو گئی پس اس وقت شریعت کی زبان اس پر حکم لگاتی ہے کہ اس سے معصیت کا ارتکاب ہوا اور خود اپنے آپ پر اپنے نزدیک اس کی گواہی دیتا ہے۔ البتہ اس وقوع فعل کی حالت میں نہیں، کیونکہ تاویل کا اشتباہ ہوتا ہے پس وہ اس مجتہد کے حکم میں ہوتا ہے جو کہ کسی امر کے ساتھ اپنے اس فتویٰ کے وقت ہوتا ہے۔ جو وہ اس اعتقاد سے دیتا ہے کہ مسئلہ میں وہ عین حکم شرعی ہے۔ اور دوسرے حال میں اسے دلیل کے ساتھ ظاہر ہو جاتا ہے کہ اس نے خطا کی۔ پس دلیل ظاہر ہونے کے وقت ظاہر کی زبان اس پر حکم لگاتی ہے کہ اس نے خطا کی۔ اس سے پہلے نہیں۔

عقوبت عارفین

اگر تو کہے کہ کیا ذنب پر عارفین کی سزا زیادہ سخت ہوتی ہے یا جاہلوں کی؟ تو جواب یہ ہے کہ عارفین باللہ تعالیٰ کی عقوبت زیادہ سخت ہوتی ہے کیونکہ حق تعالیٰ کے دربار میں ان کی اہمیت زیادہ ہے۔ اور کبھی تو عارف کی لغزش جاہل کی ستر لغزشوں پر ترجیح حاصل کر لیتی ہے۔ اور اگر عارف کی سزا اور کچھ نہ ہوتی سوائے اس حیاء اور ندامت کے جو کہ اسے اس وقت حاصل ہوتی ہے تو کافی تھی۔ بلکہ کبھی وہ ندامت عارف پر ظاہری سزا سے کہیں زیادہ سخت ہوتی ہے۔ جیسا کہ مغفرت ان پر سزا سے زیادہ شدید ہوتی ہے۔ اور یہ اس لئے کہ سزا بدلہ ہے پس آدمی اس کے پورا ہونے پر راحت پاتا ہے۔ پس وہ بمنزلہ اس شخص کے ہوتا ہے جس نے اپنا قرض پورا ادا کر دیا۔ جبکہ مغفرت ایسی نہیں۔ پس عارف عرصہ دراز تک ندامت اور حیا میں گرفتار رہتا ہے۔ اور یہ ایک دن کی سخت سزا سے زیادہ شدید ہے جو کہ گذر جاتی ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے والفتنة اشد من القتل۔ (البقرہ آیت ۱۹۱ یعنی فتنہ قتل سے زیادہ سخت ہے۔)

مغفرت کے بعد عارف کی کیفیت

اسی نکتہ کی بنا پر جو ہم نے ذکر کیا ہے اللہ تعالیٰ جب اپنے بندے کو اہمیت دیتا ہے اور اس کی خطا معاف فرمادیتا ہے تو اس کے اور اس کی یادداشت کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور وہ واقعہ اسے بھلا دیتا ہے۔ کیونکہ اگر یہ اسے یاد رہے تو شرمسار ہوگا جبکہ نفوس طاہرہ شریفہ پر اس سے بڑا عذاب نہیں کہ اس پر وہ ذات انعام فرمائے جس کے حق میں اس نے برائی کی ہو۔حتیٰ کہ ایسا شرم سار تمنا کرتا ہے کہ وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ ہوتا۔جیسا کہ عارفہ کاملہ (حضرت مریم رضی اللہ عنہا) نے کہا **یا لیتنی مت قبل هذا وكنت نسيا منسيا** ۔(مریم۔ آیت ۲۳۔اے کاش میں اس سے پہلے مرگئی ہوتی اور بھولی بسری ہوتی) باوجودیکہ آپ کی شرم ساری صرف مخلوق سے تھی جب اس نے آپ کی طرف ایسی بات منسوب کی جو کہ آپ کے اور آپ کے والدین کے شایان نہ تھی جیسا کہ اس کی طرف اللہ تعالیٰ کے اس قول کا اشارہ ہے **ما كان ابوك امرء سوء وما كانت امك بغيا** (مریم آیت ۳۸۔تیرا باپ برا آدمی تھا نہ تیری ماں غیر شائستہ تھی) تو اس مسئلہ میں رب العالمین سے شرم ساری کس قدر ہوگی جس میں بندے کیلئے ثابت ہو جائے کہ اس نے اس کی حدود سے تجاوز کیا اور اعلانیہ ارتکاب خطا کیا۔

تبدیل سیئات بالحسنات کا مسئلہ

اگر تو کہے کہ حق تعالیٰ کے اسے اس کی خطائیں بھلا دینے سے کیا یہ لازم آتا ہے کہ وہ نیکیوں سے بدل دی جاتی ہوں۔جیسا کہ اس کی طرف اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں اشارہ فرمایا گیا **فاولئك يبدل الله سيئا تهم حسنات** (الفرقان آیت ۷۰۔تو یہ وہ لوگ ہیں جن کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دے گا؟)

تو جواب یہ ہے کہ یہ لازم نہیں آتا۔لیکن بعض عارفین فرماتے ہیں کہ بندے کو کلی طور پر اس کے گناہ بھول جانے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت عظمیہ ہے کہ اس نے اس کی سیئات کو حسنات سے بدل دیا۔کیونکہ تبدیلی کی علامت ذنب کو بھول جانا ہے۔اور یہ اس طرح کہ ذنب کو اللہ تعالیٰ جب حسنات کے ساتھ بدل دیتا ہے تو چار وجودات میں سے گناہ کی صورت کا کوئی وجود باقی نہیں رہتا اور اس کی تائید بعض عارفین کے اس قول سے ہوتی ہے کہ ہر وہ گناہ جو انسان کے ذہن سے محو نہیں ہوتا اس کیلئے جدید توبہ کرے کیونکہ یہ ابھی تک بدلہ نہیں گیا اور ساری عمر استغفار کی کثرت کرے۔پس اللہ تعالیٰ کی قسم ہے کہ ہم ایک امر عظیم کیلئے ہی پیدا کئے گئے ہیں۔

خواص کیلئے ان کے ذنوب بھلانے کی حکمت

اور میں نے سیدی علی الخواص رحمۃ اللہ علیہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ اپنے خواص اولیاء کو ان کی خطائیں صرف ان پر رحمت فرمانے کو بھلاتا ہے۔کیونکہ بندہ جب بھی اپنا گناہ یاد کرتا ہے تو گویا وہ اسے اپنے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے درمیان ایک قبیح شکل قرار دیتا ہے جو اسے بعد یعنی دوری کا پتہ دیتی ہے۔اسی لئے صوفیاء فرماتے ہیں کہ صفا کے وقت جفا کو یاد کرنا جفا ہے۔انتہی۔

اور میں نے اپنے بھائی افضل الدین رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر آیت **ليغفرلك الله ماتقدم من ذنبك وما تاخر** نازل فرمائی تو ذنب کا ذکر آپ کے اس مقام کی صفائی کی وجہ سے جس میں

آپ جلوہ گر تھے بہت گراں تھا۔ علاوہ ازیں ان ذنوب کو ہمارے جیسے سمجھ ہی نہیں سکتے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ کیونکہ یہ آپ کے مقام شریف کے پیش نظر ایسے ذنوب ہیں جو کہ حسنات الابرار سیئات المقربین کے باب سے ہیں'' (اقول وباللہ التوفیق۔ معلوم ہوا کہ متاخرین اکابر اسلام میں سے نابغہ روزگار شخصیت غزالی زمان حضرت علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی نور اللہ مرقدہ نے اپنے ترجمہ القرآن البیان شریف میں مذکورہ بالا الفاظ آیت کریمہ کا ترجمہ اسی توجیہہ کے مطابق فرمایا ہے جسے امام شعرانی اپنے برادر طریقت اور صوفیاء کے عظیم مقتداء سے نقل فرما رہے ہیں بلکہ آپ نے اس سے زیادہ محتاط انداز میں ترجمہ فرمایا ہے وہو ہذا'' تا کہ اللہ آپ کیلئے معاف فرمادے آپ کے اگلے اور پچھلے (بظاہر) خلاف اولیٰ سب کام (جو آپ کے قرب کی وجہ سے محض صورۃً ذنب ہیں حقیقیۃً حسنات الابرار سے افضل ہیں''۔ بلکہ اس مسئلہ اہم کے متعلق سیدی الشیخ عبدالغنی النابلسی قدس سرہ نے اپنی کتاب الفتح الربانی میں مسئلۃ صدور العصیان بحسب الظاہر من الانبیاء علیہم السلام کے متعلق کلام فرمایا ہے جسے شیخ یوسف النبہانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی عظیم وجلیل تالیف جواہر البحار ج ۲ ص ۳۲۵ پر نقل فرمایا ہے اور فرماتے ہیں وہو کلام نفیس جدا۔ اسے دیکھئے اور غور سے پڑھیئے۔ پتہ چلتا ہے کہ صاحب ترجمہ ''البیان'' اس توجیہہ کے موجد نہیں ہیں ناقل ہو ہے۔ سلفا خلفا اکابر اسلام نے اس توجیہ کو بھی بیان فرما کر عجائب قرآن کریم کا جہان نور ظاہر فرمایا ہے۔ غزالی زماں حضرت علامہ کاظمی قدس سرہ العزیز کی پشت پر اکابر اولیاء وصلحاء اور علم وفضیلت کی عبقری شخصیات کا دست تائید ہے۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ ذلوالدیہ)

جیسا کہ ہمیں یہ حکایت پہنچی کہ عارفین میں سے ایک صاحب ایک دیوار کے قریب سے گزرے اور وہاں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ ان سے اس گریہ زاری کی وجہ پوچھی گئی تو کہنے لگے کہ ایک دفعہ میں نے اس کے مالک کی اجازت کے بغیر مٹی سے تیمم کیا تھا۔ حالانکہ یہ کوئی ایسا گناہ نہیں جس پر کوئی گریہ زاری کرے۔ اگر چہ ہمارے دور کے صالحین میں سے کوئی گذرتا۔ کسی اور کی کیا بات۔

حضرت دحیہ کی صورت میں نزول جبریل کی حکمت اور دحیہ کا کمال حسن

اور شیخ محی الدین فتوحات کے ۲۰۷ ویں باب میں فرماتے ہیں کہ جب سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد **لیغفر لک اللہ ماتقدم من ذنبک وما تاخر** نازل ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ذنب کے ذکر سے تکلیف محسوس کی تو جبریل آپ پر کبھی نازل نہ ہوئے مگر دحیہ کی صورت میں جبکہ اس آیت کے نزول سے پہلے آپ جس صورت میں چاہتے نازل ہوتے۔ اور دحیہ اپنے زمانے والوں میں نہایت حسین تھے۔ تو گویا حق تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے بزبان حال فرما رہا ہے کہ میرے اور آپ کے مابین صرف اور صرف جمال وحسن کی صورت ہے کیونکہ آپ عظیم الشان محبوب ہیں اور بادشاہوں کے آداب میں سے ہے کہ وزراء کیلئے چاہیے کہ ان میں سے کسی میں برص، کوڑھ یا کوئی جسمانی قباحت نہ ہو۔ اور نہ ہی اس کے سامنے کبھی کوئی حاضر ہو جس کے بدن میں کوئی ایسا عیب ہو بلکہ وہ اسے بادشاہوں کے حضور پیش کیے بغیر اس کی ضرورت پوری کر دیتے ہیں۔ پس اسے سمجھ لے۔

اور دحیہ کا یہ کمال تھا کہ انہیں جو حاملہ عورت مدینہ میں داخل ہوتا دیکھ پاتی تو آپ کے جمال کا اپنے نفس میں ادراک کرتے ہی اس کا حمل گر جاتا۔ البتہ رسول کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے حسن وجمال کو دیکھ کر باوجودیکہ دحیہ کو آپ کے حسن وجمال کے سامنے کوئی نسبت نہ تھی حاملہ خواتین کا حمل نہیں گرتا تھا کیونکہ آپ صاحب شریعت ہیں۔ ورلوگوں کو آپ کی زیارت کا حکم تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اکثر لوگوں سے بربنائے رحمت آپ کا جمال پردے میں رکھا۔ بخلاف دحیہ کے کہ کوئی انہیں دیکھنے کا مامور نہ تھا۔

تبدیل السیئات بالحسنات کی کیفیت

اگر تو کہے کہ سیئات کے حسنات کے ساتھ بدلنے کی کیا صورت ہے۔ کیا نفس معصیت جو کہ رونما ہوئی بندے کے نامہ اعمال میں نیکی بن کر واقع ہوتی ہے۔ یا نافرمانی کرنے کے بعد بندہ اللہ تعالیٰ طاعت کرنے لگتا ہے؟ تو جیسا کہ بعض اہل کشف نے فرمایا ہے جواب یہ ہے کہ تبدیلی کی صورت یہ ہے کہ نامہ اعمال سے سیئہ کا نام بدل کر وہاں حسنہ لکھی جاتی ہے جو کہ اس کی ہم شکل ہوتی ہے۔ پس اگر معصیت کبیرہ ہے تو اس کی بجائے حسنہ کبیرہ یا صغیرہ ہے تو اس کی جگہ حسنہ صغیرہ لکھ دی جاتی ہے۔ اور یہ امر بندے پر اللہ تعالیٰ کی اعظم عنایات میں سے ہے اگر یہ توجیہہ صحیح ہے۔ کیونکہ وہ نفس کو شہوات دنیوی میں سے اس کا حصہ عطا کرتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کیلئے اس کے اعمال نامے میں اعمال صالحہ لکھ دیتا ہے۔ جن کا علی التعیین علم نہیں۔ تو علم الٰہی نے جب سیئات عارف کو حسنات میں بدل دیا تو وہ اسے اپنے اوپر بہت عظیم نعمت سمجھتا ہے۔

اگر کہا جائے کہ کیا یہ صحیح ہے کہ کشف وشہود کے باوجود خواص میں سے کوئی اپنے رب کی نافرمانی کرے جب کہ وہ لوح محفوظ میں وہ کچھ دیکھتا ہے جو اس کیلئے تقدیر میں لکھا ہے؟

جواب یہ ہے کہ یہ کسی عارف کیلئے کبھی درست نہیں ہے۔ کیونکہ کشف بالقلب کے ساتھ مخصوص عارف دائمی طور پر دربار احسان میں ہوتا ہے اور اگر فرض کیا جائے کہ اس نے مقام کشف پر ہو کر اللہ تعالیٰ کی عارف سے ارتکاب معصیت پر سوال اور اس کا جواب نافرمانی کی ہے تو وہ حق تعالیٰ کا مشاہدہ نہیں کرتا مگر اس حال میں کہ وہ اس پر اس فعل میں راضی نہیں۔

اگر کہا جائے کہ بایزید رحمۃ اللہ علیہ کا قول پہلے گذر چکا ہے جبکہ آپ سے پوچھا گیا کہ کیا عارف اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا امر ایک ایسا فیصلہ ہے جو ہو چکا۔ تو آپ نے عارف کیلئے تمام معاصی میں واقع ہونا جائز قرار دیا؟ جواب یہ ہے کہ یہ اسی طرح ہے۔ پس جائز ہے کہ کوئی صالح معصیت تو کیا خلاف ایمان جرم کا ارتکاب کرے جیسے کہ ابلیس کیلئے ایسا واقعہ ہوا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی معرفت کے بعد نافرمانی کی۔ اور بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے اسے جائز قرار دیا مگر اسے اللہ تعالیٰ کے حضور ادب کی خاطر معدوم رکھا کہ اللہ تعالیٰ پر کسی معین شے کا حکم لگائیں۔ جیسے کہ اوائل بحث میں گزر چکا یعنی یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ نے عارف پر معصیت مقدر فرمائی ہے تو اس کا اس میں وقوع لازمی ہے لیکن تاویل یا خوشنمائی یا غفلت یا سہو کے حجاب کے ساتھ۔ جیسے کہ اس حدیث میں اس سمت اشارہ فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ اپنی قضا وقدر جاری کرنے کا ارادہ فرمائے تو عقل والوں کی عقلیں سلب کر لیتا ہے۔ یعنی وہ عقلیں جو نافرمانی کی حالت میں یاد رکھیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہیں۔ نہ کہ تکلیف شرعی کی عقلیں۔ پس غلطی سے اپنے آپ کو بچا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بحوالہ آدم علیہ السلام ان عبادی لیس لک علیہم سلطان کی وضاحت

اگر تو کہے کہ حق جل وعلا نے فرمایا ہے **ان عبادی لیس لک علیہم سلطان** (سورۂ بنی اسرائیل۔ بیشک میرے بندوں پر تیرا کوئی غلبہ نہیں) جب کہ حضرت آدم علیہ السلام یقیناً اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں میں سے ہیں۔ تو پھر آدم علیہ السلام کے درخت سے کھانے میں ابلیس کیونکر واسطہ بنا؟ تو اس کا جواب یہ ہے آدم علیہ السلام کے پاس ابلیس معصیت کے دروازے سے نہیں آیا۔ اس نے تو آپ کو دھوکے میں ڈال دیا۔ اور اس کا آدم علیہ السلام کیلئے اللہ تعالیٰ کی قسم کھانا کہ میں خیر خواہوں میں سے ہوں اسی قبیل سے ہے۔ اور اس میں سے یہ

بھی کہ اس نے کہا اللہ تعالیٰ نے آپ کو درخت کے صرف قریب جانے سے روکا ہے۔ اس کا پھل کھانے سے نہیں۔ اور اس میں سے وہ ہے جو کہ آدم علیہ السلام کی طرف سے مشہور جواب دیا جاتا ہے کہ وہ ممنوعہ صورت میں آپ کے پاس نہیں آیا۔ وہ تو اس کی صورت میں آپ کے پاس آیا جس سے روکا نہیں گیا جو کہ پھل کھانا ہے۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ ابلیس جب کسی بندے کو گمراہ کرنے کا ارادہ کرے اور دیکھے کے عصمت یا حفاظت کی وجہ اس کا احاطہ کئے ہوئے ہے تو وہ اس کیلئے اس جیسی صورت انسانی اختیار کرتا ہے۔ پس وہ ولی خیال کرتا ہے کہ یہ انسان ہے شیطان نہیں۔ اور وہ اسے اغواء کرنے کو اس کے کان کی طرف سے آتا ہے پس اس پر امر ممنوع کے متعلق کوئی تاویل داخل کرتا ہے۔ ادنیٰ یہ کہ اس سے کہتا ہے کہ بیشک اللہ غفور رحیم ہے۔ اور اس کی رحمت تو صرف ہے ہی گنہگاروں کیلئے۔ اور تمہارے نبی کا فرمان ہے کہ میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہ والوں کے لئے ہے۔ تو جب وہ اس کی بات پر کان دھرتا ہے تو وہ اسے کہتا ہے یہ کام کرنے میں تیرے جیسوں کو گناہ نقصان نہیں دیتا۔ مگر جبکہ اس کی دلیل کسی تاویل کا احتمال نہ رکھے۔ جبکہ اس معصیت کی دلیل تاویل کا احتمال رکھتی ہے۔ اور وہ یہ کہ بیشک ابلیس جانتا ہے کہ عاقل انسان تاویل اور خوشنمائی کے وسوسہ کے بغیر ابتداً اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا اقدام نہیں کرتا۔ پس جب ابلیس اسے یہ اصل دیتا ہے تو بندہ ذنب میں پڑنے یا اسے چھوڑنے کے بارے میں اہل اجتہاد میں سے ہو جاتا ہے۔ تو اگر وہ خطا کرتا ہے تو اس کیلئے اجر ہے۔ پس جب تک بندہ ابلیس کا قول یاد رکھتا ہے اس بندۂ محفوظ سے شیطان کی مراد پوری نہیں ہوتی۔ پس اگر وہ اس کے قول کو بھول جائے جو ابلیس نے اسے کہا تھا تو بر بنائے ضرورت واقع ہو جاتا ہے جیسے حضرت آدم علیہ السلام کیلئے ہوا۔

شیخ محی الدین قدس سرہ کی وضاحت

شیخ محی الدین فرماتے ہیں کہ حضرت آدم اور حواء نے شجرہ ممنوعہ کا پھل صرف اس لئے کھایا کہ اصفیاء کے قلوب صاف ہوتے ہیں یہ عقیدہ نہیں رکھتے کہ کوئی ان سے جھوٹ کہے گا۔ لیکن حضرت آدم علیہ السلام کیلئے یہ عنایت خداوندی ہے کہ اس لقمہ نے آپ کو اس کی جنت میں ہیشگی اور نہ ختم ہونے والی بادشاہی عاقبت کے طور پر عطا کر دی اور یہ ابلیس کی ناک خاک آلودہ کرنے کو رونما ہوا۔ لیکن اس قصد کے بغیر جو اس نے آدم علیہ السلام کیلئے کیا۔ اس کا قصد آپ کے متعلق یہ تھا کہ خطا میں گریں اور اس سے توبہ نہ کریں۔ پس اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی اور ذنب سے توبہ کرنیوالا ایسا ہے جیسے اس نے ارتکاب کیا ہی نہیں۔

ابلیس سے قصد خیر کی مطلقاً نفی اور اہل اللہ سے واقعہ شجرہ کی توجیہات

اگر تو کہے کہ کیا یہ ممکن ہے کہ ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام سے جو یہ کہا **ھل ادلك علی شجرۃ الخلد و ملك لا یبلی** (سورۃ طہ۔ کیا میں تجھے ہیشگی کے درخت اور نہ ختم ہونے والی بادشاہی پر دلالت کر دوں) اس سے اس خیر کا ارادہ کیا ہو جس کی طرف انجام کار حضرت آدم علیہ السلام کا معاملہ پہنچا کہ ابلیس نے کوئی وقت معین نہیں کیا؟

تو جواب یہ ہے کہ ابلیس سے اس امر کا قصد کبھی بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ آدم و اولاد آدم علیہ السلام کے لئے اس کی طرف سے قطعاً خیر نہیں اور وہ تو اللہ تعالیٰ اپنے ولی کی عاقبت اچھی کر کے ابلیس کا وسوسہ ناکام فرما دیتا ہے۔ پس شیطان کے قصد کے خلاف اسے چن لیتا ہے اور اپنا بنا لیتا ہے۔

اور شیخ محی الدین کے شیخ، شیخ ابوالعباس العرینی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ معاذ اللہ حضرت آدم علیہ السلام نے (حقیقت میں) اپنے رب کی نافرمانی نہیں کی۔ نافرمانی تو آپ کی اس اولاد نے کی جو کہ آپ کی پشت میں تھی جو کہ اہل شقاوت ہیں۔ کیونکہ آپ کی پشت اپنی ساری اولاد کیلئے کشتی کی مانند تھی۔

اور شیخ ابومدین القلمسائی فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی بجائے اگر میں ہوتا تو سارا درخت ہی کھا جاتا اور ایک روایت میں یہ ہے کہ درخت کا پھل کھاتے وقت اگر آدم علیہ السلام کو اس خیر کا علم ہوتا جس کی طرف انجام کار آپ کا معاملہ پہنچا تو سارا درخت کھا جاتے۔ انتہی۔ اور شیخ نے حدیث فجحد آدم فجحدت ذریته ونسی آدم فنسیت ذریته پر ۳۰۵ ویں باب میں بسط وتفصیل سے گفتگو فرمائی ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کر۔ تو ان علوم کے عجائب وغرائب دیکھے گا۔

محض نافرمانی سے حضرت آدم علیہ السلام کی پاکدامنی کے متعلق مثال

امام شعرانی فرماتے ہیں کہ مجھے خیال آیا کہ میں تیرے لئے ایک مثال بیان کروں جس سے یقینی طور تجھے حضرت آدم علیہ السلام کی محض معصیت سے پاکدامنی معلوم ہو جائے جیسے کہ اس میں آپ کے غیر واقع ہوئے۔ اور اسی طرح تو اپنے باپ حضرت آدم علیہ السلام کے بعض حقوق واجبہ کے احترام پر قائم رہ سکے۔ پس میں توفیق الٰہی سے کہتا ہوں: جان لے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جب اپنے سابق ازلی علم میں ایک قوم کی سعادت اور ایک قوم کی شقاوت کا فیصلہ فرمایا۔ اور وہ قول اس کے ہاں بدلتا نہیں۔ پس کوئی کھولنے والا ضروری تھا جو دونوں مٹھیوں کو کھولے۔ تو ابلیس شقاوت کی مٹھی کھولنے والا جبکہ حضرت آدم علیہ السلام سعادت کی مٹھی کھولنے والے ہوئے۔ پس ابلیس بدبخت اور حضرت آدم علیہ السلام سعادت مند ہیں اور آپ کی وہ اولاد جو توبہ واعتراف میں آپ کے نقش قدم پر چلی۔ پس بیشک حضرت آدم علیہ السلام نے یہ جاننے کے باوجود کہ جس واقعہ میں آپ مبتلا ہوئے قضاء وقدر کی وجہ سے تھا اپنی خطا کا اعتراف کیا اور کہا ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا و ترحمنا لنکونن من الخاسرین (الاعراف آیت ۲۳) اور آپ نے ذنب اپنی طرف منسوب کیا تا کہ اپنی اولاد کو تعلیم دیں کہ جب وہ معصیت میں گر جائیں تو گناہ سے کس طرح نکلیں اور توبہ واعتراف کے بغیر معاصی پر اصرار نہ کریں جس طرح کہ اس میں ابلیس اور انس وجن میں سے اس کا لشکر گرا۔

پس اس واقعہ میں حضرت آدم علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ کے حضور حکم اس بندے کا حکم ہے جسے حق تعالیٰ نے اپنے اور اس کے مابین (راز کے طور پر) ایک بات فرمائی کہ میں ارادہ رکھتا ہوں کہ میں اس وجود میں وہ کچھ ظاہر کروں جو کہ میرے علم میں اور میرے اسماء کے حکم کے ساتھ ان کی بارگاہوں والے نیک بختوں اور بدبختوں میں مخفی تھی۔ اور میرے بندوں پر میری محبت ظاہر ہو اس سے پہلے کہ میں انہیں اپنے پڑوس سے باہر نکالوں۔ کیونکہ یہ میرے علم سابق میں ہے اور میں کریم ہوں اور کریم کی شان ہے کہ کسی کو اپنے پڑوس سے نہ نکالے مگر ظاہرہ حجت کے ساتھ جو کہ ان لوگوں کے درمیان اس پر قائم کی جائے جو کہ میرا یہ راز سننے سے حجاب میں ہوں جو میں نے تجھ سے کہا ہے تو جب میں تجھ سے کہوں کہ اس درخت کے قریب نہ جانا تو جان لے کہ بیشک میں نے تجھے اس کے قریب جانے کی اجازت عطا فرمائی ہے۔ پس تو قریب جا تا کہ میں تجھ پر حجت قائم کروں اور تجھے تیری خلافت اور اعمال کے ساتھ تیری ترقی کے مکان کی طرف تجھے نکالوں۔ کیونکہ یہ جگہ جہاں تو ہے اس میں کوئی شرعی تکلیف ہے نہ کسی کے لئے اسے اعمال کی بدولت ترقی۔ جیسے وہ اہل جنت کے اعمال ہیں جس

کی طرف ایمان والے انجام کار قیامت کے بعد لوٹیں گے۔ تو اس راز دار بندے کیلئے اس کے سوا کوئی گنجائش نہیں کہ اس کام میں جلدی کرے جس کا اس کے مالک نے حجاب والوں سے علیحدہ بطور راز اذن فرمایا ہے۔ تو یہ کام معصیت نہ ہوگا مگران لوگوں کے نزدیک جو کہ اس راز کو سننے سے حجاب میں ہیں جو حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے سرأفرمایا۔ رہے وہ لوگ جو کہ حاضر اور اسے سننے والے ہیں تو یہ کام ان کے نزدیک معصیت نہیں۔ کیونکہ کسی شے کے فعل میں حق تعالیٰ کی طرف سے اذن اور اس کا امر اس بارگاہ میں ایک ہی سے ہے جیسا کہ شیخ نے ۳۷ ویں باب میں حکیم ترمذی کے سوالات کے ۳۸ ویں جواب میں اس تصریح فرمائی ہے۔ صرف ظاہر شرع کی زبان میں دونوں میں فرق ہے۔ بیشک امر احکام شریعت میں ارادے کا غیر ہے کیونکہ امر ارادہ کے خلاف ہے۔ حق تعالیٰ نے اس میں بندے کو باطن میں وقوع فعل کی طرف منسوب فرمایا ہے بغیر اس کے کہ اسے اس کا امر فرمائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فحشاء کا امر نہیں فرماتا۔ پس سمجھ لے

اور شیخ ابو مدین قدس سرہ نے فرمایا کہ بعض عارفین کا یہ کہنا کہ میں نے فلاں شے نہیں کی مگر اللہ تعالیٰ کے اذن سے۔ تو وہاں اذن سے ان کی مراد ارادہ ازلیہ ہے۔ انتہی۔ پس معلوم ہوا کہ آدم علیہ السلام پر حق تعالیٰ کی نداء بالمعصیۃ والغوایہ میں ان کی محبوب اولاد کیلئے عظیم نفع ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی حدوں سے تجاوز کرتے ہیں۔ پس وہ لوگ ندامت، استغفار اور اعتراف میں اپنے باپ کا اسوہ اختیار کرتے ہیں۔ پس وہ معصیت دراصل مقصود آدم نہیں تھی جیسکہ یہ آپ کی اولاد میں گمراہوں کے گناہ ہیں۔ اور آپ کا درخت سے کھانے کے متعلق مخفی طور پر اللہ تعالیٰ کے اذن کے باوجود جیسا کہ ابو مدین کے کلام میں گزرا گر یہ کرنا اپنی اولاد کیلئے شریعت جاری کرنے کیلئے تھا۔ تو یہ گریہ صورتا تھا۔

قبضہ سعادت صرف اطاعت کے ساتھ کیوں نہ کھولا

اگر تو کہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے فروگذاشت کے ارتکاب اور پھر اس سے توبہ کے بغیر صرف طاعت ہی کے ساتھ قبضہ سعادت کیوں نہ کھولا۔ تو جواب یہ ہے کہ یہ کام فروگذاشت کے وقوع کے بعد صرف اس لئے تھا تا کہ اس کے ذریعے آدم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے فضل۔ اس کی رحمت اور اس کے علم کی وسعت اس کے ان بندوں پر جن کے متعلق اس کے علم سابق میں ہے کہ وہ اس کی معصیتوں میں گریں گے ظاہر کریں۔ اور اگر آپ قبضہ سعادت محض طاعت سے کھولتے تو ارتکاب مخالفت کرنے والے جہان کے متعلق کثیر اسماء الہیہ کی بارگاہیں معطل ہو جاتیں۔ کیونکہ فرماں بردار کسی مغفرت، رحمت اور نہ ہی کسی حلم کی ضرورت رکھتا ہے کیونکہ جسے بخشا جائے یا رحم کیا جائے یا اس پر اظہار حلم کیا جائے وہ تو معدوم ہے۔ اور اس کی اس حدیث سے تائید ہوتی ہے **لو لم تذنبوا لذهب الله بكم واتى بقوم يذنبون فيستغفرون الله تعالىٰ فيغفر لهم** ۔ یعنی اگر تم گناہ نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ تمہیں لیجاتا اور اس قوم کو لاتا جس سے گناہ صادر ہوتے پس وہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے تو اللہ تعالیٰ انہیں بخش دیتا۔ پس اسے جان لے۔

قوم کے لئے حضرت نوح علیہ السلام کی دعائے ہلاکت کا جواب

اور رہا حضرت نوح علیہ السلام کی طرف سے آپ کی اس دعا کا جواب **رب لا تذر على الارض من الكافرين ديارا** (نوح آیت ۲۶۔ اے میرے رب روئے زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے والا نہ چھوڑ) تو ان کے خلاف آپ کی یہ دعا تو صرف ان پر رحمت کے طور پر ہے اس خوف کی بناپر کہ کہیں ان پر ان کے معمولات کی بناپر اللہ تعالیٰ کا غضب زیادہ ہو جائے۔ جبکہ ہمارے نبی پاک حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم میں سے کوئی جب کسی فتنہ میں پڑنے کا خوف کرے تو یہ دعا مانگے **اللهم توفنى اذا كانت**

الوفاة خير الي ۔اے میرے اللہ! جب میرے لئے وفات بہتر ہو تو مجھے وفات عطا فرما۔ تو حضرت نوح علیہ السلام کی اپنی قوم کے خلاف دعا غضب نفسی کی بنا پر نہ تھی۔ انبیاء علیہم السلام اس سے پاک ہیں۔

اور شیخ محی الدین فرماتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کی دعا جس کے ساتھ آپ قیامت کے دن معذرت کریں گے رب لا تذر علی الارض نہیں بلکہ صرف یہ الفاظ ہیں ولا یلدوا الا فاجرا کفارًا کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کے حضور یہ الفاظ اپنی معرفت کے مطابق پیش کئے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ ایک ادب کے بعد دوسرے ادب کے ساتھ اپنے انبیاء علیہم السلام کی تربیت فرماتا رہا ہے جب اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نازل ہوا ولا تکن کصاحب الحوت (القلم۔ آیت ۴۸۔ اور مچھلی والے کی مانند نہ ہو جایئے) حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ میرے رب نے مجھے ادب سکھایا اور خوب کر کے سکھایا۔ انتہی۔

حضرت ایوب علیہ السلام کے سونا جمع کرنے کے متعلق جواب اور قناعت کا مفہوم

رہا سیدنا ایوب علیہ السلام کا اپنی چادر میں سونا جمع کرنے کے بارے میں جواب جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر سونے کی ٹکڑی برسائی اور آپ سے آپ کے رب کریم نے فرمایا: کیا میں نے تجھے اس سے بے نیاز نہیں فرمایا تھا؟ تو آپ نے عرض کی: کیوں نہیں اے میرے رب۔ لیکن مجھے تیری خیر و برکت سے بے نیازی نہیں۔ تو جواب یہ ہے کہ اکابر اولیاء چہ جائیکہ انبیاء علیہم السلام کے کمال میں دنیا حاصل کرنا اور اسے اپنے پاس روکنا نقص وارد نہیں کرتا۔ تو اگر ایوب علیہ السلام نے اپنے ظاہری حال کے پیش نظر سونا جمع کیا تو یہ صحیح ہے باوجودیکہ آپ بلا شک و شبہ صاحب قناعت ہیں۔ کیونکہ قناعت اہل اللہ تعالیٰ کے نزدیک طلب مزید کے بغیر صرف موجود پر ہی اکتفا کرنا نہیں۔ اگر آپ نے ایسا اس لئے کیا کہ آپ کی قوم آپ کی اقتداء کرے تو آپ نے نہیں کیا مگر وہ فعل جو کہ اللہ تعالیٰ کے حضور اس کے ترک سے زیادہ بہتر ہے۔ خصوصاً ایوب علیہ السلام ان شخصیات میں سے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے خصوصی ہدایت سے نوازا۔ اور ان میں سے ہیں جن کی روش کو اپنانے کا رب کریم نے اپنے نبی کریم حضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو حکم دیا، اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوة حسنه (الاحزاب آیت ۲۱۔ تمہارے لئے رسول اللہ میں اچھا نمونہ ہے) پس اس تقریر کے حوالے سے قناعت عربی زبان کے مطابق اپنے باب کی طرف لوٹ آئی۔ اور وہ سوال کرنا ہے۔ پس بیشک قانع وہ سائل ہی ہے لیکن اللہ تعالیٰ سے نہ کہ اس کے غیر سے۔ اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن ظالموں کے بارے میں فرمایا مقنعی رؤوسهم (سورۃ ابراہیم آیت ۴۳۔ یعنی اپنے سر اپنے جرائم سے معافی اور بخشش طلب کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ کے حضور اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ تو معلوم ہوا کہ جس نے اپنے رب کے غیر سے سوال کیا تو وہ ظالم ہے مگر جبکہ دیکھتا ہے کہ وہ غیر اللہ تعالیٰ کے ابواب میں سے ایک باب ہے اس کے ساتھ توقف کئے بغیر۔ اگر یوں نہیں تو اس پر محرومی اور خسارے کا خطرہ ہے۔

(اقول و باللہ التوفیق۔ حضرات صحابہ کرام علیہم الرضوان بارگاہ سید عالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے سوال کرتے تھے جیسے کہ خود حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی سے فرمایا یا ربیعة سل۔ اے ربیعہ سوال کرو۔ مانگو، تو وہ عرض کرتے ہیں اسئلك مرافقتك فی الجنة ۔ یا رسول اللہ! میں آپ سے جنت میں آپ کی رفاقت کا سوال کرتا ہوں۔ اسی طرح اکابر اسلام اپنے مشائخ اور اولیاء اللہ سے استمداد کرتے رہے تو انہیں ابواب الٰہی جان کر ہی مانگتے رہے۔ چنانچہ خاتم المحدثین حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی

وایاک نستعین کے تحت تفسیر عزیزی میں فرماتے ہیں "لیکن دریں جا باید فہمید کہ استعانت از غیر بوجھے کہ اعتماد براں غیر باشد واورا مظہر عون الٰہی نداند حرام است ۔ وگر التفات محض بجانب حق است اورا یکے از مظاہر عون دانستہ ونظر بکارخانہ اسباب وحکمت اوتعالیٰ دراں نمودہ بغیر استعانت ظاہر نماید دور از عرفان نخواہد بود در شرع نیز جائز وروا است وانبیاء واولیا ، ایں نوع استعانت بغیر کردہ اند ودر حقیقت ایں نوع استعانت بغیر نیست بلکہ استعانت بحق است لا غیر۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ غیر پر ہی اعتماد ہو اور اسے امداد الٰہی کا مظہر نہ جانے تو ایسی استمداد حرام ہے۔ اور اگر عالم اسباب کے حوالے سے اسے حکمت خداوندی قرار دیتے ہوئے مظہر عون الٰہی سمجھ کر استمداد کرے تو یہ معرفت خداوندی سے بیگانگی ہے نہ شریعت کے خلاف ہے۔ بلکہ عوام تو عوام رہے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ غیر سے ایسی مدد طلب کرتے رہے کہ درحقیقت یہ غیر سے استمداد نہیں بلکہ ذات حق سے ہی ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنے مشہور قصیدہ اطیب النعم میں لکھتے ہیں۔

اذا ما اتتنی ازمة مد لهمة　　تحیط بنفسی من جمیع الجوانب

یعنی جب مجھ پر مصیبت کی کالی گھٹائیں چھا جاتی ہیں اور مجھے ہر طرف سے گھیر لیتی ہیں۔

تطلبت هل من ناصر و مساعد　　الوذبه من خوف سوء العواقب

اس وقت میں ڈھونڈتا ہوں کہ کوئی میرا مدد کرنیوالا اور میری دستگیری کرنیوالا ہے تاکہ ان مصائب کے ہولناک انجام سے میں اس کی پناہ لے سکوں۔

فلست اری الا الحبیب محمدا　　رسول الہ الخلق جم المناقب

تو مجھے مصیبت کی ہولناک گھڑیوں میں اپنے حبیب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے بغیر اور کوئی نظر نہیں آتا۔ وہ میرا حبیب جو اللہ تعالیٰ کا رسول اور عظیم الشان کمالات کا مالک ہے۔ قصیدہ ختم کرنے سے پہلے عرض کرتے ہیں۔

وانت مجیری فی هجوم ملمة　　اذا الشبت فی القلب شر المخالب

یارسول اللہ! آپ ہی مجھے پناہ دینے والے ہیں جب مصیبتیں مجھ پر ٹوٹ پڑیں اور اپنے ظالم پنجے دل میں گاڑ دیں۔ (منقول از ضیاء القرآن ج ۳۔ ص ۲۷۰، ۲۷۱)

یہ بات پیش نظر رہے کہ صوفیاء کے کلام میں جہاں بھی غیر سے سوال اور طلب کی نفی ہے اس سے مراد اسی وضاحت کے ساتھ ہے جو حضرت خاتم المحدثین قدس سرہ کی تفسیر عزیزی کے حوالے سے یہاں مذکور ہے۔ بلکہ یہاں اما شعرانی نے خود ان الفاظ کے ساتھ اس کی تصریح فرمادی ہے الا ان یری ان ذالك باب من ابواب اللّٰہ تعالیٰ۔ یہی مسلک حق اہل سنت وجماعت ہے۔ (محمد محفوظ الحق غفرلہ، ولوالدیہ)

اور مخفی نہ رہے کہ سائل جس سے سوال کرتا ہے اس کی طرف مائل ہونے کے ساتھ موصوف ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ولا ترکنوا الی الذین ظلموا (سورۃ ہود آیت ۱۱۳۔ اور ان کی طرف مت جھکو جنہوں نے ظلم کیا) اور جو اپنے نفس یا اپنی جنس کی طرف مائل ہوا تو وہ ظالم کی طرف مائل ہوا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے انه کان ظلوما جهولا۔ (الاحزاب آیت ۷۲۔ بیشک (انسان) ظلیم جہول ہے)

انبیاء علیہم السلام اور اکابر اولیاء اللہ کے امساک دنیا کی حکمت

اور شیخ محی الدین نے ۹۴ ویں باب میں فرمایا ہے: جان لو کہ انبیاء علیہم السلام اور کامل اولیاء نے دنیا کو (اپنے پاس) نہیں روکا مگر عرفانی اطلاع کی وجہ سے۔ جس کے نتیجے میں انہیں نفسوں کو اس رزق کے ساتھ نفع پہنچانے کیلئے اسے سمیٹنے کا عشق ہوا۔ جس کا اوقات مخصوصہ میں اس رزق والوں تک پہنچنا اللہ تعالیٰ نے مقدر فرمایا۔ تو انہوں نے دنیا کو بخل یا پھر یقین کی کمزوری کی وجہ سے نہیں روکا یہ خطرات اس سے پاک ہیں نیز فرماتے ہیں کہ حضرت ایوب علیہ السلام کو دیکھو کہ معرفت مذکورہ نے انہیں کس طرح یہ ذوق عطا کیا کہ آپ سونے کی بارش کے وقت چلو بھر بھر کر اپنے کپڑے میں سمیٹ رہے تھے اور عرض کر رہے ہے کہ مجھے تیری برکت سے بے نیازی نہیں۔ انتہی۔

حضرت یونس علیہ السلام کی طرف سے جواب

رہا حضرت یونس علیہ السلام کی طرف سے اس واقعہ کے حوالے سے جواب جسے رب کریم نے یوں بیان فرمایا "**وذاالنون اذ ذھب مغاضبا فظن ان لن نقدر علیه** (الانبیاء آیت ۸۷ اور یاد کرو ذوالنون کو جب وہ غضب ناک ہو کر چل دیا اور یہ خیال کیا کہ ہم اس پر گرفت نہیں فرمائیں گے) پس ان لن نقدر علیہ سے مراد یہ ہے کہ یونس علیہ السلام نے خیال کیا کہ اللہ تعالیٰ آپ پر تنگی نہیں فرمائے گا کیونکہ اس کا آپ کے ساتھ وسعت رحمت کا وعدہ ہے۔ تنگی کا ترجمہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے مطابق ہے **ومن قدر علیه رزقه** (الطلاق آیت ۷۔ اور جس پر اس کا رزق تنگ کر دیا گیا) اور اللہ تعالیٰ نے تو آپ سے مواخذہ اس لئے فرمایا کہ آپ نے اس وسعت رحمت الٰہی کو صرف اپنی ذات پر ہی محدود رکھا اور اپنے سوا اپنی امت کے حق میں اس پر توجہ نہ کی۔ تو جب آپ نے خیال کیا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت انہیں نہیں پہنچے گی تو غضب نے آپ نے منصب کی رفعت اور قلب کی صفائی کی وجہ سے آپ کے ظاہر پر اثر کیا تو جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا مچھلی کے پیٹ کی ظلمت میں سکونت پذیر رہے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کی اس حالت پر آگاہی بخشے جبکہ آپ اپنی والدہ کے بطن میں بچے تھے کہ آپ کی تدبیر کون کرتا تھا۔ اور وہاں آپ سے غضبناک ہونے کا تصور ہو سکتا تھا؟ بلکہ آپ اللہ عزوجل کی حفاظت میں تھے۔ اپنے رب کے سوا کسی کو نہیں پہچانتے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے آپ کو قول کی بجائے بالفعل تعلیم کیلئے مچھلی کے پیٹ میں اسی حالت پر لوٹایا۔ پس آپ نے تاریکیوں میں ندا دی کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے بیشک میں ہی قصورداروں میں سے ہوں۔ یعنی اے میرے رب! تو پاک ہے۔ جو چاہے کرتا ہے۔ اپنی رحمت تو جس پر چاہے وسیع فرماتا ہے۔ اور یہ اپنی امت کی طرف سے معذرت کے طور پر تھا۔ اور آپ کا یہ کہنا **کنت من الظالمین** ۔ یعنی میرے غضب کا اثر اس صورت پر لوٹا کہ تو نے مجھے قصوروار قرار دیا۔ کیونکہ تیرا علم اسی حالت کے ساتھ متعلق ہوا۔ پھر جب غضب کا اثر زائل ہوا اور آپ کے قلب میں نور پھیلا جو کہ کمال نبوت کے شایاں ہے تو آپ کے رب نے آپ کی دعا قبول فرمائی۔ پس آپ کو غم سے نجات عطا فرمائی۔ پس مچھلی نے آپ کو فطرت سلیمہ پر مولود کی صورت میں اگل دیا۔ پس نبی آدم میں سے یونس علیہ السلام کے سوا کوئی دو ولادتوں کا مولود نہیں۔

پس آپ طفل کی طرح ضعیف باہر آئے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا **وھو سقیم** (الصافات آیت ۱۴۵۔ اور وہ نحیف تھے) اور اللہ تعالیٰ نے کدو کے ساتھ آپ کی پرورش فرمائی۔ اور یہ اسی لئے کہ اس کا پتہ ملائم ہوتا ہے۔ اور اس پر مکھی نہیں آتی۔ کیونکہ طفل کمزوری کی وجہ سے اپنے سے مکھی کو روک نہیں سکتا۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس پودے کے ساتھ ڈھانپ دیا کہ اس کی خاصیت ہے کہ اس کا پتہ ملائم ہونے کے

ساتھ اس کے قریب مکھی نہیں آتی ۔ کیونکہ ملائم ہونے میں وہ روئی کی طرح ہوتا ہے۔ بخلاف باقی درختوں کے کہ ان کے پتے کھردرے سے ہوتے ہیں۔ اسے شیخ نے فتوحات کے ۳۳ویں باب میں ذکر کیا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے جواب

رہا حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے اس قول کے متعلق جواب ففررت منکم لما خفتکم (الشعراء آیت ۲۱۔ تو میں تم سے بھاگ گیا جبکہ تم سے خوف محسوس کیا۔) آپ نے خوف کیونکر محسوس فرمایا حالانکہ آپ کامل ہیں جبکہ اولیا اللہ میں سے کوئی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا؟ تو جواب یہ ہے کہ مقام خوف کئی وجوہ سے بہتر ہے۔ ایک یہ کہ کامل اپنے نفس سے کمزوری دیکھتا ہے۔ بخلاف صاحب حال اولیاء کے۔ ایک یہ کہ کامل پر اس چیز سے بھاگنا واجب ہے جو اس کے بدن کو ایذاء دے یا اسے عدم میں پہنچائے۔ اور اگر اس کے خلاف رکے تو گنہگار ہوگا۔ ایک یہ کہ خوف میں اسباب کی تعطیل نہیں ہوتی۔ پس فرار ہونا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کمال سے تھا۔ اور احتمال ہے آپ کا ان سے خوف کرناں وہ دراصل اللہ تعالیٰ ہی سے خوف ہے کہ کہیں انہیں آپ پر مسلط کردے۔ تو آپ کا ان سے خوف اللہ تعالیٰ سے خوف کی طرف ہی لوٹا۔ اور یہ قابل تحسین ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حضرت سیدنا سلیمان علیہ السلام کی طرف سے جواب

رہا حضرت سیدنا سلیمان علیہ السلام کی طرف سے آپ کے اس فعل کا جواب کہ رب کریم نے فرمایا **فطفق مسحا بالسوق والا عناق** (ص آیت ۳۳۔ تو آپ ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگے) تو وہ یہ ہے کہ اے عزیز! تجھے معلوم ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنے کمال کی بنا پر خلاف عقل فعل کے ساتھ اور مال ضائع کرنے کے ساتھ موصوف نہیں ہوتے۔ مراد تو یہ ہے کہ آپ نے خیر کے ساتھ اپنے رب کی یاد کی وجہ سے محبت کی جو کہ مال ہے۔ نہ کہ حکم طبع سے۔ تو اپنا ہاتھ گھوڑوں کی گردنوں اور پنڈلیوں پر اپنے رب کی خیر کی وجہ سے خوش ہو کر پھیرنے لگے۔ اور اس لئے کہ آپ کو علم ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے خیر کی محبت پسند فرماتا ہے اور یہ محبت خیر کی وجہ سے ہے۔ یا تو اس سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کا اس سے محبت کرنا۔ یا خیر کی محبت اس حیثیت سے کہ خیر موصوف بالحب ہے۔ اور معلوم ہے کہ خیر سے محبت صرف اختیار کی وجہ سے کی جاتی ہے۔ پس بیشک وہ اس کے عین کے وجود کا محل ہیں۔ اسی لئے حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا **انی احببت حب الخیر عن ذکر ربی** ۔ یعنی میں من حیث الجنۃ خیر میں ہوں جیسے خیر اس کی محبت میں۔

اور اسی لئے جب الصافنات الجیاد یعنی گھوڑے پردے میں چھپ گئے آپ کو ان کا اشتیاق ہوا تو فرمایا انہیں مجھ پر لوٹاؤ کیونکہ آپ نے اس محل کو مفقود پایا جس نے آپ کے لئے اس لذیذ صفت کو واجب کیا کیونکہ وہ صافنات اس کا محل تھے۔ اور شیخ نے فتوحات کے ۱۲۴ ویں باب میں فرمایا کہ جن مفسرین نے سورج کو چھپنا قرار دیا ہے ان کے پاس کوئی دلیل نہیں کیونکہ اس مقام اس کا کوئی ذکر نہیں۔ اور نہ ہی نماز کا جس کے متعلق وہ گمان کرتے ہیں۔ اور آیت کا سیاق اس کی بابت ان کے قول پر کسی ظاہر وجہ کے ساتھ بالکل دلالت نہیں کرتا۔

ولقد فتنا سلیمان کا مفہوم

رہی مفسرین کی کاوش اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے متعلق ولقد فتنا سلیمان (ص آیت ۳۴۔اور ہم نے فتنہ میں مبتلا کیا سلیمان کو) تو اس فتنہ سے مراد آزمانا ہے جب کہ گھوڑوں کے متعلق ہو۔اور یہ ضروری ہے۔پس آپ نے جب انہیں دیکھا تو آپ کی آزمائش یہ ہے کہ ان سے محبت اس لئے کرتے ہیں کہ آپ کے پروردگار نے ان کا ذکر فرمایا ہے۔یا عین ان کے ساتھ۔تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے خبر دی کہ آپ کو ان سے محبت اس لئے ہے کہ رب کریم نے ان کا ذکر فرمایا ہے نہ کہ ان کے حسن وکمال اور ان کی حاجت کی بنا پر۔ کیونکہ وہ گھوڑے اس بادشاہی کا جزو ہیں جو آپ نے طلب کی تھی کہ آپ کے بعد کسی کیلئے نہ ہو۔پس حق تعالیٰ نے مجموعی طور پر آپ کا سوال پورا فرمادیا اور آپ سے حرج اٹھادیا اور آپ سے فرمایا هذا عطاؤ نا فامنن او امسك بغير حساب ۔وان له عند نا لزلفی وحسن مآب ۔(ص۔آیت ۳۹۔۴۰۔(اے سلیمان) یہ ہماری عطا ہے۔احسان کر چاہے اپنی پاس رکھ تم سے کوئی باز پرس نہیں۔اور بیشک انہیں ہمارے ہاں بڑا قرب حاصل ہے اور خوبصورت انجام) یعنی یہ ملک آپ سے ملک آخرت میں کسی نقص کا باعث نہیں ہوگا۔ جیسے کہ آپ کے سوا دوسرے ناز ونعمت والوں کیلئے واقع ہوتا ہے۔کیونکہ حدیث پاک میں وارد ہے کہ دنیا میں جس چیز کے ساتھ لوگوں نے ناز ونعمت اختیار کی وہ آخرت میں ان کی نعمتوں میں کمی کا باعث ہوگی۔

انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اور اکابر اولیاء نعمتوں کی بنا پر حضرت منعم سے غیر متوجہ نہیں ہوتے

شیخ نے فرمایا یہاں سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کو دنیا تو کیا آخرت کی محبتوں کی کوئی شے اللہ تعالیٰ سے مشغول نہیں کر سکتی اسی لئے انہوں نے دنیا میں وسعت طلب کی۔اور محال ہے کہ یہ حضرات اپنے رب سے وہ کچھ مانگیں جو انہیں اس سے محجوب کر دے یا حق تعالیٰ انہیں محجوب کر نیوالی چیزوں کی بابت ان کی دعا قبول فرمائے اور یہ اس کے حضور ان کا اعزاز ہے۔

اور شیخ نے فتوحات کے باب الوصایا میں فرمایا ہے کہ اکابر نے اللہ تعالیٰ سے دنیا میں وسعت کا سوال نہیں کیا مگر کسی صحیح غرض کیلئے۔اور یہ اس لئے کہ جب وہ دنیا میں بے رغبتی اور اس کے بارے میں قلیل پر قناعت میں محکم ہوئے تو اپنے نفوس پر کسی چیز کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مشغول ہونے سے بے خوف ہو گئے تو انہوں نے دنیا میں وسعت طلب کی تا کہ وہ اس کی وجہ سے اپنے آپ پر اور ان پر جو ان کے دامن میں پناہ لیں،اپنے نفسوں اور شناساؤں کو ان کے حقوق عطا کرنے کیلئے وسعت پیدا کریں اور تا کہ اپنے لئے اللہ تعالیٰ کے اس خطاب سے لذت حاصل کریں اقرضوا الله قرضا حسنا (المزمل اور اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دو) اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ خطاب صرف اہل عظمت ووسعت سے ہی فرمایا ہے۔پس اس بارے میں انہیں حق تعالیٰ کے خطاب کی توجہ کی لذت کیلئے انہوں نے شرعی تجارات اور کاروبار کی وجہ سے مرتبہ غنا حاصل کرنے میں جلدی کی۔کیونکہ وہ جانتے تھے کہ جس کے پاس مال نہیں وہ اس خطاب کی لذت سے محروم ہے۔پس تیرے لئے واضح ہوگیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا ساری دنیا کے متعلق سوال کرنا کہ ان کے پاس ہو آپ کے مرتبہ کمال میں نقص پیدا نہیں کرتا کیونکہ وہ علت یہاں بالکل نہیں ہے جس کی وجہ سے دنیا کو ناپسند کیا گیا ہے۔

اور ہمیں یہ حکایت پہنچی ہے کہ ایک چیونٹی نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے پناہ طلب کی۔آپ نے اسے عطا فرمائی۔کہنے لگی آپ کی وہ بادشاہی کیا ہے جو کہ آپ کی طلب پر حق تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی۔فرمایا: میری انگوٹھی، کہنے لگی: ایسی بادشاہی کیا ہے جو ایک انگوٹھی

کے زیر نگیں ہو۔ پھر کہنے لگی: اے سلیمان علیہ السلام! جب وہ امور جو کہ حق تعالیٰ اپنے بندوں کو عطا فرماتا ہے اس کی ملک سے خارج نہیں ہوتے تو آپ کی اس طلب کا کیا فائدہ کہ آپ کو وہ ملک عطا فرمائے جو آپ کے بعد کسی کے لائق نہ ہو۔ انتہی۔

(اقول وبا للّٰہ التوفیق ۔ یہ ایک نکتہ عرفان ہے جو کہ مور بے مایہ کو زبان عطا فرما کر حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے ظاہر کیا گیا۔ اور اس حقیقت پر بھی نظر رہے کہ چیونٹی پر اس حقیقت کا القاء حضرت سلیمان علیہ السلام کا ہی فیضان ہے۔ حاشا وکلا آپ مسئلہ سے بے خبر نہیں ہیں۔ بلکہ آپ کی خدمت میں حاضری کی بدولت یہ کرم ہوا۔ غیر نبی کو جو عرفان حاصل ہوا ہے متعلقہ نبی علیہ السلام کے وسیلہ سے ہی ہوتا ہے۔ دیکھئے سورۂ طٰہٰ میں مذکور کہ جب فرعون کے جادوگر شرف ایمان سے نوازے گئے تو انہوں نے نہایت جرأت اور بے باکی سے فرعون کے سامنے خطبہ عرفان پڑھا جو کہ آمنا بر ب ھارون و موسی سے شروع ہوا۔ اور جب انہیں بے دردی سے قتل کرنے کی دھمکی دی گئی تو انہوں نے بے خطر انداز میں کہا لن نو ثرك علی ماجاء نامن البینات والذی فطرنا سے لے کر رکوع کے آخر تک علم وعرفان پر مبنی گفتگو کی۔ یہ شرح صدر صرف اور صرف حضرت موسیٰ کلیم علیہ السلام کو ایمان کی نظر سے دیکھنے کی برکت سے حاصل ہوئی۔

یہ فیضان نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی۔ سکھائے کس نے اسماعیل کو آداب فرزندی۔

مذکورہ بالا گفتگو چیونٹی کا کمال نہیں اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر پیغمبر حضرت سلیمان علیہ السلام کی صحبت اور نگاہ کرم کا کمال ہے۔ سچ ہے۔

خوشتر آن باشد کہ سر دلبراں، گفتہ آید در حدیث دیگراں (محمد محفوظ الحق غفرلہ، دلوالدیہ)

امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں شیخ نے عجیب اور واضح تفسیر کی ہے اور اس کے مطابق پس شبلی کا اپنے کپڑے جلانے کا استدلال درست نہیں جب کہ کپڑوں نے آپ کو رب عزوجل کے ذکر سے مشغول کر دیا۔ اور آپ نے کہا کہ بیشک حضرت سلیمان علیہ السلام نے گھوڑوں کی پنڈلیاں اور ان کی گردنیں کاٹ دیں جبکہ انہوں نے آپ کو نماز سے مشغول کر دیا اور رہا بعض علماء کا یہ قول کہ توارت کی ضمیر سورج کی طرف لوٹتی ہے تو اس کے مطابق آپ کا ارشاد ردوہا علی مناسب نہیں رہتا۔ کیونکہ سورج کو لوٹانا آپ کی قوم کے ہاتھ میں نہیں کہ اسے لوٹائیں۔ اور اس کے باوجود اگر سلیمان علیہ السلام پر سورج لوٹانے کی دلیل اس ضمیر کے اظہار کے ساتھ یا سورج کیلئے صحیح ہوتی نہ کہ گھوڑوں کیلئے جو کہ توارت اور ردوہا میں ہے تو ہم اس کی پیروی کرتے۔ واللہ اعلم۔

اور میں نے سیدی شیخ علی الخواص رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ پھر یہ مقام بندے کی اس طلب کا تقاضا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر دنیا وسیع فرمائے تا کہ وہ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اور اس کی نعمتوں کی طرف زیادہ محتاج ہوں۔ اور اس پر عیب کس طرح لگایا جا سکتا ہے جو اپنے رب سے وہ شے مانگے جو مچھر کے پر سے کمتر ہو۔ انتہی۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف سے جواب

رہا حضرت داؤد علیہ السلام کی فروگذاشت کے متعلق جواب جس سے آپ نے استغفار کیا اور سجدہ میں گرے اور رجوع لائے۔ تو یہ اچانک نظر تھی بغیر اس کے کہ اس سے پہلے نیت صالحہ ہو۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بھائی داؤد کی فروگذاشت نظر تھی۔ اور وہ یہ کہ آپ نے بغیر اس نیت کے جو کہ آپ کے مقام کے مناسب ہو اپنا سر زمین سے اوپر اٹھالیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کی وجہ

سے آپ سے مواخذہ فرمایا۔اسی لئے حدیث پاک میں وارد ہے کہ بے توجہی سے اس نگاہ اٹھانے کے بعد آپ آسمان کی طرف حیاء کی وجہ سے نگاہ نہ اٹھائی یہاں تک کہ آپ کا وصال ہو گیا۔ پس اسل خطانیت کے بغیر وہ نگاہ اٹھانا ہے گرچہ مباح کی طرف ہے۔ پس سمجھ لے۔تو معلوم ہوا کہ غفلت کے ساتھ حرکات سکنات میں اکابر کا مؤاخذہ صرف نگاہ وغیرہ کے ساتھ خاص نہیں۔اگر فرض کیا جائے کہ اس نے شہورحق سے غفلت سے انگلیوں کو حرکت دی تو ان پر اللہ تعالیٰ کے ساتھ دائمی حضوری واجب ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس سے مواخذہ فرماتا ہے۔رہی وہ بات جو لوگوں نے ذکر کی ہے کہ داؤد علیہ السلام کی خطاوہ نظر تھی جو اوریا کی عورت کی طرف اٹھائی تو ہمارے لئے یہ کسی حدیث سے صحیح نہیں۔واللہ اعلم۔اور آپ نے یہ مسئلہ حضرت آدم علیہ السلام کی طرف سے جواب کی بحث میں تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ادھر رجوع کرو۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف سے جواب

رہا سیدنا یوسف علیہ السلام کی طرف سے جواب اللہ تعالیٰ کے قول ولقد ہمت بہ وہم بہا کے حوالے سے تو شیخ نے فتوحات کے ۳۶۷ ویں باب میں ذکر فرمایا ہے کہ بعض روحانی معراجوں میں شیخ کی روح کی ملاقات حضرت یوسف علیہ السلام کی روح پاک کے ساتھ ہوئی تو عرض کی یا نبی اللہ! اس اشتراک کا کیا مقصد ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف سے یوں خبر دی ہے ولقد ہمت بہ وہم بہا۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کس امر میں قصد کیا۔اور مخفی نہیں زبان معنی کے ایک ہی ہونے پر دلالت کرتی ہے۔تو حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: ہاں۔اسی لئے میں نے بادشاہ سے اس کے ایلچی کی زبان سے کہا کہ عورتوں سے پوچھے۔تو اس خاتون نے ذکر نہیں کیا مگر صرف یہ کہ اس (عورت) نے ہی میرا جی لبھانا چاہا تھا۔اور یہ بیان نہیں کیا کہ میں نے اس کا جی لبھانا چاہا۔اسے سمجھ لے جو میں نے تجھ سے کہا ہے۔اس سے وہ وہم زائل ہو جائے گا جو بعض لوگوں کو ہے۔جبکہ اللہ تعالیٰ نے میرے قصد اور اس عورت کے قصد کا امر متعین نہیں فرمایا۔

میں نے عرض کی: یا نبی اللہ! عربی زبان اشتراک کا پتہ دیتی ہے۔فرمایا: ہاں تو نے سچ کہا ہے لیکن لفظ میں نہ کہ معنی میں۔بے شک اس عورت نے قصد کیا کہ مجھے اس امر پر مجبور کرے جس کا اس نے مجھ سے ارادہ کیا۔جبکہ میں نے اس کے متعلق قصد کیا کہ اسے اس برے ارادے سے روک دوں۔پس اشتراک تو صرف مجھ سے اور اس سے مجبور کرنے کی طلب میں ہے۔تو گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ولقد ہمت بہ یعنی عین اس امر میں جس کا میں نے (یوسف علیہ السلام نے) اس (عورت) کے متعلق قصد کیا۔اور یہ نہیں ہے مگر اس امر میں مجبور کرنا جس کا ہر ایک نے دوسرے سے ارادہ کیا۔اس کی دلیل عورت کا یہ قول ہے الآن حصحص الحق انا راودته عن نفسه (یوسف) یعنی اب حق واضح ہو گیا۔میں نے ہی اس کا جی لبھانا چاہا تھا' اور میرے قصہ میں کہیں نہیں آیا کہ میں نے بھی اس عورت کا جی لبھانا چاہا۔تو اللہ تعالیٰ نے مجھے وہ برہان دکھائی جس نے اسے اپنے سے روکنے پر مجبور کرنے میں پہلے تو نرم گفتاری اختیار کرنے کے ساتھ بدل دیا (جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہ السلام سے فرمایا: فقولا لہ قولا لینا۔یعنی فرعون کیلئے نرمی سے بات کرنا) یعنی اے یوسف! اس پر سختی نہ کرنا اور اس سے خوش اسلوبی سے پیش آنا کہ عورت ہے جو کہ ہر حالت میں کمزوری کے ساتھ موصوف ہے۔شیخ محی الدین فرماتے ہیں کہ میں نے آپ سے عرض کی آپ نے مجھے فائدہ پہنچایا۔اللہ تعالیٰ آپ کو افادات سے نوازے۔پس اسے جان لے۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے جواب

رہا ہمارے جد بزرگوار حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی طرف سے جواب تو شیخ نے ۳۶۷ ویں باب میں فرمایا ہے کہ ان کی روح کو روح خلیل علیہ السلام سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ فرماتے ہیں: میں نے عرض کی! بزرگوارم! آپ نے یہ کیونکر کہا کہ **ولکن لیطمئن قلبی** حالانکہ بلاشک وشبہ آپ اس پر ایمان کامل والوں میں سے ہیں۔ فرمایا: یہ صحیح ہے لیکن زندہ کرنے کی کثیر وجہ ہیں جیسے کہ ایجاد خلق تھی۔ کسی کو اللہ تعالیٰ نے کلمہ کن سے ایجاد فرمایا تو کسی کو اپنی قدرت کے دونوں ہاتھوں سے۔ کسی کو ابتداءً ایجاد فرمایا تو کسی کو دوسری مخلوق سے۔ تو میں نے ان وجوہ میں سے کسی وجہ کی تعیین کا علم طلب کیا۔ تو جب مجھے اس کا علم عطا فرمادیا تو میرا قلب مطمئن ہو گیا۔

امام شعرانی فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ پر شیخ نے ۲۲۵ ویں باب میں تفصیل سے کلام فرمایا ہے۔ واللہ اعلم۔ اور ہم زیر بحث معنی کی طرف لوٹتے ہیں۔ شیخ فرماتے ہیں کہ پھر میں نے آپ (خلیل علیہ السلام) سے عرض کی: حضرت آپ نے یہ کیونکر فرمایا: **بل فعله کبیر هم هذا** (الانبیاء آیت ۶۳) (بلکہ ان کے اس بڑے نے یہ کام کیا ہوگا) فرمایا: کیونکہ وہ اپنے ان معبودوں پر جو انہوں نے اختیار کر رکھے تھے حق تعالیٰ کی کبریائی کے قائل تھے۔ میں نے عرض کی آپ کے ہذا فرمانے کے اشارہ سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: تجھے اس کی مراد کا علم ہے میں نے عرض کی: مجھے علم ہے کہ یہ ابتداء کا اشارہ ہے۔ اسکی خبر محذوف ہے۔ جس پر آپ کا قول **بل فعله کبیر هم هذا فاسئلو هم** دلالت کرتا ہے اور یہ آپ نے ان پر حجت قائم کرنے کیلئے فرمایا۔ پس حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ تو نے حقیقت الامر پر بالکل اضافہ نہیں کیا۔

''والذی اطمع ان یغفرلی خطیئتی'' وغیرہ کے متعلق وضاحتیں

پھر میں آپ سے عرض کی: آپ کی وہ خطا کیا تھی جس کا ذکر آپ کے اس قول میں ہے **والذی اطمع ان یغفر لی خطیئتی یوم الدین** ؟ فرمایا: یہ میرے اس قول میں **واذا مرضت فهو یشفین** میں مرض کو اپنی طرف نسبت دینا ہے۔ باوجودیکہ درحقیقت مرض تو اللہ تعالیٰ کا امر ہے۔ تو یہ میری خطا ہے۔ پس مرض کو اپنی طرف منسوب کرنے پھر اس نسبت سے مغفرت طلب کرنے میں دو ادب تھے۔ میں نے عرض کی: پس اللہ تعالیٰ نے آپ کے حق میں یہ کیوں فرمایا **وانه فی الآخرة لمن الصالحین** بیشک وہ آخرت میں قرب خاص والوں میں سے ہیں۔ پس آپ کی صلاح آخرت کے ساتھ مخصوص فرمائی جبکہ آپ کے علاوہ دیگر انبیاء علیہم السلام کیلئے دنیا و آخرت میں مطلقاً صلاح بیان فرمائی؟ فرمایا: کیونکہ صالح کی شرط سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اضافت کے بغیر اپنی طرف کسی شے کو منسوب نہ کرے جبکہ میں نے اللہ تعالیٰ کے اذن خاص کے بغیر اپنے نفس وغیرہا کی طرف ان چیزوں کو اضافت دی جو ان کیلئے نہیں ہیں اور وہ میرا یہ کہنا ہے **واذا مرضت فهو یشفین . انی سقیم. بل فعله کبیر هم هذا۔**

(**اقول وباللہ التوفیق** ۔ اپنی صلاح کی تخصیص بالآخرۃ کی حکمت کے متعلق حضرت خلیل علیہ السلام کی مندرجہ بالا وضاحت آپ نے عرفان الٰہی اور قرب خداوندی کے اس مرتبہ عالیہ پر فائز ہو کر فرمائی ہے جہاں عوام تو عوام خواص کی بھی رسائی نہیں کہ اکابر اسلام کے مطابق آپ کا مقام حضور سید الانبیاء والمرسلین حضرت جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام انبیاء ورسل علیہم السلام سے اعلیٰ ہے۔ لہٰذا رب اعلیٰ کے حضور اس کا عبد اخص اپنے متعلق جو بیان کرے یہ معبود اور اس کے عبد مقرب کے مابین راز ہے کسی کو اسے دلیل قرار دے کر ان کی شان میں غیر موزوں گفتگو کی اجازت نہیں۔ اپنی طرف مرض کی اضافت بھی ادب اور پھر اس ادب سے طلب مغفرت بھی ادب

اس گتھی کو کون سلجھائے۔ سچ ہے، میان طالب و مطلوب رمزے ست۔ کراما کاتبین راہم خبر نیست۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ)

شیخ نے فرمایا: پھر میں آپ سے عرض کی: یا حضرت! تین انوار کے بارے میں آپ کے قول کی حکمت کیا ہے کیونکہ آپ کسی وقت بھی ان میں الوھیت کے اعتقاد سے قطعاً معصوم ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: کہ میں نے یہ بات اپنی قوم کے خلاف حجت قائم کرتے ہوئے کہی۔ کیا تو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو قرآن کریم میں نہیں دیکھتا **و تلك حجتنا آتینا ها ابراهیم علی قومه** (الانعام آیت ۸۴ اور یہ ہماری دلیل تھی جو ہم نے ابراہیم کو اس کی قوم کے مقابلہ میں عطا فرمائی) جبکہ میری قوم کا عقیدہ الہ کے بارے میں نہیں تھا سوائے اس کے کہ وہ نمرود ہے جبکہ وہ انوار ان کے معبود تھے نہ ہی نمرود ان کا معبود تھا۔ وہ تو اپنی عبادت میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے جنہیں انہوں نے تراشا تھا نہ کہ اس کی طرف۔ اور اسی لئے جب میں نے کہا **ربی الذی یحیی ویمیت** (البقرۃ آیت ۲۵۸ میرا رب وہ ہے جو زندگی دیتا ہے اور مارتا ہے) تو نمرود نے یہ جرأت نہیں کی زندگی دینے اور موت دینے کو ان کے ان معبودان باطلہ کی طرف منسوب کرتا جو کہ اس نے ان کیلئے وضع کئے تھے۔ تاکہ رسوا نہ ہو۔ پس کہنے لگا کہ میں زندہ کرتا اور مارتا ہوں۔ پس ان کے مزعومہ معبودوں کی تنزیہہ کیلئے اس نے اسے اپنی طرف پھیر لیا تاکہ حاضرین متزلزل نہ ہو جائیں۔ میں نے عرض کی: پس آپ دلیل میں اقرب کی طرف کیوں پھر گئے؟ فرمایا: اگر میں ان مسائل کی تفصیل میں لگ جاتا جو لے کر آیا تھا تو مجھے ان کے فہموں کی کمزوری معلوم تھی اور نشست طویل ہو جاتی۔ پس میں ان کے افہام کے نہایت قریب مسئلہ کی طرف پھر گیا کہ اللہ تعالیٰ سورج مشرق سے لاتا ہے ار میں نے اللہ تعالیٰ کے سامنے اسے عاجز قرار دینے کو مطالبہ کیا کہ وہ اسے مغرب سے لائے۔ **فبهت الذی کفر**۔ پس کافر مبہوت ہو گیا۔)

(**اقول وباللہ التوفیق** ۔ قرآن کریم کی مختلف آیات بینات کے حوالے سے گذشتہ صفحات میں حضرات انبیا علی نبینا وعلیہم السلام کی طرف سے جوابات کا مقصد یہ ہے کہ ان نفوس قدسیہ کی عصمت کا عقیدہ ضرورت دین میں سے ہے۔ ماشاء اللہ قرآن کریم میں ان حضرات کی عصمت کے خلاف کوئی صراحت کیا اشارہ تک نہیں۔ البتہ وہ بعض روایات ابہام پیدا کرتی ہیں جو کہ بعض مفسرین نے نقل کی ہیں۔ لہٰذا اکابر اسلام نے ان کی اصل حقیقت کو واضح فرمایا ہے۔ یا پھر آیات بینات کے بعض ظاہری معنوں سے اشکال ہوتا ہے۔ جو اس دور کے سطحی قسم کے یا پھر اہل اللہ کی نسبت سے محروم مترجمین نے تحت اللفظ ترجمہ کے طور پر لکھ دیئے۔ جن سے عظمت و شان الوہیت اور عزت و عصمت نبوت دونوں مجروح ہوتی ہیں۔ عربی زبان نہایت وسیع اور جامع ہے۔ ایک ایک لفظ بے شمار معنوں کا حامل ہے۔ جہاں جو معنی موزوں ہوگا مراد لیا جائے گا جیسے کہ لفظ حرام ہے جب المسجد الحرام میں مسجد کی صفت ہوگا تو احترام کی بلندیوں کا امیں۔ لیکن الولد الحرام میں الولد کی صفت ہوگا تو ذلت اور پستی کی دلدل میں غرق کر دیتا ہے۔ کچھ یہی حال برصغیر کے مذکورہ بالا مترجمین کا ہے۔ جنہوں نے مثلاً **مکروا ومکر اللہ واللہ خیر الماکرین** کے ترجمہ میں لکھ دیا کہ کفار نے مکر کیا اور اللہ نے مکر کیا (معاذ الہ) اب خالی الذہن قاری یہاں عظمت خداوندی کے متعلق کیا سوچے گا۔ مقصد یہ ہے کہ ترجمۃ القرآن الکریم کیلئے موید من اللہ ہونا ضروری ہے کہ جس قلب پر جلال ذات کی تجلیات اور جمال مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی محبت کے انوار غالب ہوں گے وہی صحیح ترجمہ کر سکتا ہے اور یہ عظیم ترجمہ مسمی بہ کنز الایمان ہے جو کہ امام اہل سنت مجدد دین وملت، شیخ العرب، مرشد العجم، فنافی المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت مولانا الامام احمد رضا بریلوی نور اللہ تعالیٰ مرقدہ کا ہے۔ جس کا لفظ لفظ فی الحقیقت کنز الایمان ہے۔ اور اسے پڑھنے کے بعد سرے سے وہ اعتراضات پیدا ہی نہیں ہوتے جن کے جوابات دے کر اکابر امت نے امت محبوب صلی اللہ علیہ وسلم پر عظیم احسان فرمایا (محمد محفوظ الحق غفرلہ، ولوالدیہ)

حضور سید المحبوبین امام المرسلین رحمۃ للعالمین جناب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جواب

اب ہم جوابات کو اپنے نبی کریم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جواب کے ساتھ ختم کرتے ہیں۔ پس ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق کے ساتھ کہتے ہیں: جان لو کہ حضور نبی پاک سلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے آپ کی امت کے علماء کے جوابات کی کوئی حد نہیں۔ لیکن ہم تیرے لئے ان میں سے قابل قدر حصہ بیان کرتے ہیں۔ شیخ محی الدین نے ۳۹۸ ویں باب میں فرمایا ہے۔

کہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم اعلان نبوت سے پہلے اور اس کے بعد ہمیشہ ہی ہر اس امر سے معصوم رہے جو کہ آپ کے مقام اکمل میں نقص وارد کرے۔ جیسا کہ مروی ہے کہ اعلان نبوت سے پہلے آپ جنگل میں بکریاں چرایا کرتے۔ کبھی ارادہ ہوتا کہ مکہ شریف کے نوجوانوں کی کھیل کود میں شامل ہوں۔ جب بھی مکہ شریف میں داخل ہوتے۔ اللہ تعالیٰ آپ پر نیند بھیج دیتا جو کہ ارادہ مذکورہ میں حائل ہو جاتی۔ پس آپ جلدی سے اپنی بکریوں کی طرف لوٹ آتے۔ پس اس میں آپ کی عصمت تھی جس کی وجہ آپ کی توجہ ہی نہ تھی۔ اور ضرب المثل ہے کہ من العسمة ان لاتجد یہ عصمت سے ہے کہ تو پائے ہی نہیں۔ اور اس مقام کا نام ہے ''علم الحاسل فی عین الفائت'' جیسے کہ ارشاد خداوندی ہے وعسی ان تکر ھوا شیئًا وھو خیر لکم وعسیٰ ان تحبوا شیئا وھو شر لکم (البقرہ آیت ۲۱۶۔ ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور وہ تمہارے لئے بہتر ہو۔ اور ہو سکتا کہ تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ تمہارے حق میں بری ہو) تو اس فائت (نہ ملنے والے) میں بندے کی س سعادت اور حاصل پر فضیلت ہے۔ انتہی۔

اور بحث کے اوائل میں پہلے گزر چکا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ارشاد ہے **اندلیغان علی قلبی فاستغفر اللہ تعالیٰ فی الیوم واللیلۃ اکثر من سبعین مرۃ** ۔ اور اس سے مراد یہ ہے کہ آپ دائم الترقی ہیں۔ پس جس مقام سے ترقی کر جاتے اس سے اللہ تعالیٰ کے حضور استغفار کرتے کیونکہ وہاں اور مقام رفیع اور مقام ارفع ہے۔

اور شیخ محی الدین کیلئے باب الوصایا میں ہے۔ جبکہ حق تعالیٰ دعا کرنے والے کی دعا قبول فرماتا ہے جب بھی وہ اس سے دعا کرے تو بندے کو چاہیے کہ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی مناجات میں وہ بات نہ کہے جس کا اس سے پہلے اس نے اسے علم عطا فرمایا کیونکہ یہ وقت ضائع کرنا ہے۔ اسے تو چاہیے کہ ہمیشہ امر جدید طلب کرے۔ انتہی

لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر سے مراد

اگر تو کہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وماتاخر سے کیا مراد ہے؟ تو فتوحات کے ۳۷ ویں باب سے ۵۵ ویں جواب میں شیخ کے مطابق جواب یہ ہے کہ اس خطاب سے اور تمام عتابات سے جو رب کریم نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے فرمائے جیسے **یا ایھا النبی اتق اللہ . لئن اشرکت لیحبطن عملک . لقد کدت ترکن الیھم شیئا قلیلا** تو یہ حضور علیہ السلام کی فتوت یعنی جوانمردی اور کرم ہے کہ آپ نے اپنی امت سے عتاب وتوبیخ کے خطاب کا تحمل فرمایا۔ پس خطاب آپ سے ہے جبکہ مراد دوسرے ہیں (یعنی آپ کی امت) اور یہ بہترین جواب ہے۔

(اقول و باللہ التوفیق۔ عارفین کاملین اور محققین کے مقتدا شیخ اکبر قدس سرہ العزیز کے اسی ذوق کا حامل بلکہ زیادہ واضح اور عصمت سید عالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر مبنی ترجمہ کنز الایمان میں امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے یوں کہا ہے۔ بے شک ہم نے

تمہارے لئے روشن فتح دی تاکہ اللہ تعالیٰ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں اور تمہارے پچھلوں کے''۔ جبکہ محروم توفیق مترجمین نے یہاں شدید ٹھوکریں کھائی ہیں اور یہ لوگ عصمت نبوت کے ساتھ وفانہیں کر سکے۔ **کما یطلع علیه من یرجع الی تراجهم** ۔محمد محفوظ الحق غفرلہ ولوالدیہ)

شیخ نے فرمایا: کہ رہی باقی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کیلئے اللہ تعالیٰ کی مغفرت تو یہ صرف اس لئے ہے کہ حق تعالیٰ نے اس دنیا میں یہ علم مخفی رکھا کہ ان کے تمام مقامات اصل میں رسول کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کیلئے ہیں اور بیشک وہ آپ کے نائب ہیں۔ جیسے کہ یہ سب کچھ ان پر دور آخرت میں منکشف ہوگا۔اور اس میں طویل کلام فرمایا۔

پھر فرماتے ہیں: ہمارے اس قول سے کہ ان تمام معاتبات کے مخاطب رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جبکہ اس سے مراد آپ کے غیر ہیں معلوم ہوگیا کہ حق تعالیٰ کی شان ہے کہ صغیر کو کبیر کے ساتھ ادب سکھاتا ہے۔جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے امت کو اس کے رسول علیہ السلام کی تادیب کے ساتھ ادب سکھایا۔تاکہ امت اس ادب کو استعمال کر کے اپنی مراد پانے تک رسائی حاصل کرے۔پس خطاب رسول سے فرمایا جبکہ مراد امت ہے جسے اس کے ساتھ وابستگی کی ترغیب دی گئی۔

اور ۱۹۸ویں باب میں اللہ تعالیٰ کے قول **لئن اشرکت لیحبطن عملك** کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس باب سے ہے **ایاك اعنی واسمعی یا جارہ** یعنی مراد کوئی اور ہوتا ہے اور سنایا کسی دوسرے کو جاتا ہے جیسا کہ قرائن احوال اس کی گواہی دیتے ہیں۔فرمایا کہ اس کی حکمت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے پیغام برحق کو سننے سے کفار کی روگردانی کا مقابلہ ہے۔پس اسی لئے حق تعالیٰ نے اعراض کا مقابلہ اعراض کے ساتھ کرتے ہوئے خطاب میں ان سے اعراض فرمایا باوجودیکہ اس خطاب سے صرف وہی مراد ہیں۔پس انہیں سزا اور ان کی اہانت کے طور پر انہیں دوسرے انداز میں سنایا۔انتہی۔

اکابر کے استغفار کی توجیہہ

اور شیخ نے ۲۴۷ویں باب میں فرمایا: جان لے کہ اکابر کے استغفار میں یہ شرط نہیں کہ واقع ہونے والے کسی گناہ سے ہو۔ان کا استغفار تو اس خوف سے ہوتا ہے کہ کہیں ان سے ایسے احوال میں سے کچھ ظاہر ہو جائے جسے چھپانا چاہیے تھا کہ انہیں اپنی قوم کے سامنے اس کے ذکر کا انہیں حکم نہیں دیا گیا۔اسی لئے کسی نبی علیہ السلام سے کبھی منقول نہیں کہ وہ اس قول پر نادم ہوئے ہوں جس کی ان کی طرف وحی کی گئی۔اور نہ ہی ان سے حالت وحی میں کوئی کلام عادی سنا گیا۔حتیٰ کہ اس کے نزول سے فارغ ہو جائیں تو جب حالت وحی ختم ہوتی ہے تو اس وقت جو کچھ واقع ہوا اس کی خبر دیتے ہیں البتہ ورود وحی کے بغیر جو صرف سوچ کی وجہ سے ہو تو ممکن ہے کہ جو کچھ ہوا اس پر ندامت ہو جیسے کہ بدر کے قیدیوں کے واقعہ میں ہوا۔انتہی۔

وتخشی الناس واللہ احق ان تخشاہ کا معنی

اگر تو کہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول **وتخشی الناس والله احق ان تخشاه** کا کیا معنی اور رسول پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے کیا واقعہ رونما ہوا جس میں لوگوں کے ڈر کے حوالے سے آپ پر عتاب فرمایا؟ اس کا جواب فتوحات ۵۴۷ویں باب میں شیخ نے یہ دیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے لوگوں سے ڈر کا سبب آپ کا یوسف علیہ السلام کے حق میں یہ قول ہے **لو کنت مکانه لاجبت الداعی**

کہ اگر ان کی جگہ میں ہوتا تو بلانے والے کی بات قبول کر لیتا۔ یعنی بادشاہ کے قاصد کو جب اس نے جیل خانہ سے باہر نکلنے کی طرف آپ کو دعوت دی۔ پس آپ باہر نہ نکلے حتیٰ کہ اس سے فرمایا کہ اپنے مالک یعنی عزیز مصر کی طرف لوٹ کر جاؤ جس نے آپ کو جیل میں ڈالا تھا پس اس سے پوچھا کہ ان عورتوں کا کیا حال ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ زخمی کر لئے۔ اور یہ اس لئے تھا تا کہ عزیز مصر کے ہاں آپ کی برائت ثابت ہو جائے۔ پس اسے یوسف علیہ السلام کو جیل سے باہر نکالنے کا آپ پر احسان درست نہ ہو۔ بلکہ احسان عظیم اللہ وحدہ کیلئے ہے۔ پس حضرت یوسف علیہ السلام نے اس سے اپنی پاک دامانی کا قصد فرمایا۔ کیونکہ اگر احتمال باقی رہتا تو آپ کی عدالت میں موجب طعن ہو سکتا تھا۔ جبکہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول ہیں۔ تو آپ کی امت کیلئے آپ کی طاعت کرنے کی راہ میں ان کے نزدیک آپ کی عدالت کا ثبوت ضروری ہے۔

اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنے متبنیٰ کی (مطلقہ) بیوی سے شادی کرنے میں لوگ کا ڈر محسوس فرمایا کہ کہیں آپ کی دعوت حق آپ پر رد کر دیں۔ پس پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو ان کے متبنیٰ کی زوجہ سے نکاح کرنے کی صرف لئے آزمائش ڈالی تا کہ اعتراض کی آزمائش چکھیں اور ہر اس شخص پر رحمت کاملہ کا خلق اپنائیں جس نے تہمت لگائی۔ بیشک کسی کا اپنے متبنیٰ کی بیوی سے شادی کرنا عرب کے جاہلوں کے نزدیک آپ کے کمال میں موجب طعن تھا جبکہ آپ عظیم الشان رسول ہیں۔ پھر جب آپ نے اپنے مقام عالی میں جرح کی تکلیف چکھی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس علت سے مبرا قرار دے کر اپنے اس قول کے ساتھ آپ کی دوا فرمائی ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول الله و خاتم النبین (الاحزاب آیت ۴۰۔ محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں۔ بلکہ وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبین ہیں) اور ایسی صورت میں ایمان والوں سے حرج رفع کر دیا۔ پس حق تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو وہ کچھ چکھایا جو کہ یوسف علیہ السلام کو اس وقت چکھایا جب آپ نے بلانے والے کی بات قبول نہ فرمائی اور چاہا کہ آپ کی برائت آپ کے پس پشت ہو کیونکہ اس میں آپ کی پاکدامنی کا اظہار زیادہ ہے۔ کیونکہ اگر آپ حاضر ہوتے تو کہا جا سکتا تھا کہ آپ کے روبرو آپ سے شرم کرتے ہوئے آپ کو پاک گردانا گیا ہے۔ اور آدمی کا کمال یہ ہے کہ جس کام کے بارے میں اسے حکم نہیں دیا گیا وہ مروت عرفیہ کے تقاضوں پر توقف کرے یہاں تک کہ اس کے پاس اللہ تعالیٰ کا امر آ جائے۔ پس اس وقت تو وہ اس کے مطابق ہوتا ہے جس کا اسے حکم دیا جاتا ہے۔ انتہی۔

لاجبت الداعی کی توجیہہ از امام شعرانی

امام شعرانی فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ احتمال ہے کہ لاجبت الداعی سے حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی مراد جیل سے رہا نہ ہونے میں حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوت کی تعریف ہو۔ پس حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے حضرت یوسف علیہ السلام کے حال سے اپنے حال کی نزاکت کا اظہار فرمایا۔ جیسے کہ یہ فرمایا نحن اولی بالشك من ابراهیم۔ پس یوسف علیہ السلام پر دو حال جمع ہو گئے۔ (۱) جیل کا حال (۲) آپ پر بہتان کا حال۔ اور ہر رسول طلب کرتا ہے کہ اپنی امت کے نفوس میں وہ کچھ راسخ کر دیں جس کی وجہ سے وہ اپنے رب کی دعوت ہر اس امر میں قبول کر لیں جس کی طرف انہیں بلائے تو گویا رسول کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں یوسف علیہ السلام کی جگہ ہوتا تو برائت طلب کرتے ہوئے اپنی ذات کی طرف سے معاملہ کی وضاحت کی خاطر باہر آنے میں جلدی کرتا۔ تا کہ میں جن کی طرف بھیجا گیا ہوں ان کے ہاں میرا بری ہونا ثابت ہو جائے۔ اور اس کے علاوہ اور بھی احتمال ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

عفا الله عنك لما اذنت لهم کی وضاحت

اگر تو کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کیلئے اللہ تعالیٰ کے اس قول سے کیا مراد ہے عفا الله عنك لم اذنت لهم (التوبہ آیت ۴۳۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سے درگذر فرمایا۔ آپ نے انہیں اجازت کیوں دے دی) کیا یہ توبیخ ہے جیسا کہ بعض سمجھتے ہیں یا علت کے متعلق سوال ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ارشاد ہے أنت قلت للناس اتخذ ونی و امی الهین (المائدہ آیت ۱۱۶۔ کیا لوگوں سے تو نے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو دو خدا بنالو)

تو شیخ نے ۵۵۸ ویں میں یہ جواب دیا ہے کہ یہ علت کے متعلق سوال ہے۔ سوال توبیخ نہیں۔ کیونکہ عفو اس سے پہلے بیان ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ کا قول حتی یتبین لك الذین صدقوا تو استفہام ہے جیسے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیلئے اللہ تعالیٰ کا قول گزر چکا۔ گویا اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے: یا محمد! کیا آپ نے یہ کام اس وقت کیا کہ سچ کہنے والے آپ کیلئے ظاہر ہو گئے تو یا نعم کہیں گے یا لا یعنی نہیں۔ پس عفو اور توبیخ دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔ خصوصاً اس کے ہوتے ہوئے کہ عفو کا ذکر پہلے ہے جیسے کہ گذر چکا۔ کیونکہ جس نے توبیخ کی اس نے مطلقاً عفو نہیں کیا۔ کیونکہ توبیخ مؤاخذہ ہے جبکہ اللہ تعالیٰ معاف فرما چکا ہے۔ شیخ فرماتے ہیں کہ چونکہ عربی زبان میں اس لفظ سے کبھی توبیخ سمجھی جا سکتی ہے اسی لئے عفو کا ذکر ابتداء میں فرمایا تا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے کلام کے مواقع کا عارف ہوشیار رہے کہ اس کی مراد توبیخ نہیں ہے جیسا کہ ان لوگوں کو وہم ہے جنہیں حقائق کا کوئی علم نہیں۔ انتہی۔

لما اذنت لهم میں عتاب ہے ہی نہیں

اور فتوحات کے ۳۸ ویں باب میں بھی اللہ تعالیٰ کے قول عفا الله عنك لما اذنت لهم کے بارے میں فرمایا اہل تفسیر نے ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ نے عتاب سے پہلے آپ کیلئے بشارت ذکر کی تا کہ آپ کا قلب مبارک مطمئن ہو۔ شیخ فرماتے ہیں کہ اور خاص ہمارے پاس جو علم الٰہی ہے وہ یہ ہے کہ یہ آیت علی الخصوص بشارت ہے۔ اس میں عتاب نام کی کوئی چیز ہے ہی نہیں۔ یہ تو اس کے نزدیک صرف استفہام ہے جو انصاف کرے اور فہم میں اللہ تعالیٰ کے کلام کو اس کا حق عطا کرے۔

عبس وتولیٰ سے مراد

اگر تو کہے کہ پھر حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے حق میں اللہ تعالیٰ کے اس قول سے کیا مراد ہے عبس و تولی ان جائه الا عمی الغ (عبس آیت ۱،۲۔ چیں بجبیں ہوئے اور منہ پھیرا کہ ان کے پاس ایک نابینا آیا۔ کیا اس کا معنی اس کے ظاہر کے مطابق ہے یا اس سے مراد کچھ اور ہے؟ اس کا جواب جیسے کہ شیخ نے ۳۰۴ باب میں فرمایا یہ ہے کہ یہ عتاب اپنے ظاہر پر نہیں ہے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم علیہ السلام کو مذکورہ امیر پر تنبیہ فرمائی ہے تا کہ آپ کو جتلائے کہ اللہ تعالیٰ منکسر قلوب والوں کے ہاں بادشاہوں کی بہ نسبت زیادہ متوجہ ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت فقراء سے جدا نہیں ہوتی بخلاف بادشاہوں کے۔

اور اس کی وضاحت یہ ہے کہ حق تعالیٰ اپنے اس بندے پر زیادہ غیرت فرماتا ہے جو کہ اپنے رب کیلئے قلبی انکساری والا ہے اس شخص پر غیرت کے مقابلے میں جو کہ صفات عظمت کے ساتھ آشکارا ہو۔ تو جب آپ کے پاس زیارت کیلئے نافذ الامر بادشاہ آئے پھر اسی طرح

ایک فقیر آپ کے پاس زیارت کیلئے حاضر آئے تو آپ بادشاہ کے مقابلے میں فقیر پر زیادہ توجہ فرمائیں۔ مگر یہ کہ اس کی سطوت کا خطرہ ہو اور فقیر سے بے توجہی نہ فرمائیں یہاں تک کہ وہ اپنی اس ضرورت سے فارغ ہو جائے جس کی خاطر وہ آپ کی خدمت میں حاضر آیا۔ پس معلوم ہوا کہ صاحب اقتدار بادشاہ کے پاس حق تعالیٰ کی تجلی حضوری اپنے غیر شایاں وطن میں ہے۔ کیونکہ کبریائی اور عظمت تو صرف اہل جنت کو جنت میں شایاں ہے اس لئے کہ ان پر کوئی قدغن نہیں ہوگی اور نہ ہی کوئی ذمہ داری۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام پر عبس و تولیٰ ان جاءہ الاعمیٰ کے ساتھ عتاب صرف اس لئے فرمایا کہ وہ نابینا فقیر تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے مقام عبودیت وفقر کیلئے اظہار غیرت فرمایا کہ عزت وقہر کی صفت کی خاطر جس کا اظہار بے موقع کیا گیا ہو اس کی بے قدری کی جائے۔ اور یہاں طویل گفتگو فرمائی۔

امامن استغنی فانت لہ تصدی کا معنی

رہا امامن استغنی فانت لہ تصدی کا مفہوم تو شیخ نے ۵۴۹ ویں باب میں ذکر فرمایا کہ اس کا معنی فقراء اور اغنیاء کے اکٹھے ہونے کی صورت میں عتاب ہے، نہ کہ اکیلے اغنیاء کے متعلق۔ کیونکہ پسندیدہ ادا یہ ہے کہ جو آئے غنی ہو یا فقیر اس کی طرف توجہ کی جائے۔ اور حدیث پاک میں ہے کہ جب تمہارے پاس کسی قوم کا معزز آدمی آئے تو اس کی عزت کرو۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

لا ینھا کم اللہ عن الذین لم یقاتلو کم فی الدین ولم یخر جو کم من دیار کم ان تبرو ھم و تقسطوا الیھم ان اللہ یحب المقسطین ۔ (الممتحنہ آیت ۸۔ اللہ تعالیٰ تمہیں منع نہیں کرتا کہ جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں جنگ نہیں کی اور نہ ہی انہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا کہ تم ان کیساتھ احسان کرو اور ان کے ساتھ انصاف کا برتاؤ کرو۔ بیشک اللہ تعالیٰ انصاف کرنیوالوں کو دوست رکھتا ہے۔

اور یہاں ایک نکتہ ہے جسے اے بھائی! پہچاننا چاہیے اور وہ یہ ہے کہ اپنی قوم میں معزز بادشاہ تیری طرف نہیں آیا نہ ہی تیرے پاس فروکش ہوا حتیٰ کہ تیرے پاس آنے سے پہلے اس نے رعب اور بڑائی اپنے پیچھے چھوڑ دی۔ تو وہ تیرے پاس اپنے آپ کو تجھ سے کم تر سمجھ کر ہی آیا ہے۔ پس جب تو اس کی طرف توجہ اور اس کیلئے تواضع نہیں کرے گا تو اپنے آپ میں تیرا رعب اس کے رعب سے بڑا ہوگا۔ پس ہر حال میں تجھے لازم ہے کہ اس کا مقابلہ اس سلوک کی مثل کرے جو اس نے تجھ سے کیا۔ اور تیرے پاس پہنچنے سے پہلے اسے اپنی طرف سے اس کے مرتبہ پر فائز کر۔ اور توجہ اور تبسم کے ساتھ اسے خوش کر تو اپنے زمانے کا صاحب حکمت ہوگا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر نابینا اور اغنیاء کے بارے میں عتاب محبت نہیں فرمایا مگر اس لئے کہ دونوں فریق حاضر تھے۔ تو مجموعی صورت میں عتاب واقع ہوا نہ کہ انفرادی حالت میں۔

اور سیدی علی الخواص رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم اغنیاء پر صرف ان کی غنا کی وجہ سے متوجہ ہوئے جس کا انہوں نے اظہار کیا اور عارف باللہ تعالیٰ کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ہر شان مثلاً جلال وعظمت وغیرہما پر متوجہ ہو۔ پس اگر عارفین میں سے کسی پر اغنیاء کی طرف متوجہ ہونے کی صورت میں عتاب واقع ہوا تو یہ ان کے تظاہر بالغنی یعنی اظہار غنا کی حیثیت سے نہیں یہ کسی دوسری علت کی وجہ سے ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اس واقعہ پر اغنیاء کے متعلق مطلقاً عتاب اور طرد کو قیاس نہ کیا جائے۔ کیونکہ یہ قدم کا جادہ شریعت سے پھسلنا ہے۔ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ہمیں ہر قوم کے معزز کے ہمارے پاس آنے پر ان کے اعزاز کا حکم دیا ہے۔ جیسا

کہ پہلے گذرا۔ پس سمجھ لے۔

نیز معلوم ہوا کہ عارف کا بادشاہوں، امراء اور اغنیاء کی تعظیم کرنا صرف اور صرف رب جل وعلا کی تعظیم سے ہے۔ رہی فقراء کی تعظیم تو انکساری کی وجہ سے ان کی دلجوئی کی خاطر ہے۔ انتہی۔

آیت مذکورہ کی دیگر تفسیر

اور اس آیت کی تفسیر میں شیخ نے ۱۶۳ ویں باب میں بھی فرمایا: جان لے کہ غنیٰ حق تعالیٰ کی صفت ذاتیہ ہے۔ کہ بیشک اللہ تعالیٰ ہی غنی حمید ہے۔ یعنی اسی کا حق ہے کہ اس صفت کے ساتھ اس کی ثناء کی جائے۔ اور عبس وتولیٰ کے عتاب (محبت) کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مذکورہ صفت الٰہیہ کے مقام مشاہدہ میں جلوگر تھے اور یہ غناء مطلق ہے جو کہ غیر اللہ کیلئے قطعاً نہیں۔ اسی لئے رسول پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم اکابر قریش کے درپے ہوئے کہ ان میں اس صفت الٰہیہ کی مہک ظاہر تھی کیونکہ یہ اپنی ذات کے ساتھ اس وقت شرف ورفعت عطا کر رہی تھی جس وقت آپ ان کے درپے ہوئے۔ تو اغنیاء پر متوجہ کے ساتھ آپ ما قصد اپنی امت کی تعلیم کیلئے تھا کہ خلق میں سے جو کوئی صفت غنی سے متصف ہو وہ اس کے درپے ہوں۔ پھر جب اس مقام میں راسخ ہو جائیں تو انہیں صفات الٰہیہ کے عدم تخصیص کے شہود کی طرف ترقی کرنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ کہ سارا عالم اللہ تعالیٰ کے شعائر اور اس کی صفت سے ہے۔ اور اس میں سے کوئی چیز اپنے لئے معیت حق تعالیٰ کی مصاحبت سے جدا نہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی مکان میں محصور نہیں۔ پس ہر کامل منکسر قلوب والوں کی بارگاہ کے اضمحلال پر غیرت کرتا ہے کیونکہ حق ان کے ہاں جلوہ گر ہے۔ جیسا کہ ہمیں شارع علیہ السلام نے اس کی خبر دی ہے۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو اس محضر میں ہوتے ہوئے قریش کے اسلام کی بہت آرزو تھی۔ آپ جانتے تھے کہ جب ان کے اکابر اپنے قلوب کے ساتھ آپ کی طرف مائل ہو گئے آپ کی طاعت کی اور محبت کرتے ہوئے مسلمان ہو گئے تو ان کے اسلام لانے کی وجہ بے شمار مخلوق مسلمان ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز علیہ ماعنتم حریص علیکم** (التوبۃ آیت ۱۲۸۔ بے شک تمہارے پاس ایک برگزیدہ رسول تم میں سے تشریف لایا ہے جس پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں گذرتا ہے۔ تمہاری بھلائی کا بہت خواہش مند ہے) یعنی تمہارا عناد اور تمہارا اسلام قبول نہ کرنا ان پر گراں گزرتا کہ آپ تمہاری بہتری بہت زیادہ چاہتے ہیں۔

وجہ عتاب

اگر تو کہے کہ حق تعالیٰ نے باوجود اس محضر عظیم کے جس کا ذکر پہلے ہوا حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر عتاب کیونکر فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کیلئے عتاب فرمایا اور ہمیں اس کا پتہ دیا یہ ہمیں ادب سکھانے کیلئے ہے کیونکہ انسان غفلتوں کا محل اور بالذات فقیر ہے۔ اگر وہ دنیا کے بڑے بادشاہوں میں سے ہو جائے پھر بھی فقیر ہے۔ کیونکہ اس کا غنی ہونا عارضی ہے جو کہ مرتبہ ومال حاصل ہونے کی وجہ سے اسے لاحق ہوا۔ پس وہ غنی نہیں ہوا مگر بالغیر۔ بخلاف حق جل وعلا کے۔ پس وہ صفت جو کہ اغنیاء میں ظاہر ہوئی درحقیقت صفت حق نہیں ہے کہ عبد اس کے درپے ہو۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آیت میں فرمایا اما من استغنیٰ جو کہ طلب کے سین کے ساتھ ہے۔ یہ نہیں فرمایا اما من ہو غنی پس اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو جو آداب عطا فرمائے ان میں سے پہلے تو اغنیاء سے اعراض اور فقراء کی طرف متوجہ

ہونا ہے۔ پھر آپ کو حکم دیا کہ جو بھی اپنی غنا اور بڑائی ترک کر دے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو اس پر توجہ فرمائیں۔ شیخ نے فرمایا کہ اکثر لوگ اس دوسرے ادب سے غافل ہیں۔ تو قریب نہیں کہ یہ لوگ اس کے ذوق کا مشاہدہ کر کریں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ عارفین کا رؤوسا اور اغنیاء میں سے کسی پر توجہ کرنا صرف ان کے مرتبہ کی خاطر ہے۔ جبکہ معاملہ ایسے نہیں جیسے کہ وہ گمان کرتے ہیں۔

اہل اللہ کی مصلحت عوام کیلئے حکمت عملی

پھر جان لو کہ اہل اللہ تعالیٰ جب خطرہ محسوس کریں کہ عوام میں سے کوئی ان کا معنائے مقصود سمجھے بغیر اغنیاء کی تعظیم پر ان کی پیروی کرے گا۔ نیز انہیں ڈر ہو کہ اس فعل سے عوام کی رغبت دنیا کے متعلق بڑھ جائے گی تو انہیں جائز ہے کہ مجوبین کی مصلحت کو مقدم رکھتے ہوئے اغنیاء اور رؤوسا کے متعلق اظہار کراہت کریں۔ اور اہل اللہ کے اس قول پر غور کر کہ داعی الی اللہ عزوجل کیلئے شرط ہے کہ وہ جنہیں دعوت دے ان کی طرف کسی چیز میں محتاج نہ ہو جس کا وہ اس پر احسان رکھیں۔ پس پتہ چلا کہ ایسے لوگوں کو کھینچنا چاہیے نہ یہ کہ انہیں اپنے سے نفرت دلائے۔ پس ان کی طرف مال اور توجہ کے ساتھ احسان کرے اور اسے ان کے صدقات اور احسان قبول نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ وہ اس کی وجہ سے ان کی نگاہوں میں ہلکا پڑ جائے گا اور اس پر واجب ہے کہ ان کے پاس جو کچھ ہے اس سے پرہیز کرے۔ اور اپنے آپ کو ان سے مال یا قناعت کے ساتھ دور رکھے۔

حکمت اور موعظہ حسنہ سے مراد

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **ادع الی سبیل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة** (النحل آیت ۱۲۵۔ (اے محبوب) آپ لوگوں کو اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت سے بلائیں)۔ یہی حکمت تو اس کا مدعوین کے پاس جو کچھ ہے اس سے بے نیاز ہونا ہے جبکہ موعظہ حسنہ یعنی عمدہ نصیحت مدعوین کیلئے اس کا دسترخوان بچھانا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس فعل کی تعمیل میں توقف کے بغیر جلدی کرنے لگیں گے جس کی طرف انہیں بلایا جا رہا ہے کیونکہ اس میں وہ اپنی مصلحت کا علم رکھتے ہیں۔ اور قرآن کریم میں ہے **ولو کنت فظا غلیظ القلب لا تفضوا من حولك** (آل عمران آیت ۱۵۹۔ اگر آپ تند مزاج سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے) اور یہ امر پختہ ہے کہ ہر وہ چیز جس میں اعزاز ہے اس میں فقراء کو اغنیاء پر مقدم کرنا مطلوب ہے۔ اور کسی فقیر کے شایاں نہیں کہ حق واضح ہونے کے بعد بڑوں میں سے کسی کی رعایت کر۔ تو جو چاہے مان لے اور جو چاہے انکار کرے۔ والسلام

خاتمہ

بعض اوقات انبیاء علیہم السلام کا احوال دنیا کی تدبیر کا نہ پہچاننا ان کے کمال میں نقص وارد نہیں کرتا۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا یہ قول کھجوروں کی پیوند کاری میں اس کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ **انتم اعلم بامور دنیا کم**۔ اپنے دینوی امور کو تم بہتر جانتے ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ایک قوم پر گذر ہوا۔ یہ لوگ کھجور کے درختوں کی چوٹیوں پر تھے۔ فرمایا: یہ لوگ کیا کر رہے ہیں عرض کی گئی کہ درختوں کی پیوند کاری کر رہے ہیں۔ فرمایا: اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ انصار نے یہ سنا تو اس سال انہوں نے اپنی درختوں کی پیوند کاری ترک کر دی تو پھل گھٹ گیا اور ناقص پھل لگا۔ چنانچہ آپ سے صورتحال عرض کی گئی تو فرمایا **انتم اعلم بامور دینا کم**۔ یعنی

اس امر میں جس میں آپ کی طرف وحی نہ کی گئی ہو۔

شیخ محی الدین فرماتے ہیں کہ انبیاء واولیاء پر بعض احوال دنیا کے مخفی ہونے کا سبب صرف اس لئے ہوتا ہے کہ ان کے قلوب پر جلال ذات کے عظیم مشاہدہ کا غلبہ ہوتا ہے۔ پس یہ حضرات اس کی وجہ سے تدبیر کائنات سے غائب ہو جاتے ہیں اور اگر وہ جلال وعظمت ان سے حجاب میں ہوتا تو یہ حضرات امر دنیا کے سب سے زیادہ عارف ہوتے۔لیکن ان کا تدبیر کائنات سے حجاب ان کیلئے صرف بعض اوقات ہوتا ہے ہمیشہ نہیں۔جیسا کہ یہ حدیث اس طرف اشارہ کرتی ہے لی وقت لا یسعنی فیه غیر ربی۔ میرے لئے ایک وقت ہے جہاں میرے رب کے بغیر کسی شے کی گنجائش نہیں۔اور بعض عارفین نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے دنیا سے سفر نہیں فرمایا یہاں تک کہ آپ کے کمال میں اضافہ ہوا اور آپ امر دنیا وآخرت کی تدبیر فرمانے لگے۔اور جلال الٰہی کا مشاہدہ آپ کو اس سے مصروف نہیں کرتا تھا۔اور جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اللہ عزوجل کے حضور اور مخلوق پر آن واحد میں ایک ساتھ متوجہ رہنے کے مکلف تھے۔خلق آپ کو حق سے محجوب نہیں کرتی تھی۔

صحابہ کرام سے مشاورت کی حکمت

اگر تو کہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو اپنے اصحاب سے مشورہ کرنے کا حکم کس لئے دیا گیا حالانکہ وہ یقیناً آپ سے فروتر ہیں۔تو اس کا جواب ۱۹۸ویں باب میں شیخ نے یہ دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو اپنے سے فروتر حضرات سے مشورہ کرنے کا امر نہیں فرمایا مگر اس لئے کہ آپ کو جتلا دے کہ ہر موجود میں اس کیلئے ایک خصوصیت ہے جو دوسرے کیلئے نہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کبھی وجہ خاص سے عوام امت کیلئے وہ القاء فرماتا ہے جس کا مقربین میں سے کسی کیلئے القاء نہیں فرماتا۔اس کی دلیل حضرت موسیٰ کے ساتھ خضر علیہما السلام کا واقعہ ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم (اقول وباللہ التوفیق۔ دراصل یہاں بھی معاملہ وہی ہے جو یہاں خاتمہ کے عنوان کے تحت چند سطور پہلے شیخ اکبر قدس سرہ کے حوالے سے امور دنیا کے انبیاء واولیاء پر مخفی رہنے کے سبب کی صورت میں بیان ہوا کہ ان کے قلوب پر جلال وعظمت ذات کے غلبہ کی وجہ سے اس طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ یہاں بھی یہی حکمت ہے اسی غلبہ جلال کی بنا پر مقربین کے قلوب پر ان چیزوں کی طرف متوجہ ہونے کا القاء نہیں ہوتا۔اور قلب موسیٰ علیہ السلام پر اسی غلبہ عظمت الٰہی کی وجہ سے آپ ان حکمتوں پر متوجہ نہیں ہوئے جن کی طرف حضرت خضر علیہ السلام کو رب کریم نے متوجہ فرمایا۔محمد محفوظ الحق غفرلہ ولوالدیہ)

بتیسویں بحث

ہمارے نبی پاک حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی رسالت اور مخلوق خدا پر آپ کی مطلقاً فضیلت کے بیان میں۔وغیر ذالک۔جان لے کہ ہمارے آقا ومولیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی رسالت مبنی بر اعجاز کتاب،سنت اور اجماع سے ثابت ہے۔اور اسی طرح اس امر پر امت کا اجماع ہے کہ آپ نے عام اور مکمل رسالت کی تبلیغ فرمائی اور اسی طرح امت تمام انبیاء علیہم السلام کے متعلق گواہی دیتی ہے کہ انھوں نے رب کریم کے پیغامات کی تبلیغ فرمائی۔اور حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے حجۃ الوداع میں خطبہ ارشاد فرمایا۔پس پر حذر رہنے کی تلقین فرمائی اور نافرمانی سے ڈرایا اور بلا امتیاز وتخصیص خطبہ ارشاد فرمایا۔پھر فرمایا:خبردار کیا میں نے تبلیغ کر دی؟ تو سب نے عرض کی یا رسول اللہ! آپ نے تبلیغ فرما دی۔پس آپ نے کہا:یا اللہ! گواہ ہو جا۔

کیا جمع قرآن سے بعض آیات رہ گئیں؟

اگر کہا جائے کہ بعض کہتے ہیں کہ جمع کرتے وقت قرآن پاک سے بعض آیات رہ گئیں۔ اور اس کی بنا پر عارف کو چاہیے کہ اپنے طریق کشف سے ان کی طلب کرے تا کہ ان کی تلاوت کرے اور تلاوت کا ثواب حاصل کرے کیا یہ صحیح ہے؟ جواب یہ ہے کہ یہ ایسا امر ہے جس پر اس کے قائل کی کوئی موافقت نہیں کرتا۔ اور جمہور محدثین نے فرمایا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اس قول کی تاویل واجب ہے کہ فعدۃ من ایام اخر متتابعات۔ پڑھا جاتا تھا۔ متتابعات کا لفظ رہ گیا۔ اور انہوں نے فرمایا کہ سقوط سے مراد نسخ ہے۔ پس احتمال ہے کہ ان بعض کی کلام میں سقوط سے مراد نسخ ہو اگر یہ نقل صحیح ہے تو۔

اگر کہا جائے کہ رسول کے اس دعویٰ میں کہ وہ اللہ تعالیٰ کا رسول ہے تصدیق پر دلیل اس کے لائے ہوئے اخبار واحکام پر دلالت تک لے جاتی ہے یا کسی اور دلیل کی ضرورت ہے؟ اس کا جواب فتوحات کے ۴۴ ویں باب میں شیخ نے یہ دیا ہے کہ کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں بلکہ یہ آپ کے لائے ہوئے احکام میں دلالت تک لے جاتی ہے۔

کون سی گواہی اکمل ہے؟ طریق وحی سے یا معاینہ سے

اگر تو کہے کہ دونوں میں سے کون سی گواہی اکمل ہے۔ ہمارے پاس طریق وحی سے جو کچھ آیا اس کی گواہی دینا یا طریق معاینہ سے گواہی دینا۔ تو جواب یہ ہے کہ وحی کے ساتھ ہماری گواہی معاینہ ومشاہدہ کے ساتھ ہماری گواہی سے اکمل ہے جیسا کہ خزیمہ نے نبی پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے متعلق گواہی دی کہ آپ نے اعرابی سے اونٹ خریدا ہے۔ حالانکہ خزیمہ اس وقت حاضر نہ تھا۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے آپ سے فرمایا: اے خزیمہ! تو کس وجہ سے گواہی دیتا ہے؟ عرض کی: آپ کی تصدیق کی وجہ سے یا رسول اللہ۔ پس رسول پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اکیلے خزیمہ کی گواہی کے ساتھ فیصلہ فرمایا۔ کیونکہ شہادت بالوحی تھی۔ اور اگر خزیمہ نے دیکھ کر گواہی دی ہوتی تو ان کی گواہی دو کے قائم مقام نہ ہوتی اور اسی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ہم پر اپنے اس قول کی حفاظت فرمائی **لقد جاء کم رسول من انفسکم الخ** ۔ پس بیشک قرآن پاک جمع کرنے والے صحابہ کرام دو مردوں یا زائد کی گواہی کے ساتھ ہی آیت قبول کرتے تھے۔ جبکہ یہ آیت اکیلے خزیمہ کی گواہی سے ثابت ہوئی۔ انتہی۔

تو اصل وجود آمدی از نخست

اگر کہا جائے کہ فتق عماء (بادل چھٹنے) کے بعد موجودات میں سے کون سی چیز سب سے پہلے ظاہر ہوئی؟ اس کا جواب شیخ تقی الدین بن ابی المنصور کے قول کے مطابق یہ ہے کہ فتق عماء کے بعد سب سے پہلے جو کچھ ظاہر ہوا حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہیں۔ پس اس اولیت کی وجہ آپ اولیات کیلئے مستحق قرار پائے۔ پس آپ تمام روحانیت کے باپ ہیں جس طرح کہ حضرت آدم علیہ السلام تمام جسمانیات کے باپ ہیں۔ انتہی۔ اور اولیت کی تحقیق عنقریب شیخ محی الدین کے اس کلام میں آئے گی کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے صباء کو پیدا کیا پس ادھر رجوع کر۔

کنت نبیا و آدم بین الماء والطین کا معنی

اگر تو کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے اس ارشاد کا کیا معنی ہے **کنت نبیا و آدم بین الماء والطین** ۔ جبکہ نبی وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی

طرف سے خبر دیتا ہے۔ اور اپنی تخلیق سے پہلے اور جنہیں خبر دیتا ہے ان کے وجود سے پہلے آپ کا خبر دینا کیونکر صحیح ہوگا۔ اس کا جواب شیخ نے فتوحات ۳۰۵ ویں باب میں یہ دیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم اخذ میثاق سے پہلے اپنی ذات کو اپنی ذات کے ساتھ اذن الٰہی کی وجہ سے غیر جلوہ گاہ کی صورت میں پہچانتے تھے۔ اور یہ وہ حال ہے جس میں آپ اپنی نبوت کو پہچانتے تھے اور یہ خلق آدم علیہ السلام سے پہلے ہے۔ جیسا کہ مذکور حدیث اس کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ پس آپ کو اس حالت میں تعارف تھا۔ کیونکہ انسانی پیدائش عناصر اور ان کے مراتب میں اپنے وقت وجود تک بکھری ہوئی تھی۔ لیکن لوگوں میں سے کوئی وہ ہے جسے اس مقام میں اس کے نفس اور مرتبہ کا شہود عطا کیا گیا۔ یا تو اس کے کمال کی وجہ سے اس کی غایات پر۔ یا پھر اس کی صورتوں میں سے کسی بھی صورت کا شہود پایا۔ اور یہ اس مرتبہ کا عین ہے جو کہ اس کیلئے دنیا میں ہے۔ پس وہ اس کا علم رکھتا ہے تاکہ اپنی ذات پر اس کا حکم لگائے۔ اور اس مقام پر حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنی نبوت کا مشاہدہ فرمایا۔ اور ہمیں سمجھ نہیں کہ کیا آپ نے اپنے تمام احوال کی صورتوں کا مشاہدہ فرمایا یا نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **و اوحی فی کل سماء امرها** (حم السجدہ آیت ۱۲۔ اور ہم نے ہر آسمان میں اس کے حسب حال وحی فرمائی) تو نو افلاک میں سے کوئی فلک نہیں مگر انسان کیلئے اس میں ایک صورت ہے۔ پس وہ فلک اس کے وصول کے وقت تک اس کی حفاظت کرتا ہے۔ پس اس کا وجود، طول وعرض۔ راستی و کجی دائرہ، مربعہ اور مثلث اور چھوٹے بڑے مختلف الاشکال بے شمار آئینوں میں پائی جانے والی ایک صورت کے وجود کی طرح ہے۔ پس جلوہ گاہ کے اختلاف کی وجہ سے اشکال کی صورتیں مختلف ہوتی ہیں۔ جبکہ عین ایک ہی ہے۔ پس اسی لئے ہم نے کہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم، اللہ تعالیٰ کے اذن سے ایجادات کو جلوہ گاہ کے بغیر اپنی ذات کے ساتھ پہچانتے تھے اور چونکہ آپ اس منزلت کے ساتھ تھے تو ان مراتبت کو پانے کے وقت آپ میں وہ موثر نہ ہوئے۔

حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا جبکہ آپ رتبہ عالیہ پر فائز تھے کہ **انا سید ولد ولا فخر**۔ میں اولاد آدم کا سردار ہوں اور کوئی فخر نہیں۔ پس آپ میں مرتبہ نے حکم نہ لگایا۔ جبکہ آپ نے دوسرے وقت میں فرمایا جبکہ آپ مرتبہ رسالت وخلافت پر جلوہ گر تھے **انما انا بشر مثلکم** ۔ پس یہ مرتبہ آپ کیلئے اپنی پیدائش کی معرفت سے حجاب نہ ہوا۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے اپنا لطیفہ دیکھا کہ اپنے مرکب عنصری کی طرف نگاہ کئے ہوئے ہے جبکہ اس میں آپ منفرد ہیں۔ تو آپ نے اپنی ذات عنصریہ کا مشاہدہ فرمایا۔ پس آپ نے جان لیا کہ یہ افلاک علویہ کی قوت کے تحت ہے۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہمارے لئے بھی اس پر فائق ایک صورت ہے جسے ہم نے ذکر کیا۔ اس کا ادراک عقل کے ساتھ ہو سکتا ہے نہ ہی نقول شرع سے مہک لینے سے۔ پس ہم اس سے خاموش رہے اور وہ یہ کہ ہمارے لئے ایک صورت کرسی میں ہے۔ ایک صورت عرش میں ہے۔ ایک صورت ہیولیٰ میں۔ ایک صورت طبیعت میں۔ ایک صورت نفس میں۔ ایک صورت عقل میں جسے لوح وقلم سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ایک صورت عماء میں اور ایک صورت عدم۔ یہ سب کچھ اہل کشف کے لئے نظر آتا ہے اور یہ وہی ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کیلئے اس کے علم میں مخفی خطاب قدیم ہے پس سمجھ لے۔

اگر تو کہے کہ کیا اخذ میثاق کے وقت حضرت آدم علیہ السلام کو ان صورتوں کا علم تھا جن پر آپ کی پشت مشتمل تھی۔ تو جواب یہ ہے کہ آپ کو اس کا علم نہ تھا جیسے کہ افلاک میں سے کسی ملک کیلئے علم نہ تھا۔ جس میں ہماری صورتوں میں سے ایک صورت تھی۔

اگر کہا جائے کہ پشت سے اخذ میثاق کیوں ہوا۔ اس کے غیر سے نہیں۔ تو جواب یہ ہے کہ اخذ میثاق کے ساتھ پشت اس لئے خاص کی گئی کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کیلئے پشت ایک غیب تھا۔ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں آدم کے سامنے سے لیتا تو آپ نے ہمیں پہچان لیا ہوتا۔ یہ اس لئے

حضرت آدم علیہ السلام کیلئے ہمارے ساتھ صورت ہے پس آپ نے گواہی دی جیسے ہم نے گواہی دی۔

شیخ محی الدین فرماتے ہیں کہ ہمیں یقین نہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اس کا علم نہیں جو آپ سے اخذ کیا گیا یا آپ کو اس کا علم ہے لیکن چونکہ وہ بارگاہیں ہم نے دیکھی ہیں۔ جو افلاک سے پہلے ہیں وہ کسی صورت کا علم نہیں رکھتیں جو ان میں ہے ہم اس کے قائل ہوئے کہ کئی دفعہ آدم علیہ السلام کا معاملہ اسی طرح ہوتا ہے۔ پس اس پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے جو اس امر پر مطلع ہو کہ آدم علیہ السلام ان صورتوں کا علم رکھتے تھے جو آپ کی پشت سے اخذ کی گئیں۔ پس وہ اس کتاب کے اس مقام پر درج کر دے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی پشت میں سعداء کی تعداد

(امام شعرانی لکھتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ مجھے میرے برادر طریقت افضل الدین رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان سعادت مندوں کی تعداد پر اطلاع بخشی ہے جو کہ پشت آدم علیہ السلام میں تھے۔ بدبختوں کی نہیں۔ فرماتے ہیں کہ ان کی تعداد اتنی ہے جو کہ نوصد ہزار، ہزار، ہزار، ہزار، ہزار، ہزار، ہزار، ہزار، ہزار کے نو دفعہ ضرب دینے سے حاصل ہوتی ہے اور نوصد ننانوے ہزار۔ اور اس کا نصف اور اس کا تہائی۔ سب کو ان اصول میں ضرب دی گئی جو ہم نے ذکر کیے۔ پس اس سے جو حاصل ہو وہ ان سعادت مندوں کی تعداد ہے جو کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پشت میں تھے۔ ایک بھی کم و بیش نہیں۔ اور یہ ایسا حساب ہے جو عقل کی گرفت سے وراء ہے۔ اس کا طریقہ صرف کشف ہے۔ انتہی۔ واللہ اعلم۔

شیخ محی الدین کی وضاحت

شیخ محی الدین نے فرمایا کہ جس کے فہم سے ہمارا یہ بیان بعید ہو جو کہ ہم نے ذکر کیا کہ ہمارے لئے ہر فلک میں ایک صورت ہے کہ ان میں سے ایک، دوسری کے مقابلہ ہمارے ساتھ زیادہ راست نہیں۔ تو وہ ترمذی کی حدیث مرفوع میں نظر کرے اور اس کے متعلق کہا کہ یہ حسن غریب ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کیلئے تجلی فرمائی جبکہ اس کے دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بند ہیں یعنی جیسے اس کی جلال کے شایاں ہے۔ پس اس نے فرمایا: اے آدم ان دونوں میں سے تو جونسی چاہے اختیار کر۔ عرض کی میں اپنے رب کا دایاں ہاتھ اختیار کرتا ہوں۔ جبکہ اس کے دونوں ہاتھ با برکت ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے اسے کھول دیا۔ تو آدم علیہ السلام اور آپ کی اولاد ظاہر ہوئی۔ پس آدم علیہ السلام نے ایک جسم دیکھا جو نہایت چمکدار ہے۔ عرض کی: اے میرے رب! یہ کون ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ تیرا بیٹا داؤد ہے۔ عرض کی: اے میرے رب! تو نے اس کی عمر کتنی لکھی ہے؟ فرمایا: چالیس سال۔ عرض کی: یارب! اور میری عمر کتنی لکھی ہے؟ فرمایا: ہزار برس۔ عرض کی: یارب میں اسے اپنی عمر سے ۶۰ برس عطا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم نے تیری عرض قبول فرمائی۔ پس حضرت آدم علیہ السلام کی اپنی عمر کی گنتی کرتے رہے یہاں تک کہ ۹۴۰ سال تک پہنچ گئے۔ تو حضرت ملک الموت روح قبض کرنے کو حاضر ہوئے تو حضرت آدم علیہ السلام نے اس سے کہا کہ میری عمر سے ۶۰ سال باقی ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! تو یہ اپنے بیٹے داؤد کو دے چکا ہے۔ آدم نے انکار کیا تو آپ کی اولاد نے بھی انکار کیا اور آپ بھول گئے تو آپ کی اولاد بھی بھول گئی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا اس دن سے اللہ تعالیٰ نے لکھنے اور گواہ مقرر کرنے کا حکم دیا۔ انتہی۔

پس یہ آدم اور آپ کی اولاد صورتیں ہیں جو کہ قبضہ حق میں قائم ہیں جیسے اس کی شان جلال کے لائق ہے اور یہ آدم اس ہاتھ سے باہر ہے اور اپنی صورت اور اپنی اولاد کی صورت حق تعالیٰ کے دست کرم میں دیکھ رہا ہے۔ تو اے بھائی! تیرا کیا حال ہے اس جگہ تو اس کا اقرار

کرتا ہے اور افلاک میں صورتوں کے متعدد ہونے کے ہمارے قول کا انکار کرتا ہے؟ پس اگر یہ محال لنفسہ ہوتا تو نہ واقع ہوتا نہ نسبتاً جائز۔ کیونکہ حقائق تبدیل نہیں ہوتے۔

شیخ نے فرمایا: اور اپنے لئے اس سے زیادہ انس پیدا کر۔ پس اس پر میں قدرت نہیں رکھتا۔ تو ان میں سے نہ ہونا جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ **صم بکم عمی فهم لا یرجعون** (البقرہ آیت ۱۸۹۔ وہ بہرے، گونگے اور اندھے پس وہ لوٹیں گے نہیں اور شیخ نے اس کے متعلق ۳۴۶ ویں باب میں طویل گفتگو فرمائی ہے۔

اگر تو کہے: کیا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے علاوہ کسی اور کو بھی اس وقت نبوت عطا کی گئی جب حضرت آدم علیہ السلام پانی اور مٹی کے درمیان تھے؟ تو جواب یہ ہے کہ ہمیں ایسی کوئی روایت نہیں پہنچی کہ کسی کو یہ عطا ہوئی ہو۔ یہ حضرات اپنی رسالت محسوسہ کے ایام میں نبی تھے۔

اگر تو کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے کنت نبیا کیوں فرمایا کیوں کنت انسانا یا کنت موجودا نہیں فرمایا؟ تو جواب یہ ہے کہ دیگر صفات کی بجائے صرف نبوت کا ذکر خصوصیت کے ساتھ اس طرف اشارہ کرنے کیلئے فرمایا کہ آپ کو تمام انبیاء علیہم السلام سے پہلے نبوت عطا کی گئی۔ کیونکہ نبوت نہیں ہوتی مگر اس شرع کی معرفت کے ساتھ جو ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کی گئی۔

(اقول باللہ التوفیق۔ **کنت نبیا و آدم بین الماء والطین** کے متعلق ماقبل میں ارباب کشف کا مسلک بحوالہ شیخ محی الدین قدس سرہ بیان ہوا۔ اہل محبت و عرفان کیلئے وہ وضاحت بھی ایک روحانی سرمایہ ہے جسے شیخ محقق برکت المصطفیٰ فی دیار الہند شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مدارج النبوۃ حصہ دوم کے بالکل آغاز میں ذکر فرمایا جس کا ترجمہ یہ ہے "اور نبوتِ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم اس عالم میں ثابت تھی۔ چنانچہ آپ نے فرمایا **کنت بنیا و آدم بین الروح والجسد** ۔ کہ میں نبی تھا جبکہ آدم ابھی روح اور جسم کے درمیان تھے۔ دوسری حدیث پاک میں یوں آیا ہے **انی عند اللہ لخاتم النبیین وان آدم لمنجدل فی طینتة** (احمد حاکم بیہقی عن العرباض بن ساریہ) (یہ الفاظ فقیر نے خصائص کبریٰ جلد اول کی ابتداء سے نقل کئے گئے ہیں) یعنی میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک خاتم النبیین تھا جبکہ آدم ابھی اپنی طینت میں تھے۔

اور عام زبانوں پر و آدم بین الماء والطین مشہور ہے۔ گرچہ یہ الفاظ محدثین کے نزدیک صحت کو نہیں پہنچے البتہ مفہوم ایک ہی ہے ہر تقدیر پر مراد یہ ہے کہ آدم کی تخلیق سے پہلے میں نبی تھا۔ گرچہ علم الٰہی میں تمام انبیاء علیہم السلام کی نبوت ثابت تھی لیکن حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی نبوت ملائکہ اور ارواح میں ظاہر اً معلوم تھی جبکہ ان حضرات کی نبوت مخفی اور مستور تھی۔ بلکہ فرماتے ہیں کہ اس عالم میں حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی روح انور انبیاء علیہم والسلام کی ارواح کی تربیت کرنے والی اور انہیں علوم الٰہیہ کا فیض عطا کرنے والی تھی جیسا کہ آپ دنیا میں تمام نبی آدم کیلئے مبعوث اور مرسل تھے۔ پس آپ اس عالم میں خارج میں بالفعل نبی مرسل تھے نہ کہ صرف علم الٰہی۔ میں اور ہوسکتا ہے کہ **نحن السابقون الآخرون** کا بھی معنی ہو (سبحان اللہ) الناقل محمد محفوظ الحق غفرلہ ولوالدیہ)

اول خلق اللہ

اگر تو کہے کہ اس قول کا کیا معنی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے اول ہیں۔ اس سے مراد مخصوص مخلوق

ہے یا مطلق مخلوق مراد ہے؟ اس کا جواب جیسا کہ شیخ نے چھٹے باب میں فرمایا یہ ہے کہ اس سے مراد مخصوص مخلوق ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے جو شئے پیدا کی ھباء (غبار) ہے اور اس میں سارے حقائق سے پہلے حقیقت محمد یہ علی صاحبہا الصلوات التسلیمات کا ظہور ہوا۔ اور اس کی وضاحت یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جب اپنے علم سابق کے مطابق ظہور عالم کی ابتداء کا ارادہ فرمایا تو عالم اس ارادۂ مقدسہ سے تجلیات تنزیہہ کی ضرب سے حقیقت کلیہ کی طرف منفعل ہوا۔ تو ھباء پیدا ہوا اور یہ مضبوط بنیاد کے طور پر ہے تا کہ اس میں مشیت کے مطابق اشکال اور صورتوں کا افتتاح فرمائے اور یہ عالم میں پہلا موجود ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کے ساتھ اس ھباء کی طرف تجلی فرمائی جبکہ سارا عالم اس میں بالقوۃ موجود تھا۔ پس اس ھباء میں موجود ہر شے نے اس نور سے اپنے قرب کے مطابق اثر قبول کیا۔ جیسے کہ گھر کے گوشے چراغ کا نور قبول کرتے ہیں پس اس نور سے اپنے قرب کے مطابق اس کی روشنی اور قبولیت زیادہ ہوتی ہے اور حقیقت محمد یہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے زیادہ کوئی بھی اس کے قریب نہ تھا۔ پس اس ھباء کی تمام موجودات سے زیادہ آپ قبول کے قریب تھے۔ پس حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم ظہور عالم کا مبداء اور موجود اول ہیں۔

مقام علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم

اور شیخ محی الدین نے فرمایا کہ اس ھباء میں آپ کے سب سے زیادہ قریب حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تھے جو کہ تمام انبیاء علیہم السلام کے اسرار کے جامع ہیں اور شیخ کا امام علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے متعلق یہ قول کہ آپ اسرار انبیاء کے جامع ہیں حضرت خضر علیہ السلام سے شیخ ابو مدین التلمسانی کے حق میں بھی منقول ہے۔ جب آپ سے ان کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا کہ وہ اسرار مرسلین کے جامع ہیں میرے علم میں اس وقت اسرار مرسلین کا ان سے زیادہ جامع کوئی نہیں۔

لا رب العرش جس کو جو ملا ان سے ملا صلی اللہ علیہ والہ وسلم

پس جیسے کہ شیخ محی الدین نے فتوحات میں فرمایا معلوم ہوا کہ تمام انبیاء و مرسلین علیہم السلام کا طلب امداد کا مرکز روح محمد یہ علی صاحبہا الصلات والتسلیمات ہے۔ کیونکہ آپ قطب الاخطاب ہیں۔ جیسے کہ اس کی تفصیل آپ کے خاتم النبیین ہونے کی بحث میں آرہی ہے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اولین آخرین سب کے مددگار ہیں۔ آپ ہر اس نبی اور ولی کے مددگار ہیں جو کہ آپ کے جہان غیب میں ہونے کی حالت میں آپ کے ظہور سے پہلے ہے نیز ہر اس ولی کے مددگار ہیں جو کہ آپ کے ساتھ لاحق ہوگا۔ تو آپ اس امداد کے ذریعے اسے اس کے مرتبہ کمال تک پہنچاتے ہیں دراں حال کہ آپ عالم شہادت میں موجود ہیں اور اس حالت میں کہ آپ غیب کی طرف منتقل ہوں جو کہ برزخ اور دور آخرت ہے۔ پس بیشک آپ کے انوار رسالت اگلوں پچھلوں کے جہاں سے منقطع نہیں ہیں۔

اول ما خلق اللہ نوری اور اول ما خلق اللہ العقل میں مطابقت

اگر تو کہے کہ حدیث میں وارد ہے اول مـا خـلـق الـلـه نوری۔ یعنی سب سے پہلے جسے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا میرا نور ہے جبکہ ایک روایت میں یوں ہے اول ما خلق اللہ العقل۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے عقل پیدا فرمائی۔ ان دونوں کے درمیان مطابقت کیا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ ان دونوں کا معنی ایک ہی ہے۔ کیونکہ حقیقت محمد یہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو کبھی عقل اول سے تعبیر کیا جاتا ہے اور کبھی نور سے۔

حضور علیہ السلام سابق انبیاء علیہم السلام کے مددگار ہیں۔اس کی دلیل قرآن کریم سے

اگر تو کہے کہ آپ سے پہلے ظاہر ہونے والے انبیاء علیہم السلام کے آپ مددگار ہیں اس کی قرآن کریم سے کیا دلیل ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد دلیل ہے اولئك الذین هدی الله فبهد اهم اقتده (الانعام آیت ۹۰۔یہی وہ لوگ جنہیں اللہ نے خصوصی ہدایت فرمائی تو انہیں کے طریقے کی پیروی کریں) یعنی ان کی ہدایت آپ ہی کی وہ ہدایت ہے جس نے آپ کی طرف سے باطن میں ان کی طرف سرایت کی۔تو جب آپ نے ان کی ہدایت کی پیروی فرمائی تو یہ آپ کی اپنی ہی ہدایت ہے کیونکہ باطن میں اولیت آپ کیلئے ہے جبکہ ظاہر میں آخریت آپ کیلئے ہے۔اور اگر ان حضرات کی ہدایت سے مراد اس کا غیر ہوتا جس کی ہم نے تقریر کی ہے تو اللہ تعالیٰ آپ سے یوں فرماتا فبهم اقتده ۔یعنی ان کی پیروی کریں۔اور حدیث کنت نبیا وآدم بین الماء والطین پہلے بیان ہو چکی۔پس آپ کے ظہور سے پہلے ہر نبی اپنی بعثت ہیں اس شریعت کے ساتھ آپ ہی کا نائب ہے۔اور اس کی تائید حدیث شریف میں حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا یہ قول کرتا ہے وضع اللہ تعالیٰ یدہ بین ثد بی۔اللہ تعالیٰ میرے کندھوں کے درمیان اپنا ہاتھ رکھا جیسے کہ اسکی شان جلال کے لائق ہے۔جس کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینے میں محسوس کی پس مجھے اولین و آخرین کے علوم حاصل ہو گئے۔کیونکہ اولین سے مراد انبیاء علیہم ہیں جو کہ آپ کے جسم اقدس کے پردہ غیب میں ہونے کے وقت آپ سے پہلے ظاہر ہوئے۔

(اقول و باللہ التوفیق۔اسی مسئلہ کے متعلق امام العرفاء مقدام الحکماء حضرت شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ یوں اظہار حقیقت کرتے ہیں ۔

تو اصل وجود آمدی از نخست	دگر ہرچہ موجود شد فرع تست
ہمہ انبیاء د درپناہ تو اند	مقیم در بارگاہ تو اند
تو مہر منیری ہمہ اختر اند	تو سلطان ملکی ہمہ چاکر اند

نیز ترجمان حقیقت امام شرف الدین ابو عبداللہ محمد بن سعید بن حماد البوصیری یوں گوہر افشانی فرماتے ہیں ۔

وکل آی اتی الرسل الکرام بها	فانما اتصلت من نوره بهم
فانه شمس فضل هم کواکبها	یظهرن انوار ها للناس فی الظلم

یعنی جس قدر معجزات تمام انبیاء علیہم السلام کو عطا فرمائے گئے بیشک وہ آپ کے نور سے ان کو ملے ہیں کیونکہ آپ فضل کے آفتاب ہیں اور سب انبیاء علیہم السلام ستارے ہیں۔شیخ العرب والعجم امام اہل سنت مولانا الامام احمد رضا خان قدس سرہ العزیز یوں رطب اللساں ہیں۔

لا ورب العرش جس کو جو ملا ان سے ملا	بٹتی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ کی
وہ جہنم میں گیا جو ان سے مستغنی ہوا	ہے خلیل اللہ کو حاجت رسول اللہ کی

صلی اللہ علیہ والہ وصحبہ وبارک وسلم۔محمد محفوظ الحق غفرلہ ولوالدیہ)

قرآن کریم اور علم حضور علیہ السلام کی تکرار سے عطا ہوا

اور اس کی وضاحت یہ ہے حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو علم دو مرتبہ عطا کیا گیا۔ایک مرتبہ تخلیق آدم علیہ السلام سے پہلے اور دوسری مرتبہ

حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی رسالت کے ظہور کے بعد۔ جس طرح کہ قرآن کریم آپ پر پہلے جبریل علیہ السلام کے علم کے بغیر اتارا گیا۔ پھر دوسری مرتبہ آپ پر جبریل علیہ السلام کے ذریعے اتارا گیا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **ولا تعجل بالقرآن من قبل ان یقضی الیك وحیه** (طٰہٰ آیت ۱۱۴)۔ اور قرآن پڑھنے میں جلدی نہ کریں اس سے پہلے کہ آپ کی طرف اس کی وحی پوری ہو جائے) یعنی آپ کے پاس اس سے جو ہے اس کی تلاوت میں جبریل سے سننے سے قبل جلدی نہ کریں۔ بلکہ جبریل سے خاموشی کے ساتھ سنیں گویا کہ آپ نے اسے کبھی سنا ہی نہیں۔ اور یقین سے مشرف تلامذہ اپنے اساتذہ کے سامنے ایسا ہی عمل کرتے ہیں۔ اسے شیخ نے فتوحات کے بارہویں باب اور دیگر ابواب میں ذکر فرمایا ہے۔

امام شعرانی فرماتے ہیں کہ شیخ کا یہ قول کہ جبریل سے پہلے رسول پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر قرآن اتارا گیا۔ غور طلب ہے۔ مجھے اس پر کسی حدیث میں اطلاع نہیں ہوئی۔ اس پر غور کیا جائے۔

(اقول وباللہ التوفیق۔ امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے نفس مسئلہ کا انکار نہیں فرمایا۔ صرف حدیث پاک سے ثبوت پر اپنی اطلاع کی نفی فرمائی ہے۔ اور پر ظاہر کہ حضرت شیخ نے حدیث شریف سے ثبوت کا دعویٰ نہیں فرمایا۔ صرف اپنی تحقیق کے مطابق مسئلہ بیان کیا ہے۔ جبکہ خود امام شعرانی قدس سرہ العزیز کے مطابق شیخ محی الدین عارفین کاملین میں سے ہیں۔ اس سے یہ بات تو واضح ہوگئی کہ یہ بھی عظیم المرتبت صوفیاء یعنی عارفین کاملین کا مسلک ہے۔ اور انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ علم عطا کیا جاتا ہے۔ چنانچہ شیخ ... باللہ تعالیٰ سید ابراہیم الدسوقی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات کے حوالے سے طبقات کبریٰ ج میں خود امام شعرانی نقل فرماتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے ”جب عارف مقام عرفان میں کامل ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے بلا واسطہ علم عظیم عطا فرماتا ہے۔ اور نوح معانی میں لکھے ہوئے علوم حاصل کر لیتا ہے۔ پس ان کی رمزیں سمجھتا ہے۔ خزانے پہچانتا ہے اور ان کے طلسمات کھول دیتا ہے (آگے چل کر فرماتے ہیں) اور اس صاحب حکمت سے کیا تعجب جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ حکیم علیم سے علم حاصل کرے کیونکہ سر لدنی کی غیبی عطاؤں میں سے بعض کا حضرت موسیٰ اور خضر علیہما السلام کے واقعہ سے اظہار ہوتا ہے“۔ انتہی۔ (منقول از برکات روحانی اردو ترجمہ طبقات امام شعرانی ج س ۳۴۱۔ از ناقل الحروف محمد محفوظ الحق غفرلہ ولوالدیہ)

روح سید عالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تمام عالم خیر کی روح ہے

اگر تو کہے کہ جب تو نبی پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی روح انور تمام عالم خیر کی روح ہے اور یہی اس سارے جہان میں نفس ناطقہ ہے تو جواب یہ ہے کہ ہاں صورت حال یہی ہے جیسا کہ شیخ نے ۳۴۶ ویں باب میں اسے ذکر کیا ہے۔ پس آپ کے ظہور قدسی سے پہلے جہان مذکور کا حال پورے جسم کی طرح ہے جبکہ آپ کے وصال مبارک کے بعد اس کی حالت سونے والے کی طرح ہے۔ اور جب قیامت میں اٹھیں گے تو اس کی حالت بیداری جیسی ہوگی۔ تو آج سارا جہان حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے وصال کے وقت سے لے کر قیامت میں اٹھائے جانے تک سو رہا ہے۔ انتہی۔

درود ابراہیمی کی روشنی میں حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی افضلیت کی دلیل؟

اگر تو کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی اپنے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام پر افضلیت کی کیا دلیل ہے باوجودیکہ آپ نے ہمیں

حکم دیا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے طلب کریں کہ آپ پر درود شریف بھیجے جیسے کہ اس نے حضرت ابراہیم پر درود بھیجا۔ جبکہ قاعدہ یہ ہے کہ مشبہ سے مشبہ بہ افضل ہوتا ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ اس سے یہ مراد نہیں جو کہ ذہنوں میں آتی ہے۔ بلکہ کما صلیت علی ابراہیم کے قول میں نکتہ صرف یہ ہے کہ صحابہ کرام کو آپ پر درود شریف کی کیفیت کی تعلیم کی ذمہ داری حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر تھی۔ تو جب انہوں نے آپ سے عرض کی کہ ہم آپ پر درود شریف کیسے پڑھیں؟ تو تواضع کے بغیر آپ کیلئے گنجائش نہ تھی۔ پس آپ نے فرمایا یوں کہو کما صلیت علی ابراہیم۔ اور خود تو اگر کسی انسان سے کہے کہ مجھے ایسے الفاظ کی تعلیم دے جن کے ساتھ میں تیری عظمت بیان کروں تو وہ تیرے لئے ایسے الفاظ نہیں بول سکے گا جو کہ تعظیم کا فائدہ دیں حالانکہ تو حیاء میں حضرت شارع صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے یقیناً بہت کم ہے۔ پس سمجھ لے۔

حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی افضلیت حضرت آدم علیہ السلام پر

اگر تو کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم اپنے باپ حضرت آدم علیہ السلام پر کیونکر فضیلت رکھتے ہیں اور ان سے استعداد میں کیسے زیادہ قوی ہیں حالانکہ (جسمانی طور پر) آپ آدم علیہ السلام کی فرع ہیں۔

تو اس کا جواب جیسا کہ فتوحات کے پانچویں باب میں شیخ نے دیا ہے یہ ہے کہ آپ اپنے باپ حضرت آدم علیہ السلام سے اس لئے افضل ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام اسماء کے الفاظ کے حامل تھے جبکہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ان کے معانی کے حامل تھے اور یہی جوامع الکلم ہیں جن کی طرف حدیث اوتیت جوامع الکلم میں اشارہ فرمایا گیا۔ تو جسے ذات کا علم حاصل ہے وہ اسماء سے بھی واقف ہے اور وہ اس کے علم کے احاطہ میں ہیں۔ جبکہ جسے اسماء کا علم حاصل ہوا وہ ذات کا علم حاصل کرنے والا نہیں ہوتا جو کہ مسمیٰ ہے۔ شیخ فرماتے ہیں۔ اور اسی لئے صحابہ کرام کو فضیلت عطا کی گئی۔ کیونکہ انہوں نے ذات حاصل کی جبکہ ہمیں اسم حاصل ہوا۔ لیکن چونکہ ہم نے اسم کی وہی رعایت کی جو انہوں نے ذات کیلئے کی تو ہمیں غائب ہونے کی حسرت کی وجہ سے جو کہ ان کیلئے نہ تھی کئی گنا اجر عطا فرمایا گیا۔ تو ہمیں رسول پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے اخوان اور انہیں اصحاب ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہماری طرف زیادہ شائق اور ہم میں سے کسی کی ملاقات سے کس قدر خوش اور ہم میں سے عمل کرنے والے کیلئے بے شمار اجر و ثواب ہے جیسا کہ حدیث پاک میں وارد ہے۔ انتہی۔

رہا آپ کا اپنے باپ حضرت آدم علیہ السلام سے استعداد میں قوی ہونا تو یہ اس لئے آپ والدین کے امتزاج سے تخلیق فرمائے گئے۔ نہ کہ ان میں سے ایک سے بلکہ حسی طور پر دونوں سے۔ پس حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم دو کی استعداد کے جامع ہوئے۔ اسی لئے آپ کا کمال اپنے باپ کے کمال سے اعظم ہے۔ اسے شیخ نے فتوحات کے اسرار الحج میں ۷۲ ویں باب میں ذکر فرمایا ہے۔

فرمایا: اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو حضرت آدم اور حضرات ابراہیم علیہما السلام پر کمال کے ساتھ مخصوص فرمایا گیا۔ کیونکہ آپ دونوں کے بیٹے ہیں۔ اور ہر بیٹے کیلئے تخلیق میں یہ کمال حاصل ہے۔ مگر لوگ اس میں برکات علویہ، طوالع نورانیہ اور اقترانات سعادیہ کی وجہ سے درجات میں کم و بیش ہوتے ہیں۔ گرچہ ہمارے نزدیک تخلیق میں اس کا کوئی اثر نہیں۔ انتہی۔

تمام کمالات دراصل حضور علیہ السلام کے لئے ہیں

اور شیخ نے ۳۴۷ ویں باب میں حدیث لو کان موسیٰ حیا ماوسعہ الاان یتبعنی یعنی اگر موسیٰ اپنی حیات ظاہری میں ہوتے تو

انہیں میری اتباع کے بغیر چارہ نہ ہوتا، کے متعلق فرمایا: جان لے کہ اس عہد کی بنا پر جو کہ انبیاء پر آپ کی سیادت اور نبوت کے متعلق ان سے لیا گیا جو کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے واذ اخذ الله میثاق النبین لما آتیتکم من کتاب و حکمة (آل عمران آیت ۸۱) آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نبی الانبیاء ہیں علیہ وعلیہم الصلات وتسلیمات۔ پس آپ کی رسالت اور شریعت سب لوگوں کو عام ہے۔ پس کوئی نبی علیہ السلام کسی چیز کے ساتھ خاص نہیں کیا گیا مگر وہ چیز اصل میں حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کیلئے ہے۔ انتھی۔ پس ہر نبی جو آپ کے ظہور سے پہلے ہوا وہ اس شریعت کے ساتھ اپنی بعثت میں آپ ہی کا نائب ہے۔ اسے شیخ تقی الدین السبکی نے ذکر فرمایا اور خصائص کی ابتداء میں اسے امام جلال الدین السیوطی نے آپ سے نقل کیا۔

قرآن کریم کے نزول تفصیلی سے پہلے نزول اجمالی میں حکمت

اگر تو کہے کہ پہلے گزر چکا ہے کہ قرآن کریم رسول پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر تفصیلی نزول سے پہلے اجمالی طور پر اتارا گیا اس میں حکمت کیا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ اجمالی طور پر اس لئے اتارا گیا تا کہ آپ پر تنزیل قرآن اور اولیاء پر تنزیل علوم کے درمیان امتیاز ہو سکے۔ کیونکہ امور کا درجہ بدرجہ ہونا تو صرف تکلفاً عمل کرنے لئے ہوتا ہے جبکہ رسالت عطا کرنے میں کوئی تکلف نہیں بخلاف اولیاء کے کہ ان پر علوم صرف تفصیلی طور پر ہی نازل کئے جاتے ہیں کیونکہ ان میں ترقی اور اپنے کسب کی جہت ہے۔ پس نبوت ھبہ ہے اور ولایت کسب ہے۔

انا سید ولد آدم و لا فخر

اور آپ نے فتوحات کے دسویں باب میں حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ارشاد انا سید ولد آدم ولا فخر کے متعلق فرمایا کہ آپ اولاد آدم کے سردار ہیں کیونکہ تمام انبیاء علیہم السلام حضرت آدم سے لے کر آخری رسول تک جو کہ عیسیٰ علیہ السلام ہیں سب آپ کے نائب ہیں جیسے کہ یہ حدیث اسے ظاہر کرتی ہے لو کان موسی و عیسیٰ حین ماوسعهما الا اتباعی یعنی اگر حضرت موسیٰ وعیسیٰ یہاں موجود ہوتے تو انہیں میری اتباع کے بغیر چارہ نہ تھا۔ اور اس میں آپ بالکل برحق ہیں کیونکہ حضرت آدم سے لے کر اپنے وجود کے زمانے تک اپنے جسم کے ساتھ موجود تھے تو تمام نبی آدم حسی طور پر آپ کی شریعت کے تحت ہیں۔ اور اسی لئے کوئی نبی لوگوں کی طرف عموم کے ساتھ مبعوث نہیں ہوا مگر وہ خاص ہے۔ پس انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تمام شریعتیں در حقیقت حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہی کی شریعت ہیں۔

اگر تو کہے کہ کیا آپ کی شریعت کا پہلی ہر شریعت کو منسوخ کرنا ان شریعتوں کو آپ کی شرع ہونے سے خارج کر دیتا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ وہ نسخ ان شریعتوں کو آپ کی شریعت ہونے سے خارج نہیں کرتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی شرع ظاہر میں نسخ کا ہمیں گواہ بنایا ہے باوجودیکہ ہمارا اس امر پر اجماع اور اتفاق ہے کہ یہ آپ کی وہی شریعت ہے جو آپ پر نازل کی گئی۔ پس پہلا حکم بعد والے کے ساتھ منسوخ ہو گیا۔ اور تمام انبیاء علیہم السلام کا آپ کا نائب ہونے کا حق میں یہ بات بھی گواہی دیتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب زمین پر نازل ہوں گے تو اپنی شریعت کے ساتھ فیصلہ نہیں کریں گے جس پر کہ آپ اپنے اٹھانے جانے سے پہلے تھے۔ صرف حضور نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی شرع کے مطابق فیصلہ کریں گے جس کے ساتھ آپ اپنی امت کی طرف مبعوث فرمائے گئے۔ اور اگر وہ شرع جس کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول کے وقت فیصلہ فرمائیں گے اصل میں آپ کی ہوتی تو پھر تو نزول کے وقت اسی کے ساتھ فیصلہ کرتے۔

حدیث لاتفضلونی علی یونس کا حکم

اگر تو کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا یہ قول کہ مجھے یونس پر فضیلت نہ دو الخ کیا یہ منسوخ ہے یا آپ نے تواضع کے طور پر فرمایا۔ تو جواب یہ ہے کہ یہ آپ کی طرف سے تواضع ہے۔ ورنہ آپ جانتے ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کی ساری خلق سے افضل ہیں۔ اور یہ اس لئے ہے تا کہ آپ صحیح طور پر پورا شکر ادا کریں۔ کہ بیشک آپ ساری خلق خدا سے اللہ تعالیٰ کیلئے زیادہ شکر گزار ہیں۔ اور یہ تبھی ہوسکتا ہے کہ آپ ان تمام انعامات کی معرفت رکھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائے۔ پس سمجھ لے۔ اور حدیث کا معنی یہ ہے کہ اپنی طرف سے مجھے فضیلت نہ دو کیونکہ تم اس امر سے واقف نہیں ہو۔ یہ معنی نہیں کہ مطلقاً میری فضیلت کی بات نہ کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے آپ کو فضیلت عطا فرمانے کی بنا پر جو آپ کی فضیلت کی بات کرتا ہے تو وہ بالکل مبنی بر صواب ہے۔

اگر تو کہے: تو کیا عارف کیلئے جائز ہے کہ الفاظ کے احتمال کے مطابق آپ کی فضیلت بیان کرے تو جواب یہ ہے کہ ہاں۔ اسے یہ جائز ہے۔ لیکن مرد کامل اپنی تمام گفتگو میں صرف اسی پر اعتماد کرتا ہے جس کا اللہ تعالیٰ اس کے ہاں القاء فرمائے نہ کہ الفاظ کے احتمال پر۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

فجوهر الحسن فيه غير منقسم

اگر تو کہے کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے تمام مقامات کی آپ کے پیروکاروں کو جو کہ انبیاء و اولیاء ہیں وراثت ملتی ہے یا آپ کیلئے ایسے خاص مقامات ہیں جن کی وراثت کسی کیلئے صحیح نہیں۔ تو اس کا جواب جیسا کہ شیخ نے ۳۴۷ ویں باب میں فرمایا ہے یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ایسے مقامات ہیں کہ آپ کیلئے خاص ہیں۔ انبیاء علیہم السلام میں سے کوئی بھی ان میں آپ کا شریک نہیں۔ جیسے آپ کو وحی کی تمام اقسام عطا کی گئیں از قبیل وحی بشارات، وحی کا قلب اور کان پر اترنا۔ اور آسمان کی طرف آپ کی معراج وغیرہ ذالک۔ نیز آپ کو تمام احوال کا علم عطا فرمایا گیا کہ آپ سب کی طرف مبعوث فرمائے گئے اور یہ معلوم ہے کہ ان کے احوال مختلف ہیں تو ضروری ہے کہ آپ کی رسالت سب کو ان کے تمام احوال کے ساتھ عام ہو۔ نیز آپ کو اموات کے زندہ کرنے کا علم معنیً اور حساً عطا کیا گیا بخلاف آپ کے غیر کے۔ پس آپ کو حیات معنویہ کا علم حاصل ہوا جو کہ حیات العلوم ہے اور آپ کو حیات حسیہ کا علم بھی ملا۔ اور یہ وہ ہے جو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں رسول پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی تعلیم اور آپ کو جتلانے کیلئے آیا اور وہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **کلا نقص علیك من انباء الرسل ما نثبت به فوادك وجاء ك فی هذه الحق** (ہود آیت ۱۲۰۔ اور سب جو ہم آپ پر انبیاء کے واقعات بیان کرتے ہیں اس لئے ہے کہ ان سے آپ کے قلب مبارک کو پختہ کر دیں وراس سورت میں آپ کے پاس حق آیا ہے) نیز آپ کو پہلی تمام شرائع کا علم عطا فرمایا اور آپ کو حکم دیا کہ انبیاء کی ہدایت کی پیروی کریں نہ کہ ان کی۔ اور یہ کہ آپ ایک ایسی شرع کے ساتھ مختص فرمائے گئے جو کہ آپ کے سوا کسی کیلئے نہیں تھی۔ جیسے کہ اس کی طرف یہ حدیث اشارہ کرتی ہے **اعطیت ستالم یعطهن نبی قبلی**۔ یعنی مجھے ایسے چھ انعامات دیئے گئے جو کہ مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیئے گئے۔ تو یہ (ان میں سے بعض) امور ہیں جو خاص آپ کیلئے ہیں۔ آپ کے علاوہ کسی کو عطا نہ فرمائے گئے اور ان میں سے مقام محمود میں لواالحمد بھی ہے۔ جس میں رسول پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو قیامت کے دن آپ کے اسم الحمید کے ساتھ جلوہ گر کیا جائے گا۔

لواء الحمد ایک ہے یا متعدد؟

اگر تو کہے: کیا لواء الحمد ایک ہے یا متعدد؟ تو جواب یہ ہے کہ یہ سات لواء ہیں۔ جن کا نام الویۃ الحمد ہے یعنی حمد کے جھنڈے۔ جو کہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور آپ کے وارث محمدیین کو عطا کئے جائیں گے۔ اور ان الویہ میں اللہ تعالیٰ کے وہ اسماء ہیں جن کے ساتھ رسول کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم اپنے رب عزوجل کی اس وقت ثناء کریں گے جب قیامت کے دن آپ کو مقام محمود پر جلوہ گر کیا جائے گا۔ اور یہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا یہ قول ہے جبکہ آپ سے شفاعت کے متعلق سوال کیا جائے گا کہ میں اللہ تعالیٰ کی حمد ان محامد کے ساتھ کروں گا جن کی اللہ تعالیٰ مجھے تعلیم دے گا۔ اب مجھے مستحضر نہیں ہیں۔ یعنی میں ان اسماء کیساتھ اللہ تعالیٰ حمد کروں گا جس کی وہ مقام تقاضا کرے گا اور معلوم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اس کے اسماء حسنیٰ کے ساتھ ہی فرمائیں گے۔ اور از روئے علم ان کے احاطہ نہیں ہوسکتا اور یہ اس لئے کہ ہمیں معلوم ہے کہ جنت میں وہ کچھ ہے جو کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ ہی کسی بشر کے قلب پر کھٹکا۔ اور ہمیں یہ بھی علم ہے کہ ہمیں یہ بھی معلوم نہیں کہ ہمارے لئے کیا آنکھوں کی ٹھنڈک مخفی رکھی گئی ہے اور ان میں سے ہر چیز اس اسم الٰہی کی طرف منسوب ہے جس نے اسے ظاہر فرمایا۔ بخلاف اس اسم الٰہی کے جس پر ہمیں مطلع فرما کر اللہ تعالیٰ نے احسان فرمایا تو لازم ہے کہ ہمیں اس کے ساتھ اس کی ثناء کریں اور حمد بیان کریں۔ یا ثناء تسبیح یا ثناء اثبات۔ یعنی عیوب سے ذات حق کا مبرا ہونا یا ہر خوبی کے ساتھ محمود ہونا۔

الویۃ میں مرقوم اسماء کی تعداد اور کاملین کیلئے ان کا علم

شیخ محی الدین ۳۳۸ ویں باب میں فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ مجھے ان اسماء کی تعداد پر اطلاع بخشے جو کہ الویۃ الحمد میں مرقوم ہیں تو مجھے فرمایا گیا کہ یہ ۱۶۶۴ ہیں۔ ہر لواء میں ننانوے اسماء مرقوم ہیں۔ جس نے میدان قیامت میں انہیں یاد کیا جنت میں داخل ہوگا۔ یعنی لوگوں سے پہلے اور انہیں یاد کرنا صرف مرد کامل ہی کیلئے میسر ہوگا جو کہ نبی ہے یا ولی۔ انتہی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دست کرم میں لواء الحمد کی حکمت

اگر تو کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم دست مبارک میں لواء الحمد عطا کرنے کی کیا حکمت ہے تو اس کا جواب جیسا کہ شیخ نے ۷۴ ویں باب میں فرمایا یہ ہے کہ لواء الحمد آپ کے دست مبارک میں اس لئے مقرر کیا گیا تاکہ لوگ آپ کی خدمت میں جمع ہوں کیونکہ یہ منصب شاہی اور بادشاہ کے وجود کی علامت ہے اور اسے لواء اس لئے کہا گیا کہ یہ تمام محامد پر مشتمل ہے۔ پس اس سے کوئی حمد خارج نہیں، جیسے کہ اس حدیث میں اس کی طرف اشارہ ہے آدم ومن دونہ تحت لوائی۔ یعنی آدم اور آپ کے علاوہ سب میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ اور اس کی وضاحت یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اسماء کے عالم ہیں۔ اور آپ ان کے علم کے ساتھ ملائکہ کے جہان میں صرف حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی نیابت کے حکم کے ساتھ ہی ظاہر ہوئے کیونکہ آپ نبوت کے ساتھ پہلے موجود ہیں جبکہ آدم ابھی پانی اور مٹی کے درمیان ہیں۔ تو جب سید عالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا جسم مبارک ظاہر ہوا تو آپ ہی صاحب لواء الحمد ہوئے۔ پس اصالت کے حکم کے ساتھ قیامت کے دن آدم علیہ السلام سے جھنڈا لیں گے۔ پس آدم اور ماسوائے

آدم سب آپ کے زیر لواء ہوں گے۔

اگر تو کہے کہ کیا ملائکہ بھی حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے زیر لواء ہوں گے تو جواب یہ ہے کہ ہاں کیونکہ ملائکہ آدم علیہ السلام کے زمانے میں اس لواء کے نیچے تھے تو اسی طرح آخرت میں اس کے نیچے ہوں گے جب اسے رسول کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم اٹھائیں گے۔ اور وہاں تمام مخلوق کیلئے حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سیادت اور سب پر آپ کی خلافت ظاہر ہو جائے گی۔ (اقول باللہ التوفیق۔ اسی لئے امام اہل سنت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں۔

جس کے زیر لواء آدم و من سوئی — اس سزائے سیادت پر لاکھوں سلام

اور شیخ الاصفیاء شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں

سید و سرور محمد نور جاں — بہتر و مہتر شفیع مجرماں

بہترین و مہترین انبیاء — جز محمد نیست در ارض و سما، صلی اللہ علیہ وسلم

(محمد محفوظ الحق غفرلہ)

موقف اعظم کے دن مقام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

اگر تو کہے کہ موقف اعظم کے دن حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا مرتبہ کہاں ہوگا؟ تو اس کا جواب جیسا کہ شیخ نے ۳۴۰ ویں باب میں فرمایا یہ ہے کہ عرش پر جلوہ گری کے وقت آپ کا مقام حضرت رحمٰن کے یمین پر ہوگا۔ رہا قیامت کے دن آپ کا مقام تو یہ عالم میں اوامر الٰہیہ نافذ کرنے کیلئے حکم عدل کے سامنے ہوگا۔ پس ہر کوئی اس مقام میں آپ سے ہی اخذ کرے گا۔ جبکہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا سراپا وجہ مقدس ہے۔ آپ اپنی تمام سمتوں سے دیکھیں گے اور آپ کیلئے ہر جانب سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان ہوگا جسے آپ اس سے سمجھیں گے۔ لوگ آپ کو سامنے دیکھیں گے اور آپ کے حرف و آواز تک کو سنیں گے۔ انتھی۔

مقام وسیلہ صرف حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے لئے ہے

اگر تو کہے کہ کیا مقام وسیلہ آپ کیلئے خاص ہے پس آپ کے غیر کیلئے نہیں ہوگا یا یہ صحیح ہے کہ آپ کے غیر کیلئے ہو کہ آپ نے حدیث پاک میں فرمایا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے کسی بندے کے شایاں نہیں اور مجھے امید ہے کہ میں ہی وہ ہوں۔ پس آپ نے اسے بطور نص اپنے لئے قرار نہ دیا تو اس کا جواب جیسا کہ شیخ نے فتوحات کے ۷۴ ویں باب میں فرمایا یہ ہے کہ ہم اس امر کے قائل ہیں کہ کسی کیلئے جائز نہیں کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے حق میں اللہ تعالیٰ کے ادب کی خاطر جن کے ذریعے ہمیں ہدایت عطا فرمائی گی نیز آپ کیلئے اپنے او پر ایثار کرتے ہوئے اپنے لئے مقام وسیلہ کا سوال کرے۔ اور آپ نے ہم سے اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے لئے مقام وسیلہ کے سوال کا مطالبہ صرف تواضعاً اور تایفاً فرمایا ہے جیسے کہ مشورہ لینے کا مسئلہ ہے۔ تو ہم پر ادب، ایثار، مروت اور مکارم اخلاق کے طور پر متعین ہے کہ مقام وسیلہ اگر ہمارے لئے ہوتا تو ہم اسے حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں ہبہ کر دیتے۔ اور آپکے مرتبہ کی رفعت کی بدولت اور اس لئے بھی کہ اللہ تعالیٰ کے حضور ہمیں آپ کے مقام کا تعارف ہے یہ سب درجات سے افضل درجہ آپ ہی کے شایاں ہے۔

اور ہم پر اپنے لئے مقام وسیلہ کے سوال کے حرام ہونے کی تائید اس مسئلہ سے بھی ہوتی ہے جسے علماء کرام نے حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے خصائص میں ذکر فرمایا ہے کہ اس خاتون کو نکاح کا پیغام دینا حرام ہے جس کیلئے حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اس کے ولی کو تعریض فرمائی ہو کہ اس کا نکاح آپ سے کر دے۔ اسی لئے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیش کش قبول کرنے سے رک گئے جبکہ انہوں نے اپنی بیٹی حفصہ سے نکاح کرنے کو کہا اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو حفصہ کا ذکر فرماتے ہوئے سنا۔ انتہی۔

امام شعرانی فرماتے ہیں کہ میں نے مصر میں فتوحات کے نسخوں میں سے ایک نسخے میں یہ عبارت لکھی ہوئی دیکھی کہ ہر مسلمان کیلئے جائز ہے کہ اپنے لئے مقام وسیلہ کا سوال کرے کیونکہ رسول پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اسے اپنے لئے معین نہیں فرمایا۔ اور شاید یہ ان نسخوں میں سے ہے جن میں شیخ پر جھوٹی باتیں درج کی گئیں۔ یا آپ نے اس سے رجوع فرما لیا۔ دلیل یہ ہے کہ آپ نے ۳۴۷ ویں باب میں فرمایا ہے کہ جنت میں حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا مرتبہ وہ مقام وسیلہ ہی ہے جس سے تمام جنتیں بطور فرع نکلتی ہیں۔ اور یہ جنت عدن میں دار المقامہ ہے اور اس کا جنتوں میں سے ہر جنت میں شعبہ ہے۔ اور اس شعبہ سے اس جنت والوں کیلئے حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم ظاہر ہوں گے اور یہ ہر جنت میں سب سے عظیم مقام ہے۔ انتہی۔ پس اس جھوٹی بات کو شیخ کی طرف منسوب کرنے اور یوں آپ پر اعتراض کرنے سے پرہیز کر۔ واللہ علم۔

تینتیسویں بحث

نبوت اور رسالت

۳۳ ویں بحث نبوت اور رسالت کی ابتداء اور ان دونوں کے درمیان فرق کے بیان ہیں۔ اور ایک زمانے میں بیک وقت دو رسولوں کی ایک ساتھ رسالت کے امتناع کے بیان میں اور اس مسئلہ کا بیان کہ ہر رسول خلیفہ نہیں۔ علاوہ ازیں دیگر نفیس مسائل جو کہ کسی کتاب میں نہیں پائے جاتے۔

اے بھائی! جان لے کہ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر وحی کی ابتداء سب سے پہلے سچی خواب سے ہوئی۔ اگر تو کہے کہ آغاز وحی کی حقیقت کیا ہے؟ تو جیسا کہ شیخ نے فتوحات کے ۳۷ ویں باب میں مذکور ۲۵ ویں جواب میں فرمایا ہے کہ آغاز وحی سے مراد معانی مجردہ عقلیہ کو قوالب حسیہ مقیدہ کی صورت میں بارگاہ خیال میں نازل کرنا ہے، برابر ہے کہ نیند میں ہو یا بیداری میں۔

اگر تو کہے کہ جب تو یہ ان چیزوں سے ہے جن کا ادراک حس کے ساتھ ہوتا ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ ہاں۔ یہ مدرکات حس اور حضرت محسوس سے ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے **فتمثل لها بشرا سويا** (مریم آیت ۱۷۔ پس وہ اس کے سامنے پورے انسان کی شکل میں ظاہر ہوا)۔ شیخ محی الدین فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے بارگاہ خیال میں علم کا ادراک دودھ کی صورت میں فرمایا۔ اور اسی لئے آپ اپنی خواب کی تعبیر اس کے ساتھ فرماتے تھے۔ اور اجزائے نبوت میں سے یہی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے امت پر باقی رکھا کیونکہ مطلقا فیض نبوت مرفوع نہیں ہوا۔ نبوت شریعت مرفوع ہوئی ہے۔ جیسے کہ حدیث پاک میں ہے **من حفظ القرآن فكانما ادرجت النبوة بين جنبيه** ۔ یعنی جس نے قرآن کریم حفظ کیا گویا اس کے دونوں پہلوؤں کے درمیان فیض نبوت کا چشمہ جاری کر دیا۔

گیا۔ تو بلاشک اس وجہ سے نبوت کا فیض قائم ہے اور حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے اس ارشاد کہ فلا نبی بعدی و لا رسول کا مفہوم یہ ہے کہ میرے بعد کوئی اور شریعت جاری کرنے والا نہیں۔

(اقول وباللہ التوفیق۔ شیخ اکبر قدس سرہ العزیز کی مذکورہ بالا عبارت سے یہ قطعاً ثابت نہیں ہوتا کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے بعد کسی اور نبی کے مبعوث ہونے کے قائل ہیں۔ حاشا وکلا۔ بلکہ جیسا کہ مذکورہ ترجمہ سے بھی واضح ہے اس سے پہلے شیخ نے اس بحث میں تفصیل سے بیان کیا ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ دراصل حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہی کے نائب ہیں۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کسی جدید نبی کی بعثت کے امکان کا ذکر نہیں کررہے بلکہ یہ بتا رہے ہیں کہ اہل اللہ اور اکابر اسلام سے جو حقائق و معارف ظاہر ہوئے اور ہو رہے ہیں یہ آقا ومولیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی عالمگیر نبوت و رسالت ہی کا فیض ہے۔ آپ خاتم النبیین ہیں۔ آپ کے بعد کسی نبی کی بعثت کا کوئی تصور نہیں۔ آپ آخری نبی ہیں۔ صلی اللہ علیہ والہ وسلم۔ اور فائدہ تام کیلئے یہاں من وعن وہی الفاظ نقل کئے دیتا ہوں جو مسئلہ ختم نبوت کے بارے میں اپنے عظیم اور مبسوط فتویٰ میں شیخ الاسلام عمدۃ الفقہا الاعلام حضرت الامام احمد رضا بریلوی علیہ رحمۃ المولی القوی نے بیان فرمائے جس کا نام ہے جزاء اللہ عدوہ باباہٗ ختم النبوہ۔ فرماتے ہیں ''اللہ عزوجل سچا اور اس کا کلام سچا، مسلمان پر جس طرح لا الہ الا اللہ ماننا، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو احد صمد لاشریک لہ جاننا فرض اول اور مناط (مدار) ایمان ہے یونہی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو خاتم النبیین ماننا۔ ان کے زمانے میں، خواہ ان کے بعد کسی نبی جدید کی بعثت کو یقیناً قطعاً محال اور باطل جاننا فرض اجل اور جزو ایمان ہے۔ ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین نص قطعی قرآن ہے۔ اس کا منکر، نہ صرف منکر بلکہ شک کرنے والا، نہ شاک (شک کرنے والا) کہ ضعیف احتمال خفیف سے توہم خلاف رکھنے والا قطعاً کافر ملعون مخلد فی النیران (جہنم میں ہمیشہ رہنے والا) ہے۔ نہ ایسا کہ وہی کافر ہو بلکہ جو اس عقیدہ ملعونہ پر مطلع ہو کہ اسے کافر نہ جانے وہ بھی کافر۔ جو اس کے کافر ہونے میں شک وتردد کو راہ دے وہ بھی کافر۔ بین کافر جلی الکفران ہے۔ الناقل محمد محفوظ الحق غفرلہ، ولوالدیہ)

مختلف سوالات اور ان کے جوابات

اگر تو کہے کہ سچا خواب نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جزو ہے۔ اس عدد کی کیا حکمت ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ اجزاء کی اس عدد کے ساتھ تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی نبوت ۲۳ سال تھی جبکہ سچے خواب چھ ماہ اور چھ ماہ کی ۲۳ سال کے ساتھ نسبت ۱/۴۶ اجزاء میں سے ایک جزو ہے۔ پس لازم نہیں کہ یہ اجزاء ہر نبی کی نبوت کیلئے ہوں۔ پس کبھی ایک نبی کی طرف اس سے زائد وحی کی گئی ہے تو اجزاء اس کے مطابق پچاس ساٹھ یا زائد ہوں گے۔ واللہ اعلم۔

اگر تو کہے کہ کیا مقام ولایت، نبوت کے مقام کے لوازم میں سے ہے یا یہ کوئی اور وصف ہے جو کہ انبیاء کیلئے نہیں ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں کیلئے ولایت یہ فلک محیط عام ہے اور یہ دائرہ کبریٰ ہے۔ اور اس کے حکم اور اس کی حقیقت میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کیلئے چاہے رسالت یا نبوت یا ایمان اور ولایت مطلقہ کے اس طرح کے دیگر احکام کے ساتھ دوستی رکھتا ہے اور ہر رسول کیلئے ضروری ہے کہ نبی ہو۔ جبکہ ہر نبی کیلئے ضروری ہے کہ ولی ہو اور ہر ولی کیلئے لازم کہ صاحب ایمان ہو۔

اگر تو کہے کہ حکم رسالت اور نبوت کس وقت تک رہتا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ رسالت تو لوگوں کے جنت یا دوزخ میں داخل ہونے تک رہتی ہے۔ رہی نبوت تو اس کا حکم آخرت میں باقی رہتا ہے۔ اس کا حکم دنیا کے ساتھ خاص نہیں۔

رسالت حال ہے یا مقام؟

اگر تو کہے کہ رسالت کی حقیقت کیا ہے؟ کیا یہ حال ہے یا مقام؟ تو اس کا جواب جیسا کہ شیخ نے ۱۵۸ ویں باب میں فرمایا یہ ہے کہ رسالت کی حقیقت کلام الٰہی کو متکلم سے سامع تک پہنچانا ہے۔ اور یہ حال ہے نہ کہ مقام کیونکہ تبلیغ پوری ہونے کے بعد اس کے لئے بقاء نہیں۔ پس رسالت کا حکم ہر وقت تازہ ہوتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **وما یاتیھم من ذکر من ربھم محدث الا استمعوہ** (الانبیاء آیت ۲۔ ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے تازہ نصیحت نہیں مگر اسے سنتے ہیں) پس اسے لانا ہی رسالت ہے اور ذکر کا حادث ہونا اس سامع کے حال ہے جس کی طرف پیغام بھیجا گیا۔ اور اسی لئے علم رسالت دودھ کی صورت میں ظاہر ہوا کیونکہ مرسل دودھ ہے۔ انتہی۔

(اقول و باللہ التوفیق۔ شیخ مذکورہ بالا یہ قول کہ اس کیلئے بقا نہیں تو واضح رہے کہ یہ اس پیغام کی تبلیغ کے حوالے سے ہے جیسا کہ عبارت مذکورہ سے ظاہر ہے نہ کہ رسول کے حوالے سے۔ یعنی اس حکم کی تبلیغ پوری ہوئی اور اس کے لئے بقاء نہیں۔ رسول علیہ السلام کا منصب رسالت اپنی ذات میں باقی رہتا ہے یہ نہیں کہ منصب رسالت بالقوۃ باقی نہیں رہتا۔ ضروری ہے اسے پیش نظر رکھیں۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ ولوالدیہ)

اور شیخ نے ۱۵۷ ویں باب میں فرمایا: جان لے کہ رسالت نعت کونی ہے مرسل اور مرسل الیہ کے درمیان واسطہ ہے۔ جبکہ مرسل بہ (یعنی پیغام رسالت) سے کبھی رسالت کے ساتھ تعبیر کی جاتی ہے اور کبھی رسالت حال رسول ہوتا ہے کہ تبلیغ پوری ہونے کی وجہ سے یہ پورا ہوجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **وما علی الرسول الا لبلاغ** (المائدہ آیت ۹۹۔ ہمارے رسول پر پہنچانے کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں) پس رسالت یہاں یہی ہے جس کے ساتھ بھیجا گیا۔ اور اس نے اسے پہنچا دیا۔ اور قرآن کریم میں جہاں وارد ہوا اسی طرح وارد ہے اور اسے رسول صرف روحی قدسی واسطہ کے ذریعے ہی قبول کرتا ہے جو کہ کبھی اس کے قلب پر رسالت کے ساتھ نازل ہوتا ہے۔ کبھی اس کے لئے فرشتہ ایک انسان کی شکل میں آتا ہے اور ہر روحی جو کہ اس صفت کے ساتھ نہ ہوا سے رسالت بشریہ نہیں کہا جاتا۔ اسے صرف وحی الہام یا وجود کہتے ہیں۔ رسالت صرف اسی طرح ہوتی ہے جس کا ہم نے ذکر کیا یعنی روحی قدسی واسطہ کے ساتھ۔

نبی اور رسول میں فرق

اگر تو کہے کہ نبی اور رسول میں کیا فرق ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ ان دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ نبی کی طرف جب روح کسی چیز کا القاء کرے تو وہ نبی اسے اپنی ذات تک محدود رکھتا ہے۔ اور اس پر حرام ہے کہ کسی دوسرے کو تبلیغ کرے۔ پھر اگر اسے کہا جائے کہ **بلغ ما انزل الیک** یعنی تیری طرف جو کچھ اتارا گیا ہے اس کی تبلیغ کر۔ یا تو یہ مخصوص گروہ کیلئے ہوگا جیسے تمام انبیاء اور یا عام ہوگا اور یہ منصب حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے سوا کسی کیلئے نہ تھا۔ اس وجہ سے آپ کو رسول کہا گیا۔ اور اگر کسی ایسے حکم کے ساتھ اسے اس کی ذات میں خاص نہیں کیا گیا جو کہ اس کیلئے نہ ہو جس کی طرف اسے مبعوث فرمایا گیا تو وہ رسول ہے نبی نہیں۔ اور اس سے میری مراد نبوت تشریع ہے جو کہ اولیاء کیلئے نہیں ہوتی۔ پس معلوم ہوا کہ ہر وہ رسول جسے اس کی ذات کے حق میں کسی چیز کے حکم کے ساتھ خاص نہیں کیا گیا تو وہ رسول ہے نبی نہیں اور اگر اسے تبلیغ کے ساتھ ساتھ اس کی ذات میں کسی چیز کے ساتھ خاص کیا گیا تو وہ رسول ہے اور نبی۔ پس ہماری تقریر کے مطابق بلا اختلاف ہر رسول نبی نہیں۔ نہ ہی ہر نبی رسول ہے۔ واللہ اعلم۔

امام شعرانی فرماتے ہیں کہ شیخ نے ۱۵۸ ویں باب میں اسے یونہی ذکر کیا ہے۔ بس اس پر غور وفکر کیا جائے۔ کیونکہ جو ایسی شرع کی تبلیغ کرے جس کے ساتھ عمل میں اس کا کوئی حصہ نہیں اس پر بھی اس حیثیت سے نبی کا اطلاق ہوتا ہے کہ وہ مخبر ہے۔ واللہ اعلم۔

اگر تو کہے کہ کیا ان انبیاء کیلئے جو کہ مرسل نہیں تھے جبریل کی زبان پر بیداری میں وحی تھی یا خواب میں؟ تو جواب یہ ہے کہ میں نے اصولیوں سے اس بارے میں کوئی چیز نہیں دیکھی۔ لیکن شیخ عبدالعزیز الدرینی نے اپنی کتاب الدرر الملتقطہ میں ذکر کیا ہے کہ وہ انبیاء جو کہ مرسل نہیں ہیں ان کی طرف جبریل کی زبان پر خواب میں وحی ہوتی تھی۔ انتہی۔ امام شعرانی فرماتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ اس بارے میں آپ کی دلیل کیا ہے؟ اس پر غور کیا جائے۔

نبوت کی دو قسمیں

اگر تو کہے کہ نبوت کتنی قسموں پر منقسم ہوتی ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ نبوت بشریہ کی دو قسمیں ہیں پہلی قسم۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے غیر کی طرف اس روح ملکی کے بغیر ہوتی ہے جو کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے بندے کے مابین ہو۔ بلکہ یہ اخبارات الہیہ ہیں جسے وہ غیب سے یا تجلیات میں اپنی ذات میں پاتا ہے۔ اور ان اخبار کے ساتھ تحلیل یا تحریم کا کوئی حکم متعلق نہیں ہوتا۔ بلکہ کتاب وسنت کے معانی یا حکم مشروع کی سچائی کا تعارف کرایا جاتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ یا اس حکم کے فساد کا تعارف کرایا جاتا ہے جس کی صحت نقل کے ساتھ ثابت ہو وغیرہ۔ اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ اور اس کے نفس سے شاہد عدل ہے۔ فرماتے ہیں کہ اس مقام والے کیلئے کوئی راہ نہیں کہ ایسی شرع پر ہو جو کہ اس کیلئے خاص ہو۔ اپنے اس رسول کی شرع کے خلاف ہو جو کہ اس کی طرف بھیجا گیا۔ اور ہمیں ہمیشہ کیلئے اس کی پیروی کا حکم دیا گیا ہو۔ اور نبوت بشریہ سے دوسری قسم۔ یہ ان کے ساتھ خاص ہے جو کہ ہمارے نبی پاک حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بعثت سے پہلے تھے اور یہ وہی حضرات ہیں جو کہ فرشتے کے سامنے تلامذہ کی طرح ہوتے ہیں۔ پس ان پر روح امین ان کی ذوات کے حق میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے شریعت اتارتے ہیں جس کے ساتھ وہ رضائے الٰہی کیلئے عمل کرتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ ان کیلئے جو چاہے حلال فرماتا ہے اور جو چاہے ان پر حرام فرماتا ہے۔ اور انہیں اتباع رسل لازم نہیں ہوتی اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے بعد اس مقام کا کوئی اثر باقی نہیں۔ بجز آپ کی امت کے ائمہ مجتہدین میں۔ لیکن یہ حضرات ان پر رسل کی اتباع کے وجوب کی وجہ سے ان سے جدا نہیں ہیں۔ پس ان کیلئے حق ہے کہ دلیل کے ساتھ حلال گردانیں یا اس کے ساتھ حرام قرار دیں۔ انتہی۔

کوئی علم حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے واسطہ کے بغیر نہیں

اگر تو کہے کہ کوئی ایسا بشر ہے جو کہ حضرت سید عالم جناب محمد رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے واسطے کے بغیر دنیا میں کوئی علم حاصل کرسکے؟ تو اس کا جواب جیسا کہ شیخ نے ۴۹۱ ویں باب میں فرمایا یہ ہے کہ دنیا میں کوئی بھی ایسا نہیں جو کہ کوئی علم حاصل کرے مگر وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی باطنیت سے ہی ہے۔ انبیاء اور علماء جو کہ آپ سے پہلے ہوں یا آپ سے بعد میں سب برابر ہیں اور اس بارے میں آپ نے طویل کلام فرمایا جیسا کہ اس کی تفصیل بحث میں اس سے پہلے گذر چکی۔

انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی تعداد اور بطریق کشف ان سب سے ملاقات

اگر تو کہے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے اولیاء میں سے کسی کو انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی تعداد پر اطلاع بخشی یا اسے کشف کے ذریعے ان سب سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا؟ تو جواب یہ ہے کہ ہاں۔ یہ ہر اس ولی کو حاصل ہے جس کے لئے ولایت کبریٰ کا مقام ثابت ہو۔ اور شیخ محی الدین نے ۳۴۹ ویں باب میں فرمایا ہے کہ جان لے کہ بنی آدم انبیاء و مرسلین کی تعداد ایک لاکھ ۲۴ ہزار ہے جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا اور ہر دور میں اولیاء میں اتنی تعداد ضروری ہے اور کبھی یہ حضرات زیادہ بھی ہوتے ہیں۔

شیخ کی سب انبیاء سے ملاقات تعارف اور ان میں سے بعض سے استفادہ

شیخ نے فرمایا کہ ایک صحیح واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے تمام انبیاء کی ملاقات کا شرف بخشا حتیٰ کہ ان میں سے کوئی باقی نہ رہا مگر میں نے اسے پہچان لیا اور اسی طرح مجھے ان اولیاء کی ملاقات بھی ہوئی جو کہ ان نفوس قدسیہ کے قدموں پر ہیں اور میں نے ان سب کو پہچان لیا۔ نیز ۴۶۳ ویں باب میں فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے کشف میں تمام انبیاء و مرسلین اور ان کی امتوں کو مشاہدۃً دیکھا۔ جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ ان امتوں میں سے جو ہو چکے اور جو قیامت تک ہوں گے حق تعالیٰ نے انہیں ایک چٹیل میدان میں ظاہر فرمایا۔ فرماتے ہیں کہ سوائے حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے میں نے ان میں سے ایک گروہ کی صحبت کا شرف حاصل کیا۔ ان میں سے حضرت خلیل علیہ السلام ہیں۔ میں نے آپ کی استدعاء پر آپ کے سامنے سارا قرآن کریم پڑھا جہاں بھی ذکر الٰہی آتا تو آپ پر گریہ طاری ہو جاتا۔ اور مجھے آپ سے عظیم خشوع حاصل ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مجھے علم کشف، امور کی تعبیر فصیح اور دن رات کے بدلنے کا علم عطا فرمایا۔ حضرت ہود علیہ السلام نے مجھے ایک مسئلہ کی خبر دی جو کہ موجودات میں واقع ہوا۔ اور مجھے صرف آپ ہی سے اس کا پتہ چلا۔ رہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو میں نے طریق قوم میں اپنے داخلے کے آغاز میں آپ کے ہاتھوں پر توبہ کی۔ اور اس واقعہ میں میں نے ایسے امور کا مشاہدہ کیا جن سے مجھے معلوم ہوا کہ شقاوت میں میرا کوئی حصہ نہیں ہے۔ اور ان میں سے یہ کہ میں نے اپنے آپ کو ان سعادت مندوں میں سے دیکھا جو کہ حضرت آدم علیہ السلام کی دائیں جانب تھے۔ پس میں نے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا۔

نیز آپ نے ۳۷ ویں باب میں فرمایا کہ انبیاء میں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے زیادہ مجھے کسی کی ملاقات نہ ہوئی اور جب بھی مجھے آپ کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل ہوا آپ نے میرے لئے حیات و موت میں دین پر ثابت قدم رہنے کی دعا مانگی اور آپ مجھ سے جدا نہ ہوتے یہاں تک کہ میرے لئے یہ دعا کرتے۔ اور آپ مجھے یا حبیبی فرماتے۔ اور جب مجھے آپ سے پہلی بار ملاقات کا شرف حاصل ہوا تو آپ نے مجھے زہد و تجرید کا حکم دیا۔ اور آپ زاہد علیہ السلام میں سے ہیں اور زیادہ سیاحت کرنیوالے ہیں۔ اور امانت کے محافظ۔ اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں آپ کسی ملامت کرنے والے کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ اسی لئے یہود نے آپ سے عداوت کی۔

شیخ کی وسعت مشاہدہ

نیز آپ ۳۶۵ ویں باب میں فرماتے ہیں کہ ایک واقعہ میں میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی زیارت کی اور حضرت آدم سے لے کر حضور علیہ السلام تک کے تمام انبیاء علیہم السلام کا مشاہدہ کیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے مجھے ان سب کا مشاہدہ کرایا جو کہ ان پر ایمان

لانے والے تھے۔ ان میں سے کوئی باقی نہ رہا۔ جو ہو چکے اور جو قیامت تک ہوں گے۔ اور میں نے ان کے خاص و عام کو پہچان لیا۔ نیز میں نے ان تمام سعادت مندوں کو پہچان لیا جو کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پشت میں تھے اور ان کی تعداد بھی۔ پس ان میں سے اب مجھ پر اہل جنت میں سے کوئی مخفی ہے نہ اہل جہنم سے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے جہنمیوں کی کثرت کی وجہ سے ان کی تعداد کی معرفت عطا نہیں فرمائی۔ پس ان کی تعداد اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور میں نے اس کشف میں انبیاء و مرسلین کے تمام مراتب اور ان کے پیروکاروں کو پہچان لیا۔ اور مجھے عالم علوی اور سفلی کے ان تمام حقائق پر اطلاع ہوئی جن پر میں اجمالی طور پر ایمان رکھتا تھا اور میں نے ان سب کا عیاناً مشاہدہ کیا۔ جبکہ میں نے جو دیکھا اور مشاہدہ کیا اس نے مجھے میرے ایمان سے دور نہ کیا۔ پس میں ہمیشہ کہتا رہا اور جو کہتا کرتا رہا اس لئے کہ نبی کریم علیہ السلام نے مجھے فرمایا: یوں کہہ اور یوں کر۔ نہ کہ اپنے علم۔ اور نہ ہی اپنے معاینہ اور شہود کی وجہ سے پس میں نے اپنے شہود میں ایمان اور عیان کے مابین ایک ہی آن میں بھائی چارہ قائم کر دیا تاکہ مجھ سے ایمان کا ثواب فوت نہ ہو۔

فرماتے ہیں کہ یہ ایسا مقام ہے کہ میں نے اس وقت تک اس کا ذوق رکھنے والا کوئی نہیں پایا۔ گرچہ میں جانتا ہوں کہ رجال اللہ میں سے ایسے ہیں جنہوں نے یہ مقام پایا لیکن بیداری میں مشافہۃً مجھے ان کی ملاقات نہیں ہوئی۔ فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے حق تعالیٰ کی جانب سے اپنے خاطر کو کبھی بھی اس شے کے ساتھ متعلق نہ کیا جس پر کائنات میں سے مجھے اطلاع ہوئی۔ میں نے تو ہمیشہ اپنے خاطر کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ متعلق رکھا کہ مجھے اپنی رضا میں مصروف عمل رکھے گرچہ یہ میرے نفس کی خواہش کے خلاف ہو۔ اور یہ کہ مجھے اس سے اور اس کے شہود سے دور کرنے والے اعمال کے ارتکاب کی وجہ سے اپنے سے محجوب نہ فرمائے۔ کہ بیشک میں تو صرف عبد محض ہوں۔ اپنے لئے اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے کسی پر فضیلت نہیں دیکھتا اور تمنا کرتا ہوں کہ جہان سارے کا سارا مقدم معرفت پر مطیع ہو۔

فرماتے ہیں کہ میں نے تیرے لئے یہ سب کچھ تحدیث نعمت اور مقامات رجال پانے کی طلب کیلئے بھائیوں کی شادمانی کا دروازہ کھولنے کے طور پر بیان کیا ہے۔ انتہی۔

(اقول و باللہ التوفیق۔ شیخ کی مذکورہ بالا تصریحات سے واضح ہوا کہ (۱) آپ کو تمام انبیاء علیہم السلام کا صرف علم ہی نہیں بلکہ مشاہدہ بھی ہوا۔ ان سب کی معرفت بلکہ ان پر ایمان لانے والے تمام اہل اللہ یعنی اولیاء اللہ کی ملاقات بھی ہوئی۔ (۲) بلکہ ان پر ایمان والوں کا بھی علم ہے۔ حتیٰ کہ ان کی تعداد کا بھی علم ہے۔ (۳) پوری کائنات کے جنتی اور جہنمی بھی آپ کے علم میں ہیں۔ (۴) آپ کو انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے تمام مراتب کا بھی علم عطا فرمایا گیا۔ حیرت ہے ان یتیم الفہم اور محروم توفیق نجدیوں پر جو کہ اس سے بھی کہیں قلیل علم حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کیلئے تسلیم نہیں کرتے حالانکہ ایک غلام کا علم آپ نے پڑھ سن لیا۔ ہوش کرو۔

یہ شان ہے خدمت گاروں کی سردار کا عالم کیا ہوگا۔ اس سے یہ بھی واضح اور لائح کہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو تمام مخلصین اور سب منافقین کا علم ہے۔ چنانچہ خاتم المحدثین شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی تفسیر فتح العزیز زیر آیت ویکون الرسول علیکم شہیدا میں فرماتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے کہ تمہارے رسول علیہ السلام تم پر گواہ ہوں گے کیونکہ آپ نور نبوت کی بدولت دین اسلام کے ساتھ وابستہ ہر شخص کے مرتبہ پر اطلاع رکھتے ہیں کہ میرے دین کے کس درجہ تک پہنچا ہے۔ اس کے ایمان کی حقیقت کیا ہے اور وہ حجاب کیا ہے جس کی بناء پر وہ ترقی سے محجوب رہا ہے۔ پس وہ تمہارے گناہوں کو تمہارے ایمان کے درجات کو تمہارے نیک و بد اعمال کو اور تمہارے اخلاص اور نفاق کو پہچانتے ہیں۔

بعض لوگ قرآن پاک کی ان دو آیات سے غلط فہمی کا شکار ہوئے۔ قال اللہ سبحانہ و تعالیٰ ورسلا قد قصصنا هم علیك من قبل و رسلالم نقصصهم علیك (النساء آیت ۱۶۴۔ وحی بھیجی ان رسل پر جن کا حال ہم نے اس سے پہلے آپ سے بیان کر دیا اور ان رسولوں پر بھی جن کا ذکر ہم نے اب تک آپ سے نہیں کیا) نیز فرمایا ولقد ارسلنا رسلا من قبلك منهم من قصصنا علیك و منهم من لم نقصص علیك (المومن آیت ۷۸۔ یعنی ہم نے آپ سے پہلے بھی پیغمبر بھیجے۔ ان میں سے بعض کا ذکر ہم نے آپ سے کر دیا اور بعض کا ذکر (قرآن کریم میں) آپ سے نہیں کیا) اور انہوں نے یہاں تک کہدیا کہ ان رسل کا علم حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو نہیں جن کا ذکر قرآن پاک میں نہیں ہے۔ اس کے متعلق علامہ محمود آلوسی بغدادی فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو سب انبیاء کا علم تھا لان نفی قصصهم من قبل لا یستلزم نفی قصصهم مطلقا (روح المعانی) کیونکہ یہاں گذشتہ زمانہ کی نفی بیان ہو رہی ہے یہ اس کو مستلزم نہیں کہ آئندہ بھی نہ ہو۔ جبکہ موخر الذکر آیت کے تحت فرماتے ہیں لا دلالة فی الایته علی عدم علمه صلی اللہ علیه واله وسلم بعد الانبیاء و المرسلین کما تو هم بعض الناس یعنی یہاں اس امر پر کوئی دلالت نہیں کہ حضور کو انبیاء و مرسلین کی تعداد کا علم نہ تھا جس طرح کہ بعض لوگوں نے وہم کیا ہے" تمام انبیاء و رسل علیہ السلام نے شب معراج امام الانبیاء صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی اقتداء میں نماز ادا کی۔ (محمد محفوظ الحق غفرلہ ولوالدیہ)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد، یلقی الروح من امرہ علی من یشاء من عبادہ کا مفہوم

اگر تو کہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول یلقی الروح من امره علی من یشاء من عباده (المومن آیت ۱۵) کا کیا معنیٰ ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ یہاں روح وہ القاء ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سے اس کے بندوں کے قلوب کی طرف ہوتا ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کا امر ہی ہے جس کا القاء ہوتا ہے۔ کیونکہ اس روح کی صورت اللہ تعالیٰ کے قول لا الہ الا انا فاتقون (النحل آیت ۲۔ میرے سوا کوئی معبود نہیں پس مجھ سے ڈرتے رہو) کی ہی صورت ہے۔ اور اگر اس کی یہ صورت نہ ہوتی تو یوں فرمایا ہوتا لا الہ الا ہو۔ پس اس منزل میں واسطے مرفوع ہیں ان کا کوئی وجود نہیں۔ کیونکہ نازل شدہ وحی کا عین وہ عین روح ہی ہے اور القاء فرمانے والہ اللہ تعالیٰ ہی ہے اس کا غیر نہیں۔ تو روح یہاں عین فرشتہ نہیں۔

اس روح کا فرشتوں کو عرفان نہیں

اگر تو کہے کہ کیا فرشتے اس روح کو پہچانتے ہیں؟ تو جواب یہ ہے فرشتے کہ اس روح کو نہیں پہچانتے کیونکہ یہ ان کی جنس سے نہیں کیونکہ یہ غیر مجہول روح ہے۔ اور نورانی نہیں۔ جبکہ فرشتہ نور میں روح ہے۔ شیخ نے ۲۳۸ ویں باب میں فرمایا ہے: اور یہ رزق ہمارے لئے اور تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کیلئے ہے۔ رہا ارواح ملکیہ کا بندوں کے قلوب پر نزول تو بیشک وہ اللہ رب العزت کے حکم کے ساتھ ہی نازل ہوتے ہیں اور اس کا معنیٰ یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں بارگاہ خطاب سے اتارنے کا حکم دیتا ہے۔ ان کی طرف تو صرف وہ القاء فرماتا ہے جسے اپنی ذات کی طرف سے پہچاننا ان کے مقام کے لائق نہیں اس کی صورت میں جس پر وہ اس کے ساتھ اترتے ہیں تو پہچان لیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے نازل کرنے اور اس وحی کے ساتھ نزول کا ارادہ فرمایا ہے جو وہ اپنی نفوس میں پاتے ہیں جو کہ ان کے لائق نہیں کہ وہ تو انسانی خصائص ل سے ہے کیونکہ انسان ان پر اتاری گئی وحی کی صورت کا مشاہدہ اس صورت میں کرتے ہیں جو کہ ان کے پاس ہے پس وہ اس صورت سے ن لیتے ہیں کہ زمین میں اس کا صاحب کون ہے پس وہ اس پر اترتے ہیں اور اس کی طرف اس کا القاء کرتے ہیں جو ان کی طرف القاء کیا

گیا۔ پس اس القاء کوشرع اوروحی سے تعبیر کرتے ہیں۔ تو اگر وہ حکم صفت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہو تو اسے قرآن، فرقان، تورات، انجیل، زبور اور صحائف کہا جاتا ہے اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کی طرف حکم فعل کے ساتھ منسوب ہو نہ کہ حکم صفت کے ساتھ تو اسے حدیث، خبر، سنت اور رائے کہتے ہیں۔ شیخ نے فرمایا: کبھی وہ بارگاہ خطاب سے امر الٰہی کے ساتھ نازل ہوتے ہیں۔

وما نتنزل الا با مر ربك کا معنی

اگر تو کہے کہ فرشتے کے اس قول کا کیا معنی ہے **وما نتنزل الا با مر ربك له مابين ايدينا وما خلفنا وما بين ذالك وما كان ربك نسيا** (مریم آیت ۶۴ اور ہم نہیں اترتے مگر آپ کے رب کے حکم سے۔ اسی کا ہے جو ہمارے سامنے ہے اور جو ہمارے پیچھے ہے اور جو کچھ اس کے درمیان ہے اور آپ کا رب بھولنے والا نہیں ہے) اور اس نسیان کا کیا معنی ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ آپ کا رب جبریل کے اس قول کے مشاہدہ میں جو اس نے حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا بھولنے والا نہیں دراں حال کہ وہ اس کے علم میں اعیان ثابتہ ہیں ان کے علوم اور خطابات کی حالت میں۔ پس اس کا قول نسیا درست ہوا۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کیلئے ثابت وجود میں ایک امر ثابت کی حکایت ہے جو کہ حدوث سے متصف نہیں۔ پھر جب یہ اعیان حادث ہوئے تو انہوں نے ان سے پہلے جو کچھ ان میں سے مشاہدہ حق میں تھا اس کی خبر دی جبکہ انہوں نے خود اس کا مشاہدہ کیا کیونکہ لنفسہا ان کا وجود نہ تھا۔ اور زہری سے روایت کی گئی کہ ایک دفعہ انہوں نے ثقات میں سے ایک شخص سے حدیث بیان کی پس کہا: مجھے فلاں نے مجھ سے حدیث بیان کی کہ میں نے یوں یوں کہا۔ اور یہ اس لئے کہ جب زہری نے حدثنی فلان کہا تو اسناد میں اتصال ہو گیا گرچہ وہ خود اس حدیث کو نہیں جانتے۔ اسے شیخ نے ۸۷ویں باب میں ذکر کیا ہے اور احوال ملائکہ کے متعلق تفصیلی گفتگو ۳۹ویں بحث میں آرہی ہے۔ پس ادھر رجوع کرو۔ واللہ اعلم۔

نبوت کسبی نہیں

اگر تو کہے کہ کیا ولایت کی طرح نبوت کسبی ہے یعنی نبی کی فی نفسہ ولایت کی طرح جیسے کہ کہا گیا ہے یا یہ وھبی ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ نبی اور ولی میں سے ہر ایک کی ولایت کسبی ہے۔ نبوت کے سوا کوئی چیز بھی کسب سے خارج نہیں۔ اور اس کی وضاحت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم سابق کے مطابق مخلوق کو مختلف درجوں میں پیدا فرمایا۔ پس فرشتوں کو فرشتے، رسل کو رسل، انبیاء کو انبیاء، اولیاء کو اولیاء۔ مومنین کو مومنین، منافقین کو منافقین اور کافروں کو کافر کیا۔ ان سب کا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ہاں امتیاز ہے کم ہوں نہ بیش۔ اور ایک دوسرے کے ساتھ نہیں بدلتا۔ پس کسی مخلوق کیلئے کسی مقام میں اپنا عمل دخل نہیں جس پر اسے پیدا نہیں کیا گیا۔ بلکہ اس سے فراغت ہو چکی پس کوئی دوسرے کی جگہ جاری ہوتا ہے نہ کسی دوسرے کی راہ چلتا ہے۔ اور اگر ایک دوسرے کے مرتبہ میں داخل ہو سکتا تو نبوت کسبی ہوتی جبکہ معاملہ اس کے خلاف ہے۔

اگر تو کہے کہ نبوت کو کسبی کہنے والے کا شبہ کیا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ اس بارے میں اس کا شبہہ یہ ہے کہ ان کا نظریہ یہ ہے کہ انبیاء کے لئے ضروری ہے کہ وحی کی استعداد کی قوت کی نیت سے خلوت گزیں ہوں۔ اور عبادت کریں تا کہ اس حالت کی طرف لوٹیں جس پر وہ اس وقت تھے جب حق تعالیٰ نے مقادیر مقرر فرمائیں۔ تو چونکہ اس قوم نے ان کی خلوت اور عبادت کرنے کے بعد انہیں حصول نبوت پر نظر کی تو انہیں گمان ہوا کہ نبوت کسبی ہے۔ جبکہ یہ نرا وہم اور نظر کی کوتاہی ہے۔

معہود نبوتوں کے منکرین کا شبہہ

اگر تو کہے کہ معہود نبوتوں کے منکروں کا شبہ کیا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ ان کے اس انکار کا سبب ان کا یہ وہم ہے کہ جس نے اپنے جوہر نفس کو طبعی کدورتوں سے پاک کر لیا اور مکارم اخلاق عرفیہ کو لازم کیا وہ کسی فرشتے کی زبان پر اس کی طرف وحی آئے بغیر ہی ہو گیا۔ انہوں نے کہا: کہ جب اس نے اپنا قلب صاف کر لیا تو اس کے قلب میں عالم بالا کے علوم سماویہ جو کہ لوح محفوظ میں اور اس کے غیر میں بالقوۃ موجود ہیں نقش ہو جاتے ہیں۔ پس وہ علوم غیبیہ میں لب کشائی کرتا ہے۔ تو ان کے نزدیک اس وقت اسے نبی کہا جاتا ہے۔ اسے شیخ نے ۳۶۵ ویں باب میں ذکر کیا ہے۔ پھر فرمایا کہ ہمارے نزدیک اور اہل اللہ کے نزدیک معاملہ یوں نہیں جیسا کہ انہوں نے کہا۔ گرچہ علوم الہیہ کا نقش ہونا جیسا کہ انہوں نے ذکر کیا جائز ہے۔ کیونکہ ہمیں یہ خبر نہیں پہنچی کہ کسی نبی یا حکیم کا جوہر نفس صاف ہوا تو اس نے ہر سانس میں ہمیشہ کیلئے اپنے حال کے مشمولات کا احاطہ علمی کر لیا۔ بلکہ اس کی غایت یہ ہے کہ اسے علم حاصل ہوتا ہے اور منکرین نبوت کے اقوال کے رد میں طویل گفتگو فرمائی۔ پس اللہ تعالیٰ کی قسم اس شخص نے جھوٹ بولا اور بہتان باندھا جو گمان کرتا ہے کہ شیخ فلسفی ہے۔ جیسا کہ حدوث عالم کی بحث میں پہلے گذر چکا۔

نیز شیخ نے ۲۹۸ ویں باب میں فرمایا: جو کہتا ہے کہ نبوت کسبی ہے اس نے غلط کہا۔ کیونکہ نبوت یا قطعی طور پر اختصاص الٰہی ہے۔ اور فرمایا کہ جو کہتا ہے کہ نبوت کسبی ہے اس کا شبہ اس کا یہ گمان ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں۔ یہ تو عقل اور عالم بالا کی ارواح کا فیض ہے۔ نیز ۸۴ ویں باب میں فرماتے ہیں: جان لے کہ ہر وہ کام جس کا امر دیا گیا تو وہ کسبی مقام ہے۔ اور اسی لئے صوفیاء نے فرمایا کہ مقامات مکاسب ہیں جبکہ احوال مواہب۔

خلافت اور رسالت اور ان دونوں میں فرق

اگر تو کہے کہ کیا ہر رسول خلیفہ ہے یا بعض رسل کیلئے خلافت ہے اور بعض کے نہیں؟ تو اس کا جواب جیسا کہ شیخ نے ۴۸ ویں باب میں فرمایا یہ ہے کہ ہر رسول خلیفہ نہیں۔ خلافت صرف اس لئے ہوتی ہے جس کی خلافت کیلئے اللہ تعالیٰ نے نص وارد فرمائی۔ جیسے حضرت داؤد علیہ السلام کہ آپ رسول ہیں اور خلیفہ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا **فاحکم بین الناس بالحق** (ص آیت ۲۶۔ لوگوں کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا کرو) رہے حضرت آدم علیہ السلام تو اللہ تعالیٰ نے آپ کیلئے خلافت مجمل رکھی اور آپ سے احکم نہیں فرمایا۔ یعنی فیصلہ کرو۔

اگر تو کہے کہ خلافت اور رسالت میں کیا فرق ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ خلیفہ اور رسول میں فرق یہ ہے کہ خلیفہ ہر وہ ذات ہے جس میں یہ صفات جمع ہوں۔ وہ حکم کرے اور روکے۔ سزا دے اور معاف کرے۔ اور اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی طاعت کا حکم دے تو یہ ہے خلیفہ۔ رہا رسول تو یہ ہر وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کے امر اور نہی کی تبلیغ کرے اور اسے اپنی لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے امر نہ ہو کہ جس چیز میں ارادہ کرے امر کرے اور نہی کرے۔ تو یہ رسول ہے جو کہ اپنے رب کے پیغامات کا مبلغ ہے نہ کہ خلیفہ۔ امام شعرانی فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ اس رسول کو جس کیلئے اللہ تعالیٰ نے صراحتاً احکم نہ فرمایا اسے بھی اس حیثیت سے خلیفہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ شرعی ذمہ داریوں وغیرہ کے ساتھ ہمیں خطاب کرنے میں حق کا نائب ہے۔ واللہ اعلم۔ تو معلوم ہوا کہ خلیفہ کیلئے حق حاصل ہے کہ جس بارے میں حق تعالیٰ نے صراحتاً اسے امر نہیں

فرمایا جو چاہے بطور شریعت جاری کرے جبکہ یہ رسول کیلئے نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الا مر منکم منکن (النساء آیت ۵۹۔اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے امر والوں کی)یعنی اللہ تعالیٰ کی طاعت کرو اس میں جس کا وہ تمہیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی زبان مبارک پر امر فرمائے کہ اس کے بارے میں حضور علیہ السلوٰۃ والسلام فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس کا امر فرماتا ہے۔اطیعوا الرسول اور رسول کی طاعت کرو اس امر میں جو ان کے پاس میری طرف سے نہیں پہنچا۔اور نہ ہی آپ تمہیں یہ کہیں کہ یہ میری طرف سے ہے اور اس تاویل کی تائید اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد فرمانا ہے واطیعوا الرسول ۔پس اللہ تعالیٰ کے امر کو جس میں طاعت کی جائے اپنے رسول کی طاعت سے جدا بیان فرمایا۔اور اگر اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ امر ہوتا جو آپ نے ہماری طرف پہنچایا تو پھر تو طاعت رسول کا کوئی زائد فائدہ نہ ہوتا۔پس متعین ہو گیا کہ ہمارا حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی طاعت کرنا یہ ہے کہ ہم اس میں آپ کی طاعت کریں جو خود آپ امر فرمائیں یا اس سے روکیں۔جس کے بارے میں آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔اور اس کی تفصیل وجوب اذعان اور طاعت رسل کی مبحث میں آئے گی۔انشاءاللہ تعالیٰ۔

رسل علیہم السلام اور طلب اجر

اگر تو کہے کہ کیا رسل علیہم السلام کے مقام کے پیش نظر تبلیغ پر ان کا اجر طلب کرنا ان کی بندگی کے کمال میں موجب طعن ہے جیسا کہ ان حضرات نے اس کی طرف اپنے اس قول کے ساتھ اشارہ فرمایا ان اجری الا علی اللہ (یونس آیت ۷۲۔ہود آیت ۲۹۔۵۱۔سبا آیت ۴۷۔میرا اجر تو صرف اللہ تعالیٰ پر ہے)تو جیسا کہ شیخ نے فتوحات کے باب اسرار الزکوۃ میں فرمایا اس کا جواب یہ ہے کہ یہ امر رسل کی بندگی میں موجب طعن نہیں۔اور حضرت نوح علیہ السلام نے تو ان اجری الا علی اللہ صرف اس لئے فرمایا کہ ہمیں تعلیم دیں کہ ہر عمل خالص اپنی ذات میں اجر طلب کرتا ہے۔اور یہ بندے کو اوصاف بندگی سے باہر نہیں کرتا۔کیونکہ عبد تو اجیر کی صورت میں ہے۔تو اجیر نہیں۔کیونکہ اجیر کی حقیقت وہ شخص ہے جسے اس حالت میں اجرت پر لگایا گیا کہ وہ اجرت پر لگانے والے کی بندگی سے اجنبی ہو۔اور مالک اپنے غلام کو اجرت پر طلب نہیں کرتا۔اجرت تو عمل کا تقاضا ہے اور وہ اجرت نہیں لیتا۔یہ تو عامل لیتا ہے۔جبکہ یہ عبد ہے پس وہ اللہ تعالیٰ سے اجرت لینے والا ہے۔پس وہ اجرت لینے میں اجیر کے مشابہ ہوا اور اجرت پر طلب کئے جانے میں اس سے جدا ہے۔انتہی۔

اجرت ترک کرنا افضل ہے یا لینا

اگر تو کہے کہ کیا ترک اجرت افضل ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور صدقہ اسے لینا۔تو جیسا کہ اذان پر کلام کرتے ہوئے شیخ نے فرمایا کہ محققین کا مذہب اجرت لینا ہے۔اور یہ اس کے ترک سے افضل ہے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اس کا محل مشاہدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو نہ کہ مخلوق سے۔پس کاملین کیلئے طلب اجرت درست ہے۔اور اسے لینا احسان اور اظہار احتیاج کے باب سے ہے نہ کہ استحقاق کے باب سے۔اور یہ کھانے اور فائدہ لینے کے عظیم ذرائع میں سے ہے۔پس معلوم ہوا کہ دعوت الی اللہ کا مقام اجرت کا متقاضی ہے اور جس نبی نے اپنی قوم کو دعوت الی اللہ دی اس نے فرمایا لا اسئلکم علیہ اجرا۔میں اس پر تم سے اجر نہیں مانگتا۔پس انہوں نے دعوت پر اجر ثابت کیا لیکن پسند کیا کہ اسے اللہ تعالیٰ سے لے۔

امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:میں کہتا ہوں کہ اس سے یہ مسئلہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ہم میں سے واعظ یا مدرس یا مفتی علم کیلئے

جائز ہے کہ اس پر اجر لے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہر رسول کی گواہی کی وجہ سے یہ ایک ایسا عمل ہے جو کہ اجر کا تقاضا کرتا ہے۔ اور اس کیلئے یہ بھی صحیح ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی اقتدار کرتے ہوئے لوگوں سے لینا ترک کر دے اور اللہ تعالیٰ سے اجر طلب کرے کیونکہ یہ ایسا اجر ہے جو کہ اللہ تعالیٰ بطور فضل اپنے بندے کو عطا کرتا ہے۔ کیونکہ عبد اپنے مالک پر اجر کا حق نہیں رکھتا اس حیثیت سے کہ وہ اس کی ملک اور عین اس کا مال ہے۔

حق تعالیٰ کا عبد سے خدمت لینا

اور شیخ نے ۳۱۶ دیں باب میں بھی فرمایا ہے: جان لے کہ اللہ تعالیٰ کا عبد سے خدمت لینا عبد کی دو حالتوں پر ہے۔ کبھی تو اس کی محض عبادت کرتا ہے۔ اور کبھی اس کی عبادت اجرت کے حوالے سے کرتا ہے۔ تو اس کا عبد ہونے کی وجہ سے یہ نماز، زکوٰۃ، اور تمام فرائض کا مکلف ہے اور ان سب پر اپنا فرض ادا کرنے کی حیثیت سے اس کیلئے کوئی اجر نہیں ہے۔ اس کیلئے صرف وہی نعمتیں ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر انعام فرماتا ہے جو کہ اجر سے افضل ہیں۔ اجر کی جہت سے نہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ایسے امور میں جو کہ عبد پر فرض نہیں ہیں اپنی عبادت کی طرف بلایا تو ان امور مستحبہ پر اجر مقرر کئے گئے۔ تو جس نے ان کے ساتھ اپنے مالک کی طرف قرب حاصل کیا وہ ان پر اسے اجرت عطا فرماتا ہے۔ اور جس نے قرب حاصل نہ کیا تو وہ اس سے ان کا مطالبہ کرتا ہے نہ ہی ان پر اسے سزا دیتا ہے۔ تو اس وجہ سے عبد کا حکم، اجارہ میں اجیر کے حکم کی طرح ہے۔ پس فرض کیلئے وہ جزا ہے جو کہ اس حیثیت سے اس کے مقابل ہے کہ یہ وہ عہد ہے جو کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان ہے۔ رہے نوافل تو ان کیلئے اجر ہیں۔ اور حدیث قدسی میں اس کا یہ ارشاد ہے کہ میرا بندہ نوافل کے ساتھ میری طرف قرب حاصل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اسے محبوب بنالیتا ہوں الخ۔ تو نافلہ نے نتیجتاً بندے کو محبت حق تعالیٰ کا شرف بخشا۔

نوافل میں محبت حق تعالیٰ کا نکتہ

اور اس میں نکتہ یہ ہے کہ نفل ادا کرنیوالا اجیر کی طرح عبد اختیار ہے تو جب انسان نے پسند کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا بندہ ہو نہ کہ اپنی خواہش کا تو بیشک اس نے اللہ تعالیٰ کو اپنی خواہش پر ترجیح دی۔ رہا فرائض میں تو وہ عبد اضطرار ہے کیونکہ عبودیت نے بندے پر اپنے مالک کی خدمت ان امور میں واجب کر دی جو اس نے اس پر فرض فرمائے۔ تو معلوم ہوا کہ اپنی عبودیت اختیار یہ اور عبودیت اضطرار یہ میں انسان کے مابین وہی امتیاز ہے جو کہ اجیر اور ہاتھ کی ملک غلام کے مابین ہے کیونکہ اصلی عبد کیلئے اپنے مالک پر کوئی استحقاق نہیں ہے مگر وہ جس کے بغیر چارہ نہیں۔ پس وہ اپنے مالک سے کھاتا اور پہنتا ہے اور اس کے امور واجبہ کی ادائیگی پر قائم رہتا ہے۔ اور دن رات اپنے مالک کے گھر میں رہتا ہے غائب نہیں ہوتا۔ مگر اس وقت جب کہ اس کا مالک اسے کسی اور کام کی طرف بھیج دے۔ پس وہ اپنی دنیاوی مصروفیت میں اللہ تعالیٰ کی معیت میں ہے۔ اور اسی طرح قیامت کے دن اور جنت میں اس کا یہی حال ہوگا۔ کیونکہ وہ سب کے سب اس کے مالک کی ملک ہیں تو ان میں مالک اور اجیر کے تصرف کی طرح اپنے مالک کے اذن کے ساتھ تصرف کرے گا۔ اس کیلئے کچھ نہیں مگر صرف وہ اجرت جو اس کیلئے مقرر کی گئی۔ اور اس میں سے اس کا نفقہ اور لباس ہے جبکہ اسے اپنے مالک اور اجرت پر رکھنے والے کے حرم میں داخل ہونے کا کوئی اختیار ہے۔ نہ اس کے اسرار پر اسے اطلاع ہے۔ اور نہ ہی اسے اس کی ملک میں تصرف کا حق ہے مگر اسی قدر جس کیلئے اسے اجرت پر رکھا گیا ہے۔ تو جیسے ہی اس کے اجارہ کی مدت ختم ہوئی اور اس نے اپنی اجرت لے لی تو اپنے موجر کو چھوڑ دیتا ہے اور اپنے اہل و عیال میں مصروف

ہو جاتا ہے۔ اور اس جہت سے اس کیلئے کوئی حقیقت ہے نہ کوئی نسبت کہ اجرت پر رکھنے والے سے کچھ طلب کرے مگر یہ کہ مال کا مالک اس پر یوں احسان کرے کہ اسے بلا بھیجے اور تنہائی میں اسے خلعت عطا کرے تو یہ احسان کے طریقے سے ہے۔

جنت میں عبودیت اضطراریہ نہیں

اگر تو کہے کہ کیا جنت میں عبودیت اضطرار ہو گی جیسے کہ یہ دنیا میں ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ جنت میں کبھی عبودیت اضطرار نہیں ہو گی کیونکہ کوئی پابندی نہیں ہو گی۔ تو اے بھائی! اگر تو نے وہ نکتہ سمجھ لیا جس پر میں نے تجھے متنبہ کیا ہے تو تجھے معلوم ہو جائے گا کہ انبیاء نے ان اجری الا علی اللہ کس زاویے سے کہا باوجود یکہ یہ حضرات اللہ تعالیٰ کے خالص بندے ہیں۔ جن پر ان کے نفوس کی خواہش اور نہ ہی مخلوق خدا میں سے کسی کی خواہش غالب ہوئی۔ اور یہ اس لئے کہ اجر طلب کرنا اسماء الٰہیہ کے حکم کے تحت ان کے داخل ہونے کی طرف لوٹتا ہے تو یہاں سے اجارہ واقع ہوا۔ پس وہ حالت اضطرار میں ہیں جبکہ وہ درحقیقت ذات کے بندے ہیں اور وہ اس کی ملک ہیں اور اسماء ہمیشہ انہیں طلب کرتے ہیں تاکہ ان کے آثار ان (انبیاء) میں ظاہر ہو جائیں۔ پس ہر اسم انہیں نداء دیتا ہے کہ میرے امر کے تحت داخل ہو جاؤ اور میں تمہیں یہ کچھ عطا کروں گا۔ تو انہیں اس وجہ سے جونسے اسم کے تحت چاہیں داخل ہونیکا اختیار ہے۔ پس ان میں سے ایک اس اسم کی خدمت میں رہتا ہے حتیٰ کہ عبودیت ذات کی حیثیت سے مالک اسے نداء دیتا ہے تو وہ ہر اسم الٰہی کو ترک کر دیتا ہے اور اپنے مالک کی دعوت پر قائم ہو جاتا ہے۔ پس جب وہ کام کر لیتا ہے جس کا اسے حکم دیا گیا تو اس وقت جس اسم کی طرف چاہے لوٹ جاتا ہے۔ اسی لئے انسان نفل ادا کر رہا ہوتا ہے یہاں تک کہ نماز فرض کی اقامت سنتا ہے تو اسے ہر نفل ترک کرنے کا حکم ملتا ہے اور وہ اپنے مالک کا فرض ادا کرنے میں جلدی کرتا ہے۔ پس جب فارغ ہو جائے تو جونسے نفل میں چاہے داخل ہو جائے۔

انبیاء کے اجر کی بارگاہ اور دیگر متعلقات

اگر تو کہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر انبیاء کا اجر کس بارگاہ سے تھا؟ تو جواب یہ ہے کہ یہ بارگاہ سیادت سے ہے کیونکہ اسی نے انہیں تبلیغ کی خدمت سونپی۔ اگر تو کہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اجر میں کمی بیشی نیت وعزم کے مطابق ہوتی ہے یا مدعوین کی طرف سے تکلیف وراحت کے اعتبار سے؟ تو جیسے کہ شیخ نے ۱۶۷ ویں باب میں فرمایا اس کا جواب یہ ہے کہ ہر نبی کا اجر مخالفین کی طرف سے پہنچنے والی تکلیف کے اندازے کے مطابق ہوتا ہے۔

اگر تو کہے کہ اللہ تعالیٰ سے اجر طلب کرنا کیونکہ صحیح ہو گا باوجود یکہ رسول یا واعظ کو اجر کا اندازہ معلوم نہیں؟ تو جواب یہ ہے کہ اس کا علم نہ ہونے کے باوجود اس کی طلب اس لئے صحیح ہے کہ رسول کو علم ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے بخلاف خلق سے نامعلوم اجر طلب کرنے کے کہ اس کے علم کے بعد ہی اسے طلب کرنا صحیح ہے۔ اور یہ خلق کی امر سے جہالت کی بنا پر ہے کہ ان پر دعویٰ کرنے والا کس چیز کا مستحق ہے۔

اگر تو کہے کہ جب قوم پیغام کو ٹھکرا دے اور قبول نہ کرے تو کیا رسول کیلئے کوئی اجر ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ ہاں اس صورت میں رسول کیلئے اجر ہے۔ جس طرح مبتلائے مصیبت کو اس پر اجر دیا جاتا جو اسے ناگوار ہو۔ تو رسول کے لئے اپنی امت میں سے پیغام کو ٹھکرانے والوں کی گنتی کے برابر اجر ملتا ہے۔ چاہے ان کی کتنی بڑی تعداد ہو۔ جس طرح کہ جو شخص حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی شریعت پر عمل کرتا ہے اور اس پر ایمان رکھتا ہے اسے رسل علیہم السلام کے تمام پیروکاروں کی مثل اجر ملتا ہے کیونکہ شرع مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم

تمام شرائع کی جامع ہے۔

علم غیب پر رسل علیہم السلام کی اطلاع

اگر تو کہے کہ وہ کون سا غیب ہے جس پر اللہ تعالیٰ اپنے رسل کو اطلاع بخشتا ہے جس کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے **فلا یظھر علی غیبہ احدًا الامن ارتضی من رسول** (الجن آیت ۲۶، ۲۷۔ پس وہ اپنے غیب پر کسی کو آگاہ نہیں فرماتا سوائے رسول کے جسے اس نے چن لیا) کیا یہ وہ احکام ہیں جو کہ اس پر بذریعہ وحی اتارے گئے۔ یا اس کے علاوہ دیگر غیوب۔ تو جیسا کہ شیخ نے ۳۲۱ ویں باب میں فرمایا اس کا جواب یہ ہے کہ اس غیب سے جو کہ رسول کے ساتھ مخصوص ہے مراد وہ عالم تکالیف شرعیہ ہے جو کہ بندوں سے غائب ہے اور اس کے ادراک کیلئے ان کی عقلیں مستقل نہیں ہیں۔ اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے شیاطین سے حفاظت کی خاطر فرشتوں کو نگہبان مقرر فرمایا کہ کہیں رسول کی طرف ایسی چیز کا القاء کر دیں جس کے ساتھ وہ شرعی ذمہ داری کے حوالے سے عمل کرے جسے اللہ تعالیٰ نے امر اور نہی کی صورت میں بندوں کی سعادت کی طرف راستہ قرار دیا ہے۔ اور ہم نے جو یہ کہا کہ یہ غیب وہ علم رسالت ہے جس کی تبلیغ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے پیغمبر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے **لیعلم ان قدا بلغوا رسالات ربھم** (الجن آیت ۲۸۔ تا کہ ظاہر کر دے کہ انہوں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیئے ہیں) تو اللہ تعالیٰ نے رسالت کو اپنے قول ربھم کی طرف مضاف فرمایا۔ جب انہیں معلوم ہو گیا کہ شیاطین نے پیغمبروں کی طرف کسی چیز کا القاء نہیں کیا تو انہیں یقین ہو جاتا ہے کہ یہ پیغام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اس کے غیر کی طرف سے نہیں۔

(اقول وباللہ التوفیق۔ شیخ کی مذکور الصدر وضاحت سے مراد ان نفوس قدسیہ سے علم غیب کی مطلقا نفی مراد نہیں۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ علم شریعت ایسا غیب ہے جو کہ امر اور نہی کی صورت میں رسول پر بذریعہ وحی اتارا جاتا ہے۔ اور اسے علم قرآن وسنت کہتے ہیں۔ گرچہ ہمہ قسم علوم قرآن کریم میں موجود ہیں لیکن رسول علیہ السلام پر علم شریعت کے اظہار واعلان کی ذمہ داری ہے۔ جبکہ سنت کا علم بھی بذریعہ وحی نازل ہوا ہے۔ یہاں فیوض البخاری شرح صحیح البکاری از شارع بخاری حضرت علامہ مولانا سید محمود احمد صاحب رضوی قدس سرہ العزیز کے مقدمہ کا ایک اقتباس من وعن پیش خدمت ہے جو کہ بیان مقصد کیلئے نہایت مفید ہے رقم طراز ہیں "حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے شریعت ہم کو دو طرح ملی ہے۔ ایک الفاظ ظاہری جو نقل متواتر کے ساتھ ہم تک پہنچے جیسے قرآن حکیم۔ دوسرے حضور کے اقوال۔ افعال اور اعمال کا ذخیرہ جو نقل صحیح کے ساتھ ہمیں ملے۔ جب ہم نے قرآن کریم پڑھا تو اس سے ہمیں چند اصول اور چند ضابطے ضرور معلوم ہو گئے مگر اصول کی تشریح۔ اس کی جزئیات کی توضیح کیلئے ہمیں معلم اور ہادی کی ضرورت پڑی تو خود قرآن نے ہمیں بتایا کہ میں تو اصولی کتاب ہوں۔ میرے ساتھ اللہ تعالیٰ نے رسول کو بھی مبعوث فرمایا ہے۔ وہ کتاب کے معلم اور شارح ہیں۔ رسول اور قرآن دونوں مل کر ہی شریعت اور دین ہیں۔ اس لئے شریعت اور دین کے احکام قرآن وحدیث دونوں سے اخذ ہوں گے"۔ آگے چل کر معلم کتاب کے عنوان کے تحت رقم طراز ہیں "گذشتہ سطور سے واضح ہو گیا کہ کتاب کے ساتھ رسول کو بھیجا ہی اس لئے جاتا ہے کہ کتاب اور رسول دونوں کی طاعت کی جائے۔ **وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ** ۔ ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس لئے کہ اذن الٰہی کے ساتھ اس کی طاعت کی جائے۔ تمام انبیاء علیہم السلام نے اپنی امتوں سے یہی مطالبہ کیا **اتقوا اللہ واطیعون** ۔ اللہ سے ڈرو اور میری طاعت کرو۔

بیان کتاب الٰہی کے متعلق لکھتے ہیں ''وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم ۔ہم نے یہ ذکر (قرآن) آپ پر اسی لئے نازل فرمایا تا کہ آپ خوب کھول کھول کر اسے بیان کردیں جو ان کی طرف نازل کیا گیا ہے۔انتہی۔

رہے دیگر غیوب تو یہ تو عطائے خداوندی سے اور اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے علم شریف کے فیض سے اولیاء اللہ بھی جانتے ہیں۔ چنانچہ ماقبل میں خود شیخ اکبر قدس سرہ اور شیخ افضل الدین کی وسعت علم کا ذکر امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے خود فرمایا ہے۔ وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ (محمد محفوظ الحق غفرلہ ولوالدیہ)

اگر تو کہے کہ جس قدر علم پر اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے کو جسے منتخب فرماتا ہے جو کہ رسول ہے اطلاع بخشتا ہے کیا وہ اس فرشتے کے جتلانے سے ہوتی ہے یا وہ فرشتے کے واسطہ کے بغیر ہے۔تو جواب یہ ہے کہ فرشتے کے واسطہ کے بغیر کیونکہ ملائکہ کا جب وحی میں واسطہ نہیں ہوتا تو اس کے انوار رسول کو اس طرح گھیرے میں لے لیتے ہیں جس طرح کہ چاند کے گرد ہالہ ہوتا ہے۔اور شیاطین ان کے پیچھے ہوتے ہیں انہیں اس رسول تک کوئی راستہ نہیں ملتا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے جس غیب پر چاہے اس رسول کو مطلع فرمادیتا ہے جو کہ تکالیف کے ساتھ متعلق ہوتا ہے جیسا کہ گزر چکا۔شیخ محی الدین نے فرمایا کہ فتوحات مکیہ اور ہماری کتابوں میں اس غیب کے تصور سے زیادہ مشکل کوئی مسئلہ نہیں جس کے ساتھ حق تعالیٰ مخصوص ہے اور اسے غیب محال کہتے ہیں جس کی طرح اللہ تعالیٰ کے اس قول کے ساتھ اشارہ کیا گیا ہے **وعندہ مفاتح الغیب لایعلمھا الاھو** (الانعام آیت ۵۹ اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں انہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔اور یہ اس لئے محال ہے کہ یہ عالم شہادت اور عالم غیب کے درمیان برزخ ہے۔ کسی ایک سمت کیلئے خاص نہیں۔اور یہ اس علم میں سے ہے جس کی بدولت صدیق کو دوسرے پر فضیلت حاصل ہے اور تھوڑے ہیں جنہیں اس پر اطلاع ہے۔

نزول وحی کے وقت سردی لاحق ہونے کی حکمت

اگر تو کہے کہ اس امر میں کیا حکمت ہے کہ جب نزول وحی ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو سردی لاحق ہوتی حتیٰ کہ آپ کو کپڑا اوڑھا یا جاتا۔تو جواب یہ ہے کہ اس میں حکمت یہ ہے کہ جب وحی کا نزول ہوتا تو روح ملک اور روح رسول کے ملنے سے حاصل ہونے والے دباؤ کی وجہ سے اس کی شدت سے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام پسینہ میں شرابور ہو جاتے۔ پھر رطوبات کے ساتھ جسم سے نکلنے والا بخار اپنی قوت کے ساتھ مسام کو ڈھانپ لیتا ہے۔تو باہر سے ٹھنڈی ہوا داخل نہیں ہوتی۔ پھر جب نبی علیہ السلام سے یہ کیفیت کھلتی ہے اور فرشتہ اس سے جدا ہوتا ہے تو مزاج سکون پاتا ہے۔اور حرارت غریزیہ بحال ہوتی ہے۔اور اس کی وضاحت یہ ہے کہ فرشتہ جب رسول اللہ پر کسی امر کے ساتھ وارد ہوتا ہے جو کہ علم خبری یا کسی حکم کے ساتھ متعلق ہو۔تو اس سے اسے روح انسانی حاصل کرتی ہے اور یہ توجہ سے سننے اور وہ القاء کرنے کے ساتھ باہم ملاقات کرتے ہیں اور دونوں ہی نور ہیں۔ پس اس وقت مزاج میں حرارت اور اشتعال پیدا ہوتا ہے اور حرارت غریزیہ مزاجیہ متحرک ہوتی ہے حتیٰ کہ اس کی شدت سے رسول کا رخ انور متاثر ہوتا ہے اور اس کیفیت کو حال سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور یہ نہایت شدید کیفیت ہوتی ہے۔ پھر یہ رطوبات بدنیہ غلبہ حرارت کی وجہ سے بخارات کی صورت میں جسم کی ظاہری سطح کی طرف اٹھتی ہیں اور اس وجہ سے وہ پسینہ بنتا ہے جو صاحب حال پر طاری ہوتا ہے۔ پس جب وہ حرارت بحال ہوتی ہے اور مسام کھلتے ہیں۔تو جسم باہر سے ہوا قبول کرتا ہے پس وہ جسم میں داخل ہوتی ہے اور مزاج میں ٹھنڈک آتی ہے تو وہ چادر اور زیادہ کپڑے طلب کرتا ہے تا کہ گرمی حاصل کرے۔اور ایسا حرارت غریزیہ پر سردی اور لرزہ کے غلبے اور اس کے ضعف کی وجہ سے ہوتا ہے۔اور مخفی نہ رہے کہ یہ سب کچھ اس کیفیت

کے ساتھ خاص ہے جبکہ قلب پر نزول صفۃ روحانیہ کے ساتھ ہو۔ واللہ اعلم۔

انبیاء کے پہلو کی بجائے چت لیٹ کر آرام کرنے کی حکمت

اگر تو کہے کہ انبیاء علیہم السلام نے اپنے پہلو کی بجائے چت لیٹنا کیوں اختیار فرمایا۔ تو جیسا کہ شیخ نے ۳۳۱ ویں باب میں فرمایا اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حضرات چت اس لئے لیٹے کہ انہیں علم ہے کہ وہ چیز جو کہ چہرے کے مقابل ہے وہ اس کیلئے افق ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ افق کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم بہت نیچے اور وہ زمین ہے اور ایک قسم بہت بلند اور وہ آسمان ہے۔ پس اسی لئے وہ چت لیٹے تا کہ ان کا افق اعلیٰ ہو۔ اور جیسا کہ ۳۳ ویں باب میں ہے اس کی وضاحت یہ ہے کہ تو جان لے کہ وارد الٰہی جو کہ صفت قیومیت ہے جب ان کے پاس آتا ہے تو تدبیر کرنے والی روح انسانی وارد الٰہی کے علوم الٰہیہ سے استفادہ کی بنا پر اپنی تدبیر سے مصروف ہو جاتی ہے پس جسم کیلئے کوئی باقی نہیں رہتا جو اس کے قیام اور قعود کی نگہبانی کرے۔ تو وہ اپنے اصل کی طرف رجوع کرتا ہے اور وہ اس کا زمین کے ساتھ پیوست ہونا ہے۔ جسے لیٹنے کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے۔ گرچہ چارپائی پر ہو کیونکہ چارپائی اس کے خاک تک پہنچنے سے مانع ہے۔ تو یہ انبیاء کے ان پر نزول وحی کے وقت چت لیٹنے کا سبب ہے۔ پھر روح جب اس استفادہ سے فارغ ہو اور وارد اپنے رب کی طرف واپس لوٹ جائے تو روح اپنے جسم کی تدبیر کی طرف لوٹتی ہے۔ پس اسے اس کے لیٹنے سے قیام کی طرف لے آتی ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ ہمیں کسی نبی کی طرف سے یہ بات نہیں پہنچی کہ وہ کبھی بھی نزول وحی کے وقت مضمحل اور مضطرب ہوا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

تحمل وحی کیلئے انبیاء سے زیادہ قوی کوئی نہیں

اگر تو کہے کہ پھر تو بندوں میں انبیاء سے زیادہ قوی کوئی نہیں کہ وہ وحی کے بوجھ کو برداشت کرتے ہیں۔ تو جواب یہ ہے کہ ہاں اناث میں انبیاء سے زیادہ قوی کوئی نہیں۔ یہ حضرات ان کی طرف نزول وحی کے وقت اسے برداشت کرنے کی وجہ سے پہاڑ سے زیادہ قوی ہوتے ہیں۔ جبکہ پہاڑ اسے برداشت نہ کر سکا بلکہ پھٹ گیا۔

شیخ نے ۳۴۲ ویں باب میں فرمایا: کہ ہمارے اس قول کی تائید کہ انبیاء پہاڑوں سے زیادہ قوی ہوتے ہیں ان کا جناب الٰہی کے متعلق کفار وغیرہم سے ایسی بات سننے کی قوت رکھنا ہے جو کہ اس جناب کے لائق نہیں۔ جبکہ پہاڑ ایسی بات سننے کی قوت نہیں رکھتے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے تکا د السموات یتفطرن منه و تنشق الارض و تخر الجبال هدا ان دعوا للرحمن ولدا (مریم آیت ۸۹ تا ۹۱۔ قریب ہے کہ آسمان اس سے پھٹ جائیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر ڈھ جائیں کہ انہوں نے رحمٰن کیلئے بیٹے کا دعویٰ کیا) جبکہ انبیاء علیہم السلام نے یہ سنا و قالت الیهود عزیز ابن الله وقالت النصاری المسیح ابن الله (توبہ آیت ۳۰ کہ یہود نے کہا کہ عزیز اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے کہا کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے) اور پھٹے نہ متزلزل ہوئے بلکہ ثابت رہے۔ اور یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قول لو اردنا ان نتخذ لهوا لا تخذ ناه من لدنا (الانبیاء آیت ۱۷۔ اگر ہمیں منظور ہوتا کہ ہم کھیل تماشا بنائیں تو ہم اسے خود بخود بنا لیتے) کی بارگاہ میں انبیاء کیلئے تجلی فرمائی تو انہیں حضرت اطلاق الٰہی سے وہ علم حاصل ہوا جسے آسمان، زمین اور پہاڑ نہیں جانتے۔ تو نتیجتاً اس علم نے انہیں ان کی ذوات میں وہ قوت عطا کی جس کی بدولت انہوں نے اسے برداشت کر لیا جو کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں سنا۔ اور اگر یہ اس پر نازل ہوتا جس میں یہ قوت نہیں تو اس کی ہڈیاں پگھل جاتیں۔ پس دیکھ کہ اس کا حجاب کس قدر کثیف ہے جو یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اللہ کا

بیٹا ہے اور حقائق دیکھنے سے اس کی نابینائی کس قدر شدید ہے۔ (اقول وباللہ التوفیق۔ اور یہ بھی دیکھ کہ وہ محروم توفیق کس قدر اندھا اور بے بصیرت ہے، جس نے اپنی رسوائے زمانہ کتاب تقویت الایمان میں لکھ دیا کہ "جتنے اللہ کے مقرب بندے ہیں وہ سب انسان ہیں اور بندے عاجز اور ہمارے بھائی۔ بلکہ یہاں تک لکھا" جو بشر کی سی تعریف ہو سو ہی کرو۔ سو اس میں بھی اختصار کرو کہاں مذکور الصدر وضاحت شیخ اکبر قدس سرہ العزیز اور کہاں تقویت الایمان کے مولف کی یہ تفوات وخرافات۔ پناہ بخدا۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ)

حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے کوئی رسول نہیں

اگر تو کہے کہ یا نوح علیہ السلام سے پہلے رسل تھے یا سب کے سب صرف انبیاء تھے حتیٰ کہ آدم علیہ السلام بھی؟ تو جواب یہ ہے کہ ہمیں کتاب وسنت میں یہ بات نہیں پہنچی کہ نوح علیہ السلام سے پہلے رسول تھے۔ بلکہ وہ سب کے سب صرف انبیاء تھے۔ ان میں سے ہر نبی اپنے رب عزوجل کی طرف سے مخصوص شریعت پر تھا۔ لیکن قوم میں سے جو بھی چاہتا ان میں سے کسی کی شریعت میں ان کے ساتھ داخل ہو جاتا اور جو چاہتا داخل نہ ہوتا۔ تو جو داخل ہو کر پھر لوٹ جاتا کافر ہو جاتا۔ اور جو داخل نہ ہوتا کافر نہ ہوتا۔ جیسا کہ جب کسی نے اپنے آپ کو داخل کیا پھر انبیاء کی تکذیب کرتا تو کافر ہو جاتا۔ مگر جو تکذیب نہ کرتا اور برأت پر باقی رہتا تو کافر نہیں ہوتا تھا۔

امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: لیکن میں کہتا ہوں کہ میں نے مسند امام میں مرفوع سند دیکھی ہے کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام رسول مکرم تھے۔ انتہی۔ تو ماقبل اور مابعد کو ملا کر غور کیا جائے۔

اگر تو کہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد وان من امة الا خلا فیا نذیر (فاطر آیت ۲۴۔ اور کوئی امت ایسی نہیں جس میں کوئی ڈرانے والا نہ ہو گذرا ہو) کیا یہ رسالت میں بارے میں نص ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ یہ رسالت کے بارے میں نص نہیں جیسے کہ ایسے شیخ نے ۳۱۴ ویں باب میں ذکر کیا۔ یہ تو اس بارے میں نص ہے کہ ہر امت میں اللہ تعالیٰ کے متعلق اور امور آخرت کے متعلق علم رکھنے والا ہے۔ اور یہ نبی ہے، رسول نہیں۔ کیونکہ اگر رسول ہوتا تو الیہا فرمایا جاتا یعنی اس کی طرف۔ اور فیہا نہ فرمایا جاتا یعنی اس میں۔ تو یہ رسالت کے بارے میں نص نہیں ہے۔ شیخ نے فرمایا: کہ ہم اسی کے قائل ہیں۔ ان میں رسل نہیں تھے۔ صرف انبیاء تھے۔ اللہ تعالیٰ کے متعلق علم رکھنے والے۔ تو جس نے چاہا ان سے موافقت کی اور ان کے ساتھ ان کے دین میں اور ان کی شریعت کے تحت داخل ہوا۔ اور جس نے چاہا اسے اس کی تکلیف نہ دی گئی اور حضرت ادریس علیہ السلام انہیں میں سے تھے۔ تو آپ کے لئے قرآن کریم میں رسالت کی نص وارد نہیں ہوئی۔ صرف آپ کے متعلق صدیقا نبیا فرمایا گیا۔ تو پہلی شخصیت جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے رسالت کا افتتاح فرمایا حضرت نوح علیہ السلام ہیں۔

قوم نوح علیہ السلام اکثریت کے انکار کی وجہ

اگر تو کہے: تو کیا نوح علیہ السلام کی قوم کی اکثریت کے انکار کی وجہ آپ کے عزم کی کمزوری ہے یا آپ کے حال کی وسعت اور آپ پر اللہ تعالیٰ کے حضور تسلیم کے غلبے کی بنا پر ہے؟ پس آپ کے لئے ایسی ہمت نہ تھی جو ان میں نافذ ہوتی۔ تو جواب یہ ہے کہ دعوت دینے والوں کی ہمت کا مدعوین میں کوئی اثر نہیں ہوتا اور رسول سے جو کوئی جو کچھ قبول کرتا ہے تو یہ داعی کے علو ہمت سے نہیں۔ یہ تو اس مزاج کی حیثیت سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو بخشا ہے جس نے ایسے احکام قبول کرنے کا تقاضا کیا۔ اور اسے مزاج خاص کہتے ہیں جسے اللہ

تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور اسی کی وجہ سے اس کا کفر تھا جس نے سب سے پہلے غ[illegible] سے ماں باپ نہ تھے جو اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بناتے۔ جیسا کہ حدیث پاک میں وارد ہے۔ تو معلوم ہوا کہ اگر مدعو میں کلام کی تاثیر صرف ہمت داعی سے ہوتی تو ہر وہ شخص مسلمان ہو جاتا جسے رسول بالمشافہ خطاب فرماتا۔ کوئی بھی ہو کہ اس کی ہمت نافذ ہوتی اور رسل کے کمال میں ان کی قوم کا ان کے پیغام کو رد کرنا موجب اعتراض ہوتا۔ اور اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔ تو اس کا قول ساقط ہو گیا جو کہتا ہے کہ اگر واعظ اپنے وعظ میں صادق و مخلص ہوتا تو اس کا وعظ سامعین کے قلوب میں اثر کرتا۔ کیونکہ رسل سے زیادہ سچا کوئی نہیں۔ اور اس کے باوجود سامعین میں ان کا قول عام طور پر قبول نہ کیا گیا بلکہ حضرت نوح علیہ السلام نے کہا رب **انی دعوت قومی لیلاً و نھارا فلم یزد ھم دعائی الا فرارا**۔ (نوح آیت ۶۵۔ اے میرے رب! میں نے اپنی قوم کو رات، دن دعوت دی لیکن میری دعوت کے باعث ان کے فرار میں اضافہ ہی ہوا) تو چونکہ سامعین میں رسل کے کلام کی قبولیت عام نہ ہوئی باوجودیکہ ہمیں ان کے بلند ہمتی کی تحقیق ہے تو ہمیں معلوم ہوا کہ ہمت کا کوئی اثر نہیں ہے۔ یہ تو صرف مزاج مخصوص کی بنا پر ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا۔ اور جس نے واعظ کی بات سنی اور اس میں قبولیت کا اثر نہ ہوا تو عیب اس میں ہے۔ واعظ میں نہیں۔ کیونکہ عقل سلیم والے میں کلام حق اثر کرتا ہے لوگوں میں سے کسی کے ذریعے بھی ہو۔ گرچہ کافر سے ہو۔ کیونکہ وہ وحی جو کافر (کسی حق پرست سے سن کر) لایا بہر حال حق ہے گرچہ حامل وحی اس پر عمل نہ کرے۔ تو عاقل اس کے حق ہونے کی بنا پر قبول کرتا ہے نہ کہ اس محل کی بنا پر جہاں سے وحی ظاہر ہوئی۔

اگر تو کہے کہ اس کی وضاحت کیا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ تو مدعو کی حالت میں غور کر۔ اگر تو اس کی حالت سماعت میں اسے دیکھتا ہے کہ واعظ سے کلام سنتا ہے اور اس میں اثر نہیں کرتا، پھر وہ یہی کلام کسی دوسرے واعظ سے سنتا ہے پس اس میں اثر کرتا ہے تو جان لے کہ یہ تاثیر اس کے حق قبول کرنے کی حیثیت سے نہیں بلکہ یہ تو اس کے اور دوسرے واعظ کے درمیان کوئی نسبت پائی جانے کی حیثیت سے ہے کہ اس کا معتقد ہے وغیرہ۔ تو سامع میں اس کے نفس کے سوا کسی نے اثر نہیں کیا۔ اور قرآن کریم میں ہے **ان علیك الا البلاغ** (الشوریٰ آیت ۴۸۔ آپ پر تو صرف پہنچا دینا ہے) نیز فرمایا **ولیس علیك ھداھم** (البقرۃ آیت ۲۷۲۔ یعنی آپ کے ذمے انہیں اس پیغام کو قبول کرنے کی توفیق دینا نہیں جو ہم نے آپ کو عطا کر کے بھیجا۔ اور اسے بیان کرنے کا حکم دیا۔ **ولکن اللہ یھدی من یشاء وھو اعلم بالمھتدین**۔ (القصص آیت ۵۶۔ لیکن اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہ خوب جانتا ہے ہدایت یافتہ لوگوں کو) یعنی جنہوں نے مزاج خاص پر توفیق قبول کی۔ پس ہادی کا کام جو کہ اللہ تعالیٰ ہے بیان کرنا اور توفیق دینا ہے جبکہ مخلوق میں سے ہادی کے ذمے صرف بیان کرنا ہے۔ اسے شیخ نے ۳۷۹ ویں باب ذکر فرمایا۔

لتبین للناس ما نزل الیھم کا معنی اور بیان رسول کی اہمیت

اگر تو کہے کہ پھر اللہ تعالیٰ کے اس قول سے کیا مراد ہے **لتبین للناس ما نزل الیھم** (النحل آیت ۴۴ تا کہ آپ کھول کر لوگوں کیلئے بیان کریں جو ان کی طرف نازل کیا گیا) باوجودیکہ قرآن ان کی لغت پر آیا۔ تو ان کے حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے بیان کی طرف احتیاج کا کیا سبب ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ اس کا سبب یہ ہے کہ ہر کلام میں اجمال ضرور ہوتا ہے۔ اور ہر شخص مجمل کو پہنچانتا بھی نہیں۔ اسی لئے حق تعالیٰ نے بیان رسل کے بغیر صرف کتاب الٰہیہ کے نزول پر ہی اکتفاء نہیں فرمایا کیونکہ اس میں اجمال ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ عبارت کی

تفصیل عبارت ہی کرسکتی ہے۔تو رسل کرام اس کی کتاب کے مجمل کی تفصیل میں حق تعالیٰ کے قائم مقام ہوتے ہیں۔جبکہ مجتہدین رسل علیہم السلام کی کلام کے اجمال کی تفصیل میں ان کے قائم مقام ہوتے ہیں۔اور اگر اس اجمال کی حقیقت عالم میں سرایت کرنے والی نہ ہوتی تو کتابوں کی شروح نہ لکھی جاتیں۔ایک زبان سے دوسری زبان میں اور ایک حال سے دوسرے حال میں ترجمے نہ کئے جاتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فاجره حتى يسمع كلام الله (التوبہ آیت ۶۔تو اسے پناہ دیں حتیٰ کہ اللہ کا کلام سنے) اور یہ وہ ہے جو کہ خصوصیت کے ساتھ اتارا گیا۔البتہ جو تفصیل رسول علیہ السلام بیان کریں۔اور اسے ظاہر کریں تو وہ نازل شدہ کلام کی تفصیل ہے اس کا عین نہیں کیونکہ بیان دوسری عبارت کے ساتھ واقع ہوا ہے۔اسے شیخ نے ۳۷۱ویں باب میں ذکر فرمایا۔

نبوت نعوت الٰہیہ سے ہے

اگر تو کہے: کیا نبوت نعوت الٰہیہ سے ہے یا کونیہ سے؟ تو جواب یہ ہے کہ یہ نعوت الٰہیہ سے ہے۔ جناب الٰہی میں اس کا حکم اسم "السمیع" نے ثابت کیا۔اور اس کا حکم صیغہ امر نے ثابت کیا جو کہ مامور بہ کی دعا اور اپنے بندوں کے سوال کو حق تعالیٰ کے قبول کرنے میں ہے۔پس نبوت اس سے زائد نہیں جو کچھ ہم نے ذکر کیا۔مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پر اس سے کسی اسم کا اطلاق نہیں فرمایا۔جس طرح کہ ولایت میں اطلاق فرمایا۔پس اپنا نام ولی فرمایا۔نبی نہیں باوجودیکہ اس نے ہمیں خبر دی اور ہماری دعا سنی۔اسے شیخ نے ۱۵۵ویں باب میں ذکر فرمایا۔

الا اذاتمنى القى الشيطان فى امنيته کا مفہوم

اگر تو کہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کا کیا معنیٰ ہے وما ارسلنا من قبلك من رسول ولا نبى الا اذا تمنى القى الشيطان فى امنيته (الحج آیت ۵۲۔اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول اور نہ کوئی نبی بھیجا مگر اس کے ساتھ یہ ہوا کہ جب اس نے کچھ پڑھا تو شیطان نے اس کے پڑھنے میں (شکوک) ڈال دیئے۔شیطان کی رسول اور نبی کے قلب تک رسائی کیونکر ہوئی حالانکہ یہ حضرات اس سے معصوم ہیں؟ تو اس کا جواب فتوحات کے چھٹے باب میں شیخ کے بیان کے مطابق یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام صرف وسوسہ شیطان پر عمل سے معصوم ہیں۔یہ ان کی طرف القاء کرتا ہے جبکہ یہ نفوس قدسیہ اس کی بات پر اپنی عصمت کی بنا پر عمل نہیں کرتے۔تو اسے انبیاء علیہم السلام کے قلوب تک کوئی راہ نہیں۔تو حقیقت میں عصمت القاء پر عمل سے ہے۔نہ کہ القاء سے جیسا کہ سوال میں مذکور آیت سے واضح۔بخلاف قلوب اولیاء کے کہ کبھی عمل کر سکتے ہیں۔اگر حفاظت الٰہی کی عنایت انہیں دامان کرم میں نہ لے۔اور چونکہ ابلیس کو معلوم تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم اس کے قول پر عمل سے معصوم ہیں کیونکہ آپ کا قلب مبارک شیطان کے جھانکنے سے معصوم ہے۔آپ کے پاس دوران نماز خیالی آگ کا شعلہ لے کر آیا اور آپ کے رخ انور کی طرف پھینکا اور شیطان کی غرض یہ تھی کہ اس کی وجہ سے رسول پاک علیہ السلام کی نماز میں اور توجہ میں خلل واقع ہو جائے کیونکہ وہ نماز کے دوران حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کیلئے حاصل ہونے والی خیر کو دیکھ رہا تھا کیونکہ یہ لعین طبعاً بنی آدم کا حاسد ہے تو حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم ذرا پیچھے کی طرف ہٹ گئے اور آپ نے نماز منقطع نہیں فرمائی اور صحابہ کرام کو اس کی خبر دی۔

خاتمہ رسالت کے متعلق ایک سوال اور اس کا جواب

اگر تو کہے: کیا دو نبیوں کی رسالت ایک ساتھ آن واحد میں ایک ہی شخص کی طرف منوع ہے؟ تو اس کا جواب جیسا کہ شیخ نے فتوحات کے ۳۴ ویں باب میں فرمایا یہ ہے کہ ہاں دونوں کی رسالت ممنوع ہے مگر یہ کہ دونوں اپنی رسالت میں ایک ہی زبان کے ساتھ آن واحد میں کلام کریں جیسے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں کے متعلق فرمایا۔ **اذهبا الى فرعون انه طغى فقولا له قولا لينا** (طٰہٰ آیت ۴۳، ۴۴۔ آپ دونوں فرعون کے پاس جائیں۔ بیشک وہ سرکش بنا بیٹھا ہے اور اس کے ساتھ نرم انداز میں گفتگو کریں) تو ان دونوں میں سے ہر ایک کیلئے علیحدہ خصوصی زبان نہ تھی۔ خصوصاً حضرت موسیٰ علیہ السلام ہارون علیہ السلام کے متعلق فرماتے ہیں **وهو افصح منى لسانا** ۔ (القصص آیت ۳۴۔ وہ مجھ سے زبان میں زیادہ فصیح ہیں) انتہی۔ واللہ اعلم

چونتیسویں بحث

واقعہ اسرار اور اس کے متعلقات کی صحت کے بارے میں

اور یہ کہ آپ نے اللہ تعالیٰ سے وہ صورت دیکھی جسے اس سے زمین میں صرف جانتے تھے اور زمین میں ہونے کی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے آپ کے اعتقاد کی صورت متغیر نہیں ہوئی۔

جان لے کہ واقعہ اسراء کے بیان میں اصل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے **سبحان الذى اسرى بعبده ليلا من المسجد الحرام الى المسجد الاقصى الذى باركنا حوله لنريه من آياتنا انه هوا لسميع البصير** ۔ الاسراء آیت ا۔ پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو رات کے قلیل حصے میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک یا مسجد اقصیٰ کی طرف سیر کرائی جس کے گرد و نواح کو ہم نے بابرکت بنا دیا تا کہ ہم اپنے بندے کو اپنی قدرت کی نشانیاں دکھائیں۔ بیشک وہی ہے سب کچھ سننے والا اور سب کچھ دیکھنے والا۔ شیخ محی الدین فرماتے ہیں کہ انہ میں موجود ضمیر رسول کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی طرف لوٹتی ہے نہ کہ حضرت باری جل وعلا کی طرف۔ اور اس میں طویل گفتگو فرمائی۔ پھر فرماتے ہیں پس حق تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو ایک مکان سے دوسرے مکان کی طرف صرف اس لئے منتقل فرمایا تا کہ آپ کو اس مکان سے مخصوص وہ آیات اور عجائبات دکھائے جو کہ اس وصف خاص کی حیثیت سے حق تعالیٰ کی قدرت پر دلالت کرنیوالی ہیں جس کا علم اسی آیت کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے ہوتا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے بندۂ خاص کو سیر نہیں کرائی مگر آیات دکھانے کیلئے نہ کہ میری طرف۔ کیونکہ کوئی مکان مجھ پر حاوی نہیں۔ اور میری طرف مکانات کی نسبت ایک سی ہے اور میں اپنے بندے کو اپنی طرف کیونکر سیر کراؤں جبکہ وہ جہاں بھی ہو میں اس کے ساتھ ہوں۔

امام شعرانی کی وضاحت

میں کہتا ہوں: باقی کچھ نہ رہا مگر یہ کہ بادشاہ کو اس کی قلمرو اور اس کی فوجوں میں دیکھنا تسلیم اور حصول ہیبت کے حوالے سے بہت بلند ہے اس سے کہ اسے بے پہچان صورت میں دیکھا جائے۔ اور اللہ تعالیٰ پر کوئی مکان اس لئے حاوی نہیں کیونکہ عقل کے مطابق مکان عرش کی چھت سے لے کر زمین کی نچلی حد تک ہے۔ اور یہ فوق العرش اور تحت الثریٰ کے سامنے ایک ذرہ ہے۔ تو اگر ابد الآباد تک عرش ا

چڑھتا جائے تو اس کے بعد کوئی جہت نہیں پائے گا یا ابدالآباد تک عرش اتر تا رہے تو اپنے لئے کوئی زمین نہیں پائے گا۔ اور جسے وجود کی ایسی رؤیت دکھائی گئی وہ جسمیت کے قول سے دور رہا۔ اللہ تعالیٰ اس سے بلند و بالا ہے۔

سفر معراج کی تفصیل

شیخ محی الدین ۳۶۷ ویں باب میں فرماتے ہیں: جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو اپنی آیات سے جو چاہے دکھائے تو جبریل علیہ السلام کو آپ کی طرف اتارا اور وہ روح امین ہے۔ اسباب کے اثبات اور آپ کی تقویت کیلئے ایک چارپائے کے ساتھ جسے براق کہا جاتا ہے۔ تاکہ آپ کو ذوق کے حوالے سے علم بالا سباب دکھائے۔ جیسے کہ اس نے فرشتوں کیلئے پر بنائے ہیں تاکہ ہمیں ان اسباب کے ثبوت کی تعلیم دے جنہیں کائنات میں مقرر فرمایا ہے اور براق ایک برزخی چارپایہ ہے کیونکہ یہ خچر سے کم ہے جو کہ دو مختلف جنسوں سے پیدا ہوتا ہے۔ اور گدھے سے قدرے زائد جو کہ ایک جنس سے پیدا ہوتا ہے۔ اور یہ ایک ایسی حکمت کی بنا پر ہے جسے اہل اللہ جانتے ہیں۔ پس حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم اس پر سوا ہوئے اور جبریل علیہ السلام نے اسے پکڑا اور اسے لے کر ہوا میں چلے۔ اور شیخ محی الدین فرماتے ہیں: اور رسل کیلئے براق اس شاہی گھوڑے جیسا ہے جسے بلا بھیجنے والا اس کیلئے بھیجتا ہے جسے بلایا جائے تاکہ اہتمام ظاہر ہو۔ رہا باطن تو اس کا معنی یہ ہے کہ اس کی بارگاہ تک رسائی نہیں ہو سکتی مگر اسی ذریعے سے جو کہ اس کی طرف سے ہو۔ نہ کہ اس سے جو کہ غیر سے ہو۔ پس یہ ہم میں سے اس کیلئے تشریف اور تنبیہہ ہے جو کہ امور کے محل وقوع کو نہیں جانتا۔ پس حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم بیت المقدس پہنچے۔ براق سے نیچے اترے اور اسے اس حلقے کے ساتھ باندھا جس کے ساتھ اسے آپ سے پہلے انبیاء باندھا کرتے تھے (اقول و باللہ التوفیق حدیث پاک میں ہے کہ براق حضرت جبریل علیہ السلام نے باندھا چنانچہ امام جلال الملۃ والدین السیوطی قدس سرہ نے خصائص میں ترمذی، حاکم (جسے حاکم نے تصحیح سے روایت کیا) ابونعیم، ابن مردویہ اور بزار سے حضرت بریدہ سے نقل فرمایا کہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم **لما کان لیلۃ اسری بی فاتی جبریل الصخرۃ التی ببیت المقدس فوضع اصبعہ فیہا فخرقہا وشد بہا البراق** ۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ جس رات مجھے سیر کرائی گئی جبریل اس چٹان کے پاس آئے جو کہ بیت المقدس میں ہے پس اس میں اپنی انگلی رکھ کر اس میں سوراخ کیا اور اس کے ساتھ براق باندھا۔ اسی مفہوم کی روایت ابن ابی حاتم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل فرمائی جس کے الفاظ یہ ہیں **فغمزہ جبریل علیہ السلام باصبعہ فخقبہ ثم ربطہا** ۔ ان روایات سے معلوم ہوا کہ براق حضرت جبریل علیہ السلام نے باندھا جو کہ اس رات اپنے رفقاء سمیت خادمانہ غلامانہ بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے۔ چنانچہ معتزلہ کے مسلک کا رد فرماتے ہوئے جس میں انہوں نے کہا ہے کہ ملائکہ انبیاء سے افضل ہیں حضور ناقصاں راپیرا کاملاں را راہنما حضرت داتا گنج بخش ہجویری قدس سرہ العزیز اپنی شہرہ آفاق کتاب کشف المحجوب میں فرماتے ہیں "جبریل کہ چندیں ہزار سال بانتظار خلعتی عبادت کرد۔ خلعتش غاشیہ داری محمد بود صلی اللہ علیہ والہ وسلم تا شب معراج ستوروے را خدمت کرد چگونہ فاضل تر بود۔" یعنی جبریل علیہ السلام جنہوں نے ہزاروں سال ایک خلعت کی انتظار میں عبادت کی۔ اور یہ خلعت شب معراج حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ساتھ خدمت گزار کے طور پر رفاقت کا شرف تھا حتیٰ کہ اس شب آپ نے حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سواری کی خدمت کی۔ کس طرح حضور علیہ السلام سے افضل ہو سکتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ جس طرح خدام کے کام کو آقا کی طرف منسوب کیا جاتا ہے کہ اس کے حکم سے ہی ہوا ہے اسی طرح جبریل علیہ السلام کے براق کو باندھنے کا عمل حضور علیہ السلام کی طرف منسوب کیا گیا کیونکہ جبریل علیہ السلام نے یہ خدمت آپ کی فرماں برداری میں ادا کی۔ ہذا ہو الحق۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ ولوالدیہ)

یہ سب کچھ اسباب کے اثبات کیلئے ہے کیونکہ ہر رسول کو اسی براق پر سوار کر کے معراج کرائی گئی۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو معراج میں ایسے امور کے ساتھ خاص کیا گیا جنہ اہل اللہ عزوجل جانتے ہیں۔

براق باندھنے کی حکمت

اگر تو کہے کہ براق کو باندھنے میں کیا حکمت ہے باوجودیکہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم جانتے ہیں کہ یہ مامور ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ اسے اس عادت کے حکم کے اثبات کی بنا پر باندھا جسے اللہ تعالیٰ نے چارپایہ نام کی مخلوق میں جاری فرمایا۔ اگر آپ اسے حلقہ کے ساتھ باندھے بغیر کھڑا کر دیتے تو کھڑا رہتا۔ لیکن عادت کے حکم کی بوجہ ایسا نہ کیا۔ کیا تو دیکھتا نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے براق کی وصف کیسے بیان کی کہ وہ چمکا اور یہ ان چارپایوں کی شان ہے جن پر سواری کی جاتی ہے۔ اور یہ کہ اس نے اپنے سم کے ساتھ وہ برتن الٹ دیا جس کے ساتھ وضو کیا جاتا ہے جو کہ اس قافلہ میں تھا جو آپ کو مکہ شریف کے راستے میں ملا۔ پس آپ نے براق کا یہ وصف بیان فرمایا کہ وہ پھسلتا ہے اور پھسلنے کی وجہ سے ہی برتن الٹ گیا۔

اور جب جبریل علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عرض کی: یا رسول اللہ! اس پر سواری فرمائیں۔ پس آپ سوار ہوئے۔ اور جبریل بھی آپ کے ساتھ ہیں۔ اور براق آپ کو لے کر ہوا میں محو پرواز ہوا۔ اور فضا کو چیرتا گیا آپ کو پیاس لگی اور پانی پینے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ تو جبریل آپ کے پاس دو برتن لائے۔ ایک میں دودھ اور دوسرے میں شراب۔ اور یہ شراب کی حرمت سے پہلے کا واقعہ ہے۔ پس دونوں برتن آپ کی خدمت میں پیش کئے آپ نے دودھ والا پیالہ پکڑ لیا۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ آپ نے ٹھیک فطرت اختیار کی۔ اللہ تعالیٰ آپ کی برکت سے آپ کی امت کو درست رکھے۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم دودھ کی تعبیر علم کے ساتھ فرماتے تھے۔ جب دونوں پہلے آسمان تک پہنچے تو جبریل نے دروازہ کھولنے کا کہا تو دربان نے کہا: آپ کون ہیں؟ فرمایا: جبریل۔ کہا: آپ کے ساتھ کون ہے؟ فرمایا: حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہیں۔ کہا: کیا مبعوث ہو چکے ہیں؟ فرمایا: ہاں مبعوث ہو چکے ہیں۔ پس اس نے دروازہ کھولا۔ پس حضرت جبریل اور حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم دونوں داخل ہوئے۔ دیکھا کہ سامنے حضرت آدم علیہ اسلام ہیں۔ آپ کی دائیں جانب جنت آباد کرنیوالی آپ کی سعادت مند اولاد ہے جبکہ بائیں جانب جہنم بسانے والی آپ کی بدبخت اولاد کی روحیں ہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے وہاں سعادت مندوں کے ہجوم میں اپنی صورت پاک دیکھی اور رب العزت کا شکر ادا کیا (اقول و باللہ التوفیق۔ سعادت مندوں کی مکمل تعداد کا مشاہدہ کرایا گیا اور ظاہر ہے کہ آپ کے بغیر اس فہرست کا تصور ہی نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ تکمیل ہو۔ نیز سعداء کی سعادت بھی آپ کے صدقے ہے تو نوازشات الٰہیہ اور اہل جنت وسعادت کا ہجوم دیکھ کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ یہ معنی نہیں کہ معاذ اللہ آپ کو اپنے متعلق تردد تھا اور اب یقین ہوا تو شکریہ ادا کیا۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ ولوالدیہ) اور وہاں معلوم ہوا کہ انسان کس طرح دو مکانوں میں ہوتا ہے اور یہ اس کا عین ہے غیر نہیں۔ پس آپ کیلئے صورت مرئیہ اور صو

مرئبات ایک آئینے میں اور کئی آئینوں میں تھیں۔تو آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا: ابن صالح اور نبی صالح کو مرحبا کہتا ہوں یعنی خوش آمدید۔
پھر براق پر سوار ہر کر فضا سے گزرے جو کہ پہلے اور دوسرے آسمان کے درمیان ہے۔ پس جبریل نے دوسرے آسمان کا دروازہ اسی طرح کھلوایا جس طرح پہلے کا کھلوایا۔ آپ نے کہا اور آپ سے کہا گیا۔ جب داخل ہوئے تو حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام بعینہ اپنے جسم سمیت موجود۔ کیونکہ ابھی تک آپ فوت نہیں ہوئے بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس آسمان کی طرف اٹھالیا اور اسی میں سکونت عطا فرمائی۔

اور شیخ محی الدین فرماتے ہیں کہ آپ ہمارے پہلے شیخ ہیں جن کے ہاتھوں پر ہم اللہ تعالیٰ کے حضور راجع اور تائب ہوئے اور ہم پر آپ کی عظیم عنائت ہے۔ آپ ایک گھڑی بھر ہم سے غافل نہیں ہوتے۔ پس آپ نے مرحبا اور اہلاً وسہلاً فرمایا۔ پھر تیسرے آسمان کی طرف عروج ہوا۔ دروازہ کھولنے کا کہا اور قیل وقال ہوئی۔ دروازہ کھولا گیا تو یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام موجود ہیں انہوں نے آپ کو سلام اور مرحبا اور اہلاً وسہلاً کہا۔ اور اس تمام سفر میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جن شخصیات کو دیکھتے جبریل ان کے اسماء بیان کرتے۔ پھر چوتھے آسمان کی طرف عروج ہوا۔ دروازہ کھلوانے کے وقت متعلقہ گفتگو کے بعد دروازہ کھلا تو حضرت ادریس علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جسد اقدس نظر آیا کیونکہ ابھی تک آپ فوت نہیں ہوئے بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس آسمان کی طرف اٹھالیا اور یہاں سکونت عطا فرمائی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **ورفعناہ مکانا علیا** (مریم۔ آیت ۵۷ اور ہم نے سے بلند مقام تک اونچا کیا) اور وہ یہی آسمان ہے۔ آسمانوں کا قلب پس انہوں نے آپ پر سلام، مرحبا اور اہلاً وسہلاً کہا۔ پھر آپ کو پانچویں آسمان کی طرف اٹھایا گیا۔ دروازہ کھلوانے کی گفتگو ہوئی دروازہ کھولا گیا تو ہارون علیہ السلام اور حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام موجود ہیں۔ دونوں نے آپ کو اور مرحبا کہا۔ پھر چھٹے آسمان کی طرف آپ کو اٹھایا گیا۔ دروازہ کھلوانے کی گفتگو کے بعد دروازہ کھلا تو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ وسلام موجود ہیں۔ انہوں نے سلام مرحبا اور اہلاً وسہلاً کہا۔ پھر ساتویں آسمان تک پہنچے اور معمول کی گفتگو کے بعد دروازہ کھلا تو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام بیت المعمور کے ساتھ پشت لگائے موجود۔ پس انہوں نے سلام، مرحبا اور اہل وسہلاً کہا۔ اور آپ نے حضور علیہ السلام کے لئے بیت المعمور کا نام ضراح ذکر کیا۔ آپ نے اس کی طرف نگاہ اٹھائی اور اس میں دو رکعت نماز ادا کیا۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتایا کہ اس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے ایک دروازے سے داخل ہوتے ہیں اور دوسرے سے نکل جاتے ہیں۔ پس داخلہ ستاروں کے مطالع کے دروازے سے ہوتا ہے جبکہ ان کے مغارب کے دروازے سے باہر نکلتے ہیں۔ اور آپ نے بتایا کہ ان فرشتوں کو اللہ تعالیٰ ہر روز آب حیات کے ان قطروں سے پیدا فرماتا ہے جو کہ جبریل علیہ السلام سے اس وقت گرتے ہیں جب آپ نہر حیات میں غوطہ لگانے کے بعد اپنے پر جھاڑتے ہیں جس طرح کہ پانی سے باہر آکر پرندے پر جھاڑتے ہیں۔ کیونکہ آپ ہر روز اس میں ایک غوطہ لگاتے ہیں۔ پھر آپ کو سدرۃ المنتہیٰ تک بلند کیا گیا۔

سدرۃ المنتہیٰ

جس کا پھل (بیر) گھڑوں کے برابر ہے۔ اور پتے ہاتھی کے کانوں کی طرح۔ آپ نے اسے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے نور سے اسے ڈھانپ رکھتا ہے جس نے ڈھانپا ہے۔ کوئی اسے بیان نہیں کر سکتا۔ کیونکہ نور کی شدت کی بنا پر آنکھ اس کا ادراک نہیں کر سکتی کہ اسے بیان کرے۔ اور آپ نے اس کی جڑوں سے چار نہریں نکلتی دیکھیں۔ دو نہریں ظاہر اور دو باطن، تو جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرض کی ظاہری دونوں نہریں نیل اور فرات ہیں جبکہ باطنی دونوں نہریں جنت کی طرف بہتی ہیں۔ اور نیل اور فرات قیامت کے دن جنت کی طرف لوٹیں گی

اور یہ دونوں شہد اور دودھ کی جنتی نہریں ہیں۔ شیخ نے فرمایا: یہ نہریں پینے والوں کو قسم قسم کے علوم عطا کرتی ہیں جنہیں دنیا میں ارباب ذوق پہچانتے ہیں۔ اور بتایا کہ بنی آدم کے اعمال اس سدرۃ تک پہنچتے ہیں۔ اور یہ ارواح کے قرار کی جگہ ہے۔ پس یہ انتہا ہے اس کی جو کچھ اوپر سے نیچے اترتا ہے اور انتہا ہے اس کی جو کچھ نیچے سے اوپر عروج کرتا ہے۔ اور یہی مقام جبریل ہے۔ اور یہاں ان کی کرسی ہے۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس مقام پر براق سے اترے اور آپ کے لئے رفرف لایا گیا۔ اور یہ ہمارے نزدیک پالکی کی طرح ہے۔ پس آپ اس پر جلوہ گر ہوئے اور جبریل علیہ السلام نے آپ کو اس فرشتے کے سپرد کر دیا جو کہ رفرف لے کر اترا تھا۔ آپ نے جبریل سے ساتھ چلنے کو کہا تاکہ انس رہے تو اس نے عرض کی: میں ایسا نہیں کرسکتا۔ اگر ایک قدم آگے اٹھاتا ہوں تو جل جاؤں گا۔ ہم میں سے ہر ایک کا ایک مقام متعین ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو صرف اس لئے سیر معراج کرائی ہے تاکہ آپ کو اپنی نشانیاں دکھائے۔ پس متوجہ رہیں۔

اب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جبریل سے وداع ہو کر اس فرشتے کے ہمراہ چلے۔ رفرف آپ کو لئے چل رہا تھا یہاں تک مقام مستوی ظاہر ہوا جس میں آپ نے قلم اور الواح میں اقلام کے چلنے کی آواز سنی۔ اور یہ اقلام وہ کچھ لکھتی ہیں جو اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں جاری فرماتا ہے اور بندوں کے وہ اعمال جسے فرشتے لکھتے ہیں اور ہر قلم فرشتہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **انا کنا نستنسخ ما کنتم تعلمون** (الجاثیہ آیت ۲۹ اور ہم لکھ لیتے تھے جو تم عمل کرتے تھے) پھر اس نے آپ کو نور میں پیوست کر دیا اور جو فرشتہ آپ کے ساتھ تھا اس نے آپ کو تنہا چھوڑ دیا اور آپ سے پیچھے رہ گیا۔ آپ نے اسے نہ دیکھا تو اسے ساتھ نہ پا کر تنہائی محسوس کی۔ اور متحیر ہوئے کہ کیا کریں۔ اور اس نور میں آپ پر وارفتگی سی طاری ہوگئی۔ اور وجد کی کیفیت ظاہر ہوئی اور دائیں بائیں جھومنے لگے اور حال اثر انداز ہوا اور آپ اس طرح جھوم رہے تھے جس طرح نرم نسیم سحری کی وجہ سے چراغ کی لو جھومتی ہے۔ چراغ بجھتا نہیں۔ اور وارفتگی کا سبب ان اقلام کی آواز تھی جو کہ الواح میں چلنے کی بنا پر آپ نے سنی۔ پس ان لذیذ نغمات نے آپ کو مذکورہ حال وارد ہونے تک پہنچا دیا۔ پس آپ نے اس حال سے قوت حاصل کی تو معلوم ہوا کہ آپ کے لئے رفرف صرف اس لئے نیچے اترا تھا کہ براق کا ایک مقام متعین ہے جس سے وہ آگے نہیں بڑھ سکتا جیسے کہ جبریل جب اس مقام تک پہنچے جس سے وہ آگے بڑھ نہیں سکتے تو رک گئے۔ اگر حق تعالیٰ نے جبریل کے لئے اس مقام سے اوپر جانے کا ارادہ فرمایا ہوتا تو وہ اسی حال میں اوپر جاتے کہ انہیں اٹھا کر لے جایا جاتا جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اٹھا کر لے جایا گیا۔ کیونکہ آپ کا عروج براق کے عروج اور حرکت قمریہ کے حوالے سے تھا۔ اسی طرح مقام رفرفی تھا کہ جب آپ اس مقام تک پہنچے جس سے رفرف آگے نہیں جا سکتا تو آپ کو نور میں پیوست کر دیا گیا تو نور نے آپ کو تمام اطراف سے ڈھانپ لیا جیسا کہ شیخ نے ۳۱۴ ویں باب میں اسے بسط وتفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اور فرشتوں کے عروج پر کلام متعلقہ بحث میں آئے گا انشاء اللہ العزیز۔

(اقول وباللہ التوفیق۔ سیر معراج کے بیان کے متعلق قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ بنیادی حیثیت رکھتی ہے **سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الخ**۔ اس میں سیر کرانے کی نسبت حضرت سبحان جل شانہ کی طرف ہے۔ جس سے تمام الجھنیں اور ذہنی استحالات دم توڑ جاتے ہیں کہ ایسا کیونکر ہوا اور کیسے ہوا کہ اسراء کا فاعل وہ ذات پاک ہے جسے سبحان کہتے ہیں جو کہ ہر ضعف۔ اور عیب سے پاک ہے۔ اس لئے انتظامات اسراء پر عقل محاکمہ کر ہی نہیں سکتی۔ صرف ارباب کشف نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق توجیہات بیان کی ہیں۔ ورنہ براق ہو یا رفرف۔ نور ہو یا عالم بالا کے دیگر حقائق سب کے سب فرع ہیں اور ان کی اصل نور مصطفیٰ صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم ہے۔ چنانچہ حکیم الاسلام حضرت شیخ الدین سعدی شیرازی قدس سرہ عرض کرتے ہیں۔

تو اصل وجود آمدی از نخست — دگر ہرچہ موجود شد فرع تست

ندانم کدا میں سخن گویمت — کہ بالا تری زانکہ من گویمت

تراعز لولاک تمکیں بس است — ثنائی تو طہٰ و یاسین بس است

اور امام اہل سنت امام احمد رضا بریلوی نور اللہ مرقدہ نے اس سفر مقدس کے مشمولات کی باریکیوں کے متعلق یوں راہنمائی فرمائی ہے۔

وہ سرور کشور رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے — نرے نرالے طرب کے ساماں عرب کے مہمان کے لئے تھے

سراغ این ومتی کہاں تھا نشان کیف و الی کہاں تھا — نہ کوئی ساتھی نہ کوئی راہی نہ سنگ منزل نہ مرحلے تھے

آخر میں تفسیر روح المعانی کا ایک ایمان افروز اقتباس نقل کرتا ہوں کہ بحر ناپیدا کنار کو گویا کوزے میں بند کر دیا ہے۔ **فللہ در القائل والناقل ۔ امر المعراج اجل من ان یکیف وما ذا عسی یقال سوی ان المحب القادر الذی لا یعجزہ شی دعا حبیبہ الذی خلقہ من نورہ الی زیارتہ و ارسل الیہ من ارسل من خواص ملائکتہ فکان جبریل ھو الآخذ برکابہ و میکائیل الآخذ بزمام دابتہ الی ان وصل الی ما وصل. ثم تولی امرہ سبحانہ بما شاء حتی حصل فای مسافۃ تطول علی ذالك الحبیب الربانی وای جسم یمتنع عن الخرق لذالك الجسد النورانی** ۔انتہی۔ یعنی معراج کا معاملہ اس سے کہیں ارفع واعلیٰ ہے کہ اس کی کیفیت بیان کی جائے اور اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ قدرت والے محب نے جس کی قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں اپنے اس حبیب کو اپنی زیارت کے لئے بلایا جسے اپنے نور سے پیدا فرمایا۔ اور اس کی خدمت میں خواص ملائکہ بھیجے۔ تو جبریل آپ کی رکاب تھامنے والے اور میکائیل آپ کے مرکب کی لگام پکڑنے والے تھے یہاں تک کہ وہاں پہنچے جہاں پہنچے۔ پھر ذات حق نے خود اہتمام فرمایا جس کے ساتھ چاہا۔ حتیٰ کہ مقصد حاصل ہوا۔ تو اس حبیب ربانی پر کونسی مسافت طویل ہو سکتی ہے اور اس جسد نورانی کے لئے کونسا جسم ممتنع الخرق ہو سکتا ہے''۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ، ولوالدیہ)

دیگر وجاہتیں از قبیل علم وعرفان

پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حال کے ذریعے قوت حاصل کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو آپ کی ذات میں ایسا علم عطا فرمایا جس کی وجہ سے آپ کو وہ معلومات حاصل ہوئیں۔ جنہیں اس سے پہلے بذریعہ وحی نہیں جانتے تھے۔ پس آپ نے رب العزت کے دربار خاص میں داخل ہو کر زیارت کے بارے میں اذن طلب کیا۔ پس آپ نے ابوبکر کی آواز سے مشابہہ ایک آواز سنی کہ اے محمد! ٹھہریئے۔ بیشک آپ کا رب صلاۃ فرما رہا ہے۔ اس خطاب سے آپ کو تعجب ہوا اور دل میں سوچا کیا میرا رب صلوٰۃ فرماتا ہے؟ جب آپ کے جی میں اس خطاب سے تعجب پیدا ہوا اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی آواز سے آپ نے انس محسوس کیا۔ تو آپ پر یہ آیت تلاوت کی **ھو الذی یصلی علیکم وملائکتہ** (الاحزاب آیت ۴۳۔ اللہ وہ ہے جو تم پر رحمت نازل کرتا ہے اور اس کے فرشتے) پس اس وقت آپ کو معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کی صلاۃ سے کیا مراد ہے۔ پس جب صلوۃ سے فراغت ہوئی جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **سنفرغ لکم ایھا الثقلان** (الرحمٰن آیت ۳۱۔ عنقریب ہم تم پر توجہ فرماتے ہیں اے انسانوں اور جنوں کے گروہ) باوجودیکہ اسے ایک

کام دوسرے سے مشغول نہیں کرتا۔ لیکن چونکہ اس کی مخلوق کی اصناف عالم کے لئے مخصوص اوقات اور مخصوص مکان ہیں کہ وہ اپنے وقت سے آگے نہیں بڑھتیں نہ اپنے مکان سے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے علم سابق اور مشیت میں ایسے ہی ہے تو یہ قول اس حیثیت سے درست ہے سنفرغ لکم ایھا الثقلان ۔ یعنی بیشک تمہارے رب کے علم میں یہ امر سبقت کر چکا کہ وہ دو کاموں کے درمیان آن واحد میں ایک کے دوسرے پر مرتب ہونے کو جمع نہیں کرتا۔ اور اس سے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں انتہائی توجہ ظاہر ہوئی یہاں تک کہ آپ کی خاطر عقول کے لئے شان الوھیت کے منزل کے حکم کے مطابق آپ کو فراغت پانے کے مقام پر جلوگر کیا۔ تو یہ آپ پر عنایت الٰہی کی تنبیہ ہے جبکہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کے بارے میں اس سے برتر و بالا ہے۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس دربار شریف میں داخل ہونے کا حکم فرمایا۔ پس اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف اس دربار میں وحی فرمائی جو فرمائی۔ اور آپ نے اس کا عین دیکھا جو کہ آپ کے علم میں تھا نہ کہ غیر۔ اور آپ پر آپ کے اعتقاد کی صورت متغیر نہ ہوئی۔ اور شیخ نے اس دربار سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مراجعت کا ذکر فرمایا اور پھر نمازوں کے بارے میں آپ کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس لوٹنا بیان کیا۔ یہاں تک کہ شیخ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موسیٰ علیہ السلام سے وداع ہو کر طلوع شمس سے پہلے زمین کی طرف نزول فرماتے ہوئے واپس آئے۔

شیخ نے فرمایا کہ یہ اسراء جسم شریف کے ساتھ تھا۔ اور اگر اسراء صرف آپ کی روح انور کے ساتھ ہوتا اور سونے والے کے خواب کی طرح خواب ہوتا تو قریش میں سے کوئی بھی اس کا انکار کرتا نہ اس کے بارے میں جھگڑا کرتا۔ انہوں نے آپ پر انکار تو اس لئے کیا کہ آپ نے انہیں بتایا کہ اسراء ان تمام مقامات میں جسم شریف کے ساتھ تھا جہاں آپ داخل ہوئے۔

معراجوں کی تعداد

اگر تو کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کتنی معراجیں تھیں؟ تو جیسا کہ شیخ نے ۳۱۴ ویں باب میں فرمایا ہے کہ آپ کی معراجیں ۳۴ تھیں۔ ایک مرتبہ آپ کے جسم اقدس کے ساتھ جبکہ باقی آپ کی روح پرفتوح کے ساتھ کہ خواب دیکھے۔ اور شیخ نے فرمایا: نمازیں فرض ہونے کی رات والی معراج کے جسم شریف کے ساتھ ہونے پر یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نور میں پیوست کیا گیا تو آپ نے تنہائی محسوس کی اور اپنے ساتھ کسی کو نہ پایا کیونکہ ارواح تنہائی محسوس کرنے کے ساتھ موصوف نہیں ہوتیں۔ نیز فرماتے ہیں کہ معراج کے بالجسم ہونے پر یہ بات بھی دلالت کرتی ہے کہ آپ نے پیاس محسوس کی۔ بیشک ارواح مجردہ کو پیاس نہیں لگتی۔ شیخ فرماتے ہیں کہ آپ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ کی آواز سنی کہ آپ کو انس حاصل ہو۔ کیونکہ یہ بات جانی پہچانی ہے کہ انس صرف مناسبت رکھنے والے کے ساتھ ہوتا ہے۔ جبکہ حق تعالیٰ اور اس کے بندوں کے مابین کوئی مناسبت نہیں۔ اور اگر موانست حق تعالیٰ کی طرف منسوب کی جائے تو یہ کسی وجہ خاص کی بنا پر ہوگی جو کہ کائنات کی طرف لوٹتی ہے۔ اسے سمجھ لے۔

شیخ نے فرمایا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس کے ساتھ اس لئے مخصوص کیا گیا کہ زمین میں حضور علیہ السلام ان سے بغایت مانوس تھے۔ پس اس وجہ سے آپ نے فرحت وانس محسوس کیا۔ اور اس مقام میں اس آواز سے متعجب ہوئے کیونکہ یہ آواز آپ کے پاس اوپر سے آئی حالانکہ آپ انہیں زمین پر چھوڑ آئے تھے۔

اسماء حسنیٰ کی صفات کے ساتھ تخلق اور مسئلہ حاضر وناظر

اگر تو کہے کہ معراج الی السماء بالجسم یا بالروح میں مشاہدہ آیات کے علاوہ کوئی اور فائدہ بھی ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ ہاں۔ ایک یہ کہ جب آپ کا حضرات اسماء الہیہ پر گزر ہوا تو ان کی صفات کے ساتھ متخلق ہوئے۔ تو جب رحیم پر گزرے تو رحیم ہوئے یا غفور پر تو غفور ہوئے یا کریم پر تو کریم ہوئے یا حلیم پر تو حلیم ہوئے یا شکور پر تو شکور ہوئے یا جواد پر تو جواد ہوئے۔ اور اسی طرح دیگر اسماء حسنیٰ۔ تو آپ اس معراج سے نہیں لوٹے مگر انتہائی کمال پر فائز ہو کر۔ اور ایک فائدہ آن واحد میں جسم واحد کا دو مکانوں میں حاضر ہونا ہے۔ جس طرح کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ذات کو سعادت مند بنی آدم کے افراد میں دیکھا جبکہ آپ پہلے آسمان میں حضرت آدم علیہ السلام سے ملے جیسا کہ پچھلے گزر چکا اور اسی طرح حضرت آدم اور حضرت موسیٰ وغیرہما کہ یہ حضرت زمین میں اپنے مزارات میں ہیں۔ دران حال کہ دونوں آسمان میں سکونت پذیر ہیں کیونکہ آپ نے فرمایا کہ میں نے آدم کو دیکھا، موسیٰ کو دیکھا، ابراہیم کو دیکھا، علیہم الصلوٰت والتسلیمات۔ اور مطلقاً فرمایا اور یہ نہیں فرمایا کہ میں نے روح آدم کو دیکھا نہ ہی یہ کہ روح موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے موسیٰ علیہ السلام کے پاس آسمان میں بار بار مراجعت فرمائی جبکہ آپ زمین میں بعینہ اپنے مزار شریف میں کھڑے نماز ادا فرما رہے تھے جیسے کہ حدیث پاک میں وارد ہے تو اے وہ شخص جو کہتا ہے کہ ایک جسم دو مکانوں میں نہیں ہو سکتا تیرا اس حدیث پر ایمان کیونکر ہو گا؟ تو اگر تو صاحب ایمان ہے تو تقلید کر اور اگر عالم ہے تو اعتراض نہ کر کیونکہ علم تجھے منع کرتا ہے۔ اور تجھے آزمائش کا اختیار نہیں کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی آزماتا ہے۔ اور تجھے یہ بھی حق نہیں کہ یہ تاویل کرے کہ جو زمین ہے وہ اس کا غیر ہے جو آسمان میں ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا اور مطلقاً فرمایا۔ اور اسی طرح ان تمام انبیاء کے متعلق فرمایا جنہیں وہاں دیکھا۔ تو جسے موسیٰ کا نام دیا اگر آپ کا عین نہیں تو ان کے متعلق یہ خبر دینا جھوٹ ہے کہ وہ موسیٰ ہے۔ مسئلہ تو یہ ہے۔ جبکہ معترض کہتا ہے کہ میں نے تجھے کل رات خواب میں دیکھا اور یہ معلوم ہے کہ جسے دیکھا وہ اپنی منزل میں اس حالت کے خلاف دوسری حالت میں تھا جس پر اسے دیکھا۔ لیکن دوسرے مقام میں اور اسے یوں نہیں کہتا کہ میں نے تیرے غیر کو دیکھا۔

پھر معترض اسی طرح اولیاء اللہ پر ان کے مختلف اطوار میں ہونے کا انکار کرتا ہے حالانکہ حضرت قضیب البان جن مختلف صورتوں میں چاہتے متعدد مکانات میں متشکل ہو جاتے تھے۔ اور جس صورت میں آپ سے خطاب کیا گیا آپ نے جواب دیا۔ ان اللہ علی کل شئ قدیر۔ اسے شیخ نے ۲۷۰ ویں باب میں ذکر فرمایا۔

اور ۲۷۰ ویں باب میں فرماتے ہیں: جان لے کہ بندہ اپنے تمام احوال میں قدرت الہیہ کے ساتھ محمول ہے۔ اسے کسی چیز کے ساتھ استقلال نہیں۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب کبھی جسم محسوس کے ساتھ سیر کروائی گئی تو صرف براق پر۔ تو اگر آپ کو خواب میں معراج کرائی گئی جیسا کہ اولیاء کے لئے تو کبھی تو آپ اپنے آپ کو مرکب پر محمول دیکھتے ہیں اور کبھی محمول نہیں دیکھتے۔ لیکن یہ جانتے ہیں کہ وہ ان صورتوں میں محمول ہیں جن میں اپنے آپ کو دیکھتے ہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ آپ کا جسد انور اپنی خوابگاہ میں اور اپنے گھر میں آرام فرما ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے وارث کا مرتبہ

اگر تو کہے کہ کیا انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وارث کے لئے اس مرتبہ میں سے کچھ ہے کہ اپنے تمام احوال میں کشف وشہود پر محمول

بالقدرت ہو؟ تو جواب یہ ہے کہ ہاں۔ اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے سید العبید علی الاطلاق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں فرمایا ہے سبحان الذی اسری بعبدہ لیلا من المسجد الحرام ۔پس آپ کو عبودیت مطلقہ میں قائم فرمایا اور آپ سے دعویٰ اور عالم میں سے کسی چیز پر ربوبیت کو علیحدہ کر دیا۔ اور آپ کو ہر چیز سے مجرور رکھا حتیٰ کہ اسراء سے اور آپ کو ''جسے سیر کرائی گئی'' قرار دیا اور سیر کرنے کو آپ کی طرف منسوب نہیں فرمایا۔ کیونکہ اگر یوں فرمایا جاتا سبحان الذی دعا عبدہ لان یسری الیہ او الی رویتہ آیاتہ فسری ۔یعنی پاک ہے وہ جس نے اپنے عبد مقرب کو بلایا کہ رات میں اس کی طرف سیر کرے یا اس کی آیات دیکھنے کو چلے پس اس نے رات میں سیر کی۔ تو آپ کو ایسا کہنے کا حق تھا۔ لیکن مقام نے ایسا قول کرنے سے آپ کو روکا۔ پس آپ نے حکم خداوندی کی برتری کی بنا پر کسی فعل کے متعلق نہیں فرمایا۔

اور اسراء کے فوائد میں سے مقام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شرف کی رفعت بیان کرنا اور آپ کی مدح وستائش ہے۔ جس طرح کہ استواء علی العرش کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنی تعریف وثناء فرمائی ہے کیونکہ تمام موجودات پر حاوی ہونے کی بنا پر عرش تمام اجسام سے عظیم ہے۔ اس کے اوپر کوئی چھت ہے نہ نیچے کوئی زمین اور عرش کے ساتھ استواء اس لئے خاص کیا گیا کہ وہ ایمان والوں کی نگاہوں کی آخری حد ہے۔ رہے عارفین جو کہ انبیاء اور ان کے کامل پیروکار ہیں تو وہ اس عرش کو وجود کی وسعتوں کی نسبت سے ہوا میں اڑنے والے ایک ذرہ کی طرح دیکھتے ہیں جس کے لئے کوئی ایسی چھت نہیں جس پر جے اور نہ زمین جس پر اترے۔ پس پاک ہے وہ جس کے مرتبہ کو اس کا غیر پہچان نہیں سکتا۔ اور سیدی علی بن وفا رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں ہے جہاں آپ اپنا حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اور میں تمام اطراف سے نکل چکا ہوں اور پستی وبلندی کے حد سے گزر چکا۔

نیز فرماتے ہیں مرد وہ نہیں جسے عرش نیز افلاک جنت اور دوزخ جن پر کہ عرش حاوی ہے مقید کر لیں۔ مرد صرف وہ ہے جس کی نگاہ اس تمام وجود سے وراء نکل گئی ہو۔ اور اس وقت اسے موجودات کے موجد سبحانہ وتعالیٰ کی عظمت کی قدر کا عرفان حاصل ہوتا ہے۔ انتہی۔ (اقول وباللہ التوفیق نگاہ کی مذکور الصدر وسعت اور رفعت اولیاء کاملین کو حاصل ہے جنہیں صوفیاء کی اصطلاح میں مرد کہا جا سکتا ہے۔ اور یہ بھی پر ظہار کہ کمالات ولایت دراصل فیوض نبوت ورسالت کا ہی پرتو حسین ہوتا ہے۔ تو یہاں سے وسعت نگاہ نبی اور پھر وسعت نگاہ سید الانبیاء علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات واضح ہو جاتی ہے کہ جب ایک عارف کامل جو کہ اصطلاح صوفیاء کے مطابق مقام رجولیت پر فائز ہے کی نگاہ عالم وجود سے ماوراء تک پہنچتی ہے تو پھر حضور نبی کریم۔ سید الانبیاء وقائد المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ پاک کی کیا حد ہو گی؟ اسی لئے امام احمد رضا بریلوی نور اللہ مرقدہ نے اس بصیرت افروز حقیقت کا اظہار یوں فرمایا ہے۔

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروڑوں درود

یعنی آپ کی نگاہ پاک عالم وجود کی حدوں سے وراء حضرت موجد جل شانہ وعم نوالہ کی زیارت تک پہنچتی ہے۔ محمد محفوظ الحق غفرلہٗ)

اسراء بجسدہ الشریف کی ایک اور دلیل

اور شیخ نے ۳۱۶ ویں باب میں فرمایا: جان لے کہ جب استواء علی العرش اللہ عزوجل نے اپنی مدح میں بیان فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے اسی طرح آپ کی مدح کے طریقے پر ایک نسبت مقرر کی اس حیثیت سے کہ عرش وہ اعلیٰ مقام ہے جہاں تک

رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام میں سے معراج پانے والے رسول کریم علیہ السلام پہنچے۔ شیخ نے کہا: یہ دلالت کرتا ہے کہ اسراء حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جسم اقدس کے ساتھ تھا۔ اور اگر اسراء کوئی خواب ہوتا جو کہ آپ نے دیکھا تو اسراء اور نہ ہی اس مقام تک رسائی مدح وستائش قرار پاتی۔ اور نہ ہی اعرابیوں سے اس کے بارے میں انکار واقع ہوتا کیونکہ خواب میں تو انسان اللہ تعالیٰ کی زیارت کرنے کے مقام تک پہنچ جاتا ہے جو کہ اشرف الحالات ہے۔ اور اس کے باوجود اس کے لئے نفوس میں وہ مقام نہیں ہے۔ کیونکہ ہر انسان بلکہ ہر حیوان کے لئے خواب کی قوت ہے۔ شیخ نے فرمایا: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی سبیل المدح یہ فرمایا کہ "حتی کہ میں مستوی تک پہنچا جہاں میں نے صرف اقلام سنی۔ اور آپ نے حرف غایت جو کہ حتی ہے اس سمت اشارہ کرنے کو استعمال فرمایا کہ قدم محسوس کے ساتھ سیر کی انتہاء عرش ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

خاتمہ

شیخ نے ۱۰اویں باب میں یہ ذکر کیا ہے کہ اگر کہا جائے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر وحی کے نزول اور اولیاء پر فرشتہ الہام کے ہاتھوں خواب میں اس کے نزول کے مابین کیا فرق ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ نبی پر وحی کا نزول اس کے قلب اور اس کے سینے پر ہوتا ہے کیونکہ اسکی نبوت اس کے مشاہدہ میں ہوتی ہے۔ البتہ اولیاء پر اس کا نزول ان کے حجابات کے پیچھے ان کے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہوتا ہے۔ پس وحی ان کے لئے پشت میں ہوتی ہے نہ کہ ظہور میں۔ اور اسی کی طرف بعض عارفین کے اس قول کا اشارہ ہے کہ بایزید بسطامی کا وصال نہیں ہوا حتیٰ کہ آپ نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وراثت کے طور پر الہام کے طریقے سے اللہ تعالیٰ سے قرآن پاک کے تمام معانی کے فہم میں استفادہ کیا۔ اور جس نے اس طرح قرآن پاک کے معانی کا استفادہ کیا تو بیشک اس کے دونوں پہلوؤں کے درمیان فیوض نبوت درج ہو گئے۔ اور اس مسئلہ میں آپ نے طویل گفتگو فرمائی۔ اور اس کی تفصیل اس مقام سے زیادہ مباحث ولایت میں آ رہی ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

پینتیسویں بحث

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کے بارے میں

جیسا کہ قرآن کریم نے اس کی تصریح فرمائی۔ جان لے کہ اس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم المرسلین ہیں جس طرح کہ آپ خاتم النبین ہیں گرچہ آیت میں نبیین سے مراد مرسلین ہی ہیں۔ اور فتوحات کے ۴۶۲ ویں باب شیخ محی الدین کی عبارت (کا ترجمہ) یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوات والتسلیمات کے ساتھ تمام شریعتوں کو ختم فرمایا دیا ہے تو آپ کے بعد کوئی رسول نہیں جو شریعت جاری کرے نہ ہی آپ کے بعد کوئی نبی جس کی طرف کسی شریعت کا پیغام بھیجا جائے جس کے ساتھ وہ اپنی ذات میں عبادت کرے۔ قیامت تک لوگ صرف آپ کی شریعت کے ساتھ عبادت کریں گے۔

امام شعرانی فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ رہا ائمہ کا اجتہاد و احکام کے بارے میں ان کا بیانِ شریعت تو یہ آپ کی اجازت سے ہے۔ علاوہ ازیں استنباط میں ان کا قوام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت ہی ہے جو کہ ثابت ہے کتاب ہو یا سنت۔ اور یہاں سنت سے میری مراد حدیث ہے اور سنت کے ساتھ ہر وہ حکم لاحق ہے جو کہ فرع کو اصل پر قیاس کے ذریعے مجتہد سے صادر ہوا کیونکہ یہ بھی سنت

سے ہی ہے اور استنباط سے یہی مراد ہے۔ رہا فرع کا قیاس فرع پر تو یہ قول صرف ائمہ کے مقلدین کرتے ہیں کیونکہ انہوں نے قیاس فرع علی الاصل کو چوتھی اصل قرار دیا ہے جس طرح کہ اجماع کو اصل ثالث قرار دیا اور انہوں نے کہا کہ ائمہ کسی امر پر اجماع نہیں کرتے مگر وہ اس کی دلیل پہچانتے ہیں گرچہ وہ ہمارے سامنے اسے بیان نہ کریں۔ پس ہم اجماع ائمہ کی خلاف ورزی قطعاً حرام سمجھتے ہیں۔ برابر ہے کہ ہمیں اس بارے میں ان کی دلیل معلوم ہو یا نہ ہو۔ واللہ اعلم۔

اور فتوحات کے چودھویں باب میں فرمایا: جان لے کہ حقیقت نبی جو کہ رسول نہیں وہ شخصیت ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ ایسے امر کی وحی فرمائے جس کے ضمن میں وہ شریعت ہو جس کے ساتھ وہ اپنی ذات میں عبادت کرے۔ اگر اس کے ساتھ اسے غیر کی طرف بھیجا جائے تو وہ رسول بھی ہے۔ اور اس میں طویل کلام فرمایا۔ پھر فرماتے ہیں: جان لے کہ فرشتہ نبی کے پاس دو حالتوں میں وحی لے کر آتا ہے۔ کبھی اس کے قلب پر وحی نازل کرتا ہے اور کبھی اس کے پاس باہر سے جسمانی صورت میں آتا ہے پس جو کچھ اس نبی کی طرف لے کر آتا ہے اس کے کان پر القاء کرتا ہے پس وہ اسے سنتا ہے یا اس کی آنکھ پر اس کا القاء کرتا ہے تو وہ اسے دیکھتا ہے پس اسے دیکھنے سے بالکل اسی طرح مقصد حاصل ہوتا ہے جیسے سننے سے حاصل ہوتا ہے۔ شیخ نے فرمایا یہ دروازہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد بند ہو چکا۔ اب قیامت تک کسی کے لئے نہیں کھلے گا۔ لیکن اولیاء کے لئے وحی الہام باقی ہے۔ جس میں تشریع نہیں۔ وہ تو صرف حکم کے فساد کی وجہ سے بعض نے اس کی دلیل کی صحت کا قول کیا وغیرہ ذالک۔ پس وہ اس کے ساتھ صرف اپنی ذات میں عمل کرتا ہے۔ شیخ نے فرمایا: اگر حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد جبریل علیہ السلام کی زبان پر وحی باقی ہوتی تو عیسیٰ علیہ السلام جب نازل ہوتے تو شریعت محمدیہ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ حکم نہ کرتے بلکہ صرف اس شریعت کے مطابق حکم دیتے جو جبریل ان کی طرف وحی کرتے۔ اور اس میں طویل گفتگو فرمائی۔

قلب پر وحی کا نزول

اور شیخ نے ۳۱۰ ویں باب میں فرمایا: جان لے کہ فرشتہ نبی کے سوا کسی کے قلب پر وحی لے کر بالکل نازل نہیں ہوتا۔ اور نہ غیر نبی کو امر الٰہی کے ساتھ امر کرتا ہے کیونکہ شریعت قرار پا چکی اور فرض، واجب، مندوب، حرام، مکروہ و مباح ظاہر ہو چکے۔ پس نبوت و رسالت منقطع ہونے کی وجہ سے امر الٰہی منقطع ہو چکا اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے ہمیشہ کے لئے کوئی باقی نہیں رہا جسے اللہ تعالیٰ ایسے امر کے ساتھ مامور فرمائے جو کہ شرع ہو جس کے ساتھ عبادت کی جائے۔ کیونکہ اگر وہ اسے کسی فرض کا امر کرے تو شارع نے اسے اس کا حکم دے دیا۔ اور اس نے دعوائے نبوت میں جو کہ منقطع ہو چکی غلطی کی۔ یا اسے حرام سے روکا تو شارع نے اس سے منع کیا تھا یا اسے مستحب کا حکم دیا تو شارع نے اسے اس کی طرف دعوت دی تھی یا اسے کسی مکروہ سے روکا تو شارع نے اسے اس سے روکا تھا۔ اگر وہ کہتا ہے کہ مجھے اللہ نے فعل مباح کا حکم دیا تو ہم اسے کہیں گے کہ وہ مباح اس سے خالی نہیں کہ تیرے حق میں واجب یا مستحب اور یہ اس شرع کا بعینہ نسخ ہے جس پر کہ تو ہے اس حیثیت سے کہ تو نے اپنی مزعومہ وحی کے ساتھ اس مباح کو جسے شارع نے بطور مباح مقرر کیا تھا مامور بہ بنا دیا جس کی ترک سے بندہ نافرمان ہو جاتا ہے۔ اور اگر اسے اس طرح مباح باقی رکھے جیسے کہ وہ شریعت میں تھا تو اس امر کا کیا فائدہ جسے وحی کا فرشتہ اس مدعی کے پاس لایا۔ اگر وہ کہے کہ یہ امر میرے پاس فرشتہ نہیں لایا بلکہ اللہ تعالیٰ نے بلا واسطہ مجھے اس کا حکم دیا ہے تو ہم اسے کہیں گے کہ یہ پہلے سے زیادہ عظیم ہے کیونکہ جب تو نے یہ دعویٰ کر دیا کہ اللہ تعالیٰ نے تجھ سے ایسے کلام کیا جس طرح حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام

سے کلام کیا۔ جبکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔ علماءِ نقل سے نہ علماء ذوق سے۔ پھر اگر اللہ تعالیٰ نے تجھ سے کلام کیا یا تجھے کہا تو وہ اپنے کلام میں القاء نہیں فرماتا مگر علوم اور اخبار کا نہ احکام اور نہ ہی شرع کا۔ اور وہ کبھی تجھے کسی امر سے مامور نہیں فرماتا۔ انتہی۔

(اقول و باللہ التوفیق۔ مذکورہ بالا تصریح سے کسی کو دھوکہ نہ لگے کہ اولیاء اللہ کو الہام کے ساتھ مطلقاً مامور نہیں فرمایا جاتا۔ یہاں سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ امر شرعی تکلیفی سے انبیاء کرام مامور ہوتے ہیں۔ اس لئے اس سے اولیاء کے لئے امر الہامی کی نفی ثابت نہیں ہوتی۔ چنانچہ الیواقیت والجواہر حصہ دوم ۸۳ مطبوعہ مصر میں امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ یہ عنوان قائم کرتے ہیں **المبحث السادس والاربعون فی بیان وحی الاولیاء الالہامی والفرق بینہ وبین وحی الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام . اما وحی الاولیاء فیکون علی لسان ملک الالہام** ۔ اس سے آگے ص ۸۴ پر لکھتے ہیں **فان قلت فما صورۃ تنزل وحی الالہام علی قلوب الاولیاء ، والجواب صورتہٗ ان الحق تعالیٰ اذا اراد ان یوحی الی ولی من الاولیاء بامر ما تجلی الی قلب ذالک الولی فی صورۃ ذالک الامر فیفہم من ذالک الولی المتجلی بمجرد مشاھدۃ مایرید الحق تعالیٰ ان یعلم ذالک الوی** یعنی وحی اولیاء الہام کے فرشتے کی زبان سے ہوتی ہے۔ اگر تم کہو کہ اولیاء کرام کے قولب پر وحی الہامی کے نزول کی کیا صورت ہوتی ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب اپنے کسی ولی کی طرف کسی امر کی وحی فرمانا چاہتا ہے تو اس ولی کے دل پر تجلی فرماتا ہے جو اس امر کی صورت میں ہوتی ہے۔ پس وہ ولی اس تجلی کے مشاہدے سے اس مراد کو سمجھ لیتا ہے جو اللہ تعالیٰ اسے بتلانا چاہتا ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اولیاء کرام وحی الہامی سے مامور ہو سکتے ہیں۔ اور واضح رہے کہ وحی تشریع دوسری چیز ہے۔

امام شعرانی اور شیخ ابن عربی کی تصریحات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ امر تشریعی تکلیفی کسی ولی کے لئے نہیں بلکہ اولیاء کرام کے لئے امر الہامی اور روح الہامی ہوتی ہے۔ لہٰذا حضور غوث اعظم محبوب سبحانی غوث صمدانی حضرت شیخ ابو محمد سید عبد القادر جیلانی قدس سرہ العزیز کے ارشاد عالی قدمی ہذہ علی رقبۃ کل ولی للہ کی وسعتوں کا اور آپ کے اس قول میں مامور من اللہ ہونے کا انکار کرنیوالے قطعاً محروم ان توفیق ہیں ولی بغداد رضی اللہ عنہ امر الہامی کی بنا پر مامور ہیں جو کہ اکابر طائفہ علیہ سے ثابت ہے نہ کہ وحی تشریع۔ جس کا دروازہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد مسدود ہے۔ ضروری ہے۔ اس سے پیش نظر رکھا جائے۔ محمد محفوظ الحق غفرلہٗ)

شیخ نے فتوحات کے ۲۱ ویں باب میں بھی فرمایا ہے کہ جو کہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے کسی چیز کا امر فرمایا ہے تو یہ صحیح نہیں۔ یہ تو صرف تلبیس ہے۔ کیونکہ امر کلام کی قسم سے ہے اور اس کی صفت۔ اور یہ باب لوگوں پر بند ہے کیونکہ حضرت الٰہیہ میں کوئی امر تکلیفی باقی نہیں رہا مگر وہ مشروع ہو چکا۔ پس اولیاء وغیرہم کے لئے صرف اس کے امر کا سماع ہی باقی رہ گیا ہے۔ لیکن انہیں مناجات الٰہیہ حاصل ہے۔ اور اس میں کوئی امر نہیں ہوتا۔ وہ تو گفتگو اور افسانہ ہے اور اولیاء میں سے جو کہے کہ وہ اپنی حرکات و سکنات میں امر شرعی محمدی تکلیفی کے خلاف کسی امر کے ساتھ مامور ہے تو وہ تلبیس میں مبتلا ہے۔ گرچہ وہ اپنے اس قول میں سچا ہو کہ اس نے اسے سنا ہے تو یہ اللہ کی طرف سے نہیں۔ یہ تو ابلیس کی طرف سے ہے جسے اس نے اللہ کی طرف سے گمان کر لیا۔ کیونکہ ابلیس کو اللہ تعالیٰ نے عرش، کرسی، آسمان کی تصویر بنا کر اس سے لوگوں خطاب کرنے کا اختیار دیا ہے جیسا کہ جنات کی تخلیق کی بحث میں پہلے گذر چکا۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ ولایت کی بحث میں اس کی تفصیل آ رہی ہے۔ تو تیرے لئے واضح ہو گیا کہ اوامر و نواہی الٰہیہ کے دروازے بند ہو چکے ہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد جو ان کا دعویٰ کرے تو وہ ایک شریعت کا مدعی ہے جو اس کی طرف وحی کی گئی۔ برابر ہے کہ ہماری شرع کے موافق ہو یا مخالف۔ تو اگر مکلف

ہوگا تو ہم اس کی گردن اڑا دیں گے ورنہ درگذر تے ہوئے اس سے صرف نظر کریں گے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے دعویٰ نبوت کی پابندی کا مسئلہ

اگر کہا جائے کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے نبوت کے دعویٰ پر پابندی تھی؟ تو جواب یہ ہے کہ کوئی پابندی نہ تھی۔ اور اسی لئے عبد صالح حضرت خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا وما فعلته عن امری (الکھف آیت ۸۲۔ میں نے یہ اپنی مرضی سے نہیں کیا) پس بیشک آپ کے زمانے نے یہ عطا کیا۔ اور آپ اپنے رب کی طرف سے ایک شریعت پر تھے جسے آپ کے پروردگار نے آپ کی طرف ملک الہام کی زبان پر وحی فرمایا۔ بعض کہتے ہیں کہ بلا واسطہ اتاری گئی۔ اور حق تعالیٰ نے آپ کے لئے حضرت موسیٰ کے پاس اور ہمارے پاس اس کی گواہی دی ہے اور آپ کا تزکیہ فرمایا۔ اور آج حضرت الیاس اور خضر علیہما الصلوٰۃ السلام شریعت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہیں۔ موافقت کے طریقے سے یا اتباع کے طور پر۔ بہر حال انہیں یہ صرف تعریف کے طور پر حاصل ہے بطور نبوت نہیں۔ اور اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام جب زمین پر اتریں گے تو ہم میں صرف ہمارے نبی پاک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کے ساتھ فیصلہ کریں گے جس کا بطور تعریف اللہ تعالیٰ انہیں تعارف کرائے گا گرچہ آپ (اپنی ذات میں) نبی ہیں۔

امر حق سے مراد

اور جان لے کہ حق عزوجل کا امر اس کا عمومی حکم ہے مگر یہ کہ اسے دلیل خاص کردے۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول (النساء آیت ۵۹۔ اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی) پس حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے بعد کسی کے لئے اختیار نہیں رکھا کہ آپ کی شرع کی مخالفت کرے۔ اس پر صرف اتباع واجب کی ہے۔ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے یہ اختیار رکھا کہ شریعت جاری کریں پس امر کریں اور نہی کریں۔ رہا اللہ تعالیٰ کا ارشاد و اولوا لامر منکم (النساء آیت ۵۹ اور اپنے میں سے حاکموں کی) تو ہمارا ان کی طاعت کرنے سے مراد اس صورت میں ہے جبکہ ہمیں مباح کا حکم دیں یا ہمیں اس سے روکیں۔ نہ یہ کہ وہ ہمارے لئے ایسی شریعت جاری کریں جو کہ ثابت شدہ شرع مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف ہو۔ تو جب وہ ہمیں کسی مباح کا امر کریں یا ہمیں اس سے روکیں پس ان کی طاعت کریں تو اس میں ہمارا اجر اس شخص کا اجر ہوگا جس نے اللہ تعالیٰ کے امر کی طاعت کی جو اس نے امر اور نہی کی صورت میں واجب کیا۔ اور یہ ہم پر اللہ تعالیٰ کا کرم ہے۔ اور اکثر لوگ اس کا شعور نہیں رکھتے بلکہ کبھی تو اس کا نذاق اڑاتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

اور شیخ نے فتوحات کے ۳۸ ویں باب میں فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد باب رسالت بند کردیا تو وحی کے منقطع ہونے کی بناء پر جس کی وجہ سے اولیاء کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان اتصال تھا یہ نہایت شدید حقیقت تھی جس کی تلخی اولیاء اللہ نے حلق سے اتاری کیونکہ یہ ان کی ارواح کی غذا تھی۔ انتہی۔ اور ۷۳ ویں باب کے ۲۵ ویں جواب میں شیخ نے فرمایا: جان لے کہ حضور محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد (فیض) نبوت مطلقا مرفوع نہیں ہوا۔ صرف نبوت تشریع اٹھائی گئی ہے۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمانا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں اور میرے بعد کوئی رسول نہیں۔ یعنی وہاں کوئی ایسا نہیں جو میرے بعد کوئی خاص شریعت جاری کرے۔ تو یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول کی طرح ہے کہ جب کسریٰ ہلاک ہو گیا تو اس کے بعد کوئی کسریٰ نہیں۔ اور قیصر ہلاک

ہو گیا تو اس کے بعد کوئی قیصر نہیں۔ اور کسریٰ و قیصر نبیؐ نہیں تھا مگر روم اور فارس کا بادشاہ اور روم میں بادشاہ ہمیشہ رہا۔ لیکن صرف یہ نام اٹھ گیا باوجودیکہ ان میں بادشاہ پایا گیا اور ان کے بادشاہ کا نام اس کے علاوہ کوئی اور رکھا گیا۔ اور شیخ عبد القادر الجیلی فرماتے ہیں کہ انبیاء کو اسم نبوت عطا فرمایا گیا اور ہمیں لقب۔ یعنی ہم پر اسم نبی ممنوع ہے۔ باوجودیکہ حق تعالیٰ ہمیں ہمارے سرائر میں اپنے کلام اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام کے معنوں کی خبر دیتا ہے اور اس مقام والوں کو خصوصی فیض نبوت پانے والے اولیاء کا نام دیا جاتا ہے۔ تو ان کے فیض نبوت کی غایت احکام شرعیہ کا مکمل تعارف ہے تاکہ ان میں خطا نہ کریں۔ اور کچھ نہیں۔ انتہی۔

(اقول و باللہ التوفیق۔ یہاں وہ حاشیہ دیکھ لیا جائے جو کہ مقام وسیلہ کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تخصیص کے عنوان کے تحت درج ہے۔ ضروری ہے۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ)

تشریع مجتہدین کا حکم

اگر تو کہے کہ مجتہدین کے شریعت بیان کرنے کا کیا حکم ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ مجتہدین نے اپنی طرف سے کوئی چیز شریعت کے طور پر بیان نہیں کی۔ انہوں نے تو صرف وہ شرعی امور بیان کئے ہیں جن کا احکام میں ان کے غور و فکر نے تقاضا کیا اس حیثیت سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجتہدین کے حکم کو برقرار رکھا۔ تو ان کا حکم آپ کی اس شرع سے ہی ہوا جو آپ نے مقرر فرمائی۔ کیونکہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جنہوں نے مجتہد کو وہ مادہ عطا فرمایا جس میں اس نے دلیل سے اجتہاد کیا۔ اور اگر فرض کیا جائے کہ مجتہد نے ایسی شریعت جاری کی جو اسے شارع کی طرف سے وارد ہونیوالی دلیل نے عطا نہیں کی تو ہم اسے اس پر رد کر دیں گے کیونکہ یہ ایسی شرع ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اذن نہیں دیا۔ واللہ اعلم۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افضل المرسلین اور خاتم النبیین اور اعلم باللہ تعالیٰ ہیں

اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام سے افضل ہونے اور یہ کہ آپ ان کے خاتم ہیں اور سب کے سب آپ سے ہی استمداد کرتے ہیں کی تائید ۴۹۱ ویں باب کے علوم میں شیخ کے اس قول سے ہوتی ہے کہ خلق میں سے کسی کے لئے کوئی علم نہیں جو وہ دنیا و آخرت میں حاصل کرتا ہے مگر وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باطنیت سے ہے۔ برابر ہے کہ آپ کی بعثت شریفہ کے زمانے سے پہلے کے انبیاء و علماء ہوں یا بعد والے۔ اور ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی ہے کہ آپ کو اولین و آخرین کا علم دیا گیا ہے اور بلاشبہ ہم آخرین میں سے ہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عطا شدہ علم میں حکم عام رکھا ہے۔ پس یہ منقول۔ معقول، مفہوم اور موہوب ہر علم کو شامل ہے۔ پس اے بھائی! کوشش کر کہ تو ان میں سے ہو جو کہ علم باللہ تعالیٰ اپنے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حاصل کرتے ہیں۔ کیونکہ آپ اللہ کے متعلق ساری مخلوق سے مطلقاً زیادہ عالم ہیں۔ اور اس سے پرہیز کر کہ تو آپ کی امت کے علماء میں سے کسی کو بلا دلیل خطا کار گردانے۔ اور یہ ایک راز ہے جس پر میں نے تجھے متنبہ کیا ہے۔ اس کی حفاظت کر، اور یہ مت کہہ کہ تو نے وسیع کو تنگ کر دیا ہے اور تو یوں کہنے لگے کہ کبھی اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو وجہ خاص سے جو کہ ہر مخلوق اور اس کے رب عزوجل کے درمیان ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے کے بغیر جو چاہے علوم عطا فرماتا ہے اور حضرت خضر علیہ السلام کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جو کہ اپنے زمانے کے رسول ہیں رونما ہونے والے واقعہ سے دلیل پکڑے۔ کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ ہم نے تجھ پر تنگی نہیں کی کہ تو

مطلقاً علم حاصل نہ کرے۔ ہم نے تو تجھ پر صرف یہ پابندی رکھی ہے کہ تجھے اس کا علم نہیں ہوگا مگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باطنیت سے۔ تجھے اس کا شعور ہو یا نہ ہو۔

شیخ فرماتے ہیں کہ اس پر امام ابوالقاسم بن قسی نے اپنی کتاب خلع النعلین میں ہمارے ساتھ اتفاق کیا ہے اور یہ تونس میں ۵۹۰ھ میں ان کے بیٹے سے ہماری روایت ہے جسے اس نے اپنے باپ سے روایت کیا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب۔

چھتیسویں بحث

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے عموم کے بارے میں

کہ آپ جن وانس اور اسی طرح ملائکہ کی طرف مبعوث ہیں جیسے کہ اس بارے میں وضاحت آرہی ہے اور یہ وہ فضیلت ہے جس میں مرسلین میں سے کوئی بھی آپ کا شریک نہیں۔ اور صحیح مسلم وغیرہ میں وارد ہے **وارسلت الی الخلق کافة** ۔ یعنی میں ساری مخلوق کی طرف بھیجا گیا ہوں اور اس کی تفسیر انس وجن کے ساتھ کی گئی ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کے قول **واوحی الی هذا القرآن لا نذر کم به ومن بلغ** (الانعام آیت ۱۹۔ اور میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے تاکہ میں تمہیں اس کے ساتھ ڈراؤں اور اسے جس تک یہ پہنچے) میں من بلغ کی تفسیر انہیں دونوں کے ساتھ کی گئی ہے اور جس طرح کہ اللہ تعالیٰ کے قول **تبارك الذی نزل الفرقان علی عبده ليكون للعالمين نذيرا** (الفرق آیت ا۔ بہت بابرکت ہے وہ جس اپنے محبوب بندے پر الفرقان اتارا ہے تاکہ وہ سارے جہان والوں کو ڈرانے والا ہو) میں العالمین میں یہی تفسیر کی گئی ہے۔ یہ جلال المحلی کا قول ہے۔

اگر تو کہے کہ حق تعالیٰ کی طرف سے نازل کئے جانے والے شرعی احکام کے ساتھ جنات کا مکلف ہونا کیا ایسی تکلیف ہے جوان پر حق تعالیٰ نے ابتداءً لازم فرمائی یا انہوں نے خود اسے اپنے اوپر لازم کیا تاکہ فضائل میں ہمارے شریک ہوں تو اللہ تعالیٰ نے اسے ان پر لازم کر دیا جیسے نذر؟ تو جواب یہ ہے کہ شیخ نے یہ سوال ۳۶۶ ویں باب میں وارد کیا ہے۔ اور فرمایا: میں نہیں جانتا۔ انتہی۔

تو اگر یہاں کسی کو کوئی روایت مل جائے تو اس کتاب کے اس مقام پر اسے درج کر دے۔

بعثت الی الملائکہ کا مسئلہ

اور ملائکہ کے بارے میں اختلاف ہے کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی طرف مرسل ہیں یا نہیں۔ تو بیہقی نے شعب الایمان کے چوتھے باب میں حلیمی سے نقل کیا ہے کہ آپ نے تصریح کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرشتوں کی طرف نہیں بھیجے گئے۔ پھر آپ نے حلیمی سے پندرہویں باب میں بھی ان کا آپ کی شریعت سے جدا ہونا نقل کیا ہے اور تفسیر رازی اور برہان نسفی میں دوسری آیت کی تفسیر میں جو کہ ابھی پہلے گذری ہے اس بات پر اجماع کی حکایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی طرف رسول نہیں تھے۔

مسلک بیہقی کے متعلق شیخ کمال الدین کی وضاحت

شیخ کمال الدین بن ابی شریف نے اپنے حاشیہ میں فرمایا: اور بیہقی کا اسے حلیمی سے نقل کرنا اس امر کی آگاہی دینا ہے کہ آپ اس ذمہ داری سے بری ہیں۔ اور اس تقدیر پر کہ اس میں یہ آگاہی نہیں دی گئی پھر بھی آپ نے یہ صراحت نہیں فرمائی کہ یہ قول انہیں پسند ہے۔

فرماتے ہیں: رہا حلیمی کا معاملہ تو گرچہ وہ اہل سنت سے ہے اس نے ملائکہ کو انبیاء پر فضیلت دینے میں معتزلہ کی موافقت کی ہے۔ اور اس سے یہاں جو منقول ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ملائکہ کی طرف مرسل نہیں ہیں یہ اس کے افضلیت ملائکہ کا قائل ہونے کے موافق ہے تو شاید اس نے اسی پر اس کی بنیاد رکھی ہو اور شیخ کمال الدین نے اس بارے میں طویل کلام فرمایا۔ پھر فرماتے ہیں: اس کے باوجود علماء کے زیادہ شایاں یہ ہے کہ اس مسئلہ میں اس انداز سے گفتگو کرنے سے توقف کریں جس کے ضمن میں دونوں سمتوں میں سے کسی چیز کے بارے میں قطعیت کا دعویٰ ہو۔ انتہی۔

(امام شعرانی فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں: حاصل گفتگو یہ ہے کہ اصولیوں کا کلام دو اقوال کی طرف لوٹتا ہے۔ ایک یہ کہ آپ مرسل الی الملائکہ ہیں۔ دوسرا یہ کہ ان کی طرف مرسل نہیں ہیں۔ اور جس قول کو سبکی وغیرہ نے صحیح قرار دیا یہ ہے کہ آپ ان کی طرف مرسل ہیں۔ اور بارزی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے زاید یہ فرمایا ہے کہ آپ حیوانات، جمادات، شجر و حجر کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ اسے جلال الدین السیوطی نے کتاب الخصائص کے اوائل میں ذکر کیا ہے۔ اور وہاں سبکی سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی الانبیاء ہیں۔ پس آپ سلطان اعظم کی طرح ہیں جبکہ تمام انبیاء لشکروں کے امراء کی طرح ہیں۔ اور اگر تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام آپ کا زمانہ پاتے تو ان پر آپ کی اتباع واجب ہوتی کیونکہ آپ حضرت آدم سے لے کر قیام قیامت تک تمام مخلوق کی طرف مبعوث فرمائے گئے ہیں۔ پس انبیاء سب کے سب آپ کے جسم اقدس کے غائب ہونے کی مدت تک آپ کے نائب تھے۔ اور ہر نبی آپ کی شریعت کے ایک حصے کے ساتھ بھیجا گیا جس سے وہ تجاوز نہیں کرتا تھا۔ انتہی۔ اور سیدی علی الخواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عالم ارواح اور اجسام میں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیام قیامت تک سب کی طرف مبعوث تھے۔

ملائکہ کی تین اقسام

اور میں نے آپ کو فرماتے ہوئے سنا کہ فرشتوں کی تین قسمیں ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جن کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امر و نہی کے ساتھ ایک ساتھ مبعوث فرمائے گئے اور وہ زمینی فرشتے ہیں۔ اور زمین اور پہلے آسمان کے درمیان ہیں۔ اور ایک قسم وہ جن کی طرف صرف امر کے ساتھ مبعوث ہیں۔ اور یہ آسمانی فرشتے ہیں کیونکہ وہ نہی کا قطعاً ذوق نہیں رکھتے وہ تو صرف امر میں ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **لا یعصون اللہ ما امرھم ویفعلون مایؤمرون** (التحریم آیت ۶۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے جس کا اس نے انہیں حکم دیا اور وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے) اور ایک قسم وہ ہے کہ جن کی طرف بالکل مبعوث نہیں فرمائے گئے۔ امر کے ساتھ نہ نہی کے ساتھ۔ اور یہ عالی فرشتے ہیں جن کی طرف اللہ تعالیٰ کے اس قول میں استفہام انکاری کے طور پر اشارہ کیا گیا ہے **استکبرت ام کنت من العالین** (ص آیت ۷۵۔ کیا تو نے تکبر کیا یا تو اپنے آپ کو عالی خیال کرتا ہے) یہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے عبادت گذار ہیں اس ذات کی وجہ سے جس پر انہیں پیدا فرمایا انہیں کسی رسول کی ضرورت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے جلال میں مستغرق ہیں۔ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو یا کسی اور کو پیدا فرمایا ہے۔ انتہی۔

اس پر غور و فکر کیا جائے کہ ان کے کلام میں یہ عجیب و غریب بات ہے۔ واللہ اعلم۔

اور ایک دفعہ میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ زمین سے پہلے آسمان تک کے ملائکہ غیر معصوم ہیں کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم ان کی طرف نہی کے ساتھ بھیجے گئے ہیں۔اور کوئی نبی کسی کی طرف نہی کے ساتھ نہیں بھیجا جاتا مگر جبکہ اس کا اس میں گرنے کا تصور ہوسکتا ہے، کیونکہ معصوم کسی رسول کا محتاج نہیں۔اسی لئے کبھی بھی کوئی نبی کسی نبی کی طرف نہیں بھیجا گیا۔اور جس نے زمینی ملائکہ کو جن کا نام دیا تو وہ صحیح ہے کیونکہ یہ آنکھوں سے چھپے ہوئے ہیں۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔**وجعلوا بینه بین الجنة نسبا** (الصافات آیت ۱۵۸ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ اور جنوں کے درمیان رشتہ ٹھہرا دیا) پس انہوں نے کہا کہ یہ اللہ کی بیٹیاں ہیں۔اللہ اس سے پاک ہے۔شیخ علی الخواص نے مزید کہا کہ زمینی ملائکہ کے معصوم نہ ہونے کی تائید آدم علیہ السلام کے قصہ میں ان سے نزاع واقع ہونے سے ہوتی ہے کہ انہوں نے کہ **اتجعل فیها من یفسد فیها ویسفك الدماء** (البقرہ آیت ۳۰۔کیا تو زمین میں اسے مقرر کرتا ہے جو اس میں فساد اور خونریزیاں کرے گا) پس انہوں نے یہ نہیں کہا مگر اس ذوق سے جو کہ ان کے لئے آدم سے پہلے واقع ہوا اور اگر انہیں یہ اس کا ذوق نہ ہوتا تو اس وضاحت کی طرف نہ چلتے۔انتہی۔

اور آپ کی پہلی اور اس بعد والی گفتگو سے معلوم ہوا کہ جو اس امر کا قائل ہے کہ آپ فرشتوں کی طرف مطلقاً امر اور نہی کے ساتھ ایک ساتھ بھیجے گئے اس نے امر کی تحقیق نہیں کی۔اور جس نے کہا کہ ان کی طرف مطلقاً نہیں بھیجے گئے تو اس نے امر کی تحقیق نہیں کی۔اور جس نے گذشتہ تفصیل کے مطابق بات کی اس نے درست کہا۔اور اس کلام کی بنیاد کشف ہے اور میں نے یہ تفصیل آپ کے علاوہ کسی اور سے نہیں پائی۔

قصہ آدم میں ملائکہ کے نزاع اور اعتراض کی حقیقت

اور قاشانی نے وہ کچھ ذکر کیا ہے جس سے زمینی ملائکہ کے غیر معصوم ہونے کی تائید ہوتی ہے۔چنانچہ آپ کہتے ہیں کہ اگر کہا جائے کہ ملائکہ سے حضرت آدم کے واقعہ میں نزاع اور اعتراض کیونکر رونما ہوا باوجودیکہ وہ معصوم ہیں؟ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان قطعاً برحق ہے۔تو جواب یہ ہے کہ یہ نزاع ملائکہ جبروت وسماوات سے واقع نہیں ہوا کہ وہ معصوم ہیں۔یہ صرف ان فرشتوں سے واقع ہوا جو کہ زمین اور زمین وآسمان کے مابین ہیں کیونکہ ان کے ہاں عصمت کی صفت نہیں ہے۔پس بیشک جبروت وسماوات کے ملائکہ اس وجہ سے کہ وہ نورانیت کے غلبے ہے اور مراتب کا احاطہ کرنے کی وجہ سے انسان کامل کے مقام کا شرف اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ان پر اس کے بلند مرتبہ کو پہچانتے ہیں۔اور ہمارے لئے کتاب وسنت کی کوئی تصریح نظر سے نہیں گذری کہ یہ نزاع آسمانی اور زمینی ملائکہ سے واقع ہوا۔ہم نے تو اسے معرفت عناصر سے اخذ کیا ہے جبکہ ہم نے ہر عنصر والوں کو ان کے عنصر کے حکم کے تحت دیکھا ہے نور ہو یا ظلمت۔تو ہم نے کہہ دیا کہ نزاع ملائکہ زمین سے واقع ہوا کہ ان پر ظلمت اور حجاب واجب کرنیوالی طبیعت کا غلبہ ہے۔فرماتے ہیں کہ اس کی تائید اللہ تعالیٰ کے قول **انی جاعل فی الارض خلیفة** (البقرہ آیت ۳۰۔میں زمین خلیفہ بنانے والا ہوں) میں زمین کی تخصیص کا اشارہ کا بھی کرتا ہے۔تو ان سے نزاع واقع نہیں ہوا مگر اس وجہ سے کہ وہ اہل زمین کے احوال کا علم رکھتے تھے۔بیشک آسمانی ملائکہ فساد کرتے ہیں نہ خونریزی کرتے ہیں۔بلکہ ان میں سے کسی کے لئے اس کے جسم میں خون ہے ہی نہیں کہ کبھی بہہ نکلے۔اور آپ نے اس میں طویل گفتگو کی۔پھر فرمایا: پس ظاہر ہو گیا کہ آدم علیہ السلام پر طعن واعتراض ملائکہ جبروت سے صادر نہیں ہوا۔کیونکہ نزاع صرف اسی کی طرف سے ہوتا ہے جو طبائع اربعہ سے مرکب ہو کیونکہ ان میں تضاد ہے کیونکہ ان سے بننے والا صرف اور صرف اپنی اصل پر ہی ہوتا ہے۔انتہی۔

بعض کہتے ہیں کہ زمین اور آسمان کے درمیان رہنے والے فرشتوں سے آپ کی مراد جنات کی کوئی قسم ہے جسے اپنی اصطلاح میں ملائکہ کہہ دیا۔

ماكان لي من علم بالملاء الا على اذ يختصمون کے متعلق سوال اوراس کا جواب

اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے ملاء اعلیٰ کے ساتھ خصام یعنی جھگڑے کی صفت کا ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ فرمایا: ما كان لي من علم بالملاء الاعلىٰ اذيختصمون (ص آیت ۶۹۔ مجھے عالم بالا کے متعلق کوئی علم نہ تھا جب وہ جھگڑ رہے تھے) اور حدیث شریف میں ہے میں نے عرض کی: یارب ملاء اعلیٰ والے کس بات میں جھگڑ رہے ہیں۔ اس کا جواب جیسا کہ شیخ نے فتوحات میں فرمایا ہے یہ ہے کہ ان کا جھگڑنا اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کی خلق میں اس کی تقدیر پر اعتراض کے متعلق نہ تھا بلکہ وہ تو اعمال میں افضل عمل کے بارے میں تھا جیسا کہ حدیث میں اس کی صراحت ہے۔ اور یہ یہاں تک کہ وہ نبی آدم کی طرف جلدی کرتے ہوئے انہیں اپنی زبان کے ساتھ بتاتے ہیں اور انہیں وہ کام کرنے کی رغبت دلاتے ہیں جس میں اجر عظیم ہے تاکہ اسے تھوڑے اجر والے عمل کی طرف توجہ کیے بغیر دوسرے سے پہلے عمل میں لائیں۔ پس وہ ان دو مردوں کی طرح ہیں جو کہ حیض کے مسائل میں ایک دوسرے سے مناظرہ کرتے ہیں جن میں ... کوئی حصہ ہی نہیں۔

فرشتوں کا جھگڑنا بھی تسبیح ہے

اگر کہا جائے کہ کیا وہ اس جھگڑے میں اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کر رہے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ صفت بیان فرمائی ہے کہ وہ رات دن تسبیح کرتے ہیں۔ سستی نہیں کرتے۔ اور یہ ملتوں کے زوال کی وجہ سے ہوتی ہے۔

تو جواب یہ ہے کہ ہاں وہ اس جھگڑے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کر رہے ہیں اور یہ ان کی تسبیح میں سے ہے۔ جیسے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے تمام اوقات میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے اور یہ معلوم ہے کہ آپ اعرابیوں کے ساتھ باتیں کرتے بچوں اور بوڑھی عورتوں سے مزاح فرماتے اور آپ اس میں اللہ تعالیٰ کے ذاکر ہوتے۔ آپ کی ہر حرکت اور سکون صرف اور صرف امر مشروع میں ہی ہوتا۔

اگر تو کہے کہ یہ مقام کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ہر کامل کو حاصل ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ ہاں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے کوئی امر مشروع نہیں فرمایا مگر اس لئے کہ وہ اس امر پر عمل کرنے کی حالت میں اس کا مشاہدہ کریں۔ تو ان میں سے کوئی وہ ہے جس نے اس مقام کو پورے طور پر حاصل کیا اور کوئی وہ ہے جس نے غفلت کے ساتھ عبادات کیں۔

اگر تو کہے کہ کیا ارباب مذاہب کا جھگڑنا اجر و ثواب میں مذکورہ ملائکہ کے جھگڑنے کے ساتھ ملتا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ ہاں۔ لیکن بشرطیکہ یہ جھگڑنا صریح سنت کے حوالے سے ہو نہ کہ صرف فہم کے ساتھ اور یہ کہ اپنے عمل میں مخلص ہوں۔ کوئی غرض نفسانی انہیں آلودہ نہ کرے۔ اگر مخالفین پر غلبہ حاصل کرتے اور ان کے مذاہب کے اقوال کی تردید کرنے کا قصد کریں تو یہ شرعاً مذموم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان اقيموا الدين ولا تتفرقوا فيه (الشوریٰ آیت ۱۳۔ اسی دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا) اور جس نے دین میں تفرقہ ڈالنے کی کوشش کی گرچہ لازم کے ساتھ ہو تو اس نے اسے اس کے قیام کی بجائے زمین پر لٹا دیا۔ جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نص کے بغیر اللہ تعالیٰ کے دین میں جھگڑا کرنے سے روکا ہے۔ اور فرمایا: نبی کے پاس نزاع نہیں چاہیے۔ اور آپ کے بعد علماء کا آپ کی شرع کو برقرار رکھنے کا حکم ادب میں ان کا حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضری کے حکم کی طرح برابر ہے جیسا کہ علماء باللہ اسے جانتے ہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سینتیسویں بحث

احکام شرع کی اہمیت اور حقیقت

اس بیان میں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو احکام لائے ہیں ان پر یقین اور طاعت واجب اور ان میں سے کسی چیز پر اعتراض نہ کیا جائے۔ جان لے کہ ہر صاحب ایمان پر واجب ہے کہ ہر اس امر کو شرح صدر سے قبول کرے جسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بطور شرع جاری فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **فلا وربك لا يومنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا في انفسهم حرجا مما قضيت و يسلموا تسليما** (النسا آیت ۶۵۔ (یارسول اللہ) آپ کے رب کی قسم ہے یہ لوگ مومن نہیں ہوسکتے یہاں تک کہ آپ کو اپنے مابین ظاہر ہونے والے مسئلہ میں حاکم بنائیں پھر اپنے نفسوں میں آپ کے فیصلے سے تنگی نہ پائیں اور اسے پورے طور پر تسلیم کرلیں)

اور شیخ محی الدین فتوحات میں حج کے اواخر میں یوں ذکر فرماتے ہیں کہ اس سے پرہیز کر تو ایسے امور کو دیکھے جنہیں شارع صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جائز قرار دیا ہے پس تو ان سے کراہت کرے۔ اور ان کے ارتکاب سے تیرے جی میں ناپسندیدگی واقع ہو۔ اور تو کہے کہ اگر ان کے متعلق مجھے فیصلے کا اختیار ہوتا تو میں ان پر پابندی لگا دیتا۔ اور انہیں لوگوں پر حرام قرار دیتا۔ پس اس طرح تو اپنی سوچ کو شارع علیہ السلام کی سوچ پر ترجیح دے اور اپنی ترازو کو ان سے وزنی قرار دے۔ اور جاہلین کی لڑی میں پرو دیا جائے۔ فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں سے ایسا اکثر ہوتا ہے جنہیں شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور ادب کا ذوق نہیں۔ پس جب لوگ ان مباحات میں سے بعض کو اپناتے ہیں جنہیں شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جائز قرار دیا ہے تو لوگوں پر غضبناک ہوتے ہیں اور جب لوگوں کو اس سے روکنے سے عاجز ہوں تو کہتے ہیں کہ کیا کریں اسے شارع۔ نے مباح قرار دیا ہے اور کون لب کشائی کرسکتا ہے۔ پس تو اسے دیکھتا ہے کہ وہ اپنے رب کی شرع پر لوگوں کے عمل سے غصے کے گھونٹ پیتا اور اپنے جی میں کڑھتا ہے۔ اور یہ بہت بڑی بے ادبی ہے۔ اور ایسا شخص وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے علم کے باوجود گمراہ کردیا ہے۔ اور پہلے زمانے میں بعض لوگوں سے ایسا ظاہر ہوا ہے اور آج تو یہ بیماری عام لوگوں میں ہے اور وہ کہتے ہیں کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے پاتے تو لوگوں کو اس سے روک دیتے جبکہ ہم جانتے ہیں کہ حقیقی شارع تو اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے علم سے کوئی چیز مخفی نہیں۔ اور اگر اس امر کی اباحت دوسروں کے مقابلہ میں کسی قوم کے ساتھ خاص ہوتی تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان پر بیان فرمادیتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جس میں ارادہ فرمائے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس میں اس کے احکام کے مبلغ ہیں۔ کبھی بھی ہوائے نفس سے بات نہیں کرتے۔ اور آپ کو جس کی تبلیغ کا حکم ہو اس میں سے کسی چیز کو نہیں بھولتے۔ وہ تو نہیں ہے مگر وحی جو کہ آپ کی طرف کی گئی۔ اور آپ کا رب بھولنے والا نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے شرائع میں سے صرف اسی کو برقرار رکھا ہے جس کی وجہ سے جہان کی مصلحت واقع ہو۔ اس میں کمی بیشی نہیں ہوتی اور جب بھی اس میں زیادتی ہوگی یا کمی یا جسے شارع نے برقرار رکھا اس پر عمل نہیں ہوا تو مصلحت کا نظام خلل میں پڑ جائے گا جو کہ نازل فرمودہ اور برقرار رکھے گئے احکام میں شارع کا مقصود ہے۔

مسائل شرعیہ پر اعتماد کا تقاضا

اور بعض اکابر صحابہ کرام علیہم الرضوان نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول محسوس کیا کہ **لو رأى رسول الله صلى الله عليه**

و آلہ وسلم ما صنع النساء بعدہ لمنعھن من المساجد کما منعت نساء بنی اسرائیل ۔یعنی اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے وہ کچھ ہوتا جو آپ کے بعد عورتیں کرتی ہیں تو انہیں مسجدوں سے روک دیتے جس طرح کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو روک دیا گیا۔ کہ اس قول سے شارع پر اعتراض کا وہم ہوتا ہے کہ انہیں لوگ کے اس قسم کے معاملات کا علم نہ ہو سکا۔ اور شیخ محی الدین نے اس بارے میں طویل کلام فرمایا۔ پھر فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ جو کمال ادب کی راہ چلا وہ کبھی بھی اپنے جی میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلے کے متعلق تنگی نہیں پاتا۔ جبکہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عمومی طور پر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کنیزوں کو اللہ کی مسجدوں سے مت روکو۔ اللہم ۔مگر یہ کہ اس سے صریح تہمت حاصل ہوتی ہو تو روکنا منع نہیں۔ رہا ظن اور وہم تو اس کا حکم یہ نہیں۔ پس عاقل کو نہیں چاہیے کہ غیرت کرے مگر ان مخصوص مواقع میں جنہیں حق تعالیٰ نے اس کے مشروع فرمایا۔ اس سے آگے نہ گذرے۔ اور ہر وہ غیرت جو اس سے تجاوز کرے تو وہ حکم عقل سے خارج ہے۔ خواہش کے حکم سے پیدا ہوئی ہے۔ پس کسی انسان کو حق نہیں کہ احرام کی صورت میں اپنی بیوی کے اپنا چہرہ کھولنے پر غیرت کرے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے اسے جائز قرار دیا ہے۔ اور اس پر چہرہ کھولنا واجب قرار دیا ہے باوجودیکہ اللہ تعالیٰ اپنی تمام مخلوق سے زیادہ غیرت والا ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے بیشک سعد غیور ہے اور میں سعد سے زیادہ غیرت مند ہوں جبکہ اللہ تعالیٰ مجھ سے زیادہ غیرت والا ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی غیرت ہے کہ اس نے ظاہری باطنی بے حیائیاں حرام فرمائی ہیں۔ اور بے حیائیوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے جسے اپنی غیرت قرار دیا اس پر اضافہ کرنیوالا گویا دعویٰ کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ غیرت والا ہے کہ اس نے اس امر پر غیرت کی جو کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بے حیائی نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کتنا حسین ہے ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت و یسلموا تسلیما ۔اور اگر انسان اپنے ایمان کا حال پیش کرے اور اسے اس میزان میں داخل کرے تو اسے معلوم ہو جائے کہ وہ اس مقام ایمان سے بعید ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول میں ذکر فرمایا فلا وربك لا یومنون الخ ۔پس بے شک اللہ تعالیٰ نے اس سے ایمان کی نفی فرمائی ہے جس کی یہ حالت ہو اور اس پر اپنی ذات کی قسم فرمائی ہے کہ وہ مومن نہیں اور شیخ نے یہاں طویل کلام فرمایا۔

احکام شرعیہ اور اغراض نفسانی

پھر شیخ نے فرمایا کہ اگر اغراض نفسانی کا تعلق نہ ہوتا تو آیت حجاب نازل نہ ہوتی۔ بیشک یہ تو بعض کی استدعا پر اتری۔ اور اہل اللہ عزوجل، اس حکم الٰہی میں جو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابتداءً نازل ہوا اور اس حکم الٰہی میں جو اس کے بعض بندوں کی طلب پر اترا فرق کرتے ہیں اور گویا کہ اللہ تعالیٰ سے اس کی تنزیل کا سوال کیا گیا تو اس نے سائل کو جواب عطا فرمایا۔ کیونکہ اگر یہ نہ ہوتا تو حکم نہ اترتا۔ اور بخاری میں جلیل تابعی محمد بن کعب القرظی سے ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ مسلمانوں میں بہت بڑا مجرم وہ مسلمان ہے جس نے اس چیز کے متعلق سوال کیا جو حرام نہیں تھی پھر اس کے سوال کی وجہ سے مسلمانوں پر حرام کر دی گئی۔ جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت پر احکام کے نزول کی کثرت کا خوف فرماتے کہ کہیں ان سے عاجز نہ ہو جائیں۔ جیسے کہ آپ نے اس شخص سے فرمایا جس نے حج کی بابت سوال کیا کہ یارسول اللہ! کیا ہر سال حج فرض ہے؟ فرمایا: نہیں۔ اور اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال واجب ہو جاتا اور وہ ایسا نہ کر سکتے۔ اور شیخ نے سوال کی مذمت میں طویل کلام فرمایا۔ پھر فرماتے ہیں کہ عارف کا کمال یہ ہے کہ اس امر پر پوری توجہ کرے جو کہ ابتداً اترا اس امر کے

مقابلہ میں جو سوال پر اترا۔ پس اللہ تعالیٰ ہمیں مقاصد شرع کی سمجھ عطا فرمائے یہاں تک کہ ہم اس سے باہر نہ نکلیں۔ اور کسی نے اپنی
خواہش کے ساتھ کسی ایسی چیز کو ترجیح نہیں دی جس کے بیان سے شارع نے سکوت فرمایا جیسے عید کا خطبہ کیونکہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام
نے خطبہ ارشاد فرمایا اور ہمیں اس کے واجب یا مستحب ہونے کی خبر نہ دی۔ پس خواہش کی پیروی سے بندے کی خلاصی یوں ہوگی کہ اسے
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کے طور پر اپنائے اس سے قطع نظر کہ واجب ہے یا مستحب۔

(اقول و باللہ التوفیق۔ حضرت شیخ محی الدین کی مذکورہ بالا وضاحت کے مطابق یہ تو ظاہر ہے کہ خطبہ عید حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
نے پڑھا ہے۔ بنابریں احناف کا مسلک یہ ہے کہ عیدین کا خطبہ مسنون ہے۔ چنانچہ صدر الشریعہ مولانا امجد علی صاحب اعظمی قدس سرہ
بہار شریعت ج ۴، ص ۱۰۶ پر رقم طراز ہیں ''جمعہ میں خطبہ شرط ہے اور عیدین میں سنت۔ اگر جمعہ میں خطبہ نہ پڑھا تو جمعہ نہ ہوا اور اس میں
(یعنی عید میں) نہ پڑھا تو نماز ہوگئی مگر برا کیا'' الناقل محمد محفوظ الحق غفر لہ ولوالدیہ)

ترجیح بالا ہواء کا مسئلہ

اور میں نے سید علی الخواص رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو عالم لوگوں کو کسی ایسی چیز کے فعل کا حکم دے جس کے حکم کی شارع
علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تصریح نہیں فرمائی وہ قیامت کے دن تمنا کرے گا کہ اس نے کسی چیز کو ترجیح نہ دی ہوتی (اقول و باللہ التوفیق۔ ترجیح
کا معنی ہے کسی چیز کو دوسری چیز کے مقابلہ میں برتری دینا اور بہتر قرار دینا۔ جبکہ یہاں اس ترجیح دینے والے کی ندامت کا بیان ہے جو کہ
ترجیح شارع کے خلاف ایسا کرتا ہے۔ اور یاد رہے کہ صوفیاء واتقیاء کے معمولات جو کہ المستحب ما استحبہ العلماء کے تحت ہیں اس سے خارج
ہیں کیونکہ ان حضرات نے ترجیح شارع کے خلاف کا ارتکاب نہیں کیا بلکہ دراصل حضرت شارع صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم ہی کی تعمیل کی ہے۔
کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے **من فی سن الاسلام سنۃ حسنۃ فلہ اجرھا و اجر من عمل بھا من بعدہ من
غیر ان ینقص من اجورھم شی** (مشکوٰۃ شریف باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ بحوالہ مسلم) جس نے دین اسلام میں کوئی نیک راہ
روش جاری کی اسے اس سنت کا ثواب ہے جو اس نے جاری کی اور اس شخص کے عمل کا ثواب ہے جس نے اس کے بعد اس اچھی سنت پر
عمل کیا۔ اور معمولات اہل سنت محفل میلاد شریف، گیارہویں شریف، عرس مبارک، فاتحہ سوئم، ہفتم، بستم اور چہلم وغیرہ سب اسی میں
داخل ہیں۔ بشرطیکہ کوئی خلاف شرع امر نہ ہو۔ بلکہ قرآن کریم میں اس کی تائید ہے **و من تطوع خیرا فان اللہ شاکر علیم**۔ جو
اپنی طرف سے نیکی کرے اللہ تعالیٰ قبول کرنیوالا علم والا ہے۔ خود امام شعرانی قدس سرہ اپنے شیخ نور الدین رضی اللہ عنہ کے متعلق طبقات
کبری ج ۲، ص ۱۷۲ میں ناقل ہیں کہ آپ ابھی بے ریش جوان تھے کہ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف پڑھنے کی محفل
جاری کی۔ بے شمار مخلوق اس میں شامل ہو کر خیر و برکت حاصل کرتی۔ طریق کار یہ تھا کہ جمعہ کی رات کو نماز مغرب کے بعد محفل منعقد ہوتی
ساری رات جاری رہتی یہاں تک کہ نماز جمعہ کے لئے مینار پر سلام شروع ہو جاتا۔ آگے چل کر امام شعرانی فرماتے ہیں کہ آپ کی اس
محفل درود و سلام کی وجہ سے اب روئے زمین پر مجالس درود شروع ہوگئیں ہیں چنانچہ حجاز، شام، مصر، صعید، محلہ کبری، اسکندریہ، بلاد مغرب
اور بلاد تکرور میں سلسلہ جاری ہے۔ شیخ سے پہلے اس انداز میں کوئی محفل نہیں ہوتی تھی۔ بلکہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے
عہد مبارک سے لے کر شیخ شونی کے زمانے تک اس ہیئت کے ساتھ کسی سے بھی ایسی محفل کے انعقاد کی خبر ہمیں نہیں پہنچی۔ انتہی۔ اس

وضاحت سے معلوم ہوا کہ وہی نیا کام ممنوع ہے اور اسے جاری کرنے والا قیامت کے دن نادم ہوگا جس سے شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمودات کی مخالفت رونما ہو۔ ورنہ یہ مستحبات ہیں۔ اور عنداللہ وعندالرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پسندیدہ، **فالحمد للہ رب العالمین۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ ولوالدیہ)**

پھر اپنی خواہشات کی وجہ سے ترجیح شارع کے خلاف ترجیح دینے والے دو آدمی ہیں۔ ایک تو حرمت کی سمت غالب کرتا ہے اور دوسرا اصل کی طرف رجوع کرتے ہوئے اس امت سے حرج دور کرنے کو غالب کرتا ہے تو یہ مرتبہ کے اعتبار سے اس شخص کے مقابلہ میں عنداللہ زیادہ قریب ہے جو حرمت غالب کرتا ہے۔ کیونکہ حرمت ایک عارضی امر ہے جو اصل کو لاحق ہوا۔ جبکہ حرج رفع کرنیوالا اصل کے ساتھ چلتا ہے اور اسی کی طرف لوٹتا ہے جیسے جنتی لوگ جنت میں جہاں چاہیں رہیں گے اور خواہشات والے اس مسئلہ سے کس قدر غافل ہیں گرچہ مومن ہیں اور جب حجاب کھلا تو نادم ہوا ں گے تو اے بھائی! ہوس طبعی سے پرہیز کر کیونکہ اس میں بندہ وہاں سے مکر کا شکار ہوتا ہے کہ اسے شعور تک نہیں ہوتا۔

شغل باللہ نہ کہ شغل عن اللہ

شیخ فرماتے ہیں کہ اس باب میں محجوبین سے ہم نے کس قدر مشقت اٹھائی ہے اس وجہ سے کہ ان کی خواہشات ان کی عقلوں پر غالب آگئیں۔ میں ان کی کمریں پکڑے انہیں آگ میں گرنے سے روکے ہوئے ہوں اور وہ اس میں دھڑا دھڑ گر رہے ہیں اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک صحابی نے کھانے کی دعوت پر بلایا۔ تو آپ نے اسے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: اور یہ بھی؟ عرض کی: نہیں آپ نے قبولیت دعوت سے توقف فرمایا۔ اس نے عرض کی یہ بھی تشریف لائیں۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں خوشدلی سے اس کے گھر آئے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ** (الاحزاب آیت ۲۱۔ تمہارے لئے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے) پس آج تیرا ایمان کہاں ہوتا اگر کسی صاحب منصب، قاضی، خطیب، وزیر یا سلطان کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء کرتے ہوئے ایسا کرتے ہوئے دیکھتا تو اسے منسوب نہ کرتا مگر غیر معیاری اخلاق کی طرف اور اگر یہ صفت مکارم اخلاق سے نہ ہوتی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایسا نہ کرتے۔ بیشک آپ تو مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے مبعوث فرمائے گئے۔ اور اسی کی مثل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا منبر شریف سے دوران خطبہ اترنا ہے حتیٰ کہ آپ نے حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کو پکڑا اور انہیں لے کر منبر پر رونق افروز ہوئے جبکہ آپ نے انہیں اپنے دامنوں میں لڑکھڑا کر چلتے ہوئے دیکھا۔ پھر خطبہ شروع فرما دیا۔ کیا تو اسے حال کا نقص سمجھتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قسم۔ بلکہ یہ اپنے رب تعالیٰ کی معرفت کے متعلق آپ کا کمال ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشغول ہونا ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ سے مشغول ہونا ہے۔

اور عارفین نے شبلی پر عیب رکھا ہے کہ جب آپ نے ایک قاری کو یہ پڑھتے ہوئے سنا **ان اصحاب الجنۃ الیوم فی شغل فاکھون ھم وازواجھم** (یسٓ آیت ۵۵، ۵۶۔ بیشک جنتی آج اپنے اپنے شغل سے لطف اندوز ہو رہے ہوں گے وہ اور ان کی بیویاں) شبلی نے کہا کہ وہ جنت کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے مشغول ہو گئے۔ یا اللہ! مجھے ان میں سے نہ کر۔ اور عارفین نے شبلی سے فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے اصحاب جنت سے مشغولیت کا ذکر فرمایا ہے اور یہ کہ بیشک وہ اور ان کی بیویاں ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کا

تعارف نہیں کرایا کہ وہ اوران کی بیویاں کس سے لطف اندوز ہوں گے۔ پس شبلی کس وجہ سے ان پرحکم لگاتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اس میں مشغول ہوئے۔ شیخ محی الدین فرماتے ہیں کہ اسے شبلی کی نظر کا قصور شمار کیا گیا ہے کہ انہوں نے سطحی نظر سے اہل جنت پر جرح کی ہے۔ شاید یہ ان کے ابتدائی دور کی بات ہے اوراس میں طویل کلام فرمایا۔

غیرت ایمانیہ شرعیہ پر استقامت

پھر فرماتے ہیں کہ اے بھائی! ایمانی شرعی غیرت کو اپنے لئے لازم کر۔ اوراس پر اضافہ نہ کر پس تو دنیا وآخرت میں بدبخت ہوگا۔ دنیا میں تو تو ہمیشہ اس چیز میں نفس کو مضمحل رکھے گا جس پر اعتراض نہیں کرنا چاہیے۔ رہی آخرت تو اس کی وجہ سے تو حق تعالیٰ کی باز پرس کے نشانے پر ہوگا۔ اوراس کی نتیجہ میں حال کی وجہ سے اللہ تعالیٰ پر اس کے احکام میں اعتراض اور نفس میں اللہ تعالیٰ کے مباحات سے کراہت آنے کے متعلق بھی سوال ہوگا۔ انتہی۔ نیز آپ نے ۶۸ ویں باب صلوٰۃ عیدین پر گفتگو فرماتے ہوئے فرمایا: جان لے کہ اللہ تعالیٰ نے یوم عیدین زینت اور کھانے پینے اور ازدواجی مصروفیات کو مشروع فرمایا ہے۔ تو مومن کی پسندیدہ روش یہ ہے کہ اس دن صرف اسی مصروفیت میں رہے جسے شارع نے ذکر فرمایا ہے۔ پس اس روز بندہ جو مباحات بھی اپناتا ہے وہ نماز میں سنن نماز کے مشابہ ہیں اوراس روز جو نوافل اپنائے وہ نماز میں ارکان کے مشابہ ہیں۔ پس بندہ عید کے دن ایسے افعال میں مصروف رہتا ہے جو کہ نمازی کے افعال کے مشابہہ ہیں۔ اسی لئے اسے یوم عید کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ ہر مباح فعل میں بندے پر اجر لوٹاتا ہے۔ اور یہ بعض کے اس قول سے زیادہ اچھا ہے کہ اسے عید اس لئے کہتے ہیں کہ ہر سال اس میں مسرت اور خوشی لوٹتی ہے کیونکہ یہ توجیہ پانچ نمازوں کی وجہ سے ٹوٹ جاتی ہے کیونکہ اس کی وجہ سے ہر روز خوشی لوٹتی ہے کہ ان میں بندہ اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہوتا ہے اوران میں عید کا اطلاق نہیں ہوتا۔

یوم عید اور زینت

اگر تو کہے کہ عید زینت کے ساتھ مربوط ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ زینت ہر نماز میں مشروع ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ خذوا زینتکم عند کل مسجد (الاعراف آیت ۳۱۔ اپنی زینت اختیار کرو ہر نماز کے وقت) نیز عید کے دن روزہ حرام ہے۔ پس اس دن روزہ نہ رکھنا فرضی عبادت ہے۔ اس کے بعد کہ پہلے مباح تھا۔ پھر چونکہ عید کا دن فرح وسرور اور زینت کا دن ہے اور نفوس کے لئے خواہشات وغیرہ کا غلبہ ہوتا ہے تو شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے روزہ کی حرمت میں بدل دیا۔ اوراس دن لوگوں کے لئے زیب و زینت مباح قرار دی (یعنی جائز حد تک) اور آپ نے حبشہ کو ان کے کھیل پر عید کے دن برقرار رکھا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کھڑے ان کا کھیل دیکھتے رہے جبکہ حضرت عائشہؓ آپ کے پیچھے تھیں۔

نیز اس دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کاشانہ اقدس میں دوخواتین حاضر آئیں اور گانے لگیں جبکہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہیں اور جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں روکنا چاہا تو فرمایا: اے ابوبکر! انہیں چھوڑ دو۔ یہ عید کا دن ہے۔ اور شیخ نے یہاں طویل گفتگو فرمائی۔ (اقول وباللہ التوفیق۔ اس حدیث پاک شرح میں شیخ محقق شیخ عبدالحق محدث دہلوی رقم طراز ہیں (جس کا ترجمہ یہ ہے) یہ دونوں لڑکیاں وہ اشعار گا رہی تھیں جو کہ یوم بعاث کے موقع پر بہادر لوگ پڑھا کرتے تھے۔ بعاث ایک جگہ یا قلعہ کا نام ہے جہاں بنو اوس اور بنو خزرج کے درمیان مسلمان ہونے سے پہلے ۱۲۰ سال تک جنگ ہوتی رہی اور پھر اسلام کی بدولت ان کی وہ جنگ اور

عداوت ختم ہوئی اور باہمی دوستی میں بدل گئی۔ پس یہ عورتیں وہ شعر پڑھتی تھیں اور وہ سارے شعر جنگ اور بہادری کی تعریف میں تھے۔ ان کا ذکر دین کے بارے میں معاونت تھی۔ اور ایمان والوں کو کفار کے خلاف جہاد اور قتال پر ابھارا جاتا تھا۔ بے حیائیوں اور برائیوں کا ذکر نہ تھا کہ ان کا ذکر حرام ہے۔ پناہ بخدا کہ ان کا ذکر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں کیا جائے۔ نیز شیخ نے فرمایا کہ بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ **ولیستا بمغنتین** یعنی یہ دونوں عورتیں پیشہ ور گانیوالی نہ تھیں کہ بے حیائی اور آوارگی پھیلانے اور فتنہ وفساد برپا کرنیوالی ہوں بلکہ گرہستی خواتین تھیں جو کہ آپس میں ایسی گفتگو کرلیا کرتی تھیں۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ)

نمازعیدین تکرار تکبیر اور عید سے پہلے ترک نوافل کی حکمت

پھر شیخ نے فرمایا ہے: چونکہ یہ دن حظوظ نفس کا دن ہے تو نماز عید میں تکبیر کا تکرار بھی شروع کیا گیا تاکہ لوگوں کے دلوں وہ کبریائی اور عظمت راسخ ہو جائے جو حق تعالیٰ شایاں ہے۔ تاکہ انہیں ان کے نفوس کے حظوظ حق تعالیٰ کے حقوق کی کامل رعایت سے مشغول نہ کردیں۔ نیز فرمایا کہ ہماری تقریر سے نماز عید سے پہلے نفل ترک کرنے کی حکمت کی پہچان ہوتی ہے کیونکہ اس دن میں مقصود وہ کام کرنا ہے جو کہ مستحب کے حوالے سے مباح ہو بخلاف اس صورت کے جس پر کہ دوسرے ایام میں یہ کام ہوتا ہے۔ تو اس دن نماز عید کے سوا کوئی نفل نہ پڑھے یعنی عید سے پہلے (کیونکہ عید کی نماز کے بعد گھر آکر مستحب ہے کہ چار رکعتیں پڑھے۔ بہار شریعت حصہ چہارم، محفوظ الحق غفرلہ) کیونکہ حکم جب کسی وقت کے ساتھ مربوط ہو تو وہ اس پر غالب ہوتا ہے جو کسی وقت کے ساتھ مربوط نہیں۔ نیز کھیل، خوشی اور زیب وزینت اس روز اس لئے مستحب ہیں کہ اہل جنت کی خوشی اور ناز ونعمت کی یاد تازہ ہو تو اس کے ساتھ دوسرا مستحب داخل نہیں ہوتا جو اس کا معارض ہو۔ پھر جب اس حکم مربوط کا زمانہ ختم ہوگیا تو اس وقت بندہ تمام مستحبات کی طرف اقدام نمائی کرسکتا ہے اور اس روز جو اس کے لئے مستحب تھا وہ باقی ایام میں مباح کی طرف لوٹ آتا ہے اور یہ سب کچھ فیصلوں میں حکیم عادل کا معمول ہے پس بیشک تجھ پر تیرے نفس کا حق ہے۔ اور اس روز (جائز حد تک) لہو ولعب اور خوشی حق نفس ہے۔ تو اے بھائی! اپنے نفس پر ظلم کرنیوالا نہ بن۔ اور اسے اس کا حق عطا کر۔ انتہی۔

سنت صحیحہ اور بدعت حسنہ

اگر تو کہے کہ سنت صحیحہ پر یقین واجب ہونے میں کیا مسلمانوں کی بدعات حسنہ بھی اس سے لاحق ہوتی ہے؟ تو اس کا جواب ۲۶۲ ویں باب میں شیخ کے مطابق یہ ہے کہ ان کے لئے یقین مستحب ہے اور واجب نہیں جیسا کہ اس کی طرف اللہ تعالیٰ کا یہ قول اشارہ فرماتا ہے **ورھبانیة ابتدعوھا ما کتبناھا علیھم** (الحدید آیت ۲۷۔ اور رہبانیت کو انہوں نے خود ایجاد کیا تھا ہم نے اسے ان پر فرض نہیں کیا تھا) اور جیسے کہ اس کی طرف رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول کا اشارہ ہے: **من سن سنة حسنة** ۔ جس نے اچھی سنت جاری کی۔ پس آپ نے ہمیں ہر اس کام کی ایجاد کی اجازت عطا فرمائی ہے جو اچھا ہو اس میں ایجاد کرنیوالے کے لئے اور اس کے لئے جس نے اس پر عمل کیا اجر مقرر فرمایا۔ جب تک کہ لوگوں پر گراں نہ ہو۔ اور یہ خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اپنی سوچ کے ساتھ کرنیوالا جبکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے علی التعیین مشروع نہ ہو اکیلا امت کے طور پر اٹھایا جائے گا۔ یعنی بغیر کسی امام کے جس کی وہ پیروی کرتا ہو تو اسے آپ نے خیر قرار دیا اور اسے اخیار کے ساتھ لاحق فرمایا۔ جیسے کہ آپ نے حکیم بن حزام کے بارے میں فرمایا: تو اس خیر سمیت اسلام لایا جو تو نے اس سے پہلے اپنائی۔ اور اس نے آپ سے ان امور خیر کے متعلق پوچھا تھا جو اس نے دور جاہلیت میں اپنائے تھے۔ غلام آزاد

کرتا، صلہ رحمی، سخاوت وغیرہ۔ نیز اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں فرمایا۔ **ان ابراھیم کان امة قانتا للہ** (النحل آیت ۱۲۰۔ بیشک ابراہیم ایک مرد کامل۔ اللہ تعالیٰ کے مطیع تھے) اور یہ آپ کی طرف وحی اترنے سے پہلے کی بات ہے۔ اور حدیث پاک میں ہے **بعثت لا تمم مکارم الاخلاق** یعنی میں مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ تو جو مکارم اخلاق پر فائز ہو تو وہ اپنے رب کی طرف سے شریعت پر ہے گرچہ اس طرف توجہ نہ ہو۔ واللہ اعلم

وما آتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتھوا سے مراد

اگر تو کہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی حقیقت کے ساتھ کیا مراد ہے؟ **وما آتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتھوا** (الحشر آیت ۷۔ اور رسول کریم جو تمہیں عطا فرمائیں وہ لے لو اور جس سے تمہیں روکیں تو رک جاؤ) تو جیسا کہ شیخ نے ۵۴۴ ویں باب میں فرمایا اس کا جواب یہ ہے اس سے مراد اس وحی کا بیان ہے جو رسول علیہ السلام کی زبان پر آئی۔ اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے بندوں کی طرف آیا اور دونوں حالتوں کے لئے ایک میزان ہے جو اسے خاص کرتا ہے۔ تو رسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مبارک ہاتھوں سے ہمارے پاس جو کچھ آیا ہم پر اس کا بغیر میزان کے لینا واجب ہے۔ اور جو کچھ ہمارے پاس ہمارے اور اللہ تعالیٰ کے مابین کسی واسطے کے بغیر آیا یعنی وجہ خاص کی صورت میں الہام کے ذریعے آیا ہم پر اسے میزان کے ساتھ لینا واجب ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس سے روکا ہے کہ اس سے ہر عطا حاصل کریں اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے **وما نہاکم عنہ فانتھوا**۔ پس تیرا رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام سے حاصل کرنا تیرے لئے زیادہ نفع بخش اور تیری سعادت کے حصول کا بہترین ذریعہ ہے کہ آپ معصوم ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ تیرا رسول سے حاصل کرنا مطلقاً واجب ہے اور تیرا اللہ تعالیٰ سے الہام کے طریقے سے حاصل کرنا پابندی کے ساتھ واجب ہے کیونکہ تو نے بغیر واسطہ جو لیا ہے اس میں تو معصوم نہیں۔ پس دیکھ یہ امر اس کس قدر عجیب ہے کہ تو جو کچھ رسول سے حاصل کرے وہ مطلق ہے باوجودیکہ رسول مقید ہے اور جو کچھ تو اللہ تعالیٰ سے حاصل کرے مقید ہے باوجودیکہ اللہ تعالیٰ مطلق ہے

اطلاق و تقیید کی وضاحت

پس بیشک اس میں اطلاق و تقیید کا ظہور دونوں جانب سے ہے۔ اور اس کی وضاحت یہ ہے کہ تجھے معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اس لئے نہیں بھیجا کہ ہم دھوکہ کھائیں۔ اسے تو اس لئے بھیجا ہے تا کہ ہمارے لئے وہ کچھ بیان فرمائیں جو ہماری طرف نازل کیا گیا۔ اسی لئے اس نے رسول سے حاصل کرنا ہمارے لئے مطلق رکھا اور یہ کہ آپ کے قول پر ہم بغیر کسی تقیید کے رک جائیں۔ پس ہم اس میں دھوکہ لگنے سے بے خوف ہیں۔ بخلاف اس وجہ کے ساتھ لینے کے جو کہ ہمارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان بطریق الہام ہے کہ اس میں کوئی بھی دھوکہ لگنے سے بے خوف نہیں ہے۔ کبھی اسے وہاں سے دھوکہ لگتا ہے کہ اسے شعور تک نہیں ہوتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں کے متعلق خفیہ تدبیریں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ **ومکرنا مکرا وھم لا یشعرون** (النحل آیت ۵۰۔ اور ہم نے خفیہ تدبیر کی جسے وہ سمجھ نہ سکے) نیز فرمایا **وھو خیر الماکرین** (آل عمران آیت ۵۴۔ اور اس کی خفیہ تدبیر سب سے بہتر ہے) جبکہ اس نے رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کی لئے یہ صفت مباح نہیں فرمائی۔ اور اس میں ان کے لئے کوئی قدم نہیں رکھا۔ کیونکہ یہ حضرات بیان فرمانے والے بنا کر مبعوث فرمائے گئے۔ پس انہوں نے بشارت دی اور ڈر سنایا۔ اور یہ سب کچھ سچ ہے۔ اور اس نے اپنے رسول کو میزان مقرر عطا فرمائی ہے۔

تو جو سلامتی چاہتا ہے تو اس میزان کو ہاتھ سے نہ جانے دے۔ تو جو کچھ اس کے پاس اللہ تعالیٰ کے ہاں سے واسطے کے بغیر آیا اسے اس میزان میں رکھے۔ اگر اسے قبول کرے تو حاصل کر لے اور اس پر عمل کرے اور اگر قبول نہ کرے تو اسے اللہ تعالیٰ کے لئے چھوڑ دے۔ اور جو اللہ تعالیٰ سے اخذ کرنے کا عزم کرتا ہے اور یہ ضروری ہو تو کہے لاخلاتہ یعنی کوئی دھوکہ نہ لگے۔ تو جب یہ کہہ لیا تو اگر یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سے ہو تو ثابت رہے گا۔ اور اسے حاصل رہے گا۔ اور اگر کوئی دھوکہ لگا تو اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے ساتھ اس کے آگے سے چلا جائے گا پس اسے اپنے قول لاخلابۃ کے پاس نہیں پاتا۔ کیونکہ امر خرید وفروخت کی طرح ہے گرچہ حق تعالیٰ شرط کے تحت کے داخل نہیں۔ اس کا مقام حق ذوق کے ساتھ تقاضا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ پر شرط تو وہ رکھتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے جاہل ہے یا اس پر دلالت کرتا ہے جس وقت وہ اس کے متعلق اچھا گمان کرتا ہے۔ جیسا کہ حدیث پاک میں ہے کہ میرے متعلق اچھا گمان کرے اور شیخ نے نفیس کلام کے ساتھ اس میں طویل گفتگو کی ہے۔

مزید وضاحت

اور شیخ نے ۴۸ ویں باب میں بھی اللہ تعالیٰ کے ارشاد وما آتا کم الرسول فخذ وہ وما نھا کم عنه فانتھوا کے متعلق فرمایا: یعنی یہ اس لئے کہ میں نے انہیں یہ اختیار دیا ہے کہ ہمارے بندوں کی طرف ہمارے امر اور نہی کی صریح تبلیغ کے علاوہ انہیں امر اور نہی فرمائیں۔ نیز اس میں اطیعو اللہ واطیعو الرسول و اولی الامر منکم کے متعلق فرماتے ہیں کہ جان لے اللہ تعالیٰ نے اپنے قول واطیعوا الرسول سے صرف اطیعوا اللہ پر اکتفا نہیں فرمایا باوجودیکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ (النساء آیت ۸۰۔ یعنی جو رسول کی اطاعت کرتا ہے بیشک اس نے اللہ کی اطاعت کی) کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مثل کوئی شے نہیں۔ اسی لئے قول علیحدہ بیان کیا اور واطیعو الرسول کی تصریح فرمائی اور واطیعو اولی الامر کو جدا بیان نہیں فرمایا کہ ان کو تشریع کا حق نہیں۔ وہ تو شارع کے تابع ہیں اور یہاں طویل کلام فرمایا۔

اور شیخ باب اسرار الصلوٰۃ میں فرماتے ہیں: بندے پر واجب ہے کہ جب اسے حاکم اس امر کی نصیحت کرے جس پر وہ خود عمل نہیں کرتا کہ اس کے امر کی طاعت کرے اور عمل کرے۔ اور یہ نہ کہے کہ میں اس پر عمل نہیں کروں گا یہاں تک کہ اس پر تو عمل کرے۔ کیونکہ دعوت دینے والے کے لئے شرط نہیں کہ وہ ہر اس چیز پر عمل کرے جس کی طرف دعوت دیتا ہے۔ کبھی وہ اس کی دعوت دیتا ہے جس پر فی الحال وہ خود نہیں ہے اور یہ ہر حال میں ترک دعوت سے بہتر ہے۔

دوران نماز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر سلام کی حکمت

اگر تو کہے کہ نماز میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اہل ایمان کے سلام میں کیا حکمت ہے باوجودیکہ آپ امان میں ہیں اور سلام وہ امان ہی ہے؟ تو ۷۳ ویں باب شیخ کے مطابق اس کا جواب یہ ہے کہ ایمان والوں کے لئے اس میں حکمت یہ ہے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا مقام اعتراض کا پیش خیمہ ہے گو باطن میں ہی سہی کہ یہ حضرات لوگوں کو اس چیز کا حکم دیتے ہیں جو ان کی خواہشات کے خلاف ہے جیسے کہ ان کا مقام ان کے حضور سر تسلیم خم کرنا بھی عطا کرتا ہے۔ اسی لئے ہمارے لئے مشروع ہے کہ ہم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سلام پڑھیں۔ گویا ہم آپ سے عرض کر رہے ہیں: یا رسول اللہ! آپ ہماری طرف سے اس سے امان میں ہیں کہ ہم آپ پر کسی چیز کے بارے میں جس کا آپ نے ہمیں حکم دیا یا اس سے روکا اعتراض کریں۔ انتہی۔

استجیبوا للّٰہ وللرسول سے مراد

اگر تو کہے کہ اللہ تعالیٰ قول استجیبوا للہ للرسول اذا دعاکم لما یحییکم (الانفال آیت ۲۴۔ اے ایمان والو! اللہ اور رسول کے حکم پر حاضر ہو جاؤ جب رسول تمہیں اس امر کی طرف بلائے جو تمہیں زندہ کرتا ہے) کیا مراد ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے صرف استجیبوا للرسول پر اکتفاء نہیں فرمایا حالانکہ شرع کا تعارف ہمیں صرف حضور علیہ السلام سے ہی ہوا ہے۔ تو ۵۱۹ ویں باب میں شیخ نے یہ جواب دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں دو طریقوں سے دعوت دیتے ہیں۔ اگر آپ ہمیں قرآن کریم کے ساتھ دعوت دیں تو آپ مبلغ اور ترجمان ہیں۔ جب تو یہ اللہ تعالیٰ کی دعوت ہے نہ کہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی۔ تو ہمارا اس کی تعمیل کرنا در حقیقت اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے۔ اور رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام تو سنا رہے ہیں۔ اور اگر آپ ہمیں قرآن کے علاوہ دعوت دیں تو اس وقت یہ دعوت رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہے۔ پس ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔ گرچہ دونوں صورتوں میں تعمیل ارشاد میں کوئی فرق نہیں نہ ہی دونون دعوتوں میں۔ اور حدیث پاک میں ہے کہ میں نے تمہیں قرآن کی مثل یا زیادہ احکام شرعیہ عطا فرمائے ہیں۔ اسے طبرانی وغیرہ نے روایت کیا۔ پس اس وقت رسل علیہم السلام کی تعمیل کی علت وہ سننا ہے۔ نہ کہ وہ جو کہے کہ اس نے سنا حالانکہ نہیں سنا۔ جیسا کہ اسے شیخ ۵۲۰ ویں باب میں ذکر فرمایا کیونکہ سننا ہی عین عقل ہے اس کے لئے جس کا کانوں نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سن کر ادراک کیا جو کہ خواہش سے نہیں بولتے۔ تو اس نے سنا ہوا معلوم کر لیا تو وہ علم کے معیار پر ہوگا کیونکہ علم اپنے حکم میں حاکم غالب ہے۔ اس کے سوا چارہ نہیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو علم نہیں۔ اور اسی لئے کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر قادر نہ ہوا اس حال میں کہ وہ اس معصیت پر اللہ تعالیٰ کے مواخذہ کا عقیدہ رکھتا ہو۔ انتہی۔

تعمیل حکم شارع سے انسان اور جن کے علاوہ کوئی پیچھے نہیں رہتا

اگر تو کہے جن کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث فرمائے گئے کیا انسان اور جن کے سوا ملائکہ، حیوانات، جمادات، نباتات جیسا کہ آپ کی بعثت کے عموم کی بحث میں گذر چکا میں سے کوئی شارع کے لائے ہوئے احکام کی تعمیل سے پیچھے رہا یا پیچھے رہنا انسان اور جن کے ساتھ خاص ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ جن کی طرف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مبعوث فرمائے گئے ان سب میں سے کوئی بھی پیچھے نہیں رہا سوائے ان جنوں اور انسانوں کے جو پیچھے رہے۔ اور شیخ نے ۴۹ ویں باب میں اللہ تعالیٰ کے قول وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون (الذاریات آیت ۵۶۔ اور میں نے جن وانس کو پیدا نہیں فرمایا مگر اس لئے کہ وہ میری عبادت کریں) کے بارے میں فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ عاجزی کے ساتھ جو کہ عبودیت ہے ثقلین یعنی جن وانس کے سوا کسی کو خاص نہیں فرمایا۔ باوجودیکہ یہ اپنی تخلیق کے وقت عاجز نہ تھے۔ انہیں تو مستقبل میں عجز وانکساری کرنے کے لئے پیدا فرمایا گیا۔ ثقلین کے علاوہ جنہیں پیدا فرمایا وہ اپنی اصل خلقت میں ہی عاجز تھے۔ اسی لئے خلق خدا میں سے کسی سے رسل علیہم السلام پر تکبر واقع نہیں ہوا سوائے ثقلین کے۔

تکبر ثقلین کا سبب

اگر تو کہے کہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام پر صرف ثقلین کے تکبر کا سبب کیا ہے۔ جبکہ ان دونوں کے علاوہ کسی نے تکبر نہیں کیا؟ تو اس کا جواب جیسا کہ مذکورہ باب میں ابھی شیخ نے فرمایا یہ ہے کہ ان کے تکبر کا سبب ان کی ایجاد پر اسماء میں سے اللطیف، الحنان، الرحمۃ،

الشفقت اور تنزل الٰہی کے اسماء کا متوجہ ہونا ہے۔ تو جب حق تعالیٰ نے انہیں اس وجود کی طرف نکالا تو انہوں نے اپنے سوا کسی کے لئے عظمت دیکھی نہ عزت اور نہ ہی کبریائی۔ اور انہوں نے نفوس کو دیکھا کہ یہ اپنے وجود میں لطف اور میلان کی طرف اعتماد کئے ہوئے ہیں اس لئے کہ حق تعالیٰ نے جب انہیں دنیا کی طرف نکالا تو ان کے لئے اپنی عظمت، کبریائی، جلال اور جبروت میں سے کچھ بھی ظاہر نہ فرمایا۔ تو انہوں نے کہا: اے ہمارے رب! تو نے ہمیں کس لئے پیدا فرمایا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا: تاکہ تم میری عبادت کرو۔ یعنی تاکہ تم میرے حضور عاجز بنو۔ تو انہوں نے قہر اور غلبہ کی صفت نہ دیکھی جو انہیں عاجز کرے۔ اور انہوں نے دیکھا کہ حق تعالیٰ نے عاجز بننے کا فعل ان کی طرف منسوب فرمایا ہے تو انہوں نے اس لئے تکبر کیا اور اگر اللہ تعالیٰ ان کے لئے یہ فرماتا کہ میں نے تمہیں پیدا نہیں کیا مگر تمہیں عاجز کرنے کے لئے تو اس کلمہ کے رعب اور قہر کے خوف سے اپنے نفسوں سے ذلت دیکھ لیتے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین سے فرمایا ائتیا طوعا او کرھا قالتا اتینا طائعین (حم السجدہ آیت ۱۱۔ آجاؤ خوشی سے یا مجبور ہوکر، دونوں نے عرض کی ہم خوشی خوشی حاضر ہیں) تو انہوں نے اللہ کے قول اور او کرھا کی وجہ سے اتینا طائعین کہا۔ اسے سمجھ لے۔ اور رہا ثقلین (جن وانس) کے علاوہ کسی چیز کے تکبر نہ کرنے کا سبب تو اس لئے کہ ان کی ایجاد کی طرف اسماء الٰہیہ میں سے جبروت، کبریائی، عظمت، عزت اور قہر کے اسماء متوجہ ہوئے۔ اسی لئے وہ سب اس قہر الٰہی کے تحت عاجز ہوکر ظاہر ہوئے۔ تو ان میں سے کسی کے لئے ہمت نہ ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے کسی کے سامنے سر اٹھائے۔ چہ جائیکہ اللہ تعالیٰ کے رسولوں کے سامنے سر اٹھائے۔ اور نہ یہ کہ اپنے نفس میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے کسی پر بڑائی کا ذوق پائے۔ انتہی۔ پس اس پر غور کر کہ بہت نفیس ہے تو اسے کسی کتاب میں نہیں پائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اڑتیسویں بحث

اس بیان میں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد سب مخلوق سے افضل انبیاء ہیں

جو کہ رسول بنائے گئے پھر وہ انبیاء جو کہ رسول نہیں ہیں۔ پھر خواص ملائکہ، پھر ان کے عوام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ہم مرسلین کے مابین علی التعیین فضیلت میں بات کرنے سے خاموشی اختیار کرتے ہیں مگر نص صریح کے ساتھ۔

جان لے کہ اس بارے میں علماء کی نقول مختلف ہیں کہ ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد مرسلین اور ملائکہ میں سے افضل کون ہے۔ پس ہر کسی نے وہی گفتگو کی جو قرائن احوال اور کتاب وسنت کے ظواہر سے اس کے لئے ظاہر ہوئی۔ کیونکہ ایسی نص صریح موجود نہیں جس پر وہ اعتماد کریں۔ جب تجھے یہ معلوم ہوگیا تو پہلے ہم اصولیوں کے کلام سے بحث شروع کرتے ہیں۔ پھر محقق صوفیاء کا کلام پیش کریں گے۔ پس ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کہتے ہیں۔

مسئلہ فضیلت علماء اصول کے حوالے سے۔ امام صفی الدین کا بیان

امام صفی الدین ابی المنصور نے فرمایا کہ ہمارا عقیدہ ہے کہ ہمارے نبی پاک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد تمام رسل تمام ملائکہ سے افضل ہیں۔ البتہ ہمارے اور معتزلہ کے درمیان اختلاف ہے۔ اور یہ کہ خواص ملائکہ عام انبیاء سے افضل ہیں۔ اور عام انبیاء جملہ ملائکہ سے افضل ہیں۔ اور عام ملائکہ افضل ہیں عام مومنین سے۔ ہر نوع کی فضیلت کا اعتبار اس کے ساتھ ہوگا جو کہ دوسری نوع سے

اس کے مقابل ہے۔ اور یہ کہ نبوتیں مقام کے ساتھ ایسی فضیلت رکھتی ہیں جو کہ ان کے وسیع اور تنگ سب کو شامل ہے پس ان کے ساتھ کسی کو مقام نبوی میں مشارکت نہیں ہے مگر بالتبع وراثت کے حکم کے ساتھ۔ اور اس کے بعد والی بحث میں عموم ملائکہ سے مراد کا بیان آئے گا۔ ادھر رجوع کر۔ انتہی۔

شیخ کمال الدین بن ابی شریف اور دیگر علماء کے بیانات

اور شیخ کمال الدین بن ابن شریف کی عبارت شرح جمع الجوامع پر ان کے حاشیہ میں یہ ہے کہ ہمارے نبی پاک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد افضل انبیاء ہیں۔ پھر ملاء اعلی کے ملائکہ۔ انتہی۔ اور صاحب المواقف کی عبارت یہ ہے کہ اس میں کوئی جھگڑا نہیں کہ انبیاء زمینی ملائکہ سے افضل ہیں۔ اختلاف آسمانی ملاء اعلیٰ کے ملائکہ کے بارے میں ہے۔ انتہی۔ برماوی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت یہ ہے کہ انبیاء بنی آدم جیسے کہ رسل وغیرہم، ملائکہ سے افضل ہیں اور ان کے یعنی بنی آدم کے خواص جیسے انبیاء ان کے یعنی ملائکہ کے خواص سے افضل ہیں۔ اور ان کے عوام، ان کے عوام سے افضل ہیں اور بنات آدم، حور عین سے افضل ہیں۔ انتہی۔

اور شیخ السنۃ امام ابوالحسن البیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت یہ ہے۔ اور انسانوں سے اولیاء ملائکہ سے اولیاء سے افضل ہیں اور عوام بشر ملائکہ کے عوام سے افضل ہیں یعنی بشر کے صلحاء ملائکہ کے صلحاء سے افضل ہیں۔ انتہی۔ اور عوام سے مراد فاسق نہیں ہیں کیونکہ ملائکہ میں کوئی فاسق نہیں ہے۔ یہ ابن ابی شریف کا قول ہے۔ انتہی۔

شیخ محی الدین کی عبارت

رہی عبارت شیخ محی الدین کی تو آپ نے فتوحات کے ۷۳ ویں باب میں فرمایا ہے: جان لے کہ مختار مذہب مرسلین کے بارے میں علی التعیین عقل کے ساتھ ایک دوسرے سے فضیلت بیان نہ کرنا ہے۔ باوجودیکہ ہمارا اس پر ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان میں سے بعض، بعض سے افضل ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ مرسلین کے مقام میں غور و خوض کرنا غیر ضروری کام ہے۔ تو معلوم ہوا کہ ہم تفصیل کے بغیر ان کی باہمی فضیلت کا عقیدہ رکھتے ہیں اور ضروری ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعض** (یہ سب رسول ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ البقرہ آیت ۲۵۳) اور ہمارے لئے معین نہیں فرمایا کہ افضل کون ہے؟ اور یہ معلوم ہے کہ ہمیں مقامات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں ذوق نہیں حتیٰ کہ ان کے متعلق کلام کریں۔ ہمارے امر کی انتہا یہ ہے کہ ہم اپنے مقام کے مناسب وراثت کے مطابق بات کریں۔ اس مقام میں مقام کہاں تو چاہیئے کہ مقام رسول کے بارے میں صرف رسول اور مقام انبیاء کے متعلق صرف نبی ہی گفتگو کرے۔ اور نہ ہی مقام وارثین میں کوئی گفتگو کرے مگر رسول یا نبی یا ولی یا وہ جو ان میں سے ہے۔ یہ ہے ادب الٰہی۔ اور اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں بتایا نہ ہوتا کہ آپ اولاد آدم کے سردار ہیں ہمیں اپنی سمجھ کے ساتھ بات کرنا درست نہ ہوتا۔ انتہی۔

(اقول و باللہ التوفیق۔ مذکورہ بالا عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ صرف اپنی سمجھ کے مطابق یہ کہنا درست نہیں کہ فلاں رسول یا نبی فلاں سے افضل ہے کیونکہ ان حضرات کے بلند و بالا مقامات تک عقل انسانی کی رسائی نہیں۔ ورنہ قرآن و سنت بیان افضلیت سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق تو بحر ناپیدا کنار ہیں۔ اور دیگر رسل کرام علی نبینا وعلیہم السلام کے درجات رفیعہ بھی لائح و فائح۔ البتہ اس انداز میں

افضلیت کی بات نہ کی جائے کہ اس سے دوسرے رسول یا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمت مجروح ہو۔ محمد محفوظ الحق غفرلہٗ)

شیخ اکبر کے لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد کون کس سے افضل کی اطلاع

اور شیخ نے فتوحات میں نماز جمعہ پر کلام فرماتے ہوئے فرمایا: مجھے اللہ تعالیٰ نے اس پر اطلاع بخشی ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد رسل میں سے ترتیب کے ساتھ کون افضل ہے اور اگر رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نہ فرمایا ہوتا کہ انبیاء کے مابین فضیلت کی بات نہ کرو تو میں اسے معین کر دیتا لیکن میں نے اسے اس لئے چھوڑ دیا کہ اس سے بعض قلوب کو تشویش لاحق ہوگی جنہیں کشف حاصل نہیں۔ لیکن جو نص صریح یا کشف مستحکم پائے وہ اس کا قائل ہے۔ انتہی۔

اور آپ نے ۴۶۲ ویں باب میں فرمایا ہے کہ ہم رسل وانبیاء کے مرتبوں کی معرفت نہیں رکھتے مگر ختم عام کے ساتھ جس کے ساتھ آخری زمانے میں اللہ تعالیٰ ولایت محمدیہ کو مہر لگائے گا۔ اور وہ عیسیٰ بن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ تو آپ ہی تحقیق کے ساتھ مقام رسل کی ترجمانی فرمائیں گے کہ آپ ان میں سے ہیں۔ رہے ہم تو ہمارے لئے اس سمت کوئی راہ نہیں ہے۔ انتہی۔

اور اپنی شرح ترجمان الاشواق میں فرماتے ہیں کہ مقام انبیاء میں ہمیں کوئی ذوق نہیں حتیٰ کہ ہم اس پر گفتگو کریں۔ ہم تو اسے یوں دیکھتے ہیں جیسے پانی میں ستاروں کو دیکھتے ہیں جیسا کہ ولایت کی بحث میں اس کی تفصیل آرہی ہے۔

اور میں نے سیدی علی الخواص رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ علی التعیین انبیاء علیہم السلام کو باہمی فضیلت میں کشف کے بغیر بات کرنا فضول ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا منهم من كلم الله اور یہ ارشاد واتخذ الله ابراهيم خليلا اس سے دونوں میں سے ایک کی دوسرے پر یقین کے ساتھ فضیلت کی دلیل نہیں لی جاسکتی کہ اس کا علم نہیں کہ دونوں مقامات میں سے کون سا افضل ہے خلت یا کلام۔ انتہی اور میں نے آپ کو یہ بھی فرماتے ہوئے سنا کہ جو رسل کے درمیان فضیلت کی بات اپنی عقل کے ساتھ کرے تو اس پر یہ بات صادق آتی ہے کہ اس نے رسل علیہم السلام کے درمیان تفریق کی۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ لا نفرق بين احد من رسله۔ گرچہ اس تفریق سے مراد مفسرین کے نزدیک بعض پر ایمان اور بعض کا انکار ہے۔ پس اسے سمجھ۔ انتہی اور شیخ محی الدین نے فتوحات کے ۷۳ ویں باب میں اسی قسم کی گفتگو کی ہے۔

فضیلت رسل کی حقیقت

اگر تو کہے کہ کیا بعض رسل علیہم السلام کی بعض پر فضیلت اس حیثیت سے ہے کہ وہ رسل ہیں یا کوئی اور بات؟ تو اس کا جواب شیخ نے ۲۵۸ ویں باب میں یہ دیا ہے بعض رسل کو بعض پر فضیلت اس حیثیت سے نہیں دی گئی کہ وہ رسل ہیں۔ اور اسی طرح انبیاء کو بعض پر فضیلت اس حیثیت سے نہیں دی گئی کہ وہ انبیاء ہیں۔ انبیاء اور رسل کی فضیلت دیگر احوال کی وجہ سے ہے جو کہ عین وہ چیز نہیں جس میں اشتراک واقع ہوا ہے کیونکہ کوئی گروہ نہیں جو کہ ایک مقام میں شریک ہوں مگر وہ اس میں برابر ہوتے ہیں جس میں شریک ہوں۔ یہ ہے نبیاد۔ اور کبھی وہ جس کے ساتھ باہم فضیلت واقع ہو باہم برابری تک لے جاتا ہے جیسا کہ یہ امام ابوالقاسم بن قسی رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کی ہمنوا جماعت کا مذہب ہے۔ پس رسل میں سے ہر رسول ایک وجہ سے فاضل اور دوسری وجہ سے مفضول ہوگا۔ پس ہر ایک کی فضیلت ایسے امر کے ساتھ ہوگی جو اس کے غیر کے ہاں نہیں ہوگا۔ اور اس مفضول کی فضیلت ایسے امر کے ساتھ ہے جو کہ فاضل کے پاس نہیں ہے۔ پس

اس وجہ سے کہ مفضول اس کے ساتھ خاص ہے فضیلت پاتا ہے اس پر جس پر اسے فضیلت ہے۔

شیخ محی الدین کا مسلک

شیخ محی الدین فرماتے ہیں: ہمارا مذہب اس کے خلاف ہے پس ایک کے لئے وہ سب کچھ جمع کر دیا جاتا ہے جو جماعت کے لئے ہے جیسے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔ پس آپ جماعت پر ان تمام صفات کے ساتھ فضیلت حاصل کئے ہوئے ہیں جن کی وجہ سے بعض کو بعض پر فضیلت حاصل ہے۔ کسی امر زائد کے ساتھ نہیں۔ پس آپ ہر ایک ایک سے افضل ہیں۔ پس آپ اس مجموعے کے ساتھ سب الجماعت ہیں۔ پس اپنی فضیلت میں کبھی بھی ایسے امر میں منفرد نہیں ہیں جو کہ اس جنس کی اکائیوں کے پاس نہیں۔ انتہی۔

پھر شیخ نے فتوحات کے ۳۷ ویں باب میں ۲۹ ویں جواب میں ابن قسی کا جواب نقل فرمایا۔ پھر فرماتے ہیں اور اس قول کے قائل جو کہ ابن قسی کا اور آپ کے پیروکاروں کا قول ہے وجہ حق کے تقاضے پر قول نہیں لکھا باوجودیکہ اس کا شمار اہل کشف میں ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں: ہم تو اس کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے قول ولقد فضلنا النبیین علی بعض (بنی اسرائیل آیت ۵۵ اور بیشک ہم نے بعض انبیاء کو بعض پر فضیلت بخشی) سے سمجھ میں آنے والی باہمی فضیلت کا مسئلہ یہ ہے کہ ہم نے ایک کو جو کچھ فضیلت عطا فرمائی وہ دوسرے کو عطا نہیں کی اور جو اسے عطا کی وہ اسے نہیں دی۔ لیکن شرف کے مختلف مرتبے ہیں۔ تو ان میں سے کوئی وہ ہے جسے اپنے دونوں ہاتھوں سے تخلیق فرمایا جیسے اس کی شان کے لائق ہے اور اس کے سامنے اپنے ملائکہ کو سجدہ ریز کیا اور وہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ اور ان میں کسی کو کلام سے مشرف فرمایا جیسے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ اور ان میں سے کسی کو خلت کی فضیلت بخشی جیسے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ تو کسی کو صفوت سے نوازا اور وہ یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ تو یہ سب کی سب مجد وشرف کی صفات ہیں۔ نہیں کہا جا سکتا کہ تخلیق فرمانا اس کے کلام سے برتر ہے۔ اور نہ ہی اس کا کلام اس کے اپنے دونوں ہاتھوں کے ساتھ تخلیق کرنے سے افضل ہے کیونکہ یہ تمام ایک ہی ذات کی طرف راجع ہیں جو کہ کثرت قبول کرتی ہے نہ تعداد۔ نیز تمام مرتبے اسماء الٰہیہ اور حقائق ربانیہ کے ساتھ مربوط ہیں۔ اور جو ان میں باہم فضیلت کی بات کرتا ہے تو گویا وہ کہہ رہا ہے کہ اسماء الٰہیہ کا بعض، بعض سے افضل ہے۔ جبکہ شرعاً اور عقلاً اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔ انتہی۔

اشعریہ اور معتزلہ کا اختلاف

رہا مسئلہ باہمی فضیلت اور اختلاف کا جو کہ اشعریہ اور معتزلہ کے درمیان قائم ہے کہ کہتے ہیں فرشتہ افضل ہے خواص البشر سے اور اس کا عکس۔ تو شیخ محی الدین اپنی کتاب لواقح الانوار میں فرماتے ہیں کہ میرے لئے خواص البشر اور ملائکہ کے درمیان باہم فضیلت میں اختلاف کی وجہ ظاہر نہیں ہوئی۔ کیونکہ باہم فضیلت کی شرط ہے کہ ایک ہی جنس میں ہو جبکہ بشر اور فرشتہ دو جنسیں ہیں۔ تو نہیں کہا جاتا کہ مثلاً گدھا افضل ہے گھوڑے سے۔ صرف یہ کہا جاتا ہے کہ یہ گدھا اس گدھے سے افضل ہے۔ اللھم۔ مگر یہ کہ کہا جائے کہ تفاضل درحقیقت حقائق میں ہے جو کہ ارواح ہیں۔ اور ارواح بشر ملائکہ ہیں۔ پس جب تو فرشتہ انسان کا جز ہے پس کل جز سے ہے اور جز کل سے ہے۔ انتہی۔ اس پر اور آپ کے ماقبل کے کلام میں غور وفکر کیا جائے اور گہرائی سے دیکھا جائے۔

(اقول وباللہ التوفیق۔ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی باہمی فضیلت اور خصوصاً سید الانبیاء والمرسلین صلوات اللہ تعالیٰ

وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین کے متعلق ماقبل میں جو کچھ مسطور ہے اہل کشف کے کشف وتحقیق پر مبنی ہے جس میں گہرائی ہے اور وسعت بھی۔ اوران تمام مندرجہ حقائق کا ضبط ایک عام قاری کے لئے بجائے خود ایک مسئلہ ہے۔ اس لئے حقیقت مسئلہ تک سادگی اور آسانی کے ساتھ رسائی کے لئے مناسب معلوم ہوا کہ صدر الشریعہ مولانا امجد علی صاحب اعظمی قدس سرہ کی تالیف بہار شریعت جو کہ اردو زبان میں شہرہ آفاق دستور فقہ ہے کے دو ایک اقتباسات نقل کردو چنانچہ آپ بہار شریعت حصہ اول ص ۱۶ پر لکھتے ہیں ''نبیوں کے مختلف درجے ہیں۔ بعض کو بعض پر فضیلت ہے اور سب میں افضل ہمارے آقا و مولی سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ حضور کے بعد سب سے بڑا مرتبہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا ہے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کا۔ ان حضرات کو مرسلین اولوالعزم کہتے ہیں۔ اور یہ پانچوں حضرات باقی تمام انبیاء ومرسلین انس وملک وجن وجمع مخلوقات الٰہی سے افضل ہیں۔ جس طرح حضور تمام رسولوں کے سردار اور سب سے افضل ہیں بلاتشبیہہ حضور کے صدقہ میں حضور کی امت تمام امتوں سے افضل۔

نیز ص ۱۸ پر راقم طراز ہیں ''حضور افضل جمیع مخلوق الٰہی ہیں کہ اوروں کو فرداً فرداً جو کمالات عطا ہوئے حضور میں وہ سب جمع کر دیئے گئے اور ان کے علاوہ حضور کو وہ کمالات ملے جن میں کسی کا حصہ نہیں بلکہ اوروں کو جو کچھ ملا حضور کے طفیل میں۔ بلکہ حضور کے دست اقدس سے ملا۔ بلکہ کمال اس لئے کمال ہوا کہ حضور کی صفت ہے۔ اور حضور اپنے رب کے کرم سے اپنے نفس ذات میں کامل واکمل ہیں۔ حضور کا کمال کسی وصف سے نہیں بلکہ اس وصف کا کمال ہے کہ کمال کی صفت بن کر خود کمال وکامل ومکمل ہوگیا کہ جس میں پایا جائے اس کو کامل بنا دے۔ الناقل محمد محفوظ الحق غفرلہ، ولوالدیہ)

ابن آدم کی افضیلت کی وجہ میں غلطی

اور شیخ نے فتوحات کے ۷۴ ویں باب میں فرمایا: ایک گروہ نے اپنے اس قول میں غلطی کی کہ ابن آدم فرشتے سے اس لئے افضل ہے کہ ابن آدم کے لئے علم میں ترقی ہے جبکہ فرشتے کے لئے ترقی نہیں۔ اور انہوں نے کسی صنف کو اور نہ ہی مرتبوں میں سے کسی مرتبہ کو جس سے فضیلت واقع ہوتی ہے مقید کیا سوائے ابن آدم کے ترقی پذیر ہونے کے بخلاف فرشتے کے۔ شیخ فرماتے ہیں کہ ان کی غلطی کی وجہ کشف کا نہ ہونا ہے۔ اگر ان کے لئے کشف ہوتا تو وہ انس وجن اور ملائکہ وغیرہم میں سے ہر ذی حیات کے لئے جو کہ موت کے ساتھ متصف ہے دنیا، برزخ اور آخرت میں علم میں ترقی لازمی دیکھتے۔ اور اگر ملائکہ کے لئے علم میں ترقی نہ ہوتی اور اس میں اضافے سے محروم ہوتے تو آدم سے علم کی زیادتی قبول نہ کرتے جب آپ نے ان کو تمام اسماء کی تعلیم دی۔ بیشک آدم، علم الٰہی بالاسماء کے حوالے سے ان سے بڑھ گئے جو کہ ان کے پاس نہیں تھے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتقدیس کی۔

اگر تو کہے کہ پھر تو ملائکہ ترقی بالعلم میں ہمارے مساوی ہوئے؟ تو جواب یہ ہے کہ ہاں۔ بخلاف ترقی بالعمل کے پس ان کے لئے اعمال نہیں ہیں جن کے ساتھ ترقی کریں۔ جس طرح کہ ہم جنت میں ان اعمال کی وجہ سے ترقی نہیں کریں گے۔ جنہیں وہاں اپنائیں گے۔ کیونکہ تکلیف شرعی ختم ہو چکی۔ پس ہم اور وہ اس بارے میں آخرت میں برابر ہیں۔

اگر تو کہے کہ کیا ہم نے علم واعمال کی وجہ سے ہمارے غیر پر ہمارے شرف کے حوالے سے ترقی کی یا یہ ابتلائی طور پر ہے؟ تو جیسا کہ شیخ محی الدین نے فرمایا اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ابتلاء کے طور پر ہے تاکہ حق تعالیٰ اس کے ساتھ ہمیں آزمائے۔ اور اس بات کو اس نے

نہیں سمجھا جس نے کہا کہ کامل بشر اپنی ترقی کی حیثیت سے مطلقاً افضل ہے۔ اور اگر انہیں علم ہوتا کہ یہ ابتلاء ہے تو اس کے ساتھ انہیں فضیلت حاصل نہ ہوتی۔

خواص البشر کے افضل ہونے کی دلیل، علم حق کا خزانہ

اور شیخ نے ۳۶۷ ویں باب کے اواخر میں فرمایا ہے اشعریہ کے اس قول کی تائید کہ خواص البشر اپنے غیر سے افضل ہیں حق تعالیٰ کی اس صفت سے ہوتی ہے کہ جب سے آدم کی تخلیق ہوئی اس وقت سے لے کر حق تعالیٰ کی زیارت کبھی نہیں ہوئی مگر اس کی صورت میں۔ یہ اس کے شرف اور استقامت کی بنا پر ہے۔ جبکہ تخلیق آدم سے پہلے وہ خواب میں زیارت کرنیوالے کے لئے جہاں میں موجود ہر صورت میں تجلی فرماتا۔ اور یہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ سارے جہان سے مقصود صرف انسان کامل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جب اسے تخلیق فرمایا اس کے تمام حقائق سارے جہان میں پھیلے ہوئے تھے۔ پس حق تعالیٰ نے انہیں تمام جہان سے ندا دی پس وہ جمع ہو گئے تو ان سب سے انسان معرض وجود میں آیا۔ پس یہ خلیفہ اعظم اور اللہ تعالیٰ کے علم کا خزانہ ہے۔ انتہی۔

(اقول و باللہ التوفیق۔ دنیوی امراء حکام اور سربراہان ممالک کے خزانے عام طور پر ختم نہیں ہوتے۔ اس قدر وسیع کہ سارا ملک اس خزانے پر پلتا اور یہ خزانہ ان کی ضروریات پوری کرتا ہے۔ یہاں اندازہ کریں۔ کہ ذات حق نے اپنے حلیفہ اعظم کو جو علم کا خزانہ عطا فرمایا اس کی حد کیا ہوگی؟ برصغیر کے خوارج کے لئے لمحہ فکریہ جنہیں رحمت عالم نور مجسم خلیفہ اعظم فخر آدم و بنی آدم جناب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم شریف کی وسعتیں پریشان کرتی ہیں۔ اور اہل ایمان کو جھٹ سے ایمان کی بجائے شرک کی دلدل میں دھکیلنا شروع کر دیتے ہیں اس سلسلے میں تسکین خاطر کے لئے اور حقیقت مسئلہ کو ذہن میں تازہ کرنے کے لئے ۳۵ ویں بحث کے آخر میں خاتمہ کے عنوان کے تحت جو کچھ ثبت ہے اسے ذرا دیکھ لیا جائے۔ علوم و نعم خداوندی کے حصول میں پوری کائنات بشمول انبیاء مرسلین علیہم السلام حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آستانہ پاک کی محتاج ہے۔ جسے جو کچھ ملتا ہے آپ کے در اقدس سے ملتا ہے۔ علوم اولین و آخرین آپ کے ہی خزانہ پاک کا ایک حصہ ہیں کہ آپ تو علم حق کا خزانہ ہیں۔ چنانچہ امام العرب والعجم حضور امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز کیا مبنی بر حقیقت بیان فرماتے ہیں:

مصطفی نور جناب امر کن — آفتاب برج علم من لدن
معدن اسرار علم الغیوب — برزخ بحرین امکان و وجوب
مہر نابان علوم لم یزل — بحر مکنوفات اسرار ازل

(محمد محفوظ الحق غفرلہ، والولدایہ

ہر کسی کے لئے مقام معلوم ہے

اگر تو کہے کہ جب فرشتہ بشر کی طرح ترقی کرتا ہے تو جبریل کے اس قول کا معنی کیا ہے؟ **وما منا الا له مقام معلوم** (الصافات آیت ۱۶۴۔ اور ہم میں سے کوئی ایسا نہیں مگر اس کے لئے مقام متعین ہے) اور کیا فرشتے کے علاوہ ساری مخلوق کے لئے اسی طرح مقام متعین ہے یا یہ فرشتے کے ساتھ خاص ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ ہاں۔ ہر مخلوق کے لئے اللہ تعالیٰ کے علم میں مقام معین مقدر۔ جو کہ ا

مخلوق سے غیب میں ہے اور ہر شخص اپنے سانس کی انتہاء کے ساتھ اسی کی طرف پہنچتا ہے۔ پس آخری سانس متعین ہوتا ہے کہ یہ اس کا مقام معلوم ہے جس پر وہ فوت ہوتا ہے۔ اور اسی لئے سلوک کی طرف دعوت دی گئی۔ پس لوگ عالم بالا میں دعوت شرعیہ قبول کرنے کی وجہ سے اور عالم سفلی میں امر ارادی قبول کرنے کی وجہ پر چلے جہاں سے کہ انہیں علم نہیں ہوتا مگر مراد واقع ہونے کے بعد۔ پس ثقلین میں سے ہر شخص سلوک میں اس مقام تک پہنچتا ہے جو اس کے لئے معین ہے۔ تو ان میں سے بد بخت ہے اور نیک بخت۔ پس ان دونوں کے سوا سب مخلوق اپنے مقام میں ہے۔ اس سے نیچے نہیں اترتی۔ پس اسے اس کی ضرورت نہیں کہ اس مقام کی طرف اسے سلوک کا امر دیا جائے کہ وہ اس میں مقیم ہے۔ برابر ہے کہ فرشتہ ہو یا حیوان یا معدن یا نباتات پس وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں نیک بخت ہے۔ اسے کوئی شقاوت نہیں پہنچی۔ پس تیرے لئے واضح ہو گیا کہ ثقلین فرشتوں کے اس قول میں داخل ہیں ومامنا الا له مقام معلوم۔ واللہ اعلم۔

شیخ محی الدین پر تفضیل ملائکہ علی خواص البشر کا بہتان

اے بھائی! جان لے کہ خواص البشر پر ملائکہ کی فضیلت کا قول شیخ محی الدین کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور میں نے مصر میں فتوحات کے نسخوں میں یہی دیکھا ہے۔ جبکہ ہم اس سے پہلے خطبہ میں بیان کر چکے ہیں مصر کے نسخوں میں شیخ کے خلاف سازش کی گئی ہے اور میں نے قونیہ میں شیخ کے نسخہ پر جو کہ آپ سے سند کے ساتھ مروی ہے۔ پیش کئے گئے نسخہ میں جو دیکھا وہ یہ ہے کہ خواص البشر افضل ہیں خواص ملائکہ سے اور اس کی تائید شیخ کا وہ شعر کرتا ہے جو کہ آپ نے ۳۸۳ ویں باب کے آغاز میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواص ملائکہ پر فضیلت کے لئے طویل کلام کے بعد فرمایا ہے۔

اور ہم نے جو کچھ کہا اس تک رسائی نہیں ہو سکتی مگر اس جلیل المرتبت ذات کی جو کہ عالم بالا اور رسل سے آگے گزر گئے ہوں۔

وہ رسول ہیں۔ اللہ کے رسول۔ ہمارے احمد، وسیلہ کے مالک، اپنے اوصاف میں بہمہ وجوہ کامل۔ پس اس سے پرہیز کر کہ تو شیخ کی طرف معتزلہ کے مذہب کا قائل ہونا منسوب کرے جو کہ فرشتے کی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فضیلت کو شامل ہے اور اللہ تعالیٰ تیری ہدایت کا وارث ہو۔

انتالیسویں بحث

ملائکہ کی صفت۔ ان کے پروں اور ان کے حقائق کے بیان میں

اور ان نفیس مسائل کے ذکر میں جو کہ ان کے ساتھ متعلق ہیں جو کہ ملائکہ کے بارے میں تصنیف کرنے والوں میں سے کسی کی کتاب میں نہیں ملتے۔ کیونکہ اس بحث کا اصل مقام کشف ہے اور اس میں نقول بہت نایاب ہیں۔

جان لے کہ ۳۳ ویں بحث میں ملائکہ کے وحی لے کر نازل ہونے کے بیان میں نفیس مسائل پہلے گزر چکے ہیں۔ اس طرف رجوع کر۔ اور ہم یہاں جو بات خصوصاً بیان کر رہے ہیں یہ ہے کہ تجھے معلوم ہو کہ اہل حق کے نزدیک ملائکہ اجسام لطیفہ ہیں جنہیں مختلف صورتوں میں متشکل اور متبدل ہونے کی قوت حاصل ہے۔ مشکل کاموں کی قدرت رکھتے ہیں۔ معزز بندے ہیں۔ طاعات پر ہمیشگی کرنے والے، خلاف ورزیوں اور فسق سے معصوم اور مرد اور عورت ہونے کی صفت سے پاک ہیں جیسا کہ اس بحث میں اس کی وضاحت آئے گی انشاء اللہ العزیز۔

ستارے سورج اور چاند کیا ہیں؟

اگر تو کہے کہ کیا ستارے، سورج اور چاند فرشتے ہیں یا فرشتوں کی نشستگا ہیں ہیں۔تو جیسا کہ فتوحات کے ساٹھویں باب میں شیخ نے فرمایا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ تمام ستارے، سورج اور چاند ملائکہ کے لئے سواریاں ہیں۔اور یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں میں فرشتوں میں سے نقیب یعنی رئیس مقرر فرمائے ہیں۔اور ہر فرشتے کے لئے ایک ستارہ ہے جو اس کا مرکب ہے۔اس میں تیرتا ہے اور افلاک کی ڈیوٹی لگائی جو کہ انہیں ہر روز دورہ کراتے ہیں۔پس مملکت سماویہ وارضیہ کے احوال میں سے کچھ بھی ہے ان پر پوشیدہ نہیں رہتا۔اور ان درجات والے ملائکہ میں سے لشکر، امراء، وزراء اور بادشاہ ہیں۔اور ان کا طویل ذکر کیا۔پھر فرمایا تو جو بادشاہ اپنی رعیت کے احوال پر نظر نہ رکھے اور ان کے درمیان عدل رائج نہ کرے اور ان کے ساتھ اس احسان کا معاملہ نہ کرے جو کہ ان کے لائق ہے تو وہ ملامت کا مستحق ہوتا ہے۔

آسمانی اور زمینی حکام میں مناسبت

اگر تو کہے کہ کیا آسمانوں کے حکام اور زمین کے حکام کے مابین مناسبتیں ہیں؟ تو جواب یہ ہے آسمانی اور زمینی حکام کے درمیان مناسبتیں ہیں اور آسمانی حکام لطائف ہیں جو کہ عدل کی وجہ سے مقام زمینی تک پہنچتے ہیں جو کہ آلودگیوں سے مبرا اور عیوب سے پاک ہیں۔پس ان زمینی حکام کی ارواح اپنی استعداد کے مطابق ملائکہ کی ارواح اور ان کے لطائف سے قبول کرتی ہیں۔تو زمینی حکام میں سے جس کی استعداد قوی اور اچھی ہو وہ اس امر کو قبول کرتا ہے جو کہ لطائف ملائکہ سے اس کے پاس پاک، آلودگیوں سے مبرا، تبدیلی کے بغیر اپنی اصلی صورت میں پہنچا۔پس وہ والی عدل اور امام فضل ہوگا۔اور جس کی استعداد ردی ہوگی وہ اس امر ظاہر کو قبول کر کے اسے گھٹیا اور قبیح صورت کی طرف لوٹا دیتا ہے تو وہ ظالم حاکم اور سلطان جائز ہوگا۔پس اپنے آپ کی ہی ملامت کرے۔انتہی۔اور شیخ نے التنزلات الموصلیہ میں اس پر شرح وبسط سے کلام فرمایا ہے۔

اگر تو کہے کہ کیا فرشتے میں یہ قوت ہے کہ جنات کی طرح جس حالت میں چاہے بدل جائے؟ تو جواب یہ ہے کہ ہاں جیسے کہ اول بحث سے گزر چکا۔

کامل انسان کی قوت فرشتے میں نہیں

اگر تو کہے کہ کیا کامل انسان کی قدرت میں یہ ہے کہ فرشتوں کی طرح دوسرے کی شکل میں ظاہر ہو جائے؟ تو اس کا جواب جیسے کہ شیخ نے ۳۱۱ ویں باب میں فرمایا ہے یہ ہے کہ کامل انسان کی قوت میں ہے کہ وہ کسی دوسرے انسان کی شکل میں ظاہر ہو جائے جیسے قضیب البان الموصلی وغیرہ۔جبکہ ملائکہ میں سے کامل کی وسعت میں نہیں کہ کسی دوسرے فرشتے کی شکل میں ظاہر ہو۔پس جبریل یہ قدرت نہیں رکھتے کہ صورت اسرافیل میں ظاہر ہوں اور نہ ہی اس کے برعکس۔تو معلوم ہوا کہ انسان کی قوت میں وہ کچھ ہے جو کہ فرشتے کی قوت میں نہیں۔

فرشتوں میں تفاضل کا مسئلہ

اگر تو کہے کہ ملائکہ میں سے علی الاطلاق کون سب سے بڑا ہے جیسے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عظمت اور بڑائی کی یہ صورت

حال ہے تو جواب یہ ہے کہ اس کے متعلق ہم کسی نص پر مطلع نہیں ہوئے۔ اور کسی کے لائق نہیں کہ اپنی عقل کے ساتھ ملائکہ سماویہ کے مابین اور نہ ہی ان کے علاوہ باہم فضیلت بیان کرے۔ پس یہ نہ کہا جائے کہ جبریل، اسرافیل سے اور نہ یہ کہ میکائیل سے افضل ہیں۔ اور نہ یہ کہ عزرائیل، اسماعیل سے افضل ہیں جو کہ آسمان دنیا کا فرشتہ ہے، مگر نص صریح کے ساتھ۔

(اقول وباللہ التوفیق، مسئلہ تفاضل ملائکہ کے بارے میں مذکورہ بالا وضاحت ارباب کشف واحوال کا مسلک ہے جو کہ امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں ذکر فرمایا۔ حالانکہ امام شعرانی نے خود اپنی عظیم تالیف لواقح الانوار فی طبقات الاخیار المعروف طبقات کبری میں اکابر اولیاء اللہ کے مناصب علی التعیین بیان فرمائے ہیں۔ چنانچہ شیخ ابو مدین مغربی قدس سرہ کے حوالے سے ناقل ہیں کہ آپ نے فرمایا ہے **کل بدل فی قبضة العارف لان ملك البدل من السماء الی الارض و ملك العارف من العرش الی الثری** ۔ یعنی ہر بدل عارف کے قبضے میں ہوتا ہے کیونکہ بدل کی ملکیت آسمان سے زمین تک ہے جبکہ عارف کی ملکیت عرش سے تحت الثری تک ہے۔ (طبقات حصہ اول ص ۱۵۴) اہل ذوق کے استفادہ کے لئے بہار شریعت حصہ اول ص ۱۴ کے یہ الفاظ قابل توجہ ہیں ''چار فرشتے بہت مشہور ہیں۔ جبریل، میکائیل اسرافیل اور عزرائیل علیہم السلام اور یہ سب ملائکہ پر فضیلت رکھتے ہیں''۔ انتہی۔

نیز صاحب تفسیر روح المعانی خاتمۃ المحققین ومفتی بغداد علامہ ابو الفضل شہاب الدین السید محمود الالوسی البغدادی اپنی تفسیر روح المعانی حصہ اول ص ۳۳۴ پر حضرت جبریل علیہ السلام کی افضلیت کے متعلق فرماتے ہیں۔ **وانا اقول بالافضلية وليس عندی اقوی دليلا عليها من مزيد صحبته لحبيب الحق بالا تفاق و سيد الخلق علی الا طلاق صلی الله عليه و آله وسلم و كثرة نصرته وحبه له ولا مته** ۔ یعنی میں جبریل کی افضلیت کا قائل ہوں اور میرے نزدیک اس پر اس سے زیادہ قوی دلیل اور کوئی نہیں کہ جبریل کو حبیب الحق بالاتفاق اور سید الخلق علی الاطلاق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کا شرف زیادہ حاصل ہوا نیز آپ نے حضور کی خدمت بہت کی اور آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی امت کے ساتھ بہت محبت ہے۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ ولوالدیہ)

ملائکہ اور وصف نبوت وولایت

اگر تو کہے کہ عالم بالا (کے ملائکہ) کے ساتھ یہ وصف لگائی جاتی ہے کہ وہ انسانوں کی طرح انبیاء اور اولیاء ہیں؟ تو جواب یہ ہے ملاء اعلیٰ کے ساتھ یہ وصف نہیں لگائی جاتی کہ وہ انبیاء واولیاء ہیں۔ کیونکہ اگر یہ انبیاء یا اولیاء ہوتے تو ان اسماء سے ناواقف نہ ہوتے جن کی تعلیم انہیں حضرت آدم علیہ السلام نے دی۔ کیونکہ اللہ عزوجل کی معرفت اس کے اسماء کی معرفت کے معیار پر ہوئی ہے۔ اور بندے کا اس کے عرفان سے ناواقف ہونا اس کے اسماء سے اس کی ناواقفیت کی بنا پر ہوتا ہے۔

تمام ملائکہ عالم خیر سے ہیں تو اللھم اعط ممسکا تلفا کی دعا کیوں؟

اگر تو کہے کہ کیا تمام ملائکہ جہان خیر سے ہیں۔ اگر آپ اس کے قائل ہیں تو انہوں نے یہ دعا کیسے کی **اللھم اعط ممسکا تلفا** یا اللہ! مال روک رکھنے والے کا مال ہلاک ہو جائے اور انہوں نے مال مومن کے ضائع کرنے کی بددعا کی تو اس کا جواب جیسا کہ شیخ نے فتوحات کے باب الزکوۃ میں فرمایا یہ ہے کہ یہ مال مومن کو ضائع کرنے کی بددعا نہیں ہے جس سے مومن کو رنج ہو۔ یہ تو اس امر کی دعا خیر ہے کہ وہ اسے اللہ عزوجل کی خوشنودی میں خرچ کرے پس اس پر اسے اجر دیا جائے جس طرح کہ اپنے اختیار سے خرچ کرنے والے کو اجر دیا

جاتا ہے۔ کیونکہ فرشتہ جہان خیر سے ہے۔ مومن کے لئے اس کے نقصان کی بددعانہیں کرتا۔ تواللھم اعط ممسکا تلفا کا معنی یہ ہے کہ بخیل کو اپنا مال تیری خوشنودی میں خرچ کرنے والا بنادے۔ پس تو اسے اس کے لئے آخرت کے لئے باقی رکھے اور اے ہمارے رب! اگر تیرے علم سابق میں اسے اپنے اختیار کے ساتھ خرچ کرنا مقدر نہیں تو اس کے مال کو تلف کر دے حتیٰ کہ تو اسے گرفتار مصیبت کا اجر عطا فرمائے تا کہ اسے خیر پہنچے۔ تو یہ اس کے لئے دعائے خیر ہے جیسے کہ گزر چکا۔ یہ اس طرح نہیں جیسے کہ اس کا گمان ہے جیسے ملائکہ کے مقام کی معرفت حاصل نہیں۔ کیونکہ فرشتہ شر کی دعا نہیں کرتا خصوصاً اس کے حق میں جو کہ اللہ تعالیٰ کے وجود اس کی توحید اور جو کچھ اس کے ہاں سے آیا ہے اس پر ایمان رکھنے والا ہے۔

شیخ نے فرمایا: بے شک فرشتے کی دعا قبول ہے دو وجھوں سے۔ ایک تو اس کی پاکیزگی کی وجہ سے اور دوسرے اس کی دعا حق غیر میں ہے۔ تو یہ صاحب مال کے حق میں اس زبان کے ساتھ دعا ہے جس کے ساتھ اس نے نافرمانی نہیں کی اور وہ فرشتے کی زبان ہے۔ پس معلوم ہوا کہ تلف کرنے سے مراد خرچ کرنا ہی ہے لیکن فرشتے نے دونوں لفظوں کے درمیان تبادلہ کر دیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حکم رب کے بغیر فرشتہ نازل نہیں ہوتا

اگر تو کہے کہ کیا بشر کی قوت میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر فرشتے کو آسمان سے اتارے جس طرح اہل رصد کرتے ہیں۔ تو جواب یہ ہے، کہ قوت بشری میں یہ نہیں کہ ملائکہ میں سے کسی کو قسم دے کر یا اس کے علاوہ کسی طرح اتارے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **وما نتنزل الابامر ربلك** (مریم آیت ۶۴۔ ہم نہیں اترتے مگر آپ کے رب کے حکم سے)۔ پس ان جیسوں میں جو کہ امر رب کے بغیر نہیں اترتے نباتات کا خاصہ اثر نہیں کرتا۔ اور ان پر اللہ تعالیٰ کی قسم نہیں دی جا سکتی۔ جیسا کہ شیخ نے پچیسویں باب میں ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں: اور یہ ارواح کواکب سماویہ کے خلاف ہے کیونکہ وہ اسماء اور دھونیوں وغیرہ کی وجہ سے نازل ہوتی ہیں۔ کیونکہ یہ تنزل معنوی ہے اور خالی صورتوں کا مشاہدہ ہے کیونکہ ذات کواکب تو آسمان میں اپنی جگہ سے زائل نہیں ہوئی۔ یہ تو اللہ تعالیٰ نے عالم کون وفساد میں ان کی شعاعیں پڑنے کے مقامات کے لئے ان کی معرفت رکھنے والوں کے نزدیک تاثیرات مقرر فرمائی ہیں۔ لیکن یہ اللہ تعالیٰ کے اذن کے ساتھ ہے جیسا کہ پانی پینے سے سیرابی، کھانے کے ساتھ سیری اور بارش کے نزول اور بے ابر دن کے ساتھ دخول فصل کے وقت دانے کا اگنا، یہ حکمت ہے جو کہ حکیم علیم نے انہیں ودیعت فرمائی ہے۔

وجعلوا بینه وبین الجنة نسبا سے کیا مراد ہے

اگر تو کہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول **وجعلوا بینه و بین الجنة نسبا** (الصافات آیت ۱۵۸۔ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ اور جنوں کے درمیان رشتہ ٹھہرا دیا) کیا یہ جن ہیں یا ملائکہ جیسا کہ ان کا یہ قول ملائکہ کے متعلق مشہور ہے کہ وہ اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سے بلند و بالا ہے تو جواب یہ ہے کہ یہاں جنۃ سے یہاں ملائکہ مراد ہیں۔ اور انہیں جن اس لئے کہا گیا کہ آنکھوں سے اوجھل ہیں باوجودیکہ وہ ہمارے ساتھ مجالس میں حاضر ہوتے ہیں اور ہم انہیں نہیں دیکھتے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اور انسانوں کی آنکھوں کے درمیان پردہ مخفی رکھا ہے تو جس طرح پردہ ہم سے مخفی ہے اسی طرح وہ بھی پردے کی وجہ سے ہم سے مخفی ہیں۔ پس ہم انہیں نہیں دیکھ پاتے مگر جب وہ ہمارے لئے ظاہر ہونا چاہیں۔ اسے شیخ نے ۳۶۹ ویں باب میں ذکر فرمایا۔ وہاں فرماتے ہیں کہ جنۃ ملائکہ سے ہیں جو کہ انسان کے ساتھ

لازماً ہوتے ہیں اور ہم میں رات دن باری باری آتے ہیں۔ اور ہم عادتاً انہیں نہیں دیکھتے۔ لیکن جب اللہ عزوجل کسی انسان کے لئے ارادہ فرمائے کہ انہیں ان کے ارادے کے بغیر دیکھ لے تو اللہ تعالیٰ اس کی آنکھ سے حجاب اٹھا دیتا ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتا ہے کہ ان کا ادراک کرے پس وہ ان کا ادراک کرتا ہے۔ اور کبھی اللہ تعالیٰ فرشتے کو ہمارے لئے ظہور کا حکم دیتا ہے پس ہم انہیں دیکھتے ہیں۔ یا ہم سے پردہ اٹھا دیتا ہے تو ہم انہیں آنکھ کے سامنے دیکھ لیتے ہیں۔ لیکن جب ہم انہیں دیکھیں تو ان کا ہمارے ساتھ کلام صحیح نہیں کیونکہ یہ خصائص انبیاء میں سے ہے۔ رہا ولی تو اگر وہ فرشتے کو دیکھے تو اسے اپنے ساتھ کلام کرتا ہوا نہیں دیکھتا۔ اور اگر فرشتہ اس سے کلام کرے تو یہ اس کا جسم نہیں دیکھتا۔ پس رویت اور کلام جمع نہیں ہوتے سوائے نبی کے۔

اگر تو کہے کہ کیا فرشتے کا شقاوت میں کوئی حصہ ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ شقاوت میں فرشتے کا کوئی حصہ نہیں البتہ کچھ کہ ہاروت ماروت کے متعلق منقول ہے تو اس میں سے کچھ بھی صحیح نہیں۔ پس شقاوت اور سعادت دونوں جنات اور انسانوں کے ساتھ خاص ہیں۔ والسلام۔

آدم علیہ السلام کے لئے ملائکہ کے سجدے کے متعلق مختلف سوالات اور جوابات

اگر تو کہے کہ وہ کون سا سبب ہے جس کی خاطر ملائکہ کو حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا؟ کیا اس لئے کہ آپ احسن تقویم میں ہیں یا اس لئے کہ آپ نے انہیں اسماء کی تعلیم دی؟ تو جیسا کہ شیخ نے ۳۶۹ ویں باب کے علوم میں فرمایا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ آدم کے لئے سجود ملائکہ انہیں تعلیم اسماء کی وجہ سے نہیں۔ یہ تو آپ کے احسن تقویم میں ہونے کی بنا پر تھا۔ اور عنقریب آ رہا ہے کہ سجدے کا سبب ملائکہ پر مخفی ناراضگی کی بنا پر تھا۔

اگر تو کہے کہ پھر آدم علیہ السلام کی ان پر فضیلت کے تعارف سے پہلے انہیں سجدے کا حکم کیوں دیا گیا؟ تو جواب یہ ہے کہ آدم کی تعلیم اسماء کی فضیلت کے تعارف سے پہلے ملائکہ کو یہ حکم آزمائش کے طور پر دیا گیا۔ اگر آدم علیہ السلام کے ظہور بالعلم کے بعد سجدہ ہوتا تو ابلیس انکار نہ کرتا اور نہ یہ کہتا کہ میں اس سے بہتر ہوں۔ اور نہ ہی آپ پر بڑائی جتلاتا۔ اسی لئے اس نے کہا **اسجد لمن خلقت طینا** (بنی اسرائیل آیت ۶۱۔ کیا میں اسے سجدہ کروں جسے تو نے کیچڑ سے پیدا کیا) اور کہنے لگا **خلقتنی من نار و خلقته من طین** (ص آیت ۶۷۔ تو نے مجھے آگ سے اور اسے کیچڑ سے پیدا کیا) جبکہ مٹی کی بہ نسبت آگ تیرے اسم النور کے زیادہ قریب ہے کہ یہ روشنی دیتی ہے۔

اگر تو کہے کہ پھر تو اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو خلافت آدم کا علم نہ دیا مگر اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق خبر دی۔ تو جواب یہ ہے کہ ہاں۔ اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کے واقعہ میں یوں فرمایا **و اذ قلنا للملائکة اسجدو الآدم** (البقرۃ آیت ۳۴۔ اور جب ہم نے فرشتوں سے فرمایا کہ آدم کو سجدہ کرو) پس فعل ماضی لایا گیا اور اذ لایا گیا اور یہ گذشتہ زمانے کے لئے ہوتا ہے۔ پس اس مسئلہ پر توجہ کر کہ تجھے معلوم ہو کہ آدم کی فضیلت بالعلم صرف ان کی ذات کی خاطر انہیں سجدہ کرانے سے بالاتر ہے۔ اور تو یہ بھی جان لے کہ شریعت نے ایک انسان کو دوسرے انسان کے لئے سجدہ کرنے سے کیوں منع فرمایا ہے۔ پس بیشک یہ شی کا اپنے آپ کو سجدہ کرنا ہے کیونکہ وہ اس کی مثل ہے اور شی اپنے لئے عاجزی نہیں کرتی اور شارع صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جھکنے سے بھی روکا ہے۔ جبکہ ہمیں مصافحہ کرنے کا حکم دیا ہے۔

اگر تو کہے کہ آدم کے سامنے سجدہ کرنے کا امر فرشتوں کی آزمائش کے لئے تھا یا کسی دوسرے امر کی بنا پر؟ تو اس کا جواب جیسا کہ شیخ

نے ۳۴۱ ویں باب میں فرمایا ہے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتوں کی آزمائش کے طور پر ایک مخفی ناراضگی کی بنا پر تھا۔ جس کا شعور صرف علماء باللہ عزوجل رکھتے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ پر آدم کو زمین میں خلیفہ بنانے پر اعتراض کیا تھا۔ اگر اعتراض نہ کرتے تو انہیں آدم کو سجدہ کرنے کا حکم نہ ہوتا جو کہ اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے۔ شیخ نے فرمایا: اسی طرح ہر وہ مواخذہ جو جہان میں واقع ہوتا ہے صرف خفی یا جلی ناراضگی کے بعد ہی ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جہان کو اس رحمت کے ساتھ پیدا فرمایا ہے جو کہ اس کی ایجاد پر متوجہ ہے۔ اور انتقام لینا رحمت کی شان نہیں۔ بخلاف غضب کے کیونکہ اس کی شان ہے انتقام لینا۔ لیکن وہ کئی درجوں پر ہے۔ فرمایا: جہاں بھی انتقام واقع ہو تو وہ پاک کرنے کے لئے ہے سوائے کفار کے اور یہ علوم اسرار سے ہے۔ اس کی حفاظت کر۔ انتہی۔

ہمارا امام ملائکہ کا قبلہ ہے

اگر تو کہے کہ حدیث میں وارد ہے کہ (نماز میں) صفیں بناؤ جس طرح فرشتے اپنے رب کے ہاں (اپنے امام کے پیچھے) صفیں بناتے ہیں اور یہ بھی وارد ہے کہ ملائکہ ہمارے امام کے پیچھے صفیں بناتے ہیں۔ تو جب تو ہمارا امام بھی ان کے رب کے ہاں ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ ہاں اور اس کی وضاحت یہ ہے کہ ملائکہ ہمارے پیچھے صفیں بناتے ہیں۔ پس وہ اس حال میں انہیں نماز پڑھانے والے امام کے پاس ہیں جبکہ ملائکہ اپنے رب کے پاس ہی ہوتے ہیں۔ تو ہمارا امام آدم کی جگہ ہے۔ پس ہمارا امام اللہ تعالیٰ کے لئے سجدہ کرتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ امام سے قبلہ میں ہے جیسا کہ اس کی جلالت کے لائق ہے۔ اور امام ملائکہ کا قبلہ ہے تو ملائکہ کا سجدہ ہر نماز میں ہمیشہ آدم اور آپ کے بیٹوں کے لئے رہا جس طرح کہ انہوں نے ان کے باپ آدم کے لئے سجدہ کیا۔ پس جب تک بنی آدم میں قیامت تک ایک نمازی بھی باقی ہے خلافت انہی میں رہے گی۔ اسے شیخ نے ۳۴۷ ویں باب میں ذکر کیا۔ اور اس میں فرماتے ہیں کہ شان الٰہی اور امر حسب دنیا میں واقع ہو تو اس کا حکم قیامت تک نہیں اٹھتا۔ اور بیشک فرشتوں سے آدم کے لئے سجدہ واقع ہوا پس ان کا سجدہ آپ کی اولاد کے لئے ہر اس شخص کے پیچھے باقی ہے جو قیامت تک نماز پڑھے گا۔ جیسے کہ آدم کے لئے نسیان ہوا تو آپ کی اولاد کو نسیان طاری ہو گیا۔ اور جیسے آپ نے بر بنائے نسیان انکار کیا آپ کی اولاد بھی انکار کرتی ہے۔ اور جس طرح قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو ظلماً قتل کیا تو بنی آدم میں ظلماً قتل قیامت باقی ہے۔ پس ہر نمازی ملائکہ کا امام ہے اور ملائکہ اس کے پیچھے اس کی سمت کی طرف سجدہ کرتے ہیں۔

آدم علیہ السلام کے لئے اور ان کی اولاد کے ملائکہ کے لئے سجدے میں فرق

اگر تو کہے کہ دونوں سجدوں کے مابین یعنی فرشتوں کا آدم کے لئے سجدہ کرنے اور ان کا اولاد آدم کے لئے سجدہ کرنے میں کیا فرق ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آدم اور ان کی اولاد کے مابین فرق یہ ہے کہ ملائکہ جب آپ کی اولاد کے پیچھے سجدہ کرتے ہیں تو صرف بنی آدم کے قرأت اور نماز میں سجدہ کرنے کے لئے سجدہ کرتے ہیں۔ رہا ان کا آدم کو سجدہ کرنا تو وہ متعلم کا علم کے لئے سجدہ کرنا ہے۔ تو سجدے میں دونوں جمع ہو گئے اور سبب میں جدا جدا ہو گئے۔ واللہ اعلم۔

اگر تو کہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبریل علیہ الصلوٰۃ کے پیچھے نماز ادا فرمائی تو اس کے دائیں جانب کیوں کھڑے نہیں ہوئے جس طرح کہ اکیلے مقتدی کی شان ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جبریل علیہ السلام کے دائیں جانب اس لئے کھڑے نہیں ہوئے کہ آپ نے اپنی آنکھوں سے ملائکہ کو جبریل کے پیچھے کھڑے دیکھا تو آپ ان کی صفت میں کھڑے ہو گئے۔ اور

اگر ملائکہ کو نہ دیکھتے تو جبریل کی دائیں جانب کھڑے ہوتے۔ اور چاہیے کہ اسی طرح اس شخص کے متعلق جواب میں کہا جائے جس نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے نماز ادا کی اور آپ نے اسے اپنی دائیں جانب کھڑے ہونے کا حکم دیا۔ اگر اس نے ان ملائکہ کا مشاہدہ کیا ہوتا جو کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے نماز ادا کر رہے تھے تو آپ اسے اپنی جانب کھڑا ہونے کا حکم نہ دیتے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مقتدی کے مقام کے حکم کی رعایت فرمائی۔ اور جس نے امور کا مشاہدہ نہیں کیا اس کا حکم مشاہدہ کرنے والے کے حکم کی طرح نہیں ہوتا اور ہم نے جو کچھ ذکر کیا ہے اس کا مقصد تجھے یہ جتلانا ہے کہ بنی آدم کے پیچھے ملائکہ کا سجدہ مرفوع نہیں ہوا۔ اور بنی آدم سے امامت آخری نماز تک اٹھائی نہیں گئی۔ اور فرشتے اس امام کے تابع ہیں۔ پس ہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک اپنی امامت کی حالت میں ہیں جیسے کہ گذر چکا۔ اور فرشتے ہمارے امام کے تابع ہیں اور فرشتے ہمارے نزدیک اقتداء کے ساتھ ہیں۔ پس وہ اپنے رب کے حضور ہیں۔ کیونکہ امام اور یہ فرشتے اس کے حضور ہیں اور ہر صف اپنے پیچھے والوں کی امام ہے جہاں تک بھی پہنچ جائے۔

ملائکہ پر انسان کی فضیلت کا ایک رخ

اگر تو کہے کہ کیا ملائکہ نوافل کے ساتھ اپنے رب کا قرب حاصل کرتے ہیں جس طرح کہ انسان؟ تو جیسا کہ شیخ نے ۴۲۱ ویں باب میں فرمایا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ کوئی فرشتہ ایسا نہیں جو کبھی بھی اللہ تعالیٰ کے حضور نفل کے ساتھ قرب حاصل کرے۔ وہ تو ہمیشہ فرائض میں مصروف ہیں۔ پس ان کے انفاس ان کے فرائض میں مستغرق ہیں۔ پس ان کے ہاں کوئی نفل نہیں۔

اگر تو کہے کہ جب تو وہ مقام بشر سے ناقص ہیں کہ ان سے وہ مقام مفقود ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ اس میں ان کے کان اور آنکھ ہوتا ہے جیسے کہ اس کی شان کے لائق ہے۔

تو جواب یہ ہے کہ ہاں۔ پس وہ عباد اضطرار ہیں جبکہ ہم عبید اضطرار و اختیار ہیں۔ پس اس وجہ سے وہ ہمارے مقام سے ناقص رہ گئے۔ جس طرح اس حیثیت سے بھی ناقص ہیں کہ ان کے لئے غور و فکر نہیں۔ ان کے لئے صرف عقل ہے۔ پس ان سے اللہ تعالیٰ کی مصنوعات میں غور و فکر کا ثواب فوت ہو گیا اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کا ان کے سمع و بصر ہونا بھی نہ پایا۔ جس طرح کہ ان سے نہی سے اجتناب کا ثواب بھی رہ گیا کیونکہ وہ معصوم ہونیکی وجہ سے اس کا ذائقہ ہی نہیں رکھتے۔ انتہی۔

کراماً کاتبین اور رقیب عتید سے کیا مراد ہے؟

اگر تو کہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول **وان علیکم لحافظین کراماً کاتبین یعلمون یاتفعلون** سے کیا مراد ہے؟ (الانفطار آیت ۱۰۔ تم پر نگران مقرر ہیں جو معزز ہیں لکھنے والے۔ جو کچھ تم کرتے ہو وہ جانتے ہیں) اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد **ما یلفظ من قول الا لدیہ رقیب عتید** (ق آیت ۱۸۔ وہ اپنی زبان سے کوئی بات نہیں نکالتا مگر اس کے پاس ایک نگہبان ہے تیار) میں کیا رقیب عتید سے مراد وہی کراماً کاتبین ہیں؟ تو اس کا جواب جیسا کہ ۵۴۴ ویں باب میں شیخ نے فرمایا یہ ہے کہ لکھنے والے دو فرشتے وہ رقیب اور عتید دن رات کے ملائکہ سے ہیں۔ پس بندہ جو لفظ بولتا ہے وہ لکھ لیتے ہیں۔ اس کے سوا کچھ نہیں لکھتے، کیونکہ بندہ جب لفظ بولتا ہے تو اسے ہوا میں پھینک دیتا ہے۔ اس کے بعد اسے فرشتہ لے لیتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر قائل کے قول کے وقت اس قول کے پاس جلوہ گر ہوتا ہے پس فرشتہ اسے ایک نور کی صورت میں دیکھتا ہے جسے اس قائل نے پھینک دیا جسے اللہ تعالیٰ نے اس کی زبان کے ساتھ لاحق فرما دیا۔ پس فرشتہ

از رہ ادب اسے قول سمیت پکڑ لیتا ہے۔ پس اسے اس کے لئے قیامت تک اپنے پاس محفوظ رکھتا ہے۔ پس قرآن کی نص کے ساتھ معلوم ہوا کہ حفظۃ یعنی نگہبان فرشتے جانتے ہیں جو کچھ بندہ کرتا ہے لیکن وہ اس کا کوئی عمل لکھتے نہیں حتیٰ کہ وہ اسے لفظ میں ادا کرے۔ تو جب لفظ بولتا ہے تو اسے لکھ لیتے ہیں۔ پس وہ اقوال کے گواہ ہیں۔ اور اس کا سبب اس عمل میں بندے کی نیت پر ان کا مطلع نہ ہونا ہے۔ اور اسی لئے اعمال کے ساتھ عروج والے ملائکہ بندے کے عمل کو لے کر اوپر چڑھتے ہیں جبکہ اسے قلیل سمجھتے ہیں تو اسے قبول کر لیا جاتا ہے۔ اور اسے علیین میں لکھ لیا جاتا ہے۔ اور کسی عمل کو لے کر چڑھتے ہیں جبکہ اسے کثیر سمجھتے ہیں تو انہیں حکم ہوتا ہے یہ عمل صاحب عمل کے منہ پر دے مارو۔ کیونکہ اس نے اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا کا ارادہ نہیں کیا۔ اس معنی میں حدیث ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **وما امروا الا ليعبدوا الله مخلصين له الدين حنفاء** (البینۃ آیت ۵۔ اور انہیں حکم نہیں دیا گیا تھا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت دین کو اسی کے لئے خالص کرتے ہوئے بالکل یکسو ہو کر کریں) تو اگر حفظہ کے علم میں ہوتا کہ عمل کے وقت بندے کی نیت میں کیا ہے تو ایسی حدیث وارد نہ ہوتی۔ پس قلب کی نیت کو صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے پھر صاحب نیت۔ پس فرشتہ بندے کی حرکت لکھتا ہے حتیٰ کہ اس کی زبان کی حرکت بھی۔ تو جب وہ لفظ بولتا ہے تو اللہ تعالیٰ گواہ ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ درحقیقت اپنے بندے کے قول کے پاس توجہ کے ذریعے ہوتا ہے نہ کہ اپنے بندے کے پاس۔ اور یہ کینونۃ الٰہیہ وہی ہے جو کہ شہود میں کائنات کے ہونے پر ظاہر ہوتی ہے۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ یہ تکوین ہے اور تکوین نہیں ہوتی مگر ہر ہونے والے میں قول الٰہی کے وقت۔ تو وہ سب کچھ جو کائنات میں ہوتا ہے قول الٰہی سے ہوتا ہے۔ پس حق تعالیٰ اور بندے کے مابین ایسی کوئی مناسبت نہیں جو قول سے زیادہ عام اور کامل ہو۔ اسی لئے حدیث میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر قائل کے قول کے پاس ہے۔ پس بیشک ہونا جو کہ قول ہے اپنے قائل سے جدا ہونے والا ہے۔ تو اگر حق تعالیٰ اس کے پاس نہیں تو قول ضائع ہو گیا۔ تو حق تعالیٰ کا اس کے پاس ہونا ضروری ہے تاکہ اسے ایسی صورت میں ظاہر فرمائے جس کی خلقت قائم ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ صدقہ قبول فرماتا ہے پس اسے پالتا ہے حتیٰ کہ وہ بہت بڑے پہاڑ کی طرح ہو جاتا ہے۔ انتہی

ملائکہ کے متعلق دیگر وضاحتیں

اگر تو کہے کہ علماء نے فرمایا کہ ملائکہ اعمال بھی لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ اعمال کو جانتے ہیں اور وہ انہیں نہیں جانتے مگر اس لئے تاکہ انہیں لکھیں۔ تو جواب یہ ہے کہ ہمیں قرآن پاک سے ان کے اس قول کی دلیل معلوم نہیں ہو سکی۔ تو جو کوئی دلیل صریح پانے میں کامیاب ہو جائے تو اسے اس جگہ لکھ دے۔ واللہ اعلم۔

اگر تو کہے کہ ان ملائکہ سے کیا مراد ہے جن کی طرف اللہ تعالیٰ کے اس قول میں اشارہ کیا گیا ہے **له معقبات من بين يديه ومن خلفه يحفظونه من امر الله** (الرعد آیت ۱۱۔ انسان کے لئے یکے بعد دیگرے آنے والے فرشتے ہیں اس کے آگے اور اس کے پیچھے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی نگہبانی کرتے ہیں) کیا یہ حفظہ ہیں یا اس کے علاوہ ہیں؟ تو جواب یہ ہے ان فرشتوں سے مراد ملائکہ تسخیر ہیں جو کہ عبد کے ساتھ اس کی حسب حالت ہوتے ہیں۔ پس اس کے تابع ہیں اور ان سے مراد حفظہ نہیں۔ واللہ اعلم۔

صحف مکرمہ اور کرام بررہ سے کیا مراد ہے؟

اگر تو کہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول "فی صحف مکرمۃ مرفوعۃ مطہرۃ بایدی سفرۃ کرام بررۃ (عبس آیت ۱۳ تا ۱۶۔ ایسے صحیفوں میں ثبت ہے

جو کہ معزز ہیں۔ بلند مرتبہ پاکیزہ ہیں ایسے کاتبوں کے ہاتھوں سے لکھے ہیں جو بڑے بزرگ اور نیکوکار ہیں) سے کیا مراد ہے؟ تو جیسا کہ شیخ نے ۶۰اویں باب میں فرمایا اس کا جواب یہ ہے کہ صحف مکرمہ سے مراد علم رسالت ہے۔ سفرہ سے مراد رسل ملائکہ ہیں۔ بررۃ کا معنی نیکو کار۔ پس وہ خلق کی طرف اللہ تعالیٰ کے سفیر ہیں اور ان کے رئیس اکبر حضرت جبریل علیہ السلام ہیں۔ پس جب اللہ تعالیٰ اپنے مخلوق میں کوئی امر نافذ کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو تنفیذ اوامر کے مقام سے جو کہ کرسی ہے زیادہ قریب فرشتے کی طرف وحی فرماتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ مختلف وجوہ پر اس امر کا القاء فرماتا ہے۔ پھر اسے حکم دیتا ہے کہ اپنے قریب والے کی طرف وحی کرے اور اس کی طرف وحی فرماتا ہے کہ اپنے قریب والے کی طرف وحی کرے۔ اور اسی طرح آسمان دنیا تک۔ اور پانی کے فرشتے کو ندادی جاتی ہے پس وہ پیغام پانی میں رکھ دیا جاتا ہے اور قلوب کے فرشتوں کو ندادی جاتی ہے پس وہ اسے بندوں کے قلوب میں القاء کرتے ہیں۔ پس شیاطین اسے پہچان لیتے ہیں جو ملائکہ لے کر آتے ہیں۔ اور اس جیسی باتیں مخلوق کے قلوب کی طرف لاتے ہیں۔ پس زبانیں وہ کچھ کہتی ہیں جو قلوب میں پاتی ہیں۔ اور یہ وجود میں آنے سے پہلے اندیشے ہیں کہ وہ ایسا تھا اور ایسا اتفاق ہوا۔ یہ اس کے لئے ہے جو وجود میں نہیں آیا۔ تو جو کچھ اس کے ساتھ کلام کے بعد ہو تو اسی طرح ہے جو کہ فرشتے لائے اور جو نہیں ہوا تو وہ اس سے ہے جس کا شیاطین نے القاء کیا۔ اور اسے جہان میں ارجاف کہتے ہیں اور اس کے متعلق عوام کہتے ہیں کہ یہ تکوین کے مقدمات ہیں۔ پھر پانی کا فرشتہ جب اس کا پانی میں القاء کرتا ہے جو اس کی طرف وحی کیا گیا تو وہ پانی جو حیوان بھی پیتا ہے وہ اس راز کو پہچان لیتا ہے سوائے انس و جن کے۔

ملائکہ کے لئے آخرت نہیں

اگر تو کہے کہ کیا انس و جن کی طرح ملائکہ کے لئے آخرت ہے یا نہیں؟ تو جیسا کہ شیخ نے ۵۱۸ ویں باب میں فرمایا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ملائکہ کے لئے آخرت نہیں۔ اور یہ اس لئے کہ وہ مرتے نہیں کہ پھر اٹھائے جائیں گے وہ تو صرف بیہوشی اور افاقہ ہے۔ جیسے ہمارے ہاں نیند اور اس سے افاقہ ہے۔ اور یہ ایک جال ہے جس پر ممکن دنیا و آخرت میں تجلی اجمالی میں رہتا ہے اور ملائکہ کے نزدیک وہاں اجمال ہمارے نزدیک عین متشابہہ ہے۔ اور اسی لئے وہ وحی سنتے ہیں گویا کہ وہ چٹان پر زنجیر ہے۔ اور اس سے افاقہ کے وقت وہ تفصیل واقع ہوتی ہے جو کہ ہم میں محکم کی مثل ہے۔ پس امر ہم میں اور ان میں آیات متشابہات اور آیات محکمات ہیں۔ پس ابتلاء اور فتنہ مذکورہ اجمال و متشابہہ کے ساتھ اوپر نیچے دونوں جہانوں میں عام ہے۔

علم باللہ تعالیٰ کے بارے میں ملائکہ میں باہمی فضیلت

اگر تو کہے کہ کیا علم باللہ تعالیٰ میں ملائکہ ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں تو جواب یہ ہے کہ ہاں لیکن فرق کے بغیر۔ کیونکہ وہ ایسے مقامات پر ہیں کہ ان سے آگے نہیں گذرتے جیسے کہ پہلے گزر چکا۔ پس ان میں سے مفضول عالم سے پوچھتا ہے جیسے ان کے اس قول میں ہے ماذا قال ربکم قالوا الحق (سبا آیت ۲۳ تمہارے رب نے کہا ارشاد فرمایا۔ وہ کہتے ہیں اس نے حق فرمایا ہے) اور اس کی وضاحت یہ ہے کہ فرشتے انوار میں ارواح ہیں۔ جن کے پر ہیں۔ تو جب حق تعالیٰ وحی کے ساتھ خاص صورت پر کلام فرماتا ہے اور اس کے ساتھ ان کے کانوں کا تعلق ہوتا ہے گویا وہ چٹان پر زنجیر ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا تو فرشتے عاجزی کے ساتھ اپنے پر مارتے ہیں اور بیہوش ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ جب اللہ تعالیٰ ان کے قلوب سے گھبراہٹ دور کر دیتا ہے اور یہ بیہوشی سے

ان کا افاقہ ہے تو کہتے ہیں یعنی ان میں سے بعض بعض سے کہتا ہے: کیا فرمایا؟ تو ان کا بعض کہتا ہے تمہارے رب نے یوں فرمایا یہ جتلاتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام اس کی ذات کا عین ہے۔ تو ان کا بعض اس قائل کے لئے کہتا ہے: حق یعنی حق فرماتا ہے۔ جبکہ وہ اس تشبیہ سے بلند و بالاتر ہے۔ پس ملائکہ کا کلام **قالوا الحق** تک پہنچا۔ پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وھو العلي الكبير** ۔ جس طرح کہ اس کا یہ قول ہے **ليس كمثله شي** ۔ واللہ اعلم۔

اگر تو کہے کہ کیا عالم بشریت کے لئے عالم صور اور عالم انفس میں تصرف کا اختیار ہے جو کہ ان صور کے مدبر ہیں؟ تو جواب ہے کہ ہاں جیسا کہ یہ شیخ نے ۳۶۶ ویں باب میں فرمایا۔ فرماتے ہیں کہ سوائے ان دو صفوں کے تو عالم بشری کے لئے ان پر حکم نہیں۔ لیکن ان میں سے جو ارادہ کرے کہ جسے چاہے اس پر حکم چلائے جیسے عالم جنات تو اسے یہ حق حاصل ہے پس معلوم ہوا کہ ملائکہ کا عالم نوری اس سے خارج ہے کہ عالم بشری کے لئے ان پر فرمانروائی ہو۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک ایسے مقام پر ہے جو اس کے رب نے اس کے لئے معین فرمایا ہے۔ پس وہ اس سے نازل نہیں ہوتا۔ مگر اپنے رب کے امر سے۔ تو جو ارادہ کرے کہ ان میں سے کوئی نازل ہو تو اس بارے میں اس کے رب کی طرف توجہ کرے۔ اور اس کا رب ہی اسے امر فرماتا ہے اور اس سائل کی آرزو پوری کرنے کے لئے اسے اس کی اجازت عطا فرماتا ہے۔ یا اس پر ابتداءً نازل ہو۔

ملائکہ سیاحین کا مقام تلاوت قرآن پاک کی محافل ہیں

اگر تو کہے کہ ملائکہ سیاحین کا مقام کیا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ ان کا مقام معلوم ان کا سیاحت کرنا ہے کہ مجالس ذکر تلاش کرتے ہیں جو کہ قرآن ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے ذکر بالقرآن پر قرآن کے بغیر ذکر کرنیوالوں میں سے کسی کو مقدم نہیں کرتے۔ پس جب اسے نہ پائیں جو کہ قرآن کریم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہا ہو تو اس کے بغیر ذکر کرنے والوں کے پاس جاتے ہیں۔ اور یہ ان کا رزق ہے جس کی وجہ سے وہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور اسی میں ان کی زندگی ہے۔ اسی لئے جب امام مہدی ظاہر ہوں گے تو ایک جماعت قائم کریں گے جو صبح و شام قرآن پاک کی تلاوت کریں گے۔ اسے شیخ نے ۳۶۶ ویں باب میں ذکر کیا ہے۔

تعلیم آدم کی وجہ سے ملائکہ میں کوئی بھی صفات الٰہیہ سے ناواقف نہیں

اگر کہا جائے کہ کیا ملائکہ میں کوئی ایسا ہے جو اللہ عزوجل کی صفات سے جاہل ہو جس طرح کہ عوام جن وانس کے لئے ایسا واقع ہوتا ہے۔ تو جیسا کہ شیخ نے ۳۷۱ ویں باب میں فرمایا اس کا جواب یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کے اسماء کی تعلیم دینے کے بعد ملائکہ میں کوئی ایسا نہیں جو حق سے جاہل ہو۔ بلکہ سب کے سب علماء باللہ عزوجل ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: **شهد الله انه لا اله الا هوا الملائكة** (آل عمران آیت ۱۸۔ اللہ تعالیٰ نے شہادت دی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتوں نے) پھر لوگوں کے بارے میں فرمایا: **واولوا العلم قائما بالقسط** ۔ اور اہل علم نے جو انصاف کے ساتھ قائم ہیں۔ پس امر مطلق نہ رکھا جس طرح کہ اسے ملائکہ میں مطلق بیان کیا۔ اور یہاں طویل کلام فرمایا۔ پھر فرماتے ہیں کہ اس علم سے مراد علم توحید ہے نہ کہ علم وجود کیونکہ جہان سارے کا سارا وجود کا علم رکھتا ہے۔ بخلاف توحید فی الذات یا توحید فی المرتبہ کے کہ بعض لوگ اس سے ناواقف ہیں۔

ملائکہ کے لئے علم مخصوص جس کا شیخ اکبر نے ذوق پایا ہے۔

اگر کہا جائے کہ کیا بشر کے مقابلہ میں ملائکہ علوم میں سے کسی شے کے ساتھ مختص ہیں؟ تو جواب یہ ہے کہ ہاں جیسا کہ شیخ نے ۳۷۵ ویں باب اسے ذکر کیا ہے۔ اور یہ اس لئے کہ وہ ایسے علم کے ساتھ مختص کئے گئے ہیں جسے کوئی بشر نہیں پہنچتا مگر اگر وہ اپنی بشریت سے اور اس میں اپنی پیدائش کی حیثیت سے موجود حکم طبیعت سے مجرد ہو جائے۔ یہاں تک کہ وہ روح جو اس میں پھونکی گئی اپنی اصل اول پر باقی رہ جائے اور اس وقت علم باللہ تعالیٰ کے لئے اس طرح خالص ہو جاتا ہے جیسے ملائکہ کو اس کا علم ہے۔ پس وہ اللہ تعالیٰ کے لئے اپنی عبادت میں ملائکہ کی عبادت خداوندی میں ان کا قائم مقام ہو جاتا ہے اور ہم نے اس کا ذوق پایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد ہے۔ اور اگر ہمیں یہ خوف نہ ہوتا کہ جب ہم نے کسی کو یہ علم پڑھا دیا تو وہ اس کا جھوٹا دعویٰ کرے گا تو اس کے لئے اس سے وہ کچھ بیان کرتے جس سے آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتیں۔

اگر تو کہے کہ کیا ملائکہ میں سے کوئی شہوت پر پیدا کیا گیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اسے محفوظ رکھتا ہے یا اس میں اصلاً شہوت ہے ہی نہیں؟ تو اس کا جواب جیسا کہ شیخ نے ۳۷۸ ویں باب میں فرمایا یہ ہے کہ ملائکہ کے لئے کوئی شہوت نہیں ہے۔ انہیں تو اللہ تعالیٰ نے معرفت باللہ پر اور ارادہ پر ایجاد فرمایا ہے۔ اور اسی لئے ان کی طرف سے خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے امر کی خلاف ورزی نہیں کرتے۔ اس لئے کہ ان کے لئے ارادہ پیدا فرمایا ہے۔ اور اگر ارادہ نہ ہوتا تو ان کی تعریف میں یہ نہ فرماتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کچھ کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔

حیوان کس فطرت پر پیدا کیا گیا ہے؟

اگر تو کہے کہ حیوان کس فطرت پر پیدا کیا گیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ علم باللہ اور خاص شہوت پر پیدا کیا گیا ہے بخلاف جن اور انس کے وہ فطرتاً معرفت اور شہوت پر پیدا کئے گئے ہیں اور یہ ارادہ میں تعلق خاص ہے کیونکہ شہوت ارادہ طبیعیہ ہے۔ پس جن اور انس کے لئے ملائکہ کی طرح ارادہ الٰہیہ نہیں ہے۔ اور ان دونوں کو اللہ تعالیٰ نے عقل پر پیدا فرمایا ہے نہ کہ کسب علم کیلئے۔ وہ تو آلہ ہے جسے حق تعالیٰ نے جن وانس کے لئے مقرر فرمایا ہے تاکہ اس کے ساتھ علی الخصوص اس جہان میں شہوت کو روکیں۔ اور انسان اور جن نے طریق کشف کے بغیر جو علم بھی حاصل کیا ہے وہ صرف موافقت کے ساتھ غور وفکر کے طریق سے کیا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ علوم جو کہ انسان میں ہیں صرف فطرت۔ ضرورت اور الہام کے ساتھ ہیں اور غایت کشف یہ ہے کہ اس کے لئے ان علوم کا کشف ہو جن پر اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا فرمایا۔ اس کے سوا نہیں۔ پس وہ اس کے ساتھ اپنا معلوم دیکھتا ہے۔ رہا غور وفکر کے ساتھ تو محال ہے کہ اس کے ساتھ علم تک رسائی حاصل کرتے۔

اگر تو کہے کہ تو نے یہ کہاں سے معلوم کیا جبکہ یہ حس کے مدرکات سے ہے۔ پس صرف نظر یعنی غور وفکر ہی باقی رہ گیا۔ تو جواب یہ ہے کہ ہمیں یہ طریق الہام اور اللہ تعالیٰ کے جتلانے سے معلوم ہوا۔ اور یہ اس لئے کہ نفس ناطقہ یہ علم اپنے رب سے طریق الہام کے خاص وجہ سے کشفاً اور رزقاً اخذ کرتا ہے۔ پس ہر موجود کے لئے اللہ تعالیٰ سے وجہ خاص ہے تو معلوم ہوا کہ فکر صحیح کے امر کی غایت یہ ہے کہ امکان پر اضافہ نہ کرے بخلاف اللہ تعالیٰ کے علم اور اس کے جتلانے کے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ جس طرح کہ معرفت باللہ تعالیٰ میں۔ جس مقام تک بندہ نظر صحیح کے ساتھ رسائی حاصل کرتا ہے حیرت فی اللہ ہے اور یہ چار پایوں کا ابتدائی مقام ہے کیونکہ وہ فطرتاً حیرت پر بنائے

گئے ہیں۔ جبکہ بندہ ارادہ کرتا ہے کہ اس سے باہر نکل جائے۔ پس اس پر کبھی قادر نہیں ہوتا۔

ملائکہ کی تین اصناف ہیں

اگر تو کہے کہ ملائکہ کی کتنی قسمیں ہیں تو جواب یہ ہے کہ وہ تین قسموں پر ہیں جیسا کہ شیخ نے ۵۴اویں باب میں ذکر کیا ہے۔ پہلی قسم اللہ تعالیٰ کے جلال میں یوم ایجاد سے ہی مدہوش ہونے والوں کی ہیں۔ پس بیشک اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے اپنے اسم الجمیل میں تجلی فرمائی پس انہیں مدہوش کر دیا اور اپنے سے فنا کر دیا۔ پس وہ اپنے نفوس کو پہچانتے ہیں نہ اسے جس میں مدہوش ہوئے۔ ہم نے اپنے کشف کے ذریعے انہیں ایسا ہی پایا ہے۔ پس وہ حیرت کے اندر نشہ میں ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انہیں عماء کی بنیادوں سے ایجاد فرمایا ہے جس کے اوپر ہوا ہے نہ نیچے ہوا ہے۔ یہ بات سارے فرشتوں کی طرح انوار کے مجسموں میں ارواح ہیں۔ اور ان کے لئے نہ ہی ملائکہ کے لئے کوئی فرمانروائی نہیں سوائے ممکنات کی فرمانروائی کے۔

دوسری قسم ملائکہ تسخیر ہیں جیسے وہ ملائکہ جو کہ ہمارے لئے دن رات حق سبحانہ وتعالیٰ کی بارگاہ خصوصی سے ہماری طرف اور ہمارے ہاں سے حق کی طرف ہمارے لئے عروج کے ساتھ مسخر ہیں اور جیسے وہ ملائکہ جو زمین والوں کے لئے استغفار کرتے ہیں اور خصوصاً ایمان والوں کے لئے استغفار کرتے ہیں۔ اور جیسے وہ ملائکہ جو کہ موت کے موکل ہیں اور موکلین بالا رحام۔ وہ جنہیں الہام سپرد کئے گئے۔ ارواح پھونکنے کے لئے موکل ہیں۔ اور وہ ملائکہ جو ارزاق اور بارشوں کے لئے موکل ہیں۔ جو انسان کے لئے موکل ہیں اور جیسے وہ ملائکہ جو کہ صافات، زاجرات، تالیات، مقسمات، نازعات، مرسلات، ناشرات، سابقات، سابحات، ملقیات اور مدبرات وغیرہ ہیں یعنی صف بستہ کھڑے ہونے والے۔ جھڑکنے والے، قرآن پاک کی تلاوت کرنیوالے (الصافات آیت ۱ تا ۳) تقسیم کرنے والے (الذاریات آیت ۴) کھینچنے والے (النازعات آیت۔۱) بھیجے جانے والے (المرسلات آیت ۱) پھیلانے والے (آیت ۱۰) سبقت لے جانے والے (النازعات آیت ۴) تیرنے والے (آیت ۳) ذکر کا القاء کرنیوالے (المرسلات آیت ۵) اور تدبیریں کرنے والے (النازعات آیت ۵) اور عام انبیاء علیہم السلام میں سے سب کے سب ان سے افضل ہیں جیسے کہ اس بحث میں اس سے پہلے گزر چکا۔ اور جان لے کہ ملائکہ تسخیر کا رئیس وہ قلم اعلیٰ ہے اور وہ عقل اول، تدوین وتسطیر کے جہان کا سلطان ہے۔

شیخ نے فرمایا: ان کا وجود جہانِ مدہوشی سے ہے مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں اس تجلی سے حجاب میں رکھا ہے جس کے ساتھ دوسرے مدہوش ہیں۔

تیسری جماعت تدبیر کے ملائکہ ہیں اور یہ تمام اجسام کا انتظام کرنے والے ہیں۔ طبیعیہ، نوریہ، فلکیہ، عنصریہ۔ اور تمام جہان کے اجسام برابر ہیں۔ اور اس میں طویل گفتگو فرمائی۔ پھر فرماتے ہیں کہ ہم نے ۳۱۴ویں باب میں ذکر کیا ہے کہ ملائکہ کے لئے کسی مقام میں کسب ہے نہ عمل کا تکلف۔ یہ تو اپنے مقام میں پیدا کئے گئے ہیں اس سے آگے نہیں گذرتے۔ پس کبھی بھی کوئی مقام کسب سے حاصل نہیں کرتے۔ تو ان کے علوم میں اضافہ ہو تو یہ علوم غور وفکر سے ہوتے ہیں نہ استدلال سے۔ کیونکہ ان کی پیدائش انہیں یہ صلاحیت نہیں دیتی جیسے کہ انسان کی پیدائش یہ عطا کرتی ہے۔

اجنحه سے کیا مراد ہے؟

اگر تو کہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں اجنحه سے کیا مراد ہے **جاعل الملائكة رسلا اولى اجنحة مثنى و ثلاث و رباع** (الفاطر آیت ۱۔ جس نے فرشتوں کو پیغام رساں بنایا جو کہ دو دو، تین تین، چار چار پر وار بازوؤں والے ہیں) تو اس کا جواب یہ

ہے ان اجنحہ سے مراد وہ قوائے روحانیہ ہیں۔ اور ان قویٰ کے لئے کوئی تصرف نہیں مگر اس میں جو ان کے مقام میں ہو۔ پس یہ افلاک سے اپنے صاحب کے مقام سے آگے نہیں گزرتے۔ جیسا کہ مبحث اسراء میں گزر چکا کہ ہر شی کی حد یہ ہے کہ اس محل کے لئے لوٹے جس سے نکلی۔ لیکن مخفی نہ رہے کہ مذکورہ اجنحہ ملائکہ کے لئے مقرر نہیں کئے گئے مگر اس لئے کہ ان کے ساتھ اس کی طرف نازل ہوں جو عنصر میں ان سے نیچے ہے نہ اس لئے کہ ان کے ساتھ اس کی طرف بلند ہوں جو عنصر میں ان سے فائق ہے۔ اور یہ ہمارے ہاں پرندوں کے برعکس ہے کیونکہ وہ اترتا تو پروں کے بغیر ہے جبکہ اوپر ان کے ساتھ چڑھتا ہے۔ پس بیشک ملائکہ کے پروں سے ان کے مقام سے آگے پرواز نہیں ہوسکتی۔ پس معلوم ہوا کہ پرندے کے پروں میں اصل یہ ہے کہ صعود یعنی اوپر چڑھنے کے۔ لئے ہوں اور ملائکہ کے اجنحہ میں اصل یہ ہے کہ نیچے اترنے کے لئے ہوں۔ پس پرندہ جب اترتا ہے تو اپنی طبع کے ساتھ اترتا ہے اور جب اوپر چڑھے تو اپنے پر کے ساتھ۔ جبکہ فرشتہ جب اترے تو اپنے پر کے ساتھ اترتا ہے اور جب اوپر چڑھے تو اپنی طبع کے ساتھ چڑھتا ہے۔ یہ سب کچھ اس لئے ہے تاکہ ہر موجود اپنے عجز کو پہنچانے۔ اور یہ کہ اس کے لئے تصرف ممکن نہیں مگر اسی قدر جو کہ اس کے لئے حد مقرر کی گئی ہے۔

عروج ملائکہ سے کیا مراد ہے؟

اگر تو کہے عروج ملائکہ سے کیا مراد ہے کیونکہ عروج نہیں کرتا مگر وہ جو نازل ہوا؟ تو جواب یہ ہے کہ فرشتوں کا عروج عالم بالا کے ساتھ خاص نہیں جس طرح کہ ان کے غیر کا عروج ہے بلکہ ہماری طرف ان کے نزول کو بھی عروج کہا جاتا ہے اس اظہار کے لئے کہ اطلاق حکم اللہ رب العالمین کے لئے ہے۔ پس بیشک اللہ تعالیٰ کے لئے ہر موجود میں تجلی اور اس کے ساتھ ایک وجہ خاص ہے جس کے ساتھ اس کی حفاظت فرماتا ہے۔ علی الخصوص اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا کہ بالائی سمت مطلقاً اسی کے لئے ہے۔ یعنی برابر ہے کہ تجلی سفلیات میں یا علویات میں واقع ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا **سبح اسم ربك الا علی** (الاعلیٰ آیت ۱۔ اپنے رب کے نام کی پاکیزگی بیان کریں جو سب سے برتر ہے) نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **وهو الله في السموات و في الارض** (الانعام آیت ۳۔ اور وہی اللہ ہے آسمانوں میں اور زمین میں) تو اس نے اپنے لئے علو قرار دیا۔ برابر ہے کہ آسمانوں میں ہو یا زمین ہے۔ اس حدیث کے قرینے کے ساتھ **اقرب مایکون العبد من ربه وهو ساجد** یعنی عبد اپنے رب سے نہایت قریب اس وقت ہوتا ہے جب وہ سجدہ میں ہو۔ پس سمجھ لے۔ تو علو اسی کے لئے ہے ہمیشہ۔ شیخ نے فرمایا: اس کی وضاحت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو اپنے جلال کا علم یوں عطا فرمایا ہے کہ بیشک جب بھی وہ اپنے مقام سے توجہ کریں تو وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہوتی ہے اس کے غیر کی طرف نہیں۔ پس ان کے لئے ہر شے میں حق کی طرف نظر ہے۔ پس اس حیثیت سے کہ ان کی نظر اس کی طرف ہے جس کی طرف نازل ہوتے ہیں فرمایا **تنزل الملائكه** (القدر آیت ۴۔ ملائکہ نازل ہوتے ہیں) اور اس حیثیت سے کہ وہ اپنے نزول میں اصحاب عروج ہیں فرمایا **تعرج الملائكة** (المعارج آیت ۴۔ ملائکہ عروج کرتے ہیں) بہر صورت ہر نظر جو کائنات کی طرف واقع ہو کسی موجود کی طرف سے ہو پس وہ نزول ہے اور ہر نظر جو حق کی طرف واقع ہو کسی موجود کی طرف سے ہو وہ عروج ہے۔ اور ہم پہلے تقریر کر چکے ہیں کہ فرشتہ جب عروج کرے تو اپنی ذات کے ساتھ عروج کرتا ہے کیونکہ یہ اپنی اصل کی طرف رجوع ہے۔ اور جب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آسمان کی طرف عروج کیا تو براق کے ساتھ عروج کیا۔

اگر تو کہے کہ ابلیس کو خطاب فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے اس قول سے کیا مراد ہے **ما منعك ان تسجد لما خلقت بيدی**

استکبرت ام کنت من العالین (ص آیت ۷۵۔ تجھے کس چیز نے اس کو سجدہ کرنے سے باز رکھا جسے میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا کیا تو نے تکبر کیا یا تو اپنے کو بلند مرتبہ خیال کرتا ہے) تو جواب یہ ہے اس سے مراد یہ ہے کہ تو اپنی نظر میں بڑا بنتا ہے؟ اور معاملہ ایسا ہی تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق خبر دی کہ اس نے تکبر کیا اور اپنے متعلق بباطن گمان کیا کہ وہ آدم سے بہتر ہے۔ یہاں ابلیس نے جہالت کا ارتکاب کیا۔

عالون کیا ہیں؟

اگر تو کہے کہ عالون ارواح ہیں یا ملائکہ؟ تو جواب یہ ہے کہ وہ ارواح ہیں۔ ملائکہ نہیں۔ کہ ملائکہ تو ان ارواح میں سے رسول ہیں جیسے جبریل علیہ السلام اور ان جیسے دوسرے ملائکہ۔ کیونکہ الوکت عربی زبان میں رسالت ہے۔ پس کوئی فرشتہ باقی نہ رہا مگر اس نے سجدہ کیا۔ کیونکہ یہ وہی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اسجدوا لآدم ۔پس ارواح مہیمنہ ان میں داخل نہیں تھیں جنہیں سجدہ کرنے کا خطاب فرمایا گیا۔ پس بیشک ذکر کیا گیا کہ ملائکہ کو خطاب فرمایا نہ ارواح کو۔ اسی لئے فرمایا فسجد الملائکۃ کلھم اجمعون (الحجر آیت ۳۰۔ پس تمام ملائکہ ایک ساتھ سجدے میں گر گئے) اور ابلیس پر استثناء منقطع کی وجہ سے نصب دی گئی نہ کہ متصل کی بناء پر۔ اور یہ ارواح جن کی طرف عالین کے ساتھ اشارہ کیا گیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشغولیت کی وجہ سے پہچانتے ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو یا کسی اور کو پیدا فرمایا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کا ابلیس سے فرمانا کہ ام کنت من العالین یعنی کیا تو ان میں سے ہے جن کا ہم نے ذکر کیا ہے پس تجھے حکم سجدہ نہیں ہوا؟ اور مخفی نہ رہے کہ عربی زبان میں سجود جھک جانے۔ نیچے ہونے کو کہتے ہیں۔ کیونکہ آدم مٹی سے بنائے گئے جبکہ یہ سب ارکان سے نیچے ہے۔ اس سے نیچے کچھ نہیں اور میں نے اپنے بعض مشائخ کو فرماتے سنا ہے کہ عالون کو آدم کے لئے حکم سجدہ اس لئے نہیں ہوا کیونکہ وہ اسے پہنچانتے ہی نہیں حتیٰ کہ اسے سجدہ کریں۔ نیز اس لئے کہ اللہ تعالیٰ سے ہمارے تعارف میں ان کے لئے کوئی ذکر ہی جاری نہیں ہوا۔ اور اگر اللہ تعالیٰ ابلیس کے انکار کا ذکر نہ فرماتا تو ہم پہچان نہ سکتے کہ اسے حکم سجدہ ہوا۔ اسے شیخ نے ۳۶۱ ویں باب میں ذکر فرمایا۔

اور آپ نے ۱۵۷ ویں باب میں فرمایا ہے ارواح علویہ میں سب سے بلند مرتبہ عالون ہیں۔ اور نام کی حیثیت سے ملائکہ نہیں ہیں کیونکہ یہ تو ان میں سے صرف رسل کے لئے خاص ہے کیونکہ ملائکہ کا معنی ہے رسل۔ اور یہ مقلوب ہے۔ اس کی اصل ماٰ لکہ ہے۔ اور الوکت، رسالت ہے۔ پس ایک کے مقابلہ میں دوسری جنس سے خاص نہیں۔ اسی لئے امر سجدہ کے خطاب میں ابلیس داخل ہوا جبکہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے فرمایا اسجدوا۔ کیونکہ وہ کبھی پیغام رسانی میں استعمال ہوتا تھا۔ پس ملائکہ ایک جنس ہے جو کہ ارواح بررہ سفرۃ اور جن و انس کو عام ہے۔ پس ہر صنف میں کوئی تو وہ ہے جسے پیغام دے کر بھیجا گیا۔ اور اس میں کوئی وہ بھی جسے نہیں بھیجا گیا۔ پس نبوت ملکیہ جو کہ مہموزہ یعنی ہمزہ والی ہے اسے صرف پہلا گروہ ہی پاتا ہے جو کہ عرش کے گرد پرے باندھے اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ تسبیح پڑھتے ہیں۔ یا کرسی اور آسمانوں کے ملائکہ یا عروج والے ملائکہ کے افراد۔ شیخ نے فرمایا۔ اور فرشتوں میں سے آخر نبی آسمان دنیا والا فرشتہ اسماعیل ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک اپنے رب کی طرف سے ایک شریعت پر ہے جو کہ ایک حد تک عالم ارواح میں حضور جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کی باطنیت سے ہے۔ اور یہ مفہوم ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا وما منا الا له مقام معلوم ۔پس انہوں نے اعتراف کیا کہ ان کی حدود ہیں جن پر وہ رکے ہوئے ہیں۔ ان سے آگے نہیں گزرتے اور شریعت کا معنی صرف یہی ہے تو جب

اللہ تعالیٰ ان کی طرف وحی فرماتا ہے تو وحی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا کلام سنتے ہیں اور اپنے پروں کو جنبش دیتے ہیں اور اس بارے میں شیخ نے طویل کلام فرمایا۔

اسماء الٰہیہ سے مراد

اگر تو کہے کہ ان اسماء الٰہیہ سے کیا مراد ہے جن کی طرف ملائکہ نے تکیہ کیا۔ جن کی طرف اللہ تعالیٰ کے قول انبئونی باسماء ھولاء میں ھولاء کے ساتھ اشارہ کیا گیا ان کی ایجاد اور ان کے احکام میں۔ تو جواب یہ ہے کہ یہ سارے اسماء الٰہیہ ہیں۔ پس ان کی اسماء سے ناواقفیت ایسا نقص تھا جس کی وجہ سے وہ مواخذہ اور توبیخ کے مستحق ہوئے۔ گویا اللہ تعالیٰ ان ملائکہ سے نرمار ہا ہے کہ کیا تم نے کبھی ان اسماء کے ساتھ میری تسبیح و تقدیس کی باوجود یکہ تم نے میری تسبیح و تقدیس کا دعویٰ کیا ہے۔ اور اپنا تزکیہ بیان کیا ہے اور زمینی خلیفہ پر جرح کی ہے۔ تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔

کیا فرشتہ، حیوان، معدن اور نباتات کے لئے ارادہ ہے؟

اگر تو کہے: کیا فرشتہ، حیوان، معدن اور نباتات کے لئے ارادہ ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ ان کے لئے ایسا کوئی ارادہ نہیں جو امور میں سے کسی امر کے ساتھ متعلق ہو۔ پس وہ اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ اور اس کی حمد وثنا کی اپنی فطرت کے ساتھ وابستہ ہیں۔ پس ان کی دائمی مشغولیت اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے نہ کہ اس سے مشغول ہوتے ہیں۔ رہا انسان تو اس کے لئے اس کے ساتھ اور اس سے مشغولیت ہے اور اس سے مشغول ہونا ہی غفلت اور نسیان کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے۔

اگر تو کہے کہ کیا ارواح میں انسان کی طرح تصویر گری کی قوت ہے؟ تو اس کا جواب جیسا کہ شیخ نے ۳۶۷ ویں باب میں فرمایا ہے یہ ہے کہ ارواح کے لئے قوت تصور تو ہے۔ تصویر گری کی قوت نہیں۔ پس بیشک تصویر بنانے کی قوت اس فکر کے تابع ہے جو کہ غور وفکر کرنے والی قوت کی صفت ہے۔ اور اسی طرح ارواح جو کہ طبیعت سے فائق ہیں صدر عالم کا شہود نہیں رکھتیں اور نہ ہی تصور قبول کرتی ہیں جیسے نفس کلیہ، عقل اور جلال ذات میں مدہوش ملائکہ۔ واللہ اعلم۔

اور ملائکہ کے احوال کے متعلق اسی قدر بیان کافی ہے اور مبحث ولایت میں ملائکہ الہام پر ایک معنی خیز گفتگو آرہی ہے انشاء اللہ۔

چالیسویں بحث

انبیاء علیہم السلام سے بر بنائے عقیدت و محبت حسن سلوک

کے مطلوب ہونے۔ ہمارے آقا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کے حکم کے متعلق بحث کرنے سے وجوبار کنے اور دو فترتوں کے زمانے والوں میں یعنی حضرت نوح اور حضرت ادریس کے درمیان نیز حضرت عیسیٰ اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان کی فترت والوں کے حکم کے بارے میں اور اس بیان میں کہ وہ جنت میں داخل ہوں گے گرچہ کسی کتاب اور نہ ہی سنت رسول پر ایمان لائے ہوں۔

جان لے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کے حضور محبت و عقیدت کے ساتھ حسن سلوک پسندیدہ امر ہے اور اللہ تعالیٰ خوشنودی طلب کرنے کو ان کے لئے دعا کرنا کہ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بڑھائے۔ اور شیخ محی الدین نے ۴۵۴ ویں باب میں فرمایا ہے کہ جان لے کہ ہر مومن کو اپنے

مسلمان آباؤاجداد کے ساتھ اور اپنے آباؤاجداد کے علاوہ حضرت آدم سے لے کر اپنے سب سے قریبی باپ تک اکابر اولیاء کیساتھ حسن سلوک کرنا چاہیے۔ شیخ نے فرمایا کہ ایک دفعہ میں نے اپنے باپ حضرت آدم علیہ السلام کی طرف سے عمرہ کیا اور میں نے اپنے مریدوں کو اس کا حکم دیا۔ پس ہم نے آسمان دنیا جس میں حضرت آدم علیہ السلام اس کے دروازے اس رات کھلے پائے اور اتنے ملائکہ نے عروج کیا کہ ان کی تعداد اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور اسی قدر نازل ہوئے اور وہ ہمیں مرحبا اور اہلاً وسہلاً کہتے ہوئے ملے۔ یہاں تک کہ ہم حیران رہ گئے اور اس رات ہمارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کے عطیہ کی بنا پر ان کی کثرت کی وجہ سے ہمارے ہوش اڑ گئے اور یہ اس لئے کہ اکثر لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ صلہ رحمی نہیں کرتے۔ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے صلہ رحمی کا الہام فرمایا تو میں نے یہ شرف حاصل کیا۔ اور میں نے سب کے ساتھ صلہ کیا اور یہ اللہ تعالیٰ کے آگاہی بخشنے کی وجہ سے تھا۔ میں نے اس بارے میں کسی کا نشان قدم نہیں پایا جس پر چلوں۔ اور حق تعالیٰ نے قرآن پاک میں بے شمار مقامات پر یابنی آدم صرف اسی لئے فرمایا کہ ہمیں اپنے باپ آدم علیہ السلام کی یاد تازہ ہو تا کہ ہم ان سے صلہ رحمی کریں۔ اور اس کے باوجود ابوت کے اس حق کے لئے اور نہ ہی اس کی حق رسی کے لئے کوئی بیدار نہیں ہوا۔ اور یہ یادداشت مریم کے لئے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے ساتھ کس قدر مشابہ ہے "یا اخت ہارون (مریم آیت ۲۸) حالانکہ کہاں ہارون کا زمانہ اور کہاں مریم۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کا حکم

باقی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کے حکم آخرت کے بارے میں گفتگو سے رکنے کے وجوب کا مسئلہ تو شیخ جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے اس مسئلہ کے متعلق چھ رسائل ہیں اور میں نے سب کا مطالعہ کیا ہے تو میں نے دیکھا کہ وہ سب کے سب اس سمت لوٹتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں ادب سے پیش آنا واجب ہے۔ اور یہ کہ جس نے آپ کو اذیت دی تو بیشک اللہ تعالیٰ کو اذیت دی۔ جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **ان الذین یوذون اللہ ورسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والآخرۃ واعد لھم عذابا مھینا** (الاحزاب آیت ۵۷۔ بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو اذیت دیتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں لعنت فرماتا ہے اور ان کے لئے رسوا کن عذاب تیار کیا ہے) اور قرآن عظیم میں ہے **وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا** (بنی اسرائیل آیت ۱۵ اور ہم عذاب نازل نہیں کرتے جب تک کسی رسول کو نہ بھیجیں) اور اہل سیرت نے جناب عبدالمطلب کی گفتگو جو آپ نے زمزم کے کنویں کی کھدائی کے واقعہ میں حضرت عبداللہ کی قربانی کا ارادہ کرتے وقت کی نقل کی جو اس کا مطالعہ ہے وہ آپ کے عقیدہ توحید کی گواہی دیتا ہے اور صاحب توحید کی توحید کسی وجہ کے ساتھ ہو سعادت مند ہے جیسا کہ عنقریب اہل فقرات کے حکم میں آئے گا۔

حضور علیہ السلام کے والدین کے ایمان پر جماعت حفاظ کا اتفاق

جلال الدین السیوطی فرماتے ہیں کہ حدیث پاک میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کے والدین کو زندہ فرمایا حتیٰ کہ دونوں آپ پر ایمان لائے۔ اور اس مسلک پر حفاظ کی ایک جماعت ہے۔ ان میں سے خطیب بغدادی، ابوالقاسم بن عساکر، ابوحفص بن شاہین، قرطبی، محب الدین طبری، ابن المنیر، ابن سید الناس، صفدی اور ابن ناصر الدمشقی وغیرہم ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور حاکم کی حدیث جس کی اس نے تصحیح کی ہے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی۔ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آپ کے والدین کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں اپنے رب سے ان کے لئے جو کچھ مانگوں گا مجھے عطا فرمائے گا جبکہ میں اس دن مقام محمود پر کھڑا

ہوں گا۔ اس حدیث کے ذکر کے بعد امام سہیلی کے الفاظ یہ ہیں پس اس حدیث پاک میں یہ اشارہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس مقام پر جلوہ گر ہو کر دونوں کی شفاعت فرمائیں گے تاکہ اس امتحان کے وقت انہیں طاعت کی توفیق کی جائے جو کہ قیامت کے دن واقع ہوگا جیسا کہ متعدد احادیث میں وارد ہوا ہے۔

محب طبری فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کو زندہ فرمائے تاکہ آپ پر ایمان کا اظہار کریں پھر وفات پائیں۔ اور یہ وہ اعزاز ہوگا جو کہ سید الاولین والآخرین کو عطا فرمایا گیا۔ انتہی۔

اور قرطبی فرماتے ہیں کہ ان کا زندہ فرمانا اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ان کا ایمان لانا نہ عقلاً منع ہے نہ شرعاً جبکہ قرآن پاک میں بنی اسرائیل کے مقتول کا زندہ کرنا وارد ہے حتیٰ کہ اس نے اپنے قاتل کی خبر دی۔ انتہی۔

امام شعرانی کا فیصلہ

شعرانی فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ ان کی وفات کے بعد زندہ کئے جانے کے قول کی صحت کی بنا پر یہ زندہ کرنا ان کے زندہ کرنے کی مثل ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا مر جاؤ۔ پھر انہیں زندہ فرمایا یعنی ان کی عمروں کی تکمیل تک۔ اور اس وضاحت کے مطابق یہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین اپنے زمانہ تکلیف میں ہی ایمان لائے۔ تو گویا دونوں آپ پر اپنی وفات سے پہلے ایمان لے۔ جیسا کہ بعض محققین نے اعراف والوں کے سجدہ کے بارے میں کہا ہے کہ قیامت کے دن ان کا ترازہ اس سجدہ کی وجہ سے بھاری ہو جائے گا پھر وہ اس کی وجہ سے جنت میں داخل ہوں گے۔ تو اگر یوں نہ ہوتا کہ اس سجدہ سے انہیں نفع ہوا اور وہ سعادت مند ہو گئے تو وہ جنت میں داخل نہ ہوتے باوجودیکہ یہ سجدہ واقع نہیں ہوا مگر موت کے بعد۔ پس قیامت کا دن برزخی ہے۔ اس کا ایک رخ دنیا کی طرف اور ایک رخ آخرت کی طرف ہے۔ واللہ اعلم۔

منکرین ایمان کے متعلق ابوبکر العربی کا فتویٰ

اور امام ابوبکر بن العربی مالکی فقیہ محدث فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس شخص سے زیادہ اذیت دینے والا کوئی نہیں جو آپ کے والدین کو (پناہ بخدا) جہنمی کہتا ہے۔ انتہی۔

(اقول وباللہ التوفیق۔ مفتی شافعیہ سید احمد زینی دحلان نور اللہ مرقدہ السیرۃ النبویہ والآثار المحمدیہ ص ۷۸ جو کہ سیرت حلبیہ کے حاشیہ پر بھی ہے پر ناقل ہیں کہ قاضی ابوبکر بن العربی سے جو کہ ائمہ مالکیہ میں سے ہیں اس شخص کے متعلق پوچھا گیا جو کہ اس کا قائل ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) جہنمی ہیں تو آپ نے ان لفظوں میں جواب دیا **انہ ملعون لقولہ تعالیٰ ان الذین یوذون اللہ ورسولہ لعنہم اللہ فی الدنیا والآخرۃ واعدلہم عذا مہینا** ۔ وہ لعنتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو ایذاء پہنچاتے ہیں ان پر دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے رسوا کرنے والا عذاب تیار کیا ہے۔ پھر فرماتے ہیں **ولا اذی اعظم من ان یقال ابواہ فی النار** ۔ اور اس سے بڑی ایذا کوئی نہیں کہ یہ کہا جائے کہ آپ کے والدین آگ میں ہیں۔ انتہی۔ اللہ تعالیٰ۔ اور اس کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایذا رسانی موجب لعنت ہے۔ اس کتاب کے قاری حضرات گواہ رہیں کہ فقیر حقیر محمد محفوظ الحق غفرلہ کا مسلک علماء ربانیین کے مذکور الصدر فرامین عالیہ کے مطابق ہے اور سرکار

ابد قرا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین کے حوالے سے ایذاء پہنچانے والا فی الحقیقت لعنتی ہے اور پرلے درجے کا بے حیاء ہے۔ ایمان کی تازگی اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشنودی کے لئے امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کا اقتباس نقل کرتا ہوں جسے اکابر اسلام نے پسند کیا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں ''ان ابوی النبی صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کا نا علی الحنیفیة دین ابراھیم علیہ السلام کما کان زید بن عمر دبن نفیل واضرابه بل ان آباء الانبیاء کلھم ما کانوا کفارا تشریفا لمقام النبوة و کذالك امہا تھم وان آزرلم یکن ابا لا براھیم علیه السلام بل کان عمه ویدل لذالك قوله تعالیٰ تقلبك فی الساجدین مع قوله صلی الله علیه و آلہ و سلم لم ازل انقل من اصلاب الطاھرین الی ارحام الطاھرات وقال تعالیٰ انما المشرکون نجس فوجب ان لا یکون احد من اجداده مشرکا وقدار تضی کلامه ھذا ائمة محققون منھم العلامه المحقق السنوسی والتلمسانی محشی الشفاء فقالا لم یتقدم لو الدیه صلی الله علیه و آلہ و سلم شرك وکانا مسلمین لا نه علیه الصلوٰة والسلام انتقل من الاصلاب الکریمة الی الارحام الطاھرة ولا یکون ذالك الا مع الایمان بالله تعالیٰ وما نقله المورخون قلة حیاء و ادب وھذا لازم فی جمیع الآباء ۔یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین بلا شک وشبہ حنیفیت پر تھے جو کہ ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے۔ جس طرح کہ زید بن عمرو بن نفیل اور ان جیسے دوسرے حضرات تھے۔ بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام کے آباؤ اجداد بر بنائے عظمت مقام نبوت کافر نہیں تھے۔ اور اسی طرح ان کی مائیں، اور آزر، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد نہیں تھا بلکہ چچا تھا اور اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ قول دلالت کرتا ہے وتقلبك فی الساجدین (الشعراء آیت ۲۱۹۔ آپ کے نور کا آپ کے سجدہ گذار آباؤ اجداد میں منتقل ہونا)۔ حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد بھی دلالت کرتا ہے کہ میں پاکوں کی پشتوں سے پاک خواتین کی طرف منتقل ہوتا رہا ہوں۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ مشرک نرے پلید ہیں۔ تو واجب ہے کہ آپ کے آباؤ اجداد میں کوئی بھی مشرک نہ ہو۔ امام رازی کے اس کلام کو ائمہ محققین نے پسند فرمایا ہے جیسے علامہ محقق سنوسی اور محشی شفاء تلمسانی پس انہوں نے فرمایا: حضور علیہ الصلام کے والدین سے شرک قطعاً صادر نہیں ہوا۔ وہ دونوں مسلمان تھے۔ پھر فرماتے ہیں کہ جو کچھ مورخین نے نقل کیا ہے یہ حیا اور ادب کی قلت ہے اور یہ تمام آباؤ اجداد میں لازم ہے۔ الناقل محمد محفوظ الحق کان اللہ لہ ولوالدیہ۔

خاتم الحفاظ امام جلال الدین السیوطی کا تبصرہ

مصر کے خاتم الحفاظ شیخ جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جماعات کثیرہ نے تصریح کی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کو دعوت اسلام نہیں پہنچی۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وما کنا مندبین حتی نبعث رسولا (بنی اسرائیل آیت ۱۵۔ ہم عذاب نازل نہیں کرتے جب تک کسی رسول کو نہ بھیجیں) اور جسے دعوت نہ پہنچے اس کا حکم یہ ہے کہ اس کی وفات نجات پر ہوتی ہے اسے عذاب نہیں دیا جاتا۔ اور وہ جنت میں داخل ہوتا ہے۔ شیخ سیوطی فرماتے ہیں کہ یہ ہمارا مذہب ہے اور فقہ میں ہمارے ائمہ شافعیہ اور اصول میں اشاعرہ کے محققین کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس پر امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ نے نص فرمائی ہے اور شاگردوں نے اس پر آپ کی پیروی کی ہے۔

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اور تیرے لئے اس مسئلہ کی وضاحت کہ انہیں دعوت نہیں پہنچی اس سے ہوتی ہے کہ دونوں

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نوعمری میں فوت ہوئے اور علائی وغیرہ نے اس کی تصحیح کی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد بزرگوار نے ۱۸ سال عمر پائی جبکہ آپ کی والدہ محترمہ کا وصال بیس سال کی حدود میں ہوا۔ اور اس قول پر کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ نہیں فرمایا حتیٰ کہ آپ پر ایمان لائے ایسی عمر میں گنجائش نہیں ہوتی کہ مطلوب توحید کی تحقیق کی جا سکے۔ اس کے باوجود یہ دونوں جس زمانے میں تھے ایسا دور تھا جس میں ناواقفیت اور فترت رہا تھی۔ انتہی۔

اہل فترتین کا حکم

اور ہم تیرے لئے دونوں فترتوں والوں کے تمام احکام ذکر کرتے ہیں تاکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین ان کی اعلیٰ اقسام میں داخل ہوں۔ پس ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کہتے ہیں:

جان لے کہ موحد سعادت مند ہے اس کی توحید کسی وجہ کے ساتھ بھی ہو گرچہ وہ کسی کتاب پر اور نہ ہی کسی رسول پر ایمان لایا ہوں (یعنی زمانہ فترت کے دوران) اور وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اور یہ اس لئے کہ ایمان کا تعلق اس خبر کے ساتھ ہوتا ہے جو انبیاء علیہم السلام اپنے رب عزوجل کی طرف لاتے ہیں۔ جبکہ دونوں فترتوں والوں کے پاس کوئی کتاب ہے نہ رسول حتیٰ کہ ان پر ایمان لائیں اور درست ہے کہ اس کا معمہ کے طور پر ذکر کیا جائے پس یوں کہا جائے کہ ہمارا ایک شخص ایمان کے بغیر مرگیا اور وہ جنت میں داخل ہوگا اور یہ وہ شخص ہے جس نے اللہ تعالیٰ کو وحدہ لاشریک جانا اس نور کی وجہ سے جو اس نے اپنے قلب میں پایا اور اسی پر فوت ہوگیا۔

اہل فترتین کی تیرہ اقسام اور ان کی تفصیل

اور شیخ محی الدین نے فتوحات کے دسویں باب میں اہل فترتین کو تیرہ اقسام پر تقسیم کیا ہے۔ ان میں سے چھ اقسام کے لئے سعادت اور چار کے لئے شقاوت کا فیصلہ دیا ہے جبکہ تین کے متعلق یہ فرمایا کہ وہ مشیت کے تحت ہیں۔

رہے سعادت مند تو ایک قسم وہ ہے جس نے اللہ تعالیٰ کو وحدہ لاشریک مانا اس نور کی وجہ سے جو اس نے اپنے قلب میں پایا جیسے قس بن ساعدہ، سعید بن زید بن عمرو بن نفیل۔ بیشک قس سے جب یہ پوچھا جاتا کہ کیا اس جہان کا کوئی معبود ہے؟ تو کہتا کہ مینگنی اونٹ پر دلالت کرتی ہے اور نشان قدم چلنے پر دلالت کرتے ہیں۔ وغیرہ۔ رہا سعید بن زید تو یہ سجدہ کرتا اور کہتا: میرا معبود ابراہیم کا معبود ہے اور میرا دین ابراہیم کا دین ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے۔ نیز کہتا کہ بیشک میں اولاد۔ اسماعیل سے بنی عبدالمطلب میں سے ایک نبی کا منتظر ہوں اور میں اپنے کو انہیں پاتا معلوم نہیں کرتا۔ اور ان پر ایمان لاتا ہوں اور تصدیق کرتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ وہ نبی ہیں۔ اور جس کی عمر طویل ہو اور وہ ایک مرتبہ آپ کی زیارت کرے تو میری طرف سے ان پر سلام کہے۔ انتہی۔ اسے ابن سید الناس نے اپنی سیرت میں ذکر کیا ہے اور شیخ محی الدین نے فرمایا ہے کہ قس کی طرح جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا قائل ہوا سے صاحب دلیل کہتے ہیں جس میں غور وفکر کا امتزاج ہو۔ اور یہ اس لئے کہ اس نے مخلوقات کا اور اس میں اپنے اعتبار کا ذکر کیا۔ اسی لئے جیسے کہ حدیث میں وارد ہے کبھی ایک ہی امتی ہوتا۔ تابع نہ متبوع۔

اور ایک قسم وہ ہے جس نے اللہ تعالیٰ کو اس وجہ سے وحدہ لاشریک مانا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے قلب کے لئے غور وفکر، زیارت، تحقیق اور استدلال کے بغیر اس نور سے تجلی فرمائی جسے وہ روک نہیں سکتا۔ تو یہ اپنے رب کی طرف سے خالص روشنی پر ہے جس میں کائنات کے

بارے میں غور وفکر کا امتزاج نہیں اور یہ شخص قیامت کے دن اصفیاء ابریاء یعنی کفر وشرک بری لوگوں کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔

اور ایک قسم وہ جس کے نفس میں القاء کیا گیا اور وہ اپنے نور کی شدت، اپنے سرّ کی صفائی اور اپنے یقین کے خلوص کی وجہ سے اپنے کشف سے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرتبے۔ آپ کی سیادت اور حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے لے کر اس مکاشف کے زمانے تک باطنی طور پر آپ کی رسالت کے عموم پر مطلع ہوا۔ پس عالم غیب میں آپ پر اپنی گواہی اور اپنے رب کی طرف سے دلیل کی بنا پر ایمان لایا۔ اور یہ مفہوم ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول کا **افمن کان علی بینة من ربه ویتلوه شاهد منه** (ہود آیت ۱۷۔ تو کیا وہ شخص جس کے پاس اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل ہو اور اس کے پیچھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سچا گواہ بھی آ جائے) یعنی اس کے لئے اس کے قلب میں اس کے کشف کی سچائی کی گواہی دے۔ تو یہ قیامت کے دن اپنے پیچھے سے دور وشنیوں اور باطنیت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اٹھایا جائے گا۔

اور ایک قسم جس نے اپنے سے پہلے گزرے ہوئے دین حق کی پیروی کی جیسے وہ جو یہودی ہوا یا نصرانی اور اس نے ملت ابراہیم کی یا جب اسے علم ہوا اس وقت جو نبی تھا اس کی پیروی کی۔ اسے جتلایا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتے ہیں ایک مخصوص گروہ ہے۔ بس اس نے ان کی پیروی کی۔ ان پر ایمان لایا اور ان کی سنت کی راہ پر چلا پس اپنے اوپر وہ چیز حرام قرار دی جسے اس رسول نے حرام قرار دیا اور اپنے آپ کو اس کی شریعت کا پابند کیا۔ گرچہ یہ اس پر واجب نہ تھا کیونکہ وہ رسول اس کی طرف مبعوث نہ تھا تو یہ شخص قیامت کے دن ان لوگوں کے ساتھ اٹھایا جائے گا جنہوں نے اس رسول کی پیروی کی اور اپنی ظاہریت میں اس کے زمرہ میں ممتاز ہوگا جب کہ اس نبی کی شریعت ظاہر میں ثابت ہو چکی ہو۔

اور ایک قسم جس نے انبیاء کی کتابوں کے مطالعہ میں حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمت۔ آپ کے دین کی بزرگی اور آپ کی پیروی کرنیوالوں کے ثواب کا تعارف حاصل کیا تو آپ پر ایمان لایا اور بر بنائے علم، تصدیق کی گرچہ وہ کسی گذشتہ نبی کی شریعت میں کبھی بھی داخل نہ ہوا ہو۔ خصوصاً اگر وہ مکارم اخلاق اپنائے ہوئے ہو جیسے حکیم بن حزام اور ان جیسے دوسرے حضرات۔ تو یہ شخص قیامت کے دن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے والوں کے ساتھ اٹھایا جائے گا نہ کہ آپ کی شریعت پر عمل کرنے والوں میں لیکن ظاہریت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں۔

اور ایک قسم وہ جو اپنے اس نبی پر ایمان لایا جو اس کی طرف بھیجا گیا۔ اور اس نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا زمانہ پایا اور آپ پر ایمان لایا تو اس کے لئے دو اجر ہیں۔ تو یہ چھ اقسام سب کے سب اپنی توحید کی وجہ سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں سعادت مند ہیں گرچہ ایمان کے ساتھ متصف نہ ہوئے (یعنی سوائے آخری قسم کے)

اشقیاء

رہے اشقیاء تو ایک قسم جو کہ معطل رہا۔ غور وفکر کر کے نہیں بلکہ تقلید سے۔ پس یہ مطلقاً شقی ہے اور ایک قسم جس نے محض تقلید سے شرک کیا تو یہ شقی ہے۔ بہر حال وہ جو مشیت کے تحت ہے تو وہ قسم جو معطل ہوا تو اس نے کوتاہ نظری کی وجہ سے وجود کا اقرار نہ کیا۔ وہ قصور اس کی نسبت سے ہے کہ اس کا مزاج اس کے غیر کی قوت کے سامنے کمزور ہے۔ پس وہ تحت مشیت ہے اور ایک قسم جس نے

غور وفکر کر کے شرک کیا جس میں کوشش کے باوجود جو اسے اس کی قوت عطا کرتی ہے سیدھی راہ سے غلطی کی۔ پس یہ تحت مشیت ہے۔ اور ایک قسم اور ہے جو انتہائی قوت کے ساتھ غور وفکر کر کے اثبات وجود کے بعد معطل ہوا جس قوت پر کہ وہ ہے باوجودیکہ اپنے سے اوپر کی نسبت سے وہ کمزور ہے۔ پس وہ مشیت کے تحت ہے پس یہ اہل فترات کی اقسام ہیں جو کہ حضرت ادریس اور حضرت نوح کے مابین اور حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم و بارک وسلم کے مابین ہیں۔ پس اس سے پرہیز کر کہ تو تمام فترات والوں پر مذکورہ تفصیل کے بغیر ایک ہی حکم لگائے پس تو درست راہ سے بھٹک جائے تو اللہ تعالیٰ شیخ محی الدین پر رحمت فرمائے اس تقسیم میں ان کی اطلاع کس قدر وسیع ہے جسے تو ان کے علاوہ کہیں نہیں پاتا واللہ اعلم۔

اکتالیسویں بحث

تکالیف شرعیہ ہمارے لئے اور انبیاء علیہم السلام کے لئے نافع ہیں

یہ اس بیان میں ہے کہ جتنی بھی تکالیف شرعیہ رسل علیہم السلام لے کر تشریف لائے ان سب کا نفع ہماری طرف اور رسل علیہم السلام کی طرف لوٹتا ہے۔ نہ کہ اللہ عزوجل کی طرف۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ بلاشک وشبہ سب جہانوں سے بے نیاز ہے۔ اور یہ اس طرح ہے کہ یہ ان خلاف ورزیوں کا کفارہ ہیں جن کا ہم ارتکاب کرتے ہیں۔ پس کوئی فعل ایسا نہیں جس سے روکا گیا ہو مگر اس کے مقابلے میں ایک امر ہے جس کا حکم دیا گیا ہے یہ اس کا کفارہ ہے۔

جب تجھے یہ معلوم ہو گیا تو میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کہتا ہوں کہ عارفین میں سے بعض نے نقل فرمایا ہے کہ تمام تکالیف کی مشروعیت کا سبب وہ لقمہ ہے جو کہ ہمارے باپ حضرت آدم علیہ السلام نے درخت سے کھایا۔ پس تمام تکالیف اس کے مقابلہ میں اس کا کفارہ اور اس کے محل کو پاک کرنے کے لئے ہیں۔ اور میں نے سیدی علی الخواص رحمۃ اللہ علیہ سے سنا۔ آپ اسے سیدی ابراہیم المتبولی رضی اللہ عنہ سے بھی نقل فرماتے تھے۔ اور مخفی نہ رہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا درخت سے کھانا درحقیقت معصیت نہ تھا۔ وہ تو صورتا تھا تا کہ اپنی اولاد کو دکھائیں کہ جب وہ کسی امر ممنوع میں پڑ جائیں تو کیا کریں۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام کی ترقی دائمی ہے۔ پس یہ کبھی بھی ایک مقام یا حال سے منتقل نہیں ہوتے مگر اس سے اعلیٰ کے لئے جیسا کہ انبیاء علیہم السلام کی طرف سے جوابات کی بحث میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے پس ادھر رجوع کر۔ پس اس لقمے کا حکم آپ کی اولاد پر اصالتاً قیامت تک کھنچا چلا آتا ہے مگر جسے اللہ تعالیٰ چاہے کیونکہ درخت آپ کی اولاد کے فعلاً یا ارادۃً حرام یا مکروہ یا خلاف اولیٰ کے طور پر ارتکاب نہی کے لئے مظہر تھا۔ اور سب کے لئے اہل ہیں۔ گرچہ لوگوں کے مراتب کم وبیش ہیں۔ تو ان میں سب سے (ارتکاب نہی) میں کم وہ ہے جو خلاف اولیٰ کا ارتکاب کرے۔ اور سب سے بڑا (مرتکب نہی) وہ جو کہ شرک کے سوا اکبر الکبائر کا ارتکاب کرے۔ کیونکہ شرک کا کوئی کفارہ نہیں سوائے اس سے توبہ کے۔

انبیاء علیہم السلام اور معصیت

اور انبیاء علیہم السلام کے حق میں جو اسم معاصی کا اطلاق وارد ہوا ہے تو اس کے متعلق ہمارا عندیہ یہ ہے کہ وہ خلاف اولیٰ پر محمول ہے۔ کیونکہ یہ حضرات خلاف اولیٰ کے مرتبہ سے کبھی بھی آگے نہیں بڑھے۔ تو ان کے معاصی سب کے سب اس باب سے ہیں۔ اور اگر مکروہ کا

ارتکاب ہوتو صرف اللہ تعالیٰ سے ان پر گنجائش پیدا کرنے کو امت کے لئے بیان جواز کی خاطر ہوتا ہے۔ تو اس میں ان کے لئے اجر ہے جس طرح کہ انہیں بیان مباح کے لئے اس کا ارتکاب کرنے پر اجر ملتا ہے۔

رہے انبیاء علیہما السلام کے سوا دوسروں کے معاصی تو اگر ولی محفوظ ہو تو جب تک اس پر عنایت ربانی سایہ فگن رہے تو اس کا حصہ صرف مکروہ تک ہے۔ اگر عنایت اس سے جدا ہو جائے تو وہ کبھی اس سے زائد بھی ہو سکتا ہے۔ رہے عوام الناس تو وہ اکثر تینوں احوال میں واقع ہو جاتے ہیں۔ یعنی حرام۔ مکروہ اور خلاف اولیٰ۔ پس معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام حرام اور مکروہ میں دوسروں کے شریک نہیں ہوئے لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کا مقام اونچا کیا ہے اس لئے ان کے خلاف اولیٰ میں واقع ہونے کو اللہ تعالیٰ نے معصیت اور خطا سے تعبیر فرمایا ہے۔ پس اسے سمجھ لے۔ تو امت کے مکلفین میں سے کوئی نہیں مگر نہی میں واقع ہوا اگرچہ خلاف اولیٰ میں ہو۔ جو کہ اس درخت سے کھانے سے کنایہ ہے تو تمام تکالیف، بنی آدم کے اس میں واقع ہونے کے مقابلہ میں ہیں جن کا ہم نے ذکر کیا ہے اور آدم کے درخت سے کھانے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے آپ کی توبہ قبول کرنے اور آپ کے مرتبہ اجتباء واصطفاء میں آپ کی اولاد کے لئے تواضع اور عاجزی اور دروازہ کھولنا ہے اور اس امر کا بیان ہے کہ وہ سب کے سب امر، نہی اور مباح میں ہر حرکت وسکون میں قضاوقدر کے تحت ہیں۔

تکالیف شرعیہ کفارہ ہیں

چاہیے کہ ہم تیرے لئے تکالیف شرعیہ کے احکام بیان کریں اس حیثیت کہ یہ باب طہارت سے لے کر باب امہات اولاد تک کفارہ ہیں۔ پس ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کہتے ہیں۔ جان لے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے جب اپنے نسیان کی حالت میں اور ابلیس کے متعلق اپنے اس گمان کی حالت میں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نام سے جھوٹی قسم نہیں اٹھاتا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے صریح اجازت کے بغیر شجرہ ممنوعہ سے کھایا جو کہ خلاف اولیٰ فعل ہے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے بلند رتبہ کی وجہ سے اسے معصیت کا نام دیا۔ پھر توبہ کے بعد اس پر آپ کی توجہ میں یوں اضافہ فرمایا کہ آپ سے صادر ہونے والے اس واقعہ کی یاد دلانے والا آپ کے نفس سے مقرر فرمایا اور وہ اس جنت میں اپنی کیفیت کے خلاف بدبودار نجاست کا پیٹ سے خارج ہونا ہے۔ تو حضرت آدم علیہ السلام و جب بھی بول و براز یا بدبودار ہوا کا تقاضا لاحق ہوتا تو آپ اپنے سے صادر ہونے والے فعل کو یاد کرتے اور اللہ تعالیٰ کے تعظیم اور جلالت کے لئے استغفار میں اضافہ کرتے۔ اسی لئے جب ہم بیت الخلاء سے نکلیں تو ہماری شریعت میں استغفار کا حکم وارد ہوا۔ اور اس کی یہی حکمت ہے اور آدم اور اس کے بیٹوں پر، حواء اور اس کی بیٹیوں کے لئے رفع حاجت کے تقاضا پر ہر ماہ حیض کا اضافہ ہوا کیونکہ حواء نے آدم علیہ السلام کے لئے درخت کا پھل کھانا خوشنما کیا اور اسے آدم علیہ السلام کے لئے درخت سے توڑا حتیٰ کہ آپ نے اسے کھالیا۔ اور یہ اختلاف اقوال کے ساتھ انجیر کا درخت تھا اور مخفی نہ رہے کہ جو خلاف ورزیاں کرے جبکہ انہیں اچھا سمجھتا ہے اس کی سزا اس کی بہ نسبت زیادہ ہوتی ہے جو کہ اس کا ارتکاب اسے برا سمجھتے ہوئے کرے۔ کیونکہ تاویل معصیت کی قباحت لے جاتی ہے۔

اور اے بھائی! جان لے کہ وہ جنت جس میں آدم اور حوا تھے اس نجاست کا مقام نہیں تھا جو اس لقمہ سے پیدا ہوئی۔ اسی لئے دونوں زمین پر اتارے گئے جو کہ بدبو کا محل ہے۔ پھر جب دونوں زمین کی طرف اتارے گئے۔ تو ان کے پیٹ میں اس لقمہ سے جو کہ درخت

سے کھایا تھا بول و براز، خون، نیند، جماع وغیرہ کیساتھ عورتوں کے قرب سے لذت پیدا ہوئی۔ اور اس طرح ان کی اولاد میں اس درخت سے کھانے کی وجہ سے جو کہ ان کے ساتھ اور ان کے مقامات کے ساتھ مخصوص ہے اس پر اضافہ ہوا اور یہ جنون، مرض کے بغیر بیہوشی، ناک سے بہنے والا پانی، بغل کی بو، قہقہہ، اتراتے ہوئے چلنا، چادر، قمیض، شلوار اور عمامہ کو حد شرعی سے زیادہ لٹکا کر تکبر کرنا، غیبت، چغلی، برص، کوڑھ، کفر اور شرک وغیرہ ہیں جن کے متعلق احادیث میں وارد ہے کہ طہارت میں خلل واقع کرتے ہیں اور یہ تمام امور اس لقمے کی وجہ سے پیدا ہوئے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے۔ اور ہمارے لئے ناقض طہارت سب صرف اور صرف کھانے پینے سے ہی پیدا ہوتا ہے۔ بیشک جو کھاتا پیتا نہیں اس کا حکم ناقض طہارت کسی چیز میں واقع نہ ہو جانے میں فرشتوں کا حکم ہے۔ ناقض طہارت جو مذکور ہوئے یا نہیں ہوئے۔ کیونکہ ملائکہ بول و براز نہیں کرتے۔ ان سے خون بالکل جاری نہیں ہوتا۔ اسی طرح انہیں لذت مقاربت و جماع کی کوئی اشتہاء نہیں۔ انہیں جنون لاحق ہوتا ہے نہ غشی۔ سوتے نہیں اور قول و فعل سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے۔ ان کے جسم کو برص و جذام لاحق نہیں ہوتے۔ بغل کی بو اور ناک کے پانی سے مبرا۔ ہنستے نہیں مگر قہقہے کے بغیر تبسم کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر و شرک نہیں کرتے اور اس کے دین سے کبھی مرتد نہیں ہوتے۔

مذکور الصدر مسئلہ کی وضاحت

اس کی وضاحت یہ ہے کہ بندہ کبھی نافرمانی نہیں کرتا یہاں تک کہ حجاب میں آ جائے۔ اور حجاب میں اسی وقت آتا ہے جب کھاتا پیتا ہے۔ اور اگر وہ کھانے پینے کی وجہ سے محجوب نہ ہوتا تو معصیت میں کبھی نہ گرتا۔ پس مولا کائنات حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول بالکل درست ہے کہ جو برص والے کو یا کوڑھی کو یا کسی یہودی نصرانی یا صلیب کو مس کرے تو وضو کرے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کی بے ادبی اور اس سے غفلت ان نواقض کے لوازم سے ہے۔ اور یہ بدن اور قلب کو کمزور کرتے ہیں اس لئے شارع علیہ السلام اور آپ کے پیروکار مجتہدین نے ہمیں صاف پانی سے جو کہ بدن کو قائم کرنیوالا ہے پاکیزگی حاصل کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور انہوں نے ہمیں ہر اس شے سے پاک رہنے کا حکم دیا ہے جو کہ کھانے پینے سے پیدا ہوتی ہے اور اس کے ہوتے ہوئے ہم پر نماز وغیرہ حرام کر دی گئی حتیٰ کہ ہم پانی یا مٹی سے طہارت حاصل کریں۔ بلکہ شارع علیہ السلام نے ہمیں بول و براز سے نکلنے کی جگہ کو مس کرنے سے بچنے کا حکم دیا ہے حتیٰ کہ شارع علیہ السلام نے ہمیں پاجامے پر پانی چھڑکنے کا حکم دیا ہے جو شرم گاہ سے لگتا اور فرمایا کہ اس کا مجھے جبریل علیہ السلام نے امر دیا ہے۔ تو آپ جب بھی وضو کرتے تو پاجامے پر پانی چھڑکتے۔ اور یہ چھڑکاؤ آپ کے حق میں وسوسہ روکنے کے لئے نہیں تھا جیسا کہ بعض کو اس کا وہم ہوا ہے کیونکہ آپ اس قسم کی چیزوں سے معصوم ہیں۔ کیونکہ کہا گیا ہے کہ یہ جنون کی ایک نوع ہے اور حق یہ ہے کہ یہ پاجامے کے شرم گاہ کے ساتھ لگنے کی وجہ سے ہے جیسا کہ ہم نے اس کی تقریر کی ہے۔ اور میرے بیٹے عبدالرحمٰن نے یہاں ایک سوال وارد کیا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اس کے متعلق کوئی جواب نہ کھولا۔ اور وہ سوال یہ ہے کہ جب شارع نے شرم گاہ کے مس سے وضو ٹوٹنے کا حکم دیا کیونکہ یہ اس سے خارج ہونے والی نجاست کی جگہ ہے تو ہمیں پاخانہ کو مس کرنے پر وضو کرنے کا حکم کیوں نہیں دیا جو کہ اپنے مقام سے زیادہ قبیح ہے۔ انتہی۔ تو تجھے معلوم ہے کہ ذکر، دبر اور عورت کی شرم گاہ کے مس سے وضو ٹوٹنے کا قول ان کی ذات کے لئے نہیں۔ یہ تو ان کے ناقض وضو کے نکلنے کا مقام ہونے اور اس کے چھونے کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ اگر اس کی وجہ وضو ٹوٹنا فرج کی ذات کی وجہ سے اس حیثیت سے ہوتا کہ یہ کھانے کی وجہ سے پیدا ہوا تو تمام اعضاء بدن کا حکم اسی طرح ہوتا اور اس کا کوئی بھی قائل نہیں کیونکہ تمام اعضاء کھانے کی وجہ سے پیدا ہوئے اور اسی کے ساتھ ان کی نشو و نما ہوئی۔

مس کی وجہ سے وضوٹوٹنے کے بارے میں اقوال مجتہدین کی کیفیت

اور دلائل واردہ کے مطابق وضوٹوٹنے کے بارے میں اقوال مجتہدین تخفیف اور تشدید کے طور پر آئے ہیں۔تو ناقض کے بارے میں اور اس پانی کے بارے میں جس سے طہارت حاصل کی جاتی ہے کسی نے شدت اختیار کی ہے تو کسی نے تخفیف اور کوئی معتدل ہے۔تو جس سے وضوٹوٹنے پر اتفاق کیا گیا بول و براز، جماع اور جنون ہے۔اور جس میں نقض وضو میں اختلاف ہے محارم کو چھونا۔شرم گاہ کو ہتھیلی کے باطن کے ساتھ چھونا۔بدصورت بڑھیا کو مس کرنا۔بدن سے خون نکلنا،غیبت،قہقہہ،بدبودار بغل کو مس کرنا،مشرکوں،بتوں اور صلیبوں کو چھونا ہے۔اور شرم گاہ کے چھونے کی وجہ سے وضوٹوٹنے اور نہ ٹوٹنے کے دواقوال کو بعض نے جمع کیا ہے۔پس اس سے وضوٹوٹنے کو اکابر علماء کے ساتھ خاص کیا اور نہ ٹوٹنا ضرورت والے عوام کے ساتھ خاص گردانا ہے جیسے شدید سردی کے موسم میں وسوسہ والے۔پس ذکر اور عورت کے مس سے ترک وضو میں اکابر کے لئے کوئی گنجائش نہیں مگر شدید عذر کی بنا پر۔اور ہر اس مسئلہ میں جس میں شارع کی طرف سے تخفیف اور تشدید آئی اسی طرح کا قول ہے۔جیسا کہ اس بحث میں کہ مسلمانوں کے تمام ائمہ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اس کی تفصیل آرہی ہے انشاءاللہ العزیز۔پس معلوم ہوا کہ ناقض درحقیقت وہ طبیعت ہے جو کہ کھانے سے پیدا ہوتی ہے حتیٰ کہ مثلاً سنگریزہ یا عود نکلنے کی وجہ سے وضوٹوٹنے کے قول تک حقیقت میں ناقض وہ طبیعت ہے جو کہ سنگریزے یا عود پر ہے نہ کہ خاص سنگریزہ یا عود۔کیونکہ طبیعت ہی وہ شے ہے جس کی وجہ سے شہوت متحرک ہوئی یہاں تک کہ اس نے بندے کو اپنے رب عزوجل کے شہود سے محجوب کر دیا جبکہ سنگریزے اور عود میں شہوت برانگیختہ کرنا نہیں پایا جاتا۔گرچہ مکلف نے انہیں نگل لیا پھر وہ اس سے باہر آگئے۔رہا ان کے نکلنے سے روزے کا باطل ہونا تو یہ کھانے کا دروازہ بند کرنے کے لئے حد حرم یا کھیتی کے اردگرد کی جگہ کو پامال کرنے کو حرام قرار دینے کے باب سے ہے۔جیسا کہ شرم گاہ کے جو کہ نہی کا مقصد ہے قریب جانے سے بچنے کے لئے ناف اور گھٹنے کے درمیانی جسم سے فائدہ لینے سے روکا گیا ہے۔اور جس طرح ایک تل کی مقدار کھانے سے روزہ باطل ہونے کا حکم دیا گیا ہے باوجودیکہ یہ شہوت کی انگیخت نہیں کرتا۔اور جیسا کہ شراب کا ایک قطرہ پینا حرام قرار دیا گیا ہے باوجودیکہ تحریم کی اصل علت نشہ دینا ہے۔اور اسی پر مثلاً روزہ دار کے آلہ تناسل میں اور پیچھے کے مقام میں سلائی داخل ہونا کہ ایسا کرنے والے پر روزہ ٹوٹنے کا حکم لگایا گیا ہے۔باوجودیکہ اسے شرعاً یا لغتاً یا عرفاً کھانا پینا نہیں کہا جاتا۔

پورے بدن کے غسل کے وجوب کی حکمت

اگر تو کہے کہ منی نکلنے سے ہم پر سارے جسم کا غسل کیوں واجب ہوا باوجودیکہ وہ کراہت ونفرت میں پاخانے سے یقیناً کم ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ منی نکلنے کی وجہ سے جنابت سے ہم پر سارے جسم کا غسل اس لئے واجب ہوا کہ وہ ایسی فرع ہے جو کہ اپنی اصل سے لذت میں زیادہ قوی ہے۔تو اس میں سارے جسم کا غسل واجب نہیں ہوا مگر لذت کی حیثیت سے نہ کہ کراہت ونفرت کی حیثیت سے۔کیونکہ جماع کرنے والا،اس وجہ سے کہ وہ محسوس کرتا ہے کہ لذت سارے جسم کو عام ہے حتیٰ کہ اس کے ہوتے ہوئے قریب نہیں کہ کسی چیز کو سمجھ سکے اسے اپنے سارے جسم کو پانی سے دھونے کا حکم دیا گیا تا کہ اسے اس فتور سے پاک کرے جو کہ منی نکلنے کے بعد جسم کو حاصل ہوا۔پس اس میں بول و براز کی نسبت اللہ تعالیٰ سے غفلت زیادہ ہے۔اور اسی لئے امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نماز میں قہقہہ لگانا وضوتوڑتا ہے۔کیونکہ یہ واقع نہیں ہوتا مگر غافل اور اپنے رب عزوجل کی بارگاہ سے غیر حاضر قلب سے۔اور یہ معلوم ہے کہ دربار خداوندی۔۔۔

منزہ ہے کہ اس دربار کے حاضر باشوں میں سے کسی سے قہقہہ واقع ہو۔ ان کی شان تو ادب، حیرت اور بیثر مردگی ہے۔

اگر تو کہے کہ حیض و نفاس والی عورت کو سارا جسم دھونے کے وجوب کی کیا وجہ ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ اس کی وجہ نجاست کی زیادتی ہے جو کہ حیض و نفاس کے خون سے حاصل ہوتی ہے۔ اور پسینہ وغیرہ سے جسم کے ظواہر میں خون کے انتشار کی کثرت ہے۔ نیز دو حیضوں کے درمیان طویل وقت کا ہونا ہے۔ پس جب بھی غسل کا موجب حاصل ہوا اس پر غسل گراں نہیں ہوتا۔ بخلاف حدث اصغر کے کیونکہ عادتاً اس کے بعض کا وقت بعض کے قریب ہوتا ہے۔ اسی لئے ہم پر اس میں صرف اعضاء مفروضہ اور مسنونہ دھونے کا امر آسان رہتا ہے۔ کیونکہ اس کے حدث کا سبب کثرت سے بار بار آتا ہے۔ نیز اعضاء وضو بندے سے صادر ہونے والے اکثر گناہوں کا آلہ ہیں۔ تو جب اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر القلب وضو کرنیوالا اعضاء وضو دھوتا ہے اور ان میں سے ہر عضو دھوتے وقت اس سے صادر ہونے والے گناہوں کو یاد کرتا ہے اور اس وقت اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہے اور اس پر نادم ہوتا ہے تو وہ عضو ظاہری باطنی طور پر پاک ہو جاتا ہے اور اس کی خطائیں گر جاتی ہیں۔ کیونکہ جو گناہوں پر اصرار کرنیوالا ہو تو اکثر اس کے اعضاء دھوتے ہوئے پانی کے ساتھ اس کی خطائیں نہیں گرتیں۔ بخلاف اس کے کہ جب وہ توبہ کرے اور نادم ہو تو اس کی خطائیں اگر اس کی توبہ قبول ہو جائے تو پانی کے ساتھ گر جاتی ہیں۔ پس اس وقت وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جو کہ نماز ہے با کمال حالت میں داخل ہوتا جو اس کے لائق ہو۔

آدمی کا بول و براز بالاتفاق نجس ہونے کی وجہ

اگر کہا جائے کہ علماء کا انسانی بول و براز کی نجاست پر اتفاق ہے نہ کہ حلال مویشیوں کے متعلق۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ اس کے بول و براز کی نجاست پر اتفاق ہمارے پاس صرف اس کے شرف کی جہت سے آیا ہے کیونکہ یہ مکلف ہے نہ کہ مویشی۔ تو اس نے بحث کے اوائل میں مذکور مقصد کے ساتھ شجرہ ممنوعہ سے کھایا بخلاف جانوروں کے کہ وہ طاعت یا معصیت کے ساتھ مکلف نہیں ہیں۔ پس اسلیئے ان کے بول و براز میں تخفیف رکھی گئی۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ جس کا رتبہ عظیم ہو اس کا صغیرہ بھی بہت بڑا ہے جبکہ من حیث العقل قانون اس کے خلاف ہے تاکہ مقرب سے درگذر ہو اور بعید کو پکڑا جائے، اور ہر مرتبہ عظیم والے کے لئے چاہیے تھا کہ کھانے پینے کی جو اشیاء استعمال کرے پاک ہوں لیکن جب وہ اپنے رب سے غافل ہوا اور اپنی طبیعت کی شہوات میں مشغول ہو گیا تو اس کا حکم برعکس ہو گیا۔ اسی لئے کھانے پینے کی پاک اور کستوری اور عود سے مہکائی ہوئی چیزیں جب ایک دن رات اس کی صحبت میں آئیں تو بول و براز، خون، آب منی اور بدبو کی صورت میں نجس خبیث غلیظ ہو گئیں۔ فلا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

حضور علیہ السلام اور انبیاء علیہم السلام کے فضلات پاک ہیں

اگر کہا جائے کہ تمہاری اس تقریر سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ جو معصوم ہو اور اپنی طبیعت کے حکم کی وجہ سے اپنے رب سے مشغول یعنی غافل نہیں ہوتا اس کا بول و براز طاہر ہے تو جواب یہ ہے کہ ہاں یہ اسی طرح ہے۔ جیسا کہ شیخ الاسلام البلقینی، سبکی، جلال الدین السیوطی وغیر ہونے نے یہی فتویٰ دیا ہے۔ حتیٰ کہ شیخ الاسلام السراج البلقینی فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کی قسم ہے اگر مجھے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بول و براز میں سے کچھ مل جائے تو میں اسے کھا پی لوں۔ اور حدیث پاک میں اس کی تائید ہے۔ پس طبرانی وغیرہ نے روایت فرمائی (کہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا) انبیاء علیہم السلام کی جماعتوں کے اجسام اہل جنت کے اجسام پہ بنائے گئے ہیں'' امام شعرانی فرماتے

ہیں کہ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم جہاں رفع حاجت فرماتے وہاں کستوری کی مہک آتی تھی (اقول وباللہ التوفیق۔اس سے معلوم ہوا کہ گرچہ انبیاء علیہم السلام شکل انسانی میں تشریف لائے اوران پر بشریت کا اطلاق ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود وہ صرف خصائص نبوت و رسالت کے حوالے سے ہی بے مثل نہیں ہیں بلکہ ان کے اجسام مبارکہ ساخت پرداخت میں بھی بے مثل اور بے مثال ہیں۔اور جس طرح اہل جنت بشری شکل وصورت کے باوجود بشری کمزوریوں اور مجبوریوں سے پاک ہوں گے۔اسی طرح انبیاء علیہم السلام اس دنیا میں ان صفات سے موصوف ہوتے ہیں انہیں اپنے جیسا کہنے والے مقام نبوت سے قطعاً نا آشنا ہیں۔بلکہ جو علم کہ ان نفوس قدسیہ کی بے مثلیت اور عظمت کی طرف راہنمائی نہیں کرتا وہ علم نہیں بلکہ جہالت اوران کو اپنے جیسا قرار دینے والے عالم نہیں بلکہ جاہلوں کا قافلہ ہے جس کی کوئی منزل ہے نہ اچھا انجام۔اور پھر یہ تو دیگر انبیاء ومرسلین صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہم اجمعین کی شان ہے۔یہاں سے سید الانبیاء والمرسلین حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی عظمت ورفعت کا اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ انبیاء علیہم السلام تو امتوں میں بے مثل وممتاز ہیں جبکہ حضور نبی رحمت۔سید الخلق علی اطلاق جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم تو انبیاء ومرسلین علیہ وعلیہم التحیات والتسلیمات میں بہمہ وجوہ منتخب وممتاز ہیں۔ونعم ما قال شیخ العرب والعجم مولانا امام احمد رضا خان بریلوی نور اللہ مرقدہ۔

جان اسماعیل بر رویش فدا	از دعا گویاں خلیل مجتبی
گشت موسیٰ ور طوی جویان او	ہست عیسیٰ از ہوا خواہان او
انبیاء سابقین اے محتشم	شمعہا بودند درلیل و ظلم
درمیان ظلمت و ظلم و غلو	مستنیر نور ہر یک قوم او
آفتاب خاتمیت شد بلند	مہر آمد شمعہا خامش شدند
نو حق از شرق بے مثلی بتافت	عالمے از تابش او کام یافت
دفعتاً برخواست اندرمدح او	از زبانہا شور لا مثل لا
در دو عالم نیست مثل آں شاہ را	در فضیلتہا و در قرب خدا

(الناقل محمد محفوظ الحق غفرلہ)

اورجس نے نبی پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے فضلات کے متعلق عدم طہارت کا قول کیا ہے اس کی دلیل آپ کا ان سے پاک رہنا اوراگر کپڑے کو لگ جائے تو اسے دھونا یا اسے پتھر کے ساتھ کھرچنا ہے گرچہ جزو بشریٰ کی حیثیت سے ہو۔

(اقول وباللہ التوفیق۔واضح رہے کہ آپ کے فضلات کا طہارت یا عدم طہارت کا حکم جدا جدا دو نسبتوں سے ہے۔یعنی امت کے حوالے سے بالکل طہارت کا حکم ہے جیسا کہ شیوخ اسلام کے حوالے سے بیان ہو چکا جبکہ عدم طہارت کا قول خود ذات سید عالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی نسبت سے ہے۔یہ تفصیل پیش نظر رہے۔ضروری ہے۔ (محمد محفوظ الحق غفرلہ ولوالدیہ)

اگر کہا جائے کہ علماء کرام نے آدمی کے تمام فضلات از قبیل آب بینی، کھنگار، اس کی بغل کے پسینے کی نجاست پر اتفاق کیوں نہیں کیا کہ یہ سب کے سب کھانے سے ہی پیدا ہوتے ہیں۔تو جواب یہ ہے کہ اس پر اتفاق اس لئے نہیں کیا گیا کہ ان میں قباحت اور نجاست مخفی ہے اور کھانے اور مشروب کے رنگ کی صورت سے دور ہے۔بخلاف بول وبراز کے کہ یہ غالباً اپنی اصل کے رنگ سے مشابہت رکھتے ہیں۔

کتے کی نجاست دھونے کے لئے پانی اور مٹی کو جمع کرنے کی حکمت

اگر کہا جائے کہ کتے کی نجاست (دھونے میں) پانی اور مٹی کو جمع کرنے کے امر کی کیا وجہ ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا جوٹھا ایسا ناپاک کیا ہے کہ اس کا کھانا یا پینا دل کو مردہ کر دیتا ہے اور یہ معلوم ہے کہ جس کا دل مرجائے وہ کسی نصیحت کی طرف اور نہ ہی کسی خیر کی طرف مائل ہوتا ہی نہیں۔ اور جب کسی گناہ میں گر جائے تو توبہ کی ہدایت نہیں پاتا اور جس چیز کا کھانا یا پینا مذکورہ اثر پیدا کرے تو جس اور نجس کے ساتھ اس کی تعبیر درست ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **انما الخمر والمیسر والا نصاب والازلام رجس من عمل الشیطان** (المائدہ آیت ۹۰۔ شراب، جوا، بت اور جوئے کے تیر سب ناپاک ہیں شیطان کا عمل ہیں)۔ تو جس طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں رجس کا نام دیا اس حیثیت سے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نماز سے رکاوٹ بنتے ہیں اسی طرح کتے کے جوٹھے کو نجس کا نام دینا درست ہے اس حیثیت سے کہ یہ انسان میں سنگدلی پیدا کرتا ہے۔ اور ہم پر اس سے دور رہنا واجب ہے۔ پس اسی طرح ہمیں شارع نے اس کے جوٹھے اور اس کے علاوہ اس کے فضلات سے دھونے میں پانی اور مٹی کو جمع کرنے کا حکم فرمایا۔ کیونکہ جب پانی اور مٹی جمع ہو جائیں تو کھیتی اگاتے ہیں۔ بخلاف ان میں سے تنہا ایک کو جب دانے پر ڈالا جائے تو کوئی پھل نکلتا ہے نہ کوئی نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔ پس اسی طرح جس نے کتے کی نجاست کو صرف پانی کے ساتھ دھویا یا صرف مٹی سے صاف کیا اس طرح کہ اسے اس کے ساتھ مسح کرے تو وہ اثر زائل نہیں ہوتا جو کہ دل کو مردہ کرتا ہے۔

اگر تو کہے کہ دونوں مذہبوں میں سے کس پر عمل زیادہ بہتر ہے۔ جو اس کی طہارت کا قائل ہے یا جو اس کے نجس ہونے کا قائل ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ اس کی نجاست کا قائل زیادہ بہتر اور دین میں زیادہ محتاط ہے گرچہ شارع نے لفظوں میں اس کی نجاست کی صراحت نہیں کی اور امام بیہقی نے ان دلائل کی جستجو کی ہے جو کتے کی نجاست پر صراحت کریں۔ تو نہیں پائے۔ پس آپ نے اس کی نجاست پر اس سے استدلال کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے کتے کی قیمت کھانے سے منع فرمایا ہے اور فرماتے ہیں کہ اگر اس کی نجاست نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ ہم پر اس کی قیمت کھانا حرام نہ فرماتا۔ انتہی۔

کتے کا جوٹھا استعمال کرنے سے دل سخت ہوتا ہے

اور سیدی علی الخواص رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ آپ نے ایک شخص کو جو کہ مالکی تھا وہ دودھ پینے سے روکا جس میں سے کتے نے پیا تھا۔ تو فقیہ نے کہا کہ میرا مذہب یہ ہے کہ یہ پاک ہے۔ تو شیخ نے فرمایا کہ اگر تو نے اس کا جوٹھا پیا تو اس سے تیرا دل مرجائے گا لیکن اس نے شیخ کی بات پر کان نہ دھرا۔ پس اس کا دل نو ماہ تک سخت ہو گیا۔ وہ شیخ کی خدمت میں آیا اور کہا: یا سیدی! میں اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کرتا ہوں کیونکہ میرا دل ایسا ہو گیا ہے کہ تلاوت قرآن پاک کی طرف مائل ہوتا ہے نہ کسی علم کی طرف اور نہ ہی عبادت سے لذت حاصل ہوتی ہے۔ تو شیخ نے اسے کہا: میں نے تجھے منع کیا تھا لیکن تو نے میری بات نہیں سنی۔ تو اگر اس فقیہ نے اپنے نفس میں علت محسوس نہ کی ہوتی تو کلام شیخ پر ایمان نہ ہوتا اور میں نے اس کے سوا کسی کو اس علت پر متنبہ ہوتا نہیں پایا۔

ماء مطلق اور ماء مستعمل سے طہارت میں وجہ جامع

اگر کہا جائے کہ ماء مطلق اور ماء مستعمل کے ساتھ طہارت حاصل کرنے میں اقوال ائمہ کے درمیان وجہ جامع کیا ہے۔ اور اس میں

انہیں کون سا امر ملحوظ ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ انہیں مکلفین سے واقع ہونے والے اعمال ملحوظ ہے۔ تو جس نے گناہوں کے بڑے ہونے اوران کی قباحت کا لحاظ کیا اس نے طہارت میں ماء مطلق کی شرط رکھی۔ اور جس نے مخلوق پر غلبہ رحمت کا لحاظ کیا اس نے اس کی شرط کے ساتھ ماء مستعمل کے ساتھ طہارت جائز قرار دی کیونکہ پانی میں روحانیت باقی ہے گرچہ اس کے ساتھ طہارت کا تکرار ہوا ہو۔ اس دلیل کے ساتھ کہ یہ کھیتی اگاتا ہے۔ تو جب بندے کے گناہ زیادہ قبیح اور کثرت سے ہوں گے تو اس سے وہ پانی استعمال کرنے کا مطالبہ کیا جائے گا جو کبھی استعمال نہ کیا گیا، مگر جبکہ ماء کثیر ہو۔ اور اس میں شک نہیں کہ وہ پانی جو مستعمل نہ ہو گنہگار کے بدن کو زیادہ صاف کرنے والا ہے۔ اور جسے شک ہو وہ تجربہ کر لے۔

ماء مستعمل کے بارے میں امام ابو حنیفہ کی تین روایات اور ان کی وجوہ

اور امام ابو حنیفہ کی مستعمل پانی کے بارے میں تین روایات ہیں۔ ایک یہ کہ حدث میں مستعمل کا حکم اس پانی کا حکم ہے جو کہ نجاست کے ساتھ متغیر ہو۔ دوسری روایت یہ ہے کہ وہ بالکل مویشیوں کے پیشاب جیسا ہے۔ تیسری روایت یہ ہے کہ وہ فی نفسہ پاک ہے دوسرے کو پاک کرنیوالا نہیں جیسے کہ شافعیہ کا قول ہے۔ اور سب سے معتدل روایت ہے۔ رہے امام مالک تو جیسے ہمیں روایت پہنچی ہے۔ آپ نے کئی مرتبہ استعمال شدہ پانی کے ساتھ طہارت جائز قرار دی ہے جب تک کہ پانی پوری طرح متصیر نہ ہوا ہو۔ پس آپ کا قول طہارت کے پانی کے بارے میں ائمہ سے زیادہ وسعت والا ہے۔

اور امام ابو حنیفہ کی تینوں روایات میں سے ہر ایک کی موثر وجہ ہے۔ پہلی روایت کی وجہ احتیاط اختیار کرنا ہے۔ پس آپ نے اس طہارت میں مستعمل پانی گویا زنا، لواطت، شراب پینے، لوگوں کے معاملات حاکم کے سامنے شکایۃً لے جانا۔ باعمل علماء، اولیاء اور صالحین کی غیبت جیسے کبائر کا غسالہ قرار دیا ہے اور ان کبائر کا دھوون جب پانی میں نکلتا ہے تو لازماً پلید اور متغیر کر دیتا ہے اور ان کبائر کے ارتکاب میں لوگ کمی بیشی رکھتے ہیں اور بعض لوگ وہ ہیں جو ان سب کا مجموعی طور پر ایک دن میں یا ایک جمعہ میں ارتکاب کرتے۔

لوگوں کے دھوون کا حکم نجاست اور بدگمانی

اگر کہا جائے کہ لوگوں کے دھوون کی نجاست کے قول سے ان کے متعلق بدگمانی لازم آتی ہے۔ تو جواب یہ ہے اس سے بدگمانی لازم نہیں آتی۔ یہ صرف احتیاط ہے۔ پس لوگوں کے ساتھ ایسا معاملہ کرتا ہے جیسے کہ بدگمانی کے بغیر ان کے متعلق بدگمانی کرنیوالے کا معاملہ ہے۔ پس ماء مستعمل کی نجاست کے حکم سے ان کے حق میں گناہ ثابت کرنا لازم نہیں آتا۔ اور میں نے سیدی علی الخواص رحمۃ اللہ علیہ کو کئی بار یہ فرماتے سنا کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے وضو کے دھوون کی نجاست کا قول اس لئے کیا ہے کہ آپ اہل کشف میں سے تھے تو جب آپ پانی میں نگاہ ڈالتے تو ہر گناہ کا دھوون پہچان لیتے اور اس کے غیر سے اسے جدا دیکھتے۔ اور اس کشف والا اپنے مشاہدہ کے حکم سے باہر نکلنے کی قدرت نہیں رکھتا کیونکہ وہ پانی کو ناپاک بدبودار دیکھتا ہے۔ تو وہ اس سے کیونکر وضو کرے یا غسل کرے۔ اور سیدی علی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جس کی بصیرت کھول دے تو وہ کبیرہ گناہوں کا دھوون کتے اور گدھے یا ان کی مردہ لاش سے زیادہ پلید اور بدبودار دیکھتا ہے۔ انتہی۔

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری روایت کی وجہ یہ ہے کہ وضو کرنے والے بندوں کے اکثر گناہ صغیرہ ہوتے ہیں جبکہ اصل ان کا کبیرہ میں واقع نہ ہونا ہے۔ یا ہم اسے ان کے صغائر میں واقع ہونے کی نسبت کی طرف گھمائیں۔ اور یہ معلوم ہے کہ صغائر

ایک ایسی حالت ہے جو کہ کبائر اور مکروہات کے درمیان ہے۔ پس اس کے قیاس پر ماء مستعمل کا حکم اس نجاست کا حکم ہوگا جو کہ مغلظہ اور معاف شدہ کے درمیان ہے۔

امام ابوحنیفہ کی تیسری روایت کی وجہ

رہی امام ابوحنیفہ اور آپ کے موافقین کے قول کی تیسری وجہ تو وہ یہ ہے کہ اصل میں اہل اسلام کے متعلق اچھا گمان واجب ہے کیونکہ وضو کرنے والوں کی اصل کبائر اور صغائر کا ارتکاب نہ کرنا ہے۔ یا انہوں نے اس کا ارتکاب کیا اور دوسرے اعمال کی وجہ سے کفارہ ہو گیا۔ پس وہ وضو کے لئے پانی کے پاس نہیں آئے مگر اس وقت کہ ان پر کوئی خطا نہیں ہے۔ اللھم۔ مگر یہ کہ کسی انسان کا مشاہدہ کرتا ہے جس نے مثلاً زنا کیا اور فوری توبہ نہ کی اور کوئی ایسے اعمال نہ کئے جو کہ اس کی جنایت کا کفارہ ہو سکیں۔ تو اکثر پرہیزگار کو چاہیے کہ اس کے وضو کے پانی سے پرہیز کرے۔ کیونکہ اس کا پانی پہلی روایت والوں کے پانی کی طرح ہے۔ پس اللہ تعالیٰ امام ابوحنیفہ پر راضی رہے کہ آپ کی نگاہ کس قدر دقیق ہے اور آپ اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کے بندوں کے کس قدر خیرخواہ ہیں اور اللہ تعالیٰ باقی مجتہدین سے راضی ہو۔ آمین۔

پھر مخفی نہ رہے کہ پانی نہ ملنے کے وقت مٹی اس کے قائم مقام ہے پس یہ نہ کہا جائے کہ ہم نے تیمم پر گفتگو چھوڑ دی ہے۔ جیسے کہ یہ بھی نہ کہا جائے کہ ہم نے موزے پر مسح کے متعلق گفتگو ترک کر دی کیونکہ پاؤں کا دھونا یا موزوں کا مسح ضروری ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔ پس ہم نے تیرے لئے حدیث وطہارت کا تعلق کھانے کے ساتھ واضح کر دیا ہے۔ اس پر غور کر کیونکہ یہ نفیس ہے۔

نماز اور اس کی انواع کا شجرہ ممنوعہ کھانے سے تعلق اور اس کی وجہ

رہی شجرہ ممنوع کھانے کے ساتھ نماز اور اس کی انواع کے تعلق کی وجہ اور یہ تعلق ہر کسی کے حسب حال اس کے حرام یا مکروہ یا خلاف اولیٰ کے ارتکاب کی بنا پر ہے تو وہ یہ ہے کہ تجھے معلوم ہو کہ نماز مشروع نہیں فرمائی گئی مگر توبہ واستغفار یا تقرب الی اللہ یا حق سبحانہ وتعالیٰ کے ہم سے راضی ہونے کا دروازہ کھولنے کے لئے۔ جب ہم نے شجرہ ممنوعہ کھایا یا اس کا قصد کیا تو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے فرضی اور نفلی نماز اس کے کفارہ کے طور پر مشروع فرمائی اور حدیث میں ہے کہ نماز کا وقت داخل ہونے کے وقت ملائکہ کہتے ہیں: اے اولاد آدم! اپنی اس آگ کو بجھانے کے لئے جو کہ تم نے جلائی تھی کھڑے ہو جاؤ۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے نماز میں عالم بالا و پست کی ساری عبادات جمع فرما دی ہیں۔ اس کے لئے جو اس کی سمجھ رکھتا ہے۔

صبح وشام نماز کی تکرار میں حکمت

اگر تو کہے کہ رات اور دن میں اس کی تکرار کی کیا وجہ ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے تاکہ بندہ ان گناہوں شہوتوں اور غفلتوں کو جب بھی وضو کرے اور نماز پڑھے یاد کرے جن کا اس نے ایک نماز سے دوسری نماز تک ارتکاب کیا ہے پس نماز کے اندر اور باہر ان کے متعلق توبہ واستغفار کرے۔ اگر نمازی کو کشف عطا ہوتا تو وہ اپنے گناہوں کو دیکھتا کہ اس کے قیام و رکوع کی حالت میں دائیں بائیں گر رہے ہیں پس اس کے دربار سجود تک جو کہ اپنے رب کے شہود کا بندے کے لئے سب سے قریبی مقام ہے پہنچنے تک اس پر ایک خطا بھی باقی نہیں رہتی۔ پس وہ سجدے میں اپنے پروردگار کے ساتھ گناہوں سے پاک صاف ہو کر مناجات کرتا ہے۔

نماز سے پہلے وضو کا فائدہ

اگر تو کہے کہ جب وہ سجدے تک نہیں پہنچتا مگر اس حالت میں کہ اس کی کوئی خطا باقی نہیں رہتی مگر نماز کے افعال واقوال کی وجہ سے گر جاتی ہے تو پھر اس سے وضو کا کیا فائدہ ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ وضو نماز کی شرطوں میں سے ایک شرط ہے تا کہ نماز درست ہو۔ پس گناہوں کا کفارہ ہو جائے۔ تو جب وضو کی نفی ہوئی تو نماز کی صحت کی بھی نفی ہوگئی مگر عذر شرعی کے لئے جیسے پانی اور مٹی نہ پانے والا۔ پس نماز کی گناہوں کی مغفرت نہیں ہوتی مگر وضو اور نماز کے اجتماع کے ساتھ۔ اور یہ اس لئے کہ لوگوں میں سے کسی کا بدن گناہوں کی وجہ سے مرجاتا ہے۔ یا کمزور ہو جاتا ہے یا بے کار ہو جاتا ہے۔ اور کوئی وہ شخص ہے جس کا بدن خلاف اولیٰ کی وجہ سے مرجاتا ہے یا کمزور اور مضمحل ہو جاتا ہے اور کوئی وہ ہے جس کا قلب پے در پے غفلتوں کی بنا پر مرجاتا ہے یا کمزور اور از کار رفتہ ہو جاتا ہے۔ تو جب وہ اس بدن کو صاف کرنے والے پانی کے ساتھ وضو کرتا ہے تو زندہ ہو جاتا ہے۔ پھر وہ کھڑا ہو کر اپنی نماز میں دربار حق جل شانہ میں داخل ہو جاتا ہے۔ پس وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے گویا اسے دیکھ رہا ہے۔ پس وہ اللہ تعالیٰ کی تکبیر اور اس کی رحمت اور اس کے لائق ثنا اور دعا میں مصروف ہو جاتا ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں اسے جو ذمہ داریاں تفویض فرمائی ہیں حتیٰ کہ یہ نماز جس میں وہ مصروف ہے کی ادائیگی میں اور اسے صراط مستقیم کی طرف راہنمائی اور آمین کہہ کر امام کی موافقت میں اس کی مدد فرماتا ہے پس اس کے گذشتہ گناہ بخش دیتا ہے یعنی جو نماز کے ساتھ خاص ہیں۔ ورنہ حدیث میں وارد ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے امر کے مطابق وضو کرے اس کے اعضا کی تمام خطائیں گر جاتی ہیں حتیٰ کہ وہ گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے پھر اس کا نماز با جماعت کے لئے چلنا درجات کی بلندی ہے۔ تو گناہوں سے جو کہ نماز میں داخل ہونے تک باقی نہیں رہتے ہماری مراد وہ گناہ ہیں جو کہ نماز کے ساتھ خاص ہیں جیسا کہ ابھی گذرا۔ پس معلوم ہوا کہ وضو کے ساتھ وہی گناہ گرتے ہیں جو کہ اس کے ساتھ خاص ہیں نہ کہ نماز کے ساتھ۔ اور اگر وضو میں گرنیوالے گناہوں سے عمومی حکم کے ساتھ تمام گناہ مراد ہوتے تو پھر اس کے سوا باقی اعمال میں سے جو کہ شریعت میں وارد ہیں جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج وغیرہ کوئی چیز کفارہ نہ ہو سکتی پس سمجھ لے۔

اور ہم نے اس سے پہلے بیان کیا ہے کہ ہر ممنوع کے لئے مامور ہے جو اس کا کفارہ بنتا ہے۔ یہ اس وقت ہے جب تمام مامورات کی تعمیل کرے ورنہ خود مامورات کے لئے مکفرات کی ضرورت ہوگی۔ جیسے کہ ہم نے اپنی کتاب اسرار العبادات میں اس پر تفصیل کے ساتھ کلام کیا ہے۔ اور یہ نفیس کتاب ہے۔ میرے گمان کے مطابق اس جیسی کتاب نہیں لکھی گئی اور ہماری تقریر کی تائید ان الحسنات یذھبن السیئات کے متعلق مفسرین کی ہی گفتگو سے ہوتی ہے کہ یہاں سیئات سے مراد صغائر ہیں نہ کہ کبائر۔ کیونکہ کبائر کا کفارہ صرف توبہ نصوح ہی ہے۔ یہ احکام دنیا میں ہے۔ رہے احکام آخرت تو کبھی بدکار کا کسی مسکین پر ایک روٹی خیرت کرنا بدکاری کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ جیسے کہ اس عابد کے قصہ میں وارد ہوا جس نے پانسو سال تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کی پھر بدکاری کی۔ اس کی ساری عبادت کا وزن کیا گیا تو بدکاری اس سے وزنی ہوگئی۔ پھر اس نے ایک روٹی خیرات کی تو اس بدکاری پر بھاری ہوگئی۔ اسے سمجھ لے۔

فرائض کیساتھ نوافل کی حکمت

اگر کہا جائے کہ جب پانچ نمازیں اپنے مابین کا کفارہ ہیں جبکہ کبائر سے پرہیز کی جائے تو ہمیں نوافل کا حکم کیوں دیا گیا؟ تو

جواب یہ ہے کہ ہمیں نوافل کا حکم اس خلل اور نقصان کو پورا کرنے کے لئے دیا گیا ہے جو کہ ہمارے فرائض میں واقع ہوتا ہے۔ کیونکہ خلل اور نقصان کے بغیر فرائض کی ادائیگی ہمارے نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دیگر انبیا علیہم السلام کے خصائص میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ومن اللیل فتھجد بہ نافلۃ لک (بنی اسرائیل آیت ۷۹۔ اور رات کے بعض حصے میں اس قرآن کی تلاوت کے ساتھ تہجد ادا کریں۔ یہ خاص آپ کے لئے زائد ہے) پس اللہ تعالیٰ کے قول لک پر غور کر تجھے ہمارے قول پر اطلاع ہو جائے گی۔ اور کمال فرض کے بعد ہی نفل ہوتا ہے۔ اور اس سے سجدہ سہو بھی ہے کیونکہ یہ بعض اجزاء کی ترک کی بنا پر واقع ہونے والے نقصان کو پورا کرتا ہے جیسا کہ وارد ہوا اور جیسے کہ قیاس ہے۔

اگر تو کہے کہ نوافل کے ساتھ فرائض کی تکمیل کی کیا کیفیت ہے تو جواب یہ ہے کہ اس کی کیفیت یہ ہے کہ وہ خلل جو کہ فرائض کے ارکان میں ہے نوافل کے ارکان کے ساتھ پورا ہو جائے۔ اور وہ خلل جو فرائض کے نوافل میں ہے جیسے اذکار مستحبہ جو کہ ان سنتوں کے ساتھ ہیں جو کہ نوافل میں ہیں تو واجب، سنت کیساتھ پورا نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کے برعکس۔ شیخ محی الدین نے فتوحات میں یونہی فرمایا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اگر کہا جائے کہ شارع نے بعض نوافل کی تاکید فرمائی ہے بعض کی نہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا امت پر گنجائش رکھنے کے لئے فرمایا ہے کیونکہ اگر سب کی تاکید فرما دیتے تو بسا اوقات یہ ان پر گراں ہوتا۔ جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت پر تخفیف پسند کرتے تھے اور فرماتے کہ مجھے چھوڑے رکھو جب تک میں تمہیں چھوڑے رہوں۔ ایک دفعہ آپ نے بیت اللہ شریف کے اندر دو رکعت پڑھیں۔ پھر باہر تشریف لائے اور فرمایا شاید میری امت کو مشقت ہو۔ انتہی۔ یعنی جب وہ اس عمل میں میری پیروی کریں کیونکہ بیت اللہ کی طرف چڑھنے میں ہجوم کی وجہ سے اکثر مشقت ہوتی ہے۔ اور آپ نے مغرب سے پہلے دو رکعات پڑھیں اور فرمایا: اس لئے جو چاہے۔ انتہی۔ یعنی یہ اس کراہت کی وجہ سے فرمایا کہ کہیں آپ کا کوئی امتی اس پر ہمیشہ کر کے اپنے پر شدت اختیار کرے۔

شجر ممنوعہ کے ساتھ نماز باجماعت، نماز سفر، نماز جمعہ اور نماز خوف کی مشروعیت تعلق کی وجہ

اگر کہا جائے کہ شجر ممنوعہ کھانے کے ساتھ نماز باجماعت، جماعت سفر، نماز جمعہ اور نماز خوف کی مشروعیت کے تعلق کی وجہ کیا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو کھاتا ہے اس کی حالت حجاب ہے۔ تو جب محجوب ہوا اسے عبادات سے تکلف ہوگا اور وہ ان سے ملال محسوس کرتا ہے۔ اور اس کے لئے دور و نزدیک کی مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنے کے لئے نکلنا بوجھل ہوتا ہے۔ اور یوں وہ شارع کی کمال طاعت سے نکل جاتا ہے۔ گرچہ اس میں اس کے دین کا شعار ختم ہو جائے۔ اسی لئے ہمیں مسجد میں باجماعت نماز کا حکم دیا گیا تاکہ ہمارے دین کا نظام مختل اور کمزور نہ ہو جائے۔ اور اگر شارع کے علم میں ہوتا کہ نماز میں دین کا نظام جماعت کے بغیر حاصل ہو جاتا ہے تو ہمیں نماز پنجوقتہ اور جو اس کے ساتھ لاحق ہیں جیسے عیدین، تراویح، اور نوافل میں اس کا حکم نہ دیا جاتا۔ شارع نے رحمت فرماتے ہوئے ہم پر صرف نماز سفر اور مرض میں تخفیف فرمائی ہے۔ اور مسافر کے لئے قصر۔ اور تقدیماً اور تاخیراً دو نمازوں کو جمع کرنا (یعنی مثلاً ظہر اس کے آخری وقت میں اور عصر اس کے ابتدائی وقت میں ادا کرے) اور مریض کے لئے (ایسے ہی) دو نمازیں جمع کرنا مقرر فرمایا نہ کہ

دوگانہ۔ اس لئے کہ عادتاً مسافر اور مریض کے لئے فرائض کی ادائیگی گراں ہوتی ہے۔ اور یہ معلوم ہے اس سب کی اصل کھانا ہے۔ کیونکہ جو کھاتا نہیں اسے عبادت میں کوئی ملال نہیں ہوتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے متعلق فرمایا۔ **یسبحون اللیل و النھار لا یفترون** (الانبیاء آیت ۲۰۔ وہ دن رات اس کی تسبیح پڑھتے ہیں اکتاتے نہیں) اور اسی طرح جو نہیں کھاتا اسے عبادت سے کاہلی نہیں ہوتی۔ نہ ہی وہ اپنے امام کی طاعت سے عار محسوس کرتا ہے۔ اسی طرح جو نہیں کھاتا وہ دشمن سے کبھی نہیں ڈرتا۔ پس بیشک خوف اس وقت حاصل ہوتا ہے جب بندہ کھانے پینے کی وجہ سے اپنے رب سے حجاب میں ہوتا ہے تو جو کھاتا ہی نہیں وہ ملائکہ کی طرح مخلوق میں سے کسی سے نہیں ڈرتا۔ کیونکہ جو اکثر بھوکا رہے اور کھائے بالکل نہیں اس پر روحانیت غالب ہوتی ہے۔ اور ارواح ملائکہ ہیں۔ ان کا بعض بعض سے نہیں ڈرتا۔ اسی طرح نہ کھانے والا چلنے میں اتراتا نہیں اور فخریہ طور پر ریشم اور سونا نہیں پہنتا۔ پس اسے سوچ لے۔

تاکیدی نوافل کی مشروعیت کی وجہ جن میں جماعت شروع ہے

اگر کہا جائے کہ تاکیدی نوافل کی وجہ مشروعیت کیا ہے جن میں جماعت مشروع ہے جیسے عیدین۔ اسباب والی نمازیں جیسے گرہن اور استسقاء، اور نماز جنازہ۔ اور انکار یا کاہلی کی بنا پر نماز کے تارک کے قتل کی مشروعیت کی وجہ کیا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ ان کی مشروعیت کی وجہ یہ ہے کہ یہ نمازیں حکمتوں اور بندوں کی مصلحتوں کے لئے مشروع ہیں اور اس سب کی اصل شجر ممنوعہ کھانے کی وجہ سے ان کا حجاب ہے کیونکہ انہوں نے جب حرام سے لے کر خلاف اولیٰ تک اپنے مقامات کے مطابق کھایا تو اللہ تعالیٰ سے ان کا خوف کم ہو گیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے انہیں بڑی بڑی نشانیوں کے ذریعے ڈرایا جیسے سورج اور چاند کا گرہن، قحط اور مہنگائی۔ تو اگر کھانے کی وجہ سے ہمارا حجاب نہ ہوتا تو ہمیں نشانیوں کے ساتھ ڈرانے کی حاجت نہ ہوتی اور نہ ہی ہم اس مقصد سے غافل ہوتے جس کے لئے ہمیں پیدا کیا گیا۔ علی الخصوص جو کہ حرام اور مشتبہات کھاتا ہے کیونکہ بسا اوقات وہ دنیا و آخرت کی مصلحتوں سے بالکل محجوب ہو جاتا ہے۔ پس اسی لئے یہ نمازیں مشروع ہوئیں جو کہ دعا۔ استغفار، صفات تعظیم جن تک ہماری عقلوں کی رسائی ہے کی تمام وجوہ سے اللہ تعالیٰ کی تکبیر یا اس سے اس کی تکبیر کہ عالم موجودات کی کوئی چیز اس کے ارادے سے باہر ہو معمور ہیں۔ اور یہ معلوم ہے کہ جو شہوات کھاتا ہے وہ اپنے زندہ اور مردہ بھائیوں کا حق ادا نہیں کرتا کیونکہ محجوب ہے۔ اسی لئے ہمارے لئے نماز جنازہ اپنے بھائیوں کے حقوق پورا کرنے کو مشروع ہوئی جن میں ہم نے ان کی زندگی میں خلل ڈالا۔ پس ہم ان پر نماز جنازہ پڑھ کر انہیں نفع پہنچاتے ہیں اور حق تعالیٰ سے طلب کرتے ہیں کہ انہیں بخش لے اور معافی عطا فرمائے۔

مشروعیت جماعت عیدین کی حکمت

رہی جماعت عیدین کی مشروعت میں حکمت تو یہ اغراض نفسانیہ پر کثرت سے باہم الجھنے اور ان میں بخل کی وجہ سے ایک دوسرے سے نفرت کرنے والے قلوب میں الفت پیدا کرنے کے لئے ہے۔ یہاں تک کہ بسا اوقات ایک شخص اس چیز سے متعلق ہوتا ہے جو کہ اس کے رزق میں سے نہیں تاکہ یہ اس کا رزق ہو جائے پس وہ نہیں ہوتا۔ اور ان سب کی اصل کھانے کی وجہ سے حجاب ہے۔ یہی حکمت اللہ تعالیٰ سے بارش طلب کرنے کے لئے باہر نکلنے سے پہلے دشمنوں کی مصالحت میں ہے۔ یہ اس لئے کہ باہم کینہ رکھنا نزول رحمت کو اٹھا دیتا ہے تو جب ایک دوسرے سے صلح کر لیں اور مصافحہ کریں اور ان کے دلوں میں الفت پیدا ہو جائے تو ان پر رحمت کا نزول ہوتا ہے اور اس

وقت انہیں عیدین میں فرحت و مسرت، نفیس لباس پہننا، عورتوں اور لڑکیوں کے لئے زیور زیب تن کرنا مناسب ہے۔ تو کسی مومن کو نہ چاہیے کہ اس سے عید گزر جائے اور ابھی تک اس کے دل میں مسلمانوں میں سے کسی کے لئے نفرت ہو مگر طریق شرعی کے ساتھ۔ اور یہ گرچہ ہر وقت مطلوب ہے لیکن عید کے موقع پر زیادہ تاکیدی امر ہے۔ خصوصاً حرم مکی میں حجاج کے دلوں میں۔ پس بیشک اللہ تعالیٰ نے اسے عذاب کی وعید سنائی ہے جو کہ حرم میں کسی کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے۔ گرچہ عمل نہ کرسکے۔

شجرِ ممنوعہ کھانے کے ساتھ، انکار یا کاہلی کے طور پر تارک نماز کے حکم کے تعلق کی وجہ

رہی انکار یا کاہلی کی بنا پر نماز ترک کرنے والے کے حکم کے شجرۂ ممنوعہ کھانے کے ساتھ تعلق کی وجہ تو یہ اس لئے کہ جب اس نے کھایا تو اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی سے اور اپنے آپ کو قتل کے لئے پیش کرنے کی وجہ سے اپنے نفس کے حقوق کی ادائیگی۔ حجاب میں ہو گیا تو شارع نے اس فعل کے کفارہ کے طور پر ہمیں اس پر حد قائم کرنے کا حکم دیا گرچہ اس کے قتل تک لے جائے یہاں تک نماز کو انکار کے طور پر چھوڑ دے کہ نماز واجب ہے پس اسے کفر کی وجہ سے قتل کیا جائے گا۔ تو یہ نماز کی اپنی انواع سمیت مشروعیت اور اس کے شجرۂ ممنوعہ کے ساتھ متعلق ہونے کا سبب ہے۔ اللہ تعالیٰ اعلم شجرۂ ممنوعہ کے ساتھ زکوٰۃ اور اس کی انواع کے تعلق کی وجہ۔ یہ تعلق ظاہر ہے کہ جب ہم نے وہ کچھ کھایا جو کہ شرعاً ہمارے لائق نہیں۔ یا حاجت سے زیادہ یا حرام اور شبہات ہونے کی بنا پر تو ہم اس سے مجوب ہو گئے کہ اموال اور روزی میں ملکیت تو اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ تو ہم نے غفلت کی وجہ سے ان میں اللہ تعالیٰ کی بجائے اپنی ملکیت کا دعویٰ کردیا۔ اور ہم نے اپنے ہاتھ میں آئی چیزوں میں بخل کیا۔ پس ہمارے نفسوں نے سخاوت نہ کی کہ ہم اس میں سے کسی محتاج کو کچھ عطا کریں۔ بلکہ ہم سے کوئی جمع کرنے لگا اور گننے لگا۔ اور اس نے وہ زیور اختیار کئے جو کہ شرعاً جائز نہیں ہیں۔ اور مویشیوں، نقدیوں اور معدنیات اور مال تجارت کے نفع سے اللہ تعالیٰ کا حق روک لیا۔ اور اس کا نفس اس حقیقت کو بھول گیا کہ حق تعالیٰ نے ان اموال کے ساتھ حکم شرعی کے مطابق زکوٰۃ نکالنا لازم فرمایا ہے۔ حتیٰ کہ اس نے صدقہ فطر بھی نہ نکالا۔ تو اس کی وجہ سے فقراء، مساکین، مسافروں اور دیگر اصناف کو تنگدستی کا سامنا ہوا۔ تو جب مذکورہ تنگی رونما ہوئی تو ہمیں شارع نے اموال زکوٰۃ کی ہر قسم سے ایک معین حصہ نکالنے کا حکم دیا تا کہ ہم ہماری ارواح کو اس نجاست سے پاک کیا جائے جو کہ اسے روکنے سے پیدا ہوئی اور یہ دل کی سیاہی۔ خدا کا غضب اور رزق کی برکت میں قلت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اسے زکوٰۃ کا نام صرف اسی لئے دیا ہے تا کہ مومن کامل کو انتباہ ہو کہ جب اس سے اللہ تعالیٰ کا حق نکالا جائے تو مال کی نشوونما میں کثرت ہوتی ہے اور اس کے نکالنے سے مال میں کمی واقع نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وما انفقتم من شی فھو یخلفه وھو خیر الرازقین (سبا آیت ۳۹۔ اور تم جو کچھ خرچ کرتے ہو تو وہ اس کی جگہ اور دے دیتا ہے اور وہ بہترین رزق دینے والا ہے) نیز حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مانقص مال من صدقۃ۔ یعنی صدقے سے مال کم نہیں ہوتا۔

نفلی خیرات کے مذکورہ لقمہ سے تعلق کی وجہ

یہ ہے کہ بندہ جب وہ چیز کھالے جو نہیں کھانی چاہیے تو حجاب میں آجاتا ہے اور جب حجاب میں گھر جائے تو اس کا نفس زکوٰۃ نکالنے سے خوش نہیں ہوتا تو اسے مجبور ہو کر نکالتا ہے یا کم تعداد میں یا ردی شے نکالتا ہے۔ پس شارع نے ہمیں اس خلل کو پورا کرنے کے لئے نفلی خیرات کا حکم دیا ہے۔ جیسا کہ اس کی مثال نفلی نمازوں کے بیان میں گذر چکی ہے۔

رہی زکاۃ فطر تو ہمیں اس کا حکم اس لئے دیا گیا تا کہ ہمارے روزے قبولیت کے مقام تک پہنچ سکیں۔ چنانچہ حدیث پاک میں وارد ہے کہ صوم رمضان معلقۃ بین السماء والارض حتی تودی زکاۃ الفطر۔ یعنی رمضان کے روزے آسمان اور زمین کے درمیان معلق رہتے ہیں یہاں تک فطرانہ ادا کیا جائے'' اور اوپر جانے سے صرف اسی خلل نے روکا ہے جو کہ رات میں کھانے سے روزے میں واقع ہوا۔ اور اگر کھانا مکلف کا عمل کم نہ کرتا تو وہ غیبت یا چغلی، یا گالی، یا حرام کھانے یا غیر محرم کو دیکھے بغیر اسے کامل طور پر ادا کرتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

لقمہ مذکورہ کے ساتھ صوم رمضان کے تعلق کی وجہ

تو وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روزہ نفوس کو پاک کرنے کے لئے اور ان تمام گناہوں سے جو کہ اس لقمہ کی وجہ سے ہمارے محجوب ہونے کی بنا پر ہم سے سرزد ہوئے ہماری توبہ کی قبولیت میں استعداد اور توجہ الی اللہ تعالیٰ کو قوت بخشنے کے لئے مقرر فرمائے۔ اور یہ اس لئے کہ روزہ قلب میں رقت اور زوال حسد کا اثر عطا کرتا ہے اور شیاطین کی وہ گذرگاہیں بند کر دیتا ہے جو کہ کھانے کی وجہ سے پورے بدن میں کھل جاتی ہیں یہاں تک کہ بدن شکاری کے جال کے سوراخوں کی طرح ہو جاتا ہے۔ پس بندہ جب بھوکا ہوتا ہے پھر صرف سنت کی مقدار کے مطابق شام کو کھانا کھاتا ہے اور اسی مقدار کے مطابق سحری کھاتا ہے اور سحری میں مثلاً تین کھجوروں پر اضافہ نہیں کرتا تو شیطان پر راہیں تنگ ہو جاتی ہیں یہاں تک کہ اسے گذرگاہ نہیں ملتی جس سے روزہ دار کے بدن میں داخل ہو جائے تا کہ اسے وہ وسوسہ ڈالے جس کا اس سے ارادہ کرتا ہے۔ اسی لئے حدیث پاک میں وارد ہوا کہ الصیام جنۃ۔ روزے ڈھال ہیں یعنی بدن پر جب تک کہ اس میں غیبت اور چغلی کے ساتھ شگاف نہ کر دے۔ پس اگر فرض کر لیا جائے کہ کسی بندہ خدا نے شرعی روزہ رکھا اور اپنے روزے میں کسی چیز کے ساتھ شگاف نہیں کیا تو وہ رمضان سے رمضان تک شیطان سے محفوظ ہو گیا۔

اگر کہا جائے کہ مہینہ کے پورا اور کم ہونے کے حساب سے رمضان تیس دنوں کا یا انتیس دنوں کا کیوں ہوا؟ تو جواب یہ ہے کہ حدیث میں وارد ہے کہ وہ لقمہ جو کہ درخت سے حضرت آدم علیہ السلام نے کھایا آپ کے پیٹ میں ایک ماہ تک رہا اور مہینہ کبھی تیس کا اور کبھی انتیس کا ہوتا ہے۔ پھر خارج ہو گیا۔ پس اس مدت کا حکم آپ کی اولاد میں ہمیشہ رہا۔ تو اگر آپ نے درخت سے وہ نہ کھایا ہوتا جو کہ خلاف اولیٰ کا مظہر ہے جیسا کہ پہلے گذر چکا تو آپ پر اور آپ کی اولاد پر رمضان کے روزے فرض نہ ہوتے۔ خصوصاً آپ کی اولاد کے حرام اور شبہات کے کھانے کی وجہ سے۔

نفلی روزہ کی مشروعیت کی وجہ

اگر کہا جائے کہ نفلی روزے کیوں مشروع ہوئے؟ جواب یہ ہے اس خلل کو پورا کرنے کے لئے مشروع ہوئے جو کہ فرضی روزہ میں واقع ہوتا ہے جیسے نماز اور زکوٰۃ ہیں۔ تو چونکہ شارع علیہ السلام کو اپنی امت سے یہ معلوم تھا کہ وہ اپنے روزوں کی عبادت علیٰ وجہ الکمال ادا نہیں کریں گے تو ان کے لئے روزۂ رمضان کے علاوہ پیر، جمعرات اور ہر ماہ کے تین روزے وغیرہ مشروع فرمائے۔ اور حدیث پاک میں وارد ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے جب شجرہ ممنوعہ سے کھایا تو آپ کے جسم کا رنگ متغیر ہو گیا۔ یا تو اہل حجاب کی نظر میں باعتبار بنیاد کے یا اس کی وجہ سے عارفین کی نظر میں آپ کی سیادت کے حصول کے اظہار کے لئے۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام کبھی بھی ایک حال سے منتقل نہیں ہوتے مگر اس سے اعلیٰ کے لئے کیونکہ یہ حضرات اپنی عصمت کی بنا پر۔ مقامات میں ہمیشہ ترقی کرتے رہتے ہیں۔ جیسا کہ اس

کی تفصیل عصمت انبیاء علیہم السلام کی بحث میں پہلے گذر چکی ۔ تو جب آپ کا جسم متغیر ہوا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو روشن راتوں کے تین دنوں (۱۳، ۱۴، ۱۵) کے روزے رکھنے کا حکم دیا۔ پس ہر روز کے روزے کی بدولت آپ کے بدن کا تہائی رنگ اصل حالت پر آتا گیا۔ اور آپ کی اولاد میں آپ کے بعد جو بھی خلاف ورزی کا ارتکاب کرتا ہے اس کے لئے یہ تغیر واقع ہوتا ہے لیکن اسے اس کا شعور نہیں ہوتا مگر جس کی بصیرت کو اللہ تعالیٰ روشن فرمادے۔ اور ہم میں سے ہر کوئی اس میں واقع ہوتا ہے گرچہ کروہ میں ہو۔ اور حضرت جنید رضی اللہ عنہ کے مریدوں میں سے ایک شخص سے ایسا واقع ہوا کہ اس نے ایک بے ریش خوبرو کو دیکھا۔ اس کا چہرا فوراً تارکول کی طرح سیاہ ہو گیا۔ یونہی رہا حتی حضرت جنید نے تین دن تک اس کے لئے استغفار کیا۔

ایام بیض کے روزوں کی ایک اور حکمت اور ان کی وجہ تخصیص

نیز ان تین ایام کے روزوں کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ ہر مہینہ جو بندے پر وارد ہوتا ہے وہ ایک مہمان ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے ہاں آیا۔ اور مہمان کا حق تین دن ہے۔ تو اس کی مہمان نوازی پوری ہوگئی تو وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اس کے ساتھ بندے کے حسن سلوک کا شکر یہ ادا کرتے ہوئے چلا جاتا ہے۔

اگر کہا جائے کہ شارع علیہ السلام نے ان تین مذکورہ ایام کو ۱۳ تا ۱۵ تاریخ کے ساتھ کیوں مخصوص فرمایا ہے؟ جواب یہ ہے کہ انہیں اس کیساتھ اس لئے مخصوص فرمایا کہ مہمان نوازی کا حسن یہ بھی ہے کہ مہمان کی جلد تواضع کی جائے برابر ہے کہ طویل بیٹھک سے پہلے ہو یا وسط مدت میں یا اس کی واپسی سے پہلے۔ اور اسی لئے مہینہ کے آخری تین ایام کے روزے بھی مشروع ہیں۔ تا کہ وہ مہینہ اس بندۂ خدا سے اکرام کے بعد ہی جدا ہو۔

اگر کہا جائے کہ کیا ۱۳ تا ۱۵ کے علاوہ تین متفرق دنوں کے روزے رکھنے سے سنت حاصل ہو جائے گی۔ جواب یہ ہے کہ ہاں۔ لیکن اس سے کمال سنت رہ جائے گا۔

اگر کہا جائے کہ جس شخص نے رمضان کے دن میں بیوی سے مقاربت کی اس کے لئے اس کی شرائط کے ساتھ کفارہ کیوں مشروع ہوا؟ جواب یہ ہے کہ کفارہ اس لئے مشروع ہوا تا کہ بندے اور ان آزمائشوں کے درمیان حجاب ہو جائے جن کے اترنے کے لئے اس نے اپنے آپ کو پیش کر دیا جو کہ خلاف ورزی کے ارتکاب کی وجہ سے سزائیں ہیں۔ اور ان سب کی اصل کھانا ہے۔ اس لئے کہ اس نے جب وہ کچھ کھایا جو کہ اسے نہیں چاہیے تھا تو محجوب ہو گیا۔ پس اس نے بیوی سے مقاربت کے ساتھ رمضان پاک کی حرمت کو پامال کیا تو اس کے لئے کفارہ مشروع ہوا جیسے ظہار کرنیوالے۔ قتل کرنیوالے اور قسم اٹھانے والے کیلئے۔ کیونکہ مثلاً آزمائش جب اسم ''المنتقم'' کی بارگاہ سے نازل ہونے کا ارادہ کرے تو دیکھتی ہے کہ اس عاصی کو کفارے نے اپنے پر کے نیچے چھپا رکھا ہے۔ اسے پناہ میں لئے ہوئے ہے اور اس پر ڈھال اور بچاؤ بنی ہوئی ہے تو آزمائش بغیر نافذ ہوئے لوٹ جاتی ہے۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے فرمان پر غضب پر رحمت کی سبقت کی وجہ سے ہے۔ تو یہ ہے فرضی اور نفلی روزوں کی مشروعیت کا سبب۔

لقمہ مذکورہ کے ساتھ روزوں کے بعد اور جب بھی کسی وقت مسجد میں داخل ہوتے وقت اعتکاف کی مشروعیت کے تعلق کی وجہ

یہ ہے کہ جب بندے نے کھایا محجوب ہوا۔ پس غافل ہوگیا۔ پس اللہ تعالیٰ کے لئے مراقبہ بھول گیا۔ پس خلاف ورزیوں میں پڑ گیا۔ پس شارع نے بندے کے لئے تھوڑے سے وقت کے لئے مشروع فرمایا کہ اپنے قلب اور بدن کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے خاص گھر میں یہ سمجھتے ہوئے اعتکاف کرے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہے تا کہ اس خلل کو پورا کردے جو کہ اللہ تعالیٰ سے غفلت کی وجہ سے حاصل ہوا۔ جو کہ خواہشات حاصل کرنے میں لگام ڈھیلی ہونے کا پتہ دیتی ہے اسی لئے شارع نے دربار خداوندی میں گستاخی اور دلیری کرنے سے خارج ہونے کے لئے حرام قرار دیا کہ اپنی بیوی سے مسجدیں مباشرت کرے خصوصاً حالت اعتکاف میں۔ پس بیشک وہاں گستاخی و دلیری کرنا دوسری طرف مائل ہونے کی طرف کھینچ لیتا ہے۔ وہاں تو صرف خوف، ہیبت اور جلال مناسب ہے نہ کہ جماع اور اس کے اسباب کے ساتھ عیش کوشی میں مصروف ہونا۔ کیونکہ یہ ادب کے خلاف ہے۔ اور جو ان میں سے کسی شے میں واقع تو اس نے حدود الہیہ سے تجاوز کیا اور اسی وجہ سے بعض ائمہ نے عیش کوشی کا دروازہ یکسر بند کرنے اور بارگاہ خداوندی میں ادب کے لئے اعتکاف میں روزہ واجب قرار دیا ہے۔ اور فرمایا کہ معتکف کو نہیں چاہیے کہ مریض کی عیادت کرے اور نہ ہی جنازہ میں حاضر ہو کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے بہت بڑے دربار میں ہے جبکہ مریض کی عیادت اور نماز جنازہ اس کے ذہن کو منتشر کردے گی اور اسے اس بارگاہ سے خارج کردے گی۔ جبکہ وہاں بلند اور اس سے بلند تر مقام ہے۔ واللہ اعلم۔

لقمہ مذکورہ کے ساتھ حج وعمرہ کی مشروعیت کے تعلق کی وجہ

یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے گناہوں کے کفارہ کے لئے حج مشروع فرمایا ہے جن کا کفارہ حج ہی ہوسکتا ہے۔ اور وضو اور نماز کی مشروعیت پر کلام میں اس سے پہلے گذر چکا ہے کہ ہر مامور شرعی کسی ممنوع خاص کے لئے کفارے کے طور پر ہے۔ اور گناہوں میں ہمارے گرنے کی اصل وجہ جس۔ یہ کہ ہمیں مکفرات کی حاجت ہوئی کھانا ہی ہے۔ اگر کھانا نہ ہوتا تو ہم مکفر کے یعنی اس عمل کے جو کہ کفارہ بنے محتاج نہ ہوتے۔ اور حضرت آدم علیہ السلام پر مکفرات میں سب سے آخر حج ہی تھا کیونکہ آپ نے ان مقامات میں اپنے رب کی طرف سے کلمات حاصل کئے۔ تو اللہ تعالیٰ کی رحمت نے آپ کی طرف توجہ فرمائی اور مقصد کی طرف راہ عطا فرمائی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ وہ کلمات آپ کی یہ دعا ہے۔ ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا و ترحمنا لنکونن من الخاسرین (الاعراف آیت ۲۳۔ اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو ہمارے لئے بخشش اور رحم نہ فرمائے تو یقیناً ہم نقصان اٹھانیوالوں میں سے ہو جائیں گے) اور عصمت انبیاء علیہم السلام کی بحث میں پہلے گذر چکا کہ آدم علیہ اسلام کا ذنب حقیقت میں ذنب نہیں تھا۔ وہ تو صرف ذنب کی سی صورت تھی تا کہ اپنی اولاد کو تعلیم دیں کہ جب وہ خلاف ورزی کر بیٹھیں تو کس طرح توبہ کریں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس لقمہ کے کفارہ کے لئے جس کی محض صورت خلاف ورزی کی سی تھی حج کا حکم فرمایا۔ پس سمجھ لے۔

حج میں نماز، روزے کی سی تکرار نہ ہونے کی اور سلے ہوئے لباس سے علیحدگی کی حکمت

اگر کہا جائیکہ لوگوں پر عمر میں صرف ایک مرتبہ حج کیوں فرض ہے۔ اور نماز، روزہ وغیرہ کی طرح تکرار کیوں نہیں؟ تو جواب یہ ہے کہ حج صرف اس لئے ایک مرتبہ ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری کمزوری اور ہر سال حج کے لئے سفر میں ہم پر مشقت کی کثرت کی وجہ سے تخفیف فرمائی ہے خصوصاً دور دراز کے علاقوں والوں کے حق میں۔ اور صوفیا نے فرمایا کہ جو اللہ تعالیٰ کے دربار خاص میں اپنی عمر میں ایک مرتبہ حاضر ہوا اسے آگ کبھی نہیں چھوئیگی۔

اگر کہا جائے کہ پھر سلے کپڑے سے جدا ہونے میں کیا حکمت ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ یہ اس طرف اشارہ ہے کہ حضرت الہیہ میں ہر داخل ہونے والے کے لئے ادب یہ ہے کہ مفلس ہو کر۔ اپنی گذشتہ نیکیوں سے علیحدہ ہو کر اور اپنی تمام لغزشوں سے تائب ہو کر داخل ہو کیونکہ امداد الہیہ غالب طور صرف فقراء اور مساکین کے ساتھ خاص ہے اور تمام اہل اللہ کا اس امر پر اجماع ہے کہ حضرت الہیہ میں کبھی بھی کسی غنی اور نہ ہی متکبر کے لئے داخلہ درست نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **انما الصدقات للفقراء والمساکین** (التوبہ آیت ۶۰۔ صدقات تو صرف فقراء اور مساکین کے لئے ہیں)۔ تو جب احرام باندھنے والے اس سے علیحدہ ہو گئے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے تو اللہ تعالیٰ کے عطیات اور اس کے فضل کے مستحق ہو گئے۔ اور حدیث پاک میں ہے **من حج فلم یرفث ولم یفسق خرج من ذنوبه کیوم ولدته امه** یعنی جس نے حج کیا اور شہوت و فسق کا ارتکاب نہ کیا تو اپنے گناہوں سے یوں نکل گیا جیسے اس کی ماں نے اسے آج ہی جنم دیا۔ تو گویا محرم وہاں نئی ولادت حاصل کرتا ہے۔ پھر مخفی نہ رہے کہ غنا اور تکبر کے دعوے کا سبب صرف کھانا ہی ہے۔ بیشک اس نے جب کھایا محجوب ہوا تو کبریائی عظمت اور غنا کے دعویٰ میں صفات الہیہ سے جھگڑنے لگا۔ تو اس کی امداد سے محروم ہو گیا۔

کعبہ کے پردوں کے لٹکنے کی وجہ

اگر کہا جائے کہ بعض لوگوں کے کعبہ کے پردوں کے ساتھ لٹکنے کی کیا وجہ ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ یہ ایسے ہے جیسے کوئی شخص اپنے ساتھی کے کپڑوں کے لٹک جائے جبکہ اس کے اور اس کے درمیان کوئی جرم رونما ہو جائے تا کہ وہ اس سے درگذرے اور معاف کر دے۔ ورنہ اکابر کا ادب تو اللہ تعالیٰ کے بیت خاص کے پردوں سے نہ لٹکنا ہے جیسے کہ مخفی نہیں۔ پس ہماری تقریر کے مطابق حج کی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام کے لئے وہ لقمہ کھانے سے توبہ کا مقام کامل ہو گیا۔ اور اسی طرح آپ کی اولاد کے لئے آپ کی متابعت میں توبہ کا مرتبہ کامل ہوا۔ تو جس نے حج نہ کیا تو اسے خاص گناہوں کی حیثیت سے حج کی وجہ سے کمال توبہ حاصل نہ ہوا جن کا کفارہ حج کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ جیسا کہ وضو اور نماز ہر کلام میں گزر چکا۔

اور ہم نے کمال توبہ کہا اور یوں نہیں کہا کہ اسے توبہ حاصل نہ ہوئی۔ یہ اس لئے کہ ندامت حضرت آدم علیہ السلام سے اس وقت واقع ہوئی جب آپ نے شجرۂ ممنوعہ کھایا۔ اور یہی حکم آپ کی اولاد میں سے ہر صاحب ایمان کا ہے کہ معصیت کے بعد اس کا نادم ہونا امر لازم ہے۔ ہر اس شخص کے لئے جس کی عقل اس کی لغزش کے بعد لوٹا دی گئی ہو۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ ندامت ارکان توبہ میں عظیم رکن ہے کہ عادتاً یہ باقی ارکان کے پائے جانے کو لازم کرتا ہے۔ اور حدیث پاک میں وارد ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے جب حج بیت اللہ کا شرف حاصل کیا تو عرض کی: اے میرے پروردگار! میری اور میری اولاد کی بخشش فرما۔ تو اللہ عزوجل نے فرمایا: کہ تیرے ذنب کی تو میں

نے اس وقت مغفرت فرما دی جب تو نادم ہوا۔ رہی تیری اولاد۔ تو جو بھی میری بارگاہ میں شرک سے پاک ہو کر آئے گا میں اس کے گناہوں کی مغفرت فرما دوں گا۔ تو یہ ہے شجرہ ممنوعہ سے کھانے کے ساتھ حج کی مشروعیت اور اس کا تعلق۔ ہر حج کرنیوالے کے ساتھ جو مناسب ہو گا حج اس سے کبائر سے لے کر خلاف اولیٰ تک تمام ذنوب کا کفارہ ہو گا۔

مذکورہ لقمہ کے ساتھ خرید و فروخت تمام معاملات اور ان کی شاخوں کے تعلق کی وجہ

یہ ہے کہ انسان جب کھاتا ہے تو محجوب ہو جاتا ہے اور جب محجوب ہوتا ہے تو خرید و فروخت میں ظلم، خیانت اور جور و جفا کا ارتکاب کرتا ہے۔ تو اس کے لئے ظلم اور جور روکنے کے لئے میزان شرعی پر خرید و فروخت مشروع کی گئی۔ بیشک انسان جب محجوب ہوتا ہے تو بسا اوقات لوگوں کے اموال باطل طریقے سے لازماً کھاتا ہے۔ اس کا نفس حریص اور اس کا ظلم زیادہ ہو جاتا ہے اور اس کے باطن کی ظلمت شدت اختیار کر لیتی ہے۔ اور دنیا کی محبت کی کثرت اس کے لوازم سے ہے۔ یہاں تک کہ وہ کاروان تجارت کو راستے میں جا ملتا ہے اور لوگوں کو سود کے ساتھ سودا بیچتا ہے۔ محتاجوں کو قرض دینے سے رک جاتا ہے مگر سود کے ساتھ۔ اور بسا اوقات وہ سودا بیچتا ہے اور نادم ہوتا ہے یا خریدتا ہے اور نادم ہوتا ہے تو اس کے لئے خیار مشروع ہوا۔ اور کبھی مال غصب کرتا ہے اور لوگوں سے اشیاء خوردنی کا ذخیرہ کر لیتا ہے۔ پس شریعت نے اسے ذخیرہ اندوزی اور غصب کرنے منع کیا۔ بعض مرتبہ خرید یا فروخت سے انکار کرتا ہے تو شریعت نے جھگڑا مٹانے کے لئے باہم حلف کا حکم دیا۔ کبھی پیوند کاری سے پہلے ہی پھل خرید لیتا ہے پس خریدار اس کا دعویٰ کرتا ہے یا صرف زمین خرید لیتا ہے پس اس میں جو منقولات ہیں ان کا دعویٰ کرتا ہے وغیرہ تو اس کے لئے اصول اور پھلوں کی خرید و فروخت کے احکام شروع کئے گئے اور اسے عادل گواہوں کے ہاتھوں ہر حق والے کو اس کا حق عطا کرنے کا حکم دیا گیا۔ تا کہ ان کی طرف رجوع کرے جیسا کہ یہ اہل دنیا پر غالب ہے۔ اور ان سب کی مشروعیت کا سبب وہی کھانا ہے۔ کیونکہ جب کھاتا ہے تو ان تمام حقوق سے محجوب ہو جاتا ہے جنہیں ہم نے ذکر کیا ہے۔

پھر چونکہ حضرت شارع صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم میں تھا کہ کھانے کی وجہ سے ان کی امت اخوت اسلام کے شایاں آسانی کرنے کے حکم کے مطابق ایک دوسرے کو نفع دینے سے محجوب ہو گی تو آپ نے لوگوں پر بیع سلم، رہن اور اس پر جسے لوگوں کے قرضے ادا کرنے کی ہمت نہیں ممانعت کر کے گنجائش پیدا فرمائی حتیٰ کہ مفلس کو یا قید نہ کیا جائے۔ اور احمق پر کاروبار کی پابندی بٹھا دی تا کہ غیر شرعی طریقے میں اپنا مال ضائع نہ کر بیٹھے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے مال کو (زندگی کا) سہارا بنایا ہے۔ اور انسان میں حماقت کے وجود کی اصل کھانے کی وجہ سے ہی ہے اور اسی لئے شارع صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں پر عاریت، ودلعیت، شرکت، وکالت، شفعہ اور حوالہ کی گنجائش رکھی ہے۔ اور انہیں حکم دیا ہے کہ آخرت سے پہلے اس جہان میں ان حقوق کا اقرار کریں جو کہ ان پر ہیں۔ اور ان سب کی اصل ان کا کھانے کی وجہ سے اپنی اور اپنے بھائیوں کی مصلحتوں کے شہود سے حجاب میں ہونا ہے۔

مختلف مشروع وسعتوں کا ذکر

اور اسی طرح آپ نے اپنی امت کے لئے، مشروع فرمایا کہ ان کے بعض بعض کو ضامن پکڑیں اور جب مقروض پوری ادائیگی سے عاجز ہو تو بعض قرضوں پر باہم مصالحت کر لیں۔ اور اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت سے مسافات، قراض، اجارہ کے

ساتھ مشکل آسان فرمائی اور ان پر مردہ زمین کو زندہ کرنے کی گنجائش رکھی اور انہیں لقطہ، لقیط لوٹانے اور بھاگے ہوئے غلام کے لوٹانے سے اجرت عطا کرنے کا حکم دیا۔ اس لئے کہ وہ اپنے بھائیوں کے ساتھ ایسا معاملہ کرنے سے حجاب میں واقع ہو گئے۔

(اقول باللہ التوفیق مذکورہ عبارات میں چند ایک اصطلاحی الفاظ مستعمل ہوئے ہیں ان کا مفہوم یہ ہے۔ خیار، بیچنے اور خریدنے والوں میں سے جب ایک نے ایجاب کیا تو دوسرے کو اختیار ہے کہ مجلس میں قبول کرے یا رد کرے۔ اسے خیار قبول کہتے ہیں۔ خیار کی کئی قسمیں ہیں۔ خیار قبول، خیار شرط، خیار تعیین، خیار رویت، خیار عیب، تفصیل کتب فقہ میں دیکھیں خصوصاً بہار شریعت حصہ ۱۱۔ از صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ، بیع سلم، اس میں بیچی گئی چیز مدت مقررہ پر بعد میں ادا کی جاتی ہے جو کہ بیچنے والے کے ذمہ قرض آتا ہے جبکہ خریدار اس کی قیمت فی الحال ادا کرتا ہے۔ رہن، لغت میں اس کا معنی ہے روکنا، جبکہ اصطلاح شرع میں دوسرے کے مال کو اپنے حق میں اس لئے روکنا کہ اس کے ذریعے سے اپنے حق کو کلاً یا جزءً وصول کرنا ممکن ہو۔ اسے اردو زبان میں گروی رکھنا کہتے ہیں۔ عاریت یہ ہے کہ دوسرے شخص کو چیز کی منفعت کا عوض کے بغیر مالک کر دیا جائے۔ ودیعت۔ اپنے مال کی حفاظت پر دوسرے شخص کو مقرر کیا جائے تو اس مال کو ودیعت کہتے ہیں۔ وکالت، جو خود تصرف کرتا ہو اس میں دوسرے کو اپنا قائم مقام کر دینا وکالت ہے۔ شفعہ، غیر منقول جائیداد کو کسی شخص نے جتنے میں خریدا اتنے میں ہی اس جائیداد کے مالک ہونے کا حق دوسرے شخص کو حاصل ہو جاتا ہے اسے شفعہ کہتے ہیں۔ حوالہ، دین یعنی قرض کو اپنے ذمہ سے دوسرے کے ذمہ کی طرف منتقل کر دینے کو حوالہ کہتے ہیں۔ مساقات، کسی کو زمین کی اصلاح کا کام اس طرح سونپنا کہ اس کی پیداوار سے اسے حصہ دیا جائے گا۔ قراض، مال میں مضاربت کا معاملہ کرنا، اجارہ، کسی شے کے نفع کا عوض کے مقابل کسی شخص کو مالک کر دینا اجارہ ہے۔ لقطہ۔ اس مال کو کہتے ہیں جو کہیں گرا پڑا مل جائے۔ لقیط۔ اس بچہ کو کہتے ہیں جسے کسی نے تنگدستی یا بدنامی کے خوف سے پھینک دیا ہو۔ اور ان تمام مسائل کی تفصیلات بہار شریعت حصہ دہم تا ہفدہم میں دیکھی جا سکتی ہیں جو کہ سترہ حصوں میں اردو زبان میں فقہ حنفی کا عظیم مجموعہ ہے جسے صدر الشریعہ مولانا امجد علی صاحب اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے تالیف فرمایا جو کہ مجدد دین وملت امام احمد رضا بریلوی نور اللہ مرقدہ کے اعاظم خلفاء میں سے ہیں۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ ولوالدیہ)

اور ان کا اصلی حجاب کھانا ہی ہے۔ اگر کھانا نہ ہوتا تو تمام لوگ کسی اختلاف کے بغیر نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے سے تعاون کرتے۔ پس وہ فرشتوں کی طرح ہوتے۔ کار خیر کے بغیر تصرف نہ کرتے اور کبھی شر میں نہ پڑتے۔ اور تو فرشتوں کے متعلق غور کر۔ تو انہیں پائے گا کہ وہ محجوب نہ ہونے کی بنا پر ایسے تمام امور میں سے کسی چیز میں نہیں گرتے۔

اور رہے ہبہ۔ ہدایا اور وقف تو یہ اس نعمت کے حصول کے شکریہ کے طور پر مشروع ہوئے جو کہ خرید و فروخت کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے۔ تو یہ ایک دوسری قسم ہے جو کہ مکارم اخلاق میں شمار ہوتی ہے۔ اور وقف صرف ہمیشہ کے لئے ہی صحیح ہے تا کہ نیکی کے دائمی ہونے میں مبالغہ ہو۔ موت کے بعد خیرات جاری رہے اور وہ خلل پورا ہو جو کہ صاحب مال سے اس پوری مدت میں واقع ہوا جس میں وہ مال اس کے قبضے میں رہا۔ تو اگر وہ جسے بھی صاحب حاجت پاتا درجہ بدرجہ اس کی حاجت پوری کرتا تو اس پر وقف کو ہمیشہ قائم رکھنے کا سخت حکم لاگو نہ ہوتا اور اسے یہی کافی ہوتا کہ اس کے لئے ایک مدت مقرر کر دی جاتی۔ انتہی۔

شجرۂ ممنوعہ کھانے کے ساتھ وراثت اور اس کی تقسیم کے تعلق کی وجہ

اگر کہا جائے کہ شجرۂ ممنوعہ کھانے کے ساتھ فرائض اور اس کی تقسیم کے بیان کے تعلق کی کیا وجہ ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے جب کھایا مجوب ہوا تو اس کے نفس کی حرص نے اپنے غیر کو اس کے مورث کے مال سے کچھ دینے سے روک دیا تو اللہ تعالیٰ نے فساد دور کرنے کے لئے ہر وارث کے لئے ایک حصہ فرض فرما دیا۔ جبکہ مرض الموت وغیرہ میں وصیت ایسے تھی جیسے فرضوں کے ساتھ نفل۔ تاکہ مدت العمر جس نیکی میں اس نے خلل ڈالے رکھا اسے پورا کیا جائے۔ اسی لئے حدیث پاک میں وارد ہے کہ افضل خیرات یہ ہے کہ تو اس حالت میں صدقہ کرے جبکہ تو صحت مند اور طالب مال ہو۔ تجھے باقی رہنے کی آرزو ہو اور محتاج ہونے کا خطرہ۔ اور یہ صدقہ (معیاری) نہیں کہ جب روح حلق تک پہنچ جائے تو کہنے لگے کہ فلاں کے لئے اتنا اور فلاں کے لئے اتنا۔ بعض الفاظ حدیث بالمعنی ہیں۔ یعنی صحت کے دور کی خیرات کے مقابلے میں اس کا ثواب کم ہے۔ فالحمد للہ رب العالمین۔ یہ ہے ہمہ قسم کی خرید و فروخت کی مشروعیت کا سبب اور لقمہ مذکورہ کے ساتھ اس کا تعلق۔

لقمہ مذکورہ کے ساتھ نکاح اور اس کے متعلقات کی مشروعیت کے تعلق کی وجہ

ظاہر ہے اور یہ اس طرح کہ نکاح یا خواہش کرنے سے ہی پیدا ہوتی ہے۔ اگر کھانا نہ ہوتا تو دلوں میں شہوت پائی نہ جاتی۔ اور لوگ ملائکہ کی طرح ہوتے۔ اور ہمیں شارع علیہ السلام نے نکاح کا حکم دیا اور فرمایا کہ تمہارے اشرار وہ ہیں جو مجرد ہوں۔ اور ہمارے طبعی تقاضے پر اکتفانہ فرمایا۔ یہ ہم پر شفقت اور اس شخص کے دل کی تقویت کے طور پر فرمایا جو کہ اس فعل سے حیا کرتا ہے بلکہ اکثر لوگ فعل تو کجا رہا اس کے ذکر سے بھی شرماتے ہیں۔ نیز ہمیں نکاح کا حکم دیا تا کہ ہم اس کی وجہ سے شارع کی طاعت کے تحت اور اس کے حکم کی تعمیل کرنیوالے ہوں نہ کہ اپنے نفسوں کی طاعت کے تابع۔ پس ہمیں اس کی وجہ سے ثواب ملے۔ بلکہ بعض اولیاء تو بسا اوقات جماع کی حالت میں اسی طرح مع اللہ حاضر ہوتے ہیں جس طرح کہ اپنی نماز کی حالت میں اس کی معیت میں حاضر ہوتے ہیں۔ کہ دونوں امور میں مشروعیت وجہ جامع ہے۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہمیں شادی کرنے کی ترغیب دینا اس عمل کی کثرت عطا کرتا ہے تو اس کی وجہ ہماری نسل اور اولادیں کثرت سے ہوتی ہیں۔ تا کہ وہ ہمارے لئے استغفار کریں اور ان کے اعمال صالحہ ہماری نیکیوں میں سے ہوں۔ کیونکہ ان کے ہم میں اور ہم سے پائے جانے کی وجہ سے ہم محل تھے۔ ان کے خطاؤں کے بوجھ سے ہم پر کچھ نہیں جس طرح کہ حضرت آدم علیہ السلام پر آپ کی اس اولاد کے گناہوں کا کوئی بوجھ نہیں جو کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ اور ہم اپنے رب کے فضل سے ہماری اولادوں کے ہمارے لئے استغفار کی قبولیت کی امید رکھتے ہیں۔ اور یہ کہ ہمارا رب ہمیں معاف فرمائے اور اسکی وجہ سے ہمارے حال کو درست فرمائے۔ یہ ہے نکاح کی اصل غرض و غائیت۔ اور رہا زنا اور اس کے مقدمات کی شہوت دور کرنے کا حکم تو یہ ہمیں ہماری اولاد سے حاصل ہونے والے ان منافع کے تابع کے حکم میں ہے۔

نسب اور مصاہرت کی وجہ سے محرمات نکاح کے لقمہ مذکورہ کے ساتھ تعلق کی وجہ

یہ ہے کہ بندے نے جب وہ کچھ کھایا جو کہ نہیں کھانا چاہیے تھا اس کا قلب تاریک ہو گیا پس اس کا حیا کم ہو گیا۔ تو بسا اوقات وہ اپنی

محارم سے مقاربت کی خواہش کرتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس پر محارم حرام کر دیئے اور مشرکین سے وہ عورتیں جو کہ کتابی نہیں ہیں اور اگر اس کی بنا پر ہمارے لئے شارع علیہ السلام کا بیان نہ ہوتا تو ہم اپنے محارم سے نکاح کر لیتے۔

خیار، اعفاف اور نکاح عبد کے لقمہ مذکورہ کے ساتھ تعلق کی وجہ

یہ ہے کہ میاں بیوی میں سے ایک کا دوسرے سے کسی عیب کی وجہ سے نفرت کرنے کا سبب طبعی شہوت ہے جو کہ کھانے سے پیدا ہوتی ہے تو اگر کھانا نہ ہوتا تو ان میں سے کسی کو جنون، جزام، برص، نامردی وغیرہ لاحق نہ ہوتے اور نہ ہی جسمانی طور پر عیب دار زوجہ سے نفرت ہوتی جیسے کہ فرشتہ اس سے نفرت نہیں کرتا کیونکہ اسے مقاربت کی خواہش نہیں ہے۔ اور اسی طرح اگر کھانے کی وجہ سے وہ محجوب نہ ہوتا تو اس پر اپنے والد کی پاکدامانی کا وجوب مخفی نہ رہتا جب اس کا نفس نکاح کی طرف راغب ہوتا۔ اور نہ ہی اپنی ضرورتوں میں اپنے غلام سے دن رات خدمت لینے کے باوجود اس کی شادی کرنے سے رکتا۔

رہی مذکورہ لقمہ کے ساتھ شادی کرنے سے پہلے مصاہرت اور حق مہر کے تعلق کی وجہ تو یہ اس لئے مشروع ہوا کہ ولی اور زوجہ کے دل کو خطبہ کرنیوالے کی بات مان لینے کی طرف مائل کیا جائے۔ کیونکہ ولی اور زوجہ کا دل جب محبت کے ساتھ شوہر کی طرف مائل ہوگا تو جلد حمل ہوگا اور بچہ صحت مند پیدا ہوگا۔ اور نسل کثیر ہوگی کیونکہ عورت اور اس کے وارثوں کی شوہر سے نفرت جیسا کوئی امر نہیں ہوگا۔ جو کہ دل کو مکدر کرتا ہے اور تمام ناگواریوں میں پڑنے کی اصل کھانے سے ہی ہے۔ کیونکہ جب وہ کھاتا ہے تو محجوب ہو جاتا ہے اور داماد اور اللہ تعالیٰ نے جن مسلمانوں کے ساتھ محبت کرنے کا حکم دیا ہے کی عزت کرنے کی بصیرت سے محروم ہو جاتا ہے۔ اور تقسیم وقت کی مشروعیت۔ میاں بیوی کے مابین بے رخی اور اختلاف کے سبب میں اسی طرح کا قول ہے۔ اس سب کی اصل کھانا ہے۔ اگر کھانا نہ ہوتا تو شوہر حجاب میں نہ ہوتا۔ نہ ہی حق تلفی اور ظلم کرتا اور اس وقت نفسانی اغراض نہ ہونے کی وجہ سے اپنی بیویوں کے درمیان عدل کرتا۔ اور اسی طرح اگر کھانا نہ ہوتا تو عورت اپنے شوہر کے حق میں خلل نہ ڈالتی۔ اور اس کی نعمت کی ناشکری نہ کرتی۔ اور اگر میاں بیوی وہی کھاتے جو شرعی طور پر چاہیے تھا تو دونوں سے حق تلفی اور زیادتی صادر نہ ہوتی۔ جیسے کہ یہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کی شان ہے۔

لقمہ مذکورہ کے ساتھ خلع، طلاق، رجعت، ایلاء اور ظہار کے تعلق کی وجہ

اس کا سبب بھی کھانا ہے اور یہ اس لئے کہ جب وہ حلال سے سیر ہوتا ہے چہ جائیکہ حرام سے اور سرکش ہو جاتا ہے تو اس کے اعضاء بھوکے ہو جاتے ہیں۔ پس وہ جھگڑتا ہے اور بدکلامی کرتا ہے اور اس سلسلے میں اس سے زیادہ قریب اس کی بیوی ہوتی ہے۔ پس اسے اس کی سوکنوں اور لونڈی کی وجہ سے تنگ کرتا ہے اور غیرت دلاتا ہے یہاں تک کہ وہ اپنی طرف سے کوئی عوض دے اس سے طلاق کا مطالبہ کرتی تا کہ اس کی بدخلقی سے نجات حاصل کر لے۔ پس وہ اس سے خلع کرتا ہے یا یہ خود کسی عذر کے بغیر اسے ابتداءً ہی نفرت کرتے ہوئے طلاق دے دیتا ہے۔ اور مطالبہ کرتا ہے کہ اس سے اعلیٰ مرتبہ کی عورت سے شادی کرے۔ اور قسم اٹھالیتا ہے کہ اس سے مباشرت نہیں کرے گا پس اس سے ظہار کرتا ہے۔ پھر جب اس کدورت اور جھگڑے سے اس کا دل صاف ہو جاتا ہے تو اس سے رجوع طلب کرتا ہے یا طلب نہیں کرتا۔ اور عدت، استبراء اور رضاعت، جدائی یا طلاق یا فراش کے زوال یا شیرخوار بچے یا بچی کے پائے جانے یا موت حاصل ہونے کے وقت نکاح کے ذیلی حالات ہیں۔ تو ہمارے لئے شرع نے ان سب کی حدود بیان کیں تا کہ بچہ اس سے نہ چھینا جا سکے جو زیادہ

مستحق ہے اورتا کہ ایک شخص اپنی رضاعی بہن سے نکاح نہ کرے اور دودھ پلانے والی کی اجرت میں بخل نہ کرے۔اور یہ سب کچھ کھانے کی وجہ سے اس کے محجوب ہونے کی بنا پر ہے۔

زوجہ،اولاد اور والدین کے نفقہ کی مشروعیت کی وجہ

یہ صرف کھانے کی وجہ سے ہمارے محجوب ہونے کی بنا پر ہے۔پس جب ہم نے کھایا تو اپنی بیویوں،اولاد،والدین،اعزہ واقارب، غلاموں اور مویشیوں کے حقوق کی ادائیگی سے محجوب ہو گئے اور کھانے کی وجہ سے حاصل ہونے والے حجاب کی بنا پر ہم ان کے حقوق ادا کرنے سے غافل ہو گئے۔تو اگر حجاب نہ ہوتا تو والدین کے حق کی عظمت۔ان کے حوالے سے صلہ رحمی اور ان کے قریبیوں کے حقوق کی فضیلت کے بیان کی وجہ سے ہمیں اس کا حکم دینے کی ضرورت نہ ہوتی اور اس وجہ سے ہم پر والدین کا اور زیادہ ہے کہ یہ دونوں ہماری ایجاد میں ایک سبب ہیں۔علاوہ ازیں ہمارے بچپنے،جوانی اور ہماری مردمی کی حالت میں اور ہماری صحت اور بیماری کی حالت میں غم واندوہ برداشت کرتے اور ہماری خدمت کرتے رہے۔

اور رہا ہمارے غلام کا نفقہ تو یہ ہماری خدمت کرنے اور دن رات ان کو ایسی چیز میں ہمارے روکے رکھنے کے بدلے کے طور پر ہے جس کا اہتمام ہم میں سے کوئی نہیں کرسکتا۔رہے مویشی تو اس وجہ سے کہ ہمیں ان سے کثیر نفع حاصل ہوتا ہے یعنی کھیتی کاشت کرنے۔گاہنے،پینے،ہمیں اور ہمارے مال ومتاع کو ان دوردراز علاقوں تک اٹھا کر لے جانے کی وجہ سے جہاں تک ہم میں سے کوئی خود چل کر نہیں جاسکتا چہ جائیکہ ہم سامان اٹھا کر لے جائیں اور احسان کا بدلہ احسان ہی ہے۔پھر ان تمام حقوق کی ادائیگی سے ہمارا اصل حجاب کھانا ہی ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

لقمہ مذکورہ کے ساتھ تمام حدود کی مشروعیت کے تعلق کی وجہ

اور جو کچھ ان کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے ظاہر ہے بیشک انسان جب خواہش کے مطابق کھاتا پیتا ہے تو بسا اوقات نافرمانی کا ارتکاب کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کرتا ہے۔پس کسی کو ناحق قتل کر دیتا ہے۔عضو کاٹ دیتا ہے،یا اسے زخمی کر دیتا ہے۔سر پھوڑ دیتا ہے۔آنکھ نکال پھینکتا ہے۔دانت اور ہڈی توڑ دیتا ہے۔لوگوں کے اموال چرا لیتا ہے۔ڈاکے ڈالتا ہے۔شراب پیتا ہے۔بدکاری کرتا ہے۔لوگوں پر جھوٹی تہمتیں لگاتا ہے۔مال ومنال پر حملہ آور ہوتا ہے۔تقسیم میں ناانصافی کرتا ہے اور پھر جرم کا اقرار نہیں کرتا۔پس لوگوں کو پچاس قسمیں اٹھانے کی ضرورت میں ڈال دیتا ہے۔جھوٹی قسمیں کھاتا ہے۔کثرت سے سچی قسمیں اٹھاتا ہے۔ضرورت مندوں پر خرچ کرنے کے لئے طعام اور مال میں بخل کرتا ہے۔اس کا نفس سخاوت نہیں کرتا کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے کسی کو کچھ دے مگر جبکہ اللہ تعالیٰ اس کے مریض کو شفا بخشے یا اس کی گم شدہ چیز لوٹائے یا سختیوں میں اس کی دستگیری کرے۔پس اسی لئے اللہ تعالیٰ کے ساتھ نذر کا عہد باندھتا ہے حتیٰ کہ اپنے نفس پر مقدر کرتا ہے کہ وہ اس کی سخاوت کرے گا۔یہ سب کچھ دنیا میں اس کی شدید محبت اور رغبت کی وجہ سے ہے۔جو کہ سب کچھ کھانے سے ہی پیدا ہوتا ہے۔اور اگر وہ کھانا یکسر ترک کر دے یا بھوکا رہے یا سانس باقی رکھنے کے لئے قلیل سا کھائے یا شرعی اجازت کے مطابق کھائے تو اس کے اعضاء ان حدود سے تجاوز کرنے سے کمزور ہو جائیں جن سب کا ہم نے پہلے ذکر کیا ہے۔بلکہ بسا اوقات جب یہ بھوکا ہو اس کا بھائی اس سے بات کرے تو اس پر بات کرنا وزنی ہو جائے اور بھوک کی شدت کی وجہ سے تکلف محض کے

ساتھ اس کا جواب دے سکے۔ اور یونہی اگر کھانا نہ ہوتا تو بندہ محجوب نہ ہوتا حتیٰ کہ مختلف باطل دعوے کرتا جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ اس سے فرماتا کہ تو جھوٹا ہے نہ علم کے بغیر گواہی کی ذمہ داری اٹھاتا۔ نہ ہی علم کے بغیر لوگوں کے درمیان فیصلہ کرتا۔ اور اگر وہ طعام نہ کھاتا یا صرف اتنا کھاتا جو کہ شرعاً درست ہے تو مذکورہ چیزوں میں سے کوئی اس سے صادر نہ ہوتی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان صفات والوں کو حکم دیا ہے کہ حقوق والوں کے لئے جھک جائیں تا کہ وہ ان سے قصاص لے لیں۔ اور ان پر یہ حدیں قائم کی جا سکیں تا کہ کھانے کی وجہ سے حاصل شدہ فساد سے موجودات کے نظام کی حفاظت ہو سکے اور بعض حدود میں غلام آزاد کرنے یا مساکین کو کھانا کھلانے یا لباس دینے یا روزہ رکھنے کے ساتھ کفارہ اس لئے مشروع ہوا کہ اس گناہ میں قباحت زیادہ ہے اور تا کہ کفارہ اس عاصی پر مصیبت واقع ہونے سے روکنے والا حجاب بن جائے۔ جیسے کہ صوم رمضان پر کلام میں اس کی طرف اشارہ گذر چکا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

لقمہ مذکورہ کے ساتھ غلام آزاد کرنے، اسے مکاتب کرنے، مدبر کرنے اور ام ولد کو بیچنے کی حرمت

کے تعلق کی وجہ یہ ہے کہ آزاد کرنے، مکاتب کرنے اور مدبر کرنے کا سبب غلام کے مقابلہ میں ایسا کام کرنا ہے جو اس خدمت جیسا ہو جو اس نے اپنے مالک کی سرانجام دی۔ اور اگر شارع نے مالک کو اس کا حکم نہ دیا ہوتا تو اسے اس مقابلہ کی ہدایت نہ ملتی کیونکہ وہ کھانے کی وجہ سے مخلوق کے احسانات اٹھانے کی قباحت کے ادراک سے محجوب ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کا غلام کا ملک ہونا مالک حقیقی نہیں۔ اس میں ملکیت تو صرف اللہ رب العالمین کی ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ نے غلام کو خفیف العقل کیا ہوتا تو اسے دوسرے بندے کی پابندی کے تحت داخل نہ کرتا۔ پس غلام کا حکم اپنے مالک کے ساتھ بچے کے حکم کی طرح ہے جو کہ اپنے وارث کے تصرف میں ہوتا ہے۔ اگر وہ نہ ہوتا تو اس کی مصلحتیں ضائع ہو جاتیں۔ پس سمجھ لے۔ اور ہماری اس گفتگو کی تائید اس حدیث پاک سے ہوتی ہے (غلام) تمہارے بھائی ہیں جن کا تمہیں مالک بنایا ہے۔ انہیں وہ کھانا دو جو تم کھاتے ہو اور وہ لباس پہناؤ جو تم خود پہنتے ہو۔ اور انہیں ایسے کام کی تکلیف نہ دو جس کی ان میں طاقت نہ ہو۔ تو اگر تم انہیں تکلیف دو تو ان کی مدد کرو۔

(اقول و باللہ التوفیق۔ مذکور الصدر عبارت کے اصطلاحی الفاظ کے معنی یہ ہیں، عتق، غلام آزاد کرنا کہ مالک اسے کہدے کہ تو آزاد ہے۔ کتابت کے معنی یہ ہیں کہ آقا اپنے غلام سے مال کی ایک مقدار مقرر کر کے یہ کہہ دے کہ اتنا ادا کر دے تو آزاد ہے۔ اور غلام اسے قبول کر لے۔ اب یہ مکاتب ہو گیا۔ جب کل ادا کر دے گا آزاد ہو جائے گا۔ مدبر اس کو کہتے ہیں جسے اس کے مالک نے کہہ دیا کہ تو میرے مرنے کے بعد آزاد ہے۔ چنانچہ اس کے مرنے کے بعد وہ آزاد ہو جائے گا۔ ام ولد اس لونڈی کو کہتے ہیں جس کے ہاں اپنے مالک سے بچہ پیدا ہو۔ اب مالک اسے نہ بیچ سکتا ہے اور نہ کسی طریقہ سے اسے دوسرے کی ملک میں دے سکتا ہے بلکہ مالک کی موت کے بعد ام ولد بالکل آزاد ہو جائے گی اس کے پاس مال ہو یا نہ ہو۔ (محمد محفوظ الحق غفرلہ)

لقمہ مذکورہ کے ساتھ ام ولد کی بیع کی تحریم کی مشروعیت کے تعلق کی وجہ یہ ہے کہ مالک نے جب غیر موزوں کھانا کھایا تو محجوب ہوا اور اپنی ام ولد کے اس وقت کے حقوق بھول گیا جب وہ اس کا فراش تھی۔ علاوہ ازیں بچے میں دونوں کا نطفہ مخلوط ہوا۔ پس اس لونڈی کی آزادی اس جہالت کا کفارہ ہے جو کہ کھانے کے حجاب کی بنا پر حاصل ہوئی۔ واللہ اعلم۔

اور درخت سے اس لقمہ مذکور کے ساتھ امام اعظم اور اس کے تمام نائبین کو مقرر کرنے کی مشروعیت کے تعلق کی وجہ ظاہر ہے۔ کیونکہ

امام اعظم یعنی حاکم اعلیٰ اور اس کے نائب نہ ہوں تو احکام میں سے کچھ بھی نافذ نہ ہو سکے۔ نہ کوئی حد قائم کی جا سکے۔ نہ ہی دین اسلام کا کوئی نشان قائم ہو۔ اور سارے عالم کا نظام فساد کا شکار ہو جائے۔ اور ان تمام امور کی وجہ سے خلل واقع ہونے کی اصل کھانے کی وجہ سے مخلوق کا محجوب ہونا ہے۔ تو اگر کھانا نہ ہوتا تو کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز نہ کرتا۔ نہ ہی لوگ کسی امام حاکم اور قاضی کے محتاج ہوتے۔ اور انسان کے اوپر جتنے حقوق ہیں مطالبہ کے بغیر وہ خود بخود ان کے مالکوں کو ادا کرتا۔ جیسے کہ اولیاء اللہ کی اس جماعت کا رویہ ہے جن کے حجابات اللہ تعالیٰ نے منکشف فرما دیئے ہیں۔ لیکن چونکہ ساری مخلوق طریقہ مذکورہ پر گامزن نہیں ہو سکتی تو کسی حاکم کی ضرورت ہوئی تاکہ لوگ اپنی جانوں۔ اپنے اموال اور اپنی عزت فاسقوں اور سرکشوں سے بچا سکیں نیز اگر حاکم اعلیٰ اور اس کے نائب نہ ہوں تو بیت المال کے انتظام کی کوئی حالت نہ ہو۔ نہ ہی کسی کو خراج وصول کرنے کی قدرت ہو جو کہ افواج اسلام پر صرف کیا جائے اور یوں تمام مخلوق کی مصلحتیں ضائع ہو جاتیں۔ فالحمد للہ رب العالمین۔ یہ ہے وہ وضاحت جو کہ تمام تکالیف شرعیہ کے وجود کی حکمت کے بارے میں اب میرے ذہن میں حاضر ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بیالیسویں بحث

ولایت، نبوت سے فیضیاب ہوتی ہے

یہ بحث اس بیان میں ہے کہ ولایت کا مرتبہ گرچہ جلیل وعظیم ہے مگر شہود و وجود میں نبوت سے فیضیاب ہوتی ہے۔ پس ولایت کی انتہاء کبھی بھی نبوت کی ابتداء تک نہیں پہنچتی۔ اور اگر کوئی ولی اس ذات کی طرف آگے بڑھے جس سے انبیاء فیض پاتے ہیں تو جل جائے۔ اور امر اولیاء کی انتہاء یہ ہے کہ ان پر فتوحات سے پہلے اور بعد وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کے مطابق عبادت کرتے ہیں۔ اور جب بھی حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت سے باہر نکلے ہلاک ہوئے۔ اور ان سے امداد منقطع ہو جاتی ہے تو انہیں اللہ تعالیٰ سے براہ راست فیض حاصل کرنا ممکن ہی نہیں۔ اور پہلی مباحث میں گذر چکا ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مدد لینے والے ہیں۔ اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعثت شریفہ سے پہلے شریعت ابراہیم علیہ السلام یا کسی اور دستور کے مطابق عبادت کرتے تھے۔ اس میں اختلاف ہے۔ تو جب آپ کے پاس وحی آئی تو اس طریقہ عبادت سے جدا ہو گئے۔ اور اس وحی کی پیروی کرنے لگے جو آپ کی طرف کی گئی اور یہی قول ولی میں ہے۔ اس کی غایت فتوحات کے بعد وہ الہام ہے جو کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کے موافق ہو۔ پس وہ اس پر مستقل طور پر عمل نہیں کرتا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے ساتھ نبوت تشریع منقطع ہو چکی ہے۔ پس الہام کا فرشتہ اس ولی کو شریعت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سمجھانے لگتا ہے اور اسے اس کے اسرار کی اطلاع بہم پہنچاتا ہے۔ حتیٰ کہ گویا اس نے اسے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بلا واسطہ حاصل کیا۔ تو جب ولی کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بلا واسطہ فیض حاصل کرنے کا قدم صحیح ہو جائے تو اس وقت صحیح ہوتا ہے کہ وہ امت محمدیہ کو رشد و ہدایت سے نوازے اور حضور علیہ السلام کے نائب کے طور پر انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے لگے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **قل هذه سبيلي ادعوالي الله على بصيرة انا ومن اتبعني** (یوسف آیت ۱۰۸۔ آپ فرما دیجئے یہ ہے میرا راستہ۔ میں اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہوں۔ میں واضح دلیل پر ہوں اور وہ جو میری پیروی کرتے ہیں)

مقام الولایۃ اکمل واتم من مقام الرسالۃ کا مفہوم

پس تیرے لئے ظاہر ہو گیا کہ ولایت کبھی بھی نبوت تک نہیں پہنچتی۔ اور عارفین میں سے جس نے کہا ہے کہ مقام ولایت مقام رسالت سے اکمل اور اتم ہے۔ تو اس کی مراد فتوحات میں شیخ محی الدین کے بیان کے مطابق یہ ہے کہ نبی کی ولایت اپنی ذات میں اس کی رسالت کے مقام سے اتم واکمل ہے۔ اور یہ اس کے متعلق کی بزرگی اور ہمیشگی کی بنا پر ہے۔ کیونکہ ولایت کا حکم اللہ تعالیٰ کے ساتھ متعلق ہے اور اس کے لئے دنیا وآخرت میں ہمیشگی ہے۔ جبکہ رسالت کا حکم خلق کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور زمانہ تکلیف زائل ہونے کے ساتھ ہی منقطع ہو جاتا ہے۔ پس اس قول سے قوم میں سے کسی کی مراد مطلق ولایت اور انبیاء کی رسالت میں اختلاف کھڑا کرنا ہرگز نہیں۔ کیونکہ اس کے قائل صرف وہی لوگ ہوں گے جو کہ اللہ تعالیٰ کے متعلق جاہل ہیں۔ انہیں اس کے دربار کا قرب حاصل نہیں ہوا۔ اور وہ اس بارگاہ والوں کو نہیں پہنچانتے۔ اولیاء اللہ اس سے پاک ہیں۔

ولایت اور نبوت میں مسئلہ تفاضل اور محی الدین ابن عربی کا مسلک

اور صوفیاء میں سے بعض سے غیر نبی کی ولایت کے متعلق پوچھا گیا کہ کیا یہ نبی کی ولایت سے افضل ہو سکتی ہے؟ تو فرمایا کہ اس مسئلہ میں ہمیں کوئی شے وارد نہیں ہوئی۔ اور جس طرف ہم مائل ہیں وہ یہ ہے کہ ہر نبی کی ولایت اعظم اولیاء کی ولایت پر فضیلت رکھتی ہے اور یہی ان کے مرتبہ کے لائق ہے۔ کیونکہ ولایت فیض یاب ہوتی ہے نبوت سے جیسا کہ گذر چکا۔

اور جان لے کہ شیخ محی الدین کی طرف منسوب کی جانے والی غلط باتوں میں سے ایک یہ ہے کہ آپ اس کے قائل ہیں کہ مقام ولایت، مطلقاً مقام رسالت سے اکمل ہے۔ حالانکہ شیخ رضی اللہ تعالیٰ کا دامن اس سے پاک ہے۔ پس بیشک آپ نے فتوحات کے چودھویں باب میں فرمایا ہے: جان لے کہ حق تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد نبوت ورسالت منقطع کر کے اولیاء کی کمریں توڑ دی ہیں اور یہ وحی ربانی کے فقدان کی وجہ سے ہے۔ جو کہ ان کی ارواح کی غذا ہے اور اگر اولیاء میں سے کوئی مقام نبی میں ہوتا چہ جائیکہ اس سے فاضل تر ہوتو اس کی کمر نہ ٹوٹتی اور نہ ہی کسی اور کی زبان پر وحی کا محتاج ہوتا۔ اور اولیاء کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا انتہائی لطف یہ ہے کہ اس نے خواب ان خوشخبریوں کا القاء باقی رکھا۔ تا کہ وہ وحی کی مہک سے انس حاصل کریں۔ انتہی۔

نیز آپ فتوحات میں تشہد پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں: جان لے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سب مخلوق سے قیامت تک رسالت کا دروازہ بند کر دیا ہے۔ اور بیشک ہمارے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مابین کوئی مناسبت نہیں کیونکہ آپ ایسے مرتبہ میں ہیں جس کے ہم لائق ہی نہیں۔ انتہی۔

اور ترجمان الاشواق کی شرح میں فرماتے ہیں: مقام نبی میں ہمارا داخلہ ممنوع ہے۔ اور وارثت کے طریق سے آپ کے متعلق ہماری انتہائی معرفت۔ آپ کی طرف یوں نظر کرنا ہے جیسے وہ شخص جو کہ جنت کے سب سے نچلے درجہ میں ہو کر ان کی طرف دیکھے گا جو کہ اعلیٰ علیین میں ہوں گے۔ اور جیسے اہل زمین آسمان کے ستاروں کو دیکھتے ہیں۔ اور ہمیں شیخ ابو یزید سے یہ بات پہنچی ہے کہ مقام نبوت سے آپ کے لئے سوئی کے نکے کے برابر تجلی ہوئی نہ کہ داخل ہوئے تو قریب تھا کہ جل جائیں۔ اور فتوحات کے ۴۶۲ ویں باب میں فرماتے ہیں: مقام نبوت میں ہمارے لئے کوئی چاشنی نہیں کہ اس پر گفتگو کر سکیں۔ ہم تو اس پر صرف اسی قدر بات کرتے ہیں جو ہمیں مقام وراثت

سے حصہ ملا ہے۔ کیونکہ ہم میں سے کسی کے لئے مقام نبوت کا داخلہ صحیح نہیں۔ ہم صرف یوں دیکھتے ہیں جیسے پانی پر ستارے۔
اور آپ ۳۶۷ ویں باب میں فرماتے ہیں کہ مجھے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے مخصوص عبودیت کے مقام سے بیل کی کھال سے ایک بال کی مقدار کے برابر عطا کیا گیا پس میں اس کے ساتھ قائم نہ رہ سکا۔ تو شیخ محی الدین کی یہ عبارات اسے جھٹلاتی ہیں جس نے آپ پر بہتان باندھا کہ آپ اس کے قائل ہیں کہ نبوت سے ولایت عظیم تر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (اقول وباللہ التوفیق۔ امام الا صفیاء شیخ العرفاء محی الدین بن عربی قدس سرہ کی ان وضاحتوں سے اسماعیلی نجدیوں کے اس عقیدے کا بھی رد شدید ہوتا ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بشر مثلکم سے غلط استدلال کرتے ہوئے اپنے جیسا قرار دیا ہے۔ نیز یہ کہ آپ کی تعریف ایک بشر کی سی کرو۔ آپ بڑے بھائی ہیں اور ہم چھوٹے بھائی ہیں۔ (معاذ اللہ) شیخ کی مذکورہ بالا عبارات کے مطابق غور کیجئے کہ ایسے لوگ لوگوں کا ایمان و عرفان کی دنیا میں کیا مقام ہے جنہیں اس میں داخلہ ہی نہیں ملا۔ محمد محفوظ الحق غفر لہ ولوالدیہ)۔

تینتالیسویں بحث

انبیاء ومرسلین کے بعد خلفاء راشدین افضل ہیں

اس بیان میں کہ انبیاء کے بعد اولیاء محمدیین میں سے افضل حضرت ابوبکر پھر حضرت عمر پھر حضرت عثمان پھر حضرت علی ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ اور ان چاروں خلفاء میں یہ ترتیب شیخ ابوالحسن الاشعری کے نزدیک قطعی ہے اور قاضی ابوبکر الباقلانی کے نزدیک ظنی ہے۔ اور روافض نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولیت پر جس سے دلیل لی ہے وہ یہ حدیث پاک ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھنا ہوا پرندہ لایا گیا۔ تو آپ نے عرض کی: یا اللہ! اپنی مخلوق میں سے جو تجھے زیادہ پیارا ہو اسے میرے پاس بھیج دے جو میرے ساتھ مل کر کھائے۔ پس حضرت علی رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے۔ جبکہ اس حدیث کو ابن جوزی نے موضوعات میں ذکر کیا ہے۔ اور حافظ ذہبی نے اس کے متعلق علیحدہ ایک جز لکھا ہے اور کہا ہے کہ اس کے سارے طرق باطل ہیں۔ اور لوگوں نے حاکم پر اس بارے میں اعتراض کیا ہے کہ اس نے اسے مستدرک میں داخل کر لیا۔

اہل سنت کے لئے حضرت علی پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت کی دلیل

جبکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر فضیلت کی دلیل اہل سنت کے لئے یہ حدیث صحیح ہے کہ ابوبکر نے تم پر نماز روزہ کی کثرت سے فضیلت حاصل نہیں کی بلکہ ایسی شے کی وجہ سے جس نے آپ کے سینے میں گھر کر لیا۔ اور یہ اس بارے میں نص صریح ہے کہ آپ ان سب سے افضل ہے۔ اور بخاری میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی کہ ہم کہا کرتے تھے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعد لوگوں میں سب سے بہتر ابوبکر ہیں پھر عمر پھر عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ اور ہم پر اس کا انکار نہیں کیا جاتا تھا۔ اور شیخ ابوالحسن الاشعری فرماتے ہیں: کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں سے ایک یہ امر ہے کہ آپ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے منظور نظر رہے۔ یعنی ایسی حالت میں رہے جس میں ناراضگی نہیں ہوتی۔ کیونکہ آپ سے حالت کفر ثابت نہیں ہوئی جیسے کہ آپ کے علاوہ ایمان لانے والوں میں سے بعض سے ثابت ہوئی۔ گر چہ آپ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت شریفہ سے پہلے ایمان کے ساتھ موصوف نہ

تھے۔ کیونکہ سعادت کا حکم توحید کے حکم کے ساتھ گھومتا ہے نہ کہ ایمان کے ساتھ۔ کیونکہ ایمان کا تعلق اس خبر سے ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک صادق لایا جبکہ زمانہ فترت میں جو کہ نبوت سے پہلے ہے کوئی خبر ہے نہ کتاب حتیٰ کہ اس کے ساتھ ایمان ابی بکر رضی اللہ عنہ یا آپ کے غیر کا ایمان متعلق ہو۔ پس اس وقت ان حضرات کا قول بالکل درست ہے کہ ابوبکر ہمیشہ رضا کی نظر میں منظور رہے۔ اور سلف صالحین یعنی صحابہ کرام اور تابعین نے اللہ تعالیٰ کے دربار میں ان چاروں خلفاء کے احترام اور اسی مذکورہ ترتیب پر ان کی تعظیم پر اتفاق کیا ہے۔ رہے صحابہ کرام تو انہوں نے اس لئے اتفاق کیا کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول اور فعل سے جو کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں ابوبکر کی افضلیت کا پتہ دیتے ہیں ملنے والے قرائن احوال سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا مشاہدہ کیا۔ رہے تابعین تو اس لئے کہ یہ حضرت صحابہ کرام کے بعد خیر القرون ہیں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے متعلق صحابہ کے عقائد سے زیادہ واقف ہیں۔

علماء فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس لئے کہا جاتا ہے کیونکہ آپ رعیت کے معاملے میں آپ کے خلیفہ ہیں۔ اور مرض الوصال میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو نماز کے لئے خلیفہ بنایا تھا۔ پس ابوبکر محمدی اولیاء سے افضل ہیں۔ جبکہ شیعہ اور اکثر معتزلہ اس کے قائل ہیں کہ نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد افضل حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں اور ہمارے اس قول میں کہ ابوبکر محمدی اولیاء سے افضل ہیں گذشتہ امتوں کے اولیاء بھی داخل ہیں۔ پس ابوبکر اس بنا پر ان سے افضل ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت آپ کے زمانے سے پہلوں اور بعد والوں کے حق میں عام ہے۔ اور عنوان میں ہمارے قول بعد الانبیاء والمرسلین کے ساتھ یعنی جو حیات ظاہر میں ہیں اور جو واصل بحق ہو چکے خارج ہو گئے سوائے عیسیٰ علیہ السلام کے کیونکہ آپ یقیناً ابوبکر سے افضل ہیں۔ اسی طرح حضرت خضر علیہ السلام خارج ہو گئے کیونکہ آپ کا مقام ولایت اور نبوت کے درمیان برزخی ہے جیسا کہ اسے شیخ نے فتوحات میں ذکر کیا ہے اور آپ کی عبادت (کا ترجمہ) یہ ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کا مقام نبوت سے فروتر اور صدیقیت سے فزوں تر ہے جس طرح کہ آپ نے اپنے بارے میں ہمیں مشافہۃ خبر دی۔ فرمایا اسے مقام قربت کہتے ہیں۔ جبکہ امام غزالی نے اس مقام کا انکار کیا ہے۔

امام شعرانی فرماتے ہیں کہ نووی نے تہذیب الاسماء واللغات میں یوں فرمایا ہے کہ خضر علیہ السلام نبی ہیں۔ اختلاف صرف آپ کی رسالت میں ہے۔ اور بعض صوفیاء نے یہ شاذ قول کیا ہے یعنی جمہور کے خلاف کہ آپ ولی ہیں۔ انتہی، واللہ اعلم۔

فضیلت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے متعلق دیگر وضاحتیں

اور فتوحات کے ۹۳ ویں باب میں شیخ کی عبارت یہ ہے کہ جان لے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں کوئی ایسا نہیں جو ابوبکر سے افضل ہو۔ سوائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے۔ اور یہ اس لئے کہ جب آپ قرب قیامت میں نازل ہوں گے تو صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شرع کے ساتھ فیصلے کریں گے۔ پس آپ کے لئے قیامت کے دن دو حشر ہوں گے۔ ایک حشر لواء رسالت کے ساتھ رسل علیہم السلام کے گروہ میں اور ایک حشر لواء ولایت کے ساتھ اولیاء کے گروہ میں۔ انتہی۔

اور شیخ کمال الدین بن ابی شریف اپنے حاشیہ میں فرماتے ہیں کہ میرے لئے یہی رائے ظاہر ہوتی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت میں شمار نہیں ہوتے کیونکہ آپ کی دعوت میں داخل نہیں ہیں پس امت دعوت میں تھے نہ امت ملت میں۔ انتہی۔

شیخ تقی الدین بن ابوالمنصو راپنے عقیدہ میں فرماتے ہیں: اور عقیدہ رکھتا ہے کہ ابوبکر تمام امت محمدیہ سے اور انبیاء کی ساری امتوں اور ان کے اصحاب سے افضل ہیں کیونکہ آپ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اس طرح لازم تھے جس طرح سایہ جسم کو لازم ہوتا ہے حتیٰ کہ میثاق انبیاء میں۔ اور اسی لئے آپ نے سب سے پہلے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کی۔ اور شیخ نے فتوحات کے ۳۰۳ باب میں فرمایا: جان لے کہ وہ راز جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سینہ میں جاگزیں تھا اور اس کی بدولت آپ کو دوسرے پر فضیلت حاصل ہوئی وہ قوت تھی جو کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے دن ظاہر ہوئی پس یہ دعویٰ رسالت پر دلالت میں آپ کے لئے معجزہ کی طرح تھی۔ آپ اس وقت قوت کیساتھ رہے جبکہ جماعت کے ہوش اڑ گئے۔ کیونکہ مقتدا اور امام صرف وہی ہوسکتا ہے جو کہ باہوش ہو۔ مدہوش نہ ہو۔ پس آپ ہی مقتدا ہونے کے اہل تھے۔ اور بعض حضرات کا محسوس کرنا آپ کے کمال اور استحقاق خلافت میں موجب طعن نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ مقام الٰہی ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **ولـلـه يسجد من في السموات و الارض طوعا و كرها** (الرعد آیت ۱۵۔ اور اللہ تعالیٰ کے لئے ہی سجدہ کناں ہے ہر کوئی جو آسمانوں میں اور زمین میں ہے خوشی سے یا مجبوراً)۔ تو جب بعض لوگ اس ذات کے لئے جس کے قبضے میں آسمانوں اور زمینوں کی بادشاہی ہے مجبوراً سجدہ کرتے ہیں نہ کہ خوشی سے تو حضرت ابوبکر اور آپ کے علاوہ کسی اور کے لئے کیا حال۔ پس معلوم ہوا کہ خوش دلی سے اور مجبوری سے عمل کرنے والا ضرور پایا جاتا ہے۔ اگر چہ وہ کسی شبہ کی بنا پر جو کہ اس کے نزدیک قائم ہے مجبوری کے امر میں داخل ہو۔ جبکہ وہ دین پر کاربند ہو۔ اور تمام صحابہ کرام اسی طرح ہیں۔ پس خلافت میں واقع ترتیب کے مطابق بعض کا بعض پر مقدم ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ حکم الٰہی میں سابقاً اسی طرح ہے۔ رہا ان میں سے بعض پر بعض کی فضیلت کے متعلق ہمارا قطعی فیصلہ تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف پھیرتے ہیں۔ اپنی بارگاہ میں ان کے مراتب کو وہی جانتا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہمیں اس بارے میں نہیں جتلایا کہ اس کا کیا حکم ہے۔ پس اللہ تعالیٰ ہمیں فضولیات اور اہل سنت و جماعت کی مخالفت سے بچائے۔ آمین۔

ترتیب خلافت راشدہ کے متعلق اکابر کی تصریحات

اور شیخ صفی الدین بن ابوالمنصو رفرماتے ہیں کہ چاروں خلفاء کی ترتیب جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے ترتیب حکمت اور دائرہ امت کے کمال کے سرکی وجہ سے متعین تھی۔ اور شیخ کمال الدین بن ابی شریف اپنے حاشیہ میں فرماتے ہیں: جان لے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد امام برحق ابوبکر، پھر عمر، پھر عثمان پھر علی ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ اور اس پر سنت سے بے شمار دلائل ہیں۔ مجموعی طور پر وہ سب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مقدم ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ ان پر واقفیت رکھنے والے کے لئے یہ مسئلہ طلوع صبح کی طرح ظاہر ہے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی امارت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس عہد کی بنا پر تھی کہ امر خلافت چھ صحابہ کرام کے مابین شوریٰ کے ساتھ ہو۔ ان میں سے پانچ چھٹے کو چنیں تاکہ خلیفہ ہو پس حضرت عثمان کو اختیار کیا گیا اور آپ کی امارت پر اتفاق ہوا۔ جبکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی امارت اکابر مہاجرین وانصار کے اجتماع اور ان کے آپ سے قبول بیعت کے التماس کی بنا پر ہوئی۔ پس سب نے آپ کی بیعت کی۔ انتہی۔ (اقول و باللہ التوفیق۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی امارت اس طرح ہوئی کہ حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کو نامزد فرمایا اور عندالوصال وصیت میں آپ نے نامزد فرمایا۔ اور یہ وصیت نامہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے لکھا جیسا کہ نورالابصار ص ۶۴، ۶۵ میں ہے۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ)

فضیلت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے متعلق شیخ محی الدین قدس سرہ کی تصریح

اور شیخ محی الدین ۳۶۹ ویں باب مین فرماتے ہیں: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دوسروں پر فضیلت پر دلالت آپ کا بارگاہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مرید صادق کی طرح ہونا ہے جبکہ شیخ کی معیت میں اس کی فتوحات کامل ہو جائیں۔ اور اسی وجہ سے آپ مستحق خلافت ہوئے۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واصل بحق نہیں ہوئے حتیٰ کہ ابوبکر من کل الوجوہ حضرت حق جل وعلا کی طرف منقطع ہو گئے اور آپ نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مشاہدہ ایک عبد مخلص کی صورت میں کیا جسے اللہ تعالیٰ کی معیت میں نہ حرکت ہے نہ سکون مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اذن کے ساتھ۔

فضیلت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے متعلق ابوالسعود بن الشبلی کا بیان

اور ابوالسعود بن الشبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال نہیں ہوا حتیٰ کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک پر اللہ تعالیٰ سے عہد و پیمان باندھنے والے اور احکام لینے والے ہو گئے۔ اسی لئے جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال پاک ہوا تو اس زبردست صدمے سے پورے طور پر اس طرح متاثر نہ ہوئے جس طرح دوسروں پر اثر واقع ہوا۔ بیشک کوئی ایک صحابی ایسا نہ تھا جو اس دن بے قرار اور بے چین نہ ہوا ہو۔ اور ایسی گفتگو کی گئی جو نا قابل سماعت تھی۔ اور اس نے اپنے متعلق خود گواہی دی کہ اس دن وہ قاصر رہا اور اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حال کو جن کی پیروی کرتا رہا پہچان نہ سکا۔ رہے ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو آپ حقائق امور کا علم رکھتے تھے۔ اسی لئے آپ نے منبر پر جلوہ گر ہو کر یہ آیت پڑھی وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل. افائن مات او قتل انقلبتم علی اعقا بکم و من ینقلب علی عقبیه فلن یضر الله شیئا و سیجزی الله الشاکرین ۔ (آل عمران ۱۴۴۔ اور نہیں ہیں محمد مصطفیٰ مگر (اللہ کے) رسول۔ آپ سے پہلے کئی رسول گذر چکے۔ تو کیا اگر وہ انتقال فرمائیں یا شہید کر دیئے جائیں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے۔ اور جو الٹے پاؤں پھرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے گا۔ اور اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں کو جلد اجر دے گا) پس جس پر اس کے وہم نے حکم چلایا تھا وہ لوٹا۔ اور اس وقت لوگوں نے جماعت اہل اسلام پر آپ کی فضیلت پہچانی۔ پس آپ امامت اور مقدم ہونے کے مستحق قرار پائے۔ تو جس نے بھی آپ کی بیعت کی وہ درست رہا۔ اور آپ کی بیعت سے وہی پیچھے رہا جسے آپ کے اس روحانی مقام کا علم نہ ہوا جس کو وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہچان نہ سکا۔ یا جو اس سے محل نظر میں تھا یا تکلفاً تاویل کرنیوالا تھا پس بیشک رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حق میں اپنی حیات طیبہ میں جماعت پر ان کی فضیلت کی گواہی اس راز کے حوالے سے دی جو کہ آپ کے سینے میں جاگزیں تھا۔ پس اس راز کا حکم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے دن ظاہر ہوا۔ اور جیسا کہ ہم نے اسے ذکر کیا ہے وہ راز نہیں ہے مگر آپ کا مقام عبودیت پورے طور پر اس طرح حاصل کرنا کہ اس سے کوئی چیز آپ کے حق میں اور نہ ہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں علیحدہ نہ رہی۔ فرمایا: اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے یہ جان چکے تھے کہ وہ مع اللہ ہو چکا ہے نہ کہ مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مگر اس حکم کے ساتھ کہ وہ دیکھتے تھے کہ انہیں حق تعالیٰ کس چیز کے ساتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان پر خطاب فرماتا ہے ہر خطاب میں جو کہ آپ سے سنتے تھے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لئے اپنے آپ میں ایک میزان تھی آپ معلوم کر لیتے تھے کہ آپ کے حق میں اس کے خطاب سے کیا متوجہ ہے اور کیا متوجہ نہیں ہے۔

شیخ محی الدین اور مقام عبودیت

اور شیخ محی الدین فرماتے ہیں: میں عبودیت محض خالص کے مقام کے ساتھ متحقق ہوں۔ اور اس میں انتہا تک پہنچ چکا ہوں پس میں عبد محض خالص ہوں کہ جہان میں کسی چیز پر ربوبیت کے دعویٰ کی کوئی چیز مجھے آلودہ نہیں کرتی۔ فرمایا: میرے علم میں نہیں کہ مجھ سے پہلے زمانہ والوں میں سے کوئی شخص پورے طور پر مقام عبودیت کا وارث ہوا ہو جس طرح کہ میں اس کا وارث ہوں مگر وہ جو رسالۃ القشیری کی رجال میں سے ایک مرد کے متعلق مجھے پہنچا ہے کہ اس نے کہا کہ اگر سب لوگ اس پر جمع ہو جائیں کہ میرے نفس کو خشیت اور تواضع کے اس مرتبے سے اتار لائیں جس پر کہ وہ ہے تو ایسا نہیں کر سکیں گے۔ پس میں، اگر چہ لوگ مجھ سے علوم کا استفادہ کرتے ہیں اپنے آپ میں اس سے بالکل علیحدہ ہوں۔

حقیقت صدیقیت اور اس میں تفاضل کا مسئلہ

اگر تو کہے کہ صدیقیت کی حقیقت کیا ہے؟ تو جیسا کہ شیخ نے اپنی کتاب لواقح الانوار میں فرمایا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ صدیقیت عبارت ہے صاحب صدیقیت کے اس سب کچھ پر ایمان لانے سے جس کی خبر رسل علیہم السلام نے دی ہے۔ اور اس کے لئے اس کی تصدیق یہی صدیقیت ہے۔ اگر تو کہے کہ کیا صدیقیت میں تفاضیل ہے؟ تو جیسا کہ شیخ محی الدین نے فرمایا جواب یہ ہے کہ صدیقیت میں کوئی تفاضیل نہیں۔ کیونکہ یہ سب کی سب حقیقت واحدہ ہے۔ تو جب تو دو صدیقوں میں فضیلت کی کمی بیشی دیکھے تو یہ صدیقیت کے باب سے نہیں ہے۔ یہ کسی اور باب اور کسی دوسرے راز کی وجہ سے ہے۔ جیسے وہ راز جو کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قلب میں جاگزیں ہوا۔ پس اس کی وجہ سے تمام صدیقوں پر فضیلت پا گئے نہ کہ نفس صدیقیت کی وجہ سے جیسے کہ گزر چکا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اولیاء ملامیہ کے سرتاج ہیں اور ملامیہ سے کیا مراد ہے؟

اور آپ ۳۰۹ ویں باب میں فرماتے ہیں: جان لے کہ اولیاء ملامیہ کے سرتاج حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔ اگر تو کہے کہ ملامیہ سے کیا مراد ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ وہ ایسی قوم ہے جو کہ موکدہ سنتوں کے سوا پانچ نمازوں پر اضافہ نہیں کرتے۔ اور اللہ تعالیٰ کے فرائض ادا کرنے والے مومنین سے کسی زائد حالت کے ساتھ امتیاز نہیں رکھتے۔ بازاروں میں چلتے ہیں۔ لوگوں سے گفتگو کرتے ہیں۔ کسی عبادت ظاہرہ کے ساتھ عام لوگوں سے امتیاز نہیں رکھتے۔ اپنے قلوب کیساتھ اللہ تعالیٰ کے ساتھ منفرد ہو چکے۔ علم و عبودیت میں راسخ۔ پلک جھپکنے تک بھی اس سے متزلزل نہیں ہوتے۔ پس ان کے قلوب پر سلطان ربوبیت کے غلبے کی بنا پر وہ سرداری کا ذوق پہنچانتے ہی نہیں اور امام ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ان کے مقام عبودیت کے ساتھ متحقق ہونے کی بنا پر نفلی عبادات کی وہ کثرت منقول نہیں جو کہ دوسروں سے منقول ہے کیونکہ آپ اپنے احوال کثرت سے چھپاتے تھے۔ پس آپ کے اعمال قلبیہ تھے۔ اس کے باوجود ہر ذرہ جو آپ کے اعمال سے ظاہر ہوا دوسروں کے اعمال کے خزانے بھی اس کے ساتھ لگا بندھا نہیں کھاتے۔

دلیل فضیلت ابوبکر رضی اللہ عنہ از شیخ محی الدین

شیخ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر فضیلت کی واقعاتی دلیل وہ ہے جو کہ احادیث سے

ثابت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوبکر سے فرمایا کہ آج صبح آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں کوئی کھانے کی چیز نہیں۔ پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے سارا مال لاکر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں رکھ دیا۔ تو سرکار عالم الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اے ابوبکر! تو اپنے اہل خانہ کے لئے کیا چھوڑ آیا ہے؟ عرض کی: اللہ اور اس کا رسول۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بات سنی تو اپنا آدھا مال آپ کی خدمت میں حاضر کردیا تو سرکار علیہ السلام نے فرمایا: اے عمر! اپنے اہل خانہ کے لئے کیا چھوڑ آیا ہے؟ عرض کی: یا رسول اللہ! آدھا۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا: تمہارے درمیان (توازن فضیلت) وہی ہے جو تمہاری گفتگو کے درمیان ہے۔ الحدیث۔

اور شیخ نے ۲۴۸ ویں باب میں فرمایا: ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت کی وجہ یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان دونوں کے مال میں ان کے لئے کوئی حد مقرر نہیں فرمائی۔ بلکہ دونوں پر یہ امر مخفی رکھا تاکہ ہر ایک اپنے عزم کے مطابق کام کرے۔ ورنہ اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان دونوں کے لئے کوئی حد مقرر فرمائی ہوتی تو یہ اس سے آگے نہ بڑھتے۔ پس ابوبکر کی فضیلت عمر پر ظاہر نہ ہوتی رضی اللہ تعالیٰ عنہما پس آپ نے اس امر کو مبہم رکھنے میں صرف یہی ارادہ فرمایا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت عمر رضی اللہ عنہ پر ظاہر کرکے بیان کردی جائے۔

ابقیت لھم اللہ و رسولہٗ میں نکتہ

اور فرمایا: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اس قول میں کہ میں اپنے اہل خانہ کے لئے اللہ اور اس کا رسول چھوڑ آیا ہوں انتہائی ادب ہے جب کہ آپ نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ملایا۔ اس دروازہ کو کھولنے کے لئے کہ اگر فرض کر لیا جائے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ابوبکر پر اس کے مال سے کوئی چیز لوٹادی تو آپ نے اسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دست کرم سے قبول کیا ہوتا کیونکہ آپ نے رسول پاک علیہ السلام کو اپنے اہل خانہ کی کفایت کرتے چھوڑا ہے۔ تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے مال میں فیصلہ نہیں کیا مگر اس کی حیثیت سے جسے مال کے مالک نے اپنا نائب بنایا ہو۔ پس اے بھائی! غور کر کہ مراتب امور کے متعلق ابوبکر رضی اللہ عنہ کا عرفان کس قدر مضبوط ہے۔ اور اسی وجہ سے آپ نے عمر پر فضیلت پائی۔ حالانکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ آج وہ ابوبکر سے سبقت لے جائیں گے۔ تو جب یہ نصف مال لانے کا واقعہ رونما ہوا تو عمر کہنے لگے کہ آج کے بعد میں ابوبکر رضی اللہ عنہ پر سبقت حاصل نہیں کرسکوں گا۔ اور یہ مقام انہیں سونپ دیا۔

پھر رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوبکر پر ان کے مال میں سے کوئی چیز واپس نہ کی۔ اور یہ اس لئے تاکہ محبت میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سچائی پر جو کہ آپ کے علم میں ہے حاضرین کو متنبہ فرمادیں۔ پس اگر آپ ابوبکر پر ان کے مال میں سے کچھ واپس کردیتے تو ابوبکر کے بارے میں یہ احتمال راہ پاسکتا تھا کہ آپ کے دل میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نرمی کا خیال آیا۔ اور آپ نے ابوبکر پر اسے بدلہ کے طور پر اس لئے پیش کردیا کہ آپ کو معلوم ہوا کہ سارے کا سارا مال دینے میں اس کا نفس من کل الوجوہ منشرح نہیں ہے۔ جیسا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے لئے ایسا واقعہ گذرا کہ وہ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اپنا سارا مال لے آئے۔ تو آپ نے اسے واپس کردیا اور اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے متعلق علم رکھتے کہ وہ اپنے لئے آپ کے ہوتے ہوئے کوئی ملکیت نہیں دیکھتے جیسے کہ ابوبکر تھے تو اس پر آپ واپس نہ کرتے۔ انتہی۔

استحقاق امامت کا عرفان

اور شیخ نے اپنی کتابوں میں سے بعض میں فرمایا ہے: جان لے کہ ایک شخص کے لئے استحقاق امامت چند امور کے ساتھ پہچانا جاتا ہے۔ ایک یہ کہ اسے ایسی شخصیت ظاہر کر کے مقرر کرے جس کا قول قبول کرنا واجب ہو۔ جیسے نبی یا امام عادل۔ اور ایک یہ کہ مسلمان اس کی امامت پر اجماع کریں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بالاجماع امام ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ظاہر کرنے پر امام ہوئے۔ پھر عثمان، آپ حضرت عمر کی نص کے ساتھ۔ پھر حضرت علی اس جماعت کی نص کے ساتھ جن کے درمیان باہمی مشورہ سے امر متعین کیا گیا۔ بیشک آپ نے کسی کو خلیفہ نامزد نہیں فرمایا۔ اور معتبر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت عثمان پھر حضرت علی مرتضیٰ کی امامت پر اجماع کیا رضی اللہ تعالیٰ علیہم۔ پس یہ چاروں خلفاء راشدین ہیں۔ پھر حضرت حسن اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان اختلاف رونما ہوا اور حضرت حسن نے ان سے مصالحت کر لی۔ پس خلافت حضرت معاویہ پر قرار پائی۔ اور پھر ان کے بعد ان پر جو بنی امیہ اور بنی مروان میں سے ہوئے۔ حتیٰ کہ خلافت بنو عباس کی طرف منتقل ہوگئی اور اہل حل وعقد نے ان پر اجماع کیا۔ اور ان سے خلافت چلی۔ یہاں تک کہ ہوا جو کچھ ہوا۔

روافض کا رد اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت اور فضیلت

اور بعض رافضیوں کا کہنا کہ ابوبکر نے خلافت غصب کر لی اور امام علی رضی اللہ عنہما پر جبراً برتری حاصل کی قطعاً باطل ہے اور اس سے صحابہ کرام کا ظلم پر اجماع لازم آتا ہے اس حیثیت سے کہ انہوں نے ابوبکر کو خلافت پر قابض کر دیا۔ جبکہ دین کے یہ حامی حضرات رضی اللہ عنہم اس سے بالکل بری ہیں۔ اور شیخ محی الدین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فضیلت میں حضرت ابوبکر کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر مقدم ہونا قطعی ہے۔ جبکہ حضرت عمر کا باقیوں پر مقدم ہونا ظنی ہے۔ فرماتے ہیں کہ ہمارے کشف کے طریقے سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو اطلاع بخشی ہے یہ ہے کہ کسی شخص کا امامت کے ساتھ دوسرے پر مقدم ہونا وہ زمانے کے ساتھ مقدم ہونا ہے اور اس سے تقدم بالفضیلت لازم نہیں آتا۔ پس بیشک اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہمارے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی اتباع کا حکم دیا ہے۔ اور یہ اس لئے نہیں کہ آپ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت اس کے زیادہ مستحق ہیں۔ وہ تو صرف اس لئے ہے کہ ان کا زمانہ پہلے ہے۔ کیونکہ زمانہ کے لئے تقدم میں حکمتیں ہے اس حیثیت سے کہ وہ زمانہ ہے نہ کہ مرتبہ کی حیثیت سے اور یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خلافت کی طرح ہے پس بیشک اس کی ترتیب عمروں اور ان اعمال کے حوالے سے جو اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ہر ایک کی خلافت کے دنوں میں علی التعیین مقدر فرمائے۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت سے ہے۔ باوجود یکہ ہر ایک دوسرے کی خلافت کے وقت اس کا اہل ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے علم میں سابقاً موجود ہے کہ خلفاء اربعہ میں سے ہر ایک کی خلافت اس ترتیب پر ضروری ہے جو کہ وقوع پذیر ہوئی۔ یہاں تک کہ اگر فرض کر لیا جائے کہ متاخر مقدم ہوا تو اسے معزول کرنا لازم۔ حتیٰ کہ ان کا وہ والی بنے جس کی ولایت عند اللہ ضروری ہے۔ پس ان کی عمروں کے حکم کے مطابق استحقاق کے باوجود ان کی ولایت کی ترتیب میں ان میں سے کسی کے معزول ہونے کا عدم وقوع ہے کیونکہ صحابہ کرام سب کے سب عادل ہیں۔ اسے شیخ نے ۵۵۸ ویں باب میں اللہ تعالیٰ کے اسم المعطی کے متعلق کلام کرتے ہوئے ذکر کیا ہے۔

خلافت راشدہ

نیز اس باب میں اللہ تعالیٰ کے اسم الآخر پر کلام کرتے ہوئے شیخ نے فرمایا: جان لے کہ خلفاء اربعہ خلافت میں آگے نہیں ہوئے مگر اپنی عمروں کے مطابق۔ بیشک ان میں خلافت کے لئے اہلیت تمام وجوہ سے موجود ہے تو صرف ان کا پہلے ہونا ہی فضیلت کا متقاضی نہیں۔ اور یہ تو نص قطعی پائے جانے کی وجہ سے ہے۔ فرماتے ہیں: چونکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے سے ہے کہ ابوبکر، عمر سے پہلے۔ عمر، عثمان سے پہلے۔ اور عثمان، علی سے پہلے فوت ہوگا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ اور سب کے لئے دربار الٰہی میں احترام اور فضیلت ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے خلافت میں اسے پہلے رکھا جس کے متعلق اس کے علم میں ہے کہ اس کی اجل ان خلفاء اربعہ میں سے ایک سے پہلے ہے۔ فرمایا: کہ حدیث میں ہے کہ جب دو خلیفوں کے لئے بیعت کی جائے تو ان میں سے بعد والے کو قتل کردو۔ تو اگر فرض کرلیا جائے کہ لوگوں نے ابوبکر کے سوا تینوں میں سے کسی ایک کی بیعت کی۔ باوجودیکہ اس زمانے میں ابوبکر کے لئے خلافت لازمی تھی تو دو خلیفے جمع نہیں ہوسکتے جبکہ ان خلفاء میں سے بعد والے کا قتل جائز نہیں۔ اور اگر فرض کیا جائے کہ تین میں سے ایک معزول کردیا گیا اور ابوبکر خلافت کے وارث ہوئے تو اس صورت میں معزول کے بارے میں عدم احترام اور جس نے اسے معزول کیا اسے جور اور ظلم کی طرف منسوب کرنا ہے کہ بیشک اس نے مستحق خلافت کو معزول کردیا۔

پھر اگر فرض کیا جائے کہ ابوبکر کو جس پر مقدم کیا گیا معزول نہیں ہوا۔ تو ابوبکر اس کی خلافت کے ایام میں فوت ہوئے جس سے وراثت خلافت کے بغیر آپ مقدم ہوئے جبکہ علم الٰہی میں سابقاً ہے کہ اس کے لئے خلیفہ ہونا ضروری ہے اور علم سابق (علم قدیم) کی مخالفت محال ہے اور شیخ نے اس میں طویل گفتگو کی ہے۔ پھر فرماتے ہیں: حاصل کلام یہ ہے کہ ایسے مسئلہ میں بحث کرنا نہیں چاہیے مگر نص صریح کے ساتھ۔ (اقول وباللہ التوفیق۔ ان کی فضیلت کی ترتیب اختراعی نہیں بلکہ نصوص ہی سے مستفاد ہے جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات سے ظاہر ہوتی ہے۔ لہٰذا اصل مسلک وہی ہے جو کہ محدثین کا ہے جسے چند سطور بعد شیخ نے ابن حجر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے خود نقل فرمایا ہے۔ اسے یوں جمع کیا جاسکتا ہے کہ یہ نفوس قدسیہ افضل بھی ہیں اور حکمت خداوندی میں ان کی آجال کی ترتیب بھی یہی ہے۔ اور یہ قادر مطلق کا باطنی نظام ہے کہ فضیلت اور تقدم زمانی دونوں ایک ساتھ جمع فرمادیئے۔ واللہ ورسولہ اعلم بالصواب۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ)

اس کے باوجود ہم ان چار خلفاء کی ترتیب کے قائل ہیں۔ جس طرح کہ جمہور کا مذہب ہے۔ ہم صرف تقدیم کی علت میں ان سے اختلاف کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ فضیلت کی بنا پر ہے جب کہ ہم کہتے ہیں کہ یہ تقدم زمانی کی وجہ سے ہے۔ اور اگر ہر متاخر مفضول ہوگا تو جو حضرات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے ہوئے وہ آپ سے افضل ہوئے حالانکہ محققین میں سے اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔ پس غور کیا جائے اور سوچا جائے۔

(اقول وباللہ التوفیق۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی افضلیت علی الخلق مطلقاً ہے اور نصوص قطعیہ سے ثابت۔ لہٰذا مذکورہ استحالہ لازم نہیں آتا۔ اسی لئے تجلی الیقین میں اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا خاں قادری قدس سرہ فرماتے ہیں: حضور پُرنور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا افضل المرسلین اور سیّد الاولین والآخرین ہونا قطعی ایمانی، یقینی اذعانی اجماعی ایقانی مسئلہ ہے جس میں خلاف نہ کرے گا مگر گمراہ بددین بندۂ شیاطین ص ۴ الناقل محمد محفوظ الحق غفرلہٗ)

اور کہا گیا ہے کہ خلفاء اربعہ کے بعد لوگوں میں افضل باقی عشرہ مبشرہ ہیں۔ اور ان سے آگے ادب یہ ہے کہ ان کی باہمی فضیلت پر گفتگو

کی جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان سے محبت، ان کی تعظیم کی جائے اور تمام اولیاء سے ان کے درجات بلند تسلیم کئے جائیں۔

اور محدثین فرماتے ہیں اس عشرہ مبشرہ کے بعد اہل بدر افضل ہیں۔ پھر اہل احد۔ پھر اہل بیعۃ رضوان۔ پھر اہل مدینہ میں سے یا اہل احد میں سے یا جنہوں نے دونوں قبلوں کی طرف نماز ادا کی ان میں سے افضل سبقت کرنے والے، مہاجرین وانصار ہیں۔ اس میں کئی اقوال ہیں جنہیں حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا ہے۔

خاتمہ، صحابہ کرام کی قوت ایمانی کی وجہ

شیخ محی الدین نے ۳۴۶ ویں باب میں ذکر کیا ہے کہ قرن اول والے اپنے ماسوا پر فضیلت نہیں دیئے گئے مگر قوت ایمانی کی وجہ سے کیونکہ وہ اس میں اتم تھے۔ اور تابعین عام صحابہ کرام سے علم میں کامل تھے جبکہ اتباع تابعین عام تابعین سے عمل میں کامل تھے۔

اگر کہا جائے کہ ایمان میں صحابہ کرام کے زیادہ قوی ہونے کی کیا حکمت ہے باوجودیکہ ان حضرات نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ پایا اور آپ کے معجزات اور اخلاق کا مشاہدہ کیا۔ حالانکہ قاعدہ یہ ہے کہ ایمان بالغیب، ایمان والے کے حق میں زیادہ پختہ ہے بہ نسبت ایمان بالحاضر کے؟ تو جواب یہ ہے کہ صحابہ کرام کے لئے قوت ایمانی اس حیثیت سے آئی کہ انسان طبعی طور پر حسد پر پیدا کیا گیا۔ تو جب کسی امت کی طرف اسی کی جنس سے رسول بھیجا گیا تو لوگوں میں حسد بھڑک اٹھا۔ تو اس پر ایمان نہ لایا مگر وہی شخص جس نے اپنے نفس میں پائے جانے والے حسد اور فضیلت کی محبت کو دفع کرنے کی قوت پائی۔ خصوصاً جبکہ اس پر حکم چلانے والا اسی کی جنس سے ہو۔ تو ایمان صحابہ اس نظر سے زیادہ قوی تھا کہ انہوں نے آغاز اسلام سے ہی اپنی جنس کے اپنے اوپر مقدم ہونے کا مشاہدہ کیا۔ اور ان کی مصروفیت اس امر میں تھی جو غلبہ حسد کو دفع کرے جو ان پر مسلط ہو۔ اور انہیں مخفی علوم اور اسرار کے ادراک سے روکنے والا ہو۔ پس وہ قوت ایمانی کی بدولت ہم پر فوقیت لے گئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہمارا نقصان یوں پورا فرمایا کہ ہمیں اس کی تصدیق عطا فرمائی جو کچھ ہمارے لئے ان سے منقول ہوا پس ہمیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں ایمان بالغیب کا درجہ حاصل ہوا جو کہ اس بارے میں صحابہ کرام کے لئے نہیں ہے۔ کیونکہ انہوں نے شارع علیہ السلام کا مشاہدہ کیا اور آپ کے احوال اور واقعات کا مشاہدہ کیا پس وہ مبنی بر شہود ایمان لائے اور تصدیق کی۔ پس انہیں ہم پر قوت ایمان اور سبقت کی وجہ سے ہی فضیلت حاصل ہوئی۔ رہا علم وعمل تو کبھی اس کا غیر اس میں ان کے مساوی ہوسکتا ہے۔

(اقول وباللہ التوفیق۔ یہ کشف کی بات ہے جو کہ صاحب کشف کا اپنا ذوق اور اپنی تحقیق ہے ورنہ صحابہ کرام کے معلم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ **ویعلمهم الکتاب والحکمة**۔ نیز فرمایا **ویعلمکم الکتاب والحکمة ویعلمکم مالم تکونوا تعلمون** گرچہ تمام اہل عرفان واحوال بلکہ انبیاء ومرسلین علیہم السلام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہی مستفید ہیں جیسا کہ اس دوسری جلد کی ابتدائی مباحث میں مذکور ہے۔ لیکن انبیاء ومرسلین علیہم السلام کے بعد صحابہ کرام علیہم الرضوان کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعثت شریفہ کے دور میں براہ راست تعلیم دی۔ اتنے عظیم بلکہ اعظم المعلمین کے متعلمین کے علم میں کون برابری کرسکتا ہے۔ اس اعزاز میں من کل الوجوہ کوئی غیر صحابی ان کا کفو نہیں ہوسکتا چہ جائیکہ برابر ہو۔ رہا عمل تو کمیت میں ہوسکتا ہے کہ کوئی بعد والا برابری کر سکے۔ یعنی گنتی میں۔ لیکن کیفیت میں ان کی برابری نہیں ہوسکتی۔ جن کے چلو بھر جو کہ خیرات دوسروں کی احد پہاڑ کے برابر سونے کی خیرات سے افضل ہے تو برابری کیسے۔ واللہ اعلم

بالصواب محمد محفوظ الحق غفرلہٗ)

پس سب خوبیاں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو ہمیں اخیر زمانے میں لایا۔ اور ہمارے قلوب کو کتابوں میں منقول حقائق کی تصدیق اور عدم شک وتردد کے ساتھ مکمل فرمایا۔ اور ہم نے اس پر کوئی دلیل یا کسی آیت کا ظہور طلب نہیں کیا۔ اور اگر ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ میں آئے ہوتے تو نہیں معلوم کہ آپ کے مشاہدہ کے وقت ہمارے حالات کیسے ہوتے۔ کیا ہم پر حسد کی بیماری غالب آتی پس آپ کی طاعت نہ ہوتی۔ یا ہم اپنے نفوس پر غلبہ حاصل کرتے اور آپ کی طاعت کرتے۔ پس اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو قتال کے لئے کافی ہوا اور اللہ تعالیٰ قوت والہ، غالب ہے۔ اور امام شافعی رضی اللہ عنہ اپنے ایک قدیم رسالے میں فرماتے ہیں: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہر علم اور ایمان میں ہم پر فوقیت رکھتے ہیں اور ان کی آراء ہمارے نزدیک ہمارے نفسوں کے لئے ہماری آراء سے کہیں زیادہ خوبصورت ہیں۔ انتہی۔

چوالیسویں بحث

مشاجرات صحابہ کرام کے متعلق

یہ بیان کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان رونما ہونے والے اختلافات کے متعلق لب کشائی سے رکنا واجب ہے اور یہ اعتقاد واجب ہے کہ وہ سب اجر پانیوالے ہیں۔

اور یہ اس لئے کہ اہل سنت کا اتفاق ہے کہ وہ سب عادل ہیں۔ برابر ہے کہ کوئی فتنوں میں ملوث ہوا یا نہیں ہوا۔ جیسے حضرت عثمان، حضرت معاویہ اور واقعہ جمل کے دور کا فتنہ۔ اور یہ سب کچھ واجب ہے کہ ان کے متعلق حسن ظن کے وجوب اور انہیں اس بارے میں اجتہاد پر محمول کرتے ہوئے ایسا ضروری ہے۔ کیونکہ ان امور کی بنیاد اسی پر ہے۔ اور ہر مجتہد درست ہے یا درست ایک ہے اور خطا کرنیوالا معذور بلکہ ماجور ہے۔

عدالت صحابہ کرام کا مفہوم

ابن الانباری نے کہا کہ ان کی عدالت سے مراد ان کے لئے عصمت کا ثبوت اور ان سے عصمت کا محال ہونا نہیں۔ مراد صرف یہ ہے کہ اسباب عدالت کی بحث اور ان کے تزکیہ کی طلب کے تکلف کے بغیر ہمارے دین کے احکام کے متعلق ہمارے لئے ان کی روایات قبول ہیں۔ اور بحمدہ تعالیٰ آج تک ہمیں ایسی کسی چیز کا ثبوت نہیں ملا جو ان کی عدالت کو مجروح کرے۔ پس ہم اسی کو لازم کرتے ہیں جس پر کہ یہ حضرات رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ پاک میں تھے۔ یہاں تک کہ اس کے خلاف ثابت ہو۔ اور بعض اہل سیر جو کچھ ذکر کرتے ہیں لائق التفات نہیں۔ کیونکہ یہ صحیح نہیں۔ اور اگر صحیح ہے تو اس کی کوئی صحیح تاویل ہے۔ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کا یہ قول کس قدر اچھا ہے کہ وہ ایسے خون ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے ہماری تلواروں کو پاک رکھا تو ان کے ساتھ ہم اپنی زبانوں کو آلودہ نہیں کرتے۔" اور ہمارے دین کے حاملین کے متعلق اور ان کے متعلق کہ ہمارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جو خبر ہمیں پہنچی انہیں کے واسطے سے پہنچی طعن کیونکر جائز ہوسکتا ہے۔ تو جو صحابہ کرام میں طعن کرتا ہے بیشک وہ اپنے دین میں طعن کرتا ہے۔ پس یہ دروازہ کلی طور پر بند کرنا واجب ہے۔ خصوصاً حضرت معاویہ، عمرو بن العاص اور ان جیسے دوسرے حضرات کے بارے میں گفتگو کرنے سے۔ اور روافض نے اہل

بیت سے جوان کی کراہیت نقل کی ہے اس سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے کیونکہ اس جیسے مسئلہ کا منشاء دقیق ہے اور اس میں سوائے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور کوئی فیصلہ نہیں کرسکتا۔ کیونکہ یہ آپ کی اولاد اور آپ کے اصحاب کے درمیان نزاع کا مسئلہ ہے۔

حضرت علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان اختلاف کی حقیقت

کمال بن ابی شریف فرماتے ہیں کہ حضرت علی اور معاویہ کے درمیان جو اختلاف ہوا وہ خلافت کا جھگڑا نہیں ہے جیسا کہ بعض کو وہم ہوا ہے۔ جھگڑا تو صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کو آپ کے قبیلے کے سپرد کرنے کے سبب سے تھا تاکہ وہ ان سے قصاص لے سکیں۔ کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے تھی کہ انہیں سپرد کرنے کو موخر کرنا زیادہ درست ہے کیونکہ ان کے رشتے داروں کی کثرت اور لشکر میں ان کے مخلوط ہونے کی بنا پر ان پر جلد قابض ہونا امامت عامہ کے امر میں اضطراب پیدا کرنے کا باعث ہوتا۔ کیونکہ ان کے بعض نے امام علی رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کرنے اور آپ کو قتل کرنے کا عزم کر رکھا تھا۔ کیونکہ جنگ جمل کے دن آپ نے اعلان کیا تھا کہ قاتلین عثمان نکل جائیں۔ جبکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ ان سے قصاص لینے کے لئے انہیں سپرد کرنے میں جلدی کرنا صحیح ہے۔ پس دونوں ہی مجتہد ہیں ماجور ہیں۔ پس یہ ہے بنیاد ان کے مابین اختلاف کی۔ انتہی۔

خاتمہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق عقیدہ

علماء فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کے بارے میں ملحدین نے جو کچھ کہا ہے اس سب کچھ سے آپ کے قطعاً بری ہونے کا اعتقاد واجب ہے۔ کیونکہ سورۃ النور میں آپ کی برات کے متعلق قرآن عظیم نازل ہوا۔ اور اسی طرح ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد کی محبت کے وجود کا عقیدہ رکھنا واجب ہے۔ اور ان کا اکرام واحترام ضروری ہے اور وہ امام حسن، امام حسین اور قیامت تک ان کی اولاد ہے علیہم الرضوان۔ اور ہمیں حسنین کریمین اور صحابہ کرام میں سے کسی کے مابین باہم افضلیت کی بات سے خاموش رہنا چاہیے سوائے ان کے جن میں نص ثابت ہو۔ اور جو کسی شریف (سید) کو اذیت دے ہم اسے ناپسند کرتے ہیں اور اس سے قطع تعلق کرتے ہیں گرچہ وہ ہمارے قریبی عزیزوں میں سے ہو۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے وفا کرتے ہوئے **قل لااسئلکم علیہ اجرا الاالمودۃ فی القربی** ۔ اور مودت محبت کا ثبوت دینا ہے نہ صرف محبت۔ یہ ہمارا مذہب ہے۔ برابر ہے کہ اس شریف کا نسب ثابت ہو یا اس کے نسب میں طعن کیا جاتا ہوں۔ یہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اکرام کی خاطر ہے۔ جیسے کہ ہم نے کتاب العہود میں اس کے متعلق تفصیلی گفتگو کی ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کر۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

پینتالیسویں بحث

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بعد اولیاء میں تفاضل

یہ بحث اس بیان میں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد اکبر الاولیاء قطب ہے۔ پھر افراد جبکہ اس میں اختلاف ہے پھر دو امام۔ پھر اوتاد پھر ابدال۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

رہا قطب تو شیخ نے ۲۵۵ ویں باب میں ذکر فرمایا ہے کہ قطب میں ہمت نہیں ہوتی کہ قطبانیت میں قائم ہو سکے مگر اس کے بعد کہ

اسے ان حروف مقطعہ کے معانی حاصل ہو جائیں جو کہ سورتوں کے اوائل میں ہے۔ جیسے الم، المص وغیرہما۔ تو جب اللہ تعالیٰ اسے ان کے حقائق اور معانی پر واقفیت عطا فرما دیتا ہے تو اس کے لئے خلافت متعین ہو جاتی ہے اور وہ اس کا اہل ہو جاتا ہے۔

قطب کی پندراں علامات

اگر تو کہے کہ قطب کی کیا علامت ہے؟ کیونکہ ہمارے دور میں ایک جماعت نے قطبیت کا دعویٰ کیا ہے ہے جبکہ ہمارے لئے کوئی علم نہیں جو ان کا دعویٰ رد کرے۔ تو جواب یہ ہے کہ شیخ ابوالحسن الشاذلی رضی اللہ عنہ نے ذکر فرمایا ہے کہ قطب کے لئے پندراں علامتیں ہیں۔ عصمت، رحمت، خلافت اور نیابت کی مدد کے ساتھ اور حاملین عرش عظیم کی مدد کے ساتھ مدد کیا جائے اور اس کے لئے حقیقت ذات اور احاطہ صفات کا انکشاف ہو۔ اور موجودین کے درمیان بردباری اور فضیلت کی عزت کے ساتھ نوازا گیا ہو۔ اور اول کے اول سے انفصال۔ اور جو اس سے اس کی انتہا تک منفصل ہوا۔ اور جو اس میں ثابت ہوا۔ اور ماقبل اور مابعد کے حکم۔ اور اس کے حکم کے ساتھ جس کا قبل ہے نہ بعد۔ ہر علم اور معلوم کے ساتھ احاطہ علم۔ جو کچھ سر اول سے اس کے منتہی تک ظاہر ہوا کے ساتھ نوازا گیا ہو پھر اس کی طرف لوٹے۔ انتہی۔

قطب کا نام اور صفات

اور فتوحات کے ۲۷۰ ویں باب میں فرمایا کہ ہر زمانے میں قطب کا نام عبداللہ اور عبدالجامع ہے۔ خلافت کے حکم کے ساتھ تمام اسماء الٰہیہ کے معانی کے ساتھ تخلق اور تحقق کے ساتھ موصوف۔ اور وہ آئینہ حق، نعوت مقدسہ کی جلوہ گا۔ مظاہر الٰہیہ کا محل، صاحب الوقت، زمانے کا برگزیدہ اور سر قدر کے علم والہ ہوتا ہے۔ اور اسے طویل زمانوں کا علم ہوتا ہے۔ اور اس کی شان یہ ہے کہ اس پر مخفی ہونے کا غلبہ ہو کیونکہ وہ خزائن غیرت میں محفوظ۔ تحفظ کی چادروں میں لپیٹا ہوتا ہے۔ اپنے دین کے میں اسے کبھی کوئی شبہ طاری ہوتا ہے نہ اسے کوئی ایسا کھٹکا لاحق ہوتا جو اس کے مقام کو گرا دے۔ کثیر النکاح۔ اس میں رغبت رکھنے والا۔ عورتوں سے محبت کرنیوالا۔ اپنی طبیعت کو حد شرع کے مطابق پورا حق دینے والا۔ روحانیت کو حد الٰہی پر پورا حق دینے والہ۔ میزان عدل قائم کرتا ہے۔ مقدار معین پر جو اس کے لئے وقت میں مقرر کی گئی تصرف کرتا ہے۔ اس پر وقت کا حکم نہیں چلتا۔ وہ تو صرف اللہ وحدہ کے لئے ہے۔ اس کا حال دائمی عبودیت اور فقر الی اللہ ہے۔ قبیح کو قبیح کہتا ہے اور حسین کو حسین۔ زینت واشخاص میں مقید جمال کو پسند کرتا ہے۔ ارواح اس کے پاس بہترین صورتوں میں آتی ہیں۔ از روئے عشق چکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لئے غیرت کرتا ہے۔ اسی کے لئے غضبناک ہوتا ہے۔ مظاہر میں بغیر تقیید کے اس لئے اطلاق ہے۔ اس کی روحانیت صرف شہادت وغیب کے پس پردہ ظاہر ہوتی ہے۔ اشیاء میں سے نہیں دیکھتا مگر ان میں نظر حق کا محل۔ اسباب ترک کرتا ہے اور انہیں قائم کرتا ہے۔ اور ان پر دلالت کرتا ہے۔ اور ان کے حکم پر جاری ہوتا ہے۔ انہیں کی طرف نزول کرتا ہے۔ حتیٰ کہ اس پر حکم کریں اور اس میں اثر کریں۔ اس میں مخلوق میں سے کسی پر کسی وجہ سے بھی سرداری نہیں ہوتی۔ اس حال کے ساتھ ہمیشہ وابستہ رہتا ہے۔ اگر صاحب دنیا وثروت ہو تو اس میں تصرف کرتا ہے جیسے کہ غلام اپنے سید کریم کے مال میں تصرف کرتا ہے۔ اور اگر اس کے ہاتھ میں دنیا نہ ہو اور فتوحات الٰہیہ پر ہی گذر بسر ہو تو اس کا نفس للچاتا نہیں۔ بلکہ حاجت کیوقت خود اپنے کسی شناسا دوست کے گھر کا قصد کرتا ہے۔ اس پر اپنی طبیعت کی ضرورت پیش کرتا ہے جیسے اس کے پاس اس کی سفارش کرنیوالا ہو۔ پس اس کے لئے اس بقدر حاجت لیتا

ہے۔ پھر واپس چلا جاتا ہے۔ اپنی حاجت سے صرف ضرورت کے لئے بیٹھتا ہے۔ اگر اپنی حاجت نہ پائے تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کی طرف اپنی طبعی حاجت میں التجاء کرتا ہے کیونکہ اسی سے حاجت طلب کی جاتی ہے۔ اور وہی اس کا متولی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے اپنے سوالوں کی قبولیت کی انتظار کرتا ہے۔ تو اگر اللہ تعالیٰ چاہتا ہے تو اس کا سوال پورا کرتا ہے جلد یا بدیر تو اس کا مقام دعا میں زاری کرنا اور اپنی طبیعت کے حق میں سفارش کرنا ہے۔ بخلاف اصحاب احوال کے کہ بیشک اشیاء سب کی سب ان کے ارادوں سے معرض وجود میں آتی ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے جنتی احوال میں سے انہیں دنیا میں حصہ عطا کرتا ہے۔ پس یہ ربانیین ہیں۔ جبکہ قطب حال سے منزہ ہے علم میں ثابت۔ تو اگر اللہ تعالیٰ اسے اس پر مطلع فرمادے جو ہونے والا ہے تو وہ اس کی خبر فقیر الی اللہ کے طور پر دیتا ہے نہ کہ فخریہ انداز میں۔ اس کے لئے زمین سمیٹی نہیں جاتی۔ وہ ہوا میں نہیں چلتا اور نہ ہی پانی پر۔ سبب کے بغیر نہیں کھاتا۔ اس پر خلاف عادات کوئی چیز طاری نہیں ہوتی مگر نادر صورت میں اس امر کے لئے جو کہ حق تعالیٰ کی مشیت ہو۔ پس وہ اپنی طلب کے بغیر اللہ تعالیٰ کے اذن کے ساتھ وہ کام کرتا ہے۔

اور اسی طرح وہ اضطراری طور پر بھوک برداشت کرتا ہے نہ کہ اختیار طور پر۔ اور وہ اسی طرح نکاح کی طاقت نہ ہونے کی بنا پر نکاح سے صبر کرتا ہے۔ تجلی نکاح سے وہ علم رکھتا ہے جو اسے نکاح کی طلب پر ابھارے اور اس کا عشق پیدا کرے۔ وہ کسی چیز میں عبودیت کے ساتھ کبھی اس قدر متحقق نہیں ہوتا جتنا اس کے ساتھ نکاح میں متحقق ہوتا ہے۔ نکاح میں نسل کے لئے رغبت نہیں کرتا۔ وہ تو اس میں صرف شہوت کی وجہ سے رغبت کرتا ہے اور اپنے دل میں تناسل کو حاضر کرنا امر شرعی کی بنا پر ہے۔ پس اس کا نکاح محض لذت کے لئے اہل جنت کے نکاح کی طرح ہے۔ اور اس حقیقت سے اکثر عارفین غائب رہے ہیں کیونکہ اس میں سعف اور قہر لذت کا شہود ہے جو کہ اسے اس کے احساس سے غائب کرنیوالی ہے۔ پس وہ قہر لذیذ ہے اور یہ انبیاء علیہم السلام کے خصائص میں سے ہے۔ اور اس مقام کے مدارج کی بلندی کی وجہ سے اکثر اولیاء اس سے ناواقف رہتے ہیں۔ اور انہوں نے نکاح کو شہوت حیوانیہ قرار دیا ہے اور اپنے آپ کو اس کی کثرت سے بچایا ہے۔

اور جان لے کہ قطب کے مقام میں سے یہ ہے کہ اپنے سانس جب وہ داخل ہوں اور جب باہر آئیں بہترین طریقے سے حاصل کرے کیونکہ اس کی طرف یہ اللہ تعالیٰ کے قاصد ہیں۔ پس اس کی طرف سے اپنے پروردگار کی طرف اس کے شکرگزار ہو کر لوٹیں۔ اس کے لئے تکلف نہ کرے۔ اور شیخ نے اس میں طویل کلام فرمایا۔ پھر فرمایا: پس جب تو قطب مرد کامل ہے جس نے ایسے چار دینار حاصل کئے جن میں سے ہر دینار پچیس قیراط ہے۔ اور انہیں کیساتھ رجال وزن کئے جاتے ہیں اور وہ چار رسل، انبیاء، اولیاء اور مومنین ہیں۔ پس وہ سب کا وارث ہے۔ رضی اللہ علیہم اجمعین۔

اور شیخ نے ۳۵۱ ویں باب میں فرمایا ہے کہ قطب کی شان ہے ہمیشہ اس حجاب کے پیچھے ٹھہرنا جو کہ اس کے اور حق جل وعلا کے مابین ہے۔ پس اس کا حجاب نہیں اٹھتا یہاں تک کہ وہ فوت ہو جائے۔ تو جب وہ فوت ہوتا ہے تو اللہ عزوجل کی ملاقات کا شرف حاصل کرتا ہے۔ پس وہ اس دربان کی طرح ہوتا ہے جو کہ بادشاہ کے احکام نافذ کرتا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ سے صرف صفت خطاب ہے۔ شہود نہیں۔ انتہی۔

تولیت قطب

اگر تو کہے: کیا قطب کے لئے اپنی تولیت میں دولت باطن میں بیعت ضروری ہے جیسے کہ ظاہر میں یہ خلافت کے لئے ضروری

ہے؟ جواب یہ ہے کہ ہاں جیسے کہ شیخ نے ۳۳۶ ویں باب میں فرمایا ہے۔ اور عبارت یہ ہے: جان لے کہ حق تعالیٰ کسی بندے کو بھی مرتبہ قطبیت پر فائز نہیں فرماتا مگر اس کے لئے بارگاہ مثال میں ایک تخت نصب فرماتا ہے جس پر اسے بٹھاتا ہے۔ اس مکان کی صورت مرتبہ کی صورت کی خبر دیتی ہے جیسے استواء علی العرش کی صورت ہر شی کے لئے اللہ تعالیٰ کے احاطہ علمی کی صورت کا پتہ دیتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی شان بلند ہے۔ تو جب اس کے لئے تخت نصب کیا جاتا ہے تو ضروری ہے کہ اسے ان تمام اسماء کی خلعت پہنائی جائے جنہیں عالم طلب کرتا ہے اور وہ اسے طلب کرتے ہیں۔ پس اس کی وجہ سے وہ حلے، زیبائش، تاج، کنگن اور زیور پہنایا ہوا ظاہر ہوتا ہے تاکہ عالم علوی وسفلی میں اور وسط میں نیز ظاہر و باطن میں اسے زیبائش عام ہو۔ تو جب وہ اس پر بیٹھے تو خلافت کی صورت میں بیٹھتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جہان کو خوشدلی مجبوری ہر حالت میں بہمہ وجوہ اس کی طاعت کرنے کو اس کی بیعت کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اس بیعت میں ہر مامور ادنیٰ واعلیٰ داخل ہوتا ہے سوائے فرشتوں کی جماعت 'عالیوں' کے اور وہ اللہ تعالیٰ کے جلال میں مدہوش۔ اللہ تعالیٰ کی بالذات عبادت کرنے والے ہیں نہ کہ زبان رسول پر ظاہر ہونیوالے امر الٰہی کے ساتھ۔

قطب سے بیعت کرنیوالے

اور جان لے کہ سب سے پہلے اس پر ملاء اعلیٰ والے حسب مراتب داخل ہوتے ہیں۔ پس بہمہ وجوہ اس کی طاعت کرنے پر اس کا ہاتھ پکڑتے ہیں۔ اور خوشدلی اور مجبوری کی پابندی نہیں رکھتے۔ کیونکہ وہ اپنے آپ میں ان دو صفتوں کو پہچانتے ہی نہیں۔ کیونکہ شے صرف اپنی ضد سے ہی پہچانی جاتی ہے۔ پس وہ خوشدلی میں اپنے لئے عدم ذوق کی وجہ سے مجبوری کا ذائقہ نہیں پہچانتے۔ اور ان میں سے کوئی روحانی بیعت کرنے کے لئے اس پر داخل نہیں ہوتا مگر اسے علم الٰہی میں سے کوئی مسئلہ پوچھتا ہے تو وہ کہتا ہے: اے فلاں! تو ایسا ایسا کہتا ہے؟ تو وہ کہتا ہے: ہاں۔ پس وہ اسے کہتا ہے کہ اس مسئلہ میں دو وجہیں ہیں جو کہ علم باللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں۔ ان میں سے ایک وجہ اس سے اعلیٰ ہے جو کہ اس شخص کے پاس تھی۔ پس اس کی بیعت کرنے والا ہر فرد اس سے ایسے علم کا استفادہ کرتا جو کہ اس کے پاس نہیں تھا۔ پھر چلا جاتا ہے۔

شیخ فرماتے ہیں: ہم نے قطابت کے تمام سوالات ایک مستقل جزء میں ذکر کر دیئے ہیں۔ ہم سے پہلے ایسا جز کسی نے نہیں لکھا۔ اور یہ مسائل معین نہیں ہیں جن کے متعلق ہر قطب کے لئے ان کے سوال کا تکرار ہو۔ وہ تو اللہ تعالیٰ اس قطب سے سوال کرنے والے کے دل میں سوال کے وقت ڈال دیتا ہے اس کے بعد کہ ماضی میں یہ سوال اس کے دل میں کھٹک چکا ہے۔

شیخ نے فرمایا: سب سے پہلے جو اس کی بیعت کرتا ہے وہ عقل اول ہے۔ پھر نفس، پھر آسمانوں اور زمینوں میں رہنے والے مقدم ملائکہ جو کہ مسخر ہیں۔ پھر اجسام کی تدبیر کرنیوالی ارواح جو موت کی وجہ سے اپنے اجسام چھوڑ چکی ہیں۔ پھر جنات پھر ایک دوسرے پیدا ہونے والی اشیاء پھر ہر مکان اور متمکن محل اور وہاں جاگزیں جو کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرنیوالے ہیں۔ سوائے عالی فرشتہ کے جیسے کہ گزر چکا۔ اور اسی طرح انسانوں میں سے افراد دائرہ قطب کے تحت داخل نہیں ہوتے۔ اس کے لئے ان میں کوئی تصرف حاصل نہیں۔ کیونکہ وہ اس کی طرح انسانوں میں سے افراد دائرہ قطب کے تحت داخل نہیں ہوتے۔ اس کے لئے ان میں کوئی تصرف حاصل نہیں۔ کیونکہ وہ اس کی طرح اس مرتبہ قطبیت کے اہل ہیں جسے اس شخص نے پایا ہے لیکن چونکہ امر تقاضا کرتا ہے کہ زمانے میں صرف ایک ہی ہو جو کہ اس امر

کے ساتھ قائم ہو تو وہ ایک متعین ہو چکا لیکن اولیت کی وجہ سے۔ اور یہ صرف اس لئے کہ اس کے متعلق سابقاً علم میں ہے کہ وہی والی ہوگا۔ جبکہ افراد میں ایسے ہوتے ہیں جو کہ علم باللہ تعالیٰ وحدہ میں اس سے بڑے ہوتے ہیں۔

خصائص قطب میں سے ایک خصوصیت

اور شیخ نے ۲۵۵ ویں باب میں فرمایا ہے: اور قطب کے خصائص میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ وحدہ کے حضور خلوت گزیں ہو۔ یہ مرتبہ اس کے سوا اولیاء میں سے کسی لئے کبھی نہیں ہوتا۔ پھر جب قطب غوث فوت ہو جائے تو اللہ تعالیٰ دوسرے قطب کو اس خلوت کی انفرادیت سے مشرف فرماتا ہے۔ ایک زمانے میں دو شخصوں کے لئے کبھی بھی خلوت کے ساتھ منفرد نہیں ہوتا۔ اور یہ خلوت علوم اسرار سے ہے۔

البتہ جو حدیث پاک میں آخرت کے متعلق وارد ہے کہ حق تعالیٰ اپنے بندے کے ساتھ خلوت فرمائے گا اور اسے عتاب فرمائے گا تو یہ حق تعالیٰ کے ساتھ بندے کے منفرد ہونے کے باب سے ہے۔ نہ کہ بندے کے ساتھ حق تعالیٰ کے منفرد ہونے کے باب سے۔ پس اسے سمجھ لے اور چھپا کر رکھ۔

امام اور قطب

پھر جان لے کہ بیشک جب اقامت دین کے لئے امام مقرر کرنا واجب ہے تو واجب ہے کہ ایک ہو تا کہ باہم جھگڑا۔ اختلاف اور فساد واقع نہ ہو۔ پس وجود میں امام کا حکم قطب کا حکم ہے۔ فرمایا: اور ائمہ میں سے جو جہاد کے ساتھ ظاہر ہوا کبھی قطب الوقت بھی ہوتا ہے جیسے اپنے وقت میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر۔ اور کبھی قطب الوقت نہیں ہوتا۔ پس خلافت قطب وقت کے لئے ہوتی ہے جو کہ نہیں ہوتا مگر عدل کی صفت کے ساتھ۔ اور یہ خلیفۂ ظاہر قطب کے باطنی نائبین سے ہوتا ہے اس طرح کہ شعور نہیں ہوتا۔ پس بیشک جور اور عدل ائمہ ظاہر (حکام) سے ہوتا ہے جبکہ قطب نہیں ہوتا مگر عادل۔ اور جان لے کہ قطبیت جس طرح کبھی حکام کے لئے ہوتی ہے اسی طرح کبھی چاروں ائمہ مجتہدین اور دیگر مجتہدین میں ہوتی ہے۔ بلکہ یہ ان میں سے زیادہ ظاہر ہے۔ اور ان کا علم کسی میں ظاہراً مشغول ہونا ان پر پردہ ہوتا ہے کیونکہ قطب کی شان اس کا مخفی ہونا ہے رضی اللہ علیہم۔

اور شیخ محی الدین فرماتے ہیں: مجھے حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا تو میں نے ان سے امام شافعی کے مقام کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: اوتاد اربعہ میں سے تھے۔ پس میں نے امام احمد کے مرتبے کے بارے میں پوچھا تو فرمایا وہ صدیق ہیں۔ اور اس میں طویل کلام فرمایا۔ پھر اللہ تعالیٰ کے اس قول کے متعلق فرمایا **یایھا الذین آمنوا اطیعو اللہ واطیعو ا الرسول واولی الامر منکم ، اولی الامر سے مراد اقطاب** ۔ خلفاء اور حکام ہیں لیکن طاعت اس کام میں ہے جو کہ امر شرعی جس کا حکم دیا گیا ہو کے خلاف نہ ہو۔ اور یہ وہی مباح ہے جس میں اجر ہے نہ بوجھ۔ پس بیشک واجب، مندوب (کی تعمیل)۔ حرام اور مکروہ (سے پرہیز) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طاعت سے ہیں۔ تو اولی الامر کے لئے صرف امر مباح ہی رہ گیا۔ تو جب امام تجھے مباحات میں سے کسی مباح کا حکم دے جس کی تو نے طاعت پر بیعت کی ہے تو تجھ پر اس میں اس کی طاعت واجب ہوگئی اور تجھ پر اس کی مخالفت حرام ہوگئی۔ اور اس اباحت کا حکم وجوب ہو گیا۔ تو جس نے اس کے ساتھ عمل کیا اسے واجب کا اجر حاصل ہو گیا۔ کیونکہ اس امام کے حکم کی بنا پر جس کی تو نے بیعت کی ہے اس سے اباحت کا حکم اٹھ گیا۔ اور شیخ نے نباتات اور تمام حیوانات کی قطب کے لئے بیعت میں طویل کلام

فرمایا ہے۔پس اس کی طرف رجوع کر۔

القطب لا یموت سے کیا مراد ہے؟

اگر تو کہے کہ صوفیاء کے اس قول سے کیا مراد ہے کہ قطب مرتا نہیں؟ تو جیسا کہ شیخ نے فتوحات کے ۳۷ ویں باب میں فرمایا اس سے مراد یہ ہے کہ جہان کسی ایک زمانے میں قطب سے خالی نہیں ہوتا جیسے کہ وہ رسل علیہم السلام میں ہے اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اجسام کیساتھ رسل علیہم السلام میں سے چار کو باقی رکھا۔ تین ارباب شریعت ہیں اور یہ حضرت ادریس، الیاس، اور عیسیٰ علیہم السلام ہیں اور ایک علم لدنی کے حامل اور وہ حضرت خضر علیہ السلام ہیں۔

وضاحت مسئلہ

اور اس کی وضاحت یہ ہے کہ ارکان بیت اللہ کی طرح دین حنیفی کے چار ارکان ہیں۔ اور وہ رسل، انبیاء، اولیاء اور مومنین ہیں۔ اور رسالت، بیت اور اس کے ارکان کا رکن جامع ہے۔ پس کوئی زمانہ رسول سے خالی نہیں جو اس میں ہوتا ہے۔ اور وہ قطب ہی ہے جو کہ جہان سے حق تعالیٰ کی نگاہ کا محل ہے جیسے اس کے جلال کے شایاں ہے۔ اور اس قطب سے ہی تمام امداد الٰہیہ تمام عالم علوی و سفلی پر تقسیم ہوتی ہے۔ شیخ محی الدین فرماتے ہیں: اس کی شرط ہے کہ جسم طبیعی اور روح والا ہو۔ اور اس دار دنیا میں اپنے جسد اور اپنی حقیقت کے ساتھ موجود ہو۔ پس ضروری ہوا کہ وہ اس جہان میں اپنے جسم اور روح کے ساتھ حضرت آدم علیہ السلام کے دور سے لے کر قیامت تک موجود ہو۔ اور چونکہ یہ امر مذکورہ صورت پر ہے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دین کو پختہ کر کے واصل بحق ہو گئے جو کہ منسوخ نہیں ہوگا اور وہ شریعت جو کہ بدلے گی نہیں تو تمام رسل علیہم السلام آپ کی شریعت میں داخل ہو گئے کہ اس کے ساتھ قائم رہیں۔ پس زمین، اپنے جسم کے ساتھ زندہ رسول سے خالی نہیں ہوتی کیونکہ وہ عالم انسانی کا قطب ہے گرچہ تعداد میں ہزار رسول ہوں۔ پس بیشک مقصود ان سے وہی ایک ہے۔ پس ادریس چوتھے آسمان میں۔ عیسیٰ دوسرے میں جبکہ الیاس و خضر زمین میں ہیں۔ علیہم الصلوات والتسلیمات۔ اور یہ معلوم ہے کہ ساتوں آسمان عالم دنیا سے ہیں کیونکہ یہ صورتاً بقاء دنیا کے ساتھ باقی ہیں اور اس کی فنا کے ساتھ فنا ہو جائیں گے۔ پس یہ جہان دنیا کا جزو ہیں۔ بخلاف فلک اطلس کے کیونکہ وہ آخرت سے شمار کیا جاتا ہے۔ پس بیشک قیامت کے دن میں زمین دوسری زمین کے ساتھ بدل دی جائے گی اور آسمان بھی۔ یعنی یہ بھی ان کے غیر کے ساتھ بدل دیئے جائیں گے۔ جیسے ہم سے اے نیک بختو! یہ خاکی تخلیق دوسری سے بدل دی جائے گی جو کہ زیادہ نازک پاکیزہ اور لطیف ہوگی۔ پس طبیعیہ جسمیہ تخلیق ہوگی کہ یہ لوگ بول و براز سے مبرا ہوں گے جیسا کہ اس کے بارے میں احادیث وارد ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے حضرت الیاس اور خضر علیہما السلام کو زمین میں باقی رکھا ہے اور اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب نازل ہوں گے۔ اور یہ حضرات مرسلین سے ہیں۔ پس وہ زمین میں دین حنیفی کے ساتھ قائم ہیں۔ پس اس جہان میں رسول ہمیشہ رہے اور رہیں گے مگر شرع محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باطنیت کے ساتھ۔ لیکن اکثر لوگوں کو علم نہیں۔

پس قطب حضرت عیسیٰ، ادریس، الیاس اور خضر علیہم السلام میں سے ایک ہی ہے اور وہ بیت الدین کے ارکان میں سے ایک رکن ہے اور وہ رکن حجر اسود کی طرح ہے اور ان میں سے دو امام ہیں اور وہ چاروں اوتاد ہیں۔ پس ایک کے ساتھ اللہ تعالیٰ ایمان کی حفاظت کرتا ہے۔ دوسرے کے ساتھ اللہ تعالیٰ ولایت کی حفاظت کرتا ہے۔ تیسرے کے ساتھ نبوت کی اور چوتھے کے ساتھ رسالت کی حفاظت فرماتا

ہے۔ اور ان کے مجموعہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ دین حنفی کی حفاظت کرتا ہے۔ پس قطب ان میں سے وہ ایک ہی ہے جو کہ معین نہیں۔ شیخ فرماتے ہیں: ان چاروں میں سے ہر ایک کے لئے اس امت سے ہر دور میں ایک شخص اس کے قلب پر اس سے نائب ہوتا ہے باوجودان کے پائے جانے کے۔ اور اکثر اولیاء قطب، امامین اور اوتاد کو نہیں پہچانتے۔ نہ نائبین کو اور نہ ہی ان مرسلین کو جن کا ہم نے ذکر کیا اور اسی لئے ان مقامات کو پانے کے لئے ہر ایک گردن اٹھاتا۔ پھر جب ان مقامات سے مختص ہوئے تو اس وقت انہوں نے پہچانا کہ وہ تو اس قطب کے نائب ہیں۔ پس اس نکتے کو پہچان لے کیونکہ تو ہمارے سوا کسی کے کلام نہیں دیکھے گا۔ اور اگر میرے سر میں اس کے اظہار کا القا نہ ہوتا تو میں اسے ظاہر نہ کرتا۔ انتہی۔

اصطلاح صوفیاء میں قطب سے کیا مراد ہے؟

اگر تو کہے کہ پھر ان کے اس قول سے ان کی اصطلاح کے مطابق کیا مراد ہے کہ فلاں اقطاب میں سے ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ ان کے عرف میں قطب سے مراد ہر وہ شخص ہے جو احوال اور مقامات کا جامع ہو۔ اور کبھی اس اطلاق میں وسعت کر دیتے ہیں پس وہ اپنے شہروں میں یا شہر میں ہر اس شخص کو قطب کا نام دیتے ہیں جس پر مقامات میں سے کوئی مقام گردش کرے اور وہ اپنے زمانے میں اپنے ابنائے جنس پر اس کے ساتھ منفرد ہو۔ پس شہر کا آدمی اس شہر کا قطب ہے۔ اور جماعت کا آدمی اس جماعت کا قطب ہے۔ اور اسی طرح۔ لیکن قوم صوفیا کے درمیان جن پر اصطلاحاً اقطاب کا اطلاق ہوتا ہے ان میں سے زمانے میں صرف ایک ہی ہوتا ہے اور وہ غوث ہے۔

اگر تو کہے کہ کیا القطب الغوث سلسلہ قوم کے مشائخ میں سے کوئی ہوتا ہے جیسے شیخ یوسف العجمی، سید احمد الزاہد اور سیدی مدین اور اس قسم کے حضرات؟ تو جیسا کہ سیدی علی الخواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جواب یہ ہے کہ لازم نہیں کہ ان میں سے کوئی قطب ہو کیونکہ مقام قطبانیت نادر ہے۔ اس سے اونچا ہے کہ ہر کوئی اس کی جھلک دیکھ سکے۔ لیکن مذکورہ مقتدایان سلوک، بادشاہ کے دروازے پر دربان کی طرح ہیں ہر اس شخص کو جو بادشاہ سے دربار میں داخل ہونے کا ارادہ کرتا ہے اسے اس کے لائق آداب سکھاتے ہیں۔ اور ان کے ہاتھوں جو کرامات اور خوارق ظاہر ہوتے ہیں وہ ان کے نفوس کی صفائی کی شدت۔ اللہ تعالیٰ کے لئے ان کی کثرت مراقبہ اور ان کے اخلاص اور مجاہدات کی کثرت کی وجہ سے ہوتے ہیں۔

شیخ نے فرمایا کہ شیخ عبد القادر الجیلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ذکر فرمایا کہ قطبانیت کے سولہ جہان ہیں کہ دنیا و آخرت ان جہانوں میں سے ایک جہان ہے۔ اور اس امر کو صرف وہی پہچانتا ہے جو کہ قطبیت کیساتھ متصف ہوتا ہے۔

اگر کہا جائے کہ کیا قطب کی اقامت گاہ ہمیشہ مکہ معظمہ میں ہوتی ہے جیسا کہ یہ مشہور ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ وہ اپنے جسم کے ساتھ وہیں ہوتا جہاں اللہ تعالیٰ چاہے کسی مخصوص مکان میں ٹھہرنے کا پابند نہیں ہوتا۔ اور اس کی شان ہے مخفی ہونا، پس کبھی لوہار ہوتا ہے تو کبھی تاجر، کبھی خوردنی اجناس کا بیوپاری، وغیرہ۔ واللہ اعلم۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے اقطاب تھے

اگر کہا جائے کہ کیا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے اقطاب تھے اور ان کی تعداد؟ تو جیسا کہ شیخ نے فتوحات کے چودہویں باب میں فرمایا کہ اقطاب سے کوئی زمانہ خالی نہیں ہوتا۔ اور گذشتہ امتوں میں سے حضرت آدم کے دور سے لے کر حضرت محمد علیہما

السلام تک جملہ ارباب کمال اقطاب پچیس ہیں۔ حق تعالیٰ نے مشہد مقدس میں دربار برزخی میں مجھے ان کا مشاہدہ کرایا جبکہ میں شہر قرطبہ میں تھا۔ اور وہ الفرق، مداوی الکلوم، البکاء، المرتفع، الشفار الماضی، الماحق، العاقب، المنحور، بحر الماء، عنصر الحیاۃ، الشرید، الصائغ، الراجع، الطیار، السالم، الخلیفہ، المقسوم، الحی الراقی، الواسع، البحر، المنصف، الہادی، الاصلح اور الباقی ہیں۔ پس یہ حضرت وہ اقطاب ہیں جن کے نام حضرت آدم سے لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک ہمارے لئے بیان کئے گئے۔ رہا ایک قطب جو کہ خلقت انسانی کے وقت سے لے کر یوم قیامت تک تمام انبیاء، رسل اور اقطاب کا مددگار ہے وہ حضرت محمد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح انور ہے۔

اقطاب

شیخ محی الدین ۴۶۲ ویں باب میں فرماتے ہیں: جان لے کہ ہر شہر یا بستی یا ریاست کے لئے ایک قطب ہے جو کہ غوث نہیں۔ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس سمت کی حفاظت فرماتا ہے۔ برابر ہے کہ اس سمت والے مسلمان ہوں یا کافر۔ اسی طرح قول ہے زاہدوں۔ عبادت گذاروں، متوکلوں وغیرہم میں۔ ان میں سے ہر صنف کے لئے قطب لازم ہے جس پر ان کا مدار ہوتا ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ متوکلوں کے قطب سے میری ملاقات ہوئی پس میں نے مقام متوکل کو دیکھا کہ اس کے اردگرد یوں گردش کرتا ہے جس طرح چکی اپنی سلاخ کے گرد گردش کرتی ہے۔ اور وہ عبداللہ بن الاستاذ میں جو کہ اندلس کے علاقے میں ہیں۔ میں نے ان کی صحبت میں طویل عرصہ گذارا ہے۔ اسی طرح میری ملاقات ۵۹۳ھ میں فاس کے شہر میں قطب زماں سے ہوئی۔ ان کا ایک ہاتھ شل تھا۔ میں نے ایک مجلس میں مقام قطبیت پر گفتگو کی جس میں وہ موجود تھے تو انہوں نے مجھے اشارہ کیا کہ اسے حاضرین سے چھپائے رکھو۔ پس میں نے تعمیل کی۔

قطبیت کی مدت معین نہیں

اگر تو کہے کہ قطبیت پر جب صاحب قطبیت فائز ہوتا ہے تو کیا اس کی مدت معین ہوتی ہے جس کے گذرے بغیر وہ اس سے معزول نہیں ہوتا؟ تو جواب یہ ہے کہ قطبیت کے لئے کوئی مدت معین نہیں۔ پس قطب کبھی اپنی قطبیت میں ایک سال یا اس سے زائد یا اس سے کم ایک یوم ایک ساعت تک ٹھہرتا ہے کہ یہ مقام بوجھل ہے کہ اس پر فائز ہونے والے کو تمام ممالک روئے زمین کے بادشاہوں اور ان کی رعایا کے بوجھ اٹھانا پڑتے ہیں۔

قطب کے کوائف

اور شیخ نے ۴۶۳ ویں باب میں ذکر کیا ہے کہ ہر قطب اس جہان میں جس میں وہ ہے اسی قدر ٹھہرتا ہے جو اللہ تعالیٰ مقرر فرمایا ہے پھر اس کی دعوت دوسری دعوت کیساتھ منسوخ ہو جاتی ہے۔ جس طرح کہ ایک شریعت دوسری شریعت کے ساتھ منسوخ ہوتی ہے۔ اور دعوت سے میری مراد وہ حکم اور تاثیر فی العالم ہے جو اس قطب کے لئے متعین ہے۔ تو اقطاب میں سے کوئی اپنی قطبیت میں ۳۳ سال چار ماہ ٹھہرتا ہے تو کوئی تین سال اور اسی طرح کوئی کتنی مدت کوئی کتنی مدت جیسے کہ حضرت ابوبکر، عمر، عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کی خلافت کی مدت اس کی تائید کرتی ہے۔ یہ حضرات بلاشک وشبہ اقطاب تھے۔

اور ۳۸۳ ویں باب میں فرمایا: عالم کون وفساد سے تمام دائرۂ موجود کی قطب کے ساتھ حفاظت کی جاتی ہے اور امامین کے ساتھ اللہ تعالیٰ عالم غیب وشہادت کی حفاظت فرماتا ہے۔ اور یہ وہ ہے جس کا ادراک حس کرتی ہے۔ اور اوتاد کے ساتھ اللہ تعالیٰ جنوب شمال، مشرق

اور مغرب کی حفاظت فرماتا ہے۔ اور ابدال کے ساتھ اللہ تعالیٰ اقالیم سبعہ کی حفاظت فرماتا ہے۔ جبکہ قطب کے ساتھ اللہ تعالیٰ ان سب کی حفاظت فرماتا ہے۔ کیونکہ وہی تو ہے جس کے گرد تمام جہان کائنات کا امر گردش کرتا ہے۔ تو جسے اس امر کا علم حاصل ہو گیا وہ جان لیتا ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ عالم دنیا پر وجود کی حفاظت فرماتا ہے۔ اور اس کی نظیر طب سے علم بحالی صحت ہے۔

اگر تو کہے کہ کیا قطب کے لئے اس بارے میں تصرف کا اختیار ہے کہ اپنے شاگردوں یا اپنی اولاد میں سے جسے چاہے قطبیت عطا کر دے؟ تو جواب یہ ہے کہ اسے اس میں تصرف کا اختیار نہیں۔ اور ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ بعض اقطاب نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ ان کے بعد قطبیت اس کے بیٹے کے لئے ہو۔ تو اچانک ہاتف غیبی نے اسے کہا کہ ایسا صرف وراثت ظاہر میں ہوتا ہے۔ رہی وراثت باطن تو اس کا اختیار اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ اللہ خوب جانتا ہے جہاں وہ اپنی رسالت مقرر فرماتا ہے۔ انتہی۔ پس معلوم ہوا کہ حفاظت نہیں کی گئی جس کی اولیاء اللہ وغیرہم میں سے اس کی چہار جانب سے حفاظت کی گئی مگر اوتاد کے ساتھ۔ جن میں سے امام شافعی رضی اللہ عنہ تھے۔ اور حفاظت نہیں کیا گیا۔ جس کی حفاظت کی گئی اس کی صفات سبع میں مگر ابدال کے ساتھ۔ پس ہر صفت کے لئے بدل ہے جو اس کی اس کے سبب پر حفاظت کرتا ہے جو کہ حیات، علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر اور کلام ہے۔ انتہی۔

اور شیخ نے پندرھویں باب میں بھی فرمایا ہے: جان لے کہ ابدال سبعہ میں سے ہر بدل کے لئے قدرت ہے جو کہ آسمانوں میں موجود انبیاء کی روحانیت سے اس کی مدد کرتی ہے۔ پس ہر بدل کی مدد اس کے اس صاحب کی حقیقت سے نازل ہوتی ہے جو کہ آسمان میں ہے۔ فرماتے ہیں: اور اسی طرح ساتوں ایام کی امداد ان ابدالوں سے اترتی ہے۔ ہر یوم کے لئے مدد ہے جو کہ اس بدل سے اس کے لئے مخصوص ہے۔

ابدال سات سے زیادہ نہیں ہوتے

اگر تو کہے کہ کیا ابدال کی تعداد ان شیون کے مطابق جنہیں حق تعالیٰ بدلتا ہے کم و بیش ہوتی ہے یا وہ ایک ہی تعداد پر ہیں بیش و کم نہیں ہوتے؟ تو جواب یہ ہے کہ وہ سات ہیں بڑھتے گھٹتے نہیں اور انہیں کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہفت اقلیم کی حفاظت فرماتا ہے۔ اور ان کی شان سے ان امور و اسرار کا علم ہے جو اللہ تعالیٰ نے سیر کرنے والے کواکب میں، ان کی حرکات میں، اور ان کے منازل مقدرہ میں نزول کے متعلق ودیعت فرمایا ہے۔

ابدال کی وجہ تسمیہ

اگر تو کہے کہ انہیں ابدال کیوں کہتے ہیں؟ تو اس کا جواب ۷۳ ویں باب میں شیخ کے قول کے مطابق یہ ہے کہ انہوں نے ابدال اس لئے کہا جاتا ہے ان میں سے ہر ایک جب اپنے مکان سے جدا ہوتا ہے تو اس میں اس کے پیچھے اس کی شکل میں ایسا شخص متعین ہوتا ہے کہ دیکھنے والا شک نہیں کرتا کہ یہ وہی بدل ہے۔

ہفت اقالیم ہفت سماوات کی ترتیب پر ہیں اور اس کی وضاحت

اگر تو کہے تو کیا ہفت اقالیم کی ترتیب ساتوں آسمانوں کی ترتیب پر اس صورت میں ہے کہ اقلیم اول کا رابطہ ساتویں آسمان کے ساتھ

ہے اور دوسری کا چھٹے آسمان کے ساتھ ہے اور اسی طرح باقی؟ تو جیسا کہ ۹۸ ویں باب میں شیخ نے فرمایا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں۔ ہر اقلیم کی روحانیت اس کے ہم شکل آسمان کے ساتھ مرتب ہے۔ پس اقلیم اول ساتویں آسمان کے لئے اور اسی طرح۔ اور اس کی وضاحت یہ ہے کہ اے بھائی! تو جان لے کہ اللہ تعالیٰ نے اس زمین کو جس پر کہ ہم ہیں سات اقالیم بنایا ہے۔ اور اپنے ایمان والے بندوں میں سے سات کو چن کر ان کا نام ابدال رکھا۔ اور ہر بدل کے لئے ایک اقلیم (ریاست) مقرر فرمائی جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ اس اقلیم کے وجود کو تھامے رکھتا ہے۔ پس اقلیم اول کی طرف امر پہلے آسمان سے نازل ہوتا ہے جو کہ ساتواں ہے اور اس کی طرف اس (پہلے آسمان کی جو کہ ساتواں ہے) کے کوکب کی روحانیت نظر کرتی ہے۔ اور وہ بدل جو اس کی حفاظت کرتا ہے حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کے قلب پر ہے۔ اور اقلیم ثانی کی طرف امر دوسرے آسمان کی طرف سے نازل ہوتا ہے اور اس کی طرف اس کے کوکب اعظم کی روحانیت نازل ہوتی ہے اور وہ بدل جو اس کی حفاظت کرتا ہے قلب موسیٰ علیہ السلام پر ہے۔ اور اقلیم ثالث کی طرف امر الٰہی تیسرے آسمان سے نازل ہوتا ہے اور اس کی طرف اس کے کوکب کی روحانیت نظر کرتی ہے۔ اور وہ بدل جو اس کی حفاظت کرتی ہے وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تائید کے ساتھ قلب ہارون و یحییٰ علیہ السلام پر ہے۔ اور چوتھی اقلیم کی طرف امر اور نہی الٰہی چوتھے آسمان سے نازل ہوتی ہے جو کہ تمام افلاک کا قلب ہے اور اس کی طرف اس کے کوکب اعظم کی روحانیت نظر کرتی ہے۔ اور جو بدل اس کی حفاظت کرتا ہے وہ قلب ادریس علیہ السلام پر ہے۔ اور یہ وہ قطب ہے جو اب تک فوت نہیں ہوا۔ اور ہمارے ہاں کے اقطاب اس کے نائب ہیں جیسے کہ گذر چکا۔ اور پانچویں اقلیم کی طرف امر پانچویں آسمان سے نازل ہوتا ہے اور اس کی طرف اس کے کوکب کی روحانیت نظر کرتی ہے اور وہ بدل جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ اس اقلیم کی حفاظت فرماتا ہے قلب یوسف علیہ السلام پر ہے تائید محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ۔ اور چھٹی اقلیم کی طرف امر چھٹے آسمان سے نازل ہوتا ہے اور اس کی طرف اس کے کوکب کی روحانیت نظر کرتی ہے۔ اور جو بدل اس کی حفاظت کرتا ہے قلب عیسیٰ روح اللہ اور یحییٰ علیہما السلام پر ہے اور ساتویں اقلیم کی طرف امر آسمان دنیا سے نازل ہوتا ہے اور اس کی طرف اس کے کوکب کی روحانیت نظر کرتی ہے۔ اور جو بدل اس کی حفاظت کرتا ہے قلب آدم علیہ السلام پر ہے۔

ابدال سبعہ کے ساتھ شیخ کی ملاقات

شیخ نے فرمایا کہ میں نے ان ابدال سبعہ کیساتھ مکہ معظمہ میں حطیم حنابلہ کے پیچھے ملاقات کی ہے۔ جبکہ میں نے وہاں انہیں نماز ادا کرتے پایا۔ پس میں نے انہیں سلام کیا اور انہوں نے مجھے سلام کا جواب دیا۔ اور میں نے ان کے ساتھ باتیں کیں۔ میں نے ان سے راہ وروش میں زیادہ حسین اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان سے زیادہ مشغول نہیں دیکھا۔ اور میں نے ان کی مثل نہیں دیکھا مگر قونیہ میں سقیط الرفرف بن ساقط العرش کو۔ اور وہ فارسی تھا رضی اللہ عنہ۔ اور شیخ نے اصحاب گردش اولیاء اللہ کے متعلق فتوحات کے ۳۷ ویں باب میں طویل گفتگو فرمائی۔ پس اس کی طرف رجوع کر۔ واللہ اعلم۔

چھیالیسویں بحث

اولیاء کی وحی (الہامی) کے بیان میں

اور اس میں اور وحی انبیاء علیہم السلام کے درمیان فرق کے بیان میں۔ وغیر ذالک۔

جان لے کہ وحی انبیاء نہیں ہوتی مگر جبریل کی زبان پر بیداری میں اور روبرو۔ رہی وحی اولیاء تو یہ الہام کے فرشتے کی زبان پر ہوتی ہے۔ اور یہ کئی قسم کی ہے جیسا کہ شیخ نے ۲۸۵ ویں باب میں فرمایا ہے۔ تو ان میں سے وہ ہے جو خیال کے ساتھ حاصل کی جاتی ہے جیسے عالم خیال میں خوش خبریاں۔ اور خواب میں وحی ہوتی ہے۔ پس حاصل کرنیوالا اس وقت خیال ہوتا ہے۔ اور نازل اسی طرح سے اور جو وحی کی جاتی ہے وہ بھی اسی طرح ہوتی ہے۔ اور اس میں سے وہ خیال ہے جو کہ ذی حس کی حس میں ہوتا ہے اور اس میں سے وہ معنی ہے جسے وہ شخص اپنے نفس میں معلق حس اور جس کی طرف نازل ہوئی اس کے خیال کے بغیر پاتا ہے جس کی طرف وحی الہامی کی گئی ہے۔ شیخ نے فرمایا ہے: کبھی یہ لکھی ہوتی ہے۔ اور ایسا بے شمار اولیاء کے لئے واقع ہوتا ہے اور اسی کے ساتھ ابو عبداللہ قضیب البان اور آپ کے علاوہ امام احمد رضی اللہ عنہ کے شاگرد رشید کبقی بن مخلد کی طرف وحی ہوتی تھی۔ لیکن آپ اس میں جماعت کے سب سے ضعیف فرد تھے پس آپ خواب سے اٹھنے کے بعد ہی کاغذ میں لکھا ہوا پاتے تھے۔ انتہی۔

ولی کے لئے کاغذ میں مکتوب چیز کے من جانب اللہ ہونے کی علامت

اگر تو کہے کہ اس کتابت کے من عند اللہ ہونے کی کیا علامت ہے حتیٰ کہ ولی کے لئے اس کے ساتھ عمل کرنا جائز ہو؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جیسا کہ شیخ نے ۳۱۵ ویں باب میں فرمایا ہے اس کی علامت یہ ہے کہ وہ کتابت ہر سمت سے برابر پڑھی جا سکتی ہے۔ بدلتی نہیں۔ جب بھی ورق الٹیں تو اس کے الٹنے سے کتابت الٹ جاتی ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ میں نے ایک فقیر پر مطاف میں اسی صفت پر ورق اترتا دیکھا جو کہ جہنم سے اس کی آزادی کے متعلق تھی۔ تو جب لوگوں نے اسے دیکھا تو انہیں معلوم ہوا کہ یہ مخلوق کا لکھا ہوا نہیں ہے۔ پس اگر تو یہ ورق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ لیکن اس پر عمل نہیں کیا جائے گا مگر جب کہ یہ اس شریعت کے مطابق ہو جو ہمارے سامنے ہے۔ شیخ فرماتے ہیں کہ اسی طرح ہمارے تلامذہ میں سے ایک خاتون فقیر کے ساتھ واقعہ گذرا کہ اس نے خواب میں دیکھا کہ حق تعالیٰ نے اسے ایک ورق عطا فرمایا۔ پس جب بیدار ہوئی تو اس کی مٹھی بند ہو گئی اور اسے کوئی بھی کھول نہ سکا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے الہام فرمایا۔ میں نے اس فقیرہ سے کہا کہ اپنے دل میں نیت کر لے کہ جب اللہ تعالیٰ تیری مٹھی کھول دے تو تو اسے نگل لے گی۔ پس اس نے نیت کر لی۔ اور اپنا ہاتھ اپنے منہ کے قریب کر لیا۔ پس وہ کاغذ اس سے بے قابو ہو کر اس کے منہ میں داخل ہو گیا۔ لوگوں نے مجھے کہا کہ تو نے یہ کیونکر پہچان لیا۔ میں نے کہا کہ مجھے الہام ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے ارادہ نہیں فرمایا کہ اس پر کسی کو اطلاع ہو۔ شیخ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے لوح محفوظ وغیرہ میں اللہ تعالیٰ کی کتابت اور مخلوق کی کتابت کے درمیان فرق پر اطلاع بخشی ہے۔ اور یہ عجیب علم ہے جو ہم نے دیکھا اور اس کا مشاہدہ کیا۔ انتہی۔

وحی (الہامی) کی حقیقت

اگر تو کہے کہ پس وحی کی حقیقت کیا ہے؟ تو جیسا کہ شیخ نے فتوحات کے ۳۷ ویں باب میں فرمایا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی

حقیقت وہ چیز ہے جس سے وہ اشارہ واقع ہوتا ہے جو کہ عبارت کے بغیر عبارت کے قائم مقام ہے۔ کیونکہ عبارت سے اس معنی تک رسائی حاصل کی جاتی ہے جو اس سے مقصود ہوتا ہے۔ اور اسی لئے اسے عبارت کہتے ہیں بخلاف اشارہ کے جو کہ وحی ہے کیونکہ وہ مشار الیہ کی ذات ہے اور وحی وہ مفہوم اول اور افہام اول ہے۔ اور کوئی عجب نہیں کہ عین فہم، عین افہام، اس سے مفہوم کا عین ہو۔ تو اے بھائی! اگر تجھے اس نکتہ کی معرفت حاصل نہ ہو تو تجھے علم الالہام کی معرفت سے کوئی حصہ نہیں ملا جو کہ اولیاء کے لئے ہوتا ہے۔ کیا تو دیکھتا نہیں کہ وحی وہ سرعت ہے اور اس سے زیادہ سرعت والا کوئی نہیں جو ہم نے ذکر کیا ہے۔ انتہی۔

قلوب اولیاء پر وحی الہام کے نزول کی صورت

اگر تو کہے کہ قلوب اولیاء پر وحی الہام کی صورت کیا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ حق تعالیٰ جب اپنے اولیاء میں سے کسی ولی کی طرف کسی امر کی وحی فرمانے کا ارادہ فرماتا ہے تو اس ولی کے قلب کی طرف اس امر کی صورت میں تجلی فرماتا ہے پس ولی اس تجلی کے مشاہدہ سے ہی کلام الٰہی کے اور اس کے نبی علیہ السلام کے کلام کے جو معانی حق تعالیٰ ارادہ فرماتا ہے سمجھ لیتا ہے۔ پس اس وقت ولی اپنے نفس میں شریعت کا وہ علم پاتا ہے جو کہ اس سے پہلے نہیں جانتا تھا جیسے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے دست قدرت کی ایک ضرب میں جیسا کہ اس کے جلال کے لائق ہے علم پالیا۔ اور جیسے کہ شب اسراء میں آپ نے دودھ پینے میں علم پایا۔ اولیاء میں سے کوئی تو وہ ہے جسے اس کا شعور ہوتا ہے۔ اور بعض وہ ہے جسے اس کا شعور نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ کہتا ہے میں نے ایسا ایسا اپنے دل میں پایا اور یہ نہیں جانتا کہ اس کے پاس یہ کون لایا۔ لیکن جو اسے پہچان لے وہ کامل ہے کہ اس وقت وہ شیطان سے محفوظ ہے۔ اور آپ نے ۳۱۲ ویں باب میں اس پر طویل گفتگو فرمائی ہے۔

اور ۳۵۳ ویں باب میں فرمایا: جان لے کہ ہمارے لئے اس امر میں کوئی خبر الٰہی نہیں آئی کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے بعد کبھی وحی تشریع ہے۔ ہمارے لئے صرف وحی الہام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ولقد اوحی الیك والی الذین من قبلك (الزمر آیت ۶۵) یعنی آپ کی طرف اور آپ سے پہلوں کی طرف وحی کی گئی''۔ اور یہ ذکر نہیں فرمایا کہ بیشک آپ کے بعد بھی کبھی وحی ہوگی۔ جبکہ خبر صحیح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آئی ہے اور آپ ان میں سے تھے جن کی طرف رسول کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے پہلے وحی فرمائی گئی کہ آپ جب آخری زمانے میں نازل ہوں گے تو ہماری امامت نہیں فرمائیں گے مگر ہماری شریعت اور ہماری سنت کے مطابق، باوجودیکہ جب آپ نازل ہوں گے تو آپ کو اس الہام کے علاوہ جو کہ اس امت کے خواص کی طرح آپ کو بھی ہوگا۔ کشف تام ہوگا۔ اگر تو کہے کہ جب تو الہام خبر الٰہی ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ ہاں۔ یہ اسی طرح ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے کو اس فرشتے کے ذریعے خبر دیتا ہے جو کہ صاحب الہام سے چھپا ہوا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اعتراض کا عذر

اگر تو کہے کہ کیا الہام کسی کے واسطے کے بغیر بھی ہوتا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ ہاں۔ کبھی بندے کو خاص وجہ سے الہام ہوتا ہے جو کہ ہر انسان اور اس کے رب عزوجل کے درمیان ہے پس الہام کے فرشتہ کو اس کا علم نہیں ہوتا۔ لیکن اس وجہ کے علم کا لوگ انکار جلدی کرتے ہیں اور حضرت موسیٰ کا حضرت خضر علیہما السلام پر انکار کرنا اسی وجہ سے ہے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے انکار کا عذر یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی عادت نہیں

کہ اپنی شریعت کے احکام حاصل کریں مگر کسی فرشتہ کے واسطے سے۔کوئی شریعت اس طریقہ کے بغیر معروف نہیں۔پس معلوم ہوا کہ رسول اور نبی فرشتے کا مشاہدہ کرتے ہیں۔اور ان کی طرف وحی کے وقت اسے رویت بصری کے ساتھ دیکھتے ہیں۔جبکہ غیر رسول اس کا اثر محسوس کرتا ہے۔اسے دیکھتا نہیں۔پس اللہ تعالیٰ اس کے واسطے سے اسے جو چاہے الہام فرماتا ہے یا واسطے اٹھا کر اسے وجہ خاص کے ساتھ عطا فرماتا ہے اور القاء کا یہ مقام بہت جلیل القدر اور اونچا ہے جبکہ صاحب القاء کو حفاظت میسر ہو اور اس میں رسول اور ولی بھی جمع ہوتے ہیں۔

محل الہام

اگر تو کہے کہ پس عبد کے جسم میں الہام اترنے کا مقام کیا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ عبد سے اس کا محل وہ نفس ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **فالھمھا فجورھا وتقواھا** (الشمس آیت ۸) یعنی بیشک اللہ تعالیٰ نے نفس کو اس کا فجور الہام فرمایا تاکہ اس سے پرہیز کرے اور اسے جان لے نہ اس لئے کہ اسے عمل میں لائے۔اور اسے اس کا تقویٰ الہام فرمایا تاکہ اس پر عمل کرے اور اسے جان لے۔پس وہ جتلانے کا الہام ہے نہ اس طرح جیسے وہ گمان کرتا ہے جسے حقائق کا علم نہیں ہے۔اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا **وقد خاب من دساھا** (الشمس آیت ۱۰) اور دس وہ ہجوم کی وجہ سے مخفی طور پر ملا دینا ہے۔پس اس جاہل نے عمل بالفجور کو عمل بالتقویٰ کے ساتھ ملا دیا اور تفریق کے مواضع میں فرق نہیں کیا پس خطا کی۔شیخ نے فرمایا کہ اس کی خطاء کا سبب اس کا شریعت کے ترازو کو اپنے ہاتھ سے گرا دینا ہے۔اور اگر یہ ترازو اس کے ہاتھ میں ہوتا تو دیکھ لیتا کہ اسے تقویٰ کا حکم دیا گیا ہے۔اور فجور (نافرمانی سے) روکا گیا ہے پس اس کے لئے دونوں امر ایک ساتھ واضح ہو جاتے۔

امام غزالی سے ایک مسئلہ میں اختلاف

اگر تو کہے کہ غزالی نے اپنی ایک کتاب میں ذکر کیا ہے کہ قلب انبیاء پر نزول وحی اور قلوب اولیاء پر نزول وحی میں فرق، فرشتے کا نازل ہونا ہے۔کہ ولی کو الہام ہو جاتا ہے اس پر فرشتہ کبھی نازل نہیں ہوتا۔جبکہ نزول وحی میں نبی کے لئے فرشتے کا نازل ہونا ضروری ہے۔تو کیا یہ صحیح ہے؟ تو جیسا کہ شیخ نے ۳۶۴ ویں باب میں فرمایا ہے: یہ صحیح نہیں ہے۔جبکہ حق یہی ہے کہ دونوں میں فرق کے متعلق گفتگو صرف اس چیز کی کیفیت کے بارے میں ہے جو فرشتہ لے کر نازل ہوتا ہے۔فرشتہ کے نزول میں نہیں۔کیونکہ فرشتہ رسول اور نبی پر جو کچھ لے کر نازل ہوتا ہے وہ اس کے خلاف ہے جو ولی پر لے کر نازل ہوتا ہے جو کہ پیروی کرنے والا ہے۔بیشک فرشتہ پیروی کرنے والے ولی پر نازل نہیں ہوتا مگر اس کے نبی کی اتباع اور اس مسئلہ کی فہمائش کے ساتھ جس کا علم اس کے لئے ثابت نہیں ہوا جو نبی لے کر آیا۔جیسے مثلاً وہ حدیث جس کے متعلق علماء نے ضعیف ہونے کا قول کیا۔پس الہام کا فرشتے اسے خبر دیتا ہے کہ وہ صحیح ہے۔پس ولی کے لئے اپنے بارے میں ان شرائط کے ساتھ اس پر عمل کرنا ضروری ہے جنہیں اہل اللہ عزوجل جانتے ہیں۔مطلقاً نہیں۔اور کبھی ولی پر فرشتہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ خوشخبری لے کر نازل ہوتا ہے کہ وہ اہل سعادت سے ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے ربنا اللہ کہنے اور استقامت اختیار کرنے والوں کے متعلق فرمایا۔اور ایسا اگرچہ موت کے وقت رونما ہوتا ہے لیکن کبھی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہے پہلے بھی یہ سعادت عطا فرماتا ہے۔

غزالی وغیرہ کے فیصلے کے درست نہ ہونے کا سبب

اور شیخ نے فرمایا کہ ولی پر فرشتے کے نزول کے منع ہونے کے متعلق غزالی وغیرہ کی خطا کا سبب ان کا عدم ذوق اور ان کا یہ گمان ہے کہ ان کا سلوک تمام مقامات کو عام ہے۔تو جب انہوں نے اپنے متعلق یہ گمان کیا اور انہوں نے فرشتہ الہام نہ دیکھا کہ ان پر نازل ہوا ہو تو

اس کا انکار کر دیا اور انہوں نے یہ قول کیا کہ یہ انبیاء کے ساتھ خاص ہے پس ان کا ذوق تو صحیح ہے جبکہ ان کا حکم درست نہیں۔ باوجودیکہ یہ علماء مانعین اس بات کے قائل ہے کہ ثقہ راوی کا اضافہ مقبول ہے۔ اور اہل اللہ سب کے سب ثقات ہیں۔ شیخ فرماتے ہیں کہ اگر ابو حامد غزالی وغیرہ کو اپنے دور میں اہل اللہ میں سے کسی کامل کی ملاقات کا شرف حاصل ہو جاتا اور وہ انہیں ولی پر فرشتے کے نزول کی خبر دیتا تو اسے ضرور قبول کر لیتے۔ اور انکار نہ کرتے جبکہ خود ہم پر فرشتہ الہام بے شمار علوم لے کر نازل ہوا ہے اور ہم نے کثیر لوگوں کو اس کی خبر دی جو کہ ہماری بات کے قائل نہ تھے پس انہوں نے ہماری طرف رجوع کیا۔ پس اللہ تعالیٰ کے لئے سب حمد ہے۔

اگر تو کہے کہ کیا فرشتہ الہام اولیاء میں سے کسی پر امر یا نہی کے ساتھ نازل ہوتا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ یہ ممنوع ہے جیسے کہ شیخ نے ۳۱۰ ویں باب میں فرمایا ہے۔ پس غیر نبی پر فرشتہ الہام امر اور نہی کے ساتھ کبھی نازل نہیں ہوتا۔ اولیاء کے لئے صرف وحی مبشرات ہے۔ اور وہ اچھا خواب ہے جسے کوئی دیکھتا ہے یا اس کے لئے دیکھا جائے۔ اور وہ غالبًا برحق اور وحی ہوتی ہے کیونکہ یہ غیر معصومہ ہے۔

اگر تو کہے کہ وحی مبشرات جیسے کہ خواب میں ہوتی ہے کیا خواب کے بغیر بھی ہو سکتی ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ ہاں۔ اور ہر حال میں وہ خواب بالخیال اور بالحس ہے۔ فی الحس نہیں اور متخیل کبھی قوت میں داخل ہونے سے ہوتا ہے اور کبھی تمثیل روحانی کے بخار سے اور وہ قوم صوفیاء کے ہاں تجلی معروف ہے جبکہ مزاج معتدل اور حق کے لئے مستعد ہو اور وہ خیال حقیقی ہے اور یہاں شیخ نے طویل گفتگو کی ہے۔

امر نہیں۔ اذن

اگر تو کہے کہ بعض کے کسی امر کو بالفعل اپنانے پر لوگ اعتراض کریں تو کہتا ہے کہ میں نے یہ کام صرف اللہ تعالیٰ کے امر کے ساتھ کیا ہے۔ جیسے کہ سیدی عبدالقادر الجیلی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے **قدمی ھذہ علی عنق کل ولی للہ تعالیٰ** صرف اسی وقت فرمایا جب حق تعالیٰ نے آپ کو اس کا امر فرمایا۔ تو کیا یہ صحیح ہے؟

تو جواب یہ ہے اس کے متعلق امر صحیح نہیں۔ اور شاید اسے نقل کرنے والے پر اذن، امر کے ساتھ مشتبہ ہو گیا ہو۔ کیونکہ اذن کا مباح شرعی پر اطلاق ہوتا ہے۔ بخلاف امر کے کہ یہ تشریع جدید ہے جو کہ اس کے خلاف کرنیوالے کے عاصی ہونے کا تقاضا کرتا ہے۔ پس سمجھ لے۔ اور شیخ محی الدین نے فتوحات کے بائیسویں باب میں فرمایا ہے کہ اولیاء میں جو کہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے کسی چیز کا امر فرمایا ہے تو یہ تلبیس ہے۔ کیونکہ امر کلام کی قسم اور اس کی صفت سے ہے اور یہ دروازہ از روئے تشریع اولیاء پر بند ہے۔

مذکور کلام کی وضاحت

اور اس کی وضاحت یہ ہے کہ حضرت الہیہ میں کوئی امر تکلیفی نہیں ہے مگر وہ مشروع ہو چکا۔ تو اولیاء کے لئے دربار خداوندی کے امر کا صرف سننا باقی رہ گیا۔ تو جب انبیاء علیہم السلام انہیں کسی چیز کا امر فرمائیں تو انہیں مناجات اور وہ لذت حاصل ہوتی ہے جو کہ ان کے تمام وجود میں سرایت کرتی ہے۔ اور کچھ نہیں۔ اور یہ معلوم ہے کہ مناجات میں امر ہے نہ نہی۔ وہ تو بات ہے اور ایک واقعہ۔ اور اہل کشف میں سے جو کہے کہ وہ امر شرعی محمدی تکلیفی کے خلاف کسی امر الٰہی کے ساتھ مامور ہے تو اس پر امر مشتبہ ہو گیا ہے گرچہ وہ یہ کہنے میں سچا ہو کہ اس نے اسے سنا۔ اور فرمایا: ممکن ہے اللہ تعالیٰ بعض اولیاء کے قلب سے حجاب کھول دے اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ مظہر محمدی قائم فرما دے پس وہ اس میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے لئے حق تعالیٰ کا امر اور اس کی نہی سن لے پس وہ گمان کرے کہ حق تعالیٰ نے اس سے کلام

فرمایا ہے حالانکہ ذات حق نے تو روح محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے کلام فرمایا تو یہ تعریف بالا حکام الشرعیہ کے باب سے ہے۔شرع جدید نہیں۔کیونکہ یہ دروازہ رسول پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے وصال کی وجہ سے بند ہو چکا۔

(اقول وباللہ التوفیق۔مذکور الصدر عبارت میں اولیاء اللہ سے کسی امر کے ساتھ مامور ہونے کی جو نفی بیان کی گئی ہے اس کا صرف اور صرف یہی مفہوم نکلتا ہے کہ کسی ولی کے لئے امر تشریع محمدی تکلیفی نہیں یعنی وہ کسی امر تشریع کے ساتھ مامور نہیں ہوتا کیونکہ یہ دروازہ حسب وضاحت شیخ اکبر قدس سرہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے رفیق اعلیٰ میں جلوہ فرما ہونے کے بعد بند ہو چکا۔لیکن اولیاء اللہ کے لئے امر الہامی اور وحی الہامی ثابت ہے جیسا کہ اس مبحث کا عنوان ہی امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ یہ قائم فرمایا ہے۔چنانچہ اس بحث میں ذرا پہلے یہ الفاظ قابل توجہ ہیں کہ قلوب اولیاء پر وحی الہامی کی کیا صورت ہے اس کے جواب میں آپ کے ارشاد کا ترجمہ یہ ہے'' کہ جب حق تعالیٰ اپنے اولیاء میں سے کسی کی طرف کسی امر کی وحی فرمانے کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے قلب کی طرف اس امر کی صورت میں تجلی فرماتا ہے۔ پس ولی اس تجلی کے مشاہدے سے ہی کلام الٰہی اور اس کے نبی علیہ السلام کے کلام کے جو معانی حق تعالیٰ اسے سمجھانے کا ارادہ فرماتا ہے سمجھ لیتا ہے۔'' اس سے واضح ہوا کہ شیخ نے جس امر کی نفی فرمائی ہے اس مراد امر تشریعی ہے۔امر الہامی یا وحی الہامی نہیں۔چند ایک اکابر کے اقوال درج ہیں جو کہ برملا فرما رہے ہیں کہ حضور سیدی غوث پاک رضی اللہ عنہ قدمی ہذہ علی رقبۃ کل ولی للہ کہنے میں مامور تھے۔چنانچہ علامہ شیخ نورالدین شطنوفی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے متعلق بہجۃ الاسرار،ص ۱۰ پر ایک مستقل باب باندھا ہے ذکر اخبار المشائخ **عنہ انہ لم یقل ذالک الا بامر۔**

۱۔ حضرت شیخ عدی بن مسافر رحمۃ اللہ علیہ

جن کے بارے میں امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ طبقات کبریٰ ج ۱ ص ۱۳۶ میں لکھتے ہیں کہ حضرت شیخ عدی بن مسافر رضی اللہ عنہ ارکان طریقت میں وحید العصر تھے اور علماء طریقت میں سے اعلیٰ تھے۔حضرت شیخ عبدالقادر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں **لو کانت النبوۃ تنال بالمجاھدہ لنا لھا الشیخ عدی بن مسافر** ۔اگر ریاضت ومجاہدہ سے نبوت حاصل ہو سکتی تو شیخ عدی بن مسافر ضرور حاصل کر لیتے۔آپ سے پوچھا گیا کہ آیا مشائخ متقدمین میں سے کسی نے قدمی ہذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ فرمایا ہے؟ تو فرمایا: کہ نہیں۔پھر پوچھا گیا اس کا مطلب کیا ہے؟ فرمایا کہ یہ آپ کے مقام فردیت کو نمایاں کرتا ہے۔سائل نے کہا کہ افراد تو اور بھی ہو گذرے ہیں۔تو فرمایا **لم یومر احد منھم ان یقول ھذہ سوی الشیخ عبد القادر قلت او امر بقولھا ؟ قال بلی قدا مر و انما وضعت الاولیاء کلھم رؤسھم لمکان الامر الاتری الی الملائکۃ لم یسجدوا لآدم صلوات اللہ و سلامہ علیہ الا لورود الامر علیھم بذالک** ۔یعنی شیخ عبدالقادر رضی اللہ عنہ کے سوا کسی فرد وقت کو یہ حکم نہیں دیا گیا۔سائل نے پوچھا کیا آپ کو اس فرمان کا حکم دیا گیا؟ تو فرمایا: کیوں نہیں۔وہ مامور ہوئے اور امر الٰہی کی وجہ سے تو تمام اولیاء کرام نے سر جھکائے۔تمہیں معلوم نہیں کہ فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو امر الٰہی کی وجہ سے سجدہ کیا تھا۔

حضرت شیخ ابوسعید القیلوی رحمۃ اللہ علیہ جن کے متعلق امام شعرانی طبقات کبری حصہ اول ص ۱۴۶ میں فرماتے ہیں: **ھو من اکابر العارفین والائمۃ المحققین صاحب الانفاس الصادقہ و الافعال الخارقۃ والکرامات و المعارف** ۔شیخ ابوسعید

قیلوی رحمۃ اللہ علیہ اکابر عارفین اور ائمہ محققین میں سے تھے اور آپ انفاس صادقہ، افعال خارقہ اور کرامات و معارف کے جامع تھے۔ آپ سے پوچھا گیا ھل قال الشیخ عبد القادر قدمی هذه علی رقبة کل ولی الله بامر؟ قال بلی قالها بامر لا شك فيه وهی لسان القطبية ومن الاقطاب فی کل زمن یومر بالسکوت فلایسعه الا السکوت ومنهم من یومر بالقول فلایسعه الاالقول وهو الاکمل فی مقام القطبية لا نه لسان الشفاعة ۔یعنی کیا شیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ ارشاد بامر الٰہی فرمایا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: بلاشک آپ نے مامور ہو کر فرمایا اور یہ قطبیت کی زبان ہے۔ اور زمانے میں بعض اقطاب کو سکوت کا حکم ہوتا ہے پس ان کے لئے سکوت کے سوا گنجائش نہیں ہوتی۔ اور بعض اقطاب کو بات کرنے کا حکم ہوتا ہے تو انہیں کہنا پڑتا ہے۔ اور یہ مقام قطبیت میں اعلیٰ ہوتا ہے کہ یہ شفاعت کی زبان ہے۔

شیخ علی بن ھیتی رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ کو حاضرین میں سے سب سے پہلے حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کا قدم اپنی گردن پر رکھنے کا شرف حاصل ہوا۔ ان کے متعلق امام شعرانی طبقات حصہ اول ص ۱۴۴ میں فرماتے ہیں کہ آپ اکابر مشائخ عراق اور سر برآوردہ عارفین ہوئے تھے۔ آپ ان اکابر میں سے ہیں جنہیں قطبیت عظمیٰ کا مقام حاصل تھا۔ آپ سے مریدین نے فرمان غوثیہ کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا لانه امر ان یقولها واذن له فی عزل من انکرها علیه من الاولیاء فاردت ان اکون اول من سارع الی الانقیادله ۔ آپ کو اس کا امر دیا گیا تھا نیز آپ کو یہ بھی اجازت تھی کہ اولیاء کرام میں جو بھی اس فرمان کا انکار کرے اسے ولایت سے معزول کر دیں۔ پس میں نے ارادہ کیا کہ آپ کی طاعت میں جلدی کروں۔

حضرت شیخ سید احمد الرفاعی رحمۃ اللہ علیہ۔ جن کے متعلق مشہور ہے کہ حضور سرور کائنات علیہ السلام کے روضہ اقدس کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے تو اشعار شوقیہ پڑھ کر دست اقدس کو چومنے کا شوق ظاہر کیا۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر اطہر سے دست قدس رونما ہوا اور آپ نے بوسہ دیا۔ ان سے فرمان غوثیہ کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: واقعی آپ نے بامر الٰہی یہ اعلان فرمایا۔

حضرت شیخ ابو محمد القاسم بن عبد البصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ جن کی زیارت کے لئے حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر ہوئے اور آپ کی کرامات کا مشاہدہ کیا (بہجۃ الاسرار ص ۱۷۱) امام شعرانی راحمۃ اللہ علیہ آپ کے بارے میں طبقات کبریٰ حصہ اول ص ۱۴۸ میں فرماتے ہیں کہ آپ اعیان مشائخ عراق۔ عظیم الشان عارفین اور جلیل القدر مقربین میں سے تھے۔ علم شریعت وحقیقت پر کلام فرماتے تھے۔

آپ فرماتے ہیں لما امر الشیخ عبد القادر رضی الله عنه ان یقول قدمی هذه علی رقبة کل ولی الله رایت الاولیاء فی المشرق و المغرب واضعین روسهم تو اضعاله الا رجلا بارض العجم فانه لم یفعل فتواری عنه حاله ۔ جب شیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قدمی ہذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ کے بارے میں امر ہوا تو میں نے مشرق و مغرب کے اولیاء کرام کو دیکھا کہ انہوں نے عاجزی کا اظہار کرتے ہوئے گردنیں جھکا دیں مگر ایک عجمی نے تواضع نہ کی تو ان کا حال محجوب ہو گیا۔

حضرت شیخ حیات بن قیس الحرانی رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ کے متعلق امام شعرانی طبقات کبریٰ حصہ اول ص ۱۵۲ میں لکھتے ہیں کہ هو من اجلاء المشائخ وعظماء العارفین و اعیان المحققین صاحب الکرامات والمقامات وهو احد الاربعة الذین یتصرفون فی قبورهم بارض العراق آپ جلیل القدر مشائخ عظیم الشان عارفین اور اعیان محققین میں سے ہیں۔ اور صاحب

کرامات ومقامات ہیں۔اورعراق کی سرزمین ان چار بزرگوں میں سے ہیں جوکہ اپنی قبروں میں تصرف فرماتے تھے (یعنی حضرت شیخ عبد القادر جیلانی، حضرت شیخ معروف کرخی، حضرت شیخ عقیل منجی اور حضرت شیخ حیات بن قیس الحرانی رضی اللہ تعالیٰ عنہم) شیخ حیات بن قیس الحرانی فرماتے ہیں ولما اتاہ الامر بان یقول قدمی ھذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ زاد اللہ تعالیٰ جمیع الاولیاء نورا فی قلوبھم و برکۃ فی علومھم وعلوا فی احوالھم ببرکۃ وضعھم روسھم وقدمضی الی اللہ تعالیٰ فی حلیۃ السابقین مع النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین رضی اللہ تعالیٰ عنا بھم ۔جب آپ کوقدمی ہذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ فرمانے کا حکم ہوا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے فرمان پر گردنیں جھکانے کی برکت سے تمام اولیاء کے دلوں میں نور بڑھا دیا۔ان کے علوم میں برکت فرمائی اوران کے احوال کی بلندی میں اضافہ فرمایا اور حضرت شیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سابقین مع الانبیاء والصدیقین وشہداء کے لباس میں دربار خداوندی میں پہنچ گئے۔

چند اکابر کی تصریحات نقل کرنے کا شرف حاصل کیا ہے جن سے واضح ہوتا ہے کہ حضور سیدی غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا فرمان ذی شان قدمی ہذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ، بامر الٰہی تھا۔طوالت کے خوف سے بے شمار اکابر کے ترشحات درج نہیں کر سکا۔حقیقت مسئلہ کے تعارف کے لئے یہی کافی ہے اور یہاں جو کچھ درج ہے اس میں فقیر کی حیثیت صرف ایک ناقل کی ہے جسے کتاب مستطاب، قدم الشیخ عبد القادر علی ارقاب الاولیاء الاکابر رضی اللہ تعالیٰ عنہم از فاضل محترم حضرت مولانا ممتاز احمد صاحب چشتی معلم جامعہ انوار العلوم ملتان شریف کے شکریہ کے ساتھ نقل کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت مولف دام مجدہ کو جزائے خیر عطا فرمائے اور مجھ فقیر حقیر کو برکات غوثیہ کی بھیک سے سرفراز فرمائے محمد محفوظ الحق غفرلہٗ لاساتذتہ ولوالدیہ)

اگر تو کہے کہ پھر تو وحی مبشرات زیادہ عام اور غالب ہے تو جواب یہ ہے کہ ہاں کیونکہ وہ وحی خاص ہے جو کہ ہر انسان اوراس کے رب عزوجل کے درمیان ہے۔پس وہ اس سے اپنے سرّ کی حالت سجدہ وغیرہ میں مناجات کرتا ہے پس وہ اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے سے زیادہ کسی کو قریب نہیں پاتا۔اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بعض صادقین کے لئے تائید ہے۔اور کبھی وحی بشارات بھی فرشتہ کے واسطے سے ہوتی ہے لیکن نبوت کی شان سے ہے واسطہ ہونا۔پس اس میں فرشتے کا ہونا ضروری ہے۔جبکہ مبشرات ایسی نہیں ہیں۔پس عارف پر مبشرات کے ہوتے ہوئے امر کے فوت ہونے کی پرواہ نہیں اور شیخ نے اس بارے میں ۳۲۳ ویں باب میں طویل گفتگو کی ہے۔

وحی اولیاء اور وحی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں فرق

اور شیخ نے ۲۶۸ ویں باب میں فرمایا: جان لے کہ وحی اولیاء اور وحی انبیاء علیہم السلام میں فرق یہ ہے کہ اولیاء اپنے قلوب پر نزول ارواح کا مشاہدہ کرتے ہیں لیکن نازل ہونے والے فرشتے کونہیں دیکھتے۔بخلاف نبی اور رسول کے تو اگر ولی فرشتے کا مشاہدہ کرے تو حالت شہود میں اپنے اوپر اس کے القاء کا مشاہدہ نہیں کرتا۔اور اگر القاء کا مشاہدہ کرے تو فرشتے کا مشاہدہ نہیں کرتا پس وہ اس کے شہود کے بغیر جان لیتا ہے کہ یہ فرشتے کی طرف سے ہے۔پس فرشتے اور اس کی طرف سے القاء کے مشاہدہ کا جامع صرف نبی یا رسول ہوتا ہے اور اسی کے ساتھ رسول اور ولی کے درمیان فرق کیا جاتا ہے۔اور اللہ تعالیٰ نے احکام شرعیہ کے نزول کا دروازہ بند کر دیا ہے اور اپنے اولیاء کے قلب پر ان احکام کے متعلق علم کے نزول کا دروازہ بند نہیں فرمایا۔جو کہ علم کے ساتھ نزول روحانی ہے۔اور یہ اس لئے تاکہ اولیاء ان کے ساتھ اپنی دعوت الی اللہ میں بصیرت پر

ہوں جیسے کہ ان کے مورث صلی اللہ علیہ والہ وسلم تھے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **قل هذه سبيلي ادعو الى الله على بصيرة انا ومن اتبعني** (یوسف آیت ۱۰۸۔ آپ فرما دیجئے یہ میرا راستہ ہے۔ میں صرف اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہوں۔ میں واضح دلیل پر ہوں اور وہ جو میری پیروی کرتے ہیں) پس وہ فیض پانے والا ہے اس کی طرف تہمت کا کوئی راستہ نہیں۔ حضرت جنید اہل اللہ کے علم کی تعریف وثناء کے موقعہ پر فرماتے ہیں پس تیرا اس علم کے متعلق کیا گمان ہے جس کے بارے میں لوگ تہمت کا علم رکھتے ہیں۔ پس بیشک ان کے علم کے علاوہ کوئی دوسرا علم رکھنے والا بصیرت پر نہیں ہوتا۔ نہ فروع میں اور نہ ہی اصول میں۔ فروع میں تو اس لئے کہ تاویل میں احتمال ہوتا ہے۔ اور اصول میں اس لئے کہ دلیل میں غور کرنیوالے کی طرف اس کے نفس وغیرہ کی طرف سے مداخلت راہ پالیتی ہے۔ پس اس خلل کی وجہ سے اس کی دلیل متہم ہو جاتی ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے وہ اس کے ساتھ یقین رکھتا تھا۔ جبکہ اہل اللہ سب کے سب بصیرتوں والے ہیں۔

علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین اور حقیقۃ حق الیقین کی تعریف

اور ان کا علم سب کا سب حق الیقین سے ہے۔ یعنی قلب میں اس کا قرار پختہ ہے۔ پس اسے کوئی چیز اس کی جائے قرار سے متزلزل نہیں کرتی۔ کہا جاتا **قر الماء في الحوص** یعنی جب وہ حوض میں پورے طور پر قرار پائے۔ اور وہاں اسے سکون اور قرار حاصل ہو جاتا ہے اور اسے تردد، اوہام اور گمان زائل نہیں کر سکتے۔ اور یہ سکون وقرار اگر نفس اور عقل کی طرف منسوب ہو تو اسے علم الیقین کہا جاتا ہے۔ اگر روح روحانی کی طرف منسوب ہو تو اسے عین الیقین کہتے ہیں۔ اگر قلب حقیقی کی طرف منسوب ہو تو اسے حق الیقین اور اگر سر وجودی کی طرف منسوب ہو تو اسے حقیقۃ حق الیقین کا نام دیا جاتا ہے۔ انتہی۔

اولیاء پر اسم ''الولی'' باقی رکھنے کی وجہ

اور شیخ نے ۳۸ ویں باب میں فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد باب رسالت بند کر دیا تو یہ نہایت تلخ گھونٹ تھا جو اولیاء نے حلق سے اتارا اس لئے کہ ان کے درمیان اور اس فرد کے درمیان رابطہ منقطع ہو گیا جو اللہ تعالیٰ کی طرف ان کا واسطہ ہوتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کی مصیبت کے تدارک کے لئے ان پر یوں رحم فرمایا کہ ان پر ''ولی'' کا نام باقی رکھا جو کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے۔ شیخ نے کہا: اسی لئے اللہ تعالیٰ نے یہ نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کھینچ لیا اور آپ کو عبد اور رسول فرمایا جو کہ دونوں ہی اللہ تعالیٰ کی شایاں نہیں ہیں۔ اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت کے طور پر ہے کہ حق تعالیٰ کے ساتھ نام میں مزاحمت ہو۔ اور رہا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں رؤف رحیم فرمانا تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک خلعت ہے جو کہ وجہ خاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کی عظمت بیان کرنے کے لئے ہے۔ تا کہ اس کی وجہ سے خواص کے لئے قابل رشک ہوں۔ فرماتے ہیں: چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم ہے کہ آپ کی امت میں ایسے حضرات ہیں جنہیں وحی اور رسالت کے انقطاع کا جام تلخ حلق سے اتارنا پڑا تو آپ نے اپنی امت کے خواص کے لئے رسالت کے فیض سے ایک حصہ مقرر فرمایا تا کہ اس کی بدولت آپ کے تتبع میں عباد اللہ ہو جائیں کیونکہ سب سے محترم مقام جو بندے کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اس کا بندۂ خدا ہونا ہے۔ پس آپ نے فرمایا: چاہیے کہ حاضر اسے پہنچا دے جو کہ غائب ہے۔ تو آپ نے انہیں تبلیغ (حکم پہنچانے) کا امر فرمایا تا کہ ان پر پیغام پہنچانے والوں کے نام کا اطلاق راست ہو۔ کیونکہ پیغام پہنچانا عبد کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس پر اللہ تعالیٰ رحم

فرمائے جو میرا قول سن کر اسے یاد رکھے اور جیسے سنا اسی طرح آگے ادا کر دے۔ یعنی فرمان رسول علیہ السلام کسی تصرف کے بغیر حرف بحرف پہنچا دے۔ جیسے پیغمبران گرامی علیہم السلام اپنے رب کا کلام اسی لفظ کے ساتھ پہنچاتے ہیں جس کا اس نے ان پر بالواسطہ یا بلا واسطہ القاء فرمایا۔ اور اس درجہ پر اور اس کے لئے حضور علیہ السلام کی دعائے رحمت کے مرتبہ پر فائز نہیں ہوئے مگر وہ حضرات جو آپ کی احادیث کسی لفظ کے اضافے کے بغیر انہیں الفاظ کے ساتھ روایت کرتے ہیں جو انہوں نے سنے ہیں۔ پس بیشک جو حدیث کی بالمعنی روایت کرتا ہے وہ تو ہماری طرف اپنے فہم کی صورت نقل کرتا ہے۔ تو گویا وہ اپنے نفس کا قاصد ہے۔ قیامت کے دن رسل کی صفوں کے ساتھ صرف اسی کا حشر ہوگا جو کتاب یا سنت کی وحی کی تبلیغ بعینہ اس لفظ کے ساتھ کرتا ہے جو اس نے سنا۔ پس صحابہ کرام جب وحی کے لفظوں کو بعینہ نقل کریں تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قاصد ہیں۔ اور تابعین قاصد ہیں صحابہ کرام کے۔ اسی طرح گروہ کے بعد دوسرا گروہ قیامت تک۔ تو اگر ہم چاہیں تو ہمیں حکم پہنچانے والے کے بارے کہہ سکتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کا قاصد ہے۔ اور اگر چاہیں تو اسے اس کی طرف منسوب کر دیں جس کی طرف سے اس نے ہمیں حکم پہنچایا۔ اور ہم نے درمیان سے وسطہ حذف کرنا صرف اس لئے جائز قرار دیا کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جبریل خبر لاتے تھے یا فرشتوں میں سے کوئی فرشتہ۔ اور ہم آپ کے متعلق رسول جبریل یا اس فرشتے کا رسول نہیں کہتے۔ اور اس میں طویل کلام کیا (اقول و باللہ التوفیق۔ شیخ نے مبلغ پر لفظ رسول کے اطلاق کو صرف اور صرف معنوں میں درست قرار دیا ہے نہ کہ اصطلاحی معنوں میں جو کہ **اللّٰہ یصطفی من الملائکہ رسلا و من الناس** میں مراد ہیں۔ اس لئے فقیر نے لغوی معنی مراد ہونے کے اشارہ کے لئے رسول کا ترجمہ قاصد کیا ہے۔ توجہ رہے کہ نہایت ضروری ہے تاکہ کسی کذاب دجال یا اس کے پیر کار کو شیخ کے کلام سے گمراہ کن مفہوم پیش کرنے اور عقیدہ ختم نبوت جو کہ قطعیات میں ہے کے خلاف استدلال کی جرات نہ ہو۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ ولوالدیہ)

پھر شیخ نے کہا: پس معلوم ہوا کہ عبد کو ولی کہنا اس اسم کے اندازے کے مطابق اس کی عبودیت کم کر دیتا ہے۔ تو جو چاہے کہ کسی ولی کو اس کی عبودیت کے مقام سے کم نہ کرے تو چاہیے کہ اسے محدث (دال مہملہ کے فتح کیساتھ) کہے کیونکہ یہ اس کے لئے اسم ولی سے زیادہ بہتر ہے۔ انتہی۔

(اقول و باللہ التوفیق والتیسیر۔ یاد رہے کہ شیخ نے یہاں اسماء حسنی میں سے صرف دو اسموں کا ذکر فرمایا ہے جو کہ آپ کے مطابق وجہ خاص کے طور پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے حضرت الہیہ سے ایک خلعت ہے۔ لیکن حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم نے کوئی نہیں پایا جس نے اللہ تعالیٰ کے دو اسماء سے زیادہ جمع کئے ہوں اور یہ سورہ برأت کے آخر میں مذکور رؤف رحیم ہیں۔ حضرت شیخ محقق علی الاطلاق شیخ عبدالحق محدث دہلوی مدارج النبوۃ میں فرماتے ہیں کہ رب العزت نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسماء حسنی اور اپنی صفات اعلیٰ کے ساتھ مشرف فرمایا ہے۔ آپ حضرت رب العزت کے اسماء وصفات کے جامع ہیں اور تمام اخلاق الہی عز اسمہ کے ساتھ متخلق ہیں۔ البتہ حضرت شیخ محقق قدس سرہ کے مطابق قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے تعلیم الہی سے ان تیس اسماء کا ذکر فرمایا ہے جو کہ کتاب مجید اور احادیث صحیح میں مذکور ہیں۔ اور یہ اسماء حسنی بھی ہیں اور حضور علیہ السلام کو بھی ان کے ساتھ مشرف فرمایا گیا۔ اور بغرض حصول برکت یہ فقرا نہیں نقل کر رہا ہے جو کہ یہ ہیں: حمید، الروف، الرحیم، الحق المبین، نور، الشہید، الکریم، العظیم، الجبار، الخبیر، الفتاح، الشکور، العلیم، علام، عالم الغیب والشہادہ، الاول، الاخر، القوی، ذوالقوۃ المتین، صادق، ولی ومولی، عفو، الہادی، المومن

المہیمن، مقدس، العزیز، طٰہٰ، ویٰس، ان اسماء کے معانی شفاء شریف اور مدارج النبوۃ میں دیکھیں جہاں ان اسماء کی بحث ہے۔
یہ تو وہ اسماء پاک ہیں جو کہ اسماء حسنیٰ میں سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمائے گئے۔ آپ کے اسماء پاک کی تعداد صاحب المواہب امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ چار سو سے زائد لکھی ہے۔ قاضی عیاض قدس سرہ فرماتے ہیں ابن العربی المالکی، الا حوذی شرح الترمذی میں ناقل کہ بعض نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ایک ہزار اسم ہیں جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھی ہزار نام ہیں۔ آگے ابن القارس کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ آپ کے اسماء شریفہ دو ہزار بیس ہیں۔ بہر حال کثرت اسماء اپنی مسمیٰ کی عظمت کا پتہ دیتی ہے کہ آپ کی نعوت واوصاف بے شمار ہیں۔ جبکہ عارف باللہ الشیخ احمد الصاوی محشی جلالین اپنے حاشیہ میں زیر آیت و اذقال عیسی ابن مریم یا بنی اسرائیل انی رسول الله الیکم الخ فرماتے ہیں کہ بعض اہل اللہ نے فرمایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چار ہزار اسماء ہیں جن میں سے ستر کے قریب اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہیں۔ (محمد محفوظ الحق غفرلہٗ)

روح نازل کی معرفت کا مسئلہ

اگر تو کہے کہ کیا تمام اولیاء ان پر نازل ہونیوالی روح کو پہچانتے ہیں؟ تو جواب یہ ہے کہ تمام اسے نہیں پہچانتے۔ پس ان میں سے کوئی اپنے قلب پر نازل ہونے والے علوم دیکھتا ہے جبکہ اسے پتہ نہیں ہوتا کہ یہ اس کے پاس کس کی طرف سے آئے ہیں۔ جیسے کہ کاہنوں یا فکر اور فہم والوں کے لئے واقع ہوتا ہے۔ پس یہ سب کے سب اپنے قلوب میں علم پاتے ہیں جبکہ پہچانتے نہیں کہ حقیقت میں اسے ان کے پاس کون لایا اور خواص پہچانتے ہیں کہ ان کے پاس کون آیا۔ اور اسی لئے اسے ادب کے ساتھ حاصل کرتے ہیں۔ اور اس سے ادب کا فیض پاتے ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

اور شیخ نے حکیم ترمذی کے سوالات کے جوابات میں ۷۳ ویں باب میں فرمایا ہے: جان لے کہ اہل اللہ میں سے محدثون کے خصائص میں سے ہے کہ یہ حضرات ان کے ساتھ حق تعالیٰ کی ان کے نفوس میں بات کو پہچانتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ لوگ صاف دل ہوتے ہیں جبکہ ان کے علاوہ دوسرے اسے نہیں پہچانتے۔ شیخ نے فرمایا کہ محدثون کے سرتاج حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہیں اور امت میں لوگ سب کے سب اس میں آپ کے وارث ہیں۔

ولی تلبیس سے کب محفوظ ہوتا ہے

اگر تو کہے کہ ولی پر آنے والی وحی الہام میں وہ تلبیس سے کب محفوظ ہوتا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ یہ علامات سے پہچانتا ہے۔ تو جس کے لئے اس میں اس کے اور اللہ تعالیٰ کے مابین کوئی علامت ہو تو وہ وحی حق الہامی ملکی کو باطل شیطانی القاء سے پہچان لیتا ہے وہ تلبیس سے بچ جاتا ہے۔ لیکن اس مقام والے قلیل ہیں۔

اور شیخ نے ۲۸۳ ویں باب میں فرمایا: اہل اللہ کی جماعت میں سے بعض نے جو غلطی کی ہے جیسے ابو حامد الغزالی اور وادی اشت کے ایک شخص ابن سیدلون کا یہ قول ہے کہ جب ولی عالم عناصر سے ترقی کرتا ہے اور اس کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں تو وہ تلبیس سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ اور یہ اس لئے کہ اس وقت وہ سرکش جنات اور شیاطین سے محفوظ جہان میں ہوتا ہے۔ تو وہاں وہ جو کچھ دیکھتا ہے برحق ہے۔ جبکہ شیخ محی الدین نے فرمایا کہ ان کا یہ قول صحیح نہیں ہے۔ یہ اس وقت صحیح ہوگا اگر انہیں معراج اجسام مع الارواح

حاصل ہو۔ اگر یہ صحیح ہو کہ کوئی اس معراج میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وارث ہے۔ البتہ جسے اس کے خاطر اور روحانیت کے ساتھ اور موت کے بغیر معراج کرائی گئی جبکہ مثلاً اس کا جسم اس کے گھر میں ہے تو کبھی کبھی تلبیس سے اس کی حفاظت نہیں ہوتی مگر یہ کہ اس کے لئے اس میں کوئی علامت ہو جیسے کہ پہلے گذرا۔ اور اس میں طویل کلام فرمایا۔

شیطان کا طریقہ وارات

پھر شیخ نے فرمایا: جان لے کہ شیطان اہل کشف کے قلوب کے لئے ہمیشہ گھات لگائے رہتا ہے۔ برابر ہے کہ ان میں سے کوئی اہل علامات میں سے ہو یا نہ ہو۔ کیونکہ اسے گمراہ کرنے اور شبہات میں مبتلا کرنے کی حرص ہے۔ کیونکہ اسے علم ہے کہ اللہ تعالیٰ کبھی اپنے بندے کی مدد نہیں فرماتا پس اس کی حفاظت نہیں ہوتی۔ پس ابلیس اس امید میں رہتا ہے اور سوچتا ہے کہ شاید کام بن جائے۔ تو اگر ابلیس دیکھے کہ باطن عبد محفوظ اور انوار ملائکہ اسے گھیرے میں لئے ہوئے ہیں تو اس عبد کے جسم کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ پس اس کے لئے حسی طور پر ایسے امور ظاہر کرتا ہے کہ کہیں ان کی وجہ سے اسے پکڑ لے۔ تو جب اللہ تعالیٰ اس عبد کے قلب کی حفاظت فرمائے اور وہ اپنے لئے اس کے باطن کی طرف کوئی راہ نہیں دیکھتا تو اس کے قلب کے سامنے اس پر طاری ہونے والی غفلت کی انتظار میں بیٹھ جاتا ہے۔ تو جب وہ اس سے عاجز آ جاتا ہے کہ اسے کسی ایسی چیز میں دھکیل دے جو وہ اس سے قبول کرے۔ تو اس ولی کے حال میں غور کرتا ہے۔ تو اگر دیکھتا ہے کہ اس ولی کی عادت ہے کہ زمین سے معارف حاصل کرتا ہے تو اس کے لئے ایک خیالی زمین کھڑی کر دیتا ہے تا کہ وہ اس سے حاصل کرے۔ تو اگر اللہ تعالیٰ اس عبد کی مدد فرمائے تو اسے نامراد لوٹا دیتا ہے کہ اس وقت اسے خیالی اور محسوس دونوں زمینوں کے درمیان امتیاز پر مطلع فرما دیتا ہے۔ اور کبھی کامل اسے ابلیس سے لے لیتا ہے جس کا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ کہ ابلیس کی طرف سے اس پر القاء کرتا ہے۔ پس وہ اسے بھی نامراد لوٹا دیتا ہے۔ اور اسی طرح اگر ابلیس دیکھے کہ اس ولی کا حال آسمان سے فیض حاصل کرنا ہے تو اس کے لئے ایسا خیالی آسمان قائم کر دیتا ہے جو کہ اس آسمان کی مثل ہوتا ہے جس سے وہ فیض حاصل کرتا ہے۔ اور اس میں جو مہلک زہر بھر سکتا ہے بھر دیتا ہے۔ پس اس کے ساتھ عارف وہ معاملہ کرتا ہے جو ہم نے خیالی اور اس کی زمین کے متعلق بیان کیا ہے۔ اور اگر وہ دیکھتا ہے کہ اس ولی کا حال سدرۃ المنتہیٰ سے اخذ کرنا ہے یا فرشتوں میں سے کسی فرشتے سے تو اس کے لئے خیالی سدرہ یا اس فرشتے کی صورت جیسی صورت بنا دیتا ہے اور اسے اس کے نام سے موسوم کر دیتا ہے۔ اور اس کی طرف وہ کچھ القاء کرتا ہے۔ جسے پہچانتا ہے کہ وہ فرشتہ اس کی طرف اس مقام سے القاء کرتا ہے تو اگر وہ شخص اہل تلبیس سے ہو تو اس کا دشمن اس کے بارے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ اور اگر محفوظ ہو تو اس سے بچ جاتا ہے۔ پس ابلیس کو اس سے دھتکار دیا جاتا ہے اور وہ جو کچھ لایا تھا اسے پھینک دیتا ہے۔ یا اسے اللہ تعالیٰ سے اخذ کرتا ہے۔ نہ کہ ابلیس سے جیسا کہ پہلے گذرا۔ اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے۔ اور اگر شیطان دیکھے کہ اس ولی کا حال عرش یا عماء یا اسماء الٰہیہ سے اخذ کرنا ہے تو شیطان اس کی طرف اس کے حسب حال مطابقت کے ساتھ القاء کرتا ہے اور شیخ نے اس بارے میں ۲۸۳ ویں باب میں طویل کلام کیا ہے۔

ابلیس کے ساتھ حق تعالیٰ کی خفیہ تدبیر

اگر تو کہے کہ کیا یہ صحیح ہے کہ حق تعالیٰ ابلیس کے ساتھ خفیہ تدبیر کا معاملہ فرماتا ہے پس اسے بعض بندوں کے لئے خیر کی رسائی کے لئے

راستہ بنا دیتا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ ہاں یہ صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ ابلیس کے ساتھ خفیہ تدبیر فرماتا ہے جیسے کہ اسے شیخ نے ۶۸ ویں باب میں ذکر کیا۔ اور عبارت یہ ہے: اور جان لے کہ ابلیس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ایک خفیہ تدبیر یہ ہے کہ اسے اس چیز کا الہام فرماتا ہے جس کی وجہ سے بندوں کیساتھ وہاں سے بھلائی کا سلوک ہوتا ہے کہ ابلیس کو اس کا شعور تک نہیں ہوتا۔ اور وہ اس طرح کہ وہ بندے کے قلب میں وسوسہ ڈالتا ہے پس بندہ اس کی مخالفت کرتا ہے اور اس کے خلاف عمل کرتا ہے تو اسے ابلیس کی مخالفت کی وجہ سے اجر حاصل ہوتا ہے۔ تو اگر ابلیس کو علم ہوتا کہ یہ بندہ اس کے وسوسے کی وجہ سے سعادت حاصل کرے گا تو اس کی طرف کسی چیز کا القاء نہ کرتا۔ شیخ کہتے ہیں: میں نے اہل اللہ میں سے کسی کو نہیں دیکھا جو کبھی اس خفیہ تدبیر پر متنبہ ہوا ہو۔

احوال سماوات کے علم تک اولیاء کی رسائی کی صورت

اگر تو کہے کہ آسمانوں کے احوال کے علم تک اولیاء کی رسائی کی کیا صورت ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ اولیاء اس علم تک ان کے قلوب کے آئینوں کے روشن ہونے کی وجہ سے رسائی حاصل کرتے ہیں جس طرح کہ انہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وراثت کے حکم کے ساتھ آج اہل جنت اور اہل جہنم کے احوال کا انکشاف ہوتا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کسوف میں جنت اور جہنم کو دیکھا۔ اور آپ نے عمرو بن لحیی کو جہنم میں دیکھا جس نے مشرکین میں سائبہ جانور کا طریقہ جاری کیا۔ اور چھڑی والہ اور بلی کو باندھنے والی عورت یہاں تک کہ بلی مرگئی۔ اور حدیث کی بعض روایات میں ہے ”میں نے جنت اور جہنم اس دیوار کی چوڑائی میں دیکھی“۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سینتالیسویں بحث

رسل علیہم السلام کے وارث اولیاء کے مقام کا بیان اور ان کی تعداد

جان لے کہ اولیاء اللہ نے رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کی وراثت سے جو معارف و احوال پائے ان میں ان کی منزلوں کی تعداد دو لاکھ اڑتالیس ہزار نو سو ننانوے ہے۔ جس کے لئے قدم ولایت ثابت ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ ان تمام منزلوں میں نازل ہو اور ہر منزل میں اس پر علوم کی اس قدر خلعتیں ڈال دی جاتی ہیں کہ ان کا شمار نہیں ہو سکتا۔

شیخ محی الدین نے فرمایا ہے کہ یہ منزلیں اس امت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوات والتسلیمات) کے ساتھ خاص ہیں۔ ان سے پہلے کسی امت نے نہیں پائیں۔ اور ہر منزل کے لئے ایک خاص ذوق ہے جو کہ دوسری کے لئے نہیں۔ اسے شیخ نے فتوحات کے ۳۷ ویں باب میں ذکر کیا اور آپ نے ۳۴۹ ویں باب میں فرمایا کہ اس سے پہلے کہ انبیاء علیہم السلام کا وارث ہونے کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ مجھے ان کے مقامات کی اطلاع بخشنے میں گمان کرتا تھا کہ ادب یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ فلاں قدم انبیاء پر ہے اور یہ نہ کہا جائے کہ وہ ان کے قلب پر ہے کیونکہ اولیاء، انبیاء علیہم السلام کے نشانات کے مقتدی ہیں۔ اور اگر وہ قلوب انبیاء پر ہوتے تو وہ کچھ پا لیتے جو اصحاب شرائع انبیاء علیہم السلام نے پایا۔ پس جب اللہ تعالیٰ نے مجھے انبیاء کے مقامات پر مطلع فرمایا تو مجھے معلوم ہوا کہ بیشک اولیاء کے لئے دو معراجیں ہیں۔ ان میں سے ایک میں وہ قلوب انبیاء پر ہوتے ہیں۔ سو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے۔ جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔ لیکن اس حیثیت سے کہ وہ اولیاء ہیں یا اس میں الہام پانے والے ہیں جس میں کوئی تشریع نہیں۔ اور دوسری معراج میں وہ اصحاب تشریع انبیاء کے قدموں پر ہوتے ہیں، پس وہ اللہ تعالیٰ کی

طرف سے پہچان کرانے کی وجہ سے ان کی شریعت کے معانی حاصل کرتے ہیں لیکن نور انبیاء کے مشکوۃ سے۔ پس انہیں اللہ تعالیٰ سے اور نہ ہی روح قدس سے براہ راست فیض حاصل نہیں ہوتا۔ اور علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور روح قدس سے بطور الہام فیض پاتے ہیں۔

علماء اور اولیاء ورثۃ الانبیاء ہیں

اور شیخ نے ۴۳۰ ویں باب میں فرمایا: جان لے کہ انبیاء کے وارث علماء اور اولیاء ہی ہیں۔ پس اولیاء احوال اور احکام باطنی کے محافظ ہیں جو کہ فہموں پر دقیق ہیں۔ جب کہ علماء احکام ظاہر کے حافظ ہیں جو کہ ظاہری طور پر ہی سمجھے جا سکتے ہیں۔ اور کبھی یہ حضرات بھی احوال باطنہ میں انبیاء کے وارث ہوتے ہیں۔ جس طرح کہ سلف صالح اس منصب پر تھے کہ وہ اولیاء علماء تھے۔ پس جب لوگ اس سب کچھ پر عمل سے پیچھے رہ گئے جو ان کے علم میں تھا تو انہیں صرف علماء کہا گیا اور ان سے نام ولی سلب کر لیا گیا ورنہ علماء حقیقت میں اولیاء ہی ہیں۔ جس طرح کہ آج لوگوں کا عقیدہ ہے۔ ہر ولی بلا شک وشبہ عالم عامل ہے جبکہ ہر عالم ولی نہیں۔ کیونکہ کبھی وہ اپنے علم پر عمل سے پیچھے رہ جاتا ہے۔ پس فقہاء حقیقت میں وہ اولیاء ہی ہیں کہ یہ حضرات علم مقام پر علم احوال کا اضافہ رکھتے ہیں۔

وارث محمدی اور دیگر انبیاء کے وارث میں فرق

اگر تو کہے کہ وارث محمدی اور حضور علیہ السلام کے سوا دوسرے انبیاء علیہم السلام کے وارث کے درمیان کیا فرق ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ انبیاء کے وارثوں کی خرق عادات وغیرہ آیات آفاق میں ہیں۔ جبکہ وارث محمدی کی آیت اس کے قلب میں ہے۔ اسی لئے وارث محمدی عام طور پر غیر معروف ہوتا ہے۔ خواص میں معروف ہوتا ہے۔ کیونکہ خرق عادت صرف اس کے قلب میں حال اور علم ہے۔ پس وہ ہر سانس میں علم حال وذوق کے حوالے سے اپنے رب کے متعلق علم میں بڑھتا رہتا ہے۔ اسی طرح رہتا ہے۔ جس طرح کہ معجزات کی بحث میں اس کی طرف اشارہ گذر چکا ہے۔

اور ۴۳۹ ویں باب میں فرمایا: وارث محمدی کی علامات میں سے یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کا ہر نبی کے پیچھے مشاہدہ کرتا ہے۔ اور اگر وہ ایک لاکھ نبی ہوں تو وہ اپنے آپ کو ان کی گنتی کے مطابق اتنے ہی مکانات میں دیکھتا ہے۔ پس بیشک تمام انبیاء ورسل کے حقائق اور شرائع حضور نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جمع ہیں۔ تو جو بھی آپ پر ایمان لایا اور تصدیق کی تو گویا درحقیقت تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان لایا۔ پھر جب اس کی صورت تمام انبیاء کے پیچھے متعدد ہوتی ہے تو وہ جاننے لگتا ہے کہ یہ وہی ہے۔ اور ہر صورت میں اس کا غیر نہیں۔ اور اس میں طویل کلام فرمایا۔ اور ۳۷۳ ویں باب میں ۵۸ ویں جواب میں فرماتے ہیں: جان لے کہ یہ دولت محمدیہ انبیاء ومرسلین کے قدموں کی جامع ہے۔ تو جس ولی نے حضرت الہیہ حقیہ میں کوئی قدم اپنے آگے دیکھا تو یہ اس نبی کا قدم ہے جس کا وہ وارث ہے۔ رہا قدم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو اس کے نشان کو کوئی پائمال نہیں کر سکتا۔ جس طرح کہ کوئی آپ کے قلب پر نہیں ہوتا اور جس طرح کہ کوئی بھی کمال پر آپ کا وارث نہیں ہے۔ کیونکہ اگر کمال پر آپ کا کوئی وارث ہو تو آپ کی مثل رسول ہوتا یا نبی۔ ایسی شریعت کے ساتھ جو اس کے ساتھ خصوص ہوتی۔ اسے اس سے حاصل کرتا جس سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے حاصل کیا۔ اور اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔ ہم تلبیس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ لیتے ہیں۔ انتھی۔

(اقول وباللہ التوفیق بتوسل الحبیب الشفیع و بواسطة ابنه الرفیع السید الشریف الغوث الا اعظم صلی الله

تعالیٰ علی جدہ الکریم و علیہ وبارک وسلم شیخ کا علی قدم النبی الکریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اختلاف ان کی کشفی تحقیق ہے۔حضور سید الاولیاء غوث پاک رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کے ساتھ متصادم نہیں کہ آپ نے فرمایا۔ **وکل ولی لہ قدم وانی علی قدم النبی بدر الکمال.** وہ ان کے ذوق وتحقیق کے مطابق ہے اور یہ حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ کی رفعت وعظمت کا آئینہ دار ہے۔اس کی مثال وہ وضاحت ہے جو کہ شیخ نے تنزل الوحی علی قلب الانبیاء اور تنزل وحی علی قلوب الاولیاء میں بیان فرمائی ہے۔ یہ وضاحت ماقبل میں وحی الہامی اور وحی انبیاء کے فرق کی بحث میں بیان کی ہے۔من شاء فلیطالع ثمہ۔ نیز عرف کے مطابق نقش قدم پر چلنے سے مراد نشان قدم پر پاؤں رکھنا اور اسے پائمال کرنا نہیں ہوتا بلکہ اسے راہنمائے منزل اور قبلہ توجہ بنانا مراد ہوتا ہے۔یعنی یوں تو تمام مقربین حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے نقش قدم پر چلتے ہیں لیکن غوثیت عظمیٰ اور محبوبیت کے حوالے سے اس سلسلے میں غوث پاک رضی اللہ عنہ کو خصوصیت حاصل ہے کہ آپ **علی قدم النبی بدر الکمال** کی برکت سے قرب کے اس مقام تک پہنچے جسے آپ نے اُخدعُ فرمایا۔ **انا الحسنی والمخدع مقامی ، واقدامی علی عنق الوجال** ۔محمد محفوظ الحق غفرلہ والوالدیہ)۔

العلماءورثۃ الانبیاء سے کون مراد ہیں

اگر تو کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول العلماء ورثۃ الانبیاء سے کیا مراد ہے۔کیا یہ محدثون ہیں یا مطلق علماء؟ تو جواب یہ ہے کہ ان سے مراد ہر وہ شخص ہے جس کے علم کے متعلق عقول اور حواس مستقل نہ ہوں۔ بلکہ عقول اپنے غور وفکر کی حیثیت سے اسے محال جانیں اور ان سے مراد وہ نہیں جن کے علم کے ادراک کے ساتھ عقول وحواس مستقل ہوں۔ پس بیشک یہ اس کا وارث نہیں ہوتا۔پس سمجھ لے۔اور جان لے کہ کسی کے لئے میراث صحیح نہیں مگر موروث کے برزخ کی طرف منتقل ہونے کے بعد۔کیونکہ انتقال کے بغیر عبد کو جو کچھ حاصل ہوتا ہے اسے وراثت نہیں کہتے۔اسے تو ھبہ،عطیہ اور ہدیہ کہتے ہیں جس میں بندہ نائب اور خلیفہ ہوتا ہے نہ کہ وارث۔اور ۳۸۰ ویں باب میں فرماتے ہیں: مخفی نہ رہے کہ وراثت سب کی سب دو اقسام کی طرف لوٹتی ہے۔معنوی اور محسوس۔پس محسوس وہ اخبار ہیں جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے افعال،اقوال اور احوال کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں۔رہی معنوی وراثت تو یہ نفس کو مذموم اخلاق سے پاک کرنا اور اچھے اخلاق۔اور ہر حال میں حضور قلب اور توجہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی کثرت کے ساتھ اسے آراستہ کرنا ہے۔

اعظم الورثاء کون ہیں

اگر تو کہے کہ انبیاء علیہم السلام کے ورثاء میں سے اعظم کون ہے؟ تو جیسا کہ شیخ نے ۳۷ ویں باب میں تیرہویں جواب میں کہا جواب یہ ہے کہ ورثاء میں اعظم دو خاتم ہیں اور ان میں کا ایک، دوسرے سے اعظم ہے۔ پس ایک کے ساتھ اللہ تعالیٰ ولایت علی الاطلاق ختم فرماتا ہے اور ایک کے ساتھ اللہ تعالیٰ ولایت محمدیہ ختم فرماتا ہے۔رہا خاتمہ الولایت علی الاطلاق۔تو وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔آپ اس امت کے دور میں نبوت مطلقہ کے ساتھ ولی ہیں جبکہ آپ کے اور تشریع ورسالت کے درمیان آڑ قائم کی گئی ہے۔پس آپ آخری زمانے میں وارث اور خاتم ہو کر نازل ہوں گے آپ کے بعد نبوت مطلقہ کے ساتھ کوئی ولی نہیں ہوگا۔جس طرح کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم نبوت ہیں۔آپ کے بعد نبوت تشریع نہیں ہے۔تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اگرچہ آپ کے بعد ہوں گے اور اولوالعزم اور خواص رسل میں سے ہیں۔ پس بیشک آپ کا حکم اس مقام سے آپ پر اس

زمانے کے حکم کی وجہ سے زائل ہو چکا جو کہ آپ کے غیر کے لئے ہے۔ پس آپ نبوت مطلقہ والے ولی کے طور پر بھیجے جائیں گے اور آپ کو شریعت محمدیہ علی صاحبہا السلام بطور الہام عطا ہوگی اور آپ اسے اولیاء محمدیین کی طرح اس کی جہت سے سمجھیں گے۔ پس آپ ہم سے ہیں اور ہمارے سردار ہیں۔ آپ آخر امر میں نبی ہیں جس طرح کہ حضرت آدم اول امر میں نبی تھے۔ پس نبوت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ختم ہوگئی اور ولایت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ۔

خاتم ولایت محمدیہ

شیخ نے فرمایا: رہا خاتم ولایت محمدیہ تو وہ دیار مغرب کا ایک کریم الاصل والنعمہ شخص ہے۔ اور وہ آج ہمارے دور میں موجود ہے اور ۵۹۵ھ میں میری اس سے ملاقات ہوئی۔ اور میں نے وہ علامت دیکھی جسے حق تعالیٰ نے اس میں اپنے بندوں کی آنکھوں سے چھپا رکھا ہے۔ اور اسے شہر فاس میں میرے لئے منکشف فرمایا۔ حتیٰ کہ میں نے اس کی وجہ سے خاتم ولایت محمدیہ دیکھا۔ اور میں نے اسے ان علوم ربانیہ کے بارے میں جن کے ساتھ وہ اپنے سر میں متحقق ہے لوگوں کے اعتراض میں مبتلا پایا اور شیخ نے یہاں طویل گفتگو کی۔ پھر فرماتے ہیں: جان لے کہ اولیاء اکثر خوارق کے ساتھ کلام کرتے ہیں پس جب تک وہ سلام حد شرع سے باہر نہ ہو اسے تسلیم کرنا چاہیے۔ جیسے کہ ان میں سے کسی کا گمان کرنا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ کلام فرمایا جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کلام فرمایا۔ پس اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اختصاص اور لوگوں پر آپ کا کلام الٰہی کے ساتھ انتخاب باطل ہوتا ہے۔ جبکہ قرآن عظیم میں فرمایا: وما کان لبشر ان یکلمه الله الا وحیا او من وراء حجاب (الشوریٰ آیت ۵۱۔ اور کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کلام کرے مگر وحی کے طور پر یا پس پردہ۔

بشر کی وجہ تسمیہ

اگر تو کہے کہ انسان کو بشر کیوں کہا گیا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ اسے بشر اس لئے کہا گیا کہ وہ ایسے امور کا اپنے ہاتھ سے ارتکاب کرتا ہے جو اسے درجۂ روح کے ساتھ لاحق ہونے سے روکتے ہیں۔ اگر وہ ان رکاوٹوں سے خلاصی پالیتا تو اللہ تعالیٰ اس سے کلام فرماتا جہاں سے اس نے ارواح سے کلام فرمایا۔ اور اس کی بشریت کا اٹھ جانا محال ہے کیونکہ اس کا جزء دقیق ہے اور منقطع نہیں ہوتا۔ پس امت میں سے کسی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا مشافہۃ کلام کرنا صحیح نہیں۔ گرچہ اس کا رتبہ بلند ہو۔

کلام، محادثہ اور مناجات میں فرق

اگر تو کہے کہ پھر کلام، محادثہ اور مناجات میں کیا فرق ہے۔ بیشک اہل اللہ مکالمہ منع کرتے ہیں نہ کہ محادثہ اور مناجات؟ تو جواب یہ ہے کہ دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ کلام کے مقام کے لئے لازم ہے کہ اس مرتبے والا کلام حق سنے۔ جبکہ محادثہ اور مناجات میں کلام حق کا سماع نہیں ہے۔ پس یہ سحر گاہی مجاہدہ کرنیوالوں کی طرح حق سے مناجات کرتے ہیں۔ اور اس کے حضور معروضات پیش کرتے ہیں۔ اور وہ انہیں اس کی طرف سے فہم کا الہام فرماتا ہے۔ جبکہ بعض اہل اللہ، اولیاء میں سے کسی کے لئے حق کے ساتھ محادثہ (حدیث گفتن) بھی ممنوع قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں اس حدیث سے مراد مناجات ہے جس میں حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر میری امت سے محدثون ہیں تو وہ عمر ہے۔

اولیاء محدثین اور انبیاء میں فرق

اگر تو کہے کہ پھر اولیاء میں سے محدثین اور انبیاء کے درمیان کی فرق ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ دونوں کے مابین فرق تکلیف شرعی ہے۔ اور وہ یوں کہ نبوت میں تکلیف شرعی کا علم ضروری ہے۔ جبکہ حدیث محدثین میں کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ ان کے لئے صرف ایسی حدیث واقع ہوتی ہے جس کے نتیجے میں احوال اور مقامات حاصل ہوتے ہیں۔ اور شیخ نے اس کے متعلق ۳۷ ویں باب میں طویل کلام فرمایا۔

ایک حدیث کا مفہوم

اگر تو کہے کہ اس حدیث شریف سے کیا مراد ہے ان للہ عبادا لیسوا بانبیاء یغبطھم النبیون بمقامھم وقربھم من ربھم یعنی اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے بھی ہیں جو کہ نبی نہیں مگر انبیاء علیہم السلام ان کے مقام اور ان کے رب کے دربار میں قرب کی وجہ سے رشک کرتے ہیں؟ تو جواب یہ ہے کہ ان سے مراد وہ ارباب علوم اور ارباب سلوک ہیں جو اپنے انبیاء علیہم السلام کی راہ چلے۔ لیکن ان کے علو مرتبہ کی بنا پر کوئی ان کے پیروکار نہیں ہیں۔ پس وہ قیامت کے دن راحت پانے والے ہیں۔ انہیں زبردست گھبراہٹ سے غم نہ ہوگا نہ اپنے آپ پر کوئی خوف۔ اس لئے کہ ان کے ہاں استقامت ہے اور نہ ہی اپنے غیر کے متعلق متفکر ہوں گے کیونکہ ان کے پیروکار ہی نہیں۔ شیخ نے باب مذکورہ میں اس کا بھی ذکر کیا ہے۔

محدثین کی تکفیر کا مسئلہ

اگر تو کہے کہ ہم نے بعض کے کلام میں اولیاء محدثین کی تکفیر دیکھی ہے کیونکہ یہ ان احادیث کی تصحیح کرتے ہیں جن کے بارے میں حفاظ نے ضعف کا قول کیا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ لوگوں کا ان مذکورہ محدثین کی تکفیر کرنا انصاف نہیں کیونکہ محدثین کا حکم مجتہدین کا حکم ہے تو جس طرح مجتہدین میں سے ہر ایک پر اس کی مخالفت حرام ہے جو اس کے نزدیک ثابت ہے اسی طرح محدثین ہیں۔ اور دونوں رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برقرار رکھنے کی وجہ سے مشروع ہیں۔

معاصرین سے شیخ اکبر کی تکفیر کا سانحہ اور اس کا ردعمل

شیخ محی الدین نے ۳۷ ویں باب میں ۵۷ ویں جواب میں فرمایا: کہ ہمیں اپنے معاصر علماء کی طرف سے تکفیر کا سامنا کرنا پڑا جبکہ ہم نے ان بعض احادیث کو صحیح قرار دیا جنہیں انہوں نے ضعیف کہا۔ شیخ فرماتے ہیں کہ ہم اس بارے میں انہیں معذور قرار دیتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک اس طائفہ کے ہر ایک شخص کی سچائی پر دلیل قائم نہ ہوسکی۔ اور وہ گمان غالب کے ساتھ خطاب کرتے ہیں اور اگر انہوں نے ان کے ساتھ غور وفکر کو اس کا پورا حق دیا ہوتا تو ان کے لئے ان کا حال تسلیم کرتے۔ جیسے حنفی کے لئے اس کے حکم کو شافعی تسلیم کرتا ہے اور حکام میں سے اس کے مطابق فیصلہ کرنے والے کے فیصلے کو توڑتا نہیں۔ اور ان کے قول کا ایک عذر یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ اگر قوم کے ایسے تمام دعووں میں اس کی تصدیق کی جائے تو ان میں عصمت نہ ہونے کی وجہ سے شریعت میں خلل داخل ہو جائے پس اسی لئے ہم نے دروازہ بند کر دیا اور ہم کہتے ہیں کہ ان میں سے سچے کو ہمارا اس دروازے کو بند کرنا نقصان نہیں دیتا۔

شیخ محی الدین نے فرمایا: کیا ہی اچھا کام ہے جو انہوں نے کیا۔ اور ہم ان کے لئے اس حق کو تسلیم کرتے ہیں۔ اور اس میں ہم انہیں

درست قرار دیتے ہیں۔ اوران کے لئے اس پر ہم اجر کامل کا حکم لگاتے ہیں۔ لیکن جب کہ وہ قطعیت کے ساتھ نہ کہیں کہ ان کی مخالفت میں وہ خطا کار ہے۔ اگر اس کا خطا کار ہونا ان کے نزدیک قطعی ہو تو ان کے لئے کوئی عذر نہیں۔ پس بیشک احوال میں کم از کم یہ ہے کہ مذکورہ اولیاء کو اہل کتاب کی منزلت میں رکھیں کہ ان کی تصدیق کریں اور نہ تکذیب۔ انتہی۔

اخبار صفات پر ایمان کا تقاضا

نیز اسی طرح شیخ نے ۳۶۳ ویں باب کے اواخر میں کہا ہے۔ آپ کے الفاظ یہ ہیں۔ جان لے کہ لوگوں کی طرف سے یہ انصاف نہیں کہ رسل علیہم السلام کی زبان پر جو اخبار صفات آئی ہیں ان پر وہ ایمان لاتے ہیں۔ جبکہ ان کے خاص پیروکار علماء اور اولیاء میں سے کوئی انہیں صفات کو بیان کرے تو نہیں مانتے۔ بیشک دریا ایک ہی ہے۔ اے کاش اگر وہ اولیاء کی وساطت سے آنے والی اخبار صفات کو نہیں مانتے تو انہیں حکایت کے طور پر ہی لے لیتے۔ کیونکہ انبیاء جس طرح محالات عقلیہ لائے اور لوگ ان پر ایمان لائے اسی طرح چاہیے کہ جب اولیاء کی زبان پر آئیں تو انہیں مان لیا جائے۔ بسا اوقات شمائم انبیاء کی مہک ان کے پیروکاروں کے قلوب پر وارد ہوتی ہے جو کہ انہیں صفات باری جل وعلا کے متعلق رسل علیہم السلام کے لائے ہوئے الفاظ کی موافقت کی طرف لے جاتی ہے۔ تو جس طرح ہم نے اصل میں سر تسلیم خم کیا موافقت کی وجہ سے فرع میں بھی تسلیم کرتے ہیں۔ پس اپنے آپ کو کفران نعمت سے بچا کہ یہ خسارہ ہے۔ انتہی۔

نیز آپ باب نمبر ۳۰۱ میں فرماتے ہیں: بسا اوقات اولیاء میں سے اہل کشف پر ایسے امور وارد ہوتے ہیں جنہیں عقلیں قبول نہیں کرتیں اور انہیں پھینک دیتی ہیں۔ اور جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ قول کریں تو ایمان اور تاویل کے طور پر اسے قبول کر لیتی ہیں اور آپ کے غیر سے قبول نہیں کرتیں۔ اور یہ عدم انصاف ہے۔ کیونکہ اولیاء جب شرعیات کے مطابق عمل کرتے ہیں تو ان پر اس بارگاہ سے جود الٰہی کی ہوائیں چلتی ہیں جو کہ ان کے لئے ان امور الہیہ کے اعیان سے وہ کچھ جو اللہ تعالیٰ چاہے منکشف کرتی ہیں جنہیں انبیاء سے قبول کیا گیا۔ تو جب انہیں کوئی ولی پیش کرے تو اس کی تکفیر کرنے لگتے ہیں باوجودیکہ بعینہ اس پر ایمان رکھتے ہیں جب انہیں نبی لائے۔ تو ان تکفیر کرنیوالوں کی بصیرت کس قدر بے نور ہے۔ کم از کم اسے یہی کہہ دیتے کہ تو جو کچھ کہتا ہے اگر برحق ہے اور تجھے اس کے ساتھ خطاب کیا گیا ہے یا تجھے اس کا کشف ہوا ہے تو اس کی تاویل ایسی ہے۔ ایسی ہے۔ اگر وہ اہل تاویل میں سے ہو۔ اور اگر اہل ظاہر سے ہے تو کہدے کہ حدیث نبوی میں اس کے مشابہہ وارد ہوا ہے۔ پس بیشک وہ شرط نبوت میں سے نہیں اور نہ ہی اسے شارع نے کتاب وسنت میں منع فرمایا ہے۔ انتہی۔

کشف ولی کی قبولیت کا معیار

اگر تو کہے کہ اگر ہم اولیاء کے لائے ہوئے کو تسلیم کر لیں تو پھر اس صورت میں اس کا کیا حکم ہے جب وہ رسل کے لائے ہوئے کے خلاف ہو؟ تو جواب یہ ہے کہ اس کا حکم اسے رد کرنا ہے۔ کیونکہ ولی جب اپنے کشف میں رسل کے کشف کے خلاف لائے تو ہم ہر کشف رسل کی طرف رجوع واجب ہے۔ اور ہمیں معلوم ہو گیا کہ اس ولی کے کشف میں خلل لاحق ہو گیا ہے کیونکہ اس نے اپنی سوچ کے ساتھ اپنے کشف پر تاویل کی ایک نوع کا اضافہ کر دیا پس اسے اپنے کشف کی معیت میں قوت حاصل نہ ہوئی۔ تو وہ خواب دیکھنے والے کی طرح ہے جو کہ اپنے دیکھے کی خبر دیتا ہے اور اس کا کشف صحیح ہے لیکن اس نے تعبیر میں خطا کی۔ کیونکہ کشف کبھی نبی پر خطا نہیں ہوتا۔ البتہ کلام

کرنیوالا اس کے مدلول میں خطا کرتا ہے یا درست بیان کرتا ہے مگر اگر وہ اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دے۔ انتہی۔

صوفیاء کے ارشادات کا پس منظر

شیخ ابوتراب النخشبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب قلب اللہ تعالیٰ کی طرف سے روگردانی کا خوگر ہو جائے تو اسے اولیاء اللہ کی شان میں بدگوئی لاحق ہو جاتی ہے۔ پھر فرماتے ہیں: چونکہ عارفین کو علم کے بغیر جھگڑنیوالوں کی طرف سے معلوم ہے کہ وہ طائفہ صوفیاء پر ضرور اعتراض کریں گے تو انہوں نے اشارات کی طرف رجوع کیا۔ جس طرح کہ حضرت مریم علی ابنہا وعلیہا السلام نے بہتان طرازوں کی وجہ سے اشارہ کی طرف رجوع کیا۔ پس ہر آیت یا حدیث کے لئے ان کے نزدیک دو وجہیں ہیں۔ ایک وجہ اپنے نفسوں میں دیکھتے ہیں جبکہ ایک وجہ کو اس میں دیکھتے ہیں جو ان سے خارج ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **سریھم آیا تنا فی الآفاق و فی انفسھم** ۔ (حم السجدہ آیت ۵۳۔ ہم نے انہیں اپنی نشانیاں آفاق میں اور ان کے اپنے نفسوں میں دکھائیں گے) پس وہ اسے اشارہ کہتے ہیں جسے اپنے نفسوں میں دیکھتے ہیں۔ تا کہ اس کے ساتھ اپنے اوپر اعتراض کرنیوالوں کو مانوس کریں۔ اور اسے تفسیر کا نام نہیں دیتے تا کہ ان کے شر اور طعن و تشنیع سے بچیں۔ اور یہ حق تعالیٰ کے خطابات کے مواقع سے ان کی جہالت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اور اس میں انہوں نے اسلاف کے طریقوں کی اقتداء کی۔ بیشک اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ اہل اللہ وغیرہم نے جس کی تاویل کی ہے اسے اپنی کتاب میں نص کے ساتھ بیان کر دے۔ اس کے باوجود ایسا نہیں کیا۔ بلکہ ان کلمات الٰہیہ میں جو کہ عوام کی زبان کے مطابق نازل ہوئے اختصاص کے معنوں کے علوم کو درج کر دیا جنہیں سمجھنا منتخب حضرات کے ساتھ خاص ہے۔ اور اگر یہ منکرین انصاف کرتے تو وہ اپنے نفوس میں عبرت حاصل کرتے۔ جبکہ وہ ظاہری آنکھ کے ساتھ آیت میں غور و فکر کرتے ہیں جسے وہ اپنے مابین تسلیم کرتے ہیں پس وہ دیکھتے ہیں کہ اس میں وہ ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں اور اس آیت کے بارے میں کلام میں ان میں ایک دوسرے پر فائق ہے اور افضل کی فضیلت کا فاضل اقرار کرتا ہے اور اس کے بارے میں قاصر، غیر قاصر کی فضیلت مانتا ہے اور سب کے سب ایک ہی نہج میں ہیں۔ اور اپنے مابین اس فضیلت کے مشاہدہ کے باوجود اہل اللہ پر اس چیز کے بارے میں انکار کرتے ہیں جو کہ ان کے ادراک پر مخفی ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے متعلق ان کا عقیدہ ہے کہ وہ علماء نہیں ہیں۔ اور یہ کہ علم صرف اسی معلم سے حاصل ہوتا ہے جو کہ عادتاً ان کے عرف میں مقرر ہے۔ اور وہ سچے ہیں کیونکہ ہمارے ساتھیوں کو علم صرف اور صرف اعلام روحانی ربانی کے ساتھ ہوا۔ پس وہ اسی کی بارگاہ پر معتکف ہیں۔ انتظار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے قلوب پر کیا فتوحات فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **خلق الانسان علمہ البیان** (الرحمٰن آیت ۳۔۴۔ انسان (کامل) کو پیدا فرمایا (نیز اسے قرآن کا بیان سکھایا)۔ اور ارشاد باری تعالیٰ ہے **علم الانسان مالم یعلم** (العلق آیت ۵۔ اسی نے انسان کو سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا) اور حضرت خضر علیہ السلام کے بارے میں فرمایا **و علمناہ من لدنا علما** ۔ (آیت ۶۵۔ اور ہم نے اسے اپنے پاس سے (خاص) علم سکھایا)۔

تو انکار کرنیوالے اپنے اس قول میں سچے ہیں کہ علم صرف تعلم سے ہی ہوتا ہے۔ اور انہوں نے اپنے اس اعتقاد میں خطا کی کہ اللہ تعالیٰ اسے نہیں سکھاتا جو کہ نبی نہیں اور نہ ہی رسول۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا **یوتی الحکمۃ من یشاء** (البقرۃ آیت ۲۶۹ جسے چاہے حکمت عطا فرماتا ہے) اور حکمت ہی علم ہے اور مَــنْ فرمایا۔ اور یہ نکرہ ہے۔ لیکن چونکہ ان انکار کرنیوالوں نے دنیا کو آخرت پر

اور متعلقات بارگاہ خلق کو دربار حق جل شانہ کے متعلقات پر ترجیح دی ہے اور کتابوں اور اپنے ابنائے جنس کے مونہوں سے علم حاصل کرنے کی ۔ ت بنا رکھی ہے۔ اور اپنے گمان میں انہوں نے اپنے آپ کو اہل اللہ میں سے سمجھ رکھا ہے کیونکہ انہوں نے کچھ علم حاصل کیا اور علوم سے ممتاز ہو گئے۔ بنابریں وہ یہ جاننے سے محجوب ہو گئے کہ بیشک اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے ہیں جن کے سرائر میں ان کی تعلیم کا فرشتہ ا۔ م کے ذریعے وہ خود متولی ہے۔ پس اس نے انہیں کلام اور اپنے رسول کے کلام کے معانی کی تعلیم دی ہے۔ جبکہ عالم حقیقی حضرت حق جل شانہ ہی ہے۔ اور اس میں طویل کلام فرمایا۔

اشارات، حقائق کا نام ہے اور اس کی وجہ

پھر فرمایا: اسی لئے اہل اللہ تعالیٰ نے حقائق کو اشارات کا نام دے کر اپنے آپ کو محفوظ رکھا۔ کیونکہ منکرین اشارات نہیں سمجھتے۔ اور ان منکرین کی حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد تک رسائی کہاں کہ اگر میں تمہارے سامنے سورۃ فاتحہ کی تفسیر میں کلام کروں تو کتابوں کے ستر بوجھ بن جائیں۔ تو یہ علم وہ علم لدنی ہی تو ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن کریم میں عطا فرمایا: کیونکہ غور وفکر کی یہاں تک رسائی نہیں۔ اور ابو یزید البسطامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے دور کے منکرین سے خطاب فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ تم نے اپنا علم حاصل کیا یعنی مردہ سے مردہ لیا۔ جبکہ ہم نے اپنا علم حی لا یموت سے حاصل کیا ہے۔ اور شیخ ابو مدین جب کسی کو یہ کہتے ہوئے سنتے کہ فلاں نے فلاں سے نقل کیا تو فرماتے کہ ہمیں خشک گوشت نہ کھلاؤ۔ تازہ گوشت کھلاؤ۔ اس کے ساتھ اپنے مریدوں کی ہمت بڑھاتے گویا فرماتے کہ ہمیں اپنے غیر کے کوائف روحانی بیان نہ کرو۔ ہمارے سامنے اللہ تعالیٰ کے کلام یا اس کے رسول علیہ السلام کے کلام کے متعلق اپنے فہم کی جدید فتوحات کی بات کرو۔ تو معلوم ہوا کہ اہل اللہ نے وہ اشارات جن پر اپنے درمیان اصطلاحات مقرر کی ہیں اپنے لئے وضع نہیں فرمائے۔ کیونکہ وہ تو اس کے متعلق حق صریح کا علم رکھتے ہیں۔ وہ تو انہوں نے اپنے درمیان داخل ہونیوالے کے لئے بطور شفقت وضع کئے ہیں حتیٰ کہ وہ اس کیفیت کو نہ پہچانے جس میں وہ ہیں کہ کہیں ایسی بات سن لے جس تک اس کی عقل قاصر کی رسائی نہیں پس ان پر انکار کر دے تو اس علم سے محروم رہے۔ کیونکہ یہ تجربہ شدہ بات ہے کہ کسی نے بھی عارفین میں سے کسی پر کسی چیز کا انکار نہیں کیا مگر بطور سزا وہ اس شے سے محروم کر دیا گیا۔ اور اس میں طویل کلام کیا۔ پھر فرمایا: تمام حسد کی اصل وہ حسد ہے جس پر نوع بشری مشتمل ہے۔ اور اگر لوگ حسد ترک کر دیتے تو ان کے قلوب روشن ہو جاتے۔ اور انہیں اہل اللہ کے علوم کا ادراک حاصل ہوتا اور ہم نے اس کتاب کے آغاز میں درج مقدمہ میں اس پر بسط دتفصیل سے گفتگو کی ہے۔ جبکہ شیخ محی الدین نے اس کے متعلق فتوحات مکیہ کے تیسویں بات میں طویل کلام فرمایا ہے۔ واللہ اعلم۔

اڑتالیسویں بحث

ائمہ صوفیاء اور حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ کے طریقہ کی فضیلت

یہ بحث اس بیان میں ہے کہ تمام ائمہ صوفیاء اپنے پروردگار کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہ کہ امام ابو القاسم جنید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا طریقہ قوم کے تمام طرق سے سیدھا ہے کہ اسے شریعت کے معیار پر یوں حاصل کیا گیا ہے جیسے جوہر حاصل کیا جاتا ہے۔

جان لے اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم فرمائے کہ حقیقت صوفی وہ فقیہ ہے جس نے اپنے علم کے مطابق عمل کیا اور کچھ نہیں۔ پس اللہ تعالیٰ اسے

اس کے علم کی بدولت شریعت کی باریکیوں اور اس کے اسرار پر اطلاع کا وارث بنا دیتا ہے۔حتیٰ کہ ان میں سے ایک شخص طریقت واسرار میں مجتہد ہو جاتا ہے جیسا کہ فروع شرعیہ میں ائمہ مجتہدین کی شان ہے۔اور اسی لئے صوفیاء نے طریقت میں واجبات، محرمات، مستحبات، مکروہات اور خلاف اولیٰ تصریحات شریعت پر مستزاد جاری کئے ہیں جیسا کہ مجتہدین نے اس طرح کا استنباط کیا ہے۔اور مجتہدین قوم صوفیاء نے اپنے واجبات اور شرائط میں خلل واقع ہونے کی بنا پر یا ان کے محرمات کے ارتکاب کی وجہ سے عبادات اور عقود کو باطل قرار دیا ہے۔ یہ ہے ان کی شان۔تو ان میں سے کسی کے لئے قدم ولایت ثابت نہیں ہوا مگر وہ طریقت میں مجتہد ہے۔اس کے ہاں تقلید نہیں مگر صرف اس مسئلے میں جس کی شریعت نے تصریح کی یا اس پر ائمہ نے اجماع کیا۔تو جس نے درجہ کمال کا دعویٰ کیا دراں حال کہ وہ کسی عالم کا مقلد ہے تو وہ سچا نہیں۔اور میں نے سیدی علی الخواص رحمۃ اللہ علیہ کو کئی بار فرماتے ہوئے سنا کہ ہمارے نزدیک طریقت میں کوئی شخص کامل نہیں ہوتا حتیٰ کہ وہاں سے علم حاصل کرے جہاں سے اسے مجتہدین نے حاصل کیا۔

صوفیاء کی خصوصیت

پھر صوفیاء کی خصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ یہ اس طریقت کا علم رکھتے ہیں جو انہیں کتاب وسنت پر عمل تک پہنچا دیتا ہے۔تو جب تو انہیں کہے کہ میرا مقصد یہ ہے کہ میں دنیا میں اس قدر بے رغبتی کروں کہ میرے نزدیک اس کے لئے عادتاً کوئی میلان نہ رہے تو تجھے کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر رات دن کثرت کے ساتھ کر حتیٰ کہ تیرا حجاب رقیق ہو جائے پس تو اپنی نگاہ بصیرت کے ساتھ آخرت کا ادراک کرے گا اور دنیا میں بے رغبتی کرنیوالے کے درجات اور نعمتیں دیکھے گا جیسے کہ ابراہیم بن ادہم رضی اللہ عنہ کے لئے واقعہ گذرا۔تو جب تو یہ دیکھے گا تو لامحالہ دنیا میں بے رغبت ہوگا۔اور اگر تجھے سب لوگ کہیں کہ دنیا میں رغبت کر تو تو ان کی طرف کان نہیں دھرے گا۔اور اے بھائی!اگر تو یہ بات کسی عالم کے لئے کہے تو وہ تجھے کہے گا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے تجھے بے رغبتی کا حکم دیا ہے۔اس کے سوا کچھ نہیں کہے گا۔ اور اس کی طرف راستہ نہیں بتائے گا۔تو اس (عالم) کا حکم ایک طبیب کا حکم ہے۔طب کی کتاب کی حفاظت کرتا ہے اور اسے مریض کے علاج کا پتہ نہیں۔پس معلوم ہوا کہ صوفیہ پر بعض لوگوں کے انکار کا سبب ان کے درجات کی وقت ہے۔اور اگر منکر ادب لازم کرتا تو قوم کے لئے ہر اس چیز کو تسلیم کر لیتا جو اس کے فہم کے خلاف ہے جو کہ کتاب وسنت کے ساتھ متصادم ہو نہ اجماع کے۔

شیخ عزالدین بن عبدالسلام کا وضاحتی بیان

اور میں نے شیخ عزالدین بن عبدالسلام کی کتاب الرعایۃ میں دیکھا ہے جو کہ اپنے دور میں مصر میں سلطان العلماء میں جو کہ یہ ہے ''تمام لوگ رسوم شریعت پر بیٹھے ہیں جبکہ صوفیاء اس کی بنیادوں پر بیٹھے ہیں جو کہ متزلزل نہیں ہوتیں۔نیز فرمایا۔اور اس کی تائید ان کے ہاتھوں ظاہر ہونے والی کرامات اور خوارق ہیں۔اور یہ کبھی کسی عالم کے ہاتھ سے ظاہر نہیں ہوتیں گرچہ وہ علم میں کسی مرتبہ تک پہنچ جائے مگر یہ کہ ان کے طریقے پر چلے۔انتہی۔اور ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ اس سے پہلے آپ کہا کرتے کہ کیا وہاں شریعت کے لئے ان نقول کے علاوہ بھی کوئی راستہ ہے جو کہ ہمارے ہاتھوں میں ہیں۔پھر کہتے کہ جو گمان کرے کہ ہمارے ہاتھوں میں موجود علم کے علاوہ شریعت کا کوئی باطنی علم ہے تو وہ باطل ہے۔زندیق کے قریب ہے۔تو جب آپ شیخ ابوالحسن الشاذلی کی خدمت میں مصر محروسہ میں حاضر ہوئے اور آپ سے استفادہ کیا تو قوم صوفیاء کے من کل الوجوہ مداح ہو گئے۔اور فرماتے کہ یہ وہ طریقہ ہے جو کہ اخلاق مرسلین کا جامع ہے اور پہلے پہل

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ بھی شیخ عز الدین کی طرح ہی گفتگو کرتے تھے۔ پھر جب صوفیاء کی خدمت میں بیٹھے اور ان کے طریقے سے ذوق حاصل کیا تو فرمانے لگے ہم نے اپنی عمر بیکار گنوائی۔ یعنی اس لئے کہ اہل جدال کے طریقے پر علم میں مشغول ہونا کہ قول کو عمل پر غالب کرنا تضییع اوقات ہے۔ اور حق یہ ہے کہ فقہ میں مشغول ہونا بے کاری نہیں۔ یہ تو طریقت کی بنیاد ہے۔ کیونکہ اہل طریقت کی شان یہ ہے کہ ان کی تمام حرکات وسکنات کتاب وسنت سے حاصل شدہ ہوں۔ اور علم حدیث، فقہ اور تفسیر میں تبحر کے بغیر اس کی پہچان نہیں ہوسکتی۔

قول غزالی کی توجیہہ اور ائمہ مجتہدین کے متعلق شیخ ابراہیم الدسوقی کا بیان

پس غزالی کا یہ کہنا کہ اشتغال بالفقہ بیکاری ہے ایک ایسا کلام ہے جو کہ قوم صوفیا کے طریق میں آپ کے عشق کی حالت میں صادر ہوا **اور عاشق کا حکم صاحب نشہ کا حکم** ہوتا ہے۔ اگر آپ اپنی اس حالت میں غور وفکر کرتے تو وہ پہچان لیتے جو ہم نے کہا ہے کہ فقہ طریقت کی اساس ہے **اور صوفی** کی حد یہ ہے کہ وہ ایسا عالم ہے جس نے اپنے علم پر عمل کیا۔ اور کچھ نہیں۔

اور سیدی ابراہیم الدسوقی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر فقیہ عبادات اور ماموراتِ شریعہ علت کے بغیر ادا کرتا جیسے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے تو شیخ سے بے نیاز ہوتا۔ لیکن اس نے عبادات علل وامراض کے ساتھ ادا کیں۔ اسی لئے اب ایسے طبیب کی ضرورت پیش آئی جو اس کا علاج کرے حتیٰ کہ وہ شفایاب ہو۔ اسی وجہ سے تابعین خلوت وریاضت سے بے نیاز تھے جس پر کہ آج شیوخ کے مریدین کاربند ہیں۔ اور ان میں سے کسی کے متعلق منقول نہیں کہ اس نے امراض باطنہ کے علاج کے متعلق کسی شے کی تدوین کی ہو۔ کیونکہ ان کے دور میں امراض باطنہ تھی ہی نہیں۔ یا پھر بہت کم یہاں تک کہ قریب نہیں کہ پائی جائیں۔ اور ان کا عظیم اجتہاد صرف احادیث شریعت جمع کرنا اور ان کے اور کتاب عزیز کے درمیان مطابقت بیان کرنا تھا۔ اور یہ مصروفیت یقیناً علاج امراض میں مشغول ہونے کی نسبت زیادہ اہم تھی جو شاید پائی بھی نہ جائیں۔

ائمہ مجتہدین، تصوف کی تدوین اور مجاہدات میں کیوں مشغول نہ ہوئے؟

اور مذکور الصدر وضاحت سے اس شخص کے اس قول کا جواب ہوگیا کہ ائمہ مجتہدین نے کس وجہ سے علم تصوف میں کوئی تدوین نہ کی یا ذکر میں کیوں مشغول نہ ہوئے تاکہ ان کے قلوب روشن ہوتے جیسے کہ صوفیاء کا معمول ہے۔ کیونکہ کوئی عقل والا ان ائمہ میں سے کسی کے متعلق اس کا قائل نہیں کہ وہ اپنے نفس میں عجب یا ریا یا کھوٹ، کینہ، مکر اور دھوکا کا علم رکھتے تھے اور انہوں نے اپنے نفس کے ساتھ کبھی جہاد نہ کیا۔ اور اگر یہ حضرات جانتے کہ ان میں اس قسم کی کوئی چیز ہے تو تمام اعمال سے اس کا علاج مقدم رکھتے۔ کیونکہ جس کے بغیر واجب پورا نہیں ہوتا وہ واجب ہے **وما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین لہ الدین حنفاء ویقیموا الصلوۃ ویوتوا الزکوۃ وذالک دین القیمہ** (البینہ۔ آیت ۵۔ حالانکہ انہیں حکم نہیں دیا گیا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں۔ وین کو اسی کے لئے خالص کرتے ہوئے۔ بالکل یکسوئی کے ساتھ نماز قائم کرتے رہیں اور زکوۃ ادا کرتے رہیں اور یہی نہایت سچا دین ہے) پس سمجھ لے۔ پس تیرے لئے واضح ہوگیا کہ تمام ائمہ صوفیاء، ائمہ مجتہدین کی طرح اپنے پروردگار کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہ کہ کسی کو نہیں چاہیے کہ ان کے کلام کے بارے میں ان پر اعتراض کرے مگر اس کے بعد کہ ان کے طریقے میں داخل ہو۔ ان کی اصطلاحات کی معرفت حاصل کرے۔ اور جس نے ظاہر شریعت کے خلاف کہا وہ تو صرف اس کی طرف منسوب ہوا ہے یا اس پر حال غالب ہوا۔ یا طریقت میں مبتدی ہے۔

حضرت جنید بغدادی، شیخ ابوالحسن الاشعری کی طریقت کی اہمیت وفضیلت

رہے کاملین جیسے حضرت جنید اور آپ جیسے دیگر حضرات تو ان کا طریقہ ادب کے معیار پر سونے کی طرح حاصل کیا گیا ہے کیونکہ یہ حضرات رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین دین کے حامی ہیں۔اور ہمارے علاوہ دوسرے حضرات کی طرح ہم نے شیخ ابوالقاسم جنید کے طریقہ کی فزوں تر راستی کے ساتھ تخصیص کی ہے اور یہ کہ جو بھی اس پر چلا نجات پا گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ جیسا کہ جلال محلی وغیرہ نے فرمایا ہے یہ بدعات سے خالی۔اللہ تعالیٰ کے لئے تسلیم وتفویض اور حظوظ نفس سے بیزاری پر دائر طریقہ ہے اور یہ اصح الطرق ہے۔پس یہ عقائد دینیہ میں شیخ ابوالحسن الاشعری کے طریق کی مانند ہے۔اور اسی لئے کہا گیا ہے کہ ہمارا عقیدہ ہے کہ عقائد دینیہ میں شیخ ابوالحسن الاشعری کا طریقہ افضل طریقہ ہے کیونکہ تفریط وافراط کے درمیان ہے۔جلال محلی نے فرمایا: کہ شیخ ابوالحسن کے بارے میں گمراہوں کی گفتگو لائق التفات نہیں۔اور ہمیں آپ کی امامت اور جلالت میں تفسیر، حدیث، فقہ اور اصول والے علماء اسلام کا عقائد کے معاملہ میں آپ کے قول پر اعتماد کو لازم کرنا کافی ہے۔اور اسی طرح ہمیں ابوالقاسم جنید رحمۃ اللہ علیہ کی امامت کے بارے میں تمام لوگوں کا آپ کی جلالت پر اجماع کافی ہے۔اور ان کا یہ کہنا کہ آپ علم وعمل کے حوالے سے تمام طائفہ صوفیاء کے سردار ہیں اور آپ اس کے مستحق ہیں۔اور آپ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارا یہ علم کتاب وسنت کے ساتھ مضبوط ہے۔انتہی۔اور آپ نے قیاس اور اجماع کا ذکر اس لئے نہیں کیا کیونکہ قیاس اور اجماع کی دلالت کا علم تب حاصل کیا جاتا ہے جب کتاب وسنت کے قواعد کے موافق ہوں۔پس حضرت جنید نے کتاب وسنت کے ذکر کی بنا پر قیاس واجماع کے ذکر کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

احترام شریعت میں شیخ ابوالقاسم جنید رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر اکابر صوفیاء کا مقام

نیز آپ فرمایا کرتے کہ جب تم کسی کو دیکھو کہ ہوا میں آلتی پالتی مارے بیٹھا ہے تو اس کی طرف توجہ نہ کرنا مگر جب کہ اسے کتاب و سنت کا پابند دیکھو۔نیز فرماتے مخلوق پر تمام راستے بند ہیں سوائے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آثار کی پیروی کرنیوالوں کے اور آپ نے فرمایا کہ اگر میں حاکم ہوتا تو اس کی گردن مارنے کا حکم دیتا جسے یہ کہتے سنتا کہ لاموجود الا اللہ۔کیا میرے لئے اللہ تعالیٰ کی معیت میں کوئی فعل نہیں؟ کیونکہ اس کے کلام کا ظاہر غیر اللہ کی نفی اور تمام تکالیف شرعیہ کے احکام کو گرانا ہے۔جلال محلی وغیرہ نے کہا ہے کہ اس کی بات قابل توجہ نہیں جس نے خلیفہ جعفر المقتدر باللہ تعالیٰ کے پاس جن صوفیاء کے متعلق زندیق ہونے کی تہمت لگائی ان کے ساتھ شیخ جنید پر بھی یہی تہمت رکھی۔حتیٰ کہ اس نے ان کی گردنیں مارنے کا حکم دیا۔اور ہمیں یہ بات پہنچی کہ وہ سب کے سب پکڑے گئے سوائے حضرت جنید کے باوجودیکہ آپ جماعت کے شیخ ہیں۔اور یہ اس لئے کہ آپ اہل طریقت کا کلام نا اہلوں سے چھپاتے تھے۔اور آپ نے فقہ اور ابوثور کے مذہب پر فتوی نویسی کو آڑ بنا رکھا تھا۔اور جب علوم قوم میں گفتگو فرماتے تو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لیتے اور اس کی چابی اپنی ران کے نیچے رکھ لیتے۔اور اسی طرح کی ہمیں حسن بصری کے متعلق بھی خبر ملی۔اور دونوں حضرات فرماتے ہیں کہ کیا تم چاہتے ہو کہ اولیاء اللہ پر ان لوگوں کے ہاں جو ان کی اصطلاح کا عرفان نہیں رکھتے جھوٹ اور بہتان کے طریقے سے زندقہ کی تہمت لگائی جائے۔اور ہمیں حضرت جنید سے یہ بات کبھی نہیں پہنچی کہ آپ نے خلاف شریعت کوئی بات کی ہو۔جیسے کہ حضرت ابویزید وغیرہ سے منقول ہے۔یہ سب کچھ آپ کے کمال کی وجہ سے ہے۔

بعض صوفیاء کا واقعہ گردن زدنی اور ابوالحسن نوری کے ایثار کی بدولت رہائی

جلال محلی کہتے ہیں کہ جب ان صوفیاء کو قتل کرنے کی تیاری کی گئی جنہیں گرفتار کیا گیا تھا تو ان میں سب سے پیچھے شیخ ابوالحسن النوری تھے۔ وہ آگے بڑھے اور تلوار چلانے والے سے فرمایا کہ میرے ساتھیوں سے پہلے میری گردن اڑا دو۔ اس نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا تاکہ ایک گھڑی زندگی کا اپنے ساتھیوں کے لئے ایثار کروں۔ تلوار مارنے والا مبہوت ہو گیا اور خلیفہ تک یہ بات پہنچائی۔ اس نے انہیں قاضی اسماعیل بن اسحاق مالکی کی طرف لوٹایا۔ اس نے نوری سے مسائل فقہیہ پوچھے تو آپ نے ان کے متعلق اسے جوابات دیئے۔ پھر فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے بھی ہیں جو جب قیام کریں تو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے قیام کرتے ہیں اور جب لب کشائی کریں تو اللہ تعالیٰ کی توفیق سے بولتے ہیں۔ تو قاضی نے آپ کی بات قبول کی۔ اور خلیفہ کو یہ پیغام بھیجا کہ اگر یہ حضرات زندیق ہیں تو روئے زمین پر پھر کوئی مسلمان نہیں ہے۔ تو خلیفہ نے انہیں رہا کر دیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

امام احمد اور ابن سریج بحوالہ عقیدت صوفیاء

اور ابن ایمن نے اپنے رسالہ میں امام احمد رضی اللہ عنہ سے حکایت کی ہے کہ آپ اپنے ابتدائی ایام میں اپنے بیٹے کو صوفیاء کی ہم نشینی سے منع فرماتے۔ حتیٰ کہ ان میں سے ایک جماعت رات کے وقت آپ پر ہوا سے نازل ہوئی۔ اور انہوں نے آپ سے چند مسائل شرعیہ پوچھے حتیٰ کہ آپ کو عاجز کر دیا۔ پھر ہوا میں بلند ہو گئے۔ پس اس وقت سے آپ اپنے بیٹے سے کہنے لگے صوفیا کی ہم نشینی لازم کرو۔ کیونکہ انہیں خوف خدا اور اسرار شریعت کا وہ ادراک ہے جو ہمیں نہیں ہے۔ اور آپ جب کسی مسئلہ کے جواب سے عاجز آ جاتے تو شیخ ابوحمزہ بغدادی سے فرماتے: اے صوفی! تو اس میں کیا کہتا ہے؟ تو جب وہ کوئی جواب دیتے تو آپ اسے قبول کر لیتے۔

اور قشیری نے ابن سریج سے حکایت کی کہ وہ حضرت جنید پر انکار کیا کرتے تھے۔ ایک دن اجنبی بن کر حضرت جنید کی مجلس میں حاضر ہوئے جبکہ آپ کو پتہ نہیں تھا۔ جب حضرت جنید فارغ ہو کر چلے گئے تو ابن سریج سے لوگوں نے پوچھا آپ نے اس شخص کے کلام میں کیا دیکھا تو کہنے لگے مجھے کوئی سمجھ نہیں آئی سوائے اس کے کہ کلام کی ہیبت کسی باطل پرست کے کلام کی سی نہیں۔ تو پتہ چلا کہ ہر دور میں صوفیا پر ان کے مقامات کی دقت کی وجہ سے علماء میں انکار ہوتا رہا۔ ان کے نفس الامر میں شریعت میں خارج ہونے کی وجہ سے نہیں۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ کہ اولیاء اس میں واقع ہوں گرچہ ان کے حق میں ایسا ہو سکتا ہے۔ اور ہم نے طبقات کبریٰ کے مقدمہ میں اس پر تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

انچاسویں بحث

ائمہ مجتہدین کا اجتہاد واجب العمل

یہ بحث اس بیان میں ہے کہ تمام ائمہ مجتہدین اس حیثیت سے اپنے پروردگار کی طرف سے ہدایت پر ہیں کہ ان کا اجتہاد جس حقیقت پر پہنچائے اس پر عمل واجب اور شارع کی طرف سے ان کے لئے اجر ثابت ہے۔ گرچہ ان سے خطا ہوئی ہو۔ جیسے کہ اس کا بیان آ رہا ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔

اور اے بھائی جان لے کہ ائمہ کی طرف سے جواب کی بحث کافی ہے کسی وجہ کے ساتھ ہو۔ رہی تحقیق تو اس کے لئے اور جگہ ہے پس ہم

پراعتراض نہیں چاہیے جب ہم اس بحث کی بنیاد اس قول مرجوح پر رکھیں کہ ہر مجتہد راستگو ہے۔ اور میں نے سیدی علی الخواص رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اقوال علماء کے مابین جمع پر پوری کوشش صرف کرو کیونکہ دونوں اقوال کو قابل عمل قرار دینا ان میں سے ایک کو لغو قرار دینے سے بہتر ہے۔ اور اسی کے ساتھ اقوال علماء کا باہمی اختلاف کم ہو جاتا ہے۔ اور جس کی مقام کشف تک رسائی ہوئی اس نے تمام ائمہ مجتہدین کو یوں پایا کہ وہ اپنے کسی قول میں کتاب وسنت سے خارج نہیں ہوئے۔ اور اس نے تمام اقوال کا مشاہدہ کیا کہ نور شریعت کی شعاع سے روشنی پا رہے ہیں۔ کیونکہ یہ حضرات رسل علیہم السلام کے نشانات ہی پر چلے ہیں۔ تو اے بھائی! جس طرح تجھ پر رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کی لائی ہوئی ہر اس چیز کے درست ہونے پر ایمان لانا اور تصدیق کرنا واجب ہے جو کہ ظاہراً تیری شریعت کے خلاف ہے تو اسی طرح تجھ پر مجتہدین کے استنباط کے صحیح ہونے پر ایمان لانا اور اس کی تصدیق کرنا واجب ہے گرچہ تیرے امام کے مذہب کے خلاف ہو۔

ائمہ مجتہدین کے اقوال نور شریعت سے ماخوذ ہیں اور اس کی وضاحت

امام شعرانی فرماتے ہیں کہ بحمدہ تعالیٰ میں نے مجتہدین کے دلائل کا گہری نظر سے مطالعہ کیا ہے پس میں نے ان کے مذاہب کی فروع میں سے کسی فرع کو نہیں پایا مگر وہ کسی دلیل کی طرف منسوب ہے کسی آیت یا حدیث یا اثر یا اصل صحیح پر قیاس صحیح کی طرف۔ لیکن ان کا کوئی قول تو مثلاً صریح حدیث۔ یا آیت یا اثر سے لیا گیا ہے تو کوئی مفہوم سے لیا گیا ہے یا اس اخذ کئے گئے سے اخذ کیا گیا ہے اور اسی طرح۔ تو ان کا کوئی قول قریب ہے اور اقرب۔ اور بعید ہے اور ابعد۔ اور سب کے سب شریعت مطہرہ کے نور سے حاصل کئے گئے ہیں جو کہ اصل ہے اور محال ہے کہ کوئی فرع اصل کے بغیر پائی جائے۔ اور اس کی وضاحت یہ ہے کہ شریعت مطہرہ کا نور ہی وہ خوب آشکارا نور ہے لیکن جب بھی کوئی شخص اس سے قریب ہوتا ہے تو اسے دوسرے کی نسبت زیادہ روشن پاتا ہے۔ اور جب بھی تقلید کی زنجیر میں اس سے دور ہوگا تو اسے اس کی بہ نسبت کم روشنی والا پائے گا جو کہ عین شریعت کے بالکل قریب ہے۔ اور ہمارے دور تک علماء مذاہب کے اقوال کے مختلف ہونے اور بعض کے اقوال کو دوسروں کے کمزور کہنے کا یہی سبب ہے۔ کیونکہ آج ہمارے درمیان اور شارع کے درمیان تقریباً پندرہ دور ہیں۔ اور وہ کہاں جس کی نگاہ ان سب ادوار کو چیرے حتیٰ کہ تمام ادوار کے اقوال کا سرچشمہ شریعت کے ساتھ متصل ہونے کا مشاہدہ کرے۔

اور سیدی علی الخواص رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے کہ سرچشمہ شریعت مطہرہ کی مثال جس سے مجتہدین اور ان کے مقلدین کے اقوال میں سے ہر قول متفرع ہوتا ہے پہلے چشمے کی مثل ہے جبکہ اس کے علماء کے اقوال کی مثال ہر دور میں اس سے پھیلنے والے چشموں کی طرح ہے۔ تو اللہ تعالیٰ جس کی بصیرت سے پردہ کھول دے اور وہ پہلے چشمے اور اس کے متفرع ہونے والے چشموں کا ادراک کر لے تو وہ علماء اسلام کے تمام اقوال کے برحق ہونے کا اقرار کر لیتا ہے اور ان سب کا مشاہدہ کرتا ہے کہ وہ پہلے چشمہ کے ساتھ یوں مربوط ہیں جیسے سایہ جسم کے ساتھ یا جیسے انگلیاں ہتھیلی کے ساتھ مربوط ہیں۔ اور جس کی بصیرت سے اللہ تعالیٰ پردہ نہ اٹھائے تو وہ لازماً اپنی نظر کی حد سے زائد میں خطا کرتا ہے اور اسے شریعت سے خارج قرار دیتا ہے۔ فرمایا: اور ہماری تقریر پر دو قول نازل ہوتے ہیں کہ ہر مجتہد راستگو ہے یا ایک درست ہے اور باقی خطا کار۔ اور پہلے قول کے قائل اصولیوں کا ایک گروہ اور مالکیہ میں سے ابوبکر بن العربی وغیرہ ہیں اور دوسرے کے قائل جمہور ہیں۔ انتہی۔

امام شعرانی فرماتے ہیں کہ میں نے بحمد اللہ تعالیٰ ایک میزان وضع کی تھی جس میں ان دونوں اقوال کے دلائل کی وضاحت کی تھی۔ پھر

جب میں نے اہل مذاہب پر اپنے امام کے قول پر پابندی اور اس کے غیر کے اقوال کے ساتھ عدم دلچسپی کا غلبہ دیکھا سوائے ضرورت کے تو میں نے اس سے رجوع کر لیا۔

بیان اجمال کا تسلسل

اور میں نے سید علی الخواص رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہمارا کوئی قول پورا نہیں ہوا مگر اس کی اصل اجمالی طور پر کتاب وسنت میں موجود ہے اور اگر یہ نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہ فرماتا لتبین للناس مانزل الیھم (النحل آیت ۴۴۔ تاکہ آپ لوگوں سے کھول کر بیان کریں جو ان کی طرف نازل کیا گیا) بلکہ بیان کے بغیر آپ کا قرآن پاک پہنچا دینا ہی کافی تھا۔

فرماتے ہیں: اور چونکہ معلوم تھا کہ عبارت کی تفصیل عبارت ہی کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جو کچھ مجملاً بیان فرمایا۔ رسل علیہم السلام اس کی تفصیل میں حق تعالیٰ کے قائم مقام ہوئے۔ اور مجتہدین اس کی تفصیل کے لئے رسل علیہم السلام کے قائم مقام ہوئے جو انہوں نے اپنی گفتگو میں مجمل بیان فرمایا اور مجتہدین کے پیروکار مجتہدین کے مجمل کلام کی تفصیل میں ان کے قائم مقام ہوئے۔ اور ان کے بعد سے آج تک ہر دور والوں کے کلام میں یہی قول ہے کہ ہر دور والے اپنے سے پہلے دور والوں کے اجمال کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔ اور اگر یہ نہ ہوتا کہ اس اجمال کی حقیقت عالم میں سرایت کئے ہوئے ہے تو کتابوں کی شرحیں نہ لکھی جاتیں۔ ایک زبان سے دوسری زبان میں ان کا ترجمہ نہ کیا جاتا۔ نہ ہی بعض کی تفسیر اور اس کی شروح پر لوگ حواشی لکھتے بلکہ بسا اوقات حواشی پر حواشی لکھے گئے۔ اور اس میں راز یہ ہے کہ شارع علیہ السلام کے علاوہ جب کوئی کسی حکم شرعی پر کلام کرتا ہے تو اسے ممکن نہیں کہ ان تمام سوالات اور احکام کو ذہن میں حاضر کرے جو کہ اس عبارت پر وارد ہوتے ہیں حتیٰ کہ اس عبارت میں انہیں بیان کرے۔ بلکہ اکثر احکام بھول جاتے ہیں۔ بخلاف شارع علیہ السلام کے کیونکہ آپ کلام نہیں کرتے مگر اپنے رب تعالیٰ کی طرف سے وحی کے ساتھ۔ خطا سے اور معانی کے نقص اور اس پر اعتراض کی صحت سے معصوم ہیں۔ وما کان ربک نسیا (مریم آیت ۶۴۔ اور آپ کا رب بھولنے والا نہیں) اور شارع کا غیر اس کے برعکس ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا (النساء آیت ۸۲ اور اگر وہ غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو اس میں ضرور اختلاف کثیر پاتے)

اخلاف کا اسلاف پر احسان

پس معلوم ہوا کہ ہر دور والے اپنے بعد والوں پر باعث رحمت ہیں جس طرح کہ پیروی کرنیوالے خلف کا اس حیثیت سے اپنے متبوع سلف پر احسان ہے کہ اس نے اپنے متبوع کا علم حاصل کیا اور اس کا ثواب اس کے صحائف میں لکھا گیا۔ پس ساری امت محمدیہ کے علوم سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحائف میں ہیں مگر آپ پر کسی احسان کے بغیر۔ بخلاف آپ کے علاوہ مجتہدین وغیرہم کے۔ پس سمجھ لے۔ پس حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مجتہدین اور قیامت تک ان کے کے مقلدین پر احسان ہے کہ آپ نے انہیں وہ مواد عطا فرمایا جس سے وہ احکام کا استنباط کرتے ہیں۔ جبکہ مجتہدین کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کوئی احسان نہیں۔ البتہ ان کا احسان قیامت تک...... ان کی تقلید کرنیوالوں پر ہے۔ اگر تابع نہ ہوتا تو مخلوق سے ہر دور میں اس کے مطابق متبوع کا کمال ظاہر نہ ہوتا۔ پس سمجھ لے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا احسان بحوالہ احادیث شریفہ

اور اسی طرح اگر شارع علیہ السلام مجملات قرآن کریم کا احادیث شریعت کے ساتھ بیان نہ فرماتے تو قرآن کریم آج تک اپنے اجمال پر رہتا۔ اور ہم نماز ادا کرنے کی کیفیت اور نہ ہی طہارت پہچان سکتے۔ نہ ہی ہمیں نواقض طہارت کا پتہ چلتا۔ اور زکوٰۃ کے نصاب، اس کی شرائط، واجبات، روزہ، حج، ان کے مفسدات، کیفیت عقود، معاملات اور ان کے علاوہ دیگر معلومات کی پہچان نہ ہوسکتی۔ اور اسی طرح اگر مجملات شریعت کو مجتہدین اپنے مقلدین کے لئے بیان نہ کرتے تو سنت اپنے اجمال پر رہتی۔ اور ان کے بعد ہر دور کے بارے میں تا قیامت اسی طرح کلام ہے۔ ہر دور اپنے سے پہلے دور والوں کے کلام کی تفصیل کرتا ہے اور جس نے گمان کیا کہ مجتہدین نے مجملات قرآن کو سنت کے بیان کے واسطہ کے بغیر پہچانا تو وہ ہمیں اس کی ایک مثال پیش کرے اور شاید کہ وہ پا نہ سکے۔

مذکور الصدر مسئلہ کی وضاحت

اور اس کی وضاحت یہ ہے کہ کسی تابع کے لئے کبھی بھی اپنے متبوع کے علم کے دائرے کے بغیر کوئی علم نہیں جیسا کہ کشف اولیاء اپنے نبی علیہ السلام کی کتاب اور ان کی سنت سے آگے نہیں گذر سکتا۔ اور اس تقدیر پر کہ وہ اپنے کشف کے طریق سے ہمارے پاس علم لاتا ہے تو اسے کتاب وسنت پر پیش کرنے اور اس کے ان دونوں کے موافق ہونے کے بعد ہی ہمارے لئے اس پر عمل جائز ہوگا اور سنن بیہقی میں ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے جب شریح کو مرتبہ قضا سونپا تو ان سے فرمایا: غور وفکر کرنا۔ پس تجھے اللہ عزوجل کی کتاب میں جو صریح بیان مل جائے تو اس کے متعلق کسی سے سوال نہ کرنا۔ اور جو کتاب اللہ سے تیرے لئے ظاہر نہ ہو تو اس میں سنت سید عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرنا۔ اور جو تجھے سنت سے ظاہر نہ ہو تو اس میں اپنی رائے سے اجتہاد کرنا۔ اور اگر تو چاہے تو مجھ سے مشورہ کر لینا۔ اور مجھ سے تیرا مشورہ کرنا تیرے لئے زیادہ سلامتی والا ہوگا۔ انتہی۔

اور تمام مجتہدین اللہ تعالیٰ کے دین کے بارے میں قول بالرائے سے بری ہیں جیسا کہ اسے ہم نے اپنی کتاب المنہج المبین فی بیان ادلۃ المجتہدین کے مقدمہ میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اور یہ اسلام میں ایک بے مثل تصنیف ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کر۔

اکابر اسلام کے اقوال کا خلاصہ

اور اس میں ان کے اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ بیہقی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عمر بن خطاب سے روایت کی ہے کہ آپ جب لوگوں کو فتوی دیتے تو فرماتے یہ عمر کی رائے ہے۔ اگر درست ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور خطا ہے تو عمر کی طرف سے۔ اور استغفر اللہ کہتے۔ اور بیہقی نے حضرت عبد اللہ بن عباس، عطاء، مجاہد اور مالک بن انس رضی اللہ عنہم سے بھی روایت فرمائی کہ یہ حضرات فرمایا کرتے تھے کہ نہیں ہے کوئی مگر اس کے کلام سے کچھ مقبول ہے اور کچھ غیر مقبول سوائے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے۔ اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ جو میری دلیل نہیں پہچانتا اسے میرے قول پر فتوی نہیں دینا چاہیے۔ نیز جب فتوی دیتے تو فرماتے کہ یہ نعمان بن ثابت کی رائے ہے (اس سے مراد ان کی اپنی ذات ہے) اور یہ سب سے اچھا قول ہے جس پر ہم قادر ہوئے۔ اور جو اس سے زیادہ اچھا قول لائے تو وہ زیادہ صحیح ہے۔ اور امام مالک فرماتے ہیں کہ ہر کسی کا قول مقبول بھی ہے اور غیر مقبول بھی سوائے

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے۔اور حاکم اور بیہقی نے امام شافعی رضی اللہ عنہ سے روایت فرمائی کہ آپ فرماتے ہیں جب حدیث صحیح ہو تو وہ میرا مذہب۔اور ایک روایت میں ہے کہ جب تم دیکھو کہ میرا قول حدیث کی مخالفت کرتا ہے تو حدیث پر عمل کرو اور میرا کلام دیوار پر دے مارو۔اور ایک دن مزنی سے فرمایا: اے ابراہیم! میں جو کچھ کہوں اس کی تقلید نہ کیا کرو۔اس میں اپنے لئے خود غور وفکر کرو کہ یہ دین ہے۔اور فرماتے ہیں کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا کسی کے قول میں حجت نہیں۔گرچہ کثیر ہوں۔قیاس میں نہ کسی چیز میں۔یہاں تو صرف سر تسلیم خم کر کے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ السلام کی طاعت ہی ہے۔اور ہم نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے رائے سے بری ہونے کے متعلق جو کچھ منقول ہے ایک جز ونقل کیا ہے اور بیشک امام احمد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کسی کے لئے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے ہوتے ہوئے کلام نہیں۔

امام شعرانی فرماتے ہیں اسی لئے فقہ میں کبھی بھی آپ کے لئے کسی کتاب کی تدوین نہیں کی گئی۔اور ان کا سارا مذہب اب تک لوگوں کے سینوں سے وابستہ ہے۔اور ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ آپ نے نماز کے متعلق تیس ہزار مسائل وضع فرمائے۔ایک شخص نے ایک دفعہ آپ سے مسئلہ پوچھا تو فرمایا میری تقلید مت کرو اور مالک اور اوزاعی اور نخعی وغیرہم کی تقلید ہرگز نہ کرو۔اور احکام وہاں سے حاصل کرو جہاں سے انہوں نے حاصل کئے یعنی کتاب وسنت سے۔ انتہی۔

امام شعرانی فرماتے ہیں یہ اس شخص پر محمول ہے جسے قوت اجتہاد عطا کی گئی۔رہا ضعیف تو اس پر ائمہ میں سے کسی ایک کی تقلید واجب ہے۔ورنہ ہلاک اور گمراہ ہو جائے گا۔(اقول وباللہ التوفیق ماقبل میں ائمہ مجتہدین کے اقوال سے یہی مراد ہے کہ جو منصب اجتہاد سے فروتر ہیں وہ تو تقلید ہی کریں گے اور جہاں نفی تقلید کا حکم ہے اس سے مراد صلاحیت اجتہاد والے ارباب علم وفضیلت مراد ہیں۔اور جہاں یہ ارشاد ہے کہ مجتہدین میں سے کسی کا خلاف حدیث قول نہ مانا جائے۔اس سے مراد یہ ہے کہ کسی امام مجتہد کا کوئی قول بھی کتاب وسنت کے خلاف نہیں۔اگر ہے تو اسے رد کر دو۔یہ تعجیزاً فرمایا یعنی کوئی قول ایسا ہے ہی نہیں تو رد کیا کریں گے۔اس میں غیر مقلدین زمانہ کے لئے خلاف تقلید کوئی دلیل نہیں۔اگر ان اقوال سے مراد مطلقاً نفی تقلید ہے تو پھر ان اکابر نے اجتہاد کیا ہی کیوں ہے۔(محمد محفوظ الحق غفرلہ ولوالدیہ)

استنباط احکام کے متعلق مجتہدین کی دلیل

اگر تو کہے کہ پھر احکام کے استنباط کے بارے میں مجتہدین کی کیا دلیل ہے اور کیا وہ صریح حکم پر واقف نہ ہو سکے؟ تو جواب یہ ہے کہ اجتہاد کے متعلق ان کی دلیل شب معراج حضور علیہ السلام سے نمازوں کے متعلق واقع ہونے والا آپ کا اجتہاد ہے جو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اپنے رب کے مابین بار بار آنے جانے کی صورت میں واقع ہوا۔بیشک اللہ تعالیٰ نے جب امت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پچاس نمازیں فرض کیں تو انہیں لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام تک اترے کچھ کہا نہ اعتراض کیا۔نہ ہی یہ کہا کہ یہ زیادہ ہیں۔پس جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپ سے کہا کہ اپنے رب کی طرف مراجعت فرمائیں تو آپ اس حیثیت سے حیران سے رہ گئے کہ امت پر آپ کی شفقت آپ سے ان پر تخفیف کا مطالبہ کرتی ہے تاکہ ان تکالیف کے بوجھ سے وہ تنگی، ملال اور شدت میں نہ گر پڑیں۔تو جب متحیر ہوئے تو ترجیح طلب کرنے لگے کہ دونوں میں سے کون سا حال بہتر ہے۔اور یہی اجتہاد ہے تو جب آپ کے نزدیک اس حال کو ترجیح ہوئی کہ اپنے رب کی طرف لوٹیں تو آپ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قول کی طرف رجوع کیا اور اسے اپنے رب عزوجل کے

اذن سے اپنی امت میں جاری فرمایا۔اوراذن الٰہی سے آپ کی امت کے احکام کی تشریع میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے اس کا انس دلانا ہے جو آپ سے صادر ہوتا کہ آپ اجنبیت محسوس نہ کریں علاوہ ازیں امت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو بیان شریعت بیان ہوا اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قلب کی شکستگی کا علاج بھی ہے۔ بیشک ضروری ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب اپنے قلب میں غور کیا اور وفور شفقت کے جس حال پر آپ تھے وہ خفیف ہوا تو اللہ تعالیٰ کو جس نے امت محمدیہ کو پچاس نمازوں سے ساتھ مکلف فرمایا ان پر موسیٰ سے زیادہ مہربان پاتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ پچاس تو عبادت میں اللہ تعالیٰ کے جلال کے لئے کم سے کم تھیں۔اور اس نے انہیں بندوں پر کثیر قرار نہیں دیا۔اور یہ بھی جان لیا کہ اگر ان پر پچاس نمازیں جاری فرمادیتا تو ضروری تھا کہ انہیں اس کی تعمیل کی قوت بھی عطا فرمادیتا۔ کیونکہ قوت اللہ تعالیٰ کے دست مقدس میں ہے۔اور وہ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مراجعت کے معاملہ میں اپنے قول پر نادم ہوئے تو آخری چکر میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے قلب کو اپنے اس قول کیساتھ قوت بخشی **مایبدل القول لدی** (ق۔آیت ۲۹۔میرے ہاں قول بدلا نہیں جاتا) اور آپ کو اس پر اطلاع دے کر اس عطا فرمایا کہ اس سے پہلے یہ قول ایسا حکم تھا جو تبدیلی قبول کرتا تھا اور اسی لئے آپ اس قول سے خوش ہوئے اور آپ کو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی قول بدل سکتا ہے اور کوئی قول تبدیلی قبول نہیں کرتا۔اور جان لیا کہ آپ کا وہ کلام جس پر آپ اس حیثیت سے نادم ہوئے کہ حق تعالیٰ علیم وخبیر کے فرض کے ساتھ معارضہ ہوا صرف آپ سے اس وقت واقع ہوا جبکہ وہ تبدیلی قبول کرنیوالا حکم تھا نہ کہ جب اللہ تعالیٰ سے وہ قول ثابت دواجب ہو چکا۔پس پتہ چلا کہ ائمہ مجتہدین کے اجتہاد بطور شریعت جاری کرنے میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب پاک کی تقویت ہے۔پس یہ ان لئے آپ کا اسوہ ہوگیا۔پس یہ ہے مجتہدین کے لئے اجتہاد کا منشا۔

امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ استنباط احکام پر ائمہ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد نے حوصلہ عطا کیا **من سنة حسنة فله اجر ها و اجرمن عمل بها** یعنی جس نے اچھا طریقہ جاری کیا تو اس کے لئے اس کا اجر ہے اور اس کا بھی جس نے اس پر عمل کیا۔پس سمجھ لے۔

حکم مجتہدین میں طعن نہیں

اگر تو کہے کہ کیا کسی کے لئے قول مجتہد میں طعن جائز ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ کسی کے لئے حکم مجتہد میں طعن جائز نہیں ہے۔ کیونکہ شارع علیہ السلام نے حکم مجتہد کو برقرار رکھا ہے تو اللہ تعالیٰ کے اسے برقرار رکھنے کی وجہ سے وہ شرع الٰہی ہوگیا۔تو جس نے کسی معین مجتہد کو خطا کار قرار دیا تو گویا اس نے شارع کو اس میں خطا کار کہا جسے اس نے بطور حکم برقرار رکھا۔اور اس مسئلہ کی ممنوع صورت میں کئی اصحاب مذاہب گر پڑتے ہیں کہ جس پر ہم نے انہیں خبردار کیا ہے وہ انہیں مستحضر نہیں ہوتا۔ باوجودیکہ انہیں اس کا علم ہوتا ہے۔اسے شیخ نے فتوحات کے باب مسح الخف میں ذکر کیا ہے۔اور اس کے باب الوصایا میں فرماتے ہیں کہ مجتہدین میں سے کسی پر طعن کرنے سے بچو۔اور تم کہتے ہو کہ یہ لوگ معارف واسرار سے محجوب ہیں جس طرح کہ اس میں صوفی کہلانے والے جاہل گر پڑتے ہیں۔ کیونکہ یہ مقام ائمہ سے ناواقفیت ہے۔ بیشک مجتہدین کے لئے علم غیوب میں پختہ قدم ہے۔پس یہ حضرات گرچہ ظن کے ساتھ فیصلہ کرتے ہیں۔تو ظن ایک علم ہے اور ان کے اور اہل کشف کے درمیان صرف طریقے کا اختلاف ہے اور وہ اپنے اجتہاد کے ساتھ امت کے لئے شریعت بیان

کرنے کی حیثیت سے رسل علیہم السلام (کی نیابت میں) ان کے مقامات میں ہیں جس طرح کہ رسل علیہم السلام نے اپنی امتوں کے لئے شرائع متعین فرمائے۔

مدح مجتہدین

اور آپ ۳۶۹ ویں باب میں مجتہدین کی مدح میں طویل کلام کے بعد فرماتے ہیں: پس معلوم ہوا کہ مجتہدین ہی وہ حضرات ہیں جو کہ درحقیقت انبیاء کے وارث ہیں کیونکہ وہ من حیث الاجتہاد انبیاء و رسل کی منازل میں ہیں۔ اور یہ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لئے احکام میں اجتہاد مباح قرار دیا۔ اور یہ امر شارع سے شریعت بیان کرنا ہے۔ پس ہر مجتہد اجتہاد کے ساتھ بیان شریعت کی حیثیت سے راستگو ہے جس طرح کہ ہر نبی معصوم ہے۔ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجتہدین کو اس کے ساتھ شرف بندگی اس لئے بخشا تاکہ انہیں بیان شریعت میں کچھ حصہ مل جائے اور اس میں ان کے لئے قدم راسخ ثابت ہو۔ اور آخرت میں ان کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا ان پر کوئی مقدم نہ ہو۔ پس اس امت کے علماء شریعت محمدیہ کے محافظوں کا حشر انبیاء و رسول کی صفوں میں ہوگا نہ کہ امتوں کی صفوں میں۔ پس نہیں ہوگا کوئی رسول مگر اس کے پہلو میں اس امت کے علماء میں سے ایک یا دو یا تین یا اس سے زیادہ علماء ہوں گے۔ اور ان میں سے ہر عالم کے لئے علم احکام، احوال، مقامات اور منازلات میں درجہ استاذیت ہے۔ یہاں تک کہ اس بارے میں امر خاتم ائمہ مجتہدین محمدیین تک پہنچتا ہے جو کہ مہدی علیہ السلام ہیں۔ انتہی۔

علی آل محمد سے کیا مراد ہے؟

نیز شیخ نے فتوحات کے باب الجنائز میں فرمایا کہ شارع علیہ السلام نے ہمیں اپنے قول **اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی ابراھیم** کے ساتھ اپنی آل علماء پر درود بھیجنے کا صرف اسی لئے حکم دیا ہے تاکہ آپ کی آل کے لئے جو کہ مجتہدین ہیں وحی (القاء) سے اسی کی مثل تشریع بالاجتہاد حاصل ہو جو کہ آل ابراہیم کے لئے حاصل ہے جو کہ حضرت اسحاق، یعقوب اور یوسف علیہم السلام ہیں گرچہ مقامات مختلف ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے آپ کی امید ثابت فرمادی ہے۔ اور وحی مجتہدین ان کے اجتہاد میں کردی۔ کیونکہ مجتہد فیصلہ نہیں کرتا مگر اسی کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ نے اسے اس کے اجتہاد میں دکھایا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے مجتہد پر حرام کردیا کہ اس کی مخالفت کرے جہاں اس کا اجتہاد پہنچائے۔ جس طرح کہ رسل علیہم السلام پر اس وحی کی مخالفت حرام کردی گئی جو ان کی طرف کی گئی۔ تو معلوم ہوا کہ اجتہاد تشریع کی مہکوں میں سے ایک مہک ہے۔ عین تشریع نہیں۔ اور یہ کہ **اللھم صل علی آل محمد کما صلیت علی آل ابراھیم** کا معنی یہ ہے کہ جس طرح تونے آل ابراہیم کو اپنے دربار میں تشریع و وحی عطا کرکے انبیاء و رسل کا مرتبہ مرحمت فرمایا پس آل محمد پر رحم فرما۔ اور تیری رحمت سے یہ ہے کہ تو میری امت کے خواص کو اجتہاد کے ساتھ شریعت بیان کرنے والے بنادے۔ اور الحمد للہ ایسا واقع ہوا ہے۔ پس مجتہدین اس حیثیت سے انبیاء کے مشابہ ہوئے کہ شارع نے ان کے لئے ہر مجتہد فیہ مسئلہ برقرار رکھا اور اسے حکم شرعی قرار دیا۔

تمام مجتہدین کے لئے مقام وراثت محمدی میں غیر معروف قدم راسخ ہے

اور شیخ نے ۱۶۱ ویں باب میں فرمایا: جان لے کہ تمام مجتہدین کے لئے وراثت محمدی کے مقام میں قدم راسخ ہے لیکن وہ پہچانتے نہیں کہ وہ اس مقام میں ہیں۔ اور اسی لئے اس مقام سے امداد الٰہیہ کے ان کی طرف علوم کے ساتھ سرایت کی وجہ سے ان کے بعض نے بعض

سے مناظرہ کیا۔ اور ہر ایک نے اپنے ساتھی سے مطالبہ کیا کہ وہ اس وجوب یا تحریم یا استحباب یا کراہت کی طرف رجوع کرے جو اس کے لئے دلائل کے ساتھ ظاہر ہوا۔ اور جس طرح وہ یہ نہیں پہچانتے کہ وہ اس مقام میں ہیں اسی طرح کشف اور مشاہدہ کے طور پر یہ بھی نہیں پہچانتے کہ وہ کس سے امداد لے رہے ہیں۔ اسے صرف دلائل کے واسطے سے پہچانتے ہیں۔ پس ہر مجتہد حق پر ہے کیونکہ وہ سب، کے سب سرچشمہ شریعت سے فیض پا رہے ہیں۔ جس طرح کہ ہر نبی جو کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ مبارک سے پہلے ہے برحق ہے۔ اور اس پر ایمان واجب ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اس امت کے مجتہدین بیان شریعت میں ورثۃ الانبیاء ہیں۔ لیکن مستقل بالشرع نہیں ہیں۔ کیونکہ اگر وہ مواخذہ ہوتا جو کہ شارع نے انہیں اپنی شرع سے عطا فرمایا تو وہ تشریع مذکور پر قادر نہ ہوتے۔ پس ان کے دلائل ان کے لئے اس وحی کے قائم مقام ہیں جو کہ انبیاء کے لئے ہے۔ اور ان کے اجتہاد کا اختلاف شرائع رسل کے اختلاف کی طرح ہے۔ مگر وہ رسل کے ساتھ ملحق نہیں ہیں کیونکہ کشف یقینی نہیں ہے۔ پس بیشک ان میں سے ایک کسی حکم کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے پھر اس کے لئے اس کے خلاف ظاہر ہوتا ہے تو اس سے رجوع کر لیتا ہے بخلاف انبیاء کے کہ وہ پہلے حکم کو ترک نہیں کرتے مگر جدید امر کے ساتھ جو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر اس کے حکم کے نسخ کے ساتھ وارد ہوا۔ پس وہ اپنے علم کی حالت میں اور اپنی ترک کی حالت میں امر شارع کے تابع ہیں۔ اپنی رائے سے خارج ہیں۔ جس طرح کہ اس کی طرف اللہ تعالیٰ کے اس قول کا اشارہ ہے **لتحکم بین الناس بما اراك الله** (النساء، آیت ۱۰۵۔ تاکہ آپ لوگوں میں اس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دکھایا) اور داؤد علیہ السلام کی خلافت کے بارے میں فرمایا **ولا تتبع الهوى فيضلك عن سبيل الله** (ص آیت ۲۶۔ اور ہوائے نفس کی پیروی نہ کیا کرو وہ تمہیں راہ خدا سے بہکا دے گی) پس اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کو اور آپ کے علاوہ دوسروں کے حکم کو اس کے ساتھ خاص کر دیا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو دکھایا اور آپ سے یہ نہیں فرمایا احکم بما رأیت کہ جو آپ دیکھیں اس کے مطابق فیصلہ کریں۔ بلکہ جب آپ نے حضرت عائشہ اور حفصہ رضی اللہ عنہما کے واقعہ میں قسم کے ساتھ اپنے اوپر وہ کچھ حرام فرمایا جو فرمایا تو ہمارے لئے بیان شریعت کے طور پر آپ پر عتاب فرمایا۔ پس ارشاد ہوا **يايها النبى لم تحرم ما احل الله لك تبتغى مرضاة ازواجك** (التحریم آیت ۱۔ اے نبی (مکرم) آپ اس چیز کو کیوں حرام کرتے ہیں جسے اللہ نے آپ کے لئے حلال کر دیا۔ اپنی ازواج کی خوشنودی کے لئے) پس یہ وہ چیز ہے جو آپ کے نفس شریفہ نے آپ کو دکھائی۔ اور ظاہر ہو گیا کہ بما اراک اللہ سے مراد وہ وحی ہے جو آپ کی طرف اتاری گئی۔ نہ کہ وہ جسے آپ اپنی رائے سے دیکھیں۔ تو اگر دین رائے کے ساتھ ہوتا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رائے ہر رائے سے افضل تھی۔ اور شیخ محی الدین نے اس کے متعلق ۳۸۰ویں باب میں طویل گفتگو فرمائی ہے۔

پھر فرمایا: اور جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس کے بارے میں عتاب نازل ہوا جو آپ نے نفس شریفہ نے دکھایا تو اس کی رائے کا کیا مقام جو معصوم نہیں۔ اور درست گوئی کی بہ نسبت خطا اس کے زیادہ قریب ہے۔ اور اس میں طویل کلام کیا۔

پھر فرماتے ہیں کہ جس اجتہاد کا ذکر رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس سے مراد درپیش مسئلہ میں نفس حکم پر دلیل طلب کرنے میں اجتہاد ہے۔ نہ کہ پیش آنیوالے حادثہ میں مجتہد کے نفس کی طرف سے کوئی حکم بطور شریعت لانا۔ کیونکہ یہ ایسی شرع ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اذن نہیں دیا۔

(اقول وما توفیقی الا باللہ۔ امت کے لئے قسم کے کفارہ کی تشریع کے لئے وہ واقعہ رونما ہوا جس کی طرف **تبتغى مرضاة ازواجك**

میں اشارہ کیا گیا۔ کہ اگر امتی کوئی کام کرنے کا یا نہ کرنے کے متعلق قسم کھالے اور پھر قسم توڑ دے تو کفارہ ادا کرے۔ ورنہ حضور نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرب خداوندی کے اس مقام پر ہیں کہ عوارض وعوائق نفس کا کوئی شائبہ نہیں۔ ماقبل میں شیخ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق جو لکھا ہے کہ آپ پر عتاب ہوا اصل میں یہ ذات حق کی طرف سے محبت کا خطاب ہے۔ اور آپ کے آستان مقدس کی عظمت وفضیلت کا بیان کہ اس کے نجی امور کا اہتمام وانتظام بھی دربار خداوندی سے ہوتا ہے۔ یاد رہے کہ آپ کی رائے اشتراک لفظی کی بناپر عام کی رائے جیسی نہیں۔ بلکہ یہ تو موید من اللہ ہے۔ آپ کی رضا کے احترام میں تحویل کعبہ ہوئی۔ رب العزت نے آپ کو خصوصی اختیارات عطا فرمائے چنانچہ ملا علی قاری شرح مشکوۃ حصہ دوم ص ۳۲۳ میں فرماتے ہیں **ومن ثم عد ائمتنا من خصائصه عند السلام ان يخص من شاء بما شاء** ہمارے ائمہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص میں سے اسے بھی شمار فرمایا ہے کہ آپ جو چاہیں جس کے ساتھ چاہیں مختص فرمادیتے ہیں۔ چنانچہ امام یوسف النبہانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی عظیم تالیف جواہر البحار حصہ دوم ص ۱۸ میں المواہب اللدنیہ امام قسطلانی سے، امام نوی کی کتاب تہذیب الاسماء واللغات سے، امام مقری یمنی کی کتاب المعروض سے، [illegible] سے جو کہ شیخ الاسلام نے کی، اور اس کے حاشیہ سے جو کہ شہاب رملی نے لکھا ہے مختلف مقالمت پر حضور علیہ السلام کے خصائص تحریر فرمائے۔ نیز خود امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کشف الغمہ عن جمیع الامۃ میں بعینہ وہی الفاظ ذکر فرمائے ہیں جو کہ ملا علی قاری نے لکھے۔ اور وہ یہ ہیں۔ **كجعله شهادة خزيمه بن ثابت بشهادتين** (رواہ البخاری) **وكتر خيصه في النياحته لام عطيه في آل فلان** (رواہ مسلم) **قال النووى للشارع ان يخص من العموم ماشاء و بالتضحيته بالعناق لابى برده بن نيار** وغیرہ۔ یعنی جیسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اکیلے خزیمہ بن ثابت کی گواہی کو دو گواہوں کے برابر قرار دیا۔ اور ام عطیہ کو نوحہ کرنے کی رخصت عطا فرمائی اور نووی فرماتے ہیں کہ حضرت شارع کو اختیار ہے کہ عموم حکم سے جو چاہیں خاص کر دیں۔ اور ابو بردہ بن نیار، غیرہ کو سال سے کم عمر کی بکری کی قربانی کرنے کی رخصت مرحمت فرمائی۔ اور کشف الغمہ میں یہ الفاظ بھی مذکور ومنقول **واسلم رجل على انه لا يصلي الا صلاتين فقبل منه ذالك** ۔ ایک شخص نے اس شرط پر اسلام قبول کیا کہ صرف دو نمازیں پڑھے گا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبول فرمایا۔ تصریحات بالا سے جو کہ اکابر محدثین اور صوفیاء سے صادر ہوئیں معلوم ہوا کہ شیخ کا مقصد یہ ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رائے صرف رائے نہیں بلکہ فیصلہ حق ہے کہ اس کے اختیار عطا کرنے کی وجہ سے آپ کا کہا ہوا شریعت ہے۔ اور متعلقہ شخصیت کے لئے اس پر عمل وجہ سعادت۔ **فالحمد لِللّٰه رب العالمين** ۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ ولوالدیہ)

اجتہاد کا مادۂ اشتقاق

اگر تو کہے کہ اجتہاد کس سے مشتق ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ یہ جہد سے لیا گیا ہے۔ اور وہ توانائی صرف کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس کی توانائی کے مطابق۔ اور یہیں سے بعض نے مجتہد کے لئے جب اس سے خطا ہو حصول اجر کا حکم عام کیا گرچہ اصول میں ہو۔ لیکن جمہور نے اجر صرف اس کے لئے خاص کیا جو فروع میں خطا کرنے نہ کہ اصول میں۔ باوجودیکہ خطاء کو فروع کے ساتھ خاص کرنا بھی اجتہاد ہی ہے۔ اور شارع نے ہر وہ علم برقرار رکھا ہے جو بواسطہ اجتہاد حاصل ہو۔ اور اسے مجتہد کے حق حکم شرعی قرار دیا ہے۔ اس پر اس کی خلاف ورزی حرام ہے۔

اگر تو کہے کہ کیا شارع علیہ السلام کا حکم مجتہد کو برقرار رکھنا اس کے بعد قیامت تک باقی ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ ہاں۔ کسی کے لئے جائز نہیں کہ اسے توڑے۔ اور امام لیث بن سعد نے امام مالک کی خدمت میں ایک سوال بھیجا اور جواب طلب کیا۔ تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی طرف لکھ بھیجا۔ اے بھائی! آپ امام ہدی ہیں۔ اور اس مسئلہ میں اللہ تعالیٰ کا حکم وہ ہے جس کی طرف اجتہاد راہنمائی کرے۔ انتہی۔

کل مجتہد مصیب کی وضاحت

اگر تو کہے کہ جب تمہارے نزدیک ہر مجتہد راست گو ہے تو اس حدیث کا جواب کیا ہے ''اذا اجتھد الحاکم واخطافلہ اجر وان اصاب فلہ اجران'' ۔ کہ جب حاکم اجتہاد کرے اور خطا کا مرتکب ہو تو اس کے لئے ایک اجر ہے اور اگر درست کرے تو اس کے لئے دو اجر ہیں؟ تو جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں خطا سے مراد مجتہد کو کتاب وسنت کی وہ دلیل نہ ملنا ہے جو کہ اس مسئلہ میں وارد ہوئی۔ تو اس کے لئے ایک اجر ہے اور وہ تجسس کا اجر ہے۔ اور اگر اس نے دلیل پالی ہوتی تو اس کے لئے دو اجر ہوتے۔ تجسس کا اجر اور دلیل پا لینے کا اجر۔ ابن حزم ظاہری وغیرہ نے اسی طرح جواب دیا ہے۔ اور شیخ محی الدین نے فتوحات میں نماز کسوف پر کلام کرتے ہوئے کہا ہے: جان لے کہ مجتہد سے واقع ہونے والی خطا بمنزلہ گرہن کے ہے جو کہ سورج کے لئے رات میں یا چاند کے لئے دن میں واقع ہوتا ہے۔ تو جیسے اس کا کوئی اعتبار نہیں اسی طرح مجتہد کے لئے کوئی بوجھ نہیں جب وہ حکم میں غلطی کرے۔ بلکہ وہ اجر پانے والا ہے۔ یہ اس توجیہ پر ہے کہ مجتہد کی خطا سے مراد نفس حکم میں اس کی خطا ہو جیسا کہ یہ ذہنوں میں وارد ہوتا ہے۔ رہا اس صورت میں جو ابن حزم ظاہری نے بیان کی ہے تو حکم میں مجتہد کی خطا درست نہیں کیونکہ اگر حکم میں اس کی خطا صحیح ہو تو وہ شرع سے خارج ہو گیا اور جب شرع سے خارج ہو گیا تو اس کے لئے کوئی اجر نہیں۔

اجتہاد اسی امت کا خاصہ ہے

اگر تو کہے کہ اجتہاد کیا اسی امت محمدیہ کے ساتھ خاص ہے یا اس میں اور اس کے علاوہ دیگر امتوں میں بھی ہے؟ اور کیا قیامت کے دن تک باقی ہے یا نہیں؟ تو جواب یہ ہے کہ یہ اس امت کے ساتھ خاص ہے جیسے کہ شیخ نے فتوحات میں اس کی صراحت فرمائی ہے۔ اور یہ قیامت تک باقی ہے حتیٰ کہ امام مہدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ظہور ہو جائے پس ان کے لئے مجتہد کا اجر ہے۔ اور شیخ محی الدین فتوحات کے کتاب الجنائز میں فرماتے ہیں: اور جب مرید اجتہاد مطلق کے مرتبہ تک پہنچ جاتا ہے تو اس پر اپنے شیخ کے قول کی طرف رجوع حرام ہو جاتا ہے مگر یہ کہ اس کے شیخ کی دلیل اس کی دلیل سے زیادہ واضح ہو۔

اگر تو کہے کہ کیا یہ زیادہ بہتر ہے کہ جسے مجتہد مشروع کرے اسے سنت کہا جائے یا اسے بدعت حسنہ کہا جائے تو جواب یہ ہے کہ زیادہ مناسب یہ ہے کہ اب سنت حسنہ کا نام دیا جائے۔ رہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تراویح کے متعلق نعمت البدعۃ کہنا تو یہ اس پر اعتراض وارد نہیں کرتا کیونکہ آپ کا نعمت البدعۃ ہی فرمانا اس کی تعریف ہے تو یہ اس طرف لوٹا کہ وہ حسنہ ہے۔

مذکور الصدر عنوان پر اعتراض اور اس کا جواب

اگر تو کہے کہ آپ نے جو یہ تقریر کی ہے کہ اجتہاد اس امت کے ساتھ خاص ہے اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اشکال وارد کرتا ہے

ورھبانیة ابتدعوھا ما کتبناھا علیھم الا ابتغاء رضوان اللہ فمارعوھا حق رعایتھا (الحدید آیت ۲۷ اور رہبانیت کو انہوں نے خود ایجاد کیا تھا۔ ہم نے اسے ان پر فرض نہیں کیا تھا البتہ انہوں نے رضاء الٰہی کے حصول کے لئے اسے اختیار کیا تھا پھر انہوں نے اس کی رعایت کا حق ادا نہ کر سکے) پس یہ اس بارے میں صریح کی طرح ہے کہ ہم سے پہلی امتوں میں اجتہاد تھا کیونکہ یہ ان چیزوں میں سے ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو رغبت دلائی ہے۔ اور یہ عموم کو چاہتا ہے۔

تو جواب یہ ہے کہ امتوں کا اجتہاد ہمارے اجتہاد جیسا نہیں ہے کیونکہ ان کے نبی علیہ السلام نے انہیں اس پر مقرر نہیں فرمایا۔ بخلاف ہمارے نبی علیہ السلام کے۔ کیونکہ آپ نے ہمیں اس پر برقرار رکھا ہے۔ پس ہمارا اجتہاد آپ کے مقرر کرنے کی وجہ سے آپ کی شریعت میں سے ہو گیا۔ پس ہمارا اجتہاد ان کے اجتہاد کے مشابہ نہیں۔ کیونکہ ان کا اجتہاد قوانین عقلیہ کے باب سے ہے بخلاف ہمارے اجتہاد کے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ ہمارے اور ہم سے پہلی امتوں کے اجتہاد کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ انہوں نے اس رہبانیت کو اپنے اجتہاد اور مصلحت عامہ یا خاصہ کی طلب کی بنا پر ہی ایجاد کیا جس کا ان کی شریعت کے دلائل نے تقاضا کیا۔ اور اس کی تائید حق تعالیٰ کے اس شخص کی تعریف کرنے سے ہوتی ہے جس نے اس کی رعایت کا حق ادا کیا۔ اور اس پر اسی لئے تعریف فرمائی کہ اس بارے میں اس کا قصد اور نیت اچھی ہے۔ باوجودیکہ انہوں نے اسے صرف اپنے لئے ایجاد کیا۔ نہ کہ عوام الناس کیلئے۔ نیز اس نے کہا کہ اس توجیہ پر آیت میں تقدیم و تاخیر ہے۔ فمارعوھا حق رعایتھا الا ابتغاء رضوان اللہ ۔یعنی انہیں اس رہبانیت کی رعایت کا حق صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ادا کیا۔ تو ان کی مذمت صرف ان کی ایجاد کردہ رہبانیت کا حق رعایت ادا نہ کرنے کی وجہ سے ہی کی گئی ہے۔ نہ کہ کسی اور وجہ سے۔ انتھی۔ اور اسی کی مثل شیخ محی الدین نے ۱۹۸ ویں باب میں ذکر کیا ہے۔ پس غور و فکر کیا جائے۔

تقلید مجتہد کرنیوالے عالم کا حکم

اگر تو کہے کہ علماء امت میں سے جو کسی مجتہد کی تقلید کرتا ہے کیا وہ اس کی بدولت ورثہ انبیاء میں سے شمار ہوگا یا وہ صرف اس مجتہد کا وارث ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ وہ صرف اس مجتہد کا وارث ہے۔ اور اس کے باوجود وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تابعین میں سے بھی شمار ہوتا ہے کیونکہ یہ آپ کی شرع کے مشمولات میں سے ہے۔ جبکہ ہماری گفتگو اس کے متعلق ہے جس میں شارع کی طرف سے نص نہ ہو۔ اور جس میں نص موجود ہو تو اس میں اجتہاد کبھی داخل نہیں ہوتا جیسے کہ جب شارع کسی چیز کی تحریم یا اس کے وجوب یا استحباب یا کراہت میں نص فرمائیں تو کسی کے لئے اس کی مخالفت کی گنجائش نہیں ہے وہ تو صرف سننا، طاعت کرنا اور سر تسلیم خم کرنا ہے۔ اور اگر فرض کیا جائے کہ کسی مجتہد نے اپنے اجتہاد کے ساتھ نص کی مخالفت کی ہے تو ہم پر اس کے قول پر عمل کرنا حرام ہے۔ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہ کے ہوتے ہوئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ابوجہل کی بیٹی سے ارادہ نکاح کے واقعہ میں جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا تو اس میں آپ کے اس قول پر غور کر کہ فاطمہ میرا جگر پارہ ہے مجھے ہر وہ چیز غمگین کرتی ہے جو اسے غمگین کرے اور مجھے وہ چیز خوش کرتی ہے جو اسے خوش کرے۔ اور مجھے اللہ تعالیٰ کے حلال کو حرام کرنے کا حق نہیں۔ نہ ہی اللہ تعالیٰ کے حرام کو حلال قرار دینے کا حق ہے۔ لیکن اگر ابن ابی طالب اس کا ارادہ کرتا ہے تو میری بیٹی کو طلاق دے دے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم اللہ تعالیٰ کے دشمن کی بیٹی رسول اللہ کی صاحبزادی کیساتھ ایک ہی شخص کے گھر میں کبھی نہیں رہ سکتی۔ پس اس وجہ الٰہی کی معرفت کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مطالبہ نہ فرمایا مگر حرام کو تحریم پر اور حلال کو

تحلیل پر باقی رکھنے کا۔ پس آپ نے حضرت علی پر ابوجہل کی بیٹی کا نکاح حرام نہ فرمایا جبکہ یہ کام ان پر حلال تھا۔ صرف یہ فرمایا کہ اگر ابن ابی طالب یہ چاہے تو مذکورہ وضاحت کے مطابق عمل کرے۔ پس ابن ابی طالب نے اس سے رجوع کر لیا۔ تو اگر مجتہدین میں سے کسی کے لئے حق ہوتا کہ اپنے اجتہاد کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حلال کو حرام قرار دے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے ساتھ حق دار تھے۔ اور آپ نے ایسا نہ کیا باوجودیکہ آپ کو کشف اتم اور حکم اعم حاصل ہے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اسے شیخ نے فتوحات ۲۰۲ باب میں ذکر کیا۔

(اقول وباللہ التوفیق۔ ماقبل میں کفارہ قسم کے متعلق جو حاشیہ مذکور ہے اور شیخ کی اس مذکورہ وضاحت میں کوئی تناقض یا تصادم نہیں کہ یہاں اس امر کی وضاحت ہے کہ حضور علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حلال کو حرام یا حرام کو حلال قرار نہیں دیتے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تحلیل حلال یا تحریم حرام تو آپ کی زبان مبارک سے ہی ظاہر ہوئی۔ اور حاشیہ میں درج چند ایک مسائل سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بے شمار خصائص میں سے ہیں۔ گویا یہ من جانب اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تخصیص ہے آپ کی طرف سے حلال وحرام کی تحریم وتحلیل نہیں۔ اور شیخ کی مذکور الصدر وضاحت کا مفہوم یہی ہے۔ جہاں تک اس وضاحت کے حوالے سے مجتہدین کا ذکر خیر ہے تو اس سے مراد ان کے دامن کو تحریم وتحلیل بالا جتہاد کے اعتراض کی آلودگی سے بچانا ہے۔ کہ یہ حضرات ایسا کام ہرگز نہیں کرتے کہ اس کا ثبوت تو سید الرسل مختار کل ہادی سبل جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی نہیں ہے۔ آپ کے ذیل کرم سے وابستہ اور آپ کے خوان کرم کے پروردہ مجتہدین سے ایسا کام کیوں کر صادر ہو سکتا ہے۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر خیر یہاں بطور مثال نہیں کیونکہ کائنات میں ان کی مثل کوئی ہے ہی نہیں جس کے لئے آپ کی مثال دی جائے۔ سچ فرمایا امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز نے

در دو عالم نیست مثل آں شاہ را　　در فضیلتہا و در قرب خدا

(محمد محفوظ الحق غفرلہٗ)

العلماء ورثۃ الانبیاء سے مراد کون ہیں اولیاء یا فقہاء؟

اگر تو کہے کہ پھر العلماء ورثۃ الانبیاء سے مراد کون ہیں۔ کیا یہ اولیاء ہیں یا فقہاء؟ تو جواب یہ ہے کہ یہاں سے مراد باعمل علماء مراد ہیں کہ وہ قال اور حال کی وراثت کے جامع ہیں۔ جس طرح کہ زمانہ گذشتہ میں علماء سلف اس مرتبہ پر فائز تھے کیونکہ صوفیاء کی حقیقت وہی علماء ہیں جنہوں نے اپنے علم پر عمل کیا اور اخلاق میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کی۔ تو جب اکثر لوگ منصب عمل سے پیچھے رہ گئے تو لوگوں نے انہیں صوفیاء کی بجائے فقہاء کا نام دے دیا۔ اور ورثۃ الانبیاء فرمایا نہ کہ خاص نبی کے ورثہ کیونکہ ہر عالم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے کسی نبی کے قدم پر ہے۔ اور جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وارث ہوا اس نے تمام انبیاء کی وراثت سے حظ وافر حاصل کیا۔ اور ہم نے جو یہ مسئلہ ذکر کیا اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے **ثم اورثنا الکتاب الذین اصطفینا من عبادنا** ۔ (الفاطر آیت ۳۲۔ پھر ہم نے اس کتاب کا ان لوگوں کو وارث بنایا جنہیں ہم نے چن لیا) پس یہاں آیت میں وراثت دو قسموں پر مذکور ہوئی اور ان پر تیسری قسم کا اضافہ فرمایا اور وہ ظالم لنفسہ ہے یعنی اپنے نفس پر ظلم کرنیوالا۔ اور اس سے مراد وہ ہے جو کہ اپنے دین کی مصلحت اور ثواب کی طلب کے لئے اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے۔ پس اس پر گراں تکالیف کا بوجھ رکھ دیتا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس پرو۔ ب نہیں فرمایا۔ حتیٰ کہ ان کی وجہ سے آخرت کی سعادت حاصل کر لیتا ہے۔ اور یہ حال حضرت ابو درداء اور آپ جیسے ان حضرات کا ہے جنہوں نے نفلی روزے رکھے، چھوڑے نہیں۔ رات کا قیام کیا۔ آرام نہیں کیا۔ اور رخصتوں کی بجائے

عزیمتوں کواختیار کیا۔ پس معلوم ہوا کہ شریعت اس تیسری قسم کوشامل ہے۔ کیونکہ اس قسم والوں کوشارع نے اس فعل پر برقرار رکھا۔ گرچہ یہاں اس سے زیادہ کامل معامہ بھی تھا جیسا کہ اس کی طرف اس حدیث کااشارہ ہے ان لنفسك عليك حقا کہ تجھ پر تیرے نفس کا حق ہے۔ الخ۔ پس بیشک آیت میں جس کاذکر ہے اس نے اپنے نفس پرصرف اورصرف رضائے الٰہی حاصل کرنے کی خاطرظلم کیا۔ پس اس نے خود پرواجب حقوق ربوبیت کی جہت میں اپنے عمل کوحقیر قراردیا۔ اوراسی طرح شریعت اسے بھی شامل ہے جوکہ مصیبتوں کے ساتھ اپنے نفس پرظلم کرتا ہے جبکہ وہ اسلام پرمرے کیونکہ وہ کفار کی نسبت سے عموماً چنا ہوا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ خصوص میں چنا ہوااورعموم میں چنا ہوا۔ پس سمجھ لے۔ انتہی۔

اور میں نے سیدی علی الخواص رحمۃ اللہ علیہ کوفرماتے ہوئے سنا کہ ورثہ انبیاء میں اکمل وہ مجتہدین ہیں۔ کیونکہ وراثت کے ساتھ ان کا قائم ہونا اس لئے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کواس کی شریعت کی تعلیم اوراس کے ساتھ فتویٰ دیتے ہیں بخلاف عرفی صوفیاء کے کہ وہ غالب طور پراخلاق باطنہ کی تعلیم کے لئے تیار کئے جاتے ہیں۔ انتہی۔ اور میں نے آپ کو یہ بھی فرماتے ہوئے سنا کہ مجتہد مطلق ہی شارع کا وارث حقیقی ہے۔ کیونکہ شارع نے اسے حکم دیا ہے کہ وہ ہراس چیز پرعمل کرے جہاں اس کا اجتہاد پہنچائے۔ نیز سنا کہ آپ نے فرمایا کہ اجتہاد کی بنیاد گرچہ گمان پر ہے لیکن اس کا منتہٰی علم الیقین یا عین الیقین یا حق الیقین تک ہوتا ہے۔

علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین کے علوم کی حقیقت

اگرتو کہے کہ ان تینوں علوم کی حقیقت کیا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ علم الیقین کی حقیقت یہ ہے کہ یہ وہی ہے جس نے اسے دلیل صحیح عطا کی جوکہ کوئی دخل قبول کرے نہ شبہہ، اور عین الیقین کی حقیقت وہ ہے جو اسے مشاہدہ اور کشف عطا کرتا ہے۔ جبکہ حق الیقین کی حقیقت قلب میں حاصل ہونیوالا ہروہ علم ہے جوکہ اس امرمشہود کے باطن کے متعلق ہو۔ علم الیقین کی مثال بندے کا یہ علم ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ایک گھر ہے جسے کعبہ کہتے ہیں ایک قریہ میں ہے جس کا نام مکہ ہے۔ لوگ ہرسال اس کا حج کرتے ہیں اوراس کا طواف کرتے ہیں۔ توجب آدمی اس تک پہنچ جاتا ہے اوراس کا مشاہدہ کرلیتا ہے تو یہ عین الیقین ہے جوکہ شہود سے پہلے علم الیقین تھا۔ کیونکہ اسے دیکھنے پرنفس میں وہ ذوق حاصل ہوا جوکہ اسے دیکھنے سے پہلے اس میں نہیں تھا۔ پھرجب اللہ تعالیٰ نے اس بندے کی چشم بصیرت کھول دی حتیٰ کہ اس نے اس گھرکی اللہ تعالیٰ کی طرف اضافت کی وجہ اوراس کے علاوہ دوسرے گھروں پراس کی خصوصیت کا مشاہدہ کرلیا تو اسے اللہ تعالیٰ کے جتلانے سے اس خصوصیت کا علم حاصل ہوجاتا ہے تو اس کا علم حق الیقین ہوجاتا ہے۔ لیکن یہ اس کے غوروفکراوراس کے اجتہاد کے ساتھ نہیں ہوتا۔ پس بیشک حق الیقین وہی ہے جس کا استقرارقلب میں ثابت ہوتا ہے۔ پس اس کے بعد کسی دلیل کے ساتھ زائل ہونے کا نہیں ہوتا۔ پس ہرعلم یقین یا عین یقین کے لئے یہ استقرار ثابت نہیں ہوتا۔ ورنہ یقین انبیاء کہاں اور کہاں یقین آخرامت۔ کہا جاتا ہے یقین الماء فی الحوض یعنی حوض میں پانی برقرار رہا۔

علم یقین اور وجود اضطراب

اگرتو کہے کہ کیا علم یقین میں اسباب سے پہلے اضطراب کا پایا جانا معیوب ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ اگر اضطراب اللہ تعالیٰ کی بجائے اسباب کیساتھ رک جانے کی بنا پر ہوتو یہ علم یقین میں معیوب ہے۔ اور اگر اس اضطراب کو دور کرنے میں نفس کی بے چینی اسباب کی بجائے جناب حق کی طرف ہوتو اس کے علم میں عیب پیدا نہیں کرتا کیونکہ اس کا اعتقاد ہے کہ حق تعالیٰ ہی فاعل ہے۔ اگر چاہے تو اس امرکو

اسباب کے ذریعے زائل کردے اور اگر چاہے تو اس کے بغیر زائل فرمادے۔ پس علم کا متعلق تو جناب الٰہی پر اعتماد ہے نہ کہ اسباب پر اعتماد۔ اسے شیخ نے ۲۲۰ویں باب میں ذکر فرمایا۔

ائمہ مجتہدین کے متعلق فیصلہ کن وضاحت

پس ہماری اس تقریر سے میرے لئے واضح ہو گیا کہ بیشک ابوحنیفہ، مالک، شافعی، احمد، سفیان ثوری، اوزاعی، داؤد اور تمام ائمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم مسلمین اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں۔ اور یہ کہ ائمہ کے تمام مذاہب کتاب وسنت سے ہی منقول ہیں۔ ان کا تانا، بانا سب کچھ ان سے ہی ہے اور اس وجہ سے تجھ پر واجب ہے کہ تو یقیناً عقیدہ رکھے کہ اہل اسلام کے تمام ائمہ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں یا تو کشفاً اور یقیناً یا تفکراً اور استدلالاً یا ادباً اور تسلیماً۔ اور اس عقیدے سے پیچھے رہ جانے میں تیرے لئے کوئی عذر باقی نہیں رہا پس بیشک بعض لوگ صرف زبان سے ایسا کہتے ہیں دل سے نہیں۔ اور اس کا مصداق یہ ہے کہ جب اسے اپنے امام مذہب کے سوا کسی اور کے قول پر عمل کی مجبوری ہو جائے تو اس کی بنا پر اسے انقباض اور تنگی لاحق ہو جاتی ہے گویا کہ وہ شریعت سے خارج ہو گیا ہے۔ تو اس کا دعویٰ کدھر گیا کہ وہ اعتقاد رکھتا ہے کہ تمام ائمہ اہل اسلام اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں۔ کیونکہ جس نے شرائط کیساتھ رخصت پر عمل کیا تو وہ اس میں بھی اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہے۔ المختصر کہ اس اعتقاد تک کہ تمام ائمہ اہل اسلام اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں جزم ویقین کے ساتھ صرف وہی پہنچتا ہے جو قوم صوفیاء کے طریقے پر چلے۔ اور اس کی منزلیں طے کرے یہاں تک کہ اس سرچشمہ پر پہنچ جائے جس سے تمام ائمہ مستفیض ہو رہے ہیں۔ اور میں نے تمام مجتہدین کے مذاہب کی تقریر میں ایک عظیم میزان وضع کیا ہے جسے میں نے ہمارے مولیٰ ابو العباس خضر علیہ السلام سے پڑھا ہے۔ تو جو چاہے اس کی طرف رجوع کرے اور اللہ تعالیٰ علم والا حکمت والا ہے۔

پچاسویں بحث

کرامات اولیاء برحق ہیں

کیونکہ یہ کتاب وسنت کے مطابق عمل کا نتیجہ ہیں۔ پس یہ معجزات کی فرع ہیں۔ اور بیشک جس کے لئے حال نہیں اس کے لئے کرامت نہیں۔ اور بیشک جسے علوم، معارف، اسرار، لطائف مجاہدات اور کثرت عبادات میں خرق عادت نہیں اسے خرق عادات یعنی کرامات حاصل نہیں ہوتیں۔

جان لے کہ معجزات کی بحث میں پہلے گزر چکا ہے کہ اولیاء کی کرامات ثابت، اہل سنت وجماعت کے درمیان عام پائی جاتی ہیں۔ اور اکثر معتزلہ نے ان کا انکار صرف اس لئے کیا ہے کہ ان کے درمیان پائی نہیں جاتیں۔ اور یہ اس امر پر بڑی مضبوط دلیل ہے کہ یہ اہل بدعت ہیں جیسا کہ اس کی تفصیل بحث مذکور میں گزر چکی ہے۔

معتزلہ کے شبہ کا جواب

اور کرامات کے انکار کے متعلق معتزلہ کے شبہات میں سے ایک یہ ہے کہ اگر ہم اولیاء کے ہاتھوں ان کا واقع ہونا جائز قرار دیں تو لوگ ان کے درمیان اور معجزات کے درمیان فرق سمجھنے سے عاجز آ جائیں گے۔ اور جواب یہ ہے کہ کوئی عاجز آنا لازم نہیں آتا ہے۔

کیونکہ معجزہ تو وہ ہے جو کہ بوقت دعویٰ ظاہر ہوتا ہے بخلاف کرامت کے کہ کرامت والا اس کا دعویٰ نہیں کرتا۔ اور اگر اسے دعویٰ کے وقت ظاہر کرے تو شعبدہ ہے۔ پھر یہ سیدہ مریم کی کرامت اور بلقیس کا تخت منتقل کرنے اور اس جیسے دیگر واقعات کے انکار تک لے جاتا ہے جو کہ کتاب وسنت میں موجود ہیں۔

ابو منصور ماتریدی کے نزدیک معجزہ اور کرامت میں فرق

اور ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ معجزہ اور کرامت کے درمیان فرق کے بارے میں فرماتے ہیں کہ صاحب معجزہ قدرت کی مخفی تدبیر سے امن میں ہوتا ہے۔ جبکہ صاحب کرامت اس سے مامون نہیں کہ اس کا حال بلعام بن باعوراء کے حال جیسا ہو۔ نیز فرمایا کہ معتزلہ نے کرامت کا انکار اپنی طرف سے اس بنیاد پر کیا ہے کہ معجزہ صرف خرق عادت کی وجہ سے ہوتا اور بس۔ جبکہ ایسا نہیں ہے بلکہ خرق عادت کے ساتھ نبوت کا دعویٰ اور نبی کی دعوت کا ساتھ ہونا بھی شامل ہوتا ہے۔ کیا تو دیکھتا نہیں کہ قیامت کی آیات خارق عادت ہیں مگر معجزہ نہیں ہیں۔ انتہی

علی الخواص کے نزدیک معجزہ اور کرامت میں فرق

اور میں نے سیدی علی الخواص رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ کاملین اپنے ہاتھوں وقوع کرامات سے ڈرتے ہیں۔ اور اس کی وجہ سے ان پر لرزہ اور خوف بڑھ جاتا ہے اس احتمال کہ کہیں استدراج ہو۔ جبکہ معجزات قلوب انبیاء کی مضبوطی میں اضافہ کرتے ہیں کیونکہ وہ اپنے لئے استدراج کے وقوع سے بے خوف ہوتے ہیں۔ نیز معجزات کے ساتھ انبیاء مشرکین پر حجت قائم کرتے ہیں۔ جبکہ اولیاء کرامات کے ذریعے اپنے نفسوں پر حجت قائم کرتے ہیں تاکہ وہ اصلاح حاصل کریں۔ اور اپنے نفوس کے لئے حجت حاصل کرتے ہیں تاکہ وہ مطمئن ہوں۔ اور قوم نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ جو بھی عبادات کی کثرت اور مجاہدات کے ساتھ خرق عادت کرتا ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ جب چاہے اس کے لئے خرق عادت (کرامت) متحقق ہو۔ اور شیخ عزالدین بن عبدالسلام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صوفیہ کے طریق کی صحت اور عمل میں ان کے اخلاص پر ایک نہایت سچی دلیل وہ کرامات اور خوارق ہیں جو کہ ان کے ہاتھوں رونما ہوتے ہیں۔ اور وقوع کرامات کے جواز کے اثبات پر نہایت مضبوط دلیل ان کا خارق عادت، افعال ہونا ہے۔ تو جب باب نبوت بند کرنے تک نہ پہنچائیں ان کا ظہور اولیاء کے ہاتھوں پر ظاہر ہونا جائز ہے۔ جیسے دریائے نیل کا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے رقعہ کے ساتھ جاری ہونا۔ اور آپ کا لشکر کو دیکھ لینا جبکہ وہ نہاوند عجم میں تھا۔ جبکہ آپ مدینہ عالیہ میں منبر پر تھے۔ حتیٰ کہ آپ نے سالار لشکر سے فرمایا: اے ساریہ! پہاڑ کی طرف توجہ کرو۔ آپ ساریہ کو پہاڑ کی پچھلی سمت سے پر حذر رہنے کی تلقین فرمارہے تھے کہ وہاں سے دشمن حیلہ گری کر رہا تھا۔ اور اس میں دو کرامات ہیں۔ ایک تو آپ کا طویل فاصلہ پر ہوتے ہوئے ساریہ کو دیکھ لینا۔ اور دوسری اسی صورت میں اسے انہیں آواز سنا دینا۔ اور جیسے خالد بن ولید کا بغیر ضرر اٹھائے زہر پی جانا۔ اور جیسے عصا کا اژدہا میں بدل جانا اور اللہ تعالیٰ کے اذن کے ساتھ مردوں کو زندہ کرنا وغیرہ خوارق۔

اور استاذ ابو اسحاق القشیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ وہ والد کے بغیر اولاد تک نہیں پہنچتے اور نہ ہی بے جان چیز کو مویشی کی شکل میں بدلنے تک۔ ابن السبکی نے فرمایا: اور یہ حق ہے۔ پس اس کے ساتھ آپ نے اپنے غیر کے اس قول کو خاص کر دیا کہ جو نبی کا معجزہ ہو جائز

ہے کہ ولی کی کرامت ہو یعنی ان دونوں کے درمیان تحدی یعنی دعویٰ کے بغیر کوئی فارق نہیں۔اور معجزات کی بحث میں پہلے ان کے اس قول کی تقیید گزر چکی ہے کہ جو نبی کے لئے معجزہ ہو جائز ہے کہ ولی کے لئے کرامت ہو اس کے ساتھ کہ جب ولی تبعاً کرامت ظاہر کرے نہ کہ اتباع شرع کے بغیر مستقلاً۔اور اس کے ساتھ کہ جب کہ نبی نے نہ فرمایا ہو کہ یہ ''معجزہ ہے جو کہ میرے بعد کسی کو حاصل نہ ہوگا۔پس وہاں رجوع کر۔قصہ مختصر جس نے سچائی کے ساتھ صلحاء کی صحبت اختیار کی اور ان میں شامل رہا وہ ان کی کرامت آنکھوں سے دیکھتا ہے اور ان کی صداقت کو پہچانتا ہے۔

اگر تو کہے: تو کیا انسان پر ایمان بالکرامت واجب ہے جبکہ وہ اس کے اپنے ہاتھ پر ظاہر ہو جیسے کہ اس پر اس وقت ایمان لانا واجب ہے جب کسی دوسرے کے ہاتھ سے رونما ہو؟ تو جواب یہ ہے ہاں۔جیسے کہ امام یافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تصریح کی ہے۔اور کہا کہ اس کے خود اس کے ہاتھ پر واقع ہونے یا دوسرے کے ہاتھ پر واقع ہونے میں کوئی فرق نہیں۔

اگر تو کہے کہ کیا ولی کے لئے حق ہے کہ حال اور کرامت کے ساتھ اپنی اور اپنے اصحاب کی حمایت کرے؟ جواب یہ ہے کہ ہاں اسے ایسا کرنا مستحب ہے جیسا کہ سیّدی ابراہیم المتبولی رضی اللہ عنہ نے اس کی تصریح فرمائی۔اور فرمایا: اگر یہ مقام میں نقص ہے تو علم میں کمال ہے۔انتہی

اگر تو کہے کہ جب ایک اجنبی شخص جس کا باپ معلوم نہیں دعویٰ کرے کہ وہ مٹی سے پیدا کیا گیا جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے لئے واقع ہوا تو کیا ہمیں اس کی تصدیق کرنا چاہیئے؟ تو جواب یہ ہے کہ ہاں ہم اس کی تصدیق کریں گے کیونکہ اس کی غایت یہ ہے کہ اس نے ایک ایسے امر ممکن کا دعویٰ کیا ہے جس کے وقوع کی نفی کی روایت ہمارے پاس نہیں۔اور نہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ خاص ہے۔بعض صوفیاء نے اس کا یہی جواب دیا ہے۔پس غور کرو۔

کرامات اور جادو میں فرق

اگر تو کہے کہ کرامات کبھی جادو کے مشابہ ہوتی ہیں تو ان دونوں کے مابین کیا فرق ہے؟ تو اس کا جواب الشیخ الیافعی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ محققین کے مطابق یہ ہے کہ ان دونوں کے درمیان فرق کرنے والا امر یہ ہے کہ جادو فاسقوں زندیقوں اور کافروں سے ظاہر ہوتا ہے جو کہ شریعت اور متابعت کے خلاف گامزن ہوتے ہیں۔رہی کرامت تو یہ صرف اسی کے ہاتھوں ظاہر ہوگی جو کہ اتباع شریعت میں مبالغہ کرے حتیٰ کہ اس کی انتہاء تک پہنچ جائے۔تو یہ ہے ان دونوں کے درمیان فرق کرنے والا امر۔

منکرین کرامات کی اقسام

یافعی فرماتے ہیں کہ لوگ کرامات کے انکار میں کئی قسموں پر ہیں۔ان میں سے کوئی تو ان کا مطلقاً انکار کرتے ہیں۔اور یہ مشہور مذہب والے ہیں۔اور کوئی گزشتہ لوگوں کی کرامات کی تصدیق اور اپنے ہم زمانہ لوگوں کی کرامات کی تکذیب کرتے ہیں۔تو یہ لوگ بنی اسرائیل کی طرح ہیں کہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کی جبکہ انہیں دیکھا نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف حسد اور سرکشی بنا پر تکذیب کی حالانکہ آپ کو دیکھا ہے۔اور ان میں سے کوئی وہ ہیں جو کہ تصدیق کرتے ہیں کہ ان کے زمانے میں اولیاء اللہ ہیں لیکن کسی فرد معین کی تصدیق نہیں کرتے۔تو یہ اپنے زمانے میں سب کی امداد سے محروم ہیں۔اور ان میں سے کوئی جب اپنے معاصرین میں سے کسی ولی کو ہوا میں چار زانو بیٹھا دیکھتا ہے تو کہتا ہے کہ یہ جنات سے خدمت لینا ہے ولایت نہیں۔اور اس میں یافعی نے طویل کلام فرمایا۔

کرامات کا جوازِ عقلی اور وقوعِ نقلی

پھر کہتے ہیں: حاصل گفتگو یہ ہے کہ کسی کو کرامات اولیاء پر ایمان میں توقف نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ یہ عقلاً جائز اور نقلاً واقع ہیں۔ رہا جوازِ عقلی تو چونکہ یہ ممکنات میں سے ہیں جو کہ قدرت الٰہیہ پر محال نہیں ہیں۔ اور اہل سنت کے مشائخ عارفین۔ ارباب فراست، اصولیین، فقہاء اور محدثین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اسی کے قائل ہیں۔ رہا ان کا نقلاً واقع ہونا تو اس میں سے حضرت مریم علیہا السلام کا واقعہ ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے کلما دخل علیها زکریا المحراب وجد عندها رزقا (آل عمران آیت ۳۷۔ جب بھی مریم کے پاس زکریا ان کی عبادت گاہ میں جاتے تو ان کے پاس کھانے کی چیزیں موجود پاتے) اور اللہ تعالیٰ کے اس قول میں بھی ہے وهزی الیك بجذع النخلة تساقط علیك رطبا جنیا (مریم آیت ۲۵۔ اور کھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلاؤ تم پر پکی کھجوریں گرنے لگیں گی) جبکہ یہ واقعہ پکی کھجوروں کے موسم میں نہیں تھا۔

اور اس میں سے اصحاب کہف کے ساتھ ان کے کتے کا کلام کرنا ہے۔ بلقیس کے تخت کے بارے میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے ساتھ آصف بن برخیا کا واقعہ اور پلک جھپکنے سے پیشتر آپ کا اسے لے آنا ہے۔ اور یہ تمام کے تمام انبیاء نہیں ہیں۔

اور اسی سے جریج راہب کے لئے بچے کا گفتگو کرنا ہے جبکہ اس نے کہا کہ تیرا باپ کون ہے؟ تو اس نے کہا: فلاں چرواہا۔ اور غار والے تین ساتھیوں کا واقعہ ہے جنہوں نے اللہ عزوجل کے حضور اپنے اعمال صالحہ کے وسیلے سے دعا کی تو ان سے وہ چٹان (غار کے دہانے سے) سرک گئی جسے لوگوں کا جم غفیر غار کے منہ سے ہٹا نہیں سکتا تھا۔ اور اس بیل کا کلام کرنا جس پر اس کے مالک نے سامان لاد ہوا تھا۔ اور اس کا یہ کہنا کہ مجھے اس کے لئے پیدا نہیں کیا گیا۔ مجھے تو کھیتی باڑی کے لئے پیدا کیا گیا ہے جیسا کہ صحیحین میں ہے۔ اور اس میں سے یہ واقعہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے مہمان کے ہمراہ کھانا کھایا تو آپ جب بھی اس پیالے سے لقمہ تناول فرماتے تو نیچے اس سے زیادہ بڑھ جاتا۔ حتیٰ کہ تمام مہمان سیر ہو گئے جبکہ کھانا پہلے سے تین گنا زیادہ مقدار میں موجود تھا۔

اور اس میں سے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی دعا کی اس شخص کے بارے میں قبولیت ہے جس نے آپ پر جھوٹ کہا تھا جیسا کہ صحیحین میں ہے۔ اور وہ کہتا کہ مجھے سعد کی دعا لگی ہے۔

اور اس میں سے وہ روایت ہے جو کہ ابونعیم نے حلیہ میں نقل کی کہ عون بن عبداللہ بن عتبہ جب دھوپ میں سوتے تو آپ پر بادل سایہ کر دیتا۔ اور اس میں سے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے بارے میں حدیث بخاری ہے جبکہ آپ قیدی تھے آپ کو زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا تو لوگ آپ کے پاس انگور پاتے۔ جبکہ اس موسم میں مکہ معظمہ میں انگور نہیں تھے۔ اور اسی سے اس شخص کا واقعہ ہے جس نے بادل سے آواز سنی کہ کہنے والا کہہ رہا ہے فلاں کے باغ کو پانی لگاؤ جیسا کہ صحیحین میں ہے۔ اور حضرت علاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے جب انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدین کے ہمراہ بھیجا۔ اور آپ کے لشکر اور دشمن کے درمیان سمندر کا ایک حصہ حائل ہو گیا۔ تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور سب کے سب گھوڑوں اور مویشیوں سمیت پانی پر چلتے ہوئے گزر گئے۔ اور اس میں سے اس پیالے کی تسبیح ہے جس سے سلمان فارسی اور ابوالدرداء رضی اللہ عنہما نے کھایا۔ حتیٰ کہ اس کی تسبیح حاضرین نے سنی۔ یہ اور اس سے پہلی روایات ابونعیم وغیرہ سے مروی ہیں۔

اور اس میں سے یہ ہے کہ حضرت عمران بن الحصین اپنے اوپر ملائکہ کا سلام کہنا سنتے۔ اور اس سے وہ روایت ہے جسے ابونعیم نے عبد اللہ بن شفیق سے روایت کیا کہ آپ پر سے جب بادل کا گزر ہوتا تو اس سے کہتے تجھے اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کہ ہم پر بارش برسا تو وہ اسی وقت برسنے لگتا۔ اور عامر بن عبد قیس کو آپ کا عطیہ ملتا تو اسے اپنی جھولی میں ڈال لیتے اور اس سے نکال کہ لوگوں کو دیتے جاتے حتیٰ کہ اپنے گھر تک پہنچ جاتے۔ پس اسے گنتے تو اس میں کوئی کمی نہ دیکھتے۔

عبدالرحمٰن بن ابونعیم کے متعلق حجاج کو خبر پہنچی کہ آپ پندراں پندراں دن تک کچھ کھاتے پیتے نہیں۔ تو اس نے آپ کو پندراں دن تک قید میں رکھا۔ پھر دروازہ کھولا تو آپ کو اسی وضو کے ساتھ کھڑے نماز پڑھتے ہوئے پایا جس کے ساتھ قید خانہ میں داخل ہوئے تھے

اور حضرت حارثہ بن نعمان صحابی رضی اللہ عنہ کے اہل خانہ کو جس چیز کی ضرورت ہوتی تو آپ انہیں فرماتے میرا بستہ اٹھا کر جو ضرورت ہے لے لو۔ پس وہ اٹھاتے تو اپنی ضرورت کی چیز موجود پاتے۔ جبکہ اس سے پہلے بستر کے نیچے کچھ نہیں ہوتا تھا۔

قصہ مختصر صحابہ کرام۔ تابعین اور بعد کے سلف صالحین سے اس قدر کرامات وارد ہیں جو کہ تواتر کی حد تک پہنچتی ہیں۔

صحابہ کرام سے کرامات کی عدم شہرت کی وجہ

اور امام احمد رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کثرت کرامات کیوں مشہور نہیں جس طرح کہ ان کے بعد اولیاء سے واقع ہوئیں؟ تو فرمایا: صحابہ کرام سے کثرت کرامات اس لئے مشہور نہیں کیونکہ ان کا ایمان انتہائی قوی تھا۔ بخلاف ان کے بعد والوں کے ایمان کے۔ تو جب بھی کسی قوم کا ایمان کمزور ہوتا ان کے کمزور یقین والوں کی تقویت کے لئے ان کے ہم زمانہ اولیاء کی کرامات کی کثرت ہوتی۔ اور اس کی تائید حضرت ابوالحسن شاذلی رضی اللہ عنہ کا یہ قول کرتا ہے کہ مریم علیہا السلام کو ان کی ابتداء میں ان کے ایمان کی تقویت اور ان کے یقین کی تکمیل کے لئے سبب کے بغیر خرق عادات کا تعارف کرایا جاتا تھا تو یہ حالت تھی کہ جب بھی آپ کی عبادت گاہ میں آپ کے پاس زکریا علیہ السلام داخل ہوتے تو آپ کے پاس کھانے کی چیزیں موجود پاتے۔ پس جب آپ کا ایمان اور یقین قوی ہو گیا تو آپ کو سبب کی طرف لوٹا دیا گیا کیونکہ آپ سبب کے ساتھ قائم نہ تھیں۔ پس آپ سے فرمایا گیا: **وهزی الیك بجذع النخلة تساقط علیك رطبا جنیا**۔ یعنی کھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلاؤ تجھ پر پکی کھجوریں گریں گی۔ انتہی

خرق عادت کے متعلق سوال اور اس کا جواب

اگر کہا جائے کہ جب حق تعالیٰ خلاق دائمی ہے مخلوقات کی یکے بعد دیگرے ایجاد فرماتا ہے تو یہاں تو عادات ہے ہی نہیں جن کے خلاف کیا جائے۔ وہ تو ایک جدید تخلیق ہے؟ تو جیسا کہ شخص نے ۳۶۰ ویں باب میں فرمایا اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں معاملہ اسی طرح ہے۔ اور آپ نے اسے محققین اہل کشف سے نقل کیا ہے۔ اور الفاظ یہ ہیں: جان لو کہ محققین کے نزدیک ایسی عادات نہیں ہیں جن کا کبھی خرق ہو سکے۔ وہ تو مخلوقات کی ایجاد ہے۔ نفس الامر میں یہاں کوئی عادات نہیں ہیں۔ اور اسی کی طرف اللہ تعالیٰ کے اس قول کا اشارہ ہے۔ **بل هم فی لبس من خلق جدید** (ق آیت ۱۵۔ بلکہ وہ از سر نو پیدا ہونے کے بارے میں شک میں ہیں) یعنی صفات میں نہ کہ ذات میں۔ پس سمجھ لے انتہی۔

اور شیخ نے ۳۵۲ ویں باب میں فرمایا: جان لے کہ اکابر اولیاء خرق عادت کی حالت میں اپنے عین عادت میں ہونے کا مشاہدہ کرتے

ہیں۔پس لوگ ان کا مشاہدہ نہیں کرتے مگر دراں حال کہ وہ اسباب کے ساتھ قائم ہوتے ہوئے اسباب سے حاصل کررہے ہیں۔اور وہ ان کے اور عوام کے درمیان فرق نہیں کرتے۔اور عادات ظاہرہ کا خرق کرنے والوں کے لئے اس مقام کومہک حاصل نہیں۔کیونکہ وہ اسباب کے ساتھ قائم ہوتے ہوئے اسباب سے حاصل کرنے والے ہیں۔تو اسباب ان سے زائل نہیں ہوئے۔صرف ان پر مخفی رہے کیونکہ عادت ظاہرہ کے خرق والے کے لئے حرکت حسیہ ضروری ہے۔وہ اس مطلوب کے وجود کا عین سبب ہے پس وہ اپنے ہاتھ سے ہوا سے سونے یا شکر وغیرہ کا چلو بھرتا ہے یا سمیٹتا ہے۔پس یہ نہ ہوا مگر سبب سے جو کہ ہاتھ کی حرکت ہے۔اور سمیٹنا اور کھولنا ہے۔پس وہ سبب سے خارج نہیں ہوا لیکن وہ غیر عادی ہے تو انہوں نے اس کا نام خرق عادت رکھ دیا۔انتہی۔

کرامت ولی اپنے مورث نبی کے تابع ہوتی ہے

اگر تو کہے کیا ہر ولی کی کرامت صرف اس نبی کے معجزہ کے تابع ہوتی ہے جس کا وہ وارث ہے یا یہ وارثت پر موقوف نہیں؟ تو جواب یہ ہے کہ کسی ولی کی کرامت کبھی بھی اپنے مورث نبی کے تتبع کے بغیر نہیں ہوتی۔اور اسی لئے امت کے خواص ہوا میں چلتے تھے جبکہ قوم عیسیٰ علیہ السلام کے خواص ہوا کی بجائے پانی پر چلتے تھے۔پس ہر وارث اپنے مورث کی کرامت سے آگے نہیں گزرتا۔پس یہ نہیں کہا جائے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے یہ کیسے فرمایا کہ اگر ان کا یقین زیادہ ہوتا تو ہوا پر چلتے باوجودیکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس امت کے ان خواص سے جو کہ ہوا پر چلے۔یقین میں اس قدر زیادہ قوی ہیں کہ کوئی ان کے قریب نہیں ہوسکتا۔کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ ہم میں سے خواص ہوا پر نہیں چلے مگر اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تبعیت کے حکم کے ساتھ۔پس آپ کو ہوا میں اٹھا کر سیر معراج کرائی گئی۔پس ہمارے خواص کا ہوا پر چلنا ان کے یقین کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے یقین سے زیادہ ہونے کی بنا پر نہ تھا۔وہ تو صرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہونے میں ان کی صداقت کی وجہ سے تھا۔پس ہم ان عادات کے خرق میں رسل علیہم السلام کی معیت میں ہیں جن کے ساتھ وہ مختص ہوئے اور ہم صدق تبعیت کے حکم کے ساتھ اس میں ان کے وارث ہوئے۔اور کچھ نہیں۔کیا تو دیکھتا نہیں کہ وہ غلام جو امراء میں سے اپنے مالکوں کے جوتے اٹھائے ہوئے ہوں وہ اپنے مالکوں کی معیت میں بادشاہ کے دربار میں باریابی حاصل کر لیتے ہیں۔جبکہ ان کے علاوہ دیگر امراء دروازے پر کھڑے ہیں حتیٰ کہ انہیں داخل ہونے کی اجازت ملے۔اور یہ معلوم ہے کہ امراء کا مرتبہ بادشاہ کے ہاں غلاموں سے اونچا ہے۔تو غلاموں نے داخلہ حاصل نہیں کیا مگر اپنے مالکوں کی تبعیت کے حکم کی بنا پر نہ کہ امراء پر اپنے شرف کی وجہ سے۔انتہی اسے شیخ نے فتوحات کے ۳۶ویں باب میں ذکر کیا ہے

کرامات، معجزات کی فرع ہیں

اگر تو کہے کہ اس بحث کے ترجمہ میں آپ کے اس کے قول سے کیا مراد ہے کہ کرامات، معجزات کی فرع ہیں؟ تو جواب یہ ہے کہ ہماری مراد یہ ہے کہ یہ حال نبوی علی صاحبہ الصلوات والتسلیمات کی فرع ہیں۔پس کسی ولی کے لئے کوئی کرامت واقع نہیں ہوتی مگر جبکہ وہ صحیح الحال ہو۔اور حال وہ کیفیت ہے جو کسب اور اخذ کے بغیر قلب پر وارد ہو۔اور اس کی علامت صاحب حال کی صفات کا متغیر ہونا ہے۔ پس وہ کسب سے زیادہ عطیہ کے قریب ہوتا ہے۔اسی لئے صاحب حال ہمت کے ساتھ قتل کر دیتا ہے۔معزول کرتا ہے اور عہدہ سپرد کرتا ہے۔جس طرح کہ اس حال پر افریقہ کے بعض طوائف ہیں۔

اگر تو کہے کہ کیا یہ حال اہل اسلام کے ساتھ خاص ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ ہاں۔یہ صرف اہل اسلام کے ساتھ خاص ہے گرچہ بعض

مشرکین کے لئے ایسا واقعہ ہوا کہ وہ ہوا میں چلایا اس نے ہمت کے ساتھ قتل کر دیا۔ تو ایسا مقررہ وزنوں کے مطابق جڑی بوٹیوں کے ساتھ استعمال کے ساتھ ہوتا ہے۔ پس اس کے ساتھ جو چاہے کر لیتا ہے۔ اور یہ اہل اللہ کے حال کے خلاف ہے۔ اور دونوں حالوں کے درمیان فرق یوں ہے کہ اہل اللہ عزوجل کو یہ حال حاصل نہیں ہوتا مگر اتباع شریعت میں مبالغے کے بعد۔ بخلاف کفار کے کہ ان کے حال کا حکم اس شخص کا حکم ہے جس نے مسہل دوا استعمال کی۔ پس وہ موضوع لہ فعل خاصیت کے ساتھ رونما ہوتا ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے مرتبہ کی بنا پر۔ پس کرامت نہیں کہا جاتا مگر اسی فعل کو جو پابند شریعت سے صادر ہو۔

قتل بالہمۃ۔ فرماں روائی اور معزولی کا حکم

اگر تو کہے کہ کیا ہمت کے ساتھ قتل۔ فرماں روائی اور معزولی کا عمل جو کہ بعض اولیاء سے واقع ہوتا ہے ان میں کمال ہے یا نقص؟ تو جواب یہ ہے کہ اس سے فائق مقامات کے مقابلے میں نقص ہے۔ اور شیخ ابو السعود بن شبل کو مقام تصریف فی الوجود عطا گیا (یعنی موجودات میں تصرف کرنے کا منصب) تو آپ نے اسے ترک کر دیا۔ اور کہا ہم وہ قوم ہیں کہ ہم نے حضرت حق تعالیٰ کے لئے تصرف چھوڑ دیا ہے پس آپ شیخ عبدالقادر الجیلانی سے اکمل تھے باوجودیکہ آپ کے مرید ہیں۔ اسے شیخ نے ۱۹۲ ویں باب میں ذکر کیا ہے۔ نیز کامل موجودات میں کسی چیز کو حقیر نہیں پاتا حتیٰ کہ اس پر اپنا تصرف جاری کرے یا اس میں اپنی ہمت نافذ کرے۔ جبکہ نفوذ ہمت کی شرط ہے کہ حقیر پر ہو۔ پس صاحب حال اپنے آپ کو کبیر دیکھتا ہے اور اپنے غیر کو حقیر پس اس کی حقارت اپنے قلب میں جمع کرتا ہے پھر اپنے قلب کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ پس اس میں قتل یا بیماری وغیرہ کا اثر ڈالتا ہے۔

شعرانی فرماتے ہیں کہ میں نے سیّدی علی الخصواص رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اولیاء میں سے کامل وہ ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے فعل پر اکتفاء کرتے ہوئے تصریف وتدبیر سے مر جائے پس لوگ اس کی حیات میں اس کا مال اور اس کی وفات کے بعد اس کا لباس اور اس کی شمع چرا لیتے ہیں۔ پس وہ کسی کا مقابلہ برائی کے ساتھ نہیں کرتا۔ بخلاف ولی ناقص کے کہ جو بھی اس کے درپے ہو وہ اس پر غضبناک ہو جاتا ہے اور یہ اس کے ہاں بخل کے بقیہ کی علامت ہے۔ جبکہ کامل کی شرط ہے کہ وہ حیات وممات میں کریم ہوتا ہے۔ انتہی۔

(**اقول بتوفیقه تعالیٰ وهو ولی التوفیق**۔ یہاں شیخ ابو السعود بن شبل کی اکملیت کی دلیل یہ مذکور ہے کہ آپ کو تصریف فی الوجود کا مقام عطا فرمایا گیا مگر آپ نے تصرف حضرت حق عزوجل کے لئے چھوڑ دیا۔ جبکہ حضور سیّدنا غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ تصرف فرماتے تھے۔ یاد رہے کہ صاحب فتوحات نے تصریح کی ہے کہ شیخ ابو السعود تصرف پر مامور نہ تھے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

"ولاصحاب هذا المقام التصریف والتصرف فالطبقة الاولیٰ من هولاء ترکت التصرف للدفی خلقه مع التمکن وتولیة الحق لهم ایاه تمکنًا لا امرا لکن عرضا...... وکان ابو السعود منهم کان رحمه الله ممن امتثل امر الله فی قوله تعالیٰ فاتخذه وکیلا. فالوکیل له التصرف. فلوامر امتثل الامر. هذا من شانهم واما عبد القادر فالظاهر من حاله انه کان ماموراً بالتصرف فلهذا ظهر علیه. هذا هو الظن با مثاله (الفتوحات المکیة جلد اوّل ص ۲۰۱) یعنی اس مقام پر فائز حضرات کے لئے تصریف وتصرف ثابت ہے۔ پس طبقہ اولیٰ نے باوجود قدرت اور تولیت از روئے تمکن سے تصرف فی الخلق ترک کر دیا مگر انہیں تصرف کا امر نہ تھا بلکہ اختیار تھا۔ اور شیخ ابو السعود انہیں میں سے تھے کہ

انہوں نے فرمان خداوندی ''اللہ تعالیٰ کو کارساز بناؤ'' پر عمل کیا۔ پس تصرف اللہ تعالیٰ کے لئے چھوڑ دیا۔ اگر نہیں حکم دیا جاتا تو وہ تصرف کر کے ضرور فرمانبرداری کرتے۔ یہ ان کا حال ہے۔ بہر حال حضرت سیّدنا شیخ عبدالقادر رضی اللہ عنہ کے حال سے ظاہر ہے کہ انہیں تصرف کا حکم دیا گیا تھا اسی واسطے آپ سے تصرف ظاہر ہوا۔ آپ جیسے بزرگوں کے متعلق ہم یہی خیال رکھتے ہیں۔ خلاصہ کلام یہ کہ دونوں بزرگ شیخ ابوالسعود مامور نہ ہونے کی وجہ سے تصرف چھوڑ کر اور حضرت شیخ عبدالقادر۔ رضی اللہ عنہ مامور ہونے کی وجہ سے تصرف کر کے عبدیت محضہ کے مقام پر فائز تھے۔

نیز صاحب فتوحات نے ادخار کی بحث میں یہی لکھا ہے کہ شیخ ابوالسعود رحمۃ اللہ علیہ مامور بالتصرف نہ تھے۔ اگر انہیں امر ہوتا تو امر کی پابندی کرتے۔ حضرت شیخ ابن عربی نے ان کا یہ قول نقل کیا ہے **نحن تر كنا الحق يتصرف لنا فلم يزاحم الحضرة الالهية فلوا امر وقف عند الامر** (فتوحات جلد اوّل ص ۵۸۸) ہم نے حضرت حق کے لئے تصرف چھوڑ دیا۔ پس بغیر امر تصرف کر کے انہوں نے حضرت حق میں مزاحمت نہ کی۔ ہاں اگر انہیں تصرف کا حکم دیا جاتا تو ضرور امر کی پابندی کرتے۔

حضرت شیخ ابوالسعود بن شبل، حضور والی بغداد غوث پاک رضی اللہ عنہ سے استفادہ کرنے والے آپ کے خاص اصحاب میں سے تھے چنانچہ صاحب فتوحات لکھتے ہیں من اصحاب عبدالقادر الجیلی۔ یعنی شیخ ابوالسعود حضرت شیخ عبدالقادر کے خصوصی اصحاب میں سے تھے۔ مذکور الصدر تصریحات سے واضح ہوا کہ شیخ ابوالسعود کے متعلق حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ سے اکمل ہونے کا قول پہلے کا ہے۔ اور شیخ ابن عربی پر تدریجاً جب مقامات منکشف ہوئے تو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کی اکملیت کا اظہار فرمایا۔ چنانچہ بحث ادخار میں صاحب فتوحات نے حضرت شیخ عبدالقادر رضی اللہ کے بارے میں تصریح فرمائی کہ وہ بامر الٰہی مامور تھے۔ وہ عبد محض تھے اس لئے ہم ان کے بارے میں بحث نہیں کرتے۔ چنانچہ لکھتے ہیں **فان كان عن امر الٰهي فهو عبد محض لا كلام لنا معه فانه مامور كما نظن في عبد القادر الجيلي فانه كان هذا مقامه والله اعلم لما كان عليه التصرف في العالم**۔ عبادت میں علیہ التصرف کا لفظ صاف بتا رہا ہے کہ تصرف کی ذمہ داری آپ پر منجانب اللہ تھی۔ بلکہ ایک واقعہ جو کہ ابوالبدر نے شیخ ابوالسعود کے متعلق بیان کیا اس کے حوالے سے شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت سے شیخ ابوالسعود کی عبدیت محضہ کا مقام غیر یقینی ہو گیا۔ جبکہ مذکور الصدر حوالۂ بحث ادخار میں صاف تصریح فرمائی ہے کہ حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ عبد محض ہیں۔ یہی حضرت شیخ ابن عربی رضی اللہ عنہ کا مسلک ہے۔ **فلله الحمد على ذالك**۔ (بشکریہ قدم الشیخ عبدالقادر علی رقاب الاولیاء الاکابر رضی اللہ عنہم الناقل محمد محفوظ الحق غفر لنا ولوالدیہ)

معجزہ اور کرامت میں فرق

اگر تو کہے کہ کرامت اور معجزہ میں کیا فرق ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ رسول پر اپنے دعویٰ کی وجہ سے معجزہ کا اظہار واجب ہوتا ہے جبکہ اس کی قوم کا ایمان اس پر موقوف ہو۔ بخلاف ولی کے کہ اس پر کرامت کا اظہار واجب نہیں ہوتا۔ اس پر تو اسے چھپانا واجب ہے۔ یہ جماعت کا مسلک ہے۔ اور وہ ولی تابع ہے۔ اور تابع شریعت جاری نہیں کرتا۔ وہ تو اس شریعت کی طرف دعوت دیتا ہے جو کہ اس کے رسول کے ہاتھوں ثابت اور مقرر ہو چکی ہے پس اسے اس پر کرامت کے اظہار کی ضرورت نہیں ہوتی کہ لوگ اس کی اس امر پر پیروی کریں جس کی طرف انہیں دعوت دیتا ہے۔

رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بجائے اولیاء پر ستر کرامات کے وجوب کی حکمت

اور شیخ ۲۳۱ ویں باب میں فرماتے ہیں: اولیاء پر ستر کرامات واجب ہے نہ کہ رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام پر۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ولی پیروی کرنے والا ہے پس وہ اس رسول کی دعوت کی حکایت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہے جس کی رسالت اس کے نزدیک اسی نبی کی زبان سے ثابت ہوتی ہے نہ کہ اپنی زبان سے جسے اپنی طرف سے بیان کرے۔ اور علماء کے نزدیک پوری کی پوری شریعت مقرر ہو چکی ہے پس کوئی ولی اس کی صداقت پر کسی نشانی اور نہ ہی کسی دلیل کا محتاج نہیں ہوتا۔ بلکہ اگر فرض کرلیا جائے کہ اس نے اپنے رسول کی شرع کے خلاف کہا تو اس نے اس پر اتباع نہیں کی۔ بخلاف رسول کے کہ اسے نشانی کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ وہ بیان شریعت کا انشاء کرتا ہے اور ان بعض شریعتوں کو منسوخ کرنے کا ارادہ کرتا ہے جو کہ اس کے علاوہ دوسرے رسولوں کے ہاتھوں مقرر ہو چکیں۔ پس اسی لئے اس کے لئے کسی ایسی نشانی کا اظہار ضروری ہے جو اس کی صداقت پر دلالت کرے۔ اور اس پر کہ وہ اللہ تعالیٰ سے خبر دے رہا ہے۔ انتہی۔

اور شیخ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے میزان شرع اہل تقویٰ علماء کے ہاتھ میں رکھی ہے۔ پس وہ تعدیل و تجریح والے ہیں (یعنی قابل قبول قرار دینے والے اور رد کرنے والے) تو جو کچھ اس کے ہاتھوں واقع ہو جس کی اتباع شریعت کی نشانیاں ظاہر ہوں یہ حضرات اسے کرامت کا نام دیتے ہیں اور جو اس کے غیر کے ہاتھوں واقع ہوا ہے شعر یا شعبدہ وغیرہ کہتے ہیں۔ اسے شیخ نے ۱۸۵ ویں باب میں ذکر کیا ہے نیز فرماتے ہیں کہ مخفی نہ رہے مردان اکابر کے نزدیک کرامت رعونات نفس میں سے ہے مگر جبکہ دین کی حمایت یا کسی مصلحت کے حصول کے لئے ہو۔ کیونکہ ان کے نزدیک فاعل صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ وہ خود نہیں ہیں۔ یہ ان کا مقام شہود ہے۔ اور خصوصیت کی وجہ صرف اس فعل خارق کا ان کے ہاتھ پر واقع ہونا ہے نہ کہ ان کے غیر کے ہاتھ پر۔ تو جب وہ مثلاً مینڈھا یا مرغی زندہ کرے تو یہ صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ساتھ ہے نہ کہ اس کی قدرت کے ساتھ۔ اور جب امر قدرت کی طرف لوٹا تو وہ خود بینی نہیں کرتا۔ پس غور کر۔

مختلف حالتوں میں ہونا کمال ہے یا نقص؟ اور حلاج کا تطور

اگر تو کہے کہ کیا ایک حالت سے دوسری حالت میں بدل جانا جیسا کہ اولیاء کے لئے واقع ہوتا ہے کمال ہے یا نقص؟ تو جواب یہ ہے کہ یہ کمال ہے کہ ان کی بشریت کی فنا اور ان کی ارواح کی قوت پر دلالت کرتا ہے حتیٰ کہ وہ اہل جنت کی طرح ہو گئے جو کہ جو چاہیں گے صورتیں اختیار کریں گے۔ بیشک جس کی بشریت اس کی روحانیت پر غالب ہو تو یہ کشف ہے اس کے لئے تطور یعنی ایک حالت سے دوسری حالت میں بدلنا صحیح نہیں کیونکہ تطور ارواح کے خصائص میں سے ہے۔

اور شیخ محی الدین نے ۴۶۳ ویں باب میں ذکر کیا ہے کہ حلاج اپنے ایک گھر میں داخل ہوتے جسے بیت العظمت کا نام دیتے تھے تو داخل ہو کر دیکھنے والوں کی نگاہوں میں اسے اپنے جسم کے ساتھ بھر دیتے۔ حتیٰ کہ بعض لوگوں نے تطورات میں احوال فقراء سے ناواقفیت کی بنا پر اسے طلسم اور جادو کے علم کی طرف منسوب کیا۔ اور جب لوگ حلاج کے پاس آئے کہ انہیں پکڑ کر پھانسی پر لٹکائیں اس وقت آپ اسی گھر میں تھے۔ تو کوئی بھی آپ کو اس گھر سے باہر نہ نکال سکا۔ کیونکہ آپ سے دروازہ تنگ تھا۔ پس حضرت جنید آپ کے پاس آئے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے سر تسلیم خم کر دو۔ اور اس کی قضاء و قدر کے لئے باہر نکلو۔ پس آپ اپنی معمول کی حالت پر لوٹ آئے اور باہر نکلے۔ تو لوگوں نے آپ کو پھانسی دی۔ اور جس وقت آپ کو سولی کی طرف لے جایا جا رہا تھا آپ اپنی زنجیروں میں لہرا کر چل رہے تھے اور

شعر پڑھ رہے تھے۔جن کا ترجمہ یہ ہے کہ میرا محبوب کسی ظلم کی طرف منسوب نہیں۔ مجھے پلایا پھر مجھ سلام دیا جیسے ایک مہمان دوسرے مہمان کے ساتھ سلوک کرتا ہے۔تو جب پیالے گردش میں آئے تو چمڑے کا فرش اور تلوار منگوالی۔اور یہ اس کی جزا ہے جو کہ موسم گرما میں اژدہا کے ساتھ پیتا ہے۔

متبعین شرع کے واقعات کو کرامت کہنے کی حکمت

اگر تو کہے کہ قوم کے پاس اس کی کیا دلیل ہے کہ انہوں نے شریعت کے پیروکاروں کے واقعات کو کرامت کہا۔مخالفین کے واقعات کے لئے نہیں؟ تو جواب یہ ہے کہ اس سلسلے میں ان کی دلیل یہ ہے کہ کرامت اللہ تعالیٰ کے اسم البر کے دربار سے صادر ہوتی ہے۔پس یہ مقام اس کے ابرار بندوں کے لئے ہی پورے طور پر ہوگا۔کیونکہ مناسبت اس کا مطالبہ کرتی ہے گرچہ صاحب کرامت مطالبہ نہ کرے۔ اسے شیخ نے ۱۸۴ویں باب میں ذکر کیا ہے اور طویل کلام فرمایا:

کرامت کی دو اقسام

پھر فرمایا: جان لے کہ کرامت دو قسموں پر ہے حسیہ اور معنویہ۔اور عوام صرف کرامت حسیہ کو ہی پہنچانتے ہیں جیسے دل کے خطرات کے مطابق کلام کرنا۔مستقبل کے متعلق غیب کی خبریں دینا۔عالم وجود اخذ کرنا، پانی پر چلنا، ہوا کو چیرنا، زمین کا لپیٹنا، نگاہوں سے اوجھل ہو جانا دعا کا فی الفور قبول ہونا وغیرہ۔تو یہ ہے عوام کے نزدیک ولی، رہی کرامت معنویہ تو یہ وہ ہے جو کہ اہل اللہ تعالیٰ میں سے خواص کے درمیان ہے۔اور اس میں سے جلیل القدر اور عظیم تر کرامت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے پر آداب شریعت کی نگہبانی فرمائے پس اسے مکارم اخلاق اپنانے اور بیہودہ کاموں سے پرہیز کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔اور واجبات وسنن کی مطلقا ان کے اوقات میں ادائیگی۔خیرات کی طرف جلدی کرنا اور بغض، کینہ اور حسد کے ازالہ، ہر بری صفت سے دل کی پاکیزگی، اسے پاس انفاس کے ساتھ آراستہ کرنے۔اپنے نفس میں اور اشیاء میں حقوق الٰہیہ کی مراعات، اپنے سانسوں کی آمد و رفت میں ان کی مراعات کہ ادب کے ساتھ حاصل کرے اور انہیں خارج کرے جبکہ ان پر دربار الٰہی میں حضوری کی پوشاک ہو کیونکہ یہ سانس اس کی طرف اللہ تعالیٰ کے ایلچی ہیں پس ان کے ساتھ اس کے حسن سلوک کی بدولت شکر گزار ہو کر لوٹیں۔تو یہ ہیں محققین کے نزدیک کرامات جن میں مکر داخل ہو سکے۔نہ استدراج، بخلاف ان کرامات کے جنہیں عوام پہنچانتے ہیں کیونکہ ان میں مکر و استدراج داخل ہو سکتا ہے۔پس کامل وہ ہے جو کرامت پر قادر ہو اور اسے چھپائے۔پھر جب ہم کرامت فرض کریں تو لازمی ہے کہ یہ استقامت کا نتیجہ ہو۔پس بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے اس ولی کے اعمال کی جزاء کا حصہ بنا دے پس وہ آخرت کی طرف خیر سے خالی ہاتھ جائے۔اور ہم نے جو کہا ہے کہ کرامات معنویہ میں مکر و استدراج داخل نہیں ہوتا اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا مصاحب علم ہوتا ہے۔اور حدود شریعہ مکر الٰہی کا جال نہیں ہوتیں بلکہ یہ حصول سعادت کی طرف عین طریق واضح ہیں۔

کرامت کے متعلق حضرت علی الخواص رحمۃ اللہ علیہ کی وضاحتیں

اور میں نے سیدی علی الخواص رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جب کامل کے ہاتھوں کرامات محسوسہ میں سے کوئی چیز واقع ہو تو وہ خوف کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حضور زاری کرتا ہے۔اور طلب کرتا ہے کہ اسے معمول کی عادات کے ساتھ چھپا دے۔اور یہ عوام سے کسی

ایسے امر کے ساتھ ممتاز نہ ہو جس کی طرف اس میں اشارہ کیا جائے سوائے علم کے۔ کیونکہ علم ہی مطلوب ہے۔ اور اسی سے نفع حاصل ہوتا ہے گرچہ کوئی اس پر عمل نہ کرے۔ قل ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون (الزمر آیت ۹۔ فرما دیجئے کیا کبھی علم والے اور جاہل برابر ہو سکتے ہیں)

نیز میں نے آپ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے علماء کو جس رفیع المرتبت چیز سے نوازا ہے وہ خصوصیت کے ساتھ علم ہی ہے۔ پس یہ ایسی کرامت ہے کہ جب اس پر عمل کیا جائے تو اس کے برابر کوئی کرامت نہیں ہو سکتی۔ اور یہ اس لئے کہ دار دنیا صرف علم و عمل کے لئے ہے اور رہے خرق عادات وغیرہ نتائج تو ان کا مقام تو آخرت ہے۔ انتہی

اور شیخ نے ۷۷ اویں باب میں فرمایا ہے کہ سب سے عظیم کرامت یہ ہے کہ بندہ اس حد تک پہنچ جائے کہ اگر سارا جہان اللہ تعالیٰ سے غافل ہو جائے تو اس ولی کا ذکر سب کے ذکر کے قائم مقام ہو۔ تو مثلاً جب وہ سبحان اللہ کہے تو اس کے جو ہر نفس میں وہ سارے کا سارا ذکر نقش ہو جائے جو کل عالم زبان سے ادا کرتا اگر وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا۔ اور یہ اس لئے کہ جب اللہ تعالیٰ اس ولی کو جزا دیتا ہے تو اسے سارے عالم کے ثواب کی مثل عطا فرماتا ہے۔ انتہی

کرامات حسیہ میں مکر خفی سے ولی کی حفاظت کا ذریعہ

اگر تو کہے کہ وہ کیا چیز ہے جس سے کرامات حسیہ میں ولی کی مکر خفی سے حفاظت ہوتی ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ اس سے اس کی حفاظت اس کا میزان شریعت کو اپنے ہاتھ سے نہ پھینکنا ہے تاکہ اس کے ساتھ ہر سانس میں اپنے حال کا وزن کرے کیونکہ کرامات میں ایسا مکر خفی ہوتا ہے جس کا شعور صرف عارفین ہی کو ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے سنستدرجھم من حیث لا یعلمون (الاعراف آیت ۱۸۲۔ ہم انہیں آہستہ آہستہ پستی میں اس طرح گرادیں گے کہ انہیں علم تک نہیں ہوگا)

شیخ نے ۲۳۱ ویں باب میں فرمایا ہے کہ مکر خفی اکثر ان کے لئے واقع ہوتا ہے جو کہ آیات صفات اور ان کی خبروں میں تاویل کرتے ہیں۔ اور اس میں جو کہ اپنے حال پر باقی رہتا ہے اور اس کے باوجود مخالفات میں گر جاتا ہے۔ اور اس میں جسے ایسا علم عطا کیا جاتا ہے جو کہ عمل چاہتا ہے جبکہ وہ اس پر عمل سے محروم رہتا ہے یا عمل عطا کیا جاتا ہے لیکن اس میں اخلاص سے محروم رہتا ہے تو اے بھائی! جب تو اپنے آپ سے یا اپنے غیر سے یہ حالت دیکھے تو جان لے کہ اس کے ساتھ متصف مکر خفی کا شکار ہے۔ اور اس میں طویل کلام فرمایا۔ پھر فرماتے ہیں: پس معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے مکر یعنی خفیہ تدبیر کو صرف اسی سے مخفی رکھا ہے جو کہ اس کا شکار ہے نہ کہ دوسرے سے۔ پس بیشک اللہ تعالیٰ نے یعلمون کی ضمیر کو صرف اسی ضمیر پر لوٹایا ہے جو کہ سنستدرجھم میں ہے۔ نیز فرمایا ہے ومکروا مکرا ومکرنا مکرا وھم لا یشعرون (النمل آیت ۵۰۔ اور انہوں نے مکر کیا اور ہم نے بھی خفیہ تدبیر کی اور وہ سمجھ ہی نہ سکے) پس ہم کا مضمر وہی ہے جو مکروا کا مضمر ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کی ان لوگوں کے متعلق خفیہ تدبیر عین ان لوگوں کا مکر ہے جس سے وہ متصف تھے اور انہیں کوئی شعور نہ تھا۔ اور اس میں طویل گفتگو فرمائی۔ پھر فرمایا: اور پھر وہ شخص جو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف بصیرت اور علم یقینی کی صورت میں دعوت نہیں دیتا وہ مکر سے غیر محفوظ ہے گرچہ وہ صاحب اتباع ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اکیاسویں بحث

اسلام اور ایمان کے بیان میں

اور اس بیان میں کہ یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ مگر اس شخص میں جسے تلفظ بالا یمان کے وقت کی گنجائش سے پہلے ہی موت نے ہلاک کر دیا۔ وہاں ایمان پایا گیا ہے نہ کہ اسلام۔ جیسا کہ انشاء اللہ تعالیٰ اس کی وضاحت آئے گی۔

جان لے کہ اسلام شرعی طاعتوں پر مبنی اعمال ہیں۔ جیسے شہادتین کو لفظوں میں ادا کرنا۔ نماز اور زکوٰۃ وغیرہ۔ جیسا کہ اسے شیخین کی حدیث نے بیان کیا کہ اسلام یہ ہے کہ تو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دے۔ نماز قائم کرے، زکوٰۃ ادا کرے، رمضان کے روزے رکھے اور اگر سفر خرچ پاس ہو تو بیت اللہ شریف کا حج کرے۔ پھر ان اعمال اسلامیہ کی بدولت انسان تکلیف بالاسلام کے عہدہ سے سرخ رو نہیں ہو سکتا مگر ایمان کے ساتھ اور اس کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے ہاں سے رسول علیہ السلام کا جن ضروریات کا لانا معلوم ہے ان کے متعلق قلب کی تصدیق ہے جیسا کہ صحیحین کی حدیث سابق میں موجود جبریل کا سوال بیان کرتا ہے۔ جس میں کہا گیا کہ ایمان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ۔ اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں اس کے رسولوں اور یوم آخرت پر ایمان لائے۔ اور قضاء وقدر کے خیر وشر پر ایمان لائے۔

اور رسول علیہ السلام کی لائی ہوئی ضروریات کی تصدیق قلبی سے مراد ان چیزوں کا یقین کرنا جو رسل علیہم السلام لے کر آئے اور اسے قبول کرنا ہے۔ ائمہ اصول نے کہا ہے کہ اس کی تکلیف اس کے اسباب کے ساتھ تکلیف ہے جیسے ذہن ڈالنا۔ اوپر نظر پھیرنا، حواس متوجہ کرنا اور موانع کو دور کرنا، ورنہ وہ افعال اختیار یہ سے نہیں ہیں جو کہ تکلیف کا مدار ہیں۔ وہ تو کیفیات نفسانیہ ہیں۔

اور ائمہ اصول نے یہ کہہ کر کہ اس کے سے ساتھ تکلیف اس کے اسباب کے ساتھ تکلیف ہے ایک سوال اور اس کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے۔ تقریر سوال یہ ہے کہ تصدیق علم کی دوقسموں میں سے ایک ہے اور یہ کیفیات نفسانیہ سے ہے نہ کہ افعال اختیار یہ سے۔ پس اسے حاصل کرنے کے ساتھ تکلیف کیونکر متعلق ہو سکتی ہے۔ اور تقریر جواب یہ ہے کہ اس کیفیت کو اختیار کے ساتھ حاصل کرنا اسباب کو اپنانے۔ صرف نظر کرنے اور ان دونوں کے ساتھ جو کچھ مذکور ہے اسے اختیار کرنے کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور ان کی تکلیف کا معنی اسی کی تکلیف ہے۔ یہ نہ کہا جائے کہ انشراح صدر جو کہ غور وفکر کے مبادی کا آغاز ہے وہ بھی اختیار عبد میں نہیں۔ کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ اس سے اوپر جو کچھ ہے تو وہ تقدیر کے راز کا علم ہے جسے کھولنے اور اس کی وضاحت کرنے سے علماء نے منع فرمایا ہے۔

ایمان مخلوق ہے یا غیر مخلوق

اگر تو کہے کہ کیا ایمان مخلوق ہے یا غیر مخلوق؟ تو جواب یہ ہے کہ ایمان اس حیثیت سے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت ہے غیر مخلوق ہے۔ کیونکہ ہدایت اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی صفات قدیمہ ہیں۔ اور اس حیثیت سے کہ وہ بندے کا اقرار اور یقین ہے مخلوق ہے۔ کیونکہ اس وقت وہ بندے کے اعمال سے شمار ہوتا ہے۔ واللہ خلقکم وما تعملون (الصافات آیت ۹۶۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ہی تمہیں اور تمہارے اعمال کو پیدا فرمایا ہے)۔ اور ہمارے ائمہ نے فرمایا ہے کہ بندے کے تکلیف بالا یمان کے منصب سے سرخ رو ہونے میں تصدیق مذکور معتبر نہیں مگر تلفظ بالشہادتین کے ساتھ۔ اور یہ اس کے لئے ہے جو کہ اس پر قدرت رکھتا ہو۔ اور

یہ اس لئے کہ شارع نے تلفظ بالشہادتین کو ہمارے لئے اس تصدیق پر علامت قرار دیا ہے۔ جو کہ ہم سے مخفی ہے۔ حتیٰ کہ منافق ہمارے درمیان مومن اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک کافر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **ان المنافقین فی الدرك الاسفل من النار ولن تجد لهم نصیرا** (النساء آیت ۱۴۵ بے شک منافق دوزخ کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے اور تو ان کے لئے ہرگز کوئی مددگار نہیں پائے گا)

شیخ کمال الدین بن ابی شریف اپنے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ اس مسئلہ کا جیسا کہ بعض نے کہا ہے حاصل یہ ہے کہ جمہور، محدثین، معتزلہ اور خوارج اس طرف گئے ہیں کہ دنیا، برزخ اور آخرت کے احکام میں رسول کا جو کچھ لانا معلوم ہو صرف اس کی تصدیق ہی ایمان نہیں۔ یہ تو تین امور کا مجموعہ ہے۔ اعتقاد حق، اس کا اقرار۔ اور اس کے مقتضا پر عمل کرنا۔ تو جس کے صرف اعتقاد میں خلل واقع ہوا وہ منافق۔ جس کے اقرار میں خلل ہوا وہ کافر اور جس کے عمل میں خلل ہوا وہ سب کے نزدیک فاسق ہے۔ اور خوارج کے نزدیک کافر۔ اور معتزلہ کے نزدیک ایمان سے خارج، اور کفر میں غیر داخل ہے۔

اور میں نے آپ کے حاشیہ کے حاشیہ آپ کے قلم سے یہ بھی لکھا دیکھا ہے کہ اس مسئلہ میں حاصل گفتگو یہ ہے کہ عبادات کے اعتبار کے لئے ایمان شرط ہے۔ پس قابل اعتماد اسلام، ایمان سے جدا نہیں ہوتا۔ گرچہ ایمان کبھی اس سے جدا ہو سکتا ہے۔ پس قابل اعتبار اسلام ایمان کے بغیر پایا نہیں جاتا۔ جبکہ ایمان معتبر کبھی اسلام کے بغیر پایا جاتا ہے جیسے کہ وہ شخص جس نے تصدیق کی پھر شہادتیں کی لفظوں میں ادائیگی کے وقت کی گنجائش سے پہلے موت نے اسے اچک کیا۔ اور جو اس کا قائل ہے کہ ایمان اور اسلام ایک ہی ہیں اس نے اسلام کی تفسیر باطن کے سر تسلیم خم کرنے اور مطیع ہونے یعنی احکام قبول سے کی ہے۔ تو جس نے تحقیقی نظر کی اس کے لئے ظاہر ہوتا ہے کہ اختلاف صرف اس میں ہے کہ یہ دونوں مترادف ہیں لیکن مفہوم اسلام میں کوئی اختلاف نہیں۔ اور احناف کی کثیر تعداد مترادف ہونے کے قائل ہیں اور بعض شافعی حضرات بھی۔ انتہی

تلفظ بالا یمان کی ایمان میں حیثیت

شیخ تاج الدین بن السبکی فرماتے ہیں: یہاں ایک سوال ہے جو کہ یہ ہے کہ تلفظ بالا یمان جو کہ شہادت ہے ایمان کی شرط ہے یا اس کا جزو ہے۔ اس میں علماء کو تردد ہے۔ جلال محلی فرماتے ہیں کہ کلام غزالی کا مقتضا یہ ہے کہ یہ شرط ہے نہ جزو، یہ صرف اس کے واجبات میں سے ایک واجب ہے۔ شیخ کمال الدین شرح جمع الجوامع کے اپنے حاشیہ میں فرماتے ہیں: اور اس کی وضاحت یہ ہے کہ تلفظ کے بارے میں کہا جائے کہ کیا یہ دنیا میں ایمان والوں کے احکام جاری کرنے کے لئے شرط ہے جیسے وارث ہونا۔ نکاح کرنا وغیرہ پس جسے ایمان کہا جاتا ہے اس میں غیر داخل ہو۔ یا یہ اس کا جزو ہے یعنی اس کا جزو جسے ایمان کہتے ہیں۔ فرماتے ہیں: اور جس پر جمہور محققین ہیں وہ پہلی صورت ہے۔ اور اس کے مطابق جس نے اپنے قلب کے ساتھ تصدیق کی اور زبان سے اقرار نہ کیا باوجودیکہ اقرار کر سکتا ہے وہ عند اللہ مومن ہے۔ فرمایا: اور یہ لغت اور عرف کے ساتھ زیادہ موافقت رکھتا ہے۔ جبکہ حنفیہ میں سے شمس الائمہ سرخسی اور فخر الاسلام بزدوی اور کثیر فقہاء دوسری صورت پر ہیں۔ اور پہلے مسلک والوں نے انہیں الزام دیا ہے کہ جس نے اپنے قلب سے تصدیق کی اور وقت اقرار کی گنجائش سے پہلے اسے موت نے اچک لیا وہ کافر ہوگا جبکہ یہ خلاف اجماع ہے جیسے کہ اسے امام رازی وغیرہ نے نقل فرمایا ہے۔

ایمان متجزی نہیں اور اس مسئلہ میں شیخ محی الدین کی عبارات

اگر تو کہے کہ کیا ایمان کے اجزاء ہو سکتے ہیں؟ تو جواب یہ ہے کہ ایمان ایک ہے۔ بعض میں تقسیم نہیں ہوتا حتیٰ کہ اس کا کوئی جزو بدن کی ایک جگہ میں ہو۔ اور ایک جزو دوسری جگہ میں ہو۔ بلکہ اس کا نور تمام اعضاء میں منتشر ہے حتیٰ کہ جب اس کا کوئی عضو منقطع ہو جائے تو ایمان قلب میں چلا جاتا ہے کیونکہ یہ متجزی نہیں ہوتا۔ واللہ علم۔ میں نے ائمہ اصول سے جو کچھ پایا ہے یہ اس کا خلاصہ ہے۔

رہی شیخ محی الدین کی عبارات تو آپ فتوحات مکیہ کے ۴۶۰ ویں باب میں فرماتے ہیں: جان لے کہ اسلام عمل ہے اور ایمان تصدیق ہے۔ اور احسان رؤیت ہے یا رؤیت کی طرح ہے۔ پس اسلام طاعت ہے۔ ایمان عقیدہ ہے جبکہ احسان مشاہدہ ہے تو جس نے ان صفات کو جمع کر لیا۔ وہ اس وقت کی تجلیات حق تعالیٰ سے کسی چیز کا انکار نہیں کرتا جب آخرت میں تجلی فرمائے گا۔ اور ان میں سے بعض نے اس کا انکار کیا ہے جیسا کہ حدیث مسلم میں ہے۔ پس تمام تجلیات میں اس کے لئے حق تعالیٰ وحدہ نے ہی تجلی فرمائی ہے۔ جس نے اپنے عقیدہ میں ان صفات کو جمع نہیں کیا تو وہ لازماً ہر اس چیز کا انکار کرتا ہے جس کا اس نے دنیا میں ذوق حاصل نہیں کیا۔

اور ۳۵۱ ویں باب میں بھی فرمایا: جان لے کہ صدق کا محل خبر ہے۔ اور خبر کا محل صادق ہے اور وہ دلائل والوں کی صفت نہیں ہے۔ وہ تو ایسا نور ہے جو کہ بندے کے قلب پر ظاہر ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یا اس کے غیر کی طرف سے خبر دینے والے کی تصدیق کرتا ہے۔ اور وہ نور اس کے لئے خبر دینے والے کے صدق کا انکشاف کرتا ہے۔ وہ اس سے مخبر کے رجوع کی وجہ سے رجوع کرتا ہے۔ کیونکہ صدق کا نور مخبر کے تابع ہے جہاں جائے۔ جبکہ دلیل کے ساتھ تصدیق کرنے والے کا حکم یہ نہیں ہے۔ اگر مخبر رجوع کرے تو اس کے رجوع کی وجہ سے وہ رجوع نہیں کرتا۔ یہ دونوں شخصوں کے درمیان فارق ہے۔

شیخ نے فرمایا: موجودات میں یہ سب سے مشکل مسائل میں سے ہے کیونکہ احکام شرعیہ اخبار الٰہیہ ہیں جنہیں نسخ داخل ہوتا ہے۔ اور تصدیق حکم کے تابع ہے۔ پس اسے ثابت کرتی ہے جب تک مخبر اسے ثابت کرے اور اس کا مرتبہ بڑھاتی ہے جب تک مخبر اسے بڑھاتا رہے اور حق تعالیٰ اس میں شروع کرنے کے ساتھ موصوف نہیں۔ اور یہ وہ مقام ہے جہاں بعض طوائف نے احکام کے نسخ کا انکار شروع کر دیا۔ رہا صادق تو وہ اپنے آپ کی خبر اول میں تکذیب نہیں کرتا۔ اس نے تو اس کے ثبوت کی خبر دی۔ اور اس کی رفعت کی خبر دی۔ اور وہ دونوں حالتوں میں صادق ہے۔ پس معلوم ہوا کہ ایمان کی سچائی نور کشفی ہے۔ اس کا صاحب اس پر شبہ وارد ہونے کو اصلاً قبول نہیں کرتا۔ انتہی

صدق اور حق

اگر تو کہے کہ کیا وہاں صدق اور حق کے درمیان کوئی فرق ہے یا دونوں کا ایک ہی معنی ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ یہ دو چیزیں ہیں۔ کیونکہ حق وہ ہے جس کا کرنا واجب ہے۔ جبکہ صدق وہ ہے جس کی وجہ سے حق کے ساتھ خبر دی جائے جس پر کہ وہ ہے۔ اور وہ کبھی واجب ہوتا ہے پس حق ہوتا ہے۔ اور کبھی واجب نہیں ہوتا تو صدق ہوتا ہے نہ کہ حق۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **لیسأل الصادقین عن صدقھم** (الاحزاب آیت ۸۔ تا کہ سچوں سے ان سچ کے متعلق پوچھے) یعنی اگر اس کا کرنا ان پر واجب تھا تو نجات پا گئے اور اگر ان پر واجب نہ تھا بلکہ اس سے رو کے گئے تھے تو ہلاک ہو گئے۔ اسے شیخ نے ۳۷۴ ویں باب میں ذکر کیا۔ اور اس کے متعلق طویل کلام کیا۔

پھر فرماتے ہیں اور جان لے کہ بعض حق ایسے ہیں جو انہیں قائم نہ کرنے والے کی مدح و ستائش کا تقاضا کرتے ہیں جیسے وہ مجرم جو

اپنے جرموں کی وجہ سے سزا کا مستحق ہو۔ اسے معاف کر دیا جائے تو یہ ایسا حق ہے جسے باطل کر دیا گیا اور یہ قابل تعریف ہے۔ جیسے غیبت، چغلی اور زوجہ کا راز افشاء کرنا صدق ہے اور یہ قابل مذمت ہے۔ پس ہر حق صدق ہے جبکہ ہر صدق حق نہیں۔ کیونکہ صادق سے اس کے صدق کے متعلق سوال ہوگا اور حق والے سے جبکہ وہ اسے قائم کرے اس کی بابت سوال نہیں ہوگا۔ پس غیبت اور اس جیسے دیگر اعمال صدق ہیں۔ حق نہیں ہیں۔ والسلام

نور ایمان کی کتنی قسمیں ہیں؟

اگر تو کہے کہ نور ایمان کتنی قسموں پر منقسم ہوتا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ دو قسموں پر۔ جس طرح کہ اس کے اہل دو قسموں پر ہیں۔ پہلی قسم، وہ شخص جو غور و فکر استدلال اور برہان کی وجہ سے ایمان لایا۔ تو اس کے ایمان کا ثابت رہنا یقینی نہیں کیونکہ وہ دلیل کے ساتھ گردش کرتا ہے۔ اور ایسے کے نور ایمان کی رونق قلوب میں شامل نہیں ہوتی کیونکہ وہ نہیں دیکھتا مگر اپنی دلیل کے حجاب کے پیچھے سے۔ اور اصحاب نظر کے دلائل میں سے کوئی دلیل نہیں مگر وہ حصول دخل و قدح کے نشانے پر ہے۔ گرچہ ایک وقت کے بعد پس اسی لئے صاحب برہان اپنے قلب میں ایمان کی رونق کو شامل نہیں ہونے دیتا کیونکہ درمیان میں حجاب ہے۔

دوسری قسم وہ شخص ہے جس کے قلب میں حصول ایمان کے وقت اس کی برہان ایک اور امر ضروری کی وجہ سے ہو۔ اور یہ وہ ایمان ہے جس کی رونق قلوب میں شامل ہوتی ہے۔ اور اس کے صاحب کے بارے میں شک کا تصور نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ شک وہ مکان نہیں پاتا جسے آباد کرے۔ کیونکہ اس کا مکان دلیل ہے جبکہ یہاں کوئی دلیل نہیں پس یہاں وہ مقام نہیں جہاں دخل اور شک وارد ہو اسے شیخ نے ۴۳ ویں باب میں ذکر کیا ہے۔

ایمان کی پانچ اقسام

اور اس سے پہلے آپ فتوحات کے پانچویں باب میں فرماتے ہیں: جان لے کہ ایمان پانچ اقسام پر ہے۔ ایمان تقلید سے، ایمان علم سے، ایمان معاینہ سے، ایمان حق سے اور ایمان حقیقت سے۔ پس تقلید عوام کے لئے، علم اصحاب دلائل کے لئے۔ معاینہ اہل مشاہدہ کے لئے۔ حق عارفوں کے لئے اور حقیقت واقفوں کے لئے، رہی حقیقۃ الحقائق جو کہ پانچ اقسام سے زائد ہے پس یہ رسولوں کے لئے ہے۔ اور ہمیں حق تعالیٰ نے اس کے کشف سے روکا ہے پس اسے بیان کرنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ انتہی۔

اور کتاب کے آغاز میں مقدمہ میں یہ بات گزر چکی ہے کہ جس نے اپنا ایمان شارع کی تقلید قطعی سے حاصل کیا وہ اس کی بہ نسبت زیادہ محفوظ اور پختہ ہے جو کہ اپنا ایمان دلائل سے حاصل کرتا ہے اور یہ اس لئے کہ دلائل میں دخل اور حیرت راہ پاتے ہیں۔

اگر تو کہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد لوگوں میں از روئے ایمان کون اعلیٰ ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ لوگوں میں ایمان و تصدیق کے اعتبار سے صحابہ کرام علیہم الرضوان اپنے طبقات کے اختلاف کے مطابق اعلیٰ ہیں۔ پھر وہ جو علی وجہ الکمال ایمان بالغیب رکھتے ہیں جیسے کہ ہمارے معاصرین۔ ہم نے سفیدی میں سیاہی دیکھی پس اس پر ایمان لائے اور اس کی تصدیق کی۔ اور ہم نے غیروں کی طرح نہیں کہا کہ یہ پہلوں کے قصے کہانیاں ہیں۔ فالحمد للہ رب العالمین۔

ایمان میں کمی بیشی کے نفی و اثبات میں وجہ جامع

اگر تو کہے کہ بعض کے اس قول کے درمیان کہ ایمان کم وبیش نہیں ہوتا اور جمہور کے اس قول کے درمیان کہ یہ کم وبیش ہوتا ہے وجہ جامع کیا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ ان دونوں کے درمیان وجہ جامع یہ ہے کہ جس نے کمی بیشی نہ ہونے کا قول کیا ہے اس کا قول ایمان فطرت پر محمول کیا جائے۔ اور جس نے کمی بیشی کا قول کیا ہے اسے فطرت سے طلوع روح تک محمول کیا جائے۔ کیونکہ ہر انسان مرتا مگر اس فطرت پر جس پر پیدا کیا گیا۔ اور اس کی وضاحت یہ ہے جیسا کہ شیخ نے ۲۸۱ ویں باب فرمایا: یہ کہا جائے کہ ایمان اصلی جو کم وبیش نہیں ہوتا وہ فطرت ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا فرمایا۔ اور وہ اخذ میثاق میں ان کی اللہ تعالیٰ کے لئے وحدانیت کی گواہی ہے۔ پس ہر مولود اس میثاق پر پیدا ہوتا ہے۔ لیکن جب اسے اس جسم میں طبیعت کے حصار میں جو کہ محل نسیان ہے اس حالت سے ناواقفی حاصل ہوئی جس پر کہ وہ اپنے رب کی معیت میں تھا۔ اور اسے بھول گیا۔ تو اسے اپنے خالق کی وحدانیت پر دلائل کی ضرورت اس وقت ہوئی جب اس حال کی طرف پہنچا جو اسے غور وفکر عطا کرتا ہے۔ اور اگر اس حد تک نہ پہنچے تو اس کا حکم اس کے والدین کا حکم ہے پس بندہ دلائل میں غور نہیں کرتا مگر اس لئے تاکہ اس حالت کی طرف لوٹے جس پر کہ اخذ میثاق کے وقت تھا۔ اس شخص کی طرح جو کہ مسافر ہو اور آسمان صاف ہو اور اسے سمت قبلہ معلوم۔ اچانک بادل چھا گئے یہاں تک کہ اب اپنے مقصد کی سمت معلوم ہے نہ قبلہ۔ اور ایسے شخص پر اجتہاد واجب ہے۔ پس سمجھ لے۔ اور عنقریب اس کی وضاحت آئے گی انشاء اللہ العزیز

اگر تو کہے کہ اس شخص کا حکم کیا ہے جس کے اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لانے سے پہلے شرک ہوا ہو جو کہ اس نے اپنے ماں باپ سے وراثت میں پایا یا غور وفکر سے یا اس امت سے جس میں وہ ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ اس کا حکم اس شخص کا حکم ہے جس میں تغیر وتبدل نہیں ہوا کیونکہ توبہ نے ماقبل کا نقصان پورا کر دیا۔ پس وہ ایمان اس کا ایمان میثاقی ہی ہے۔ نہ کہ کچھ اور۔ کیونکہ مشرک اللہ تعالیٰ کے وجود کا اقرار کرتا ہے لیکن اس نے اس کے ساتھ اس وقت شرک کیا جب اس کے اور اس کی توحید کے درمیان حجاب حائل ہو گیا۔ تو جب حجاب اٹھ گیا تو وہ میثاق کے وقت کی اپنی حالت کی طرف لوٹ آیا۔

مشرک اور معطل کا فرق

اگر تو کہے کہ مشرک اور معطل (خداوند تعالیٰ کے وجود کا منکر) دونوں میں سے نسبتاً ایمان کے قریب کون ہے؟ تو اس کا جواب جیسا کہ شیخ ابو طاہر القزدینی نے فرمایا یہ ہے کہ مشرک کے مقابلہ میں معطل ایمان کے زیادہ قریب ہے۔ کیونکہ ہر انسان کے لئے ضروری ہے کہ اپنے نفس میں اپنے وجود کے حوالے سے کوئی دلیل پائے کسی ایسے امر کی طرف کہ اسے پتہ نہیں چلتا کہ وہ کیا ہے۔ پس اسے کہا جائے گا کہ وہ جسے تو نہیں جان سکا کہ وہ کیا ہے وہ اللہ ہی تو ہے جس نے تجھے پیدا فرمایا اور تجھے رزق عطا فرمایا۔ پس بسا اوقات وہ اس پر ایمان لے آتا ہے اور تصدیق کرتا ہے۔ پس ازاں بعد اگر اس کے لئے یہ واقع ہوا کہ کیا وہ ایک ہے یا زیادہ تو یہ اس محل نظر میں ہوگا جو وہاں ہے۔ یا وہ اس کی تقلید کرتا ہے جس کا وہ موحدین میں سے معتقد ہے۔ پس وہاں کوئی نیا ایمان نہیں بلکہ وہ ہر مومن کے قلب میں لکھا ہوا ہے اس تفصیل کے ساتھ جو کہ بحث کے اوائل میں ہے۔

سعادت توحید کے ساتھ ہے

اگر تو کہے کہ جب تو سعادت توحید کے ساتھ ہی متعلق ہے۔ اور اس کی نفی کے ساتھ ابدی شقاوت متعلق ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ ہاں! اور اسی کی طرف اللہ تعالیٰ کے اس قول کا اشارہ ہے یا ایھا الذین امنوا یعنی عہد میثاق میں آمنوا ایمان لاؤ یعنی ہمارے رسول کے تمہیں کہنے پر کہ ایمان لاؤ۔ تو اگر یہ نہ ہوتا کہ ایمان ان کے ہاں جاگزیں تھا تو اس کے ساتھ ان کی وصف بیان نہ کی جاتی۔ تو اس تقریر کے ساتھ تیرے لئے ظاہر ہو گیا کہ بیشک ایمان فطرت وہی ہے جس پر بندہ فوت ہوتا ہے اور یہ کم وبیش نہیں ہوتا۔ اور یہ کہ اس کے کم وبیش ہونے سے مراد وہ کچھ ہے جو عمر میں طاری ہوا۔ واللہ اعلم۔

سعادت عطا کرنے والے چار مراتب

اور فتوحات کے ۴۷ ویں باب میں فرماتے ہیں: جان لے کہ وہ مراتب جو انسان کو سعادت عطا کرتے ہیں چار ہیں ایمان، ولایت، نبوت اور رسالت۔ پھر علم، ولایت کی شرائط میں سے ہے جبکہ ولایت کی شرائط میں سے ایمان نہیں۔ کیونکہ ایمان کا تعلق خبر سے ہے۔ اور کبھی اللہ تعالیٰ کا کوئی ولی ایمان کے بغیر پایا جاتا ہے۔ جیسے قیس بن ساعدہ کیونکہ وہ موحد ہے مومن نہیں (اقول و باللہ التوفیق۔ مومن اس لئے نہیں کہ ابھی اسے ان ضروریات دین کا علم ہی نہیں جنہیں ماننا ایمان کہلاتا ہے جو کہ رسول علیہ السلام من عند اللہ لے کر تشریف لاتے ہیں کیونکہ قس بن ساعدہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے ہوئے ہیں۔ ان کا اللہ تعالیٰ کو وحدہ لاشریک ماننا ہی سعادت کے لئے کافی ہے جیسا کہ اہل فترت کے لئے علماء اسلام نے تصریح فرمائی ہے۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ ولوالدیہ) اور بلاشبہ سعید ہیں پس علماء باللہ تعالیٰ کے لئے پہلا مرتبہ ان کی توحید ہے۔ پھر ان کا ایمان، پھر ان کا علم، اور اللہ تعالیٰ نے کبھی کسی ایسے کو اپنا ولی نہیں بنایا جو اس کے متعلق جاہل ہو۔ اور اہل فترات کی بحث میں گزر چکا ہے کہ یہ صحیح ہے کہ بطور معمہ ہمیں کہا جائے کہ ایک شخص جنت میں داخل ہوگا جبکہ وہ مومن نہیں۔ اور یہ وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی توحید کو اس نور کی بنا پر مانتا ہے جسے اس نے اپنے قلب میں پایا۔ جبکہ اس کے دور میں کوئی شریعت موجود نہیں جس پر ایمان لائے۔ اور یہ ایک عظیم مسئلہ ہے جس سے علماء غافل ہیں کیونکہ فلک ولایت کے تحت اللہ تعالیٰ کا ہر موحد داخل ہو سکتا ہے۔ اس کی توحید کسی طریقے سے بھی ہو۔

ومایؤمن اکثر ھم باللہ الاوھم مشرکون کا مفہوم

اگر تو کہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے کیا مراد ہے وما یؤمن اکثر ھم باللہ الا وھم مشرکون (یوسف آیت ۱۰۶۔ اور ان میں سے اکثر اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایمان نہیں لاتے مگر اس حالت میں کہ وہ شرک کرنے والے ہوتے ہیں) تو شرک کے باوجود ایمان کیونکر درست ہوا؟ تو اس کا جواب ۴۹۷ ویں باب میں شیخ کے مطابق یہ ہے کہ اس شرک سے مراد وہ شرک نفس ہے۔ کیونکہ مومن کامل وہ ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایمان لایا نہ کہ اپنے نفس کے ساتھ۔ اور اس کی تائید اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے۔ ولیؤمنوا بی (البقرہ آیت ۱۸۶۔ چاہئے کہ مجھ پر ایمان لائیں) یعنی نہ کہ اپنے نفسوں پر۔ پس وہ ان کے لئے ایمان میں کوئی دخل سمجھیں۔ بلکہ واجب یہ ہے کہ ایمان کا حصول صرف اللہ تعالیٰ کے فضل سے سمجھیں۔ اور اس میں طویل کلام کیا۔ پھر فرماتے ہیں کہ یہ آیت اللہ تعالیٰ کی توحید کے ساتھ ایمان عطا نہیں

کرتی۔ یہ تو صرف میثاق ذریت کا مشاہدہ عطا کرتی ہے جب حق تعالیٰ نے ہمیں ہمارے نفسوں پر اپنے قول الست بربکم کے ساتھ گواہ بنایا اور ہم نے بلٰی کہا۔ اور وہاں صرف ملک اور وجود کی تصدیق تھی نہ کہ ایمان اور توحید کی۔ اور اگر وہاں توحید تھی تو وہ توحید ملک تھی۔ تو اللہ تعالیٰ کے قول "الا وھم مشر کون" کا معنی ہوگا یعنی جب وہ دنیا کی طرف نکلے۔ کیونکہ جیسا کہ گزر چکا فطرت تو صرف حق اور ملک کے وجود پر ان کے ایمان پر تھی۔ تو جب توحید فطرت سے محجوب ہوئی تو ان میں سے اکثر میں شرک ظاہر ہوا جو کہ گمان کرتا تھا کہ وہ موحد ہے۔ اور یہاں انہیں صرف تکلیف نے پہنچایا۔ کیونکہ جب انہیں مکلف کیا گیا تو ان کے اکثر کو تحقیق ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مکلف نہیں فرمایا مگر وہ جانتا ہے کہ ان کے لئے ان اعمال کی ایجاد میں اقتدار نفسی ہے جن کا انہیں مکلف بنایا ہے۔ پس ان کے لئے توحید خالص نہ ہوئی۔ اور اگر انہیں علم ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مکلف نہیں فرمایا مگر اس وجہ سے کہ ان میں افعال کو اپنی طرف نسبت دینے کا دعویٰ ہے تو وہ اس سے اپنے نفسوں کے ساتھ جدا ہو جائے۔ جیسا کہ اہل شہود نے کیا۔ پس معلوم ہوا کہ اگر آیت میں ایمان سے مراد توحید ہوتی تو اس کا قول الا وہم مشرکون درست نہ ہوتا۔ پس اس سے دلالت ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان بالتوحید مراد نہیں لیا بلکہ صرف ایمان بالوجود مراد لیا ہے۔ انتھی

کفار کی شقاوت کی وجہ

اگر تو کہے کہ پھر کفار کی شقاوت کہاں سے ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ وہ اس قضاء کے حکم کی وجہ سے شقی ہوئے جسے لوٹایا نہیں جاسکتا۔ پس وہ ابدالآباد تک حالت میثاق کی طرف نہ لوٹے۔ نیز بیشک ربوبیت اللہ تعالیٰ کے لئے ہے پس اس کا مطلقاً کسی نے انکار نہیں کیا۔ صرف اس کے ساتھ دوسری ربوبیت کو شریک ٹھہرادیا اور اس پر رسولوں کی تکذیب کا اضافہ کر دیا پس شقاوت ابدی میں مبتلا ہو گئے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل و کرم سے حسن خاتمہ کا سوال کرتے ہیں۔

الا للہ الدین الخالص سے مراد

اور شیخ نے ۴۴۴ ویں باب میں اللہ تعالیٰ کے قول الا للہ الدین الخالص (الزمر آیت ۳۔ خبردار صرف اللہ تعالیٰ کے لئے دین خالص ہے) کے متعلق فرمایا ہے کہ اس دین سے مراد وہ دین ہے جو اس نے وفاء عبدیت میں صرف اپنے لئے خالص فرمایا ہے۔ اس سے مراد وہ نہیں جسے عبد نے شیطان سے خالص کیا ہے یا آگ کے خوف یا جنت کی رغبت سے خالص کیا ہے جو کہ اس پر برانگختہ کرتا ہے کیونکہ کبھی مکلف کے لئے اس کے اخلاص پر برانگیختہ کرنے والے ایسے امور ہوتے ہیں۔ پس عبد مخلصین میں سے ہوتا ہے اور اس حکم کی وجہ سے دین اس کے ہاتھ سے خلاصی پالیتا ہے جو کہ اس میں مشارکت عطا کرتا ہے پس اس کی وجہ سے عبد شریک سے کنارکشی کر لیتا ہے۔ اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے حنفاء للہ (الحج آیت ۳۱۔ یکسر اللہ تعالیٰ کی طرف مائل ہونے والے) یعنی اس کے ساتھ اس حق کی طرف مائل نہ ہونے والے جو اس نے مشروع فرمایا۔ اور مکلفین پر اس کا جانب باطن سے عہد لیا۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے اپنی کتاب میں انہیں مومنین کا نام دیا ہے پس ایک گروہ کے متعلق فرمایا کہ وہ آمنوا بالباطل و کفروا باللہ (العنکبوت آیت ۵۲۔ باطل پر ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا) پس انہیں خلعت ایمان پہنائی۔ پس اس وضاحت کے مطابق الفاظ کی حیثیت سے اسم ایمان، اہل سعادت کے ساتھ خاص ہے نہ کفر اہل شقاوت کے ساتھ خاص۔ وہ تو معنوں کے اعتبار سے ہے۔ کیونکہ احوال کے قرینے ہی وہ چیز ہیں جو کہ عہد خالص میں تمیز پیدا کرتے ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ نے بنی آدم سے ان کی پشتوں سے لیا۔ پھر تمام بنی آدم فطرت پر پیدا کئے گئے۔ اور

یہ ہے وہ میثاق خالص جو اس نے اپنے لئے لیا جس کا کوئی غاصبانہ مالک نہیں ہوا کہ اس سے خلاصی حاصل کی جائے بلکہ یہ نفس الامر میں خالص لنفسہ طاہر مطہر رہا۔ اور اسی بنا پر ابو یزید بسطامی اور سہیل بن عبداللہ تستری جیسے کہتے ہیں کہ ہم نے میثاق حق سے کوئی شے کم نہیں کی بلکہ اس کا عہد ہمارے پاس سالم خالص باقی ہے۔ اور یہ ہے وہ دین خالص نہ کہ مخلص۔ کیونکہ وہ عہد میں کسی سے خالص کئے بغیر قائم رہا۔ اور تکلیف سے پہلے اور اس کے بعد ہمیشہ نقص سے محفوظ رہا۔ تو ایسے لوگ اس سے مامور نہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں دراں حال کہ دین اسی کے لئے خالص کئے ہوئے ہوں کیونکہ استخلاص میں ان کا کوئی فعل نہیں ہے۔ اسے شیخ محی الدین نے فتوحات کے بعض نسخوں میں اسی طرح ذکر کیا ہے۔

امر بالاخلاص میں امام شعرانی کی رائے

اور جو میرے لئے ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ امر بالاخلاص کی زبان ہر مقام میں اس کے حسب حال عام ہے حتیٰ کہ مقام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی پاک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے فرمایا **فاعبد الله مخلصاله الدين** (الزمر آیت ۲۔ پس آپ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اسی کے لئے دین کو خالص کرتے ہوئے) حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **وعلمك مالم تكن تعلم و كان فضل الله عليك عظيما** (النساء آیت ۱۱۳۔ اور آپ کو وہ کچھ سکھا دیا جو آپ نہیں جانتے تھے۔ اور آپ پر اللہ کا فضل عظیم ہے) اور شیخ محی الدین کی تقریر کے مطابق اخلاص کے ساتھ درحقیقت آپ کی امت مخاطب ہے۔ آپ نہیں۔ پس اخلاص کے ساتھ مخاطب آپ ہیں جبکہ مراد آپ کا غیر ہے کیونکہ آپ کی امت کے خواص سے جب صحیح نہیں کہ عہد میثاقی میں تغیر کریں تو آپ سے ایسا کیونکر ہو سکتا ہے کیونکہ آپ تمام مقامات کے جامع ہیں۔ پس غور کر۔ واللہ تعالیٰ اعلم

حیات جمادات

اگر تو کہے کہ ہمارا جمادات کی حیات کو نہ ماننا ایمان میں عیب پیدا کرتا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ ہاں یہ ہر مومن کے ایمان میں معیوب ہے۔ اور شیخ نے ۳۵۷ ویں باب میں ذکر کیا ہے کہ ہر مومن پر واجب ہے کہ ایمان میں نقص پیدا کرنے والی چیز سے اس کی حفاظت کرے جیسے کہ ہر اس چیز کی حیات پر ایمان لائے جس کے متعلق حق تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ اس کی حمد کے ساتھ تسبیح پڑھتی ہے۔ پس بیشک اللہ تعالیٰ نے ہر شے کی حیات کی نفی نہیں فرمائی۔ وہ تو صرف اس کی تسبیح کی ہماری سمجھ میں آنے کی نفی فرمائی ہے۔ اور کچھ نہیں۔ پس اہل کشف اس کا عیاناً مشاہدہ کرتے ہیں۔ اور ایمان کامل والے اسے ایمان وعبادت کے حوالے سے مانتے ہیں۔ شیخ نے فرمایا: اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے **انه كان حليما غفورا**۔ یہ دونوں حجاب اور ستر کے اسماء ہیں اور مدت مقررہ تک مواخذہ موخر کرنے والے ہیں۔ اور فوری حکم والے نہیں۔ یہ اس لئے کہ اسے علم ہے کہ اس کے بندوں میں سے ایسے بھی ہیں جو کہ کشف اور ایمان کامل سے محروم ہیں۔ اور وہ عقل والے اہل غور وفکر ہیں۔ اور یہاں طویل کلام کیا۔

پھر فرماتے ہیں: کہ اہل کشف کہتے ہیں کہ ہم نے جمادات کا بولنا سنا اور اسے دیکھا۔ اور اہل ایمان کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے اور تصدیق کی۔ اور غور وفکر کے بندے جو کہ محجوب ہیں کہتے ہیں ہم نے سنا نہ دیکھا۔ فرمایا: اور اللہ تعالیٰ کے اس قول میں غور کر **اخرجنا لهم دابة من الارض تكليهم** (النمل آیت ۸۲۔ ہم ان کے لئے زمین سے ایک چوپایہ نکالیں گے جو ان سے گفتگو کرے گا) کس

طرح اس کے بعد یہ ارشاد فرمایا: ان الناس کا نوا بایاتنا لا یوقنون (کیونکہ لوگ ہماری آیتوں پر ایمان نہیں لاتے تھے)۔ کہ اسے علم ہے کہ لوگوں کا ایک گروہ اس پر ایمان نہیں لائیں گے اور اسے تاویل کے ساتھ اس کے آخر سے نکال باہر کریں گے۔ اور لا یوقنون کا معنی ہے کہ ان آیات پر جن میں سے چوپایہ بھی ایک آیت ہے ان کے قلوب میں ایمان قرار نہیں پاتا۔ بلکہ وہ اسے اس وجہ سے قبول کرتے ہیں جو کہ مقصود قدرت نہیں۔ پس اللہ تعالیٰ ہمارے تمام بھائیوں کو ایمان بخشے اگر وہ اہل عیان سے نہیں ہیں۔ آمین۔ اور عذاب قبر اور منکر نکیر کے سوال کی بحث میں لسان مقال کے ساتھ تسبیح جمادات کے دلائل کا بیان آئے گا انشاء اللہ العزیز۔ اس طرف رجوع کر۔

دشمن کا ہدیہ قبول کرنے سے پرہیز

اگر تو کہے کہ کیا اس کا ہدیہ قبول کرنے سے پرہیز واجب ہے جس کے ساتھ ہمیں اللہ تعالیٰ نے عداوت رکھنے کا حکم دیا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ ہاں، ہم پر یہ واجب ہے کیونکہ حدیث میں ہے تہادوا تحابوا۔ یعنی باہم ہدیہ دینے سے باہم محبت ہوتی ہے۔ جبکہ عطاء کا ایمان میں عیب لگانے والا اثر ہے۔ کیونکہ محسن نفس کے لئے محبوب ہے۔ اور یہ مسئلہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطاء کے مشاہدہ سے ہر محجوب کے متعلق پر خطر ہے پس وہ کیسے دعویٰ کرتا ہے جو کہ خلق سے عطاء دیکھتا ہے کہ وہ گناہوں پر اصرار کرنے والے کفار اور ظالموں سے محبت نہیں کرتا جبکہ وہ ان کا انعام واحسان قبول کرتا ہے۔ یہ امر اکثر مخلوق پر کٹھن ہے مگر جسے اللہ تعالیٰ چاہے کیونکہ یہ طبیعت سے خروج ہے تو اس کا گرچہ ظاہر پر اثر نہ ہو باطن میں ضرور ہے۔ انتہی

مومن کامل کی تعریف

اگر تو کہے کہ ہمارے لئے کوئی مثال واضح کریں جس سے ہمیں مومن کامل کی پہچان ہو جائے؟ تو جواب یہ ہے کہ مومن کامل وہ ہے جس کے نزدیک غیب، شک نہ ہونے میں شہادت کی طرح ہو اور اسے اللہ تعالیٰ ایمان کے ساتھ ولی بنائے جو کہ قول عمل اور عقیدہ صحیح ہے۔ پس اس کا قول اور اس کا فعل اس فعل میں اس کے اعتقاد کے مطابق ہو۔ اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یسعی نورھم بین ایدیھم و بایمانھم (التحریم آیت ۸۔ ان کا نور ان کے آگے آگے اور ان کے دائیں جانب دوڑتا ہوگا) اس سے مراد وہ اعمال صالحہ ہیں جو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حضور آگے بھیجے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن وہ ہے جسے لوگ اپنی جانوں اور مالوں پر بے ضرر جانیں اور ایک روایت میں ہے کہ مومن وہ ہے جس کا پڑوسی اس کی شرارتوں سے پرامن ہو۔

اور میں نے اپنے بھائی افضل الدین رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ کمال ایمان کی شرط میں سے یہ ہے کہ مومن کے نزدیک غیب بالکل شہادت کی طرح ہو جائے۔ اور اس سے کل عالم میں امن سرایت کر جائے۔ پس مومنین کاملین اپنی جانوں، مالوں اور اہل وعیال میں اس سے قطعاً پرامن ہوں۔ بغیر اس کے کہ اس شخص کی طرف سے ان کی جانوں میں اس امن میں کوئی خلل کی تہمت واقع ہو۔ تو جس میں یہ دو علامات نہیں ہوں گی تو وہ مغالطہ نہ دے اور اپنے آپ کو کامل مومنوں میں داخل نہ کرے۔

اور میں نے سیّدی علی الخواص رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص خدائی وعدوں پر ایمان کامل کا دعویٰ کرے تو اسے چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ستر گنا یا اس سے زیادہ صدقات کو بڑھانے کے وعدہ میں اپنے نفس کا امتحان لے۔ پس اگر اسے دیکھتا ہے کہ کسی محتاج کو کچھ دینے میں توقف نہیں کرتا گرچہ جو کچھ پاس ہے سب خرچ کر دے تو جان لے کہ اس پر اس کا ایمان کامل ہے۔ پس اس پر اللہ تعالیٰ کا

شکر واجب ہے اور اگر دن رات کی روزی موجود ہونے کے باوجود عطا کرنے سے توقف کرتا ہے تو جان لے کہ وہ خدائی وعدے پر ناقص الایمان ہے۔ اور اگر ایک یہودی سونا لے کر بیٹھ جائے اور کہے کہ جس نے کسی فقیر کو نصف دیا میں اسے ایک دینار عطا کروں گا تو لوگ عطا پر ہجوم کریں گے اور جو کچھ چاندی ان کے پاس ہوگی سب فقراء کو دیں گے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے لطف کا سوال کرتے ہیں۔

کامل الایمان ہونے کی علامت

اور میں نے آپ کو اللہ تعالیٰ کے قول'' وذکر فان الذکری تنفع المومنین ''(الذاریات آیت ۵۵۔ اور نصحت فرمائیں پس بیشک نصیحت ایمان والوں کو نفع دیتی ہے) کے متعلق بھی فرماتے ہوئے سنا: اے بھائی جب تو اسے دیکھے جو کہ کمال ایمان کا دعویٰ کرتا ہے۔ اور لوگ اسے نصیحت کرتے ہیں پس اسے نصیحت نفع نہیں دیتی تو جان لے کہ وہ اس حال میں یکسر ناقص الایمان ہے۔ پس بیشک اللہ تعالیٰ کی گواہی برحق ہے اور وہ صادق ہے اور اس نے ہمیں جتلایا ہے کہ مومن نصیحت سے نفع حاصل کرتا ہے جبکہ ہم نے اسے دیکھا کہ اس نے نصیحت سے نفع نہیں پایا تو لازم ہے کہ ہم کہیں کہ اس کا ایمان اللہ تعالیٰ کی تصدیق کے طور پر اس سے چھپا ہوا ہے۔ اور نفع کا کوئی معنی نہیں مگر اس کے مطابق عمل کا پایا جانا۔ قصہ مختصر ہم کسی کو نہیں دیکھتے جو کہ امر کے مطابق عمل سے توقف کرتا ہے مگر اس کے نفس میں بوجھ ہے۔ اور جسے ایسی چیز کے متعلق بوجھ لاحق ہو جس کی صادق نے خبر دی تو وہ کامل الایمان نہیں۔ اس کے باوجود اگر تو اس سے پوچھے تو کہے گا کہ میں اس چیز کے بارے میں کوئی شک نہیں کرتا جس کی ہمیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے خبر دی ہے۔ تو اے بھائی اپنے لئے ہوشیار رہ۔ پس بیشک اب تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عمل کثیر کے بغیر کامل الایمان ہو کر حاضر ہو تو اس سے کہیں بہتر ہے کہ تو تمام جن وانس کے اعمال کے ساتھ حاضر ہو اور تیرے ایمان میں فعل اور نقص ہو''

ایمان، علم ضروری ہے نظری نہیں

تو جیسے کہ شیخ نے ۱۵۹ ویں باب میں کہا ہے معلوم ہوا کہ ایمان علم ضروری ہے جسے مومن اپنے قلب میں پاتا ہے۔ اسے رد نہیں کر سکتا۔ اور جو شخص دلیل سے ایمان لایا تو اس کے ایمان میں پختگی نہیں جیسا کہ اسے ہم نے اس کتاب کے مقدمہ میں ذکر کیا ہے۔ اور یہ اس لئے کہ صاحب دلیل اپنے ایمان میں شبہات کے نشانے پر ہے جو کہ اس میں معیوب ہیں۔ کیونکہ وہ ایمان نظری ہے ضروری نہیں۔ اور ایمان نظری والا دلیل کا اسیر ہے۔ تو جو چیز بھی کسی وقت اس کے نزدیک ترجیح پاتی ہے تو جس پر وہ پہلے تھا اسے ترک کر دیتا ہے اسی لئے مرسل الیہ کی خاطر دلیل قائم کرنا وجود رسالت کے لئے شرط نہیں۔ اور اسی لئے ہم وجود دلیل کے باوجود ہر کسی سے وقوع ایمان نہیں پاتے بلکہ صرف بعض سے۔ تو اگر نفس دلیل کی وجہ سے ایمان ہوتا تو عام ہوتا۔ جبکہ ہم اسے دلیل نہ دیکھنے والے سے بھی دیکھتے ہیں پس اس سے دلیل ملتی ہے کہ ایمان تو وہ نور ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کے قلب میں چاہے ڈال دیتا ہے۔ دلیل کے ساتھ نہیں۔ اور اسی لئے ہم نے کہا ہے کہ ایمان میں وجود دلیل شرط نہیں۔

اور شیخ محی الدین نے ۱۵۹ ویں باب میں اسی سے ملتا جلتا ذکر فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے تجھے ایک گہرے راز پر متنبہ کیا ہے اسے ہر ایک نہیں پہنچتا۔ اس کی حفاظت کر۔ واللہ تعالیٰ اعلم

خاتمہ

شیخ نے ۳۶۴ ویں باب میں فرمایا ہے: جان لے کہ مکلفین میں سے کوئی بھی نہیں مرتا مگر معاینہ اور تحقق سے مومن ہو کر جس میں کوئی شک نہیں۔ لیکن صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے متعلق علم اور اس پر ایمان کی صورت میں۔ اور صرف یہ مسئلہ باقی رہ گیا کہ کیا یہ ایمان اسے نفع دیتا ہے یا نہیں۔ جبکہ قرآن پاک میں ہے فلم یك ینفعھم ایمانھم لمارأ وا باسنا (غافر۔ آیت ۸۵۔ پس جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھا تو انہیں ان کے ایمان نے کوئی فائدہ نہ دیا) شیخ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے فرعون سے حکایت کی کہ اس نے کہا آمنت انه لااله الا الذی آمنت به بنوا اسرائیل وانا من المسلمین (یونس آیت ۹۰۔ میں ایمان لایا کہ کوئی معبود نہیں بجز اس کے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اور میں مسلمانوں میں سے ہوں" پس اسے اس ایمان نے نفع نہ دیا۔ اور اس مسئلہ پر طویل دلائل دیئے کہ اسے اس کے ایمان نے فائدہ نہ دیا۔

فرعون مومن نہیں

(امام شعرانی فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ کی قسم اس شخص نے جھوٹ کہا اور بہتان باندھا جس نے شیخ محی الدین کی طرف منسوب کیا کہ آپ فرعون کے ایمان کی قبولیت کے قائل ہیں۔ اور یہ آپ کی نص ہے جو کہ ناقل کی تکذیب کر رہی ہے۔ علاوہ ازیں ایک جماعت فرعون کے ایمان کی قبولیت کی قائل ہے جن میں قاضی ابوابکر الباقلانی اور بعض حنابلہ ہیں یہ اس لئے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اس کے آخری لحہ میں اس سے ایمان کی حکایت کی ہے۔ انتہی

جبکہ جمہور علماء سب کے سب اس کے ایمان اور ان سب کے ایمان کے قبول نہ ہونے کے قائل ہیں جو کہ عذاب میں ایمان لائے۔ کیونکہ ایمان کی شرط ہے کہ اختیار ہو جبکہ عذاب کے وقت ایمان لانے والا تو ایمان کی طرف پناہ لینے والے کی طرح ہے۔ اور ایمان صرف اس شخص کو فائدہ دیتا ہے جو کہ اس کے خلاف پر قادر ہونے کے وقت ایمان لائے۔ حتیٰ کہ وہ شخص مختار ہو۔ اور اس لئے کہ ایمان کا تعلق غیب کے ساتھ ہے۔ رہا وہ جس نے اسے عذاب دینے کے لئے ملائکہ کے نزول کا مشاہدہ کیا وہ موضوع ایمان سے خارج ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

باونسویں بحث

حقیقت احسان کے بیان میں

جان لے کہ حقیقت احسان یہ ہے کہ عبد اپنے رب کی یوں عبادت کرے گویا اسے دیکھ رہا ہے جیسا کہ اس حدیث میں اس کی صراحت کی گئی ہے جس میں جبریل نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام۔ ایمان اور احسان کے متعلق سوال کیا۔ اور جلال محلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ احسان کی حقیقت تمام عبادات میں جو کہ ایمان اور اسلام کو بھی شامل ہیں اللہ تعالیٰ کا خوف پیش نظر رکھنا ہے۔ حتیٰ کہ بندے کی عبادات سب کی سب کمال اخلاص وغیرہ کی صورت میں ہوں۔ انتہی۔ اور خلق افعال اور ان کے کسب کے مسئلہ کی بحث میں پہلے گزر چکا ہے۔ بندے کا یہ علم کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے اس کے حق تعالیٰ کے لئے شہود سے تنزیہہ میں زیادہ کامل ہے۔ کیونکہ وہ اس کا شہود حاصل نہیں کرتا مگر محض اپنی عقل کے دائرے کے مطابق۔ اور اللہ تعالیٰ اس سے بالا ہے۔ بخلاف اس کے علم کے کہ اللہ تعالیٰ

اسے دیکھ رہا ہے۔ اور وہاں یہ بھی گزر چکا ہے کہ حدیث میں ایک اشارہ لطیف ہے۔ اور وہ یہ کہ مقام احسان والا جب اللہ تعالیٰ کے حضور یوں ہے کہ گویا وہ اسے دیکھ رہا ہے اس نے فعل صرف اللہ وحدہ کے لئے ہی پایا۔ اور بندے کے لئے اس میں کوئی اثر نہیں ہے۔ اور اس کے لئے تو اس میں صرف حکم ہے کیونکہ وہ اعضاء سے اس کے ظہور کا محل ہے۔ اس کے سوا کچھ نہیں۔ اور جس کا مشہد یہ ہو تو اسی کا عمل اللہ تعالیٰ کے لئے زیادہ خالص ہے اور اس نے اس میں اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہیں کیا۔

اور گزشتہ مباحث میں پہلے یہ بھی گزر چکا ہے کہ بندے کا کمال یہ ہے کہ عیان اور ایمان میں بھائی چارہ قائم کرے۔ پس وہ اس پر ایمان رکھنے والا ہو جس کا حجاب کی بغیر مشاہدہ کر رہا ہے۔ اور یہ اس لئے کہ شہود و معائنہ کی حالت میں اس سے ایمان بالغیب کا ثواب فوت نہ ہو۔ اور یہ ایک نادر مقام ہے اور شیخ محی الدین نے فتوحات کے باب الاسرار میں فرمایا ہے کہ مخفی نہ رہے کہ ایمان اور اسلام دونوں احسان کے مقدمے ہیں۔ کیونکہ ایمان کے لئے اولیت ہے۔ اور اسلام پیچھے آنے والا ہے۔ ورنہ قبولیت نہیں پاتا۔ تو یہ جوڑا ظاہر ہو گیا۔ اور مُہر وتر کے لئے ہے۔ پس اسے احسان نے وتر بنا دیا۔ کیونکہ وہ افراد ثلاثہ میں اوّل ہے نہ کہ ایک۔ پس سمجھ لے۔ وہاں یہ بھی فرمایا: جان لے کہ ایمان تصدیق ہے۔ پس یہ نہیں ہوتا مگر تخیل میں خبر کے مشاہدہ سے تو احسان کے بغیر چارہ نہیں۔ اور اسلام سر جھکانا ہے۔ اور یہ اسی کے لئے ہوتا ہے جو دست قدرت دیکھے جیسے کہ اس کے جلال کے لائق ہے اور اس کی پیشانی پکڑے ہوئے ہے۔ پس یہ خوشی سے جھک گیا۔ پس اگر اس نے حق تعالیٰ کا دست کرم نہ دیکھا جو کہ اس کے لئے اس کی تائید ہے اور نہ اس کے خیال میں آیا تو یہ نہ جھکا مگر مجبوری سے۔ جبکہ احسان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے گویا تو اسے دیکھ رہا ہے۔ ورنہ بیشک وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ امام شعرانی فرماتے ہیں کہ میں نے سیّدی علی بن وفا رضی اللہ عنہ کے کلام میں دیکھا ہے کہ مقام احسان سے وراء ایک اور مقام ہے جسے مقام الیقان کہا جاتا ہے۔ اور میں نے آپ کے سوا کے کلام میں ایسا نہیں دیکھا۔ پس غور و فکر کیا جائے۔

اور انبیاء علیہم السلام سے جوابات کی بحث میں پہلے گزر چکا ہے کہ مقام احسان والوں سے جب تک کہ وہ دربار احسان میں رہیں معصیت کا تصور نہیں ہو سکتا۔ اور یہ کہ اسی وجہ سے انبیاء معصوم ہیں اور ان کے علاوہ اولیاء محفوظ ہیں۔ کیونکہ انبیاء و اولیاء دربار احسان میں معتکف ہیں۔ البتہ انبیاء علیہم السلام تو وہاں ہمیشہ ہیں جبکہ اولیاء اللہ اکثر احوال میں وہیں ہیں۔ اور حضرت احسان والوں کی معصیت کی انتہاء یہ ہے کہ خلاف اولیٰ میں واقع ہوں۔ نہ کہ حرام اور نہ ہی مکروہ میں۔ جیسے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی طرف سے جواب میں گزر چکا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ترپنسویں بحث

مومن کا ''انشاء اللہ مومن ہوں'' کہنا

یہ اس بیان میں ہے کہ مومن کے لئے جائز ہے کہ خاتمہ مجہولہ کے خوف سے نہ کہ حال میں شک کرتے ہوئے کہے کہ میں انشاء اللہ مومن ہوں۔ جلال محلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے اسے ممنوع قرار دیا ہے۔ اور مقاصد میں اکثر کی طرف سے منع کی حکایت کی گئی ہے۔ اور عقائد نسفی کی عبارت کا ترجمہ یہ ہے کہ بندے کو نہیں چاہیے کہ انا مومن ان شاء الله کہے۔ اور اسے مولی سعد الدین نے اس پر محمول کیا ہے کہ بہتر اس کا ترک کرنا ہے نہ کہ منع بمعنی عدم جواز۔ پھر مولی سعد الدین نے ذکر فرمایا ہے کہ دونوں فریقوں کے درمیان درحقیقت معنوں میں کوئی اختلاف نہیں۔ کیونکہ اگر ایمان سے مراد صرف حصول معنی ہو تو وہ حال میں حاصل ہے اور

اگر وہ مراد ہو جس پر نجات اور ثواب آخرت مرتب ہوتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت ہے۔اور حال میں اس کے حصول کا قطعی یقین نہیں۔تو جس نے حصول کو قطعی جانا اس نے اوّل مراد لیا۔اور جس نے مشیت کے سپرد کر دیا اس نے دوسرا مراد لیا۔انتہی

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے جب اس کے متعلق پوچھا جاتا تو فرماتے کہ بندے کا **انا مومن ان شاء اللہ تعالیٰ** کہنا جزماً کہنے سے بہتر ہے۔یہ نہ کہا جائے کہ بندے کا ان شاء اللہ کہنا حال میں اس کے ایمان میں شک کا وہم پیدا کرنے والا ہے۔کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ ہر مومن حال میں متحقق بالایمان ہے۔اس خاتمے تک اس پر قائم رہنے کا یقین کرنے والا ہے جس کے حسن کی آرزو رکھتا ہے۔اور اپنے رب کے فضل سے اس کے ثابت رکھنے کا سوال کرتا ہے۔اور امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے پیروکاروں کی ایمان میں ان شاء اللہ کے عدم جواز کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جادوگروں کے متعلق فرمایا **قالوا آمنا برب العالمین رب موسیٰ و ھارون** (الاعراف آیت ۱۲۲۔ کہنے لگے ہم رب العالمین پر ایمان لائے موسیٰ و ہارون کے رب پر) اور انہوں نے استثناء نہ کی یعنی ان شاء اللہ نہ کہا۔اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول **اولئک ھم المومنون حقا** (الانفال آیت ۴۔ یہی لوگ ہے سچے مومن) اور استثناء نہ فرمائی۔اور نیز ایمان عقد ہے اور استثناء اسے کاٹ دیتا ہے اور کھول دیتا ہے۔اور شافعیہ نے جواب دیا ہے کہ ہم نے استثناء کو واجب قرار نہیں دیا بلکہ صرف جائز قرار دیا ہے۔اور یہ معلوم ہے کہ ہم میں سے جو استثناء کرتا ہے اس کی مراد بالا جماع پہلے کو باطل کرنا نہیں اور نہ ہی تردد مراد ہے۔

خاتمہ

جب مومن اپنے عمل میں ریاء وسمعہ کے طور پر شرک کرتا ہے تو اس کے لئے کوئی اجر نہیں۔اور اسے ابن عبدالسلام اور زرکشی نے اختیار کیا ہے۔اور فرمایا کہ یہ ظاہر ہے۔رہے امام غزالی تو آپ نے عمل کے باعث کا اعتبار کیا ہے۔اگر زیادہ غالب دنیوی باعث ہو تو کوئی اجر نہیں۔اور اگر زیادہ غالب باعث دینی ہو تو اس کے مقداء کے مطابق اجر ہوگا۔اگر دونوں برابر ہوں تو دونوں گر جاتے ہیں۔واللہ تعالیٰ اعلم

چورانسویں بحث

فسق سے ایمان زائل نہیں ہوتا

یہ اس بیان میں کہ فسق جو کہ ارتکاب کبائر کی وجہ سے ہو ایمان زائل نہیں کرتا۔بخلاف معتزلہ کے کہ ان کا گمان ہے کہ وہ اسے زائل کر دیتا ہے۔یعنی بیشک وہ ایمان اور کفر کے درمیان واسطہ ہے۔اس کی بنیاد ان کے اس قول پر ہے کہ اعمال جزو ایمان ہیں۔اسے جلال محلی نے کہا ہے۔اور معتزلہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے ظاہر سے دلیل لی ہے کہ زانی زنا نہیں کرتا جب زنا کر رہا ہو دراں حال کہ وہ مومن ہو۔اور چور چوری نہیں کرتا جبکہ چوری کر رہا ہو دراں حال کہ وہ مومن ہو۔اور انہوں نے کہا ہے حدیث کا ظاہر ایمان کی نفی ہے شیخ نجم الدین البکری کہتے ہیں۔کہ ہمارے عقیدے کے مطابق حق یہ ہے کہ آپ کے قول وہو مومن سے مراد ہے یعنی اس کا ایمان نہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے۔یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حاضر القلب نہیں۔اگر وہ اس کے حضور حاضر القلب ہوتا تو اللہ تعالیٰ اسے حیا کرتے ہوئے نافرمانی نہ کر سکتا۔پس عاصی کے لئے اس پر حجاب لٹکنا ضروری ہے یہاں تک کہ معصیت میں گر جائے۔اور سب سے قلیل حجاب یہ ہے کہ وہ نفس کی طرف سے کسی تاویل یا زیبائش میں گر جائے۔جیسے اسے اس کا نفس کہے کہ تیرا رب غفور رحیم ہے۔اور وہ غفور رحیم صرف گنہگاروں

کے لئے ہی تو ہے۔اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: میری شفاعت میری امت کے اہل کبائر کے لئے ہے۔اور بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ تیرے جیسے کو پکڑے۔جب تک کہ تو اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا رہے۔اور اس کا نفس اسے یہ بھی کہتا ہے کہ وہ کچھ کر گزر جو تجھ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر ہے۔اور اس کا نفس اس کے لئے رجاء کا وسیع دروازہ کھول دیتا ہے حتیٰ کہ اس پر گناہ ہلکا ہو جاتا ہے۔

عارف کبھی معصیت کا ارتکاب نہیں کرتا

اور اہل کشف کا اس بات پر اجماع ہے کہ کسی عارف کے لئے صحیح نہیں کہ کشف وشہود پر فائز ہو کر کبھی بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے۔پس بیشک اس کا یہ علم کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھتا ہے اسے معصیت میں گرنے سے روکتا ہے۔پھر اگر فرض کر لیا جائے کہ معصیت کی حالت میں عاصی کو اس کا شہود ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے تو ضروری ہے کہ اسے اس کا شہود ہو کہ وہ اس معصیت میں اس سے راضی نہیں۔اور طبرانی وغیرہ کی حدیث میں مرفوعاً ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنی قضاء وقدر نافذ کرے تو ذوی العقول کی عقلیں سلب کر لیتا ہے۔ اور ان عقول سے مراد جو کہ سلب کی جاتی ہیں وہ ہیں جو کہ ان کی معصیت کی حالت میں ان کی طرف حق تعالیٰ کی نظر کا مشاہدہ کرتی ہیں نہ کہ عقول تکلیف۔کیونکہ اگر اس سے مراد یہ عقول ہوتیں تو اللہ تعالیٰ عدم تکلیف کی وجہ سے کسی کو مواخذہ نہ فرماتا۔حالانکہ نصوص قطعیہ سے مواخذہ ثابت ہے۔پس سمجھ لے۔کہ یہ وہ مقام ہے جہاں متصوفہ کے ایک گروہ نے غلطی کا ارتکاب کیا ہے۔پس پتہ چلا کہ بندے سے اللہ تعالیٰ کے اسے معصیت کی حالت میں دیکھنے پر۔ایمان کے محجوب ہونے سے لازم نہیں آتا کہ اس سے اللہ تعالیٰ کے وجود اس کے ملائکہ،اس کی کتب،یوم آخرت اور تقدیر خیر وشر پر ایمان کی نفی ہو جائے جیسا کہ ان میں سے بعض کو وہم ہوا ہے۔بلکہ وہ اس سب پر ایمان رکھتا ہے۔ اس سے محجوب نہیں ہوا سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے۔پس اس مسئلہ میں اس کا حجاب لازمی ہے۔ **لیقضی الله امرا کان مفعولا** (الانفال آیت ۴۴۔تاکہ اللہ تعالیٰ وہ کام کر دکھائے جو ہو کر رہنا تھا) ورنہ یہ اللہ تعالیٰ کے حضور انتہائی قلت حیاء ہو گی۔تو جب تو نے اسے سمجھ لیا تو تجھے معلوم ہو گیا کہ ایمان ہر مقام میں اس کے ساتھ مخصوص ہے جو کہ حسب سیاق اس کے مناسب ہو جس میں وہ ہے۔اور یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **و کان حقا علینا نصر المومنین** (الروم آیت ۴۷۔اور ہمارے ذمہ کرم پر ہے ایمان والوں کی مدد کرنا) یعنی اس پر ایمان رکھنے والے کہ میں ان کی مدد کرتا ہوں۔پس بیشک میں اپنے بندے کے میرے متعلق گمان کے مطابق ہوں۔اور اسی پر قیاس کر۔اس کی شیخ نجم الدین الکبری نے اپنی تفسیر میں اسی طرح تقریر کی ہے۔

نعم العبد صهیب لو لم یخف الله تعالیٰ لم یعصه کا معنی اور معصیت سے مانع چار اسباب کا بیان

اگر تو کہے کہ اس حدیث کا معنی کیا ہے کہ صہیب کیا ہی اچھا عبد ہے اگر اسے خوف خدا نہ ہوتا پھر بھی اس کی نافرمانی نہ کرتا تو جواب یہ ہے کہ جیسے کہ شیخ نے ۱۷۳ ویں باب میں فرمایا: بندے کو معصیتوں میں گرنے سے روکنے والے چار اسباب ہیں۔پانچواں نہیں۔اور وہ اللہ تعالیٰ سے حیا۔اس کے عذاب کا خوف۔اس کے ثواب کی امید اور علم الٰہی میں مقدر نہ ہونا ہے۔تو اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ صہیب اگر خوف خدا نہ رکھتا تو اس کی نافرمانی نہ کرتا یعنی اس لئے کہ اس کے پاس وقوع فی المعصیۃ کے مانع اسباب میں سے تین چیزیں ہیں۔اور وہ اللہ تعالیٰ سے حیا۔اللہ تعالیٰ کے ثواب کے لئے رجا۔اور علم الٰہی میں مقدر نہ ہونا۔اور اسی طرح باقی تین اسباب میں قول ہے جیسے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: صہیب کیا اچھا بندہ ہے کہ اگر اللہ سے حیا نہ کرتا تو اس کی نافرمانی نہ کرتا یا اللہ تعالیٰ کے ثواب کی امید نہ رکھتا

تو اس کی نافرمانی نہ کرتا۔ کہ بیشک اس کا معنی جس طرح ہم نے خوف میں بیان کیا برابر ہے۔ انتہی

زنا۔ چوری، شراب نوشی کی حالت میں خروج ایمان کی حکمت

اور ۶۸ ویں باب میں فرمایا: جان لے کہ مثلاً زنا۔ چوری، شراب نوشی کی حالت میں ان کے مرتکب سے ایمان نکل جانے کی حکمت یہ ہے کہ وہ اس مرتکب سے خارج ہو جاتا ہے حتیٰ کہ اسے اس عذاب کے واقع سے بچائے جس کے سامنے اس نے اپنے آپ کو مثلاً زنا کی وجہ سے پیش کر دیا ہے۔ پس بیشک ایمان کے مقابلے میں کوئی چیز نہیں ٹھہرتی۔ اور اس کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کا اشارہ ہے کہ جب بندہ زنا کرتا ہے تو ایمان اس سے خارج ہو جاتا ہے حتیٰ کہ اس پر سائبان کی طرح ہو جاتا ہے۔ پس جب وہ اس سے رک جاتا ہے تو ایمان اس کی طرف لوٹ آتا ہے۔ شیخ نے فرمایا: اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کے بعد کوئی بیان نہیں ہے۔ تو معلوم ہوا کہ ایمان کا نکلنا وہ اس لئے نہیں کہ مرتکب کفر میں داخل ہو جاتا ہے۔ وہ تو اس پر عنایت کے طور پر خارج ہو جاتا ہے تا کہ اس سے وقوع عذاب کو روکے۔ اور شیخ نے یہاں طویل گفتگو کی ہے۔ پھر فرمایا: یہاں ایک جلیل القدر نکتہ مخفی ہے اور وہ یہ ہے کہ بندہ مومن کے لئے کبھی بھی خالصتاً محض معصیت نہیں ہوتی۔ تو ضروری ہے کہ اس میں طاعت کا شائبہ ہو۔ اور وہ طاعت اس کا ایمان ہے کہ یہ معصیت ہے۔ اس کی وجہ اس پر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہوتی ہے۔ پس وہ ان لوگوں سے ہے جنہوں نے اچھے اور برے اعمال کو مخلوط کر دیا۔ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمائے یعنی ان پر رحمت کے ساتھ رجوع فرمائے۔ علماء نے فرمایا کہ عسیٰ اللہ تعالیٰ سے واجب الوقوع کے معنوں میں ہوتا ہے اس حیثیت سے کہ مسلمانوں پر اس کی رحمت ان پر اس کے غضب سے پہلے ہے۔

حدیث لایزنی الزانی حین یزنی وھو مومن کا معنی

اور شیخ نے ۳۵۴ ویں باب میں بھی مذکور حدیث کے معنوں کے بارے میں فرمایا ہے: مؤمن یعنی اس پر عذاب کی تصدیق کرنے والا۔ کیونکہ اگر اس کے ہاں عذاب کی تصدیق ہوتی تو گناہ میں نہ گرتا۔ جس طرح کہ جب ہم اس کے لئے بہت بڑا الاؤ جلائیں اور اسے کہیں کہ اس عورت کے ساتھ بدکاری کرتا کہ ہم تجھے اس الاؤ میں جلائیں تو وہ کبھی بھی اس کے ساتھ بدکاری نہیں کرے گا۔ گرچہ طویل مدت تک ہم اسے حکم دیتے رہیں۔ اور یہ اس لئے کہ وہ عذاب کا مشاہدہ کر رہا ہے۔ پس اسے سمجھ لے۔ اور آپ نے ۲۳۴ ویں باب میں بھی یہی فرمایا ہے: جان لے کہ مومن کامل کے لوازم میں سے ہے کہ وہ کبھی ایسی معصیت کا ارتکاب نہیں کرتا جس پر اللہ تعالیٰ نے عذاب کی دھمکی دی ہو مگر وہ اس سے فارغ ہونے کے بعد اپنے آپ میں ندامت پاتا ہے۔ اور حدیث پاک میں ہے کہ **الندم توبۃ** یعنی ندامت توبہ ہے۔ اور وہ اس ندامت پر قائم ہوا ہے تو وہ تائب ہے۔ یعنی حقوق الٰہیہ کی جہت سے۔ نہ کہ آدمیوں کے حقوق کی جہت سے۔ پس اس ندامت کی وجہ سے وعید کا حکم ساقط ہو گیا۔ تو مومن کامل کے لئے لازم ہے کہ مخالفت کو برا جانے اور اس پر عمل کی حالت میں اس سے راضی نہ ہو۔ تو وہ اسے برا جاننے کی حیثیت سے اس میں اپنے گرنے پر نادم ہے اور ایمان رکھتا ہے کہ یہ معصیت ہے وہ تین وجوہ سے عمل صالح والا ہے۔ اور اس حیثیت سے کہ اس نے شرعاً یہ کام کیا ہے ایک وجہ سے برے عمل والا ہے اور یہ اس کا اس برائی کا ارتکاب ہے۔ اور جس نے اللہ تعالیٰ کے اس قول پر غور کیا **ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ** (الزلزال آیت ۸۔ اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا) وہ اس پر مطلع ہو جائے گا جو ہم نے کہا ہے۔ کہ بیشک اللہ تعالیٰ اس شر کی وجہ سے مواخذہ کے درپے نہیں ہوا۔

صرف یہی ذکر فرمایا کہ فقط وہ اسے دیکھ لے گا۔ پھر کریم سے نہیں ہوتا مگر کرم۔ انتہی۔

شعرانی فرماتے ہیں کہ میں نے بعض صوفیا کے کلام میں اسی طرح دیکھا ہے۔ پس موحدین میں سے جو گروہ آگ میں داخل ہوگا اس میں حکمت صرف ان لوگوں پر اپنے فضل کے اظہار کے بیان کے لئے ہے جنہیں مواخذ نہیں فرمایا۔ جیسے کہ بادشاہ غلاموں میں سے جسے سزا دینا چاہے اسے سزا دیتا ہے اور اس میں کوئی سفارش قبول نہیں کی جاتی تاکہ لوگوں کو ان غلاموں پر اپنے انعامات کی مقدار کا تعارف کرائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

حدیث لو لم تذنبوا الخ کا معنی

اور شیخ نے ۲۹۷ ویں باب میں اس حدیث کے معنوں کے متعلق فرمایا کہ اگر تم گناہ نہ کرو اور اللہ تعالیٰ اسے استغفار نہ کرو تو اللہ تعالیٰ تمہیں لے جائے گا اور اس قوم کو لے آئے گا جو گناہ کریں پس استغفار کریں پس اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔

جان لے کہ اپنی مخلوق پر اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہے کہ اس نے دار التکلیف میں ان کی معصیت کے وقت ان میں نسیان اور حجاب ایجاد فرمایا۔ کیونکہ بندوں پر معصیتوں اور خلاف ورزیوں کی تقدیر اس جہان میں پہلے گزر چکی تو ان کا ان سے واقع ہونا لازم۔ اور اگر یہ ان سے کشف اور تجلی کی صورت میں واقع ہوتیں تو یہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں اس حیثیت سے قلت حیاء میں مبالغہ ہوتا کہ وہ اس کا مشاہدہ کر رہا ہے اور اسے دیکھ رہا ہے۔ تو اگر حجاب نہ ہوتا تو معاملہ گھمبیر اور ناگوار ہوتا جبکہ تقدیر اس کے وقوع کی حاکم ہے۔ پس اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس مقام مشاہدہ سے عاصی کو محجوب فرمایا کہ ابتلاء بڑی ہے۔ انتہی

اور فتوحات کے باب الحج کے اواخر میں فرمایا: جان لے کہ بعض لوگوں کو کبھی گناہ فائدہ دیتا ہے۔ پس ابلیس نامراد واپس لوٹتا ہے۔ اور یہ اس طرح کہ جب بندے کے ہاں اپنے اعمال کی وجہ سے خود پسندی اور اپنے بھائیوں پر بڑائی ہو۔ پس وہ کسی معصیت میں گر جاتا ہے تو اسے ذلت، عاجزی اور ندامت حاصل ہوتی ہے۔ پس اس کی بیماری زائل ہو جاتی ہے اور وہ توابین میں لکھا جاتا ہے۔ اور یہاں طویل کلام فرمایا۔

اور ابن عطاء اللہ کے کلام میں ہے کہ کئی معصیتیں جو عاجزی، انکساری عطا کرتی ہیں اس طاعت سے بہتر ہیں جو بڑائی اور تکبر عطا کرتی ہے۔ انتہی۔ اور اس کے بعد کی بحث میں اس سے زیادہ وضاحت آ رہی ہے جو ہم نے یہاں ذکر کی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

پچپنسویں بحث

مومن فاسق جو توبہ کے بغیر فوت ہو

یہ بحث اس بیان میں ہے کہ مومن جب فاسق مرے اس طرح کہ غرغرہ سے پہلے اس نے توبہ نہیں کی وہ مشیت الٰہیہ کے تحت ہے۔ یا تو اسے آگ میں داخل کر کے عذاب دیا جائے پھر اسے اس کی اسلام پر موت کی وجہ سے نکال لیا جائے۔ یا اسے معاف کر دیا جائے کہ حضور علیہ السلام کی شفاعت کے بغیر محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے یا حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی شفاعت کے ساتھ یا اس کی شفاعت کے ساتھ جس کی شفاعت اللہ تعالیٰ چاہے اسے آگ سے نکال لیا جائے۔ اور امام نووی نے آخری صورت میں تردد کیا ہے۔ اور وہ قاضی عیاض کا کلام ہے اور شیخ تقی الدین السبکی نے فرمایا: کہ نووی نے اس کی شفاعت میں جس کی شفاعت اللہ تعالیٰ چاہے صرف اس لئے تردد کیا ہے کہ سنت

میں اس کی تصریح وارد نہیں ہوئی اور نہ ہی اس کی نفی۔ پھر فرماتے ہیں۔ اور یہ پل صراط نصب ہونے کے بعد اس سے گزرنے میں ہے۔ او
اس سے جہنم سے نجات لازم آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فمن زحزح عن النار وادخل الجنة فقد فاز (آل عمران آیت ۱۸۵۔
جو شخص جہنم سے بچالیا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا تو وہ کامیاب ہو گیا) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ثم ننجي الذين اتقوا و نذ
الظالمین فیها جثیا (مریم آیت ۷۲۔ پھر ہم پرہیز گاروں کو نجات دیں گے اور ظالموں کو دوزخ میں گھٹنوں کے بل گرا چھوڑ دیں گے)

معتزلہ کا مسلک اور اس کا جواب

اور معتزلہ نے گمان کیا ہے کہ جو کبیرہ پر اصرار کرتے ہوئے مرا وہ جہنم میں ہمیشہ رہے گا۔ اور اسے معاف کرنا جائز نہیں اور نہ ہی ا
کے بارے میں شفاعت ہو گی۔ اور اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول سے سند لیتے ہو۔
ومن یقتل مومنا متعمدا فجزاء ہ جهنم خالدا فیهاء غضب الله علیه ولعنه واعدله عذابا عظیما (النساء آیت ۹۳
اور جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کی سزا جہنم ہے اس میں ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب ہو گا اور اسے لعنت فرمائے
اور اس نے اس کے لئے عذاب عظیم تیار کر رکھا ہے)۔ پس بیشک یہ آیت اللہ تعالیٰ کے اس قول کے بعد نازل ہوئی ان الله لا یغفر ا
یشرك به و یغفر مادون ذالك لمن یشاء (النساء آیت ۴۸۔ بیشک اللہ تعالیٰ اس بات کو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شرک ک
جائے۔ اور اسکے علاوہ جسے چاہے بخش دیتا ہے) پس یہ محکمہ ہے غیر منسوخہ میں نے اسے امام سند بن عبداللہ الازدی کی تفسیر میں اسی طر
دیکھا ہے جو کہ امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ کے معاصرین میں سے ہیں۔

اور اس کے غیر منسوخہ ہونے کی تقدیر پر جمہور نے یہ جواب دیا ہے کہ وعید بالشر سے اس کا وقوع لازم نہیں آتا جیسے کہ مالک اپنے غلا
سے کہتا ہے جبکہ وہ اس کے حکم کی خلاف ورزی کرے کہ تیری کیا سزا ہے سوائے اس کے کہ میں تیری پٹائی کروں اور تجھے جیل میں ڈا
دوں۔ پھر اس کی پٹائی کرتا ہے نہ جیل میں ڈالتا ہے۔ یہ کلام اہل اصول کا ہے۔

رہی شیخ محی الدین کی نقول تو آپ ۱۶۷ ویں باب میں فرماتے ہیں: جان لے کہ جس نے کسی انسان کو قتل کیا اور اس کے بدلے ا
دنیا میں قتل نہیں کیا گیا تو قاتل کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی سپرد ہے۔ چاہے تو اسے معاف فرمائے اور چاہے تو اسے عذاب دے، اور رہا خود ک
کرنے والے کے متعلق حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ میرے بندے نے مجھ سے پیش روی کی ہے میں نے اس پر جنت حرام
دی۔ تو اس سے مراد یہ ہے کہ وہ جنت میں پہلے گروہ کے ساتھ داخل نہیں ہو گا۔ جیسا کہ ایسی احادیث میں ہے جو کہ بوڑھے زانی۔ شرا
کے عادی۔ قطع رحمی کرنے والے اور تکبراً اپنی چادر لٹکانے والے وغیرہم کے عذاب کے متعلق وارد ہیں۔ تاکہ نصوص صحیحہ کے موافق ہو
جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول کہ جس کا آخری کلام کلمہ طیبہ ہو وہ (انجام کار) جنت میں داخل ہو گا گرچہ بدکار اور چوری کرنے والا ہو

خودکشی کرنے والے کے متعلق شیخ اکبر کی وضاحت

اور فتوحات کے صلوۃ الجنائز کے باب میں بھی فرمایا: جان لے کہ اخبار صحیحہ اور اصول صریحہ خودکشی کرنے والے کے جہنم سے نکلنے
تقاضا کرتی ہیں۔ اور یہ کہ جو نص ہمیشہ جہنم میں رہنے کے متعلق وارد ہے وہ بطور زجر و توبیخ ہے یا اسے کفار میں سے خودکشی کرنے والے
محمول کیا جائے گا کیونکہ حدیث میں اسے مومنین کے ساتھ مقید نہیں کیا گیا۔ پس احتمال نے راہ پائی۔ اور جب احتمال راہ پائے تو ہم اصول

کی طرف رجوع کریں گے۔ اور جب ہم نے اصول کی طرف رجوع کیا تو ہم نے ایمان کا غلبہ قوی پایا۔ اس کے ہوتے ہوئے ابدالا باد تک ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہنا نہیں ہوسکتا۔ تو قطعی طور پر متعین ہوگیا کہ شارع نے یہ خبر صرف کفار کے حق میں دی ہے کہ حدیث میں ایک قسم کو دوسری قسم کی بجائے علی التعیین خاص نہیں فرمایا۔ اور مشہور دلائل متعدد جہتوں سے اخذ کئے جاتے ہیں۔ بعض کو بعض کے ساتھ ملایا جاتا ہے تاکہ ان کے بعض بعض کو قوت عطا کریں۔ تو جس طرح مومن بنیاد کی طرح ہے۔ اس کا بعض بعض کو مضبوط کرتا ہے اسی طرح ایک چیز کے ساتھ ایمان لانا دوسری چیز پر ایمان لانے کو پختہ کرتا ہے پس اس کا بعض بعض کو قوت بخشتا ہے۔ اور یہاں طویل کلام کیا۔

پھر فرماتے ہیں: اور خودکشی کرنے والے کے بارے میں اللہ کے اس ارشاد سے مراد کہ اس پر جنت حرام ہے یہ ہے کہ میری زیارت سے پہلے اس پر جنت حرام ہے خصوصاً عشاق میں سے وہ شخص جس کو خودکشی پر ابھارنے والا اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا شوق ہو جس نے اپنا عشق چھپائے رکھا۔ اور پاکدامن رہا پس فوت ہوگیا۔ اور یہی زیادہ لائق ہے کہ خبر کے الفاظ اس پر محمول کئے جائیں۔ مگر یہ کہ ہمارے پاس اس تاویل کے خلاف کوئی نص صریح پہنچے۔ اور یہاں طویل گفتگو فرمائی۔ پھر فرماتے ہیں: اور اگر غور وفکر کرنے والے پر ہماری تقریر کا بعید ہونا ظاہر ہو تو یہ نظر کرنے والے کا اپنی نظر میں اصول مقررہ سے بعد ہے جو کہ اس تاویل سے شقاوت ابدی کے ساتھ متصادم ہیں۔ تو جب انہیں ذہن میں حاضر کرے گا اور میزان شریعت پر اس امر کا وزن کرے گا تو ہم نے جو کچھ کہا ہے اسے پہچان لے گا۔ اور حدیث صحیح میں ہے کہ جہنم سے ہر شخص کو نکال لو جس کے قلب میں رائی کے دانے سے کم وزن کا ایمان ہے۔ پس وہی تاویل باقی رہ گئی جو ہم نے بیان کی ہے۔ انتھی

امام شعرانی فرماتے ہیں کہ اس کلام میں اور اس کے مابعد میں شیخ کی طرف سے اس کا رد اور تکذیب ہے جس نے آپ پر یہ افتراء باندھا ہے کہ آپ جہنمی کفار کے جہنم سے نکلنے کے قائل ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

نماز جنازہ کی حکمت

اور شیخ نے باب الجنائز میں طویل کلام کے بعد یہ بھی فرمایا ہے: جان لے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر میت پر نماز جنازہ صرف اس لئے واجب فرمائی ہے کیونکہ اس کا ارادہ ہے کہ اس کے بارے میں ہماری شفاعت قبول فرمائے۔ اور ہمیں یہ جتلانے کے لئے کہ اس کے متعلق ہماری دعا مقبول ہے۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ ہم سے یہ پسند فرماتا ہے۔ کیونکہ کسی چیز کے متعلق امر شارع کی اس کے ساتھ رضا کا تقاضا کرتا ہے۔ تو معتزلہ میں سے جو اس کا قائل ہے کہ خودکشی کرنے والا جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہے گا تو یہ اس کافر پر محمول ہے جو کفر پر مرا۔ یا اس میت پر جس پر نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی۔ اسی لئے ہم خودکشی کرنے والے پر نماز جنازہ کے وجوب کے قائل ہیں۔ اور ان کے گمان پر بیشک اس پر ہماری نماز جنازہ اسے نفع دیتی ہے۔ اور اسے خلود فی النار سے مانع ہے۔ اور اہل سنت و جماعت کے قول کے مطابق کوئی مومن نہ ہی کوئی موحد جہنم میں ہمیشہ نہیں رہے گا۔ اور حدیث پاک میں یہ بھی ہے کہ ہر کلمہ گو پر نماز جنازہ پڑھو (یعنی جب تک کہ اس کا فسق حد کفر تک نہ پہنچے اور ضروریات دین میں سے کسی کا منکر نہ ہو)

پس اس میں اہل کبائر اور اہواء اور بدعتوں والے سب کے سب داخل ہوگئے جو کہ اپنی خواہشات اور بدعتوں کی وجہ سے کافر نہیں ہوئے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تفصیل فرمائی نہ تخصیص بلکہ لفظ من کے ساتھ عام رکھا۔ اور یہ نکرہ ہے جو کہ عموم کا حامل ہے۔ اور ہمیں شارع نے ہر کلمہ گو کی نماز جنازہ پڑھنے کا حکم نہیں دیا مگر اس لئے کہ اس کا ارادہ ہے کہ اس پر رحم فرمائے یا تو اس طرح کہ اسے جہنم میں

بالکل داخل ہی نہ فرمائے اور یا عذاب کے اپنی مقررہ حد تک پہنچنے کے بعد اسے جہنم سے نکال کر۔

آیت ام حسب الذین یعملون السیئات کا مفہوم

اور ۳۵۵ ویں باب میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد "ام حسب الذین یعملون السیئات ان یسبقونا ساء ما یحکمون (العنکبوت آیت ۴۔ کیا ان لوگوں نے خیال کیا ہے جو کہ برائیاں کر رہے ہیں کہ وہ ہمارے قابو سے نکل جائیں گے) کے بارے میں شیخ نے فرمایا ہے جان لے کہ اس آیت میں اس کا رد ہے جو کہ اس کا قائل ہے کہ وعید اس شخص کے بارے میں نافذ ہے جو کہ موحدین میں سے توبہ کے بغیر مرا جبکہ اس میں ہر موحد کے لئے رحمت شامل ہونے کا بیان ہے۔ اور یہ اس لئے ہے کہ مومن جب نافرمانی کرتا ہے تو انتقام اور مصیبت کے نشانے پر آ جاتا ہے۔ پس وہ اس عمل کی وجہ سے جو اس سے واقع ہوا انتقام کی حالت میں ہے جبکہ حق تعالیٰ اس حادثے میں اس سے مسابقت فرماتا ہے اس حیثیت سے کہ وہ غفار، عفو، متجاوز، رؤف اور رحیم ہے۔ پس عبد برائیوں کے ارتکاب سے اپنے رب سے انتقام کی طرف مسابقت کرتا ہے جبکہ رب سبحانہ وتعالیٰ اس سے مثلاً اسم رحیم یا غفار کے ساتھ رحمت اور مغفرت کی طرف زیادہ مسابقت فرمانے والا ہے۔ تو جب اسم منتقم آیا تو اس نے اسم غفار اور دوسرے اسماء کو اپنے اور اس عبد عاصی کے درمیان حائل پایا۔

مذکور الصدر آیت کا معنی

شیخ نے فرمایا اور آیت ام حسب الذین یعملون السیئات کا معنی یہ ہے کہ کیا وہ خیال کرتے ہیں کہ اپنی برائیوں کے ساتھ میری مغفرت اور میری رحمت کی شمولیت تک پہلے پہنچ جائیں گے۔ ان کا یہ فیصلہ برا ہے۔ بلکہ ان کے لئے اور ہر موحد کے لئے رحمت کے ساتھ پہلے پہنچنا میرے لئے ہے۔ اور یہ انتہائی کرم ہے۔ شیخ نے فرمایا: اور یہ نہیں ہو سکتا مگر اس کے متعلق جو کہ نافرمان موحدین میں بغیر توبہ کے مرا۔ کیونکہ ان میں سے عاصی جب مرتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کی رحمت اس مقام میں استقبال کرتی ہے جہاں اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس سے ملاقات کرے۔ رہی یہ حدیث پاک کہ جو اللہ تعالیٰ کی ملاقات مکروہ سمجھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی ملاقات کو پسند نہیں فرماتا۔ تو یہ کافر کے حق میں ہے۔ رہا مسئلہ ان نافرمان موحدین کے بارے میں جن پر کلمۂ عذاب ثابت نہیں تو اس کی تاویل یوں کرنا چاہئے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی ملاقات سے اس وجہ سے کراہت کی کہ اس نے کثیر خلاف ورزیاں کی ہیں۔ تو اس نے من حیث الملاقات مطلقا اسے ناپسند نہیں کیا۔ یہ تو صرف خلاف ورزیوں کے ارتکاب کی وجہ سے ہے۔ پس اس نے اس کے مواخذہ کا خوف کیا۔ پس اس پر غور کیا جائے۔

اور ۳۴۷ ویں باب میں شیخ نے فرمایا ہے: اگر مومن پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے غضب کے ساتھ ملی نہ ہوتی تو روئے زمین پر عاصی کا اثر تک باقی نہ رہتا۔ پس مواخذات حق کی حالت میں مومن اس عذاب پانے والے کی طرح ہے جس پر رحم کیا گیا ہے کیونکہ وہ کسی معصیت میں نہیں گرتا مگر اس پر ایمان رکھتا ہے کہ یہ معصیت ہے۔ اس کی عاقبت سے ڈرتا ہے پس جہنم میں ہمیشہ نہیں رہے گا مگر کافر۔ والسلام

چھپنسویں بحث

وجوب توبہ کے بیان میں

اور اس بیان میں کہ توبہ صحیح ہے گرچہ توڑنے کے بعد ہو۔ اور یہ کسی ذنب کے امتیاز کے بغیر ہر ذنب سے صحیح ہے۔ یعنی ہر ذنب سے درست ہے گرچہ دوسرے گناہ پر اصرار کے ساتھ ہو گرچہ کبیرہ ہو جیسا کہ جلال محلی نے فرمایا ہے: جب بندہ توبہ کرے پھر گناہ کا اعادہ کرے اس کی سابقہ توبہ باطل نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ ایسا گناہ جو دوسری توبہ واجب کرتا ہے یہ وہ مسلک ہے جس پر جمہور علماء ہیں۔ اور قاضی ابو بکر باقلانی سے منقول ہے کہ توبہ توڑنے کے بعد صحیح نہیں۔ اور یہ اس کا اس گناہ کی طرف لوٹنا ہے جس سے توبہ کی ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ یہ گناہ صغیرہ سے صحیح نہیں کیونکہ کبیرہ سے پرہیز کرنے سے اس کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ یہ کسی کبیرہ گناہ پر اصرار کے باوجود کسی گناہ سے صحیح نہیں۔

علماء فرماتے ہیں کہ حصول توبہ پر بندے کے لئے مناسب یہ ہے کہ توبہ کی خوبیاں اور انبیاء، اولیاء اور صالحین کے ساتھ اتصال کو ذہن میں حاضر رکھے۔ اور یہ کہ جب اس نے توبہ نہ کی تو اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے ساتھ متصل ہو جائے گا جو کہ فساق اور شیاطین ہیں

توبہ کی شرائط۔ ندامت اور اس کی تعریف

پھر توبہ کی تمام شرائط کا بجالانا واجب ہے۔ صرف زبان سے استغفار کافی نہیں جیسے کہ یہ اکثر لوگوں کی حالت ہے۔ اور اس کی شرائط میں سے بڑی شرط معصیت پر ندامت ہے۔ یعنی اس حیثیت سے کہ یہ معصیت ہے۔ تاکہ اس سے یہ صورت خارج ہو جائے کہ مثلاً اگر ضرر رساں ہونے کی وجہ سے شراب پینے پر نادم ہو۔ کہ بیشک یہ توبہ نہیں۔ اور بعض نے ندامت کی تعریف یہ کی ہے کہ یہ اپنے کئے پر غم اور درد محسوس کرنا ہے اور یہ تمنا کرنا ہے کہ اس نے ایسا نہ کیا ہوتا۔ کمال شرح جمع الجوامع پر اپنے حاشیہ میں فرماتے ہیں اور ہمارے نزدیک تمام زمانوں میں ندامت قائم رکھنا واجب نہیں بلکہ باعتبار حکم ندامت کا ساتھ رہنا کافی ہے بایں طور کہ اس سے اس کے منافی کام صادر نہ ہو۔ کیونکہ شارع نے حکماً ایک امر ثابت کو بالفعل حاصل شدہ امر کے قائم مقام قرار دیا ہے۔ جیسے کہ ایمان میں ہے کیونکہ توبہ کرنے والا بالاتفاق مومن ہے۔ نیز اس لئے کہ تمام زمانوں میں ندامت یاد رکھنے کا مکلف قرار دیئے جانے میں وہ حرج ہے جس کی دین کے بارے میں نفی کی گئی ہے (یعنی اس آیت کریمہ کے مطابق **وما جعل علیکم فی الدین من حرج**۔ الحج آیت ۷۸۔ اللہ تعالیٰ نے دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی)

توبہ متحقق ہونے میں جمہور کے اقوال

جمہور کا قول ہے کہ معصیت سے منقطع ہونے، اس کی طرف نہ لوٹنے کے عزم صمیم۔ اور اس سے پیدا ہونے والے ممکن التدارک حقوق کے تدارک کے ساتھ توبہ متحقق ہوتی ہے جیسے مثلاً حد قذف۔ پس اس کے مستحق مقذوف یا اس کے وارث کو پورا حق لینے پر قادر کرنے یا اس سے دست بردار ہونے کی وجہ سے اس کا تدارک ہو سکتا ہے۔ اگر حق کا تدارک ممکن نہ ہو جیسے کہ اس کا مستحق موجود نہ ہو تو یہ شرط ساقط ہو جاتی ہے جیسے کہ یہ بندے کی اس معصیت سے توبہ میں بھی ساقط ہو جاتی ہے جس سے حق آدمی پیدا نہیں ہوتا۔ علماء نے فرمایا ہے کہ اسی طرح بندے کے معصیت سے فارغ ہونے کے بعد اس کی توبہ سے اس معصیت سے انقطاع کی شرط بھی ساقط ہو جاتی ہے

جیسے مثلاً شراب پینا۔ جلال محلی فرماتے ہیں: پس ان امور کے ساتھ توبہ متحقق ہونے سے مراد یہ ہے کہ توبہ جس سے متحقق ہوتی ہے ان امور سے خارج نہیں ہے نہ یہ کہ ہر توبہ میں ان کے بغیر چارہ نہیں۔ انتہی

کمال الدین اپنے حاشیہ میں فرماتے ہیں: اور ان کا یہ قول کہ ممکن التدارک کا تدارک الخ یہ ہمارے اصحاب کے ہاں مشہور ہے۔ اور جس مسلک پر آمدی۔ صاحب المواقف والمقاصد چلے ہیں یہ ہے کہ تدارک مستقل طور پر واجب ہے تو جس نے قتل کیا اور ظلم کیا یا پٹائی کی تو اس پر دو امور ہیں، توبہ اور ظلم سے عہدہ برآ ہونا، اور وہ امکان کے ساتھ اپنے آپ کو سپرد کر دینا ہے تاکہ وہ اس سے قصاص لے سکے۔ اور جس نے دو واجبوں میں سے ایک ادا کیا اس کی صحت دوسرے واجب کی ادائیگی پر موقوف نہیں۔ اور مقاصد میں فرمایا: کہ یہ تحقیق ہے۔ مگر کبھی اس کے بغیر ندامت صحیح قرار نہیں پاتی جیسے غصب شدہ چیز کو لوٹانا۔ ابن سبکی وغیرہ کہتے ہیں: اور جب انسان اپنے آپ سے استغفار میں سچائی کا نہ ہونا محسوس کرے اگرچہ دوسرے استغفار کا محتاج ہو۔ کیونکہ زبان جب کسی ذکر کی خوگر ہو تو ہوسکتا ہے کہ دل اس سے مانوس ہو جائے پس وہ اس سے اس بارے میں موافقت کرے۔

اور امام سہروردی فرماتے ہیں: عمل کر اگرچہ تجھے استغفار کرتے ہوئے خود بینی کا خوف ہو۔ علماء فرماتے ہیں کہ ہر مومن پر اپنے نفس امارہ کے ساتھ جہاد واجب ہے جبکہ وہ ماموراتکی تعمیل اور منہیات سے اجتناب میں اس کی طاعت نہ کرے۔ فرماتے ہیں کہ یہ تجھ پر تیرے ظاہر دشمن سے جہاد کرنے سے زیادہ واجب ہے کیونکہ نفس تجھے ایک معصیت سے دوسری معصیت کی طرف کھینچنے کے ساتھ تیری ابدی ہلاکت کا ارادہ کرتا ہے۔ اور حدیث پاک میں ہے کہ معاصی کفر کے ایلچی ہیں۔ یعنی اس کا مقدمہ ہیں۔ تو اگر تیرا نفس امارہ قابل مذمت فعل کے ارتکاب کے ساتھ تجھ پر غالب آ گیا تو فوراً توبہ کر کہ واجب ہے تاکہ توبہ کے ساتھ تجھ سے اس کا اثر اٹھ جائے ان شاء اللہ تعالیٰ۔ پس اگر تو اپنے نفس کو اس فعل سے منقطع نہیں کرتا کہ اس سے نکلنے سے تجھے سستی حائل ہے یا اس سے لذت حاصل ہوتی ہے تو لذتوں کو منقطع کرنے والی موت اور اس کا اچانک آنا یاد کر کہ بسا اوقات یہ تجھے توبہ کئے بغیر دبوچ لیتی ہے۔ جیسا کہ اکثر لوگوں کے بارے میں اس کا مشاہدہ ہے پس تو خسارے والوں کے ساتھ خسارا اٹھانے والا ہوگا۔ اور اگر تیرا گناہ سے منقطع نہ ہونا اللہ تعالیٰ کی رحمت اور تجھے معاف کرنے سے ناامیدی کی بنا پر ہے کہ تیرا سابقہ گناہ شدید ہے یا تو نے جس کی نافرمانی کی ہے اس کی عظمت پیش نظر ہے تو اس پر اپنے رب کا عذاب خفیف جان کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے خسارے والے ہی ناامید ہوتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت کو پیش نظر رکھ جس کا اس کے سوا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا تاکہ تو اپنی ناامیدی سے رجوع کرے۔ پس بیشک نافرمان موحدین کے لئے اللہ تعالیٰ کی رحمت کی جہت انہیں عذاب دینے کی جہت سے فزوں تر ہے۔ یہ توبہ کی بحث میں ابن السبکی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کا اختتام ہے۔

توبہ کی عظمت اور حقیقت

اور جان لے کہ توبہ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر بہت عظیم نعمتوں میں سے ہے۔ تو اگر ہم سے توبہ واقع نہ ہو تو ہم پر ترک توبہ سے توبہ واجب ہے۔ تو اگر ترک توبہ سے ہماری توبہ صحیح نہ ہو تو ہم پر ترک توبہ پر اصرار سے توبہ واجب ہے۔ اور ہمیشہ اسی طرح ہے جب تک کہ ہم زندہ ہیں۔ اور یہاں ہماری کوئی بیماری کبھی بھی لا دوا نہیں ہے۔ تو اگر ان سب میں سے ہماری کوئی شئے بھی صحیح نہیں تو اللہ تعالیٰ کی ایک خاص رحمت ہے جس کے ساتھ اہل اسلام میں سے اس پر احسان فرماتا ہے جو کہ گناہ پر اصرار کی حالت میں مرا۔

اور جان لے کہ توبہ کی حقیقت اس شہود کی طرف رجوع ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی بندے پر اس کی تخلیق سے پہلے اس گناہ کو مقدر فرمانے والا ہے۔ اور حدیث پاک میں جو ہے کہ جب بندہ گناہ کرتا ہے پس اسے معلوم ہے کہ اس کا رب ہے جو کہ گناہ بخشتا ہے اور اس کی وجہ سے پکڑ لیتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ دوسری یا تیسری دفعہ میں فرماتا ہے جو چاہے کر۔ بیشک میں نے تجھے بخش دیا۔ اس کا معنی یہ ہے کہ جو چاہے نافرمانیاں کر اور نادم ہو اور مجھ سے بخشش طلب کر میں تجھے بخش دوں گا۔ پس اسے ندامت کے بغیر صرف یہ جاننا کافی نہیں کہ اس کا رب ہے جو کہ گناہ بخش دیتا ہے پس سمجھ لے۔

توبہ کے علی الفور وجوب کی بہت بڑی دلیل

اور شیخ محی الدین فتوحات کے ۴۷ ے میں باب میں فرماتے ہیں کہ توبہ کے فوری وجوب پر بہت بڑی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے **وتوبوا الی اللہ جمیعا ایھا المومنون لعلکم تفلحون** (النور آیت ۳۱۔ اور اللہ تعالیٰ کے حضور سب کے سب توبہ کرو اے ایمان والو! تاکہ تم فلاح پاؤ۔) پس اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو توبہ کا حکم دیا۔ پھر جب وہ خلاف ورزی کریں تو انہیں اپنے قول **ثم تاب علیھم لیتوبوا** (التوبہ آیت ۱۱۸۔ پھر ان پر توجہ کرم فرمائی تاکہ وہ توبہ کریں) کے مضمون کا علم عطا کر کے تلقین حجت فرمائی تاکہ جب قیامت کے دن انہیں اس کے متعلق پوچھا جائے تو کہہ دیں کہ اے ہمارے رب اگر تو ہم پر توجہ کرم فرماتا تو ہم توبہ کر لیتے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے **یا ایھا الانسان ماغرك بربك الکریم** (الانفطار آیت ۶۔ اے انسان تجھے اپنے رب کریم کے بارے میں کس چیز نے دھوکے میں رکھا) تاکہ یہ کہے کہ اے رب! مجھے تیرے کرم نے دھوکے میں رکھا۔ تو یہ کریم کے اس کی خلاف ورزی کرنے والے کو حجت کی تعلیم کے باب سے ہے تاکہ اس کے حضور یہ حجت پیش کرے جبکہ وہ محبوب ہو۔ اور یہ تعلیم خاص کر صرف سعادت مندوں ہی کے لئے ہے۔ پس سمجھ لے۔

رب العزت کی بندے پر توجہ کرم یقینی ہے

شیخ نے فرمایا: جان لے کہ اللہ تعالیٰ کا رحمت کے ساتھ بندے پر توجہ کرنا یقینی ہے جبکہ بندے کی توجہ محل امکان میں ہے۔ اس لئے کہ اس میں علتیں اور حدود اور شرائط توبہ کو پورا کرنے کا علم نہ ہونا اور اس میں اللہ تعالیٰ کے علم کے متعلق ناواقفیت ہے۔ پس ہر عارف اپنے رب سے سوال کرتا ہے کہ اس پر رحمت کے ساتھ توجہ فرمائے۔ اور توبہ میں خود اس کا اپنا حصہ اعتراف اور سوال ہے۔ اور کچھ نہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کے قول **وتوبوا الی اللہ جمیعا ایھا المومنون** کا معنی یہ ہے اعتراف اور دعا کی طرف رجوع کرو جیسا کہ تمہارے باپ آدم علیہ السلام نے تمہیں تعلیم دینے کے لئے فعل اور صورت کے اعتبار سے کیا نہ کہ معنی کے حوالے۔ کیونکہ آپ کا درخت کے قریب جانا خواہش نفس اور حرمت امر پامال کرنے کے لئے ہرگز نہ تھا وہ تو محض قضاء قدر کا نافذ ہونا تھا نہ کہ کچھ اور۔ رہا معاہدہ کے طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا جبکہ وہ جانتا ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں کیا ہے تو اس میں زبردست خطرہ ہے۔ پس بیشک اس پر اگر خلاف ورزیوں میں سے کوئی چیز باقی رہ گئی تو اس معاہدہ کا ٹوٹنا لازماً متحقق ہوگا۔ پس وہ ان لوگوں کی لڑی میں پرو دیا گیا جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **الذین ینقضون عھد اللہ من بعد میثاقه** (البقرہ آیت ۲۷۔ وہ جو عہد خداوندی کو پختہ کرنے کے بعد توڑتے ہیں...... وہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں) اور مقام توبہ کی معرفت میں حضرت آدم علیہ السلام سے زیادہ کامل کوئی نہ تھا حتیٰ کہ آپ نے اپنے ذنب کا اعتراف کیا اور اپنے رب کے حضور دعا مانگی۔ اور یہ جو منقول ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ نے عہد کیا تھا کہ دوبارہ ایسا کام نہیں کروں

گا جیسا کہ توبہ کے صحیح ہونے میں بعض نے اسے شرط قرار دیا ہے تو اپنے نفس کا خیر خواہ وہ ہے جو اپنے باپ حضرت آدم علیہ السلام کے طریقے پر چلے۔ پس بیشک اہل کشف کے نزدیک عزم مصمم میں قوت اور اقدار الٰہیہ کے ساتھ یا مردی کا غیر مخفی دعویٰ ہے مگر یہ اس کے ساتھ قصد کرے کہ اگر اس کی طرف مستقل طور پر امر سونپا گیا تو لوٹے گا نہیں۔ اور یہ محال ہے۔ انتہی۔ پس اس پر غور و فکر اور اس کی چھان بھٹک کی جائے۔

اور بنی اسرائیل کے عبادت گزاروں میں سے بعض اکابر سے واقع ہوا کہ اس نے کہا: اے میرے رب! اگر تو اپنی عبادت کے لئے مجھے فارغ کر دے اور مجھے میرے نفس کے سپرد کر دے تو میں تجھے ایسی عبادت کر دکھاؤں جو تیرے بندوں میں سے کسی نے نہیں کی۔ پس اس نے اس دن تورات کھولی۔ اور حکم دیا کہ اس کے پاس کوئی نہ آئے جو اسے رب سے مشغول کر دے، تو نصف دن نہیں گزرا حتیٰ کہ خطا کا ارتکاب کر بیٹھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہم پر اکابر کے واقعات صرف اسی لئے بیان کئے ہیں تا کہ ہم ان آداب کو اپنائیں جو کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں سکھائے۔ تو معلوم ہوا کہ بندے کو مکلف نہیں کیا گیا مگر اس کا کہ اس کے ہاتھوں ظاہر ہونے والے اعمال کو کتاب و سنت کے مطابق وزن کرے۔ اور ہر فعل کو اس کا حصہ عطا کرے۔ پس اطاعت ہو تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔ اور معصیت ہو تو اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے۔ اور جو مباح ہو تو وہ اس میں اپنے مقام کے مطابق ہے۔ اگر عارف ہے۔ تو مباح کو نیت کے ساتھ قابل تعریف چیز کی طرف پھیر لیتا ہے۔

اور بعض ہواتف ربانیہ میں ہے کہ بندے کے لئے درست نہیں کہ مستقبل میں کسی شے کے کرنے یا اسے ترک کرنے کے لئے اختیار کے ساتھ اپنے قلب کو مشغول کرے۔ اس کے ذمہ صرف یہ ہے کہ ہم نے اس کے ہاتھوں جو ظاہر فرمایا ہے اسے اس کا حق عطا کرے۔ اگر طاعت ہو تو ہماری حمد کرے کہ ہم نے اسے اس کی قسمت میں کیا۔ اور اس میں اپنی کوتاہی سے ہماری بارگاہ میں استغفار کرے۔ اور اگر معصیت ہو تو اس پر اسے مقدر کرنے پر ہماری حمد کرے اور ہمارے امر کی مخالفت کے ارتکاب سے ہم سے استغفار کرے۔ اور اگر غفلت یا سہو ہو تو وہ کام کرے جو کہ اس کے مقام کے لائق ہے۔ انتہی۔ اور آپ کا یہ کہنا کہ بندے کے لئے درست نہیں کہ مستقبل میں کسی شے کے فعل یا اس کے ترک کے لئے اپنے قلب کو اختیار کے ساتھ مشغول کرے مجاہدہ نفس یا اس کے وساوس کو رد کرنے کے منافی نہیں۔ کیونکہ یہ حالت ثابتہ میں ہے کہ نہ کہ زمانہ مستقبل میں۔ کیونکہ یہ حالت تو موجود ہے۔ اور اسی طرح یہ مستقبل میں کسی سے کے فعل کے لئے استخارہ کے منافی نہیں کیونکہ استخارہ کا حکم دیا گیا ہے۔ اور اسی پر ہر مامور کو قیاس کر۔ واللہ اعلم۔

معاہدہ کے متعلق شیخ کی وضاحت

اور شیخ محی الدین فتوحات میں طویل کلام کے بعد فرماتے ہیں: قصہ مختصر پس وہ بندہ جو کہ مستقبل میں کسی شے کے ترک یا فعل پر اپنے رب سے معاہدہ کرتا ہے خالی نہیں کہ وہ یا تو ان میں سے ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اس امر پر اطلاع بخشی ہے کہ مستقبل میں اس سے کوئی لغزش واقع نہیں ہوگی یا نہیں۔ اگر ان میں سے ہے جنہیں حق تعالیٰ نے الہامی طور پر جتلا دیا ہو تو اس علم کے بعد کہ وہ ذنب کی طرف نہیں لوٹے گا معاہدہ کا کوئی فائدہ نہیں۔ اور اگر اسے اس پر اطلاع نہیں بخشی اور اس نے اللہ تعالیٰ سے اس پر معاہدہ کر لیا کہ نہیں لوٹے گا تو کبھی وہ ان میں سے ہوتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہو چکا کہ لوٹے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کے عہد و میثاق کو توڑنے والا ہو جائے گا۔ اور اگر اسے اللہ تعالیٰ نے اطلاع دے رکھی

ہے کہ وہ لوٹے گا تو اس کا نہ لوٹنے پر عزم قضاء وقدر کا مقابلہ ومعارضہ ہے۔ پس ہر حال میں مستقبل میں ترک فعل پر معاہدہ کرنے میں کوئی فائدہ نہیں۔ نہ اسے جو علم رکھتا ہے اور نہ اسے جو جاہل ہے۔ اور وہ توبہ جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے طلب فرمایا ہے صرف یہ ہے کہ وہ کام کریں جو ان کے باپ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیا۔ اور وقوع کے بعد عاصی پر کچھ باقی نہیں رہتا جس کی اسے مکلف قرار دیا جائے مگر ذنب پر اصرار نہ کرنا۔ اور اس سے توبہ کرنا۔ کہ اس سے اللہ تعالیٰ کے اوامر کے بارے میں سستی کا اشارہ ملتا ہے۔

اصرار علی الذنب کی حد

اور بعض نے گناہ پر اصرار کی حد یہ بیان کی ہے کہ اس پر دوسری نماز کا وقت داخل ہو جائے اور ابھی تک اس نے توبہ نہیں کی۔ اور بعض نے کہا ہے کہ جو گناہ کے فوراً بعد توبہ نہیں کرتا وہ اصرار کرنے والا ہے۔ سوائے اس کے جو کہ کراماً کاتبین کی مدت انتظار سے کم ہو۔ کیونکہ حدیث پاک میں وارد ہے کہ وہ عاصی کا ایک ساعت انتظار کرتے ہیں۔ اور ہمیں اس ساعت کی معرفت حاصل نہیں کہ یہ فلکیہ ہے یا کوئی اور۔ اور نہ لوٹنے پر معاہدہ کے عدم وجوب کی تائید اس سے ہوتی ہے جو کہ حدیث پاک میں وارد ہے کہ جب بندہ گناہ کرے۔ پس اسے معلوم ہو کہ اس کا رب ہے جو کہ گناہ بخش دیتا ہے اور اس پر پکڑ لیتا ہے۔ پس اس میں نہ لوٹنے کا عزم ذکر نہیں فرمایا۔ شاید جس نے اسے شرط قرار دیا ہے اس نے سمجھا کہ یہ توبہ شرعی کی صحت کے لئے لازم ہے۔ پس اس نے شرطیت کے ساتھ علیحدہ بیان کر دیا۔ جیسے کہ گناہ سے منقطع ہونے کو شرطیت کے ساتھ علیحدہ ذکر کیا باوجودیکہ وہ وقوع ندامت کے لوازمات میں سے ہے۔ اور اسی طرح ان کا حقوق کو ان کے مستحقین کی طرف لوٹانے کو علیحدہ ذکر کرنا ہے۔ واللہ اعلم

توبہ کب تک ہو سکتی ہے؟ اور عدم ایمان فرعون

اگر تو کہے کہ کیا توبہ ان مقامات میں سے ہے جو کہ موت تک ساتھ ہیں؟ تو جواب یہ ہے کہ ہاں یہ اس وقت تک باقی ہے جب تک کہ بندہ اس سے مخاطب ہے یہاں تک کہ سورج مغرب سے طلوع کرے۔ پس اس وقت باب توبہ بند ہو جائے گا۔ پس کسی نفس کو اس کا ایمان نفع دے گا نہ وہ نیکی جو اس ایمان کے ساتھ کسب کی جاتی ہے۔ شیخ محی الدین فرماتے ہیں: اور مخفی نہ رہے کہ مومن کے لئے کوئی دروازہ بند نہیں کیا جاتا جو اسے توبہ سے روکے۔ اس پر دروازہ صرف اس لئے بند کیا جاتا ہے کہ اس کے قلب سے ایمان خارج نہ ہو۔ اور اس کے سامنے دروازہ کیسے بند کیا جا سکتا ہے جبکہ وہ اس سے گزر چکا اور اس کے قلب میں ایمان پختہ ہونے کی وجہ سے وہ اسے اپنے پیچھے چھوڑ چکا ہے۔ اور اس کی سعادت ہے کہ اس کے ایمان پر دروازہ بند کیا جاتا ہے حتیٰ کہ داخل ہونے کے بعد اس سے خارج نہ ہو۔ پس اس کے بعد مومن کبھی مرتد نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہاں ایمان کے خارج ہونے کا کوئی دروازہ ہے ہی نہیں۔ تو معلوم ہوا باب توبہ کا بند ہونا مومن پر رحمت اور کافر پر عذاب ہے اسے شیخ نے فتوحات مکیہ کے ۳۰۷ ویں باب کے ۱۳۶ ویں جواب میں ذکر فرمایا۔ اور زکوٰۃ میں ۷۰ ویں باب میں حدیث مسلم میں فرمایا: صدقہ کرو۔ قریب ہے کہ آدمی اپنا صدقہ لے کر چلتا پھرے گا مگر کوئی قبول کرنے والا نہیں پائے گا۔ اس میں صدقہ ادا کرنے میں جلدی کرنے کا حکم ہے تاکہ توبہ میں جلدی ہو۔ پس بیشک مکلف ہونے کی حالت میں توبہ فرائض واجبہ میں سے ہے۔ تو اگر اسے نزع کی حالت تک مؤخر کرے گا تو قبول نہیں ہوگی۔ اور اسی لئے فرعون کا ایمان قبول نہیں ہوا۔ انتہی

شعرانی فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کی قسم اس شخص نے جھوٹ بولا اور بہتان باندھا جو کہتا ہے کہ شیخ محی الدین ایمان فرعون کی قبولیت کے

قائل ہیں۔اور آپ کی یہ نص اس ناقل کی تکذیب کرتی ہے۔واللہ اعلم۔

توبۂ نصوح کا وقت

اگر تو کہے: پس بندے سے توبہ نصوح کب صحیح ہوتی ہے جس کے بعد کوئی گناہ نہیں۔تو جواب یہ ہے کہ جب وہ معاصی پورے ہو جاتے ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر مقدر فرمائے ہیں تو اس وقت بندہ لامحالہ توبہ نصوح کرتا ہے حتیٰ کہ اگر ارادہ کرے کہ اپنے رب کی نافرمانی کرے تو نافرمانی کرنے کا ذریعہ نہیں پاتا۔اور جب تک حق تعالیٰ بندے کے لئے معصیت پیدا فرماتا ہے تو وہ اس سے لامحالہ واقع ہوتی ہے۔لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے ناکارہ نہیں چھوڑا بلکہ اسے توبہ کا حکم دیا ہے۔اور شیخ ۳۵۵ ویں باب میں فرماتے ہیں کہ کسی بندے کے لئے ارادہ الٰہیہ کی نافرمانی کبھی صحیح نہیں ہے۔اس سے صرف سلطان ارادہ کی اس پر قوت کی بنا پر امر کی نافرمانی کا سرزد ہونا درست ہے یعنی امر خداوندی کی خلاف ورزی ہو سکتی ہے۔تو جس نے امر کی طاعت کی اس نے ارادہ کی طاعت کی۔جبکہ ارادہ کی طاعت سے امر کی طاعت لازم نہیں۔اور سعادت فعل اوامر کے ساتھ وابستہ ہے نہ کہ موافقت ارادہ کے ساتھ۔اپنے آپ کو توبہ میں کوتاہی سے بچا۔کہ تو کہے کہ یہ تو مجھ پر مقدر ہے۔میں اسے رد نہیں کر سکتا۔اور شیخ نے ۳۶۹ ویں باب میں اس پر تفصیلی گفتگو کی ہے پس ادھر رجوع کر۔

قبولیت توبہ اور تبدیلی سیئات بالحسنات کی علامت

اور شیخ محی الدین رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد فاولئک یبدل اللہ سیئاتھم حسنات کے متعلق فرماتے ہیں کہ جان لے کہ جس کی توبہ اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور اسکی برائیوں کو نیکیوں میں بدل دیا اس کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنے گناہوں میں کوئی شے بھی یاد کرنے والا نہیں رہتا کیونکہ یہ مٹا دیئے گئے۔اور جس گناہ کو بندہ یاد رکھتا ہے تو جان لے کہ وہ بدلا نہیں گیا۔انتہی۔اور اس کی تائید طبرانی کی یہ حدیث کرتی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کی توبہ قبول فرماتا ہے تو اس کے حفظہ یعنی نگہبان فرشتوں کو اس کا گناہ بھلا دیتا ہے۔اور اس کے اعضاء اور زمینی نشانات کو بھلا دیتا ہے کہ اس کے خلاف گواہی دیں اور یہ گواہی کمر توڑنے والی ہے۔پس اس پر غور وفکر کر۔واللہ اعلم

مجاذیب اور ارباب احوال کی معصیت کا حکم

اگر تو کہے کہ رجال اللہ میں سے بعض وہ ہیں جو معصیتوں میں گر جاتے ہیں اور انہیں ان امور کے معصیت ہونے کی راہنمائی نہیں ہوتی جیسے مجاذیب اور ارباب احوال تو توبہ کے بارے میں ان کا کیا حکم ہے؟

تو جواب یہ ہے کہ ان کا حکم منصب مکلف زائل ہونے کی وجہ سے اس شخص کا حکم ہے جو مباح میں تصرف کرتا ہے۔اور شیخ نے ۲۲۰ ویں باب میں اس مسئلے میں طویل کلام فرمایا ہے۔پھر فرماتے ہیں: حاصل گفتگو یہ ہے کہ معصیتوں میں واقع ہونے میں اہل اللہ دو قسموں پر ہیں وہ حضرت جن کے قلوب میں معصیتیں کھٹکتی ہی نہیں کہ ان پر مقدر ہی نہیں ہیں تو یہ حضرات معصوم ہیں یا محفوظ۔اور وہ حضرات جنہیں ان پر مقدر معصیتوں پر اطلاع بخشی ہے لیکن اس حیثیت سے کہ یہ افعال ہیں نہ کہ اس حیثیت سے کہ یہ معصیتیں ہیں۔پس وہ اس فعل کے ارتکاب کی طرف جلدی کرتے ہیں جو کہ ان پر مقدر ہے۔ان طاعتوں اور معصیتوں کے شہود سے فنا کے ساتھ جو انہیں حضرت الٰہیہ سے قریب کرتی ہیں اور دور کرتی ہیں تو ان حضرات کے متعلق شریعت مطہرہ کی زبان ان کے عصیان کی وجہ سے ان پر وجوب توبہ کا فیصلہ کرتی ہے اور بسا اوقات اللہ تعالیٰ کے ہاں آخرت میں ان کا حکم اس شخص کا حکم ہوتا ہے جس نے وہ فعل کیا کہ وہ جانتا ہی نہیں کہ یہ طاعت ہے یا

معصیت۔ شیخ نے فرمایا: یہ فنائے عجیب ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے مجھے فاس کے شہر میں اطلاع بخشی جبکہ میری اس کے رجال میں سے کسی سے ملاقات نہیں ہوئی باوجودیکہ مجھے علم ہے کہ رجال اللہ میں سے وہ بھی ہے جسے اس کا ذوق ہے۔ انتہی

ایک سوال کا جواب اور توبہ سے توبہ کا مفہوم

اگر تو کہے کہ جب ولی اس تقدیر الٰہی پر مطلع ہو جو کہ اس پر لوح محفوظ میں ہے اور اس میں تبدیلی نہیں تو کیا اس کے لئے اس کے ارتکاب میں جلدی کرنا جائز ہے تاکہ اس کے شہود سے راحت حاصل کرے کہ بیشک معصیتوں کی صورتیں بندے اور اس کے رب کے مابین قبیح ہیں؟ تو جواب یہ ہے کہ اسے یہ جائز نہیں بلکہ صبر کرے حتیٰ کہ اس کا وقت آ جائے اور وہ قضا، وقدر کے حکم کے ساتھ واقع ہو۔ جیسا کہ یہ اس شخص کے لئے جائز نہیں جسے اللہ تعالیٰ نے اطلاع بخشی کہ وہ رمضان کے کسی دن میں بیمار ہوگا کہ وہ بغیر روزہ رکھے صبح کرے۔ اس پر واجب ہے کہ رکا رہے یہاں تک کہ روزہ نہ رکھنے کو مباح قرار دینے والا امرض پایا جائے۔

اگر تو کہے کہ ان کے بعض کے اس قول سے کیا مراد ہے کہ توبہ کی شرط ہے کہ توبہ سے توبہ کرے؟ تو جواب یہ ہے کہ اس کی مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہمیشہ پیش نظر رکھے حتیٰ کہ ظاہر و باطن میں اس امر میں واقع ہونے سے محفوظ رہے۔ پس اس کا باطن کبھی ایسا نہ ہو کہ اس کی وجہ سے رسوائی ہو۔ اور نہ ہی اس سے توبہ کرنا پڑے۔ اور کبھی توبہ سے توبہ سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ اپنی توبہ کو اس کے عدم خلوص کی وجہ سے اپنے نفس کو متہم قرار دیتے ہوئے مت سمجھے کہ کیا قبول ہوگی۔ پس یہ نہ کہا جائے کہ اس قائل کی مراد یہ ہے کہ توبہ کا ترک واجب ہے۔ کیونکہ یہ قوم صوفیاء کے بارے میں بدگمانی ہے۔ اور شیخ نے فتوحات کے ۷۳ویں باب میں اس پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔

خاتمہ۔ مسئلہ دقیقہ

اور شیخ نے ۷۰ویں باب میں زکوٰۃ کے بارے میں یہ فرمایا ہے: اور یہاں ایک دقیق مسئلہ ہے جس پر ہمارے ساتھیوں میں سے قلیل لوگوں کو اطلاع ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ عارف باللہ بعض احوال میں کبھی توبہ کے ساتھ موصوف نہیں ہوتا۔ اور یہ اس وقت ہے جب اللہ تعالیٰ اس کے لئے انکشاف فرماتا ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ اکیلا ہی فاعل ہے۔ پس عارف اپنے نفس کے لئے ظاہری طور پر اور نہ ہی باطنی طور پر۔ عملی طور پر اور نہ ہی نیت کے ساتھ کوئی حرکت نہیں پاتا۔ اور نہ ہی امر سے کچھ پاتا ہے۔ اور امر سب کا سب اللہ تعالیٰ کے لئے پاتا ہے۔ تو کیا ایسے سے توبہ کا تصور ہو سکتا ہے یا نہیں۔ کیونکہ بیشک وہ اپنے نفس کو مسلوب الاحوال دیکھتا ہے۔ پھر بیشک وہ اگر توبہ کرے تو اس کشف کے باوجود کہ اس کی توبہ قبول کی جاتی ہے یا وہ بمنزلہ اس شخص کے ہے جس نے سورج کے مغرب سے طلوع ہونے کے بعد توبہ کی۔ پس بیشک شمس حقیقت اس کے لئے اس کے قلب کے مغرب سے طلوع ہو چکا ہے پس اس کے تمام افعال بے کار ہو گئے۔ اور یہ مشکل ترین احوال میں سے ہے۔ کیونکہ توبہ اور اسی طرح اعمال صالحہ کی قبولیت صرف اس سے ہوتی ہے جو کہ فعل کی بندے کی طرف نسبت کے پس پردہ ہو جبکہ یہاں ارتکاب بندگی کے وقت اس کشف میں کوئی چیز حق سے خارج نہیں ہوئی حتیٰ اس سے موصوف کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ اس سے قبول فرماتا ہے بلکہ وہ حق تعالیٰ کے ہاتھ میں اور صرف اسی کے تصرف میں ہے۔ باہر نکلا ہی نہیں۔ جبکہ قبولیت کا موضوع تو صرف اس شخص سے ہے جو کہ کسی شے کا ارتکاب کرے جس کے مشاہدے میں نہیں کہ وہ حق تعالیٰ کی ملک میں ہے شیخ نے فرمایا: میں اس امر کا قائل ہوں کہ اس کشف کے ہوتے ہوئے توبہ کا تصور ہے جبکہ یہاں اللہ تعالیٰ ہی بندے پر تواب ہوتا ہے یعنی رحمت کے ساتھ رجوع فرمانے والا نہ کہ بندہ۔ انتہی

امام شعرانی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ جو کچھ میرے لئے ظاہر ہوتا یہ ہے کہ جزء بشری جس کے ساتھ مدار تکلیف وابستہ ہے دقیق ہے اور وہ منقطع نہیں ہوتا۔ پس اس وجہ سے بندے کا فعل کی نسبت کا اپنی طرف شہود ضروری ہے اور اسی کی وجہ سے اس کا مؤاخذہ صحیح ہوتا ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ بندے کا مواخذہ صرف اس کے اپنی بشریت کے جزو کے دعویٰ کے مطابق ہی فرماتا ہے۔ واللہ اعلم

ستاونسویں بحث

قلبی اندیشیوں کے ترازو کے بیان میں اور القاء کے تین احوال

ابن السبکی رحمۃ اللہ علیہ جمع الجوامع میں فرماتے ہیں: اور اے بھائی جب تیرے قلب میں کسی امر کا القاء ہو تو اسے میزان شرع کے ساتھ وزن کر۔ اور یہ تین حال سے خالی نہیں۔ یا تو اس کا حکم دیا گیا ہوگا۔ یا اس سے روکا گیا ہوگا یا اس میں شک ہوگا۔ اور اصطلاح علماء میں اس القاء فی القلب کی تعبیر خاطر سے کی جاتی ہے۔ پس پہلا حال جو کہ مامور بہ ہے تو اس میں تاخیر نہیں چاہیئے۔ بلکہ بندے کو اس کے فعل میں جلدی کرنا چاہئے کیونکہ یہ رحمٰن تبارک وتعالیٰ سے ہے۔ اگر اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ارادہ خیر کا ہے تو بندے پر اس کا القاء کر کے اس نے اس پر رحم فرمایا ہے کہ وہ اسے عمل میں لائے۔ تو اگر بندے کو اس کی بنا پر صورت ممنوعہ میں واقع ہونے کا خوف ہو جیسا کہ خود بینی یا ریاء، تو اس عمل میں اس ممنوعہ صفت پر واقع ہونے میں اس پر کوئی حرج نہیں کیونکہ ابتداء میں اس عمل کا افتتاح اخلاص پر ہے لیکن وہ مذموم صفت اس کا مقصود نہیں ہے۔ پس اگر مثلاً ریاء کا قصد کرتے ہوئے اسے واقع کر دیا تو اس پر گناہ ہوگا پس واجب ہے کہ اس سے استغفار کرے۔ اور دوسرا حال یہ ہے کہ وہ خاطر ایسا امر ہے جس سے روکا گیا ہے تو اس کے ارتکاب میں جلدی نہیں کرنا چاہئے بلکہ بندے پر واجب کہ اسے بار بار رد کرے کیونکہ یہ شیطان کی طرف سے ہے۔ پس بندہ اس کے ارتکاب کی طرف مائل ہوا لیکن اس میں واقع نہیں ہوا تو اس مائل ہونے سے استغفار کرے۔ اور تیسرا حال یہ ہے کہ جو قلب میں القاء ہوا ہے با ایں طور مشکوک ہے کہ بندے کے لئے ظاہر نہیں ہوا کہ مامور بہ ہے یا منہی عنہ ہے۔ تو ادب یہ ہے کہ منہی میں واقع ہونے سے بچتے ہوئے اس پر عمل کرنے سے رک جائے۔ اسی لئے شیخ ابو محمد الجوینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب وضو کرنے والا شک میں پڑ جائے کہ تیسری مرتبہ دھوئے پس مامور بہ ہو یا چوتھی مرتبہ ہو منع ہے۔ تو منہی عنہ میں واقع ہونے کے خطرے سے نہ دھوئے۔ کمال نے اپنے حاشیہ میں فرمایا: قابل اعتماد یہی ہے کہ دھوئے کیونکہ تین بار دھونے کا حکم ہے اور یہ اس دھونے سے پہلے ثابت نہیں ہوتا۔ پس دھوئے۔ شرح جمع الجوامع اور اس کے حاشیہ کا کلام ختم ہوا۔

خواطر کے بارے میں شیخ محی الدین کا کلام

رہا خواطر کے بارے میں شیخ محی الدین کا کلام۔ تو آپ ۲۶۴ ویں باب میں فرماتے ہیں: جان لے اللہ تعالیٰ کے لئے اپنے بندے کے قلب کی طرف سفیر ہیں جنہیں خواطر کہا جاتا ہے۔ یہ بندے کے قلب میں صرف اس پر گزرنے کے وقت تک ہی ٹھہرتے ہیں۔ پس اپنی ذات کے ساتھ ٹھہرے بغیر اس بندے کی طرف جو پیغام دے کر بھیجے گئے ہیں ادا کرتے ہیں۔ اور وہ بیت المعمور میں داخل ہونے والوں کی تعداد کے مطابق دن رات میں ستر ہزار خاطر ہیں۔ زیادہ یا کم نہیں ہوتے۔ تو اے بھائی! ان سفیروں سے غافل نہ ہو کیونکہ وہ

تیرے صحن میں مہمانوں کی صورت میں گزرتے ہیں۔ ٹھہرتے نہیں۔ تو اگر تجھے بیداری اور ہوشیاری سے متصف پائیں تو یہی مقصود ہے۔ اور اگر تجھے غفلت سے آلودہ پائیں تو تیرے دروازے پر چلے جاتے ہیں تاکہ تو بیدار ہو جائے۔ پس اگر تو بیدار ہو گیا تو تجھے ضائع نہیں کرتے۔ اور اگر تو ان کے لئے بیدار نہیں ہوتا تو تجھے چھوڑ کر اپنے رب کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔ اور اس میں طویل کلام فرمایا۔

پھر فرماتے ہیں اور خواطر کی تعداد پانچ ہے۔ جنہیں حق تعالیٰ نے تیرے لئے مقرر فرمایا ہے تاکہ تو ان پر قلب پر چلے۔ اور ایک طریقے پر وجوبی طور پر چلے۔ دوسرے پر استحبابی طور پر۔ تیسرے پر بچتے ہوئے۔ چوتھے پر کراہت سے اور پانچویں پر اباحت کے ساتھ۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان طرق میں سے ہر طریق میں ایک فرشتہ مقرر فرمایا ہے جو شیطان کا مقابلہ کرتا ہے۔ عبد کو اس کے خلاف حکم دیتا ہے جو اسے شیطان حکم دیتا ہے۔ سوائے طریق اباحت کے۔ انتہی

عفو خواطر بعض کے ساتھ خاص ہے

اگر تو کہے کہ کیا اللہ تعالیٰ کا ان خواطر کو معاف کرنا سب لوگوں کے حق میں ہے یا یہ معافی بعض کے ساتھ خاص ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ اس شخص کے نزدیک یہ بعض کے ساتھ خاص ہے جو کہ اس کا قائل ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قول **و ان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ** (البقرۃ آیت ۲۸۴۔ اور اگر تم اسے ظاہر کرو جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے یا اسے چھپاؤ اللہ تعالیٰ تم سے اس کا حساب لے گا) غیر منسوخ ہے یا عوام کے حق میں منسوخ ہے نہ کہ خواص کے حق میں۔ رہا وہ جو اس کا قائل ہے کہ یہ منسوخ ہے تو یہ پوری امت کے حق میں عام ہے۔ لیکن قوم صوفیاء کی کتابیں خواطر کی وجہ سے ان کے مواخذہ کے ساتھ بھری پڑی ہیں۔

اور شیخ نے ۴۲۲ ویں باب میں یوں ذکر کیا ہے: جان لے کہ اللہ تعالیٰ نے وہ خواطر معاف فرما دیئے ہیں جو کہ ہمارے نزدیک قرار نہیں پکڑتے سوائے مکہ مشرفہ کے کیونکہ اس بارے میں شرع وارد ہے کہ حق تعالیٰ اسے مؤاخذہ فرماتا ہے جو کہ یہاں ظلم کا ارادہ کرے۔ اور فرماتے ہیں کہ اپنے لئے احتیاط کی خاطر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے طائف میں سکونت اختیار کرنے کا یہی سبب تھا۔ کہ بیشک انسان کے بس میں نہیں کہ اپنے قلب کو ان خواطر سے روکے جو کہ اس کی اقامت کے منافی ہیں۔ مگر یہ کہ معصوم ہو یا محفوظ اور اس آیت میں **ومن یرد بالحاد بظلم نذقہ من عذاب الیم**۔ (الحج آیت ۲۵۔ اور جو اس میں زیادتی کا ناحق ارادہ کرے تو ہم اسے دردناک عذاب چکھائیں گے) ظلم کو اس لئے نکرہ لایا گیا تاکہ ساکن حرم ہر ظلم سے پرہیز کرے۔ انتہی

اور ۳۶۹ ویں باب کے علوم میں فرماتے ہیں: جان لے کہ نفس میں آنے والی بات صرف اس وقت قابل بخشش ہے جبکہ اس کے مطابق عمل یا کلام نہیں کیا۔ اور کلام عمل ہے پس بندے کو اس پر اس حیثیت سے مؤاخذہ ہوتا ہے کہ وہ اسے لفظوں میں ادا کرتا ہے جیسے غیبت اور چغلی، پس بیشک بندے کو اس کی وجہ سے مواخذہ ہوگا۔ اور اس کی زبان کی حیثیت سے اس کے متعلق سوال ہوگا۔ اور کسی چیز کا قصد حدیث نفس میں داخل نہیں ہوتا۔ کیونکہ کسی چیز کے قصد کا شرع میں حکم اور ہے جو کہ حدیث نفس کے خلاف ہے۔ اور اس کے لئے ایک مقام ہے۔ اس شخص کی طرح جو کہ حرم مکی میں ظلم کے ساتھ الحاد کا ارادہ کرتا ہے۔ پس بیشک اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ اسے دردناک عذاب چکھائے گا۔ برابر ہے کہ اس سے وہ ظلم واقع ہوا جس کا ارادہ کیا یا واقع نہ ہو۔ البتہ مسجد حرم مکی کے علاوہ اسے قصد پر مواخذہ نہیں ہے۔ پس اگر قصد کے مطابق فعل نہیں کیا تو اس کے لئے نیکی ہے جبکہ اس نے خالصتاً اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اسے ترک کر

دیا۔ پس اگر اسے اللہ تعالیٰ کی خاطر ترک نہیں کیا تو اس پر لکھا نہیں جاتا نفع کے لئے نہ نقصان کے لئے۔ تو یہ ہے حدیث نفس اور ارادہ کے درمیان فرق جو کہ ''ہم'' ہے۔ انتہی

نماز میں کثرت وسوسہ کا حکم

اگر تو کہے کہ اس کا کیا حکم ہے جس پر نماز میں شیطان کے وسوسہ کی کثرت ہو؟ تو اس کا جواب فتوحات میں صلوٰۃ شدت خوف کے باب میں شیخ کے قول کے مطابق یہ ہے کہ اس کا حکم اس نمازی کا حکم ہے جو کہ شدت خوف کی نماز پڑھتا ہے۔ پس وہ یعنی شیطان نمازی کے ساتھ بڑی جنگ میں ہے۔ پس جس کی یہ حالت ہے وہ نماز پڑھے۔ گرچہ ساری نماز شیطان کے ساتھ جنگ میں ختم کر دے۔ پس وہ شریعت کے مطابق سارے ارکان نماز ادا کرے اتنی باطنی حضوری کے ساتھ کہ وہ نماز میں ہے۔ جس طرح کہ مجاہد دوڑتے ہوئے اپنے باطن کے ساتھ نماز ادا کرتا ہے جیسے کہ اس کے لئے اس مقدار کے ساتھ اس کے ظاہری ایمان میں دونوں آنکھوں کے ساتھ اور اس کی زبان کے ساتھ تکبیر کے ساتھ ظاہری دشمن کے جہاد میں نماز مشروع ہے۔ پس اگر شیطان اس میں اس کے لئے وسوسہ ڈالے تو نماز میں وسوسہ اسے نقصان نہیں دیتا۔ پس اگر نمازی نے اپنے جی میں مقرر کر لیا ہو کہ وہ ریاکاری سے نماز پڑھ رہا ہے حالانکہ وہ نماز شروع کرتے ہی اس سے خلاصی پا چکا ہے تو پرواہ نہیں کیونکہ صورت نماز کی ابتداء درست ہے پس اس کا عمل باطل نہیں ہوتا جبکہ اس خاطر سے شیطان کی غرض صرف یہ ہے کہ بندہ وہ عمل ترک کر دے جس میں بندہ درستی کے ساتھ شروع ہو چکا۔ تاکہ وہ اس شبہ کی وجہ سے جو کہ وہ بندے کے قلب میں ڈالتا ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول کی مخالفت کرے **ولا تبطلوا اعمالکم** (محمد صلی اللہ علیہ وسلم آیت ۳۳۔ اور اپنے اعمال باطل نہ کرو) انتہی

احکام میں مخالفت نفس کا محل

اگر تو کہے کہ مخالفت نفس کا احکام میں کیا محل ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ اس کی مخالفت کا محل تین امور میں ہے مباح، مکروہ اور ممنوع اس کے علاوہ نہیں جیسے کہ شیخ نے ۱۲اویں باب میں فرمایا ہے کہ البتہ جب نفس کے لئے کسی مخصوص طاعت میں اور باعث قرب عمل میں لذت عظیم واقع ہو تو وہاں کوئی مخفی علت ہے پس کسی دوسری طاعت اور عمل قرب کے ساتھ اس کی مخالفت کرے۔ پس اگر اس کے نزدیک مختلف عبادات میں تمام مصروفیات برابر ہوں تو ہم اس خاص طاعت میں اس کی لذت تسلیم کریں گے۔ اور اگر کسی دوسرے عمل مقرب میں مشقت محسوس کرے جو کہ اس عمل کے خلاف ہے تو اس بنی پر مشقت عمل کی طرف پھرنا واجب ہے کیونکہ اگر اسے ایسے اعمال کی موافقت کی عادت ہوگئی تو ممنوع۔ مکروہ اور مباح کی طرف موافقت کی طرف منتقل ہوگا۔ اور جب خبث باطنی سوچے کہ وہ برا فعل کرے جبکہ وہ نماز سے فارغ ہو چکا باوجودیکہ وہ مومن ہے تو نماز درست ہے۔ اور یہ ان میں سے ہے جس کے نفس نے بری بات کی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے اس کی معافی دی ہے جب تک کہ اسے عمل میں نہ لائے۔ انتہی

شیطانی خاطر یعنی وسوسہ کی اقسام

اگر تو کہے کہ شیطانی خاطر کی کتنی اقسام ہیں؟ تو جواب یہ ہے کہ یہ دو قسموں پر منقسم ہے۔ حسی اور معنوی۔ پھر حسی کی دو قسمیں ہیں۔ کیونکہ شیاطین کی دو قسمیں ہیں شیطان انسی اور شیطان جنی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا **شیاطین الانس والجن یوحی بعضھم الی**

بعض زخرف القول غرورا ولوشاء ربك ما فعلوه فذرهم وما يفترون (الانعام آیت ۱۱۲ سرکش انسان اور جن جو کہ ایک دوسرے کو لوگوں کو دھوکا دینے کے لئے خوشنما باتوں کا القاء کرتے تھے۔اور اگر آپ کا رب چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے۔پس آپ انہیں اور ان باندھے ہوئے بہتان کو چھوڑ دیں) پس انہیں اللہ تعالیٰ افتراء باندھنے والے قرار دیا۔اور ان دونوں شیطانوں کے درمیان انسان میں ایک اور معنوی شیطان پیدا ہو گیا۔اور یہ اس طرح کہ انسان اور جن کا شیطان جب انسان کے قلب میں ایک عام امر کا القاء کرتا ہے اسے اللہ تعالیٰ سے دور کر دیتا ہے۔پس کبھی کوئی امر خاص یا کوئی خاص معین مسئلہ ڈالتا ہے اور کبھی ایک امر عام کا القاء کرتا ہے اور اسے چھوڑ دیتا ہے۔تو اگر امر عام ہو تو اس میں اس کے لئے ایسے امور کی طرف راستہ کھول دیتا ہے جن کی کسی جن اور انسان کو فراست نہیں ہوتی وہ اس شبہہ میں سے ایسے امور کا استنباط کرتا ہے کہ جب ان کے متعلق گفتگو کرتا ہے تو ابلیس ان سے گمراہی معلوم کر لیتا ہے۔پس وہ وجوہ جو اس کے لئے اس اسلوب عام میں کھلتے ہیں جس کا پہلے پہل شیطان انس یا شیطان جن اس کی طرف القاء کرتا ہے۔شیاطین معنوی کہلاتے ہیں کیونکہ شیاطین انس و جن میں سے ہر ایک اس سے ناواقف ہے۔اور انہوں نے علی التعیین اس کا قصد نہیں کیا۔انہوں نے تو صرف قصد اول کے ساتھ انسان پر یہ دروازہ کھولنے کا ارادہ کیا تھا۔کیونکہ انہیں علم تھا کہ بیشک اس کی قوت اور دانائی میں یہ صلاحیت ہے کہ اس میں وقت نظر کے ساتھ دیکھے تو اس کے ایسے مہلک معانی کھلیں جنہیں اس کے بعد وہ رد نہ کر سکے۔اور اس کا سبب اصل اول ہے کیونکہ اس نے اسے اصل صحیح کے طور پر حاصل کیا اس پر توجہ دی۔تو اس پر غور و فکر اسے آگے چلاتا رہتا ہے حتیٰ کہ اسے اس اصل سے نکال باہر کیا۔

شیخ نے فرمایا: کہ بدعتوں اور خواہشات والے اسی ڈگر پر چلے ہیں۔کیونکہ پہلے پہل شیطان ان کا شاگرد ہے ان سے علم حاصل کرتا ہے۔

نیز فرمایا: اور یہ کوتاہی اکثر شیعہ میں ظاہر ہوئی۔خاص کر ان میں سے امامیہ میں۔پھر شیاطین نے پہلے تو ان پر حب اہل بیت اور ان میں محبت کی توانائیاں صرف کرنا داخل کیا۔اور وہ سمجھے کہ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رفیع المرتبت عبادت ہے اور وہ یوں ہی ہے اگر رک جاتے۔اور اس پر بعض صحابہ اور ان پر طعن و تشنیع کا اضافہ نہ کرتے۔اور اس میں طویل کلام فرمایا۔

پھر فرمایا: اور قصہ مختصر ہر وہ شخص جو خواطر کے درمیان امتیاز نہیں کرتا وہ اہل اللہ کے طریق میں کبھی کامیاب نہیں ہوتا کیونکہ صالحین سے شیطان کی غرض صرف یہی ہے کہ وہ خواطر مذمومہ میں اس سے ناواقف رہیں۔پس اس سے وہ گمراہیاں اور شبہات قبول کریں جو وہ ان کی طرف القاء کرے۔اور جنات کے اثبات کے بارے میں ۲۳ ویں بحث میں اس سے زائد گفتگو پہلے گزر چکی ہے اور اسی طرح بحث ولایت میں۔پس وہاں رجوع کر۔واللہ تعالیٰ اعلم

اٹھاونسویں بحث

اہل قبلہ کی عدم تکفیر کا مسئلہ

اہل قبلہ میں سے کسی کے گناہ یا اس کی بدعت کی بنا پر عدم تکفیر کا بیان۔اور یہ بیان کہ ان کی تکفیر کے بارے میں جو کچھ وارد ہوا منسوخ ہے یا مؤول۔یا سخت گوئی ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ومن لم یحکم بما انزل الله فاولئك هم الكافرون (المائدہ آیت ۴۴ اور جو اللہ تعالیٰ کے نازل فرمودہ حکم کے مطابق فیصلہ نہ کرے وہی کافر ہے)

ابن عباس فرماتے ہیں یہ ایسا کفر ہے جو اسلام سے منتقل نہیں کرتا۔اور جن گناہوں کے ارتکاب سے تکفیر وارد ہوئی ہے ان کی مثالیں

شراب پینا۔ جادوگر اور کاہن کے پاس جانا ہے۔ اور جن بدعات کی بنا پر تکفیر کا قول کیا گیا ہے ان کی مثالیں اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کا بندوں کے افعال کا خلق ہونے کا انکار اور قیامت کے دن اس کی رؤیت کا جائز نہ ہونا ہے۔ کیونکہ بعض علماء نے ان لوگوں کی تکفیر کی ہے۔ رہا وہ شخص جو کہ اپنی بدعت کی بنا پر اہل قبلہ سے خارج ہو گیا۔ جیسے عالم کے حادث ہونے کے منکرین۔ نشر وحشر کے لئے جسموں کے اٹھائے جانے کے منکر۔ اور علم بالجزئیات کے منکر جیسے کہ اللہ تعالیٰ کے اسم 'العالم' کی بحث میں گزر چکا تو ان کے کفر میں کوئی جھگڑا نہیں کیونکہ یہ لوگ ان بعض حقیقتوں کے منکر ہیں جنہیں رسول علیہ السلام کے لانے کا علم ضروریات دین میں سے ہے۔

شیخ کمال الدین کی وضاحت

کمال نے شرح جمع الجوامع پر اپنے حاشیہ میں فرمایا: اہل قبلہ میں سے اہل بدعت اور گناہگاروں کے کفر کا قول اشعری کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ اور شیخ عزالدین بن عبدالسلام وغیرہ فرماتے ہیں کہ شیخ ابوالحسن الاشعری نے اپنی وفات سے پہلے اہل قبلہ میں سے کسی کی تکفیر سے رجوع کر لیا تھا۔ فرماتے ہیں: کیونکہ جہل بالصفات، موصوف سے ناواقف ہونا نہیں۔ نیز فرمایا: ہم نے کئی عبارات میں اختلاف کیا ہے جبکہ مشار الیہ ایک ہی ہے۔ شیخ کمال الدین بن ابی شریف فرماتے ہیں کہ ہم میں سے جو اس کا قائل ہے کہ لازم مذہب، مذہب ہے اس نے ان بدعتیوں کی جن کے مذہب وہ لازم ہے جو کفر ہے۔ مثال کے طور پر مجسمہ نے جسم کی عبادت کی اور وہ یقیناً اللہ تعالیٰ کا غیر ہے۔ اور جس نے غیر اللہ کی عبادت کی کافر ہو گیا۔ فرماتے ہیں: رہے معتزلہ تو بیشک انہوں نے گرچہ احکام صفات کا اعتراف کیا ہے پس انہوں نے صفات کا انکار کیا ہے اور انکار صفات سے ان کے احکام کا انکار لازم آتا ہے۔ پس وہ اس وجہ سے کافر ہیں۔

کمال نے فرمایا: اور صحیح یہ ہے کہ لازم مذہب، مذہب نہیں ہے۔ اور بیشک صرف لزوم کے ساتھ کفر نہیں۔ کیونکہ لزوم، التزام کا غیر ہے۔ اور مواقف میں ایسی وضاحت واقع ہوئی ہے جو کہ اس قید کا تقاضا کرتی ہے کہ مذہب والا لزوم کو نہ جانتا ہو۔ اور یہ کہ لازم کفر ہے۔ کیونکہ صاحب مواقف نے کہا ہے کہ جسے کفر لازم ہو اور وہ اسے نہیں جانتا تو وہ کافر نہیں ہے۔ انتہی۔ اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ اس کا جاننا کفر ہے کیونکہ وہ اس کا التزام کر رہا ہے۔ واللہ اعلم۔ انتہی

حدیث ستفترق امتی علی نیف وسبعین فرقة

اور شیخ ابو طاہر القزوینی اپنی کتاب سراج العقول میں ذکر کرتے ہی کہ حدیث **ستفترق امتی علی نیف و سبعین فرقة کلها فی النار الا واحدة** (یعنی میری امت کچھ اوپر ستر فرقوں میں بٹ جائے گی سب کے سب جہنمی ہوں گے سوائے ایک کے) کے بعض طرق میں اس طرح مروی ہے **کلها فی الجنة الا واحدة** (یعنی سب کے سب جنتی ہوں گے مگر ایک) اسے ابن النجار نے روایت کیا ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ اس ایک فرقہ سے جو کہ جہنمی ہے مراد زنادقہ ہیں۔ قزوینی کہتے ہیں کہ اس روایت کے مطابق روایت مشہورہ کا معنی یہ ہوگا کہ سب کے سب آگ میں ہوں گے مگر ایک۔ یعنی آگ میں ان کا ورود ہوگا۔ اور وہ ان کے صراط سے گزرتے وقت ہوگا۔ **ثم ننجی الذین اتقوا و نذر الظالمین فیها جثیا** (مریم آیت ۷۲۔ پھر ہم پرہیزگاروں کو نجات دیں گے اور ظالموں کو دوزخ میں گھٹنوں کے بل گرے ہوئے چھوڑ دیں گے) اور ظالم وہ کافر ہیں۔ پس کسی وابستہ دین اسلام کے لائق نہیں کہ طریق استقامت سے خارج فرقوں میں سے کسی کو کافر قرار دے جب تک کہ وہ مسلمان رہیں اہل اسلام کے احکام کے وابستہ رہیں۔

حدیث میں مذکور فرقوں کے اصول

شیخ ابو طاہر قزوینی فرماتے ہیں کہ حدیث میں وارد فرقوں کے اصول چھ ہیں۔ مشبہہ، معطلہ، جبریہ، قدریہ، رافضہ اور خوارج۔ اور ان چھ میں سے ہر گروہ بارہ فرقوں میں تقسیم ہوا۔ پس چھ کو ۱۲ میں ضرب دو۔ تو جو حاصل ضرب نکلے یہ وہی تعداد ہے جس کی طرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا۔ شیخ فرماتے ہیں کہ مخفی نہ رہے کہ کفر ہی ایمان کی ضد ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **فمنھم من آمن ومنھم من کفر** (البقرہ آیت ۲۵۳۔ ان میں سے کوئی ایمان پر رہا اور کوئی کافر ہوگیا) جبکہ ایمان تصدیق ہے رسول کی اور اس کے لائے ہوئے پیغامات کی۔ اور کفر تکذیب ہے۔ کیونکہ وہ نصی قطعی کی یا اجماع کی مخالفت ہے۔ اور دونوں میں رسول کی تکذیب ہے۔

تکذیب کی چار اقسام

پھر تکذیب چار قسموں پر منقسم ہوتی ہے۔ پہلی، یہود و نصاریٰ کی تکذیب اور یہ کفر ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ دوسری، منکرین کی اصل نبوت کی تکذیب ہے۔ اور ان کی تکفیر بطریق اولیٰ ہوتی ہے کیونکہ انہوں نے تمام انبیاء کی تکذیب کی۔ اور اس قسم والوں میں سے دہریہ ہیں کیونکہ انہوں نے اللہ اور رسل سب کی تکذیب کی۔ اور انہیں میں سے ملحدین بھی ہیں کیونکہ انہوں نے تصدیق کی صورت میں بطور مکر و فریب تکذیب کی۔ پس انہوں نے اللہ تعالیٰ کی معرفت رسول کی معرفت کے ساتھ معلق کردی جبکہ قطعی طور پر معلوم ہے کہ رسول کی معرفت مرسِل کی معرفت کے ساتھ معلق ہے (اقول وباللہ التوفیق۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ رسول کی رسالت اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اصطفاء اور انہیں معجزات عطا کرنے کی وجہ سے ہے۔ اور معجزہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صدق رسالت کی دلیل ہوتا ہے۔ البتہ اس میں شک نہیں کہ رسول اپنی امت کے لئے معرفت الٰہیہ کا ذریعہ ہوتا ہے۔ اسی لئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے **ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق**۔ چنانچہ اس آیت کی تفسیر میں حکیم الامت مولانا مفتی احمد یار خاں گجراتی رحمۃ اللہ علیہ نور العرفان میں فرماتے ہیں: حضور معرفت الٰہیہ کا بڑا ذریعہ ہیں۔ اگر رب کو پہچاننا ہے تو یوں پہچانو کہ رب وہ ہے جس نے ایسی شان والے رسول کو بھیجا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور اللہ کی وہ مصنوع ہیں کہ دست قدرت کو بھی ان پر ناز ہے اس لئے فرماتا ہے ہو الذی۔ اللہ ایسی شان والا ہے جس نے اپنے ایسے رسول کو بھیجا۔ محمد محفوظ غفرلہ، ولوالدیہ واولادہ)

پس مسئلہ دوریہ ہو جائے گا۔ ان دونوں میں سے ایک کا اثبات ممکن نہیں ہوگا۔ اور ان کے اس دعویٰ کے ضمن میں رسول اور مرسِل دونوں کی نفی ہے۔ اور اس عقیدے پر کئی اقوام نے ان کی پیروی کی ہے۔ پس انہوں نے شرائع کا انکار کر دیا۔ ماؤں اور بیٹیوں کا نکاح مباح قرار دیا۔ اور انہوں نے کہا کہ یہاں نہیں ہیں مگر شرم گاہیں جو فضلہ پھینکتی ہیں اور زمین جو نگلتی ہے۔ پس وہ مجوسیوں اور دہریوں کے ساتھ مل گئے۔

تیسری قسم! وہ قوم جنہوں نے رسول کی تصدیق کی لیکن عقیدہ یہ رکھا کہ وہ سب کچھ جس کی رسل نے خبر دی جیسے شرعی احکام۔ منکر نکیر۔ حشر و نشر وغیرہ یہ صرف مخلوق کی مصلحتوں کے طریقے سے ہیں۔ اور یہ فلاسفہ ہیں۔ اور ان کا کفر اس حیثیت سے ہے کہ انہوں نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر جھوٹ جائز رکھا۔ اور اس میں نبوت کا دروازہ بالکل بند کرنا ہے۔ کیونکہ اس سے انبیاء کے قول پر اعتماد باطل ہو جاتا ہے۔ پس ان کی تکفیر بطریق اولیٰ واجب ہے۔ اور حلولیہ اس قسم کے قریب ہیں جو کہ گمان کرتے ہیں روح اللہ ان میں اتری ہے اور بیشک

اللہ تعالیٰ کے لئے حروف ہجاء کی صورت میں اعضاء ہیں اور اسی طرح خطابیہ ان کے قریب میں جنہوں نے حضرت جعفر بن محمد الصادق رضی اللہ عنہ کے لئے الوہیت کا دعویٰ کیا۔ اور اسی طرح صابئہ نے حضرت علی بن ابی طالب کے لئے اس کا دعویٰ کیا۔ تو حضرت علی بن ابی طالب نے انہیں آگ کے ساتھ جلانے کا حکم دیا۔ پس وہ آگ کے اندر چلانے لگے کہ اب ہمیں تحقیق ہوئی کہ آپ الٰہ ہیں۔ پس جب ائمہ شریعت ان بدترین رسوائیوں پر مطلع ہوئے تو انہوں نے قدریہ کو مجوس کے ساتھ، حلولیہ کو مرتدوں کے ساتھ اور مجسمہ کو بت پرستوں کے ساتھ لاحق کیا۔ پس ان سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے۔ اور انہیں اس امر پر آگاہ کیا جائے کہ یہ کفر ہے۔ پھر اگر وہ اصرار کریں اور رجوع نہ کریں تو بادشاہ ان کے لئے میٹنگ بلائے اور ان کے ساتھ وہ سلوک کرے جس پر علماء اتفاق کریں جیسے قتل یا سزا۔ اور اجماع امت کے مطابق یہ عوام کو اختیار نہیں۔

خطاء فی التاویل کے متعلق دو گروہ

چوتھی قسم۔ وہ قوم جنہوں رسول کی اس کے اقوال میں تصدیق کی لیکن تاویل میں خطا کے مرتکب ہوئے۔ باوجودیکہ وہ اہل قبلہ میں سے تھے جیسے معتزلہ، نجاریہ، روافض، خوارج، مشبہہ وغیرہ۔ اور آئمہ نے اختلاف کیا ہے کہ کیا خطائی التاویل حد تکفیر تک پہنچتی ہے پس وہ تکفیر تک پہنچیں یا نہیں۔ پس اس مسئلہ میں ان کے دو گروہ ہو گئے۔ پہلے گروہ کا گمان ہے کہ جس نے بھی کسی ایسی چیز میں رسول کی مخالفت کی جس کی اس نے خبر دی تو تحقیق اس نے اس کی تکذیب کی۔ برابر ہے کہ صرف انکار کے ساتھ ہو یا تاویل میں خطا کی وجہ سے۔ اور اس کی بنا پر انہوں نے ان پر احکام کفر جاری کئے۔ اور انہوں نے غلو کرنے والوں اور میانہ روی اختیار کرنے والوں میں تمیز نہ کی۔ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت میں جو کہ ہر شے سے وسیع ہے ان تنگی کرنے والوں کی جمہور علماء اور خلفاء نے پیروی نہ کی۔ اور ان کے قول کے مطابق اس قوم کا خون نہ بہایا۔ اور نہ ہی ان کے فتویٰ کے مطابق ان کے اموال اور حرمتوں کو مباح قرار دیا۔ بلکہ ان پر ہمارے اس زمانے تک مسلمانوں کے احکام جاری کئے۔ کیونکہ وہ ان پر مسلمانوں کا نام صادق آنے میں داخل ہیں۔ اور وہ بلاشک امۃ اجابت سے ہیں تو جس نے انہیں کافر قرار دیا اس نے ظلم وزیادتی کا ارتکاب کیا۔ ان کے متعلق صرف فاسق، گمراہ، بدعتی اور خطا کار وغیرہ کے الفاظ کہے جائیں۔ اور جس نے انہیں کافر کہا تو یہ ان کی خطاً فاحش اور بدعت شنیعہ کی وجہ سے شدت اور سختی کے طور پر کہا۔ پس اسے کفر کے مشابہ قرار دیا کیونکہ یہ اس کے قریب ہے۔ جیسا کہ حدیث میں وارد ہے کہ قرآن میں جھگڑنا کفر ہے۔ اور جیسے یہ وارد ہے کہ بندے اور کفر کے درمیان ترک نماز ہے۔ اور جس نے جان بوجھ کر نماز ترک کی تو کافر ہوا۔ اور جب کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو یا کافر ہے تو وہ کافر ہو گیا۔ زانی زنا نہیں کرتا جبکہ وہ اس کا مرتکب ہوتا ہے دراں حال کہ وہ مومن ہے۔ وغیرہ پس یہ تمام سختی اور جھڑکی کے طور پر وارد ہے۔ کیونکہ کبھی ایک چیز کا دوسری چیز پر ایک قسم کی مشابہت کی بنا پر اطلاق ہوتا ہے اور یہ تفصیل کیوقت حقیقت یا حکم کا تقاضا نہیں کرتا۔ جیسے کہ ایک شخص کسی اجنبی کو صرف قریب کرنے اور اس کی عزت افزائی کے لئے کہتا ہے کہ تو میرا بھائی یا میرا بیٹا ہے۔ پھر جب وہ مر جائے تو اس کا وارث نہیں ہوتا اور اس پر بیٹیاں۔ بہنیں حرام نہیں ہوتیں۔ اور جیسے ایک شخص دوسرے سے تواضعاً کہتا ہے کہ میں تیرا غلام ہوں۔ اور ایسا کرنے سے اسے اس کا بیچنا یا اس کا مالک ہونا جائز قرار نہیں پاتا۔

فتاوی امام کردی کا قول

امام شعرانی فرماتے ہیں لیکن فتاویٰ امام [illegible]ردی میں ائمہ حنفیہ کے تکفیری اقوال کے بعد الفاظ تکفیر کے آخر میں یوں فرمایا: اور بعض سے جس کا کوئی سلف نہیں حکایت کی جاتی ہے کہ اس [illegible] ۔ [illegible]ب کہ فتاویٰ میں جو ذکر کیا گیا ہے کہ فلاں ایسا کہنے سے کافر ہو جاتا ہے۔ یہ صرف خوف دلانے اور ڈرانے کے لئے ہے نہ کہ حقیقت کفر کے لئے۔ اس نے کہا اور یہ کلام باطل ہے اور اللہ تعالیٰ کے امین یعنی حلال وحرام اور کفر واسلام کے احکام کے علماء اس سے پاک ہیں کہ بے مقصد بات کریں۔ بلکہ وہ نہیں کہتے مگر وہی جو کہ سید الانام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے حق ثابت ہو یا قرآن کریم کی نص سے جسے ملک علام نے نازل فرمایا استدلال کرتے ہوئے امام کا اجتہاد عطا کرے۔ اور اسے سیّد رسل عظام صلی اللہ علیہ وعلیہ وسلم نے بطور شریعت جاری فرمایا ہو یا وہ صحابہ کرام کا قول ہو۔ اس نے کہا کہ یہ جو میں نے چھان پھٹک کی ہے مشائخ سابقہ کا کلام ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل سے دار السلام میں جگہ بخشے۔ انتہی

اور جس مشرب پر جمہور ہیں وہی بہتر ہے کیونکہ ان گروہوں کے نزاع کے مقامات اکثر لوگوں پر دقیق ہیں۔ اور اس [illegible] قتل کیا جائے جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرے نبی ہیں۔ اور وہ حشر اور حساب پر ایمان رکھتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

دوسرا فریق

اور ائمہ کے دوسرے فریق نے تاویل کرنے والوں کی تکفیر سے (زبان وقلم کو) روکا ہے۔ اور انہوں نے ان میں سے کسی کو کافر قرار دیا ہے نہ رسل کی تکذیب کرنے والا۔ اور انہوں نے کہا: اگر تاویل کرنے والے کافروں کی طرح رسل کی تکذیب کرنے والے ہوتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کی تاویل پر توجہ نہ دیتے اور اس میں مصروف نہ ہوتے۔ وہ تو اس سے بالکل رک جاتے۔ پس ان کا اس کی تاویل کی طرف پھرنا پتہ دیتا ہے کہ انہوں نے اسے قبول کیا اور اس کی تصدیق کی۔ مگر انہیں اس کی تاویل میں صحیح ہونے کی توفیق نہ ہوئی پس وہ اس میں غلطی کر گئے۔ تو ان کا حکم اس کا سا ہے جو کفر سے بھاگا تو اپنی غلطی سے بدعت میں گر پڑا۔ ابو سلیمان الخطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اہل سنت سے جدا ہونے کا پہلا واقعہ حضرت امام علی کرم اللہ وجہہ کے دور میں رونما ہوا۔ اور یہ مخالفین وہی ہیں جن کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی تھی کہ وہ دین سے یوں نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔ نیز فرمایا: امام علی رضی اللہ عنہ سے ان کے متعلق پوچھا گیا کہ وہ کفار ہیں؟ فرمایا: نہیں۔ انہوں نے کفر سے فرار کیا ہے۔ کہا گیا تو کیا وہ منافق ہیں؟ فرمایا: نہیں! منافقین تو اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتے مگر قلیل سا جبکہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کرتے ہیں۔ پس کہا گیا یہ کیا چیز ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: یہ وہ قوم ہے جنہیں فتنے نے آدبوچا۔ پس وہ اس میں اندھے بہرے ہو گئے۔ خطابی کہتے ہیں: آپ نے انہیں کفار اس لئے قرار نہیں دیا کہ وہ ایک قسم کی تاویل کے ساتھ وابستہ ہو گئے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد **یمرقون من الدین** سے مراد طاعت ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **ماکان لیاخذ اخاہ فی دین الملک** (یوسف آیت ٧٦) یعنی اس کی طاعت میں۔

تاویل کرنے والوں کی عدم تکفیر کے قائلین کی دلیل

خطابی فرماتے ہیں: اور جو تاویل کرنے والوں کی عدم تکفیر کا قائل ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ خون اور اموال کی عصمت ان کے لا الٰہ

الا الله محمد رسول الله کہنے کی وجہ سے ثابت ہو چکی ہے۔ جبکہ ہمارے لئے ثابت نہیں کہ تاویل میں خطا کفر ہے۔ ورنہ اس پر نص یا اجماع یا اس قیاس صحیح کی دلیل ضروری ہے جو کہ نص یا اجماع کی اصل صحیح پر ہو۔ اور اس میں سے ہمیں کوئی چیز نہیں ملی۔ پس قوم اسلام پر باقی رہی۔ تو اگر کسی ایسے مجتہد کے پائے جانے کے دور میں جس میں شروط اجتہاد کامل ہوتیں جیسے ائمہ اربعہ ایسا اتفاق ہوتا اور اس کے لئے اس پر دلیل قطعی ظاہر ہوتی کہ خطائی التاویل موجب کفر ہے تو اس کے قول کے مطابق ہم انہیں کافر قرار دیتے۔ اور یہ امر کہیں بعید ہے کہ ایسے زمانوں ایسا مجتہد پایا جا سکے۔ اور امام مزنی رحمۃ اللہ علیہ سے علم عقائد کے ایک مسئلہ کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: غور و فکر اور تحقیق کرلوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا دین ہے اور آپ اہل اہواء و بدعات کی تکفیر میں جلدی کرنے والوں پر اعتراض کرتے تھے اور فرماتے کہ جن مسائل میں یہ گر رہے ہیں نہایت باریک ہیں۔ نظر عقل سے دقیق ہیں۔ اور امام الحرمین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگر ہمیں کہا جائے کہ وہ عبارات تفصیل سے بیان کرو جو تکفیر کا تقاضا کرتی ہیں۔ اور جو اس کا تقاضا نہیں کرتیں۔ تو ہم کہتے کہ یہ جمع کرنا بے مقصد طمع ہے۔ کیونکہ یہ بعید از ادراک۔ اور یہاں چلنا سخت مشکل۔ اسے توحید کے متموج سمندروں سے حاصل کیا جاتا ہے۔ اور جو نہایات حقائق کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتا اسے وثوق سے دلائل تکفیر حاصل نہیں ہوتے۔ اور ابوالمحاسن الرویانی وغیرہ تمام علماء بغداد فرماتے ہیں۔ مذاہب اسلامیہ والوں میں سے کسی کی تکفیر نہیں ہو سکتی کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو ہماری نماز پڑھے۔ ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرے اور ہمارا ذبیحہ کھائے تو اس کے لئے وہی کچھ ہے جو ہمارے لئے ہے۔ اور اس پر وہی پابندی ہے جو ہم پر ہے۔ انتہی۔

تکفیر اہل اہوا و بدعات کے متعلق امام تقی الدین السبکی کا فیصلہ

امام شعرانی فرماتے ہیں کہ میں نے صاحب القوت شیخ شہاب الدین الاذرعی کے قلم سے ایک سوال دیکھا ہے جو آپ نے شیخ الاسلام الشیخ تقی الدین رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کیا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ سیدنا و مولانا شیخ الاسلام، اہل اہواء و بدعات کی تکفیر کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ تو آپ نے ان کی طرف یہ جواب لکھا: اے بھائی! جان لے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور تجھے توفیق سے نوازے کہ ایمان والوں کی تکفیر پر قدم اٹھانا نہایت مشکل ہے۔ اور جس کے دل میں ایمان ہے وہ اہل اہواء و بدعات کے لا الہ الا اللہ محمد رسول الله کہنے کے باوجود ان کی تکفیر کا قول بہت خطرناک سمجھتا ہے۔ کیونکہ تکفیر ایک خوفناک اور بہت خطرناک امر ہے۔ اور جو کسی انسان کی تکفیر کرتا ہے تو گویا وہ اس انسان کے متعلق خبر دے رہا ہے کہ آخرت میں اس کی عاقبت ابدالآباد تک ہمیشہ قائم رہنے والا عذاب ہے۔ اور یہ کہ دنیا میں اس کا خون اور مال مباح ہے۔ کسی مسلمان عورت سے اس کا نکاح ممکن نہیں۔ اس کی زندگی میں اور نہ ہی اس کی موت کے بعد اس پر اہل اسلام کے احکام جاری نہیں ہو سکتے۔ جبکہ ایک مسلمان کو خطاءً قتل کرنے کا گناہ ہزار کافر کے قتل کے ترک سے زیادہ ہے۔

پھر وہ مسائل جن میں ان بدعتیوں کی تکفیر کا حکم لگایا جاتا ہے ان کے شعبوں کی کثرت۔ ان کے ادراک کی دقت، ان کے قرائن کے اختلاف اور ایسے مسائل والے والوں کے اسباب جدا جدا ہونے کی وجہ سے نہایت دقیق اور گہرے ہیں۔ اور ان میں حق کا احاطہ کرنے والے کو اس کی وجوہ کی تمام اقسام میں خطاء کی معرفت۔ حقائق تاویل پر اطلاع، اماکن میں اس کی شرائط، اور تاویل کا احتمال رکھنے والے اور احتمال نہ رکھنے والے الفاظ کی معرفت کی حاجت ہے۔ اور اس کے لئے تمام قبائل عرب اہل لسان کے عرف کی معرفت لازم۔ ان کے

حقائق، ان کے مجازات اور استعارات نیز علم توحید میں دقیق امور کی معرفت وغیرہ ضروری۔ جو کہ اکثر علماء پر بہت مشکل چہ جائے کہ ان کے علاوہ دیگر لوگ۔ اور یہاں طویل کلام فرمایا۔ پھر فرماتے ہیں: پس معلوم ہوا کہ اہل اہواء و بدعات کی تکفیر کا قول دو نادر امور کا محتاج ہے۔ ایک تو اعتقاد کی چھان پھٹک۔ اور وہ اس جہت سے بہت مشکل کہ قلب کے مضمرات پر اطلاع نہیں اور اسے آلودگی سے صاف کرنا۔ باوجودیکہ یہ مشکل ہے کہ ایک شخص حاکم کے سامنے ایسی بات کہے جس سے وہ پہنچان لے کہ اس کی بنا پر اس کا قتل متحقق ہو۔ یہ امر کبریت احمر سے زیادہ کمیاب ہے۔ اور اسی طرح شخص کے قلب کے مشمولات پر گواہی قائم کرنا مشکل۔ دوسرا امر یہ کہ وہ کفر ہے اس کا حکم لگانا علم کلام کے مشکل ہونے اور مقامات استنباط اور اس میں حق کی اس کے غیر سے تمیز کی جہت سے پر صعوبت۔ اور یہ صرف اس شخص کو حاصل ہوتا ہے جو ذہن کی صحت اور نفس کی ریاضت کا جامع ہو یہاں تک کہ ہواء و تعصب سے بالکل صاف ہو جائے۔ علاوہ ازیں علوم شریعت۔ اس کے اسرار۔ اور اس میں ائمہ مجتہدین کے مقامات نزاع کی اطلاع سے معمور ہو۔ اور یہ بہت قلیل ہے کہ آج کسی شخص میں موجود ہو۔ اور جب ایک انسان خود اپنے عقیدہ کو عبارت میں تحریر کرنے سے عاجز ہو تو وہ اپنے غیر کے عقیدہ کو عبارت میں تحریر کرنے پر کیسے قادر ہو گا۔ پس ہر مومن سے ادب یہی ہے کہ اہل اہواء و بدعات کی تکفیر نہ کرے۔ خصوصاً جبکہ غالب اہل اہواء وہ عوام ہیں جو کہ بعض بعض کے مقلد ہیں۔ ایسی دلیل کی معرفت نہیں رکھتے جو ان کے اعتقاد سے متصادم ہو۔ اللھم۔ یہ کہ فساد اور ضد کی بنا پر نصوص صریحہ کی مخالفت کریں جن میں تاویل کا احتمال ہی نہیں۔ تو علماء کے لئے اس میں غور و فکر کرنے کا حق ہے۔ شیخ تقی الدین السبکی کا کلام ختم ہوا۔ اور اسے میں نے آپ کے ہاتھ کی تحریر سے نقل کیا ہے۔ اور یہ نہایت جید اور نفیس کلام ہے۔

امام ابوالحسن الاشعری کی وصیت

اور شیخ ابوالحسن الاشعری کے اخص اصحاب میں سے امام احمد بن زاہر السرخسی فرماتے ہیں کہ جب بغداد میں میرے گھر میں شیخ ابو الحسن الاشعری کی وفات کا وقت آیا تو آپ نے اپنے تمام شاگردوں کو جمع کرنے کا حکم دیا۔ پھر فرمایا: اس بات پر گواہ رہو کہ میں اہل قبلہ میں سے کسی کی گناہ کی وجہ سے تکفیر نہیں کرتا کیونکہ میں نے انہیں دیکھا کہ سب کے سب ایک ہی معبود کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اور اسلام انہیں شامل اور سب کو عام ہے۔ انتہی۔ پس دیکھئے آپ نے انہیں کس طرح مسلمان قرار دیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اقول و باللہ التوفیق۔ مسئلہ تکفیر جس قدر انتہائی نازک اور خطرناک ہے اسی قدر اہم اور ضروری بھی ہے۔ ایک مسلمان کو کافر قرار دینا جتنا قبیح اور مذموم ہے اسی قدر ایک کافر کو مسلمان قرار دینا بھی سخت برا ہے۔ علمائے کرام فروعی ظنی اور اجتہادی امور میں تکفیر نہیں کرتے۔ تکفیر اس وقت کرتے ہیں جب کوئی شخص گرچہ اہل قبلہ و نماز میں سے ہو مگر ضروریات دین میں سے کسی چیز کا انکار کرے۔ تو وہ اہل قبلہ سے خارج ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس بحث کے آغاز میں خود امام شعرانی فرماتے ہیں "رہا وہ شخص جو کہ اپنی بدعت کی بنا پر اہل قبلہ سے خارج ہو گیا جیسے کہ عالم کے حادث ہونے کے منکرین۔ نشر و حشر کے لئے جسموں کے اٹھائے جانے کے منکرین اور علم بالجزئیات کے منکرین جیسے کہ اللہ تعالیٰ کے اسم العالم کے بحث میں گزر چکا تو ان کے کفر میں کوئی جھگڑا نہیں۔ کیونکہ یہ لوگ ان بعض حقیقتوں کے منکر ہیں جنہیں رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لانے کا علم ضروریات کے دین میں ہے۔ انتہی۔ نیز امام ابوالحسن الاشعری کی مذکورہ بالا وصیت سے متصل پہلے شیخ تقی الدین سبکی کے بیان کا آخری جملہ یہ ہے۔ "اللھم۔ یہ کہ عناد اور ضد کی بنا پر نصوص صریحہ کی مخالفت کریں جن میں تاویل کا احتمال نہیں تو

علماء کے لئے اس میں غور وفکر کا حق ہے۔ انتہی ۔ یہ بھی یاد رہے کہ انبیاء علیہم السلام کی تعظیم کرنا۔ اوران کی توہین سے بچنا ضروریات دین میں سے ہے۔ یہ مسئلہ قرآن وسنت اور علماء امت سے روشن کی طرح واضح۔ قال اللہ سبحانہ وتعالیٰ انا ارسلناك شاهداء بشرا و نذيرا لتؤمنوا بالله و رسوله و تعزرده و توقروه و تسجوه بكرة واصيلا نیز فرمایا يا ايها الذين آمنوا لا ترفعوا اصواتكم فوق صوت النبی و لا تجهرو اله بالقول كجهر بعضكم بعض ان تحبط اعمالكم و انتم لا تشعرون۔ چونکہ انبیاء علیہم السلام خصوصاً سیّد الانبیاء والمرسلین جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم اور عدم توہین ضروریات دین میں سے ہیں۔ اس لئے اگر کوئی شخص اس جرم قبیح کا ارتکاب کرے گا تو تاویل وتوجیھ کا سہارا لے کر کفر سے بچ نہیں سکتا۔ کیونکہ ضروریات دین میں تاویل کفر کو نہیں روکتی۔ چنانچہ اکفار الملحدین ص ۶۵ پر ہے ان التاويل فی ضروريات الدين لا يدفع التقل بل لا يدفع الكفر۔ انتہی ۔ علامہ ملا سیّد الحکیم سیالکوٹی حاشیہ خیالی میں فرماتے ہیں "والتاويل فی ضروريات الدين لا يدفع الكفر" نیز حبیب بن الربیع فرماتے ہیں ادعاء التاويل فی لفظ صراح لا يقبل یعنی صریح لفظ میں تاویل کا دعوی مقبول نہیں۔ (نسیم الریاض حصہ چہارم ص ۷۸) نیز شرح شفاء اور ملا علی قاری میں محمد بن سحنون کا قول نقل فرماتے ہیں "اجمع العلماء علی ان شاتم النبی صلی الله عليه و آله و سلم المستنقص له كافر ومن شك فی كفره و عذابه كفر۔ یعنی تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا شاتم اور تنقیص کرنے والا کافر ہے اور جو اس کے کافر اور مستحق عذاب ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔

ماقبل اور مابعد میں قائلین کے اقوال کی تاویل وتوجیھ کے حوالے سے جو عدم تکفیر کی بحث ہے وہ اجتہادی امور کے متعلق ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنے والے کے بارے میں نہیں کیونکہ انبیاء اور خصوصاً سیّد الانبیاء صلی اللہ علیہ وعلیہم وسلم کی تعظیم کرنا اور ان کی توہین سے بچنا ضروریات دین میں سے ہے۔ اس میں کسی تاویل وتوجیھ کی کوئی گنجائش نہیں۔ یہ مسئلہ اہم المسائل ہے۔ اس لئے پیش نظر رہے۔ اور کسی کو صوفیاء کرام قدمت اسرارہم کے مذکورہ اقوال سے غلط فہمی نہ ہو۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ والوالدیہ)

خاتمہ

امام شعرانی فرماتے ہیں کہ مجھے ہمارے شیخ امام عالم محدث شیخ امین الدین نے خبر دی جو کہ مصر محروسہ میں جامع الغمری کے امام تھے کہ ایک شخص مسئلہ توحید کے بارے میں ایک ایسی عبارت میں گر گیا جس کا ظاہر شریعت کے خلاف تھا۔ پس مصر میں سلطان مصر کے دربار میں اس کے لئے ایک مجلس منعقد کی گئی۔ پس علماء نے اس کے کفر کا فتویٰ دیا۔ جبکہ شیخ جلال الدین محلی اس مجلس سے غیر حاضر تھے۔ جب آپ حاضر ہوئے تو فرمایا: اس کے قتل کا فتویٰ کس نے دیا ہے؟ شیخ الاسلام صالح البلقینی اور ایک جماعت نے کہا کہ ہم نے اس کا فتویٰ دیا ہے۔ تو آپ نے فرمایا: اس بارے میں تمہارے پاس کیا دلیل ہے؟ شیخ صالح نے کہا: ایک اسی قسم کے واقعہ میں میرے والد شیخ الاسلام سراج الدین بلقینی نے ایسا ہی فتویٰ دیا تھا۔ تو آپ نے فرمایا: تم ایک مسلمان موحد شخص کو اپنے والد کے فتویٰ کے ساتھ قتل کرتے ہو جو کہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ۔ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رسول اللہ ہیں جو کہ ہمارے نبی ہیں۔ پھر آپ نے اس شخص کا ہاتھ پکڑا اور اسے لے کر قلعہ سے اتر گئے اور کسی کو آپ کے پیچھے آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اور شام کے شیخ الاسلام سراج الدین مخزومی فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے ایک یہودی کے قتل کا فتویٰ دیا جس نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نازیبا الفاظ کہے تو اس پر شیخ الاسلام جلال الدین بلقینی نے مجھے ڈانٹا اور فرمایا تو نے اسے مالکیہ کی طرف کیوں نہ بھیج دیا تا کہ وہ اس کا امر اپنے گلے کا ہار بناتے۔ اور تو اس کی لغزش سے اپنے آپ کو راحت دیتا۔ مخزومی کہتے ہیں کہ ہمارے شیخ شیخ الاسلام شہاب الدین زہری نے اس شخص کے قتل کا فتویٰ دیا جس نے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی شان میں غلط الفاظ کہے۔ اور آپ نے اسے اس سے روکا تھا مگر وہ باز نہ آیا۔ تو جب اسے قتل کرنے کے لئے گھسیٹتے ہوئے نکلے تو اس نے بلند آواز سے کہا: اے زہری! اللہ تعالیٰ کے حضور تیری کیا حجت ہے کیا تم ایک ایسے شخص کو قتل کر رہے ہو جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔ اور محمد رسول اللہ میرے نبی ہیں۔ تو اس کے بعد زہری اس کی یہ بات یاد کرتے اور روتے اور کہتے کہ میں اس شخص کو قتل کرنے کی وجہ ڈرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مجھے مؤاخذہ فرمائے۔ انتہی۔ یہ خوف اس شخص کے حق میں ہے جس نے ان کی شان میں نازیبا کلمات کہے جن کی براءت کو قرآن کریم نے صراحتاً بیان فرمایا۔ تو اس شخص کا حال کیا ہوگا جو کہ اولیاء اللہ میں سے کسی ایک کے قتل کا فتویٰ ایسی عبارت کی وجہ سے دیتا ہے جسے حجاب کے غلیظ ہونے کی بنا پر وہ اس کی اصل توجیہہ کے مطابق سمجھا ہی نہیں۔

اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بہت بڑا گناہ ہے کہ علماء کو ان کی مراد سمجھے بغیر خطا کار قرار دیا جائے۔ اور ان کے کلام کو ایسے حال پر محمول کیا جائے جسے کبھی وہ پسند ہی نہیں کرتے۔ اور آپ اپنی کتاب المنقذ من الضلال میں فرماتے ہیں: علماء پر صرف اس مسئلہ کا بیان کرنا واجب ہے جو ان کے لئے ظاہر ہو کہ برحق ہے۔ نہ کہ وہ جو ان کے لئے ظاہر نہیں ہوا اور شیخ الاسلام مخزومی فرماتے ہیں: امام شافعی نے اپنے رسالہ میں اہل اہواء کی عدم تکفیر پر نص فرمائی ہے۔ پس فرماتے ہیں کہ میں اہل اہواء کی کسی گناہ کی وجہ سے تکفیر نہیں کرتا۔ اور آپ سے ایک روایت میں یہ ہے کہ میں اہل قبلہ کی کسی گناہ کی وجہ سے تکفیر نہیں کرتا۔ اور آپ سے ایک اور روایت میں یہ ہے کہ میں ظاہر کے خلاف تاویل کرنے والوں کی گناہ کی وجہ سے تکفیر نہیں کرتا۔ مخزومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اہل اہواء سے امام شافعی کی مراد ایسی تاویل والے ہیں جس میں احتمال ہو جیسے معتزلہ اور مرجئہ جبکہ اہل قبلہ سے مراد اہل توحید ہیں۔ انتہی۔ تو اے بھائی اس بحث میں ہماری تقریر سے تجھے معلوم ہو گیا کہ دین کا درد رکھنے والے تمام علماء اہل قبلہ میں سے کسی کی گناہ کی وجہ سے تکفیر کے قول سے رکتے ہیں۔ پس انہیں کے طریقے پر چل۔ واللہ تعالیٰ اعلم

انسٹھویں بحث

کفار کا دنیوی لذتوں سے استفادہ

یہ اس بیان میں ہے کہ کفار اس دنیا میں کھانے پینے۔ اور جماع وغیرہ کی لذتوں سے مستفید ہوتے ہیں یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے استدراج یعنی آہستہ آہستہ انہیں ہلاکت کی طرف کھینچنا ہے۔ اس حیثیت سے کہ اسے لذت دیتا ہے باوجودیکہ جانتا ہے کہ وہ موت تک کفر پر اصرار کرے گا۔ تو یہ اس پر ایک عذاب ہے جس کے ساتھ اسے عذاب کفر کے علاوہ سزا دیتا ہے۔ جبکہ معتزلہ کہتے ہیں کہ یہ ایک نعمت ہے جس پر شکر مترتب ہوتا ہے اور بعض محققین فرماتے ہیں کہ کافر کو جو کچھ بھی رزق دیا جاتا ہے نہ کرامت ہے نہ اہانت۔ وہ تو صرف اس علم سابق کی بنا پر ہے کہ وہ اسے ایسا رزق دے گا جس سے اس کے بدن کی استواری ہے۔ حتیٰ کہ وہ تمام افعال کرے جو اس کے لئے یا

اس کے خلاف لکھے ہیں۔ انہی علماء فرماتے ہیں کہ کافر جو بھی اچھے کام کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے دنیا میں جسمانی صحت، رزق میں فراخی وغیرہ کے ساتھ بدلہ دیتا ہے جبکہ آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وسعت کرم کی وجہ سے وہ اچھے کام کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اگر اس کافر کا اسلام پر خاتمہ فرمایا تو اسے ہر اس عمل پر ثواب دیا جاتا ہے جس میں نیت شرط نہیں۔ جیسے پیاسوں کے لئے کنواں کھودنا، بھوکے کو کھلانا، مہمان نوازی، صلہ رحمی اور غلام آزاد کرنا، اور یہ ثواب اعمال اسلامیہ کے ثواب کے علاوہ مستزاد ہے۔ جیسے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکیم بن حزام سے اس کے اسلام لانے کے وقت فرمایا: تو اپنے گزشتہ اعمال خیر کے ہوتے ہوئے اسلام لایا۔ اور اس نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے ان امور کے متعلق پوچھا تھا۔ اور اس نے دور جاہلیت میں یہ اچھے کام کئے تھے اور یہ جمہور کا مسلک ہے۔ آمدی نے اذکار میں فرمایا: ہم اپنے اصحاب کے درمیان اس امر میں کوئی اختلاف نہیں جانتے کہ جس کا کفر پر اصرار علم الٰہی میں ہے اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی نعمت دینیہ کبھی نہیں ہے۔ رہی نعمت دنیویہ تو اس کے بارے میں اشعری کے دو اقوال ہیں جبکہ قاضی ابوبکر کا میلان اثبات کی طرف ہے۔ پھر اشارہ کیا کہ اختلاف لفظی ہے۔ پس جو نعمتوں کی نفی کرتا ہے وہ دنیا کی لذتوں اور اسباب ہدایت کی تحقیق کا انکار نہیں کرتا۔ سوائے اس کے ان کے بعد آنے والی ہلاکت کی بنا پر انہیں نعمتوں کا نام نہیں دیتا۔ اور جو ان کا نعمتیں ہونے کا اثبات کرتا ہے وہ ان کے پیچھے ہلاکت کے آنے میں کوئی جھگڑا نہیں کرتا۔ سوائے اس کے وہ صورت کے حوالے سے انہیں نعمت کہتا ہے۔

ابوالعباس السّاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کی مومن کے لئے عطا دو قسموں پر ہے۔ کرامت اور استدراج۔ تو جو تجھ پر باقی رکھے وہ کرامت ہے۔ اور جو تجھ سے زائل کر دے تو ظاہر ہوا کہ استدراج ہے۔ کہا گیا ہے کہ رنج مقابل ہے لذت کے۔ اور لذت میں اختلاف کیا گیا ہے کہ وہ وجودی ہے یا عدمی۔ اور ان دونوں میں سے ہر ایک کی وجہ ہے۔ اور علماء کہتے ہیں کہ لذتوں میں اعلیٰ لذت عقلیہ ہے اور یہ معرفت اشیاء اور ان کے حقائق پر واقفیت کے سبب حاصل ہوتی ہے اور درحقیقت یہی لذت ہے۔ اور اس قول کی بنا پر لذت صرف معارف میں محصور ہے اور ابوزکریا طبیب فرماتے ہیں کہ لذت ایک امر عدمی ہے۔ اور وہ رنج سے خلاصی ہے۔ اور اس قول کو ضعیف قرار دیا گیا ہے کیونکہ انسان کبھی کسی چیز سے لذت لیتا ہے جس سے پہلے کوئی رنج نہیں گزرا۔ جیسے کہ جب اس کی نظر کسی حسین صورت پر پڑتی ہے کیونکہ وہ اسے دیکھ کر لذت محسوس کرتا ہے۔ باوجودیکہ اسے اس کا شعور نہیں تھا۔ حتیٰ کہ وہ لذت اسے اس صورت کی طرف شوق کے رنج سے خلاصی بخشنے والی قرار دی جائے۔ اور اسی طرح جو علم کے کسی مسئلہ پر یا مال کے خزانے پر اچانک واقف ہوا جو کہ دل میں کھٹکے بغیر اور ان دونوں کی طرف شوق کے رنج کے بغیر ہے۔

اور سمرقندی صحائف حق میں فرماتے ہیں۔ کہ ادراک وہ نفس لذت نہیں ہے بلکہ اس کا ملزوم ہے۔ اور محصول میں ہے کہ صحیح یہ ہے کہ لذت کی تعریف بیان نہیں کی جاتی کیونکہ یہ امور وجدانیہ میں سے ہے۔ اور طوالع میں اسی کو اختیار کیا گیا ہے اور شیخ عزالدین بن عبدالسلام فرماتے ہیں کہ یہ دار محنت کے ساتھ مخصوص ہے۔ رہا دار کرامت جو کہ جنت ہے پس لذت وہاں کسی گزشتہ رنج یا اس کے قرین کسی رنج کے بغیر حاصل ہوگی۔ کیونکہ وہاں عادات کے خلاف ہوگا۔ پس اہل جنت پیاس کے بغیر پینے کی لذت اور بھوک کے بغیر طعام کی لذت پائیں گے۔ اور یہی قول سزاؤں میں ہے۔ پس بیشک آخرت کی سب سے قلیل سزا کے ہوتے ہوئے اس دنیا میں حیات باقی نہیں رہ سکتی۔ رہا دار آخرت تو ان میں سے ایک شخص کے پاس ہر جگہ سے اسباب موت آئیں گے مگر وہ مرے گا نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ساٹھویں بحث

امام اعظم مقرر کرنا

یہ اس بیان میں ہے کہ امام اعظم یعنی رئیس مملکت مقرر کرنا واجب ہے اور اس کا ثواب۔ اس کی طاعت کا وجوب۔ اور یہ کہ اس پر بغاوت کرنا جائز نہیں۔ اور یہ کہ اس کے مقرر کرنے کا وجوب ہم پر ہے۔ اللہ عزوجل پر نہیں۔ اور یہ کہ امام کا اپنے معاصرین سے افضل ہونا شرط نہیں بلکہ ہم پر اسے متعین کرنا واجب ہے گرچہ مفضول ہو۔ اور یہ اس لئے تا اہل اسلام کی مصلحتوں کا اہتمام کرے

جیسے سرحدوں کی حفاظت، ضروریات لشکر کا اہتمام، باغیوں چوروں اور ڈاکوں کی سرکوبی۔ جھگڑنے والوں کے درمیان واقع ہونے والے تنازعات ختم کرنا، اور لوگوں کی دینی دنیوی تمام مصلحتوں کی نگہبانی کرنا۔ تو اگر امام اعظم نہیں ہوگا تو لوگوں کو ان کے نقصانات سے روکا نہیں جا سکے گا۔ ان کے احکام نافذ نہیں ہو سکیں گے۔ حدیں قائم نہیں کی جا سکیں گی اور ان کی غنیمتیں تقسیم نہیں ہوں گی۔ اور صحابہ کرام نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اسے متعین کرنا اہم الواجبات قرار دیا۔ اور اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن سے پہلے طے کیا۔ اور لوگ ہر دور میں اسی حکمت عملی پر کاربند رہے۔ اور اس کی تائید متعدد احادیث بھی کرتی ہیں۔ ان میں سے حدیث مسلم ہے کہ جس نے طاعت سے دست کشی کی وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور یوں حاضر ہوگا کہ اس کے لئے کوئی حجت نہیں ہوگی۔ اور جو اس حالت میں مرا کہ اس کی گردن میں کوئی بیعت نہیں وہ جاہلیت کی موت مرا۔ اور کمال نے اپنے حاشیہ میں فرمایا: امام مقرر کرنا سماعاً یعنی شرعاً واجب ہے نہ کہ عقلاً۔ اور معتزلہ میں سے اصحاب جاحظ بلخی اور بصری نے امام مقرر کرنا اللہ تعالیٰ پر عقلاً واجب قرار دیا ہے۔ کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ امام نہ ہونے کی صورت میں ضعیفوں پر ظالموں کی طرف سے ضرر متوقع ہے۔ اور جس ضرر کا گمان ہو اسے دور کرنا عقلاً واجب ہے۔ اور یہ صرف امام متعین کرنے سے ہی دور ہوگا جو کہ احکام شرع کا اہتمام کرے۔ اور یہ ائمہ کی تعیین میں اہل سنت سے اتفاق کرتے ہیں۔ رہے اہل سنت تو ان کا مذہب یہ ہے کہ امام چند امور سے پہنچانا جاتا ہے۔ یا تو اس کے متعین کرنے سے جس کا قول واجب القبول ہو جیسے کہ نبی۔ یا امام یا مسلمانوں کے اجماع کے ساتھ۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امام بالاجماع ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ پھر حضرت عمر فاروق، حضرت ابوبکر کی ان پر نص کے ساتھ۔ پھر حضرت عثمان حضرت عمر کی ایک جماعت پر نص کے ساتھ جن کے باہمی مشورہ پر امر خلافت مقرر فرمایا۔ کیونکہ آپ نے کسی کو خلیفہ مقرر نہ فرمایا پس لوگوں نے حضرت عثمان کی امامت پر پھر علی مرتضیٰ پر اجماع فرمایا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ اور معتبر صحابہ کرام علیہم الرضوان نے اس پر اجماع فرمایا۔ اور یہ حضرات خلفائے راشدین ہیں۔ پھر حضرت امام حسن اور معاویہ کے مابین اختلاف رونما ہوا۔ اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مصالحت فرمائی۔ اور آپ پر خلافت قرار پائی۔ پھر ان کے بعد بنی امیہ اور بنو مروان پر حتیٰ کہ خلافت بنو عباس کی طرف منتقل ہوئی۔ اور اکثر اہل حل وعقد نے ان پر اجماع کیا۔ اور پھر خلافت ان سے چلی یہاں تک کہ وہ کچھ ہوا جو ہوا۔

بعض روافض۔ خوارج، شیعہ اور معتزلہ کے اقوال

رہا بعض روافض کا قول کہ ابوبکر نے (معاذ اللہ) خلافت غصب کر لی۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ظلماً برتری اختیار کی تو یہ باطل ہے۔ اس سے صحابہ کرام کا ظلم پر اجماع لازم آتا ہے اس حیثیت سے کہ انہوں نے ابوبکر کو خلافت پر متمکن کر دیا۔ اور وہ اس سے قطعاً

پاک ہیں۔ کہ یہ حضرات تو دین کے حامی ہیں۔ اور خوارج اور سخت قسم کے معتزلہ کہتے ہیں کہ لوگوں پر امام مقرر کرنا واجب نہیں ہے۔ اور ان میں سے بعض یہ کہتے ہیں زمانہ امن کی بجائے فتنوں کے رونما ہونے کے وقت اس کا مقرر کرنا واجب ہے۔ اور بعض نے اس کے برعکس کہا ہے۔ اور شیعہ جنہیں امامیہ کہا جاتا ہے اس کے قائل ہیں کہ امام مقرر کرنا اللہ تعالیٰ پر واجب ہے۔ جبکہ حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں گرچہ اس نے اسے اپنے اوپر واجب گردانا ہو یا حرام قرار دیا ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے **و کان حقا علینا نصر المومنین** (الروم آیت ٤٧۔ اور اہل ایمان کی مدد کرنا ہمارے ذمہ کرم پر ہے) اور جیسا کہ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے میں نے ظلم کرنا اپنے اوپر حرام کیا ہے۔ اور یہ اس لئے کہ دربار خداوندی پابندی قبول نہیں کرتا۔ اور اسی کے ساتھ وہ اپنی خلق سے ممتاز ہے کیونکہ پابندی نہیں ہوتی مگر اعلیٰ کی طرف سے ادنیٰ پر۔ پس سمجھ لے۔

اور معتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر چند اشیاء واجب ہیں۔ انہیں ترک کرنے پر مذمت مترتب ہوتی ہے۔ ان میں سے جزاء ہے یعنی طاعت پر ثواب اور معصیت پر سزا۔ اور ان میں سے لطف ہے کہ اپنے بندوں کے ساتھ وہ سلوک کرے جو انہیں طاعت پر قوت بخشے اور انہیں اس کے قریب کرے اور انہیں معصیت سے دور کرے اس حد تک کہ ناچاری کی حد تک نہ پہنچیں۔ اور ان میں سے من حیث الحکمۃ ان کے لئے وہ کام کرنا جو دنیا میں ان کے لئے زیادہ بہتر ہو۔

عنوان بحث کے بعض الفاظ کی وضاحت

اور ترجمہ بحث میں ہمارا یہ کہنا کہ سلطان کے خلاف بغاوت جائز نہیں۔ اس میں معتزلہ نے ہماری مخالفت کی ہے پس انہوں نے ظالم سلطان پر خروج یعنی بغاوت کو اس بنیاد پر جائز قرار دیا ہے کہ ان کے نزدیک ظلم کی وجہ سے وہ معزول ہو جاتا ہے۔ اور ہمارا یہ قول کہ امام متعین کرنا واجب ہے گرچہ مفضول ہو۔ اس میں ایک قوم نے ہماری مخالفت کی ہے۔ پس انہوں نے کہا کہ فاضل کے ہوتے ہوئے امام مفضول مقرر کرنا کافی نہیں بلکہ فاضل کو مقرر کرنا متعین ہو جاتا ہے۔ اور اسے اسماعیلیہ سے نقل کیا گیا ہے۔ اور وہ ایک قوم ہے جو کہ اسماعیل بن امام جعفر صادق رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب ہے جو کہ بقیع کے قریب مدفون ہیں۔ اور انہیں باطنیہ اور ملاحدہ کا نام دیا جاتا ہے۔ باطنیہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ ہر ظاہر کے لئے باطن ہے۔ اور انہیں ملاحدہ کا لقب اس لئے دیا گیا کہ وہ بعض احوال میں ظواہر شریعت سے اس کے بواطن کی طرف پھرتے ہیں۔

بعض صوفیاء اور باطنیہ میں فرق

اور جان لے کہ بعض حضرات نے بعض صوفیاء کے دقیق علوم کے متعلق کلام کو مذہب باطنیہ کے برابر قرار دیا ہے۔ حالانکہ حق یہ ہے کہ دونوں کے مابین فرق ہے۔ کیونکہ صوفیاء کبھی بھی کسی باطن پر اعتماد نہیں فرماتے مگر جبکہ وہ ظاہر شریعت کے موافق ہو ورنہ اسے رد کر دیتے ہیں۔ اور ان کی کتابیں اس کے ساتھ بھری ہوئی ہیں۔ بخلاف باطنیہ کے کہ وہ اس پر اعتماد کرتے ہیں جو ان کے اکابر کی طرف منسوب ہے۔ برابر ہے کہ شریعت کے موافق ہو یا مخالف۔ پس سمجھ لے۔ اور قطب اور افراد پر کلام کی بحث میں پہلے گزر چکا کہ افراد میں سے کبھی ایسا بھی ہوتا ہے جو کہ قطب کی بہ نسبت اکمل ہوتا ہے کیونکہ قطب نے یہ مقام تمام اولیاء پر اپنی فضیلت کی وجہ سے نہیں پایا۔ وہ تو علم ازلی کی وجہ سے ہے کہ عالم میں ایک ایسا ضروری ہے جس کی طرف لوگوں کا امر رجوع کرے پس وہ قطبیت کے لئے متعین ہو گیا نہ کہ

اولویت کی وجہ سے۔ پس یہاں امامت کی بحث میں یہی قول ہے کہ امام کا رعیت میں سے افضل ہونا شرط نہیں واللہ اعلم۔

اور جان لے کہ امام میں عصمت شرط نہیں اور نہ ہی اس کا ہاشمی اور نہ ہی علوی ہونا۔ بخلاف رافضہ کے۔ اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ امام اعظم یعنی رئیس مملکت فسق کی وجہ سے معزول نہیں ہو سکتا۔ اور ہمارے امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اصحاب کی کتابوں میں ہے یہ شرط ہے کہ امام بالغ، عاقل، مسلمان، عادل، آزاد، مرد، مجتہد، شجاع، رائے و کفایت والا، قریشی ہاشمی نہیں، بینا، صاحب گویائی اور اس کے اعضاء اس نقص سے پاک ہوں جو پوری طرح حرکت کرنے اور جلد جلد ہونے سے مانع ہو۔ اور اگر ایسا قریشی نہ ملے جس میں تمام شرائط جمع ہوں تو کنانی۔ پس یہ نہ ملے تو اس کے علاوہ کوئی اور ہو۔ اور جاہل عادل بہتر ہے جاہل فاسق سے جس طرح کہ یہ کتب فقہ میں ثابت ہے۔ یہ وہ کچھ ہے جو کہ میں نے متکلمین کی کتابوں میں دیکھا ہے۔

مسئلہ نصب امام کے بارے میں شیخ محی الدین کے تاثرات

اور رہی شیخ محی الدین رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت تو آپ فتوحات کے ۳۲۲ ویں باب میں فرماتے ہیں اگر تو کہے کہ شارع نے امام مقرر کرنے کے امر پر نص نہیں فرمائی تو یہ واجب کیونکر ہوگا؟ تو جواب یہ ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے ہمیں دین قائم رکھنے کا حکم دیا ہے۔ جبکہ لوگوں کی جانوں اور ان کے اہل و اموال پر سلامتی پائے جانے اور بعض پر بعض کی زیادتی کو روکے بغیر اسے قائم رکھنے کی کوئی راہ نہیں۔ اور ان کے لئے ایسے امام کے پائے جانے کے بغیر یہ صحیح نہیں جس کے دبدبے سے لوگ خوف کریں۔ اس کی رحمت کی امید کریں۔ اس کی طرف رجوع کریں۔ اور اس پر اجتماع کریں۔ تو جب تک اپنی جانوں پر امن نہیں پائیں گے اس دین کو قائم رکھنے کے لئے فرصت نہیں پائیں گے جسے قائم رکھنا حق تعالیٰ نے ان پر واجب فرمایا ہے۔ تو جس کے بغیر واجب تک رسائی نہ ہو وہ واجب ہی ہوتا ہے۔ پس امام مقرر کرنا ہم پر واجب ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ پر۔ شیخ نے فرمایا: اور واجب ہے کہ ایک ہو۔ تاکہ وہ اختلاف نہ کریں جس کی وجہ سے کائنات میں فساد برپا ہوگا۔ جس طرح کہ عالم کا معبود ایک ہے۔ اور جس طرح کہ قطب غوث عالم میں ایک ہے۔ پس ایک امام مقرر کرنا شرعاً واجب ہے۔ انتہی۔

امام کی معزولی کی وجوہ

اگر تو کہے کہ جب کسی شخص کی امامت صحیح ہو تو اسے کس وجہ سے معزول کیا جا سکتا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ اسے امامت کا حق ادا کرنے سے عاجز ہونے کی بناء پر معزول کیا جائے گا جیسے رعایا کے بعض افراد کو بعض پر ظلم کرنے سے روکنا۔ علاوہ ازیں وہ ذمہ داریاں جن کا شروط امامت میں پہلے ذکر ہو چکا جس طرح کہ کتب فقہ میں ثابت ہے۔ اور شیخ محی الدین فتوحات کے ساٹھویں باب میں فرماتے ہیں: ہر وہ امام جو اپنی رعایا کے احوال کی نگہبانی نہیں کرتا۔ اور ان میں عدل و احسان جاری نہیں کرتا۔ تو اس نے نفس الامر میں نہ کہ ظاہری طور پر اپنے آپ کو امامت سے معزول کر لیا۔ فرماتے ہیں: اور میرے نزدیک حاکم جب ظلم یا فسق کا ارتکاب کرے تو علی الخصوص اس امر میں معزول ہو گیا جس میں اس نے فسق کیا۔ کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کے امر کے مطابق حکم نہیں دیا۔ جبکہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حکام کے لئے امامت کا نام ثابت فرمایا ہے گرچہ وہ جور و جفا کریں پس فرمایا: اگر وہ عدل کریں تو تمہارا اور ان کا فائدہ ہے۔ اور اگر ظلم کریں تو تمہارا فائدہ ہے اور ان کا نقصان ہے۔ اور آپ نے ہمیں طاعت سے دست کشی سے منع فرمایا ہے۔ اور اس کے ساتھ ایک حاکم کو دوسرے

سے خاص نہیں فرمایا اور اسی لئے ہم نے کہا ہے کہ وہ نفس الامر میں معزول ہو انہ کہ ظاہر میں۔ انتہی

پس معلوم ہوا کہ امام کے لئے مخالفت شریعت کا کبھی بھی اختیار نہیں۔ لیکن میں نے ۳۶۹ ویں باب میں علم سیاست پر کلام میں دیکھا ہے کہ ملوک کو اختیار ہے کہ ہر چیز سے معافی دے دیں سوائے تین چیزوں کے۔ حرم کے در پے ہونا، راز افشاء کرنا اور ان کی بادشاہی میں طعن کرنا، انتہی۔ امام شعرانی کہتے ہیں کہ میں نے جلال الدین سیوطی کی تاریخ الخلفاء میں دیکھا ہے کہ یہ ابو جعفر منصور کے کلام سے ہے۔ اور اسی طرح میں نے احکام سلطانیہ میں دیکھا ہے کہ حاکم کو اختیار ہے کہ مجرم کی پٹائی کرے حتیٰ کہ وہ اقرار کر لے۔ اور قاضی کے لئے یہ اختیار نہیں۔ اس پر غور کیا جائے۔

اور شیخ نے فتوحات کے ۳۶۴ ویں باب میں فرمایا: جس نے حکام میں طعن کیا تو اس نے انہیں مقرر کرنے والوں کو بے وقوفی اور کوتاہی نظر کی طرف منسوب کیا۔ اور یہ نہایت پر خطر باب ہے۔ فرمایا: اسی لئے حق تعالیٰ نے ملوک اور خلفاء میں طعن سے منع فرمایا ہے اور خبر دی کہ ان کے قلوب اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہیں اگر چاہے تو ہم سے قبض کر لے اور چاہے تو انہیں ہماری طرف مائل کر دے اور ہمیں حکم دیا ہے کہ ان کے لئے دعا کریں کیونکہ عوام میں ان کی وجہ سے مصلحت کا واقع ہونا ان کے جور سے زیادہ بڑا ہے۔ علاوہ ازیں روئے زمین والوں کے حق میں حاجت برآری کے لئے وہ اللہ تعالیٰ کا دروازہ ہیں۔ برابر ہے کہ فاسق ہوں یا ... عادل یا ظالم۔ پس یہ انہیں ان پر نیابت کے اسم سے باہر نہیں نکالتا۔ انتہی

شیخ اکبر کی تصریحات

اور فتوحات کے ابواب الصلاۃ میں نماز با جماعت کی امامت پر کلام میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد صلوا خلف کل بر و فاجر کے متعلق فرماتے ہیں: یہاں فاجر سے مر ... عاصی مسلمان ہے نہ کہ کافر۔ تو جب تک امام میں اسلام کی رسی باقی ہے ہم اس کے پیچھے نماز کے قائل ہیں گرچہ یہ مکروہ ہے۔ لیکن مخفی نہ رہے کہ کراہت اس صورت کے ساتھ خاص ہے جب امام کا فسق کسی امر یقینی کے ساتھ ہو نہ کہ مظنون کے ساتھ۔ کیونکہ مومن کامل سے کسی میں گمان کے ساتھ فسق کا اعتقاد بعید ہے۔

اور فتوحات کے باب الحج سے طواف پر کلام میں فرماتے ہیں کہ فاسق کی امامت کراہت کے ساتھ اس لئے جائز قرار دی گئی اور اس کے پیچھے نماز باطل نہیں کیونکہ وہ نماز کے لئے داخل نہیں ہوتا مگر جب تک کہ وضو شرعی نہ کرے۔ پھر نماز کی تکبیر تحریمہ کہتا ہے پس جب تک وہ قراءت۔ ذکر اور خضوع میں ہے خیر و عبادت میں رہتا ہے۔ یہاں تک کہ نماز سے سلام پھیرتا ہے۔ اور اس وقت وہ فسق سے موصوف قرار نہیں دیا جاتا بلکہ وہ اللہ عزوجل کی طاعت میں ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حجاج کے پیچھے نماز ادا کی ہے۔ اور فاسق ہونے کے حوالے سے وہ کافی ہے۔ نیز کوئی معصیت نہیں ہے جو کہ مسلمان سے واقع ہو مگر اس کے معصیت ہونے پر ایمان اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ پس حجاج وغیرہ گرچہ نماز کے باہر فاسق ہے اپنی نماز کی حالت میں مومن۔ اپنے ایمان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا مطیع ہے۔ اور ایمان کا مقابلہ کوئی چیز نہیں کرتی۔ پس معصیت کی سمت کمزور ہو گئی۔ اسی لئے ہم نے کہا ہے کہ اس کی امامت مکروہ ہے نہ کہ باطل۔ شیخ کا کلام ختم ہوا۔ اور یہ مقام غور ہے کیونکہ کراہت اس حیثیت سے نہیں کہ وہ نماز میں موصوف بالمعصیۃ نہیں۔ یہ تو اس حیثیت سے ہے کہ ظلم اور جور اس کے ساتھ ہے گرچہ ... سے باہر ہو۔ اسی لئے اس کی امامت مکروہ ہے۔

امام کی شرط عصمت میں امامیہ کا شبہہ

اگر تو کہے کہ امامیہ کے اس قول میں کہ شرط یہ ہے کہ امام معصوم ہو ان کا کیا شبہہ ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ ان کے اس قول نے انہیں شبہہ میں ڈال دیا کہ امام جب نماز پڑھتا ہے تو مناجات نہیں کرتا مگر علی الخصوص اس کی صفت احدیث سے۔ پس نماز میں اس کی عصمت واجب ہے حتیٰ کہ اس سے بچا رہے۔ اور وہ نماز سے باہر اس کی عدم عصمت کے قائل ہیں۔ اور انہوں نے کہا کہ اس مقام کا اصل تو صرف انبیاء کے ساتھ خاص ہے۔ لیکن ان کے علاوہ جسے امامت کے لئے آگے کیا جائے تو ہم پر اس کی عصمت کا قول واجب ہے یہاں تک کہ نماز سے فارغ ہو جائے۔ انتہی۔ جبکہ حق واضح بلکہ واقعتاً حق ائمہ کی عصمت کا عدم وجوب ہے۔ کیونکہ کوئی امام نہیں مگر اسے اپنی نماز میں سہو واقع ہوتا ہے۔ گرچہ اسے اپنی نماز سے سہو نہیں ہوتا۔ پس بیشک دونوں مقامات میں فرق ہے۔ کیونکہ سہو عن الصلوۃ سے فعل صلوۃ کا بالکل نہ ہونا لازم آتا ہے۔ بخلاف سہو فی الصلوۃ کے۔ اور اس مسئلہ کے متعلق ۳۴۷ ویں باب میں طویل کلام فرمایا۔ اور ائمہ کی عدم عصمت کی تائید اس قول سے بھی ہوتی ہے جو کہ شیخ نے ۳۳۶ ویں باب میں فرمایا: جان لے کہ حق تعالیٰ اس قطب کی طرف جو کہ سلطان باطن ہے نظر نہیں فرماتا مگر اہلیت کی آنکھ سے۔ اور اگر وہ سلطان ظاہر کی طرف اس آنکھ سے دیکھتا تو امام کبھی ظلم نہ کرتا جیسے کہ امامیہ کا عقیدہ ہے۔ پس عصمت سلطان ظاہر کی شرط میں سے نہیں ہے۔ اور اگر امامت اس کے لئے مطلوب نہ ہو پھر اللہ تعالیٰ اسے قائم کرنے کا امر فرمائے تو بلاشبہہ اسے معصوم فرماتا جیسا کہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے لئے واقع ہوا۔ اور اس کی طرف اس حدیث پاک کا اشارہ ہے کہ جسے مانگے بغیر امارت دی گئی تو اللہ تعالیٰ ایک فرشتے کی ڈیوٹی لگاتا ہے جو اسے سیدھا رکھتا ہے۔ فرمایا: یہ ہے عصمت کا معنی لیکن ادب یہ ہے کہ کہا جائے کہ وہ محفوظ ہے نہ کہ معصوم۔

رہا داؤد علیہ السلام کے حق میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد **ولا تتبع الھوی فیضلك عن سبیل اللہ** (ص آیت ۲۶ اور ہوائے نفس کی پیروی نہ کرو تمہیں راہ خدا سے بہکا دے گی) تو اس ہوی سے مراد اس کے اشارہ کی پیروی نہ کرنا ہے جو تجھے اس کے خلاف اشارہ کرے جو ہم نے آپ کی طرف فعل اولیٰ کی وحی فرمائی جو کہ مکروہ ہے نہ حرام۔ کیونکہ مقام انبیاء اس سے بہت بلند ہے جیسے کہ شیخ نے اسے ۳۴۶ ویں باب میں بسط و تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اور اس کے متعلق دو شعر کہے (جن کا ترجمہ یہ ہے) میں اس معصوم کی وجہ سے متعجب ہوں جسے کہا جائے کہ پیروی کر اور بدعت سے بچ اور اللہ تعالیٰ کے نازل فرمودہ حکم کے مطابق حکم دے۔ اور اس معصوم کے متعلق کیونکر عقیدہ رکھا جائے کہ وہ ہوی کے مطابق فیصلہ کرتا ہے باوجودیکہ وحی و تحقیق کے سوا وہاں کچھ نہیں اور اسی طرح شیخ نے اس کے بارے میں ۵۱۵ ویں باب میں تفصیل سے کلام فرمایا ہے اس کی طرف رجوع کر۔

خلافت اور ملک میں فرق

اگر تو کہے کہ کیا خلافت اور ملک میں کوئی فرق ہے۔ پس بیشک حدیث پاک میں ہے کہ خلافت میرے بعد تیس سال ہے پھر بادشاہی ہو گی۔ اور صفات حق کی طرف کون زیادہ قریب ہے خلیفہ یا بادشاہ؟

پس جواب یہ ہے کہ خلافت اور بادشاہی میں فرق ظاہر ہے جس طرح کہ حدیث میں اس کی تصریح ہے۔ اور جیسے کہ نبوت اور رسالت کی بحث میں گزر چکا۔ اور شیخ نے ۱۷۷ ویں باب میں فرمایا ہے کہ خلیفہ اور بادشاہ میں فرق یہ ہے کہ خلیفہ اسماء اور ان کے مصارف کا علم رکھتا

ہے بخلاف بادشاہ کے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ علم الاسماء کے معرفت رکھتا ہے نہ ہی ان کے مصارف کی۔ پس وہ عالم میں خلیفہ نہیں ہے۔ اور ۲۶۰ ویں باب میں فرمایا: اللہ تعالیٰ سے قرب صوری نہیں ہوتا مگر علی الخصوص خلفاء کے لئے۔ برابر ہے کہ رسل ہوں یا غیر رسل۔ پھر ان کا قرب دو قسموں پر ہے۔ پہلا منشور کے ساتھ تعریف الٰہی سے خلافت۔ دوسرا خلافت بغیر تعریف الٰہی کے۔ باوجود یکہ احکام اس سے نافذ ہوتے ہیں۔ اور ایسے کو ادباء کی زبان میں خلیفہ نہیں کہا جاتا جبکہ حقیقت میں وہ خلیفہ ہے۔ اگر تو کہے کہ ان دونوں میں سے اکمل کون ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ خلافت بغیر تعریف الٰہی کے قرب معنوی میں اتم ہے۔ پس بیشک خلیفہ تعریف کے ساتھ ہے اور امر ظاہر صورت میں خلیفہ بنانے والے سے بعید ہے۔ پس بیشک عالم میں اس کا حکم اس کے غیر کے امر سے نہیں ہوتا بلکہ وہ حاکم لنفسہ ہے پس وہ اس کی بہ نسبت جس کے لئے خلافت تعریف اور منشور کے ساتھ منعقد ہوئی صفت الٰہیہ کے زیادہ قریب ہے۔ لیکن یہ اس کی بہ نسبت جس کی خلافت کے ساتھ امر الٰہی مقرون نہیں سعادت مطلوبہ کے زیادہ قریب ہے کیونکہ علماء باللہ تعالیٰ کے نزدیک سعادت سے قرب ہی مطلوب ہے۔

اور ۲۷۷ ویں باب میں فرماتے ہیں: اگر تو کہے کہ کیا خلیفہ کے لئے عالم میں حکم چلانا بہتر ہے یا تسلیم؟ تو جواب یہ ہے کہ اسے اس بارے میں اختیار دیا گیا ہے چاہے تو حکمرانی کرے اور ظاہر ہو جیسے شیخ عبد القادر الجیلی رضی اللہ عنہ اور اگر چاہے تو سپرد کردے اور اختیار ہونے کے باوجود تصرف اپنے رب کے لئے ترک کردے جیسے شیخ عبد القادر کے شاگرد ابو السعود بن شبل رضی اللہ عنہ۔ مگر جب اس کے ساتھ امر الٰہی وابستہ ہو جیسے حضرت داؤد علیہ السلام۔ تو اللہ تعالیٰ کے امر کو لوٹانے کی کوئی گنجائش نہیں کیونکہ یہ ہوی ہے جس کی اتباع سے خلیفہ کو روکا گیا ہے۔ اور جیسے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافت کا لباس اتارنے سے منع فرما دیا تھا۔ پس آپ نے اسے اپنی گردن سے نہ اتارا حتیٰ کہ آپ شہید کر دیئے گئے۔ کیونکہ آپ کو اس میں حکمت الٰہیہ کا علم تھا۔ اور جس کی حکمرانی میں امر الٰہی مقرون نہ ہو تو اسے اختیار ہے اگر چاہے تو حق کے ساتھ ظاہر ہو اور اگر چاہے تو ظاہر نہ ہو اور حق کے ساتھ پس پردہ رہے باوجود یکہ ترک ظہور ہر عاقل کے نزدیک زیادہ بہتر ہے۔

(اقول و باللہ التوفیق۔ مذکورہ بالا اقتباس سے جو کہ ۲۷۷ ویں باب کے حوالے سے منقول ہے شیخ محی الدین بن عربی قدس سرہ نے وضاحت فرمائی ہے کہ اگر خلیفہ کو کائنات میں حکم چلانے کے لئے امر الٰہی صادر ہو تو اس کی تعمیل کے سوا چارہ نہیں اور امر الٰہی ٹالا نہیں جا سکتا۔ تو واضح رہے کہ حضور محبوب سبحانی غوث صمدانی حضرت شیخ سیّد ابو محمد عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو حق تصرف استعمال کیا یہ بھی امر الٰہی کے ساتھ تھا۔ چنانچہ فتوحات مکیہ جلد اوّل ص ۵۸۸ میں خود شیخ محی الدین رحمۃ اللہ علیہ خود فرماتے ہیں اور حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کا اسم مبارک ذکر کر کے آپ کے متعلق فرماتے **فان کان عن امر الٰھی فھو عبد محض لا کلام لنا معہ فانہ مامور کما نظن فی عبد القادر الجیلی فانہ کان ھذا مقامہ واللہ علم لما کان علیہ التصرف فی العالم۔** یعنی تصرف جب امر الٰہی کے ساتھ ہو تو وہ عبد محض ہے۔ ہم اس کے متعلق کلام نہیں کرتے کیونکہ وہ مامور ہے جیسا کہ ہمیں عبد القادر الجیلی کے متعلق گمان ہے۔ کیونکہ آپ اک یہ مقام تھا۔ واللہ اعلم اس لئے آپ پر تصرف فی العالم کی ذمہ داری تھی۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ بشکریہ قدم الشیخ عبد القادر علی رقاب الاولیاء الاکابر ص ۳۴۸)

پس معلوم ہوا کہ اولیاء کبھی خلافت میں انبیاء کے ساتھ لاحق ہوتے ہیں۔ رہی رسالت اور نبوت تو ہرگز نہیں۔ کیونکہ یہ دروازہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بند ہو چکا ہے۔ پس رسول کے لئے حکم ہے پھر اس نے خلیفہ بنایا تو اس کے لئے بھی حکم چلانے کا حق ہے۔

پس اگر رسول ہوتو اس کا حکم کرنا شرع کے ساتھ ہوتا ہے اور اگر رسول نہ ہوتو اس کا حکم کرنا اللہ تعالیٰ کے امر کے ساتھ ہے اس کے وقت کے حکم کے ساتھ جو کہ اس کے زمانہ کی شریعت ہے۔ اور اس حکم کی وجہ سے وہ عدل اور جور کی طرف منسوب ہوتا ہے۔

مرتبہ تحکم ابتلاء ہے یا تشریف

اگر تو کہے کہ کیا حکم کرنے کا مرتبہ انسان کے لئے ابتلاء یعنی آزمائش ہے یا وجہ شرف؟ تو جواب یہ ہے کہ یہ اس کے لئے آزمائش ہے کیونکہ اگر اس کے لئے وجہ شرف ہوتا تو آخرت میں سعادت مندوں کے گھر میں اس کے ساتھ باقی رہتا۔ اور خلیفہ کے لئے یہ نہ کہا جاتا کہ ہوی کی پیروی نہ کر۔ کیونکہ روکنا بلاشبہ آزمائش کا پتہ دیتا ہے۔ بخلاف شریعت جاری کرنے کے پس بیشک یہ مطلق ہے اس میں روکنا نہیں ہے۔ نیز اگر وجہ شرف ہوتا تو حکم کرنے میں عدل کی طرف منسوب ہوتا نہ جور کی طرف۔ اور نہ ہی عالم میں خلافت اہل اللہ کی طرف سپرد کی جاتی جبکہ اللہ تعالیٰ نے اسے بعض فاسقوں کو بھی سونپا ہے اور ہمیں ان کی طاعت کا حکم دیا گرچہ ظلم کریں۔ اور یہ حالت ابتلاء ہے حالت تشریف نہیں۔

خلافت آدم علیہ السلام اور خلافت داؤد علیہ السلام میں باہمی فضیلت

اگر تو کہے کہ خلافت میں کون اکمل ہے حضرت آدم علیہ السلام یا حضرت داؤد علیہ السلام؟ تو جواب یہ ہے کہ دونوں ہی ایک وجہ سے فاضل ہیں اور دوسری وجہ سے مفضول ہیں جس طرح کہ ۳۴۶ ویں باب میں شیخ نے فرمایا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: جان لے کہ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شرح صدر سے نوازا کہ اپنے بیٹے داؤد علیہ السلام کو اپنی عمر سے ساٹھ سال ہبہ کریں۔ پھر وفات کے وقت حضرت آدم علیہ السلام اسے بھول گئے۔ اور اپنی عمر میں سے انہیں جو کچھ عطا کیا تھا اس کا انکار کیا۔ تو اس وقت حضرت داؤد علیہ السلام کو قلبی انکساری حاصل ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اسے اس ذکر کے ساتھ پورا فرمایا جو حضرت آدم علیہ السلام کو عطا نہ فرماتا۔ اور یہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کے بارے میں فرمایا **انی جاعل فی الارض خلیفہ** (البقرۃ آیت ۳۰۔ میں زمین میں خلیفہ مقرر کرنے والا ہوں) اور علی التعیین آپ کا نام لیا۔ نہ ہی حرف خطاب اور آپ کے شرف کو جمع فرمایا۔ پس آپ سے یوں نہ فرمایا: **وعملتك الاسماء كلها**۔ جبکہ داؤد علیہ السلام کے بارے میں فرمایا **یا داؤد انا جعلناك خليفة فی الارض** (ص آیت ۲۶ اے داؤد! ہم نے تجھے زمین میں اپنا خلیفہ مقرر کیا ہے) پس آپ کا نام لیا۔ تو چونکہ اللہ تعالیٰ کو اپنے علم ازلی وجہ سے معلوم تھا کہ ایسا مقام اور اہمیت کبھی بر بنائے بشریت حسب پیدائش باپ پر اس کے گرانمایہ ہونے کا تاثر پیدا کرتا ہے فرمایا **و لا تتبع الهوى فيضلك عن سبيل الله** پس آپ کو پر حذر رہنے کا حکم دیا۔ پس آپ اس پرہیز کی بناء پر اس امر پر خوش ہونے سے مصروف ہو گئے جو کہ اللہ تعالیٰ کا علی التعیین آپ کا نام لینے سے حاصل ہوا۔ اور آپ کو راستہ کی نگہبانی کا امر فرمایا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ اس طرح مسلک ادب اختیار فرمایا کہ ارشاد ہوا **ان الذين يضلون عن سبيل الله لهم عذاب شديد بما نسوا يوم الحساب** (ص آیت ۲۶۔ بیشک جو لوگ راہ خدا سے بھٹک جاتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے اس لئے کہ انہوں نے یوم حساب بھلا دیا) اور آپ سے یوں نہیں فرمایا کہ اگر تو اللہ کی راہ بھٹک گیا تو تجھے عذاب شدید ہوگا۔ اور شیخ نے یہاں طویل کلام فرمایا۔

(**اقول و باللہ التوفیق**۔ شیخ کی اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ مقربین کے متعلق ادب کی زبان استعمال کرنا ایمان کی سلامتی

کے لئے از بس ضروری ہے کہ یہ دستور خداوندی ہے۔ اور الحمد للہ رب العالمین یہی عقیدہ اہل سنت کی بنیاد ہے۔ جو کہ خیر القرون سے لے کر آج تک کے تمام اکابر اسلام اور صلحائے امت کے ارشادات سے مستفاد ہے جس کے اس دور میں بے باک ترجمان امام اہل سنت اعلیٰ حضرت مولانا امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز اور آپ کے وابستگان نسب ونسبت ہیں۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ)

خاتمہ

شیخ نے فتوحات کے ۶۰ ویں باب میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں میں فرشتوں میں سے نگہبان مقرر فرمائے ہیں اور ہر نگہبان کے لئے ایک ستارہ مقرر فرمایا ہے جو کہ اس کا مرکب ہے جس میں وہ تیرتا ہے۔ اور افلاک مقرر فرمائے جو کہ ہر روز انہیں لے کر گردش کرتے ہیں۔ پس آسمانوں اور زمینوں کی کوئی شے ان سے فوت نہیں ہوتی۔ تو جو سلطان اپنی رعایا کے احوال کی نگہداشت نہیں کرتا اس نے نفس الامر میں اپنے آپ کو معزول کر لیا۔ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کے حکام اور زمینی حکام کے درمیان مناسبتیں اور لطیف روابط مقرر فرمائے ہیں جو کہ زمینی حکام تک عدل کی وجہ سے پہنچتے ہیں۔ آلودگیوں سے پاک، عیوب سے مبرا، پس ان زمینی حکام کی ارواح ان کی استعداد کے حسن یا قبح کے مطابق ان کی ارواح سے قبول کرتی ہے۔ ہر حاکم صرف اور صرف اپنے آپ ہی کی ملامت کرے شیخ نے فرمایا: کہ اس مسئلہ پر ہم نے تنزلات موصلیہ میں بسط وتفصیل سے گفتگو کی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اکسٹھویں بحث

ہر کوئی انتہاء اجل کے بعد ہی مرتا ہے

یہ اس بیان میں ہے کہ نہیں مرتا کوئی مگر اس کی اجل کی انتہاء کے بعد۔ اور یہ وہ وقت ہے جس میں اس کی زندگی کا خاتمہ قتل وغیرہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ازل میں لکھا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے معنی کے بیان میں ثم قضی اجلا واجل مسمی عندہ۔ اور یہ کہ ہر میت کے لئے اس کی موت کے وقت بارہ صورتیں متجلی ہوتی ہیں۔

جان لے کہ بہت سے معتزلہ کا گمان ہے کہ مقتول اپنی اجل کے ساتھ نہیں مرا۔ وہ تو قاتل نے قتل کے ساتھ مقتول کی اجل منقطع کر دی ہے۔ اور اگر وہ اسے قتل نہ کرتا تو وہ اس سے زیادہ زندگی بسر کرتا۔ اور اس قول کا قائل اس امر کا محتاج ہے کہ اس مقتول کی علم الہی میں عمر کو پہنچانے حتیٰ کہ قتل کی وجہ سے اس کے کم رہ جانے کا حکم لگائے۔ جبکہ اس کے لئے اس کی طرف کوئی راہ نہیں۔ پھر اس پر اس کی اطلاع کی تقدیر پر وہ اس کی اجل ختم ہوتی نہیں پائے گا مگر اس کے قتل کے ساتھ۔ کہ بیشک حق تعالیٰ کو اختیار ہے کہ بندے کی روح آلہ کے ساتھ لے لے یا بغیر آلہ کے۔ اور وہ دونوں ہی علم الہی میں اس کی مقرر اجل ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے جب تلوار کے ساتھ کسی بندے کا قتل اس کی اجل کی انتہاء پر لکھ دیا تو تلوار ضروری ہے۔ اور اگر تلوار نہ پائی جاتی تو وہ تلوار پائے جانے کے وقت تک لامحالہ زندہ رہتا۔ بعض نے کہا ہے کہ معتزلہ کا کلام بہتر ہے کہ اسی پر محمول کیا جائے کیونکہ بلاشک اہل اسلام ہیں۔ اور نہیں چاہئے کہ اسے اس اعتقاد پر محمول کریں کہ اللہ تعالیٰ نے اس مقتول بالسیف کی زندگی کا ارادہ فرمایا جبکہ قاتل نے اس کا ارادہ نہ کیا پس وہ اسے قتل کر کے ارادہ الہیہ پر غالب آیا۔ پس بیشک یہاں سے بعید ہے کہ زمخشری وغیرہ جیسے اس کا ارادہ کریں۔ بخلاف عام مقلدین معتزلہ کے کیونکہ بسا اوقات وہ خودکشی کرنے والے کے متعلق حدیث

قدسی کے ان لفظوں سے کہ میرے بندے نے مجھ سے جلدی کی یہ سمجھتے ہیں کہ قاتل نے مقتول کی عمر منقطع کر دی۔ اور یہ غلط فہمی ہے جو کہ دلیل نہیں بن سکتی۔ کیونکہ خودکشی کرنے والے نے بالاستقلال قضاء الٰہی کے بغیر خودکشی میں جلدی نہیں کی۔ وہ تو ارادہ الٰہیہ اور اس کی مشیئت کے ساتھ ہے۔ تو خودکشی کرنے والے پر ملامت صرف اس حیثیت سے باقی رہی کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے امر کے بغیر خودکشی کی۔ تو گویا اس نے غیر کی ملک کو اس کی اجازت کے بغیر گرا دیا۔ اور یہ حرام ہے۔ اور احکام شرعیہ امر کی حجتوں کے ساتھ دائر ہیں نہ کہ ارادہ کی حجتوں کے ساتھ۔ اور اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ ہم قضاء و قدر پر ایمان رکھتے ہیں۔ اس سے حجت نہیں پکڑتے۔

اہل سنت اور معتزلہ کے دلائل

شیخ کمال الدین بن ابی شریف اپنے حاشیہ میں فرماتے ہیں کہ اہل سنت کے مشہور دلائل میں سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے **فاذا جاء اجلهم لا يستاخرون ساعة ولا يستقدمون** (الاعراف آیت ۳۴۔ تو جب ان کا وقت مقرر آ جائے تو نہ وہ ایک لمحہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں) اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد **ان اجل الله اذا جاء لا يؤخر لو كنتم تعلمون** (نوح آیت ۴ بیشک اللہ کا مقررہ وقت جب آ جاتا ہے تو اسے موخر نہیں کیا جا سکتا۔ کاش تم جان لیتے) جبکہ معتزلہ نے صحیحین وغیرہما میں موجود احادیث سے استدلال کیا ہے جن میں تصریح کی گئی ہے کہ بعض طاعتیں عمر میں اضافہ کرتی ہیں۔ جیسے یہ حدیث کہ جو چاہے کہ اس کے رزق میں فراخی ہو اور اس کی عمر میں اضافہ ہو تو صلہ رحمی کرے۔ شیخ کمال الدین کہتے ہیں کہ اس کے کئی جوابات ہیں۔ سب سے زیادہ درست یہ ہے کہ اس اضافہ کی تاویل یہ ہے کہ عمومی اوقات میں اس طرح برکت ہوتی ہے کہ وہ اپنی عمر طاعتوں میں بسر کرتا ہے کیونکہ اس کے لئے وہی عمر شمار کی جاتی ہے جو کہ طاعت میں ہو۔ اور یہ دلائل کی جامع ہے۔ شیخ کہتے ہیں: رہی جیسے طبرانی وغیرہ کی حدیث کہ مقتول قیامت کے دن اپنے قاتل سے چمٹ جائے گا اور کہے گا: اے میرے رب! اس نے مجھ پر ظلم کیا۔ مجھے قتل کیا اور میری اجل منقطع کر دی۔ تو حفاظ نے اس کی اسناد میں کلام کیا ہے۔ اور اس کی صحت کی تقدیر پر یہ اس مقتول پر محمول ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں ہے کہ اگر وہ قتل نہ کیا جاتا تو اسے زیادہ عمر عطا کی جاتی۔ کیونکہ ہمارا یہ کہنا کہ مقتول اپنی اجل کے ساتھ مرتا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ اس کا قتل فعل قاتل سے پیدا نہیں ہوا۔ وہ تو اللہ تعالیٰ کے فعل سے ہے۔ اور اگر وہ قتل نہ کیا جاتا تو اس کی موت قطعی تھی نہ حیات۔ جیسا کہ اسے شرح المقاصد میں ذکر کیا گیا ہے۔ انتہی

امام شعرانی فرماتے ہیں کہ یہی صحیح عقیدہ ہے جو کہ قابل اعتماد ہے۔ رہا عمر کا کم ہونا جو کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے **وما يعمر من معمر ولا ينقص من عمره الا في كتاب** (الفاطر آیت ۱۱۔ نہ کسی طویل العمر کو لمبی زندگی دی جاتی ہے اور نہ کسی کی عمر کم کی جاتی ہے۔ مگر وہ کتاب میں درج ہے) تو اس سے مراد اس عمر سے کمی کرنا نہیں کیونکہ مراد یہ ہے کہ دوسرے عمر رسیدہ کی عمر سے کمی نہیں کی جاتی۔ اور ضمیر اس کے لئے ہے گرچہ اس کا ذکر نہیں ہے کہ اس کا مقابل اس پر دلالت کرتا ہے۔ اور موت قائم بالمیت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے۔ اس میں کسبا اور خلقاً بندے کا کوئی کام نہیں۔ اور اس کی بنیاد اس پر ہے کہ موت وجودی ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول کی دلیل سے **خلق الموت والحيات** (الملک آیت ۲، موت اور حیات کو پیدا فرمایا) اور حدیث پاک میں بھی ہے کہ موت کو فربہ مینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا پس اسے جنت اور دوزخ کے درمیان کھڑا کیا جائے گا۔ اسے جنتی اور دوزخی سب دیکھیں گے اور اسے پہچان لیں گے۔ پس روح الامین اسے لٹائیں گے اور یحییٰ علیہ السلام چھری لئے تشریف لائیں گے اور اسے ذبح کریں گے۔

اور اکثر کا مسلک یہ ہے کہ یہ عدمی ہے اور خلق الموت کا معنی ہے اسے مقدر فرمایا۔ اور جسم کی موت کے بعد نفس باقی رہتا ہے انعام پانے والا یا عذاب میں گرفتار۔ یہ ہے مسلمانوں کا مذہب بلکہ ان کے غیروں کا۔ اور اس میں فلاسفہ نے اس بنیاد پر اختلاف کیا ہے کہ وہ معاد جسمانی کا انکار کرتے ہیں جبکہ کتاب وسنت بقاء نفس پر دلالت کے ساتھ معمور ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **کل نفس ذائقة الموت** (آل عمران آیت ۱۸۵۔ ہر نفس موت کو چکھنے والا ہے) اور چکھنے والا ضروری ہے کہ چکھی ہوئی چیز کے بعد باقی رہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل الله امواتا بل احیاء عند ربهم یرزقون (آل عمران آیت ۱۶۹۔ اور جو اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے ہیں ہرگز خیال نہ کرو کہ وہ مردہ ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے ہاں رزق دیئے جاتے ہیں) اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کلا اذا بلغت التراقی (القیامۃ، ہاں ہاں جب پہنچ جائے گی ہنسلی تک۔ اور یہ ارواح کی بقاء اور اس دن انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف لے جانے میں نص ہے۔

اور صحیحین میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فوت شدگان کی زیارت کرتے اور (زندوں سے) فرماتے کہ تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو۔ پس غور کر۔ رہے وہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے سزا یا عبرت کے طور پر موت دی جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کہ جبکہ انہوں نے کہا ارنا الله جهرة (النساء آیت ۱۵۳۔ ہمیں اللہ کھلم کھلا دکھاؤ) اور **الذین خرجوا من دیارهم وهم الوف حذر الموت** (البقرہ آیت ۲۴۳۔ وہ لوگ جو اپنے گھروں سے نکلے تھے اور وہ ہزاروں تھے موت کے ڈر سے) او **کالذی مر علی قریة وهی خاویة علی عروشها** (البقرہ آیت ۲۵۹۔ یا اس شخص کو جو ایک بستی پر گزرا در اں حال کہ وہ اپنی چھتوں کے بل گری ہوئی تھی) تو ان لوگوں کی موت ان کی اجلوں کی انتہا کے ساتھ نہ تھی۔ اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے زندہ کر کے اٹھایا تا کہ اپنی باقی عمریں پوری کریں جو کہ علم الٰہی میں مقدر ہیں۔

پس تیرے لئے ظاہر ہو گیا کہ کوئی نہیں مرتا مگر اپنی اجل کے ساتھ۔ حدیث بادرنی عبدی یعنی میرے بندے نے مجھ سے جلدی کی، کا معنی یہ کہ اس نے میرے امر کے بغیر خودکشی کی۔ پس وہ امر کا نافرمان، ارادے کا مطیع ہے جیسے کہ تمام معاصی جو اس کائنات میں واقع ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ رہا معنی اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا ثم قضی اجلا واجل مسمی عنده ثم انتم تمترون (الانعام آیت ۲ پھر ایک میعاد مقرر کی۔ اور ایک میعاد اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقرر ہے۔ پھر بھی تم شک کر رہے ہو) تو ثم قضی اجلا سے مراد وہ اجل ہے جس کا ہر اس ذی حیات کے لئے فیصلہ کیا جا چکا ہے جو موت قبول کرتا ہے۔ اور رہا اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا قول واجل مسمی عنده تو اس سے مراد روحانیت کی اجل ہے جو کہ ہر اس شخص کی حیات کا وقت مقرر ہے جو کہ موت سے پہلے اپنی پہلی حیات میں تھا جس کی تعبیر بعث یعنی اٹھانے کے ساتھ کی گئی ہے۔ اسی لئے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ثم انتم تمترون یعنی بعث میں شک کرتے ہو۔ کہ بیشک موت میں شک نہیں کرتے۔ کیونکہ اس کا انہیں ہر حیوان میں مشاہدہ ہے۔ پس شک واقع نہ ہوئی مگر اس بعث میں جو کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقرر ہے۔ اور شیخ محی الدین نے اس کے متعلق ۲۷۴ویں باب میں طویل کلام فرمایا۔

پھر فرماتے ہیں کہ اجل موت کو اپنے نزدیک مسمی قرار نہ دیا کیونکہ جب صور پھونکا جائے گا تو زمین و آسمان میں جو کوئی ہو گا بیہوش ہو جائے گا مگر جسے اللہ تعالیٰ چاہے۔ ایک گروہ باقی ہو گا جو کہ بیہوش نہیں ہوں گے۔ پس یا تو وہ ایسے حقائق پر ہوں گے جو موت قبول نہیں کرتے۔ پس استثناء منقطع ہو گا۔ اور اللہ تعالیٰ کے قول لمن الملك الیوم (المومن آیت ۱۶ آج کس کی بادشاہی ہے؟) کا معنی یہ ہو گا

کہ بیہوش ہونے والوں میں سے کوئی جواب نہیں دے گا۔ یا ایسے مزاج پر ہوں گے جو موت قبول کرتا ہے لیکن ان تک پھونک کی رسائی نہ ہوئی پس وہ بیہوش نہیں ہوئے۔ پس استثناء متصل ہوگا۔

بنی آدم میں سب سے آخری مقبوض کون؟ اور موت کے عدمی یا وجودی ہونے میں شیخ اکبر کا مسلک

اگر تو کہے کہ بنی آدم میں سے سب سے آخری شخص کون ہے جس کی روح قبض کی جائے گی؟ تو جواب یہ ہے وہ موحد انسان جس کا ذکر سارے عالم کے ذکر کے قائم مقام ہوگا جس کی طرف اس حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے **لا تقوم الساعة حتی لا یبقی علی وجه الارض من یقول الله الله**۔ یعنی قیامت قائم نہیں ہوگی حتیٰ کہ روئے زمین پر اللہ اللہ کہنے والا باقی نہیں رہے گا۔ اور اگر تو کہے کہ موت کے بارے میں شیخ محی الدین کا مذہب کیا ہے۔ کیا یہ عدمی ہے یا وجودی؟ تو جواب یہ ہے کہ آپ کے نزدیک یہ عدمی ہے۔ اور ۱۷۳ویں باب میں آپ کی عبارت یہ ہے: جان لے کہ بیشک موت حقیقت میں سلب کے لئے ہے۔ اور رہی حیات پس یہ اعیان کو مسلسل عمل عطا کرتی ہے اس حیثیت سے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی حمد کے ساتھ تسبیح پڑھتے ہیں اور تسبیح نہیں کرتا مگر ذی حیات۔ لیکن روح جب جسم سے کلیۃً اعراض کرتی ہے اور اس کے زوال سے تمام قوتیں زائل ہو جاتی ہیں تو اسے موت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ پس وہ سورج غروب ہونے کی وجہ سے رات کی طرح ہے۔ رہی نیند تو اس میں روح کا جسم سے کلیۃً اعراض یعنی روگردانی نہیں۔ وہ تو بخارات کے حجاب ہیں جو کہ قوتوں اور ان کے حسی مدرکات کے درمیان حائل ہو جاتے ہیں باوجودیکہ سونے والے میں حیات کا وجود ہے۔ جیسے کہ سورج جب اس کے آگے اور زمین کے خاص قطعہ کے آگے بادل حائل ہو جائے تو روشنی حیات کی طرح موجود ہوتی ہے گرچہ اسے سورج کا ادراک واقع نہیں ہوتا جس کے اور آسمان کے درمیان وہ پرہجوم بادل حائل ہے۔ انتہی

فکشفنا عنك غطاءك فبصرك الیوم حدید کا معنی

اگر تو کہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول **فکشفنا عنك غطاءك فبصرك الیوم حدید** (ق آیت ۲۲ پس ہم نے تیری آنکھوں سے تیرا پردہ اٹھا دیا ہے سو تیری بینائی آج بڑی تیز ہے) کا کیا معنی ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ موت کے وقت بینائی تیز ہو جاتی ہے پس بندہ وہ سب کچھ معائنہ کرتا ہے جس کی طرف اس کا امر پہنچے گا۔ اور وہ یقین ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ کا یہ قول اشارہ کرتا ہے **واعبد ربك حتی یاتیك الیقین** (الحجر آیت ۹۹۔ اور اپنے رب کی عبادت کیجئے یہاں کہ آپ کے پاس یقین آ جائے)

قریب المرگ پر بارہ صورتوں کا ورود

شیخ نے ۷۶ویں باب میں فرمایا: جان لے کہ ہر قریب المرگ پر بارہ صورتیں وارد ہوتی ہیں۔ یہ سب کا یا ان میں سے بعض کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اس کے سوا اسے کوئی چارہ نہیں۔ اور وہ اس کے علم کی صورت۔ اس کے عمل کی صورت۔ اس کے عقیدے کی صورت۔ اس کے مقام کی صورت۔ اس کے حال کی صورت۔ اس کے رسول کی صورت۔ فرشتے کی صورت، اسماء افعال میں سے کسی اسم کی صورت۔ اسماء صفات میں سے کسی اسم کی صورت۔ اسماء نعوت میں سے کسی اسم کی صورت۔ اسماء تنزیہہ میں سے کسی اسم کی صورت اور اسماء ذات میں سے کسی اسم کی صورت۔

موت کے وقت علم و عمل کی جلوہ گری

البتہ جس کے لئے موت کے وقت اس کا علم جلوہ گری کرے تو بیشک شیخ محی الدین نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد اس کا علم باللہ تعالیٰ

ہے۔علماء باللہ تعالیٰ دو شخص ہیں۔ایک وہ شخص جس کا علم باللہ تعالیٰ غور واستدلال سے ہو۔اور ایک وہ شخص ہے جس نے اپنا علم باللہ تعالیٰ کشف سے حاصل کیا ہو۔اور یہ معلوم ہے کہ تجلی میں علم کشف کی صورت غور واستدلال کی صورت سے اتم۔اکمل اور اجمل ہے۔کیونکہ اس میں یعنی علم واستدلال کی صورت میں شبہات وارد ہو جاتے ہیں۔اور دونوں صورتیں لازم ہے کہ بندہ ان سے خوش ہو۔تو اگر اس کے علم میں دعویٰ نفسیہ اس کے ساتھ ہو تو اس کے علم کی صورت اس شخص کے علم کی صورت سے فروتر ہو گی جس کے لئے دعویٰ ساتھ نہیں پس لوگ صورت تجلی کے جمال میں جو کہ ان کی نیتوں کے اندازے پر ہوتا ہے جدا جدا ہو گئے۔رہا وہ جس کے لئے موت کے وقت اس کا عمل جلوہ گری کرے تو وہ اچھی صورت میں ہو گا یا قبیح میں۔اس کے سوا چارہ نہیں۔اور حسن وقبح اس کمال اور نقص کے اندازے کے مطابق ہو گا جسے عمل کرنے والے نے پیدا کیا ہے۔تو اگر اس نے امر کے مطابق اپنا عمل پورا کیا اور اس کے ارکان۔شرائط اور آداب میں سے کوئی چیز ناقص نہیں کی۔تو اسے احسن صورت میں دیکھے گا اور وہ اس کی روح کے لئے براق ہو گا اسے اعلیٰ علیین تک سیر کرائے گا۔اور اگر اس نے اس کے ارکان۔شرائط اور آداب میں کچھ کمی کی ہو گی تو وہ اسے بہت قبیح صورت میں دیکھے گا۔اور وہ اسے سجین میں لے گرے گا۔اور عمل میں اللہ تعالیٰ کے بندوں کے کئی طبقات ہیں۔تو ان میں کسی کا عمل حسن تو کسی کا احسن۔کسی کا جمیل تو کسی کا اجمل ہو گا۔

صورت اعتقاد صورت مقام۔اور صورت حال کی جلوہ گری

رہا وہ جس کے لئے اس کے عقیدہ کی صورت جلوہ گر ہو گی تو وہ اسی کے مطابق ہو گا جس پر کہ دار دنیا میں تھا۔پس وہ اسے خارج میں دیکھے گا جس طرح کہ جبریل علیہ السلام کو صورت دحیہ دیکھا گیا۔اور مشاہد کی بلندی کے معیار پر اس کے عقیدے کی صورت کا حسن و جمال زیادہ ہو گا۔اور جس کے لئے اس کی صورت مقام ظاہر ہو گی تو وہ وہی ہے جو کہ درجہ ارواح نوریہ کے ساتھ لاحق ہوا۔پس اس لئے اس کا مقام ظاہر ہو گا۔پس وہ اسے اس طرح پہنچانے گا کہ اس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہو گی۔پس یا تو وہ غمگین ہو گا یا فرحان وشاداں۔اور جو بھی مسلمان فوت ہوا اس پر فرح سرور غالب ہو گا۔اور رہا وہ جس کے لئے اس کے حال کی صورت ظاہر ہوئی تو وہ یا منقبض ہو گا یا کشادہ رو۔تو جب وہ اپنے حال پر مرا تو وہ میزان شرع کے مطابق ہو گا۔تو اگر کشادگی ایسے محل میں ہو گی جس میں قبض لائق تھا تو اسے برزخ میں پورا کرے گا پس وہ اپنی کوتاہی کے اندازے کے مطابق مقبوض رہے گا۔

صورت رسول کی جلوہ گری

رہا وہ جس کے لئے اس کے رسول کی جلوہ گری ہو گی تو یہ رسولوں کے وارثوں کے ساتھ خاص ہے۔پس بیشک علماء انبیاء کے وارث ہیں۔تو کبھی یہ اپنے آخری لمحات میں عیسیٰ کو دیکھتا ہے۔کبھی موسیٰ یا ابراہیم یا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وعلیہم وبارک وسلم کو یا کسی بھی نبی کو دیکھتا ہے علی جمیعہم افضل السلام۔پس کوئی تو اس وقت خوش ہو کر اس نبی کا نام لیتا ہے جس کا وہ وارث ہے جبکہ وہ اس کے پاس تشریف فرما ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام سارے کے سارے ارباب سعادت ہیں پس یہ اس نبی کی زیارت کے وقت سعادت کی وجہ سے خوش ہوتا ہے۔تو آخری وقت میں کہتا ہے: عیسیٰ یا مسیح۔اور غالب طور پر ایسا ہوتا ہے۔پس حاضرین اسے سن کر بدگمانی میں الجھ جاتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ یہ موت کے وقت نصرانی ہو گیا اور اس سے دین اسلام سلب ہو گیا۔اور اسی طرح وہ اس کے متعلق بدگمانی کا شکار ہو جاتے ہیں جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نام لیا کہ وہ یہودی ہو گیا۔حالانکہ ایسا نہیں ہے یہ نام لینے والا تو اللہ تعالیٰ کے حضور بہت بڑے سعادت مندوں

میں سے ہے۔ اور اس امر کو اہل کشف کے سوا کوئی نہیں پہنچانتا۔

فرشتے کی صورت کی جلوہ گری

اور جس کے لئے فرشتہ جلوہ گر ہو تو یہ فرشتہ اس کا وہی فرشتہ ہے جو کہ مقام میں اس کا شریک ہے۔ کیونکہ ملائکہ میں کوئی صف بصف ہیں، تو کوئی تسبیح پڑھنے والے اور تلاوت کرنے والے وغیرہ دوسرے مقامات والے۔ پس اس شخص کی طرف اس مقام والا مونس و مصاحب ہو کر نازل ہوتا ہے۔ بسا اوقات موت کے وقت وہ اس کا نام لیتا ہے اور اس کا چہرہ پررونق ہو جاتا ہے لیکن یہ حالت عوام کے لئے نہیں ہوتی۔ یہ ان مخصوص حضرات کے لئے ہے جو کہ شک وشبہ کے دائرے سے باہر ہوتے ہیں۔ رہے عام لوگ تو اس فرشتے کو دیکھ کر ان کے چہرے بے رونق اور سیاہ ہو جاتے ہیں۔ اور یہ ان کے اعمال۔ احوال اور علوم میں ان پر احوال نفسانیہ کے غلبہ کی وجہ سے ہوتا ہے۔

تجلی اسم

اور جس کے لئے کوئی اسم جلوہ گر ہو تو وہ ایسا اسم ہے جو کہ اسماء افعال میں سے اس پر غالب تھا۔ جیسے خالق بمعنی موجد۔ باری، مصور، رازق اور محی۔ اور ہر اسم اس سے کوئی فعل طلب کرتا ہے۔ تو اگر اس نے اس اسم کی بارگاہ کے اعمال میں پوری کوشش کی ہوگی تو وہ اسم اس کے لئے نہایت حسین صورت میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ اور سرور و فرح اس کے لوازمات میں سے ہے۔ اور اگر ان اعمال میں سستی، غفلت اور ضعف کا عمل دخل ہوگا تو وہ قبیح صورت میں ہوگا۔ اور ہر صورت بندے کے حسب حال اس سے خطاب کرتی ہے۔ اگر اس کا عمل کامل ہو تو وہ صورت اس کے لئے انتہائی حسن کی حالت میں خطاب کرتی ہے۔ اور اسے کہتی ہے کہ میں تیرا ذکر ہوں پس وہ مسرور ہوتا ہے۔ اور اگر اس کا عمل ناقص ہو تو اس کی صورت انتہائی قبیح صورت میں اس سے خطاب کرتی ہے۔ پس اسے کہتی ہے کہ میں تیرا ذکر ہوں جس سے وہ غمگین ہوتا ہے۔ اور اسی پر باقی اسماء قیاس کئے جائیں۔ انتہی

امام علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے قول لو کشف الغطاء ما ازددت یقینا کا معنی

اگر تو کہے کہ امام علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے قول لو کشف الغطاء ما ازددت یقینا (اگر پردہ اٹھا دیا جائے تو میرا یقین زیادہ نہیں ہوگا) کا کیا معنی ہے؟ کیا غطاء جو کہ منکشف ہوتا ہے سے مراد وہ ہے جو آپ کا پردہ ہے یا آپ کے غیر کا پردہ پس آپ تو بلاشبہ کامل ایمان تھے۔ اور کامل ایمان کے نزدیک غائب حاضر کی طرح برابر ہے؟

تو جیسے کہ شیخ نے ۳۶۰ ویں باب میں فرمایا اس کا جواب یہ ہے کہ اس غطاء سے مراد جو کہ منکشف ہوتا ہے وہ آپ کا ہی غطاء ہے۔ کیونکہ ہر طائفہ کے لئے وفات کے وقت مزید کشف غطاء کے بغیر چارہ نہیں۔ کیونکہ آپ نے ثابت فرمایا کہ وہاں کوئی پردہ ہے جو کہ منکشف ہوتا ہے۔ اور آپ کا یہ قول کہ میرے یقین میں اضافہ نہیں ہوگا یعنی علم یقین میں اگر ذی علم ہو یا اس کے عین میں اگر علم عینی والا ہو۔ یا اس کے حق میں اگر علم حق والا ہو۔ نہ یہ کہ کشف غطاء سے اس امر میں اضافہ نہیں ہوتا جو کہ اس کے پاس نہیں تھا کیونکہ اگر اس طرح ہوتا تو جس کی یہ صفت ہو اس کے بارے میں کشف غطاء عبث اور بے فائدہ ہوتا۔ پس اس غطاء یعنی پردے کے پیچھے کوئی امر عدمی نہیں۔ وہ تو صرف وجودی ہے۔ قصہ مختصر تمام پردے موت کے وقت منکشف ہو جاتے ہیں۔ اور ہر کسی کے لئے حق ظاہر ہو جاتا ہے۔ لیکن وہ

انکشاف اسے سعادت عطا نہیں کرتا پس وہ عذاب دیکھ کر ایمان لانے والوں کی طرح ہے جو کہ انہیں فائدہ نہیں دیتا۔ لیکن یہ عوام کے
میں ہے۔ رہے خواص جو کہ اہل کشف و شہود ہیں پس وہ عین الیقین سے حق الیقین کی طرف منتقل ہوجاتے ہیں۔ جس طرح کہ اہل علم
الیقین سے عین الیقین کی طرف منتقل ہوجاتے ہیں۔ اور ان دونوں حضرات کے علاوہ نابینائی سے بینائی کی طرف منتقل ہوتے ہیں پس
ان سے نہ کہ علم سے جو کہ پہلے تھا نابینائی کا پردہ کھلنے کے وقت امر کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ انتہی

اور شیخ کی یہ تصریح کہ عذاب دیکھ کر ایمان لانے والوں کو ایمان نفع نہیں دیتا اس میں اس سمت اشارہ ہے کہ آپ ایمان فرعون
قائل نہیں ہیں کیونکہ وہ صرف عذاب دیکھ کر ایمان لایا۔ واللہ اعلم

خاتمہ۔ انما ینقلون من دار الی دار سے کیا مراد ہے؟

اگر تو کہے کہ صوفیاء کے اس قول سے کیا مراد ہے کہ عارفین مرتے نہیں وہ تو صرف ایک گھر سے دوسرے گھر کی طرف منتقل ہو
ہیں؟ تو جیسے کہ شیخ نے ۳۵۱ ویں باب میں فرمایا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جو نفس کی مخالفت کی وجہ سے معنوی مو
مراحتی کہ اسے اللہ تعالیٰ کے سامنے اختیار رہا نہ ارادہ۔ اور وہ روح نکلتے وقت کی تکلیف کو بڑا نہیں سمجھتا کیونکہ اس نے اپنے کو پہلے ہی مار
جبکہ اس نے مجاہدہ کی تلوار کے ساتھ اسے قتل کردیا۔ رہا وہ شخص جس نے اپنے نفس کی حرص اور خواہشات میں اس کی موافقت کی تو اس
موت کے وقت ان تمام تکالیف کے اجتماع کی وجہ سے جو کہ مجاہدہ نہ کرنے کی بنا پر رہ گئیں تکلیف سخت ہوجاتی ہے۔ اور اس کی وضاحت
ہے کہ اہل اللہ چونکہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات صرف موت کے ساتھ ہی ہوتی ہے۔ اور انہیں موت کے معنی کا بھی علم ہے تو انہو
نے دنیوی زندگی میں ہی اسے جلد طلب کیا تو وہ اپنی حیات میں ہی اپنی تمام حرکات اور ارادہ سے مرگئے۔ پس جب ان پر موت ان کی ا
حیات میں ظاہر ہوئی جس سے انہیں ورود موت کے وقت زوال نہیں ہے جہاں بھی ہوں تو وہ اللہ تعالیٰ سے مل گئے۔ پس وہ انہیں ملا۔ جس
انہیں اس کا حکم تھا جو کہ اس کی ملاقات سے محبت کرتے ہوئے اسے ملتا ہے۔ پس جب انہیں وہ موت آئی جو کہ عوام میں معروف ہے۔ ا
ان سے اس جسم کا پردہ منکشف ہوا تو ان کا حال متغیر نہ ہوا اور نہ اس صورت حال سے ان کا یقین زیادہ ہوا جس پر کہ وہ تھے۔ تو انہوں
صرف پہلی موت کو ہی چکھا اور یہ وہی ہے جو کہ اپنی حیات میں مر چکے۔ پس ان کے رب نے انہیں اپنے فضل سے عذاب جحیم سے بچالیا
اور اسی معنوی موت کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس قول کے ساتھ اشارہ فرمایا: جو زمین کے اوپر کسی میت کو چلتا ہوا دیکھ
چاہے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دیکھ لے۔ کیونکہ وہ اپنی حیات میں اپنی تمام حرکات و سکنات نفسانیہ سے موت قبول کر چکے تھے۔ جب
تسلیم الی اللہ نے جو کچھ آپ کے پاس تھا باطل کردیا تھا ہر اس چیز سے جس میں کسی قسم کی نفسانی اغراض کی مہک تھی۔ پس آپ اپنی حیات
کی حالت میں اللہ تعالیٰ کی معیت میں اسی طرح تھے جس طرح کہ عدم حیات کی حالت میں اس کی معیت میں تھے۔

اور آپ ۲۸۲ ویں باب میں فرماتے ہیں: جان لے کہ تصرف نہ کرنے میں جس کا حکم میت کا سا ہو پس اس نے مقام کمال کو اس کا حق
ادا کردیا۔ کیونکہ میت سے روکنے۔ انکار کرنے، تحسین و مذمت اور نہ ہی اعتراض کا تصور نہیں ہوتا بلکہ وہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے لئے تسلیم
کئے ہوئے ہے۔ پس وہ افعال ظاہرہ میں زندہ ہے تاکہ امر اور نہی کو قائم رکھے۔ موارد قضا کے لئے تسلیم کے ساتھ میت ہے۔ قضا کے
ساتھ راضی ہے نہ کہ جس کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

باسٹھویں بحث

جسم کی موت کے بعد روح باقی رہتی ہے

یہ اس بیان میں ہے کہ روح اپنے جسم کی موت کے بعد باقی رہتی ہے۔ ناز ونعمت میں ہو یا عذاب میں اور قیامت کے وقت اس کی فناء میں علماء کو تردد ہے۔ اور اس بیان میں کہ انبیاء اور شہداء کے اجسام بوسیدہ نہیں ہوتے۔

جان لے کہ علماء نے قیامت کے وقت روح کی فنا میں اختلاف کیا ہے۔ البتہ اس کے جسم کی موت کے بعد اس کی بقاء پر متفق ہیں۔ اور شیخ تقی الدین السبکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زیادہ ظاہر یہ ہے کہ روح کبھی بھی فنا نہیں ہوتی۔ کیونکہ موت کے بعد اس کی بقاء میں اصل استمرار ہے۔ یعنی باقی رہنا۔ پس یہ اللہ تعالیٰ کے قول الا من شاء الله (النمل آیت ۸۷۔ مگر جنہیں اللہ نے چاہا) کے ساتھ مستثنیٰ ہے جیسا کہ حور عین کے متعلق یہ قول کیا گیا ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے قول کل من علیها فان (الرحمٰن آیت ۲۶۔ جو کچھ زمین پر ہے فنا ہونے والا ہے) کا معنوی حق پورا دیتے ہوئے نفخۂ اولیٰ کے وقت فنا ہو جائے گی۔ اسے شیخ تقی الدین بن ابوالمنصور نے ترجیح دی ہے لیکن آپ نے کہا کہ خروی بیہوشی کے وقت اس کی فنا سے مراد صرف اس کا ساکت اور بیہوش ہونا ہے۔ فرمایا کہ یہ موت اور فنا ہے جو کہ صفت حدوث کے لئے لازم ہے اس کا حصہ ہے۔ تو جس نے اس کی بے ہوشی کی حالت کی وقت اس کے کشف صوری میں اسے دیکھا اس نے کہا کہ یہ مرگئی۔ اور جسے اللہ تعالیٰ نے اس کی حقیقت کا علم عطا فرمایا وہ کہتا ہے کہ یہ سو رہی ہے۔

مسئلہ بقاء میں شیخ تقی الدین بن ابومنصور کا کشف

آپ نے فرمایا کہ مجھے یہ بھی کشف ہوا ہے کہ وہ گروہ جو نفخہ کے وقت بیہوش نہیں ہوں گے وہ بھی اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے امر کے ساتھ موت کی آغوش میں چلے جائیں گے۔ اس کے وعدہ کی تحقیق اور حدوث سے صفت قدم کے امتیاز کے لئے۔ اور اسی پر اللہ تعالیٰ یہ قول محمول کیا جائے گا لمن الملك اليوم (المومن آیت ۱۶۔ آج کس کی بادشاہی ہے) پس اسے کوئی جواب نہیں دے گا کیونکہ وہاں کوئی ذی حیات نہ ہوگا جو بولے۔ پس اللہ تعالیٰ خود ہی اپنے لئے جواب دے گا لله الواحد القها (المومن آیت ۱۶۔ اللہ کے لئے جو کہ واحد۔ قہار ہے) شیخ نے کہا کہ ایک قوم کا مذہب یہ ہے کہ وہ گروہ جو نفخۂ اولیٰ کے وقت بے ہوش نہیں ہوں گ مریں گے بھی نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسے حقائق پر پیدا فرمایا ہے جو کہ موت قبول نہیں کرتے جیسے وہ مخلوقات جنہیں اللہ تعالیٰ نے بقاء کے لئے پیدا فرمایا۔ اور اس توجیہہ پر عدم اجابت مذکورۃ کی تخصیص ان کے ساتھ ہوئی جو بیہوش ہو گئے۔ یعنی اسے کوئی بھی جواب نہیں دے گا جو بیہوش ہوا یا جو ساکت و نائم ہوا۔

ریڑھ کی ہڈی کے متعلق صحیح قول

اگر تو کہے کہ ریڑھ کی ہڈی کے بارے میں صحیح قول کیا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ دو اقوال میں سے مشہور یہ ہے کہ یہ بوسیدہ نہیں ہوتی کیونکہ شیخین سے مروی حدیث ہے کہ انسان سے۔ کوئی چیز نہیں جو بوسیدہ نہ ہو مگر ایک ہڈی جو کہ ریڑھ کی ہڈی ہے۔ قیامت کے دن مخلوق کی ترکیب اسی سے ہوگی۔ اور مسلم کی ایک روایت میں ہے ابن آدم کا سب کچھ مٹی کھا جاتی ہے سوائے اس کی ریڑھ کی ہڈی کے۔ اسی سے اس کی تخلیق ہوئی اور اسی سے قیامت کے دن مخلوق کی ترکیب ہوگی۔ اور امام احمد اور ابن حبان کی ایک روایت میں ہے: اور وہ کیا ہے

یارسول اللہ؟ فرمایا: رائی کے دانے کی مانند۔ اسی سے پیدا کئے جائیں گے۔ علماء فرماتے ہیں۔ یہ پشت کے نیچے ریڑھ کی ہڈی کے مہرے پاس ہے محل وقوع میں چارپایوں کی دم کی اصل کے محل کے مشابہ ہے۔

مزنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ یہ دوسرے اجزاء کی طرح بوسیدہ ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **كل شئى هالك الا وجهه** (القصص آیت ۸۸۔ ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے سوائے اس کی ذات کے) اور آپ نے حدیث کی تاویل یہ کی ہے کہ یہ مٹی کی تاثیر سے بوسیدہ نہیں ہوتی۔ مٹی کے اثر کے بغیر بوسیدہ ہوتی ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ اس موت کو ملک الموت کے بغیر موت دے گا انتہی۔ اور مزنی کے ساتھ اس مسئلہ پر ابن قتیبہ نے اتفاق کیا ہے۔ اور انہوں نے کہا ہے کہ یہ آخری چیز ہے جو کہ میت سے بوسیدہ ہوتی ہے۔ البتہ دونوں نے اس کی فنا کے وقت سے تعرض نہیں کیا۔ کیا یہ فناء عالم کے وقت ہے یا اس سے پہلے۔ اور اسی کا احتمال ہے۔ اور طبرانی وغیرہ نے مرفوعاً روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا طلبی میں اذان دینے والا اپنے خون میں (شہادت فی سبیل اللہ کی وجہ سے) نہانے والے کی طرح ہے۔ اگر فوت ہو تو کیڑے اسے نہیں کھاتے۔

نہایۃ میں فرمایا: اور شیخ محی الدین نے اللہ تعالیٰ کے قول **كل شئى هالك الا وجهه** کے متعلق فرمایا ہے کہ یہاں وجہ سے مراد شئی کی وہ حقیقت ہے۔ جو کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ثابت ہے۔ اور اس کی علم الٰہی میں فنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ وہ علم الٰہی کی معلوم ہے۔ اور سیّدی علی بن وفا رحمۃ اللہ علیہ اللہ تعالیٰ کے قول **و يبقى وجه ربك** (الرحمٰن) کے متعلق فرماتے ہیں: اس سے مراد عمل صالح ہے۔ جس طرح کہ جب بندہ عمل صالح کرتا ہے اور اس میں کسی قسم کی ریاء مخلوط کر لیتا ہے تو وجہ حق تعالیٰ وہ شق خالص ہے۔ جبکہ وجہ غیر رب وہ چیز ہے جس میں غیر اللہ کا ارادہ کیا گیا۔ پس جو کچھ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے وہ باقی ہے اور جو اس کے غیر کے لئے وہ فانی ہے۔ انتہی

خاتمہ۔ اجساد انبیاء و شہداء اور مقربین کے اجساد کا حکم

اجساد کے بوسیدہ ہونے سے انبیاء علیہم السلام کے اجسام اور شرعی شرائط کے مطابق کفار کے ساتھ جنگ میں شہید ہونے والوں کے اجسام مستثنیٰ ہیں۔ اور ان کے ساتھ وہ حضرات لاحق ہیں جن کے رگ و پے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت مخلوط ہو حتیٰ کہ ان کے جسم میں اس طرح سرایت کر چکی ہو جس طرح کہ لکڑی میں پانی سراہت کر جاتا ہے۔ اور اسی طرح وہ جو محض حلال کھائے جس میں شبہ تک شامل نہ ہو۔ جس طرح کہ اس کا ہم نے شیخ الصلوۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم شیخ نور الدین شونی میں اور اپنے جدامجد شیخ علی رحمۃ اللہ علیہ میں مشاہدہ کیا۔ رہے شیخ شونی تو میں ایک سال نو ماہ بعد آپ کے مزار میں اترا تو آپ کو اسی طرح تر و تازہ پایا جس طرح کہ آپ کو قبر میں رکھا تھا۔ اور میں نے آپ کی وفات سے پہلے آپ کے متعلق خواب دیکھا تھا۔ اور وہ اس طرح کہ میں نے کسی کو کہتے ہوئے سنا کہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرنا چاہتا ہے تو وہ شیخ نور الدین شونی کے پاس مدرسہ سوفیہ میں آپ کی زیارت کر سکتا ہے۔ میں وہاں پہنچا تو اس کے پہلے دروازے پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو پایا۔ دوسرے دروازے پر حضرت مقداد بن اسود کو اور تیسرے دروازے پر امام علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہم کو پایا۔ پس میں نے امام علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں ہیں۔ آپ نے فرمایا: یہ دیکھو آپ اس خلوت کے اندر تخت پر رونق افروز ہیں۔ پس میں اس کے دروازے پر رک گیا تو میں نے شیخ نور الدین کو پایا کہ آپ بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں نے آپ سے کہا: رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کہاں ہیں؟ تو آپ نے تبسم فرمایا اور میں نبی

پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بغور تلاش کرنے لگا۔ تو اچانک میرے لئے آپ کا رخ انور شیخ نورالدین کے چہرے میں ظاہر ہوا۔ پس شیخ نورالدین کی پیشانی کی سمت سے نوران کے پاؤں کی انگلیوں کی طرف جذب ہوتا گیا۔ پس شونی چھپ گئے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ظاہر ہو گئے۔ اور میں نے آپ کی خدمت میں سلام پیش کیا۔ پس میں نے یہ خواب شیخ کے سامنے بیان کیا تو آپ نے فرمایا: بیٹے میں اپنی ساری عمر میں کسی چیز سے اس قدر خوش نہیں ہوا جتنا تیرے اس خواب سے خوش ہوا ہوں۔ اے بیٹے اگر تیرا خواب صحیح ہے تو میرا جسم بوسیدہ نہیں ہوگا۔ چنانچہ امر ایسا ہی ہوا جیسے کہ ہم نے ذکر کیا ہے۔

رہے میرے جدامجد رضی اللہ عنہ تو آپ پارسائی میں مبالغہ فرماتے تھے۔ اور فرمایا کرتے کہ جو محض حلال کھانا محکم کرلے اس کا جسم بوسیدہ نہیں ہوگا۔ اور آپ شہروں کے مشائخ۔ قاضی، حکومتی اہل کار اور کسی ایسے شخص کا کھانا کبھی نہیں کھاتے تھے جو پارسائی اختیار نہیں کرتا تھا۔ اور برجوں کے کبوتر نہیں کھاتے تھے کیونکہ یہ لوگوں کی کھیتیوں سے دانہ چنتے ہیں۔ اور اپنی عمر کے اواخر میں شہد کی مکھیوں کا شہد کھانا ترک فرمادیا کیونکہ برشوم صغری والوں نے آپ کو خبر دی کہ آپ کے شہر کی مکھیاں دریا سے گزر کر ران کے پھلوں کے شگوفے چوستی ہیں۔ پس جب میرے والد صاحب کا وصال ہوا تو انہیں میرے دادا کے پہلو میں اکیس سال بعد دفن کیا گیا تو دیکھا کہ آپ اسی طرح تروتازہ ہیں جس طرح کہ آپ کو دفن کیا گیا تھا۔ مجھے آپ کو دفن والے اور والد محترم کو دفن والے نے اسی طرح خبر دی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

تریسٹھویں بحث

ارواح مخلوق

یہ اس بیان میں ہے کہ ارواح مخلوق ہیں۔ اور اس بیان میں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے امر سے ہیں۔ جیسا کہ قرآن کریم میں وارد ہے۔ اور جس نے ان کی کنہ کی معرفت میں اپنی عقل سے غور وخاص کیا وہ اس کے متعلق یقین پر نہیں صرف ظن وتخمین ہے۔

اور ہمیں یہ بات نہیں پہنچی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی حقیقت پر کلام فرمایا ہو باوجودیکہ اس کے متعلق آپ سے سوال کیا گیا پس آپ ادباً اس سے رکے رہے۔ اور اس کے متعلق اس سے زیادہ تعبیر نہیں کی جاتی جو کہ موجود ہے جیسے کہ یہ ابوالقاسم جنید وغیرہ کا قول ہے۔ اور حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت یہ ہے کہ روح ایسی شے ہے جس کا علم اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے۔ اور اس نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو اس پر اطلاع نہیں بخشی پس کسی کو اس کے متعلق اس سے زیادہ بحث کرنا جائز نہیں کہ وہ موجود ہے۔ اور اکثر مفسرین کا یہی مذہب ہے۔ جیسے ثعلبی اور ابن عطیہ وغیرہ۔ اور جمہور متکلمین کہتے ہیں کہ یہ جسم لطیف ہے۔ بدن میں اس طرح شامل ہے جس طرح پانی سبز لکڑی میں شامل۔ اور ان میں سے کثیر اس کے قائل ہیں کہ یہ عرض ہے۔ اور یہ وہ حیات ہے جس کے وجود کی وجہ سے بدن ذی حیات ہوا۔ اور اسی کی طرف قاضی ابوبکر باقلانی مائل ہیں۔ اور احادیث میں اس کا اترنے۔ چڑھنے اور برزخ میں متردد ہونے کے ساتھ موصوف ہونا پہلے مذہب پر دلالت کرتا ہے۔ یہ سہروردی کا قول ہے۔ اور یہ جسموں کی شان ہے نہ کہ اعراض کی۔ کیونکہ عرض کو ان اوصاف کے ساتھ موصوف نہیں کیا جاتا۔ اور صوفیاء کی کثیر جماعت نے کہا ہے کہ یہ جسم ہے نہ عرض۔ بلکہ جوہر مجرد۔ قائم بنفسہ، غیر محصور ہے اور تدبیر وتحریک کی خاطر اسے بدن کے ساتھ خاص تعلق ہے۔ بدن میں داخل ہے نہ اس سے خارج۔ اور یہ فلاسفہ رائے ہے۔ اور یہ غیر معیاری کلام ہے۔

روح کے متعلق امام شعرانی کی رائے

اور جو میرے لئے ظاہر ہوا ہے۔ یہ ہے کہ اس تقدیر پر کہ بندہ روح کی کنہ پر مطلع ہوتا ہے اسے کسی ایسی عبارت سے تعبیر نہیں کر سکتا جو سننے والے کو اس کی کنہ کی معرفت تک پہنچا دے۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے اسے ہمیں عاجز کرنے کا رتبہ قرار دیا ہے تا کہ ہم میں سے کوئی اپنے آپ سے کہے کہ جب ہم اپنی ذات کی حقیقت کی معرفت سے عاجز ہیں تو اللہ تعالیٰ کی ذات کے متعلق زیادہ عاجز زیادہ عاجز ہیں حتیٰ کہ ہم ذات کے متعلق غور و فکر میں مبتلا نہ ہوں۔ پس بیشک جب ہم اپنی روح کی معرفت سے عاجز ہیں باوجودیکہ وہ مخلوق ہے۔ اور تمام اشیاء سے ہمارے زیادہ قریب ہے تو اپنے خالق کو کیونکر پہنچا نیں گے۔ پس اسے سمجھ لے۔

قول علی کرم اللہ وجہہ من عرف نفسه فقد عرف ربه کی توجیہہ

اور حضرت امام علی کرم اللہ وجہہ کے کلام **من عرف نفسه فقد عرف ربه** (یعنی جس نے اپنے نفس کو پہنچان لیا اس نے اپنے رب کو پہنچان لیا) کے بارے میں بعض نے کہا ہے: یعنی اس لئے کہ کسی کے لئے کبھی بھی اپنے نفس کی معرفت ممکن نہیں کیونکہ حق تعالیٰ نے نفس کو ہمارے درمیان اور اپنی ذات کی معرفت کے درمیان ہمارے لئے عاجز کرنے کا درجہ قرار دیا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جب انسان اپنے نفس کی معرفت سے عاجز ہے باوجودیکہ یہ مخلوق ہے اور اشیاء میں سے اس کے سب سے زیادہ قریب ہے تو اس کی معرفت کیونکر؟ جس کی شبیہ ہے نہ نظیر۔ اور کسی حد اور حقیقت میں اپنے بندوں کے ساتھ جمع نہیں ہوتا۔ انتہی

معرفت روح کے معنی میں غور و فکر کی وجہ

کمال ابن ابی شریف اپنے حاشیہ میں فرماتے ہیں: اگر کہا جائے کہ لوگوں نے معرفۃ روح کے معنوں میں غور و فکر کیونکر کیا جبکہ یہ ایسا باب ہے کہ شارع نے اس سے اعراض فرمایا۔ تو اس کا جواب دو وجہوں سے ہے۔ وجہ اول یہ ہے کہ آپ نے تفصیلاً اس لئے جواب ترک فرمایا کہ یہود آپس میں کہتے تھے کہ اگر آپ نے اس کے متعلق جواب نہ دیا تو آپ سچے ہیں۔ کیونکہ یہ ان کے نزدیک آپ کی نبوت کی علامات سے ہے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا روح کے متعلق جواب ترک کرنا اس کی تصدیق کے لئے تھا جو ان کی کتابوں میں آپ کی اس وصف کے حوالے سے تھا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ان کا سوال عاجز کرنے۔ سختی کرنے اور سرکشی کرنے کے طور پر تھا۔ اور جب سوال اس انداز پر ہو تو اس سے جواب دینا واجب نہیں ہوتا۔ پس بیشک روح ایک امر ہے جو کہ روح انسان۔ جبریل اور ایک اور فرشتے کے درمیان مشترک ہے جسے روح کہا جاتا ہے۔ اور فرشتوں کی ایک صنف کو۔ قرآن کریم کو اور حضرت عیسیٰ ابن مریم کو بھی روح کہا جاتا ہے۔ تو اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے ایک کے ساتھ جواب دیتے تو یہودی عناد کے طور پر اور حضور علیہ السلام کو ستانے کے لئے کہتے کہ ہماری مراد یہ نہیں پس اسی لئے جواب مجمل طور پر ایسی وجہ پر آیا جو کہ روح کے تمام معانی کی تصدیق کرتا ہے۔ اصولیوں کا کلام پورا ہوا۔

روح کے متعلق شیخ محی الدین کا کلام

اور لواقح الانوار میں شیخ محی الدین نے فرمایا: روح اللہ تعالیٰ کے امر سے اس لئے ہے کیونکہ یہ کسی واسطہ کے بغیر صرف حق تعالیٰ کے خطاب سے ایجاد کی گئی۔ اسے فرمایا: ہو جا۔ پس ہو گئی۔ جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا کہ وہ روح اللہ ہیں کیونکہ آپ نفخ

حق تعالیٰ کے ساتھ بغیر واسطہ کے ایجاد کیے گئے جیسے کہ جلال ذات کے شایاں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **انما المسیح عیسی بن مریم رسول اللہ و کلمتہٗ القاھا الی مریم و روح منہ** (النساء آیت ۱۷۱۔ بیشک مسیح عیسیٰ ابن مریم تو صرف اللہ کے رسول اور اس کا کلمہ ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے مریم کی طرف پہنچایا اور اس کی طرف سے ایک روح) شیخ نے فرمایا: غزالی کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول **قل الروح من امر ربی** (بنی اسرائیل آیت ۸۵۔ فرما دیجئے کہ روح میرے رب کے امر سے ہے) کا معنی ہے اس کے غیب سے۔ کیونکہ عالم امر ہی عالم غیب ہے جبکہ عالم خلق عالم شہادت ہے۔ شیخ فرماتے ہیں: امر ہمارے نزدیک اس کے خلاف ہے جو غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے۔ اور یہ اس لئے کہ ہم کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے جسے بلا واسطہ ایجاد فرمایا وہ عالم امر سے ہے۔ یعنی اسے حق نے کن فرمایا پس وہ ہو گیا۔ اور اسے حق تعالیٰ کی طرف ایک وجہ ہے۔ جبکہ جسے واسطہ کے ساتھ ایجاد فرمایا تو وہ عالم خلق سے ہے اور اس۔ کہ دو وجوہ ہیں۔ اور اسے حق کی طرف ایک وجہ ہے جبکہ جسے واسطہ کے ساتھ ایجاد فرمایا تو وہ عالم خلق سے ہے اور اس کے دو وجوہ ہیں۔ ایک وجہ حق کی طرف اور ایک وجہ اپنے سبب کی طرف جس سے ایجاد کیا گیا۔ تو کبھی حق اسے تفاصیل اور کامل حکمتوں کی وجہ سے وجہ خاص سے بلاتا ہے اور کبھی اس کے سبب کے وجہ سے بلاتا ہے۔ انتہی

اور شیخ نے فتوحات کے ۲۶۴ ویں باب میں فرمایا: جان لے کہ یہود نے جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو آپ سے ماہیت روح کے متعلق سوال نہیں کیا۔ انہوں نے تو آپ سے روح کے متعلق صرف یہ سوال کیا کہ کہاں سے ظاہر ہوئی۔ اور بعض مفسرین یہ سمجھ بیٹھے کہ یہ سوال ماہیت کے متعلق ہے۔ جبکہ ایسا نہیں۔ کیونکہ یہود نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ نہیں کہا کہ روح کیا ہے؟ پس اگرچہ اس صیغے کے ساتھ سوال محتمل تھا لیکن اس وجہ کو جس کی طرف ہم گئے ہیں جواب کے اس جملے نے قوی کر دیا **من امر ربی**۔ اور یہ نہیں فرمایا کہ وہ ایسی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے وحی کو اپنے اس قول میں روح کا نام دیا ہے **و کذالک او حینا الیک روحا من امرنا** (الشوریٰ آیت ۵۲ اور اسی طرح ہم نے بذریعہ وحی آپ کی طرف ایک روح بھیجی اپنے امر سے) انتہی۔

ارواح کی تخلیق اجسام سے دو ہزار سال پہلے

اگر تو کہے کہ اس حدیث شریف سے کیا مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارواح کو اجسام سے دو ہزار سال پہلے پیدا فرمایا؟ تو جواب یہ ہے کہ یہاں خلق سے مراد مقدر اور معین کرنا ہے۔ یعنی ارواح مقدر فرمائیں اور ہر جسم و صورت کے لئے اس کی روح معین فرمائی جو کہ اس کی مدبر ہے۔ روح کل میں بالقوۃ موجود۔ اس کی طرف منسوب ہے۔ پس وہ اس تفصیل کے ساتھ روح پھونکنے کے وقت ظاہر ہوتی ہے۔ اس کی مثال وہ صاحب کشف ہے جو کہ اس سیاہی میں جو کہ دوات میں ہے ان تمام حروف کو اس صورت پر دیکھتا ہے جو کہ کاتب یا نقاش لکھے گا۔ پس وہ کہتا ہے کہ اس سیاہی میں ایسی ایسی صورتیں ہیں۔ پس جب کتابت اور نقش کا وقت آتا ہے اور وہ اس سیاہی کے ساتھ لکھتا ہے تو اس سے ایک حرف زیادہ نہیں کرتا جو کہ صاحب کشف نے کہا اور نہ ہی کم کرتا ہے۔ اسے شیخ نے ۳۷۳ ویں باب میں ذکر فرمایا۔ اور فتوحات کے ۷ ویں باب میں فرمایا: روح امر رب عزوجل سے اس لئے ہے کیونکہ یہ اسے خلق سے ایجاد نہیں کیا گیا۔ اسے تو بلا واسطہ ایجاد فرمایا۔ اور اس کی کنہہ پر مطلع نہیں ہوتا مگر اصفیاء میں سے وہ جسے اللہ تعالیٰ چاہے۔ اور ۲۶۷ ویں باب میں فرمایا: نفوس صرف قابلیتوں کی حیثیت سے باہم فضیلت رکھتے ہیں ورنہ نفخ الٰہی کی حیثیت سے تو باہم فضیلت نہیں رکھتے۔ پس ان کا ایک رخ طبیعت کی طرف ہے اور ایک رخ محض روحیہ کی طرف ہے۔ پس

اس لئے ہم نے کئی مرتبہ کہا ہے کہ یہ عالم برزخ سے افعال معلولہ کی طرح برابر ہیں۔ پس یہ اس حیثیت سے کہ بندے کی طرف منسوب ہیں مذموم ہیں۔ اور اس حیثیت سے کہ حق تعالیٰ ان کا خالق ہے انہیں مذموم نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ اس کے تمام افعال قابل ستائش ہیں۔ انتہی

شیخ محی الدین کی روح کے متعلق مختلف وضاحتیں

اور شیخ نے ۲۶۸ ویں باب میں فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے بارے میں و نفخت فیه من روحی (الحجر آیت ۲۹۔ اور میں اس میں خاص روح اپنی طرف سے پھونک دوں) اپنی طرف یاء اضافت کے ساتھ صرف اس لئے فرمایا تا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو مقام تشریف پر تنبیہ فرمائے اور اس میں عبرت حاصل کرنا ہے۔ گویا کہ حق تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام سے فرما رہا ہے کہ آپ شریف الاصل ہیں پس اپنی اصل کے خلاف غیر معیاری لوگوں کے افعال کے ارتکاب سے اپنے آپ کو بچانا۔ انتہی

اور ۲۷۸ ویں باب میں فرماتے ہیں: جان لے کہ ارواح کے ہاں کوئی سرداری نہیں ہے اور اس کا ذائقہ بھی نہیں چکھتیں۔ وہ تو اپنے پیدا کرنے والے کے حضور ہمیشہ تواضع کرنے والی ہیں۔ اور ۲۹۹ ویں باب میں فرماتے ہیں کہ روح کے لئے کمیت (یعنی گنتی) نہیں پس اپنے جو ہر ذات میں اضافہ قبول کرے۔ وہ تو فرد ہے۔ اور اگر یہ وہ نہ ہوتی جو کہ عاقل بذاتہ ہے تو اس سے اخذ میثاق کے وقت اپنے خالق کی ربوبیت کا اقرار نہ کرتی۔ اس لئے کہ حق تعالیٰ خطاب نہیں فرماتا مگر اسی کو جو اس سے اس کا خطاب سمجھتا ہے۔ اور یہ ہے فی نفسہ انسان کی حقیقت۔ اور اس میں طویل کلام فرمایا۔ پھر فرماتے ہیں: پس معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے روح کو کامل بالغ عاقل، اللہ تعالیٰ کی توحید کا عارف، اس کی ربوبیت کا اقراری پیدا فرمایا ہے۔ اور یہ وہ فطرت ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا فرمایا۔ جس طرح کہ اس کی طرف یہ حدیث اشارہ کرتی ہے کہ ہر مولود فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے۔ تو اس کے ماں باپ اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ پس زیادہ غالب کا ذکر فرمایا اور وہ ماں باپ کا پایا جانا ہے۔ اور وہ جو اسے پالتا ہے وہ اس کے لئے بمنزلہ اس کے ماں باپ کے ہے۔

اور شیخ ۳۲۶ ویں باب میں فرماتے ہیں: جان لے کہ تمام جہان سے ہر مقید بالصورت کے لئے ایک روح الٰہی ہے جو کہ اس کو لازم ہے۔ اسی کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرنے والا ہے۔ تو بعض ارواح وہ ہیں جو کہ اس صورت کی مدبر ہوتی ہیں کیونکہ وہ اپنے لئے ارواح کی تدبیر کو قبول کرتی ہے۔ اور یہ ہر وہ صورت ہے جو کہ حیات ظاہری اور موت کے ساتھ متصف ہوتی ہے۔ اور حیات ظاہری اور موت کے ساتھ متصف نہ ہو تو اس کی روح، روح تسبیح ہے نہ کہ روح تدبیر۔ اور اس میں طویل کلام فرمایا: اور وہاں ان ارواح صور سے زیادہ عارف باللہ تعالیٰ کوئی نہیں جن کا تدبیر میں کوئی حصہ نہیں۔ اور یہ ارواح جمادات ہیں۔ اور رتبہ میں ان سے کم ارواح نباتات ہیں۔ اور ان سے رتبہ میں کم ارواح حیوانات ہیں۔ اور ان سے کم سرکش انسانوں کی ارواح ہیں۔ رہے صالحین تو وہاں ان کے طبقات کے اختلاف کے مطابق ان کی ارواح سے معرفت میں اعلیٰ کوئی نہیں جیسے انبیاء۔ اولیاء اور مومنین۔ دراں حال کہ یہ اختصاص الٰہی ہے۔ انتہی

اور آپ ۳۵۸ ویں باب میں فرماتے ہیں: جان لے کہ سعادت مند روح کے لئے دنیا و آخرت میں شقاوت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ اور اس میں طویل گفتگو فرمائی اور ۳۴۶ ویں باب میں فرماتے ہیں: ایک جماعت کی غلطیوں میں سے ان کا یہ قول ہے کہ روح نوع انسانی کے اشخاص میں ایک چشمہ ہے اور یہ کہ روح زید وہی روح عمرو ہے۔ اور ان لوگوں نے اس پر تحقیقی نظر نہیں کی جس پر کہ امر ہے۔ اور اس کے متعلق انہیں اس بات نے شبہ میں ڈال دیا کہ انہوں نے سمجھا کہ جب حق تعالیٰ نے جسم عالم کو درست بنایا اور وہ ہباء معقول

کے جوہر میں جسم کلی صوری ہے تو اس نے روح الٰہی کے قبض کو قبول کیا جو کہ منتشر غیر معین تھی۔ کیونکہ وہاں کوئی نہیں جو اسے معین کرے اور یہ جسم عالم ہے۔ اسی کے ساتھ اس کا جسم اس کی شخصیات کے اجسام کو ضمن میں لیتا ہے۔ پس اس نے اس پر قیاس کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی روح کو اس کی شخصیات کی ارواح کا ضامن کر دیا۔ اور بسا اوقات وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے سند لیتا ہے **هو الذی خلقکم من نفس واحدة** (الاعراف آیت ۱۸۹ وہی ہے جس نے تمہیں ایک نفس سے پیدا فرمایا) جبکہ ان لوگوں سے یہ امر غائب رہا کہ جس طرح جسم آدم کی صورت آپ کی اولاد میں سے ہر شخص کے جسم کی صورت نہیں ہے۔ وہ تو آپ کی صرف فرع ہیں۔ پس اسی طرح عالم میں ہر روح دوسری روح کا عین نہیں ہے۔ اور اس میں طویل کلام فرمایا۔ پھر فرماتے ہیں: "اور مخفی نہ رہے کہ جو تناسخ ارواح کا قائل ہے ہمارے نزدیک وہ کافر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

خاتمہ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد کے معنی میں ہے کہ "**الارواح جنود مجندة فما تعارف منها ائتلف وما تناکر منها اختلف**۔ یعنی ارواح لشکر ہیں جنہیں جمع کیا گیا۔ تو ان میں سے جو باہم متعارف ہوئیں ان میں الفت ہوگئی۔ اور جو بے پہنچان رہیں انہوں نے اختلاف کیا۔ جان لے کہ اس حدیث کے حقیقی معنوں کو پہنچان نہیں سکتا مگر جس نے بطریق کشف حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ذریت کو نکالنے کا مشاہدہ کیا۔ اور یہ مشہد نہایت مقدس ہے۔ قلیل ہے جو اس کا مشاہدہ کرے کیونکہ یہ افراد کے ساتھ خاص ہے جیسے سہل بن عبداللہ تستری۔ ابو یزید بسطامی اور ان جیسے دیگر حضرات۔ پس وہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم اپنے تلاندہ کا مشاہدہ کرتے رہے ہیں حالانکہ وہ پشتوں میں نطفے تھے جبکہ اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم پر میثاق لیا جبکہ وہ آدم علیہ السلام کی پشت میں تھے۔ اور انہوں نے فرمایا: ہم اپنے تلاندہ کی نگہبانی کرتے رہے حتیٰ کہ وہ ہم تک پہنچ گئے۔ اور ہم اسے پہنچانتے ہیں جو اس دن ہماری دائیں جانب تھا اور جو بائیں جانب تھا۔ انہوں نے فرمایا: اور جب اللہ تعالیٰ نے اس دربار میں علی وجہ التمثیل اولاد کو جمع فرمایا تو وہاں جو آمنے سامنے تھے وہ یہاں ایک دوسرے کو پہنچانتے اور الفت کرتے ہیں۔ اور جن کی پشتیں ایک دوسرے کی طرف تھیں وہ بے پہنچان رہے اور انہوں نے عداوت واختلاف کیا۔ اور جس کا چہرہ کسی پشت کی طرف تھا تو چہرے والا محبت کرتا ہے جبکہ پشت والا محبت نہیں کرتا۔ اور اسی طرح حکم ہے اس صورت میں جبکہ پہلو کے لئے پہلو یا پہلو کسی چہرے کے لئے یا پہلو کسی پشت کے لئے تھا وہ اس جہان میں اسی حکم کے ساتھ ہیں جس طرح کہ وہاں تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

چونسٹھویں بحث

منکر نکیر، عذاب قبر وغیرہ کے بیان میں

یہ بحث اس بیان میں ہے کہ منکر نکیر کا سوال۔ عذاب قبر اور اس کی آسائشات اور اس کے بارے میں جو کچھ وارد ہے برحق ہیں بخلاف بعض معتزلہ اور روافض کے۔ منکر نکیر کے سوال کے متعلق اہل سنت کہتے ہیں کہ ہر میت کے لئے ہوتا ہے برابر ہے کہ وہ اپنی قبر میں یا وحشی جانوروں یا پرندوں کے پیٹوں میں ہو یا جلائے جانے اور ہوا میں اڑائے جانے کے بعد ہوا کے رخ پر آندھی میں ہو۔ جلال محلی رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب صرف کفار کے لئے اور فاسقوں میں سے اس کے لئے ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ عذاب دینا چاہئے۔ پس روح عذاب پانے والے کے سارے جسم میں لوٹا دی جاتی ہے یا اس حصے کی طرف جو اس میں سے باقی بچا۔ کیونکہ جسم کے بعض حصے کو زندہ کرنا ممنوع نہیں۔ گرچہ یہ خلاف عادت ہے۔ کیونکہ خرق عادت اللہ تعالیٰ کی قدرت میں غیر ممتنع ہے۔ کمال اپنے حاشیہ میں فرماتے ہیں: اور اہل اصول کا یہ قول کہ منکر نکیر کا سوال۔ عذاب قبر اور اس کے ناز ونعمت برحق ہیں یہ غالب صورت حال کے مطابق فرمایا ہے ورنہ حق یہ ہے کہ یہ قبر معروف کے ساتھ مخصوص نہیں۔ پس وہ عذاب محسوس کرتا ہے اسے مچھلی نے یا درندے وغیرہ نے کھایا ہو۔ پس ان کا ہر قبر والے کے لئے کہنا کوئی مفہوم نہیں رکھتا۔ اور انہیں قبر کے ساتھ تعبیر کرنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد نے ڈالا کہ جب میت کو اس کی قبر میں رکھا جاتا ہے تو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں۔ انہوں نے کہا ہے کہ روح کا ایک جزو کے لئے لوٹانا اور سوال کا اس طرح واقع ہونا جس کا مشاہدہ نہ ہو سکے جائز ہے۔ کیونکہ احوال برزخ کا قیاس احوال دنیا پر نہیں ہو سکتا۔ جس طرح کہ سونے والے کی روح ایسی اشیاء کا مشاہدہ کرتی ہے جن کا مشاہدہ وہ بیدار شخص نہیں کرتا جو کہ اس کے پہلو میں ہے۔ انہوں نے نیز کہا کہ فتنہ قبر سے شہید مستثنیٰ ہے کیونکہ اس کے متعلق مسلم کی حدیث ہے۔ اور یہ الفاظ کہ اس کے سر پر تلواروں کی چمک کافی گواہ ہے۔ جلال محلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شاید بعض کا اس کی استثناء سے سکوت مسئلہ کا قطعیہ ہونا ہے۔ جبکہ اس کی استثناء کی دلیل ظنی ہے۔ کیونکہ وہ خبر واحد ہے۔ انتہی

اور جلال محلی کا گزشتہ قول کہ معذب کی روح اس کے پورے جسم کی طرف لوٹائی جاتی ہے یا اس کی طرف جو اس سے باقی ہے اس مسئلہ میں اختلاف کا اشارہ ہے۔ کیونکہ حلیمی کہتے ہیں کہ روح اس کے سارے جسم کی طرف لوٹائی جاتی ہے جبکہ ابن جریر طبری اور امام الحرمین کہتے ہیں کہ روح اس کے باقی ماندہ حصے کی طرف لوٹائی جاتی ہے۔ اور ہمارا اس بحث آغاز میں یہ کہنا کہ بخلاف بعض معتزلہ اور روافض کے۔ اور روافض سے مراد جہمیہ ہیں۔

جہمیہ کا عذاب قبر سے انکار اور اس کا جواب

اور عذاب قبر کے انکار میں ان کی دلیل میت کی تکلیف کے متعلق ان کا عدم مشاہدہ ہے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ اگر میت کے پیٹ پر ایک وقت تک کوئی چیز رکھی جائے تو وہ گرتی نہیں۔ اگر وہ عذاب وغیرہ کی وجہ سے حرکت کرتا تو وہ چیز اپنی جگہ سے حرکت کرتی تو کیونکر کہا جائے گا کہ دونوں فرشتے اسے بٹھاتے ہیں اور اس سے سوال کرتے ہیں۔ اور اسی لئے انہوں نے تسبیح جمادات کا بھی انکار کیا ہے اور جواب یہ ہے کہ عقل ان اشیاء کے ادراک سے تنہا عاجز ہے۔ جبکہ حدیث پاک وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں غور کرو۔ حضرت خالق میں غور وفکر مت کرو۔ کیونکہ عقول اس سے عاجز ہیں۔ اور جب اے معتزلہ اور جہمیہ تمہاری عقول ان چیزوں کے ادراک سے قاصر ہیں تو اس کا انکار نہ کرو۔ اور اس کے متعلق وارد ہونے والی اخبار صادقہ کی تصدیق کرو۔

عذاب قبر کے متعلق کتاب وسنت کے دلائل

اور عذاب قبر پر اللہ تعالیٰ کا یہ قول دلیل ہے **سنعذبھم مرتین** (التوبۃ آیت ۱۰۱۔ ہم انہیں دو مرتبہ عذاب دیں گے) یعنی ایک مرتبہ قبر میں اور ایک مرتبہ قیامت میں۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد **ولنذیقنھم من العذاب الادنی دون العذاب الاکبر** (السجدہ آیت ۲۱۔ اور ہم انہیں تھوڑا تھوڑا عذاب ضرور چکھاتے رہیں گے بڑے عذاب سے پہلے) اور وہ عذاب اس حیات میں ہے اور قبر میں ہے۔ اور

اس آیت کے آخر میں یہ ارشاد لعلهم یرجعون عذاب حیات پر محمول ہے کیونکہ موت کے بعد ان کا لوٹنا ممکن نہیں۔ اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ قول دلیل ہے النار یعرضون علیها غدوا و عشیا (المومن آیت ۴۶۔ آگ ہے جس پر انہیں صبح وشام پیش کیا جاتا ہے) یعنی برزخ میں اللہ تعالیٰ کے اس قول کی دلیل سے ویوم تقوم الساعة ادخلوا آل فرعون اشد العذاب۔ اور جس دن قیامت قائم ہوگی (حکم ہوگا) فرعونیوں کو نہایت سخت عذاب میں داخل کردو۔

اور عذاب قبر پر سنت سے دلیل یہ حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد یثبت الله الذی آمنوا بالقول الثابت (ابراہیم آیت ۲۷۔ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو اس پختہ قول کی برکت سے ثابت قدم رکھتا ہے) عذاب قبر کے متعلق نازل ہوا۔ اور وہ جو عذاب قبر سے (تعلیم امت کے لئے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا استعاذہ ثابت ہے۔ اور جو دو قبروں والی حدیث میں ثابت ہے کہ ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے۔ اور ان کے گمان میں کسی بڑے گناہ کے بارے میں عذاب نہیں ہو رہا۔ اور مرفوعا حدیث صحیح میں ہے۔ تنزهوا من البول فان عامة عذاب القبر منه۔ یعنی پیشاب سے بچو کہ بیشک عام عذاب قبر اسی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اور بعض معتزلہ نے کہا کہ عذاب روح کے لئے ہے نہ کہ بدن کے لئے۔ اور روح کا عذاب بدن کی ہلاکت پر دکھ محسوس کرنا ہے جس طرح بادشاہ اپنے لشکر پر اس وقت دکھ محسوس کرتا ہے جب اس کا دشمن اسے فنا کردے۔ کیونکہ ﴿بدن﴾ ملدیہ ہے۔ انتہی۔ اور ان کے بعض نے کہا ہے کہ روح لوٹائے بغیر عذاب دیا جاتا ہے۔ پس جب قیامت کے دن روح اس کی لوٹے گی تو اس پر دکھ ظاہر ہوگا۔ اور یہ کچھ نہیں ہے اس لئے کہ ابوداؤد وغیرہ میں مرفوعاً صحیح حدیث ہے کہ روح جسم کی طرف لوٹتی ہے۔

تسبیح جمادات کے انکار کی تردید

اور رہا جہمیہ اور بعض معتزلہ کا جمادات کی تسبیح کا انکار تو یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے ساتھ مردود ہے وان من شئ الایسبح بحمده (بنی اسرائیل آیت ۴۴۔ اور کوئی بھی ایسی چیز نہیں مگر وہ اس کی حمد کے ساتھ تسبیح پڑھتی ہے) اور ان نافیہ آتا ہے۔ اور اسی سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے ان امهاتهم الاالائی ولدنهم (المجادلہ آیت ۲۔ ان کی مائیں نہیں ہیں مگر وہی جنہوں نے انہیں جنا ہے) وان منکم الا واردها (مریم آیت ۷۱۔ اور تم میں سے کوئی ایسا نہیں مگر اس کا گزر دوزخ پر ہوگا) ان اردنا الا الحسنى (التوبہ آیت ۱۰۷۔ نہیں ارادہ کیا ہم نے مگر بھلائی کا) ان یدعون من دونه الا اناثا (النساء آیت ۱۱۷۔ نہیں عبادت کرتے یہ مشرک مگر عورتوں کی۔) ان یقولون الا کذبا (الکھف آیت ۵۔ وہ نہیں کہتے مگر جھوٹ) پس جمادات سے تسبیح ثابت ہے۔ کیونکہ نفی سے استثناء اثبات ہے۔ اور یہ اسی سے ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلی میں کنکریوں کی تسبیح ثابت ہے۔ اور جن کا اتفاق معتبر ہے انہوں نے سارے عالم کی بزبان حال تسبیح پر اتفاق کیا ہے۔

تسبیح بالمقال کے دلائل

اور زبان قال کے ساتھ تسبیح جمادات میں اختلاف کیا گیا ہے۔ پس شیخ عبدالوہاب بن السبکی نے امام ماتریدی ابومنصور رحمۃ اللہ علیہ کے عقیدہ کی شرح میں فرمایا ہے: مختار یہ ہے کہ ہر شے اپنے رب کی تسبیح نطق کے ساتھ کرتی ہے۔ اور عقل میں اس کا کوئی مانع نہیں۔ اور اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ قول دلالت کرتا ہے انا سخرنا الجبال معه یسبحن بالعشی والا شراق (ص آیت ۱۸۔ ہم نے پہاڑوں کو فرماں بردار بنا دیا تھا وہ ان کے ساتھ عشاء اور اشراق کے وقت تسبیح پڑھتے تھے) اور صحیح بخاری میں ہے کہ صحابہ کرام تسبیح طعام سنتے تھے جبکہ نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانا کھاتے) اور صحیح مسلم میں مرفوعاً ہے میں مکہ کے اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو کہ میری بعثت سے پہلے مجھ پر سلام کہا کرتا تھا) اور لکڑی کے ستون کے زاری کرنے کی حدیث ثابت مشہور ہے۔ تو جب ثابت ہو گیا کہ یہ چیزیں کلام کرتی ہیں تو تسبیح بالقال ثابت ہو گئی جس طرح کہ اس پر آیت دلالت کرتی ہے۔ پس اسے اس کے ظاہر پر محمول کیا جائے۔ اور فخر رازی اور اکثر معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ جمادات اور غیر مکلف حیوانات صرف زبان حال کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں۔ اور یہ مردود مذہب ہے۔

اور بعض نے کہا ہے کہ ہر زندہ اور نشو ونما پانے والا اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتا ہے نہ کہ میت اور خشک چیز۔ اور اس کے لئے انہوں نے حضور علیہ السلام کے اس قول سے دلیل لی ہے جو کہ دو قبروں کی حدیث میں ثابت ہے جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو شاخوں کے متعلق فرمایا جنہیں آپ نے دولخت فرمایا اور انہیں قبروں پر رکھا کہ جب تک یہ تر رہیں ان دونوں سے تخفیف رہے گی۔ یہ اس سمت اشارہ ہے کہ جب تک تر رہیں گی تسبیح کرتی رہیں گی نہ کہ جب خشک ہو جائیں۔ اور یہ مذہب حسن اور عکرمہ سے نقل کیا گیا۔ اور ایمان کی بحث میں حیات جمادات کے متعلق مزید گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔ تو وہاں رجوع کرو۔ واللہ اعلم۔ اہل کلام کی گفتگو پوری ہوئی۔

نکیرین کے متعلق وضاحتیں

اور شیخ تقی الدین بن ابوالمنصور فرماتے ہیں: جب انسان کے پاس منکر اور نکیر آتے ہیں تو وہ نہیں آتے مگر ہر انسان کے لئے اس کے عمل، علم اور اعتقاد کی شکل و ہیئت کے مطابق۔ پس وہ دونوں برزخ کے دربان ہیں۔ نہیں داخل ہوتا برزخ میں کوئی بھی مگر اس کا گزر ان پر ہوتا ہے یا ان کا گزر اس پر ہوتا ہے۔ پس وہ بندے کی روح اس کے سارے جسم کی طرف یا اس سے باقیماندہ حصے کی طرف لوٹنے کے بعد اس کے رب۔ اس کے دین اور اس کے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے متعلق اس سے سوال کرتے ہیں۔ پس وہ انہیں اس ایمان یا کفر یا شک کے مطابق جواب دیتا ہے جس پر وہ مرا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت کے طلب گار ہیں۔

شیخ محی الدین ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فرشتے میت سے کسی لفظ تعظیم کے بغیر **ما تقول فی ھذا الرجل** صرف اس لئے کہتے ہیں کہ فرشتوں کا مقصد آزمائش ہے تاکہ ایمان میں سچا، شک کرنے والے سے ممتاز ہو۔ کیونکہ شک کرنے والا دل میں سوچتا ہے اگر اس شخص کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ قدر و منزلت ہوتی جس کا یہ اپنی رسالت میں دعویٰ کرتا رہا تو یہ فرشتہ اسے ایسے کنایہ کے ساتھ ذکر نہ کرتا۔ اور اس وقت یہ شک کرنے والا کہے گا۔ میں نہیں جانتا۔ پس ابدی شقاوت میں گرفتار ہو جائے گا۔

(**اقول و باللہ التوفیق و التائید**۔ شیخ کی مذکورہ وضاحت سے پتہ چلا کہ جس کے دل پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا قبضہ ہو گا اور آپ کی تعظیم کا غلبہ تو وہ نکیرین کے سوالات کے جواب میں بہمہ وجوہ کامیاب ہو گا۔ اور یہ وہی سعادت مند حضرات ہیں جن کے رگ دیے میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی محبت اس طرح سرایت کر چکی ہے جس طرح تر و تازہ لکڑی میں پانی سرایت کرتا ہے۔ جس طرح کہ امام شعرانی قدس سرہ نے ٦٢ ویں بحث کے اختتام پر خاتمہ کے عنوان میں صراحت فرمائی ہے کہ ان کے اجسام مبارکہ پر تو مٹی بھی اثر نہیں کر سکتی۔ اسی لئے امام اہل سنت امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

شکل بشر میں نور الٰہی اگر نہ ہو ۔۔۔ کیا قدر اس خمیرہ ماء ومدر کی
نور اللہ کیا ہے محبت حبیب کی ۔۔۔ جس دل میں یہ نہ ہو وہ جگہ خوک و خر کی ہے

نیز مذکورالصدر حقیقت کے پیش نظر ہی آپ حبیب رب العالمین۔شاہد قدرت۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے حوالے سے یہ عظیم اعلان فرماتے ہیں

نکیرین کرتے ہیں تعظیم میری۔فدا ہو کے تجھ پر یہ عزت ملی ہے

چنانچہ محب طبری رحمۃ اللہ علیہ الریاض النضرۃ فی مناقب العشرہ میں ایک حدیث شریف نقل فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نکیرین کے قبر میں پر ہول شکل میں آنے اور سوال کرنے کا ذکر فرمایا۔کہ وہ قبر والے سے اس کے رب۔اس کے نبی اور اس کے دین کے متعلق سوال کریں گے۔یہاں ایک روایت یہ ہے کہ یہ خطاب حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے حضرت عمر بن الخطاب سے فرمایا: **كيف بك اذا جاء ك منكر و نكير يسئلانك** حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: **اياتيانني و انا ثابت كما انا؟** یعنی وہ آئیں گے تو میں اپنے ایمان اور اس کے مقتضیات پر اسی طرح ثابت و راسخ ہوں گا جیسا کہ اب ہوں۔تو فرمایا: ہاں اسی طرح ہو گے۔تو عرض کی **فسا كفيكهمايا رسول الله**۔ پھر میں ان سے نمٹ لوں گا۔یہ سب عشق سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی جلوہ سامانیاں ہیں۔امام احمد رضا فاضل بریلوی قسماً فرماتے ہیں کہ اگر میرا دل چیر کر دیکھو تو ایک طرف **لا اله الا الله**۔دوسری طرف محمد رسول اللہ لکھا ہے۔**رزقنا الله تعالیٰ حب حبيبه صلى الله عليه واله وسلم و ثبتنا على طاعته. آمين بحرمة طه و يس صلوات الله تعالى وسلامه عليه و على اله و صحبه اجمعين** محمد محفوظ الحق غفرلہ، ولوالدیہ)

نکیرین اور میت کے باہمی کلام کی کیفیت

ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کیا فرشتوں کا میت کے ساتھ اور میت کا فرشتوں کے ساتھ کلام آواز اور حروف کے ساتھ ہوتا ہے یا نہیں؟ جو کچھ کشف عطا کرتا ہے یہ ہے کہ موت کے بعد کلام اس صورت کے حسب حال ہوتا ہے جس میں میت اپنے آپ کو دیکھتی ہے۔پس اگر حرف اور آواز کا تقاضا کرے تو کلام حرف اور آواز کے ساتھ ہوتا ہے۔اور اگر اشارہ یا زبان سے گفتگو یا جس کا بھی تقاضا ہو۔تو اسی طرح ہوگا۔اور اگر ذات کا تقاضا ہو کہ وہ عین کلام ہو تو وہی ہوگا۔کیونکہ بارگاہ برزخ اس سب کا تقاضا کرتی ہے۔شیخ نے فرمایا: جب میت اپنے آپ کو صورت انسان میں دیکھے تو کلام کے سارے مراتب جائز ہیں۔کیونکہ وہ تمام صورتوں کے احکام کا جامع مقام ہے۔فرمایا: اور اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں ہمارے لئے نیند مقرر فرمائی ہے تا کہ ہم موت کے بعد برزخ میں اپنے حال کی الفت حاصل کریں۔کیونکہ میت کا حال صورت ظاہری میں سونے والے کی حال کی طرح ہے۔سوائے اس کے کہ نیند میں تدبیر جسمانی کا تعلق باقی رہتا ہے بخلاف موت کے۔کیونکہ اسے جسم کے احساس عذاب ونعمت کے باوجود تدبیر میں کوئی تعلق نہیں ہوتا۔جس طرح کہ سونے والا اپنی نیند میں دیکھتا ہے کہ وہ عذاب وشرور میں ہے یا نعمت وسرور میں۔

برزخ کے کلام۔عذاب،ناز ونعمت کے مشاہدہ میں اختلاف کی حکمت

اگر تو کہے کہ جن وانس کو میت کا کلام سننے اور اس کے عذاب ونعمت کے مشاہدہ سے کیوں حجاب میں رکھا گیا نہ کہ مویشیوں کو؟ تو جواب یہ ہے کہ صرف جن وانس کو محجوب رکھنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ دونوں عالم تعبیر سے ہیں یعنی عبارت میں بیان کر سکتے ہیں ان کے سوا

اور کوئی نہیں۔ اگر لوگ احوال موتی سے کچھ دیکھ پاتے تو ان کا بعض دوسرے کو خبر دیتا جس طرح کہ اس کی طرف اس حدیث شریف کا اشارہ ہے کہ اگر تمہارے قلوب میں شگاف نہ پڑ جاتے اور بیان میں تم مبالغہ کرتے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ تمہیں عذاب قبر سنائے اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ اگر یہ خطرہ نہ ہوتا کہ تم دفن نہ کرو تو اس اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ تمہیں عذاب قبر سنائے۔ پس جیسا کہ شیخ نے ۳۷۸ ویں باب میں فرمایا ہے معلوم ہوا کہ اولیاء میں سے جسے بھی اللہ تعالیٰ نے امانت عطا فرمائی ہے وہ عذاب قبر سنتا ہے۔ اور شیاطین کا کلام سنتا ہے جب وہ اپنے دوستوں کی طرف القاء کرتا ہیں تا کہ وہ جھگڑا کریں۔ اور اللہ تعالیٰ نے جن وانس کے کان اور ان کی آنکھیں نہیں روکی ہیں مگر پردہ داری کے لئے۔ کیونکہ صاحب کشف اگر اسے افشاء کر دیتا تو ایمان بالغیب کی وضع الٰہی کی حکمت بے فائدہ ہو کے رہ جاتی ہے کیونکہ وہ شہادت ہو جاتا۔

فتنہ ممات سے انبیاء کے استعاذہ کی حکمت

اگر تو کہے کہ انبیاء کے معصوم ہونے کے باوجود فتنہ ممات سے انہوں نے استعاذہ کیونکر کیا؟ تو جواب یہ ہے کہ اس سے ان کا استعاذہ صرف اس لئے ہے کہ وہ بارگاہ اطلاق کی وسعت کا علم رکھتے ہیں۔ اور یہ کہ بیشک اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ پس انہوں نے عبودیت کے تقاضائے واجب اور اپنے عجز وافتقار کے اظہار کا اہتمام کیا۔ اور انہوں نے اس سے باب احتیاج سے سوال کیا کہ انہیں اس وقت آزمائش میں نہ ڈالے، جب ان سے دونوں فرشتے اس کے متعلق سوال کریں جو ان کی طرف بھیجا گیا۔ اور وہ جبریل علیہ السلام ہیں۔ پس بیشک ان سے تکریم کے طور پر اس کے متعلق سوال ہوتا ہے جس طرح کہ ہمیں امتحان کے طور پر اس رسول علیہ السلام کے متعلق سوال کیا جاتا جو ہماری طرف بھیجا گیا۔ ورنہ انبیاء معصوم ہیں۔ انہیں بڑی گھبراہٹ غمگین نہیں کرتی چہ جائیکہ چھوٹی ہو۔ پس ان کا مقام اپنے پروردگار کے حضور ہمیشہ اعتراف بالانکسار ہے۔

حقیقت برزخ

اگر تو کہے کہ اس برزخ کی حقیقت کیا ہے جس کی طرف موت کے بعد انتقال ہوتا ہے؟ تو اس کا جواب جیسا کہ فتوحات کے ۶۳ ویں باب میں شیخ نے فرمایا ہے یہ ہے کہ برزخ کی حقیقت وہ صور اسرافیل ہے جس میں وہ پھونکے گا۔ اور اسے ناقور کہا جاتا ہے۔ اور قرن بھی کہتے ہیں۔ تو اس قرن (سینگ) سے زیادہ وسیع کوئی چیز نہیں۔ اور میت کے لئے اس کی قبر میں عذاب اور نازونعمت سے جو کچھ واقع ہوتا ہے قبر واللہ اس کا حس کے ساتھ ادراک حقیقی کرتا ہے نہ کہ حس میں۔ جس طرح کہ موت کے بعد انسان برزخ میں عذاب وانعام میں سے جس کا بھی ادراک کرتا ہے تو وہ صرف عین اسی صورت میں ادراک کرتا ہے جس میں وہ قرن میں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جب اجسام طبعیہ سے ارواح قبض کرتا ہے تو انہیں حضرت برزخ میں صور جسدیہ کے سپرد کر دیتا ہے جو کہ صور اسرافیل ہے۔ پھر بعض صورتیں وہ ہیں جو وہاں مقید ہوتی ہیں۔ اور بعض قید کے بغیر ہوتی ہیں جیسے تمام انبیاء کی ارواح۔ ارواح شہداء اور بعض اولیاء کی ارواح۔ کیونکہ جس نے بھی دور تکلیف میں اپنے آپ کو طرف شریعت میں بند رکھا اور اس پر وہی پابندی رکھی جو شرع شریف نے عائد کی تو اللہ تعالیٰ برزخ اور جنت میں اسے آزادی کی جزا دیتا ہے۔ اس میں جہاں چاہے رہے۔ نیز فرمایا: بعض ارواح وہ ہیں جن کی عالم دنیا کی طرف نظر ہوتی ہے۔ اور ان میں سے وہ ہیں جو کہ سونے والے کے لئے حضرت خیال میں جلوہ گر ہوتی ہیں پھر فرمایا: رہی قوم فرعون والے تو وہ اس صور میں صبح وشام

آگ پر پیش کیے جاتے ہیں۔ اور اس میں داخل نہیں ہوتے۔ کیونکہ وہ اس قرن اور اس صورت میں محبوس ہیں۔ اور قیامت کے دن اشد عذاب میں داخل ہوں گے۔ اور وہ عذاب محسوس ہے نہ کہ خیالی جو کہ ان کی موت کے وقت ان کے لئے اس پر پیش کرنے کے ساتھ تھا۔ اور ان میں سے بعض کو نار محسوس کے ساتھ بھی جلایا جاتا ہے۔ انتہی۔

لوائح الانوار میں شیخ محی الدین کی وضاحت

اور شیخ محی الدین نے اپنی کتاب لوائح الانوار میں فرمایا: اہل برزخ میں سے وہ بھی ہے جس میں اللہ تعالیٰ ہمت پیدا فرماتا ہے جو کہ اپنی قبر میں وہ عمل کرتا ہے جو وہ دار دنیا میں کیا کرتا تھا۔ جس طرح کہ یہ حضرت ثابت بنانی جلیل المرتبت تابعی سے صحیحا ثابت ہے کہ جب لوگوں نے آپ کی قبر کھولی تو آپ کو کھڑے نماز پڑھتے ہوئے پایا۔ اور بے شمار مخلوق نے اس کا مشاہدہ کیا۔ شیخ فرماتے ہیں: اور اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے لئے اس کا ثواب لکھتا ہے حتیٰ کہ وہ برزخ سے باہر آئے۔ اور اس کی تائید اہل اعراف کے اس سجدے کی وجہ سے ان کی ترازو کے جھک جانے سے ہوتی ہے جو کہ قیامت کے دن کریں گے اور اس کی وجہ سے جنت میں داخل ہوں گے۔ اور اگر ایسا نہ ہوتا کہ برزخ کا ایک رخ احکام دنیا کی طرف ہے تو انہیں یہ سجدہ نفع نہ دیتا اور نہ ہی اس کی وجہ سے ان کا ترازو جھکتا۔ پس یہ اہل تکلیف کا آخری عمل ہے۔

نیز فرمایا: نیند اور بیداری میں جو کچھ بھی اموات سے دیکھا جاتا ہے یہ سب کے سب مثالات متخیلہ ہیں اور ان میں سے کوئی شے محقق نہیں ہے سوائے صرف ارواح انبیاء علیہم السلام کے۔ پس بیشک وہ تمام عالم موجودات، آخرت اور برزخ پہ چھا نکتی ہیں۔ بخلاف ان کے علاوہ ارواح کے مگر جنہیں اللہ تعالیٰ چاہے۔ پس ان کے لئے برزخ سے نکلنا نہیں۔ تو اگر ان میں سے کوئی دیکھا جائے تو یا تو وہ فرشتہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اس ولی کی ہمت سے پیدا کیا ہے۔ یا مثال ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم سے جو چاہا نافذ کرنے کے لئے اس کی صورت پر قائم فرمایا۔ اور یہاں ایک ورقہ تقریباً طویل کلام فرمایا۔

پھر فرماتے ہیں پس معلوم ہوا کہ کامل ارباب کشف روح جدا ہونے کے بعد جسم کی حیات دیکھتے ہیں۔ اور یہ اس لئے کہ ان کے نزدیک جسم کے حقائق اور عوالم ہیں جن کے ساتھ بغیر واسطہ روح کے ادراک قبول کیا جاتا ہے۔ اور جب جدا ہونے کے بعد روح اپنے محل کی طرف منتقل ہوتی ہے اور جسم باقی رہ جاتا ہے تو اس کے لئے ان حقائق کی وجہ سے جو اس کے مخصوص ہیں ادراک حاصل ہوتا ہے۔ اور اگر یہ نہ ہوتا تو وہ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرنے والا نہ ہوتا۔ کیونکہ تسبیح فرع ہے معرفت کی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **و ان من شئی الا یسبح بحمدہ** (بنی اسرائیل۔ نہیں ہے کوئی شے مگر اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح پڑھتی ہے) اس کی تقدیر یہ ہے کہ نہیں ہے کوئی شے جو کہ اس کی معرفت رکھتی ہے۔ کیونکہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی اس چیز سے تنزیہہ بیان کرے جو اس کے شایاں نہیں مگر وہی جو اس کی معرفت رکھتا ہے۔ شیخ نے فرمایا: اور انہیں حقائق کے ساتھ وہ بولے اور انہوں نے گواہی دی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **وقالوا لجلودھم لم شھدتم علینا قالوا انطقنا اللہ الذی انطق کل شئی** (حم السجدہ آیت ۲۱۔ اور اپنی کھالوں سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف گواہی کیوں دی۔ وہ کہیں گی ہمیں اللہ تعالیٰ نے گویائی عطا فرمائی جس نے ہر شئے کو گویا کیا) انتہی

جبکہ ایمان کی بحث میں حیات جمادات کے متعلقات پہلے گزر چکے ہیں۔ وہاں رجوع کر۔ اور اے بھائی تیرے لئے ہماری تقریر

سے ظاہر ہو گیا کہ قبر کے انعام اور عذاب کے صحیح ہونے میں اہل دنیا کی آنکھوں کا ادراک نہ کرنا قابل اعتراض نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قبر جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔

القبر روضة او حفرة سے کیا مراد ہے

اور شیخ نے فتوحات مکیہ کے ۳۶۱ ویں باب میں فرمایا کہ اس جنت اور اس جہنم سے مراد برزخ کی جنت اور اس کی جہنم ہے نہ کہ بڑی جنت اور جہنم جن میں لوگ حساب اور صراط سے گزر کر داخل ہوں گے۔ نیز فرماتے ہیں: یہ وہ غلطی ہے جو کہ بعض اہل اللہ سے ان کے کشف میں سرزد ہوئی۔ کیونکہ جب انہیں احوال آخرت میں سے کسی چیز پر اطلاع دی جاتی ہے تو وہ گمان کرتے ہیں کہ یہ صحیح ہے اور انہوں نے حقیقتاً آخرت کا مشاہدہ کیا ہے جبکہ ایسا نہیں ہے۔ وہ تو صرف دنیا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے نگاہ کشف کے ذریعے یا نیند کے ذریعے ان احکام دنیا کی صورت میں جن سے وہ بیداری میں ناواقف تھے عالم برزخ میں ظاہر فرمایا۔ پس وہ کہتے ہیں کہ ہم نے جنت اور جہنم اور قیامت دیکھی۔ دار دنیا سے دار آخرت اور اس وسعت میں اس قدر وسعت کہاں؟ اور یہ معلوم ہے کہ قیامت ابھی معرض وجود میں نہیں آئی۔ اور جب یہ حیات دنیا میں دیکھی جائے تو یہ صرف قیامت دنیا اور نار دنیا ہی ہے۔ اور حدیث صحیح میں ہے کہ میں نے اپنے اس مقام میں جنت اور جہنم دیکھی۔ یہ نہیں فرمایا کہ میں نے جنت آخرت دیکھی اور نہ کہ میں نے نار آخرت دیکھی۔ بلکہ آپ نے فرمایا کہ میں نے دار دنیا کی اس دیوار کے عرض میں دیکھا۔ اور یہ بھی ذکر فرمایا کہ آپ نے جہنم میں اس عورت کو دیکھا جس نے بلی کو قید کر رکھا تھا اور عمرو بن لحی کو دیکھا جس نے سوائب کا سلسلہ جاری کیا۔ اور یہ سب کچھ بیداری کی حالت میں سورج گرہن کی نماز کے دوران تھا۔ اور دوسری حدیث میں ہے کہ اس دیوار کے عرض میں میرے لئے جنت کی صورت ظاہر کی گئی۔ اور شے کی صورت اس کا عین نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ صرف اس کی شبیہہ ہے۔ اور اس شخص کے اس قول کا کوئی معنی نہیں جس نے کہا کہ جہنمی آج بڑی جہنم میں ہیں۔ پس جب قیامت کا دن ہو گا تو وہ قبر کی طرف لوٹیں گے۔ پھر اٹھائے جائیں گے اور ان کا حشر اور حساب ہو گا۔ پھر وہ جہنم میں دوبارہ داخل ہوں گے۔ امام شعرانی فرماتے ہیں: ہم میں سے ایک کے لئے عذاب قبر پر ایمان ہی کافی ہے۔ اور اسے کیفیت حقیقت کے بیان کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ عقول ایسے مسائل سے عاجز ہیں۔ اور جنت اور جہنم کی تخلیق کی بحث میں مزید گفتگو آرہی ہے۔ وہاں رجوع کر۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

پینسٹھویں بحث

اشراط قیامت سب برحق ہیں اور ان کا ذکر

یہ اس بیان میں ہے کہ قیامت کی تمام شرائط جن کے متعلق شارع نے ہمیں خبر دی ہے برحق ہیں۔ قیام قیامت سے پہلے ان کا واقع ہونا ضروری ہے۔ اور یہ جیسے امام مہدی کا ظہور۔ پھر دجال کا نکلنا۔ پھر نزول عیسیٰ علیہ السلام۔ دابة الارض کا نکلنا۔ مغرب سے سورج کا طلوع۔ قرآن پاک کا اٹھایا جانا۔ یاجوج ماجوج کی دیوار کا کھولا جانا یہاں تک کہ اگر دنیا سے ایک دن کی مقدار وقت باقی رہ جائے یہ سب کچھ ضرور واقع ہو کر رہے گا۔

شیخ تقی الدین بن ابو المنصور اپنے عقیدہ میں فرماتے ہیں کہ یہ تمام نشانیاں اس دن سے آخری صدی میں واقع ہوں گی جس کا رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے ساتھ اس ارشاد کے ساتھ وعدہ فرمایا کہ اگر میری امت درست رہی تو اس کے لئے ایک دن ہے اور اگر بگڑ گئی تو اس کے لئے نصف یوم ہے یعنی رب کے ایام میں سے جن کی طرف اللہ تعالیٰ کے اس قول میں اشارہ کیا گیا و ان یوما عند ربلک کالف سنة مما تعدون (الحج آیت ۴۷۔ اور بیشک ایک دن تیرے رب کے ہاں ایک ہزار سال کی طرح ہے جس حساب سے تم گنتی کرتے ہو)

الف سنة کے متعلق بعض عارفین کی وضاحت

بعض عارفین نے فرمایا ہے کہ ہزار سال کی ابتداء کا شمار حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی وفات سے ہے جو کہ خلفاء راشدین میں سے آخری خلیفہ ہیں۔ کیونکہ یہ مدت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور آپ کی رسالت کے ایام میں سے ہی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے خلفائے اربعہ کے ساتھ شہروں کی اصلاح فرمائی۔ آپ کی مراد یہ ہے کہ ہزار سال کے ساتھ آپ کی شریعت کے سلطان کی قوت ہزار سال کے اختتام تک ہے۔ پھر اس کی ابتدا میں اسے اضمحلال پکڑے گا یہاں تک کہ دین جیسے شروع ہوا تھا غریب ہو جائے گا۔ اور اس اضمحلال کی ابتداء گیارہویں صدی میں تیس سال گزرنے پر ہوگی۔ پس اس وقت حضرت امام مہدی علیہ السلام کے ظہور کا انتظار ہوگا۔

امام مہدی کا تعارف اور آپ کے ظہور کی تفصیل

آپ حضرت امام حسن عسکری کی اولاد سے ہوں گے۔ اور آپ کی ولادت ۲۵۵ھ کے شعبان کی پندرہویں شب میں ہوگی۔ اور باقی رہیں گے حتیٰ کہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام سے ملاقات کریں گے۔ پس آپ کی عمر ہمارے اس وقت تک جو کہ ۹۵۸ھ ہے سات سو چھ سال ہوتی ہے۔ مجھے شیخ حسن عراقی نے اسی طرح بتایا ہے جو کہ مصر محروسہ میں مدفون ہیں۔ جبکہ آپ امام مہدی سے ملے تھے اور اس پر ہمارے شیخ سیدی علی الخواص رحمہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے اتفاق کیا ہے۔

عبارت شیخ محی الدین قدس سرہ امام مہدی علیہ السلام کے بارے میں

اور فتوحات کے ۳۶۶ ویں باب میں شیخ محی الدین کی عبادت یہ ہے: جان لو کہ امام مہدی علیہ السلام کا ظہور لازمی ہے لیکن آپ کا ظہور نہیں ہوگا حتیٰ کہ زمین ظلم و جور سے بھر جائے گی۔ پس آپ اسے انصاف اور عدل سے معمور فرمائیں گے۔ اور اگر دنیا میں سے صرف ایک دن بھی باقی رہ گیا تو اللہ تعالیٰ اس دن کو طویل فرمادے گا حتیٰ کہ آپ خلیفہ مقرر ہوں گے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل سے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد سے ہیں۔ آپ کے جد امجد حضرت امام حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور آپ کے والد حسن عسکری ابن امام علی نقی ابن محمد تقی بن الامام علی الرضا ابن الامام موسیٰ الکاظم ابن الامام جعفر الصادق ابن الامام محمد الباقر ابن الامام زین العابدین علی ابن الامام الحسین ابن الامام علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ کا نام رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پاک کے موافق ہوگا۔ مسلمان رکن اور مقام کے درمیان آپ کی بیعت کریں گے۔ شکل میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ ہیں۔ البتہ خلق میں آپ سے فروتر ہوں گے کیونکہ کوئی بھی اخلاق میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ نہیں ہوسکتا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کا

ارشاد ہے وانک لعلی خلق عظیم(القلم آیت ۴۔اور بے شک آپ عظیم الشان خلق کے مالک ہیں) آپ کی پیشانی کشادہ اور بنی بلند ہوگی۔آپ کی وجہ سے زیادہ سعادت مند اہل کوفہ ہوں گے۔مال برابر برابر تقسیم کریں گے۔رعیت میں عدل کریں گے۔ایک شخص آپ کے پاس آ کر کہے گا: اے مہدی! مجھے کچھ عطا کریں جبکہ آپ کے سامنے مال پڑا ہوگا۔پس آپ دونوں ہاتھوں سے اس کے کپڑے میں اتنا مال ڈالیں گے جس قدر وہ اٹھا سکے۔دین سے کاہلی کے وقت ظاہر ہوں گے۔اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعے شیرازہ بندی فرمائے گا۔ایک شخص ایسی حالت میں شام کرے گا کہ جاہل۔بزدل اور بخیل ہوگا۔پس صبح ہوگی تو عالم، بہادر اور سخی ہوگا۔خوش حالی آپ کے آگے آگے ہوگی۔آپ پانچ سال یا سات سال یا نو سال تک زندگی بسر کریں گے۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار کی پیروی کریں۔خطا نہیں کریں گے۔آپ کے ساتھ فرشتہ ہوگا جو کہ حالات درست رکھے گا۔نظر نہیں آئے گا۔آپ درماندہ کو سہارا دیں گے۔ضعیف کی مدد کریں گے۔جائز حاجات کے پورا کرنے میں ساتھ دیں گے۔وہ کریں گے جو کہیں گے۔وہ کہیں گے جو کریں گے۔آپ کا علم مشاہدہ پر مبنی ہوگا۔اللہ تعالیٰ آپ کو ایک رات میں اصلاح سے نوازے گا۔آپ حضرت اسحاق کی اولاد سے ستر ہزار مسلمانوں کی معیت میں تکبیر کے ساتھ روم کا شہر فتح کریں گے۔آپ مرج عکا میں اللہ تعالیٰ کے دستر خوان معرکہ عظمیٰ میں حاضر ہوں گے۔ظلم اور ظلم والوں کی بیخ کنی فرمائیں گے۔دین قائم فرمائیں گے۔اسلام میں روح پھونکیں گے۔اللہ تعالیٰ اسلام کی زبوں حالی کے بعد آپ کے ذریعے اسے عزت بخشے گا۔اس کی موت کے بعد آپ اسے زندہ فرمائیں گے۔جزیہ ساقط کریں گے۔اللہ تعالیٰ کی طرف تلوار کے ساتھ دعوت دیں گے۔پس جس نے انکار کیا اسے قتل کریں گے۔آپ سے جھگڑا کرنے والا ذلیل ہوگا۔دین کو اس کی اصل صورت میں ظاہر کریں گے حتیٰ کہ اگر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیات ظاہری میں ہوتے تو اسی کا حکم دیتے۔پس آپ کے دور میں باقی نہیں رہے گا مگر وہی دین جو کہ رائے سے بری ہوگا۔آپ اس کے اکثر احکام میں مذاہب علماء سے اختلاف کریں گے۔بس وہ اس بنا پر آپ سے منقبض ہوں گے کیونکہ انہیں گمان ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے ان کے ائمہ کے بعد کوئی مجتہد پیدا کرنا باقی نہیں ہے۔اور شیخ نے ان کے ساتھ آپ کے طویل واقعات ذکر کئے۔

امام مہدی کے متعلق شیخ اکبر کی دیگر وضاحتیں

پھر شیخ نے فرمایا: جان لے کہ امام مہدی جب ظاہر ہوں گے تو عوام وخواص تمام مسلمان خوش ہوں گے۔اور آپ کے ساتھ رجال اللہ ہوں گے جو آپ کی دعوت قائم رکھیں گے۔آپ کی مدد کریں گے۔یہ حضرات آپ کے وزیر ہوں گے۔مملکت کے بوجھ برداشت کریں گے۔اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو ذمہ داریاں سونپی ہیں ان میں آپ کی مدد کریں گے۔حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام آپ پر دمشق شرقی کے سفید مینار پر دو فرشتوں کے پروں پر تکیہ کئے نازل ہوں گے۔ایک فرشتہ آپ کے دائیں جانب اور دوسرا بائیں جانب ہوگا جبکہ لوگ نماز عصر میں مصروف ہوں گے۔پس امام آپ کے لئے اپنی جگہ چھوڑ دے گا پس آپ آگے ہو کر لوگوں کو نماز پڑھائیں گے۔آپ لوگوں کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق حکم دیں گے۔صلیب توڑیں گے۔خنزیر قتل کریں گے۔اور اللہ تعالیٰ امام مہدی کو اپنی طرف قبض فرمائے گا پاک صاف۔اور آپ کے دور میں سفیانی دمشق کی وادی میں درخت کے پاس قتل کیا جائے گا۔
اور اس کا لشکر سرزمین بیداء میں غرق کیا جائے گا۔تو اس لشکر میں سے جو مجبور ہوگا اس کا حشر اس کی نیت پر ہوگا۔اور تمہارے پاس

آپ کا زمانہ آ چکا ہے۔اور آپ کا وقت تم پر سایہ فگن ہو چکا اور گزشتہ تین صدیوں کے ساتھ لاحق چوتھی صدی میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی صدی ظاہر ہو چکی اور صحابہ کرام کا زمانہ ہے پھر وہ جو اس کے ساتھ ملحق ہے پھر وہ جو دوسرے سے ملتا ہے۔ پھر ان دونوں کے درمیان فترات آئیں۔ کئی امور ظاہر ہوئے۔ خواہشات پھیلیں۔ خون بہائے گئے۔ پس آپ چھپ گئے حتیٰ کہ وہ وقت آ جائے جس کا وعدہ کیا گیا۔ تو آپ کے شہداء بہترین شہداء اور آپ کے امین امناء میں افضل ہیں۔

امام مہدی کے وزراء

شیخ محی الدین فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے ایک گروہ بطور وزراء مقرر فرمایا جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے مخفی غیب میں چھپا رکھا ہے۔ انہیں کشف و شہود کے ساتھ حقائق پر اور اپنے بندوں میں اپنے امر پر مطلع فرمایا ہے۔ اور یہ حضرات صحابہ کرام میں سے ان رجال کے قدموں پر ہیں جو اللہ تعالیٰ سے کئے گئے معاہدوں پر سچائی سے قائم رہے۔ اور وہ عجمی ہیں۔ ان میں عربی کوئی نہیں۔ لیکن کلام صرف عربی میں ہی کرتے ہیں۔ ان کا محافظ ان کی جنس کے غیر سے ہے جس نے کبھی بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کی۔ اور یہ وزراء میں سے نہایت خصوصیت والہ ہے۔

اور جان لے کہ مہدی کبھی بھی اپنی رائے کے ساتھ کچھ نہیں کرتے۔ ان وزراء سے مشورہ کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ حضرات ہی وہاں کے حالات کو پہنچانتے ہیں۔ البتہ امام مہدی علیہ السلام فی نفسہ صاحب سیف حق و سیاست ہیں۔ اور ان وزراء کی شان یہ ہے کہ ان میں سے کوئی بھی جنگ میں شکست نہیں کھاتا۔ بلکہ ثابت قدم رہتا ہے حتیٰ کہ مدد کیا جائے یا شکست کے بغیر واپس آ جائے۔ کیا تو انہیں دیکھتا نہیں کہ روم کا شہر تکبیر کے ساتھ فتح کریں گے۔ پس پہلی تکبیر کہیں گے تو اس کی دیوار کا ایک تہائی گر جائے گا۔ اور دوسری تکبیر پر دوسرا تہائی گر جائے گا۔ اور تیسری تکبیر کہیں گے تو تیسرا حصہ بھی گر جائے گا۔ پس اسے تلوار کے بغیر فتح کر لیں گے۔ اور یہ عین صدق ہے۔ جو کہ وہ اور مدد دو بھائی ہیں۔ شیخ نے فرمایا: اور یہ وزراء دس سے کم اور پانچ سے اوپر ہیں کیونکہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے خلیفہ رہنے کی مدت پانچ سے لے کر نو تک مقرر نہیں فرمائی جیسے کہ آپ کے وزراء کے بارے میں تعین نہیں فرمایا۔ پس ہر وزیر کے لئے آپ کے ساتھ ایک سال کی اقامت ہے۔ پس اگر پانچ ہوئے تو آپ پانچ سال رہیں گے۔ اگر سات ہیں تو سات سال رہیں گے اور اگر نو ہیں تو نو سال رہیں گے۔ اور ان میں سے ہر سال کے لئے مخصوص حوادث اور علم ہے جس کے ساتھ وہ وزیر مختص ہے۔ پس وہ پانچ سے کم ہیں نہ نو سے زاید۔ شیخ نے فرمایا: اور یہ ایک کے سوا تمام دسترخوان الٰہی میں مرج عکا میں قتل ہو جائیں گے جسے اللہ تعالیٰ نے درندوں پرندوں اور حشرات الارض کے لئے بطور دسترخوان مقرر فرمایا ہے۔ اور وہ ایک جو باقی رہے گا مجھے معلوم نہیں کہ وہ ان میں سے ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول میں مستثنیٰ فرمایا ہے **و نفخ فی الصور فصعق من فی السموات و من فی الارض الا من شاء الله** (الزمر آیت ۶۸۔ اور صور پھونکا جائے گا پس غش کھا کر گر پڑے گا جو کوئی آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے سوائے ان کے جنہیں اللہ چاہے گا) یا وہ اس نفخہ میں فوت ہو جائے گا۔

مدت اقامت امامت میں شک کی وجہ

شیخ محی الدین قدس سرہ فرماتے ہیں کہ امام مہدی کے دنیا میں امام رہنے کی مدت میں میں نے شک کی اور اس بارے میں قطعی طور پر

کسی چیز کا فیصلہ نہیں کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے ازرہ ادب تحقیق کا مطالبہ نہیں کہ میں اپنی طرف سے اس سے متعلق اس سے سوال کروں۔ شیخ نے فرمایا: جب میں نے اس کی بارگاہ میں اس ادب کو سلوک کیا تو اللہ تعالیٰ نے اہل اللہ میں سے ایک کو مقرر فرمایا پس وہ میرے پاس آیا اور اس نے ابتداءً ان وزراء کی تعداد ذکر فرمائی اور مجھے کہا: نو روزے رکھو۔ پس میں نے اس سے کہا: اگر نو ہیں تو مہدی کی بقالازماً نو سال ہوگی۔ کیونکہ مجھے اس کا علم ہے جس کی ان کے وزیر کو ضرورت ہے۔ پس اگر ایک ہو تو اس ایک میں وہ سب کچھ جمع ہو جائے گا جس کی ان کے وزراء کو ضرورت ہے۔ اور اگر ایک سے زاید ہوں تو نو سے زاید نہیں ہیں کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول خمساً اوسبعاً اوتسعاً میں گنتی یہیں تک پہنچی۔ یعنی مہدی کے قائم رہنے کے متعلق۔ اور یہ اپنے خاص اصحاب کو حوصلہ دلانے کے لئے ہے تا کہ علم طلب کریں اور تقلید پر قناعت نہ کریں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **ما یعلمھم الاقلیل**۔ انہیں تھوڑے لوگ ہی جانتے ہیں۔ پس سمجھ لے۔

ضروریات وزراء مہدی

شیخ نے فرمایا: مہدی کے وزراء کو اپنے قیام میں جن تمام امور کی ضرورت ہے نو ہیں۔ ان کا دسواں نہیں۔ اور اس سے کم بھی نہیں۔ اور وہ نگاہ کی تاثیر۔ القاء کے وقت خطاب الٰہی کی معرفت۔ اللہ تعالیٰ سے ترجمہ کا علم۔ حکام کے مراتب کی تعیین کا علم، غضب کے وقت رحمت کا علم، ملک کے لئے ارزاق محسوسہ وغیرہ ضروریات کا علم۔ بعض امور کے بعض پر باہم داخل ہونے کا علم۔ لوگوں کی ضروریات پورا کرنے میں مبالغہ اور حد انتہا تک کوشش اور اس علم غیب کا علم جس کی خصوصاً اس کے دور میں کائنات میں ضرورت ہے۔ پس یہ نو امور ہیں جن کا وزراء مہدی میں ایک ساتھ ہونا ضروری ہے۔ پس شیخ نے ان امور کی شرح کے بارے میں تقریباً دس اوراق میں کثیر وطویل کلام فرمایا۔ پھر فرماتے ہیں: جان لے کہ قرب قیامت کی شرائط میں سے امام مہدی علیہ السلام کا ظہور ہے۔

دجال کا نکلنا

اسی طرح دجال کا خروج۔ پس وہ فتنوں کے مقام زمین شرق سے خراسان سے نکلے گا۔ ترک اور یہود اس کی پیروی کریں گے اور اکیلے اصفہان سے اس کی طرف ستر ہزار افراد سبز جبے پہنے ہوئے نکلیں گے۔ اور وہ ادھیڑ عمر اور دائیں آنکھ سے کانا ہوگا گویا اس کی آنکھ ابھرا ہوا انگور کا دانہ ہے۔ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان لفظ ''کافر'' لکھا ہوگا۔ شیخ محی الدین فرماتے ہیں: نہیں معلوم کہ اس ہجو سے مراد کَفَرَ ہے جو کہ افعال ماضی سے ہے یا 'کفر' اسماء سے ہے مگر اس سے الف اسی طرح حذف کیا گیا جس طرح عربوں نے مصحف کی تحریر میں کئی جگہ محذوف کیا ہے جیسے الرحمٰن کا الف جو کہ م اور ان کے درمیان ہے۔

حکم مہدی کی کیفیت

اگر تو کہے کہ جب امام مہدی ظاہر ہو گئے تو ان کے فیصلے کی صورت کیا ہوگی کیا نصوص کے ساتھ فیصلہ کریں گے یا اجتہاد کے ساتھ یا دونوں کے ساتھ؟ پس جس طرح کہ شیخ محی الدین نے فرمایا ہے آپ شریعت کے مطابق فیصلہ کریں گے جس کا آپ کی طرف فرشتہ الہام القاء کرے گا۔ اور وہ یوں کہ آپ کو شرع محمدی کا الہام ہوگا۔ پس آپ اس کے ساتھ فیصلہ فرمائیں گے جس طرح کہ حدیث مہدی کا اس طرف اشارہ ہے۔ کہ وہ میرے اثر کی پیروی کرے گا۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں پہچان کرائی ہے آپ متبع ہوں گے نہ کہ

مبتدع۔ اور یہ کہ آپ اپنے حکم میں معصوم ہوں گے کیونکہ معصوم فی الحکم کا صرف اور صرف یہی معنی ہے کہ آپ خطا نہیں کریں گے۔ اور سول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم منی برخطا نہیں ہوسکتا کیونکہ آپ اپنی خواہش سے نہیں بولتے وہ تو صرف وحی جو کہ آپ کی طرف القاء کی جاتی ہے۔ جبکہ آپ نے مہدی کے متعلق خبر دی ہے کہ وہ خطا نہیں کریں گے اور اس حکم میں آپ نے اسے انبیاء کے ساتھ ملحق فرمایا۔

شیخ نے فرمایا: پس معلوم ہوا کہ مہدی کے لئے ان نصوص کے ہوتے ہوئے جو انہیں اللہ تعالیٰ فرشتہ الہام کی زبان پر عطا فرمائے گا قیاس حرام ہوگا۔ بلکہ بعض محققین نے تمام اہل اللہ پر قیاس حرام قرار دیا ہے کیونکہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ پس جب انہیں کسی حدیث یا حکم کی صحت میں شک ہو تو وہ اس کے متعلق آپ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ پس آپ انہیں بیداری کی حالت میں بالمشافہ حقیقت امر کی خبر دیتے ہیں۔ اور اس مقام مشاہدہ والے کو ائمہ میں سے کسی کی تقلید کی ضرورت نہیں ہوتی سوائے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد **قل هذه سبيلى ادعوا الى الله على بصيرة انا ومن اتبعنى** (یوسف آیت ۱۰۸۔ آپ فرما دیجئے یہ میرا راستہ ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہوں۔ واضح دلیل پر ہوں میں اور جو میری پیروی کرتے ہیں) اور اس میں طویل کلام فرمایا: پھر فرماتے ہیں: پس امام مہدی کے لئے بھی حق تعالیٰ کی جانب سے ان حالات پر ان کے معرض وجود میں آنے سے پہلے اطلاع ہے جنہیں اللہ تعالیٰ پیدا کرنے کا ارادہ فرماتا ہے۔ تاکہ آپ ان کے وقوع سے پہلے اس کے لئے تیار رہیں۔ پس اگر ایسے حالات ہوں جن میں رعیت کے لئے منفعت ہو تو اللہ تعالیٰ کا شکر کریں اور اس سے خاموشی اختیار کریں۔ اور اگر ایسے حالات ہوں جن میں بلاء عام کے نزول کی وجہ سے یا معین افراد پر عذاب ہو تو اللہ تعالیٰ کے حضور ان کے متعلق دعا کریں۔ شفاعت کریں اور اس کی بارگاہ میں زاری کریں پس اللہ تعالیٰ اپنے فضل اور اپنی رحمت سے وہ بلاء ان سے پھیر دے۔ اور آپ کی دعاء اور التجاء کو قبول فرمائے۔ (**اقول و بالله التوفیق**۔ بلاشبہ شیخ اکبر قدس سرہ اکابر اسلام اور ان صلحاء امت میں سے ہیں جو کہ بارگاہ رب العزت سے انعام یافتہ ہیں۔ اور سورۂ فاتحہ میں انہیں انعام یافتہ حضرات کی راہ کی ہدایت طلب کی جاتی ہے اور اسکی دعا کی منجانب اللہ تلقین فرمائی گئی ہے۔ اور آپ نے حضرت امام مہدی علیہ السلام کے لئے وقائع وحوادث کے رونما ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم عطا کئے جانے کا قول فرمایا ہے اور اس کی وجہ بھی بیان فرمائی کہ بلیات و آفات کے نزول کی صورت میں آپ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بارگاہ میں التجاء، دعا کریں اور یوں ان کی دعا کی بدولت خلق خدا سے یہ آفات ٹل جائیں۔ اسی کو مشکل کشائی کہتے ہیں اور یہی حاجت روائی ہے۔ اور یہی غیب ہے جس کا برصغیر کے بعض محرومان توفیق نے صرف انکار ہی نہیں کیا بلکہ اسے بڑی ڈھٹائی سے شرک میں دھکیل دیا۔ اور اس طرح تمام صلحائے امت اور اکابر اسلام کو معاذ اللہ اس شرک سے آلودہ کرنے کی ناپاک سازش کی جس کی آلودگی سے امت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بچانے کے لئے یہ حضرات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت اور غلامی کی صورت میں پیدا کئے گئے۔ بزعم باطل اگر یہ حضرات معاذ اللہ شرک میں گرفتار ہو گئے تو کیا نماز میں مشرکین کی راہ کی ہدایت مانگتے ہو۔ اور ایسے لوگ انعام یافتہ ہو سکتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ اس فتنۂ فاجعہ سے بچائے۔ اور یہ صفت تو حضور علیہ السلام کے ان غلاموں کی ہے تو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب اور مشکل کشائی اور حاجت روائی کا کیا کہنا جن کے وسیلے سے ان حضرات کو یہ منصب بلند حاصل ہوا۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ)

اگر تو کہے کہ جب اللہ تعالیٰ ان پر کسی بڑی مصیبت کے متعلق حکم مخفی رکھے تو وہ کیا کریں گے؟ تو جواب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ پر کسی مصیبت عظمیٰ میں حکم مخفی رکھا اور آپ کے لئے اس کا تعارف اور کشف واقع نہ ہوا تو اسے حکم بالمباحات کے ساتھ لاحق کر دے

گا۔ پس تعارف کے بعد انہیں معلوم ہو جائے گا کہ یہ اس میں حکم شرع ہے۔ کیونکہ وہ دین میں قیاس اور رائے سے معصوم ہیں۔ کیونکہ جو نبی نہیں اس کی طرف سے قیاس اللہ تعالیٰ پر اس کے دین کے بارے میں وہ حکم ہے جو اس کے علم میں نہیں۔ کیونکہ اس نے علت کا تتبع کیا۔ اور بندے کو کیا پتہ۔ ہو سکتا اللہ تعالیٰ اس علت کے تتبع کا ارادہ نہیں فرماتا۔ اور اگر اس نے اس کا ارادہ فرمایا ہوتا تو اسے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر بیان فرما دیتا۔ اور اس کے تتبع کو بیان فرمایا ہوتا۔ اور یہاں طویل کلام فرمایا۔

پھر شیخ نے فرمایا: اور جان لے کہ یہ بات نہیں پہنچی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد کے ائمہ میں کسی کے متعلق نص فرمائی ہو کہ وہ آپ کے نشان کی پیروی کرے گا خطا نہیں کرے گا۔ سوائے خصوصاً حضرت امام مہدی کے۔ پس آپ نے اس کی خلافت اور احکام میں اس کی عصمت کی گواہی دی ہے۔ جس طرح کہ دلیل عقلی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کے مشروع کے بارے میں عصمت کی گواہی دیتی ہے جو آپ کے پاس اس کے بندوں کے متعلق پہنچتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وصال کا وقت اور کیفیت

اگر تو کہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا تو آپ کب فوت ہوں گے اور کیسے فوت ہوں گے؟ تو جس طرح کہ شیخ نے ۳۶۹ ویں میں فرمایا ہے جواب یہ ہے کہ آپ اس وقت فوت ہوں گے جب دجال کو قتل کریں گے۔ اور یہ اس طرح کہ آپ اور آپ کے ساتھی ایک لحہ میں فوت ہو جائیں گے۔ پس ان کے پاس خوشبودار ہوا آئے گی جو انہیں ان کی بغلوں کے نیچے سے حاصل ہوگی۔ اس کی ایسی لذت پائیں گے جس طرح کہ نسیم سحری کی وجہ وہ سونے والا لذت محسوس کرتا ہے جسے بیداری نے چور کر رکھا ہو۔ اس ہوا کو عسیلۃ اس کی حلاوت کی وجہ سے کہتے ہیں پس وہ موت کی ایسی لذت پائیں گے جس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ پھر ان کے بعد سیلاب کے پانی کی سطح پر خش وخاشاک جیسے، جانوروں کے مشابہہ گھٹیا قسم کے لوگ رہ جائیں گے۔ پس انہیں پر قیامت قائم ہوگی۔ انتہی

سورج کا مغرب سے طلوع ہونا

رہا سورج کا مغرب سے طلوع ہونا تو یہ حدیث صحیح میں مرفوعاً وارد ہے کہ قیامت قائم نہیں ہوگی حتیٰ کہ سورج اپنے مغرب سے طلوع ہوگا۔ تو جب طلوع ہوا اور لوگوں نے اسے دیکھ لیا تو سب کے سب ایمان لے آئیں گے جبکہ کسی جان کو اس کا ایمان نفع نہیں دے گا جس نے اس سے پہلے ایمان قبول نہیں کیا ہوگا۔ اور سورج کا اپنے مغرب سے طلوع ہونا عقلی طور پر جائز ہے۔ کوئی محال نہیں۔ پس بیشک اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے۔ اور اس کی قدرت کی نسبت سے جہتیں برابر ہیں۔ اور اسی کے متعلق نمرود کا رد فرمایا جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس سے فرمایا **فان الله یاتی بالشمس من المشرق فات بهامن المغرب فبهت الذی کفر** (البقرۃ آیت ۲۵۸۔ بیشک اللہ تعالیٰ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو اسے مغرب سے لا۔ پس کافر مبہوت ہو کر رہ گیا)

شیخ ابو طاہر قزوینی فرماتے ہیں کہ اصحاب ہیئت اور نجومی اس کے مغرب سے طلوع ہونے کو محال سمجھتے ہیں۔ تو انہیں کہا جائے: کیا اللہ تعالیٰ نے عادت جاری نہیں فرمائی کہ چکی اور رہٹ جو کہ گھومتے ہیں جب ان کا دور پورا ہوتا ہے تو الٹے لوٹتے ہیں۔ پھر رک جاتے ہیں۔ پس تم کس طرح اس کا انکار کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ سورج کی گردشیں ختم ہونے پر اس کی گردش کو الٹا پھیرے گا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **والشمس تجری لمستقر لها** (یٰس آیت ۳۸۔ اور سورج اپنے ٹھکانے کی طرف چلتا رہتا ہے) اور مستقر مصدر ہے بمعنی استقرار۔

اور لام بمعنی الی ہے۔ جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا بان ربک اوحی لھا (الزلزال آیت ۵ کیونکہ آپ کے رب نے اس کی طرف حکم بھیجا ہے) یعنی الیہا۔ یعنی اس کی طرف۔ شیخ قزوینی فرماتے ہیں: اور سورج کے آسمان کے وسط میں رک جانے کے وقت آسمان پھٹ جائیں گے اور ستارے بکھر جائیں گے۔ اور ایک جاری ضرب المثل میں کہتے ہیں کہ رہٹ جب بے کار ہو جائے تو ٹوٹ جاتا ہے اور وہاں سورج اور چاند آسمان کے وسط میں دو مینڈھوں کی طرح ظاہر ہوں گے۔ اور ایک روایت کے مطابق دو سیاہ بیلوں کی طرح پس جب آسمان کے وسط کی طرف طلوع ہوں گے تو مغرب کی طرف اترتے ہوئے لوٹیں گے۔ نہ یہ کہ وہ مشرق میں غروب ہوں گے جس طرح کہ بعض کو وہم ہوا ہے۔ اور حدیث پاک میں ہے کہ یہ دونوں مغرب سے طلوع ہوں گے دو مینڈھوں کی طرح لپٹے ہوئے۔ پس سورج کے لئے روشنی ہوگی اور نہ چاند کے لئے نور۔ اور سورج کے مغرب سے طلوع ہونے سے نفخ صور تک اس مدت سے کم وقت ہوگا کہ گھوڑے کا بچہ پیدا ہونے کے بعد سواری کے قابل ہو جائے۔

اگر کہا جائے کہ حدیث پاک میں وارد ہے کہ یہ دونوں اس دن مشرق سے نفخ صور تک طلوع ہوں گے۔ تو جواب یہ ہے کہ اس طلوع کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ وہ وقوف اور انتہاء کے لئے طلوع اضطراب ہے نہ کہ ان کا حساب کے ساتھ معمول کا طلوع ہونا۔ اور ہر گردش کرنے والی چیز کا جب اس کا دور انتہاء تک پہنچ جائے یہی حال ہوتا ہے۔ کبھی برعکس ہوتی ہے اور کبھی لوٹتی ہے۔ پھر رک جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا مخلوق کے متعلق یہی دستور ہے اور تو اللہ تعالیٰ کے دستور کو کبھی بھی بدلتا نہیں پائے گا۔ اور ایمان کی بحث پہلے گزر چکا ہے کہ سورج جب اپنے مغرب سے طلوع ہوگا تو توبہ کا دروازہ بند کر دیا جائے گا۔ پس جو مسلمان ہوگا اس کے قلب میں اس کے بعد کفر داخل نہیں ہوگا۔ اور جو کافر ہوگا تو اس کے قلب میں اس کے بعد ایمان داخل نہیں ہوگا۔ پس ادھر رجوع کر۔

نزول عیسیٰ علیہ السلام کی قرآنی دلیل

اگر کہا جائے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے نزول پر قرآن کریم سے کیا دلیل ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ آپ کے نزول پر اللہ تعالیٰ کا یہ قول دلیل ہے **وان من اہل الکتاب الا لیومنن بہ قبل موتہ** (النساء آیت ۱۵۹۔ اور اہل کتاب میں سے کوئی ایسا نہیں ہوگا مگر وہ عیسیٰ علیہ السلام پر ان کی وفات سے پہلے ضرور ایمان لائے گا) یعنی جب آپ کا نزول ہوگا اور وہ آپ کے پاس جمع ہوں گے۔ جبکہ معتزلہ۔ فلاسفہ، یہود اور نصاریٰ نے آپ کے آسمان کی طرف جسمانی عروج کا انکار کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا ہے **وانہ لعلم للساعۃ یعنی** لام اور عین کے فتح کے ساتھ اور انہ کی ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **ولما ضرب ابن مریم مثلاً** (الزخرف آیت ۵۷ اور جب ابن مریم کی مثال بیان کی جاتی ہے) اور اس کا معنی یہ ہے کہ آپ کا نزول قیامت کی علامت ہے۔ اور حدیث پاک میں دجال کے واقعہ کے بیان میں ہے کہ لوگ نماز میں مصروف ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ مسیح ابن مریم کو بھیجے گا پس آپ شرقی دمشق کے سفید مینار کے پاس نازل ہوں گے۔ دو زرد حلے زیب تن فرمائے ہوئے۔ دو فرشتوں کے پروں پر ہاتھ رکھے ہوئے ہوں گے۔ پس کتاب و سنت کے ساتھ آپ کا نزول ثابت ہوا۔ اور نصاریٰ کا گمان ہے آپ کا ناسوت سولی پر چڑھایا گیا اور آپ کا لاہوت اوپر اٹھایا گیا اور حق یہ ہے کہ آپ بجسدہ آسمان پر اٹھائے گئے۔ اور اس پر ایمان واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ بل رفعہ اللہ الیہ (النساء آیت ۱۵۸۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی طرف اٹھالیا)

ابو طاہر قزوینی فرماتے ہیں: اور جان لو کہ آپ کے رفع و نزول کی کیفیت اور نزول کے وقت پر کھائے پیئے بغیر آسمان میں ٹھہرے رہنے کی کیفیت وہ امور ہیں جن کے ادراک سے عقل قاصر ہے۔ اور ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کی قدرت کی وسعت کے پیش نظر سر جھکا کر ایمان لائے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ اور آپ نے فلاسفہ وغیرہ کے انکار رفع کے متعلق شبہات کا طویل ذکر فرمایا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے استغناء عن الطعام و الشراب کی وضاحت

اگر کہا جائے کہ آپ کی مدت رفع میں کھانے پینے سے مستغنی ہونے کے متعلق کیا جواب ہوگا جبکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **وما جعلنا هم جسدا لا ياكلون الطعام** (الانبیاء آیت ۸۔ اور ہم نے ان انبیاء کے جسم ایسے نہ بنائے کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں) تو جواب یہ ہے کہ طعام صرف اس کے لئے خوراک بنایا گیا جو زمین میں رہتا ہے۔ کیونکہ اس پر گرم و سرد ہوا مسلط ہے۔ پس اس کا بدن کمزور ہو جاتا ہے تو جب کمزور ہوتا ہے تو اس کے عوض اللہ تعالیٰ اسے غذا عطا فرماتا ہے تاکہ اس خاکدان عالم میں اس کی عادت جاری رہے۔ اور جسے اللہ تعالیٰ آسمان کی طرف اٹھا لے تو بیشک اس پر اپنی قدرت کے ساتھ لطف فرماتا ہے۔ اور اسے کھانے پینے سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ جس طرح کہ اس نے ملائکہ کو ان سے بے نیاز کر رکھا ہے۔ پس اس وقت اس کا کھانا تسبیح اور پینا تہلیل ہوتا ہے۔ جس طرح کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ میں اپنے رب کے ہاں رات بسر کرتا ہوں وہ مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔ اور حدیث مرفوع میں ہے کہ دجال کے سامنے تین سال ہیں۔ ایک سال میں آسمان اپنی بارش اور زمین اپنی نباتات کا ایک تہائی روک لے گی۔ اور دوسرے سال میں آسمان اپنی بارش کا ایک تہائی اور زمین نباتات کا ایک تہائی روک لے گی۔ اور تیسرے سال میں آسمان اپنی ساری بارش روک لے گا۔ پس اسماء بنت زید نے عرض کی: یا رسول اللہ! ہم اپنا آٹا گوندھتے ہیں تو اسے پکاتے نہیں حتی کہ ہمیں بھوک لگ جائے۔ تو اس وقت ایمان والوں کی کیفیت کیا ہوگی۔ فرمایا: انہیں وہی تسبیح و تقدیس کافی ہوگی جو کہ آسمان والوں کو کفالت کرتی ہے۔

شیخ ابو طاہر فرماتے ہیں کہ ہم نے خلیفۃ الخراط نامی ایک شخص کو دیکھا ہے جو کہ بلاد مشرق سے ابہر میں مقیم تھا جس نے تیئس سال تک کچھ نہ کھایا۔ اور کسی کمزوری کے بغیر رات دن اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا۔ تو جب تجھے معلوم ہوا تو کوئی بعید نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خوراک تسبیح و تہلیل ہو۔ **واللہ اعلم بجميع ذالك**

خروج دابہ

اور رہا دابہ کا خروج جسے جساسہ کہا جاتا ہے تو شیخ محی الدین نے ۳۵۷ ویں باب میں اللہ تعالیٰ کے قول **اخرجنا لهم دابة من الارض تكلمهم** (النمل آیت ۸۲ ہم ان کے لئے ایک چوپایہ نکالیں گے جو ان سے گفتگو کرے گا) کے متعلق یہ ذکر کیا ہے: جان لو کہ یہ چوپایہ اجناد سے نکلے گا اور اس کے جسم پر بہت زیادہ بال ہوں گے۔ اس کے آگے کے مقام کا اس کے پیچھے کے مقام سے امتیاز نہیں ہوگا۔ پس یہ شرق و غرب۔ بر و بحر اور جنوب و شمال میں لوگوں کے چہروں میں پھونک مارے گا۔ پس اس کی پھونک سے ہر شخص کی پیشانی میں ایمان اور کفر سے وہی کچھ رقم ہو جائے گا جس پر وہ علم الٰہی میں ہے۔ پس جس کا نشان ایمان والا ہوگا وہ نشان کفر والے سے کہے گا: اے کافر! مجھے فلاں فلاں چیز دو۔ وہ اس نام سے غضبناک ہوگا۔ کیونکہ اسے معلوم ہوگا کہ یہ اس کی پیشانی میں ایسا نوشتہ ہے جسے مٹانا اس کے لئے ممکن نہیں۔ پس کافر مومن سے اس کا مطالبہ پورا کرنے میں ہاں یا نہ کہے گا۔ پس چوپایہ کی طرف منسوب کلام میں عموم نہیں سوائے اس نشان کے جو اس نے اپنے نفخ سے چہروں پر لگایا۔ اور اگر اس کے لئے کلام ہوا باوجودیکہ اسے تمام زبانوں والوں کی ہم نشینی عطا فرمائے گا

تو وہ اس کی زبان میں لغات کے اختلاف کے مطابق کلام کرے گا عربی ہو عجمی۔ اور صحیح مسلم میں اس کی حدیث دجال کی حدیث میں وراد ہوئی ہے جہاں دابۃ الارض نے تمیم الداری کو دجال پر دلالت کی اور اس نے کہا کہ وہ یعنی دجال تیری بات کا بہت شوق رکھتا ہے۔ (اقول و **بالله التوفيق**۔ حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کے لئے **وابۃ الارض کی دلالت علی الدجال** کے واقعہ کا استفادہ کے لئے صرف ترجمہ نقل کرنے کا شرف حاصل کرتا ہوں۔ چنانچہ صحیح مسلم حصہ دوم ص ۴۰۴ پر مروی کہ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے پر دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علاوہ میں بھی حاضر ہوئی آپ نے نماز سے فراغت کے بعد منبر پر جلوہ افروز ہو کر مسکراتے ہوئے فرمایا اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہو۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں نے تمہیں کس لئے جمع کیا ہے؟ سب نے عرض کی: **الله ورسوله اعلم**۔ فرمایا: واللہ میں نے تمہیں رغبت یا خوف کے لئے نہیں جمع کیا۔ لیکن میں نے تمہیں اس لئے جمع کیا ہے کہ تمیم الداری نصرانی تھا۔ پس اس نے میرے پاس آ کر شرف بیعت حاصل کیا۔ اور اسلام قبول کیا۔ اور اس نے مجھے ایک واقعہ بیان کیا جو کہ بالکل اس کے موافق تھا جو کہ میں نے تمہیں مسیح الدجال کے متعلق بیان کیا تھا۔ اس نے مجھ سے بیان کیا کہ وہ لخم اور جذام قبیلے کے تیس آدمیوں سمیت ایک سمندری سفینے میں سوار ہوا۔ سمندری موجوں نے انہیں ایک ماہ تک سمندر میں روکے رکھا۔ پھر انہوں نے غروب شمس کے وقت ایک سمندری جزیرے میں پناہ لی۔ پس وہ ایک چھوٹی سی کشتی میں بیٹھ کر جزیرے میں داخل ہوئے تو انہیں ایک چوپایہ ملا جس کے جسم پر اس قدر بال تھے کہ اس کی اگلی پچھلی سمت کا پتہ نہیں چلتا تھا۔ لوگوں نے اس سے پوچھا تو کیا ہے؟ اس نے کہا میں جساسہ ہوں۔ انہوں نے کہا جساسہ کیا ہے؟ اس نے کہا: اے قوم اس شخص کے پاس جاؤ جو کہ گرجے میں ہے۔ اسے تمہاری خبر کا بہت شوق ہے۔ تمیم داری نے کہا کہ جب اس نے ہمیں ایک شخص کا ذکر کیا تو ہمیں اس سے خوف ہوا کہ کہیں یہ شیطان ہو۔ ہم جلدی جلدی چلے حتیٰ کہ گرجے میں داخل ہوئے تو وہاں ہم نے اپنی زندگی میں جسم کے اعتبار سے بہت بڑا انسان دیکھا اس کے دونوں ہاتھ گردن کی طرف اس کے گھٹنوں کے درمیان اس کے ٹخنوں کی طرف لوہے کے ساتھ جکڑے ہوئے ہیں۔ ہم نے اس سے کہا: تو کیا چیز ہے؟ اس نے کہا تمہیں میری خبر پر رسائی حاصل ہو گئی۔ تم مجھے اپنی خبر دو کہ تم کیا ہو۔

ہم نے کہا کہ ہم عرب ہیں اور اس سے گزشتہ سارا ماجرا اور چوپائے کا ہمیں اس تک بھیجنا بیان کیا۔ پس اس نے ہم سے کہا کہ مجھے بیسان کے کھجوروں کے درختوں کے متعلق بتاؤ۔ ہم نے کہا کہ نخلستان بیسان کے متعلق تو کیا پوچھنا چاہتا ہے۔ کہنے لگا کہ کیا انہیں پھل لگتا ہے؟ ہم نے کہا: ہاں! کہنے لگا مگر قریب ہے کہ انہیں پھل نہ لگے۔ مجھے بحیرہ طبریہ کے متعلق خبر دو۔ ہم نے کہا اس کے متعلق تو کیا پوچھنا چاہتا ہے؟ کہا: کیا اس میں پانی ہے؟ لوگوں نے کہا: اس میں بہت پانی ہے۔ کہنے لگا قریب ہے اس کا پانی ختم ہو جائے۔ مجھے عین زغر (جو کہ شام کا ایک شہر ہے) کے متعلق کچھ بتاؤ۔ لوگوں نے کہا کہ اس کے متعلق کیا پوچھنا چاہتا ہے؟ کہا کیا چشموں میں پانی ہے اور وہاں کے لوگ چشموں کے پانی کے ساتھ کھیتی باڑی کرتے ہیں؟ ہم نے کہا: چشموں میں کافی پانی ہے اور لوگ ان کے ساتھ کھیتی باڑی کرتے ہیں۔ کہنے لگا امیین کے نبی کے متعلق کچھ بتاؤ کہ کیا صورت حال ہے؟ لوگوں نے کہا کہ اس کا ظہور مکہ سے ہو چکا ہے اور وہ یثرب (مدینہ عالیہ کا دور جاہلیت کا نام ہے) میں فروکش ہے۔ کہا: کیا عربوں نے اس سے جنگ کی ہے؟ ہم نے کہا: ہاں! کہنے لگا: پھر اس نے عربوں سے کیا سلوک کیا ہے؟ پس ہم نے اسے بتایا کہ وہ مضافات کے عربوں پر غالب آ چکا ہے اور انہون نے اس کی طاعت قبول کر لی ہے۔ کہنے لگا: ایسا ہو چکا ہے؟ ہم نے کہا: ہاں! کہا۔ بہر حال یہ ان کے لئے بہتر ہے کہ اس کی اطاعت کریں۔ اب میں تمہیں اپنے متعلق بتاتا ہوں۔

میں مسیح دجال ہوں اور قریب کہ مجھے یہاں سے نکلنے کا اذن مل جائے۔ پس میں نکلوں گا۔ پس میں زمین میں سیر کروں گا۔ پس میں چالیس راتوں میں روئے زمین کی ہر بستی میں داخل ہوں گا سوائے مکہ اور طیبہ کے۔ ان دونوں کا داخلہ مجھ پر حرام ہے۔ جب بھی میں ان میں سے ایک میں داخل ہونے کا ارادہ کروں گا تو میرے سامنے سے ایک فرشتہ شمشیر بکف آئے گا اور مجھے اس سے روک دے گا۔ اور ان کے ہر راستے پر ملائکہ ہوں گے جو اس پر پہرہ دیں گے۔ حضرت فاطمہ بنت قیس فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا عصائے مبارک منبر پر ٹھونکتے ہوئے فرمایا: یہ طیبہ ہے۔ یہ طیبہ ہے۔ یہ طیبہ ہے۔ یعنی مدینہ پاک۔ بتاؤ کیا میں نے تمہیں یہ سب کچھ بیان کیا تھا؟ لوگوں نے عرض کی: جی ہاں! فرمایا: مجھے تمیم داری کے واقعہ نے مسرور کر دیا کہ وہ اس کے عین مطابق ہے جو کہ میں نے تمہیں دجال اور مدینہ و مکہ زادہما اللہ شرفا کے متعلق بیان کیا تھا۔ انتہی

فقیر نے بھی اسی لئے اس روایت کو بتمامہا نقل کر دیا ہے کیونکہ اس سے سرکار علیہ الصلوۃ والسلام کو خوشی حاصل ہوئی کہ آپ نے جو غیب کی خبر دی تھی اس کا تمیم داری نے اسلام لانے سے پہلے امن وعن اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا۔ اور تمیم داری کو یہ واقعہ سنانے کا حکم دینے کی بجائے خود اپنے صحابہ کرام کو اہتمام کے ساتھ بلا کر منبر شریف پر جلوہ گر ہو کر سارا واقعہ سنایا۔ معلوم ہوا کہ محافل منعقد کر کے آپ کے علوم غیبیہ اور کمالات وھبیہ کا بیان آپ کی خوشنودی حاصل کرنے کا کامیاب ذریعہ ہے۔ نیز یہاں ایک اور بھی قابل توجہ نکتہ ہے کہ تمام کتب احادیث ان روایات سے معمور کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سن کر روایت کئے لیکن یہاں خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک صحابی کے بیان کی روایت فرما رہے ہیں۔ چنانچہ امام نووی شارح مسلم فرماتے ہیں **وفیہ روایۃ الفاضل عن المفضول وروایۃ المتبوع عن التابع**۔ اور اس سے کمالات سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کی اہمیت۔ اور بیان کرنے والے خوش نصیبوں کی فضیلت بھی ظاہر ہو رہی ہے **فالحمد علی ذالک حمد اکثیرا الناقل محمد محفوظ الحق غفرلہ، ولوالدیہ)**

اور شیخ محی الدین فرماتے ہیں کہ یہ چوپایہ آج شمالی سمندر کے ایک جزیرے میں ہے۔ اور یہ وہی جزیرہ ہے جس میں دجال ہے۔ اور لوگوں کے چہروں پر اس کی تحریر کو اللہ تعالیٰ نے کلام کا نام اس لئے دیا ہے کہ اس کا وہی فائدہ ہے جو کہ کلام کا ہوتا ہے۔ کیا تو دیکھتا نہیں کہ اہل نظر کا عاقل جب اپنے مافی الضمیر کو تجھ تک پہنچانے کا ارادہ کرے تو اس پہنچانے میں وہ صرف مجموعہ حروف کی عبارت پر اقتصار نہیں کرتا۔ حالانکہ ضروری ہے۔ کیونکہ تجھ سے اس کی غرض صرف تجھے اس امر کے متعلق جتلانا ہے جو کہ اس کے جی میں ہے۔ تو کبھی اس عبارت لفظیہ کے ساتھ جتلاتا ہے جسے عرف میں قول اور کلام کہتے ہیں۔ تو کبھی ہاتھ یا سر یا جو کچھ ہو اس کے اشارہ کے ساتھ۔ کسی وقت کتابت وتحریر کے ذریعے اور کبھی اس کے ساتھ جس کے ساتھ حق تعالیٰ تجھے سمجھانے کا ارادہ فرمائے۔ پس تجھ میں وہ اثر ایجاد فرماتا ہے جس کے ذریعے تو اس کے مافی الضمیر کو پہچان لے۔ اور اسے کلام کہا جاتا ہے۔ پس دابہ کی تحریر پر کلام کا اطلاق درست ہوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ اور اس کے متعلق شیخ نے ۳۵۷ ویں باب میں فوائد عظیمہ ذکر کر کے طویل گفتگو فرمائی ہے۔ پس او پر رجوع کرو۔

رفع قرآن

رہا قرآن کریم کا اٹھایا جانا تو بیہقی نے شعب میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: قرآن

پڑھو اس سے پہلے کہ اٹھالیا جائے کیونکہ بیشک قیامت قائم نہیں ہو گی حتیٰ کہ قرآن شریف اٹھالیا جائے۔ لوگوں نے کہا: یہ مصاحف اٹھا لئے جائیں گے تو اس کے متعلق کیا ہوگا جو کہ لوگوں کے سینوں میں ہے۔ فرمایا: رات کو سوتے وقت ان کا قصد کیا جائے گا پس اس کے سینوں سے اٹھالیا جائے گا۔ پس وہ صبح کے وقت کہیں گے: لیکن ہمیں کسی چیز کا علم تھا۔ پھر وہ شعر میں گر پڑیں گے۔

امام قرطبی کہتے ہیں کہ ایسا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد اور حبشہ کے خانہ کعبہ کو مسمار کرنے کے بعد ہی ہوگا۔

یاجوج اور ماجوج کا خروج

رہا یاجوج و ماجوج کا نکلنا تو یہ نصوص قطعیہ سے ثابت ہے۔ اور وہ عظیم فصیل ہے جس تک سیاحوں کی رسائی ہے۔ اور مجھے شیخ عبد القادر الدشطوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا کہ سیّدی ابراہیم المتبولی کے لئے ہر سال ایک دسترخوان ہے جو کہ اس فصیل پر بچھاتے ہیں پس وہاں تمام اولیاء و اصفیاء جو حیات ظاہری میں ہیں اور جو واصل بحق ہو چکے حاضر ہوتے ہیں شیخ عبد القادر دشطوطی فرماتے ہیں کہ ان کی معیت میں کئی بار حاضر ہوا ہوں۔ تو میں نے آپ سے پوچھا کیا اس فصیل میں ان تمام حضرات کی گنجائش ہوتی ہے۔ آپ نے کہا: ہاں اس کا طول ستر میل اور عرض پچاس میل ہے۔ انتہیٰ

اور مقدمات قیامت کے احوال کے متعلق لوگوں نے بے شمار کتابیں لکھی ہیں۔ اور ان پر ایمان لانے کے لئے ان میں سے بعض کے ذکر کا اشارہ ہی عقائد میں ہمارے لئے مخصوص ہے۔ اور کچھ نہیں۔ واللہ اعلم

خاتمہ۔ حدیث متعلقہ دجال کا معنی

شیخ نے فتوحات کے ۵۹ ویں باب میں حدیث دجال کے معنی میں ذکر فرمایا ہے جو کہ یہ ہے۔ ایک دن جمعہ جیسا۔ ایک دن مہینے جیسا اور ایک دن ایک سال جیسا۔ اور اس کے تمام ایام تمہارے ایام کی طرح ہوں گے۔ ایک دن کے جمعہ جیسے ہونے کا معنی یہ ہے اس زمانے میں بادل کثرت سے ہوں گے۔ پس سورج نظر نہیں آئے گا مگر سات دنوں کے بعد۔ پس سورج طلوع ہوگا اور غروب ہو جائے گا۔ اور اسے ارباب کشف ہی جانتے ہیں۔ اور اسی طرح قول ہے مہینے اور سال کے متعلق۔ اور یہ مراد نہیں کہ ایک دن مثلاً ایک سال کی مقدار طویل ہوگا۔ کیونکہ اگر طویل ہو تو اس میں ہم پر ہر دن رات میں لازم نہیں ہوں گی مگر صرف پانچ نمازیں۔ تو جب بادل متواتر اور مسلسل ہوں گے تو آنکھ کے دیکھنے میں رات اور دن کا وجود برابر ہوگا۔ پس لوگ گمان کریں گے کہ سورج نفس الامر میں غروب نہیں ہوا۔ اور یہ عجیب و غریب اشکالات ہیں جو کہ آخری زمانے میں رونما ہوں گے۔ پس جب گہرا بادل ہمارے اور آسمان کے درمیان حائل ہوا تو وہ حرکات جو اہل ہیئت کا معمول ہیں اس طرح باقی ہوں گی ان میں کوئی فعل واقع نہیں ہوگا۔ اسی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نمازوں کے اندازہ لگاؤ۔ تو شارع نے اندازے کے ساتھ نماز کے اوقات مقرر فرمادیئے تو ہم نے پہچان لیا کہ حرکات افلاک اپنے حال پر ہیں ان کا نظام مختل نہیں ہوا۔

شیخ نے فرمایا: اور اگر وہ دن جو کہ سال جیسا ہے ایک ہی طویل دن ہے تو ہم پر واجب ہوا کہ ہم ظہر نہ پڑھیں حتیٰ کہ سورج ڈھل جائے۔ اور جب تک سورج نہ ڈھلے تو ہم نماز ظہر ادا نہ کریں گرچہ ہم ایک سال سے زاید مدت تک ٹھہرے رہیں۔ پس اس سے یہ حاصل ہوا کہ اقدر والہا کا معنی یہ ہے کہ ایک دن سے مثلاً یعنی آنکھ کے دیکھنے میں نہ کہ نفس الامر میں۔ کیونکہ نفس الامر میں دن گزر چکا اور اس کی

چھیاسٹھویں بحث

دور ہونے کی وجہ یہ ہے کہ لوٹانے جانے والے وہ اجزائے اصلیہ ہیں جو کہ اول عمر سے اس کے آخر تک باقی ہیں نہ کہ فالتو اجزاء۔ اور اجزائے اصلیہ جو کہ ماکول کے لئے تھے وہ کھانے والے میں فالتو ہیں۔ کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ انسان اپنی مدت العمر باقی رہتا ہے جبکہ غذاء کے اجزاء اس پر وارد ہوتے ہیں۔ اور اس سے زائل ہوتے ہیں۔ اور جب وہ فالتو ہوں تو ان کا کھانے والے میں لوٹانا واجب نہ ہو بلکہ ماکول میں۔ انتہی۔ واللہ اعلم

بعث واعادہ کے متعلق شیخ محی الدین کا بیان

اور شیخ محی الدین کی عبارت یہ ہے کہ۔ جان لو کہ جس نے اجسام میں بعث واعادہ کا انکار کیا کافر ہو گیا۔ اور لوٹانے کی صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے مردوں کی منی جیسی بارش نازل فرمائے گا جس سے زمین باردار ہوگی۔ پس اللہ تعالیٰ اس سے مخلوق کو دوسری بار پیدا فرمائے گا جو کہ ریڑھ کی ہڈی پر قائم ہوگی جو کہ دنیوی تخلیق سے باقی رہے گی۔ اور یہ ان کی اصل ہے جو کہ بوسیدگی قبول نہیں کرتی جس طرح کہ ارواح کی بحث میں گزر چکا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ انہیں آخرت میں پیدا فرمائے گا اور انہیں درست اور معتدل کرے گا تو ارواح کو قبول کرنے کی ان میں اسی طرح استعداد ہوگی جس طرح کہ درختوں میں موجود ناریت کی بنا پر شعلہ زن ہونے کو قبول کرنے کی استعداد ہوتی ہے اور صور برزخیہ ان چراغوں کی طرح ہیں جو کہ ان ارواح کے ساتھ روشن ہیں جو کہ ان میں ہیں۔ پس جب اسرافیل اس صور میں پھونکیں گے جو کہ بارگاہ برزخیہ ہے جس کی طرف موت کے بعد انتقال ہوتا ہے تو اس نفخہ کا ان تمام صور برزخیہ پر گزر ہوگا جن پر صور مشتمل ہے تو ان سب کو بجھا دے گا۔ پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا **لمن الملك اليوم** (المومن۔ کس کی بادشاہی ہے آج) پس اسے کوئی جواب نہیں دے گا۔ پس جب دوبارہ نفخ ہوگا تو وہ صورتیں روشن ہو جائیں گی جو کہ اپنی رواح کے ساتھ مشغول ہونے کی استعداد رکھتی ہیں۔ **فاذاهم قيام ينظرون** (الزمر آیت ۶۸۔ پس وہ اچانک کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے) پس ہر صورت زندہ ہو کر کھڑی ہو کر بولنے لگے جس کی اللہ تعالیٰ اسے توفیق دے گا۔ کوئی الحمد للہ کہے گا تو کوئی کہے گا وہ پاک ہے جس نے ہمیں موت دینے کے بعد زندہ فرمایا۔ اور اسی کے حضور حاضر ہونا ہے۔ اور کوئی کہے گا **من بعثنا من مرقدنا** (یٰس آیت ۵۲۔ ہمیں ہماری خواب گاہ سے کس نے اٹھایا ہے) اسی طرح ہر انسان وہ کچھ کہے گا جس پر وہ اپنی موت کے وقت تھا۔

اور جان لو کہ ہر کوئی اپنے اس حال کو بھول جائے گا جس پر وہ اپنے برزخ میں تھا۔ اور خیال کرے گا کہ جس حال میں وہ تھا وہ سب خواب تھا جس طرح کہ نیند سے بیدار ہونے والا خیال کرتا ہے۔ اور باب الاسرار میں اللہ تعالیٰ کے اس قول کے متعلق فرماتے ہیں وھو **الذى يبدء الخلق ثم يعيده** (الروم آیت ۲۷۔ اور وہی ہے جو کہ تخلیق کی ابتداء کرتا ہے پھر اس دوبارہ بنائے گا) خلق سے مراد وہ فعل ہے جو کہ اللہ تعالیٰ سے صادر ہوتا ہے نہ کہ مخلوق۔ کیونکہ عین مخلوق وجود سے زائل نہیں ہوا اگرچہ دنیا برزخ۔ جنت اور جہنم میں اس پر اطوار مختلف ہوتے ہیں۔ پس بیشک عین مخلوق اپنے جوہر کی حیثیت سے ایک ہے پس وہ معدوم نہیں ہوا حتیٰ کہ کہا جائے کہ اسے ایجاد کیا جائے گا۔ وہ تو صرف علم الٰہی میں ایک وجود سے دوسرے وجود میں منتقل ہونا ہے۔ اسی لئے قبر کی راحت اور اس کا عذاب برحق ہے۔

اور اس کی وضاحت یہ ہے کہ تخلیق آخرت حقیقت میں ابتداء ہے نہ کہ اعادہ۔ کیونکہ اگر حقیقتاً اعادہ ہوتا تو اس کا حکم جو کہ مکلف ہونا ہے اس کے ساتھ لوٹتا۔ پس ہر جوہر جب سے اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا فرمایا ہے معدوم نہیں ہوتا۔ یہ تو مختلف احوال ہیں جو اس پر وارد

ہوتے ہیں۔ اور اس پر طویل گفتگو کے بعد فرماتے ہیں: پس معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جب ارواح کو ان کے ہیکلوں سے بلایا تو وہ اس بلاوے کی طرف مائل ہوئیں اور انہیں اپنے ظرف چھوڑنا آسان ہو گیا۔ پس ان اجسام سے نکلنے کی وجہ سے انہیں انقطاع ہو گیا پھر جب اعادہ واقع ہوا تو وہ روح اور جسم کے حوالے سے اسی حالت کی طرف لوٹیں گی جس پر کہ تھیں۔ یہ ہے رجوع کا معنی۔ انتہی۔ پس غور کیا جائے اور ۳۷۲ ویں باب میں فرمایا: اگر اعادہ صورت ابتداء پر نہ ہو تو یہ اعادہ نہیں ہے۔ انتہی

اور فتوحات کے ۷۰ ویں باب میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد **کما بدء کم تعودون** (الاعراف آیت ۲۹۔ جس طرح اس نے تمہیں پہلے پیدا کیا ویسے ہی تم لوٹو گے) کے متعلق فرماتے ہیں: جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں کسی سابقہ مثال کے بغیر پہلے پیدا فرمایا۔ اور اسی طرح آخرت میں اس کا ہمیں پیدا کرنا کسی سابقہ مثال کے بغیر ہوگا۔ تو جسے اس کا علم حاصل ہو گیا وہ عقل کی حیثیت سے محالات کے وقوع کو بعید قرار نہیں دیتا۔ ورنہ من حیث القدرت الالہیہ محال نہیں ہے۔ انتہی

اس کی چھان پھٹک کر لی جائے۔ اور منکرین بعث کے شبہات کے دوسرے سوال کے جواب میں امام غزالی سے بھی آئے گا۔ پس اوپر رجوع کرو۔ اور ۳۷۱ ویں باب میں اللہ تعالیٰ کے قول **اذا بعثر ما القبور** (العادیات آیت ۹۔ جب نکال لیا جائے گا جو کچھ قبروں میں ہے) کے متعلق فرمایا: جان لو کہ جب نکال لیا جائے گا وہ کچھ جو قبروں میں ہے اور زمین اپنے تمام بوجھ نکال پھینکے گی تو اس کے پیٹ میں سوائے اس کے عین کے کچھ بھی باقی نہ رہے گا۔ پس جو کچھ اس میں تھا نکال لیا جائے گا نہ کہ اگایا جائے گا۔ اور یہ اس لئے ہے تا کہ دنیائے ظاہری کی تخلیق اور آخرت کی تخلیق میں امتیاز ہو سکے۔ کیونکہ دنیا میں ہم نے زمین سے اگایا جس طرح کہ زرجہ وار ایک سبزے کے بعد دوسرا اگایا جاتا ہے۔ اور طولاً اور عرضاً جسم میں اضافہ قبول کرتا ہے۔ رہی آخرت کی تخلیق تو یہ زمین سے اس صورت پر نکالنا ہے جس پر کہ حق تعالیٰ ہمیں نکالنا چاہے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **وننشئکم فی مالا تعلمون** (الواقعہ آیت ۶۱۔ اور تمہیں اس صورت پر پیدا کر دیں جس کا تمہیں علم نہیں) پس جب زمین اپنے بوجھ نکال دے گی اور بیان کرے گی کہ اس میں جو کچھ مخزون تھا باقی نہیں رہا تو عالم کو اس تاریکی کی طرف لایا جائے گا جو کہ محشر سے پہلے ہے۔ پس خلائق کو اس میں ڈالا جائے گا حتیٰ کہ کوئی کسی کو نہیں دیکھے گا۔ اور آسمان و زمین میں جب تبدیلی واقع ہوگی اس کی کیفیت کو نہیں دیکھیں گے۔ پس زمین پہلے اس طرح کھینچی جائے گی جس طرح چمڑا اور اسے بچھایا جائے گا اس اس میں جب تبدیلی واقع ہوگی اس کی کیفیت کو نہیں دیکھیں گے۔ پس زمین پہلے اس طرح کھینچی جائے گی جس طرح چمڑا اور اسے بچھایا جائے گا پس اس میں کوئی کجی اور نہ ہی کوئی ٹیلہ ہوگا۔ اور یہ چٹیل میدان ہوگا۔ وہاں نیند نہیں ہوگی کیونکہ یہ دنیا کے بعد ہے۔ اور اس کے بعد کسی کے لئے نیند نہیں ہوگی۔ انتہی

صفت اعادہ میں اختلاف

اور آپ ۳۰۳ ویں باب میں فرماتے ہیں: جان لو کہ لوگوں نے اعادہ کی صفت میں اس بنیاد پر اختلاف کیا ہے کہ موت کے متعلق ان کا اختلاف ہے کہ کیا وہ طلاق رجعی ہے یا بائن۔ اور اس پر یہ مسئلہ بطور فرع بیان کیا ہے کہ جب عورت مر جائے تو کیا اس کا شوہر اسے غسل دے سکتا ہے؟ پس ان میں سے بعض نے کہا کہ اس کی موت کے بعد اس کا حکم قطعی اجنبیہ کی طرح ہے۔ پس مرد کو حق نہیں کہ اس کا ستر دیکھے۔ اور ایک قوم کا یہ قول ہے کہ حرمت زوجیت باقی ہے پس اسے حق ہے کہ زوجہ کو غسل دے۔ یا اس کا حال اس کے ساتھ اسی طرح

ہے جس طرح کہ اس کی حیات میں اس کے ساتھ تھا۔ پس اگر رجعی ہو تو بیشک ارواح ان اجسام کے اعیان کی طرف بعث میں اپنے جواہر کی حیثیت سے لوٹائی جاتی ہیں۔ اور اگر بائن ہو تو کبھی ان کی طرف لوٹائی جاتی ہیں۔ اور تالیف مختلف ہوتی ہے۔ اور کبھی ان کے لئے دوسرے اجسام تخلیق کئے جاتے ہیں جو کہ ناز ونعمت والوں کے لئے زیادہ شفاف اور حسین ہوتے ہیں اور عذاب والوں کے لئے اس کے برعکس۔ فرماتے ہیں: اور حق یہ ہے کہ ارواح ان اجسام کے اعیان کی طرف لوٹائی جاتی ہیں جو کہ مکلف تھے حتیٰ کہ راحت پائیں یا عذاب۔ اور حتیٰ کہ اپنے صاحب (جسم) پر گواہی دیں جب ان سے گواہی طلب کی جائے۔ انتھی۔

اعضاء کی گواہی عمل کی ہوگی اس کی حیثیت کی نہیں

اور ۲۶۰ ویں باب میں فرماتے ہیں: جان لو کہ اعضاء سے جب قیامت کے دن تدبیر کرنے والے نفس پر گواہی طلب کی جائے گی اور چمڑے سے تو یہ معصیت واقع ہونے کی گواہی دیں گے نہ ہی طاعت کی۔ کیونکہ انہیں اعمال میں نفس کی نیت کی خبر نہیں۔ اور وہ نہیں جانتے کہ کیا وہ عمل جائز ہے یا ناجائز۔ وہ تو صرف اس کی گواہی دیں گے جو عمل کیا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ اس عمل میں اپنا حکم جانتا ہے اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **یوم تشھد علیھم السنتھم واید یھم وارجلھم بما کانوا یعملون**﴿النور آیت ۲۴ اس دن کہ ان کے خلاف گواہی دیں گی ان کی زبانیں۔ ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ان اعمال پر جو کہ وہ کرتے تھے﴾ اور اس عمل کے طاعت یا معصیت ہونے کی گواہی نہیں دیں گے۔ کیونکہ اعضاء کا مرتبہ اس کا تقاضا نہیں کرتا۔ وہ تو صرف یہ تقاضا کرتا ہے مثلاً آلہ تناسل کہے گا کہ میں فلاں عورت کی شرم گاہ میں داخل ہوا۔ اور منہ کہے گا کہ میں نے شراب پی جبکہ دونوں کو اس کے حرام ہونے کا کوئی علم نہیں ہوگا۔ اور منکرین بعث کے شبہ کے بیان میں شیخ ابو طاہر کی عبارت آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔

اور شیخ محی الدین ۳۶۹ ویں باب میں فرماتے ہیں: جان لے کہ عمل حق ہے عضو کا اور نیت حق ہے روح کا۔ اور عضو کو اس عمل سے نفس کی نیت کی کوئی خبر نہیں۔ تو جب اس تخلیق سے چمڑے، کان، آنکھیں، ہاتھ، پاؤں، اور تمام اعضاء گواہی دیں گے تو صرف اسی کی گواہی دیں گے جو ان سے جاری ہوا۔ انہیں اس کا کوئی علم نہیں کہ اس عمل کا ارتکاب کرنے والے نے حدود الٰہیہ سے تجاوز کیا یا نہیں۔

تصور میں سب سے مشکل مسئلہ

شیخ نے فرمایا: کہ علوم میں اس مسئلے سے زیادہ مشکل تصور والا کوئی نہیں۔ کیونکہ حکم اصل کے مطابق ارواح پاک ہیں۔ اور اجسام اور ان کی قوتیں اپنی فطرت کے مطابق جو کہ اپنے خالق کی تسبیح اور اس کی توحید ہے اسی طرح پاکیزہ ہیں۔ پھر جسم اور روح کے اجتماع کے ساتھ اسم انسان پیدا ہوا اور اس کے ساتھ تکلیف وابستہ ہوئی۔ اور اس سے طاعات اور مخالفات ظاہر ہوئیں۔ پس ارواح کے لئے ان کی طہارت کی وجہ سے شقاوت میں کوئی حصہ نہیں۔ جبکہ نفوس حیوانیہ اپنے طبعی حکم کے مطابق اشیاء میں جاری ہوتے ہیں۔ ان پر خالی انہیں کی وجہ سے مکلف ہونا نہیں ہے۔ اور اعضا سب کے سب اس کی حمد کے ساتھ تسبیح گویاں ہیں۔ پس مخالف اور عاصی کون جس پر کہ مذمت اور عذاب متوجہ ہے۔ تو اگر مجموعہ کے ساتھ جمعیت قائمہ بالانسان کے لئے کوئی دوسرا امر پیدا ہوا ہے جس طرح کہ اس کے لئے اسم انسان پیدا ہوا تو وہ حادث کیا ہے جو پیدا ہوا؟ اور اس کی حقیقت کیا ہے؟ انتھی

اس الجھن کا جواب

اور بعض نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تکلیف نہیں دی مگر بالغ عاقل کو۔ اور مکلف نہیں ہو سکتا مگر جو روح اور جسم کا جامع ہو۔ اور جب روح جسم سے جدا ہو جائے یا اس کا عکس تو تکلیف کی نفی ہو جاتی ہے پس مدح۔ ذم اور سزا کی نفی ہو گئی۔ پس غور و فکر کیا جائے۔

اجسام کا قبول ارواح کی صلاحیت حاصل کرنے کا بیان

رہا بیان اجسام کے قبول ارواح کی صلاحیت حاصل کرنے کا تو امام ابو طاہر اپنی کتاب سراج العقول میں فرماتے ہیں: جان لے کہ معاد اور ارواح کے جسموں کی طرف لوٹنے کے منکرین نے گمان کیا کہ ارواح لطیفہ کا سخت اور غلیظ مٹی کے ساتھ تعلق بعید از امکان اور محال ہے کیونکہ دونوں کے درمیان طبعی طور پر عدم مناسبت ہے۔ اور اگر اسے فرض کر لیا جائے تو اس کا تصور نہیں ہو سکتا مگر اس کے بعد کہ مٹی نطفہ ہو پھر خون کی پھٹک پھر گوشت کا لوتھڑا ہو جائے۔ پھر تسویہ تک پہنچے۔ اور یہ بعید ہے۔ اور انہوں نے ہمیں کہا ہے کہ تم دعویٰ کرتے ہو کہ ریزہ ریزہ ہونے والی ہڈیاں اور مٹی روح کے ساتھ زندہ ہو جائے گی۔ یہ لوٹنا بعید از امکان ہے۔ پس ہم ان سے کہتے ہیں کہ پہلی تخلیق سے عبرت حاصل کرو۔ کیونکہ قدرت ازلیہ اس سے کم نہیں ہوئی جس پر کہ مٹی سے خلق اوّل میں تھی۔ جبکہ اسے فرمایا: ہو جا۔ پس وہ ہو گئی۔ پھر یہ لوگ آخرت میں زندہ کرنے کو صرف اس عادت الٰہیہ پر قیاس کرتے ہیں جو کہ اس نے دنیا میں بچہ پیدا کرنے میں جاری فرمائی۔ اور اگر انہوں نے ابتداء میں اس کا مشاہدہ نہ کیا ہوتا اور انہیں اس کی خبر دی جاتی تو اور شدید انکار کرتے۔ علاوہ ازیں ہم کہتے ہیں کہ شاید اللہ تعالیٰ قبور کی مٹی کو مصائب قیامت کے تغیرات میں اور اس کے ایک حالت سے دوسری میں ڈھلنے میں منتقل فرمائے یہاں تک وہ حالت تسویہ تک پہنچ جائے پھر اس میں روح پھونکنے کا حکم فرمائے جس طرح کہ یہ حضرت آدم علیہ السلام کی طینت کے خمیر میں رونما ہوا جبکہ اسے درست کیا اور اس میں اپنی طرف سے روح پھونکی۔ اور یہ اس لئے کہ بچے کی تخلیق میں جانی پہنچانی حالتیں اس کا نطفہ ہونا پھر خون کی پھٹک۔ پھر گوشت کا لوتھڑا اور پھر ہڈی ہونا ہے جیسا کہ اسی پر آیت دلالت کرتی ہے۔ اور یہ حالتیں حضرت آدم علیہ السلام کے حق میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے **خلقکم من تراب** (المومن آیت ۶۷۔ تمہیں مٹی سے پیدا فرمایا) **خلقکم من طین** (الانعام آیت ۲ تمہیں مٹی سے پیدا فرمایا) **من حمأ مسنون** (الحجر آیت ۲۶۔ سیاہ بدبودار گارے سے) **من صلصال کالفخار** (الرحمٰن آیت ۱۴۔ بجنے والی مٹی سے ٹھیکری کی طرح) پس خلق آدم اور خلق جنین (بچے) کے مراتب برابر ہو گئے۔ پس حضرت آدم علیہ السلام کے اعضاء کی درستی وہاں اور آپ کی اولاد کے اعضاء یہاں تصویر کے ساتھ پورے ہوئے پس حضرت آدم کو ان کی اس صورت پر تخلیق فرمایا جو ان کے ساتھ خاص تھی جس طرح کہ چاہا۔ پس یہ سب کچھ حضرت آدم کے حق میں چالیس صبحوں میں پورا ہوا جو کہ خمیر بنانے کی مدت ہے۔ جبکہ آپ کی اولاد سے جنین کی تخلیق میں یہ حالتیں ایک سو بیس دن میں تین چلوں میں پوری ہوئیں۔ اور اس مقام میں باپ اور بیٹا خلقت کی تکمیل میں برابر ہوئے سوائے اس کے کہ باپ کی صورت طین ہے جبکہ بیٹے کی صورت گوشت۔ خون اور ہڈی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے جسد آدم کو جسد جنین کے ساتھ اپنے قول **کن فیکون** کے ساتھ برابر فرمایا۔ پس اس نے بتایا کہ آپ کی تکوین آپ کی تخلیق کے بعد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا قول **خلقه من تراب** (آل عمران آیت ۵۹۔ اسے مٹی سے بنایا) پہلے ہے۔ اور یہی حالت تسویہ ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول میں **فاذا سویته و نفخت فیه من روحی** (الحجر آیت

۲۹۔تو جب میں اسے درست فرمادوں اوراس میں خاص اپنی طرف سے روح پھونک دوں) جبکہ جنین یعنی حمل کے متعلق فرمایا:ثم انشاناہ خلقا آخر (المومنون آیت ۱۴۔پھر ہم نے اسے دوسری مخلوق بنادیا)اوراس کے لئے مخفی اور ظاہری کنایات کے ساتھ آیات واحادیث کے اشارے گواہ ہیں جوکہ خبر دیتے ہیں کہ یہ حالتیں بھی تخلیق اخروی کے وقت مٹی پر تعاون کریں گی۔

مذکورالصدر مسئلہ کی وضاحت

اوراس کی وضاحت یہ ہے کہ زمین سمیٹنے والی ہے۔اس میں اموات کے ذرات زمانے اور ماہ وایام گزرنے کے ساتھ زمین کی مختلف جہتوں میں ان کے مخلوط ہونے اور پھسلنے کے بعد ودیعت رکھے گئے ہیں۔تو جب قیام قریب آئے گی اور اجتماعیت فنا ہوجائے گی اور اللہ تعالیٰ قبروں والوں کو اٹھانے اوران کی طرف زندہ کرنے کے بعد ارواح کو بلانے کا ارادہ فرمائے گا تو انہیں قیامت کے مواد ث، زبردست زلزلوں، ہولناک مصائب اور مسلسل آزمائشوں سے اس طرح ڈھانپ دے گا جوکہ انہیں اسی تسویہ کی ہیئت تک پہنچادے گا جوکہ روح کے لئے نفخ صور کے مقابل ہوگی۔کیا تو دیکھتا نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زلزلے اور پہاڑوں کے ریزہ ریزہ ہونے کی خبر دی۔پس فرمایا:اذازلزلت الارض زلزالھا (الزلزال آیت ا۔جب تھرتھرائے گی زمین پوری شدت سے) ان زلزلة الساعة شئی عظیم (الحج آیت ا۔بیشک قیامت کا زلزلہ بڑی سخت چیز ہے)کلا اذا دکت الارض دکا دکا (الفجر آیت ۲۱۔یقیناً جب زمین کوکوٹ کر ریزہ ریزہ کردیا جائے گا)فقل ینسفھار بی نسفا(طٰہٰ آیت ۱۰۵۔آپ فرمادیں میرا رب انہیں جڑوں سے اکھاڑ پھینکے گا)اذا رجت الارض رجا و بست الجبال بسا (الواقعہ آیت ۴،۵ جب زمین تھرتھر کانپے گی اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہوجائیں گے) پھرانہیں زمین کی مشرقوں مغربوں میں چلائے گا جس طرح کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ویوم نسیر الجبال (الکہف آیت ۴۷۔اور جس روز ہم پہاڑوں کو چلائیں گے) وتکون الجبال کالعھن المنفوش(القارعہ آیت ۵۔اور پہاڑ دھنی ہوئی اون کی طرح ہوں گے)ان کے ساتھ یہی دستور جاری رہے گا یہاں تک کہ پہاڑوں اور زمین کے اجزاء باہم ٹکراٹکرا کر ریت کی طرح ہو جائیں گے۔جیسا کہ فرمایا: وکانت الجبال کثیبا مھیلا(المزمل آیت ۱۴۔اور پہاڑ ریت کے بہتے ٹیلے بن جائیں گے) پھران صدمات اور حادثات کے تحت پہاڑوں اورزمین کے اجزاء ایک دوسرے سے ٹکراتے رہیں گے یہاں تک کہ ان کے تمام اجزاءغبار بن جائیں گے۔جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وبست الجبال بسا فکانت ھباء مبنثا(الواقعہ آیت ۵،۶۔اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہوجائیں گے پھرغبار میں بکھر جائیں گے) پس شاید اللہ تعالیٰ ان زلزلوں اور ہولناک حوادث میں زمینی ذرات کو کدورتوں سے صاف فرمادے اوران سے تمام آلودگیاں اور میل کچیل دور کردے حتیٰ کہ ان کے وہ جواہر ظاہر ہوجائیں جوکہ قبول ارواح کی صلاحیت رکھنے والے ہیں۔اور یہی معنی ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا اذا بعثر ما فی القبور و حصل مافی الصدور (العادیات آیت ۹۔۱۰۔جب نکال لیا جائے گا جوکچھ قبروں میں ہے اور ظاہر کردیا جائے گا جوسینوں میں ہے)پس اس کے بعد وہ ہوا کی طرح انتہائی صفائی، نرمی، ملایمت اور باریکی میں باقی رہ جائیں گے۔اوران کے سوازمین کے اجزائے غریبہ لاشی اور معدوم ہوجائیں گے۔کیا تو اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف نہیں دیکھتا سیرت الجبال فکانت سرابا (النبا آیت ۲۰۔اور پہاڑ چلائے جائیں گے تو وہ سراب بن جائیں گے)اور کوئی شک نہیں کہ پہاڑوں کے مجسمے و زمین کے مجسمے سے زیادہ سخت ہیں۔پس جب پہاڑ سراب بن جائیں گے تو مٹی کا کیا حال ہوگا۔اور سراب خیال کی طرح کی ایک ہیئت ہے۔فی الحال لاشی ہوجاتی ہے۔حتیٰ کہ جب اس

کے پاس کوئی شخص آتا ہے تو اس کی لطافت کی وجہ سے اسے کچھ نہیں پاتا۔ اور یہ سوائے ذرات بنی آدم کے اللہ تعالیٰ کے تمام زمینی اجزاء کو معدوم کرنے کی طرف اشارہ ہے۔ اور اسی کی طرف اللہ تعالیٰ کے اس قول کے ساتھ اشارہ کیا گیا ہے۔ **یوم تبدل الارض غیر الارض** (ابراہیم آیت ۴۸۔ جس دن کہ یہ زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے گی) اور وہ ذرات کان میں سونے کے ذرات کے ساتھ کس قدر مشابہت رکھتے ہیں جب ان پر مسلسل بارشیں برستی ہیں اور ان سے کان کی مٹی دھوڈالتی ہیں حتیٰ کہ وہ چمکنے لگتے ہیں۔ اور حدیث پاک میں ہے کہ اللہ تعالیٰ مردوں کی منی جیسی مسلسل بارشیں نازل فرمائے گا پس وہ زمین سے اس طرح اگیں گے جس طرح سبزہ اگتا ہے۔ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ جس طرح سیلاب کی جھاگ میں دانہ اگتا ہے کیا تم اسے دیکھتے نہیں کہ زرد سا لپٹا ہوا نکلتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں کئی ایک مقامات پر احیاء موتیٰ کو مردہ زمین کے زندہ کرنے کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے **ومن آیاته انك تری الارض خاشعه فاذا انزلنا علیها الماء اهتزت وربت. ان الذی احیاها لمحی الموتی** (حم السجدہ آیت ۳۹۔ اور اس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ تو زمین کو خشک دیکھتا ہے پھر جب ہم اس پر پانی اتارتے ہیں تو وہ جھومنے لگتی ہے اور کھل اٹھتی ہے بیشک جس نے اسے زندہ کردیا وہی مردوں کو زندہ کرنے والا ہے) اور شیخ ابوطاہر نے اس میں طویل کلام فرمایا۔

مزید وضاحت از شیخ ابوطاہر قزوینی

پھر آپ فرماتے ہیں: پس اموات سے ذرات میں یہ تغیرات اور تبدیلیاں حضرت آدم کی طینت کے خمیر بنانے کے ایام میں مٹی کی تبدیلیوں اور ارحام میں تخلیق حمل کے وقت نطفوں کی تبدیلیوں کے قائم مقام ہیں تو یہ تغیرات جب زمین پر جاری ہوئے تو مٹی میں سختی اور قساوت نہیں رہے گی جو کہ ارواح کی لطافت کے منافی ہے۔ بلکہ ان سے قرب کی وجہ سے ان کی لطافت اور صفائی میں اپنی ارواح کی طرف اس طرح مائل ہوگی جس طرح اونٹ اپنے ٹھکانے کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ بلکہ الفت یافتہ کے مائل ہونے کی طرح جب کہ اس کا ساتھی اسے زبوں حالی میں چھوڑ دے۔ علاوہ ازیں بیشک اللہ تعالیٰ جب کسی امر کا ارادہ فرمائے تو اسے آلات و وسائط اور اصول و روابط کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ تو اسے فرماتا ہے ہوجا تو وہ ہوجاتا ہے۔ اور بیشک اللہ تعالیٰ نے بیل کے زندہ کرنے کے واقعہ میں حضرت موسیٰ بن عمران کو یہ سب کچھ دکھایا۔ حتیٰ آپ نے اسے عیاناً دیکھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے! **فقلنا اضربوه ببعضهما كذالك يحيى الله الموتى** (البقرۃ آیت ۷۳۔ تو ہم نے فرمایا: اس مقتول کو گائے کے کسی ٹکڑے سے مارو۔ یوں زندہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ مردوں کو) پس آپ کے لئے حشر ونشر اس کی وجہ سے عیاناً ہوگیا جو کہ آپ کے نزدیک اس علم سے مخصوص تھا۔ انتہی۔

صورت صور اور قبروں والوں کو زندہ کرنے کا بیان

رہا صورت صور اور قبروں والوں کے زندہ کرنے کا بیان تو جان لے۔ اللہ تعالیٰ تجھ پر رحمت فرمائے۔ حدیث پاک میں وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں کس طرح ناز ونعمت کی زندگی بسر کروں حالانکہ صور پھونکنے والے نے صور کو منہ میں لے رکھا ہے۔ کان لگائے ہوئے اپنی پیشانی جھکائے ہوئے اور عرش والے (کے حکم) کی طرف اپنی آنکھیں اٹھائے ہوئے انتظار کررہا ہے کہ کب پھونکنے کا حکم ملتا ہے تو اس میں پھونکے۔ عرض کی گئی: یارسول اللہ! آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ فرمایا: یہ کہو **حسبنا الله ونعم الوكيل** اور ایک حدیث میں مرفوعاً یہ بھی ہے صور ایک سینگ ہے جس میں پھونکا جائے گا۔ اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ اس میں سوراخ ہیں جن میں

سے ہر سوراخ میں ایک انسان کی روح ہے۔اور اسرافیل صور میں دو مرتبہ پھونکیں گے۔پہلی مرتبہ بیہوشی کا نفخہ ہوگا اور دوسرا زندہ کرنے کا۔ان میں سے ایک کو راجفہ اور دوسرے کو رادفہ کہتے ہیں۔اور زیادہ صحیح روایت کے مطابق دونوں کے مابین چالیس سال ہیں۔اور کہا گیا ہے کہ چالیس دن۔اور کبھی صور کو ناقور بھی کہا جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فاذا نقر فی الناقور (المدثر آیت ۸۔پھر جب صور پھونکا جائے گا) اور حدیث پاک میں ہے کہ وہ اس میں یہ کہیں گے اس منکسر اعضاء بوسیدہ ہڈیو! منتشر جسمو! پارہ پارہ چمڑو! منقطع جوڑو! اور پراگندہ بالو! اللہ تعالیٰ کے حضور پیشی کے لئے کھڑے ہو جاؤ پس اس وقت ان کی ارواح صور کے سوراخوں سے نکلیں گی اور ان کی شہد کی مکھیوں جیسی بھنک ہو گی۔اور رب العزت فرمائے گا: مجھے میرے عزت وجلال کی قسم میں تمہیں اسی طرح ضرور لوٹاؤں گا جس طرح کہ تمہیں پہلی مرتبہ پیدا فرمایا۔

شیخ ابو طاہر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: پس یہ احادیث اور ان جیسی دوسری احادیث مجموعی طور پر دلالت کرتی ہیں کہ صور سینگ کی شکل کی ایک چیز ہے جو کہ گول ہے کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ صور کے سر کا دائرہ آسمانوں اور زمینوں کے عرض جیسا ہے۔جبکہ اسرافیل عرش کے نیچے ہے۔صور اس کے منہ میں ہے جو کہ آسمانوں کے تمام طبقات سے زمینوں کی انتہاء تک پہنچا ہوا ہے۔اور اس میں ارواح خلق کی گنتی کے برابر سوراخ ہیں۔ہر سوراخ میں ایک روح بند ہے۔پس جب پہلی دفعہ صور پھونکا جائے گا تو جو کوئی ذی روح آسمانوں میں اور جو کوئی زمین میں ہوگا گھبراہٹ کی شدت کی وجہ غش کھا کر گر جائے گا مگر جسے اللہ تعالیٰ چاہیے۔کہا گیا ہے کہ وہ جبریل، میکائیل، اسرافیل، اور عزرائیل علیہم السلام ہیں۔ایک قول یہ ہے کہ حورعین ہیں۔اور کہا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں کیونکہ آپ پر دنیا میں ایک مرتبہ غشی طاری ہو چکی ہے۔پس آپ کو اس کی جزا دی جائے گی۔پھر دونوں نفخوں کے درمیان اللہ تعالیٰ عزرائیل کو حکم دے گا کہ جبرائیل، میکائیل اور اسرافیل کی ارواح قبض کرے۔پھر اللہ تعالیٰ اسے فرمائے گا مر جا پس اس پر بھی موت طاری ہوگی۔پس اس وقت چالیس سال تک خاموشی اور بے ہوشی عام ہوگی۔پس کائنات میں کوئی زندہ باقی نہیں ہوگا سوائے حی کے جسے موت نہیں۔پھر اللہ تعالیٰ اسرافیل کو زندہ فرمائے گا پس آپ دوسری مرتبہ صور پھونکیں گے۔جس طرح کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ثم نفخ فیه اخری فاذا هم قیام ینظرون (الزمر آیت ۶۸۔پھر دوبارہ اس میں پھونکا جائے گا تو اچانک وہ کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے) پس اس آیت اور احادیث نے جتلایا کہ صور ایک ہیئت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اموات کی روحیں روک رکھی ہیں۔اور وہ برزخ اکبر ہے جس کا سر علیین تک اور نچلی سمت سجین تک ہے۔

مواضع ارواح اور ان کا صور میں محبوس ہونا

اور احادیث میں ارواح کے مقامات وارد ہیں مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ارواح انبیاء جنات عدن میں ہیں۔کبھی عروج کرتی ہیں تو کبھی نزول۔اور لحد میں اپنے اجساد کو انس دلاتی ہیں۔اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ گزار ہیں۔اور ارواح سعداء فردوس میں۔ارواح شہداء عرش کے نیچے معلق قندیلوں میں موجود سبز پرندوں کے بطنوں میں۔اطفال مسلمین کی ارواح کستوری کے پہاڑوں کے پاس جنتی چڑیوں کے پیٹوں میں۔مشرکین کے بچوں کی ارواح جنات میں ہیں ان کے لئے کوئی ٹھکانہ نہیں۔اہل جنت کی خدمت کریں گی۔اور مسلمانوں کی ارواح جن سے لغزشیں واقع ہوئیں ہوا میں معلق ہیں۔ان کی رسائی جنت تک ہے نہ آسمان تک حتیٰ کہ ان کے مخالفین ان سے راضی ہو جائیں۔اور فسق پر اصرار کرنے والوں کی ارواح قبر میں جسم کے ساتھ عذاب دی جاتی ہیں۔منافقین کی ارواح برہوت کے کنوئیں ہیں (جو کہ حضر موت کے علاقے میں ایک نہایت گہرا کنواں ہے جہاں خبیث ارواح رکھی جاتی ہیں) اور کفار کی روحیں سجین میں

ہیں جنہیں صبح وشام آگ پر پیش کیا جاتا ہے۔ علماء نے فرمایا: اور صور کی شاخیں بہت بڑی ہونے کی وجہ سے ان تمام ارواح کو ان کے مقامات میں عرش سے لے کر آسمانوں تک۔ زمینوں تک ملتی ہیں۔ پس صور میں موجود ارواح ان جگہوں میں ہیں جو حدیث میں وارد ہیں اور یہ معنوی طور پر صور میں محبوس ہیں۔ کیونکہ وہ قیامت تک انہیں ضبط کئے ہوئے ہے۔ اور یہ علوم اولیاء سے ہے اور وہ ہمارے اس دور میں اس کا عیاناً مشاہدہ کرتے ہیں۔ اور اس کی مثال یہ ہے کہ کہا جائے فلاں مشرق میں ہے۔ فلاں مغرب میں ہے۔ فلاں بغداد شریف میں ہے۔ فلاں مکہ معظمہ میں ہے۔ فلاں مدینہ عالیہ میں ہے۔ فلاں اصفہان میں اور فلاں مصر وغیرہ دوسرے شہروں میں ہے۔ اور وہ سب کے سب دن کی روشنی میں ہیں۔ انہیں سورج کی شعاعیں ملائے ہوئے ہیں۔ پس اس معنی پر احادیث میں کوئی تناقض نہیں ہے۔ تو جس نے اس کے متعلق غور کیا اسے معلوم ہوگا کہ اموات کے لئے دو برزخ ہیں۔ ایک برزخ قبور میں ہے جو کہ ان کے اٹھائے جانے کے دن تک ہے۔ اور ایک برزخ صور میں ہے۔ پس برزخ قبور میں ان کے جسم محبوس ہیں جبکہ برزخ صور میں ان کی ارواح محبوس ہیں۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے **ومن ورائهم برزخ الی یوم یبعثون** (المومنون آیت ١٠٠۔ اور ان کے آگے ایک برزخ ہے اس دن تک جب وہ دوبارہ اٹھائے جائیں گے) اور برزخ کا لفظ معرب ہے یعنی وہ لفظ جسے کسی دوسری لغت میں تصرف کر کے عربی لغت میں لایا گیا ہو۔ کیونکہ اس کی اصل برزہ ہے۔ اور وہ اونچی جگہ ہے۔ اور قبر کو اس لئے برزخ کہا گیا کیونکہ وہ سطح زمین سے بلند ہے۔ اور صور کو اسی لئے برزخ کہا گیا کہ یہ عرش تک بلند ہے۔

صور کی وجہ تسمیہ اور نفخ کا معنی

شیخ ابو طاہر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: صور کو اس کے مائل ہونے اور جھکنے کی وجہ سے صور کہتے ہیں۔ اور لغت میں صور کا معنی میلان ہے۔ اور اسی طرح سینگ مائل ہوتا ہے تو گویا صور اپنے جھکنے کی وجہ سے سارے عالم کو طوق زدہ ہے۔ اور ابوعبیدۃ نے کہا: صور جمع ہے صورت کی جس طرح کور جمع ہے کورہ کی اور وہ لطیف معنی ہے۔ اور وہ اس طرح کہ اسرافیل چونکہ ہر روح کی اس کی صورت کے ساتھ حفاظت کا موکل ہے پس وہ ظاہری صورت میں ارواح کی ان صورتوں کو چھپانے والا ہے جن پر کہ وہ دنیا میں ہیں۔ جس طرح کہ ذکر کیا گیا ہے کہ ان کی انسانی صورت ہے۔ اور شیخ نے فرمایا ہے: نفخ کا معنی یہ ہے کہ ارواح ہواؤں کی طرح لطیف ہیں۔ اور یہ جسموں خلاؤں میں پھونکنے کے ساتھ ہی داخل ہوں گی جس طرح کہ ان میں پہلی دفعہ داخل ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **فاذا سویته و نفخت فیه من روحی** (الحجر آیت ٢٩۔ تو جب میں اسے درست فرمادوں اور اس میں خاص اپنی طرف سے روح پھونک دوں) یعنی جبریل اس کی روح اس میں میرے اذن کے ساتھ پھونک دیں)

دہریوں کا سوال اور اس کا جواب

دہریوں نے کہا: کہ نفخ ایک ہی چیز ہے تو پھر کس طرح ایک مرتبہ موت کا باعث ہوگی اور دوسری مرتبہ زندہ کرے گی؟ تو ہم انہیں کہتے ہی کہ پہلا نفخہ قہر یہ ہے پس وہ اجسام کو مضمحل کر دے گی۔ اور اپنی کڑک سے کانوں کو بہرہ کر دے گی۔ اور یہ بڑی آفت اور کانوں کو بہرہ کرنے والی زبردست کڑک ہے۔ اور اپنے دھماکے کے ساتھ ان اجسام کو مضمحل کر دے گی اور اس کی شدت کی وجہ سے ارواح انہیں چھوڑ دیں گی۔ جبکہ نفخہ ثانیہ رحمت مہربانی اور اصلاح کا نفخہ ہے۔ پس پہلے کے ساتھ خلق پر موت طاری ہو جائے گی جبکہ

دوسرے کے ساتھ انہیں زندہ فرمائے گا۔ اوراس کی مثال سخت پھونک ہے کہ بڑی آگ بجھا دیتی ہے جبکہ نرم پھونک اسے زندہ کرتی ہے شاعر کہتا ہے: تجھ سے ایک ساتھ میری درستی اور خرابی ہے جیسے پھونک جو کہ آگ بجھانے والی ہے اور روشن کرنے والی ہے۔

پس اے بھائی! جب تو نے صور اوراس میں محبوس ارواح کی حالت کا بیان معلوم کرلیا اور تجھے پتہ چل گیا کہ زمینی میل کچیل اور کدورات سے صاف شدہ اجساد کے ذرات کی صفائی ان پر اللہ تعالیٰ کے لطف وکرم سے ہوئی جو کہ زمین کے لرزلوں اور حادثوں کی صورت میں رونما ہوا۔ جس طرح کہ کہا گیا ہے: حوادث آزادلوگوں کو چمکا دیتے ہیں۔ اور یہ کہ زمین اس وقت چاندی کی اور نرم ونازک ہو جائے گی۔ قبول ارواح کے لئے مستعد ہوگی جس طرح زرخیز زمین جو کہ اس میں کاشت کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اوراس کا ہر ذرہ اپنی اس روح کا منتظر ہوگا جو کہ اس کے ساتھ خاص ہے۔ اوراسی طرح اس کی روح اس کی طرف نظر لگائے ہوگی۔ سعادت مند ہو یا بد بخت۔ اوراس کا یہ عرفان فطرت اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام ہوگا۔ جس طرح ایسے مقام کے بارے میں فرمایا: **قد علم کل اناس مشربھم** (البقرہ آیت ۶۰۔ ہر گروہ نے اپنا اپنا گھاٹ پہنچان لیا)

نفخۂ ثانیہ اور مابعد کے حالات

پس جب نفخہ اولیٰ سے چالیس سال پورے ہو جائیں گے اور مکان کا کوئی مکین نہیں ہوگا تو اللہ تعالیٰ سب سے پہلے اسرافیل کی طرف روح ڈالے گا پس انہیں زندہ فرمائے گا جس طرح کہ پہلے گزر چکا۔ اور یہ مفہوم ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول کا **یلقی الروح من امرہ علی من یشاء من عبادہ لینذر یوم التلاق یوم ھم بارزون** (المومن آیت ۱۵،۱۶۔ نازل فرماتا ہے روح اپنے فضل سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے تاکہ وہ ملاقات کے دن سے ڈرائے جس دن کہ وہ ظاہر ہوں گے) پھر اسے حکم دے گا کہ دوسرا صور پھونکے۔ اور یہ اس آیت کا مفہوم ہے **ثم نفخ فیہ اخری فاذا ھم قیام ینظرون** (الزمر آیت ۶۸۔ پھر دوبارہ اس میں پھونکا جائے گا تو اچانک وہ کھڑے دیکھتے ہوں گے) **واشرقت الارض بنور بھا ووضع الکتاب وجیء بالنبیین والشھداء** (الزمر آیت ۶۹ اور زمین اپنے رب کے نور سے جگمگا اٹھے گی اور دفتر عمل رکھ دیا جائے گا اور انبیاء اور دوسرے گواہ حاضر کئے جائیں گے) اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا بھی مفہوم ہے **یوم ینفخ فی الصور فتاتون افواجا** (النباء آیت ۱۸۔ جس دن صور پھونکا جائے گا تو تم فوج درفوج چلے آؤ گے) نیز فرمایا **و نفخ فی الصور فاذا ھم من الاجداث الی ربھم ینسلون** (یٰس آیت ۵۱۔ اور صور پھونکا جائے گا تو وہ اپنی قبروں سے نکل نکل کر اپنے پروردگار کی طرف تیزی سے جا رہے ہوں گے) یعنی زمین سے ان عجیب و غریب اجزائے زمینی سے پاک ہو کر نکلیں گے جو کہ ان کے ذرات میں سے نہیں ہیں۔ اہل لغت کہتے ہیں کہ نسل شہد ہے جب پگھل جائے اور موم سے مبرا ہو۔

شیخ ابو طاہر کہتے ہیں: پس احتمال ہے کہ ہر ذرے کی اپنی روح کی طرف کشش اور تمام اجزائے زمین سے اس کا امتیاز ایسے ہو جیسے کہ لوہے کے برادے کے ہر ذرہ کی اجساء کے تمام ذرات سے جدا ہو کر مقناطیس کی طرف کشش ہوتی ہے۔ کیا تو دیکھتا نہیں کہ وہ کس طرح اپنے غیر سے جدا ہو کر اس کے ساتھ چمٹتا ہے۔ اور کیا کیفیت ہوگی جبکہ وہ علم الٰہی میں ہر روح اپنے جسم کے ساتھ اکٹھے حاضر ہیں گرچہ وہ صورتا ہمارے نزدیک جدا جدا ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا قول ہے **قد علمنا ما تنقص الارض منھم وعندنا کتاب حفیظ** (ق آیت ۴۔

ہم خوب جانتے ہیں جو ان کے جسموں سے زمین گھٹاتی ہے اور ہمارے پاس ایک کتاب ہے جس میں سب کچھ محفوظ ہے) اور فرمایا: بلی قادرین علی ان نسوی بنانہ (القیامۃ آیت ۴۔ کیوں نہیں ہم اس کی انگلیوں کا پورا پورا درست کرنے پر قادر ہیں) اور فرمایا: قل یحییھا الذی انشأ ھا اول مرۃ (یٰس آیت ۷۹۔ آپ فرما دیجئے: انہیں وہی زندہ فرمائے گا جس نے انہیں پہلی بار پیدا کیا) شیخ ابو طاہر فرماتے ہیں کہ ہم نے اس مسئلہ میں تفصیل سے گفتگو کی ان وساوس کی وجہ سے جو کہ ان نفوس پر طاری ہوتے ہیں جو کہ اپنے رب کی یاد سے غافل ہیں حتیٰ کہ ان پر مدت طویل ہوگئی پس ان کے دل سخت ہوگئے اور وہ اپنے معاد کے امور سے جاہل رہے حتیٰ کہ گویا ان کا حساب ہو چکا اور انہیں فراغت حاصل ہوگئی۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ اپنے متعلق موت کے وقت ہمارا گمان اچھا کر دے بیشک وہ کریم ہے، جواد ہے۔ آمین۔ شیخ ابوطاہر قزوینی کی گفتگو ان کی کتاب سراج العقول میں اختتام کو پہنچی۔

صور کے متعلق فتوحات میں شیخ محی الدین کا کلام

رہی فتوحات میں شیخ محی الدین کی گفتگو تو وہ شیخ ابوطاہر کی عبارت کے قریب ہے۔ کیونکہ آپ نے ۶۳ ویں باب میں یوں فرمایا: جان لے کہ صور اور ناقور جن کا اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ذکر فرمایا ہے دونوں ایک ہی ہیں اور وہ بارگاہ برزخیت ہے جس کی طرف موت کے بعد منتقل ہوتے ہیں اور اس میں ہمارے نفوس حاضر ہوتے ہیں فرمایا: اور صور جمع ہے صورت کی پس صور اور ناقور میں پھونکا جائے گا اور وہ بعینہ ایک ہی چیز ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صور کے متعلق سوال کیا گیا کہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: نور سے ایک سینگ ہے جسے اسرافیل نے منہ میں لے رکھا ہے۔ پس آپ نے خبر دی کہ اس کی شکل سینگ کی سی ہے۔ پس آپ نے اسے وسعت اور تنگی کے ساتھ بیان فرمایا۔ کیونکہ قرن وسیع ہے تنگ ہے۔ پس وہ انتہائی وسیع ہے۔ کائنات میں کوئی چیز اس سے زیادہ وسیع نہیں ہے۔ اور یہ اس طرح کہ آپ ہر چیز پر اس کی حقیقت کے ساتھ حکم لگاتے ہیں اور اس پر جو کہ کوئی شئے نہیں ہے۔ اور عدم محض۔ محال، واجب اور ممکن کا تصور عطا کرتے ہیں۔ اور وجود کو عدم اور عدم کو وجود قرار دیتے ہیں۔ اور اسی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اپنے رب کی یوں عبادت کر گویا تو اسے دیکھ رہا ہے۔ اور آپ کا یہ ارشاد کہ بیشک اللہ تعالیٰ تمہارے قبلہ میں ہے۔ پس کوئی اپنے سامنے نہ تھوکے۔ پس آپ نے بندے کو حکم دیا کہ اپنے رب کو اپنے قبلہ میں اپنے سامنے خیال کرے تاکہ اس کا احترام کرے اور اس سے حیا کرے۔ اور اپنی نماز میں اس کا ادب ملحوظ خاطر رکھے۔ باوجودیکہ اللہ تعالیٰ من حیث ذاتہ کبھی جہت قبول نہیں فرمایا۔ اور جس نے نماز میں اس تخیل کا لحاظ نہیں کیا اس نے بے ادبی کی۔ پس اگر شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم میں نہ ہوتا کہ بندے کے پاس ایک حقیقت ہے جس کا خیال یہ حکم رکھتا ہے تو آپ اسے یوں نہ فرماتے کہ اللہ کی عبادت کر گویا تو اسے دیکھ رہا ہے۔

شیخ نے فرمایا: اور یہ معلوم ہے کہ عقلی دلیل 'مکانیٓ' سے روکتی ہے کیونکہ اس کی دلیل سے تشبیہ کا تخیل سامنے آتا ہے۔

رہی آنکھ تو اس نے دیوار کے سوا کسی چیز کا ادراک نہیں کیا۔ پس ہمیں معلوم ہوا کہ شارع علیہ السلام نے حق تعالیٰ کا جہت قبلہ میں منحصر ہونا مراد نہیں لیا۔ وہ تو صرف بندہ ہے جسے محصور کیا جاتا ہے کیونکہ وہ جہت والا ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ حق تعالیٰ پر جہتیں جاری نہیں ہوتیں پس خیال نے اس کی تصویر بیان کی جس پر دلیل عقل کے ساتھ صورت اور تصویر محال ہے۔ اور اسی لئے خیال کی بارگاہ سب سے زیادہ وسیع ہے۔ شیخ نے فرمایا: اور مخفی نہ رہے کہ قرن کی وسعت صرف طرف اعلیٰ میں ہے نہ کہ اسفل میں۔ بخلاف اس کے جو کہ غور و فکر والے خیال کرتے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے جس میں مرکز اور اسی کا اعلیٰ ہے اس سے زیادہ تنگ فلک اعلیٰ قرار دیا ہے جس کے اوپر کوئی فلک نہیں۔

اور بیشک صور عالم کی تمام صورتوں پر حاوی ہے۔ پس انہوں نے وسعت والا اسی اعلیٰ کو قرار دیا ہے جیسا کہ یہ حیوان میں ہے۔ حالانکہ یہ امر ایسا نہیں جو انہوں نے گمان کیا۔ بلکہ جب خیال، جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے حق کی اور اس کے علاوہ عالم کی بلکہ عدم کی تصویر بیان کرتا ہے تو اس کا اعلیٰ تنگ ہوا اور اس کا اسفل وسعت والا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اسی طرح پیدا فرمایا ہے ہم نے اپنے کشف کے طریق سے اس کا مشاہدہ کیا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے پہلے اس سے جو پیدا کیا تنگ ہے اور آخر میں اس سے وہ پیدا کیا جو وسیع ہے۔ اور یہ وہی ہے جو کہ حیوان کے سر کے ساتھ ملتا ہے۔ اور کوئی شک نہیں کہ تکوین و افعال کی بارگاہیں سب سے وسیع ہیں۔ شیخ نے فرمایا: اور اسی لئے عارف کے لئے علم میں صرف اسی قدر وسعت ہوتی ہے جو وہ عالم کے متعلق رکھتا ہے۔ پھر بیشک جب وہ اللہ تعالیٰ کی احدیت کے علم کی طرف منتقل ہونے کا ارادہ کرتا ہے تو وسعت سے تنگی کی طرف تھوڑا تھوڑا ترقی کرتا رہتا ہے۔ اور اس کے علوم گھٹتے جاتے ہیں۔ پس جب اس کا عمل پورا ہو جاتا ہے اور اسے حق تعالیٰ کے سوا کوئی معلوم باقی نہیں رہتا تو وہ قرن میں سب سے زیادہ تنگ ہوتا ہے۔ پس اس کا تنگ حقیقت میں وہی اعلیٰ ہے اور اس میں کامل شرف ہے اور وہ اوّل ہے جو کہ اس سے حیوان کے سر میں ظاہر ہوتا ہے اس وقت جب اللہ تعالیٰ اسے ثابت فرماتا ہے۔ پس وہ تنگی سے اپنی صورت پر چڑھتا رہتا ہے اور اس کا اسفل وسیع ہوتا جاتا ہے اور اپنے حال سے متغیر نہیں ہوتا۔ پس وہ مخلوق اوّل ہے۔ کیا تو دیکھتا نہیں کہ حق تعالیٰ نے پہلے قلم کو پیدا فرمایا جس سے عقل کے ساتھ تعبیر کی جاتی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے پیدا نہیں فرمایا سوائے ایک کے پھر اس ایک سے خلق کو پیدا فرمایا۔ پس عالم وسیع ہوا۔ اور اسی طرح عدد کا محل پیدائش ایک سے ہے۔

شیخ نے فرمایا: اور یہ بھی مخفی نہ رہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب ان اجساد سے ارواح قبض کیں تو انہیں اس قرن نوری کے مجموعے میں صور جسدیہ کے طور پر ودیعت رکھا۔ پس انسان موت کے بعد برزخ میں جن تمام امور کا ادراک کرتا ہے صرف اس صورت کی آنکھ سے ہی ادراک کرتا ہے جس میں کہ وہ قرن میں ہے۔ اور اسی کے نور کے ساتھ ادراک کرتا ہے۔ پس وہ ادراک حقیقی ہے۔ فرمایا: وہاں بعض صورتیں مقید ہیں اور بعض مطلق یعنی غیر مقید ہیں جیسے تمام انبیاء علیہم السلام کی ارواح اور ارواح شہداء۔ اور بعض وہ ہیں جنہیں اس دار سے عالم دنیا کی طرف نظر ہوتی ہے۔ اور بعض حضرت خیال میں سونے والے کے لئے تجلی کرتی ہیں شیخ نے فرمایا: رہے قوم فرعون جیسے تو انہیں ان صورتوں میں صبح و شام جہنم پر پیش کیا جاتا ہے۔ اور وہ اس میں داخل نہیں ہوتے۔ کیونکہ وہ اس قرن میں اور اس صورت میں محبوس ہیں۔ اور قیامت کے دن نہایت شدید عذاب میں داخل ہوں گے۔ اور وہ محسوس عذاب ہے۔ خیال نہیں جو کہ انہیں برزخ میں آگ پر پیش کرنے کی وجہ سے تھا۔ پس بیشک وہ خیال میں عذاب محسوس ہے نہ کہ حس کے ساتھ۔ پس سمجھ لے۔ پس بیشک یہ ایسا مقام ہے جس میں اس نے غلطی کی ہے جسے کشف حاصل نہیں۔ کیونکہ حس کبھی غلطی نہیں کرتا۔ اس پر حکم لگانے والا غلطی کرتا ہے۔ جس طرح کہ تلخ صفراء والا کہ شہد کو تلخ محسوس کرتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ جو کوئی بھی برزخ میں ہے وہ اپنے اعمال کی صورت میں محبوس اور اپنے کسب میں اس دن تک گروی ہے کہ اس صورت سے دوسری تخلیق میں اٹھایا جائے گا۔ انتہی

منکرین بعث کے شبہات کا بیان

اور رہا بعث کے منکرین کے شبہات کا بیان تو شیخ ابو طاہر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: پس جان لے اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم فرمائے کہ فلاسفہ نے جسموں کے اٹھائے جانے کا انکار کیا ہے۔ اور وہ ایسے شبہات کے ساتھ لٹک گئے کہ جن میں گمراہ ہو گئے اور کثیر لوگوں کو گمراہ کیا۔ اور

ان کے بڑے شبہات دو سوال ہیں۔ پہلا ان کا یہ قول کہ انسان اپنے مادہ کے ساتھ انسان نہیں بلکہ اپنی صورت کے ساتھ ہے۔ اور اس سے افعال انسانیہ صرف اسی لئے صادر ہوتے ہیں کہ اس کی صورت پائی جاتی ہے۔ پس جب اس کی صورت اس کے مادے سے باطل ہو جائے اور مادہ اپنے اصول کی طرف لوٹ آئے جو کہ عناصر ہیں تو انسان کا عین باطل ہو گیا پھر جب اس مادہ کے عین میں انسان جدید کی صورت کی تخلیق ہوئی تو اس سے ایک دوسرا انسان ظاہر ہوا نہ کہ وہ پہلا انسان کیونکہ اس اوّل سے ثانی میں جو موجود ہے وہ اس کا مادہ ہے نہ کہ اس کی صورت پس وہ اپنے مادہ کی وجہ سے محمود نہیں ہوگا۔ نہ ہی مذموم۔ نہ ہی مستحق ثواب یا عذاب بلکہ اپنی صورت کی وجہ سے اور اس وجہ سے کہ وہ مٹی سے ایک انسان ہے۔ پس ثواب و عذاب پانے والا انسان وہ اچھائی برائی کرنے والا انسان نہیں ہوگا بلکہ وہ دوسرا انسان ہے جو کہ اس کے مادہ میں شریک ہے۔ اور بسا اوقات فلاسفہ اس پر اللہ تعالیٰ کے اس قول سے گواہی لیتے ہیں **وما نحن بمسبوقین علی ان نبدل امثالکم** (الواقعہ آیت ۶۰، ۶۱۔ اور ہم اس سے عاجز نہیں ہیں کہ تمہاری جگہ تم جیسے اور لوگ پیدا کر دیں) اور اللہ تعالیٰ کے اس قول سے **قادر علی ان یخلق مثلھم** (الاسراء آیت ۹۹۔ وہ قادر ہے کہ ان کی مثل پیدا فرما دے) اور انہوں نے کہا کہ شے کی مثل اس شے کا عین نہیں ہوتی۔ یہ ہے وہ کچھ جو کہ ابن سینا نے اپنی کتاب میں معاد کے بارے میں وارد کیا ہے۔

ابن سینا کے مذکور الصدر شبہ کا جواب از شیخ ابوطاہر رحمۃ اللہ علیہ

اور اس کا جواب شیخ ابوطاہر رحمۃ اللہ نے یوں دیا ہے کہ رہا ان کا یہ کہنا کہ انسان اپنے مادہ کے ساتھ انسان نہیں بلکہ اپنی صورت کے ساتھ ہے۔ وہ مادہ سے اس کی جوہریت مراد لیتے ہیں جو کہ اخلاط سے مرکب ہے۔ اور اسے ھیولی کا نام دیتے ہیں۔ اور صورت سے اس کے معانی مراد لیتے ہی جو اس میں ودیعت رکھے گئے۔ اور یہ ان کی طرف سے ایک دعویٰ ہے جس پر کوئی دلیل نہیں۔ بلکہ انسان ارباب بصیرت کے نزدیک جسم اور روح کا اس میں موجود معانی سمیت یہ مجموعہ ہے۔ تو جب موت کے ساتھ اس کے جسد کی صورت باطل ہو گئی اور اس کی روح قبض کرنے کی وجہ سے اس سے معانی زائل ہو گئے تو اسے انسان کا نام نہیں دیا جاتا۔ تو جب یہ اشیاء اس کی طرف لوٹانے سے دوبارہ جمع ہو گئیں تو یہ بعینہ وہی انسان ہے۔ کیا تو دیکھتا نہیں کہ روح اور معانی سے فارغ جسم کو شبح اور جثہ کہا جاتا ہے۔ اسے انسان نہیں کہا جاتا۔ اور اسی طرح روح مجرد کو انسان نہیں کہا جاتا۔ اور اسی طرح اس کے ساتھ مختص معانی علم، قدرت، ارادہ، سمع اور بصر کے مجموعہ کو عقلاً اور عرفاً انسان نہیں کہا جاتا۔ اور نہ ہی انفرادی طور پر انہیں علیحدہ علیحدہ انسان کہا جاتا ہے۔ پس اس اعتبار سے ان کا کہنا کہ انسان انسان ہے صرف اپنی صورت کے ساتھ باطل کلام ہے بلکہ انسان اپنے جسد۔ روح اور اپنے ساتھ مختص معانی کے ساتھ انسان ہے۔ کیا تو دیکھتا نہیں کہ خطاب میں اس کے بعض کو بعض کی طرف منسوب کیا جاتا ہے پس اسے کہا جاتا ہے تیرا نفس، تیری روح، تیرا قلب، تیرا علم، تیری قدرت، اور اسی طرح اس کی طرف اس کے تمام اعضاء منسوب کئے جاتے ہیں پس کہا جاتا ہے تیرا سر، تیرا ہاتھ، تیرا پاؤں، اسی طرح آخر تک۔ پس اگر یہ نہ ہوتا کہ انسان ان کا مجموعہ ہے۔ ورنہ ان تمام سے کاف خطاب کے ساتھ مخاطب کون ہوگا جبکہ یہ تمام اس کی طرف منسوب کئے گئے ہیں۔ پس اس اصل پر موت اور اس کی طرف لوٹانے کے ساتھ صفات کی تبدیلی اسے اس سے نکالنے والی نہ ہوگی کہ وہ انسان اوّل ہے۔ بلکہ وہ بعینہ وہی ہے۔ اگر محمود ہے تو محمود ہے اور اگر مذموم ہے تو مذموم۔ اور ثواب و عذاب کا مستحق ہو گا۔ کیونکہ وہ وہی پہلا ہی ہے۔

اور رہا ان کا اللہ تعالیٰ کے ارشاد وما نحن بمسبوقین علی ان نبدل امثالکم سے دلیل لیتے ہوئے یہ کہنا کہ شے کی مثل حقیقت میں وہ شے نہیں ہوتی۔ تو اس کا معنی ہے علی ان نبدلکم یعنی تمہیں بدل دیں۔ اور لفظ مثل کبھی تاکید کے طور پر کلام میں زائد لایا جاتا ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد لیس کمثلہ شیء (الشوریٰ آیت ۱۱، اس کی مانند کوئی چیز نہیں ہے) اور عرب کہتے ہیں مثل الامر لا یقول ھذا اور مراد لیتے ہے کہ امیر ایسی بات نہیں کرتا۔ اور ابوالطیب نے اپنے شعر میں اس کی تصریح کی ہے۔

مثلك يثني الحزن عن صوبه ويسترد الدمع عن غربه

ولم اقل مثلك اعني به سواك يا فروا بلاشبه

یعنی تیرے جیسا غم کو اس کی جہت سے پھیر لیتا ہے اور آنسو کو اس کے غرب سے لوٹا لیتا ہے۔ اور میں نے تیرے جیسا کہہ کر تیرے سوا مراد نہیں لیا اے یکتا جس کے جیسا کوئی نہیں ہے۔

اور یہ معنی عربیت میں شائع ہیں۔ اس پر مخفی نہیں جسے اس کی مہک نصیب ہو۔ واللہ اعلم

دوسرا سوال جو کہ انتہائی گمراہ کن ہے

جس میں بہت سے لوگ گمراہ ہو جاتے ہیں۔ اور یہ وہی ہے جسے ہم نے بحث کے اوائل میں جلال محلی سے اور کمال سے ان کے حاشیہ میں اختصار کے ساتھ نقل کیا ہے۔ اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ انسان سے معاد کیا ہے؟ اگر تم کہو کہ اس کے اجزاء ہیں جو کہ موت کے وقت حاضر ہیں تو واجب ہے کہ جس کے جسم کے اعضا اور ہاتھ کاٹے ہوئے ہوں وہ اپنی اسی صورت پر اٹھائے جائیں جبکہ یہ شرع میں وارد نہیں ہے۔ اور اگر اس کی طرف اس کے تمام اجزاء لوٹائے جائیں گے جو کہ مدت العمر اسے حاصل تھے۔ پھر زائل ہو گئے اور بدل گئے تو واجب ہوا کہ ایک ہی جز وبعینہ ہاتھ۔ سر، قلب، اور جگر ہو کیونکہ عضوی اجزاء جو کہ خون اور تمام اخلاط سے مرکب ہیں بننے والے ہیں غذا کیوقت ایک عضو سے دوسرے عضو کی طرف منتقل ہوتے ہیں۔ اور اسی طرح جب ایک انسان کسی انسان کو کھالے تو غذا حاصل کرنا ایک ہو گیا تو دو روحیں ایک انسان کے ساتھ کیونکر متعلق ہوئیں۔ اور اسی طرح جب کافر کا ہاتھ کاٹا گیا پھر وہ مسلمان ہو گیا تو اس کا ہاتھ جہنم میں کیونکر ہوگا جبکہ وہ جنت میں ہاتھ کٹا ہوگا۔ اور اس کے برعکس اگر ایک مسلمان کا ہاتھ کاٹا گیا پھر وہ کافر ہو گیا۔ نیز غالب طور پر زمین کے ظاہر پر پرانے مردوں کے جثوں کے اجزاء ہیں۔ جبکہ وہاں بے شمار فصلیں کاشت کی جا چکیں۔ اور وہاں درخت اور انگور لگائے جا چکے اور انہیں لوگوں نے بطور غذا استعمال کیا اور وہ ان کے ابدان میں گوشت اور خون بن چکا۔ تو ایک مادہ اور ایک اصل بے شمار لوگوں کی صورتوں کو کیونکر حاصل ہوگا۔ یہ ان کا خطرناک شبہ ہے جس کے ضمن میں وہ سوال ہے جو کہ ابن سینا کی طرف منسوب ہے۔ اور غزالی نے اس سوال کی حکایت کی ہے اور گویا آپ نے مسئلہ تسلیم کر لیا ہے اور اپنے فتاویٰ وغیرہ میں یہ تصریح کی ہے کہ واجب نہیں کہ جسے لوٹایا جائے گا وہ بعینہ پہلا جسم ہوگا بلکہ جون سا جسم ہو جائز ہے۔ اور اس سوال کو جماعات کثیرہ نے مہمل چھوڑ دیا ہے۔

اس کا جواب

جیسا کہ شیخ ابو طاہر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے یہ ہے کہ سلف وخلف کا عقیدہ یہ ہے کہ جسے لوٹایا جائے گا وہ بعینہ یہی جسم ہے۔ اور اس کا بیان یہ ہے: اے بھائی! تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ جس ذرہ کو پہلے پہل عزرائیل علیہ السلام نے زمین سے قبض کیا ہر انسان میں باقی

ہے۔قطعانہیں بدلتا۔اور یہ اس سے وہی جزء قائم ہے جس پر میثاق لیا گیا۔اور اسی پر قبر میں نکیرین کا سوال متوجہ ہوتا ہے۔اور اس کی طرف روح لوٹانے کی وجہ سے ان کے جواب کا اہتمام کرتا ہے۔اور حیات اس کے لئے ہے۔جبکہ اس کے تمام اجزاء خاموش ہیں۔اور یہ وہی ہے جس کے ساتھ صور میں نفخ کے وقت روح متعلق ہوگی جس طرح کہ اس پر اخبار دلالت کرتی ہیں۔پھر تمام اجزاء جہاں ہوں گے اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ساتھ اس کی طرف آملیں گے۔حتیٰ کہ آدمی پورے کا پورا کھڑا ہو جائے گا جیسا کہ دنیا میں تھا۔یہ ایسی چیز ہے کہ اس کی مخالفت عقل کرتی ہے نہ شرع۔اور ان کا یہ کہنا کہ انسان سے لوٹایا کیا جائے گا؟ وہ موت کے وقت اس کے اجزاء ہیں یا وہ اجزاء جو اس سے جدا ہو گئے۔تو جواب یہ ہے کہ لوٹانا اس کی زندگی کے ایام میں اس کے تمام حالات میں موجود اکمل اجزاء کا ہوگا۔جس طرح کہ اس کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس قول کے ساتھ اشارہ فرمایا: لوگ برہنہ، بے ختنہ اٹھائے جائیں گے۔پھر جائز ہے کہ اہل جنت کے اجساد میں اضافہ کر دیا جائے تاکہ ان پر لذات میں اضافہ ہو۔اور اہل جہنم کے اجساد میں ان کی عقوبتوں میں سختی کے لئے زیادتی کر دی جائی۔اور حدیث پاک میں ہے اہل جنت بے ریش، بالوں سے صاف جسم، سوائے سر۔پلکوں اور بھنوؤں کے ۳۳ سالہ عمر والے۔حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق پر ان کا طول ۷۰ گز عرض ۷ گز۔اور جہنمیوں کے متعلق وارد ہے کہ ان میں سے ایک کا دانت جبل احد جیسا ہوگا۔اور یہ سب کچھ عقل میں جائز ہے۔اور اس کے متعلق شرع وارد ہے۔

ایک اور سوال اور اس کا جواب

اور رہا ان کا یہ کہنا کہ اگر موت کے وقت اس کے اجزاء موجودہ ہی لوٹائے جائیں گے تو واجب ہوگا کہ جس کے اعضا اور ہاتھ کاٹے ہوئے ہوں وہ اپنی صورتوں پر اٹھائے جائیں۔اور اس کے متعلق شرع وارد نہیں ہے۔تو جواب یہ ہے کہ ہم نے اس سے پہلے جواب ذکر کر دیا ہے کہ لوٹائی وہ اکمل حالت جائے گی جس پر کہ اس کی عمر میں اس کے اجزاء تھے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔**قل یحییھا الذی انشاھا اول مرۃ** (یس آیت ۷۹۔آپ فرما دیجئے انہیں وہ زندہ فرمائے گا جس نے انہیں پہلی بار پیدا فرمایا) پس ہر وہ جزو جس میں اسے اللہ تعالیٰ نے اس کی عمر کے ایام میں پیدا فرمایا اسے اس کی طرف لوٹائے گا۔بخلاف ان کے جو کہ کمزوری اور حل ہونے کے بعد بدل گئے۔بس بیشک وہ جس میں حل ہوئے اور فنا ہوئے اس کی نسبت سے تو دوبارہ پیدا کئے گئے تو اگر وہ بھی آخرت میں لوٹائے جائیں تو اللہ تعالیٰ یوں فرماتا قل **یحییھا الذی انشاھا اول مرۃ و ثانی مرۃ**۔اور اس وضاحت پر یہ صحیح ہوا کہ آخرت میں لوٹائی جانے والی وہی خلق ہے جو کہ پہلی مرتبہ ہے اور یہ بنائے گئے وہ اکمل اجزاء ہیں جو کہ ہر شخص کے لئے مخصوص ہیں۔یہ ہے وہ مسئلہ جس پر مضمون آیت دلالت کرتا ہے۔

ایک اور شبہ اور اس کا جواب

اور رہا ان کا یہ قول کہ اگر اس کی طرف اس کے وہ تمام اجزاء لوٹائے جائیں گے جو مدت العمر اسے حاصل رہے پھر وہ زائل ہو گئے اور بدل گئے تو واجب ہوا کہ اس کا جزو بعینہ ہاتھ۔سر اور جگر ہو۔اور یہ اس لئے کہ اجزاء عضویہ جو کہ اخلاط سے مرکب ہیں بہنے والے ہیں غذا لینے کیوقت ایک عضو سے دوسر عضو کی طرف منتقل ہوتے ہیں۔تو اس کا جواب ہم نے پہلے ذکر کر دیا ہے کہ کیا لوٹایا جائے گا اور جو انہوں نے غذا استعمال کرنے کے وقت اخلاط کا ایک عضو سے دوسرے عضو کی طرف بہنا ذکر کیا ہے وہ لازم نہیں کرتا کہ قلب جگر ہو جائے اور نہ ہی سر

ہاتھ ہو جائے کیونکہ وہ ذرہ جو کہ اصل ہے اور اس پر میثاق لیا گیا ہے اس میں انسان کی ہیئت اپنے اعضاء کی تمام اشکال کے ساتھ علم الٰہی میں مقدر کی۔ اور اسے ذرہ اس ذرہ سے تشبیہ کے طور پر کہا گیا جو کہ چھوٹی چیونٹی ہے۔ اور چھوٹا ہونے کے باوجود اس کے لئے مخصوص و محسوس اعضاء ہیں۔ پس کوئی محال نہیں کہ اس ذرہ کے اعضاء مقدرہ ہوں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے جب اسے انسان بنایا تو وہ اعضا جثہ کی مناسبت سے پھیلتے ہوں اور اس کی طرف اخلاط کے بہنے والے اجزاء سمٹتے ہوں پس ذرہ اولی میں مقدر شکل کی ھیئت پر متشکل ہوتے ہوں پس اس وضاحت کے مطابق ایک عضو سے دوسرے عضو کی طرف منتقل ہونے والے وہ اجزاء سیالہ غذائیہ ہیں نہ کہ ذرہ اولیٰ کے اجزاء جن میں شکل انسانی اپنے تمام اعضاء کے ساتھ علم الٰہی میں مقدر ہے۔ اور وہ بعینہٖ قائم تمام بدن میں پھیلنے والے ہیں۔ کیونکہ بدن ان کی شکل اور صورتوں کا محافظ ہے اور وہ کبھی بوسیدہ نہیں ہوتیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **وتقلبك في الساجدين** (الشعراء آیت ۲۱۹ (اور وہ دیکھتا ہے جب آپ سجدہ گزاروں میں آتے جاتے ہیں) اور اجزاء غذائیہ کبھی ان کی طرف سمٹتے ہیں اور کبھی ان سے جدا ہوتے ہیں۔ پس اس معنی پر سر، سر ہے اور ہاتھ ہاتھ ہے اور قلب قلب ہے اور جگر جگر ہے اپنے اجزاء اصلیہ کے اعتبار سے جو کہ انتہائی لطافت پر ہیں۔ اور اجزاء غذائیہ جو کہ خون وغیرہ ہیں ایک عضو سے دوسرے عضو کی طرف منتقل ہوتے ہیں اور ایک حالت سے دوسری حالت میں بدل جاتے ہیں۔ جبکہ وہ اجزائے اصلیہ اپنے حال پر باقی ہیں۔ اور اس کی محسوس مثال کے قریب وہ ریشمی سلا ہوا جھنڈا ہے جو کہ اژدہا کی شکل میں ہے۔ اس کے پیٹ سے ہوا داخل ہوتی ہے اور ایک عضو سے دوسرے عضو میں منتقل ہوتی ہے تو جھنڈا اژدہا کی شکل میں پھول جاتا ہے۔ پھر اس سے ہوا نکل جاتی ہے اور وہ اپنی اسی شکل پر رہ جاتا ہے جس پر کہ تھا۔ اور اس کے قریب اسفنج بھی ہے اور یہ نرم سی مسام دار ہلکی سی چیز ہے جب اسے پانی میں پھینکا جائے تو اپنے مساموں میں پانی جذب کر کے پھیلتی ہے اور بڑی ہو جاتی ہے اور ثقیل ہو جاتی ہے پھر جب خشک ہو جائے تو اصل کی طرف لوٹ آتی ہے۔ پس ان دونوں مثالوں سے معلوم ہوا کہ **وتقلبك في الساجدين** میں وارد نص کی بنا پر ذرہ کے اجزاء ہر شخص میں اپنی ہیئت پر باقی ہیں۔ اور اس سے لاحق ہونے والے اجزاء حالتیں بدلتے اور بڑھتے گھٹتے ہیں۔ اور خلقت میں ان اجزاء اصلیہ کی بنیاد وہ عجب یعنی ریڑھ کی ہڈی ہے۔ اور یہ دم کی اصل ہے۔ اور اسے تمام جسم کے بوسیدہ ہونے کے باوجود باقی رہنے پر تعجب کی وجہ سے عجب کہتے ہیں جیسا کہ حدیث میں وارد ہے اور حشر میں زندہ کرنے کے وقت اسی پر جسم کی ترکیب ہوگی۔

ایک اور شبہ اور اس کا جواب

اور رہا ان کا یہ قول کہ جب انسان نے ایک انسان کو کھا لیا تو غذا ہونے کی وجہ سے دونوں ایک ہو گئے۔ تو دو روحیں ایک جسم کے ساتھ کیونکر متعلق ہو سکتی ہیں؟ تو جواب یہ ہے کہ کھانے والے اور جسے کھایا گیا ہے دونوں کے لئے ذرہ اصلیہ باقی ہیں جس طرح کہ تھے۔ اور اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا عادت جاری کرنا ہے جیسا کہ اس نے اپنے قول **و تقلبك في الساجدين** میں خبر دی ہے۔ پس اس کے مطابق دو روحیں آکل اور ماکول کے دونوں ذروں کے ساتھ متعلق ہیں۔ پھر تمام اجزاء اس کے ساتھ لاحق ہوتے ہیں جہاں بھی ہو۔ کیونکہ یہ اگرچہ دیکھنے میں حالت بدل گیا اور متفرق ہو گیا لیکن علم الٰہی میں موجود حاضر ہے۔ برابر ہے کہ زمین کے ساتھ مل گیا یا ہوا کے ساتھ۔ جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **قد علمنا ما تنقص الارض منهم وعندنا كتاب حفيظ** (ق آیت ۴۔ ہم خوب جانتے ہیں جو زمین ان کے جسموں سے گھٹاتی ہے اور ہمارے پاس ایک کتاب ہے جس میں سب کچھ محفوظ ہے) اور جس قدر اس سے

گھٹ جائے اس کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے جس طرح کہ اسے دنیا میں سستی کے وقت لوٹا دیا گیا اور محل حیات اس میں ہے۔ پس دو شخص کامل ہو جاتے ہیں جس طرح کہ دنیا میں تھے۔

شبہ اور اس کا جواب

رہا ان کا یہ قول کہ جب کافر کا ہاتھ کاٹ دیا گیا پھر وہ مسلمان ہو گیا تو اس کا ہاتھ جہنم میں کیونکر ہو گا۔ جبکہ وہ جنت میں ہاتھ کٹا ہوا ہو گا۔ اور اسی طرح اس کے برعکس۔ تو جواب یہ ہے کہ کٹے ہوئے ہاتھ کا حکم ایمان اور کفر میں ذریتوں کے اعتبار سے سارے جسم کے تابع ہے کیونکہ وہ حکما اپنے آباء کا بعض ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **والذین آمنوا واتبعتھم ذریتھم بایمان الحقنابھم ذریتھم** (الطور آیت ۲۱۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کی ہم ان کے ساتھ ان کی اولاد کو ملا دیں گے) اور حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فاطمہ میرا ٹکڑا ہے۔ پس اس کے مطابق کافر کا ہاتھ جب تک اس کے ساتھ ملا رہا اس کا حکم کفر ہے۔ پھر اگر کاٹ دیا گیا اور کافر ایمان لے آیا تو اس کا حکم وہ جہاں بھی ہو سارے جسم کے تتبع میں ایمان کا حکم ہے۔ اور اسی طرح اس پر ثواب و عذاب سارے جسم کے تتبع میں ایمان اور اس کے کفر کے تابع واقع ہوں گے۔ اور یہ ظاہر ہے اس میں کوئی چیز محال نہیں۔

ایک اور اعتراض اور اس کا جواب

اور رہا ان کا یہ قول کہ انسان کی غذا پرانے مردوں کے جسموں کی مٹی سے بدلی ہوئی حالت ہے جبکہ ان کے بوسیدہ جسم مٹی ہو گئے۔ اور مٹی کھیتی اور کھیتی غذا ہو گئی۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تسلیم شدہ حقیقت نہیں۔ اور اگر اسے تسلیم کر لیا جائے تو ہم ذرہ اصلیہ کی حالت کا بدلنا تسلیم نہیں کرتے جو کہ وہی تو ہے جس پر سارے بدن کا دارومدار ہے جس طرح کہ اسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کیونکہ تمام اجزاء اسی ذرہ کے تابع ہیں اور وہ علم الٰہی میں مجتمع ہے گرچہ دیکھنے میں بکھر چکا۔ اور وہ ذرہ بدن کے پاس آتا ہے گرچہ حالت بدل چکا اور اس امر پر دلیل کہ انسان سے لوٹائے جانے والے وہ اجزاء ہیں جو کہ بعینہ دنیا میں تھے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے **یوم تشھد علیھم السنتھم وایدیھم وارجلھم بما کانوا یعلمون** (النور آیت ۲۴۔ اس دن ان کے خلاف گواہی دیں گی ان کی زبانیں۔ ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ان اعمال پر جو وہ کیا کرتے تھے) تو اگر وہ ان کے غیر ہوں گے جس طرح کہ انہوں نے ذکر کیا ہے تو ان کی گواہی جھوٹی ہو گی۔

مزید سوال و جواب

اور اگر کہا جائے کہ کافر کا ہاتھ جب کاٹا گیا اور وہ ایمان لے آیا اگر وہی ہاتھ لوٹایا گیا تو وہ تو اس پر کفر کی گواہی دے گا حالانکہ وہ ایمان والا ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ اعضاء کی گواہی قیامت کے دن گناہوں اور طاعتوں کے متعلق ہو گی نہ کہ کفر و ایمان کے متعلق۔ کیونکہ آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **بما کانوا یکسبون** (یٰس آیت ۶۵۔ اس پر جو وہ کمائی کرتے تھے) کیونکہ ایمان قلب کے ساتھ تعلق رکھتا نہ کہ ظاہری اعضا کے ساتھ۔ تو یہ نہیں فرمایا **بما کانوا یعتقدون**۔ اور یہ جواب شیخ ابوطاہر قزوینی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ اور اس مسئلہ میں شیخ [illegible]ین کا کلام بحث کے اوّل میں پہلے گزر چکا ہے اور شیخ ابوطاہر فرماتے ہیں کہ انتہائی تعجب ہے فلاسفہ کے حشر و نشر کے انکار سے جبکہ شر نہیں ہے مگر اس کے اجزاء کا آخرت میں اسی مثال پر اعادہ کرنا جس پر اللہ تعالیٰ دنیا میں انہیں ایک حال کے بعد دوسرے حال پر لوٹاتا

رہا۔کیا دنیا میں انتہائی بوڑھا وہی نہیں جو کہ ادھیڑ عمر تھا۔اور ادھیڑ پن سے پہلے جوان اور جوانی سے پہلے بچہ اور طفل اور اس سے پہلے حمل۔ اور وہ بلا شبہ ان اطوار میں بعینہ ایک ہی انسان ہے۔اور وہاں ان کے بدلتے ہوئے اجزاء کا کوئی اعتبار نہیں جس طرح کہ ان کا یہاں کوئی اعتبار نہیں۔ بلکہ اجزاء تھوڑے ہوں یا بہت اس ذرہ کے تابع ہوں گے جس سے اس پہلی مرتبہ پیدا کیا گیا۔نیز اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بعید نہیں کہ تمام اجزاء کو جو کہ اس کی عمر کے ایام میں اس ذرہ پر جمع کئے گئے لوٹا دے۔لیکن وہ انہیں لطیف کر دے گا اور انہیں چمٹا دے گا پس کوئی شخص حد سے تجاوز کرنے والا نہیں ہوگا۔اور قدرت وسیع ہے۔اور امکان موجود۔لیکن ظاہر وہی ہے جو ہم نے بیان کیا۔اور یہ اس مسئلہ میں کلام کی انتہاء ہے۔

قبض ارواح کی حکمت

اگر کہا جائے کہ پھر اس میں کیا حکمت ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کی روحیں قبض کرتا ہے۔پھر انہیں قیامت کے دن ان کی طرف لوٹائے گا حالانکہ اس نے انہیں ابد الآباد کے لئے پیدا فرمایا ہے۔تو بغیر موت ان کی حیات کو ہمیشہ کیوں نہیں رکھا؟ تو جواب یہ ہے کہ اگر وہ ایسا کرتا تو خارج از حکمت ہوتا۔جبکہ وہ احکم الحاکمین ہے۔لیکن اس نے انہیں دار الفناء میں موت دی تاکہ انہیں کئی وجوہ سے بقاء ابدی کے لئے دار بقاء باقی رکھے۔ان میں سے ایک وجہ یہ ہے اس خطہ خاک کا یہ ٹکڑا جو کہ آباد زمین کا چوتھائی ہے تمام بنی آدم کے اجسام کی نسبت سے چھوٹا ہے خصوصاً وہ حصہ جو کہ آباد ہے۔پس زمین میں اتنی گنجائش نہ ہوتی۔اس کی فصلیں اور پھل ان کی خوراک پوری نہ کر سکتے جو کہ ان کے معاش کا ذریعہ ہیں۔اور حدیث پاک میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب آدم کی پشت سے ذرات نکالی تو روئے زمین ان سے پر ہو گیا۔ فرشتوں نے عرض کی: اے ہمارے معبود! زمین تو انہیں سے پر ہو گئی حالانکہ یہ ذرات ہیں تو جب تو ان کی تخلیق مکمل فرمائے گا تو پھر اس میں کیسے سمائیں گے؟ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں جب کسی قوم کو لاؤں گا تو دوسری کو موت دے دوں گا۔اور ان میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ قبور اجسام کا برزخ اور صور ارواح کا برزخ ہے جیسا کہ گزر چکا۔اور اللہ تعالیٰ کے لئے دونوں برزخوں میں ان کے اجسام اور ان کی ارواح کے لئے مخفی پیدائشیں ہیں جن کی وجہ سے انہیں بقاء ابدی کے قابل بنائے گا۔اور اس کی کیفیت اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا **وننشئكم فيما لا تعلمون** (الواقعہ آیت ٦١ اور ہم تمہیں ایسی صورت میں پیدا کر دیں جسے تم نہیں جانتے)

اور ایک وجہ یہ ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے ارواح اور اجساد کے مابین جدائی کی تاکہ منقطع ہونے کی وجہ سے مخلوق وصال کی قدر پہچانے۔کیونکہ وصل جب دائمی ہو تو مخفی ہو جاتا ہے۔اور جدائی کے وقت مہربانی اور اشتیاق ہوتا ہے۔اور دونوں سے وصال کی قدر پہچانی جاتی ہے۔شیخ ابو طاہر فرماتے ہیں کہ میں نے ہمدان میں صالحین میں سے بعض کو سنا جو کہ کہہ رہا تھا کہ اس نے بلند ٹیلے سے قبرستان کی طرف نظر دوڑائی۔حد نگاہ تک قبریں پھیلی دیکھیں۔میرے دل میں خیال گزرا یہ ٹیلے اور پتھر کیا ہیں۔تو ہاتف غیبی نے مجھے آواز دی جو کہہ رہا تھا۔

انڈوں کے چھلکے ہیں جن سے بچے نکل کر اڑ گئے۔اور کیا کبھی پرندے انڈوں کی طرف لوٹے۔پھر اس کے بعد میں نے کسی کو یہ کہتے ہوئے سنا: بلکہ اللہ تعالیٰ چھلکوں کو ذرہ کی پالکیوں سے انڈہ بنا دے گا۔قبض روح کی کوئی کرامت نہیں پس پرندے شکار سے بے خوف لوٹیں گے مہک سے جدا نہیں ہوں گے۔

شیخ ابو طاہر کہتے ہیں۔قصہ مختصر پس ابتداء واعادہ کا ماحصل یہ ہے کہ یہ جان لیا جائے کہ زمین جس سے آدم کو پیدا کیا گیا اس کی اولاد کے ذرات میں سے ہر ذرہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک روح مقدر فرمائی ہے جو کہ اس کے ساتھ مختص ہے۔اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے خلقه فقدره ثم السبيل يسره (عبس آیت ۱۹،۲۰۔اسے پیدا کیا پھر اس کی ہر چیز اندازے سے بنائی پھر اس کی راہ آسان فرمائی)۔

کہا گیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے ''پس اس کے لئے ایک روح مقدر فرمائی۔ پھر جب اس روح کو صلب آدم سے نکالا تو ہر ذرہ اپنی روح کے قریں ہوا اور اس پر میثاق لیا گیا پھر انہیں آپ کی پشت کی طرف لوٹا دیا گیا۔اور ان کی ارواح خزانہ غیب کی طرف لوٹائی گئیں۔ پھر وہ تمام ذرات نطفہ مخلوط کے امتزاج کے ساتھ آدم کی پشت سے رحم حواء کی طرف نکالے گئے۔پھر آپ کے بیٹوں کی پشتوں سے قرنا بعد قرن ارحام کی طرف۔پھر وہ انہیں غذاؤں کے ساتھ پیدا کرتا ہے جیسے چاہتا ہے اور انہیں ان کی مختلف حالتوں کی طرف منتقل فرماتا ہے جس طرح کہ ہم نے اس سے پہلے تشریحا بیان کیا ہے۔ پھر انہیں ارحام سے فضاء دنیا کی طرف نکالتا ہے۔ پھر ان کی عمریں پوری ہونے کے بعد ان کی ارواح قبض فرماتا ہے اور انہیں زمین کے بطون کی طرف لوٹاتا ہے۔ پھر بیشک وہ نکرین کے سوال کے وقت قبور میں ان کی ارواح ان کی طرف لوٹاتا ہے۔پس سب کی طرف سے وہ فہم والہ ذرہ خطاب سمجھتا ہے اور جواب دیتا ہے اور تمام اجزاء اموات ہیں۔اور یہاں سے معتزلہ نے غلطی کی۔پس انہوں نے سوال قبر کا انکار کر دیا۔اور بسا اوقات سارا جسم حرکت کرتا ہے اور اس ذرہ اصلیہ کے تابع ہو کر اس کی قوت کی وجہ سے کلام کرتا ہے۔اور یہ انبیاء اور اولیاء کے لئے ہوتا ہے جیسا کہ احادیث واخبار میں آیا ہے۔ پھر بیشک انسان جب تک برزخ میں رہتا ہے تو ان ارواح اور ان مقبور ذرات کے درمیان معنوی رابطہ اور الہامی میل ملاقات ہے۔گرچہ وہ صورت میں بوسیدہ ہو چکے ہوں۔پس اخبار وارد ہیں کہ قبر جنتی کیاریوں میں سے کیاری ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے گڑھا ہے۔یہ امر اسی طرح رہتا ہے اس وقت تک کہ طامۃ کبریٰ کے بعد تخلیق اخروی میں لوٹاتے جانے کی میعاد قریب آ جائے۔پس زلزلوں،لرزوں،اکھاڑ پھینکنے والی ہواؤں کے ساتھ ان کا تنقیہ فرمائے گا اور انہیں مردوں کے مادۂ منویہ جیسی بارشوں کے ساتھ مخلوط فرمائے گا جیسا کہ احادیث میں وارد ہے پس اس وقت قبول ارواح کے لائق ہو جائیں گے اور ان کی ارواح ان کی طرف یوں لپکیں گی جیسے حاضر اپنے وطن کی طرف لپکتا ہے۔پس جب دوسرا صور پھونکا جائے گا تو پھونک کے ساتھ ارواح اپنے مکان سے اپنے ان جسموں کی طرف جن سے جدا ہوئی تھیں اس کبوتر سے بھی تیز پرواز کریں گی جو اپنے بچوں کی طرف پرواز کرتا ہے۔اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہی کما بدء کم تعودون (الاعراف آیت ۲۹۔جس طرح اس نے تمہیں پہلے پیدا کیا تھا ویسے ہی تم لوٹو گے) اور ان منازل میں انہیں ذریت آدم کہنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ سب کے سب انہیں ذرات سے تھے۔اور صحیح یہ ہے ذریۃ،ذر سے بروزن فعلیہ ہے جیسے سر سے سریہ۔اور وہ نکاح ہے۔اور بعث ونشور کی بحث میں اسی قدر کافی ہے واللہ تعالیٰ اعلم

ستاسٹھویں بحث

موت کے بعد حشر برحق ہے

یہ اس مسئلہ کے بیان میں ہے کہ موت کے بعد حشر برحق ہے۔ اور اسی طرح زمین کا غیر زمین میں بدلنا اور آسمانوں کا۔ پس رہا حشر تو یہ مخلوق کو اللہ تعالیٰ کے حضور پیشی کے لئے اور اس کے دربار میں سب کے لئے جمع کرنا ہے۔ اور وہ خاص و عام سب مخلوق میں عام ہے۔ پس تمام متقین جو کہ رسل، انبیاء اولیاء اور مومنین ہیں اسم رحمٰن کی بارگاہ میں جمع کئے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یوم نحشر المتقین الی الرحمن وفدا (آیت ۸۵۔ جس دن کہ ہم متقین کو رحمٰن کے حضور معزز و مکرم بنا کر اکٹھا کریں گے) رہے مجرمین تو وہ اپنے طبقات کے اختلاف کے مطابق اسم جبار اور منتقم کی بارگاہ میں جمع کئے جائیں گے۔

اسم الرحمٰن کی بارگاہ میں متقین کی حاضری کی حکمت

شیخ محی الدین فرماتے ہی کہ اس میں حکمت یہ ہے کہ متقی کے جلیس دار دنیا میں جلال ہیبت اور خوف کے اسماء تھے۔ اسی لئے وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا تھا اور اس کے عذاب سے خائف تھا۔ پس اسے قیامت کے دن اس اسم کی طرف جمع کیا جائے گا جو کہ رحمت۔ انس۔ لطف اور جس سے ڈرتا اور خوف کرتا تھا اس سے اماں عطا کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کسی بندے پر دو خوف جمع نہیں فرماتا۔ اور بایزید بسطامی نے ایک قاری کو یوم نحشر المتقین الی الرحمٰن وفدا پڑھتے ہوئے سنا تو ایسی چیخ ماری کہ آپ کی ناک سے خون بہہ نکلا۔ اور کہا: اے عجب اس کی طرف اسے کیونکر جمع کیا جائے گا جو کہ اس کا جلیس ہے۔

شیخ محی الدین نے ۳۵۰ ویں باب میں فرمایا: ابو یزید اس لئے چیخے کیونکہ آپ کے جلیس اسماء تھے اس حیثیت سے کہ وہ ذات پر دلالت کرتے ہیں۔ اور آپ اسم کے ساتھ اس حیثیت سے نہ تھے جسے دلالت علی الذات کے بغیر حقیقتاً طلب کرتا ہے۔ پس اس لئے آپ نے اس کا انکار کیا جس کے مشاہدہ کا مقام آپ کو عطا نہیں کیا گیا۔ تو یہ انکار کے مشابہ ہے۔ انکار نہیں ہے۔ جس طرح کہ حضرت خلیل علیہ السلام نے احیاء موتی کی کیفیت کے علم کے متعلق اپنی طلب میں کہا۔ کیونکہ خلیل علیہ السلام نے احیاء موتی کا انکار نہیں فرمایا۔ آپ یہ تو جانتے تھے کہ زندہ کرنے کے بے شمار طریقے ہیں۔ اور آپ کی جبلت میں علم کی طلب تھی۔ پس آپ نے طلب کی کہ پہنچا نیں کہ اللہ تعالیٰ کس طریقے مردے زندہ فرماتا ہے۔ پس سمجھ لے۔ پس اگر بایزید کو علم ہوتا کہ متقی امام تکلیف میں اسم رحمٰن کا جلیس نہیں تھا۔ صرف اسم جبار کا جلیس تھا تو اس سے تعجب نہ کرتے۔ پس متقی کا حشر رحمٰن کی طرف ہوگا تا کہ اس سے وہ خوف جو کہ اس پر دار تکلیف میں اسم جبار اور منتقم کی ہم نشینی کی وجہ سے تھا زائل ہو جائے۔ پس بیشک رحمٰن سے خوف اور ڈر نہیں ہوتا۔ وہ تو محل آرزو و ناز ہے لیکن اولیاء اللہ رضی اللہ عنہم سچے ہیں ہر حال میں اپنے ذوق سے تجاوز نہیں کرتے بخلاف عام اہل اللہ کے کیونکہ وہ بسا اوقات اپنے غیر کے احوال کے ساتھ کلام کرتے ہیں۔

حشر کی مختلف صورتیں

اگر تو کہے کہ کیا لوگوں کا حشر ان کے امر کی ابتداء سے اس کی انتہاء تک ایک ایک مرتبہ ہوتا ہے؟ تو جیسا کہ شیخ نے ۲۸۴ ویں باب میں

فرمایا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ حشر کی صورتیں محدود نہیں ہیں۔ لیکن ہم تیرے لئے ان میں سے کچھ بیان کرتے ہیں۔ پہلا حشر ان کے لئے دنیا میں تھا۔ پس وہ ان کا حشر اس صورت میں ہے جس میں ان پر میثاق لیا گیا۔ دوسرا ان کا حشر اس صورت سے اس جسمانی دنیوی صورت کی طرف ہے۔ تیسرا ان کا حشر اس صورت میں ہے جس کی طرف موت کے بعد روح منتقل ہوتی ہے۔ چوتھا ان کا حشر اس صورت میں ہے جس میں ان کی قبور میں ان سے سوال ہوتا ہے۔ اور یہ وہ صورت ہے جس کی طرف موت کے بعد منتقل ہوئے اس جسد کی طرف جو کہ موصوف بالموت ہے لیکن خلائق کی نگاہوں اور کانوں کو میت کی حیات اور اس حالت سے جس میں وہ ہے عینی اور سماعی طور پر روک دیا جاتا ہے مگر جسے اللہ تعالیٰ چاہے۔ پانچواں ان کا حشر اس صورت سے جس میں ان سے سوال کیا گیا اس صورت کی طرف ہے جس میں اسے برزخ میں متمکن کیا جاتا ہے۔ پس ان میں سے کوئی تو نفخۂ بعث تک اس میں سونے والے کی طرح ہوتا ہے۔ پس اسے اس صورت سے اٹھایا جائے گا اور اس کا حشر اس صورت کی طرف ہوگا جسے اس نے دار دنیا میں چھوڑا تھا بشرطیکہ اس پر اس کے موصوف بالتکلیف جسد کی خاطر کوئی سوال باقی رہ گیا ہوگا۔ پس اگر اس پر کوئی سوال باقی نہیں ہوگا تو اس کا حشر اس صورت میں ہوگا جس کے ساتھ وہ جنت یا جہنم میں داخل ہوگا۔ پس بیشک لوگ جب جنت یا دوزخ میں داخل ہوں گے تو ان کا حشر ان صورتوں میں ہوگا جن کی انتہا نہیں۔ شیخ فرماتے ہیں: جہنموں سے سب سے سوال ہوگا۔ بخلاف اہل جنت کے۔ پس ان میں سے بعض سے سوال نہیں ہوگا۔ جب اہل جنت، جنت کبریٰ میں داخل ہوں گے اور وہاں قرار پائیں گے پھر رویت کی طرف بلائے جائیں گے تو ان کا حشر ان صورتوں میں ہوگا جو صرف رویت ہی کے لائق ہیں۔ پس جب لوٹیں گے تو ان کا حشر اس صورت میں ہوگا جو جنت کے لائق ہے۔

اور جان لے ہر صورت میں انسان اس صورت کو بھول جائے گا جس پر کہ تھا۔ اور اس کا امر اس صورت کے حکم کی طرف لوٹے گا جس کی طرف وہ منتقل ہوا۔ اور اس میں اس کا حشر ہوا۔ پھر بیشک جب وہ بازار جنت میں داخل ہوا اور اس میں مختلف صورتیں دیکھیں۔ تو جونسی صورت اسے اچھی لگی وہ اسی میں داخل ہو جائے گا۔ یا اسے اپنے گھر لے جائے گا جبکہ بازار والی صورت زائل نہیں ہوگی۔ اور اہل جنت ایک صورت سے دوسری صورت کی طرف جو کہ پہلی سے زیادہ حسین ہوگی منتقل ہوتے رہیں گے اور جہنمی اس کے برعکس ہوں گے۔ ابدالآباد تک یہی سلسلہ رہے گا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے ایمان پر موت کا سوال کرتے ہیں۔ آمین

مویشیوں اور وحشی جانوروں کے حشر کی حکمت

اگر کہا جائے کہ مویشیوں اور وحشی جانوروں کے حشر کی کیا حکمت ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ اس میں حکمت جیسا کہ شیخ نے ۱۷۳ ویں باب میں فرمایا یہ ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ وحوش کا حشر اپنی طرف سے ان پر صرف انعام کے طور پر فرمائے گا اور اسی طرح تمام مویشیوں کا حشر ہوگا۔ پھر وہ مٹی ہو جائیں گے۔ سوائے ہرنوں اور ان حیوانوں کے جنہیں فی سبیل اللہ استعمال کیا گیا۔ پس بیشک وہ جنت میں داخل ہوں گے ان صورتوں پر جس کا وہ مقام تقاضا کرے گا۔ اور خصوصاً ہر وہ حیوان جسے اہل جنت نے دنیا میں غذا بنایا۔ انتہی

کتنے مقامات میں لوگ جمع ہوتے ہیں

اگر کہا جائے کہ کتنے مقامات پر لوگوں کا اجتماع ہوا؟ تو اس کا جواب جیسا کہ شیخ نے ۳۲۹ ویں باب میں فرمایا یہ ہے وہ تین مقامات پر جمع ہوتے ہیں۔ اخذ میثاق، دنیا و آخرت کے مابین برزخ میں، اور بعث بعد الموت میں، اور ان تین مقامات کے بعد وہاں کبھی کوئی

اجتماع نہیں جو کہ عام ہو۔صرف بعض بعض جمع ہوں گے۔اور یوم قیامت کے بعد ہر گھر اپنے رہنے والوں کے ساتھ مشغول ہوگا۔پس جن وانس کا جہان اس کے بعد کبھی جمع نہیں ہوگا۔اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **مالك يوم الدين** (الفاتحہ آیت ۳۔ مالک ہے روز جزا کا) یعنی کیونکہ اولین وآخرین اس روز جمع ہوں گے ان میں سے زمین میں اور نہ ہی پشتوں میں کوئی پیچھے نہیں رہے گا پس اس روز باقی ایام کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کا ملک اعظم واظہر ہوگا کہ ان ایام میں کوئی حاضر ہوا کوئی نہ ہوا۔پس یوم الدین کی تخصیص کا یہ سبب ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ مالک ہے۔پس سمجھ لے۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

زمینوں اور آسمانوں کی تبدیلی

رہا بیان اس کا کہ بیشک اللہ تعالیٰ زمینوں کو غیر زمین کے ساتھ اور آسمانوں کو بدل دے گا تو بیشک اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کی طرف سے قطعی نصوص وارد ہوئی ہیں۔شیخ نے ۳۷۱ ویں باب میں فرمایا: جب قیامت کے دن آسمانوں اور زمینوں میں تبدیلی واقع ہوگی تو یہ صورتوں میں ہے نہ کہ اعیان میں۔گرچہ اعیان بھی صورتیں ہی ہوں گی۔فرمایا: اور نشر حشر اور حساب ہوگا۔اور عرش کہ جس پر فیصلے اور قضا کے لئے تجلی واقع ہوگی ستارہ دار فلک کے پیٹ میں ہے۔پھر جو کچھ اس کے پیٹ میں ہے سارے کا سارا آخرت کی طرف تحلیل ہو جائے گا۔لیکن اس صورت کی بجائے دوسری صورتوں میں۔شیخ نے فرمایا: اور اللہ تعالیٰ نے فلک مکوکب (ستارہ دار) کو فلک اطلس کے جوف میں پیدا فرمایا ہے اور اسی طرح جنتیں اپنے مشمولات سمیت ان دونوں کے درمیان پیدا فرمائی ہیں۔پس فلک مکوکب ان کی زمین اور اطلس ان کی چھت ہے۔اور دونوں فلکوں کے درمیان وسیع فضا ہے جسے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔پس وہ دونوں اس میں اس طرح ہیں جیسے ایک حلقہ وسیع صحرا میں۔نیز فرمایا: اور اس فلک کی جائے قرار دار دنیا ہے۔پس بیشک وہاں سے نیچے تک جو کچھ زمین تک دیکھتا ہے۔دگرگوں ہوگا۔پس منتقل ہوگا جو بھی دنیا سے جنت کی طرف منتقل ہوگا انسان ہو یا غیر انسان۔اور اس میں باقی رہے گا جو باقی رہے گا انسان ہو یا غیر انسان۔اور اس کے بعد جو کوئی باقی رہے گا سب جہنمی ہوں گے جو کہ اس کے اہل ہیں۔شیخ نے فرمایا: اور جان لے جب تک انسان کامل زمین میں موجود رہا تو آسمان اپنے حال پر ہے۔پس جب انسان کامل برزخ میں اتر گیا تو آسمان گر جائے گا کیونکہ وہ اس کا ستون ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ اسے تھامے ہوئے ہے حتیٰ کہ زمین پر نہ گرے۔اور یہی معنی ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول کا **وانشقت السماء فهي يومئذ واهية** (الحاقہ آیت ۱۶۔اور آسمان پھٹ جائے گا پس وہ اس دن بوسیدہ ہو جائے گا) یعنی زمین کی طرف گر پڑے گا۔اور آسمان ایک جسم ہے شفاف پختہ۔تو جب آسمان گرے گا تو آگ کی تپش اسے تحلیل کر دے گی پس وہ سرخ دھواں ہو جائے گا جیسے بہنے والا تیل آگ کے شعلے کی طرح جیسے کہ پہلی مرتبہ تھا،اور سورج کی روشنی زائل ہو جائے گی۔پس ستارے بے نور ہو جائیں گے پس ان کی روشنی باقی نہیں رہے گی مگر آگ میں ان کی نرمی زائل نہیں ہوگی بلکہ وہ بکھر جائیں گے پس اس انتظام کے بغیر ہوں گے جس پر کہ دنیا میں پردے کی حالت میں تھے۔اور اس میں طویل کلام کیا۔

واذا الارض مدت کا مفہوم

اگر تو کہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول **واذا الارض مدت** سے کیا مراد ہے (الانشقاق آیت ۳۔اور جب زمین پھیلا دی جائے گی) اور اس کے پھیلانے کی کیا صورت ہوگی؟ تو اس کا جواب جیسا کہ شیخ نے ۳۷۷ ویں باب میں کہا یہ ہے کہ اسے پھیلانے سے مراد وہ پہاڑوں کا

پھیلنا اور انہیں زمین بنا دینا ہے۔ کیونکہ قیامت کے دن سب پہاڑ حق تعالیٰ کی تجلی سے ہموار زمین بن جائیں گے جب کہ وہ دھنی ہوئی پشم کی طرح ہوں گے۔ پس فضا میں ان کا جو حصہ بلند تھا جب پھیلے گا تو زمین کی وسعت میں اضافہ ہوگا۔ اسی لئے خبر میں آیا ہے بیشک اللہ تعالیٰ قیامت کے دن زمین کو چمڑے کی طرح پھیلا دے گا۔ پس اس کے پھیلانے کو چمڑے کے پھیلانے سے تشبیہ دی کیونکہ انسان جب چمڑے کو پھیلاتا ہے تو وہ اس کے عین میں کسی اضافے کے بغیر طویل ہو جاتا ہے۔ اس میں سکڑ اور بلندی تھی تو جب اسے پھیلایا تو اپنے انقباض سے پھیل جائے گی۔ اور وہ بلندی جو اس میں تھی فرش بن جائے گی پس زمین کی وسعت میں اضافہ ہوگا۔ اور اس کے نشیبی حصے کو اونچا کر کے پھیلانے سے اس کی سطح سے اس کی ہموار زمین میں اضافہ ہوگا جس طرح کہ چمڑے میں کچھ اونچائی ہوتی ہے۔ پس اس لئے زمین میں کوئی کجی نظر آئے گی نہ اونچی جگہ۔ پس نگاہ وہ سب کچھ بلا حجاب دیکھے گی جو موقف میں ہوگا کہ کوئی فراز ہے نہ نشیب۔ پس ساری مخلوق ایک دوسرے کو دیکھے گی پس اللہ تعالیٰ کے حکم کا اس کے بندوں کے مابین فیصلہ کے ساتھ مشاہدہ کریں گے۔ اور اس میں طویل کلام فرمایا۔

یوم قیامت کی مدت

اگر تو کہے کہ قیامت کے دن کی مدت کتنی ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ اس کی مدت لوگوں کے اپنی قبور سے نکلنے سے جنت اور جہنم میں اپنی منزلوں میں اترنے تک ہے۔ اسے شیخ نے ۳۲۰ ویں باب میں ذکر کیا ہے۔ اور ۳۴۸ ویں باب میں فرماتے ہیں: جان لے کہ اس امت کا دن یوم آخرت کے ساتھ متصل ہے۔ دونوں دنوں کے درمیان علی الخصوص برزخ کی رات کے سوا کچھ نہیں۔ اور اس رات کی فجر میں نفخة البعث ہوگا۔ اور اس کے دن کے آفتاب کے طلوع میں فصل و قضاء کے لئے حق جل وعلا کی جلوہ گری ہوگی جیسے اس کی شان جلالت کے لائق ہے۔ اور اشراق کی دو رکعت کی ادائیگی کی مدت میں حکم پورا ہو جائے گا اور دونوں گھر اپنے رہنے والوں کے ساتھ آباد ہو جائیں گے اور یہ ہفتہ کے دن ہوگا۔ پس اس کا دن اہل جنت کے لئے ابدی ہوگا اور اس کی رات جہنمیوں کے لئے ابدی ہوگی۔ اور یہاں طویل کلام فرمایا۔

پھر فرماتے ہیں: جان لے کہ نیل اور فرات دونوں سدرۃ المنتہی کی اصل سے نکلتے ہیں پس جنت کی طرف چلتے ہیں پھر دار جلال کی طرف نکلتے ہیں۔ پس نیل جبل القمر سے اور فرات ارض روم سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور یہ دونوں انتہائی شیریں ہیں۔ ان میں زمین کے مزاج نے اثر کیا پس ان کا ذائقہ اس کیفیت سے متغیر ہو گیا جس پر کہ وہ جنت میں تھے۔ تو جب قیامت ہوگی تو جنت کی طرف لوٹیں گے اور اسی طرح سیحون اور جیحون لوٹیں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اڑسٹھویں بحث

حوض کوثر، صراط اور میزان برحق ہیں

شیخ کمال الدین بن ابی شریف نے فرمایا: اہل کلام نے حوض، صراط اور میزان کے برحق ہونے کا ذکر صرف گمراہوں کے اعتقاد کے بیان کے لئے کیا ہے۔ اور وہ اکثر معتزلہ سے مشہور ہے۔ کیونکہ انہوں نے کہا ہے کہ صراط پر سے گزرنا باوجودیکہ وہ بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے عادۃً محال ہے۔ جبکہ اہل سنت انہیں کہتے ہیں کہ کوئی محال نہیں کیونکہ جس نے پرندے کو ہوا میں چلنے کی قدرت

بخشی وہ اس پر قادر ہے کہ انسان کو صراط پر چلائے۔ فرمایا: اور اہل سنت نے حدیث کو اس کے ظاہر پر جاری کیا ہے۔ اور بعض نے اس کی تاویل کی ہے کہ اس کا بال سے زیادہ باریک ہونا مخفی اور گہرے امر کے لئے ضرب المثل ہے۔ اور معنی یہ ہے کہ اس پر سے آسانی سے گزرنا اور تنگی سے گزرنا، طاعات اور ان کے لئے متحرک ہونے اور معاصی اور ان میں کثرت اور قلت سے واقع ہونے کے اندازے پر ہے۔ اور دونوں قسموں میں سے ہر ایک کی باریکی کی حد کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ اور بعض نے اس کے تلوار سے زیادہ تیز ہونے کی یہ بھی تاویل کی ہے کہ اس پر سے لوگوں کو گزارنے کے متعلق فرشتے اللہ تعالیٰ کا امر جلد نافذ کریں گے۔ شیخ کمال الدین کہتے ہیں کہ ہم اس تاویل کے اس لئے قائل ہیں تاکہ دوسری حدیث کے موافق ہو لوگوں اور ملائکہ کے صراط کے دونوں طرف کھڑے ہونے میں اس میں سلاخوں اور سہ شاخہ کانٹوں کا ہونا اور اس پر سے گزرنے والے کو اس کے دو قدموں کی جگہ دینا وغیرہ۔ انتہی

مذکور الصدر مسئلہ کی قدرے تفصیل

امام شعرانی فرماتے ہیں کہ اور چاہئے کہ اس پر ہم قدرے تفصیل سے کلام کریں۔ پس ہم کہتے ہیں: جان لے کہ حوض۔ صراط دونوں نصوص سے ثابت ہیں۔ علماء نے کہا ہے کہ یہ دونوں اعمال اور علوم کی شرشت پر متشکل ہوتے ہیں۔ کیونکہ علم ہے اور عمل۔ پس حوض اس کے علوم ہیں اور صراط اس کے اعمال ہیں۔ پس علم شریعت سے استفادہ کی مقدار پر حوض کوثر سے پینا ہوگا۔ اور افعال اقوال اور عقائد میں اتباع شریعت کی مقدار کے مطابق وہاں صراط پر چلنا ہوگا۔ تو جو یہاں سے شریعت ٹیڑھا ہوگیا اس کے قدم وہاں پھسل جائیں گے۔ اور حوض سے اس کے پینے میں کمی ہوگی پس صراط پر تو چلنا درحقیقت یہیں ہے نہ کہ وہاں۔ کیونکہ صراط جو کہ شرعاً یہاں معنوی طور پر نصب ہے وہی ہے جو کہ وہاں حسی طور پر نصب ہوگی۔ اور وہاں جنت کی طرف کوئی راستہ نہیں ہے مگر اسی پر۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **وان منکم الا واردھا** (مریم آیت اے۔ اور تم میں سے کوئی ایسا نہیں مگر اس کا گزر دوزخ پر ہوگا) شیخ محی الدین فرماتے ہیں: اور حوض، صراط سے ایک سمت میں ہے۔ اور آپ نے اس کے لئے حاشیہ پر ایک نقشہ بنایا ہے جس کی صورت یہ ہے۔
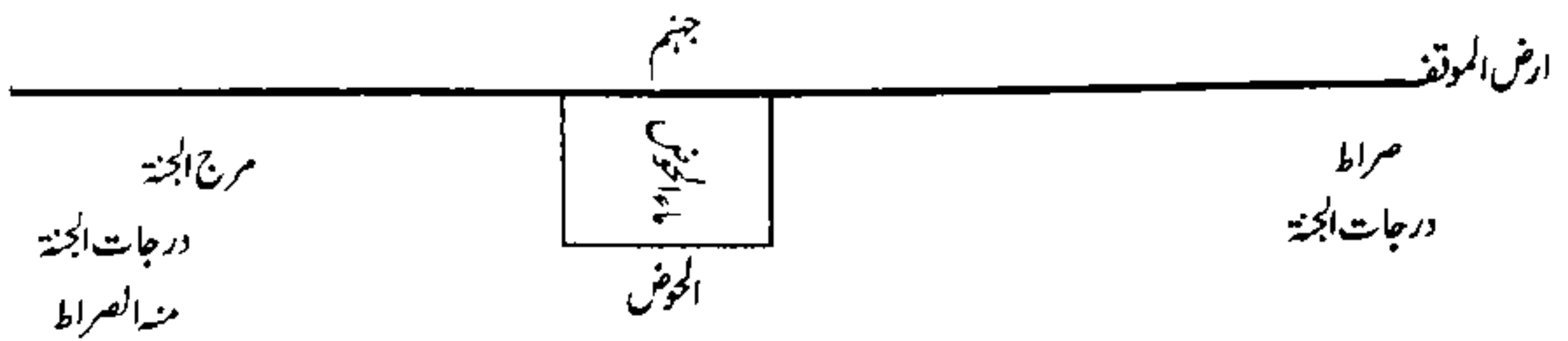
شیخ نے فرمایا: اور جان لے کہ صراط پر ہر انسان کا نور اس کی ذات سے اس کے غیر کی طرف تجاوز نہیں کرے گا پس کوئی کسی کے نور میں نہیں چلے گا۔ اور صراط کی وسعت اور باریکی نور کے پھیلاؤ اور اس کی تنگی کے مطابق ہوگی۔ پس ہر انسان کے صراط کا عرض اس کے نور کے پھیلاؤ کے اندازے پر ہوگا۔ اور اسی وجہ سے ایک قوم کے حق میں باریک جبکہ دوسروں کے حق میں عریض ہوگا جبکہ وہ فی نفسہ ایک ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **یسعی نورھم بین ایدیھم و بایمانھم** (الحدید آیت ۱۲ ان کا نور ان کے آگے اور ان کی دائیں جانب چل رہا ہوگا)۔ ان کی بائیں جانب نہیں کیونکہ سعادت مند مومن کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں۔ پس اس کے لئے کوئی بایاں نہیں۔ انتہی

صراط کی حقیقت

اور شیخ ۳۰۸ ویں باب میں فرماتے ہیں: جان لے کہ جس صراط پر تو چلے گا اور اللہ تعالیٰ اس پر تجھے ثابت قدم رکھے گا حتیٰ کہ تجھے جنت تک پہنچائے گا صراط ہدایت ہے جسے دار دنیا میں تو نے ظاہری باطنی اعمال صالحہ کی صورت میں اپنے لئے پیدا کیا۔ پس معنی کے حکم کی وجہ سے اس دار میں اس کی کسی حسی صورت کا مشاہدہ نہیں ہوسکتا۔ پس قیامت کے دن تیرے لئے جہنم کی پشت پر ایک محسوس پل بچھایا جائے گا۔ جس کی ابتداء موقف سے ہوگی اور اس کی انتہاء اس چمن زار میں ہوگی جو کہ جنت کے دروازے پر ہوگا۔ پس تو اپنے پہلے مشاہدہ میں ہی اسے پہنچان لے گا کہ وہ تیرے اعضاء کے ساتھ تیری صنعت اور تیری عمارت ہے۔ اور تجھے معلوم ہو جائے گا کہ وہ دنیا میں تیرے طول وعرض اور گہرائی کی تین شاخوں کی صورت میں تیری طبیعت کے جہنم پر بچھایا ہوا تھا۔ کیونکہ تیری حقیقت کا ظل تھا۔ اور وہ غیر سودمند ظل ہے اسے شعلوں سے نہیں بچاتا۔ بلکہ وہ وہی ہے جو اسے جہالت کی شعلہ زن آگ کی طرف کھینچتا ہے۔ انتہی

اور شیخ نے ۳۷۱ ویں باب میں فرمایا: جان لے کہ جب صراط بچھایا جائے گا تو زمین سے ستارہ دار فلک کی طرف استقامت کے ساتھ بلند ہوگا۔ پس اس کی انتہا اس چمن زار تک ہوگی جو کہ اس جنت کی فصیل سے باہر ہے جس میں لوگ اوّل اوّل داخل ہوں گے اور اسے جنت نعیم کہا جاتا ہے اور دسترخوان چمن زار میں ہوگا۔ اور وہ نرم ونازک، سفید اور انتہائی صاف آتا ہے (اس کی حقیقت اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے) جس سے دسترخوان والے سب کے سب کھائیں گے۔ اور بعض کھڑے ہو کر جو کہ فصیل ہر جنتی شاخوں سے لٹکتے ہوں گے پھل چن کر کھائیں گے۔ انتہی

اور ٦٤ ویں باب میں فرماتے ہیں: جب مخلوق صراط کی طرف گزرے گی۔ وہاں پہنچیں گے تو اس کے اوپر جہنم کی پشت پر پل بنے ہوں گے۔ بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز۔ اور جہنم میں پل چالیس ہزار سال غائب رہے۔ اور ان کے پہلو میں جہنم کے شعلے بھڑکتے رہے۔ اور ان پر کانٹے۔ اور لوہے کی ٹیڑھی ترچھی سلاخیں ہوں گی۔ اور یہ سات پل ہیں۔ ان پر تمام بندوں کا حشر ہوگا۔ اور ان میں ہر پل پر تین ہزار سال کی مسافت کی گھاٹی ہوگی۔ ایک ہزار سال چڑھائی۔ ایک ہزار سال ہموار اور ایک ہزار سال اترائی۔ اور یہ مفہوم ہے اللہ تعالیٰ اس قول کا ان ربك لبالمرصاد (الفجر آیت ١٤ بیشک ان کا رب ان کی تاک میں ہے) یعنی ان پلوں وغیرہ۔ پر شیخ نے فرمایا: اور ملائکہ ان پلوں پر خلق کی انتظار میں ہوں گے۔ پس بندے سے اللہ تعالیٰ پر ایمان کامل کا سوال ہوگا۔ تو اگر وہ اسے مومن مخلص اور صاحب یقین ہونے کی صورت میں لایا کہ شک کی کوئی گنجائش نہیں اور نہ ہی کجی تو دوسرے پل تک گزر جائے گا۔ پس اسے کمال نماز کے متعلق سوال ہوگا اگر اسے مکمل لایا تو تیسرے پل پر پہنچے گا۔ پس اس سے زکوٰۃ کا سوال ہوگا۔ اگر اسے پورے طور پر لایا تو چوتھے پل کی طرف گزر جائے گا۔ پس اسے روزے کا سوال ہوگا۔ اگر پورے لایا تو پانچویں پل تک جا پہنچے گا۔ پس اس سے حج کا سوال ہوگا۔ اگر اسے مکمل لایا تو چھٹے پل کی طرف گزر جائے گا تو اس سے حدث سے پاکیزگی کے متعلق سوال ہوگا۔ تو اگر اسے پورا لایا تو ساتویں پل کی طرف گزر جائے گا۔ پس اس سے مظالم کے متعلق سوال ہوگا۔ تو اگر اس نے کسی پر ظلم نہیں کیا ہوگا۔ تو جنت کی طرف گزر جائے گا۔ اور اگر ان خصلتوں سے کسی ایک میں کوتاہی کی ہوگی تو ہر پل پر ایک ہزار سال تک روکا جائے گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس کے متعلق اپنی مشیت کے مطابق فیصلہ فرمائے۔ آپ نے ٦٤ ویں باب میں یہ بھی فرمایا ہے: جان لے کہ کانٹے اور ٹیڑھی ترچھی سلاخیں جو کہ صراط کے دونوں پہلوؤں میں ہوں گی وہ صرف بنی آدم کے اعمال کی صورتیں ہیں پس ان کے وہ اعمال انہیں صراط پر روک لیں گے۔ جنت کی طرف جا سکیں نہ جہنم میں گریں حتیٰ کہ انہیں شفاعت اور عنایت ربانیہ پہنچے۔ وہ صرف تمہارے اعمال ہیں جو تم پر وارد ہوں گے۔ انتہی

صراط کے متعلق شیخ ابو طاہر القزوینی کا بیان

اور شیخ ابو طاہر القزوینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صراط دو ہیں۔ ان میں سے ایک دنیا میں ہے اور وہ اسلام ہے۔ وہ علمی ہے۔ لیکن آخرت میں حسی طور پر پل میں بدل جائے گا۔ اور یہی معنی ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا **اھدنا الصراط المستقیم** (الفاتحہ آیت ۵۔ ہمیں سیدھے راستہ پر چلا) اور وہ درحقیقت ایک پل ہے جو کہ کفر، شرک، بدعات اور نفسانی خواہشات کی پشت پر بچھایا گیا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وان ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ** (الانعام آیت ۱۵۳۔ اور بیشک یہ میرا راستہ سیدھا پس اس کی پیروی کرو) اور حدیث پاک میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن سورۃ الصافات کی تلاوت فرمائی۔ جب اس آیت پر پہنچے **فاھد وھم الی صراط الجحیم و قفوھم انھم مسئولون** (آیت ۲۳، ۲۴۔ پس انہیں سیدھا لے چلو جہنم کی راہ کی طرف۔ اور انہیں روک لو ان سے باز پرس کی جائے گی) تو گریہ طاری ہو گیا حتیٰ کہ آنسو ریش مبارک پر گرنے لگے۔ حاضرین میں بعض نے عرض کی آپ مبعوث فرمانے کے خوف سے گریہ فرما رہے ہیں؟ فرمایا: ہاں میرے رب کی قسم! اس نے مجھے ایسا راستہ پر بھیجا ہے جو کہ تلوار کی دھار جیسا ہے۔ جو پھسلا ہلاک ہوا۔ اور یہ صراط لمبے دھاگے کی طرح ہے جو کہ بندے اور اللہ کے مابین کھینچا گیا ہے۔ عین استقامت میں، تشبیہ و تعطیل، جبر و قدر، سخاوت و بخل اور شجاعت و بزدلی کے درمیان متوسط درجے میں جیسے تواضع، تکبر اور کمینہ پن کے درمیان اور جیسے عفت، شہوت اور جذبات شہوت کے بجھ جانے کے درمیان۔ اور ان خصلتوں اور ان جیسی دیگر خصلتوں کی دونوں طرفیں مذموم ہیں اور متوسط قابل ستائش ہے۔ پس اس متوسط درجہ پر ہمیشگی ہی وہ ہے جسے باریک اور تیزی کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے قول **فاستقم کما امرت** (ہود آیت ۱۱۲۔ پس آپ ثابت قدم رہئے) کے ساتھ اسی کی طرف اشارہ ہے۔

رہا صراط ثانی تو وہ اخروی حسی ہے اور وہ درحقیقت صراط اوّل کی صورت ہے اور وہ جنت کی طرف مسلمانوں کی راہ ہے۔ پھر مخفی نہ رہے کہ جس نے دنیا میں صراط اسلام پر چلنے کی عادت بنالی اس پر صراط آخرت پر چلنا آسان ہوگا۔ اور جسے دنیا میں اس کی عادت نہ ہوئی اس کے لئے مشکل ہوگا اور اس کے قدم پھسلیں گے اور اس کی ندامت طویل ہوگی۔ اور یہ صراط کیا ہے مگر اس صراط معنوی کی شکل محسوس۔ قصہ مختصر لوگوں کا صراط آخرت پر سے تیزی سے گزرنا اور دیر سے گزرنا اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کی طرف ان کے جلدی کرنے اور تاخیر کرنے کے اعتبار سے ہوگا۔ نیز فرمایا: اور ٹیڑھی ترچھی سلاخوں کے متعلق جو بیان ہوا وہ دنیوی علائق سے عبارت ہے جو کہ قلب کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں۔ تو جس طرح یہ اپنے متعلق کو دنیا کی طرف کھینچتے ہیں اسی طرح اسے ہاویہ کی طرف کھینچیں گے۔ جس طرح کہ کانٹے ہر انسان کے گناہوں اور خطاؤں کی مقدار پر ہوں گے۔ تو جس طرح ان کے ساتھ چمٹے رہنے کی وجہ سے اس کے دین میں نقصان دیتے تھے اسی طرح قیامت کے دن ان پر سے گزرنے کی وجہ سے اسے تکلیف دیں گے۔ اور رہا وہ جو صراط پر پیٹ کے بل اور گھٹنوں کے بل چلنے کا ذکر ہے تو یہ لوگوں کی پشتوں کا مظالم اور بدکاریوں کی وجہ سے بوجھل ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ اور رہے پھسلنے والے مرد اور عورتیں تو وہ دنیا میں صراط مستقیم اور دین قویم سے منہ پھیرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ہم دعا کرتے ہیں کہ ہم پر لطف و کرم فرمائے۔

میزان کا بیان

رہا میزان تو اسے جمہور اہل سنت نے ثابت کیا ہے جبکہ معتزلہ نے انکار کیا ہے۔ امام غزالی اور قرطبی فرماتے ہیں: اور میزان ہر کسی

کے حق میں نہیں ہوگا ان ستر ہزار سے متعلق حدیث پاک کی وجہ سے جو کہ جنت میں حساب کے بغیر داخل ہوں گے۔ اور ان کے لئے میزان نصب نہیں ہوگا۔ گرچہ معنی ہے بغیر اس کے کہ ان کا داخلہ ان کے حساب میں ہو۔ علماء نے فرمایا: اور میزان سے مراد وہ میزان کلی ہے جو کہ تمام خلائق کے موازین کی تفاصیل کا جامع ہے۔ پس وہ ایک دفعہ ہی اٹھے گا پس تمام خلائق کے موازین دفعتاً اٹھائے جائیں گے اور ہر کوئی اپنے میزان کا مشاہدہ کرے گا کہ اٹھایا گیا ہے اور اس کے اعمال اس کے پلے میں سپرد کئے گئے ہیں۔ یہاں تک کہ محاسبات اور موازنات کا حکم پورا ہو جائے گا۔

شیخ محی الدین نے فرمایا: اور ہر شخص کا میزان اسی مذہب پر ہوگا جس پر کہ وہ شخص دار دنیا میں تھا۔ کیونکہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے انسانی جسم کو میزان کی شکل پر پیدا فرمایا ہے۔ اور اس کے پلڑے اس کا دایاں اور بایاں بازو ہے۔ اور میزان کی زبان آدمی کی سیدھی قامت ہے پس وہ اسی سمت کے لئے ہے جدھر مائل ہوا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ **واقیموا الوزن بالقسط ولا تخسروا المیزان** (الرحمٰن آیت ۹۔ اور وزن کو ٹھیک رکھو انصاف کے ساتھ اور تول کم نہ کرو) یعنی معاصی کی طرف مائل ہو کر اور ان میں گر کر۔ اور اللہ تعالیٰ نے سعادت دائیں پلڑے کے ساتھ اور شقاوت بائیں پلڑے کے ساتھ ملائی ہے۔ پس اعتدال بقاء کا ذریعہ اور انحراف ہلاکت کا سبب ہے۔ پھر مخفی نہ رہے کہ آخرت کے تمام موازین (ترازو) کا ادراک اہل دنیا کے موازین کی طرح حاسہ بصر کے ساتھ ہو سکتا ہے لیکن وہ دنیا کے برعکس تمثیل کے طور پر ہے محسوس نہیں ہیں۔ پس وہ اعمال کی تمثیل کی طرح برابر ہیں۔ کہ وہ دنیا میں اعراض ہیں اور آخرت میں اشخاص ہوں گے۔ جیسے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے موت کے بارے میں فرمایا کہ اسے مینڈھے کی صورت میں لایا جائے گا۔ یہ نہیں فرمایا کہ اسے مینڈھا لایا جائے گا۔ کیونکہ حقائق تبدیل نہیں ہوتے۔

پھر جب وزن اعمال کے لئے ترازو رکھے جائیں گے تو ان میں کتب خلائق رکھی جائے گی جو کہ ان کے تمام ظاہری اعمال پر حاوی ہوں گی نہ کہ باطنی اعمال پر۔ کیونکہ باطنی اعمال میزان محسوس میں کبھی داخل نہیں ہوتے۔ لیکن ان میں عدل قائم کیا جائے گا اور وہ میزان حکمی معنوی ہے پس محسوس کے لئے محسوس اور معنی کے لئے معنی۔ ہر شے اپنی مثل کے ساتھ ہے۔ انتہی

شیخ صفی الدین بن ابو منصور کا بیان

اور شیخ صفی الدین بن ابو منصور کی عبارت ان کے عقیدہ میں یہ ہے: جان لے کہ جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت عظمیٰ واقع ہو چکی تو رب سبحانہ وتعالیٰ اپنی کتاب رکھے گا جس کے ضمن میں اس کی تمام مخلوقات کے علوم ہیں۔ جو کہ تمام خلائق کے اعمال ناموں کی تفاصیل کی جامع ہے تو جب پوری کی پوری رکھ دی جائے گی تو تمام تفصیلی اعمال نامے ایک دم رکھ دیئے جائیں گے۔ پس ہر انسان اپنی کتاب اس کے دائرہ وجود میں دفعتاً رکھی ہوئی پائے گا۔ اور ہر کوئی کتاب وحساب کا رکھنا نہیں دیکھے گا مگر اپنے لئے اور اسی طرح میزان کلی جو کہ تمام خلائق کے موازین کی تفصیل کا جامع ہے ایک ساتھ اٹھایا جائے گا پس تمام خلائق کے سارے موازین ایک ساتھ اٹھائے جائیں گے۔ ہر کوئی اپنے میزان کو اٹھایا ہوا اور اپنے اعمال کو پلڑے میں سپرد کیا ہوا دیکھے گا یہاں تک کہ موازنات اور محاسبات کا حکم پورا ہو جائے گا۔ پس اگر تو میزان کلی کو دیکھے تو کہے کہ یہ ایک ہے اور اگر اس کی تفاصیل کو دیکھے تو کہے کثیر ہے۔ اور علماء نے فرمایا ہے کہ ہر میزان کی زبان اور دو پلڑے ہیں اس کی وجہ سے اعمال کی مقداروں کا عرفان حاصل ہوگا بایں طور کہ اس کے صحائف وزن کئے جائیں گے۔ شیخ محی الدین نے فرمایا: اور

میزان میں سب سے آخر جو رکھا جائے گا بندے کا الحمد للہ کہنا ہے اور اسی لئے وارد ہوا ہے کہ الحمد للہ میزان کو پر کر دے گا۔

لاالہ الا اللہ اور الحمد للہ کا میزان میں فرق

اگر تو کہے کہ لاالہ الا اللہ میزان کو الحمد للہ کی طرح پر کیوں نہیں کرتا؟ تو جواب یہ ہے کہ لاالہ الا اللہ میزان کو الحمد للہ کی طرح پر اس لئے نہیں کرتا کیونکہ اعمال خیر میں سے ہر عمل کے لئے ضروری ہے کہ اس کی ضد کوئی دوسرا عمل ہو جو کہ اس کے مقابل ہوتا کہ یہ خیر اس کے موازنہ میں ہو جبکہ لاالہ الا اللہ کا شرک کے سوا کوئی مقابل نہیں۔ کیونکہ وہ اس کی ضد ہے۔ اور توحید اور شرک میزان میں کبھی جمع نہیں ہوتے۔ بخلاف توحید کے اہل اسلام کی معصیتوں کے ساتھ۔ اور اس کی وضاحت یہ ہے کہ بندہ اگر لاالہ الا اللہ عقیدہ رکھتے ہوئے کہتا ہے تو اس نے شرک نہیں کیا۔ اور اگر اس نے شرک کیا لاالہ الا اللہ پر عقیدہ نہیں رکھتا۔ تو جب ان دونوں کا اجتماع صحیح نہیں تو لاالہ الا اللہ میزان میں داخل ہی نہیں ہوتا کیونکہ دوسرے پلڑے میں اس کا مقابل اور اس کی برابری کرنے والا ہے ہی نہیں۔ شیخ محی الدین فرماتے ہیں: رہا ننانوے دفتروں والا تو اس کے میزان میں لاالہ الا اللہ اس لئے داخل ہوا کیونکہ وہ لاالہ الا اللہ عقیدے کے ساتھ کہتا تھا لیکن اس کے ساتھ اس نے کبھی عمل خیر نہ کیا بلکہ اس کے ساتھ صرف سیئات کا ارتکاب کرتا رہا۔ پس لاالہ الا اللہ سیئات کے ۹۹ دفتروں کے مقابلے میں رکھا جائے گا پس لاالہ الا اللہ والا پلڑا سب پر وزنی ہوگا اور دفتر ہلکے پڑ جائیں گے۔ پس اللہ تعالیٰ کے نام پاک کے ساتھ کسی شے کا وزن نہیں ہوگا۔ انتہی۔

میزان کے بھاری اور ہلکا ہونے کا معنی

شیخ فتوحات کے ۳۴۲ ویں باب میں ان آیات کے معنی میں فرماتے ہیں فمن ثقلت موازینہ فاولئك هم المفلحون. ومن خفت موازینہ فاولئك الذین خسروا انفسهم فی جهنم خالدون ۔ (المومنون آیت ۱۰۲، ۱۰۳۔ البتہ جن کے پلڑے بھاری ہوں گے تو وہی لوگ کامیاب ہوں گے اور جن کے پلڑے ہلکے ہوں گے تو وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو نقصان پہنچایا۔ وہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے) جان لے کہ قیامت کے دن کا میزان خلق کے پیدا ہونے کی صورت کے ساتھ ثقل ظاہر کرے گا کیونکہ ان کا حشر ونشر اجسام طبعیہ میں ہوگا۔ تو جس کے موازین ثقیل ہوئے وہ سعید ہوگا اور یہ اس لئے کہ نیکی اپنی دس مثل سے ایک لاکھ اور اس سے بھی فائق ہے۔ اور اس سعید نے اپنے ظاہر میں اچھا کام کیا اور اپنے باطن میں حسن کا ارادہ کیا۔ اور رہا وہ جس کے موازین ہلکے ہوئے تو وہ شقی ہے۔ اور یہ اس لئے کہ اس نے برا کام کیا۔ اور برائی ایک کے برابر ہے۔ پس اس کے موازین میزان سعید کے ثقل کی نسبت ہلکے رہے۔ اور اللہ تعالیٰ وزن میں صرف خیر کے پلڑے کا اعتبار فرماتا ہے نہ کہ شر کے پلڑے کا۔ پس وہ سعید کے حق میں ثقیل ہے جبکہ شقی کے حق میں خفیف ہے۔ علاوہ ازیں برائی دوچند بھی نہیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اس کی خیر کا پلڑا بھی ہلکا رہا۔ پس معلوم ہوا کہ بھاری پلڑا سعید کے لئے ہے اور وہ بعینہ اس میں خیر کی قلت یا بالکل ہی معدوم ہونے کی وجہ سے شقی کے لئے ہلکا ہے۔ جیسے سجلات والا (یعنی ۹۹ دفاتر سیئات والا جس کا ذکر ذرا پہلے گزرا) یا اہل فترات میں سے وہ جسے اللہ تعالیٰ جہنم سے نکالے گا حالانکہ اس نے کوئی عمل خیر نہیں کیا ہوگا سوائے توحید کے پس بیشک اس کے دائیں پلڑے میں اس کیلئے کچھ بھی نہیں۔ اس کے پاس تو فقط اللہ تعالیٰ کے لئے توحید ہے جو کہ علم ضروری سے حاصل ہوئی جس میں اس کے لئے اپنا کوئی عمل نہیں۔

میزان عمل کے متعلق شیخ کا مزید وضاحتی بیان

شیخ نے فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ ثقل اور خفت میں دونوں پلڑوں کا ایک ساتھ اعتبار فرماتا۔ خیر کے پلڑے کا اور شر کے پلڑے کا تو اس کے متعلق مزید بیان فرماتا۔ کیونکہ دونوں میں سے ایک پلڑا جب ثقیل ہو جائے تو بلاشبہ دوسرا ہلکا ہو جاتا ہے خیر ہو یا شر۔ یہ وزن اعمال کا حکم ہے۔ لیکن جب خود بندے، کا وزن واقع ہو بایں طور کہ وہ ایک پلڑے میں ہو اور اس کا عمل دوسرے پلڑے میں جس طرح اس کی طرف اس حدیث میں اشارہ ہے کہ قیامت کے دن ایک موٹا تازہ آدمی لایا جائے گا۔ پس اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا وزن مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں ہوگا۔ تو یہ اس وزن اعمال کے علاوہ دوسرا وزن ہے تو جس کا میزان ثقیل ہوا اس کا عمل نچلی سمت میں اترے گا۔ اور یہ اس لئے کہ دار دنیا میں اعمال نفوس کی مشقتوں سے ہیں اور مشقتوں کا محل جہنم ہے۔ اسی لئے شارع علیہ السلام نے اپنی امت کے لئے مشقت طلب عمل پسند نہیں فرمایا۔ اور فرمایا: اسی عمل کی تکلیف کرو جس کی طاقت رکھتے ہو۔ پس اسی لئے اس شخص کے عمل کا پلڑا جس کا ہم نے ذکر کیا ہے جہنم طلب کرتا ہوا نیچے اترے گا۔ اور وہ پلڑا اپنی خفت کی بنا پر اوپر اٹھ جائے گا جس میں وہ ہوگا۔ پس وہ جنت میں داخل ہوگا کیونکہ جنت کے بلندی ہے۔ جس طرح کہ شقی میزان کے جس پلڑے میں ہوگا ثقیل ہوگا اور اس کے عمل کا پلڑا ہلکا ہوگا پس وہ آگ میں گرے گا۔ اور یہ مفہوم ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول کا فامہ ہاویہ (القارعہ آیت ۹۔ تو اس کا ٹھکانہ ہاویہ ہوگا)

پس معلوم ہوا کہ وزن کی اس قسم میں میزان عمل کے پلڑے کا ہی اعتبار ہے جسے سعید کے حق میں ثقل کے ساتھ موصوف کیا گیا ہے کہ اس پلڑے والا بلند مرتبہ ہے۔ اور اسے شقی کے حق میں خفت کے ساتھ موصوف کیا گیا ہے کہ اس پلڑے والا ثقیل ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے **وھم یحملون اوزارھم علی ظھور ھم** (الانعام آیت ۳۱۔ اور وہ اپنی پشتوں پر اپنے بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں گے) اور ان کے لئے نہیں ہوگا مگر وہ ثقل جو ان کے بوجھ انہیں عطا کریں گے جس کی وجہ سے وہ نار جہنم میں گریں گے۔ اور اس کا حاصل یہ ہے کہ اعمال کے ان کے بعض کے ساتھ وزن۔ اس میں نیکیوں کے پلڑے کا اعتبار ہے۔ جبکہ ان کے عامل کے ساتھ۔ وزن اعمال میں عمل کے پلڑے کا اعتبار ہے۔ انتہی

والسماء رفعھا ووضع المیزان .... ولا تخسروا المیزان پر کلام

اور آپ باب نمبر ۳۰۱ میں اللہ تعالیٰ کے اس قول کے بارے میں فرماتے ہیں **والسماء وفعھما ووضع المیزان** (الرحمٰن آیت ۷۔ اور آسمان اسی نے بلند فرمایا ور میزان قائم کی) اللہ تعالیٰ نے میزان اس لئے قائم کی تاکہ اس کے ساتھ انس و جن کا وزن کیا جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کے قول **الاتطغوا فی المیزان** (الرحمٰن آیت ۸۔ تاکہ تم تول میں کمی بیشی نہ کرو) یعنی خسارے کی خاطر کی بیشی کے ساتھ۔ **واقیموا الوزن بالقسط** (الرحمٰن آیت ۹۔ اور وزن درست رکھو انصاف کے ساتھ) یعنی تخلیق انسان کے اعتدال کی طرح۔ کیونکہ انسان میزان کی زبان ہے۔ **ولا تخسر واالمیزان** (آیت ۹ اور تول کو کم نہ کرو) یعنی دونوں پلڑوں میں سے ایک کو زیادہ کر کے مگر فضل کے ساتھ۔ پھر مخفی نہ رہے کہ وہ میزان جس کے ساتھ اعمال تولے جائیں گے کنڈے کی شکل پر ہے۔ اسی لئے اسے خفت اور ثقل کے ساتھ موصوف کیا گیا ہے تاکہ میزان عددی کے درمیان اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے **بحسبان**. (آیت ۵۔ حساب کے ساتھ ہیں) اور اس کے درمیان جس میں مردوں کے ساتھ وزن کیا جاتا ہے۔ جامع ہو۔ اور یہ صرف کنڈے میں ہی ہوتا ہے۔ اسلئے دو

پلڑوں کو متعین نہیں فرمایا بلکہ سعادت مندوں کے بارے میں یوں فرمایا **فاما من ثقلت موازینہ** ۔اور بدبختوں کے بارے میں فرمایا **اما من خفت موازینہ** ۔اوراس سے مراد دو پلڑوں والا میزان ہوتا تو فرماتا **فاما من ثقلت کفۃ حسناتہ** ۔یعنی جس کی نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوا تو وہ ایسا ہے **واما من خفت موازین سیئاتہ فھو کذا** ۔یعنی جس کی برائیوں کا پلڑا ہلکا ہوا تو وہ ایسا ہے۔پس معلوم ہوا کہ اگر ثقل والا میزان وہ خفت والے میزان کا عین نہ ہوتا اور یہ کہ وہ کنڈے کی طرح ہے تو دو پلڑوں والا ہوتا۔اور اگر دو پلڑوں والا ہوتا تو سیئات کے پلڑے کو بھی ثقل سے موصوف کیا جاتا جبکہ وہ حسنات سے زیادہ ہوتیں۔تو جب اسے صرف خفت کے ساتھ ہی موصوف فرمایا تو ہمیں پتہ چلا کہ یہ میزان کنڈے کی شکل میں ہے۔انتہی

اعراض کو صورتوں میں لانا تحت قدرت

اور آپ فتوحات کے ۹۹ ویں باب میں فرماتے ہیں: اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا اعمال بنی آدم کا باوجود یکہ وہ اعراض ہیں صور قائمہ میں لانے کو یہ امر تیری عقل کے قریب کرتا ہے کہ حق تعالیٰ محال کی ایجاد پر قادر ہے۔اور یہ کہ انسان اپنے آپ سے اپنے خیال کے محال کی ایجاد پر قادر ہونے کا مشاہدہ کرتا ہے پس بندہ خواب میں اپنے رب عزوجل کو کسی صورت میں دیکھتا ہے باوجود یکہ حق تعالیٰ کی جہت سے یہ محال ہے۔پس خیال نے اس ذات کے لئے صورت مقرر کر دی جس کی ہمیں کوئی صورت معلوم نہیں۔اور محال کو ممکن کی صورت میں لوٹا دیا تو جب خیال کا مرتبہ یہ ہوا باوجود یکہ وہ مخلوق ہے تو پھر خالق کی قدرت کا کیا کہنا۔پس تیرے لئے اعمال کو میزان میں رکھنے کا درست ہونا ظاہر ہو گیا باوجود یکہ وہ اعراض ہیں۔اور یہ انصاف قائم کرنے کیلئے ہے۔اور اسی طرح وزن اعمال کو جو تیری عقل کے قریب کرتا ہے وہ موت کا کھلے عام سفید مینڈھے کی صورت میں لایا جانا ہے باوجود یکہ موت ایک نسبت ہے۔کہ املح سفید کو کہتے ہیں۔اور یہ اس لئے تا کہ تمام لوگ پہنچان لیں۔پس یہ محال تحت قدرت ہے۔پس کہاں ہے عقل کا حکم اور اس کی تاویل کا فساد۔او،اس میں طویل کلام فرمایا۔

نصب میزان اور شیخ ابوطاہر القزوینی کی وضاحت

اور شیخ ابوطاہر القزوینی اپنی کتاب سراج العقول کے تیسویں باب میں فرماتے ہیں: جان لے چونکہ دنیا دار عمل ہے اور آخرت دار جزاء ہے۔اور اللہ تعالیٰ وہ بادشاہ عادل ہے جو کہ لوگوں پر کوئی ظلم نہیں فرماتا اور نہ ہی اس کا اجر ضائع فرماتا ہے جس نے اچھے اعمال کئے۔بلکہ ہر شخص کو اس کے کسب کی جزا دیتا ہے۔اس نے قیامت میں از روئے عدل میزان نصب فرمائی جس کے ساتھ اپنے عدل کے اظہار کے لئے اپنے بندوں کی سیئات اور ان کی حسنات کا وزن فرمائے گا۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **ونضع الموازین القسط لیوم القیامۃ فلا تظلم نفس شیئا وان کان مثقال حبۃ من خردل اتینابھا وکفی بنا حاسبین** (آیت ۴۷۔اور ہم قیامت کے دن صحیح تولنے والے ترازو رکھ دیں گے پس کسی پر ذرہ بھر ظلم نہ کیا جائے گا۔اور اگر چہ کسی کا عمل رائی کے دانے کے برابر بھی ہوگا تو ہم اسے لا حاضر کریں گے۔اور ہم کافی ہیں حساب کرنے والے) یعنی اگر رائی کے دانے کا وزن ہوگا۔اور من بیانیہ ہے۔جس طرح کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے **مالکم من الہ غیرہ** (ھود آیت ۸۴ نہیں ہے تمہارا کوئی معبود اس کے بغیر) اور کہا گیا ہے کہ یہ تبعیض کے لئے ہے۔اور اس کا معنی یہ ہے اور اگر رائی سے دانے کا وزن ہوگا۔گویا اس نے رائی کو مثلاً اڑتالیس اجزاء پر تقسیم فرمایا وہ اس کے دانے ہیں۔جس طرح کہ درہم

اڑتالیس دانے ہیں۔اور معنی یہ ہے کہ اگر ایک رائی کے اڑتالیس اجزاء میں سے ایک جزء کا وزن ہوگا۔اور حدیث میں مرفوعاً ہے اپنے آپ کا حساب کرو اس سے پہلے کہ تمہارا حساب کیا جائے اور اعمال کا وزن کرو اس سے پہلے کہ تمہارا وزن کیا جائے۔یعنی تمہارے اعمال کا وزن کیا جائے۔جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے **واذا کالوهم او وزنوهم** (المطففین آیت ۳۔اور جب لوگوں ماپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو نقصان پہنچاتے ہیں) یعنی جب ان کے لئے ماپتے ہیں یا تولتے ہیں۔اور حدیث کے الفاظ وزنوا الاعمال کا معنی یہ ہے کہ اپنے اوقات کی طرف قیاس کر کے ان کی مقدار پہچانو۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرمایا: حسنات اور سیئات میزان میں تولی جائیں گی جس کی زبان اور دو پلڑے ہیں۔ ہر پلڑا روئے زمین کی طرح ہے۔ایک پلڑا نور سے اور ایک پلڑا تاریکی سے۔حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ صاحب میزان اس دن جبریل علیہ السلام ہوں گے۔رہا مومن تو اس کے عمل کو بہترین صورت میں لایا جائے گا پس اسے میزان کے پلڑے میں رکھا جائے گا اور وہ حق ہے۔پس اس کی نیکیاں اس کی برائیوں پر وزنی ہو جائیں گی۔پس جنت کی طرف وزنی ہوں گی۔اور وہ اس کے ساتھ پہنچانا جائے گا۔اور وہی مفلح ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے **فاولئك هم المفلحون** (الاعراف آیت ۸۔تو وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں) اور رہا کافر تو اس کے عمل کو نہایت قبیح شکل میں لا کر اس کے میزان میں رکھا جائے گا اور وہ باطل ہے پس اس کا وزن ہلکا ہوگا جہنم میں گر جائے گا تو اسے کہا جائے گا کہ عمل سے مل جاؤ۔اور حدیث پاک میں مرفوعاً ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہے جو کہ میزان کا موکل ہے پس ابن آدم کو لا کر میزان کے دونوں پلڑوں کے درمیان کھڑا کیا جائے گا پس اس کے اعمال کا وزن ہوگا۔تو اگر میزان بھاری ہوا تو فرشتہ اپنی بلند آواز سے ندا دے گا: خبردار فلاں کو ایسی سعادت ملی ہے کہ اس کے بعد کبھی بھی بد بخت نہیں ہوگا۔اور حدیث پاک میں ہے کہ تین مقامات آدمی کو اپنے والد اور اولاد سے بے توجہ کر دیں گے۔صراط کے قریب حتیٰ کہ دیکھے کہ نجات پاتا ہے یا پھسلتا ہے اعمالناموں کے اڑ کر دائیں اور بائیں ہاتھوں میں آنے کے وقت۔اور میزان کے پاس حتیٰ کہ دیکھ لے کہ ثقیل ہوتا ہے یا ہلکا۔پس یہ اور ان جیسی آیات اور احادیث میزان کے ساتھ وزن کے صحیح ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔اس کا انکار کرنے والوں کے سینوں میں صرف وزن اعمال کی کیفیت کے متعلق تردد ہے کیونکہ وہ اعراض ہیں۔عارض ہوئے اور ختم۔اور ثقل اور خفت بھی دو معنے ہیں۔اور معنی معنی کے ساتھ قائم نہیں ہوتا۔اور اعمال، اعمال والوں کی صفات ہیں۔اور لوگوں نے اس مسئلہ میں بصیرت کے بغیر باتیں کی ہیں۔

وزن اعمال کے مسئلہ کا خلاصہ

اور مسئلہ کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان پہچان لے کہ وزن اشیاء سے مقصود صرف ان کی مقدار کا ظہور ہے۔اور اس کے لئے مختلف آلات مقرر کئے گئے ہیں۔جیسے ترازو اور کنڈا سامان کا بوجھ پہچاننے کے لئے۔اسطرلاب، سورج اور ستاروں کی حرکات کی مقدار پہچاننے کے لئے پس اسی طرح یہاں قیامت کے دن وزن اعمال سے مقصود وہ ان کی مقدار کا ظہور ہے تا کہ ان کے مقابل ان کی مثل جزاء ہو۔ثواب ہو یا عذاب۔اور ہم دنیا میں آلات دیکھتے ہیں جو کہ اشیاء میں معنوں کی مقدار پہچاننے کے لئے وضع کئے گئے ہیں جیسے علم عروض جسے میزان بنایا گیا اس کے ذریعے شعر کا صحیح ہونا پہچانا جاتا ہے اور جیسے علم نحو اس کے ذریعے فصیح کلام کو غیر فصیح سے پہچانا جاتا ہے۔اور جیسے پتھر جسے طاقتور نوجوان اٹھاتے ہیں تا کہ اس کی وجہ سے اپنی قوتیں پہچانیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے اعضا میں پیدا فرمائی ہیں جبکہ وہ ان

سے جدا نہیں ہیں۔ اسی طرح یہ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ میزان عدل کو یوم قیامت کے لئے ایک آلہ محسوسہ بنادے جس میں اعمال کے وزن کی صلاحیت ہو جو کہ اعراض ہیں پس اس کے ذریعے حسنات وسیئات والوں کو ان کی مقدار معلوم ہو جائے پس انہیں کسی زیادتی کے بغیر ان کی مقدار کے مطابق جزا دی جائے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا **و لا تظلمون فتیلا** (النساء آیت ۷۷۔ اور تم پر کھجور کی گٹھلی کے ریشہ کے برابر ظلم نہیں کیا جائے گا) پس تجھے معلوم ہو گیا کہ یہ از روئے عقل جائز ہے۔ اور اس کے ساتھ شرع وارد ہے۔ پس اس پر ایمان واجب ہوا۔ اور جو اسے سمجھنے سے اور اس کی کیفیت کی معرفت سے عاجز ہو تو اسے چاہئے کہ اس کا علم اللہ تعالیٰ کی طرف سپرد کر دے جیسے کہ اس جیسے دوسرے مسائل ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

پس معلوم ہوا کہ جو یوم حساب سے ڈرے اسے چاہئے کہ اعمال صالحہ کی کثرت کرے۔ اور ملال محسوس نہ کرے۔ اور یہ اس لئے تا کہ ان میں سے اس کے ساتھ جھگڑنے والوں کو دیئے جاسکیں۔ کیونکہ ظالم کے پاس جب کوئی چیز اس کے مخالفین کو دینے کے لئے نہیں ہوگی تو اس کے مخالف کی برائیاں اس کی پشت پر ڈالی جائیں گی پھر اسے آگ میں پھینک دیا جائے گا۔ پس اللہ تعالیٰ کی قسم ہم نہیں پیدا کئے گئے مگر ایک امر عظیم کے لئے جبکہ ہم آوارہ پھرنے والے مویشیوں کی طرح اس سے غافل ہیں۔ **فلا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم**۔ اور میں نے سیدی علی الخواص رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ کسی کو نہیں چاہئے کہ اس کی آنکھ میں اس کے اعمال کبھی کثیر نظر آئیں۔ پس بیشک ہمارے اعمال ہماری مثل ہیں گرچہ پہاڑوں کی طرح ہو جائیں۔ بسا اوقات اللہ تعالیٰ کے لئے اخلاص نہ ہونے کی وجہ سے میزان اخروی میں ایک ذرہ بھی حاصل نہیں ہوگا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دنیا و آخرت میں اپنے لئے لطف مانگتے ہیں۔ آمین آمین آمین۔

خاتمہ۔ امور اخروی کے ادراک سے عقل کی عاجزی

اس میں زمین کے غیر زمین اور آسمانوں کے بدلنے سے لے کر خلق کے جنت اور جہنم میں جاگزیں ہونے تک اور اس کے بعد بے انتہاء امور جو اللہ تعالیٰ نے ہم پر بیان فرمائے ان میں سے اکثر امور غیبیہ کے ادراک سے عقول کے عاجز ہونے کا بیان ہے۔ اور مخلوق کے پاس نہیں ہے مگر اس میں اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق اس پر ایمان لانا۔ اللھم۔ مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے خواص کی نور کشف کے ساتھ مدد فرمائے۔

شیخ ابو طاہر القزوینی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اور جان لے، اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم فرمائے کہ عقل کا احوال قیامت اور جو کچھ اس سے غائب ہے کے لئے تصور بہت مشکل ہے۔ لیکن عاقل کو چاہئے کہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم اور آپ کی ذریت کو زمین میں خلیفہ بنایا۔ اور ان کے ذریعے اسے آباد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ **وھو الذی جعلکم خلائف الارض** (الانعام آیت ۱۶۵ اور وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا) اور ارشاد فرمایا: **ھو انشا کم من الارض و استعمر کم فیھا** (ھود آیت ۶۱۔ اس نے تمہیں زمین سے پیدا فرمایا اور تمہیں اس میں بسایا) پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جب انہیں خلافت کی اہلیت عطا فرمائی تو انہیں ہر آلہ دیا جس کے ساتھ وہ اپنے معاش کی تدبیر کریں۔ اور اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا میں آخرت کے لئے پیدا فرمایا ہے۔ تو انہیں فضیلت کے طور پر عقل اور قوت گویائی عطا فرمائی۔ پس عقل اور قوت گویائی ان کے لئے دو آلات ہیں جن کے ذریعے وہ دنیا میں اپنے معاش کی تدبیر اور اپنے معاد کے اسباب مہیا کرنے تک رسائی حاصل کرتے ہیں۔ اس دستور کے مطابق جو رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام لے کر تشریف لائے۔ تو جس

طرح عقلیں اللہ تعالیٰ کی معرفت سے جیسا کہ حق معرفت ہے عاجز ہیں کہ وہ ان سے غیب ہے پس اسی طرح وہ احوال آخرت ہیں جو ان سے غیب ہیں۔ اور اس سے پہلے قبر میں نکیرین کے سوال اور ان کے جوابات۔ اور بعث، حشر، نشر، صراط، میزان کی کیفیت اور اعمال ناموں کا پڑھنا۔ اور حوض، شفاعت اور جنت وجہنم کی ان کے حقائق کے ساتھ اوصاف کی کیفیت جہت کے بغیر اللہ تعالیٰ کی رؤیت اور آواز اور حرف کے بغیر اللہ تعالیٰ کے کلام کا سننا اور اس کے علاوہ ثواب کی لذتوں اور ان آلام کی تفاصیل جن میں نفوس مستغرق ہوں گے خصوصاً اللہ تعالیٰ کے وجہ کریم کی طرف نظر کی لذت۔ اور فزع اکبر کی تکلیف نعوذ باللہ تعالیٰ منہ۔ پس بیشک اکیلی عقل اپنے ادراک میں مستقل نہیں۔ کیونکہ عقل تو صرف بندے کے لئے ایک آلہ ہے جس کے ذریعے وہ دار التکلیف میں اوامر ونواہی کی تفاصیل کا ادراک کرتا ہے۔ اور اس کے ساتھ معاش کی مصلحتوں اور خرابیوں کو پہنچانتا ہے۔

عقل اور قوت گویائی کی حقیقت بزبان عارف

اور عارفین میں سے بعض نے فرمایا ہے کہ زبانیں اس سے۔ ذات مقدس کے حقائق سے اور امور آخرت سے محبوس ہیں اور عقلیں ان کے معانی کے ادراک سے محبوس ہیں۔ اور شارع علیہ الصلوۃ والسلام نے ہمیں اللہ تعالیٰ کے متعلق اور امور آخرت کے متعلق خبر نہیں دی مگر اجمالی طور پر اور بغیر کسی قید کے اس چیز کی جس کا معنی افہام کے قریب ہے۔ پس گویائی کی انتہاء یہ ہے کہ اس نے ہمیں اجمالی طور پر ان پر ایمان کو واجب کرنے کے لئے خبر دی جبکہ عقل کی انتہاء ان کے جائز ہونے یا محال ہونے سے بحث کرنا ہے۔ پس جب مخبر صادق نے ہمیں ان کی اجمالی طور پر خبر دی اور انہیں عقل نے کسی قید کے بغیر جائز قرار دیا تو ان کے پہنچے ہوئے پر ایمان لانا اور ان کے متعلق برحق ہونے کا عقیدہ رکھنا واجب ہو گیا۔ پھر ہم پر اپنے غور وفکر کو اس کی کیفیات کے متعلق بحث کرنے سے روکنا۔ اور ان کے حقائق کے ادراک میں طمع کی وجہ سے جھانکنے سے باز رکھنا واجب ہے۔ پس بیشک فکر اس سے مصدود ہے جس طرح کہ آنکھ آواز سننے سے قاصر ہے۔ اللھم، مگر یہ کہ خلق سے غائب ہونے اور حق کے لئے شہود کی حالت میں بعض اولیاء کے لئے احوال آخرت میں سے کسی چیز کا کشف عطا کیا جائے۔ پس اس وقت وہ مسلوب النطق اور مغلوب العقل ہوتا ہے۔ کیونکہ اس وقت وہ ایسے امور کا مشاہدہ کرتا ہے جن کے لئے حروف کے ظروف میں گنجائش نہیں ہوئی۔ اور نہ ہی وہاں تک عقول پہنچتی ہیں۔ جس طرح کہ شاعر نے کہا کہ وہ قمیص جس کی انتیس حرفوں سے سلائی کی گئی ہے اس کے معنوں سے قاصر ہے۔

شیخ ابو طاہر فرماتے ہیں: جو اس معنی پر غور کرے اس کے لئے بہت سی وہ باریکیاں کھل جائیں گی جن پر متقدمین اپنی عقلوں کو تکلیف دیتے ہوئے چلے ہیں جو کہ ان کی وسعت میں نہیں صرف اس طمع میں کہ وہ کچھ پالیں جو پایا نہیں جا سکتا۔ پس ان کا انجام حیرت اور گمراہی تھا۔ اور اسی فہرست سے عرصہ محشر والوں کا اعمال نامے پڑھنا ہے۔ جو کہ ملائکہ کرام کے خط سے لکھے ہوئے ہیں۔ اور کوئی شک نہیں کہ وہ اہل دنیا کی لکھائی کے خلاف ہیں۔ اور اسی لئے جو لکھائی پڑھی نہ جا سکے اس کے متعلق کہا جاتا ہے گویا کہ وہ ملائکہ کی لکھائی ہے۔ اور اس میں سے وہ ادراک بھی ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کھانے، پینے، مہکنے، پہننے اور نکاح کی جنتی نعمتوں کی کثیر لذتوں کے متعلق پیدا فرماتا ہے جو کہ اس حالت سے ہے جو دنیا میں نہیں پائی جاتی۔ جس طرح کہ ثواب اعمال کے متعلق اخبار صحیحہ میں وارد ہے۔ اور یہ ادراکات اپنی ذات میں ان ادراکات میں سے کسی چیز کے مشابہ نہیں ہیں جن سے دنیوی لذتوں کا ادراک ہوتا ہے۔ پس وہ بیشک گرچہ جنسیت اور نام میں ان کے

مشابہ ہیں۔ کیونکہ ان کے عجیب وغریب خصائص ہیں جن کے ادراک سے عقلیں عاجز ہیں۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول کہ جنت میں کوئی چیز نہیں کہ دنیوی چیزوں کے مشابہہ ہو سوائے اس کے نام کے اس باب میں بڑی بنیاد ہے۔

امورِ آخرت کے متعلق شیخ ابو طاہر کا فیصلہ

شیخ ابو طاہر نے فرمایا: پس دنیا میں ان ادراک کے نہ ہونے کی بنا پر ہم اپنے آپ میں اللہ تعالیٰ کے وجہ کریم کی طرف نظر کی لذت نہیں پاتے۔ اور نہ اس کے علاوہ وہ لذتیں جن کا جنت میں وعدہ کیا گیا ہے۔ جس طرح کہ بچہ اپنے بچپنے میں جاہ و مرتبہ کی لذت نہیں پاتا کیونکہ اس کے لئے اس کا ادراک پیدا نہیں کیا گیا۔ شیخ نے فرمایا: اور ان سب پر دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رب العزت جل وعلا کی طرف سے یہ ارشاد ہے کہ میں نے اپنے صالح بندوں کے لئے وہ کچھ تیار فرمایا ہے جو کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ ہی کسی بشر کے قلب پر کھٹکا۔ اسے چھوڑ دو جس پر تمہیں اطلاع ہے۔ پھر آپ نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول تلاوت فرمایا **فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین** (السجدہ آیت ۱۷۔ کوئی شخص آنکھوں کی اس ٹھنڈک کو نہیں جانتا جو ان کے چھپا کر رکھی گئی ہے) اور یہ وہ خطہ ہے جس میں فلاسفہ گمراہ ہوئے ہیں۔ پس انہوں نے امورِ آخرت کا انکار کر دیا۔ اور جبکہ تیرے لئے یہ بات صحت کو پہنچ چکی کہ عقل اشیاءِ غیبیہ کے حقائق کی کنہہ پر مطلع نہیں اور اس کے اسرار کی انتہاء تک نہیں پہنچتی۔ تو تجھے معلوم ہو چکا کہ اس کی انتہا یہ ہے کہ جسے دیکھا نہیں اسے دونوں کے درمیان ادنیٰ مشابہت کی وجہ سے اس پر قیاس کرتی ہے جسے دیکھا ہے۔ حالانکہ شرعی احکام میں ایسی چیزیں ہیں جن کی علتوں اور کیفیتوں کی معرفت سے عقل عاجز ہے۔ لیکن عقل جب اس کی اجازت کا فیصلہ کرے تو ان پر ایمان لانا ہم پر واجب ہے جیسے وہ آخرت میں حشر ونشر۔ اور جیسے اللہ تعالیٰ کی صفات میں وجہ اور قدم۔ اور شرائع اور عبادات کی مقدار کی معرفت میں یہی قول ہے۔ اور سلف صالحین اور ان کے پیروکاران پر یقینی تصدیق کی راہ پر چلے ہیں اور انہوں نے اپنے شاگردوں کو ان کے حقائق کے متعلق بحث کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اور انہیں قضاء وقدر کے اسرار کے علم کی طرف لوٹایا ہے جن میں غور وخوض کرنے سے روکا گیا ہے۔ اور انہوں نے فرمایا کہ انہیں کیف کے بغیر جیسے آئی ہیں، پڑھو۔ اور ان کے عقائد کی قوت اور پختگی کی وجہ سے تشبیہ نے ان کی طرف راہ نہیں پائی۔ اور یہ اسلام کی تازگی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ پاک کے قریب ہونے کی وجہ سے ہے جو کہ وحی۔ نزول قرآن کے مشاہدہ اور جبریل کے اترنے کا زمانہ ہے۔ پھر قرن اوّل ختم ہوا۔ پھر وہ لوگ جو ان کے قریب تھے پھر وہ لوگ جو ان کے قریب تھے۔ تو ہر سمت سے خواہشات تیزی سے رونما ہوئیں۔ شیطان نے ہر سمت گندے اثرات پھیلا دیئے۔ قلوب کی گرہوں میں پھونک ماری۔ دلوں میں اپنے وساوس پھیلا دیئے۔ پس اس وجہ سے عقائد متزلزل ہوئے۔ آراء میں اضطراب آ گیا اہل اہواء جیسے قرامطہ، زنادقہ، معتزلہ اور رافضہ کی باتیں بڑھ گئیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں ذلیل وخوار کرے کیونکہ انہوں نے گمراہ کن عقائد میں کتابیں لکھیں اور انہیں شہروں میں پھیلا دیا۔ اور کند ذہن لوگوں کو ان کی طرف دعوت دی۔ پس بدعتیں عام ہو گئیں بہتان پھیل گئے۔ اور عقائد کی گرہیں کھل گئیں۔ اور یہ زمانہ بعثت سے لوگوں کی دوری کی وجہ سے ہوا جیسا کہ پہلے گزر چکا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کے بارے میں فرمایا **فطال علیھم الامد فقست قلوبھم** (الحدید آیت ۱۶۔ پس ان پر مدت طویل ہو گئی تو ان کے دل سخت ہو گئے) اور اسی لئے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس کے لئے سعادت ہے جو اسلام کے اوائل میں فوت ہو گیا۔

پھر اے بھائی! تجھ پر مخفی نہ رہے کہ آج کے متقدمین کے عقائد گرچہ صحیح ہیں اور ان کے سکے رائج الوقت ہیں۔ لیکن باطل پرستوں

کے شبہات ان کے کانوں سے کثرت کے ساتھ ٹکرانے کی وجہ سے کئی دفعہ ان کے ضمائر میں شکوک کے وساوس پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور وہ ائمہ محققین میں سے کسی کو نہیں پاتے جو ان کے لئے امور کے صادر ہونے اور وارد ہونے کے مقامات بیان کرتے۔ اور بسا اوقات ان میں سے کوئی اپنے پہلوؤں میں تجسیم، تشبیہ، تعطیل اور ناروا امور کا اضطراب لئے مر جاتا ہے اور وہ ان کے متعلق کسی سے سوال کرنے کی جسارت نہیں کرتا۔ اور کوئی ایسا نہیں پاتا جو کہ اپنے جواب کے ساتھ اس تشنہ لب کو شفا بخشے پس وہ ہمیشہ اپنا عقیدہ خود اپنے سے چھپائے رکھتا ہے چہ جائیکہ اپنے غیر سے۔ پس یہ سبب ہے جس نے محقق متکلمین کو مشکلات کی تنگناؤں میں۔ ممکن حد تک الجھے ہوئے مسائل کے حل کرنے اور علم کلام کی تمام مباحث میں بار بار گفتگو کرنے میں بے شمار مثالیں وارد کرنے کی طرف دعوت دی۔ یہ خاتمہ ہے جس کی طرف اس جیسی کتاب کا مطالعہ کرنے والے کو ضرورت پڑتی ہے۔ پس اے بھائی! اس میں گہری نظر کر تجھ پر بے شمار آیات صفات کا سمجھنا اور عقلی محالات کی بے شمار چیزوں کا شعور آسان ہو جائے گا۔

انسٹھویں بحث

اعمالناموں کی تقسیم اور اللہ تعالیٰ کے حضور پیشی

یہ اس امر کے بیان میں ہے کہ قیامت کے دن اعمالناموں کی تقسیم اور اللہ تعالیٰ کے دوبار میں پیش ہونا برحق ہے۔ کیونکہ اس کے متعلق نصوص وارد ہیں۔ لیکن مخفی نہ رہے کہ بیشک لوگ اس میں جدا جدا ہیں۔ تو رہی اعمالناموں کی تقسیم تو ان میں سے کوئی تو اپنی کتاب دائیں ہاتھ میں لے گا۔ اور کوئی بائیں ہاتھ میں پکڑے گا۔ تو کوئی اپنی پشت کے پیچھے سے لے گا۔ رہے اپنی کتاب دائیں ہاتھ میں لینے والے تو وہ اختلاف طبقات کے مطابق ایمان والے ہیں۔ اور وہ جنہیں ان کے اعمال نامے ان کے بائیں ہاتھوں میں دیئے جائیں گے تو وہ منافقین ہیں۔ نہ کہ مشرکین۔ جیسا کہ شیخ محی الدین نے فرمایا ہے: کیونکہ مشرک کے لئے کوئی کتاب ہی نہیں جو پڑھی جائے۔ اور اسی لئے منافق کے لئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا **اقرا کتابك کفی بنفسك الیوم علیك حسیبا** (الاسراء آیت۔ اپنا اعمالنامہ پڑھ آج تیرا محاسبہ کرنے کو تیرا نفس کافی ہے) کیونکہ وہ اس کفر کو جانتا تھا جس پر اس کا نفس چمٹا ہوا تھا اس کے خلاف جو کہ لوگوں کے لئے ظاہر کرتا تھا۔ اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس کے ذکر کے پیچھے جو اپنا اعمالنامہ بائیں ہاتھ میں پکڑے گا یہ فرمایا **انه کان لایومن باللہ العظیم** (الحاقۃ آیت ۳۳۔ بے شک وہ اللہ بزرگ و برتر پر ایمان نہیں لاتا تھا) پس اس سے ایمان سلب کیا گیا نہ کہ اسلام۔ کیونکہ وہ اپنے ظاہر میں اسلام کا مطیع تھا تا کہ اپنا خون، اہل وعیال اور اپنا مال بچالے، جبکہ وہ اپنے باطن میں یا مشرک تھا یا معطل یا متکبر یا کافر بخلاف ایمان کے کیونکہ وہ قلوب کے اعمال سے ہے اس پر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مطلع نہیں ہو سکتا۔

(اقول و باللہ التوفیق۔ اس سے شیخ کا مقصد یہ ہے کہ کسی کے ایمان پر کوئی شخص اپنے ذرائع سے مطلع نہیں ہو سکتا۔ رب العزت کے کسی کو مطلع کرنے کی نفی مراد نہیں۔ کیونکہ رب کریم نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پوری امت کے مومنوں کے ایمان اور کفار کے کفر پر اطلاع بخشی ہے۔ چنانچہ معالم التنزیل از امام بغوی ج ص ۶۵۵ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں عرضت علی امتی فی صورها فی الطین کما عرضت علی آدم واعلمت من یومن بی ومن یکفر بی۔ یعنی مجھ پر میری امت مٹی میں

ان کی صورتوں میں پیش کی گئی۔ جس طرح کہ آدم علیہ السلام پر ان کی اولاد۔ اور مجھے بتلایا گیا کہ مجھ پر کون ایمان لائے گا اور کون میرا انکار کرے گا۔ (منقول از تفسیر مظہری ج ۲ ص ۱۷۵) محمد محفوظ الحق غفرلہ)

اور رہے وہ جو اپنے اعمالنامے اپنی پشتوں کے پیچھے سے پکڑیں گے تو یہ وہ لوگ ہیں جنہیں کتاب عطا کی گئی تو انہوں نے اسے پس پشت ڈال دیا اور اس کے بدلے تھوڑی قیمت حاصل کی۔ پس جب قیامت کے دن ہوگا تو ان میں سے ایک کے لئے کہا جائے گا اپنی کتاب اپنی پشت کے پیچھے سے لے یعنی اس جگہ سے جس میں تو نے اسے اس پر عمل ترک کر کے پھینکا۔ پس وہ ان پر نازل شدہ کتاب ہے نہ کہ اعمالنامہ جیسا کہ بعض کو اس کا وہم ہوا۔ کیونکہ اس نے جب اسے پس پشت ڈالا تو گمان کیا یعنی یقین کیا کہ وہ کبھی نہیں لوٹے گا۔ اور یہ وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا جبکہ اسے عتاب فرمائے گا اور اس سے اقرار کرائے گا کیا تجھے گمان تھا کہ تو میری ملاقات کرے گا۔ شیخ کہتے ہیں: یہ لوگ نہیں مگر گمراہ کرنے والے ائمہ جو خود گمراہ ہوئے اور انہوں نے گمراہ کیا۔ پس سمجھ لے۔

شیخ محی الدین نے فرمایا: پھر مخفی نہ رہے کہ یہ اعمالنامے جو نگہبان فرشتوں نے دنیا میں لکھے صرف مکلفین کے اعمال اور اقوال کے ساتھ خاص ہیں۔ ان میں ان کے عقائد میں سے کوئی چیز نہیں سوائے اس کے جس کی انہوں اپنے آپ پر بول کر گواہی دی۔ کیونکہ ان کے اقوال میں سے صرف وہی لکھتے ہیں جو لفظوں میں بیان کریں۔ انتہی

وان علیکم لحافظین کراما کاتبین کے متعلق امام غزالی کا بیان

اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ، اللہ تعالیٰ کے قول **ان علیکم لحافظین کراما کاتبین یعلمون ما تفعلون** (الانفطار آیت ۱۱،۱۲ اور تم پر نگہبان مقرر ہیں جو معزز لکھنے والے ہیں۔ جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو) کے متعلق فرماتے ہیں: جان لے کہ جب کوئی آدمی بلوغ کے قریب ہوتا ہے تو اس پر دو فرشتے مقرر کئے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **اذ یتلقی المتلقیان عن الیمین و عن الشمال قعید** (ق آیت ۱۷۔ جب لے لیتے ہیں دو لینے والے۔ ایک دائیں اور ایک بائیں جانب بیٹھا ہوتا ہے) نیز فرمایا: **بلی ورسلنا لدیھم یکتبون** (الزخرف آیت ۸۰۔ کیوں نہیں۔ اور ہمارے ملائکہ ان کے پاس بیٹھے لکھتے ہی رہتے ہیں) پھر جب بندہ عقل کے ساتھ متصف ہو جائے تو دونوں فرشتوں میں سے ایک اسے ہدایت دیتا ہے جبکہ دوسرا اسے اغواء کرتا ہے۔ جبکہ ہدایت دینے والا کا مرتبہ اغواء کرنے والے سے اعلیٰ ہے۔ اور دونوں ان ملائکہ میں سے ہیں جو کہ کاتب۔ بڑے بزرگ اور نیکوکار ہیں جو کہ ملک اعظم کے مددگار ہیں جو کہ اکثر محققین کے نزدیک صاحب القلم ہے۔ امام غزالی فرماتے ہیں پھر بیشک دونوں فرشتے نیکیاں اور برائیاں ایسی کتابت کے ساتھ لکھتے ہیں جو کہ دنیا والوں کی کتابت کے مشابہ نہیں۔ پس بیشک وہ پاکیزہ صحیفوں میں لکھتے ہیں جو کہ سر قلب میں لپیٹے ہوئے ہیں اس پر دنیا والوں میں سے کوئی بھی مطلع نہیں۔ کیونکہ دونوں فرشتے، ان کی تحریر ان کے صحیفے اور وہ سب کچھ جو ان کے ساتھ متعلق ہے عالم ملکوت سے ہے جس کا ہمارے اس جہان میں ہماری آنکھیں ادراک نہیں کرتیں۔ پھر وہ لپیٹے ہوئے صحیفے دو مرتبہ کھولے جاتے ہیں۔ ایک دفعہ نزع کے وقت کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **فکشفنا عنك غطاءك** (ق آیت ۲۲۔ پس ہم نے تیری آنکھوں سے تیرا پردہ اٹھا دیا) اور ایک دفعہ محشر عام میں قیامت کے دن۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **ونخرج له یوم القیامة کتابا یلقاه منشورا** (الاسراء آیت ۱۳۔ اور ہم قیامت کے دن اس کے لئے ایک کتاب نکالیں گے جسے وہ کھلا ہوا پائے گا) اور یہ انصاف کا ترازو رکھنے کے وقت ہوگا۔ پس وہاں کتابیں

فضاء میں اڑتی ہوئی نظر آئیں گی اور یہ ایک تفسیر کے مطابق اللہ تعالیٰ کے اس قول کا مفہوم ہے **طائرہ فی عنقہ** (الاسراء آیت ۱۳۔ اس کا نوشہ اس کے گلے میں) پھر جب ہر کوئی اپنی کتاب پڑھے گا تو اپنی کتاب کے حروف کو اپنے اچھے برے اعمال کے مطابق روشن یا تاریک دیکھے گا۔ پس حسنات والا اپنی کتاب کو سفید خطوط کی صورت میں پائے گا جبکہ سیئات والا اپنی کتاب کے خطوط سیاہ پائے گا۔

شیخ ابوطاہر القزوینی فرماتے ہیں: اعمال ناموں والے اس دن جبکہ ان پر ان کے اعمال نامے پیش کئے جائیں گے کسی کی تعلیم کے بغیر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے الہام کے ذریعے انہیں پڑھنے کی طرف مجبور ہوں گے۔ پس اے اللہ تعالیٰ! ہم تجھ سے سوال کرتے ہیں کہ تو ہمارے اعمال نامے ہمارے دائیں ہاتھوں میں عطا فرمائے اور ہمیں ہمارے ایمان کی بدولت اپنی جنت میں داخل فرمائے۔ اور اے سب سے زیادہ رحم فرمانے والے! ہمیں رسوا نہ فرمانا۔

اللہ تعالیٰ کے حضور پیشی

اور رہی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور پیشی تو یہ بادشاہ کے سامنے لشکروں کی پیشی کی مثل ہے۔ پس بندہ اللہ عزوجل کے سامنے کھڑا کیا جائے گا جیسے کہ اس کے جلال کے شایاں ہے۔ اور اس بندے کے متعلق اللہ عزوجل کے ارادہ کے مطابق سوال واقع ہو گا پس کس قدر ہولناک وہ مقام ہو گا کہ جہاں اللہ تعالیٰ شرمندگی اور حیا کی شدت کی وجہ سے چہروں کا گوشت گر جائے گا۔ اور حدیث پاک میں ہے: جس سے حساب کی چھان پھٹک ہوئی مبتلائے عذاب ہو گا۔ اور شیخ محی الدین ۳۶۹ ویں باب میں فرماتے ہیں: مناقشہ سے مراد اعمال کی علتوں کے متعلق سوال ہے۔ پس اللہ تعالیٰ بندے پر اس کے اعمال پیش فرمائے گا۔ شیخ فرماتے ہیں: اور یہ سوال تمام مخلوق کے بارے میں عام ہے حتیٰ کہ رسل علیہم الصلوۃ والسلام کے حق میں بھی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **یوم یجمع الله الرسل فیقول ماذا اجبتم** (المائدہ آیت ۱۰۹۔ جس دن اللہ تعالیٰ تمام رسولوں کو جمع کرے گا پھر فرمائے گا تمہیں کیا جواب ملا) نیز شیخ نے فرمایا کہ انبیاء سے اللہ تعالیٰ کے سوال اور ان کے علاوہ دوسروں سے سوال کے مابین عظیم فرق ہے۔ کیونکہ رسل علیہم الصلوۃ والسلام سے اس کا سوال کشادہ روئی کے طور پر نعمتوں کے تکرار کے لئے ہو گا جبکہ دوسروں سے اس کا سوال قبیح امور کے متعلق ہو گا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اس کا لطف مانگتے ہیں۔

اور حدیث شریف میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے صحابہ کرام نے تازہ اور زرد کھجوریں کھائیں اور اس کے بعد پانی پیا۔ پھر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہیں ان نعمتوں کے متعلق قیامت کے دن ضرور سوال ہو گا۔ باوجودیکہ یہ کھانا بھوک کے بعد تھا۔ جیسا کہ اس پر سیاق حدیث دلالت کرتا ہے پس یہ انبیاء علیہم السلام اس واقعہ میں نعمتوں کے اقرار کے سوال میں شریک ہیں جبکہ جھڑکی اور سرزنش کے طور پر سوال میں ان سے علیحدہ ہیں۔

زبان کی بجائے دیگر اعضاء کی گواہی کی وجہ

اگر کہا جائے کہ زبان کی بجائے ایک شخص پر اس کے دیگر اعضاء کی گواہی کا کیا سبب ہے؟ تو اس کا جواب جیسا کہ شیخ نے فتوحات کے سترویں باب میں فرمایا یہ ہے کہ اعضاء کی گواہی کا سبب ان گناہوں کی قباحت ہے۔ پس بندہ اللہ عزوجل کے سامنے زبان سے ان کا ذکر کرتے ہوئے یا بالکل انکار کرتے ہوئے شرم کرے گا جبکہ اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ پس وہ اس کی شرم کے زوال کا انتظار نہیں فرمائے گا۔ پس اس لئے اس کے اعضاء سے گواہی طلب کی جائے گی۔ پھر اللہ تعالیٰ اصل فطرت کی طرف ان کی عدالت اصلیہ

کی بنا پران کی گواہی قبول فرمائے گا اور اصل، عدالت ہے جبکہ گواہی رد کرنا عارضی ہے۔ اور اس سے ایک سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب یہ اعضاء سب کے سب گواہی دیں گے اور یہ عادل ہیں جن کی صفائی پیش کی گئی ہے۔ اور وہاں صرف اعضاء ہی ہیں تو عذاب کسے ہوگا؟ غور کر۔ یہاں جواب کی ضرورت ہے اور شاید اعضاء کو عذاب دینا اس لئے ہو کہ انہوں نے دنیا میں ممنوعہ افعال کے ارتکاب سے لذت حاصل کی۔ اور بعض نے اس حدیث کے بارے میں کہ ستر ہزار حساب کے بغیر جنت میں جائیں گے فرمایا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ان کے حساب میں نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ انہیں جنت میں کسی برے اعمال کے ارتکاب کے ہوتے ہوئے داخل فرمائے گا۔ اور کہا کہ یہ مراد نہیں کہ حق تعالیٰ ان کے اعمال کا حساب نہیں لے گا۔ انتہی۔ پس غور کرنا چاہئے۔

دربار خداوندی میں پیشی کی توجیہہ

اور شیخ نے فتوحات کے ۱۹۸ ویں باب میں فرمایا ہے کہ جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آمنے سامنے ان جرائم کی خبر دے گا جن کا انہوں نے ارتکاب کیا جیسے اس کا یہ فرمان: اے میرے بندے تو نے فلاں فلاں وقت فلاں فلاں کام کیا۔ یہ اس کی طرف سے ڈانٹ ڈپٹ کے طور پر نہیں ہوگا۔ یہ تو اسے اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت جتلانے کے طور پر ہوگا۔ اور موحدین کے لئے خاص ہے۔ پس سمجھ لے۔ اور ۳۵۱ ویں باب میں فرماتے ہیں: جان لے کہ ہر مسلمان وار دنیا میں اللہ تعالیٰ سے حیا کرتا ہے اور قیامت کے دن اس کی ملاقات سے۔ پس ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن سکون عطا فرمائے اور اس کی ندامت دور فرمائے۔ اور حیاء کرنے کی اصل خلاف ورزی کرنے اور اللہ تعالیٰ کی خدمت میں کوتاہی کرنے کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اور وہاں ان دو طریقوں کے سوا اور کچھ نہیں۔ شیخ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے اپنے بندۂ مومن کو مانوس کرنے کی صورت یہ ہے کہ اس سے فرمائے: اے میرے بندے! جو کچھ تجھ سے دار دنیا میں وقوع پذیر ہوا وہ صرف میری قضاء وقدر کی بنا پر ہوا۔ کیونکہ تو میرے احکام کے جاری ہونے کی جگہ ہے۔ پس اس قول سے بندہ انتہائی مانوس ہوگا۔ اور اگر بندہ اللہ تعالیٰ کے حضور یہ بات خود پہلے کہہ دیتا تو اس کی بارگاہ کی بے ادبی ہوتی۔ اور اس شنوائی نہ ہوتی۔ اور بعینہ اسی کے ساتھ حق تعالیٰ اسے انس دلائے گا۔ پس وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے انتہائی حسن ہے اور بندے کی جانب سے انتہائی قباحت۔ پس اسے کوئی حق نہیں کہ کہے: اے میرے رب! تو کس طرح مجھے گناہوں پر قدرت دیتا ہے پھر میرا مواخذہ کرتا ہے۔ لیکن حق تعالیٰ جب بندے سے یہ فرمائے کہ تو میرے احکام کے جاری ہونے کی جگہ ہے تو یہ اس کا بے نہایت فضل اور احسان ہے کیونکہ اس میں بندے کے لئے عذر قائم کرنا۔ اسے مانوس کرنا، اسے کشادہ روئی سے نوازنا، اس کی ندامت دور کرنا، اور اس کا خوف اٹھانا ہے۔

شیخ محی الدین فرماتے ہیں کہ جب ایک گرانقدر خواب میں مجھ پر اللہ تعالیٰ کی طرف یہ آگاہی وارد ہوئی تو میرا وجود خوشی سے نہ سمایا کہ مجھے رب العزت نے ایسی حقیقت پر مطلع فرمایا۔ انتہی۔ اور ۳۸۸ ویں باب کے آخر میں فرمایا: صابرین کو ان کا اجر حساب کے بغیر پورا دیا جاتا ہے یعنی ہمارے نزدیک اس کا علم معین ہی کیونکہ صبر تمام اعمال کو عام ہے کیونکہ وہ نفس کو اس کے ناپسندیدہ اعمال کے ارتکاب پر روکنا ہے۔ پس اسی لئے مقدار نے اسے نہیں پکڑا۔ بخلاف باقی اعمال کے کہ انہیں پکڑتی ہے۔

خاتمہ۔ اقرضوا اللہ قرضا حسنا کی وضاحت

شیخ نے فتوحات کے باب نمبر ۹۰ میں اللہ تعالیٰ کے قول ''واقرضوا اللہ قرضا حسنا'' (المزمل آیت ۲۰۔ اور اللہ کو قرض

حسنہ دیتے رہا کرو) کے متعلق فرمایا: جان لے کہ بندے کو نہیں چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کو قیامت کے دن کئی گنا اجر کی خاطر قرض دے۔ اسے تو صرف یہ چاہئے کہ اس کے امر کی تعمیل کی خاطر اسے قرض دے کیونکہ رب کریم نے اسے اپنے بندوں کے ساتھ احسان کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور یہی معنی ہے قرض کو حسن کے ساتھ موصوف کرنے کا۔ اور اس کی وضاحت یہ ہے کہ حق تعالیٰ ہمارے ساتھ معاملہ نہیں فرماتا مگر وہی جو اس نے ہمارے لئے بطور شریعت جاری فرمایا۔ کیا تو دیکھتا نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ فرمایا ہے کہ آپ قیامت کے دن اس سے طلب کریں کہ حق کے ساتھ فیصلہ فرمائے۔ یعنی وہ حق جس کے ساتھ آپ کو اپنے بندوں کے لئے بھیجا کیونکہ الحق میں الف اور لام عہد کے لئے ہے یعنی اے میرے رب حق معہود کے ساتھ فیصلہ فرما جس کے ساتھ تو نے مجھے مبعوث فرمایا۔ اور قیامت کے دن اسی پر احوال خلائق جاری ہوں گے۔ تو جو شخص ارادہ کرتا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا حکم دیکھے تو وہ کسی کمی بیشی کے بغیر دنیا میں حکم شرائع دیکھے۔ تو اے میرے بھائی! تو اپنی شریعت کے متعلق بصیرت پر ہو جا کیونکہ وہ عین حق ہے جس کی طرف یوم جزاء میں تیرا انجام ہے۔

اور ۵۵۱ ویں باب میں اللہ تعالیٰ کے قول فسیری الله عملکم و رسوله والمومنون (التوبۃ آیت ۹۴۔ پس دیکھے گا اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو اور اس کا رسول اور ایمان والے) کے متعلق فرماتے ہیں: جان لے کہ حق تعالیٰ جب قیامت کے دن امور میں خود فیصلہ فرمائے گا تو اس کا فیصلہ مقامات کے مطابق کئی قسموں پر ہوگا۔ پس کسی مقام میں اللہ تعالیٰ اپنے علم کے ساتھ خود ہی ان کے عمل کی رؤیت کے مطابق فیصلہ فرمائے گا نہ کہ اس کے رسول اور ایمان والوں کے علم کے مطابق۔ کسی مقام میں اللہ تعالیٰ اس کے مطابق فیصلہ فرمائے گا جو اختلاف طبقات کی وجہ سے عمل میں اس کے رسول علیہ السلام دیکھیں گے۔ اور کسی مقام میں اس کے مطابق فیصلہ فرمائے گا جو مومنین دیکھیں گے یعنی ائمہ مجتہدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ اور کسی مقام میں مجموعی طور پر فیصلہ فرمائے گا۔ یہ وجہ ہے حکم میں رسول علیہ السلام اور مومنین کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ جمع کرنے کی اس کے مطابق جو وہ دیکھیں گے۔ باوجودیکہ وہ سب کچھ جو اس کے بندے دیکھتے ہیں اصل میں اسی کا حکم اور اسی کی تقدیر ہے۔

اور بعض محققین نے فرمایا ہے کہ جب تمام احکام دنیا میں حق تعالیٰ ہی حاکم حقیقی ہے تو پھر قضاۃ کے بعض احکام کو باطل ہونے کے ساتھ موصوف کرنا کیونکر صحیح ہوگا؟ غور کر۔ انتھی

اس کے جواب میں امام شعرانی فرماتے ہیں کہ ہمارے لئے بعض احکام کے باطل ہونے کی وصف لگانا اس لئے درست ہے کہ ہم اس شریعت پر عمل کرتے ہیں جس کے ساتھ اس دنیا میں عمل کر کے ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں نہ کہ حقیقت کے ساتھ۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے ہمیں اس دنیا میں حقیقت کے ساتھ حکم دینے کا امر نہیں فرماتا کیونکہ شریعت کے مطابق ہونے کی اس کی وجہ مخفی ہے نہ کہ نفس الامر میں حقیقت کے شریعت کے خلاف، اس کے شریعت کے مطابق ہونے کی وجہ کے مخفی ہونے کی بنا پر اس جہان میں اس کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم نہیں دیا نہ ہونے کی بنا پر۔ جس طرح کہ محققین نے فرمایا ہے۔ واللہ اعلم

سترسویں بحث

انا اوّل شافع واوّل مشفع

یہ اس کے بیان میں ہے کہ ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن سب سے پہلے شفاعت فرمانے والے ہیں۔ اور سب سے پہلے آپ کی شفاعت قبول ہوگی اور آپ پر پہل کوئی نہیں کرے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں قیامت کے دن اولاد آدم کا سردار ہوں۔ پہلا شافع اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول ہوگی۔ ایک روایت میں ولافخر کا اضافہ ہے۔ علماء نے فرمایا کہ قیامت کے دن کو سیادت کے ساتھ اس لئے مختص فرمایا کیونکہ وہ ہر کسی کے لئے اس کے ظہور کا دن ہے جس طرح کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **لمن الملك اليوم** ۔ بخلاف دنیا میں آپ کی بزرگی اور سیادت کے کیونکہ جھگڑنے والے سے خالی نہیں۔

(**اقول و بالله التوفيق**۔ جیسا کہ برصغیر کے بعض ناعاقبت اندیشوں نے **بشر مثلكم** سے غلط استدلال کرتے ہوئے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو اپنے جیسا بشر اور بڑے بھائی کے برابر لکھ کر ایک نہ ختم ہونے والا فساد برپا کر دیا۔ جس نے اتحاد ملت کو لخت لخت کر دیا۔ اس حادثہ فاجعہ کی بیخ کنی کے لئے اکابر اہل سنت شکر اللہ مساعیہم الجمیلہ نے راست راہنمائی کے لئے بروقت اقدام نمائی فرمائی۔ چنانچہ صدر الافاضل مولانا سیّد محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف اطیب البیان فی رد تقویۃ الایمان کا مطالعہ ایمان کو جلا بخشتا ہے۔ اور پھر حضور امام اہل سنت مجدد دین وملت مولانا الامام احمد رضا بریلوی قادری نور اللہ مرقدہ نے اسی قسم کے سوال کے جواب میں جو کہ اس بارے میں تھا کہ قرآن وسنت کی روشنی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا افضل المرسلین ہونا ثابت کیا جائے ایک عظیم رسالہ بنام تاریخی "**تجلي اليقين بان نبينا سيّد المرسلين**" تحریر فرمایا جس میں اختصار کے پیش نظر آپ نے دس آیات اور سو احادیث سے مسئلہ مذکور الصدر پر استدلال فرمایا۔ اس رسالۂ نافعہ کے مطالعہ کا شوق دلانے کو صرف چند ابتدائی جملے درج کیے دیتا ہوں۔ کتاب کے پرمغز۔ حقائق ومعانی سے معمور اور اس مسئلہ پر قرآن وحدیث کی تجلیات سے بھرپور خطبہ مسنونہ کے بعد یوں فرماتے ہیں "حضور پرنور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا افضل المرسلین وسیّد الاولین والآخرین ہونا قطعی ایمانی یقینی اذعانی اجماعی ایقانی مسئلہ ہے جس میں خلاف نہ کرے گا مگر گمراہ بددین، بندہ شیاطین، **والعياذ بالله رب العالمين** ۔ کلمہ پڑھ کر اس میں شک عجیب ہے۔ آج نہ کھلا تو کل قریب ہے جس دن تمام مخلوق کو جمع فرمائیں گے سارے مجمع کا دولہا حضور کو بنائیں گے۔ انبیاء جلیل تا حضرت خلیل سب حضور ہی کے نیازمند ہوں گے۔ موافق ومخالف کی حاجتوں کے ہاتھ انہیں کی جانب بلند ہوں گے (جیسا کہ اس بحث میں وضاحت کے ساتھ آرہا ہے۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ) انہیں کا کلمہ پڑھا جاتا ہوگا۔ انہیں کی حمد کا ڈنکا بجتا ہوگا۔ جو آج بیان ہے کل عیاں ہے۔ اس دن جو مومن ومقر ہیں نور بار عشرتوں سے شادیاں رچائیں گے **الحمد لله الذى هدانا لهذا**۔ اور جو معطل ومنکر ہیں دلفگار حسرتوں سے ہاتھ چبائیں گے **يا ليتنا اطعنا الله واطعنا الرسولا**۔ انتہی آخر میں قارئین کے ذوق کی جلاء کے لئے حضور برگزیدہ زماں، قطب دوراں، حضرت سیّد شیخ مخدوم علی ہجوری معروف بہ داتا گنج بخش رضی اللہ عنہ کی عظیم کتاب کشف المحجوب کا ایک اقتباس نقل کیے دیتا ہوں جو کہ آپ نے معتزلہ کے رد میں وضاحت مسئلہ کے دوران لکھا ہے۔ فرماتے ہیں: جبرئیل انتظار خلعت میں کئی ہزار سال عبادت کرتا رہا۔ خلعت کیا تھی؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی۔ شب معراج ان کی سواری کی خدمت۔ بھلا وہ اس ذات گرامی سے افضل کیسے ہوسکتا ہے جس نے دنیا میں نفس کو شبانہ روز عبادت میں مشغول رکھا۔ مجاہدہ کیا۔ اور باری تعالیٰ نے از رہ کرم اس کو اپنے دیدار سے مشرف فرمایا۔ اور تمام آفات سے محفوظ کیا۔ انتہی۔ الناقل محمد محفوظ الحق غفرلہ، ولوالدیہ)

انا اوّل شافع واوّل مشفع اور ولا فخر فرمانے کی حکمت

شیخ محی الدین فرماتے ہیں: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اپنے اوّل شافع اور اوّل مشفع ہونے کی خبر ہم پر شفقت فرماتے ہوئے دی ہے تا کہ ہم اس عظیم دن میں ایک نبی کے بعد دوسرے نبی علی جمیعہم الصلوۃ والسلام کی طرف جانے کی زحمت سے بچ جائیں۔ جبکہ ان میں سے ہر ایک نفسی نفسی کہے گا۔ پس آپ نے ہمیں قیامت کے دن اپنے مرتبہ کا پتہ دیا تا کہ ہم اپنی جگہ میں راحت حاصل کرتے ہوئے صبر کریں یہاں تک کہ نوبت آپ کے آستان کرم تک پہنچے اور آپ فرمائیں گے انا لھا انا لھا یعنی اس مشکل کشائی کے لئے میں ہی ہوں۔ پس جسے یہ حدیث پاک نہیں پہنچی۔ یا پہنچی مگر وہ بھول گیا تو اسے لازماً مشقت برداشت کرتے ہوئے ایک نبی کے بعد دوسرے نبی صلی اللہ علی نبینا وعلیہم وبارک وسلم کی طرف جانا پڑے گا۔ بخلاف اس کے جسے یہ حدیث پاک پہنچ چکی اور قیامت تک اس کے پاس رہی۔ پس آپ پر اللہ تعالیٰ کا درود وسلام ہو آپ اپنی امت پر کس قدر شفیق ہیں۔

اور حدیث پاک کے آخر میں آپ نے ولا فخر اس لئے فرمایا یعنی میں انبیاء اور ان کے علاوہ دیگر اولاد آدم کا سردار ہونے پر فخر نہیں کرتا۔ اس سے میرا مقصد اللہ تعالیٰ کے میرے ساتھ سابقہ وعدے کے حکم کے مطابق کہ میں شافع اوّل اور مشفع اوّل ہوں گا تمہیں قیامت کے دن کی مشقت سے راحت عطا کرنا ہے۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غرض صحیح کے لئے اپنا تزکیہ بیان فرمایا۔ اور اسی طرح تمام ائمہ کا اپنا تزکیہ صرف اسی غرض صحیح کے لئے ہوتا ہے۔ پس یہ حضرات مخلوق میں سے کسی پر اپنے نفوس کی فخریہ برتری دیکھنے سے منزہ ہیں۔ بلکہ عارفوں سے بعض نے فرمایا ہے کہ کوئی شخص مقام کمال تک نہیں پہنچتا حتیٰ کہ اپنے آپ کو سمجھے کہ اس لائق ہی نہیں کہ اسے اللہ عزوجل کی رحمت پہنچے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آٹھ شفاعات

امام جلال الدین سیوطی اور دیگر حضرات نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے آٹھ شفاعات ہیں۔ سب سے اوّل اور اعظم شفاعت وہ ہے جو کہ خلائق کے حساب کے جلد شروع کرنے اور انہیں اس موقف کے طول سے راحت دلانے کے لئے ہوگی۔ اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے۔

دوسری شفاعت ایک قوم کو جنت میں حساب کے بغیر داخل کرنے کے لئے ہوگی۔ نووی کہتے ہیں کہ یہ بھی آپ کے لئے مخصوص ہے جبکہ اس میں شیخ تقی الدین بن دقیق العید اور شیخ تقی الدین السبکی نے تردد فرمایا ہے۔ وہ فرماتے ہیں اس کے بارے میں کوئی چیز وارد نہیں ہوئی۔ اور شیخ محی الدین ایک قوم کے حساب کے بغیر جنت میں داخل ہونے کے معنی میں فرماتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ ان کے حساب اور ان کے فکر میں یہ نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ انہیں ابدی طور پر جنت میں داخل فرمائے گا کہ انہیں اپنی قبیح لغزشوں کا شہود تھا۔ اور آپ کے علاوہ کسی اور سے بھی ایسا گزر چکا ہے۔

تیسری شفاعت اس کے متعلق ہوگی جو کہ جہنم میں داخلے کا مستحق تھا کہ اس میں داخل نہ ہو۔ اور نووی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس کے مختص ہونے میں تردد کیا ہے۔ سبکی فرماتے ہیں: یہ اس لئے کہ اس کے متعلق کوئی نص وارد نہیں ہوئی۔ نفی میں نہ اثبات میں۔

چوتھی شفاعت اسے جہنم سے نکالنے کے لئے ہوگی جو کہ موحدین میں سے اس میں داخل کیا گیا حتیٰ کہ ان میں سے اس میں کوئی بھی

باقی نہیں رہے گا۔ اور ان کا درجہ خالی ہو جائے گا اور اس میں ایک پودا (جرجیر) اگے گا جیسا کہ حدیث پاک میں وارد ہے۔ اور اس شفاعت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انبیاء۔ ملائکہ اور مومنین شریک ہوں گے۔ اور قاضی عیاض نے اس میں تفصیل کی حکایت کی ہے۔ پس فرماتے ہیں کہ اگر یہ شفاعت انہیں نکالنے کے لئے ہے جن کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہو گا تو وہ آپ کے ساتھ خاص ہے۔ انبیاء۔ ملائکہ اور اہل ایمان میں سے کسی کے لئے نہیں۔ اور اگر مذکورہ لوگوں کے غیر کے لئے ہے تو اس میں آپ کے علاوہ اور شریک ہو سکتے ہیں۔

پانچویں شفاعت جنتیوں کے درجات میں اضافے کے لئے ہو گی۔ اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے ساتھ اس کا اختصاص جائز قرار دیا ہے۔

چھٹی شفاعت صلحائے امت کی ایک جماعت کے حق میں ہو گی جس میں ان سے طاعات میں کوتاہی کی بنا پر تجاوز نہیں فرمائیں گے۔ جیسا کہ قزوینی نے العروۃ الوثقی میں اسے ذکر کیا ہے۔

ساتویں شفاعت ان کفار کے بارے میں ہو گی جو کہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے کہ ان سے اوقات مخصوصہ میں عذاب میں تخفیف کر دی جائے اس میں اور اللہ تعالیٰ کے قول **لا یفتر عنهم** میں مطابقت کے طور پر (الزخرف آیت ۷۵۔ ان سے (عذاب) ہلکا نہ کیا جائے گا) جیسا کہ یہ ابوطالب کے بارے میں صحیحین میں وارد ہے (**اقول و بالله التوفیق**۔ فقیر حقیر نے ایک حاضری کے موقعہ پر امام اہل سنت غزالی زماں رازی دوراں حضرت علامہ سیّد احمد سعید صاحب کاظمی نور اللہ مرقدہ کی زبان سے سنا۔ دورہ حدیث پڑھا رہے تھے۔ اور محولہ بالا حدیث پاک پڑھانے کے بعد آپ نے فرمایا کہ میں ابوطالب کے ایمان کا قول نہیں کر سکتا کیونکہ یہ احادیث مانع ہیں۔ اور کفر کا قول بھی نہیں کر سکتا کہ آپ نے مدۃ العمر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بہت کی ہے۔ فلہٰذا کف لسان کرتا ہوں یعنی اس مسئلہ میں خاموشی بہتر ہے۔ اور اس کے ساتھ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ مفتی سیّد احمد زینی دحلان رحمۃ اللہ علیہ کا اس بارے میں رسالہ ہے **اسنی المطالب فی ایمان ابی طالب انتهی** ازاں بعد دوران مطالعہ روح المعانی زیر آیت **انك لا تهدی من احبت الخ** بعینہ اسی مفہوم کی یہ عبارت دیکھی۔ مسئلہ اسلامیہ خلافتیہ **تم اند علی القول بعدم اسلامیه لا ینبعی سبه دالتکلم فیه بفضول الکلام فان ذالك مما یعاذی به العلویون بلایبعدان یکون مما تیاذی به النبی علیه الصلوة والسلام الذی نطقت الآیة بناء اعلی هذه الروایات بحبه ایاه**۔ یعنی ابوطالب کے ایمان کا مسئلہ اختلافی ہے۔ اور جو لوگ آپ کے ایمان کے قائل نہیں انہیں مناسب نہیں کہ اپنی زبان پر کوئی نامناسب جملہ لے آئیں۔ کیونکہ اس سے حضرت سیّدنا علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد کو اذیت پہنچتی ہے۔ ہر عقل مند آدمی جانتا ہے کہ ایسے نازک مقامات پر احتیاط سے کام لینا چاہئے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب. محمد محفوظ الحق غفرلهٗ**) اور جیسا کہ اسے ابن دحیہ نے ابولہب کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ ہر پیر کے دن اس سے عذاب میں تخفیف کر دی جاتی ہے اس وجہ سے کہ اس نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی وجہ سے خوش ہو کر ثویبہ کو یہ بشارت سنانے کی وجہ سے آزاد کر دیا۔ امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کے بعض کے بارے تخفیف عذاب قبر کی شفاعت سے ہم پر اعتراض وارد نہیں ہوتا کیونکہ یہ آپ کی شفاعت ایمان والوں میں ہے اور برزخ میں ہے۔ جبکہ ہماری گفتگو تو قیامت کے دن آپ کی ان شفاعات میں اس وجہ ہے جس کا میں تمام موحدین کے لئے عموم ہے اور ان کے غیر کے لئے صرف تخفیف کے طور پر ہے جیسا کہ گزر چکا۔

آٹھویں شفاعت مشرکین کے بچوں کے متعلق ہے کہ انہیں عذاب نہ دیا جائے۔اور ان تین آخری شفاعات کا بعض نے ذکر کیا ہے اور اس کے ساتھ وہ بھی ملائے ہیں جو کہ مدینہ عالیہ میں دفن ہوئے۔اسے ترمذی نے روایت کیا اور اس کی تصحیح فرمائی۔

مسئلہ شفاعت میں شیخ اکبر کی وضاحتیں

شیخ محی الدین ۱۷۱ویں باب میں فرماتے ہیں: جان لے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلی شفاعت لوگوں کے لئے شفاعت کا دروازہ کھولنے کے لئے ہوگی۔ پس آپ ہر شافع کے بارے میں شفاعت کریں گے کہ شفاعت کرے۔ پھر جب شفاعت کرنے والے شفاعت کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی شفاعت میں سے جو چاہے گا قبول فرمائے گا۔اور جو چاہے گا رد کردے گا۔اور اللہ تعالیٰ اس دن شفاعت کرنے والوں کے قلوب میں رحمت وسیع فرمادے گا۔تو شافعین میں سے اس دن اللہ تعالیٰ جس کی شفاعت رد فرمائے گا تو اس کے مرتبہ میں کمی کی وجہ سے نہیں اور نہ ہی جس کے متعلق شفاعت کی گئی اس پر عدم رحمت کی وجہ سے۔اللہ تعالیٰ اس سے صرف اپنے بعض بندوں پر منت الہیہ کے اظہار کا ارادہ فرمائے گا۔پس اللہ تعالیٰ ان کی سعادت کا متولی ہوگا۔اور اسم المنتقم اور الجبار کے ہاں اسم ارحم الراحمین کی شفاعت کے ساتھ انہیں جہنم سے جنت کی طرف نکال کر ان سے شقاوت زائل فرمادے گا۔پس یہ یعنی حق تعالیٰ کی شفاعت اسماء الہیہ کے مراتب ہیں نہ کہ فی الحقیقت شفاعت۔کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے سبقت رحمتی غضبی میری رحمت میرے غضب سے آگے ہے۔ملائکہ نے شفاعت کی۔نبیوں نے شفاعت کی۔اور مومنین نے شفاعت کی۔اور ارحم الراحمین باقی رہ گیا۔پس اس کا مفہوم دلالت کرتا ہے کہ اس نے شفاعت نہیں فرمائی۔پس نافرمان موحدین میں سے جسے چاہے گا اسے جہنم سے جنت کی طرف نکالنے کا خود متولی ہو گا۔اور اللہ تعالیٰ جہنم کو اپنے غضب اور عذاب سے بھر دے گا جس طرح کہ جنت کو اپنی رضا اور رحمت سے معمور فرمائے گا۔

اور ۳۷۴ویں باب میں شیخ نے یوں فرمایا ہے: جان لے کہ اسم 'ارحم الراحمین'۔ ملائکہ، انبیاء اور مومنین میں سے ہر ایک کے لئے مخصوص جماعت ہے جن میں وہ شفاعت کرے گا۔پس ارحم الراحمین کی شفاعت ان کے ساتھ خاص ہے جنہوں نے صرف اللہ تعالیٰ کی توحید کے سوا کبھی عمل خیر کیا ہی نہیں۔ شیخ نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور ملائکہ کی گواہی کے ساتھ گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔اور ملائکہ کی شفاعت ان عامیوں کے ساتھ خاص ہے جو کہ مکارم اخلاق پر تھے۔ نیز فرمایا کہ ملائکہ کی شفاعت اس ترتیب پر ہوگی جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے کفر مقرر فرمائی ہے۔اور شفاعت میں ان میں سے آخر میں وہ انیس ہوں گے جو کہ جہنم پر مقرر ہیں۔

رہی انبیاء علیہم السلام کی شفاعت تو یہ مومنین کے بارے میں مخصوص ہے۔اور ایمان والوں کی دو قسمیں ہیں۔غور وفکر اور دلیل حاصل کرنے سے ایمان لانے والا۔پس اس میں انبیاء شافع ہوں گے۔ کیونکہ انبیاء امتوں کی طرف خبر لے کر تشریف لائے۔اور خبر وہ متعلق ایمان ہے اور دوسری قسم وہ مومن جو کہ اس امر کا مقلد ہے جو کہ اسے اس کے والدین نے اور ان گھر والوں نے عطا کیا جس میں اس نے نشو ونما پائی۔ پس اس میں شفاعت کرنے والے وہ مومنین ہیں جو کہ درجہ میں اس سے فائق ہیں۔اس کے بعد کہ ان شفاعت کرنے والوں نے اپنے آپ کو خالص رکھا اور حضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے ساتھ انہوں نے نجات پائی۔ پھر یہ شفعاء سب کے سب شفاعت نہیں کریں گے مگر اس وقت جبکہ گناہگار موحدین کے مواخذہ کی مدت ختم ہوجائے گی۔ انتہی

مرتدین کے بارے میں سحقا سحقا فرمانے کی حکمت

اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام ایک قوم کے بارے میں جو کہ آپ کے بعد اپنی ایڑیوں کے بل پھر گئے فرمائیں گے سحقا سحقا یعنی دوری ہو دوری ہو۔ اس کے متعلق ۳۷۷ دیں باب میں فرمایا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان پر اللہ تعالی کے غضب میں اس کی موافقت کی طلب میں ایسا فرمائیں گے۔ کیونکہ امر کا علم رکھنے والا وقت کے فیصلے کے حکم پر اضافہ نہیں کرتا۔ پس اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی شفقت و رحمت کے باوجود **سحقا سحقا** فرمائیں گے۔ پھر اس حال کے زائل ہونے کے بعد آپ سوال میں نرمی فرمائیں گے اور اس کے بارے میں شفاعت فرمائیں گے کہ جسے قریب ہے کہ ہوا کسی مقام بعید میں پھینک دے۔ پس یہ شفاعت اس کے لیے ہوگی جو کہ فرائض اسلام میں سے کسی شے کے ارتکاب سے پھر گیا نہ کہ اس کے بارے میں جو اصل دین سے پھر گیا۔ انتہی

صاحب مقام محمود

اور ۳۷۷ ویں باب میں فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن اللہ تعالی کے حضور شفاعت میں صاحب مقام محمود ہوں گے کیونکہ آپ کو جوامع الکلم عطا فرمائے گئے۔ پس اس مقام میں اولین آخرین سب آپ کی حمد کریں گے اور آپ کے اس مقام کی طرف تمام مقامات خلائق رجوع کریں گے۔ اور جس طرح آپ کی بعثت عام تھی اور آپ کی شریعت تمام شرائع کی جامع اسی طرح آپ کی شفاعت عام ہوگی۔ تو جس طرح آپ کی شریعت سے کوئی عمل جس کا مشروع ہونا درست ہو باہر نہیں اسی طرح یہ صحیح نہیں کہ آپ کی شفاعت سے کوئی خارج ہو۔ اور اس میں طویل کلام فرمایا۔ پھر باب سابق سے ۷۸ ویں جواب میں فرماتے ہیں: حضور صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن اللہ تعالی کی طرف سے کسی سابقہ اذن کے باوجود اس کے حضور سجدہ کریں گے کیونکہ اس دن سجدہ کرنا تکوینی طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عین جسم مبارک میں مامور ہے کیونکہ باب شفاعت کھولنے کی طرف راستہ ہے جو کہ آپ کے سوا کسی کے لئے نہیں۔ پس اسی لئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب عزوجل کے حضور تقدم فرمائیں گے جیسا کہ اس یوم اعظم میں اس کے جلال کے لائق ہے۔ اور سجدہ کے متعلق کسی امر کے وارد ہونے کے بغیر سجدہ کریں گے۔ پس آپ سے فرمایا جائے گا اپنا سر اٹھائیں۔ مانگیں آپ کو عطا ہو گا۔ شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ صلی اللہ علیہ والہ وسلم

خاتمہ۔ اولیاء اللہ کی جوانمردی

شیخ ۷۱ ویں باب میں اسرار الصوم میں ذکر فرماتے ہیں: پھر جان لے کہ اولیاء اللہ کو جب شفاعت کی اجازت ہوگی تو ان کی جوانمردی یہ ہے کہ ابتداءً اس کی شفاعت کریں جس نے دنیا میں انہیں اذیتیں پہنچائیں۔ اور انہیں کفر، زندقہ، ریاکاری اور نقائص کی تہمت لگائی۔ اور یہ اس لئے تا کہ اس سے ندامت دور کریں جبکہ وہ آخرت میں اللہ تعالی کے دربار میں قرب اور قبولیت دعا کی صورت میں اولیاء اللہ کا مقام دیکھے گا۔ جبکہ دار دنیا میں وہ اس سے ناواقف تھا۔ اور اس وقت منکرین کے نفوس مطمئن ہوں گے اور ان سے وہ خوف زائل ہو جائے گا جو اس یوم عظیم میں انہیں اولیاء اللہ سے حاصل ہوا۔ اور اولیاء اللہ شفاعت کی ابتداء ان لوگوں کے بارے میں نہیں فرمائیں گے جنہوں نے دار دنیا میں ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا اور عقیدت اختیار کی کیونکہ محسن اس احسان پر مطمئن ہے جو اس نے آگے بھیجا۔ پس اس کا

حسان ہی اسے کافی ہوگا۔اور اللہ تعالیٰ کے دربار میں اس کا شفیع ہوگا۔ہل جزاء الاحسان الا الاحسان۔اور سیدی علی الخواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فقیر کامل نہیں ہوتا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ سے ہر اس شخص کے لئے عفوودرگزر کی دعا کرے جس نے اسے کوسایا مذمت کی یا اس پر اعتراض کیا تاکہ قیامت میں بخشے ہوئے کی صورت میں حاضر ہو۔اور اسے ان اہل اللہ سے کوئی ندامت اور نہ ہی خوف حاصل ہو جنہیں اس نے برا بھلا کہا یا ان پر اعتراض کیا۔اور اس مقام کے لئے ایک حلاوت اور انشراح ہے جسے بندہ محسوس کرتا ہے اس شخص کے برعکس جو اذیت دینے والوں اور اعتراض کرنے والوں سے انتقام لیتا ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم

اکترسویں بحث

جنت اور جہنم برحق ہیں

یہ اس امر کے بیان میں ہے کہ جنت اور جہنم برحق ہیں۔اور حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام کی تخلیق سے پہلے پیدا کی جاچکی ہیں۔جس طرح کہ اس کی تفصیل اس کتاب کی دوسری بحث میں گزرچکی ہے اور ہم نے وہاں ذکر کیا ہے کہ جنت اور جہنم کی پیدائش دنیا کی تخلیق سے نو ہزار سال بعد ہے اور اسی لئے جنت کو آخرت کا نام دیا گیا ہے کیونکہ اس کی تخلیق دنیا سے مدت مذکورہ کی مقدار متاخر ہے جیسا کہ اس کی بابت پہلے گزرا۔پس یہ دونوں مخلوق ہیں ان میں داخل ہونے والوں کی تخلیق سے پہلے تیار کی جاچکی ہیں۔پھر ہر مکلف کے اعمال اسی کے مطابق آتے ہیں جو اس کے لئے سابقاً دار جنت یا جہنم کے متعلق گزرچکا۔اور اکثر معتزلہ کا گمان ہے کہ یہ یوم جزاء میں پیدا کی جائیں گی۔اور ان کے خلاف ہماری دلیل وہ نصوص صریحہ صحیحہ ہیں جو کہ اس پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ یوم جزاء سے پہلے پیدا کی جاچکی ہیں۔جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ قول اعدت للمتقین (آل عمران آیت ۱۳۳۔جو کہ متقین کے لئے تیار کی جاچکی ہے) اعدت للکافرین (البقرۃ آیت ۲۴۔آل عمران آیت ۱۳۱۔کافروں کے لئے تیار کی جاچکی ہے) اور حضرت آدم اور حواء کا واقعہ۔ان کا جنت میں ٹھہرایا جانا۔فروگذاشت کی وجہ سے اس سے چلا جانا۔وغیرہ ذالک۔جیسے یہ حدیث کہ مومن کے لئے اس کی قبر میں ایک جھروکا کھولا جاتا ہے جس سے وہ جنت کی طرف دیکھتا ہے۔اور اس پر اس کی مہکتی ہوا اور خوشبو داخل ہوتی ہے۔اور کافر کے لئے جہنم کی طرف جھروکا کھولا جاتا ہے پس اس پر اس کی تپش اور گرم ہوا داخل ہوتی ہے۔اور جیسے یہ حدیث کہ جب اللہ تعالیٰ نے جنت عدن کو دست قدرت سے بنایا۔اور اس میں اس کے پھل لٹکائے۔اور اس میں اس کی نہریں جاری کیں تو اس سے فرمایا: کلام کرتو اس نے کہا قد افلح المومنون (المومنون، آیت ا، بے شک ایمان والے بامراد ہو گئے) رواہ البخاری وغیرہ۔اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا قول ''میں نے جنت اور جہنم کو دیکھا'' یہ کئی احادیث میں فرمایا۔

جنت اور جہنم کے متعلق شیخ محی الدین کا بیان

اور شیخ محی الدین فرماتے ہیں: جنت اور جہنم دونوں پیدا کی جاچکی ہیں لیکن ان کی تعمیر مکمل نہیں ہوگی مگر دنیا کی انتہاء اور زمانہ تکلیف گزرنے پر۔پس یہ دونوں بمنزلہ گھر کی فصیل کے ہیں جیسے بادشاہ نے بنایا۔پھر اس کے بعد وہ دیواریں نکالتا ہے اور تعمیر کرتا ہے یہاں تک کہ تعمیر پوری ہوجاتی ہے کیونکہ یہ دونوں صرف مکلفین کے اچھے برے اعمال سے بنائی جاتی ہیں۔تو جو فصیل کی طرف باہر سے دیکھتا ہے کہتا ہے کہ ان کی تعمیر سے فراغت ہوچکی۔اور جو فصیل کے اندر داخل ہو وہ انہیں اس دنیا میں مکلفین کے اعمال کے بقیہ کی قدر نہیں

ناقص پاتا ہے۔ اور اس پر یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ جنت کا پانی شیریں اور مٹی زرخیز ہے۔ اور وہ صاف میدان ہے۔ اور اس کی شجر کاری **سبحان اللہ والحمد للہ ولاالہ الا اللہ واللہ اکبر** ہے۔ پس بیشک قیعان وہ زمین ہے جس میں کوئی عمارت ہے نہ درخت۔ اور حدیث میں یہ بھی ہے کہ جو ہر روز بارہ رکعت ادا کرے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں ایک گھر بناتا ہے۔ اور جو مثلاً سبحان اللہ کہتا ہے اس کے لئے جنت میں ایک درخت لگ جاتا ہے۔ انتہی۔

جنت کے متعلق مخریطی کا قول

اور مخریطی نے کہا ہے: جس جنت سے حضرت آدم علیہ السلام باہر آئے وہ جنت کبریٰ نہیں جو کہ علم الٰہی میں ذخیرہ کی گئی ہے۔ بیشک اس میں حضرت آدم کے لئے لغزش اور ابلیس کے لئے انکار درست نہیں حتیٰ کہ وہ خاص حضرت الٰہیہ ہے جس میں کوئی حجاب نہیں۔ اور یہ معلوم ہے کہ لغزش واقع نہیں ہوتی حتیٰ کہ اس کا مرتکب محجوب ہو جائے۔ وہ تو جنت برزخ ہے جو کہ جبل یاقوت کے اوپر ہے۔ پس جنت کبریٰ میں لوگ داخل نہیں ہوں گے مگر حساب ختم ہونے اور صراط سے گزرنے کے بعد۔ نیز فرمایا: اور جنت برزخ وہی ہے جو کہ دنیا میں دیکھی جاتی ہے۔ اور اسی طرح جہنم برزخ۔ پس بیشک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ فرمایا کہ میں نے اپنے اس مقام میں جنت اور جہنم کو دیکھا تو ذکر فرمایا کہ آپ نے عمرو بن لحی کو دیکھا جس نے سائبہ جانوروں کا طریقہ جاری کیا (یہ دور جاہلیت کی ایک رسم تھی اگر کوئی آدمی سفر پر جاتا یا بیمار ہوتا تو وہ نذر مانتا کہ اگر میں خیریت سے گھر پہنچ گیا یا اس بیماری سے صحتیاب ہو گیا تو میری یہ اونٹنی سائبہ ہوگی۔ اور اس کا دودھ۔ گوشت اور اس پر سواری حرام تصور کرتے) اور ذکر فرمایا کہ آپ نے اس عورت کو دیکھا جس نے بلی باندھ لی حتیٰ کہ وہ بھوکی مرگئی۔ اور معلوم ہے کہ یہ لوگ ابھی تک جہنم کبریٰ میں داخل نہیں ہوئے۔ وہ تو برزخ میں محبوس ہیں۔ اسی طرح انہوں نے کہا۔ غور و فکر اور چھان پھٹک کی جائے۔

امام شعرانی فرماتے ہیں کہ مجھے اچھا لگا کہ میں ان دونوں جہانوں یعنی دنیا و آخرت پر قدرے تفصیل سے کلام کروں کیونکہ یہ دونوں اوّلین و آخرین کی فرودگاہ ہیں۔

دنیا و آخرت

پس میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کہتا ہوں: شیخ محی الدین ۱۲۶ ویں باب میں فرماتے ہیں: جان لے کہ دنیا آخرت کے مقابلہ میں تخلیق میں اکمل ہے۔ کیونکہ دنیا تمیز۔ اختلاط اور تکلیف کا گھر ہے۔ جبکہ آخرت صرف دار تمیز ہے۔ اور ہاں کبھی بھی شریعت کی ذمہ داری نہیں ہوگی جس طرح کہ دنیا میں ہے۔ سوائے ایک مقام کے۔ اور یہ وہ وقت ہے جب اہل اعراف کو سجدہ کی طرف بلایا جائے گا پس وہ سجدہ کریں گے۔ پس اس سجدہ کی بدولت ان کا میزان جھک جائے گا۔ اور اس میں طویل کلام فرمایا۔ پھر فرمایا: جان لے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی ماؤں کے ساتھ احسان کرنے اور ان کی نافرمانی نہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ پس اس ادب کا قلیل لوگوں نے اہتمام کیا۔ اور معلوم ہے کہ ہماری ماں تو دنیا ہے جس نے ہمیں جنم دیا۔ پس جب ہم میں سے کوئی کہتا ہے کہ دنیا پر اللہ کی لعنت ہو تو دنیا کہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم میں سے اپنے رب کے زیادہ نافرمان پر لعنت فرمائے۔ جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔ اور جس نے اپنی ماں پر لعنت کی وہ بلاشبہ اس کا عاق ہے تو چاہئے کہ ایک شخص اس کے اس قول میں اس کے ادب کی شدت اور اپنی اولاد پر اس کی مہربانی پر غور کرے کہ اللہ تعالیٰ ہم

میں سے اپنے رب کی زیادہ نافرمانی کرنے پر لعنت فرمائے۔ پس وہ معین کر کے اس پر لعنت نہ کر سکی جس نے اس پر لعنت کی۔ اور نہ ہی اس کا نام لے سکی۔ اور یہ والدہ کی اپنی اولاد پر مہربانی اور شفقت کی بنا پر ہے۔ اور حدیث پاک میں ہے کہ دنیا مومن کی سواری ہے۔ اس پر خیر تک پہنچتا ہے اور اسی کی وجہ سے شر سے نجات پاتا ہے۔ پس اس کا وصف یہ بیان کیا کہ وہ اپنی اولاد پر مہربانی کی شدت کی وجہ سے انہیں شر کی یاد دلاتی ہے اور انہیں اس سے لے بھاگتی ہے۔ اور ان کے لئے خیر کو آراستہ کرتی ہے اور انہیں اس کی طرف لے چلتی ہے۔ پس وہ انہیں سفر کراتی ہے اور انہیں شر کے مقام سے خیر کے مقام کی طرف اٹھا لے جاتی ہے۔ یہ سب کچھ ان اوامر الہیہ کی جنہیں شرائع کہتے ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں نازل فرمائے انتہائی نگہداشت کی وجہ سے ہے۔ پس اس کے بیٹوں پر واجب ہے کہ انہیں قائم رکھیں تاکہ سعادت حاصل کریں۔ پس ہم سے کتنے تعجب کی بات ہے کہ ہم نے اپنی ماں کے اخلاق کی پیروی نہ کی اور نہ ہی اپنے رب کی حدود پر رکے جس طرح کہ ہماری ماں رکی۔ پس ہر عبد کو چاہئے کہ وہ اپنی ماں کے حال کو پیش نظر رکھے۔ کیونکہ طفل اپنی آنکھ نہیں کھولتا مگر اپنی ماں پر اور نہیں دیکھتا مگر اسی کو۔ اور اسی لئے اس سے محبت کرتا اور اس کی طرف طبعی طور پر مائل ہوتا ہے۔

اور دنیا کے اخلاق سے یہ بھی ہے کہ اس پر اس کے بیٹوں میں سے کسی کا آخرت کی طرف منسوب ہونا سہل نہیں کیونکہ آخرت نے انہیں جنم دیا نہ ہی ان کی تربیت میں مشقت اٹھائی۔ اور اس کے لئے ہماری ایک نافرمانی یہ ہے کہ ہم شر اور تنگیاں اس کی طرف منسوب کرتے ہیں حالانکہ وہ ہمارے اپنے احوال ہیں۔ اس کے احوال نہیں۔ اور شر مکلف کا فعل ہے اس کا نہیں۔ اور اس پر سب سے زیادہ ناگوار اس کی اولاد کا ہر فعل خیر کو جو وہ کرتے ہیں آخرت کی طرف منسوب کرنا ہے باوجودیکہ انہوں نے اسے دنیا میں ہی کیا ہے۔ اور اس میں طویل گفتگو فرمائی۔ پھر فرمایا: پس معلوم ہوا کہ دنیا کے لئے اس مصیبت کا اجر ہے جو کہ اس کی اولاد میں ہے اور اس کی اولاد سے ہے۔ انتہی۔

جہنم کے متعلق کلام

اور چاہئے کہ ہم جہنم پر گفتگو شروع کریں (اعاذنا اللہ منھا) پس ہم کہتے ہیں: اے بھائی! جان لے کہ جہنم بہت بڑی مخلوقات میں سے ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا قید خانہ ہے جس میں معطلہ۔ مشرکین، کافروں اور منافقوں کو ابد الآباد تک قید رکھے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وجعلنا جھنم للکافرین حصیرا (الاسراء آیت ۸) ''اور ہم نے جہنم کو کافروں کے لئے قید خانہ بنا دیا'' رہے ایمان والوں میں سے کبیرہ گناہوں والے تو وہ جب تک اللہ تعالیٰ چاہے قید میں رکھے جائیں گے پھر نکال لئے جائیں گے۔ اور اسے اس کی گہرائی بعید ہونے کی وجہ سے جہنم کہا گیا۔ کہا جاتا ہے بئر جہنام جبکہ کنواں کی گہرائی بعید ہو۔ اور یہ آگ اور زمہریر پر مشتمل ہے۔ پس اس میں انتہائی درجوں کی ٹھنڈک ہے۔ اور اس کے سب سے اوپر کے درجے سے سب سے نچلے حصے کے درمیان ۷۵۰ سال کا فاصلہ ہے۔ اور مخفی نہ رہے کہ اس کی تپش وہ صرف جلانے والی ہوا ہے اس میں کوئی انگار نہیں۔ سوائے بنی آدم اور ان پتھروں کے جنہیں اللہ تعالیٰ کے سوا معبود قرار دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وقودھا الناس والحجارۃ (البقرۃ آیت ۲۴۔ التحریم آیت ۶ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں) نیز فرمایا: انکم وما تعبدون من دون اللہ حصب جھنم (الانبیاء آیت ۹۸) تم اور جن بتوں کی تم پوجا کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر، سب جہنم کا ایندھن ہیں)۔ نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے فکبکبوا فیھا ھم والغاوون و جنود ابلیس اجمعون (الشعراء آیت ۹۴ پس اوندھے پھینک دیئے جائیں گے اس میں وہ اور دوسرے گمراہ اور ابلیس کی ساری فوجیں) پس ثابت فرمایا کہ جنات اس کے شعلے ہیں۔

شیخ محی الدین فتوحات کے ۶۱ ویں باب میں فرماتے ہیں: جان لے کہ جہنم میں داخل ہونے والے جنات اور انسانوں کے اعمال کے معرض وجود میں آنے کے مطابق اللہ تعالیٰ جہنم میں آلات پیدا فرماتا ہے فرمایا: اور اللہ تعالیٰ نے اسے طالع ثور کے ساتھ ایجاد فرمایا۔ اسی لئے اسے صورت میں بھینس کی شکل پر پیدا فرمایا تھا۔ فرماتے ہیں: میں نے اسے اپنے کشف میں اسی طرح دیکھا۔ اور میں اس میں پانچ طبقات نیچے اترا اور میں نے جنات کو دیکھا کہ اس میں گرزیں بنا رہے ہیں۔ فرمایا: اسی طرح اسے ابوالحکم بن برجان نے اپنے کشف کے طریقے سے دیکھا۔ اور بعض کے لئے وہ سانپ کی صورت میں ظاہر ہوئی۔ پس اسے خیال ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اسی صورت پر اسے پیدا فرمایا ہے۔ جبکہ ایسا نہیں ہے۔

شیخ محی الدین نے فرمایا: اور جب اسے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا تو زحل برج ثور میں تھا۔ اور شمس وقمر قوس میں تھے۔ اور تمام چمکنے والے ستارے جدی میں تھے۔ پس اسی وجہ سے اس میں تپش اور ٹھٹھر ہے۔ اور اس میں بھوک اس لئے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے صحیح مسلم میں اپنے اس قول کی تجلی سے پیدا فرمایا: جعت فلم تطعمنی و مرضت فلم تعدنی. وظمئت فلم تسقنی یعنی مجھے بھوک لگی تو نے مجھے کھانا نہ کھلایا۔ میں بیمار ہوا تو نے میری عیادت نہ کی اور مجھے پیاس لگی تو نے مجھے پانی نہ پلایا۔ (اقول وباللہ التوفیق۔ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ بھوک، پیاس اور مرض وغیرہ عوارض سے منزہ ہے۔ امام نووی شارح مسلم اس کی شرح میں فرماتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان عوارض کو رب العزت کی طرف منسوب کرنے کا مقصد بندے کو عزت دینا اور اس کا قرب بیان کرنا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ جب بندہ عرض کرے گا کہ مولا تعالیٰ تو ان عوارض سے پاک ہے تو اس ارشاد کا مفہوم کیا ہے؟ تو فرمایا اگر تو اس کے پاس جاتا لوجدتنی عندہ مجھے اس کے پاس پاتا یعنی میری طرف سے بے پناہ اجر وثواب ملتا۔ اس تعبیر میں ان اعمال کی ترغیب مراد ہے۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ) پس اسی سے جہنم پیدا کی گئی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے اپنی پناہ میں رکھے۔

شیخ نے فرمایا: اسی لئے جہنم جابروں پر سخت گراں ہوگی اور متکبروں کی کمر توڑ دے گی۔ اور اس میں اللہ تعالیٰ جو تکالیف پیدا فرمائے گا جنہیں اس میں داخل ہونے والے پائیں گے تو یہ صفت غضب سے ہوں گی۔ اور یہ کیفیت اس میں نہیں ہوگی مگر مخلوق کے اس میں داخل ہونے کے وقت یعنی جب جن اور انسان اس میں داخل ہوں گے۔ البتہ جب جہنمیوں میں سے ابھی اس میں کوئی نہیں ہوگا تو نہ تو فی نفسہا جہنم میں کوئی تکلیف ہوگی نہ ہی اس میں موجود نفس ملائکہ میں۔ بلکہ وہ جہنم اور اس کے ملائکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت میں ناز ونعمت اور لذتیں پانے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کررہے ہیں۔ تکان محسوس نہیں کرتے۔ اور اس میں طویل کلام فرمایا۔ اور پھر فرماتے ہیں: اور نہایت عجیب وبے مثل روایت ہے جو کہ ہمیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ ایک دن مسجد میں اپنے صحابہ کرام کے ساتھ تشریف فرما تھے پس انہوں نے زبردست دھما کہ سنا جس سے خوفزدہ ہو گئے۔ پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جانتے ہو یہ دھما کا کیا ہے؟ عرض کی: اللہ ورسولہ اعلم۔ فرمایا: ایک پتھر ہے جو کہ ستر سال پہلے جہنم کے اوپر کے حصے سے پھینکا گیا جو کہ اب اس کی تہ میں پہنچا۔ پس اس کا جہنم کی تہ تک پہنچنا اور اس میں گرنا یہ دھما کا ہے۔ پس ابھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی گفتگو سے فارغ نہیں ہوئے کہ منافقین میں سے ایک منافق کی گھر چیخ وپکار ہونے لگی جو کہ مر گیا تھا۔ اور اس کی عمر ستر سال تھی۔ پس رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: اللہ اکبر۔ پس اکابر صحابہ کرام علیہم الرضوان کو علم ہو گیا کہ وہ پتھر یہی منافق ہے۔ اور اپنے پیدا ہونے کے وقت سے علم الٰہی میں اپنے اعمال کی وجہ سے نار جہنم میں جارہا تھا۔ گرچہ بالغ ہونے کے بعد ہی مکلف ہوا تو جب اس کی عمر ستر سال کو پہنچی تو مر گیا پس اس کی تہ تک پہنچ گیا۔ اللہ تعالیٰ کا

ارشاد ہے ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار (النساء آیت ۵۴) بیشک منافق دوزخ کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے۔ پس حضرات کا اس دھماکے کو سننا جو کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں سنایا تھا صرف یہ تھا تاکہ اس سے عبرت حاصل کریں۔ تو دیکھو کہ کلام نبوت کس قدر عجیب ہے۔ اس کا بیان کس قدر لطیف۔ اشارہ کس قدر حسین اور کلام کس قدر شیریں ہے۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

شیخ اکبر اور جہنم اور اہل جہنم کا مشاہدہ

شیخ محی الدین فرماتے ہیں: میں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی مجھے جہنم اور اہل جہنم پر اطلاع بخشے۔ پس اس نے مجھے اس پر اطلاع بخشی میں نے اسے پہنچان لیا۔ اور اس کی جگہ کو پہنچان لیا۔ اور اگر ایسا نہ ہوتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے بارے میں سوال کے وقت علم الٰہی کا حوالہ دیا تو میں اس کی جگہ کا تعین کر دیتا۔ لیکن ادب ہمیں روکتا ہے کہ ہم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور مقام ادب سے تجاوز کریں۔ شیخ نے فرمایا: اور میں نے جہنمیوں کو دیکھا کہ گمراہی کے راہنماؤں کے ساتھ جھگڑ رہے ہیں جنہوں نے انہیں گمراہ کیا اور اپنے بتوں کے ساتھ جنہیں وہ اللہ تعالیٰ کے سوا پوجتے تھے۔ اور میں نے ان کے جھگڑے کی صورت ایسی دیکھی جس طرح کہ مذاہب شرعیہ والوں کا مذاہب باطلہ سے جھگڑا ایک دوسرے کے دلائل کو باطل کرنے کے لئے۔ پس میں جب بھی ہمارے ارباب مذاہب کا مذاہب باطلہ والوں سے جھگڑا دیکھتا ہوں تو مجھے جہنمیوں کا جھگڑا یاد آتا ہے۔ اور میں نے ساری کی ساری رحمت سر تسلیم خم کرنے، دربار نبوت سے فیض حاصل کرنے، حدود شرعیہ پر رک جانے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کی قرأت، ائمہ مجتہدین اور علماء عاملین کے کلام کی قرأت کے وقت ادب ملحوظ خاطر رکھنے اور ان کے کلام کی قرأت کے وقت آواز بلند نہ کرنے میں دیکھی ہے۔ نیز فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر مطلع فرمایا میں نے جہنم کے طبقات میں سے ان کے دار ہونے کی حیثیت سے وہ کچھ دیکھا جس پر اللہ تعالیٰ نے مجھے مطلع کرنا چاہا۔ اور میں نے اس میں مظلمت نام کی ایک جگہ دیکھی۔ میں اس میں وہاں تک اترا جہاں تک میرا اترنا اللہ تعالیٰ نے چاہا۔ پس اس وقت سے مجھے ہر اس عمل کا علم حاصل ہوا جو کہ آگ کی صورت اختیار کرتا ہے۔ اور ہر وہ عمل جو کہ نعمت کی صورت میں متشکل ہوتا ہے اور مجھے معلوم ہوا کہ اہل جہنم کا عذاب درحقیقت جہنم سے نہیں۔ وہ تو صرف داخل ہونے والوں کے اعمال ہیں۔ اور اس کے متعلق میں نے یہ شعر کہے ہیں: "آگ تجھ سے ہے اور تو اعمال کے ساتھ اسے بھڑکاتا ہے۔ جیسے تو اسے شعلہ بار کرتا ہے فی الحال بجھا دیتا ہے۔ پس تو طبعاً اس سے ہمیشہ بھاگتا ہے۔ اور تو اپنے ہر حال میں اسے پیدا کرتا ہے۔ انتہی۔

شیخ اکبر کے مذکور الصدر بیان کے متعلق امام شعرانی کی وضاحت

شعرانی کہتے ہیں کہ شیخ نے اسی طرح کہا ہے لیکن علماء شریعت فرماتے ہیں کہ جو کہے کہ میں جنت میں داخل ہوا وہ کافر ہو گیا۔ اور قیاس یہ ہے جہنم کے داخل ہونے میں یہی حکم ہو۔ پس سوچا جائے اور چھان پھٹک کی جائے۔ اور شاید آپ کا یہ کہنا کہ نزلت میں اترا یعنی کشف کے طور پر اطلاع بخش دی گئی۔ جیسے اس سے پہلے کا کلام اس کی تفسیر کرتا ہے۔ واللہ اعلم۔

پس معلوم ہوا کہ اہل جہنم کے لئے جہنم رہائش گاہ اور قید خانہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس میں جب چاہے گا اس مختلف قسم کے عذاب پیدا فرمائے گا۔ پس ان کا عذاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور وہ ان کا محل ہے۔ شیخ محی الدین نے فرمایا: جہنم کے سات دروازے ہیں جو کہ کھلے ہیں۔ ان میں کوئی دروازہ بند نہیں سوائے آٹھویں دروازے کے۔ جو کہ اللہ تعالیٰ کی رؤیت سے حجاب کا دروازہ ہے۔ پس وہ

جہنمیوں کے لئے کبھی بھی نہیں کھلے گا۔ فرمایا: تمام کواکب جو کہ جہنم میں ہیں ان کے اجرام تاریک اور تخلیق میں بہت بڑے ہیں۔ اور اسی طرح سورج اور چاند اور جہنم میں ان کا طلوع وغروب دائمی ہے۔ پس جہنم کا سورج چمکنے والا ہے چمکانے والا نہیں۔ اور تکوینیات اپنے سیر سے اسی کے مطابق ہیں جو دار جہنم کے لائق ہے۔

جہنم کی حد

اگر تو کہے کہ جہنم کی حد کیا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ اس کی حد حساب سے فارغ ہونے کے بعد فلک کواکب ثابتہ کی تہ سے لے کر اسفل سافلین تک ہے۔ اور وہ سب کا سب جہنم کی وسعت کو اس صورت حال سے بڑھائے گا جس پر یہ اب ہے کہ اس میں کوئی مخلوق نہیں ہے۔ اور ہر وہ مکان جس کے متعلق شارع علیہ السلام نے یہ ذکر نہیں فرمایا کہ وہ جنت کی طرف لوٹے گا وہ سب کا سب جہنم بن جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے واذا البحار سجرت (التکویر آیت ۶) اور جب سمندر بھڑکا دیئے جائیں گے۔ جیسے تنور بھڑکایا جاتا ہے جبکہ اس میں آگ شعلہ زن کی جائے۔ شیخ نے فرمایا: اسی وجہ سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور دیگر حضرات نے سمندر کے پانی سے وضو مکروہ قرار دیا ہے۔ اس کے باوجود کہ انہوں نے اس سے طہارت جائز قرار دی ہے۔ اور بعض نے فرمایا ہے کہ سمندر کے مقابلہ میں مجھے تیمم زیادہ پسند ہے۔ اور شیخ محی الدین نے فرمایا: اہل کشف سب کے سب کھاری سمندر کے پانی کو اب بھی شعلہ بار دیکھتے ہیں۔

ابلیس کو اشد العذاب ہوگا نیز مخلوق من النار کو عذاب نار کیسے؟

اگر تو کہے کہ جہنم میں عام خلائق سے زیادہ شدید عذاب کسے ہوگا؟ تو جواب یہ ہے کہ سب سے شدید عذاب ابلیس کو ہوگا کیونکہ وہی ہے جس نے شرک اور ہر معصیت کا دستور جاری کیا۔ اگر تو کہے کہ ابلیس آگ سے پیدا کیا گیا ہے پس اللہ تعالیٰ نے اس کا عذاب اس سے کیسے مقرر فرمایا جس سے وہ پیدا کیا گیا؟ تو جواب یہ ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ سانس کے ساتھ جسم حساس کی حیات ہوتی ہے۔ تو جب پھانسی پر لٹکا کر یا گلا دبا کر اسے روک دیا جائے تو وہ اس کے برعکس قلب کی طرف لوٹتا ہے۔ پس اسے اسی وقت جلا دیتا ہے جس سے اس کی اسی وقت موت واقع ہو جاتی ہے۔ تو سانس کی بدولت اس کی حیات تھی اور اسی کے ساتھ اس کی موت واقع ہوگئی۔

اگر تو کہے کہ حدیث میں وارد ہے کہ اسے زمہریر کے ساتھ عذاب دیا جائے گا جو کہ اس کی خلقت کے خلاف ہے تو کیا اسے اس کے ساتھ اس کے باہر سے عذاب دیا جائے گا یا اندر سے؟ تو جواب یہ ہے کہ زمہریر اسے اس کی ذات سے ہی آئے گا۔ کیونکہ وہ اس کے ارکان میں سے ایک ہے۔ پس زمہریر کا جزء باقی ارکان پر غالب آجائے گا پس اس کے ساتھ اسے عذاب دیا جائے گا۔ جیسے دار دنیا میں انسان پر بعض اخلاط کا غلبہ ہوتا ہے تو اس کی وجہ سے اسے تکلیف ہوتی ہے۔ پس اسے طبیب اگر چھڑانے کا حکم دیتا ہے تو اگر وہ نہ چھڑائے تو بسا اوقات اس کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ قصہ مختصر جو بھی جہنم میں داخل ہوگا اسے اس کے تمام ارکان میں سے ہر رکن کے ساتھ عذاب دیا جائے گا حتیٰ کہ پانی اور ہوا کے ساتھ۔

طبقات جہنم کی تعداد اور جہنمیوں کی اقسام

اگر تو کہے کہ جہنم کے طبقات کی تعداد کتنی ہے؟ تو جواب یہ ہے اس کے طبقات کی تعداد سو ہے کیونکہ جنت کے درجات کے مقابلہ میں ہے۔ اور اس کے ہر طبقہ کے لئے مخصوص قوم ہے اور ان کے لئے ان پر اترنے والے غضب الٰہی کی وجہ سے مخصوص تکالیف ہیں۔ اگر تو کہے کہ جہنمیوں کی کتنی اقسام ہیں جو اس کے اہل ہیں؟ تو جواب یہ ہے کہ ان کی چار قسمیں ہیں جیسا کہ شیخ نے یہ فتوحات کے ۶۲ ویں باب میں فرمایا ہے۔ اور چاروں اقسام علی الخصوص مجرمین کی طرف لوٹتی ہیں۔ وامتازوا الیوم ایھا المجرمون (یٰسین آیت ۵۹) اے مجرمو! الگ ہو جاؤ) یعنی جو کہ اس کے مستحق ہیں کہ جہنم کی سکونت کے اہل ہوں۔ اس سے جنت کی طرف نہیں نکلیں گے۔ پہلی قسم اللہ تعالیٰ کے امر سے تکبر کرنے والے جیسے فرعون۔ نمرود۔ ابولہب اور ان جیسے دوسرے۔ دوسری قسم مشرکین۔ اور یہ وہ ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرا معبود ٹھہراتے ہیں۔ تیسری قسم معطلین۔ اور یہ وہ ہیں جنہوں نے سب معبودوں کی نفی کر دی پس انہوں نے عالم کے لئے کوئی معبود ثابت نہیں کیا اور نہ ہی عالم سے۔ چوتھی قسم منافقین۔ اور یہ ان تین مذکورہ اقسام میں سے وہ ہیں جنہوں نے اس قہر کی وجہ سے اسلام کا اظہار کیا جس نے ان پر حکم لگایا پس انہیں اپنی جانوں۔ مالوں اور اولادوں کے متعلق خوف لاحق ہوا۔ اور وہ اپنے آپ میں اسی اعتقاد پر ہے جس پر کہ یہ تینوں گروہ ہیں۔ تو یہ چار قسموں کے وہ جنات اور انسان ہیں جو اس سے ابدالآباد تک باہر نہیں نکلیں گے۔ امام شعرانی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ کی قسم اس نے جھوٹ بولا اور بہتان لگایا جس نے شیخ محی الدین کی طرف منسوب کیا کہ آپ ایمان فرعون کی قبولیت کے قائل ہیں۔ اور اگر آپ اس کے قائل ہوتے تو یہاں یہ تصریح نہ فرماتے کہ وہ ان جہنمیوں میں سے ہے جو کہ ابدالآباد تک اس سے باہر نہیں نکلیں گے۔ پس یا تو آپ کی طرف غلط منسوب کیا گیا ہے جیسا کہ اس کی طرف خطبہ میں اشارہ گزر چکا ہے۔ یا پھر آپ نے اس میں قاضی ابوبکر الباقلانی کی پیروی کی تھی کیونکہ وہ ایمان فرعون کی قبولیت کے قائل ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف سے حکایت فرمائی ہے کہ اس نے کہا لا الٰہ الا الذی آمنت بہ بنو اسرائیل و انا من المسلمین (سورۂ یونس آیت ۹۰) میں ایمان لایا کہ الہٰ نہیں سوائے اس کے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اور میں مسلمانوں میں سے ہوں)۔ اور بعد ازیں اس سے اس کے منافی کسی بات کی حکایت نہیں کی۔ جبکہ تمام ائمہ کا اس امر پر اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ اس کا ایمان قبول نہیں۔ پس تو اس سے پرہیز کر کہ شیخ محی الدین سے نقل کرے کہ آپ ایمان فرعون کی مقبولیت کے قائل ہیں اور تو اجماع کو توڑے۔ علی الخصوص فتوحات آپ کی تالیفات میں سے آخری تالیف ہے کیونکہ آپ اپنی وفات سے تقریباً پانچ برس پہلے اس سے فارغ ہوئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

طبقات جہنم اور درجات جنت میں اختصاص کا امتیاز

اگر تو کہے کہ کیا جہنم میں کوئی مخصوص طبقات ہیں جس طرح کہ جنت کے بعض درجات مخصوص ہیں جو کہ کسی عمل کے مقابلہ میں نہیں؟ تو جیسا کہ شیخ نے فتوحات کے ۶۲ ویں باب میں فرمایا جواب یہ ہے کہ جہنم میں اختصاص الٰہی کے طبقات اور نہ ہی عذاب اختصاص نہیں ہیں جس طرح کہ جنت میں ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں تعارف نہیں کرایا کہ وہ اپنے عذاب کے ساتھ جسے چاہے مختص فرماتا ہے جس طرح کہ اس نے ہمیں خبر دی ہے کہ وہ اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہے مختص فرماتا ہے۔ پس وہ جہنمیوں کو اس میں عذاب نہیں دے گا مگر صرف ان کے ان اعمال کی وجہ سے جو انہوں نے اپنائے بخلاف اہل جنت کے کیونکہ وہ اس میں اپنے اعمال کی بدولت

اور بغیر اعمال کے جنت اختصاص میں نعمتیں پائیں گے کیونکہ جنتیں تین ہیں۔ جنت اعمال۔ جنت اختصاص اور جنت میراث جس طرح کہ اس کا بیان جنت پر کلام میں آ رہا ہے انشاء اللہ العزیز۔ پس اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہے کہ اس نے اہل جہنم کو نہیں اتارا مگر صرف ان کے اعمال کی وجہ سے۔ رہا اللہ تعالیٰ کا یہ قول **زدناهم عذابا فوق العذاب** (النحل آیت ۸۸) ہم نے بڑھا دیا اور عذاب ان کے پہلے عذاب پر)۔ تو یہ مخصوص طائفہ کے لئے ہے اور وہ گمراہ کرنے والے راہنما ہیں جن کی طرف اللہ تعالیٰ کے اس قول میں اشارہ کیا گیا ہے۔ **وليحملن اثقالهم و اثقالا مع اثقالهم** (العنکبوت آیت ۱۳) اور اپنے بوجھ ضرور اٹھائیں گے اور دوسرے کئی بوجھ اپنے بوجھوں کے ساتھ)۔ پس بیشک وہ وہی ہیں جنہوں نے بندوں کو گمراہ کیا اور ان پر گمراہ کن شبہات داخل کئے جن کی وجہ سے وہ سیدھی راہ سے بہک گئے۔ پس وہ جہنم کی انہیں منزلوں میں اتارے جائیں گے جن کے مستحق ہیں۔ کیونکہ گمراہ کرنا ان کے اعمال میں ہی شمار کیا گیا ہے۔ بخلاف اہل جنت کے کیونکہ وہ اس میں اپنے اعمال کے ساتھ منازل استحقاق میں اتریں گے جیسا کہ کفار میں ہے۔ اور وہ ان پر منازل وراثت اور منازل اختصاص کے حوالے سے زائد ہیں۔

اگر تو کہے کہ اہل جہنم کی چار اقسام کی طرف تقسیم کہاں سے آئی ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کے متعلق ذکر فرمایا ہے کہ وہ ہمارے پاس ہمارے آگے سے، ہمارے پیچھے سے ہمارے دائیں سے اور ہمارے بائیں سے آتا ہے اور جہنم میں کوئی بھی داخل نہیں ہوتا مگر اس کے واسطے سے۔ پس وہ مشرک کے پاس اس کے سامنے سے۔ متکبر کے پاس اس کے دائیں سے۔ منافق کے پاس اس کے بائیں سے اور معطل کے پاس اس کے پیچھے سے آتا ہے۔

علی الخصوص چار جہتوں سے ابلیس کے آنے میں حکمت

اگر تو کہے کہ ان مخصوص جہات سے آنے میں کیا حکمت ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ اس میں حکمت بالکل ظاہر ہے۔ رہا مشرک تو اس کے پاس اس کے سامنے سے آنے کی حکمت یہ ہے کیونکہ مشرک نے اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے غیب کی جہت کو دیکھا پس اس نے اللہ تعالیٰ کا وجود ثابت کیا اور اس کا انکار نہ کر سکا۔ پس اسے ابلیس نے اللہ تعالیٰ کی الوہیت میں ایسی چیز کو شریک ٹھہرانے والا بنا دیا جسے وہ دیکھتا ہے اور اس کا مشاہدہ کرتا ہے۔ رہا متکبر تو وہ اس کے پاس دائیں طرف سے اس لئے آتا ہے کیونکہ دایاں محل قوت ہے۔ پس اسی لئے اس نے اس قوت کی وجہ سے تکبر کیا جس کے ساتھ وہ اپنے نفس کی طرف سے مختص ہے۔ رہا منافق تو وہ اس کے پاس اس کی بائیں سمت سے آیا جو کہ نسبتاً کمزور جانب ہے کیونکہ منافق ان گروہوں میں سے کمزور ہے جس طرح کہ بایاں عادتاً دائیں سے کمزور ہے۔ اور اسی لئے وہ جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوگا اور اس کا نامۂ اعمال اسے اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ رہا معطل تو وہ اس کے پیچھے سے آتا ہے کیونکہ پچھلی سمت پر نظر نہیں پڑتی تو اس نے اسے کہا کہ وہاں کچھ نہیں ہے۔ پس یہ ہے ابلیس کے ان جہات سے آنے کی تخصیص کی وجہ حکمت۔

شیخ نے فرمایا: اور ان چاروں گروہوں کے لئے جہنم کے ابواب میں ضرب دے تو حاصل ضرب اٹھائیس منزلیں ہوئیں جو کہ قمر وغیرہ کواکب سیارہ کی منزلیں ہیں۔ اور ان کواکب سیارہ کے چلانے سے جو کچھ ظاہر ہوا اٹھائیس حروف کا وجود ہے جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کلمات تالیف فرمائے اور انہیں کے ساتھ جہان میں کفر و ایمان ظاہر ہوا۔ پس ہر شخص نے ان کے ساتھ اپنے نفس میں چھپے ایمان یا کفر۔ یا

جھوٹ یا سچ کی ترجمانی کی۔ تا کہ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر ان کے الفاظ کے مطابق حجت قائم ہو۔

ابواب جہنم کے نام اور ان میں سے داخل ہونے والوں کا بیان

اگر تو کہے کہ ابواب جہنم کے نام کیا ہیں اور کون سے گروہ ہیں جو ان سے داخل ہوں گے؟ تو جواب یہ ہے کہ ان کے نام یہ ہیں۔ باب الجحیم۔ باب سقر۔ باب السعیر۔ باب الحطمہ۔ باب لظی۔ باب الحامیہ اور باب الہاویہ۔ ان ابواب کے نام ان کے پیچھے جو کچھ تیار کیا گیا ہے اس کی صفات کے ساتھ رکھے گئے ہیں۔ رہا ان گروہوں کا تعین جو ہر دروازے سے داخل ہوں گے تو وہ قرآن پاک میں بیان کئے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اہل جحیم کے بارے میں فرمایا۔ الـذین یکذبون بیوم الدین (المطففین آیت ۱۱)۔ وہ جو کہ یوم جزا کو جھٹلاتے ہیں۔ اور اہل سقر کے بارے میں فرمایا ماسلککم فی سقر قالوا لم نك من المصلین و لم نك نطعم المسکین و کنا نخوض مع الخائضین و کنا نکذب بیوم الدین (المدثر آیت ۴۲ تا ۴۶) کس جرم نے تمہیں دوزخ میں داخل کیا۔ وہ کہیں گے ہم نماز نہیں پڑھا کرتے تھے اور مسکین کو کھانا بھی نہیں کھلایا کرتے تھے۔ اور ہم ہرزہ سرائی کرنے والوں کے ساتھ ہرزہ سرائی میں لگے رہتے۔ اور یوم جزا کو جھٹلایا کرتے تھے)۔ اور اہل سعیر کے بارے میں فرمایا و جعلناھا رجوما للشیاطین و اعتدنالھم عذاب السعیر (الملک آیت ۵) اور ہم نے انہیں شیاطین کو بھگانے کا ذریعہ بنا دیا ہے اور ہم نے ان کے لئے دہکتی آگ کا عذاب تیار کر رکھا ہے)۔ اور اہل حطمہ کے بارے میں فرمایا ویل لکل ھمزة لمزة الذی جمع مالا وعدده. یحسب ان ماله اخلده کلا لینبذن فی الحطمة. وما ادراك ما الحطمة. نار الله الموقده (الہمزۃ آیت ۱ تا ۶) ہلاکت ہے ہر اس شخص کے لئے جو طعنے دیتا ہے۔ عیب جوئی کرتا ہے۔ جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھتا ہے۔ وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اس کے مال نے اسے لافانی بنا دیا ہے۔ ہرگز نہیں۔ وہ یقیناً حطمہ میں پھینک دیا جائے گا۔ اور تم کیا جانو کہ حطمہ کیا ہے۔ وہ اللہ کی آگ ہے جو خوب بھڑکائی ہوئی ہے۔ اور اہل لظی کے بارے میں فرمایا تدعومن ادبر و تولی و جمع فاوعی (المعارج آیت ۱۷، ۱۸) وہ آگ اسے بلائے گی جس نے پیٹھ پھیری اور منہ موڑا تھا)۔ اور اہل جہنم کے بارے میں فرمایا۔ وللذین کفروا بربھم عذاب جھنم (الملک آیت ۶) اور جنہوں نے انکار کیا اپنے رب کا ان کے لئے جہنم کا عذاب ہے)۔ اور اہل ہاویہ کے بارے میں فرمایا و اما من خفت موازینہ فامه ھاویه (القارعہ آیت ۸، ۹) اور جس کے پلڑے ہلکے ہوں گے تو اس کا ٹھکانہ ہاویہ ہوگا)۔ اور ان ابواب کو ترتیب کے ساتھ سیدی الشیخ عبدالعزیز الدیرینی رحمۃ اللہ علیہ نے نظم فرمایا۔ اور فرماتے ہیں: جہنم اور لظی اور ان کے درمیان حطم۔ پھر سعیر اور تمام ذلت سقر میں ہے۔ اور اس کے بعد جحیم پھر ہاویہ۔ انہیں ہمیشہ نیچے گرائے گی۔ دوری ہے گرنے والے کے لئے۔

مقام جہنم۔ نیز حساب سے پہلے کے واقعات

اگر تو کہے کہ جہنم کہاں ہوگی جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ (کا حکم) بادل کے سایہ میں آئے گا جیسا کہ اس کی شان جلال کے لائق ہے؟ تو جیسا کہ شیخ نے فتوحات کے ۶۴ ویں باب میں فرمایا اس کا جواب یہ ہے کہ جہنم بائیں جانب ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا آنا حجاب کا کھلنا ہے جس طرح کہ کہا جاتا ہے کہ بادشاہ آیا اور وہ اپنے لشکر پر ظاہر ہوا پس انہوں نے اس کا مشاہدہ کیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو ملک یوم الدین فرمایا ہے اور یہ وہی دن ہے جس میں تمامی خلائق جمع ہوگی۔ پس وہ کیسا دن ہوگا؟ پھر وہ ملائکہ جو کہ آسمانوں سے نازل ہوں گے

سات صفیں بنائیں گے جو تمام خلائق کو محیط ہوں گی۔ پس جب لوگ جہنم کو دیکھیں جبکہ وہ جوش اور غیظ وغضب میں ہوگی تو یہ خطرناک ماحول دیکھ کر ڈرتے گھبراتے سب کے سب اس سے بھاگ جائیں گے۔ اور وہ فزع اکبر ہے یعنی زبردست گھبراہٹ۔ کیونکہ وہاں اس سے بڑا اجتماع کبھی نہیں ہوگا۔ اور اس گھبراہٹ سے نہیں بچیں گے مگر وہ گروہ جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: **لا یحزنھم الفزع الاکبر** (الانبیاء آیت ۱۰۳) انہیں وہ بڑی گھبراہٹ غمگین نہیں کرے گی۔ پس یہ لوگ اپنے آپ پر امن میں ہوں گے سوائے اس کے کہ ان میں سے انبیاء علیہم السلام اپنی امتوں پر خوف کرتے ہوئے ان پر گھبرائیں گے اس شفقت کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ نے ان کی جبلت میں رکھی ہے۔ اور اسی طرح ان کے کامل وارث جو کہ داعی الی اللہ ہیں۔ پس وہ سب کے سب اس روز **اللھم سلم سلم** کہیں گے۔ یعنی اے اللہ! سلامتی عطا فرما۔ سلامتی عطا فرما۔ شیخ نے فرمایا: اور امن والوں کے لئے اللہ تعالیٰ نور کے منبر نصب فرمائے گا جو کہ محشر میں ان کے مراتب کے مطابق باہم متفاضل ہوں گے۔ پس وہ ان پر امن اور چین کے ساتھ بیٹھیں گے۔ اور یہ رب جل وعلا کی جلوہ گری سے پہلے ہے جیسا کہ اس کے جلال کے لائق ہے۔ پس جب لوگ جہنم سے ڈرتے ہوئے بھاگیں گے تو آسمان پر ملائکہ کو صف بستہ پائیں گے ان سے آگے نہیں گزر سکیں گے۔ پس ملائکہ انہیں واپس موڑ دیں گے۔ اور امتوں کو محشر کی طرف بلائیں گے۔ اور انہیں ان کے انبیاء علیہم السلام ندا دیں گے واپس لوٹو۔ لوٹو۔ پس ان میں کا بعض بعض کو نداء دے گا۔ اور یہ مفہوم ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول کا **انی اخاف علیکم یوم التناد یوم تولون مدبرین** (المومن آیت ۳۲) میں تمہارے بارے میں پکار کے دن سے ڈرتا ہوں جس روز تم پیٹھ پھیرتے ہوئے بھاگو گے۔ پھر حق جل وعلا کی طرف سے نداء واقع ہوگی۔

شیخ محی الدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نہیں جانتا کہ یہ نداحق تعالیٰ کی اپنی طرف سے ہوگی یا وہ اس کے حکم سے ندا ہوگی۔ اس نداء میں یہ کہا جائے گا: اے اہل موقف! آج تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کرم کے زیادہ لائق کون ہے؟ پھر ندا دی جائے گی کہاں ہیں وہ لوگ جن کے پہلو خوابگاہوں سے جدا رہتے تھے؟ پس وہ کھڑے ہو جائیں گے اور وہ تھوڑے ہوں گے۔ پھر دوبارہ ندا ہوگی کہاں ہیں وہ لوگ جنہیں کوئی تجارت اور سودا اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہیں کرتا تھا؟ پھر تیسری نداء ہوگی کہاں ہیں وہ لوگ جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا ہوا معاہدہ سچا کر دکھایا؟ پس جب ان تین گروہوں کو جنت کی طرف جانے کا حکم دیا جا چکا تو جہنم سے ایک گردن ظاہر ہوگی جس کی دو آنکھیں اور فصیح بلیغ زبان ہوگی۔ تو جب موقف میں موجود خلائق پر جھانکے گی تو کہے گی: اے اہل موقف! آج کے دن مجھے تم میں سے تین گروہ سپرد کئے گئے ہیں جس طرح کہ اہل جنت کی نسبت سے پہلی نداء میں کہا گیا جیسا کہ گزر چکا۔

شیخ محی الدین فرماتے ہیں: یہ سب کچھ حساب سے پہلے ہوگا جبکہ لوگ کھڑے ہوں گے۔ پسینہ لگام کی صورت اختیار کر چکا ہوگا اور خوف شدید ہوگا یہاں تک اس ماحول کی ہولناکی سے قلوب پھٹنے کو ہوں گے۔ شیخ نے فرمایا: پھر جب وہ گردن جہنم سے لوگوں پر جھانکے گی تو کہے گی: مجھے ہر سرکش جھگڑالو سپرد کیا گیا ہے۔ پس وہ صفوں میں سے سرکشوں کو چن لے گی۔ پس جب (ن) میں سے کوئی نہ چھوڑا تو دوبارہ ندا دے گی: مجھے ہر وہ شخص سپرد کیا گیا ہے جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو اذیت دی۔ پس انہیں اسی طرح چن لے گی۔ پھر وہ تیسری مرتبہ ندا دے گی: مجھے ہر وہ شخص سپرد کیا گیا ہے جو کہ اللہ عزوجل کی خلق کی طرح بنانے جاتا ہے۔ پس وہ تمام اہل تصاویر کو چن لے گی۔ اور یہ وہ لوگ ہیں جو کہ کلیساؤں میں تصویریں بناتے ہیں تاکہ انہیں اللہ تعالیٰ کے سوا پوجیں۔ جیسا کہ فرمایا **اتعبدون ما تنحتون** (الصافات آیت ۹۵) کیا تم انہیں پوجتے ہو جنہیں تم خود تراشتے ہو؟ پس بیشک وہ اپنے لئے درخت اور پتھر تراشتے تھے تاکہ انہیں اللہ

تعالیٰ کے سوا پوجیں۔ پس حدیث پاک میں مصورین سے یہی لوگ مراد ہیں پس وہ انہیں صفوں میں سے چن لے گی۔ پس جب اللہ تعالیٰ ان میں سے آخری تک کو پکڑے گا اور لوگ باقی رہ جائیں گے تو ان میں وہ مصور ہوں گے جو تصویر کشی سے ان کی طرح عبادت کا قصد نہیں کرتے تو انہیں ان تصویروں کے متعلق سوال ہوگا کہ ان میں ارواح پھونکیں جن سے وہ زندہ ہو جائیں اور وہ نہیں پھونک سکیں گے جس طرح کہ بخاری میں ہے۔ انتہی۔

امام شعرانی فرماتے ہیں کہ حیوانات کی تصویر کی حرمت مخفی نہیں ہے۔ گرچہ ان کی پوجا نہ کی جائے۔ واللہ اعلم۔ اور ہم قیامت کے پچاس مواقف کی حدیث اپنی کتاب المنہج المبین کے اواخر میں ذکر کر چکے ہیں۔ جس کا ہر موقف ہزار سال کا ہوگا پس ادھر رجوع کر۔ تو وہ کچھ دیکھے گا جس سے سر سفید ہو جائیں اور اس سے جگر پگھل جائیں جس کے متعلق آج ہم غفلت میں ہیں۔ پس ہم اللہ تعالیٰ سے اسلام پر موت کا سوال کرتے ہیں۔ آمین۔

اہل جہنم کا دخول جہنم سے پہلے طعام

اگر تو کہے کہ اہل جنت کا طعام ان کے دستر خوان میں جو کہ (جنت سے پہلے) چمن زار میں ہوگا مچھلی کا جگر ہے تو جہنم میں داخل ہونے سے قبل اہل جہنم کا طعام کیا ہوگا؟ تو جیسا کہ شیخ نے ۶۴ ویں باب میں فرمایا جواب یہ ہے کہ ان کا طعام ان کے مذکورہ دستر خوان میں بیل کی تلی جو کہ تمام بدن سے جمع شدہ میل کچیل کا مقام ہے۔ اور یہ وہ فاسد خون ہے جو تلی اسے دیتی ہے پس یہ تلی اہل جہنم کو دی جائے گی۔ پس وہ اسے کھائیں گے اور معلوم ہے کہ بیل حیوان ترابی ہے اس کی طبیعت سردی اور خشکی ہے۔ جبکہ جہنم بھینس کی صورت میں ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا۔ پس مذکورہ تلی ہی اہل جہنم کے لئے صحیح طور پر اس حوالے سے انتہائی مناسب ہے کہ تلی میں خونی کیفیت ہے اہل جہنم مریں گے نہیں۔ اور اس حوالے سے کہ اس میں بدن کی آلودگیاں اور تکلیف دہ فاسد خون ہے۔ زندہ رہیں نہ عیش کر سکیں۔ اس کے کھانے سے انہیں امراض ہی لاحق ہوں گی۔ بخلاف اہل جنت کے دستر خوان کے کہ وہ مچھلی کے جگر کا اضافہ ہے جبکہ مچھلی پانی کا حیوان جو کہ عنصر حیات سے ہے اور وہ جنت کے مناسب ہے۔ اور جگر خون کا گھر ہے اور وہ بیت الحیات ہے۔ اور حیات گرم اور تر ہے اور اس خون کی بھاپ ہی وہ نفس ہے جسے روح حیوانی کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے جس کے ساتھ بدن کی حیات ہے۔ پس یہ اہل جنت کے لئے ابدی نعمتوں میں ان پر حیات کے باقی رہنے کی بشارت ہے۔ **ذالك فضل الله يوتيه من يشاء**۔ انتہی۔

عاصی موحدین کی جہنم میں موت کی حکمت

اگر تو کہے کہ جہنم میں نافرمان موحدین کی موت کا کیا سبب ہے جبکہ کفار کو اس میں موت نہیں آئے گی؟ تو جواب یہ ہے کہ اس کا سبب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان اعضاء کو عزت بخشا ہے جو کہ اس کی حمد کے ساتھ تسبیح پڑھتے اور اس کی طاعت کرتے تھے۔ اور ان سے خلاف ورزیاں صرف اس حیثیت سے واقع ہوئیں کہ وہ برائی کی تدبیر کرنے والے نفس کے غلبے کے تحت مجبور کی طرح تھے۔ پس معصیتوں میں واقع ہونے کی وجہ سے انہیں عذاب دیا جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کی توحید کے اعتراف کی بنا پر انہیں نکالا جائے گا۔ کیونکہ جہنم کسی موحد کی اس میں ہمیشگی کو بڑا تھا قبول نہیں کرتی۔ پھر نافرمانوں کے اعضاء موت کے بعد کسی تکلیف کو محسوس نہیں کریں گے حتیٰ کہ ان پر اللہ تعالیٰ کے فضل کی بدولت شفاعت کے ساتھ انہیں نکال لیا جائے گا۔ بخلاف کفار کے کہ ان کے اعضاء کو کبھی موت نہیں آئے گی تاکہ وہ عذاب چکھیں۔

اور یہ اس لئے کہ ان کی کفر والی معصیت ان کے ساتھ ہے۔ ان سے جدا نہیں ہوئی اور اگر وہ ابدالآباد تک باقی رہتے تو کافر ہی ہوتے۔ پس اپنی نیت کی حیثیت سے وہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔ رہے عاصی موحدین تو معصیت کے وقت ان کے لئے ان کے نفسوں کی طرف سے منع کرنے والا ہے اور اس کے بعد انہیں ندامت ہوتی ہے۔ اور اس کی وضاحت جیسا کہ شیخ نے فتوحات کے پورے تین سو یں باب میں کی ہے یہ ہے کہ انسان کا جسم سارے کا سارا اپنی طبیعت کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کا مطیع۔ اس کے عذاب سے خائف ہے۔ اور نہیں ہے کوئی عضو جسے انسان کسی معصیت کی ڈھیل دیتا ہے مگر وہ اسے پکارتا ہے کہ یہ کام نہ کر اور مجھے اس کام کی ڈھیل نہ دے جو تجھ پر اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے۔ پس بیشک میں تیرے خلاف گواہی دوں گا۔ جبکہ تو اس فعل سے اللہ تعالیٰ کی طرف براءت ظاہر کرے گا۔ اور بندے میں پائی جانے والی ہر قوت اور عضو اسی نہج پر اپنے ساتھیوں کو ندا دیتا ہے کہ نافرمانی نہ کرو۔ انتہی۔

موحدین کے عذاب جہنم کی توجیہہ

اگر تو کہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں آگ کے ساتھ داغ لگانا اس تکلف سے بچاؤ اور اسے روکنے کا ذریعہ بنا دیا جو کہ آگ سے زیادہ شدید ہے تو کیا موحدین کا جہنم میں جلانا اسی طرح اس عذاب کے دفعیہ کا ذریعہ نہ ہوگا جو کہ جلانے سے زیادہ شدید ہوگا؟ تو جواب یہ ہے کہ ہاں۔ موحدین کا آگ میں جلایا جانا اس کے دفعیہ کا ذریعہ ہے جو کہ اس سے زیادہ شدید ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا غضب سرمدی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کا غضب سرمدی سکون پذیر نہیں ہوگا مگر انہیں آگ میں جلا کر۔ جس طرح کہ انسان اپنے لڑکے یا غلام کی پٹائی کرتا ہے پھر اس سے راضی ہو جاتا ہے اور یہ موحدین پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔ اور اسی لئے بعض نے فرمایا: مسلمان ہو کر فوت ہو اور پرواہ نہ کر۔ بخلاف مشرکین کے کہ ان کا عذاب منقطع نہیں ہوگا۔ پس کبائر کے مرتکب موحدین کے لئے جو کہ توبہ مقبولہ کے بغیر مر گئے جہنم، دنیا میں آگ کے ساتھ داغنے کی طرح ہوگی۔ اور اسی لئے حدیث پاک میں وارد ہے کہ وہ جہنم سے نکالے جائیں گے درآں حال کہ وہ جل چکے ہوں گے۔ پس انہیں جنت کے دروازے پر واقع نہر میں ڈالا جائے گا جس طرح کہ آگ سے داغے ہوئے کو عافیت کی طرف نکالا جاتا ہے۔ اسے شیخ نے فتوحات کے ۸۸ ویں باب میں ذکر کیا ہے۔ اور فرمایا: یہ سب کچھ آگ کو حدود دنیویہ کی طرح بچاؤ قرار دینے کے طور پر ہے۔ پس بیشک اللہ تعالیٰ نے اسے عذاب آخرت سے بچاؤ بنایا ہے۔ اور اسی لئے کفارات کا نام دیا گیا جبکہ کفر کا معنی چھپانا ہے پس وہ عاصی کو عذاب آخرت سے چھپاتا ہے۔ اسی لئے ہم نے اللہ تعالیٰ کے قول **انما جزاء الذین یحاربون اللہ و رسولہ و یسعون فی الارض فسادا ان یقتلوا اویصلبوا او تقطع ایدیھم وارجلھم من خلاف او ینفومن الارض ذالک لھم خزی فی الدنیا ولھم فی الآخرۃ عذاب عظیم** (المائدہ آیت ۳۳) بلاشبہ ان لوگوں کی سزا جو کہ جنگ کرتے ہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور زمین میں فساد پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں انہیں قتل کیا جائے یا سولی دیا جائے یا ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں مختلف طرفوں سے کاٹے جائیں یا جلاوطن کئے جائیں۔ یہ تو ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور ان کے لئے آخرت میں اس سے بھی بڑی سزا ہے)۔ کے متعلق کہا ہے کہ ان سے مراد کفار ہیں نہ کہ موحدین۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جب انہیں دنیا میں قتل۔ پھانسی۔ مخالف طرفوں سے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹنے کی سزا دی تو ان سزاؤں کو کفارہ قرار نہیں دیا جس طرح کہ حدود کو موحدین کے بارے میں کفارہ قرار دیا ہے۔ بلکہ فرمایا: یہ ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے۔ جبکہ آخرت میں ان کے لئے عذاب عظیم ہے۔ اور یہ نہیں ہوتا مگر کفار کے لئے۔ کیونکہ عذاب عظیم وہی ہے جو کہ ظاہر و باطن کو عام ہو بخلاف **موحدین اہل کبائر کے جیسا کہ گزر چکا۔ پس بیشک حق تعالیٰ انہیں جہنم میں ایسی موت مارے گا کہ کوئلے کی طرح ہو جائیں گے۔ پس جب**

وہ اپنی موت میں عذاب محسوس نہیں کریں گے تو ان کے لئے عذاب عظیم سے کوئی حصہ نہیں ہے۔ کیونکہ وہ کوئلوں کی طرح آگ میں جلا دیئے جائیں گے۔ پھر آگ کوئلوں کے واسطے سے جو کہ اس میں ظاہر ہوئے ایک اور کام کرے گی جس میں نفع ہے۔ جس طرح ہانڈی کے نیچے کی آگ اس کے اندر کی چیز کو پکانے میں نفع دیتی ہے اور اگر اس کا پکانا نہ ہوتا تو اسے کھانا درست نہ ہوتا۔ جب تم نے اسے سمجھ لیا تو تجھے اس آگ کی تاثیر کی حکمت معلوم ہوگئی جو کہ ارض جنت کے نیچے ہے۔ اور وہ اس لئے مقرر کی گئی ہے تاکہ جنتی میوؤں کے پکانے اور اصلاح کرنے میں اثر کرے۔ کیونکہ ارض جنت کی تہہ وہ جہنم کی چھت ہے جبکہ سورج۔ چاند اور ستارے سب کے سب جہنم میں ہیں۔ پس وہ وہاں اشیاء میں اوپر کی سمت میں وہی کام کریں گے جو کہ یہاں نیچے کی طرف کرتے ہیں۔ کیا تو دیکھتا نہیں ارض جنت سب کی سب کستوری ہے اور وہ طبعاً گرم ہے کیونکہ اس میں آگ ہے۔ اور جنت کے درخت سب کے سب اس کستوری کی زمین میں لگائے گئے ہیں۔ جس طرح اس دنیا کا ثبات تقاضا کرتا ہے اس کے نیچے انگیٹھی رکھی گئی کیونکہ اس میں حرارت طبعیہ ہے کیونکہ وہ تعفن دیتی ہے اور حرارت ان اجسام میں تعفن پیدا کرتی ہے جو کہ عفونت کو قبول کرتے ہیں۔ انتہی۔

اہل جہنم اس میں مقید ہوں گے یا آزاد

اگر تو کہے کہ کیا اہل جہنم کے لئے اہل جنت کی طرح اجازت ہوگی کہ جہاں چاہیں رہیں یا وہ اپنی جگہوں میں محبوس ہوں گے کہ کہیں نہ جا سکیں؟ تو جیسے کہ شیخ نے ۳۴۳ ویں باب میں فرمایا اس کا جواب یہ ہے کہ اہل جہنم جہاں چاہیں ٹھکانہ نہیں بنا سکیں گے۔ وہ اپنی جگہوں میں محبوس ہوں گے۔ وہیں رہیں گے۔ اور اس کی وضاحت یہ ہے کہ اگر انہیں جہاں چاہیں رہنے کا حق ہوتا تو وہ قرار نہ پاتے حتیٰ کہ ان کے چمڑے پک جائیں پس یہ ان پر اللہ تعالیٰ کی ایسے انداز میں مخفی رحمت ہے جس کا انہیں شعور نہیں کہ وہ جہاں چاہیں ٹھہر نہیں سکیں گے۔ کیونکہ وہ عذاب جو ان کے ساتھ لگا ہوا ہوگا اس عذاب سے آسان ہے جو کہ وقفے کے ساتھ ہو۔ تو اگر وہ ایک مکان سے دوسرے مکان کی طرف منتقل ہوتے تو ہر مکان میں جس کی طرف منتقل ہوتے چمڑے پکنے تک نیا عذاب چکھتے اور یہ انتہائی شدید عذاب ہے۔

اگر تو کہے کہ اہل جہنم کے حسب مشیت ٹھکانہ نہ بنانے پر قرآن کریم سے کیا دلیل ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے **وجعلنا جہنم للکافرین حصیرا** (الاسراء آیت ۸) اور ہم نے جہنم کو کافروں کے لئے قید خانہ بنا دیا) یعنی جیل کیونکہ قیدی کو تصرف کا حق نہیں ہوتا۔ پس اللہ تعالیٰ نے کفار کو جہنم میں جہاں چاہیں ٹھکانہ بنانے کا حق نہ دے کر ایسے انداز سے رحم فرمایا ہے جس کا انہیں شعور نہیں۔ جس طرح کہ دار دنیا میں ان کے متعلق ایسی خفیہ تدبیر فرمائی جس کا انہیں شعور نہیں۔ اس کی مثال وہ شخص ہے جسے حاکم کے گھر میں مثلاً سزا دی جاتی ہے پہلے پہل دکھ محسوس کرتا ہے۔ پس جب اس کے اعضاء میں رچ جائے تو دکھ کے احساس سے غائب ہو جاتا ہے۔ پس یہ عدم احساس کی تھوڑی سی جزا ہی وہ رحمت ہے جو اہل جہنم کے متعلق بعض اوقات میں غضب پر سبقت کر گئی۔

اگر تو کہے: کیا اہل جہنم ایک دوسرے سے اسی طرح ملاقات کریں گے جس طرح کہ اہل جنت؟ تو جواب یہ ہے کہ ہاں ایک دوسرے سے ملاقات کریں گے لیکن ایک طبقہ والے صرف اسی طبقہ والوں میں سے بعض سے ملاقات کریں گے۔ پس گرم طبقہ والے مثلاً اسی طبقہ والوں اور سرد طبقہ والے اسی طبقہ کے لوگوں میں سے بعض سے ملاقات کریں گے۔ اس کے خلاف نہیں۔ اور آپ نے اہل ثنویہ (دو معبودوں کے قائل) اور اہل تثلیث (تین معبودوں کے قائل) کے عذاب کے متعلق ۳۴۳ ویں باب میں طویل کلام فرمایا۔

بیہقی کی ایک حدیث کا مفہوم

اگر تو کہے کہ حدیث بیہقی میں حضور علیہ السلام کے اس قول سے کیا مراد ہے کہ میری امت مرحومہ ہے۔ اس پر آخرت میں کوئی عذاب نہیں۔ اور اس کا عذاب صرف دنیا میں زلزلے۔ فتنے۔ مصائب و آلام ہیں۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ میری امت کا عذاب اس کی دنیا میں ہے۔ تو جب یہ ایسے ہیں تو موحدین کا وہ گروہ کہاں ہوگا جو کہ جہنم میں داخل ہوں گے۔ تو اس کا جواب جیسے کہ شیخ نے ۳۴۴ ویں باب میں فرمایا یہ ہے کہ آپ کے اس قول سے مراد کہ میری امت پر آخرت میں عذاب نہیں یعنی دائمی عذاب۔ اس کی دلیل وہ احادیث صحیحہ ہیں جو کہ اس امت کے موحدین کے ایک گروہ کے جہنم داخل ہونے کے بارے میں وارد ہیں۔ لیکن ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمت یہ ہوگی کہ وہاں انہیں موت دے گا جیسا کہ ابھی گزرا حتیٰ کہ انہیں اس کا احساس نہ ہو جو آگ ان سے کھائے گی۔ اور یہ اس لئے کیونکہ دکھ اٹھانے والے نفوس ہی تو موحدہ مومنہ ہیں جبکہ ایمان اور توحید دونوں تکالیف اور عذاب کے ہمیشہ کے قیام کو روکتے ہیں۔ پس وہ جلائے نہیں گئے حتیٰ کہ کوئلہ ہو گئے مگر اس حال میں کہ وہ مردہ ہیں اور میت کو احساس نہیں ہوتا کہ اس کے ساتھ کیا کیا جارہا ہے۔ اور اگر جلانے کے متعلق اس کا علم تصور کیا جائے تو اس کا احساس نہیں ہوتا کیونکہ ہر چیز جو کہ بندے کے علم میں ہے اس کا احساس نہیں رکھتا۔ پس اسی لئے موحدین سے عذاب رفع کرنا ضروری تھا اگرچہ وہ آگ میں داخل ہوں۔ یہ تو صرف کلمہ الٰہیہ کی تحقیق ہے۔ پس وہ شخص آگ میں باقی نہیں رہے گا جس نے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہا اگرچہ اپنی عمر میں ایک مرتبہ ہی کہا اور اسی پر مر گیا۔ انتہیٰ۔

ولو ردوا لعادوا لما نهوا عنه کا معنیٰ

اگر تو کہے کہ اہل جہنم کے متعلق جب وہ عذاب چکھیں گے اللہ تعالیٰ کے اس قول کا کیا معنیٰ ہے **ولو ردوا لعادوا لما نهوا عنه** (الانعام آیت ۲۸) اور اگر انہیں واپس بھیجا جائے تو پھر بھی وہی کریں گے جس سے روکے گئے تھے۔ باوجودیکہ وہ ایسی جگہ پر یہ کہیں گے جہاں بہت زیادہ جھوٹ کہنے والا بھی سچ کہے گا۔ **ربنا اخرجنا نعمل صالحا غير الذى كنا نعمل** (فاطر آیت ۳۷) اے ہمارے رب ہمیں یہاں سے نکال ہم بڑے نیک کام کریں گے ایسے نہیں جیسے ہم پہلے کیا کرتے تھے)۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے **اخرجنا نعمل صالحا غير الذى كنا نعمل** اپنی زبان حال سے کہا جس میں مبتلا ہیں کہ انہیں گمان ہے کہ یہ حالت جب وہ دنیا کی طرف لوٹے ان کے ساتھ دائمی رہے گی۔ جبکہ وہ ہمیشہ نہیں رہے گی۔ پس بیشک وہ جب دنیا کی طرف لوٹے تو دو قبضوں کے حکم کے ساتھ لوٹیں گے۔ اور ان کا اشقیاء کے اعمال اپنانا ہے انہیں ممکن ہی نہیں کہ سعادت مندوں کے اعمال اختیار کریں۔

اور اس کی وضاحت جس طرح کہ شیخ نے ۳۵۴ ویں باب میں فرمایا ہے یہ ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایسے مزاج پر پیدا فرمایا ہے جو کہ نسیان اور غفلت قبول کرتا ہے۔ اور اس میں جو کچھ قائم کیا جائے اس کے مطابق اس کی ضد بھی قبول کرتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی تخلیق سے جو کہ اگر لوٹائے جائیں تو اسی کی طرف لوٹیں گے جس سے انہیں روکا گیا ہے یہ جانتا ہے کہ وہ دنیا کی طرف اسی تخلیق پر ہی لوٹیں گے۔ پس وہ اس عذاب جہنم کو بھول جائیں گے جو انہوں نے چکھا تھا۔ اور انہوں نے نہیں کہا تھا **یالیتنا نرد ولا نكذب بايات ربنا ونكون من المومنين** (الانعام آیت ۲۷) اے کاش ہم لوٹا دیئے جائیں تو اپنے رب کی نشانیوں کو نہیں جھٹلائیں گے اور ہم ایمان والوں میں سے ہو جائیں گے)۔ مگر اسی تخلیق کی زبان سے جس میں وہ ہیں کہ ان کا خیال تھا کہ وہ علم اور ذوق جو انہیں جہنم میں حاصل ہوا ان پر باقی

رہے گا۔اور اگر وہ ان کے ساتھ باقی رہتا تو جب دنیا کی طرف لوٹائے جاتے تو اس کی طرف نہیں لوٹتے تھے جس سے انہیں روکا گیا تھا۔کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول کی طرف نہیں دیکھتا کہ قیامت کے دن اہل دنیا کے سب سے زیادہ ناز و نعمت والے کو لایا جائے گا پس اسے آگ میں ایک غوطہ دیا جائے گا۔پھر اسے پوچھا جائے گا کیا تو نے کبھی کوئی نعمت دیکھی ہے؟ تو کہے گا: نہیں اللہ تعالیٰ کی قسم۔اور یہ معلوم ہے کہ اس نے بے شمار نعمتیں دیکھیں لیکن اسے حالت موجودہ نے ان نعمتوں سے حجاب میں کر دیا پس وہ انہیں بھول گیا۔اور اسی طرح گرفتار مصائب کے متعلق وارد ہے کہ جب اسے جنت میں ایک غوطہ دیا جائے گا تو اس سے پوچھا جائے گا کیا تو نے کبھی کوئی مصیبت دیکھی تو وہ کہے گا: ہرگز نہیں اللہ تعالیٰ کی قسم۔اور اس میں آپ نے طویل کلام فرمایا۔پھر فرماتے ہیں: پس معلوم ہوا کہ تمام ایمان والے جانتے ہیں کہ ان میں سے ایک گروہ کے حق میں عذاب کا وعدہ نافذ ہوگا۔لیکن وہ غیر معین ہے۔کیونکہ اگر دار دنیا میں ان میں سے کسی کے لئے عذاب متعین ہوتا اور یہ کہ بیشک یہ وہی ہے جس میں وعید کا نفاذ ہوگا اس کے سبب پر کوئی بھی اقدام نمائی نہ کرتا۔انتہی۔

نافرمان مسلمانوں میں سے جہنم میں کون زیادہ ٹھہرے گا

اگر تو کہے کہ نافرمان موحدین میں سے جہنم میں کون زیادہ ٹھہرے گا؟ تو اس کا جواب شیخ نے ۳۶۹ ویں باب کے علوم میں ان الفاظ میں ذکر کیا ہے: بیشک اللہ تعالیٰ نے جہنم میں زیادہ دیر ٹھہرنے والے نافرمانوں کی مدت پر اطلاع نہیں بخشی۔فرمایا: ہمیں اللہ تعالیٰ کے قول فی یوم کان مقدارہ خمسین الف سنۃ (المعارج آیت) اس روز جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہے)۔سے مہلک ملتی ہے کہ ان میں سب سے آخر تک ٹھہرنے والا وہ ہے جو اس قدر ٹھہرے گا۔نیز فرمایا: ہمیں پورے پچاس ہزار کے متعلق یقین نہیں۔پس یہی اہل کبائر موحدین پر حدود قائم کرنے کی مدت ہے اور یہ سب کچھ قیامت کے دن میں ہوگا۔اور سرمدی عذاب نہیں ہے مگر اہل جہنم کے لئے جو کہ اس کے اہل ہیں۔پھر جب یوم قیامت پورا ہو جائے گا تو جہنم میں عاصی موحدین میں سے کوئی بھی باقی نہیں رہے۔پس اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم فرمائے جسے اللہ تعالیٰ نافرمانوں میں مدت اقامت پر علی التعیین مطلع فرمائے پس وہ اس کتاب میں شامل کر دے۔کیونکہ مجھے تو تفصیل کے بغیر مجملا اس کا علم ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے قول وجیء یومئذ بجھنم کا معنی

اگر تو کہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول وجیء یومئذ بجھنم (الفجر آیت ۲۳) اور اس دن جہنم لائی جائے گی)۔کا کیا معنی ہے؟ وہ وقت مقرر پر جہنمیوں کے پاس خود کیوں نہیں آئے گی؟ تو جواب یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اس کا خود آنا اس لئے بیان نہیں فرمایا باوجودیکہ وہ بندوں سے انتقام کے اسباب کو جانتی ہے جن کو وہ شامل ہے کہ اس کی جبلت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی اس رحمت کا علم رکھا ہے جو ہر چیز پر کشادہ ہے۔پس اس میں چھپی ہوئی رحمت نے اسے آنے میں جلدی کرنے سے روکا۔کیونکہ عین رحمت کا وقوع نہیں ہوتا مگر اللہ تعالیٰ کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح پڑھنے والے پر۔جو کہ اس کے ارادہ کا مطیع ہو۔پس اسی لئے اسے لایا جائے گا تا کہ وہ جو اس میں داخل نہیں ہوگا۔اس انعام کو جان لے جو کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر فرمایا جسے وہ نہیں جانتا تھا۔نیز جو اس میں داخل ہوگا وہ جان لے کہ وہ استحقاق کی وجہ سے اس میں داخل ہوگا۔پس وہ اسے خصوصیت کے ساتھ اپنی طرف کھینچے گی جس طرح مقناطیس لوہے کو کھینچتا ہے۔اور وہ مفہوم ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کا کہ میں تمہیں تمہاری کمروں سے پکڑے آگ سے روکے ہوئے ہوں اور تم اس میں اس طرح گرتے ہو جیسے پتنگے گرتے ہیں۔انتہی۔

اہل جہنم اور نعمت سے حصہ؟

اگر تو کہے کہ کیا اہل جہنم کے لئے کسی وقت نعمت سے کوئی حصہ ہے؟ تو اس کا جواب جیسے کہ شیخ نے فتوحات کے بیسویں باب میں فرمایا یہ ہے کہ ہاں اہل جہنم کے لئے نعمت سے حصہ ہے۔ لیکن ان کی نعمت کی صورت ان پر عذاب واقع نہ ہونے کا وہم ہے۔ جس طرح کہ شدت عذاب سے ان کا حصہ اس کی توقع ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ سے خبر دینے کے طریقے سے انہیں کوئی پناہ نہیں۔ پس ان سے عذاب کم نہیں ہوگا۔ پس وہ عذاب سے پردے کے بعد پردے میں رہیں گے۔ اور افاقہ کے بعد افاقہ میں۔ پس وہ پردے کی حالت میں عذاب متخیل کے ساتھ عذاب دیئے جائیں گے۔ اور افاقہ کی حالت میں عذاب محسوس کے ساتھ عذاب دیئے جائیں گے۔ اور کبھی پردے کا وقت دس سال تک طویل ہوگا اور کبھی افاقہ کا وقت طویل ہوگا پس وہ پندراں ہزار سال تک عذاب دیئے جائیں گے۔ اور کبھی افاقہ کا زمانہ طویل ہوگا پس انہیں پندراں ہزار سال عذاب ہوگا۔ اور اسی طرح ابدالآباد تک ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔ پس معلوم ہوا کہ اہل جہنم پر اشد العذاب وہ توہمات ہیں جو ان کے نفسوں میں واقع ہوں گے پس وہ کبھی بھی ایسے عذاب کا وہم نہیں کرتے جو کہ اس حالت سے زیادہ سخت ہو جس میں وہ ہیں۔

اہل جہنم اور نیند

اگر تو کہے کیا جہنمیوں کے ہاں جو کہ اس کے اہل ہیں نیند ہے؟ جواب یہ ہے کہ ان کے ہاں نیند نہیں ہے۔ نیند تو صرف اس امت کے عاصی موحدین کے ساتھ خاص ہے۔ اور یہ وہی قدر ہے جس میں وہ آگ میں وہ نعمتیں استعمال کریں گے اور اس کے ساتھ بعض اوقات راحت پائیں گے پھر عاصی موحدین جب سو جائیں گے تو ان کی نیند میں ان کی نعمت اچھا خواب ہے۔ پس وہ اپنے آپ کو مثلاً دیکھے گا کہ وہ جہنم سے باہر نکل گیا اور جنت میں داخل ہو گیا۔ اور فرحت سرور۔ اپنے اہل خانہ اور بھائیوں کے درمیان کھانے پینے اور جماع میں مصروف ہے پھر جب بیدار ہوگا تو کوئی چیز نہیں دیکھے گا۔ جس طرح کہ اہل دنیا کے لئے واقع ہوتا ہے جبکہ وہ سو جائیں۔ اور موحدین میں سے بعض جہنمی کبھی اپنی خواب میں تکلیف دہ صورت حال بھی دیکھیں گے پس اسے اس کی خواب میں بھی عذاب دیا جائے گا۔ پس وہ دیکھے گا کہ وہ انتہائی شدت، تکلیف، عذاب اور کانٹوں کے بستر پر اور علاوہ ازیں کسی دکھ میں ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگتے ہیں۔

ابلیس اور جہنم کا درمیانہ طبقہ

اگر تو کہے کہ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ بیشک ابلیس جہنم کے درمیانے طبقہ میں ہوگا جو کہ چوتھا ہے۔ تو کیا یہ اس کے عذاب کے لئے تخفیف ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ یہ عذاب میں تخفیف نہیں۔ یہ تو اسے عذاب کے احاطہ کرنے اور شامل ہونے کے لئے ہے۔ پس وہ جہنم کی پرائی ہے پس اس میں کسی کو عذاب نہیں دیا جائے گا مگر ابلیس اس کے عذاب میں اس کا شریک ہوگا کیونکہ وہ اس کے عذاب میں مبتلا ہونے کا سبب ہے اور حدیث پاک میں ہے کہ جس نے بُرا طریقہ جاری کیا تو اس پر اس کا بوجھ ہے اور قیامت تک اس پر عمل کرنے والوں کا بوجھ ہے۔ پس اس اعتبار سے وہ اپنی حقیقت کے ساتھ جہنم کی پرائی ہے پس اس کا یہ ہونا کہ کوئی بھی جہنم میں داخل نہیں ہوتا مگر اس کے واسطے سے اس کے جہنم کے چوتھے طبقے میں رہنے کا راز ہے۔ تو یہ نچلے طبقات کی نسبت اس سے تخفیف نہیں ہے جیسا کہ گزر چکا۔

جنات میں صرف کافر ہیں

اگر تو کہے کہ کیا اس بحث کے اوائل میں اہل جہنم کی جو چار اقسام گزری ہیں جنات میں بھی ہیں جس طرح کہ انسانوں میں ہیں؟ تو جواب یہ ہے جنات میں مشرک ہیں، نہ منافق اور نہ ہی معطل۔ صرف کفار ہیں۔ اور اس کی تائید اللہ تعالیٰ کا یہ قول کرتا ہے۔ کمثل الشیطان اذقال للانسان اکفر فلما کفر قال انی بریئ منك انی اخاف الله رب العالمین (الحشر آیت ۱۶) شیطان کی طرح جو انسان کو کہتا ہے کہ کفر کر۔ اور جب اس نے کفر کیا تو کہتا ہے کہ میں تجھ سے بیزار ہوں۔ بیشک میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں جو کہ رب العالمین ہے)۔ تو حق تعالیٰ نے شیطان کا کافروں کے ساتھ الحاق فرمایا اور اسے مشرکین سے ملحق نہیں فرمایا۔ اگرچہ وہی ہے جو کہ مخلوق کے لئے شرک کا وسوسہ ڈالتا ہے حتیٰ کہ وہ مشرک ہو جاتے ہیں۔ پس ہر مشرک ضمناً کافر ہے جبکہ ہر کافر مشرک نہیں۔ کیونکہ جس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ وہ مسیح ابن مریم ہے کافر ہے مشرک نہیں۔

ابلیس کے انی اخاف الله رب العالمین کہنے کی حقیقت

اگر تو کہے کیا ابلیس کا انی اخاف الله رب العالمین کہنا توحید ہے؟ اگر توحید ہے تو اس کی وجہ سے وہ سعادت مند کیوں نہ ہوا؟ تو جواب یہ ہے کہ یہ توحید تو ہے لیکن منافق کی توحید جیسی۔ صرف زبان کے ساتھ ہے قلب کے ساتھ نہیں۔ تو اس پر کفر شرک، نفاق اور تعطیل کا اس دار میں حکم ان صفات والوں پر دار آخرت میں ہمارے حکم کی طرح برابر ہے۔ اور تمام ملتوں کا اس کے کفر پر اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ اور یہ درست نہیں کہ کبھی وہ اسلام لائے۔ کیونکہ اگر حقیقۃً اس کا مسلمان میں تصور کر لیا جائے تو کفار اور نافرمان اسے نہیں پائیں گے جو انہیں کفر اور معاصی میں گرنے کا وسوسہ ڈالے۔ جبکہ ہر عاصی کے لئے اس کے واسطہ کے بغیر چارہ نہیں۔ پس وہ پہلا ہے جس نے شرک، کفر اور تمام معاصی کا دستور جاری کیا۔ پھر اس تقدیر پر کہ اس کا انی اخاف الله رب العالمین کہنا توحید ہے تو ہمیں یقین نہیں کہ موت تک یہ قائم رہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف سے خبر دی ہے کہ وہ جہنم میں اہل جہنم کے لئے خطبہ دے گا۔

انی اخاف الله رب العالمین کے متعلق شیخ کی وضاحت

اور شیخ محی الدین سے ابلیس کے قول انی اخاف الله کے متعلق سوال کیا گیا کہ کیا یہ توحید ہے؟ تو فرمایا: یہ توحید نہیں۔ کیونکہ ابلیس سب سے بڑا بدبخت ہے۔ اور وہ جنات میں سے پہلا بدبخت ہے۔ پس وہ گرچہ اپنی زبان کے ساتھ توحید کا اقرار کرلے وہ توحید شرعی نہیں جو اس سے قبول ہو۔ انتہی۔ اسے آپ نے فتوحات کے نویں باب میں ذکر فرمایا۔ اور ۶۴ ویں باب میں ذکر فرماتے ہیں: جہنم ذاتی طور پر کسی موحد کا جس کی توحید کسی وجہ سے بھی ہو اس میں ہمیشہ رہنا قبول نہیں کرتی۔ جبکہ ابلیس اجماعی طور پر جہنم میں ہمیشہ رہے گا۔ اور صحیح مسلم میں ہے کہ جو فوت ہوا دراں حال کہ وہ لا الـه الا الله کا علم رکھتا ہے جنت میں داخل ہوگا۔ پس آپ نے یہ نہیں فرمایا وھو مومن یعنی دراں حال کہ وہ مومن ہے۔ نہ یہ فرمایا: من مات وھو یقول یعنی جو یہ کہتا ہوا فوت ہوا بلکہ اکیلا علم بیان فرمایا۔ پس شفاعتوں کے بعد وہ کوئی بھی جہنم میں باقی نہیں رہے گا جس نے کوئی عمل مشروع کیا اس حیثیت سے کہ وہ کسی نبی کی زبان سے مشروع ہے گرچہ رائی کا دانہ یا چھوٹا ہونے میں اس سے بھی اوپر ہو۔ پس وہ سب کے سب ارحم الراحمین کی شفاعت سے نکال لئے جائیں گے۔

فتکوی بها جباھھم و جنوبھم و ظھورھم کی تخصیص کی وجہ

اگر تو کہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے جس نے سونا چاندی جمع کر کے رکھا اور انہیں فی سبیل اللہ خرچ نہیں کیا پیشانیوں پہلوؤں اور پشتوں کو جلانے کے ساتھ کیوں خاص فرمایا؟ (یعنی اس آیت کریمہ میں **والذین یکنزون الذھب و الفضہ ثم لا ینفقو نھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم یوم یحمیٰ علیھا فی نار جھنم** (التوبۃ آیت ۳۴ تا ۳۵) اور جو لوگ سونا اور چاندی جوڑ کر رکھتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنائیں جس دن تپایا جائے گا (یہ سونا چاندی) جہنم کی آگ میں پھر اس سے ان کی پیشانیاں۔ ان کے پہلو اور ان کی پشتیں داغی جائیں گی)۔ تو جواب یہ ہے جو کہ شیخ نے ۷۰ ویں باب میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے داغ دینے کے لئے ان تین اعضاء کو اس لئے خاص فرمایا ہے کیونکہ صاحب مال جب سائل کو اپنی طرف آتا دیکھتا ہے تو اس کی پیشانی کی لکیریں اس لئے کھنچ جاتی ہیں کہ وہ جانتا ہے کہ وہ اس سے اس کے مال کا سوال کرے گا۔ پس اس کی پیشانی پر داغ لگایا جائے گا کہ اس نے کچھ نہ دیا۔ پھر غنی جان بوجھ کر سائل سے بے توجہی کرتا ہے اور اس کی طرف پہلو کر لیتا ہے گویا اسے اس کی کوئی خبر ہی نہیں۔ پس اس کے ساتھ اس کے پہلو کو داغا جائے گا۔ پس جب وہ سائل سے پہچان لیتا ہے کہ وہ اس سے طلب کرے گا اور ضرور کرے گا تو اس کی طرف سے منہ پھیرتے ہوئے پشت کر لیتا ہے۔ تو اس کے ساتھ اس کی پشت کو داغا جائے گا۔ یہ ہے جہنم میں حکم سونے اور چاندی کی زکوٰۃ روکنے والوں کا۔ انتہیٰ۔

ابواب جہنم کی تعداد سات ہونے کی حکمت

اگر تو کہے کہ جہنم کے ابواب سات کیوں ہیں؟ تو جواب یہ ہے کہ یہ تکلیف ظاہری کے اعضاء کی تعداد کے برابر ہیں۔ جبکہ قلب کا دوازہ بند ہے۔ جب سے اللہ تعالیٰ نے اس پر مہر لگائی ہے کھولا نہیں جائے گا۔ اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ابواب جہنم صرف سات ہی ذکر فرمائے ہیں۔ جن سے نکل کر لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔ رہا بند کیا ہوا دروازہ جس سے کوئی بھی داخل نہیں ہوگا تو وہ فصیل میں ہے جس کے باطن میں رحمت ہے اس لئے کہ بندے نے اللہ تعالیٰ کے وجود کا بحیثیت رب اقرار کیا اور اس کے حضور اپنی عبودیت کا اعتراف کیا۔ اور اس کے ظاہر میں سامنے سے عذاب بالنار ہے جو کہ دلوں پر چمکتی ہے۔

اگر تو کہے کہ آگ مکلفین کے صرف ظاہری اعضاء کیوں جلاتی ہے نہ کہ باطنی؟ تو جواب یہ ہے کہ وہ باطنی اعضاء اس لئے نہیں جلاتی کیونکہ عاصی موحدین کا ایمان آگ کو ان کے قلوب تک رسائی حاصل کرنے سے روکتا ہے۔ پس اے بھائی! تو توحید اور ایمان والوں پر ان کی عنایت پر غور کر کہ بیشک اعضاء جب جل جائیں تو غائب ہو جاتے ہیں پس اس کے بعد کسی تکلیف کا احساس نہیں رہتا۔ پس اس عذاب والا سونے والے کی طرح برابر ہے حتیٰ کہ اس کے پاس شفاعت آ جائے۔ پس جب اللہ تعالیٰ اسے اس نیند سے اٹھاتا ہے تو وہ اپنے ایمان کو جہنم کے دروازے پر منتظر پاتا ہے۔ تو جب اسے نہر حیات میں غوطہ دیا جائے گا جو کہ باب جنت پر ہے تو جنت میں داخل ہو جائے گا پس جہنم میں یہ جاننے والا کوئی بھی باقی نہیں رہے گا کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے۔

اگر تو کہے کہ آگ کا ذکر قرآن کریم میں مطلق اور مقید یعنی اضافت کے ساتھ آیا ہے تو کیا اس میں کوئی خصوصیت ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ ہاں اس کی خصوصیت ہے۔ اور وہ یہ کہ نار جہنم کے لئے چمڑوں کا پکانا اور اجسام کا جلانا ہے۔ کیونکہ یہ اعمال حسیہ ظاہرہ کے نتائج

ہیں۔ پس جس کی یہ صفت ہوگی اس کے لئے دونوں عذاب جمع کئے جائیں گے جس طرح جزیہ دینے والوں کے ساتھ سلوک کیا گیا کہ انہیں قہر اور رسوائی کے طور پر ان کے اموال نکال کر عذاب دیا گیا۔ اور اس میں ان کے نفوس کا عذاب بھی ہے۔ رہی نار اللہ تو یہ جسد والی ہے۔ کیونکہ یہ اعمال معنویہ باطنیہ کے نتائج ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ نار الله الموقدة التی تطلع علی الافئدة (الھمزہ آیت ۶، ۷) وہ اللہ کی آگ جو خوب بھڑ کائی ہوئی ہے جو کہ دلوں تک جا پہنچے گی)۔ اور یہ معلوم ہے کہ افئدہ ہی انسان کا باطن ہے۔ پس یہ انسان کے دل میں ظاہر ہوگی۔ اور اسی باطنی آگ سے ظاہری آگ ظاہر ہوئی۔ اور بندہ دونوں حالتوں میں آگ کے پیدا ہونے کی جگہ ہے۔ پس اسے عذاب نہ دیا مگر اس نے جسے اس نے اپنے اعمال کے ساتھ پیدا کیا۔ اور شیخ نے اس کے متعلق ۳۶۹ ویں باب میں طویل کلام فرمایا۔ پس وہاں رجوع کر۔

ارض موقف کا داخلہ جنت و جہنم کے بعد حکم

اگر تو کہے کہ جب ارض موقف میں کوئی نہیں رہے گا تو کیا یہ جنت میں سے ہو جائے گی یا جہنم سے؟ تو اس کا جواب جیسا کہ شیخ نے ۳۷۱ ویں باب میں فرمایا ہے یہ ہے کہ ارض موقف جب خالی ہو جائے گی اور اس میں کوئی بھی نہ رہے گا تو سب کی سب جہنم میں لوٹ جائے گی گرچہ اس میں زمہریر ہوگا۔ اور یہ اس لئے ہے کہ جہنم کی حد جیسا کہ گزر چکا فلک کواکب کی تہ سے لے کر اسفل سافلین تک ہے۔ پس یہ آسمانوں اور زمینوں پر اس صورت پر گرے گی جس پر کہ یہ دونوں تھے جبکہ دونوں آپس ملے ہوئے تھے۔ پس وہ اپنی صفت رتق کی طرف لوٹے گی۔ اور اس میں کواکب تمام کے تمام اہل جہنم پر تپش اور ٹھنڈک کے ساتھ طلوع و غروب کریں گے۔ پس آگ والوں پر تپش کے ساتھ اور ٹھنڈک والے پر زمہریر کے ساتھ۔

اہل جہنم کے متعلق چند سوالات اور ان کے جوابات

اگر تو کہے کہ جب سارے کواکب جہنم سے طلوع و غروب کریں گے تو ان کا نور کہاں ہوگا جبکہ جہنم تاریک ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ کواکب کا نور موجود ہوگا مگر اہل جہنم ان کے نور کا مشاہدہ نہیں کریں گے۔ ان کے طلوع کے وقت نہ غروب کے وقت۔ کیونکہ جہنم کے دھوئیں میں کدورت ہے۔ جبکہ یہ دنیا میں ادراک حق سے اندھے تھے جو کہ شریعتیں لائیں۔ اسی طرح وہ آگ میں انوار کے ادراک سے اندھے ہو گئے۔ پس اہل جہنم کی رات کے لئے صبح نہیں جس طرح کہ اہل جنت کے دن کے لئے رات نہیں۔ اور اہل جنت اور اہل جہنم اسی حالت پر ابدالآباد تک رہیں گے جو ہم نے بیان کی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے یوم قیامت کا نام یوم عقیم رکھا کیونکہ اس کے بعد کوئی دن نہیں ہوگا۔ شیخ نے فرمایا: اور وہ ہفتہ کا دن ہے۔

اگر تو کہے کہ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ اہل جہنم کے منازل، طبقات اور کھڑکیاں جنت کے منازل، درجات اور اس کی کھڑکیوں کی تعداد کے مطابق ہیں کیا یہ صحیح ہے؟ تو جیسا کہ شیخ نے فرمایا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں جنت کے منازل اور درجات سے کم و بیش نہیں۔ لیکن جہنم میں نار میراث ہے نہ نار اختصاص جیسا کہ بحث کے اوائل میں گزر چکا۔ یہ صرف جنت کے ساتھ خاص ہے۔ پس نار جہنم اعمال کی آگ ہے کچھ اور نہیں۔ اور ہم نے جہنم پر تفصیلی گفتگو الکلام علی الدارین کے رسالہ میں کی ہے۔ اس کی طرف رجوع کر۔ واللہ اعلم۔

اگر تو کہے کہ کیا اہل جہنم کے ہاں اولاد پیدا ہوگی جیسے کہ یہ اہل جنت کی شان ہے۔ تو جواب یہ ہے جہنم میں کوئی ولادت نہیں۔ واللہ علم۔

شیخ نے فتوحات کے ۳۷۱ویں باب میں یوں فرمایا ہے: جان لے کہ جب موت کو مینڈھے کی شکل میں لانے کے بعد ذبح کر دیا جائے گا۔ اور منادی ندا دے گا: اے اہل جنت! ہمیشگی ہے پس موت نہیں۔ اور اے اہل جہنم! ہمیشگی ہے پس موت نہیں۔ تو اہل جنت کے قلوب سے امکان اٹھ جائے گا اور اس سے باہر آنے کی امید نہیں رہے گی۔ اور اسی طرح اہل جہنم کے قلوب سے امکان اٹھ جائے گا۔ پس وائے حسرت یہ کس قدر زبردست ہوگی۔ شیخ نے کہا: اور جہنم کے دروازے بالکل بند کر دیئے جائیں گے۔ اس کے بعد کبھی نہیں کھلیں گے۔ لیکن مخفی نہ رہے کہ ابواب جہنم کا بند ہونا ہی وہ عین باب جنت کا کھلنا ہے۔ کیونکہ وہ اس دروازے کی شکل پر ہے کہ جب تو اسے کھولے تو اس سے دوسری جگہ بند ہو جائے۔ پس اس کا ایک منزل کا بند کرنا ہی اس کا عین دوسری منزل کو کھولنا ہے۔ اور پہلے گزر چکا کہ آٹھواں دروازہ جو کہ جہنم میں نہیں کھلے گا وہی ان کے رب عزوجل کی رویت سے باب حجاب ہے پس کبھی نہیں کھلے گا۔ شیخ محی الدین فرماتے ہیں: اور جان لے کہ جب ابواب جہنم بند کر دیئے جائیں گے تو وہ جوش مارے گی اور اس میں زبردست ابال ہوگا اور اس کا اوپر کا حصہ نیچے اور نیچے کا اوپر ہو جائے گا۔ اور اس میں مخلوق ہنڈیا میں گوشت کے ٹکڑوں کی طرح ہو جائے گی جو کہ شدید آگ پر رکھی ہو۔

شیخ اکبر پر بہتان کی نفی

امام شعرانی فرماتے ہیں: پس اللہ تعالیٰ قسم اس شخص نے جھوٹ بولا اور افتراء باندھا جس نے شیخ محی الدین العربی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے اس امر کی اشاعت کی کہ آپ نے کہا ہے کہ جہنمی جو کہ اس کے اہل ہیں اپنے عذاب کی مدت کے بعد اس سے باہر آ جائیں گے اور اس نے جھوٹ باندھا جس نے کتاب الفصوص اور فتوحات مکیہ میں اپنی طرف سے یہ بات داخل کر دی کہ شیخ اس کے قائل ہیں کہ اہل جہنم آگ کے ساتھ لذت حاصل کریں گے۔ اور یہ کہ اگر وہ اس سے باہر لائے گئے تو وہ استغاثہ کریں گے اور اس کی طرف رجوع کا مطالعہ کریں گے جیسا کہ میں نے ان دونوں کتابوں میں یہ دیکھا ہے۔ اور میں نے فتوحات کا اختصار کرتے وقت اسے اس سے حذف کر دیا ہے۔ حتیٰ کہ شیخ شمس الدین الشریف المدنی میرے پاس آئے تو انہوں نے مجھے بتایا کہ لوگوں نے شیخ پر آپ کی کتابوں میں بے شمار غلط عقائد اپنی طرف سے داخل کر دیئے ہیں جو کہ شیخ کے غیر سے منقول ہیں۔ جس طرح کہ اس کی طرف خطبہ میں اشارہ گزر چکا ہے۔ کیونکہ بیشک شیخ، اہل طریقت کے اجماع کے ساتھ کامل عارفین میں سے ہیں اور ہمیشہ کے لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مجلس کے حاضر باش تھے۔ پس آپ ایسی گفتگو کیونکر کر سکتے ہیں جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت کے ارکان میں سے کسی چیز کو منہدم کرے۔ اور آپ کے دین اور تمام ادیان باطلہ کے درمیان مساوات قائم کرے۔ اور اہل دارین کو برابر کرے۔ ایسی باتوں کا شیخ کے متعلق وہی عقیدہ رکھے گا جس سے اس کی عقل جدا ہو چکی ہو۔ پس اے بھائی! اپنے آپ کو اس شخص کی تصدیق سے بچا جو گمراہ کن عقائد میں سے کوئی چیز شیخ کی طرف منسوب کرتا ہے۔ اور اپنے کان آنکھ اور قلب کو بچا۔ اور میں نے تجھے نصیحت کر دی ہے۔ والسلام۔

اہل جنت اور اہل جہنم کے متعلق شیخ کا عقیدہ

اور میں نے شیخ کے عقائد میں یہ لکھا دیکھا ہے: ہم عقیدہ کہتے ہیں کہ اہل جنت اور اہل جہنم اپنے متعلقہ گھروں میں ہمیشہ رہیں گے ان میں سے کوئی بھی اپنے گھر سے کہیں بھی نہیں نکلے گا۔ فرماتے ہیں: اور اہل نار سے ہماری مراد وہ کفار، مشرکین، منافقین اور معطلین ہیں جو کہ اس کے اہل ہیں۔ نہ کہ عاصی موحدین۔ کیونکہ وہ نصوص کے مطابق آگ سے نکالے جائیں گے۔ شیخ نے فرمایا: کیونکہ جہنم طبعی

طور پر کسی موحد کا اس میں ہمیشہ رہنا قبول نہیں کرتی۔ اور اسی طرح طبعی طور پر اہل جہنم کا اس سے نکلنا کبھی قبول نہیں کرتی۔ کیونکہ وہ غضب سرمدی سے پیدا کی گئی ہے۔ فرماتے ہیں: اور یہ قیامت تک اہل سنت و جماعت کا اعتقاد ہے۔ انتہی۔

اور لواقح الانوار میں ہے جسے محمد بن سوید کین نے شیخ کی مجالس اور آپ کی تقریرات سے جمع کیا ہے۔ اے بھائی! جان لے کہ ہماری تمام کتابوں اور تقریروں میں ہمارے تمام اقوال جو تو اہل جہنم کے اس سے نکلنے کے متعلق پائے ان سے ہماری مراد عاصی موحدین ہیں۔ انتہی۔ اور اس پر شیخ کامل عبدالکریم الجیلی نے فتوحات کے باب الاسرار کی اپنی شرح میں بھی متنبہ فرمایا ہے۔ پس فرماتے ہیں: اپنے آپ کو غلطی سے بچا کہ تو شیخ کے کلام سے یہ سمجھے کہ اہل جہنم کے نکلنے سے آپ کی مراد موحدین کی بجائے کفار ہیں۔ کیونکہ یہ خطا ہے۔ انتہی اور بحمد اللہ تعالیٰ میرے ہاتھ پر ہم زمانہ صوفیہ کی ان کثیر جماعتوں نے رجوع کیا جنہیں اہل جہنم کے جہنم سے خروج کے اعتقاد میں شریعت کا گہرا مطالعہ نہیں ہے صرف اس کی تقلید کرتے ہوئے جو کہ شیخ محی الدین کی طرف مشہور کیا گیا۔ اور انہوں نے اس کے بعد کہ آپس میں سرگوشی کیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کی۔ فالحمد للہ رب العالمین۔

جنت اور اہل جنت پر کلام

پس ہم تیرے لئے اے بھائی! اس سے قابل قدر حصہ ذکر کریں گے انشاء اللہ العزیز۔ پس ہم کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ہی توفیق ہے: امام ابوطاہر القزوینی اپنی کتاب سراج العقول کے ۳۵ ویں باب میں فرماتے ہیں: جان لے کہ جنت آسمانوں اور زمینوں سے زیادہ وسیع ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **وجنة عرضها كعرض السموت والارض** (آل عمران آیت ۱۳۳) اور جنت کی طرف (دوڑو) جس کا عرض آسمانوں اور زمینوں جتنا ہے)۔ مفسرین نے اس کے عرض کے متعلق کئی وجوہ ذکر کی ہیں اور اس کی تفسیر اس عرض کے ساتھ کی ہے جو کہ طول کی ضد ہے۔ پھر ان پر یہ اشکال ہوا کہ جنت اپنے عرض کے ساتھ جو کہ آسمانوں زمینوں کے عرض کی طرح ہے۔ اس کی آسمان میں کیونکر گنجائش ہوگی۔ اور اس کے بیان میں اس کا اضافہ کیا ہے جس سے اشکال اور زیادہ ہو جاتا ہے اور اشکال حل نہیں ہوتا۔ اور جو مجھے نظر آتا ہے اس کے عرض کا معنی جنت کا اپنے سماوات اور ارض کے ساتھ اہل جنت کے لئے اظہار ہے۔ جس طرح کہ یہ دنیا اپنے آسمانوں اور زمین کے ساتھ اہل دنیا پر ظاہر ہوگئی ہے۔ اور بیشک یہ عرضت المتاع للبیع سے ہے یعنی میں نے فروخت کے لئے سامان پیش کیا۔ اور اس کی مثال یہ ہے **وعرضنا جهنم يومئذ للكافرين عرضا** (الکہف آیت ۱۰۰) اور ہم ظاہر کر دیں گے اس دن کافروں کے لئے جہنم بالکل عیاں)۔ پس جس طرح اللہ تعالیٰ کافروں کے لئے جہنم ظاہر فرمائے گا اسی طرح جنت ایمان والوں کے لئے ظاہر فرمائے گا۔ اور یہ بالکل ظاہر ہے اس میں کوئی اشکال نہیں۔ اور حاکم نے تصحیح کے ساتھ روایت کی کہ ایک اعرابی نے عرض کی: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ کے قول **جنة عرضها السموت والارض** کے تناظر میں بیان فرمائیں کہ جہنم کہاں ہے؟ تو رسول پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا: بتاؤ جب رات آجائے تو دن کہاں ہوتا ہے؟ اس نے عرض کی: اللہ اعلم۔ تو فرمایا: اسی طرح اللہ تعالیٰ جو چاہے کرتا ہے۔

اگر تو کہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول **عرضها السموات والارض** کا کیا معنی کہ آسمانوں اور زمینوں کو اس کا عرض قرار دیا؟ تو جواب یہ ہے کہ یہ لغت میں جائز ہے جس طرح کہ شاعر نے کہا **وجه نوره البدر التمام** یعنی ماہ کامل کی طرح۔ پس یہاں معنی یہ ہوگا کہ آسمان اور زمین کی طرح۔ اس کی تصدیق وہ قول ہے جو کہ سورۃ الحدید میں ہے **وجنة عرضها كعرض السماء**۔

اگر کہا جائے اس کی وجہ کیا ہے کہ جس نے عرض کو اس عرض پر محمول کرنے سے منع کیا جو کہ طول کی ضد ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے اس کا حکم اس کے حکم کی طرح قرار دیا جو ہم میں سے اس آسمان کو دیکھتا ہے۔ کیا وہ اس کی مقدار وسعت کو اپنی آنکھ کے ساتھ نہیں دیکھتا؟ اور یہ معلوم ہے کہ آنکھ سے محل ادراک وہ قلیل سا نقطہ ہے جو کہ دانۂ مسور کے برابر ہے۔ پس اس کے مطابق عرض جنت کی عرض سموات کی طرف نسبت اس ربع سکون کی نسبت مثلاً آسمان سے تیری آنکھ کے نقطہ کی طرف ہے۔ اور بیشک وہ جو بڑے بڑے اونٹ اور ہاتھی ان کے چھوٹے چھوٹے پاؤں پر بنانے پر قادر ہے اور انسان کا ڈھانچہ اس کے دو چھوٹے سے قدموں پر بنانے پر قادر ہے۔ وہ جنت کو اس کی وسعتوں کے باوجود آسمان پر بنانے سے عاجز نہیں جو کہ اس کے پہلو میں چھوٹا ہے۔ کیونکہ آسمان وسیع کمرے کی چھت کے نیچے ستون کی طرح ہے۔

جنت کے آسمانوں کی تعداد

شیخ ابوطاہر القزوینی فرماتے ہیں: جان لے کہ جنت کے آسمان اس کے درجوں کی تعداد پر ہیں اور وہ ایک سو ہیں۔ اور ان میں سے اعلیٰ وہ ہے جس پر احادیث دلالت کرتی ہیں اور وہ ساق عرش ہے۔ پس حدیث پاک میں مرفوعاً ہے کہ جنت کے سو درجات ہیں۔ ہر ایک درجے سے دوسرے درجے کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان اور زمین کے درمیان ہے۔ اور فردوس ان سے اعلیٰ ہے۔ اسی سے جنتی نہریں بہتی ہیں۔ اور قیامت کے دن اسی پر عرش رکھا جائے گا۔ رہی اس کی زمین تو وہ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے عند سدرة المنتهى عندها جنة الماوىٰ (النجم آیت ۱۴، ۱۵) سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔ اس کے پاس ہی جنت الماویٰ ہے)۔ جبکہ سدرۃ المنتہیٰ ساتوں آسمانوں کے اوپر ہے جیسے کہ احادیث میں آیا ہے اور بعض احادیث میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جنت کرسی کے جوف میں ہے۔ یہ ہے وہ کچھ جو ہمیں جنت کے آسمان اور زمین کے متعلق پہنچا ہے۔ واللہ اعلم۔

نیز فرماتے ہیں کہ اور جنت میں شمس و قمر نہیں ہوں گے جس طرح کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لا یرون فیھا شمسا ولا زمھریرا (الدھر آیت ۱۳) اس میں سورج اور ٹھٹھر نہیں دیکھیں گے) کہا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے کہ قمر بھی نہیں دیکھیں گے۔ اور کہا گیا ہے کہ گرمی اور سردی نہیں دیکھیں گے۔ اور سورج اور قمر کے بدلے میں انوار ہوں گے جو کہ سرادقات عرش سے چمکیں گے۔ اور یہ وہ انوار ہیں جن میں سے بعض ہمارے اس سورج کو ہر شب میں پہنچائے جاتے ہیں۔ پس وہ چمکتا ہوا ہم پر طلوع ہوتا ہے۔ اور حدیث میں ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے ہے۔ کہتے ہیں: میں نے عرض کی: یارسول اللہ! جب سورج غروب ہو جاتا ہے تو کہاں جاتا ہے؟ فرمایا: وہ جاتا ہے تا کہ اللہ تعالیٰ کے حضور عرش کے نیچے سجدہ ریز ہو۔ پس وہ اذن مانگتا ہے۔ پس اسے نور عرش کے ستر حلے پہنائے جاتے ہیں۔ اور اسے اذن دیا جاتا ہے۔ پس اس حدیث سے اور اس کے علاوہ دوسری حدیثوں سے ہمیں معلوم ہوا کہ جنت کے آسمان اور زمین ہیں جو کہ ابد الآباد تک ہمیشہ باقی رہیں گے فنا نہیں ہوں گے۔ نہ ہی ہلاک ہوں گے۔ اور جس نے ہماری بات میں توقف کیا تو صرف اس لئے کہ وہ اس دنیا کی مالوفات پر دھرنا دیئے بیٹھا ہے۔ جس طرح کہ اگر اس شخص سے کہا جائے جن کے علاقوں میں تیل نہیں کہ ہم نے کئی علاقوں میں ایک چیز دیکھی جو کہ دوسری چیز میں رکھی جاتی ہے۔ ایک کو تیل کہتے ہیں اور دوسری کو فیتا۔ پس وہ لوگوں کو رات بھر روشنی دیتی ہے۔ تو بیشک وہ اسے نہایت بعید از امکان سمجھے گا۔ اور اس کی تصدیق نہیں کرے گا مگر یہ کہ اسے خود دیکھے۔ لیکن جسے اللہ تعالیٰ نے قوت ایمانی بخشی ہو وہ اس میں کبھی بھی کوئی توقف نہیں کرتا جو اسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خبر دی ہو۔

جنتی آسمانوں پر ایک دلیل

شیخ ابوطاہر فرماتے ہیں کہ وہ آیت جوگذشتہ ائمہ پر مشکل ہوئی اس معنی پر دلالت کرتی ہے۔اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے **وامــا الـذيـن سـعـدوا فـفـي الجنة خالدين فيها مادامت السموت والارض الاماشاء ربك عطاء غير مجذوذ** (ہود آیت ۱۰۸)اور وہ جوخوش نصیب ہیں تو وہ جنت میں ہوں گے۔اس میں ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان اور زمین قائم ہیں مگر جتنا چاہے آپ کا رب یہ وہ عطا ہے جوختم نہیں ہوگی۔

مراد یہ ہے کہ وہ جوسعادت مند ہیں وہ جنت میں ہمیشہ ایسے دوام کے ساتھ رہیں گے جیسا کہ جنت کے آسمانوں اوراس کی زمین کا دوام ہے مگر وہ روشن نعمتیں اور مخفی لطف وکرم جن کا ہمیشہ ٹھہرنے پر آپ کا رب اضافہ چاہے جوکہ اللہ تعالیٰ نے اس میں تیار فرمائے ہیں۔جس طرح کہ حدیث میں ہے وہ کچھ جوکسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ ہی کسی بشر کے قلب پر کھٹکا۔فرمایا: اوراس کی نعمتوں میں سے اعلیٰ نعمت اس کی رضا اوراس کے وجہ کریم کی طرف نظر ہے۔پس اس جیسی وہ عظیم عطائیں ہیں جوکہ نعمت خلود سے مستثنیٰ ہیں۔اوراس تفسیر کی تصدیق آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے عطاء غیر مجذوذ۔یعنی جوختم نہیں ہوں گی۔اور رہا اہل جہنم کے بیان میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول **خالدين فيها ما دامت السموات والارض الاما شاء ربك ان ربك فعال لمايريد** (ہود آیت ۱۰۷)وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان اور زمین قائم ہیں مگر جتنا آپ کا پروردگار چاہے۔بیشک آپ کا رب جوچاہتا ہے کرتا ہے)۔پس یہ بھی دلالت کرتی ہے کہ کفار کے لئے زمین اور آسمان ہیں۔کیونکہ سما لغت میں ہر وہ چیز ہے جوتجھ سے بلند ہے اور تجھ پر سایہ فگن ہے جبکہ ارض ہر وہ چیز ہے جو تیرے قدم کے نیچے ہے۔پس جہنم کی زمین سب سے نچلا طبقہ ہے اوراس کے آسمان اس کے درکات کی تہیں ہیں ایک تہ کے اوپر۔دوسری یہاں تک کہ اس چٹان تک پہنچتی ہیں جوکہ ان کے اوپر ہے جس طرح کہ جنت کے اوپر عرش ہے۔جیسا کہ گزر چکا۔واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔ پس یہ بھی معلوم ہوا کہ جہنم کی زمین اور آسمان ہمیشہ کے لئے باقی رہنے والے ہیں۔اور **الا ماشاء ربك** کا معنی یہ ہے یعنی مگر جہنم میں ان کے ہمیشہ رہنے کے بعد وہ انواع واقسام کے دردوآلام اور عذاب جوکہ ان کے لئے حبس دائم کی سزا پر زائد ہوں گے۔

شیخ ابوطاہر فرماتے ہیں: اور یہ توجیہہ جس کا میں نے ان دو آیات کے معنی میں غور وفکر سے استنباط کیا ہے، بعد ازاں اسے میں نے حسین بن فضل کی تفسیر میں منقول پایا۔اور ہو بہو اس کے مطابق پایا۔اور یہ ان دونوں آیات کے متعلق جوکچھ کہا گیا ہے سب سے زیادہ صحیح ہے۔کیونکہ ان کے متعلق کچھ اوپر بیس اقوال ہیں۔سب کے سب ضعیف ہیں۔نیز فرمایا: ہماری اس تفسیر کی مثال اس بادشاہ کی طرح ہے جس نے اپنی رعایا میں سے بعض کو اپنے لئے چن لیا اور اسے اپنے ساتھ اپنے گھر میں ٹھہرالیا۔اوراس پر اپنے احسانات اور خیرات کا فیضان مسلسل جاری رکھا۔اور بعض کو اپنے قید خانہ میں محبوس کردیا۔علاوہ ازیں انواع واقسام کی سزاؤں کا حکم دینے لگا پھر بادشاہ لوگوں کو دونوں فریقوں کے حال کی خبر دینے لگا اور کہنے لگا کہ فلاں تو میری حفاظت اور پڑوس میں ہے۔جب تک میں رہوں وہ میرے ساتھ میرے گھر میں سکونت پذیر رہے گا مگر وہ جو اس کے لئے اپنے پڑوس۔احسان اور خلعتوں پر اضافہ چاہوں۔اور رہا فلاں تو وہ میرے قید خانہ میں ہے جب تک میں رہوں مگر وہ انواع واقسام کی سزائیں اور مختلف قسم کے عذاب جوکہ حبس دائم پر زیادہ چاہوں فرمایا: اور یہ درست کلام ہے۔اس پر غور کر۔کہ نہایت نفیس ہے۔

ابدی نعمتوں میں خلود اور عذاب سرمدی کا عقلی تصور

اگر کہا جائے کہ خلود دائمی اور نعیم ابدی اور اسی طرح عذاب سرمدی کا عقل میں کیونکر تصور کیا جا سکتا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ عقل میں اس کا تصور دائمی طور پر حالات کے بعد حالات کے بدلتے رہنے سے کیا جا سکتا ہے۔ البتہ اس کا ہمیشہ کے لئے ختم نہ ہونے کا ادراک تو عقل مجرد کرتی ہے اور اس سے وہم اور خیال پیچھے رہ جاتا ہے۔ پس قریب نہیں اس کا تخیل کر سکے۔ کیونکہ وہ تصور قائم کرنے سے عاجز ہے اس کے باوجود کہ وہ دلیل کے ساتھ اس کا ادراک کرنے والا ہے۔ اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے اپنے اس قول کے ساتھ قریب کیا ہے کہ جو غیر متناہی عدد کے تخیل سے عاجز ہو تو وہ فرض کر لے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کی مثل دس لاکھ شہر پیدا فرمائے ہیں۔ اور ان سب کو دانوں سے بھر دیا ہے۔ پھر اس نے ایک پرندہ پیدا فرمایا جو کہ ہر دس لاکھ سال میں ایک دانہ چنتا ہے۔ پس بیشک وہ تمام شہروں سے ان دانوں کو ختم کر دے گا۔ اور ابد اسی طرح باقی رہے گا جس طرح کہ تھا۔ اور حدیث میں اس کی مثل وارد ہے۔

لذات اخرویہ کی حقیقت

اگر کہا جائے کہ کیا اخروی لذتیں حسیہ ہیں یا عقلیہ یا خیالیہ؟ یہ ایسا سوال ہے جس میں بہت سے لوگ گمراہ ہوئے ہیں؟ تو اے بھائی اس کے متعلق جواب تیرا یہ جاننا ہے کہ آخرت، درجات میں بہت بڑی اور فضیلت میں بہت اعلیٰ ہے۔ اور آخرت بہت بہتر اور ہمیشہ باقی ہے۔ پس جائز نہیں کہ اس کی لذتیں دنیا میں نفس کی لذتوں سے کوتاہ ہوں۔ جبکہ دنیا کی لذتیں تین وجوہ سے ہیں حسی۔ خیالی۔ عقلی۔ پس ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل جنت کے لئے دیگر ادراکات پیدا فرمائے جو کہ ان مدارک سے زائد ہوں جن کی بدولت وہ آنکھ کی مخفی ٹھنڈک کا ادراک اللہ تعالیٰ کے فضل اور احسان کے طور پر کریں۔

لذات حسیہ، خیالیہ اور عقلیہ کیا ہیں؟

اگر کہا جائے کہ لذت حسیہ کیا ہے یعنی جس کا ادراک حس کے ساتھ اور خیالیہ یعنی جس کا ادراک خیال کے ساتھ اور عقلیہ یعنی جس کا ادراک عقل کے ساتھ کیا جاتا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ حسیہ جیسے کھانے پینے کی لذت چکھنے کے ساتھ۔ اور نکاح اور تمام مس کرنے کی چیزوں کی لذت مس کرنے کے ساتھ اور رنگوں اور اچھی صورتوں کی لذت آنکھ کے ساتھ۔ اور مہک والی چیزوں کی لذت سونگھنے کے ساتھ اور آوازوں اور خوش الحانی کی لذت سننے کے ساتھ ہے۔ تو جس نے حواس خمسہ کے ساتھ لذت حاصل کی تو اسی نے زندگی کی پوری خوشیاں حاصل کیں۔ فرماتے ہیں: رہی لذت خیالیہ اور یہ بھی دنیا میں مطلوب ہے۔ پس بیشک آدمی بسا اوقات ایسی چیزوں کو خیال میں لاتا ہے جن کی تمنا کرتا ہے۔ پس ان سے لذت پاتا ہے۔ بلکہ بسا اوقات ایسی چیز کو خواب میں دیکھتا ہے جس کی خواہش کرتا ہے پس اس سے لذت پاتا ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ لذت خیالیہ جنت میں کبھی نہیں ہوگی کیونکہ جنت دار صدق ہے جبکہ لذت خیالیہ، وہم کاذب کے قضیوں میں سے ہے۔ پس یہ جھوٹی تمنائیں اور دھوکہ ہے جبکہ دار آخرت دار الحقائق ہے۔ اسی لئے اسے الحاقہ کہا گیا چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **الحاقه ما الحاقه** (الحاقۃ آیت ۲،۱) وہ ہو کر رہنے والی۔ کیا ہے وہ ہو کر رہنے والی)۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ اسے الحاقہ اس لئے فرمایا گیا ہے کیونکہ اس میں برحق امور ہیں۔ اس میں باطل اور جھوٹے امور نہیں۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے **لا یسمعون**

فیھا لغوا و لا کذابا (النبا۔آیت ۳۵) وہاں کوئی بیہودہ بات نہ سنیں گے اور نہ جھوٹ)۔اور چونکہ لذت خیالیہ تمنا کے ساتھ ہوتی ہے اور تمنا اس حیثیت سے جنت میں ہے کہ اس میں وہ کچھ ہے جس کی نفس خواہش کرے اور آنکھ لذت محسوس کرے۔پس یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس میں لذت خیالیہ معدوم ہے۔فرماتے ہیں: یہ قول میرے نزدیک صحیح ہے۔کیونکہ لذات خالیہ تمنائیں ہیں اور تمنائیں جھوٹ اور باطل ہیں۔پس یہ آخرت میں نہیں ہوں گی۔کیونکہ اہل جنت جس کی خواہش کریں گے اسے فوراً سامنے موجود پائیں گے۔ پس ان کو تمنا نہیں ہوتی۔ان کا لذت پانا تو موجود اور حاضر چیز کے ساتھ ہوگا نہ کہ مفقود۔محض تمنا اور تخیل کی چیز کے ساتھ۔پس اسے سمجھ لے کہ یہ امور آخرت کے عجائب میں سے ہے۔

رہی لذت عقلیہ تو اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہ تمام اشیاء سے زیادہ لذیذ،قوت بخش اور نفس کے لئے باعث مسرت اور زیادہ جاذب اور روح کے لئے وجہ کشائش اور شیریں ہے۔اس کا اعتبار فہم اور علم کی لذت کے ساتھ کر۔پس بیشک تو جب کسی مسئلہ کا ادراک کرلے جو کہ تجھ پر مشکل تھا تو میں تجھے دیکھتا ہوں کہ تو اپنے قلب میں اور اپنے نفس میں ایسی لذت پاتا ہے کہ دنیوی لذتوں میں سے کوئی چیز اس کے برابر نہیں۔جیسا کہ امام ابوحنیفہ نے فرمایا ہے: اگر بادشاہوں کو اس لذت علم کا پتہ ہو جس میں ہم ہیں تو اس پر تلواروں کے ساتھ ہمارے ساتھ جنگ کریں۔اور تیرے لئے اقتدار۔امر و نہی اور طبیعت و غرض کے موافق چیزوں کے ساتھ خوش ہونے کی لذت اور پالینے کی لذت کافی ہے۔جیسا کہ ایک عرابی کا اونٹ گم ہوگیا تو وہ کہہ رہا تھا: کیا کوئی ایسا ہے جو مجھے اس کے پانے کی خوشخبری دے اور وہ اسی کا ہوگا۔لوگوں نے اسے کہا کہ پھر تجھے اس سے کیا ملا۔کہنے لگا: پالینے کی لذت اور اسی کی مثل بیٹے کی لذت اور سچے بھائیوں کے ساتھ باہمی گفتگو کی لذت ہے۔امام شافعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر بھائیوں کے ساتھ باہمی گفتگو اور پچھلی رات کی تہجد نہ ہوتی تو میں اس دنیا میں باقی رہنا پسند نہ کرتا۔اور اسی پر تمام لذات عقلیہ قیاس کر گرچہ ان میں فرق ہے اور ان کے کئی مرتبے ہیں۔پس یہ لذتیں دنیا میں اجنبی نہیں ہیں پس ان کا اثبات آخرت میں واجب ہے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **وللاٰخرۃ اکبر درجات و اکبر تفضیلا** (الاسراء آیت ۲۱) اور آخرت درجوں کے اعتبار سے سب سے بڑی اور فضیلت کے اعتبار سے سب سے اعلیٰ ہے)۔نیز فرمایا: **ولکم فیھا ماتشتھی انفسکم ولکم فیھا ما تدعون** (حم السجدہ آیت ۳۱) اور تمہارے لئے اس میں ہر وہ چیز ہے جو تمہارا جی چاہے اور تمہارے لئے اس میں ہر وہ چیز ہے جو تم مانگو گے)۔علاوہ ازیں اور آیات بھی ہیں اور احادیث شریفہ بھی۔شیخ نے فرمایا: اور اس اصل کے مطابق حس اور عقل میں حاصل ہونے والی تکالیف جہنم میں اہل جہنم کے لئے ثابت ہوں گی۔**نعوذ باللہ تعالیٰ منھا**۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **ومن کان فی ھذہ اعمی فھونی الاٰخرۃ اعمی واضل سبیلا** (الاسراء آیت ۷۲) اور جو یہاں اندھا بنا رہا وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا اور بڑا گم کردہ راہ ہوگا)۔اور اس پر اندھا ہونے کی شدت مخفی نہیں ہے جو کہ دنیا میں اس میں مبتلا رہا۔پس اے بھائی! تیرے لئے تمام لذات حسیہ اور عقلیہ کا درست ہونا ظاہر ہوگیا۔اور اسی طرح آخرت میں تکالیف انہیں کی مثل ہوں گی۔اور اجسام کے اپنی ارواح کے ساتھ لوٹائے جانے کے صحیح ہونے میں تفصیلی گفتگو گزر چکی ہے جبکہ اجسام اپنی اسی حالت پر ہوں گے جس پر کہ ہیں۔تو جب انسان کے نزدیک اس صورت پر جس پر کہ وہ آج ہے عقلی طور پر جواز اور شرع میں وجوعاً لذت والم کا پایا جانا ثابت ہوگیا تو اس کے لئے آخرت میں بھی کسی شک وشبہ کے بغیر یہ دونوں درست ہیں۔

اہل جنت کا کھانا پینا اور ان کے اثرات

اگر کہا جائے کہ جب اہل جنت کھائیں اور پئیں گے تو طعام وشراب کا بوجھ کہاں جائے گا؟ جواب یہ ہے کہ حدیث پاک میں ثابت ہے کہ کھانے سے ڈکار آئے گا اور پینے سے پسینہ جیسے کہ کستوری ہو۔ اور یہ حدیث حسن ہے جیسا کہ قزدینی نے کہا ہے۔ اور فرمایا: ہم نے تجربہ کیا ہے کہ جسے دودھ اور شہد کی غذا دی جائے اسے زوائد کی قضائے حاجت نہیں ہوتی۔ شیخ ابوطاہر فرماتے ہیں: اگر طوالت کا ڈر نہ ہوتا تو ہم کھل کر ان کے کھانے اور پینے کے پسینے میں بدلنے کے بیان میں کلام کرتے۔ اور ہم نے تور کے علاقہ میں عائشہ نامی ایک خاتون کا مشاہدہ کیا ہے جسے تیس سال سے بیت الخلاء کی طرف حاجت نہیں ہوئی۔ اور یہ خبریں بھی وارد ہوئی ہیں کہ ترکمان ملک مسعود کے پاس سالہا سال تک رہے اور کبھی بیت الخلا میں داخل نہ ہوئے باوجودیکہ بے تحاشا کھاتے تھے۔ تو جب یہ صورت حال دنیا میں کثیف ثقیل کھانے اور پینے کے باوجود موجود اور مشاہدے کی چیز ہے۔ اور اس کی ہوا متعفن اور اس کا پانی بے ذوق۔ تو پھر کوئی شخص ان جنتی کھانے پینے کی چیزوں اور میوؤں کا انکار کیسے کر سکتا ہے جن کی خبر انبیاء ومرسلین صلوات اللہ تعالیٰ سلامہ علیہم اجمعین نے دی جو کہ وہ پسند کریں گے اور ان کی خواہش کریں گے۔ ان کا مشروب شہد صافی۔ غیر متغیر پانی۔ وہ دودھ جس کا ذائقہ نہیں بدلے گا اور وہ شراب جس کے پینے والے کو سر درد ہو نہ عقل میں خلل واقع ہو۔

عنوان بالا کی وضاحت

اور اس کی وضاحت یہ ہے کہ جنت کے کھانے، اس کے میوے اور اس کے مشروبات نازک خالص صاف ہیں۔ ان پر ایک حالت سے دوسری حالت میں تغیر طاری نہیں ہوتا۔ اور ان کی مہک خراب نہیں ہوتی۔ شیخ ابوطاہر فرماتے ہیں: جان لے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کی وصف ان چیزوں کے ساتھ بیان نہیں فرمائی جو کہ ہمارے پاس ہیں جیسے شہد، سونٹھ، کستوری، کافور، سندس، حریر، سونا، چاندی، موتی، مرجان، کھجور، انار اور اچھی سیرت وصورت والیاں وغیرہ مگر اس لئے تاکہ اس کے ساتھ قلوب ہدایت پائیں اور نفوس مانوس ہوں۔ رہا عقل میں ان کا تصور تو یہ محال ہے کیونکہ تصور، وہم کا مدرک بالحس کے خیال کا ادراک ہے۔ اور جس کا ادراک حس نے نہیں کیا اس کے تصور سے وہم عاجز ہے۔ اور اگر مخلوق کے لئے اس کی معرفت کی طرف کوئی راستہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ یہ نہ فرماتا فلا تعلم نفس ما اخفی لهم من قرة اعین (السجدہ آیت ۱۷) پس کوئی شخص نہیں جانتا کہ ان کے لئے کیا نعمتیں چھپا کر رکھی گئی ہیں)۔ نہ ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرماتے کہ میں نے اپنے صالح بندوں کے لئے وہ کچھ تیار کیا ہے جو کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا۔ اور نہ ہی کسی بشر کے قلب پر کھٹکا۔ حضرت ابن عباس اور مقاتل بن سلیمان فرماتے ہیں: جنت میں جو کچھ بھی پھل۔ مشروب۔ زیور اور پوشاکیں ہیں وہ دنیا کی کسی چیز کے مشابہ نہیں ہیں سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے اس چیز کی وصف جو کہ اس کے ہاں ہے اس کے ساتھ بیان کی ہے جو ہمارے پاس ہے۔ پس ہمارے لئے سونے، ریشم، کپڑوں اور میوؤں کا نام لیا جبکہ جو کچھ اس کے ہاں ہے ہمیں ان کی حقیقتوں کا علم نہیں ہے۔ انتہی۔

مذکور الصدر وضاحت پر سوال اور اس کا جواب

اگر کہا جائے کہ جب اس نے ان نعمتوں کا ذکر ہمارے لئے ان چیزوں کے نام سے کیا جو کہ ہمارے پاس ہیں حالانکہ وہ حقیقت میں اس کے خلاف ہیں تو یہ وعدہ خلافی ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ اس سے بالا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ ان کا ذکر ان چیزوں کے

نام کے ساتھ بیان کرنا جو کہ ہمارے پاس ہیں ضروری ہے کہ یہ ادنیٰ مناسبت کی وجہ سے ہو۔ تاکہ ہمارے افہام میں اس کی سمجھ واقع ہو۔ اور اس کی اصل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے مثل نوره کمشکوة فیها مصباح (النور آیت ۳۵) اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق ہو اس میں چراغ ہو)۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کے نور کے سامنے طاق کہاں۔ تو جب اس میں ادنیٰ مناسبت ہو تو خلاف ورزی ہے نہ جھوٹ۔ اور علماء باللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: دنیا کی ہر چیز کا سننا، اس کے معاینہ سے بڑا ہے اور آخرت میں ہر چیز کا معاینہ اس کے سماع سے بڑا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

طلح منضود اور سدر مخضود میں لذت اور رغبت

اگر کہا جائے کہ طلح منضود اور سدر مخضود میں کیا لذت اور رغبت؟ (جو کہ اس آیت کریمہ میں ہے فی سدر مخضود و طلح منضود بے خار بیریوں میں اور کیلوں کے گچھوں میں۔ الواقعہ آیت ۲۹،۲۸)۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بتایا ہے کہ جنت میں علی العموم وہ کچھ ہے جس کی نفس خواہش کریں اور آنکھیں اس سے لذت حاصل کریں۔ مخلوق کے نفوس کی خواہشات مختلف ہیں۔ اور شاید بعض اہل جنت کے نفوس ان کی خواہش کریں۔ جیسے خشک کی ہوئی مچھلی پسند کرتے ہیں اور دنیا میں اس کا کھانا اچھا لگتا ہے۔ خصوصاً بستیوں والے اعراب۔ اور حیرت کیونکر جبکہ جنت کے کیلے اور بیریاں صرف نام میں دنیوی پھلوں کے مشابہ ہیں۔ ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ وہاں انہیں ایسی لذت کے ساتھ مختص فرمائے جو تمام لذتوں سے برتر ہو۔ شیخ ابو طاہر فرماتے ہیں: اور نفوس سے ناپسندیدہ چیزوں کی نفی اس پر دلیل ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے۔ کیا تو دیکھتا نہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے سدر مخضود (یعنی بے خار بیریاں) پس کانٹوں کی نفی فرمائی۔ اور بیر چننے کے وقت کسی تکلیف کے پہنچنے کی نفی فرمائی اور اس میں وہاں دنیا کے برعکس مکروہات نفس کی نفی ہے۔ اور بعض تفاسیر میں ہے کہ قرآن میں طلح بمعنی کیلا ہے۔

کیا جنت میں نکاح اور اولاد ہے؟

اگر کہا جائے کہ کیا جنت میں نکاح ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ ہاں۔ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: ہاں کثرت سے ہوگا۔ اور اس سے آپ نے اس کی وجہ سے ان کا لذت عظیم میں استغراق مراد لیا ہے جو وہ پائیں گے بخلاف دنیا میں لذت جماع کے۔ پس کہا گیا ہے کہ وہ تو وہمی ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں۔

اگر کہا جائے کہ کیا جنت میں کسی کے لئے اولاد پیدا ہوگی؟ تو جواب یہ ہے کہ ہاں۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے اور حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ مومن جب اولاد کی خواہش کرے گا تو اس کا حمل۔ وضع حمل اور نشوونما ایک ساعت میں ہوگی جیسے کہ اس کی خواہش ہوگی اور ایک روایت میں ہے: لیکن وہ خواہش نہیں کرے گا۔ شیخ ابو طاہر فرماتے ہیں: ان مسائل کی اور ان جیسے دیگر مسائل کی اصل ایک ہی نکتہ ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اے بھائی! تو جان لے کہ دنیا میں نفوس کی خواہشات مشتہیات یعنی ان چیزوں کے تابع ہیں جن کی خواہش کی جاتی ہے جبکہ اہل جنت کی مشتہیات جنت میں ان کی خواہشات کے تابع ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد ہے ولکم فیها ماتشتهی انفسکم یعنی تمہارے لئے جنت میں وہی کچھ ہوگا جس کی خواہش تمہارے نفس کریں گے اور یہ نہیں فرمایا انفسکم تشتهی کل مافیها۔ یعنی جو کچھ اس میں ہے تمہارے نفس اس کی خواہش کریں گے۔ پس اس نکتہ کی قدر پہچان کہ یہ عجیب ہے۔ شیخ ابو طاہر رحمۃ اللہ علیہ کا کلام ختم ہوا۔

اہل جنت کی اقسام اور مشمولات جنت کے متعلق شیخ محی الدین رحمۃ اللہ علیہ کا کلام

رہا شیخ محی الدین رحمۃ اللہ علیہ کا کلام تو آپ فرماتے ہیں: اگر کہا جائے کہ اہل جنت کی کتنی اقسام ہیں؟ تو جواب یہ ہے کہ چار اقسام ہیں۔ رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ اولیاء، مومنین اور اولہ عقلیہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا علم رکھنے والے۔

اگر کہا جائے: کیا ان اقسام میں سے بعض کی بعض سے تمیز ہوگی۔ اور کس چیز سے ان کی تمیز ہوگی۔ تو جواب یہ ہے کہ ہاں ان کی تمیز ہو گی۔ اور یہ جنت عدن میں کثیب ابیض پر رویت باری تعالیٰ کے وقت ہوگی۔ اور ہر ایک قسم کی تمیز اس کی نشست گاہ کی وجہ سے ہوگی۔ پس انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام منبروں پر ہوں گے۔ اولیاء تختوں پر ہوں گے۔ برہان کے طریقے سے اور عقلی غور وفکر سے اللہ تعالیٰ کا علم رکھنے والے کرسیوں پر ہوں گے اور اپنی توحید میں تقلید کرنے والے مومنین تختوں سے نیچے اپنے اپنے مقامات پر ہوں گے۔

۷۰ ہزار حساب کے بغیر جنت میں داخل ہونے والے

اگر کہا جائے کہ جو ستر ہزار افراد جنت میں حساب کے بغیر داخل ہوں گے کیا اس سے مراد یہ ہے کہ یہ ان کے حساب وگمان میں نہ تھا یا مراد ہے کہ دوسروں کی طرح ان سے حساب نہیں لیا جائے گا؟ تو جواب یہ ہے کہ اس سے مراد جیسا کہ حساب کی بحث میں پہلے گزر چکا یہ ہے کہ جنت میں داخلہ ان کے حساب میں تھا اور نہ ان کے گمان میں۔ نہ ہی وہ اسے کبھی خیال میں لائے۔ پس ان کے لئے وہ کچھ ظاہر ہوگا جس کا انہیں گمان نہ تھا۔ اور اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے حضور حساب نہیں۔ اسے شیخ نے ۳۴۸ ویں باب میں ذکر کیا۔ اور فتوحات کے ۷۰ ویں باب میں اس حدیث بخاری کے بارے میں فرمایا: جو اہل صلوٰۃ سے ہوگا اسے قیامت کے دن باب الصلوٰۃ سے جو اہل جہاد سے ہوگا اسے باب الجہاد سے۔ جو اہل صدقہ سے ہوگا اسے باب الصدقہ سے اور جو اہل صیام سے ہوگا اسے باب الصیام سے بلایا جائے گا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ! جو ان سارے ابواب سے داخل ہوا اس پر کوئی جرح نہیں۔ تو کیا کسی کو ان تمام ابواب سے بلایا جائے گا؟ فرمایا: ہاں۔ اور اے ابوبکر! مجھے امید ہے کہ تو ان میں سے ہوگا (رجا کا صیغہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احتراماً فرمایا۔ ورنہ تعلیم الٰہی سے آپ یقینی طور پر جانتے ہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ انہیں میں سے ہیں۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ)۔ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا لوگوں کو داخل ہونے کے لئے بلانا ایک ہی ہے۔ پھر ان میں سے کوئی ایک دروازے سے۔ کوئی دو دروازوں سے اور کوئی تین دروازوں سے داخل ہوگا۔ اور داخل ہونے میں سب سے عام وہ ہوگا جو کہ آٹھویں دروازوں سے آن واحد میں گزر جائے گا۔

ابواب جنت سے داخلے کی وضاحت

اور اس کی وضاحت یہ ہے کہ اعضاء تکلیف آٹھ ہیں۔ ان میں سے ہر عضو کے لئے ایک دروازہ ہے۔ پس اے بھائی! ثواب اخروی میں آن واحد میں اس کے انکار سے پرہیز کر۔ جبکہ تو اس کا ترک وفعل کے عمل میں مشاہدہ کرتا ہے۔ جیسے اپنی آنکھ جھکانے والا نصیحت سننے کی حالت میں۔ تلاوت کی حالت میں۔ روزے کی حالت میں۔ صدقہ کرنے کی حالت میں۔ پارسائی کی حالت میں۔ اور شرمگاہ کی حفاظت کرنے کی حالت میں۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کی نیت کے ساتھ ہے۔ اور یہ مسئلہ ذی النون کے مشہور مسائل میں سے جنہیں عقلین محال سمجھتی ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ ایک اپنے ایک جسم کے ساتھ آن واحد میں مختلف اماکن میں ہوسکتا ہے۔ پس اہل

کشف ان مسائل کو پہنچانتے ہیں اور اہل عقل ان کا انکار کرتے ہیں۔ تو جو ہماری گفتگو کی معرفت سے متحقق ہوا وہ ایک شخص کے آن واحد میں جنت میں اس کے آٹھوں دروازوں سے داخل ہونے میں توقف نہیں کرتا۔ کیونکہ اخروی پیدائش یہ امور عطا کرتی ہے جس طرح دنیوی پیدائش انسان میں ایک ہی زمانے میں ایمان کے تمام شعبے بغیر محال جانے عطا کرتی ہے۔ انتہی۔

جنت معنویہ اور جنت حسیہ اور ان کا مادہ

اگر تو کہے کہ کیا ہمارے لئے حسیہ کی طرح جنت معنویہ بھی ہے یا وہاں حسیہ کے سوا ہمارے لئے کوئی جنت نہیں ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ ہاں۔ بیشک جنت کی دو قسمیں ہیں۔ جنت معنویہ اور جنت حسیہ۔ اور عقل ان دونوں کو ایک ساتھ سمجھتی ہے جس طرح دونوں عالموں، عالم لطیف اور عالم کثیف کو سمجھتی ہے اور عالم غیب اور عالم شہادت کو سمجھتی ہے۔ اور اس کی وضاحت یہ ہے کہ بیشک نفس ناطقہ مکلفہ کے لئے غور و فکر کے طریقے سے حاصل شدہ علوم و معارف نعمت ہیں۔ جن کا یہ متحمل ہے اور ان میں سے وہ علوم جن تک عقلی دلائل کے ساتھ اس کی رسائی ہے۔ اور اس کے لئے وہ لذتیں اور خواہشیں بھی نعمت ہیں جسے وہ نفس حیوانیہ کے ساتھ اس کی حسی قوتوں کے طریقے سے حاصل کرتا ہے جیسے کھانا، پینا، نکاح و لباس، خوشبویات۔ اچھی آوازیں اور حسین صورتیں وغیرہ۔

اگر تو کہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں جنتیں کس چیز سے پیدا فرمائی ہیں اور کیا ان دونوں کو ایک ہی مادہ سے پیدا کیا ہے یا دو مادوں سے؟ تو جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں دو مادوں سے تخلیق فرمایا ہے۔ رہی جنت محسوسہ تو اسے اپنی رضا سے پیدا کیا۔ اور یہ تخلیق طالع الاسد کے ساتھ تھی جو کہ اقلید (چابی) ہے۔ اور اسی لئے شے کو کن کہیں گے تو اللہ تعالیٰ کے اذن سے ہو جائے گی۔ اور رہی جنت معنوی جو کہ اس جنت حسیہ کی روح ہے تو اسے اللہ تعالیٰ نے فرح الٰہی۔ کمال۔ تازگی اور سرور سے پیدا فرمایا۔ پس جنت حسیہ جسم کی طرح ہے۔ اور معنویہ اس کے لئے روح اور اس کی قوتوں کی طرح ہے۔ اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس کا نام اس کی حیات کی وجہ سے دار حیوان رکھا ہے۔ پس اس جنت والے، اس میں اور اس کی وجہ سے حسی اور معنوی طور پر ناز و نعمت حاصل کریں گے۔ اور حدیث پاک میں وارد ہے کہ جنت چار حضرات کی مشتاق ہے۔ حضرت بلال۔ عمار۔ علی اور سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ پس آپ نے ان حضرات کی طرف اسے شوق سے موصوف فرمایا۔ اور ان ناموں کی کس قدر حسین موافقت ہے۔ کیونکہ بلال ابل الرجل من داءہ سے ماخوذ ہے یعنی آدمی نے اپنی بیماری سے خلاصی پائی۔ سلمان درد و آلام سے سلامتی سے ہے۔ عمار عمارت سے ہے۔ یعنی اہل جنت کے اسے آباد کرنے کی بنا پر ان کی طرف اس کے شوق کا درد زائل ہو جائے گا۔ اور رہا نام حضرت علی تو یہ علو سے ہے یعنی یہ جنت، جہنم سے بلند ہوگی جو کہ اس کی بہن ہے۔ اور اس میں طویل کلام فرمایا۔

جنت کے حوالے سے لوگوں کی چار اقسام

اور اس کی تحقیق یہ ہے کہ اس مسئلہ میں لوگ چار قسموں پر ہیایک قسم جنت کو چاہتی ہے اور جنت اسے چاہتی ہے۔ اور رجال اللہ میں سے اکابر ہیں جو کہ رسول، نبی اور ولی کامل ہیں۔ ایک قسم کو جنت چاہتی ہے اور وہ اسے نہیں چاہتے اور یہ رجال اللہ میں سے ارباب احوال ہیں جو کہ جلال الٰہی میں متحسر ہیں حتیٰ کہ اس نے انہیں شہود جنت اور مافیہا سے محجوب کر دیا۔ اور یہ حضرات پہلی قسم سے کمتر ہیں کیونکہ انہیں واقفیت نہیں کہ اپنے حقائق کس چیز کے ساتھ طلب کئے جاتے ہیں۔ اور ایک قسم جنت کو چاہتی ہے جبکہ جنت انہیں نہیں چاہتی۔ اور وہ عاصی موحدین ہیں۔ اور ایک جنت کو نہیں چاہتی اور جنت اسے نہیں چاہتی۔ اور وہ یوم جزا کو جھٹلانے والے اور جنت

محسوسہ کی نفی کے قائل ہیں۔اور چار اقسام کی پانچویں قسم نہیں۔

انواع جنت کی تعداد

اگر کہا جائے کہ انواع جنت کی تعداد کتنی ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ یہ تین انواع ہیں۔ جنت اختصاص۔ جنت میراث اور جنت اعمال۔اگر کہا جائے کہ ان جنتوں والے کون ہیں؟ تو جواب یہ ہے کہ جنت اختصاص تو وہ ہے جس میں نابالغ بچے آغاز ولادت سے لے کر غالباً چھ سال تک کی عمر والے جو کہ حد عمل تک نہیں پہنچے داخل ہوں گے۔اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں جسے چاہے اختصاص کی جہت سے جو چاہے عطا فرماتا ہے۔اور اس کے اہل، مجنون ہیں جنہیں عقل تھی۔توحید علمی والے۔اور اہل فترات جو کہ فطرتی اہل توحید ہیں جنہیں کسی رسول کی دعوت نہیں پہنچی۔رہے جنت میراث والے تو یہ وہ سب لوگ ہیں جو جنت میں داخل ہوئے جن کا ہم نے ابھی ذکر کیا۔اور ایمان والے۔اور یہ جنت وہ مکانات ہیں جو کہ اہل جہنم کے لئے معین تھے اگر وہ ایمان لاتے اور ان میں داخل ہوتے۔ رہے جنت اعمال والے تو یہ جنت وہ ہے جس میں لوگ اپنے اعمال کی وجہ سے نازل ہوں گے۔تو جو شخص وجوہ فضیلت میں اپنے غیر سے افضل ہوگا اس کے لئے جنت کثرت سے ہوگی۔اور جان لے کہ رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام جنت اختصاص سے موصوف ہوں گے جبکہ اعمال ان کے علاوہ دوسروں کے بھی ہوں گے۔

اگر تو کہے کہ جب تو اختصاص الٰہی کی جنت حد بندی قبول کرے نہ وراثت اور نہ ہی عمل؟ تو جواب یہ ہے کہ ہاں وہ اسی طرح ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہے۔اپنے بندوں میں سے جسے چاہے اس کے ساتھ مخصوص فرمائے۔

درجات جنت کی تعداد اور ترتیب

اگر تو کہے کہ جنت اعمال میں کتنے درجے ہیں؟ تو جواب یہ ہے کہ اس کے سو درجات ہیں۔اور نہیں۔جس طرح جہنم کے اسی طرح سو طبقات ہیں۔جیسا کہ جہنم کی بحث میں گزر چکا۔شیخ محی الدین فرماتے ہیں: پھر یہ سو درجات آٹھ جنتوں میں سے ہر جنت میں ہیں۔ اور اس کی صورت جنت میں جنت ہے۔اس سے اعلیٰ جنت عدن ہے۔اور جنت الفردوس اس کے قریب ہے۔اور یہ جنتوں میں سے اوسط ہے۔اس کے قریب جنت الخلد اور اس کے قریب جنت النعیم۔اور اس کے قریب جنت الماویٰ۔اس کے قریب دار السلام۔اور اس کے قریب دار المقامہ ہے۔اور رہا وسیلہ تو یہ جنت عدن کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے اور یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے خاص ہے جیسے کہ تمام انبیاء ومرسلین پر آپ کی افضلیت کی بحث میں گزر چکا۔اور آپ کے لئے اس کا حصول آپ کی امت کی دعا پر غیرت الٰہیہ نے موقوف فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی غنائے مطلق کے ساتھ منفرد ہو۔

شیخ محی الدین فرماتے ہیں: اور مخفی نہ رہے کہ جنت میں راحت مطلق ہے اور اسی طرح رحمت۔گرچہ دونوں امر وجودی نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ دونوں اس امر سے عبارت ہیں جس کی وجہ سے رحم پانے والا لذت حاصل کرتا ہے اور ناز ونعمت پاتا ہے۔اور یہ امر وجودی ہے۔ پس جو بھی جنت میں ہے نعمت پانے والا ہے۔اور اس میں سب کچھ ہے راحت کی راحت کے سوا کیونکہ اہل جنت کے پاس اس کی نعمت سے کچھ نہیں۔کیونکہ وہاں تھکاوٹ اور شکستگی نہیں ہے۔نیند کی راحت تو صرف اہل جہنم کے ساتھ خاص ہے وہ بھی مخصوص اوقات میں جس طرح اس پر کلام میں پہلے گزر چکا۔شیخ نے فرمایا: یہ تجھے دلالت کرتا ہے کہ جہنم بلاشک وشبہ محسوس ہے اور اس کی تائید اللہ تعالیٰ کا یہ قول کرتا

ہے کلما خبت زدنا ھم سعیرا (الاسراء آیت ۹۷، جب بھی سرد ہونے لگے گی ہم ان کے لئے اس کی آنچ کو بڑھا دیں گے)۔ کیونکہ آگ اس وصف کے ساتھ متصف نہیں ہوتی مگر اس کے اقسام کے ساتھ قیام کی حیثیت سے۔ نہ کہ اس کی ذات کی حیثیت سے۔ اور یہ کمی بیشی قبول نہیں کرتی۔ اور آگ کے ساتھ جلایا جانے والا جسم ہی ناریت کے ساتھ بھڑکایا جاتا ہے۔ اور اس میں طویل کلام کیا۔

ولھم رزقھم فیھا بکرۃ و عشیا کا مفہوم

اگر تو کہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کی وصف یہ بیان فرمائی ہے ولھم رزقھم فیھا بکرۃ و عشیا (مریم آیت ۶۲) اور وہاں انہیں ان کا رزق صبح و شام ملے گا)۔ باوجودیکہ جنت میں سورج ہے نہ چاند۔ تو اہل جنت صبح و شام کیسے پہچانیں گے؟ تو اس کا جواب جیسا کہ شیخ نے ۳۹۸ویں باب میں فرمایا ہے یہ ہے کہ اہل جنت کے لئے مقدار ہوگی جس سے وہ دنیا میں سورج کی مدت کی انتہاء اس کے طلوع و غروب کے متعلق پہچانیں گے۔ پس وہ اس مقدار کے ساتھ دنیا میں جو صبح و شام کی حد تھی جان لیں گے۔ اور اس وقت انہیں یاد آئے گا کہ ان کے لئے دنیا ایک حالت تھی جسے صبح و شام کہا جاتا تھا۔ پس اس یادداشت کے وقت اللہ تعالیٰ صبح و شام کو ان کا رزق لائے گا۔ پس وہ رزق خاص وقت خاص میں انہیں معلوم ہوگا۔ اور اس کے علاوہ پس اس کا کھانا دائم غیر منقطع ہوگا۔ اور کھانے میں دوام عین وہ نعمت ہے جس کی وجہ سے جسم کی غذا ہوگی۔ لیکن کثیر لوگوں کو اس کا شعور نہیں۔ اور اس کی وضاحت یہ ہے کہ انسان جب سیر ہو کر کھانا کھاتا ہے تو یہ حقیقت میں غذا ہے اور نہ ہی کھانا۔ وہ تو حوض کی طرح مال کو اپنے خزانے میں جمع کرنے والا ہے۔ اور معدہ اس طعام و شراب کا خزانہ ہے جسے اس کھانے نے جمع کیا ہے۔ تو جب اس نے معدے میں رکھ لیا اور اپنا ہاتھ کھینچ لیا پس اس وقت طبیعت تدبیر کے ساتھ اس کی متولی ہوتی ہے اور یہ طعام ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہر سانس میں غذا دیتی ہے جو کہ ہمیشہ اس سے خارج ہوتا ہے۔ پس وہ ہمیشہ اسی میں رہتا ہے۔ اور اگر یہ نہ ہو تو ہر غذا استعمال کرنے والے کی نشو و نما کی ترتیب میں حکمت باطل ہو جائے۔ پھر جب غذائیں خزانہ میں داخل ہوتی ہیں تو حوض کی طبیعت اسے حاصل کرنے میں متحرک ہو جاتی ہے جس سے وہ بھر جائے۔ پس یہ امر ہمیشہ اسی طرح رہتا ہے۔ پس غذا کھانے والے میں غذا کی یہی صورت ہے۔ تو معلوم ہوا کہ دنیا و آخرت میں غذا حاصل کرنا ہر وقت موجود ہے۔ اور شیخ نے اس میں طویل کلام فرمایا۔

اور ۳۸۸ویں باب میں اللہ تعالیٰ کے قول للذین احسنوا الحسنٰی و زیادۃ (یونس آیت ۲۶) ان کے لئے جنہوں نے نیک عمل کئے اچھی جزا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ ہے)۔ کے بارے میں فرماتے ہیں: جان لے کہ اس آیت میں معین کے لئے تعین ہے اور غیر معین کے لئے زیادہ ہے۔ کیونکہ زیادہ ہر وہ چیز ہے جو دل میں نہیں کھٹکتی جیسے کے حدیث پاک میں اس کی طرف اشارہ ہے کہ جنت میں وہ کچھ ہے جو کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی بشر کے قلب میں کھٹکا۔ پس لازم ہے کہ وہ بشر کے لئے غیر معلوم ہو اور لازم ہے کہ بشر کے لئے صفت غیر معلومہ ہو نہ ہی معینہ۔ اسی سے اسے یہ حاصل ہوتا ہے جس کے متعلق ذکر ہوا کہ وہ کسی بشر کے قلب پر نہیں کھٹکا۔ یہ مجہول کا موازنہ مجہول کے ساتھ ہے۔ اور قرآن پاک میں ہے فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین (السجدۃ آیت ۱۷) پس کوئی شخص نہیں جانتا آنکھوں کی وہ ٹھنڈک جو ان کے لئے چھپا کر رکھی گئی ہے)۔ پس نفس کو نکرہ لایا گیا۔ اور اس کے لئے چھپا کر رکھی گئی آنکھوں کی ٹھنڈک کے علم کی نفی کی گئی۔ پس ہمیں اجمالی طور پر معلوم ہوا کہ یہ مشاہدے سے متعلق ایک امر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اعین کے ساتھ ملایا اور کان یا ادراکات میں سے کسی اور چیز کے ساتھ نہیں ملایا۔ اور اس میں طویل گفتگو فرمائی۔

بازار جنت کی صورتوں کا معنٰی

اگر تو کہے کہ صورتوں کی حدیث سے کیا مراد ہے جو کہ بازار جنت میں ہیں کیا وہ برزخ ہیں یا نہیں؟ جواب یہ ہے جیسا کہ شیخ نے ۳۸۲ویں باب میں فرمایا کہ وہ سب کی سب برزخ ہیں۔ اور یہ اس لئے کہ اہل جنت اس بازار کو ان صورتوں کی خاطر آئیں گے جن میں اہل جنت کے اعیان بدل جائیں گے۔ پس جب وہ اس بازار میں داخل ہوں گے تو جس نے کسی صورت کی خواہش کی اس میں داخل ہو جائے گا۔ اور اس کے ساتھ وہ اپنے اہل خانہ کی طرف لوٹے گا جس طرح ضرورت کی چیز کا خریدار بازار سے لوٹتا ہے۔ اور کبھی ایک گروہ اس بازار کی صورتوں میں سے ایک صورت کو دیکھ کر ان میں سے ہر ایک اسی معین صورت کی خواہش کرے گا پس وہ اس میں داخل ہو جائے گا۔ اور اسے پہن لے گا اور اختیار کرے گا اور جو بعینہا اس کی خواہش نہیں کرے گا وہ اس جماعت کے ایک فرد کو کھڑا دیکھ رہا ہو گا جو اس صورت میں داخل ہوا اور اس کے ساتھ اپنے اہل خانہ کی طرف لوٹا۔ جبکہ وہ صورت اسی طرح بازار میں ہو گی۔ اس سے خارج نہیں ہوئی۔ پس اس امر کی حقیقت جس پر شرع نے نص وارد فرمائی۔ معلوم نہیں جبکہ اس پر ایمان واجب ہے مگر صرف اسی کو معلوم ہے جو نشاۃ آخرت اور حقیقت برزخ کا علم رکھتا ہے۔ اور اسے قلوب کے لئے اللہ تعالیٰ کی تجلی کا علم ہے۔ اور وہ نہیں ہوتا مگر استعدادات کی صورت کے ساتھ۔ کیونکہ اس کا مشاہدہ کرنے والا اپنی آنکھ کے ساتھ اس کا صورتوں میں بدلنے کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اور عقلی طور پر جانتا ہے کہ وہ کبھی نہیں بدلیں۔ ہر ایک لئے ایک قوت ہے جو کہ اس مناسبت سے ادراک کرتی ہے جو اسے اس کی ذات عطا کرتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے عقل کو اس کے حکم میں اور بصر کو اس کے حکم میں سچا قرار دیا ہے۔ اور خود اللہ تعالیٰ کے لئے دوسرا علم ہے جو کہ اس کے علاوہ ہے جس کا ادراک عقل و بصر نے کیا۔ انتہی۔

جنت عدن کا کثیب ابیض

اگر تو کہے کہ یہ کثیف ابیض (سفید ٹیلا) کیا ہے جو کہ جنت عدن میں ہو گا؟ جواب یہ ہے کہ یہ سفید کستوری ہے جس پر ملائکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے منبر اور اولیاء کے تخت اور ایمان والوں کے مراتب رکھیں گے جیسا کہ گزر چکا۔ اور جنت عدن یہ جنت کا قصبہ اور اس کا قلعہ ہے۔ اور یہ خاص شاہی دربار اور اس کے خواص کا دربار ہے۔ اس میں عوام میں سے کوئی داخل نہیں ہو گا مگر حکم زیارت کے ساتھ۔ اسے شیخ نے ۳۷۱ویں باب میں ذکر کیا ہے۔ اور اس میں طویل گفتگو کی ہے۔ پھر فرماتے ہیں: اور جان لے کہ جب لوگ جنت میں اپنی منزلوں میں جاگزیں ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رؤیت کے لئے بلائے گا تو لوگ اپنے مراتب اور دار دنیا میں طاعات کی طرف جلدی یا تاخیر کی مناسبت سے جلدی کریں گے۔ پس بیشک ان میں سے کوئی تو جلدی جائیں گے تو کوئی سست روی سے اور بعض درمیانہ رفتار سے۔ پھر جب کثیب میں جمع ہو جائیں گے تو ہر شخص علم ضروری کے ساتھ اپنا مرتبہ پہچان لے گا اس کی طرف چلے گا پس نازل نہیں ہو گا مگر اسی میں۔ جیسے کہ بچہ گھسٹتے ہوئے چلتا ہے اور لوہا مقناطیس کی طرف۔ اور اگر کوئی تمنا کرے گا کہ اپنے مرتبے کے علاوہ کسی درجے میں اترے تو ایسا نہیں کر سکے گا۔ اور اگر تمنا کرے کہ اپنے مرتبے سے علاوہ دوسرے مرتبہ سے عشق اختیار کرے تو نہیں کر سکے گا بلکہ ہر شخص اپنی منزل میں دیکھے گا کہ وہ اپنی آرزو اور قصد کی انتہاء کو پہنچ گیا ہے پس وہ اس میں موجود نعمتوں سے تعشق طبعی ذاتی اختیار کر رہا ہو گا۔ اور اگر یہ نہ ہو تو جنت دکھ اور بے ذوق زندگی کا گھر ہوتا۔ دار نعیم نہ ہوتا۔ سوائے اس کے کہ اعلیٰ کے لئے اس لئے نعیم ہے کہ وہ

ان میں اپنے مرتبے میں ہے۔ اور اس کے نزدیک ادنیٰ کی نعیم ہے۔ اور لوگوں میں ادنیٰ وہ ہے جس کے لئے کوئی نعیم نہیں مگر مرتبہ خاص کے ساتھ۔ اور ان کا اعلیٰ کہ اس سے اعلیٰ کوئی نہیں وہ ہے جس کے لئے کلی طور پر نعیم ہے۔ تو معلوم ہوا کہ ہر شخص پر اس کی نعیم مخصوص ہے۔ اور یہ تمام عجیب ہے۔

اگر تو کہے کہ جب تجلی الٰہی واقع ہوگی تو کیا وہ تمام معتقدوں کو عام ہوگی پس ہر ایک اس ایک ہی تجلی سے اپنا حصہ حاصل کرے گا یا ہر شخص کے لئے مستقل تجلی ہوگی؟ تو جواب یہ ہے کہ وہاں صرف ایک ہی تجلی ہوگی جو کہ اعتقادات شرعیہ کی تمام صورتوں کو عام ہوگی۔ پس تجلی من حیث الذات ایک ہوگی اور صورتوں کے اختلاف کی حیثیت سے کثیر ہوگی۔ پھر جب خلائق اپنے رب کریم کی رویت سے مشرف ہوں گے تو سب کے سب اس تجلی کے نور کے ساتھ لوٹ آئیں گے۔ پس ان میں سے ہر ایک نور کے ساتھ اس کی صورت پر ظاہر ہوگا جس کا اس نے اپنی استعداد کے مطابق مشاہدہ کیا۔

اگر تو کہے کہ جس نے دنیا میں حق تعالیٰ کو تصورات اسلامیہ کے تمام مراتب میں پہنچانا کیا وہ اسے آخرت میں اسی طرح دیکھے گا یا نہیں۔ تو جواب یہ ہے کہ ہاں اپنے رب کو ہر اعتقاد اسلامی کی صورت میں دیکھے گا۔ تو یہ کس قدر لذیذ رویت ہوگی۔ پس اس کی مثل اس کے لئے ہر عقیدے کا نور ہوگا۔ جس طرح کہ جس نے حق تعالیٰ کو طرق میں سے کسی طریقہ میں اپنی عقل کے طریق سے پہنچانا تو اس کا نور صرف اسی طریقے کے مطابق ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ کی رویت کی بحث میں دار آخرت میں اپنے رب کی طرف نظر کرنے والوں کی اقسام اور ان کے مراتب پہلے بیان ہو چکے ہیں۔ ادھر رجوع کر۔

شجرۂ طوبیٰ

اگر تو کہے کہ کیا شجرۂ طوبیٰ جنت کے تمام اشجار کی اصل ہے جس طرح کہ آدم علیہ السلام اس اولاد کے لئے جو کہ آپ کی پشت میں جمع کی گئی؟ تو جواب یہ ہے کہ ہاں وہ تمام اشجار جنت کی اصل ہے جس طرح کہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی اولاد کی نسبت سے۔ پس بیشک اللہ تعالیٰ نے جب اسے اپنے دست مبارک سے لگایا اور اسے درست کیا تو اس میں اپنی طرف سے روح پھونکی جس طرح کہ حضرت مریم علیہا السلام میں کیا۔ اور اسی لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردے زندہ کرتے، مادرزاد اندھوں اور کوڑھیوں کو ان علتوں سے شفا دیتے جن سے شفا بخشنے کی مخلوق میں من حیث الانسان قوت نہیں۔ تو جیسے آدم علیہ السلام کا شرف (قدرت کے) دونوں ہاتھوں اور روح پھونکنے کی وجہ سے تھا اور اس نفخ کا نتیجہ علم الاسماء تھا۔ اسی طرح شجرۂ طوبیٰ کا شرف اسے ہاتھ کے ساتھ لگانے میں تھا جس طرح کہ اللہ تعالیٰ کے جلال کے لائق ہے اور اس میں روح پھونکنے کی وجہ سے۔ اور اس نفخ کا نتیجہ اسے زیورات اور حلوں کے پھل کے ساتھ سجانے کی صورت میں ہے جو کہ ہر لباس پہننے والے کے لئے آرائش ہیں۔ پس شجرۂ طوبیٰ نے وہ سب جنتی پھل دے دیا جو کہ اس میں تھا جس طرح کھجور کی گٹھلی وہ سب کچھ دیتی ہے جس کی گٹھلی حامل ہے جو کہ اس کے تمام پھل میں ہے۔

جنت میں اہل جنت کے ہاں توالد کے متعلق شیخ محی الدین کا مذہب

اگر تو کہے کہ اس سے پہلے اہل جنت کے توالد میں شیخ ابو طاہر رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب گزر چکا تو اس باب میں شیخ محی الدین کا مذہب کیا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ آپ کا مذہب جنت میں من حیث الاجسام والارواح وجود تناسل اور وقوع توالد ہے۔ اور ۳۶۹ ویں باب میں

آپ کی عبارت یہ ہے: ہمارے اصحاب نے اس نوع انسانی میں اختلاف کیا ہے کہ کیا مدت دنیا پوری ہونے پر اس کے اشخاص منقطع ہو جائیں گے یا نہیں۔ تو جسے کشف نہیں ہوا وہ اس کی انتہاء کا قائل ہے اور جسے کشف ہوا وہ اس کے ختم نہ ہونے کا قائل ہے۔ اور فرمایا: آخرت میں اس نوع انسانی میں توالد مثل میں باقی ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے عالم میں جو کہ اس سے اکمل نہیں ہے کسی چیز کو ایجاد نہیں فرمایا مگر اس کے لئے اس کی کرسی میں خزائن جود میں اس کی مثال ہے۔ اور ان امثال کے جن پر وہ خزائن حاوی ہیں اشخاص ختم نہیں ہوتے۔ پس ہر نوع کی امثال دنیا و آخرت کے ہر زمانہ فرد میں پائی جاتی ہیں تاکہ ہر نوع جو اس سے پائی گئی باقی رہے۔

حور عین کے متعلق وضاحت

اگر تو کہے کہ کیا حور عین دنیا کی عورتوں کی صورت پر ہیں یا صرف نام میں ہی ان سے مشابہت ہے جیسا کہ جنتی میوؤں کو دیکھتے ہوئے ابن عباس نے فرمایا ہے۔ اور حور عین کے جماع کی کیفیت کیا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ تمام حور عین کی تخلیق کی صورت تخلیق انسانی کی صورت پر ہے باوجودیکہ وہ انسان نہیں ہیں۔ رہی ان کے نکاح کی صورت تو جس طرح ہم میں سے ایک شخص آدمیہ انسانیہ عورت سے نکاح کا فائدہ لیتا ہے اسی طرح زمن فرد میں حوروں سے نکاح کا فائدہ حاصل کرے گا۔ اور یہ نکاح بنی آدم کے سعادت مندوں کے ساتھ خاص ہے۔ پس جہنم میں بدبختوں کے لئے نکاح کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ شیخ محی الدین ۳۶۹ ویں باب میں طویل کلام کے بعد فرماتے ہیں: پس معلوم ہوا کہ ہم میں کوئی شخص اگر ارادہ کرے گا کہ اس کے پاس جنتی عورتیں اور حور عین موجود ہیں سب سے نکاح کا فائدہ لے لو کسی تقدم و تاخر کے بغیر ایک لمحہ میں ان سے استفادہ کرے گا کیونکہ وہاں خلاف عادات کام ہوں گے۔ اور یہ جنتی میوؤں کی طرح ہے جو نہ ختم ہوں نہ ممنوع۔ پس وہ کھائے جانے اور اچھی لذت کے باوجود بغیر فقدان کے ہمیشہ چنے جائیں گے۔ تو جب ایک آدمی حور یا عورت سے ملے گا تو اسے ہر دفعہ وہ شہوت اور لذت ہو گی جس کا اندازہ نہیں ہو سکتا اگر اسے اہل دنیا پالیں تو اس کی شدت حلاوت کی وجہ سے ان پر غشی طاری ہو جائے پس ہر دفعہ ایک شخص سے پر جوش ہوا ہو گی جو اس کے آلۂ تناسل سے خارج ہو گی اور اسے عورت کا رحم حاصل کرے گا پس اس وقت اس میں ہر دفعہ بیٹا معرض وجود میں آجائے گا اور دو دفعات کے درمیان اس کی خلقت مکمل ہو جائے گی۔ پس عورت سے خارج ہونے والے سانس کے ساتھ جو کہ روح مجرد طبعی ہو گی مولود باصورت باہر آجائے گا۔ پس یہ ہے بشر میں جنس مختلف اور ہم مثل کے ساتھ توالد روحانی کی صورت۔ اور ابد الآباد تک یہ امر یوں ہی رہے گا۔

اگر تو کہے: کیا والدین اس کا مشاہدہ کریں گے جو کچھ اس ملاپ سے ان سے پیدا ہوا یا نہیں؟ تو جواب یہ ہے کہ ہاں اس مقاربت کی بنا پر ان سے جو پیدا ہوا وہ اس کا مشاہدہ کریں گے پھر وہ اولاد ان سے مخفی ہو جائے گی پس وہ نہیں لوٹیں گے جس طرح کہ ملائکہ جو ہر روز بیت المعمور میں داخل ہوتے ہیں اس کی طرف کبھی نہیں لوٹتے۔

عالم جنت کے متعلق سوالات اور جوابات

اگر تو کہے: کیا اس اولاد کے لئے نعیم محسوس میں کوئی حصہ ہے؟ تو جیسے کہ شیخ محی الدین نے فرمایا جواب یہ ہے کہ اس اولاد کے لئے نعیم محسوس ہیں نہ نعیم معنوی۔ ان کے لئے نعیم صرف برزخی ہیں جیسے خواب والے کے لئے نعیم جو کچھ کہ وہ اپنے خواب میں دیکھتا ہے۔ اور یہ وہ ہے جس کی خلقت طبعی تقاضا کرتی ہے۔ پس نوع انسانی کے ہاں توالد رہے گا مگر اس حکم کے مطابق جو ہم نے ذکر کیا۔

اگر تو کہے کہ ارواح بشریہ سے توالد کی کیا صورت ہے کیونکہ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ ان کے لئے آخرت میں دنیا کی مثل اجتماعات برزخیہ ہیں جس طرح سونے والا نیند میں دیکھتا ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ آخرت میں ارواح کے توالد کی صورت وہی صورت ہے جو سونے والا دنیا میں دیکھتا ہے کہ اس نے اپنی بیوی سے جماع کیا۔ اس کے ہاں بیٹا پیدا ہوا۔ تو جو بھی اس مقام میں قائم کیا جائے اور اس نے اپنی بیوی سے اس کی روح اور اپنی روح کی حیثیت سے نکاح کیا اس کے لئے اس نکاح سے جو ان کے مابین ہے روحانی اولاد پیدا ہوگی جن کا حکم نکاح کی سے پیدا ہونے والوں سے اجسام اور صور محسوسات میں مختلف ہوگا۔ پس اولاد معزز ملائکہ بلکہ ارواح مطہرہ کی صورت میں ظاہر ہوگی۔ پس یہ ہے توالد ارواح کی صورت۔ لیکن ضروری ہے کہ یہ تجلی برزخی سے ہو جیسے احوال عقیدہ میں حق سبحانہ وتعالیٰ کی تجلی۔ بیشک برزخ سب سے وسیع بارگاہ ہے کہ محالات عقلیہ وقبول کرتا ہے۔ پس اس وقت اہل جنت کے نکاح کی صورت ملائکہ کی خلقت کی صورت یا ان صورتوں کی ہے جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والوں کے سانسوں سے ہوتی ہیں یا وہ جنہیں اللہ تعالیٰ صورت اعمال سے پیدا فرماتا ہے جس طرح کہ اس کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صحیح احادیث وارد ہیں۔ اور باب سابق میں اس میں طویل کلام فرمایا۔

ماترید انفسکم کی بجائے ماتشتھی انفسکم فرمانے میں حکمت

اگر تو کہے کہ ما ترید انفسکم کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قول ولکم فیھا ما تشتھی انفسکم میں کیا حکمت ہے؟ جواب یہ ہے کہ اس میں حکمت جیسا کہ شیخ نے ۳۲۸ ویں باب میں فرمایا یہ ہے کہ ہر مراد مشتہی نہیں ہوتا کیونکہ ارادہ اس چیز کی ایجاد سے تعلق رکھتا ہے جس سے لذت حاصل ہو اور اس سے جس سے لذت حاصل نہ ہو۔ رہی شہوت تو یہ لذت کی چیز کے ساتھ خاص ہے۔ اسی لئے سعداء، اعمال ارادہ اور قصد کے ساتھ حاصل کرتے ہیں۔ اور نتائج شہوت کے ساتھ حاصل کرتے ہیں۔ تو جسے حالت عمل میں شہوت عطا ہوئی پس اس نے عمل کے ساتھ لذات پائی جس طرح کہ اس کے نتیجے کے ساتھ لذت پاتا ہے۔ تو اس کے لئے اس کی نعیم اس دنیا میں دے دی گئی۔ اور جسے حالت عمل میں ارادہ بغیر شہوت کے عطا کیا گیا تو وہ صاحب مجاہدہ ہے۔ نتیجہ شہوت کے ساتھ پائے گا۔ لیکن یہ مرتبہ پہلے سے فروتر ہے۔

اگر کہا جائے کہ شہوات آخرت میں شہود تجلیات حق تعالیٰ سے مانع اور صاحب شہوات کے لئے باعث حجاب کیوں نہیں ہوتیں جس طرح کہ یہ اس دنیا میں خواہشات حاصل کرنے کا حکم ہے۔ باوجودیکہ دار آخرت میں شہوات کی لذت دنیا کی شہوات کی لذت سے کہیں فزوں تر ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ شہوات آخرت اللہ تعالیٰ سے اس لئے محجوب نہیں کرتیں کیونکہ تجلی وہاں آنکھوں پر ہوگی۔ اور آنکھیں محل شہوات نہیں ہیں۔ بخلاف اس دار میں تجلی کے کیونکہ وہ بصیرتوں اور بواطن پر ہے نہ کہ ظواہر پر۔ اور یہ معلوم ہے کہ بواطن ہی محل شہوات ہیں جبکہ شہوات مذمومہ اور تجلی الٰہی ایک محل میں کبھی جمع نہیں ہوتیں۔ پس اسی لئے عارفین اور زاہدین اس دنیا میں شہوات نفوس حاصل کرنے میں قلت کی طرف مائل ہوئے ہیں۔ جب انہوں نے ان خواہشات کو اپنے لئے امر کی حقیقت کے مشاہدہ سے باعث حجاب پایا۔ کیونکہ علوم۔ انوار۔ اور تجلیات کے ادراک سے مانع وہ شہوات وشبہات کی کدورتیں ہیں جو کہ اعضاء میں ورع شرعی کے رکن کو گرانے والی ہیں۔ علاوہ ازیں شہوات کی کدورتیں استعداد میں اثر انداز ہوتی ہیں اور حجاب لاتی ہیں۔ گرچہ مثلاً کھانا پینا اور نکاح حلال ہو۔ پس اسے سمجھ لے۔ اسے شیخ نے فتوحات کے پندرھویں باب میں ذکر کیا ہے۔

رب العزت کی روزانہ رؤیت کی تعداد اور نماز کی اہمیت

اگر کہا جائے کہ ہر روز بندہ اپنے رب کی کتنی مرتبہ زیارت کرے گا؟ تو اس کا جواب اس بیان کے مطابق جو شیخ نے ۱۹۸ ویں باب میں فرمایا یہ ہے کہ جنت میں ہر بندے کی اپنے رب کریم کی زیارت اس کی نماز کی مقدار کے مطابق ہوگی۔ جس طرح کہ اسے آخرت میں اس کی زیارت اس کے حضور اس کی اپنی نماز میں حاضری کی مقدار کی مناسبت سے ہوگی۔ جس طرح کہ اس کی اپنے رب سے ہم نشینی اس دنیا میں اس کے واجبات اور مستحبات کے اپنانے اور حرام اور مکروہات کے ترک کرنے کے معیار پر ہوگی۔ جس طرح کہ بندے کی مباح میں اپنے رب کی ہم نشینی اس میں اس کی نیت کے مطابق ہوگی۔ پس اگر بندے نے ارتکاب مباح میں اپنے رب کا یا اس کی نیت کے ساتھ صاحب تشریع کا شہود حاصل کیا اور غفلت کے ساتھ اس کا ارتکاب نہ کیا جیسا کہ غالب طور پر ہوتا ہے تو اس کا حکم مندوب کا حکم ہے۔ پس وہ اپنے رب کے حضور وہاں حاضر ہ گا جس طرح کہ فعل مندوب میں اس کی بارگاہ حاضر ہوتا ہے۔ اور اگر اس سے محجوب رہا اور غفلت کے ساتھ مباح فعل کیا تو اسے اس سے کوئی حصہ نہیں جس کا ہم نے ذکر کیا ہے۔

جنتی میووں کے متعلق سوالات اور جوابات

اگر تو کہے کہ کیا سدرۃ المنتہی کا پھل اہل جنت کی تعداد کے مطابق زیادتی کے بغیر ہوگا جیسے کہ کہا گیا ہے یا وہ ان کی گنتی سے زاید ہے جیسے کہ دینوی میووں کا حکم ہے؟ تو جیسا کہ شیخ نے باب سابق میں فرمایا اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا پھل سعداء کی ارواح اور ان کے اعمال کی گنتی پر ہوگا بلکہ ہم کہتے ہیں کہ پھل عین ان کے اعمال ہیں اور اس میں طویل کلام فرمایا۔ پھر فرماتے ہیں: پس معلوم ہوا کہ جنت اعمال میں کوئی قصر (محل) ہے نہ طاق مگر اس سدرہ کی شاخوں میں سے ایک شاخ اس میں داخل ہے اور اس شاخ میں پھل اسی قدر ہوگا جتنی کہ اس عمل میں حرکات ہیں جن کی صورت وہ شاخ ہے۔

اگر تو کہے کہ اس کے پتوں کا حسن اور عدم حسن میں کیا حکم ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ اس کے پتوں کا حکم یہ ہے کہ ان میں حسن اس قدر ہوگا جتنا وہ بندہ اس عمل میں حاضر رہا، جس کا مظہر پتے ہیں جس طرح کہ ہر شاخ کے پتوں کی گنتی ان انفاس کی گنتی کے مطابق ہوگا جو کہ اس عمل میں ہیں۔ شیخ محی الدین فرماتے ہیں: اور جان لے کہ اس سدرہ کے ساتھ زیادہ سعادت منداہل بیت المقدس ہیں جس طرح کہ مقدس کے ساتھ زیادہ سعادت منداہل کوفہ ہیں۔ جس طرح کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ زیادہ سعادت منداہل حرم مکی ہیں۔ جس طرح کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ زیادہ سعادت منداہل قرآن ہیں۔ انتہی۔ امام شعرانی فرماتے ہیں اس کلام کے لئے مجھے کسی دلیل پر اطلاع نہیں ہوئی۔ واللہ اعلم۔

اگر کہا جائے کہ اس درخت سے کھانے کی کیا حکمت ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ اس کی حکمت اہل جنت کے قلوب سے کینے کا زائل ہونا ہے۔ پس ان میں سے کسی کے قلب سے کینہ زائل نہیں ہوگا مگر جبکہ اس سے کھائے۔ واللہ اعلم۔

اگر تو کہے کہ جنتی میووں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے قول لامقطوعہ و لاممنوعۃ سے کیا مراد ہے (الواقعہ آیت ۳۳) نہ وہ ختم ہوں نہ ان سے روکا جائے)۔ کیا اس سے مراد یہ ہے کہ سال کی سب فصلوں میں ختم نہیں ہوں گے یا کچھ اور مراد ہے؟ اس کا جواب جیسا کہ شیخ محی الدین نے باب نمبر ننانوے میں فرمایا ہے یہ ہے اس سے مراد بعض کے نزدیک وہ ہے جو کہ سوال میں مذکور ہے۔ اور وہ یہ ہے

کہ میوے ان کا موسم گزرنے سے ختم ہو جاتے ہیں پھر دوسرے سال میں دوبارہ ہوتے ہیں۔اور مراد یہ ہے کہ ان کا ہونا دائمی ہے۔ منقطع نہیں ہوتے۔علم العقول کی رسائی یہاں تک ہے۔اور ہمارے ہاں جو لامقطوعہ و لاممنوعۃ کے متعلق علم ہے یہ ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ اس میں ہمارے لئے رزق مقرر فرماتا ہے جسے توڑنا اور حاصل کرنا کہتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے جنات کے لئے ہڈیوں میں رزق رکھا ہے۔اور ہم ہڈیوں کو گھٹتا نہیں دیکھتے۔پس ہم بلاشبہ جنتی پھل توڑ کر کھائیں گے باوجودیکہ پھل اس درخت میں اپنی جگہ پر ہوگا اس سے زائل نہیں ہوگا۔کیونکہ وہ دار بقاء ہے۔اس میں امور معرض وجود میں ہوتے ہیں۔اسی لئے اسے دار تکوین کہتے ہیں نہ کہ دار اعدام یعنی معدوم کرنے کا جہان۔اور اس کی مثال بازار جنت ہے اس میں مومن جنتی صورتوں میں جس صورت میں چاہے گا داخل ہوگا باجودیکہ وہ اپنی صورت پر ہوگا۔اس کے اہل خانہ میں سے کوئی بھی اس کا انکار نہیں کرے گا۔اور ہم جانتے ہیں کہ ہم نے صورت جدیدہ تکوینیہ پہن لی ہے باوجودیکہ ہم اپنی صورت پر باقی ہیں۔پس وہاں عقول اور معقول کہاں۔

اگر کہا جائے: کیا اہل جنت اس کی کسی شے سے محجوب ہوں گے یا وہ سب کی سب ان کی مشاہدہ میں ہوں گی؟ تو جواب یہ ہے کہ اہل جنت کے خصائص میں سے ہے کہ ان سے عالم کی کوئی چیز غائب نہیں ہوگی بلکہ عالم سب کا سب اپنے مراتب پر ان کے لئے مشہود ہوگا۔ باوجودیکہ وہ نیند کے ساتھ متصف نہیں ہیں جیسا کہ اس کی وضاحت گزر چکی۔

اگر کہا جائے: کیا اہل جنت تمنا کے ساتھ نعمتیں حاصل کریں گے؟ جواب یہ ہے کہ اس کے ساتھ وہ نعمتیں حاصل کریں گے بلکہ وہ ان کے لئے سب سے عظیم نعمت ہے۔پس ان میں سے کوئی بھی اپنی نعمت سے برتر کا وہم یا تمنا نہیں کرے گا مگر اسے حاصل ہوگا اور وہ اپنے آپ میں پائے گا۔

اگر کہا جائے: انہیں یہ دائمی نعمت اور جزائے عظیم جو کہ دار دنیا میں ان کی طاعات کی مدت سے زاید ہیں دینے کا سبب کیا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ اس میں سبب ان کی نیت صالحہ ہے جس پر وہ دار دنیا میں تھے۔اور وہ یہ کہ ان میں سے ایک تمنا کرتا تھا کہ اگر وہ ابد الآباد تک رہتا تو اللہ تعالیٰ کا مطیع ہوتا اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا۔اہل جہنم کے برعکس۔پس جب مومن کے ساتھ عنایت الٰہیہ کم ہوئی [illegible] نے دوام اعمال کی جو نیت کی تھی پوری نہ ہوئی تو اسے اللہ تعالیٰ نے اس تمنا کی مثل جنت میں عطا فرمائی۔پس اس لئے جنت میں وہ سب [illegible] ہوگا جس کی وہ تمنا کرے گا۔پس یہ ان اعمال والوں کے ساتھ لاحق ہوگا جن کی اس نے ابد الآباد تک کے لئے نیت کی تھی۔علاوہ [illegible] دار دنیا میں مشقت سے بھی اسے راحت رہی۔جیسا کہ یہ اس کے متعلق حدیث پاک میں وارد ہے کہ جس نے قیام لیل کی نیت کی پھر اللہ تعالیٰ نے صبح تک اس کی روح کو روکے رکھا اس کے لئے اللہ تعالیٰ اس کے قیام کا اجر لکھ دیتا ہے جس کی اس نے نیت کی تھی۔

جنت برزخیہ

اگر تو کہے: ہمیں یہ خبر بھی پہنچی ہے کہ ہمارے لئے ایک اور جنت برزخیہ ہے۔پس وہ جنت کیا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ اس جنت کی طرف قرآن کریم نے اشارہ فرمایا ہے۔تصریح نہیں فرمائی۔اور وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے **مثل الجنة التی وعد المتقون فیها انهار من ماء غیر آسن و انهار من لبن لم یتغیر طعمه و انهار من خمر لذة للشاربین و انهار من عسل مصفی** (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آیت ۱۵) جس جنت کا متقین سے وعدہ کیا گیا ہے اس کا حال یہ ہے اس میں نہریں ہیں ایسے پانی کی جس کی بو

اور مزہ نہیں بگڑتا۔ اور نہریں ہیں دودھ کی جس کا ذائقہ نہیں بدلتا۔ اور نہریں ہیں شراب کی جو کہ پینے والوں کے لئے لذت بخش ہیں اور نہریں ہیں شہد کی جو صاف ستھرا ہے)۔ شیخ محی الدین فرماتے ہیں: یہ جنت اس لئے برزخیہ ہے کیونکہ محسوسہ نہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد **متكئين على سرر مصفوفة** (الطور آیت ۲۰) تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے بچھے ہوئے پلنگوں پر۔ نہ ہی روحانیہ ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ قول **في مقعد صدق عند مليك مقتدر** (القمر آیت ۵۵) بڑی پسندیدہ جگہ میں عظیم قدرت والے بادشاہ کے پاس ہوں گے)۔ پس اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی عقول کے فرق کے مطابق جنت کے متعلق بیان فرمایا۔ شیخ نے کہا: اور حضرت مسیح علیہ السلام نے اس نعیم روحانی کی تصریح فرمائی ہے جس کی طرف ہم نے اشارہ فرمایا ہے۔ پس آپ نے حواریین سے فرمایا جبکہ آپ نے انہیں ایک وصیت فرمائی اور اس سے فارغ ہوئے کہ جب تم نے اس پر عمل کیا جو میں نے تمہیں حکم دیا ہے تو کل ملکوت سماوات میں تم میرے اور اپنے رب کے پاس ہو گے اور تم فرشتوں کو دیکھو گے جو کہ اللہ تعالیٰ کے عرش کے ارد گرد اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح و تقدیس کرتے ہیں۔ اور تم وہاں کھائے پیئے بغیر تمام لذتوں سے استفادہ کرو گے۔

شیخ نے فرمایا: حضرت مسیح نے اس کی صراحت فرمائی اور رمز کے ساتھ بیان نہیں فرمایا جس طرح کہ ہماری کتاب نے رمزاً بیان کیا کیونکہ آپ کا خطاب اس قوم کے ساتھ تھا جنہیں تورات اور کتب انبیاء نے تہذیب سکھائی۔ اور وہ اس کے تصور اور قبولیت کے لئے فیضیافتہ اور تیار تھے۔ بخلاف ہمارے نبی پاک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کہ آپ کی بعثت کا اتفاق ان پڑھ۔ صحرا نشینوں اور پہاڑی لوگوں میں ہوا جو کہ علوم کے ساتھ ریاضت یافتہ تھے نہ قیامت میں زندہ ہونے اور اٹھنے کا اقرار کرنے والے تھے۔ بلکہ دنیا کے بادشاہوں کی نعمتوں کے شناسا بھی نہ تھے چہ جائیکہ ملوک آخرت کی نعمتوں سے انہیں شناسائی ہو۔ پس اسی لئے ان کی کتاب میں جنت کے اکثر اوصاف جسمانیہ آئے تا کہ قوم کے فہم کے قریب لائے جائیں اور ان کے نفسوں کے لئے ترغیب ہو۔ انتہی۔

اگر کہا جائے: انہار جنت کی تعداد کے زائد ہونے کی بجائے چار ہونے میں کیا حکمت ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ یہ اس لئے چار ہیں کیونکہ تجلی علمی واقع نہیں ہوتی مگر چار صورتوں میں پانی۔ دودھ۔ خمر اور شہد۔ اور ان چار میں سے ہر قسم کے لئے اہل لوگ ہیں۔ پس پانی کی انہار کے اہل ان علوم والے ہیں جن میں آراء کا دخل ہے۔ اور دودھ کی نہروں والے کہ جس کا ذائقہ متغیر نہیں ہوتا اپنی پختگی یا خلوص کی وجہ سے یا ائمہ مجتہدین کی تربیت کی وجہ سے جو کہ استنباط صحیح والے ہیں۔ اور انہار خمر والے وہ علوم ذوقیہ والے ارباب امانت ہیں حضرت خضر علیہ السلام کے علم کی طرح۔ اور صاف شہد کی نہروں والے وہ اللہ تعالیٰ اور اس کی شرائع کا طریق وحی۔ ایمان اور صفاء الہام کے ساتھ علم رکھنے والے ہیں۔ انتہی۔

اگر تو کہے کہ اس تکوین کی صفت کیا ہے جو کہ اہل جنت کو عطا ہوگی؟ تو جواب یہ ہے کہ اس کی صورت یہ ہے ان میں سے جسے بھی کسی شے کا ہونا کھٹکے گا وہ پلک جھپکنے سے پہلے ہو جائے گا۔ پس اہل جنت جو چاہیں گے وہاں حاجت اور ذلت اٹھ جانے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے معرض وجود میں لاتے رہیں گے۔ کیونکہ ذلت اہل جہنم کے لئے خاص ہے۔ اور اہل جنت کے لئے عزت ہی عزت ہوگی۔

اگر تو کہے: کیا حکم اعظم، جنت میں اجسام کے لئے ہے یا ارواح کے لئے؟ تو جواب یہ ہے کہ حکم، جنت میں دنیا کے برعکس ارواح کے لئے ہے نہ کہ اجسام کے لئے۔ پس اہل جنت کے اجسام ان کی ارواح میں لپٹے ہوں گے۔ اور ارواح ان کے اجسام کے لئے ظرف ہوں گی۔ اور ظہور و حکم ارواح کے لئے ہوگا۔ اسی لئے وہ جن صورتوں میں چاہیں گے ڈھل جائیں گے جس طرح کہ آج ہمارے ہاں

ملائکہ اور عالم ارواح ہیں نہ کہ اجسام۔
شیخ محی الدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بعض اہل کشف نے ٹھوکر کھائی ہے۔ پس اس نے کہا ارواح کا حشر ہو گا نہ کہ اجسام کا۔ (یہ اس وجہ سے کہا) جب اس نے اہل جنت کا جیسے چاہا صورت بدلنا دیکھا۔ اور اس سے ہمارے قول کے مطابق اجسام کا ارواح میں لپٹنا غائب رہا۔ اگر وہ اپنی نظر میں کشف کی تحقیق کرتا تو اجسام کو ارواح میں لپٹا ہوا پاتا۔
اگر تو کہے کیا صفائی میں اہل جنت کے اجسام مختلف ہوں گے؟ تو جواب یہ ہے کہ ہاں ان کے ابدان دار دنیا میں ان کے اعمال صالحہ کی صفائی کے معیار کے مطابق جوہر بنیں گے۔ پس جس کا اخلاص اس کے عمل وعلم اور اس کی توحید میں زیادہ ہو گا وہ زیادہ روشن اور شفاف ہو گا۔
اگر تو کہے کہ چونکہ اہل جنت کے ابدان کو کستوری کا پسینہ آئے گا۔ اور دنیا کی طرح ان کے لئے فضلات نہیں ہوں گے تو کیا ان کی ادبار ہوں گی؟ تو جواب یہ ہے کہ اس کے متعلق ہمارے لئے نقل کے طریقے سے کچھ وارد نہیں ہوا۔ اور جو ظاہر ہوتا ہے یہ ہے کہ اہل جنت کے مطلقاً ادبار نہیں ہیں۔ کیونکہ دبر تو دنیا میں غلاظت کے مخرج کے طور پر بنائی گئی جبکہ یہاں غلاظت نہیں ہے۔ اور اگر مرد کے لئے وہاں اپنی بیوی کی مقاربت کے لئے یا ولادت کے لئے آلہ تناسل کی ضرورت نہ ہوتی تو اہل جنت کے لئے ذکر وفرج نہ ہوتے۔

درجات جنت

اگر تو کہے کہ جنت کے درجات کتنے ہیں؟ تو جواب یہ ہے کہ وہ ایمان کے شعبوں کی تعداد پر ہیں۔ کم نہ بیش۔ اور حدیث پاک میں وارد ہے کہ شعب ایمان کچھ اوپر ستر ہیں۔ اور بضع ایک سے نو تک ہے۔ تو جس میں تمام شعب ایمان جمع ہوئے تو یہ وہی ہے جو جنت میں جہاں چاہے گا رہے گا۔ اور شیخ محی الدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: آٹھ جنتوں کی ایک دوسرے سے مجاورت کی صورت آٹھ دائروں کی صورت ہے۔ جنت، قلب جنت میں۔ ان سے اعلیٰ جنت عدن بمنزلہ محل شاہی کے ہے۔ اس کے ارد گرد آٹھ فصیلیں ہیں۔ ہر دو فصیلوں کے درمیان جنت ہے۔ اور فضیلت میں جنت عدن کے قریب جنت الفردوس ہے۔ پھر جنت الخلد۔ پھر جنت النعیم الخ جیسے کہ گزر چکا۔ فرماتے ہیں: ان جنتوں میں سے ہر ایک پر اس کی اخوات کا نام صادق آتا ہے۔ پس جنت نعیم مثلاً جنت خلد۔ دار سلام۔ جنت ماویٰ اور جنت مقامہ ہے الخ۔
اگر تو کہے کہ ان جنتوں کا مقام وسیلہ کے ساتھ کوئی اتصال ہے جو کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خاص ہے اس حیثیت سے کہ آپ اپنی امت کے لئے وہ شریعت عطا فرمانے والے ہیں جس کے ذریعے انہیں داخلۂ جنت تک رسائی ہوئی؟ تو جواب یہ ہے کہ ہاں ان جنتوں میں سے کوئی جنت نہیں مگر وہ مقام وسیلہ کے ساتھ متصل ہے۔ اور یہ اس لئے تاکہ وہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رخ انور کے مشاہدہ سے بہرہ ور ہوں۔ پس تمام جنتیں مقام وسیلہ ہی کی فرع ہیں۔ پس اس کا ہر جنت میں شعبہ ہے۔ اور اسی شعبہ سے اہل جنت کے لئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظاہر ہوں گے۔ پس وہ شعبہ ہر جنت میں سب سے عظیم مقام ہو گا (اقول وباللہ التوفیق۔ اس سے یہ پتہ چلا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاضر وناظر جاننے اور ماننے کا عقیدہ جو کہ اہل سنت کا عقیدہ ہے قیامت کے دن اہل جنت اس حقیقت کا مشاہدہ کریں گے۔ فالحمد للہ رب العالمین۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ)
اگر تو کہے کہ کیا درجات جنت طبقات جہنم کے برابر ہیں جیسا کہ کہا گیا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ ہاں وہ ان کے برابر ہیں جس طرح کہ اسے شیخ

نے باب نمبر ۲۹۶ میں بیان کیا ہے۔اور اس کی وضاحت یہ ہے کہ یہاں نہیں ہے مگر امر اور نہی۔ تو اگر بندے نے وہ عمل کیا جس کا اسے امر دیا گیا تو اس کے لئے درجہ ہے۔اور جس نے اس پر عمل کیا جس سے اسے روکا گیا تھا تو اس کے لئے اس درجے کے مقابلہ میں طبقہ ہے۔ اگر اس درجہ سے ایک کنکر گرایا جائے تو وہ جہنم کے اس طبقہ کے خط استواء پر گرے گا۔اور اسی طرح انسان جب امر کے مطابق عمل کرنے سے گرتا ہے اور عمل نہیں کرتا تو وہ نزول اس عمل کے لئے اس کا اس طبقہ کی طرف عین سقوط ہے۔ پس معلوم ہوا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنت کی پرائی ہیں۔ پس کوئی ولی اپنی جنت میں ناز و نعمت حاصل نہیں کرتا مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے ساتھ اس کی نعمت کے ساتھ متنعم ہیں اس میں اس کے شریک ہیں۔ کیونکہ ولی کی وہاں تک رسائی نہیں ہوتی مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت پاک کی اتباع کی وجہ سے۔ پس اسی لئے آپ کے تنعم میں آپ کے ساتھ سر نبوت قائم ہے۔اور یہ معنی ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کا کہ جس نے اچھا طریقہ جاری کیا تو اس کے لئے اس کا اجر ہے اور اس کا اجر جس نے اس پر عمل کیا۔ پس آپ کے لئے ان تمام افراد کی لذت نعیم کی مثل لذت ہے جنہوں نے آپ کی شریعت پر عمل کیا۔ آپ کے پاکیزہ اعمال کا ثواب اس پر مستزاد ہے۔اور شیخ تقی الدین السبکی وغیرہ کے قول کے مطابق تمام انبیاء کی شرائع حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باطن سے ہیں اس حیثیت سے کہ آپ تمام انبیاء کے نبی ہیں۔ پس آپ کے لئے تمام شرائع پر تمام عمل کرنے والوں کے اجر کی مثل اجر ہے۔

آخرت میں حضور علیہ السلام کا رتبہ اعظم

اگر تو کہے کہ آخرت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سب سے عظیم مقام کیا ہوگا؟ تو جواب یہ ہے کہ آپ کے لئے سب سے عظیم مقام اللہ تعالیٰ کے حضور آپ کا اس عظیم دن میں اوامر الٰہیہ نافذ کرنے کے لئے کھڑا ہونا ہے۔ پس آپ تمام خلائق کے سامنے بادشاہ عادل جل وعلا کے دربار میں ترجمان ہوں گے۔ شیخ محی الدین فرماتے ہیں: اس مقام میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص سے یہ ہے کہ اہل موقف سب کے سب وہاں آپ سے ہی فیض حاصل کریں گے کیونکہ آپ وہاں سراپا رخ ہوں گے۔ اپنی تمام جہات سے دیکھیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف آپ کے لئے ہر جہت میں نشان ہوں گے۔ جو ارادہ فرمائیں گے سمجھ لیں گے۔

منزل امام علی مرتضٰی وسیّدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہما

اگر تو کہے کہ شجرۂ طوبیٰ کی اصل کون سی منزل میں ہوگی؟ تو جیسا کہ شیخ محی الدین فتوحات کے باب نمبر ۹۱ میں اور شیخ ابن ابو المنصور اپنے رسالہ میں فرماتے ہیں جواب یہ ہے کہ شجرۂ طوبیٰ کی اصل امام علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی منزل میں ہے۔ کیونکہ شجرۂ طوبیٰ وہ مظہر نور سیّدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کا حجاب ہے۔ تو آٹھوں جنتوں میں سے کوئی جنت نہیں نہ ہی اس میں کوئی درجہ۔ گھر اور مکان مگر اس میں شجرۂ طوبیٰ کی شاخ ہے۔ اکثر لوگ نہیں پہچانتے کہ اس کی اصل کہاں ہے حتیٰ کہ ان میں سے بعض نے جسے احوال جنت کا کشف ہوا گمان کیا کہ اشجار جنت کی جڑیں زمین کی بجائے ہوا میں ہیں۔ جبکہ اس نے صرف شاخ ہی دیکھی۔ حالانکہ وہ ارض جنت میں لگائے گئے ہیں جو کہ مسک اذفر ہے اور اس سب کی اصل ہے حتیٰ کہ جنت میں ہر نعمت کا سرّ اور اولیاء کا ہر نصیب سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نور سے متفرع ہوگا۔ کیونکہ ہر شاخ میں جو کہ کسی گھر یا قصر یا مخدع میں لٹک رہی ہے وہ سب کچھ ہے جو کہ آدمی جنت میں پھل۔ حلوں۔ پرندوں۔ حورعین وغیر ذالک میں سے طلب کرے گا۔

اگر تو کہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کا "اکلھا دائم" (الرعد آیت ۳۵) اس کا پھل ہمیشہ رہے گا)۔اور اللہ تعالیٰ کے اس قول کا ولھم

رزقهم فیها بکرۃ و عشیا (مریم آیت ۶۲) اور وہاں انہیں ان کا رزق صبح و شام ملے گا)۔ کیا معنی ہے؟ کیونکہ پہلی آیت پھل کے دوام کا تقاضا کرتی ہے جبکہ دوسری آیت ایک وقت کی بجائے دوسرے وقت کے ساتھ اس کی تخصیص کی متقاضی ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول اکلہا دائم کا معنی ہے کہ وہ جب بھی خواہش کریں گے ان سے کوئی چیز منقطع نہیں ہوگی۔ نہ یہ کہ وہ ہمیشہ کھاتے رہیں گے۔ لیکن چونکہ غذا قوت کے ساتھ جسم کی مدد کرتی ہے یہ اسی کی مثل ہوگا جو کہ ہمیشہ کھاتا ہے۔

اگر تو کہے: دنیا کے کھانے اور جنت کے کھانے کی لذت کے درمیان کیا فرق ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ دنیا کے کھانے کی لذت اس کے پیٹ میں اترنے کے بعد زائل ہو جاتی ہے بخلاف آخرت کے کھانے کے کہ اس کی لذت پیٹ میں باقی رہنے کی مدت تک باقی رہے گی حتیٰ کہ اس پر دوسرا طعام نازل ہو جس سے اس کے لئے دوسری لذت کی تجدید ہو جائے جو کہ ماقبل سے زیادہ عام ہوگی اور اسی طرح یہ سلسلہ رہے گا۔

اگر تو کہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول بکرۃ و عشیا کا کیا معنی؟ باوجودیکہ وہاں سورج نہ چاند جس طرح کہ دار دنیا میں ہے؟ تو جواب یہ ہے جیسا کہ شیخ نے فتوحات میں فرمایا ہے: اس کا معنی دنیا کے احوال کے پیش نظر صبح و شام کی مقدار ہے۔ فرماتے ہیں: کیونکہ وہ حرکت جو کہ سورج کو چلاتی تھی اور اس کی وجہ سے اس کا طلوع و غروب ظاہر ہوتا تھا فلک اطلس میں موجود ہے جو کہ جنت کی چھت ہے۔ اور تمام کواکب سیارہ اس میں اسی طرح تیر رہے ہوں گے جس طرح کہ وہ آج اپنے افلاک میں تیر رہے ہیں کوئی فرق نہیں۔ فرماتے ہیں: اور اگر یہ نہ ہوتا تو اہل تقویم دنیا میں پہچان نہ سکتے کہ کب گرہن ہوگا اور نہ یہ کہ ہماری آنکھوں سے سورج کی روشنی کا کتنا حصہ جائے گا۔ تو اگر مقادیر موضوعہ اور موازین محکمہ نہ ہوتے جو کہ اللہ تعالیٰ نے تقویم والوں کو سکھائے ہیں تو ان میں سے کسی کو معلوم نہ ہوتا کہ گرہن کب ہوگا۔

حجاب عظمت

اگر تو کہے: کیا جنت میں خواص میں سے کسی کے لئے حجاب عظمت کا اٹھایا جانا صحیح ہے حتیٰ کہ خواص اپنے رب کو علی وجہ الاحاطہ دیکھیں؟ تو جواب یہ ہے کہ حجاب عظمت جو کہ اللہ تعالیٰ کے عدم احاطہ سے کنایہ ہے کبھی اٹھایا نہیں جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کی رؤیت کے کمال سے مراد صرف کسی ایسے امر کے انکشاف کا اضافہ ہے جو کہ اس سے پہلے اہل جنت کے لئے نہیں تھا۔ کیونکہ اگر حجاب عظمت کھول دیا جائے تو خلق از روئے علم اپنے رب کا احاطہ کر لے اور اسے اس طرح پہچان لیں جس طرح وہ خود اپنے آپ کو جانتا ہے۔ اور اس کا کوئی قائل نہیں۔ پس تمام اہل جنت کے لئے واقع ہونے والی لذت رؤیت تو صرف اور صرف ان کے لئے مزید انکشاف ہے اور کچھ نہیں۔ اور اسی لئے محققین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رؤیت بلا کیف ہوگی۔

آیت پاک اور حدیث شریف میں مطابقت

اگر تو کہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول ادخلوا الجنة بما کنتم تعملون (النحل آیت ۳۲) جنت میں داخل ہو جاؤ ان نیک اعمال کے باعث جو تم کیا کرتے تھے)۔ اور اس حدیث پاک میں وجہ جامع کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی بھی اپنے عمل کے باعث جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ عرض کی گئی: یا رسول اللہ! اور نہ ہی آپ؟ فرمایا: نہ ہی میں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنے رحمت کے ساتھ ڈھانپ لے۔ تو جواب یہ ہے کہ یہ اسباب کو ان کے مسببات پر معلق کرنے سے ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف

سے ہے۔تو جس نے دخول جنت کے عمل پر موقوف ہونے پر نظر کی تو اس نے کہا کہ وہ جنت میں اپنے عمل کے باعث داخل ہوا۔اور جس نے خالق سبب کی طرف نظر کی اس نے کہا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت سے جنت میں داخل ہوا۔اور شیخ کامل و راسخ محی الدین بن العربی نے فتوحات کے ۲۸۹ویں باب میں شیخ ابو مدین امام الجماعۃ رضی اللہ عنہ سے نقل فرمایا کہ آپ نے فرمایا: سعداء جنت میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے داخل ہوں گے۔جبکہ اشقیاء جہنم مین اللہ تعالیٰ کے عدل سے داخل ہوں گے۔اور ہر کوئی اپنے گھر میں اعمال کے ساتھ داخل ہوگا۔اور وہاں نیتوں کی بنا پر ہمیشہ رہے گا۔انتہی۔شیخ محی الدین فرماتے ہیں: یہ کلام صحیح اور خوبصورت کشف ہے۔ایسی خبر ہے جس پر بزرگی۔ادب اور وقار ہے۔انتہی۔واللہ اعلم۔

خاتمہ۔سجدۂ اہل اعراف

جب اہل اعراف وہ سجدہ کریں گے جس کا انہیں قیامت کے دن حکم دیا جائے گا تو ان کا میزان جھک جائے گا اور وہ سعادت مند ہو جائیں گے اور جنت میں داخل ہوں گے۔شیخ محی الدین نے فرمایا: یہ سجدہ وہ آخری حکم ہے جو کہ تکالیف دنیا میں سے باقی رہ جائے گا۔کیونکہ قیامت کا دن، دنیا اور آخرت کے درمیان برزخ ہے۔پس اس کے لئے ایک رخ احکام دنیا کی طرف ہے۔اسی کے باعث اہل اعراف کو سجدہ کی طرف بلایا جائے گا جس کی وجہ سے ان کا میزان وزنی ہو جائے گا۔اور اس کا ایک رخ آخرت کی طرف ہے اسی کی بنا پر انہیں ان کے اعمال کی جزا دی جائے گی۔اور اہل اعراف کو جہنم میں گرنے سے نہ روکا حالانکہ وہ پل پر تھے مگر ان کی توحید کے وجود نے۔پس وہ انہیں گرنے سے مانع رہی حتیٰ کہ ان سے یہ سجدہ پایا گیا۔تو اے بھائی! توحید کی اہل توحید کے ساتھ عنایت ملاحظہ کر۔ فالحمد للّٰہ رب العالمین۔

چاہئے کہ یہ کتاب الیواقیت والجواہر فی بیان عقائد الاکابر کی انتہاء ہو۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنے وجہ کریم کے لئے خالص قرار دے۔اور اس کے ساتھ اس کے مؤلف۔اس کے کاتب۔اس کے سامع اور اس میں نظر کرنے والے کو نفع دے۔اور میں نے بحمد اللہ تعالیٰ اسے ایک ماہ سے کم مدت میں تالیف کیا ہے۔اور میں نے فتوحات کا مطالعہ اس کے مباحث کی گنتی کے برابر کیا۔پس میں ہر بحث پر اس کے مناسب نقول حاصل کرنے کے لئے ساری کتاب کا مطالعہ کرتا۔اور لوگوں نے اسے کرامات سے شمار کیا ہے۔کیونکہ فتوحات کی دس ضخیم جلدیں ہیں۔پس اس حساب سے میں نے ہر روز اڑھائی مرتبہ مطالعہ کیا ہے۔اس کی مقدار یومیہ پچیس اجزاء ہیں اور ہم نے ازیں پیشتر بحث کرامات میں بیان کیا ہے کہ صاحب کرامات پر واجب ہے کہ وہ اس پر ایمان لائے جس طرح وہ اس پر اس وقت ایمان لاتا ہے جب اس کے غیر کے ہاتھ پر واقع ہو۔پس مؤلف اس کرامت پر پہلا ایمان لانے والا ہے۔پس اللہ تعالیٰ کے لئے اوّل و آخر حمد ہے۔

اور اس کی تالیف سے ۱۷ رجب المرجب ۹۵۵ھ بروز مبارک پیر کو مصر محروسہ میں مؤلف کے گھر دو فصیلوں کے مابین فراغت ہوئی۔اور" میں نے فتوحات کا مطالعہ کیا سے آخر تک سب کا سب مؤلف کے خط کے ساتھ پایا گیا۔

اللہ تعالیٰ کی حمد۔اس کی مدد اور اس کے حسن توفیق سے کتاب مکمل ہوئی۔

و صلی اللّٰہ تعالیٰ علی سیدنا محمد و علی آلہ و صحبہ و سلم تسلیما کثیرا. والحمد للّٰہ رب العالمین

العالم العلامہ الشیخ محمد الکومی نے اس کتاب کی مدحت میں اشعار لکھے ہیں جن کا ترجمہ درج ذیل ہے:

علم کے یواقیت عقائد کے ہار میں ہیں۔اس لئے اس کا معنی خوشگوار ہے۔پس اس میں جواہر ہیں۔

یہ نہیں ہے مگر اس نعمت کے لئے عطائے خداوندی نے ذات حق نے زمانۂ قدیم سے ہی نوازا ہے پس اس کی طرف سے یہ قابل تالیف کام ہے وہ عمدہ اور باب ہے جو کرم کے ساتھ یکتائے زمانہ ہے جس کا شرق و غرب میں فیض جاری ہے۔

محی الدین سے لئے حق ہے۔ اس کے علوم کو زندہ کیا اور اس کا مددگار کیا ہی دوست اور مددگار ہے۔

اے ہمارے پروردگار! اس کی کوشش کی جزائے وافر عطا فرما کہ اس سے علم عظیم و وافر ظاہر ہوا ہے۔

اور جس نے اس کی کتابوں سے نفیس مسائل سے چن چن کر حاصل کیا اللہ تعالیٰ اسے اس کا مقصد عطا فرمائے اور صلاحیتوں سے نوازے۔

اور یہ نظم لکھنے والا ولی نے محمد لکھتے ہیں اس پر اللہ کریم کی طرف سے پردہ پوشیاں ہوں۔

اور شیخ احمد ابوسیری نے شعر لکھے جن کا ترجمہ درج ذیل ہے

اے حضرت رحمٰن جل شانہ نے نیکی و احسان سے مفصل ہدیہ عطا فرمانے والے کے بندے پر رحم فرمایا اس نے تمام تفاصیل جمع کیں اور روشن کر دیں جو کہ مجمل تھیں۔ پس کس قدر حسین ہے وہ تفصیل جبکہ وہ مجمل ہو۔

میں نے اپنی آنکھوں سے چودھویں کا چاند حالہ کے وسط میں دیکھا۔ پس کہہ دے رحمٰن جل جلالہ اس بندے پر رحم فرمائے جس نے فضیلت پائی۔

اور مؤلف یعنی امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کی اپنی تحریر میں لکھا پایا گیا۔ فرماتے ہیں: اس کتاب کے مسودہ پر مصر میں مشائخ اسلام کی ایک جماعت نے تقریظیں لکھیں ہیں۔ اسے جائز قرار دیا اور اس کی تعریف کی۔ اور اس کے مؤلف کی تعریف میں شیخ شہاب الدین بن الشلبی الحنفی کی تحریر کا ایک حصہ یہ ہے کہ ہم اہل طریقت سے اکثر لوگوں کے پاس حاضر ہوئے ہیں لیکن ہم نے ان میں سے کسی کو نہیں دیکھا جو اس تالیف کے معانی کے گرد گھوما ہو۔ اور ہر مسلمان پر حسن اعتقاد اور ترک تعصب و انتقاد واجب ہے۔ اور ہم حسد سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں جو انصاف کا دروازہ بند کر دیتا ہے اور اچھے اوصاف کے اعتراف سے روکتا ہے۔ اور کیا ہی اچھا ہے جو بعض نے کہا ہے۔

جو اپنی جہالت سے رجوع نہیں کرتا اس کی ملامت کرنا اور جو سمجھتا نہیں اسے خطاب کرنا ایک مصیبت ہے۔ انتہی۔

شیخ الاسلام الفتوحی الحنبلی رضی اللہ عنہ کی تقریظ

میں سے یہ ہے کہ اس کتاب کے معانی میں طعن نہیں کرے گا مگر عناد و شک والا یا منکر کذاب۔ جس طرح کہ اس کے مؤلف کو خطا کار قرار دینے کی کوشش نہیں کرے گا مگر ہر وہ شخص جو علم کتاب سے عاری اور طریق ثواب سے کنارہ کش ہو۔ اور جس طرح کہ اس کے مؤلف کی فضیلت کا انکار نہیں کرے گا مگر ہر کند ذہن حاسد یا جاہل اور ضد کی بنا پر عناد رکھنے والا یا کج رو اور سنت سے نکل جانے والا اور ائمہ کے اجماع میں شگاف ڈالنے والا۔ انتہی۔

ہمارے شیخ شیخ شہاب الدین الرملی الشافعی رضی اللہ عنہ کی تقریظ

(کتاب کی تعریف کے بعد فرماتے ہیں) ہمیں خیال بھی نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اس زمانے میں ایسا عظیم الشان مؤلف ظاہر فرمائے گا پس اللہ تعالیٰ انہیں ملت محمدیہ کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے اور ہمیں آپ کی برکات سے نفع بخشے اور ہمیں آپ کے زمرہ میں جمع فرمائے۔

شیخ ناصرالدین اللقانی المالکی کی تقریظ

(کتاب اور اس کے مؤلف کی تعریف کے بعد فرماتے ہیں) اور جان لے کہ اسلامی فرقوں کے معتزلہ وغیرہم کی گرچہ ہمارے علماء نے مذمت فرمائی ہے پھر بھی ہمارے حق میں اپنی کتابوں میں ان کے مذاہب سے کسی چیز کی نقل موجب طعن نہیں کیونکہ بہر حال اہل قبلہ میں سے شمار ہوتے ہیں۔ ان کے بارے میں ان کے کفر کا فیصلہ نہیں کیا گیا۔ گرچہ وہ طریق استقامت سے بہک گئے جس پر کہ ائمہ شریعت ہیں۔ کیا تو زمخشری کو نہیں دیکھتا۔ گرچہ وہ مذہب معتزلہ کی طرف جھک گیا اس کا ائمہ اور علماء امت میں سے شمار ہوتا ہے۔ اور اکثر کتابیں اس کے اقوال سے بغیر انکار کے بھری ہوتی ہیں۔ تو جس طرح فروع میں کسی امام کے مقلد کو فہم میں غلطی کرنا اسے اس کے مذہب کی طرف منسوب ہونے سے خارج نہیں کرتا اسی طرح معتزلہ وغیرہ کے علماء امت کو ان کا غلطی کرنا علماء ہونے سے خارج نہیں کرتا۔ اور ائمہ کی ایک جماعت نے اہل اعتزال کے مذاہب کی پیروی کی ہے جیسے حلیمی وغیرہ۔ اور فرقوں کے اختلاف کے مقامات کی دقت اور اکثر فہموں پر اس کے خفاء کی وجہ سے یہ آپ کی امامت میں موجب طعن نہیں اور اسی طرح جو اہل نہیں اس کا طریق صوفیاء کو نہ سمجھنا موجب طعن نہیں۔ انتہی۔

شیخ محمد البرہمتوشی کی تقریظ

اور میں نے اسے مؤلف کے نسخہ پر ان کی قلم سے لکھے ہوئے سے نقل کیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

و صلی اللہ علی سیدنا محمد خاتم النبیین و علی آلہ و صحبہ اجمعین ۔سب حمد اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جس کے ذریعے اعمال صالحہ کامل ہوتے ہیں۔اور اس کی توفیق سے درجات پائے جاتے ہیں اور صلوۃ وتسلیم ہے سید السادات۔معدن الکرامات پر اور آپ کی آل۔اصحاب اور احسان کے ساتھ ان کی پیروی کرنے والوں پر ساعات کے ختم ہونے تک۔امابعد عبد فقیر الی اللہ محمد بن محمد ابن متوشی الیواقیت والجواہر فی عقائد الاکابر سے واقف ہوا جو کہ ہمارے سید و مولیٰ، الامام العالم، العامل العلامہ المحقق المدقق الفہامہ۔خاتمۃ المحققین۔وارث علوم الانبیاء والمرسلین۔شیخ الحقیقۃ والشریعۃ۔معدن السلوک والطریق جسے اللہ تعالیٰ نے تاج عرفان بخشا اور اس زمانے والوں پر اسے رفعت عطا فرمائی۔مولانا الشیخ عبدالوہاب کی کتاب ہے اللہ تعالیٰ مخلوق کو آپ سے ہمیشہ نفع بخشے۔اور اللہ تعالیٰ آپ کو بندوں کے نفع کے لئے ہمیشہ باقی رکھے۔اور اس آنکھ کے ساتھ آپ کی حفاظت فرمائے جسے نیند نہیں آتی۔تو یہ کتاب جلیل القدر ہے۔اس کے اسرار چمکتے ہیں۔سحاب فضیلت سے اس کی بارشیں مسلسل برس رہی ہیں۔تحقیق کی کیاریوں میں اس کے پھول مہک رہے ہیں۔آسمان توفیق میں اس کے سورج اور چاند چمک رہے ہیں۔رشد و ہدایت کے ذخیرۂ اشجار میں اس کے پرندے لغات حق کے ساتھ چہچہا رہے ہیں۔پس قلوب کے صفحات پر یقین کے ساتھ اس کے انوار چمک اٹھے۔پس میں اللہ کریم سے دعا کرتا ہوں کہ بندوں پر آپ کی درازی عمر کے ساتھ احسان فرمائے۔اور اس کے فضل، احسان اور خیرات سے سوال ہے کہ بندہ کو اس کی نظر سے اور دعوات سے محروم نہ کرے۔اور آپ کی بقاء وحیات کی طوالت سے ہمیں نفع بخشے۔آمین۔

انتہاء ترجمہ بمنہ وکرمہ تعالیٰ شب ہشتم رجب المرجب ۱۴۲۵ھ

بمطابق ۲۴ راگست ۲۰۰۴ء

بدھ ۱۱ بجے شب

المترجم: سید محمد محفوظ الحق غفرلہٗ

جامع مسجد غلہ منڈی، بورے والا ضلع وہاڑی

فون گھر: 067-3353494

موبائل: 0300-7724267